جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۷۷ء | نمبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ہمارا باسٹھواں سالانہ جلسہ بفضلہ تعالیٰ بڑی خیر و خوبی اور کامیابی سے سرانجام پذیر ہوا۔ جلسہ حاضری کے لحاظ سے، انتظام کے لحاظ سے اور احباب کے جوش و خلوص اور جذبۂ ایثار اور مالی قربانی ہر لحاظ سے پچھلے ...ں سے بڑھ کر تھا جس پر ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ سال گذشتہ جلسہ سالانہ پر تبلیغ بلادِ غیر کے لئے اپیل کی گئی تھی جس پر احباب ...عت نے اسّی ہزار روپیہ بصورت نقد اور وعدہ جات پیش کیا۔ امسال استحکام جماعت کے لئے مالی امداد کی درخواست کی گئی جس پر احباب نے 96483.30 روپے پیش کئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ جو دوست کسی جائز مجبوری کی وجہ سے جلسہ پر تشریف نہیں لا سکے ان ...رخواست ہے کہ وہ بھی اپنا عطیہ ارسال فرمائیں اور اس طرح یہ رقم انشاء اللہ ایک لاکھ روپے سے تجاوز کر جائے گی۔ جلسہ میں ہالینڈ اور انڈونیشیا ...ے احباب کی شمولیت ہم سب کی دلی خوشی کا موجب ہوئی ہے۔ افسوس ہے ہمارے کشمیر کے احباب تشریف نہ لا سکے۔ اللہ تعالیٰ آئندہ سال ان کی تشریف آوری کے سامان کرے۔ آمین

جلسہ سالانہ کی کامیابی میں ہماری محترم خواتین کا حصہ نمایاں اور گرانقدر ہے۔ ان کا جذبۂ ایثار اور مختلف النوع خدمات بے حد قدر کے لائق ہیں۔ اس چھیانوے ہزار چار سو تراسی روپے کی رقم میں خواتین کا عطیہ 25404.30 روپے ہے اور باقی رقم بصورت نقد وصول ہوئی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بہت سے دوستوں نے اپنا چندہ ماہوار بڑھا دیا ہے اور اس کا اثر انشاء اللہ دورانِ سال چندہ کی آمد پر ہوگا۔

ہمارے ایک مخلص دوست ملک ظفر اللہ خانصاحب نے راولپنڈی میں ایک کنال کا قطعہ زمین پیش کیا ہے جس سے جماعت ...ڈی کی ایک دیرینہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔ ملک صاحب موصوف بھی ہمارے دِلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

تمام احباب جماعت، خواتین و حضرات اور بچوں کو **نیا سال مبارک ہو**۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نئے سال میں جذبۂ خدمت اور قوتِ عمل میں مزید اضافہ ہو اور ہمارا قدم آگے بڑھے۔ والسلام مع الکرام۔

خاکسار۔ (میرزا) **مسعود بیگ** ۔ جنرل سیکرٹری ۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔

* جناب میاں اللہ بخش صاحب نے ایک لاکھ روپے کی رقم میں سے جو کمی رہ گئی تھی۔ اسکو پورا کرنیکا اعلان آپنے ایک مجلس میں فرمایا ہے۔

احمدی بنات کا یہ جلسہ فکر و تاثیر کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھنے کے علاوہ جماعت کے روشن اور شاندار مستقبل کی نشاندہی بھی کرتا ہے

روئداد جلسہ سالانہ بنات الاحمدیہ

(رپورٹ — طاہرہ جنجوعہ)

اس سال جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء جمعرات بعد دوپہر بنات الاحمدیہ کا اوّلین اجلاس منعقد ہوا۔ جس کا باقاعدہ افتتاح محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے فرمایا اور صدارت محترمہ زبیدہ محمد احمد نے کی۔

اجلاس کا آغاز آنسہ ساجدہ مبارک (دیگراں۔ مانسہرہ) نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ آنسہ ساجدہ رؤف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے اور آنسہ ناہید نے درّثمین سے مجدّدِ زمان کا منظوم کلام پیش کیا۔

اس کے بعد محترمہ جسارت نذر صاحبہ کنوینر بنات الاحمدیہ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں بنات الاحمدیہ کے اس اوّلین سالانہ اجلاس کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے صدر انجمن خصوصاً میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے احمدی بنات کی خواہشات کے پیشِ نظر اس اجلاس کے لئے جلسہ سالانہ کے پروگرام میں گنجائش رکھی۔ اس موقعہ پر محترمہ بیگم جسارت نذر صاحبہ نے تنظیم بنات الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت اور مقاصد بیان کرتے ہوئے اس کی گذشتہ کارکردگی پر تفصیلاً روشنی ڈالی اور بتایا کہ بنات الاحمدیہ کے قیام کا مقصد احمدی نظریات و روایات کا احیاء و تحفظ ہے۔ آپ نے کہا کہ اس سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بندی و تربیت کے ذریعہ نئی نسل میں احمدیت سے وابستگی اور لگاؤ پیدا کیا جائے تاکہ یہ بتدریج اپنے بزرگوں کے روحانی ورثہ کی صحیح وارث بن سکے۔ اور مستقبل میں جماعتی ذمّہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے بروقت تیار ہو سکے۔

اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے مکرم و محترم ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ محترمہ جسارت نذر صاحبہ کنوینر بنات الاحمدیہ کی جماعتی خدمات اور دینی جذبہ کی میں بڑی قدر کرتا ہوں اور بنات الاحمدیہ کی تنظیم کے سلسلہ میں ان کی کوششیں دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضرت مجدّد زمانؑ کی بیعت میں شامل ہوتے وقت ہر احمدی بالغ ہو یا نابالغ، یہ عہد کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھے گا آپ نے فرمایا یہ بڑا کٹھن عہد ہے۔ اور اس مادی دُنیا کی رنگینیوں کے ہوتے ہوئے اس کو نبھانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سچے دل سے یہ عہد کیا جائے اور اس پر عمل کرنے کا تہیّہ کر لیا جائے تو اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے اور یہ مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ہم میں سے ہر احمدی مرد و زن کو یہ کوشش جاری رکھنا چاہیئے کہ ہماری روزمرّہ کی زندگی حضرت مسیح موعودؑ کی مقرر کردہ دس شرائط بیعت کے مطابق گذرے تا کہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہو۔ اپنی تقریر کے آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے بنات الاحمدیہ کے مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں مرکزی انجمن کی طرف سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

بنات الاحمدیہ کے اجلاس کی مقررین محترمہ نجم الاسلام بدوملہی آنسہ نصرت عطیہ (پشاور) اور آنسہ طاہرہ جنجوعہ (لاہور) کے علاوہ آنسہ زاہدہ جنجوعہ نے نظم، ساجدہ رحمٰن نے "احمدیت عین اسلام ہے" کے موضوع پر ایک چھوٹی سی تقریر پیش کی جبکہ مدیحہ رسول، شاہدہ جنجوعہ، معززہ غفور، شمائلہ غفور اور غانیہ حنیف نے ایک اجتماعی نظم "میں احمدی بچی ہوں" سنائی۔ جس کو بہت سراہا گیا۔

اس اجلاس کی پہلی مقررہ محترمہ نجم الاسلام نے حضرت مسیح موعودؑ کے والہانہ جذبۂ عشقِ رسول اکرمؐ، آپ کے مجدّدانہ کارناموں اور جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت کا تفصیلاً ذکر کیا۔ آپ نے کہا یہ مقام افسوس ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہم حضرت صاحب کے مقرر کردہ ان مقاصد سے دور ہٹتے گئے۔ لیکن اب بھی وقت ہے کہ ہم ان کی طرف لوٹ آئیں اور حضرت صاحب کے پیغام پر عمل شروع کر دیں۔ البتہ یہ ایسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ ہم میں سے ہر احمدی ماں یہ تہیّہ کر لے کہ اسکو اپنے بچوں کی احمدی نظریات کی روشنی میں تربیت کرنا ہے۔

اس کے بعد آنسہ طاہرہ جنجوعہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے عشقِ رسول کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ یوں تو اُمتِ محمدیہ کا ہر فرد آنحضرت صلعم سے محبت کا دعوےٰ کرتا ہے، لیکن رسول اکرمؐ کی کامل اتباع اور آپؐ کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر لینے کا جو نمونہ حضرت مجدّد زمانؑ نے پیش کیا ہے اس کی مثال ملنا محال ہے۔ مقررہ نے اپنے اس موقف کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات سے مختلف حوالے پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے رسول اکرمؐ سے حد درجہ قلبی تعلقات اور والہانہ عشق کا اظہار عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں خواہ نثر ہو یا نظم میں آپ کی ۸۰ سے زائد بڑی عظیم الشان تالیفات سے آشکار ہے۔

بنات الاحمدیہ کے اجلاس کی تیسری مقررہ آنسہ نصرت عطیہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ایک شعر ؎ بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم + گر کفر این بود بخدا سخت کافرم۔ کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے حضرت مجدّد زمان کے عشقِ رسُول، آپ کی اسلامی خدمات اور دیگر مصلحانہ کارناموں کا تفصیلاً ذکر کیا اور کہا کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس شخص نے خدا کو ایک زندہ خدا اور آنحضرت صلعم کو ایک زندہ نبی اور اسلام کو ایک زندہ مذہب ثابت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی آج اُسے ہی کافر کہا جا رہا ہے۔ اجلاس کے آخر میں محترمہ بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں تنظیم بنات الاحمدیہ کی کارکردگی پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے بنات کو نصیحت فرمائی کہ ہر احمدی بچی اپنے آپ کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کرے وہ جہاں بھی ہو، چاہے سکول، کالج یا یونیورسٹی، دفتر یا گھر میں، اس کا اخلاقی نمونہ بلند و اعلےٰ ہونا چاہیئے کہ ہر دیکھنے والا خود بخود پکار اُٹھے کہ "یہ ایک احمدی

انتظامیہ بنات الاحمدیہ برائے سال ۱۹۷۷ء

نگران ... ... محترمہ بیگم جسارت نذر صاحبہ

— عہدیداران —

عہدہ	نام
صدر	آنسہ نصرت عطیہ پشاور
نائب صدر	آنسہ پروین واجد، راولپنڈی
〃	آنسہ نصیرہ منصور احمد، لاہور
جنرل سیکرٹری	آنسہ طاہرہ جنجوعہ، لاہور
سیکرٹری رابطہ	آنسہ ساجدہ رؤف، لاہور
سیکرٹری نشر و اشاعت	آنسہ فرحت شاہین، لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۵ جنوری ۱۹۷۷ء

جماعتِ احمدیہ لاہور کی نمایاں فتح کے تازہ نشانات

مسلمان قوم کے احمدیہ اصُولوں کی قبولیّت کی جانب بڑھتے ہُوئے اقدام۔

(مکرّم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

احمدیت نہ تو کوئی نیا دین ہے اور نہ ہی معروف معنوں میں اسلام میں کوئی فرقہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں دینِ اسلام کی سچی و صحیح تعبیر ہے۔ یہ کوئی بحث طلب امر نہیں کہ تھوڑا یا زیادہ عرصہ گذرنے پر ہر مذہب کے پیرو اپنے دین کی اصل رُوح عمل کو ترک کر کے اعتقادی و عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔ فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فسقون۔ جب پیروانِ دین پر مُدّت گذر جاتی ہے تو یہ انسان کی فطرتی کمزوری ہے کہ دل سخت ہو جایا کرتے ہیں اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت اور کیفیت اہلِ اسلام کی ہو گئی۔ یہ امر کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی ایمانی و عملی حالت انتہار درجہ کی بگڑ جائے گی۔ نہ صرف امر واقعہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بارہ میں صاف و صریح پیشگوئیاں بھی فرما دی تھیں لتتبعن سنن من قبلکم۔ تم پہلی اُمتوں کے نقشِ قدم پر ایسے بگڑ جاؤ گے کہ ہر بات میں ان کی مثل ہو جاؤ گے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے فرمان کا مطلب کیا ہے یہ کہ یہود و نصاریٰ کی مانند ہو جائیں گے تو ارشاد ہوا فمن۔ اور کون۔ مگر خدا تعالٰے جو ارحم الراحمین ہستی ہے کو ہمیشہ سے یہ منظور رہا کہ وہ اپنے بندوں کو ضلالت سے نکال کر ہدایت کی طرف لانے کے سامان پیدا کرے۔ چنانچہ پہلی اُمتوں میں جہاں ہدایت کی خاطر انبیاء مبعوث ہوا کرتے، وہاں دینِ اسلام کے کمال اور اسکی دائمی حفاظت کے باعث سلسلہ بعثت انبیاء تو منقطع ہو گیا اس لئے کہ اس کی ضرورت و حاجت نہ رہی۔ جب صداقت کامل اور محفوظ موجود ہو جیسے کہ یہ قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے کامل نمونہ میں ابدی طور پر محفوظ ہیں تو نہ نئے دین کی حاجت رہی، نہ ہی کسی نئے نبی کی ضرورت باقی رہی۔ البتہ خدا تعالٰے کی طرف سے کاملین صادقین جو اسلام کے سچے پیرو اور آنحضرت صلعم کے سچے عاشق و مطیع ہوں گے کی بعثت کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ کیونکہ دین میں پیروؤں کی ضلالت عملی و اعتقادی کا علاج بجز اس شخص کے جو خدا تعالٰے کی جانب سے مبعوث ہو دوسری کسی اور طرح ممکن ہی نہیں۔ اصلاح نفس کے لئے ہمیشہ کے لئے ایسے [illegible] تزکیہ کی منجانب اللہ بعثت ضروری لازمی ہے جو بمتابعت قرآن و سُنّت رسولؐ خدا تعالٰے کے ہاتھ سے پاک و صاف کئے گئے ہوں۔

زندگی زندگی سے پیدا ہوتی ہے { کُتب اور تعلیم کیسی ہی اعلٰے اور شاندار ہوں

مگر زندگیوں میں ان کا اظہار پایا جانا تب ہی ممکن ہے جب اُن پر عمل کے کامل نمونے موجود ہوں۔ سائنسی دنیا میں بھی یہ اصُول محکم تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی زندگی بجز زندگی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی اصولِ محکم ہے جو اس وقت ہمارے مشاہدہ اور تجربہ کی بات ہے۔ ؎

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اسپہ آسان ہے

[illegible] زندگی کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ وہ کسی زندگی سے ہی پیدا ہوا کرتی ہے محض کُتب و تعلیم سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ علمی میدان میں بھی اس اصُول کی صداقت یوں ظاہر ہے کہ باوجود اس کے کہ ہر علم و فن پر کتب موجود ہیں تب بھی مدرسین کاملین کی ضرورت سے بے نیازی حاصل نہیں ہو گئی۔ وگرنہ مدارس اور اساتذہ کی کچھ حاجت نہ ہوتی۔

حضرت اقدسؑ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جو دعوٰے مجدّدیت کیا ہے تو اس کے صحیح طور پر سمجھنے میں بھی لوگوں کو دو طرفہ غلطی لگی ہے، ایک طرف وہ لوگ ہیں جو آپ کو نبوت کے منصب پر فائز کرتے ہیں اور اس طرح یہ شدید غلط فہمی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں کہ گویا احمدیت کوئی نیا دین ہے۔ اگرچہ یہ اصحاب قرآن شریف ہی کو آخری و کامل کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ان کی اس غلط بات سے کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا بلکہ جاری ہے اور حضرت اقدسؑ اس زمانہ کے نبی ہیں اور نبوت کے منصب پر فائز ہیں مسلمانوں کو سخت دھوکا لگ چکا ہے۔ ان پر یہ فرض ہے کہ وہ کھلے و غیر مبہم الفاظ میں اعلان کریں کہ قرآن کریم چونکہ کامل و محفوظ کتاب موجود ہے اور آنحضرت صلعم چونکہ کامل اُسوہ حسنہ اور زندہ نبی ہمیشہ کے لئے ہیں لہذا نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اب تا قیامت کوئی نبی نیا ہو یا پُرانا، ہرگز مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے مقابل دوسرے وہ اصحاب ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ نبوت ختم ہو چکی اس لئے اب کسی منجانب اللہ شخص کے آنے کی بھی ضرورت نہیں رہی چونکہ وحی نبوت بند ہے اس لئے کامل تعلق باللہ کا سلسلہ بھی یعنی وحی ولایت بھی بند ہے۔ اب بندوں کی اصلاح کے لئے کسی کامل انسان کی منجانب اللہ بعثت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ دونو انتہائی غلط راہیں ہیں۔

ان سطور میں مجھے یہ دکھلانا منظور ہے کہ حضرت اقدسؑ بانیٔ سلسلہ نے دینِ اسلام کے احیاء کے لئے جن اصُولوں کو زندہ کیا اور جن کی شدید مخالفت مسلمان علماء نے کی۔ اب زمانہ گذرنے کے ساتھ وہی اصُول مسلمان قوم مانتی چلی جا رہی ہے۔ مسٹر فری لینڈ ایبٹ نے تو اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں اس امر کا برملا اعتراف کیا ہے کہ جماعت احمدیہ نے جو دلائل و براہین دوسرے ادیان کے برخلاف دیئے زمانہ گذرنے کے ساتھ مسلمانوں نے انہیں قبول کر لیا ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ محض احمدیہ دلائل ہی تک یہ امر محدود نہیں بلکہ احمدیہ اصولوں پر بھی یہ بات بخوبی صادق آ رہی ہے اور ان اصُولوں پر جن کی تردید میں مسلمان علماء نے طوفانِ مخالفت بپا کیا تھا، چند نمایاں مثالیں بطور نمونہ درج ذیل کی جاتی ہیں:—

(۱) یہ زمانہ جہاد بالقلم والعلم کا ہے۔

یہ ندا سب سے پہلے اس زمانہ میں حضرت اقدسؑ نے دی اور آپ کے بعد جماعت احمدیہ لاہور نے قلم اور علم کے جہاد کو عملاً جاری رکھا یہاں تک کہ تراجم قرآن کا سلسلہ مسلمانوں کی طرف سے جاری ہو گیا حالانکہ علماء نے ابتداء انگریزی میں تفسیر کا تو سوال ہی کیا انگریزی پڑھنا تک بھی کفر قرار دیا تھا۔ لیکن چند ماہ ہوئے جب شیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبوی، پاکستان تشریف لائے تو آپ نے طلباء و اساتذہ جامع کو مخاطب کر کے یہی کہا تھا کہ وہ دینی علم حاصل

کریں اور دنیاوی علم بھی اور پھر اسلام کی تائید جہاد بالقلم والعلم سے بجا لائیں۔ ہم نے اسی اخبار میں آپ کے اصل الفاظ نقل کرکے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے تھے۔

۲۔ پھر انہی امام مسجد نبویؐ صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ دشمن اسلام مسلمانوں کو دو طرح پر کمزور کرنا چاہتا ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ ان کے ایمانوں کو متزلزل کرکے نیز مسلمان اقوام میں تفرقہ و پھوٹ ڈال کر۔

کیا یہ دو اصول کہ مسلمانوں کی اصل کمزوری ان کی ایمانی و اتحادی کمزوریاں ہیں اور ان کا علاج ایمان کی پختگی اور دشمن کی وسوسہ اندازی کا جواب بذریعہ علم و قلم جواب دینا؟ وہی اصول اسلام نہیں، جنہیں حضرت بانی سلسلہؑ اور جماعت احمدیہ نے اس زمانہ میں زندہ کیا؟

۳۔ مولانا مودودی اور جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی کے حالیہ بیانات بھی ہم گذشتہ اشاعت میں درج کر چکے ہیں، جن میں بر ملا یہ امر تسلیم کئے گئے ہیں کہ یہ جبر اقتدار پر قبضہ کرنا جماعت اسلامی کے نزدیک جائز نہیں۔ بلکہ اس جماعت کا لائحہ عمل دلوں کو قائل کر کے اسلامی نظام کو مسلمانوں کی زندگیوں میں رائج کرنا ہے۔

اب کیا یہ عین وہی موقف و مسلک نہیں جو حضرت بانی سلسلہ اور جماعت احمدیہ لاہور نے اختیار کیا ہے کہ درحقیقت جب تک مسلمانوں کی باطنی و ظاہری زندگیوں میں اسلام کے اصول عملی راہ نہ پا جائیں تب تک کوئی ظاہری طاقت وحکومت یا قانونی کوئی تبدیلی مفید نہیں۔

۴۔ **دین محض چند رسموں کا نام نہیں بلکہ وہ قرآن و سنت کی اعتقاداً وعملاً پیروی کا نام ہے** اب اخبار مشرق ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۶ء کے درس قرآن کا اقتباس دیا جاتا ہے جس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

"درس قرآن — سورۃ البقرۃ — ۷۹ — ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن۔

مسلمان جب تک کتاب وسنت کا مطالعہ نہیں کریں گے، ہدایت اور فلاح دور رہے گی۔

دین محض چند رسموں کا نام نہیں ہے۔

و منہم اُمیّون لا یعلمون الکتٰب الا امانیّ و ان ہم الا یظنون

تشریح الفاظ:۔

وَ: اور

منھم: من۔ ھم۔ ان میں سے (بعض) من حرف جر ہے جس کے عام معنی کے آتے ہیں۔ یہاں "من" تبعیض کے لئے آیا ہے چنانچہ "منھم" کا ترجمہ ہوگا۔ ان لوگوں میں سے بعض لوگ۔

اُمیّون: جمع اُمّی کی یعنی "ان پڑھ" جس شخص کو لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُمّی کہا گیا ہے۔ اس سے ایک طرف قرآن کریم کا اعجاز ثابت کرنا مقصود ہے، اور دوسری طرف آپؐ کے اس معجزہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ آپؐ باوجود اُمّی ہونے کے علم کے انتہائی درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں گویا اُمّی کا لفظ قرآن پاک میں آنحضرتؐ کے لئے بطور مدح استعمال ہوا ہے اور دوسروں کے لئے بطور (برائی)

لا: نہیں (حرف نفی ہے)

یعلمون: یہ نہیں جانتے وہ (جمع مضارع غائب کا صیغہ ہے۔)

الکتٰب: کتاب کو (یہاں کتاب سے مراد تورات ہے)

اِلّا: مگر (حرف استثناء ہے)

امانیّ:۔ آرزوئیں (جھوٹی) امانی جمع امنیہ کی۔ جس کے معنی کسی ٹھہرائی ہوئی تمنا اور "خیال کے اندازہ" کے ہیں۔

وَ: اور

اِنْ: نہیں (اِنْ نافیہ ہے۔ یعنی نہ یعنی نہیں

ھم: وہ لوگ

اِلّا: سوائے (اس کے کہ)

یظنون: گمان کرتے ہیں (مضارع جمع غائب کا صیغہ ہے) یعنی سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر آیت

" یہ سورۃ بقرہ کی ۷۸ ویں آیت ہے۔ مضمون کے اعتبار سے اپنی سابقہ آیات سے مربوط ہے۔ اس آیت میں عام یہود کا ذکر ہے۔ ان عام یہود میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو ان پڑھ ہیں۔ کتاب تورات سے ان کا بس یہی سا تعلق ہے جو خوش اعتقادیوں جھوٹی آرزوؤں اور خیالات کے اندازوں کے سوا کچھ نہیں۔ صحیح عقائد و اعمال کی جگہ صرف وہم و گمان ان کا سرمایہ ہے۔ جس پر وہ آخرت میں نجات کے لئے بھروسہ کئے ہوئے ہیں اور اپنی جھوٹی امیدوں اور تمناؤں کے سہارے بیٹھے جا رہے ہیں۔ محض سنے سنائے اور بے بنیاد باتوں پر یقین و اعتماد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ ان یہودیوں میں سے بعضے اُمّی ہیں جو کتاب (تورات) کا علم نہیں رکھتے محض آرزوؤں پر انحصار ہے اور یہ لوگ صرف گمان ہی کی اتباع کرتے ہیں اسی لئے آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار اپنے اسی ظن کی بنیاد پر کرتے ہیں، جیسا ان کے خود غرض علماء نے کہدیا۔ ویسا ہی انہوں نے صحیح سمجھ کر مان لیا۔ خود علم تحقیق سے بیگانہ رہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اس گمان میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالےٰ انہیں بخش دے گا۔ ان پر رحم فرمائے گا۔ اور یہ کہ دوزخ کی آگ انہیں نہ چھوئے گی۔ مگر صرف چند روز۔ اور جو کچھ یہ اپنے دنیا پرست علماء سے سنتے تھے اس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ حالانکہ یہ محض ان کی خوش گمانی تھی۔ صحیح عقیدہ اور عمل صالح کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ یہ آیت اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عام یہود پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس کا اطلاق آج کے ان عام مسلمانوں پر بھی ہو سکتا ہے جو خود نہ دین کا علم رکھتے ہیں اور نہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے بلکہ محض چند رسموں کا نام دین رکھ دیا ہے۔ جس پر اعتقاد و عمل کو وہ اپنے لئے باعث نجات سمجھتے ہیں۔ کتاب قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے دنیا پرست واعظوں من گھڑت افسانوں پر ایمان وعمل کو "عین دین" سمجھے بیٹھے ہیں اور نجات کا مدار بھی ان ہی چیزوں کو سمجھ رکھا ہے۔

حالانکہ اصل دین کتاب وسنت میں ہے جب تک ہم مسلمان کتاب وسنت کے مطالعہ کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔ ہدایت و فلاح کی راہ تفسیر ہم سے دور رہے گی۔"

اس تفسیر میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس میں زمانہ کے مسلمانوں کا قدم یہود کے قدم پر ہے۔ یعنی جس طرح مؤخر الذکر اپنی آسمانی کتاب سے بے خبر ہو کر صرف اسے رٹ لینے پر ہی اکتفا کرتے اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے نہ اس پر عمل کرتے تھے۔ بعینہٖ یہ حالت مقدم الذکر قوم کی ہو چکی ہے نیز مسلمان محض رسم و رواج کی پیروی کو ہی دین سمجھ بیٹھے اور ان کی ادائیگی میں مثل یہود کے نجات مان رہے ہیں۔ کیا یہی من وعن تمام وہی امور نہیں جو حضرت اقدسؑ بانی سلسلہ اور جماعت احمدیہ لاہور کہتی ہے، اگر مسلمان بقول ان کے اپنے اعتراف کے مثل یہود بن چکے ہیں تو کیا وہ مخبر

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

شاہد جنجوعہ سیکرٹری نشرواشاعت

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا
اگر امروز فکرِ عزت دیں در شما جوشد
شمارا نیز واللہ زینت و عزت شود پیدا

(رپورٹ جلسہ سالانہ شباب الاحمدیہ مرکزیہ لاہور)

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مجلس شباب الاحمدیہ مرکزیہ کا اجلاس مورخہ ۲۴ر دسمبر بروز جمعۃ المبارک ٹھیک ۷ بجے شب چوہدری کرنل حنیف اختر صاحب ملھی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ محترم رفیع الدین صاحب نے خوش الحانی سے تلاوت قرآن پاک فرمائی۔ اور جناب عبدالسلام مبارک صاحب نے مترنم آواز میں منظوم کلام پیش کیا۔

میاں عارف مسعود صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنائے اس کے بعد صدر شباب الاحمدیہ مرکزیہ جناب میاں شوکت حمید صاحب مجاہد نے اپنی تقریر میں بتایا کہ احمدیت نے نوجوانوں کے کردار پر کیا اثرات چھوڑے ہیں۔ آپ کی تقریر آئندہ شمارے میں ہدیہ قارئین کرام کی جائے گی۔

اس کے بعد ایک بے حد دلچسپ اور سبق آموز **مجلس مذاکرہ** کا آغاز ہوا جس میں تحریک احمدیت کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی گئی۔ محترم جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب۔ جناب چوہدری مسعود اختر صاحب اور زاہد جنجوعہ صاحب شرکاءِ مذاکرہ تھے۔

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے تحریک احمدیت کے پس منظر اور ماضی پر روشنی ڈالی۔ اور بتلایا کہ یہ تحریک کن اخلاقی، روحانی، مذہبی اور معاشرتی مقاصد کے مدِنظر پیدا ہوئی اور ماضی میں انکے حصول کے لئے اس نے کیا تگ و دو کی اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے بتایا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمانانِ ہند پر یاس و نا امیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے اور ان نظریں آسمان کی جانب لگی ہوئی تھیں کہ کوئی نجات دہندہ نازل ہو اور انہیں اس مصیبت سے نجات دلائے۔ ان حالات میں رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی کے لئے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام قادیانی کو بھیجا گیا آپ نے تائیدِ ایزدی سے حالات کو یکسر بدل ڈالا اور وہ قوم جو یاس اور بے اعتمادی کا شکار تھی۔ اس کی راہیں دوبارہ امید کے چراغوں سے روشن کیں اور اعتماد پیدا کیا۔ تحریک احمدیت کی ان خدماتِ جلیلہ کی بدولت وہ زمانہ آیا کہ جب بھی مسلمانانِ ہند کو کوئی دینی مشکل پیش آئی، ان کی نگاہیں بے اختیار سوئے قادیان اُٹھ گئیں۔ یہی وہ اثرات تھے جو اس تحریک نے چھوڑے۔

پھر آپ نے تفصیل سے بتایا کہ انگریزی حکومت کے سایہ میں حضرت مرزا صاحبؑ کی اس تحریک احیائے اسلام کو ناکام بنانے کیلئے پادریوں نے وہی ہتھکنڈے استعمال کئے جو اس نے سلطان ٹیپو شہید اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو ناکام بنانے کے لئے اختیار کئے تھے۔ (مفصل تقریر آئندہ)

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کے بعد محترم چوہدری مسعود اختر صاحب نے "فسانہ حال" سناتے ہوئے بڑے محتاط انداز میں ان نقائص کی نشاندہی کی جن کی وجہ سے ہم اس "حال" کو پہنچے۔

آپ نے فرمایا کہ دوسری عالمی جنگ نے اقوام عالم پر جو اثرات مرتب کئے ان کا تقاضا تھا کہ ہم بدلے ہوئے حالات میں اپنی طرزِ فکر کو بدلتے اور زمانے کے ساتھ قدم بہ قدم چلتے۔ لیکن ہم اسی پرانی ڈگر پر چلتے رہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم رفتارِ زمانہ کا ساتھ دینے سے قاصر رہے۔ اس کے ساتھ ہی جب دوسری مذہبی تحاریک نے دوسرے ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لئے مشن قائم کئے تو مناسب وقت تھا کہ ہم احمدیت کو پیش کرتے مگر ہم نے غفلت سے کام لیا۔ مقام شکر ہے کہ ۱۹۷۴ء کے بعد ہم نے سنبھالا لیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج انگلینڈ ہالینڈ۔ گیانا۔ سرینام۔ ٹرنی ڈاڈ اور انڈونیشیا میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے جماعت بندی ہو رہی ہے اور اسی نام کے تحت ان جماعتوں نے ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔

چوہدری صاحب موصوف کے بعد نوجوان مقرر زاہد جنجوعہ نے جماعت کے "**مستقبل**" پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مستقبل ماضی کی طرح تابناک ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم انہی اصولوں کو اپنا لیں جن پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہماری ماضی تابناک رہا ہے۔ ہماری تحریک کی بنیادی غرض و غایت ایک اصلاح یافتہ اور تقوےٰ شعار جماعت کا قیام تھا۔ آج بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کریں۔ اس کے ساتھ ہی بدلے ہوئے حالات میں ایک جامع لائحہ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لائحہ عمل کے تحت مرکز میں ایک ایسے ریسرچ سنٹر کا قیام اہم ہے۔ جس میں عصری مسائل پہ تحقیق کی جائے اور حضرت مسیح موعودؑ کے علم الکلام کی روشنی میں بتلایا جائے کہ احمدیت نے ان مسائل کا کیا حل پیش کیا جائے۔

اگر یاراں کنوں بر غربتِ اسلام رحم آید
باصحابِ نبی نزدِ خدا نسبت شود پیدا

اختتام پر صاحب صدر جناب چوہدری حنیف اختر ملھی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ میں شباب الاحمدیہ کو ایسا شاندار اجلاس منعقد کرنے پر دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے حاضرین کی اس فرمائش کی پُرزور تائید فرمائی کہ ان تقاریر کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ کیونکہ یہ تقاریر سلسلہ احمدیہ کی اہم دستاویز ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جماعتی مستقبل کے لئے لائحہ عمل مرتب ہونا چاہیئے لیکن "اس پر عمل" زیادہ ضروری ہے کیونکہ کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ریسرچ سنٹر کے قیام کی تجویز کی پرزور الفاظ میں تائید فرمائی۔ آپ کے اس صدارتی خطاب کے بعد یہ مبارک اور روحانی محفل رات کے ساڑھے نو بجے اختتام پذیر ہوئی۔

اعتذار

خاکسار تین ہفتوں سے بعارضہ ہائی بلڈ پریشر بیمار ہے۔ چونکہ زیرِ نظر پرچہ دورانِ علالت ہی مرتب کیا گیا ہے اس لئے اس میں اغلاط کا امکان باقی ہے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں معذرت قبول فرمائیں۔

(نائب مدیر)

روئداد جلسہ سالانہ خواتین احمدیہ

منعقدہ مورخہ ۲۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء

پروگرام کے مطابق مستورات کا جلسہ صبح ۹½ بجے محترمہ بیگم خورشید راجہ انور صاحبہ کی صدارت میں شروع ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مکرمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے سرانجام دیئے۔

عزیزہ طاہرہ جنجوعہ کی تلاوتِ قرآن پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد دو بچیوں عزیزہ شاہدہ جنجوعہ اور مدیحہ رسول نے حضورِ مقبول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک نعت کا ہدیہ پیش کیا۔ پھر دورانِ سال فوت شدہ بہن بھائیوں کے ایصالِ ثواب کے لئے سٹیج سیکرٹری صاحبہ کی درخواست پر دُعا کی گئی۔ اس کے بعد محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ صدر تنظیم خواتین احمدیہ لاہور نے اپنی استقبالیہ تقریر میں اپنی تمام بہنوں کا شکریہ ادا کیا جو شدید سردی میں دُور دراز سے سفر کی مصیبتیں برداشت کر کے آئیں۔ آپ نے ان کی ہمت کو خُدا کا فضل قرار دیتے ہوئے سب بہنوں کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ:-

جلسہ میں شمولیت کا مقصد تقاریر اور نصائح پر عمل کرتے ہوئے تجزیہ نفس کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنا ہے پھر مقصد بیعت کو واضح کرتے ہوئے پہلے اپنی انفرادی اصلاح کر کے دوسروں کے لئے نمونہ بننے کو کہا۔

آپ نے باہمی اتحاد و تعاون پر زور دیا اور کہا کہ کسی کی عیب جوئی ہرگز نہ کریں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کی صحیح اور اصلی تصویر پیش کر دی ہے۔ آپ نے بتایا کہ ہر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ہی ہتھیار یعنی قرآنِ پاک ہے۔ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو دعوت الی الخیر کرے۔ وہ ہماری جماعت ہے جس کا کام اشاعت قرآن اسلام ہے۔ قرآن پاک میں ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ اس کو پیش کرو۔ اول ماؤں پر زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کی عادت ڈالیں۔ اور قرآن کی تعلیم دیں۔ نیز اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیں۔ ترجمہ قرآن پاک سکھائیں تاکہ وہ بہتر اسلامی نمونہ بن سکیں۔

آپ نے خواتین سے اپیل کی کہ وہ ہر ہفتہ میں ایک گھنٹہ دستکاری پر صرف کریں تاکہ وہ جلسہ سالانہ کے موقع پر خدا کی راہ میں اپنی دستکاری سے خدمتِ دین میں حصہ لے سکیں۔

سمیرہ نواسی ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ صاحب } نے "وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے" نظم سنائی۔

عبیدہ بہن مسز علی بخش صاحبہ } نے اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ پہلے سرینام میں مقیم تھیں اور آج کل ہالینڈ میں اقامت گزین ہیں۔ مجھے یہاں اپنی بہنوں سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ ہم وہاں احمدیت کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ مولانا عبدالرحیم جگو صاحب کی وساطت سے ہم آپ تک آسکے ہیں۔ آئندہ اور بہنیں بھی آنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ آپ ان کا بھی سلام قبول فرمائیں۔

محترمہ جسارت نذر صاحبہ } نے "احمدی خاتون سے خطاب" کے عنوان سے ایک پُر درد اور اثر انگیز نظم پیش کی

کبھی اے احمدی خاتون تو نے یہ بھی سوچا ہے
ہے رُوحِ احمدیت کیا تقاضا دین کا کیا ہے

تنظیم میں احمدیت کا مرکزی نقطہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کی تلقین کی گئی تھی اور علومِ ظاہری و باطنی کے حصول کے علاوہ دوسری بہنوں کی رہنمائی کے لئے نمونہ بننے کی نصیحت تھی۔

آنسہ پروین واجد صاحبہ پشاور } سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ پشاور نے ہمارے عقائد کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے وضاحت کی کہ اسلام کے مخالف فرقوں میں اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً خوارج۔ شیعانِ علی۔ مرجیہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ وہابیہ۔ حنفیہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام فرقے آپس میں شدید اختلافات کے باوجود مسلمان ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ ننانوے وجوہ کفر کے باوجود ایک وجہ ایمانی سے بھی آدمی مسلمان رہ سکتا ہے۔ قرآن پاک کے حوالہ کہ لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مومنا۔ جو السلامُ علیکم کہے اس کو بھی مسلمان یقین کیا جائے۔

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا جس نے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ آپ مسلمانوں میں قوتِ عمل ضائع ہو چکی ہے اور علماء کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیوں نے لاکھوں مسلمانوں کو دین سے پھیر دیا۔ مختلف ممالک میں ان کے لاکھوں مرد، عورتیں یعنی راہب اور راہبات سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں میں کام کر رہے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیر سکیں۔

اس زمانہ میں حضرت میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ نے عیسائیت کے نظریات کا قلع قمع کیا اور انہیں شکست فاش دی۔ مسلمانوں نے ان کی خدماتِ دین کو فراموش کر کے ان کو اور ان کی جماعت کو خارج از اسلام قرار دیا۔

اُمِ سلمیٰ ڈیرہ غازی خان } بعنوان "کامل بروز محمدؐ" پر اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ جو شخص خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے وہ قوتِ قدسی لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس میں قوتِ جذب ہوتی ہے جو کشش کرتی ہے۔

نبی اکرم صلعم جب مبعوث ہوئے تو اس وقت بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور ان کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ انعام اور چوپاؤں کی طرح اخلاق اور تمدن سے عاری تھے جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کی اتباع کی وجہ سے وہ مقام بخشا کہ رضی اللہ ورضوا عنہ ہو گئے اور یبیتون لربھم سجداً و قیاماً پر عمل پیرا ہو گئے اور حضور صلعم کی تربیت اور آپکی اتباع سے حضرت مسیح موعودؑ میں قوتِ قدسی اور جذب پیدا ہوا جس نے مولانا نورالدین جیسے انسان علم و عمل کا نمونہ پیدا کئے پھر مولانا محمد احسن صاحبؒ امروہہ۔ مولانا عبدالکریم صاحبؒ سیالکوٹی۔ مولانا محمد علی صاحبؒ مفسر قرآن۔ غرضیکہ ایسے بے شمار انسان علم و عمل کا پیکر بنا دیئے۔ زندہ خدا۔ زندہ رسول۔ زندہ کتاب پر ایمان پیدا کر دیا۔ اس طرح ثابت کیا کہ حضور نبی اکرم کا کامل بروز حضرت مسیح موعودؑ ہیں۔

محترمہ بیگم ثریا فاروق صاحبہ } سورۃ بقرہ کی آیات ھو الذی خلق لکم فی الارض.......... وزوجك الجنۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے کائنات کا نظام انسان کی جسمانی اور روحانی نشوونما کے لئے قائم کیا۔ انبیاء بھیج کر کتابیں دیں تاکہ وہ انسانوں کو تربیت دیں۔ قرآن پاک کے پڑھنے سے دین اور دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم غیر منقطع سرچشمہ ہدایت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مردِ کامل خیر البشر ہیں۔ حضورؐ کی زندگی انسانوں کی تعلیم و تربیت کے

لئے وقف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری رکھنے کے لئے اولیاء اللہ اور مجدد پیدا کئے تاکہ انسانوں کی تعلیم اور تربیت کریں ۔ ماؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی جیسے جسمانی تربیت کرتی ہیں ان کی روحانی تربیت پر بھی پوری توجہ دیں ۔ اور علم و عمل کے بغیر انسان ایک حیوان کی مانند ہے جس پر خوبصورت کپڑے ڈال دیئے جاتے ہیں ۔ کردار اور افعال کی اصلاح تیز گفتار کی اصلاح ضروری ہے ۔ جس قوم کے بچے اچھے ہیں وہ قوم بھی اچھی ہے ۔ مصائب کے باوجود بچوں کی اچھی تربیت کریں ۔

جماعت احمدیہ ایک ایسی جماعت ہے جو اشاعت اسلام اور حمایت دین کے لئے کھڑی کی گئی ہے ۔ مخالفین کے ظلم و ستم کا رونا بے کار ہے اولاد کی عمدہ تربیت کرو تاکہ وہ حوادث کا مقابلہ کر سکے ۔ روحانی اور اخلاقی خوبیوں سے مسلح کرو ۔ اپنے لٹریچر سے آگاہ کرو ۔ نیکوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کرو ۔ تاکہ انہیں اپنی منزل کا احساس و شعور پیدا ہو ۔ لیکن بچوں کا اخلاق درست کرنے کے لئے اپنے اخلاق اور کردار کی اصلاح ضروری ہے ۔ ریڈیو ، ٹیلیویژن وغیرہ اور مادی ترقیات ان کے لئے گمراہ کن ہیں اور ہمارے ملک میں کفر کے فتووں کی بیماری بھی پھیل چکی ہے ان سب کا علاج قرآن پاک میں موجود ہے اس لئے قرآن پاک سے تعلق پیدا کرو ۔ بار بار کا عمل عادتِ ثانیہ بن جاتا ہے اس لئے بچوں کو بار بار نیکی کرنے کی عادت ڈالیں ۔ بچوں کی منظم طور تربیت کریں ۔

مسز زبیدہ محمد احمد صاحبہ } نے "چیلنج" کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ اور موجودہ زمانہ میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے ۔ تلک الایام نداولها بین الناس ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی ہے ۔ اور ایک جماعت اپنی جانشین بنائی ۔ وہ خدا کی رضا کے طالب اور مسیح موعودؑ کے وفادار تھے ۔ وہ سنہری زمانہ تھا وہ رنگ و بو کا جھونکا تھا جو خوشبو بکھیرتا گزر گیا ۔ اب نصف صدی میں زمانہ تیز رفتاری سے بدل چکا ہے ۔ ذرائع رسل و رسائل ۔ دوائیں ۔ کارخانے ریڈیو ۔ ٹیلیویژن وغیر جملہ مادی اسباب نے انسان کو مادیت کے سوا باقی تمام اطراف سے بے نیاز کر دیا ہے ۔ لوگ مذہب بھول چکے ہیں ۔

وہ روشنی جو روحانی سکون کے لئے ضروری ہے وہ صرف تمہارے پاس ہے جو مسیح موعودؑ کی جماعت ہو ۔ تمہارے سامنے مادیت کی تاریک اور تیز و تند طوفانی ہواؤں کے مقابل شمعِ روحانیت روشن رکھنے کا "چیلنج" ہے ۔ ہم کمزور ہیں ۔ مشکلات بھی ہیں مگر ہم کوشش جاری رکھ سکتے ہیں ۔

بلادِ غیر کی رپورٹ پڑھنے سے آپ کو اپنی کارکردگی کا احساس ہوگا ۔ اتحاد اور یک جہتی پیدا کریں ۔ نکتہ چینی چھوڑ دیں ایک دوسرے کی معاون بنیں ۔ آگے بڑھنے والے کی حوصلہ افزائی کریں ۔ مرد اور عورت سب ذمہ دار ہیں ، اپنی اپنی استعداد کے مطابق فرائض انجام دیں ۔ جماعتی مفاد کو مقدم رکھیں ۔ جلسہ میں شمولیت کا مقصد اچھے خیالات کو سن کر ان پر عمل پیرا ہونا ہے ۔ لہذا آپ اس کی کوشش کریں ۔

عزیزہ زاہدہ جنجوعہ } نے حضرت مسیح موعودؑ کی نعت :۔

جمال و حسنِ قرآں نورِ جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

بڑے ترنم سے پڑھ کر سنائی ۔ بعد ازاں

بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ } سٹیج سیکرٹری نے خطاب کیا اور درود شریف پڑھ کر فرمایا :۔

عشق رسول صرف عشق ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ رسول صلعم کی محبت کے ہم پلہ ہے ۔ ہم مجدد زمانؑ کے اجتماع میں شامل ہیں ۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا عشق با محمد کی ایک زندہ مثال ہیں ۔ حضرت مجدد زمانؑ عشقِ محمد میں محو تھے ۔ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ میں کثرت سے درود شریف پڑھا کہ میری روح معطر ہو گئی ۔ رؤیا میں دیکھا کہ فرشتے نور کی مشکیں لئے ہوئے ہیں ۔ میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ برکات ہیں جو تم نے حضور صلعم کو درود کی صورت میں بھیجی تھیں ۔

دوسرے رؤیا میں آپ نے فرشتوں کو یہ کہتے سنا کہ "یہ شخص واقعی رسول اللہ صلعم سے محبت کرتا ہے" ، مجددیت کے عہدہ کے لئے تعلیم نبوی کا جاننا اور اس پر عامل ہونا ضروری ہے ۔ چنانچہ یہ اوصاف حضرت مجددؑ میں پائے جاتے تھے آپ فرماتے ہیں :۔

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجددِ ایں دین و رہنما باشد

حضور نے فرمایا کہ بجز خادمِ دین ہونے کے ہمارا اور کوئی دعوے نہیں ہم قرآن اور رسولِ اکرمؐ سے تعلق اور ہیں ۔ اس کے بغیر ہمارا سب کام عبث ہے ۔ اگر ہم سیاسی طور پر غیر مسلم بھی ہیں تو پھر بھی ہم بیکار نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ ملکِ خدا تنگ نیست و پائے مرا لنگ نیست ۔ اپنی تبلیغی مساعی کو غیر ممالک میں جاری رکھیں اور طلوع الشمس من المغرب کے لئے کوشاں رہیں ، دلائل کی یلغار کر کے کفر و بے دینی کی افواج کو شکست دیں ۔

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

ہمیں چاہیئے کہ روپیہ اکٹھا کریں اور اپنے لٹریچر کی وسیع اشاعت کریں تاکہ دنیا پر حجت پوری ہو اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا میرا دوست وہ ہے جو مجھے پہچانتا ہے جو بدی چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے ۔ جس کے نفس کا دوزخ ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۔ آپ مزید فرماتے ہیں :۔

"اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو ۔ دل سے توبہ کرو ۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کے دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا دوست ہو جاتا ہے ۔"

بیگم رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن) } نے فرمایا کہ میں سب بہنوں کو دوبارہ مل کر خوش ہوں ۔ آپ لوگوں کی محبت مجھے کھینچ لائی ہے ۔ انگلستان دلفریب اور خوبصورت ملک ہے ۔ لیکن اس میں مذہب اور روحانیت کا فقدان ہے ۔ لوگ سکونِ دل کھیل تماشوں میں تلاش کرتے ہیں ۔ عمدہ عمدہ گرجے خالی اور ویران پڑے ہیں ۔ ان پر عجیب جملے مثلاً کہیں "خدا مرا نہیں مگر تنہائی محسوس کرتا ہے" ۔ اور کہیں "اندر نہ آنا تاکہ تمہیں خدا نظر نہ آ جائے" ۔ لکھے ہوئے ہیں ۔ اللہ کے فضل سے جماعت احمدیہ روحانیت کی علمبردار ہے ۔ اور اس روحانیت کا لوگوں تک پہنچانا ہمارا فرض ہے ۔ پہلا ووکنگ کا مرکز ہم سے چھن گیا ہے ۔ لیکن اب ایک مکان احمدیہ ہال کے نام سے خرید کیا جا چکا ہے ۔ اور وہاں یو ۔ کے کے نام سے جماعت کی شاخ قائم کر دی گئی ہے ۔ اب لائبریری قائم کرنا باقی ہے ۔ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے ۔

فرح دیبا صاحبہ } نے "اشاعتِ دین" کے عنوان سے تقریر کی اور بتایا کہ مغربی مفکرین کے نزدیک تمام روحانی بیماریوں کا علاج صرف اسلام میں ہے ۔ یہ نظریاتی جنگ کا زمانہ ہے ۔ قرآن پاک کے اصولوں کو شائع کریں ۔ اشاعت علم کے لئے جو ذرائع آج میسر ہیں وہ پہلے کبھی میسر نہیں ہوئے ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے حقانیت اسلام واضح اور روشن کی اور اشاعتِ دین کے نتائج عمدہ ظاہر ہو رہے ہیں ۔ اشاعتِ دین ۔

مکرم عبد الواجد صاحب۔ پشاور قسط نمبر ۳

کیا ختم نبوّت کے بعد وحی۔ الہام کشف اور رؤیاء صادقہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اور کیا اُمّت مُسلمہ میں خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اولیاء نہیں آسکتے۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ :۔

۱۔ اللہ تعالےٰ غیر از انبیاء کو اپنے پاس سے علم دیتا ہے جس میں پیشگوئیاں اور امور غیبیہ کا علم بھی شامل ہے۔

۲۔ کشف اور رؤیاء اور الہام لفظ وحی، کے معانی میں شامل ہیں۔

۳۔ یہ غلط ہے کہ کشف اور الہام کا تصوّر قرآن میں نہیں۔

۴۔ امور غیبیہ کے علم سے دعویٰ نبوّت لازم نہیں آتا اور نہ ہی امورِ غیبیہ کا علم نبوّت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

۵۔ اللہ تعالےٰ غیر از نبی سے بھی کلام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی صرف نبی تک ہی محدود نہیں ہے۔

۶۔ خواب میں بھی اللہ تعالےٰ علم نازل کرتا ہے نبی پر بھی اور غیر نبی پر بھی۔

کشف و الہام کے موضوع سے ہٹنے سے پہلے پرویز صاحب کے ایک اشارہ کی طرف توجّہ دلانا ضروری ہے وہ لکھتے ہیں :۔

"کشف و الہام کی حقیقت کے متعلق تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں۔ اس جگہ صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ انسان کے اندر کچھ ایسی صلاحیتیں ہیں (مثلاً قوّت ارادی وغیرہ) کہ اگر مقررہ ریاضتوں اور مراقبوں کے ذریعہ ان میں ارتکاز (CONCENTRATION۔) پیدا کر دیا جائے تو ذہنِ انسانی میں عجیب و غریب قسم کے تصوّرات تخیلات اُبھرنے شروع ہو جاتے ہیں یا اسی قسم کے کرشمے ظہور میں آنے شروع ہو جاتے ہیں جو عام لوگوں کے نزدیک محیر العقول ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ایک فنی چیز ہے جسے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ جو چاہے اسے کثرت ممارست سے حاصل کر سکتا ہے (راقم الحروف یہ منازل خود طے کر چکا ہے۔ اس لئے جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ شنید نہیں وہ ذاتی تجربہ ہے۔ یہ تجربہ میں نے خانقاہوں سے بھی حاصل کیا اور سنیاسیوں اور جوگیوں کی سمادھیوں سے بھی۔ تفصیل اس اجمال کی میری کتاب شاہکار رسالت میں ملے گی)"

گویا پرویز صاحب کے نزدیک کثرت ریاضت اور ممارست کے بعد محیر العقول کرشمے ظاہر ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ کرشمے مدعی کشف و الہام کی طرح ہیں اور ایسے کرشمے دکھانے والا اگر کبھی شائد ایسا دعوےٰ کر بیٹھے۔ تو تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے پرویز صاحب کے بھٹکے پھرنے سے غرض نہیں ان کے افکار ان کی اصلیت کو واضح کر دیتے ہیں۔ مجھے تو غرض ان کا لوگوں کو گمراہ کرنے سے ہے۔ پرویز صاحب کو جاننا چاہیئے کہ کشف و الہام یقینی علم بخشتے ہیں اور جہاں شبہات ہوتے ہیں وہاں پر کشف و الہام نہیں ہوتا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے دیئے ہوئے علم اور انسان کے اخذ کردہ علم کے درمیان یہی فرق ہے۔ اور پرویز صاحب اس قسم کی باتیں کرنے میں اکیلے نہیں ہیں ان کے مقتداء بہت ہیں جو پہلے انبیاء اور رسل کو کاہن اور مجنوں اور شاعر اور ساحر کر کے پکارتے رہے ہیں۔ جب انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ اسی قسم کے کرشمے دکھانے والوں کا مقابلہ ہوا تو فتح ہمیشہ انبیاء اور اولیاء کی رہی۔ قرآن شریف میں بیان کردہ حضرت موسےٰ علیہ السلام اور فرعون کے ساحروں کے مقابلہ سے اگر پرویز صاحب عبرت حاصل کرتے تو اس قسم کے دلائل پیش نہ کرتے۔ اور کیا آنحضرت صلعم کو کاہن اور مجنون نہیں کہا گیا اور شاعر اور ساحر کر کے نہیں پکارا گیا فذکر فما انت بنعمت ربك بكاهن ولا مجنون۔ ام يقولون شاعر نتربص به ريب المنون (طور۔ ۲۶۔ ۲۷۔)

سو نصیحت کرتا رہ کہ تو اپنے ربّ کے فضل سے کاہن ہے اور نہ دیوانہ کیا وہ کہتے ہیں کہ شاعر ہے ہم اس کے لئے زمانہ کی گردش کا انتظار کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

فلمّا جاءهم بالبيّنٰت قالوا هذا سحرٌ مبين۔ (الصف۔ ۶)

سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے۔

اس کا جواب اللہ تعالےٰ کے حکم سے یہ دیا گیا :۔

قل تربصوا فانی معکم من المتربصين (طور۔ ۳۱)

کہو کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (انجام تم کو معلوم ہو جائے گا۔)

پرویز صاحب کو ہمارا یہی جواب ہے اور ہمارا وہ جواب ہے جو حضرت ہُود علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔ اور کہا تھا :۔

فكيدُونی جميعا ثم لا تنظرون۔ انی توکلت علی اللہ ربّی و ربّكم۔ (هود۔ ۵۵)

تم سب میرے لئے تدبیر کر لو اور پھر مجھے مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔

پرویز صاحب نے چند دیگر اصطلاحات کا ذکر بھی اپنی کتاب میں کیا ہے جیسے کتاب۔ نبی اور رسول۔ خاتم النبیّین۔ ان میں سے پہلی تین اصطلاحات کے ضمن میں پرویز صاحب لکھتے ہیں :۔

"جس منتخب برگزیدہ فرد (یعنی نبی) کو وحی ملتی تھی۔ اسے خدا کی طرف سے کتاب ملتی تھی لہذا ہر صاحب وحی۔ صاحب کتاب ہوتا تھا۔ یہ سمجھنا یا کہنا قرآن سے بیگانگی کی دلیل ہوگی کہ فلاں نبی کو وحی تو ملی تھی لیکن کتاب نہیں ملی تھی۔"

پرویز صاحب وحی کو کتاب بھی کہتے ہیں۔ اُوپر مثالیں دی جا چکی ہیں کہ اللہ تعالےٰ غیر نبی کو وحی کرتا رہا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام بچپن میں جب نبی نہ تھے۔ یا حضرت موسےٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم۔ ان کو تو کتاب نہ ملی تھی اور نہ وہ نبیہ تھیں۔ اسی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ گویا پرویز صاحب کا وحی کو کتاب کے مترادف ٹھہرانا قرآن کریم کی خلاف ورزی ہے اور اس لئے باطل۔ وحی کتاب بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی۔ یہ دونوں الفاظ مترادف نہیں۔

تیسری اصطلاح (نبی اور رسُول) کے متعلق پرویز صاحب لکھتے ہیں :۔

"قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ لفظ اس منتخب فرد کے لئے بولا جاتا ہے جسے خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی۔ اس وحی کا سرچشمہ

علمِ انسانی سے بلند اور ماوراء تھا۔"

اور لکھتے ہیں کہ :-

"اگر ختمِ نبوت کے بعد کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مدعی ہے لہذا ختمِ نبوت کا منکر اور اس کا دعوےٰ باطل. . . . . جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے علم پا کر پیشگوئیاں کرتا ہوں ایسا شخص درحقیقت مدّعی نبوت ہے۔ لہذا از روئے قرآن اسکا دعویٰ باطل"

اور قرآن شریف کی آیات کی رُو سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وحی صرف نبی کو نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی غیب کی خبریں صرف نبی تک محدود ہیں۔ بچپن میں حضرت یوسف علیہ السلام کو چاند سورج اور گیارہ ستاروں کا انہیں سجدہ کرنے کے بارہ میں آیت قرآنی پیش کی جا چکی ہے۔ حضرت اسحاقؑ کی ماں۔ حضرت موسٰیؑ کی ماں اور حضرت عیسٰےؑ کی ماں کو اپنے لڑکوں کے متعلق قبل از وقت اطلاع ملی۔ حضرت خضر کو وقت سے پہلے خبریں ملیں۔ ان افراد کے مؤمن ہونے کے متعلق تو شک نہیں۔ قرآن کریم میں تو ایسی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جہاں پر افراد کے مؤمن ہونے کا ذکر نہیں لیکن ان کو وقت سے پہلے آئندہ کے واقعات کا علم دیا گیا۔

بادشاہ مصر کو وقت سے پہلے سات سرسبز اور شاداب اور اس کے بعد سات قحط کے سالوں کی خبر ملی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو جوان قیدخانہ میں گئے تھے ان کو وقت سے پہلے آئندہ کے واقعات کی اطلاع اللہ تعالےٰ نے دی ان کے بندہ مؤمن ہونیکے بارہ میں قرآن کریم میں ایک آیت بھی نہیں۔

ان صریح آیات قرآنی کی موجودگی میں پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ جو شخص یہ کہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مُدعی اور ختم نبوت کا منکر ہے اگر تحکّم نہیں تو اور کیا ہے۔ پرویز صاحب کی تمام کتاب اس قسم کے دعاوی سے بھری ہوئی ہے جن کا سرچشمہ قرآن شریف نہیں بلکہ پرویز صاحب کا بُغض و عناد ہے جو وہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ خانقاہوں اور سنیاسیوں اور جوگیوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

اور اب خاتم النبیین کی اصطلاح کے متعلق عرض ہے کہ پرویز صاحب نے اصطلاحات کا جو کمزور جالا بُنا تھا وہ اس جالے کی حفاظت میں 'خاتم النبیین' اور 'ختم نبوت' کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو ان کے دوسرے افکار کی طرح قرآنی معیار کے خلاف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

"ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب کوئی شخص ایسا نہیں کہہ سکتا کہ اُسے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے جو ایسا کہے گا وہ ختم نبوت کا منکر اور مدّعی نبوت ہوگا اور اس کا یہ دعویٰ از روئے قرآن جھوٹا ہوگا۔

اور خدا تعالےٰ کی طرف سے براہ راست علم نہ ملنے کی وجہ پرویز صاحب اس طرح دیتے ہیں :-

"جو راہ نمائی ہم نے دینی تھی اسے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں مکمل کر کے محفوظ کر دیا۔ اور اس رسول نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اب اس مشعل آسمانی کی روشنی اور اس رسول کے اسوہ حسنہ کے اتباع میں تم نے اپنی زندگی کی راہیں آپ قطع کرنی ہونگی۔ اب تم جوان ہو گئے ہو۔ اگر کسی مقام پر تمہارا پاؤں پھسل گیا تو تمہیں ہمت کر کے خود ہی اُٹھنا ہوگا۔ اب تمہاری انگلی پکڑ کر اٹھانے والا کوئی نہیں آئے گا۔ یہ ہے ختم نبوت کی اہمیت کا دوسرا گوشہ یعنی اس نے انسان میں خود اعتمادی پیدا کر دی۔"

پرویز صاحب اپنی کتاب میں اپنے آپ کو متلاشی حق ظاہر کرتے ہیں اور احمدی حضرات کے بارہ میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

"جب یہ کہا جائے کہ قرآن خالص کی روشنی میں گفتگو کی جائے تو فریق مقابل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا"

قرآن خالص کے اتباع کا دعوےٰ ہو اور باتیں اس قسم کی کرتا کہ تم جوان ہو گئے ہو اور تمہارا اب کوئی مددگار انگلی سے پکڑ کر اُٹھانے والا نہ آئے گا ختم نبوت کے ساتھ استہزا ہے۔ آج کل کے مادہ پرست فلاسفر اور سائنسدان بعینہٖ یہی کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ایک مشہور عالم ماہر حیاتیات (JULIAN HUXLEY) کی رائے :-

"خدا اور دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ فرشتے اور بھوت پریت اور روحیں اور دیگر چھوٹی چھوٹی مذہبی تخلیقات انسانی اختراع ہیں جو کہ ایک قسم کی جہالت اور ماحول کے بارہ میں انسان کی لاچاری سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس میدان میں جہالت کی جگہ علم کے آجانے سے اور انسانی اختیار میں ترقی سے اور مزید امکان کے علم سے خدا بس زائل ہی ہو رہا ہے (نعوذ باللہ) جیسے اس سے پہلے شیطان اور دیگر دیوتا اور بھوت پریت وغیرہ زائل ہو چکے ہیں . . . . ملٹن نے مشرکوں کے دیوتاؤں کے غائب ہونے کے بارہ میں لکھا تھا لیکن اس کا خدا بھی جہنم کی سرحد کے قریب ان کے ساتھ شامل ہو رہا ہے (استغفر اللہ استغفر اللہ) خدا بہت دُور ہو گیا ہے اور ناقابلِ فہم بھی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان مردوں اور عورتوں کے لئے جو کہ زندگی گذارنے کے لئے ہدایت اور سکون کے متلاشی ہیں خدا کا کوئی عملی فائدہ نہیں۔ خدا کا ایک دھندلا سا تصوّر جو کہ کسی قدر ذہنی ہے اور باقی سحری ابھی تک ہماری دُنیا پر ایک تاریک سایہ کئے ہوئے ہے۔ اسی کائناتی افسانوی بلی کی طرح جو کہ دانت نکالے ہوئے مسکرا رہی ہو۔ لیکن علم النفسیات میں ترقی اسے بھی مٹا دے گی۔"

(MAN. IN THE MODERN WORLD)

غالباً پرویز صاحب پر بھی مادی سائنس کا غلبہ ہو گیا ہے اور اس لئے وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تم جوان ہو گئے ہو۔ تم میں خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے اگر تمہارا پاؤں پھسل جائے تو کوئی انگلی پکڑ کر اُٹھانے والا نہیں آئے گا۔ یعنی اگر تم سے ہدایت زائل ہو گئی اور سکون کھو گیا تو خدا تعالےٰ تمہاری زندگی میں تمہاری مدد نہیں کرے گا اور اس طرح نعوذ باللہ خدا تعالےٰ کی ہستی آجکل کی دنیا میں بالکل بے فائدہ رہ گئی ہے۔ وہ اپنا تمام کام ختم کر چکا ہے۔ اور نعوذ باللہ اب وہ رخصت پر ہے۔ یہ لابدی نتیجہ ہے پرویز صاحب کے افکار کا۔ وہ نبوت کا دروازہ بند نہیں کر رہے بلکہ سرے سے نبوت کا ہی قلع قمع کر رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ پرویز صاحب کے ختم نبوت کے تصوّر کے متعلق کچھ مزید عرض کیا جائے۔ مجھے پرویز صاحب سے چند سوال پوچھنے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- کیا اللہ تعالےٰ جو ربّ العالمین ہے انسان کی ربوبیت کو درجہ کمال تک پہنچا کر اب (نعوذ باللہ) بے کار بیٹھ گیا ہے۔ اور انسان جو کہ گمراہی اور تباہی میں ترقی کر رہا ہے اور اس کے وجود کو بے کار اور بے فائدہ تصوّر کر رہا ہے اب ان کو ہدایت نہیں دے گا کیونکہ وہ مکمل ہدایت نازل کر چکا ہے اور اب اس کی صفتِ رحمانیت بھی معطّل ہو گئی ہے۔

۲- کیا اللہ تعالےٰ نے انسان کے ذوق تعبد میں حوصلہ افزائی اور علم میں اپنی ذات کے بارہ میں حق الیقین کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور انسان اللہ تعالےٰ کے ساتھ قولی و فعلی محبت کا اظہار صدق دل

سے کرتے کے باوجود ایک کلمہ تسکین کا موجب نہیں بن سکتا کیونکہ اس طرح ختم نبوت میں اشتباہ کا امکان ہے۔ کیا اس طرح ایک مومن کی حوصلہ شکنی نہ ہوگی اور وہ کس حد تک اس یکطرفہ معاملہ پر قائم و دائم رہ سکے گا۔

۳۔ کیا اللہ تعالیٰ قرآن کے علوم کلی طور نازل کر چکا ہے۔ اور اب اگر کوئی شخص قرآن کریم میں مذکور خدا تعالیٰ کی ذات اور ملائکہ اور امور معاد اور وحی کے متعلق مزید علم حاصل نہ کرو اور اگر اسے نہیں مانو گے تو پھر جہنم میں جاؤ گے کیا اس قسم کا جواب کسی کی تشفی کر سکتا ہے۔

۴۔ کیا اسلام کا صرف مادی یا معاشرتی پہلو ہی اس وقت دنیا کو اخلاقی گراوٹ اور کفر و عصیاں سے باہر نکالے گا اگر ایسا ہی ہے تو پھر دیر کس بات کی، کیوں مسلمانوں کی حالت کو ہی کمال تک نہیں پہنچاتا حالانکہ مسلمانوں کے پاس خدا تعالیٰ کی مکمل تعلیم قرآن کی شکل میں موجود ہے۔ اور اس کے مقابل پر وہ لوگ بھی ہیں جن کے پاس یہ مکمل تعلیم نہیں لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں سے دنیا کے اکثر امور میں بہت آگے ہیں۔

۵۔ کیا قرآن کریم صرف مسلمانوں کے لئے ہے یا غیروں کے لئے بھی۔ اگر غیروں کے لئے بھی ہے تو ان کو قرآن کریم کی طرف دعوت دینے والے کون ہوں گے۔ اور اگر یہ غیر لوگ اسلام اور دیگر مذاہب میں امتیازی فرق کے متعلق پوچھیں تو کیا جواب دیا جائے گا۔ اگر سابقہ کارناموں کو تائید میں پیش کیا جائے گا تو اگر وہ یہ کہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت کیوں خراب ہے حالانکہ قرآن کریم مکمل اور محفوظ شکل میں ان کے پاس ہے اور ہمارا مذہب بہتر ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے ہمیں قوت اور عزت حاصل ہے تو کیا جواب دیا جائے گا۔

۶۔ کیا قرآن کریم میں علوم الٰہیات بھی۔ اگر ہیں تو ان کی تعلیم دینے والے کون لوگ ہوں گے۔ کیا وہ لوگ جن کو ان علوم کا نہ کوئی تجربہ ہو اور نہ ہی مہارت۔ یا وہ لوگ ہوں گے جو کہ ان علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہوں اور پوچھنے والوں کو حقائق کا مشاہدہ کرانے کے قابل ہوں گے۔

ختم نبوت کو جس رنگ میں پرویز صاحب نے پیش کیا ہے مندرجہ بالا سوالات اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ پرویز صاحب کا فرض تھا کہ ان سوالات کے جوابات دیتے ایک محقق کو ان امکانی سوالوں کا علم ہونا چاہیئے۔ اور کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب بھی اس قسم کے سوالات سے نا آشنا نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک تو یہ جواب دیا کہ اب تم جوان ہو گئے ہو تم میں خود اعتمادی پیدا ہو چکی ہے اب اپنی مدد آپ کرو، کسی آنے والے کا انتظار کر کے وقت مت ضائع کرو اور ان کا دوسرا جواب مندرجہ ذیل ہے:—

"واضح رہے جب یہ کہا گیا کہ یہ کتاب مفصل اور مکمل ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تمام احکام اور ان کی جزئیات تک بھی دے دی گئی ہیں۔ قرآن کریم کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں احکام بہت کم ہیں۔ یعنی وہی جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہ سکتے تھے۔ باقی راہنمائی۔ اصول و اقدار کی شکل میں دی گئی ہے۔ ان اصول اور اقدار پر عملدرآمد کس طرح کیا جائے گا اسے ہر زمانہ میں قرآنی نظام امت (یعنی اسلامی مملکت جو قرآن کے مطابق قائم ہوگی) باہمی مشورہ سے خود متعین کرے گا۔ یہ طریق عمل (یا جزئیات) زمانہ کے بدلتے تقاضوں کے مطابق بدلتا جائے گا۔ لیکن اصول و اقدار اپنی جگہ غیر متبدل رہیں گے۔ ثبات و تغیر کے اس امتزاج سے یہ راہنمائی ممکن العمل بھی رہے گی اور ابدیت درکنار بھی"

یہ دو جوابات مندرجہ بالا سوالات میں سے صرف ایک جزو کا جواب قرار دیئے جا سکتے ہیں لیکن ان سے بھی کسی قسم کی تسلی نہیں ہوتی بلکہ مزید سوالات پیدا ہوتے ہیں:—

۱۔ اسلام کو آئے ہوئے چودہ سو برس ہو گئے ہیں۔ دنیا کے کئی ممالک میں یہ اکثریتی مذہب رہا ہے یا یہ حکومت وقت کا مذہب رہا ہے۔ ان میں سے کتنی حکومتیں قرآن کے مطابق تھیں اور کتنی حکومتوں نے قرآن کو رواج دیا۔ اندلس سے کیوں مسلمان بوریہ بستر سمیت نکالے گئے۔ ہندوستان میں کیوں اکثریت و اقلیت کا سوال باقی رہا۔

۲۔ مسلمان تو مسلم کی ایک متفقہ تعریف وضع نہیں کر سکے۔ حکومت کن لوگوں پر قرآن کے اصول اور اقدار کو رواج دے گی۔ اسی طرح ختم نبوت کے باوجود تمام علمائے سلف و خلف مسلمانوں کے اندر اولیاء اللہ کے ظہور پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ آپ کے نزدیک جھوٹے اور قرآن کریم کے منکر اور معبودان باطل ہیں، اور اسی طرح ان کے متبعین بھی۔ تو یہ جزئیات کو وضع کرنے والی کونسی حکومت ہوگی۔ بقول پرویز صاحب منکرین ختم نبوت کی یا صرف ایک شخص کی یعنی پرویز صاحب کی، کیونکہ وہ ختم نبوت کو سمجھتے ہیں۔ لیکن پرویز صاحب یہ حکومت کن لوگوں پر کریں گے۔

۳۔ کیا قرآنی نظام دو یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اگر نہیں تو مسلمانوں کی حکومتیں آپس میں برسرپیکار کیوں ہیں اور اگر ہاں تو کس نظام کو اولیت حاصل رہے گی اور کس کو ثانویت۔ اور کیوں۔

۴۔ کیا قرآنی نظام والی حکومتیں صرف معاملات دنیوی کے بارہ میں جزئیات وضع کریں گی یا ایمانیات کے بارہ میں بھی اور امور اُخروی کے بارہ میں بھی اور امور الٰہیات کے بارہ میں بھی۔ اور آج سے پہلے کتنی حکومتوں نے ایسے کام کر کے مسلمانوں کو پابند کیا ہے۔

۵۔ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمان کیا کریں گے۔

۶۔ اگر کوئی ملک جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اس قرآنی نظام کو نہ قائم کرے تو اس صورت میں کیا ہوگا۔

۷۔ حکومت کے اربابِ حل و عقد کے خلاف اس نظام کا اجراء کیسے ہوگا۔ مثال کے طور پر ہمارے آئین میں پریذیڈنٹ اور وزیر اعظم اور گورنر اور دوسرے وزراء کو ان کے دوران حکومت میں قانونی مسئولیت سے بالاتر رکھا گیا ہے کیا یہ آئینی دفعہ اسلام کے مطابق ہے یا خلاف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص امام وقت کو نہیں پہچانتا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے"۔ جو اولیاء اللہ کے ساتھ دشمنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے علم سلب کر لیتا ہے۔

پرویز صاحب کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ بازاری سطح سے بھی گری ہوئی باتیں ہیں۔ جس بات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ وزنی سوالات کو دعوت دیتے ہیں۔ یہی مثال ہے اس آیت کریمہ هل يستوی الاعمیٰ والبصير۔ اندھے اور بصیرت والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

جہاں تک خاتم النبیین کے معانی کا تعلق ہے ہمارے اور پرویز صاحب کے درمیان لفظ خاتم کے معنی میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے معنی وہ بھی ختم کرنے والے کرتے ہیں، اور ہم بھی کرتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا اختلاف لفظ نبی کے معانی میں ہے۔ وہ وحی کو نبوت کہتے ہیں اور قرآن کریم اس معنی کی تائید نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم پانے کو نبوت کہتے ہیں۔ قرآن کریم اس کی بھی تائید نہیں کرتا۔ کہ براہ راست علم صرف نبیوں کو ہی ملتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنا یا علم غیب ظاہر کرنے کو نبوت کہتے ہیں۔ اگرچہ لغوی معنی کی رو سے نبی کے یہی معنی ہیں لیکن قرآن کریم نے غیر نبی افراد کی بہت سی مثالیں دی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا

(باقی — باقی)

سپاسِ تعزیت

از ڈاکٹر میرزا محمد مظفر بیگ ساطع لائلپوری

۹ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کار کے حادثے میں میرا نوجوان بیٹا مرزا محمد اورنگ زیب بیگ بی۔اے وفات پا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ جونیئر کلرک کی حیثیت سے نیشنل بنک لائل پور میں کام کرتا تھا۔ پرائیویٹ طور پر فرسٹ ڈویژن میں بی۔اے کیا۔ پھر تیاری کر کے بنکنگ کا پہلا امتحان دیا تو پانچوں پرچوں میں کامیاب رہا۔ بنک کے منیجر صاحب کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"یہ کمال اورنگ زیب مرزا کا ہے کہ پانچوں پرچے حل کر لئے ورنہ میں نے جب خود امتحان دیا تھا تو پانچ پرچوں میں سے صرف تین پرچے حل کر سکا تھا۔ اور دو پرچوں کا امتحان دوسرے سال دیا تھا۔"

بنک کے دو امتحان اور بھی بڑی کامیابی سے پاس کئے اور بنک کی طرف سے چھ مہینے کے لئے کراچی میں پریکٹیکل ٹریننگ کی اور پھر جہلم میرپور زمیندارہ بنک کا منیجر لگا دیا۔

ایک دن ایک کلرک ایک فائل لے کر آیا۔ فائل کھولی تو اس میں سو سو روپے کے تین نوٹ رکھے تھے۔ کلرک سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کلرک نے جواب دیا کہ ہمارا بنک زمینداروں کو قرضے دے رہا ہے۔ آپ سے پہلے منیجر صاحب نے تین سو روپے رشوت طے کی تھی۔ مگر ان منیجر صاحب کا جلد تبادلہ ہو گیا۔ کاغذات اب تیار ہوئے ہیں۔ صرف آپ کے دستخط ہونے ہیں۔ زمیندار نے وعدہ کے مطابق آپ کے لئے یہ تین نوٹ فائل میں رکھ دیئے ہیں۔ اس پر زمیندار کو اندر بلوایا گیا۔ بڑی عمر کا بزرگ تھا۔ اورنگ زیب نے اٹھ کر تعظیم کی اور پھر اپنے پاس کرسی رکھوا کر انہیں بٹھایا اور بڑے ادب سے کہا:۔

باباجی! میں اپنے کام کے عوض معقول تنخواہ پاتا ہوں۔ آپ حضرات کا کام کرنا میرا فرض منصبی ہے۔ یہ تین نوٹ اپنی جیب میں سنبھال لیں۔ اس بزرگ نے دعائیں دیں۔

دوسرے دن اس زمیندار کے گاؤں کے بہت سے لوگ آئے کہ ہم اس نیک نوجوان کا دیدار کریں گے۔ اس زمانے میں ایسا نیک نوجوان؟

اس پر ایک دن اس فائل والے کلرک نے بتایا کہ جس قالین پر آپ نماز پڑھتے ہیں یہ بھی رشوت میں آیا تھا۔ تو اورنگ زیب نے آئندہ اس قالین پر نماز پڑھنا بند کر دیا۔

اورنگ زیب جب دیکھتا کہ دفتر بند ہونے میں دو گھنٹے رہ گئے ہیں تو بنک کے کمروں کا چکر لگاتا۔ جس کلرک کے سامنے بہت فائلیں ہوتیں جن کا کام جلد ختم نہیں ہو سکتا تھا تو اس کلرک کو فائلوں سمیت اپنے کمرے میں لے جاتا اور خود اس کا کام کر کے اس کو بھی اس قابل بنا دیتا کہ وہ بھی وقت پر اپنے بال بچوں میں پہنچ جاتا اس کے ایک زونل بڑے افسر نے ایک دفعہ پوچھا۔ اورنگزیب مرزا یہ مشنری سپرٹ آپ کو کہاں سے ملی ہے؟ اس نے جواب دیا اپنے باپ مسلم مشنری مرزا مظفر بیگ ساطع سے۔ افسر یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا۔

اورنگزیب اپنے محکمہ کے تنگدست لوگوں کو ان کی ضرورت کے مطابق اپنی جیب سے روپے دے دیتا جو وہ تنخواہ کی وصولی پر ادا کر دیتے۔ چوکیداروں چپڑاسیوں کو بھی گلے لگا کر ان کی عزت افزائی کرتا اور چائے پلاتا۔ مرحوم کنبہ پرور تھا اور غریب رشتہ داروں پر بیدریغ روپیہ خرچ کرتا۔ اب سعودی عرب میں انگلینڈ کے ایک بہت بڑے بنک میں پاکستانی دس ہزار روپے ماہوار پر جا رہا تھا کہ خدا نے اپنے ہاں بلا کر شہید کا درجہ دے دیا۔ بچوں کے لئے لاکھ دو لاکھ کا بیمہ زندگی نہیں کرایا کیونکہ اس کا ایمان تھا کہ جس خدا نے اس کو دیا اس کے بچوں کو بھی دے گا۔

وفات کے موقعہ پر اورنگزیب کے زونل سینئیر وائیس سپرنٹنڈنٹ صاحب تعزیت کے لئے میرے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا:۔

"آپ نے اپنے بیٹے کی اتنی اچھی تربیت کی تھی کہ اس کے اخلاق کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی تھی۔"

میں غم میں ڈوبا ہوا اپنے دل سے کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اندھے ہوں تو اتنا بڑا سورج بھی کچھ نہیں دکھا سکتا۔ سورج کی روشنی اس کو فائدہ دے سکتی ہے جس کے پاس آنکھیں ہوں۔ اورنگزیب نے میری تربیت سے اس لئے فائدہ پایا کہ خدا کی طرف سے اس کے اپنے اندر خوبیاں تھیں۔

اورنگزیب مرزا حادثے کا شکار ہوا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حادثاتی موت سے مرنے والا شہید ہوتا ہے۔ اورنگزیب مرزا کو یہ مقام کس نیکی کے عوض مل گیا اس کا علم صرف خدا تعالےٰ کو ہے۔

قل اور چہلم تک راولپنڈی اور لائل پور میں ۱۷۸ قرآن شریف ختم کئے گئے۔ راولپنڈی اور لائل پور ہر جمعرات کھانے کی دیگیں پکوا کر غریبوں میں تقسیم کی گئیں۔ سوا لاکھ دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ختم کیا گیا۔ یہ سب کچھ مرحوم کی اپنی خوش نصیبی سے ہوا۔ مرحوم کا حج بدل بھی کرایا گیا۔

جرمنی۔ انگلستان۔ امریکہ۔ بھارت اور پاکستان کے بہت سے شہروں سے تعزیت کے فون، تاریں اور ہوائی ڈاک اور دوسری ڈاک کے ذریعہ خطوط ملے۔ دل سے ان ہمدرد حضرات کے حق میں اللہ کے حضور خیر و برکت کی دعائیں نکل رہی ہیں۔

آخر پر میں سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے حق میں دعا کی درخواست کرتا ہوں ؎

عجب دردیست اندر دل اگر گفتم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

روئداد جلسہ سالانہ خواتین احمدیہ —— بسلسلہ صفحہ

آخر میں محترمہ بیگم خورشید راجہ انور صاحبہ نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے آیات قرآنی ربّ اشرح لی صدری .... یفقھوا قولی کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ ہم نے اپنی بہنوں کے پُرخلوص مشورے اور عمدہ تقاریر سُنیں۔ ہمارا مقصدِ حیات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ ہم تن من دھن سے خدمتِ دین کریں۔ جو خدا کے دین کا فکر کرتا ہے خُدا اس کے کام خود سنوارتا ہے۔ ہمیں مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور استقامت سے دین کو دُنیا پر مقدم رکھیں۔ اور ان حالات میں اسلام کے استحکام کا باعث بنیں۔ رسم و رواج پر خرچ کرنے کے بجائے دین پر خرچ کرنے میں مسابقت کریں۔ شادی۔ پیدائش اور ہر خوشی کے موقع پر بھی اشاعتِ اسلام کے لئے خرچ کرنا ہماری دینی حِس کی بیداری کا ثبوت ہونا چاہیئے۔

نسرین گل محمد صاحبہ نے تنظیم خواتین احمدیہ کی پچھلے سال کی رپورٹ پڑھ کر سنائی اور تنظیم کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ محترمہ بیگم خورسید راجہ انور صاحبہ نے رقّت آمیز دُعا سے جلسہ کا اختتام کیا۔

خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں

اخبار احمدیہ

وفات ۲۴؍دسمبر ۱۹۷۶ء بروز جمعہ ۸ بجے صبح جناح ہسپتال کراچی میں محمد مسعود صدیقی وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کو جماعت کے ساتھ بہت محبت تھی۔ جناب میرزا مسعود بیگ صاحب اور حضرت امیر کے ساتھ محبت کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ اور درحقیقت حضرت امیر کے شیدائی تھے۔

ان کے بڑے صاحبزادہ آصف جاہ صدیقی صاحب سے معلوم ہوا کہ قیام پاکستان کے وقت لاہور ایمپریس پولیس لائن کو چھوڑ کر احمدیہ بلڈنگس میں قیام کر لیا تھا۔ اور شیخ محمد حسین صاحب مرحوم، مولانا آفتاب الدین مرحوم کے ہمراہ راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت مسیح موعود ہال کے بنانے کچھ مشکلات پیش آئیں۔ تو مرحوم نے ذاتی طور پر دلچسپی لے کر مشکلات کو دور کیا۔ مرحوم خاص طور پر پورے کنبے کے ہر فرد کے چندہ کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے۔ اگر میں کسی ماہ نہ پہنچ سکوں تو پھر خود لے کر اپنے پاس جمع کرتے تھے۔ پھر یا تو نمازِ جمعہ میں ادا کرتے تھے یا گھر میں جاؤں تو مجھے دے دیا کرتے تھے۔ جماعت کو مرحوم کی جدائی سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ بعد نمازِ جمعہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور میوہ شاہ کے قبرستان میں انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ ہماری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور تمام لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ اور چار بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ تمام جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

محمد بیدار۔ جائنٹ سیکرٹری۔ جماعت کراچی۔

— قاضی عبدالحفیظ صاحب لاہور چھاؤنی بروز ہفتہ صبح ۷ بجے ۱۰؍محرم الحرام بمطابق یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ تمام جماعتوں سے مرحوم کا جنازہ غائبانہ پڑھنے کی درخواست ہے۔

بقیہ مقالہ — از صفحہ ۲

انکی اصلاح کے لئے اس صدی کا مجدد ہو کر آنا چاہیئے اسے مثیلِ مسیح نہیں ہونا چاہیئے تھا؟ علامہ اقبال نے بھی اُمتِ مسلمہ کا نقشہ اسی قسم کے الفاظ میں یوں کھینچا ہے۔ ع:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
ایسے مسلم ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

۵۔ جہادِ زمانہ یعنے اشاعت و تبلیغ دینِ اسلام کو حضرت بانی اور جماعت احمدیہ کو اختیار کئے ہوئے آج سے نوّے برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ابتدا میں یہ جہاد قابلِ قبول نہ تھا بلکہ اسے مسلمان بے کار سمجھ رہے تھے۔ لیکن کیا اب وہ اسی مسلک کو قبول نہیں کر چکے؟ چنانچہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۷۶ء کو جو اعلان مولانا کوثر نیازی کی طرف سے شائع ہوا ہے اس کا عنوان یہ ہے کہ:—

"دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ اندرون پاکستان اور بیرونی ممالک میں"

مسلمان تو ابھی یہ تجاویز ہی کر رہے ہیں کہ اپنے دین کی اشاعت کریں لیکن جماعتِ احمدیہ نے تو آج سے پچاس برس قبل بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے علم گاڑ دیئے۔ مسجدیں تعمیر کر دیں۔ مغربی ممالک کی زبانوں میں قرآن کے تراجم پھیلا دیئے اور ان تمام کاروائیوں کے نتائج نہایت عظیم الشان نکل چکے ہیں۔ کیا ان امور کو تسلیم کر لینا قبولِ احمدیت کے مترادف نہیں؟ کیا احمدیت کی فتح و غلبہ میں اب بھی کچھ شک باقی رہ جاتا ہے؟

افسر صاحب جلسہ سالانہ کیطرف سے شمولیت جلسہ کرنیوالے احباب کا شکریہ

اور

بہتر انتظام کی تجاویز کی دعوت

جلسہ ۱۹۷۶ء خدا کے فضل سے اختتام پذیر ہوا۔ احباب دُور دراز مقامات سے جذبۂ اخوت لے کر آئے اور دارالسلام میں اپنی نیک مثال اور برکات چھوڑ گئے۔ اب ہم جلسہ ۱۹۷۷ء کے منتظر ہوں گے اور ہم اہالیانِ لاہور کی آنکھیں ۳۶۵ یوم اس مبارک اور دینی اجتماع کو پھر دیکھنے کے لئے ترستی رہیں گی۔ ہم لوگوں نے جو کچھ آپ کو آرام پہنچانے کے لئے کیا اس کی خوشی، اور بہت کچھ جو ہم نہ کر پائے اس کا غم ہے۔ لیکن جس بلند حوصلگی سے آپ سب نے ہماری پردہ پوشی فرما کر تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اس کے ہم مشکور ہیں۔ اس سال شرکاء کی تعداد پہلے کی نسبت زیادہ تھی۔ انتظامات بہتر کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ممکن ہے پھر بھی کچھ کمی رہ گئی ہو۔ یہ پیغام آپ کو ملنے سے قبل آپ واپس پہنچ چکے ہوں گے اور جلسہ کی یادیں ابھی دل و دماغ میں تازہ ہوں گی۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھے اپنے تاثرات سے آگاہ کریں۔ اور واضح طور سے مطلع فرمائیں کہ آئندہ جلسہ میں انجمن کیا طریقہ اختیار کرے جس سے آپ کو پہلے کی نسبت بہتر آرام ملے۔ اس جلسہ پر آپ نے کونسی کمی محسوس کی جو آئندہ دُور کی جانی چاہیئے۔ اپنے تاثرات تحریر کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کو ملحوظِ خاطر رکھیں:—

(۱) بیرونی جماعتوں سے زیادہ سے زیادہ احباب کو کس طرح جلسہ میں شمولیت پر تیار کیا جائے۔

(۲) جلسہ فنڈ کی رقم کو بڑھانے کے لئے کون سے اقدام ضروری ہیں۔ ہمارا جلسہ فنڈ بہت ہی کم جمع ہوتا ہے۔ اور اکثر احباب اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہ درست ہے کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا لنگر ہے۔ لیکن اس لنگر کو جاری رکھنا سرمایہ کا متقاضی ہے۔

(۳) کیا بیرونی جماعتیں مل کر Toyota Vans ایک کر کے براہ راست دارالسلام آ سکتی ہیں؟ اس سے احباب کو سفر کی تکالیف کم ہو جائیں گی۔

(۴) رہائش اور خوراک کے بندوبست میں آپ کونسی بہتری کی تجویز پیش کریں گے اور موجودہ بندوبست میں کیا کمی تھی۔

میں ایک بار پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے جلسہ میں شرکت کی اور ہمیں خدمت کا موقعہ دیا۔ جو احباب نہ آ سکے ہمیں اُمید ہے وہ جلسہ ۱۹۷۷ء میں ضرور تشریف لا کر ہمیں خدمت کا موقعہ دیں گے۔

(میاں) فضل احمد

کلام حضرت مسیح موعودؑ

واہ اے باغِ محبت موت جس کی رہگذر ۔ وصلِ یار اس کا ثمر پر ارد گرد اسکے ہیں خار
پر جو دُنیا کے بنے کیڑے وہ کیا ڈھونڈیں اسے ۔ دیں اسے ملتا ہے جو دیں کیلئے ہو بیقرار
(درثمین)

ہفت روزہ پیغام صلح — مؤرخہ ۵؍جنوری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۱

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء | نمبر ۲

مَلفُوظات حَضرَت مُجَدّدِ صَدِ چہاردھم عَلَیہِ السَّلام

مَساجد اور جماعتی اِتّحاد کی ضرُورت

اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانۂ خدا ہوتا ہے۔ جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہو گئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بُنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیئے پھر خُدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا لیکن شرط یہ ہے کہ قیام مسجد میں نیّت بہ اخلاص ہو محض للہ کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی شر کو ہرگز دخل نہ ہو تب خدا برکت دے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد مرصع اور پکّی عمارت کی ہو۔ بلکہ صرف زمین روک لینی چاہیئے اور وہاں مسجد کی حد بندی کر دینی چاہیئے۔ اور بانس وغیرہ کا کوئی چھپّر وغیرہ ڈال دو کہ بارش وغیرہ سے آرام ہو۔ خدا تعالیٰ تکلّفات کو پسند نہیں کرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی مسجد چند کھجوروں کی شاخوں کی تھی اور اسی طرح چلی آئی پھر حضرت عثمان نے اس لئے کہ ان کو عمارت کا شوق تھا اپنے زمانہ میں اسے پُختہ بنوایا۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت سلیمان اور عثمان کا قافیہ خوب ملتا ہے شاید اسی مناسبت سے ان کو ان باتوں کا شوق تھا۔ غرضکہ جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیئے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو اور وعظ وغیرہ کرے اور جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ سب مل کر ایسی مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ جماعت اور اتفاق میں بڑی برکت ہے۔ پراگندگی سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ وقت کہ اس وقت اتحاد اور اتفاق کو بہت ترقی دینی چاہیئے۔ اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے جو کہ پھوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

(ملفوظات جلد ہفتم ۱۹ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۱۹)

مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

ایک مکتوب ——— ایک تجزیہ
سات ستمبر ۱۹۷۴ء کے بعد جماعت احمدیہ لاہور نے کیا کھویا! کیا پایا

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ کے بعد آنے والے ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں جناب راجہ محمد افضل صاحب ہمارے ہاں معتکف تھے ۔ ۲۷ رمضان کی صبح کو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آج رات رویاء میں فضل الٰہی کو دیکھا ہے جس کا جسم اور قد پہلے کی نسبت بہت بڑھا ہوا ہے ۔ چند دن بعد انہوں نے فرمایا کہ اونگھ کے دوران انہیں آواز آئی "صفحہ ۱۹۹ دیکھو"۔ ان دنوں تذکرہ ان کے زیر مطالعہ تھا ۔ انہوں نے اس کا صفحہ ۱۹۹ کھول کر دیکھا تو اس پر یہ عبارت تھی "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

اسی طرح جناب چوہدری ثناء اللہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے کمرہ کی دیوار گری ہوئی دیکھی ہے ۔ لیکن کھڑکی محفوظ ہے ۔ اسی پریشانی کے زمانے میں میرا لاہور آنا ہوا ۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب سے ملاقات کی اپنے حالات کی باتیں چھیڑیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک رویاء دیکھا ہے کہ میں پریکٹس کر رہا ہوں کچھ آدمی آئے ہیں ۔ ان میں سے تین کو میں نے مہمانوں کے لئے ایک خاص کمرے میں بٹھایا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک نے یکے بعد دیگرے کہا "احمدیت زندہ باد"۔ میں نے بھی ہر بار کہا "ھو یحیی و یمیت ۔"

یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب ہمیں اپنے مستقبل کے متعلق ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا ۔ کئی قسم کے خدشات سروں پر منڈلا رہے تھے ۔ پریشانیوں اور تفکرات نے گھیر رکھا تھا ۔ یہ سب کچھ اس لئے نہ تھا کہ ہماری جانیں ضائع ہو جائیں گی ۔ مال و متاع لٹ جائے گا ۔ عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی بلکہ اس لئے تھا کہ حضرت مجدد زمان جو امانت ہمارے سپرد کر گئے ہیں ایسے حالات میں ہم اس کی حفاظت کیسے کر سکیں گے ۔ اور جو عہد ہم نے اُن سے کیا تھا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اسے کیسے نبھائیں گے ۔ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو اس بے بسی میں کیسے دور کر سکیں گے ۔ اور اشاعتِ اسلام کا کام جو ہمارا واحد مقصد ہے کیسے جاری رکھ سکیں گے ۔ لیکن

"قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا"

کے تحت اللہ تعالیٰ نے ایک اور فیصلہ مقدر کر رکھا تھا ۔ کچھ اہلِ دل اپنا یہ درد و غم لے کر ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے یہی فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی کہ آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنا چاہئے اور "واللہ یعصمک من الناس" کی خوشخبری کے مدِنظر جیسے تیسے بن پڑے اپنا یہ مقدس مشن جاری رکھنا چاہیئے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کا وقت آئے تو ہم اسے جو علیم و خبیر ہے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے ممکنہ انسانی سعی و کوشش کی حد تک اپنا وعدہ پورا کرنے کی جد و جہد جاری رکھی ۔ نتائج تیرے ہی ہاتھ میں تھے ۔

اس کے جو نتائج ہمارے سامنے آئے وہ مسرت افزاء بھی ہیں اور متفکر کن بھی ۔ ان بیرونی جماعتوں میں جن سے ہمارا تعلق ایک رسمی حد تک تھا زندگی کے کچھ آثار نظر آنے لگے ۔ تبلیغ برائے بیرونی ممالک کے لئے ایک کمیٹی قائم ہوئی جس کے چیئرمین محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مقرر ہوئے ۔ آپ نے ۱۹۷۵ء میں بیرونی جماعتوں کا دورہ کیا ۔ لندن ۔ ہالینڈ ، کینیڈا اور امریکہ میں ہماری کوئی جماعتیں نہ تھیں ۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے لندن میں ایک جماعت منظم کرنے کی کوشش کی اور بکھرے ہوئے احمدی خاندانوں کو اکٹھا کیا اور باقاعدہ چندہ کی مہم شروع ہوئی ۔ کینیڈا اور امریکہ میں جناب مولانا شیر محمد صاحب جو فجی میں ہمارے مبلغ ہیں نے جماعتیں قائم کیں ہالینڈ میں ہماری جماعت کے تقریباً دس ہزار افراد ہیں ۔ جو سرینام سے ہجرت کر کے وہاں آ بسے ہیں ۔

ایک اور اہم واقعہ بھی ہمارے دلوں کی تسلی کا موجب ہوا ۔ امریکہ سے جناب والس محمد صاحب جو تقریباً بیس لاکھ بلالی مسلمانوں کے چیف امام ہیں اپنے بھائی ہربرٹ محمد اور بھتیجے کے ہمراہ یہاں لاہور میں ہمارے مرکز میں تشریف لائے اور قرآن کریم کی خدمت کے لئے پیشکش کی ۔ آپ ہمارے امیر مرحوم حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی آخری آرامگاہ پر بھی حاضر ہوئے ۔ پھولوں کی چادر چڑھائی اور ایک طویل دعا کی ۔ اس لئے کہ اس قوم کو روشنی حضرت مولانا کی تفسیر بیان القرآن سے حاصل ہوئی ۔ یہ اسی عقیدت کا اظہار تھا ۔

اس دفعہ ۱۹۷۶ء میں دوبارہ اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب پھر ان بیرونی ممالک کی جماعتوں کے دورہ پر تشریف لے گئے ۔ برطانیہ ۔ ہالینڈ ۔ ٹرینیڈاڈ اور گیانا کی جماعتوں میں پہلے کی نسبت زیادہ زندگی اور جذبہ کے آثار دیکھنے میں آئے ۔ تقریباً تیس آدمی جماعت میں شامل ہوئے ۔ سرینام کے ایک آدمی نے رویاء دیکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو نبیوں کا کام سپرد کیا ہے یعنی اب اللہ تعالیٰ کا نام اسی جماعت کے افراد کے ہاتھوں بلند ہوگا ۔

امریکہ میں آپ نے شکاگو میں بلالی مسلمانوں کے دو ہزار کے اجتماع سے خطاب کیا ۔ ان کے مراکز کے لئے بیان القرآن کی جلدیں اور جماعت لنڈن کی طرف سے سونے کا ایک قلم بطور تحفہ پیش کیا ۔

اس بار جلسہ سالانہ پر مالی قربانی کے جو روح پرور نظارے جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور جناب این ۔ اے فاروقی صاحب کی اپیلوں پر دیکھنے میں آئے انہیں بے مثل کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ۔ تعداد اور مالی قربانی کے لحاظ سے اس جلسہ نے ہمیں حضرت امیر مرحوم کے زمانے کے جلسوں کی یاد دلا دی ۔ جناب میاں فضل احمد صاحب مہتمم جلسہ اور آپ کے رفقائے کار نے جس محنت ۔ جانفشانی اور جذبہ سے کام کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی اجر کا مستحق ہے ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی برکتیں نازل فرمائے ۔ آمین ۔

شبان الاحمدیہ کی کارکردگی بھی قابل تعریف ہے ۔ ہماری اُمیدیں اب انہی نوجوانوں سے وابستہ ہیں ۔ یہ ذمہ داریاں اب انہی کے کندھوں پر پڑنے والی ہیں اس کا اہل بننا اب ان کا اپنا فرض ہے ۔

صبح کی نمازوں میں سوز و گداز ۔ جناب این ۔ اے فاروقی صاحب کا درس قرآن ۔ بچوں ۔ بچیوں ۔ معمر بزرگوں ، مستورات اور نوجوانوں کی قربانیاں کی یاد بھولنے والی باتیں نہیں ۔

ہماری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس جماعت پر اپنی برکات نازل فرمائے ۔ اسے اپنا مقرب بنائے ۔ دنیا کا پیشوا بنائے تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام ساری دنیا میں بلند ہو ۔ آمین ۔

طالبو تم کو مبارک ہو کہ اب نزدیک ہیں + اس میرے محبوب کے چہرہ کے دکھلانے کے دن
(حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۱۲؍جنوری ۱۹۷۷ء

وہ ہم سے بدگمان کیوں ہیں؟

(مسلسل)

قرآن کریم کا یہ واضح ارشاد بلکہ حکم ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بدگمانی سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے ہموطن "مسلمان" بھائی آپس کے فرقہ وارانہ اختلافات کے ذکر میں ہمیں بھی یاد کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اُمتِ مسلمہ سے ہمیں کٹوانے کی کوششوں میں کامیابی کے بعد بھی ہم انہیں صرف بدظنی کی حد تک یاد رہ جاتے ہیں یہ ان کی عنایت ہے لیکن نہایت اذیت دہ۔

یہ سطور لکھنے کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی ہے کہ معاصر "ہفت روزہ الاعتصام" نے اپنے ۱۴؍مئی ۱۹۷۶ء کے شمارے میں بریلوی مسلک کے حضرات سے یہ شکوہ کرتے ہوئے کہ وہ ایک بار پھر مسلمانوں میں تفریق اور انتشار پھیلانے کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور آج سے نصف صدی قبل کی وہ تصانیف دوبارہ چھاپ رہے ہیں جن میں اہلحدیث پر یہ فتوے موجود ہیں کہ انہیں مساجد میں نماز نہ پڑھنے دی جائے۔ ہم پر بھی نظرِ کرم ڈالتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :۔

" اختلافِ عقائد اپنی جگہ مسلم لیکن اس اختلاف کی لے کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ مرزائی ہمارا تمسخر اڑائیں اور بغلیں بجائیں۔ کمیونسٹ سوشلسٹ اور لادین عناصر اس سے فائدہ اٹھائیں اور اہل مذہب آپس میں ہی دست و گریبان رہیں"

معاصر الاعتصام کو ہم کمیونسٹ۔ سوشلسٹ اور لادین عناصر کے بارے میں تو کوئی یقین نہیں دلا سکتے لیکن جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے یقین دہانی کرا سکتے ہیں کہ ہم "مسلمانوں" میں اس تفرقہ بازی۔ انتشار۔ تفریق۔ اور تکفیر کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے تمام اختلافات کو مٹا کر خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی ایک بار پھر حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام کر اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے متحد اور متفق ہو جائیں اور ان اسلام دشمن قوتوں کے خلاف سپر آزما ہونے کی طرح ڈالیں جو اسلام کو ان کی زندگی سے نکالنے کی مذموم سازشوں میں مصروفِ کار ہیں اور خدا نخواستہ اپنی کامیابی کی صورت میں انہیں معاشی اور معاشرتی طور پر اپنی شاخِ نازک پہ تعمیر شدہ تہذیب کی دہلیز پہ جھکانا چاہتی ہیں۔ ہمارا تو اس عقل پہ ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو یہ سوچتی ہے کہ ہم مسلمانوں میں اس تشتت و افتراق پر بغلیں بجائیں گے۔ آخر کیوں؟ اس سے ہم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں نہ حکومت سے غرض اور نہ سیاست سے تعلق اور نہ ہی بانیٔ تحریکِ احمدیت حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی محدثِ دوران نے ہمیں اس قسم کا کوئی حکم دیا۔ آپ نے اگر فرمایا تو یہی کہ تم نے دین کو دنیا پہ مقدم کرنا ہے اور غلبۂ اسلام کے لئے ہر قربانی دینا ہے۔ آپ نے اپنی جماعت میں شامل ہونے والوں کے سامنے جو شرائطِ بیعت رکھیں ان میں سے دو یہ تھیں :۔

۴۔ "یہ کہ عامِ خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔"

۸۔ "یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔"

جماعتِ احمدیہ لاہور کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی کہ اس کی طرف سے کبھی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور اس سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی کبھی کوشش کی گئی ہو۔ یہی وہ جماعت ہے جس کا آج بھی یہی موقف اور اعلان ہے کہ ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اس جماعت کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت ہمیشہ رہی ہے جس میں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ :۔

" اے اہلِ کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں" (۳ : ۶۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافۃ للناس اسی لئے ہیں کہ آپ ساری قوموں کو خدا کے در پر جھکانے اور سب کو ایک ہی مرکزی نقطہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر اکٹھا کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جس قوم کو اُمۃً وسطاً کہا گیا آج وہ خود بیسیوں گروہوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ "ارباباً من دون اللہ" کے الفاظ پر غور نہ کرتے ہوئے ہر فرقہ نے اپنے قائد کو رب تصور کرتے ہوئے اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دی اور اس طرح شرک کا ارتکاب کیا۔ اور اس کے قول کو حرفِ آخر سمجھ کر اُسے قرآن اور حدیث پر حکم قرار دے دیا۔ ورنہ قرآن میں ان اختلافات کو ختم کرنے کے لئے صریح ہدایات ان الفاظ میں موجود ہیں :۔

" پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہو۔ یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے" (۴ : ۵۹)

اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں ورنہ وہ اپنے ان اختلافات کو مٹانے کے لئے قرآن کریم اور احادیث کی طرف لوٹ کر ان سے فیصلہ چاہتے۔ قرآن اور حدیث کو ترک کرنے اور پیٹھ پیچھے پھینکنے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا جو آج ذلت و رسوائی کی صورت میں ان کے سامنے ہے۔ اس میں بے چارے "مرزائیوں" کا کیا قصور کہ انہیں درمیان میں خواہ مخواہ مطعون کیا جاتا ہے۔ ہماری آنکھوں کا تنکا تو آپ کو خوردبین سے بھی نظر نہیں آئے گا اپنی آنکھوں کے شہتیر کا فکر کیجئے۔

یہ کہنا کہ "فیصلے دلائل و حقائق کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ فریقین کی اقلیت اکثریت اس میں دخل انداز نہیں ہوتی اور جو فیصلے دلائل کی بجائے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور مرورِ ایام یا حالات اور زمانے کی دوسری کروٹ انہیں ھباءً منثورا کر دیتی ہے"۔ قول و فعل میں تضاد ہے اور قرآن کریم کے ان الفاظ کی حقیقی تفسیر ہے کہ :۔

" کمی کرنے والوں کے لئے تباہی ہے جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں اور جب انہیں ماپ تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے ایک بڑے دن کے لئے" (۸۳ : ۱ تا ۵)

اسے کہتے ہیں لینے کے باٹ اور۔ دینے کے اور۔ کسی قوم کی دشمنی میں حد سے نہیں بڑھ جانا چاہیئے کہ عدل کا توازن بگڑ جائے۔ ایک دن خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا بھی ہے۔

جب احمدی یہ کہیں کہ "فیصلے دلائل اور حقائق کی بنیاد پر ہوتے ہیں" تو وہ مجرم گردن زدنی اور آئین پاکستان کے تقدس کو مجروح کرنے والے ٹھہرائے جائیں اور جب زد اپنے اوپر پڑے تو چیخ و پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیا جائے۔ ہمارے اس موقف کو تسلیم کرنے سے کیوں احتراز کیا جاتا ہے کہ مذہبی اختلافات سے

فیصلے اکثریت کے بَل بوتے پر نہیں دلائل اور حقائق کے رُو سے ہونے چاہئیں اور یہ حقائق و دلائل صرف قرآن شریف اور احادیث سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی فیصلہ اکثریت کے بَل بوتے پر ہوگا تو وہ "الاعتصام" کے الفا[ظ] ھباءً منثورا" ہو کر رہ جائے گا۔ اور آنحضرت صلعم کے الفاظ مبارک ہیں:—

"میری امت میں سے جب تک کوئی جماعت اللہ تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتی رہے گی تو اسے چھوڑنے یا اس کی مخالفت کرنے والا اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور ایسی جماعت اپنی اس روش پر قائم ہو۔" (مشکوٰۃ)

اجازت ہو تو ہم یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ اگر آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں آخر "شیخ الکل" مولوی نذیر حسین صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی جو اہلحدیث کے عظیم رہنما اور روحانی پیشوا تھے حضرت مرزا صاحب اور آپ کے ماننے والوں پر کفر کے فتوے لگائے اور لگوائے اور لوگوں کو بھڑکانے کے لئے آپ کی طرف وہ دعاوی منسوب کئے جن سے آپ نے بار بار انکار کیا مگر آپ کی ایک نہ سُنی گئی۔ پھر ترجمان الحدیث جامع الشواہد کے مصنف سے یہ شکوہ یوں کرتا ہے کہ:—

"وقت کے سب سے بڑے محدث (شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی) کے ذمہ اتنی بڑی بات بلا تحقیق اور اغراض مشؤمہ کے تحت لگانے میں ذرا حیا نہیں کی۔ اس قسم کے جھوٹے الزامات کی بنیاد پر فتویٰ دے دیا گیا کہ وہابیوں کو احناف کی مسجدوں سے نکال دیا جائے۔"

لیکن "مرزائی" پھر بھی آپ کی حرکتوں پہ خندہ زن ہونا اسوۂ رسول صلعم اور اپنے اخلاق و کردار کے منافی سمجھتے ہیں۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حُسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

ہم ۶۲ سال سے یہ لکھتے اور کہتے چلے آئے ہیں کہ جب تک مسلمان اس ایک فیصلہ پر متفق نہیں ہوں گے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا ہر شخص مسلمان ہے اس وقت تک مفاد پرست اور استحصال پسند طبقے خواہ سیاسی ہوں یا مذہبی ان کے درمیان نفاق اور نفرت کی آگ کو ہوا دیکر انہیں آپس میں دست و گریبان رکھیں گے کیونکہ ان کے پاس اپنا یہ مقصد پورا کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مؤثر حربہ نہیں۔ ہم ہمیشہ سے چِلا چِلا کر یہ عرض کرتے رہے ہیں کہ اس خفیہ ہاتھ کو تلاش کرو جو دوسروں کے اشاروں پر مسلمانوں کی قوت کو مجتمع کرنے کے راستے میں ایک بھاری روک ہے اور ان میں دشمنی کے جذبات بھڑکا کر حفرة من النار کی طرف دھکیل رہا ہے۔ آپ اس کی نشاندھی بھی کرتے ہیں۔ اسے جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی لیکن پھر بھی اس کی وسوسہ اندازی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے تو کہا جاتا تھا کہ انگریز اور ہندو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں لیکن اب تو یہاں سارے اپنے آپ کو "مسلمان" کہلانے والے ہی بستے ہیں۔ کافر تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اگر آٹے میں نمک کے برابر لوگ اتنی بھاری اکثریت کو بھگانے میں کامیاب ہو رہے ہیں تو اس اکثریت کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہیں وہ تو اس کے ہاتھ سے نہیں نکل گیا۔

ہم نے یہ کہدیا تھا کہ اگر اکثریت نے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا دیا تو تفرقہ بازی اور کفر سازی کے سیلاب کو روکنا ممکن نہ ہوگا۔

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت نے مولانا عبدالحامد بدایونی کی تحریک کے مضمرات کہ احمدیوں کو مسلم لیگ میں شامل نہ ہونے دیا جائے بھانپ لیا تھا اسی لئے آپ نے اسے پیش کرنے کی اجازت نہ دی۔ وہ اس کے پیچھے کارفرما دست عیار کو تاڑ گئے تھے۔ ورنہ پاکستان کا وجود ممکن نہ ہوتا۔ اور آج بھی پاکستان دشمن قوتیں اسے ختم کرنے کے لئے وہی ہتھکنڈے اور طریق اپنا رہی ہیں۔ اب بھی مسلمان نہ سمجھے تو انجام معلوم۔

اخبارِ احمدیہ

شکرانہ و صدقہ — جناب شیخ عبدالرشید صاحب سیالکوٹ نے اپنی صاحبزادی نادرہ رشید صاحبہ کی شادی خانہ آبادی کی خوشی میں -/25 روپے شکرانہ اور اپنے صاحبزادے نجم رشید صاحب کی ایک حادثہ سے صحت یابی میں -/25 روپے بطور صدقہ انجمن کو بھیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نادرہ رشید صاحبہ کی شادی کو جانبین کے لئے مسرتوں کا موجب بنائے۔ آمین۔

عطیہ بر تقریب شادی — چوہدری شریف احمد صاحب چک 2/4-L اوکاڑہ نے اپنے لڑکے چوہدری منیر احمد صاحب کی شادی کی خوشی میں انجمن کو مبلغ -/100 روپیہ برائے عطیہ اشاعت اسلام ارسال فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو جانبین کے لئے مبارک بنائے۔

وفات حسرت آیات — ملک منیر احمد ولد ملک بشیر احمد سابق مینیجر کتب خانہ ۲۶-۱۲-۷۶ کو وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم حافظ فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گجراتی صحابی حضرت مسیح موعود کے عزیز تھے۔ چالیس بیالیس سال کی عمر تھی، مرحوم نے ایک بیوہ اور تین بچیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ احباب جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں۔

ممبرانِ مجلس انتظامیہ شبان الاحمدیہ

۱۔ صاحبزادہ نصیر احمد خانصاحب۔ بنوں
۲۔ سید احمد خانصاحب۔ سفید ڈھیری۔
۳۔ مختار احمد خانصاحب۔ شیخ محمدی۔
۴۔ عبدالسلام مبارک۔ دیگیاں مانسہرہ۔
۵۔ عبدالعزیز خانصاحب۔ کچھی ہزارہ۔
۶۔ ارجمند خان صادق۔ ایبٹ آباد۔
۷۔ مظفر الدین احمد جنجوعہ۔ راولپنڈی۔
۸۔ میاں شاہد حمید صاحب۔ " "
۹۔ میاں عامر صاحب۔ وزیر آباد
۱۰۔ بابر مرزا صاحب۔ سیالکوٹ
۱۱۔ ماسٹر اللہ بخش صاحب۔ بدوملہی
۱۲۔ میاں عارف مسعود صاحب۔ لاہور
۱۳۔ میاں رشید احمد صاحب۔ لاہور
۱۴۔ محمد حامد صاحب۔ اوکاڑہ
۱۵۔ محمد خالد خانصاحب۔ ملتان
۱۶۔ چوہدری امجد محمود صاحب چک ۸۱ سرگودھا
۱۷۔ شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب۔ آزاد کشمیر

شاہد جاوید۔ سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ۔ لاہور

انتخاب عہدیدارن شبان الاحمدیہ برائے سال ۱۹۷۷ء

نگران: محترم چوہدری نذیر رب صاحب — لاہور
صدر: جناب میاں شوکت حمید صاحب مجاہد — لائل پور
نائب صدر: جناب جمیل الرحمٰن خانصاحب — پشاور
" صدر: جناب ملک اعزاز الرحمٰن صاحب — لاہور
جنرل سکرٹری: شاہد جاوید جنجوعہ — لاہور
جائنٹ سیکرٹری: بشارت احمد خانصاحب — کراچی
سیکرٹری نشر و اشاعت: شاہد جاوید جنجوعہ صاحب — لاہور
خازن: مکرم افتخار احمد صاحب — لاہور

شاہد جاوید۔ سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ۔ لاہور

روئداد جلسہ سالانہ مؤرخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۶ء

آج مردانہ جلسہ کی پہلی نشست کا آغاز جناب میاں اللہ بخش صاحب کی صدارت میں مولنا عبدالرحمن صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ چوہدری محمد حیات صاحب نے نہایت خوش الحانی اور ترنم سے ایک نظم پڑھی۔ بعد ازاں جناب ماسٹر اصغر علی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات پڑھ کر سنائے جن میں دنیا پرستی کے گند سے بچنے کی تلقین کی گئی تھی۔ پھر صدر جلسہ جناب میاں اللہ بخش صاحب نے جملہ مہمانانِ جلسہ کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا :-

ہم میں سے ایک ایک فرد انجمن ہے۔ اتنے بھاری ابتلاء کے بعد آپ کا ثابت قدم رہنا حضرت مسیح موعودؑ کے مشن احیائے اسلام کی صداقت پر ایک زبردست دلیل ہے اگر ہم اسی طرح ثابت قدم رہے اور اپنے جذبات اور نصب العین کو زندہ رکھا تو بفضلہ تعالےٰ ہم ترقی کریں گے۔

بعد ازاں حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے افتتاحی خطاب سے پہلے سب حاضرین جلسہ کو زور سے السّلام علیکم کہا۔ جس کے جواب میں جملہ حاضرین نے بڑے وجد آفرین لہجہ میں وعلیکم السلام کہا۔ پھر حضرت امیر قوم نے فرمایا کہ میں سب دوستوں کو ان کی تشریف آوری پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے صلہ میں آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ہر آنے والے مرد اور عورت کو اس خالص دینی اجتماع کی جملہ برکات سے نوازے۔ اور اپنی رضا کی راہوں پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق دے۔

اس کے بعد محترم شیخ سیکرٹری صاحب نے سامعین کو مجدد زماں کے ملفوظات کی روشنی میں اپنا اپنا محاسبہ کرنے کی دعوت دی اور پھر مقررین حضرات سے درخواست کی کہ وہ وقت کی سختی کے ساتھ پابندی فرمائیں۔ مردانہ جلسہ کی اس پہلی نشست کے اولین مقرر چوہدری مسعود اختر صاحب نے "دین اور دنیا" کے موضوع پر اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس موضوع کو نسلِ انسانی کے لئے بڑا اہم سمجھتا ہوں کیونکہ جہاں ہادیٔ اسلام، خیرالانام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہکر دنیا ترک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہاں دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ ہونے کے بد انجام سے بھی متنبہ کیا ہے۔ آپ کی تقریر بڑی مدلل، پُر اثر اور دلنشین تھی (مفصل تقریر اسی ایشوع میں کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)

چوہدری صاحب موصوف کے بعد اس نشست کے دوسرے مقرر جناب شیخ حفیظ الرحمان صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ آج عالم اسلام ایک عظیم المیہ سے دو چار ہے۔ مسلم نوجوانوں کو دینِ محمدؐ سے عقیدت کم ہو گئی ہے جس کے نتیجہ میں اخلاقی حالت خراب ہو گئی ہے۔ وہ اسلامی کُتب کے مطالعہ کے بجائے فلسفہ جدیدہ کے موجدین نٹشے، جان ڈوئی، ڈارون، اور فرائڈ وغیرہ کی کتب پڑھتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے اگر مرض کی صحیح تشخیص ہو جائے تو علاج آسان ہو جاتا ہے۔ اگر تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج ناممکن ہے۔ پھر آپ نے اپنی تقریر میں بے دینی اور الحاد کی اس عالمگیر وبا کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اور بتایا کہ اس زمانہ کے ان فتنوں سے اپنی اولادوں بلکہ اپنے آپ کو بھی بچانے کے لئے بھی اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیدا کردہ قرآنی علم کلام سے استفادہ ضروری ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کے اس علم الکلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ تاکہ بنی نسلِ انسانی کو تباہی سے بچایا جا سکے۔

اس نشست کے آخری مقرر انڈونیشین مہمان مسٹر منصور صاحب نے انگریزی میں تقریر کی۔ جس کا ترجمہ جناب شیخ سیکرٹری نے بعد میں سنایا۔ منصور صاحب نے اپنی تقریر جملہ سامعین کو السلام علیکم کہکر شروع کی۔ اور کہا کہ ۱۹۷۴ء کے افسوسناک واقعات کی صدائے بازگشت وہاں پر بھی سنی گئی اور ہم آپ کی مشکلات میں برابر کے شریک تھے۔ اور ہم نے مسلسل چالیس روز اکٹھے ہو کر آپ کے لئے دعائیں کیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کا محافظ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ انڈونیشیا میں بھی احمدیوں کے لئے کچھ مشکلات ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے حضرت مجددِ زمانؑ کی بہت سی بلند پایہ اسلامی تصانیف کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے۔ آپ نے مرحوم مبلغ اسلام جناب مرزا ولی احمد بیگ صاحب کی انڈونیشیا میں مساعی جمیلہ کا ذکر کیا کہ ان کی کوششوں سے احمدیت پھلی پھولی اور اب وہاں کے طالب علم آتے ہیں تاکہ وہ حصولِ علم کے بعد وہاں اسلام کی شمع روشن کریں۔ خدا ان کا حصول علم میں ممد و معاون ہو۔

دوسرا اجلاس

مکرم میاں فاروق احمد صاحب کی صدارت میں جناب کیپٹن عبدالواجد صاحب نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ تا ۱۰۲ کی تلاوت کے بعد اپنی تقریر میں بتایا کہ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو نشانات اور فرعون سے آپ کے مکالمہ کا ذکر ہے۔ ایک طرف دنیا کے بادشاہ فرعون کے پاس دنیاوی ساز و سامان اور وسائل موجود ہیں جس سے بنی اسرائیل کو وہ اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔ دوسری طرف دین کا بادشاہ ہے۔ جس کے پاس نہ دنیاوی جاہ و جلال ہے اور نہ ہی وسائل ہیں۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالےٰ فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کو کامیابی بھی عطا فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا بھی تفصیل سے ذکر کیا اور بتایا کہ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز آ کر کس طرح سختی پر اتر آیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے نمرود کی جلائی ہوئی آگ کو اپنے فرستادہ پر ٹھنڈا کر دیا۔ (مفصل تقریر موصول ہونے پر آئندہ شائع کی جائے گی۔

مولنا بشیر احمد صاحب منٹو نے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ تلاوت فرما کر بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا ہے اور وہ اس لئے وجود میں لائی گئی ہے تاکہ وہ دنیا کی راہنمائی کرے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ جب تک ایمان مکمل نہ ہو انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کر سکتا۔ صرف زبان کا اقرار کافی نہیں بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں اہل و عیال کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کی محبت کو مقدم رکھنے پر زور دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دے کر بتایا کہ کس طرح حضورؑ نے ارشاد الٰہی کی تعمیل میں اپنے بڑھاپے کی اولاد کمسن بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑا اور پھر اس کے جوان ہو جانے پر محض رضا الٰہی کی خاطر اپنے رؤیا کی بنا پر اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ اگر آپ بھی اپنی عزت اور وقار چاہتے ہیں تو اپنے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت پیدا کریں۔ آپ کے بعد میرزا محمد لطیف صاحب نے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون سے استنباط کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے ذریعہ تمام ادیان باطلہ پر اسلام

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

دین اور دُنیا

تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء

مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب

فرمایا: میں نے اپنی تقریر کے لئے ایک نہایت مشکل موضوع منتخب کیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے خدا معلوم میں اس موضوع سے انصاف بھی کر پاؤں گا یا نہیں۔ چونکہ یہ موضوع نسلِ انسانی کی بقا کے لئے بہت اہم ہے اور جیسے جیسے مادی اور اقتصادی ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اس کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ جس کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کی بڑی تعداد اللہ اور دین کے تصور ہی سے منہ موڑ جائے گی اور کثیر تعداد ایسے انسانوں کی اب بھی ہے جو اللہ اور دین کا نام تو لیتی ہے لیکن عملی طور پر اس نے اللہ اور دین دونوں کو چھٹی دے دی ہے۔ صرف ایک قلیل تعداد ایسی ہے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہے کسی مذہب، دین کی پابند ہے۔ ان مادی وسائل اور اقتصادی ترقی کا رخ اب اسلامی دُنیا کی طرف ہے جس کے اثرات اب مسلمان معاشرہ میں ظاہر ہونے لگے ہیں اس لئے اگر مسلمان بھی مغرب کی تقلید میں اس طوفان میں بہہ گئے تو نوع انسانی کی تباہی یقینی ہے۔ یہی وہ اہم مرکزی نقطہ ہے جس کی وجہ سے میں نے اس مشکل موضوع کو اپنی تقریر کے لئے منتخب کیا ہے اور وہ موضوع ہے "دین اور دنیا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا:۔

"دُنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جُدا کرتی ہیں"

پھر لکھا:۔

"خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر۔ اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اُٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے"

پھر تحریر فرماتے ہیں:

"دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دُنیا کی ملونی رکھتا ہے"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"پس اگر تم دُنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں"

اور پھر فرماتے ہیں:۔

"تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کی توجہ نہیں"

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

"وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعبٌ ولھو"

حضرت مسیح موعود کے ان ارشادات اور قرآن شریف کی ان آیات سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ دُنیا ایک مکروہ چیز ہے جس سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ مفروضہ درست قرار پائے تو پھر راہب اور تارک الدنیا قسم کے لوگ ہی دین کی راہ پر قائم قرار پائیں گے۔ لیکن قرآن شریف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رہبانیت اور ترک دنیا کی اللہ تعالیٰ نے کھلے کھلے الفاظ میں مناہی فرمائی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تخلیق کائنات کا ذکر فرمانے کے ساتھ ہی کہا ہے کہ کائنات تمہارے لئے مسخر کی گئی ہے اور پھر فرمایا ہے ولکم فی الارض مستقرٌ و متاعٌ الیٰ حین۔ یعنی تمہارے لئے اس دنیا میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اُٹھانا ہے۔ پھر ارشاد ہوا ہے کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ پھر روزی کی تلاش میں نکلنے کو اللہ کا فضل تلاش قرار دیا۔ بظاہر ان آیات اور پہلی آیات میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔

آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ دنیا اور دین ہیں کیا۔ سورۃ العمران میں آیا ہے:۔

"زین للناس حب الشھوٰت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسوّمۃ والانعام والحرث ذالک متاع الحیٰوۃ الدنیا واللہ عندہٗ حسن المآب"

یعنی لوگوں کو ان نفسانی خواہشات کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیت۔ یہ اس دُنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے"

اگر ہم غور کریں تو انسان کی دنیاوی زندگی اس کے معاشرتی زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور باقی چیزیں اس کی معیشت سے تعلق رکھتی ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا یہاں مال جو کہ CAPITAL یا سرمایہ کا بدل ہے اور منقولہ اور غیر منقولہ دونوں قسم کی جائدادوں پر استعمال ہوتا ہے معیشت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور البنون میں انسان کی معاشرتی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ تو گویا انسان کی دُنیا عبارت ہے اس کے معاشرتی اور معیشی عمل سے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ انسان کے معاشرتی اور معیشی عمل کا نام حیاۃ الدنیا ہے۔

اور دین وہ ضابطہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے نبیوں کے ذریعے وحی کیا۔ اس طرح دین ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ نے خود انسانوں پر لازم کئے۔ ہاں دین جزا و سزا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے یوم الدین قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ حیات بعد الممات اور جزا و سزا پر ایمان لانے پر بار بار اصرار نظر آتا ہے۔ دراصل یہی ایمان انسان کے تمام اعمال کو ایک خاص ڈھب پر چلانے کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالےٰ پر مکمل ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے اور اسی کی بتائی ہوئی راہ پر چلے اور اس خلاف ورزی سے انسان تب ہی بچ سکتا ہے جب اسے یقین ہو کہ خلاف ورزی کی صورت میں اُسے اس کا بدلہ ملے گا اچھا ہو یا بُرا۔ اسی کو جزا و سزا کہتے ہیں اور جزا و سزا اسی صورت میں ممکن ہیں کہ موت کے بعد انسان نے محض راکھ بن کر نہیں جانا بلکہ ایک دوسری زندگی پانا ہے جہاں اُسے اپنا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس طرح حیات بعد الموت اور جزا و سزا پر یقین کی حد تک ایمان لانا باری تعالےٰ پر ایمان لانے کا لازمی جزو ہے۔ اور قرآن کریم کے مطابق صرف ایسے سے ہی عمل صالح پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم۔ اور عمل صالح نام ہے اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ ضابطوں پر عمل کرنے کا۔

اب جزا و سزا کا تصوّر بھی صرف اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب

کوئی ضابطے مقرر ہوں یا کوئی قواعد ہوں - جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ حیاتِ دنیا انسان کے معاشرتی اور معیشتی عمل پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں انسان کی معاشرتی اور معیشتی زندگی دونوں کے لئے ضابطے مقرر کئے ہیں - معاشرہ کی بنیادی اکائی فرد اور کنبہ یا گھرانہ ہیں - حقوق العباد نہایت تفصیل سے کھول کر بیان کر دیئے گئے - شادی - بیاہ - طلاق - وراثت وغیرہ پر اور بنی نوع انسان سے عام میل جول کے معاملات پر تفصیلی احکامات قرآن مجید میں موجود ہیں - اسی طرح انسان کی زندگی کے اس عمل کو باقاعدہ بنانے کے لئے بھی جس کا تعلق معیشت سے ہے اللہ تعالےٰ نے قوانین عطا فرمائے ہیں - انتہائی مادی اور اقتصادی ترقی کے اس دور میں انسانوں کی معاشرت اب معیشت کی غلام بن کر رہ گئی ہے - اس لئے ضروری ہے کہ ان ضابطوں کا تفصیلی جائزہ لیا جاوے جن کا تعلق معیشت سے ہے - لیکن ان ضابطوں سے متعلق کچھ کہنے سے پیشتر میں ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہوں - وہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں جتنے بھی سیاسی یا معاشی نظام رائج ہیں اُن سب نے اپنے اپنے معاشرے کو ضابطوں میں جکڑ رکھا ہے - آج کا انسان زندگی کے کسی بھی پہلو سے آزاد مطلق نہیں بلکہ غور سے مطالعہ کیا جائے تو آج سے صدیوں پہلے کا غیر ترقی یافتہ انسان آج کی نسبت کہیں زیادہ آزاد تھا - سوشلسٹ معاشرہ کی تو بنیاد ہی قواعد وضوابط بلکہ قیود پر اُٹھائی گئی ہے - جہاں انسان محض ایک غلام کی حیثیت رکھتا ہے شخصی اور انفرادی آزادی یا حقوق کوئی وقعت نہیں رکھتے اور ان کو اجتماعی بھلائی کے نام پر چھین لیا گیا ہے - لیکن خود وہ ممالک جو آزاد معیشت اور فرد کی آزادی کے علمبردار ہیں وہاں بھی مختلف النوع ضابطوں کی بھرمار ہے - اور ہر آنے والا دن وہاں کے افراد کی آزادی پر کوئی نہ کوئی نئی پابندی لے کر طلوع ہوتا ہے اور اگر یہ ضابطے اور پابندیاں نہ ہوں تو معاشرہ فساد کی نظر ہو جائے - معاشرہ کا تمام ڈھانچہ ہی گر کر رہ جائے -

یہ عرض کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ تصور کہ انسان کو ہر کام میں مکمل آزادی ہونی چاہیئے اور اس کے فکر وعمل پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہونی چاہیئے اب فرسودہ ہو کر رہ گیا ہے اور اس پر عمل اب دُنیا کے کسی خطہ میں بھی ممکن نہیں اور جب انسان اپنے بھائی بندوں کے بنائے ہوئے ضابطوں پر کاربند ہونے پر مجبور ہے تو پھر وہ ان ضابطوں سے کیوں بدکتا ہے جو اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے خود اس کی اپنی فلاح کے لئے عطا فرمائے ہیں - اپنے جیسے انسانوں کے احکام پر آزادی کھو دینے کی نسبت اپنے سے اعلےٰ وارفع ہستی کے احکام پر اپنی آزادی نچھاور کرنا یقیناً بہتر - سُود مند اور زیادہ باعزت سودا ہے -

معیشت کے متعلق ضابطوں کا ذکر نے کے لئے میں سرمایہ کو لیتا ہوں - مال کے معاملہ میں انسان کی سرگرمی یا عمل تین جہت کا ہوتا ہے - اوّل مال کمانا - دوسرے مال کا خرچ کرنا اور تیسرا مال کا جمع کرنا سب سے پہلے مال جمع کرنے کا ذکر کر لوں کیونکہ یہ بہت آسان ہے - قرآن شریف میں مال جمع کرنے کا کبھی کوئی حکم ہوتا تو کجا اُلٹا مال جمع کرنے والوں کے خلاف احکامات صادر ہوتے ہیں - سُود ارتکاز سرمایہ کی ایک صورت ہے اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ سود انسانوں کو باؤلا کر دیتا ہے - بخل بھی مال جمع کرنے کی ایک صورت ہے - اس کو بھی بُرا کہا گیا ہے - حضور رسول کریم صلعم کی زندگی ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دی گئی ہے - حضورؐ نے کبھی بھی مال جمع نہ کیا - اصل میں سرمایہ کو روک رکھنا سرمایہ سے محبت پیدا کرتا ہے اور وہ مقصودِ زندگی بن جاتا ہے - اسی لئے مال جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے - یہاں یہ بھی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی روزی کا سامان کرنا یا سر ڈھانپنے کے لئے مکان بنانا بشرطیکہ ان میں اسراف سے کام نہ لیا گیا ہو احسن کام ہیں - ہاں اپنے مکانوں کے ماتھوں کو دُلہنوں کی طرح سجانا اسراف اور قبیح ہے - کھانا پینا اور مکان جسے عام الفاظ میں روٹی - کپڑا اور مکان کہا جاتا ہے تو راہبوں اور تارک الدُنیا انسانوں نے بھی ہر دَور میں اپنے لئے حلال سمجھے ہیں -

اب مال کمانے کی طرف آئیں تو اوّل حلال اور طیّب کی شرط عائد کر دی ہے - پھر ارشاد ہوا :-

وَلَا تَاكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ - یعنے ایک دوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ ہی مال کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصّہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ - جب کہ تم جانتے ہو -

اس میں اموال النّاس کے معنے قومی سرمایہ بھی ہو سکتا ہے یعنی رشوت کے ذریعہ حاکموں کو پہنچکر جانتے بوجھتے ہوئے دوسروں کا حصّہ کھا جانا یا ٹیکس کا مار لینا - ملاوٹ کرنا، کم تولنا اور اسی نوع کی بہت سی ہدایات ملتی ہیں -

اب اگر سرمائے کے خرچ کو دیکھیں تو قرآن شریف میں معاشی ضابطوں کا بنیادی نقطہ تقسیم زر ہے - خرچ کے لئے بہت وسیع احکامات ملتے ہیں - والدین - اقربا - مساکین - یتامیٰ - مسافر سب کو انسان کے مال میں حق رکھنے والے بتایا - اور حق وہ چیز ہے جس کو ادا کرنا فرض ہے - پھر صدقات ہیں - زکوٰۃ کو ایمان کا جزو قرار دیا - بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو زکوٰۃ نہیں دیتا اس کا ایمان نہیں ہے - پھر وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہہ کر بتا دیا کہ تمام فاضل رقم خرچ کر والو SURPLUS کا تصوّر ضروریات اور سہولتوں سے وافر سرمایہ ہے - غرضکہ خرچ کرنیکے معاملہ میں بہت سی مدّیں بنا دیں اور ساتھ ہی تفصیل بھی بتا دی کہ کیا خرچ کرنا ہے اور کس طرح خرچ کرنا ہے -

سرمایہ سے محبت کا ذکر سورۃ آلعمران میں شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ انسان نیکی کو اس وقت تک پا نہیں سکتا جب تک وہ اسے خرچ نہ کرے جس سے اسے محبت ہے - لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ - ان تمام ضابطوں کے ساتھ جب انسان کو دنیا میں کسب معاش کے لئے کہا تو ساتھ ہی یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ دن میں پانچ بار دُنیا کے تمام دھندوں سے منہ موڑ کر اپنے خالق حقیقی کے حضور جھک کر فلاح کا طالب ہو اور فلاح کی راہ پر چلنے میں اللہ کی استعانت کا طلبگار ہو - نماز ایک بار بھی ہو سکتی تھی لیکن دن میں پانچ بار نماز میں یہ فلسفہ بھی مضمر ہے کہ بار بار انسان کو دنیا کے مشاغل سے کھینچ کر اللہ کے حضور جھکا دے تاکہ انسان دُنیا اور دنیاوی خواہشات کا غلام بن کر نہ رہ جاوے اور اللہ تعالےٰ کے احکام سے رو گرداں نہ ہو -

حضرت اِمَامِ زمانؑ نے جب ہم سے عہد لیا کہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" تو انہوں نے اس فلسفہ کو عام فہم زبان میں ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس کا پابند کیا - جب ہم اپنی دنیا کو ان حدود کا پابند کر لیتے ہیں تو ہماری دنیا بھی دین بن جاتی ہے - اور اس طرح دین ہی دین ہمارا مقصود بن جاتا ہے -

عُسر اور یُسر کا ذکر کر کے کہا کہ تنگی مقصود نہیں ہے اس سے سہولتوں کا جواز موجود ہے لیکن اسراف جو میرے خیال میں تعیّش کا بدل ہے اس کو عمل شیطان بتایا کہ اس سے تکبّر پیدا ہوتا ہے اور تکبّر شیطان کی صفات میں سے ہے ؎

اے میرے پیارے یہی میری دعا ہے روز و شب + گود میں تری ہوں ہم اس خونِ دل کھانے کے دن

(حضرت مسیح موعودؑ)

مکرم عبدالواحد صاحب پشاور — قسط نمبر ۴

کیا ختم نبوت کے بعد وحی۔ الہام کشف اور رؤیاء صادقہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں؟
اور کیا امتِ مسلمہ میں خاتم النبییّن صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولیاء نہیں آسکتے؟

غیر از انبیاء افراد کی مثالیں اُوپر گذر چکی ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے وحی کی۔ ان سے براہ راست ہمکلامی کی اور ان کو براہ راست علم عطا فرمایا اور ان کو علم غیب عطا فرمایا جس علم کی وجہ سے انہوں نے پیشگوئیاں کیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے لیکن وحی کرنا۔ ہمکلامی کرنا اور اللہ تعالےٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنا بند نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو دین اسلام سخت خطرے میں پڑ جاتا اور اس کا یہ دعوےٰ کہ یہ دین قیامت تک اقوام عالم کے لئے ہے ہمیشہ محتاجِ ثبوت رہتا اور اس کا ایک زندہ مذہب ہونا کسی طرح ثابت نہ ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ پرویز صاحب نے یہ غور ہی نہیں کیا کہ قرآن کریم میں ایک کثیر التعداد آیات کی رُو سے وحی اور علم غیر انبیاء افراد کو دیا جانا ثابت ہے اس لئے یہ ضرورت تھی کہ انبیاء کی وحی اور علم اور غیر انبیاء کی وحی کے درمیان فرق معلوم کیا جاتا۔ پرویز صاحب نے باوجود ایک محقق ہونے کا دعوےٰ کرنے کے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے سرے سے ان آیات کے ذکر کو ہی ترک کر دیا جن کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ غیر انبیاء کو وحی کرتا ہے۔ علم عطا کرتا ہے۔ غیب کی خبریں دے کر پیشگوئی کرنے والا بناتا ہے۔ یہ پرویز صاحب کے اخفاء حقائق اور آیات ربانی کی ایک اور مثال ہے۔ ان پر کس اعلےٰ طریقہ سے یہ آیت قرآنی صادق آتی ہے:۔

فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلاً۔
(آل عمران۔ ۱۸۷)

انہوں نے اسے اپنے پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور بدلے میں قیمت لے لی۔

پرویز صاحب کی مشکلات کا حل صرف اسی بات میں ہے کہ وہ وحی نبوت اور وحی ولایت میں فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح ہی وہ اپنے مسلک کو قرآن کریم کے مطابق بنا سکیں گے ورنہ اگر وہ دل میں پہلے سے ایک رائے قائم کریں اور پھر اس کی تائید میں قرآن شریف سے آیات تلاش کریں تو یہ قرآن شریف کو ماننا نہ ہوا بلکہ قرآن شریف کو اپنی رائے کے تابع کرنا ہوا۔ (نعوذ باللہ)

انبیاء اور غیر انبیاء کے اندر بہت سی چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کا تو یہ مطلب نہیں کہ جن چیزوں میں اشتراک ہو وہ سب بند ہو گئیں۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی (یوسف۔ ۱۰۸)

کہہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر میں اور میری پیروی کرنے والے۔

اب یہاں پر دو باتیں آنحضرت صلعم اور ان کے متبعین کے درمیان مشترک بیان کی گئی ہیں۔ ایک دعوت الی الخیر اور دوسری اللہ کی طرف سے دی ہوئی بصیرت۔ کیا نبوت کا دروازہ بند ہونے سے اب پرویز صاحب یہ مطلب لیں گے کہ دعوت الی الخیر اور بصیرت دونوں بند ہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح وحی اور ہمکلامی اور

امور غیب کا علم بھی انبیاء اور غیر انبیاء کے درمیان مشترک ہے۔ ختم نبوت کے بعد جو چیز بند ہے وہ ہے جو کہ نبی اور غیر نبی کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے۔ پرویز صاحب نے وحی الٰہی کے بند ہونے یا براہ راست علم یا ہمکلامی کے بند ہونے پر کسی آیت قرآنی سے استدلال نہیں کیا بلکہ ان کو مشترک امور ہونے کی وجہ سے بند کہا ہے۔ اور یہی ان کی بنیادی غلطی ہے۔

انبیاء اور غیر انبیاء کی وحی میں جو فرق ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ انبیاء اپنے ساتھ کتاب لاتے ہیں۔ غیر انبیاء کی وحی کتاب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں انبیاء کو کتاب دیا جانا بہت جگہ آیا ہے لیکن غیر انبیاء کو کتاب کا دیا جانا کسی جگہ بھی مذکور نہیں۔

۲۔ انبیاء کی وحی موٴمن بہ ہے کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی پیروی کے بغیر ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ ہم نے کوئی رسول رسولوں میں سے نہیں بھیجا۔ مگر اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے مطاع اور متبوع ہو۔ کسی غیر نبی کے بارہ میں قرآن کریم میں یہ تصریح نہیں اور غیر نبی کی وحی موٴمن بہ نہیں۔ ان اتبع الا مایوحیٰ الی۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ غیر نبی کے متعلق کہیں بھی یہ تصریح نہیں۔

۳۔ نبی پر نبوت کی وحی بذریعہ جبرئیل امین نازل ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک۔ روح امین قرآن کو لے کر تیرے دل پر نازل ہوا۔ کسی غیر نبی کی وحی کے متعلق قرآن کریم میں یہ صراحت نہیں۔

۴۔ نبی کی وحی سابق نبیوں کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن کریم میں بار بار یہ فرمایا گیا ہے مصدقاً لما بین یدیہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی یہی الفاظ ہیں کسی غیر نبی کی وحی میں یہ خصوصیت نہیں۔ غیر نبی کسی کا تابع ہوتا ہے اس لئے اگر اسے وحی ہوئی تو وہ نبی متبوع کی وحی پر اسے پرکھے گا اور اختلاف کی صورت میں اپنے نبی متبوع کی وحی کو قبول کرے گا اور اپنی وحی کو ترک کرے گا۔ کیونکہ نبی کی وحی موٴمن بہ ہے۔

۵۔ دین کے معاملہ میں نبی اللہ کی طرف سے وحی کا انتظار کرتا ہے۔ غیر از نبی اپنے نبی متبوع کی کتاب سے روشنی تلاش کرتا ہے۔ اور اس میں اجتہاد سے کام لیتا ہے۔ اگر اسے وحی کے ذریعہ علم دیا جاتا ہے تو وہ اپنے نبی متبوع کی کتاب کی تفہیم اور تائید کے لئے ہے نہ اس لئے کہ انبیاء کی طرح وہ اپنی وحی کو اپنے نبی متبوع کے مقابل پر پیش کرے۔

۶۔ نبی کی طرف جو وحی آتی ہے چونکہ وہ موٴمن بہ ہوتی ہے اس لئے نبی کو یہ حکم ملتا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچا دو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ (مائدہ۔ ۶۷) اے رسول جو تیری طرف اتارا گیا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دو اگر تم ایسا نہ کرو گے۔ تو تم نے اللہ تعالےٰ کے پیغاموں کو نہیں پہنچایا۔ غیر نبی کے متعلق قرآن کریم میں یہ تصریح نہیں ہے۔ کہ اسے یہ حکم ہو کہ وہ اپنی وحی کو دوسروں تک پہنچائے۔ وہ اپنے نبی متبوع کی وحی کا پرچار کرتا ہے۔ اور نبی متبوع پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اپنے اُوپر ایمان لانے

کی تعلیم نہیں دیتا۔

۷۔ نبی کی وحی سابقہ انبیاء کی وحی میں ترمیم و تنسیخ کر سکتی ہے کسی غیر نبی کی وحی یہ کام نہیں کر سکتی۔ دیکھیں قرآن کریم نے کس طرح سابقہ انبیاء کی کُتب میں ترمیم و تنسیخ کی ہے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

لِاُحِلَّ لکم بعض الذی حرّم علیکم (آلعمران۔ ۵۰)

تاکہ تمہارے لئے حلال کروں اس میں سے جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے۔

ختم نبوّۃ سے مراد اس نبوّت کا ختم ہونا ہے۔ جس کی خصوصیات مندرجہ بالا ہوں۔ نہ یہ کہ مطلق وحی اور پیشگوئیاں اور براہ راست علم اور ہمکلامی بند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین وحی ولایت اولیاء اللہ اُمتی کہلاتے ہیں وہ نبی نہیں ہوتے۔ اور نبی اور امتی کے اندر بہت بڑا فرق ہے۔ ایک متبوع ہے اور دوسرا تابع ہے۔ ایک حاکم ہے اور دوسرا محکوم ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے لئے کوئی پابندی نہیں کہ کسی شخص کے بارہ میں لغوی معنی میں لفظ نبی و رسول استعمال کرے جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فلمّا جاءہ الرسول قال ارجع الیٰ ربّك۔ (یوسف۔ ۵۰)

جب اس کے (حضرت یوسف علیہ السلام) کے پاس ایلچی آیا تو آپ نے اسے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا۔

یہاں پر اللہ تعالےٰ نے بادشاہ کے ایلچی کو رسول کرکے فرمایا ہے اور اس کے آقا کو ربّ کرکے پکارا ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں رسول سے مراد اللہ تعالےٰ کا پیغامبر ہوتا ہے اور ربّ سے مراد اللہ تعالےٰ ہوتا ہے۔ ان دونوں الفاظ کے استعمال سے کسی قسم کا اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کی نبوّت کے ختم ہونے کے بعد اگر اللہ تعالےٰ کسی منتخب فرد کے لئے لفظ نبی یا رسول استعمال کرے تو ختم نبوّت کا دروازہ کس طرح چوپٹ کھل جاتا ہے۔ اس طرح لغوی معنی کے استعمال کے پرویز صاحب بھی قائل ہیں۔ جیسے انہوں نے واوحینا الیٰ اُمّ موسیٰ ان ارضعیہ۔ (قصص) کی تشریح میں تسلیم کیا ہے۔

جب وحی اور ہمکلامی اور براہ راست علم دینا اور پیشگوئی کرنا کے الفاظ قرآن کریم کی رُو سے لفظ نبی کے مترادف نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے وحی اور ہمکلامی وغیرہ کے متعلق صراحت سے یہ نہیں فرمایا کہ آئندہ ان کا دروازہ بھی بند ہے بلکہ صراحت سے فرما دیا ہے کہ غیر انبیاء کے ساتھ اس قسم کی ہمکلامی ہوتی رہی تھی اور ہوتی رہے گی تو خاتم النبیین کے یہ معانی کرنا کہ اب اللہ تعالےٰ نے وحی کا دروازہ بھی بند کر دیا ہے اور ہمکلامی کا بھی اور امور غیب کی اطلاع کا بھی۔ صریحًا آیاتِ قرآنی کی خلاف ورزی کرنا ہے اور اس لئے ایسے معانی قابل قبول نہیں اور باطل ہیں۔ اور صرف وہی معنی قابل قبول ہیں جو کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہوں۔ قرآن کریم کی رُو سے وہ نبوّت بند ہے جو کہ متذکرہ بالا سات خصوصیات کی حامل ہو۔

نبوّت اس واسطے بند نہیں کہ اب تم جوان ہو گئے ہو اور تم میں خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے اور اب تم کو انگلی سے پکڑ کر اُٹھانے والے کی ضرورت نہیں یہ تو طفلانہ خیالات ہیں۔ نبوّت اس واسطے بند ہو گئی ہے کہ انسان کے لئے ہدایت ربانی کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اس سے بہتر تعلیم اب کوئی شخص پیش نہیں کر سکتا نہ قولاً اور نہ ہی ثمرہ کے لحاظ سے اور اللہ تعالےٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ اما ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض (رعد ۔ ۱۸) جو چیز انسانوں کو [illegible] ہے وہ قائم رہتی ہے۔

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیّبۃ کشجرۃ طیّبۃ اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السماء۔ تؤتی اکلھا کل حین باذن ربّھا۔ (ابراھیم ۲۴-۲۵)

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالےٰ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے۔ ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہوں اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوں۔ وہ اپنے ربّ کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔

دین اسلام یہی درخت ہے جس کے متبعین ہدایت پر قائم ہیں اور ان کی رسائی اور شنوائی آسمانوں میں ہوتی ہے اور وہ ہر وقت ایسے کامل اور مکمل انسان پیدا کرتا رہتا ہے جنہیں زمین کی لالچ جادۂ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور وہ آسمان سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور یہی روشنی ان کا رزق ہے۔ جس طرح درخت کی شاخیں سُورج سے روشنی حاصل کرتی ہیں اور وہ روشنی انہیں زندہ رکھتی ہے۔

پرویز صاحب نے جو وجہ ختم نبوّت بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کے خلاف ہے:۔

۱۔ توراۃ کی حفاظت انسانوں کے ذمہ اللہ تعالےٰ نے لگائی تھی۔ انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدًی ونور یحکم بھا النّبیّون الذین اسلموا للذین ھادوا والرّبّانیّون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء (المائدہ ۔ ۴۴)

ہم نے توراۃ اتاری اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسی کے مطابق فرمانبردار نبی فیصلے کرتے تھے اور مشائخ اور علماء بھی اس لئے کہ کتاب کی حفاظت کرنے کو انہیں کہا گیا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ اس کا جشر اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب لتبیّننّہ للنّاس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنًا قلیلًا (آلعمران ۔ ۱۸۷)

اور جب اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔ پس انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت وصول کی۔

۲۔ الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتٰب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم (حدید ۔ ۱۶)

کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالےٰ کے ذکر کے لئے خشوع اختیار کریں اور اس کے لئے جو حق کے ساتھ اُترا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں۔ جن کو پہلے کتاب دی گئی تو ان پر لمبا عرصہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہو جائیں۔

پہلی آیت میں اہلِ کتاب کا ذکر تھا کہ وہ توراۃ کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے اور دوسری آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہے۔ یہ سنّت الٰہی ہے کہ نورِ ہدایت جب انسانوں کی سپُردگی میں ہو تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کیا ایسے طریقہ کو جو کہ پہلے ناکام ہو چکا ہے اللہ تعالےٰ اپنی کتاب کی حفاظت کے لئے دوبارہ اختیار کرے گا۔ کیا علیم و حکیم خدا کے شایانِ شان ایسا نظام ہو سکتا ہے جس کی ناکامی پر اس کی مہر ثبت ہو چکی ہو۔ اور پھر اس کی حفاظت اگر کرنا ہے تو وہ انسانوں ہی سے تو کرنا ہے۔ پھر انہی انسانوں کو اس کی حفاظت سپُرد کرنا دانشمندی کے خلاف ہے اور ایسا فعل ربِّ حکیم کا نہیں ہو سکتا

پرویز صاحب کا تصوّرِ ختم نبوّت مندرجہ ذیل وجوہ کی وجہ سے غلط ہے:۔

۱۔ اللہ تعالےٰ کی صفت ربوبیت کو معطل ماننا پڑتا ہے۔ حالانکہ وہ ربّ العٰلمین ہے۔ کیا وہ ربوبیت انسانی کو تکمیل تک پہنچانے کے بعد (نعوذ باللہ) اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا ہے۔ کیا پرویز صاحب اللہ تعالےٰ کی صفات میں تعطل کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت کو بھی اب ختم شدہ ماننا پڑتا ہے نبوت کو ختم کرنے کے بعد ہدایت انسانی کا کام بھی ختم ہو گیا حالانکہ اللہ تعالےٰ ازل سے ابد تک رحمان ہے۔

۳۔ اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت کو بھی جواب دینا پڑتا ہے۔ اب انسان کتنی ہی قربانیاں دے۔ خشوع و خضوع اختیار کرے۔ محبت الٰہی سے سرشار ہو لیکن اللہ تعالےٰ اس پر تسکین کا ایک کلمہ بھی نازل نہیں کریگا۔ یہ غلط ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہمارے رستہ میں مشقت اُٹھاتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالےٰ کی صفت تکلم کو بھی معطل ماننا پڑتا ہے۔ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کلام نہ کرنا اللہ تعالےٰ نے معبودانِ باطل کی صفت قرار دیا ہے جیسے فرماتا ہے لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم بشیٔ (رعد-۱۴) اللہ تعالےٰ کو پکارنا ہی حق ہے۔ اس کے علاوہ جن کو وہ پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ اور سامری کے بچھڑے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا افلا یرون الا یرجع الیھم قولا (طٰہٰ-۸۹) کیا وہ غور نہیں کرتے کہ وہ ان کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ اور اسی کے بارہ میں فرمایا الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا (اعراف-۱۴۸) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کے ساتھ نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں سیدھا راستہ بتاتا ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر۔ ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم (فاطر-۱۴) جن کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سُن سکتے اور اگر سُنیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ یہ آیات صرف پہلے زمانہ کے مشرکین اور بُت پرستوں کے متعلق ہی نہیں بلکہ تمام مشرکین اور بُت پرستوں پر صادق آتی ہیں۔ آج کل کے مشرکین اگر پرویز صاحب سے پوچھیں کہ کیوں جی آپ کا خدا بھی تو اب کلام نہیں کرتا (نعوذ باللہ) آپ کے خدا اور ہمارے بُتوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ تو پرویز صاحب کا جواب تو یہی ہوگا کہ ہمارا خُدا بولتا تھا۔ لیکن چودہ سو سال پہلے اس نے بولنا بند کر دیا اور آخری بار بول چکا۔ اور مکمل کتاب بھیج چُکا اب اس کے بولنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت فرق تھا اور اب فرق نہیں رہا۔ (نعوذ باللہ)

(۵) اگر خدا تعالےٰ کی یہ چار صفات اب کام نہیں کرتیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ باقی صفات کام کرتی ہیں۔ جولین ہکسلے کا یہ کہنا ہے کہ انسان کی زندگی میں اس وقت خدا کے تصوّر سے کوئی فائدہ نہیں غالباً صحیح ہے (نعوذ باللہ) اور پھر کیا ثبوت باقی رہا کہ چودہ سو سال پہلے یہ صفات کام کرتی تھیں۔ دیکھا پرویز صاحب کے تصوّر ختم نبوت نے معاملہ کہاں تک پہنچا دیا۔

(۶) اس تصوّر سے ختم نبوت کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم میں معاشرتی اور اقتصادی اصول و اقدار کے علاوہ خدا تعالےٰ کے وجود۔ اسکی صفات ملائکہ۔ وحی۔ یوم آخرت اور جزا، سزا اور امورِ غیبیہ کے متعلق تعلیمات کہیں زیادہ کثرت سے ہیں۔ معاشرتی اور اقتصادی اصول وغیرہ کی جزئیات تو پرویز صاحب ایک خیالی حکومت کی مدد سے وضع کرتے رہیں گے۔ لیکن باقی امور کے متعلق یہ طریقہ کارگر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا تعلق قلوب اور بصیرت اور ایمان سے ہے جن کے بارہ میں نہ پہلے کبھی تجربے ہوئے ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص مرنے کے بعد زندہ ہو کر آ گیا ہو اور لوگوں کو یہ بتاتا پھرتا ہو کہ اس کے اعمال کی جزا و سزا اسے کس طرح ملتی ہے۔

اور اب اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔ پرویز صاحب پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کے اندر کافی روحانی غذا نہیں جو اسے اولیاء اللہ کی ضرورت پڑے میں پرویز صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمام کتب سماویہ کے اندر اپنے اپنے وقتوں کے لئے کافی روحانی غذا نہ تھی کہ ان کو پڑھانے اور سمجھانے کے لئے نبی ان کتابوں کو لے کر آیا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی تمام کتابیں اپنے اندر ہدایت اور نور رکھتی تھیں لیکن نہ صرف یہ کہ انبیاء علیہم السلام انہیں ملے کر آتے تھے۔ بلکہ یہ انبیاء بڑے بڑے معجزات اور نشانیاں دکھاتے تھے۔ ان کتابوں کے اندر کافی ہدایت کے باوجود ان کے حاملین انبیاء اور انکے معجزات اور نشانات کے پھر بھی لوگ ایمان نہ لاتے تھے۔ حضرت نوحؑ کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا انہ لن یؤمن من قومک الا من قد اٰمن (ھود-۳۶) کہ تیری قوم سے کوئی ایمان نہیں لائے گا مگر جو لا چکا اور فرمایا وما اٰمن معہ الا قلیل (ھود-۴۰) اور نوح علیہ السلام پر تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے حالانکہ قرآن کریم کی رُو سے حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے۔ (العنکبوت-۱۴) کیا نوح علیہ السلام کی کتاب وقت اور زمانہ کے لحاظ سے اپنے اندر کافی ہدایت نہ رکھتی تھی کہ قوم میں اتنا لمبا عرصہ رہنے کے بعد اور کتاب کی تعلیم دینے کے بعد تھوڑے سے ہی لوگ ایمان لائے اور ان کا بیٹا بھی ایمان نہ لایا۔ جب قرآن کریم دُنیا کے لئے کافی رُوحانی غذا مہیا کرتا ہے تو آنحضرت صلعم کی بعثت کیا اللہ تعالےٰ نے ایک عبث کام کیا۔ اور چلو یہ فرض کر لیا کہ پہلے کی کتابوں کی طرح آنحضرت صلعم قرآن کریم اپنے ساتھ لائے تو پھر معجزات دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن کریم میں کافی رُوحانی غذا موجود تھی۔

اس عظیم الشان کتاب کو ایک عظیم الشان نبی اپنے ساتھ لایا۔ نہ اس کتاب کی کوئی نظیر نہ اس کی ایک ہی سُورۃ کی کوئی نظیر اور نہ ہی حامل قرآن آنحضرت صلعم کی کوئی نظیر لیکن پھر بھی چودہ سو سال کے اندر تمام دُنیا مسلمان نہ ہوئی بلکہ اکثریت کافروں ہی کی رہی اور نہ ہی اس کتاب اور حامل کتاب نبی پر ایمان لانے والے تقوٰی پر قائم رہے اور فقست قلوبھم کے مصداق بنے رہے علاوہ اعلےٰ اخلاق پر قائم نہ رہ سکے اور ان کو جو حکومتیں ورثہ میں ملی تھیں انہوں نے وہ بھی کھو دیں۔ ان میں وہ علم بھی نہ رہا جو انہوں نے تمام دُنیا کو دیا تھا۔ اور آج کل دُنیا میں ان کی حالت قابلِ رحم ہے۔ اور یہ سب کچھ ایسے حالات میں ہوتا رہا کہ عربی دان ادیب اور شاعر اور علماء دین اور علامہ اور شمس العلماء وغیرہم قسم کے لوگوں کی قلت نہ تھی اور قرآن میں کافی رُوحانی غذا بھی موجود تھی۔ ان سب باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ قرآن ایک کامل اور مکمل کتاب (جس میں دُنیا کے لئے کافی ہدایت موجود ہے) بھی ہاتھ میں ہے اور علماء بھی ہیں پھر بھی مسلمان مسلمان نہ رہ سکے۔ دوسروں کی تو بات ہی کیا کرنا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو (نعوذ باللہ) قرآن کریم میں کافی رُوحانی غذا موجود نہیں اور یا یہ استدلال غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب کا یہ استدلال ہی غلط ہے۔

اگر کوئی کتاب بذاتہ ہدایت دینے کے لئے کافی ہوتی اور اس کی ہدایت پہنچانے والے اور سمجھانے والے کی ضرورت نہیں تو نبوت کا سلسلہ قائم کرنے سے کیا مقصد۔ اللہ تعالےٰ اس کتاب کو بغیر کسی نبی کی وساطت کے اُتار دیتا۔ پتّوں پر لکھ دیتا۔ پتھروں پر کندہ کرا دیتا۔ جس طرح اشوک کے زمانہ میں بُدھ مذہب کی رائج الوقت تعلیمات پتھروں پر کندہ کی گئی تھیں۔ اسی طرح محفوظ رہتیں اور ان میں ردّ و بدل نہ ہوتا اور یا اس سے بہتر انتظام قادرِ مطلق خدا

کر سکتا تھا وہ ان تعلیمات کو آسمانوں اور زمین کے درمیان لکھوا کر دُنیا پر بادلوں کی طرح لٹکا سکتا تھا۔ اس طرح بیک وقت تمام اقوام عالم اسے دیکھ سکتی تھیں۔ اور ان کے اندر کافی رُوحانی غذا موجود ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ کر سکتی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر کتاب کو ایک نبی کی وساطت سے بھیجتا رہا تاکہ وہ لوگوں پر اسے پڑھے۔ اس کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ ایسا کیوں کیا گیا پرویز صاحب کے اُٹھائے ہوئے سوال کے مطابق تو جواب یہ ہونا چاہیئے کہ یہ نظام غلط ہے (نعوذ باللہ من ذالک) پرویز صاحب نے غور نہیں کیا کہ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی سنت چلی آرہی ہے کہ وہ اپنی تعلیمات انبیاء کے ذریعہ بھیجتا رہا ہے تاکہ ان تعلیمات کو لوگوں پر پڑھیں۔ ان کو سمجھائیں اور ان کو پاکیزہ کریں اور ان فوائد کا جیتا جاگتا ثبوت اپنی اور اپنے متبعین کی ذات میں ان کے سامنے پیش کریں۔ اسی نظام میں حکمت الٰہی مضمر ہے اور انسان کی ربوبیت کا یہی بہترین راستہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ مجھے تو تو اپنے فضل سے لوگوں کا امام بناتا ہے میری ذریّت کے بارہ میں کیا ہوگا؟ اور جواب ملا کہ یہ وعدہ ظالموں کے لئے نہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی:-

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (البقرہ۔ ۱۲۹)

اے ہمارے ان کے درمیان ان میں سے ہی ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور انکو پاکیزہ کرے اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی اور آنحضرت کے بارہ میں فرمایا:-

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیاتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (الجمعۃ۔ ۲)

وہ وہ ذات ہے جس نے اُمیوں میں ان میں سے رسول بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں اس کی کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت کی رُو سے آنحضرت صلعم کی یہ ذِمّہ داری ہے کہ وہ اپنی اُمّت پر قرآن شریف پڑھیں اور انہیں سکھائیں اور انہیں پاک کریں اور آپ کی اُمت صرف عرب قوم ہی نہ تھی بلکہ وہ تمام لوگ ہیں جو آپ پر قیامت تک ایمان لاتے رہیں گے۔ اپنے زمانہ کے عربوں کی تعلیم و تزکیہ تو آپ نے فرمائی۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد اگر یہ تعلیم دینے والے اور تزکیہ کرنے والوں کا سلسلہ نہ ہو تو پھر آپ نے تو (نعوذ باللہ) اپنی ذِمّہ داری پُوری نہ کی۔ اور آپ کے بعد آنے والوں کے ساتھ انصاف نہ کیا۔ اور ان کو بغیر معلّم اور مزکّی چھوڑ دیا۔ اور نعوذ باللہ آیت قرآنی یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کے اندر دیا ہوا حکم آپ نہ بجا لائے اور وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ۔ ۶۷) کے مصداق بن گئے۔ جو کہ صریح طور سے غلط ہے۔ تو جس طرح آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین آپؐ کے مشن کو سرانجام دیتے رہے اسی طرح انکے بعد اس مشن کو پورا کرنے والے خلفاء اور اولیاء پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور یہ تعلیم اور تزکیہ کا کام وہی لوگ کرتے رہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم دیئے گئے اور مزکّی بنائے گئے کیونکہ پاک کتاب کی تعلیم دینے والے پاک لوگ ہی ہو سکتے ہیں جن کے اندر کمالات نبوّت موجود ہوں۔ اور جو آنحضرت صلعم کے کمالات کے وارث ہوں۔ تاکہ وہ آنحضرت صلعم کا کام جاری رکھ سکیں۔ یہی لوگ اولیاء اللہ کہلاتے رہے ہیں۔ اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ تبلیغ اسلام اور دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کا کام یہی اولیاء اللہ ہی کرتے رہے۔ ان کی قوتِ قُدسی کی وجہ سے ان کے اردگرد سعید الفطرت لوگ اکٹھے ہوتے رہے اور قرآن کریم کے حق ہونے اور آنحضرت صلعم کی صداقت پر نشاناتِ الٰہی دیکھتے رہے۔ یہ اولیاء اللہ قرآن کریم میں کسی کمی کو پورا کرنے کے لئے نہ آتے تھے۔ قرآن کریم تمام نقائص اور عیُوب سے پاک ہے بلکہ اس کے اندر جو رُوحانی غذا ہے اس کا مزہ لوگوں کو چکھاتے رہتے تھے اور ان امور الٰہی کا ثبوت دیتے رہتے تھے جن کا تجربہ علوم مادی کی طرح نہیں ہو سکتا، مثلاً وجود الٰہی۔ اس کی صفات۔ رسالت۔ امور غیبیہ۔ امور معاد۔ ملائکہ وغیرہ اور ان کے بارہ میں تعلیمات قرآنی کا مشاہدہ کراتے تھے جس کی وجہ سے کتاب الٰہی اور رسالت محمدیؐ پر یقین بڑھتا تھا اور پیدا ہوتا تھا۔ اور دوسرے مذاہب والوں کو یہ دکھاتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اور دیگر مذاہب میں اس قسم کا کوئی نظام ہے اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اسلام کا خدا زندہ خُدا ہے اسلام کا رسُول زندہ رسُول ہے اور اسلام کی کتاب زندہ کتاب ہے جو کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔ یہ اولیاء اللہ اپنے ساتھ ایک جماعت قائم کرتے تھے اور کرتے ہیں جو کہ ان کے کام کو جاری رکھیں۔

اسی نظام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:-

وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملو الصلحت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم (النور۔ ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے تم میں مؤمنوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو کہ اعمال صالحہ بجا لاتے ہوں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے پہلے بنائے تھے اور ان کے دین کو مضبوط کرے گا وہ دین جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔

یہ خلافت اسی طرح ہے جیسے کہ اُمم سابقہ میں قائم تھی۔ ان میں بادشاہ بھی تھے جن کی اکثریت تھی۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے ان کے دین کو مضبوط کرنے والے خلیفے ہوں گے بادشاہ بھی اور غیر بادشاہ بھی۔ بادشاہوں میں عمر بن عبدالعزیز اور اورنگ زیب کی طرح اور غیر بادشاہوں میں جیسے سیّد عبدالقادر جیلانی۔ محی الدین ابن عربی۔ بایزید بسطامی۔ معین الدین چشتی مجدد الف ثانی سرہندی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے علم عطا فرمایا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا اور واتقواللہ۔ یعلمکم اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو تقویٰ سکھاتا ہے۔ کے مصداق بنے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو علوم قرآن کی طرف رسائی ہوئی۔ لایمسہ الا المطھرون جہانتک وہی رسائی کر سکتے ہیں جو کہ پاک کئے گئے ہوں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

بل ھو اٰیات بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم۔ (العنکبوت۔ ۴۹)

بلکہ وہ کھلی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا کیا گیا۔

یہی وہ نظام ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے:-

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

ہم نے ہی ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ مجدّدین ہیں اور محدّثین ہیں ان ہی میں سے ایک وہ بھی ہے جسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مسیح کا نام دیا گیا۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو کہ آنحضرت صلعم نے مقرر فرمائی ہیں اور جن کو سلف صالحین نے رواج دیا ہے اسی طرح جس طرح پرویز صاحب اصطلاحات وضع کرتے ہیں۔ پرویز صاحب غیر قرآنی اصطلاح وضع کرکے انہیں قرآنی اصطلاح قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پاکر اصطلاح مقرر فرمائیں تو پرویز صاحب ان پر حملہ کرتے ہیں۔ استغفراللہ

اور آخر پر اولیاء اللہ کی ضرورت پر دو مزید دلائل پیش ہیں جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش کی ہیں اور جو وہی پیش کر سکتے تھے۔ ایک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں لوگ ان کی قوتِ قدسی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھتے ہیں اور انبیاء اور ان کے اصحاب کے بعد مشہودات منقولات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ منقولات بھی اپنی شکل پر قائم نہیں رہتے۔ اسی طرح فسادات پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ آکر منقولات کو دوبارہ مشہودات کرکے پیش کرتے ہیں۔ جن سے علم و یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور جہاں یقین نہ ہو وہاں یقین پیدا ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ اولیاء اللہ الٰہیات۔ وحی۔ امورِ غیبیہ اور امورِ معاد کے بارہ میں صاحب تجربہ ہونے کی وجہ سے براہینِ ساطعہ پیش کرتے ہیں ان امور کے بارہ میں وہ لوگ جو ان علوم میں دسترس نہ رکھتے ہوں ہرگز شک کرنے والوں کی تسلی نہیں کرا سکتے۔

یہ دو باتیں اولیاء اللہ کو دوسرے علماءِ دین سے ممتاز کرتی ہیں اور اولیاء اللہ کی ضرورت پر حتمی دلائل ہیں۔ میں پرویز صاحب کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی ایک چھوٹی سی کتاب شہادت القرآن کا مطالعہ کریں۔ اس میں اولیاء اللہ کی ضرورت پر ایک صاحب حال کے قلم سے دل میں اترنے والے دلائل ملیں گے۔ اور واللہ یھدی من یشاء

ختم کرنے سے پہلے پرویز صاحب کی توجہ ان کی دو تین تحریروں کی طرف مبذول کرانا ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ وجہ ہے کہ میں روایات میں نہیں اُلجھتا۔ میں جو کچھ پیش کرتا ہوں اس کی اساس قرآنی دلائل پر ہوتی ہے۔ اور فریقِ مقابل سے بھی قرآنی سند کا مطالبہ کرتا ہوں نتیجہ یہ کہ بات بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔" صـ۲۱

اور لکھتے ہیں کہ:۔

"خود سُنیوں کے کس قدر معتقدات ایسے ہیں جن کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اور یہی وہ مقامات ہیں جہاں یہ حضرات احمدیوں سے بحث کرتے ہوئے مات کھا جاتے ہیں۔ احمدی حضرات اس صورت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں ان کا فائدہ ہے اسی لئے وہ مجھے منکر حدیث قرار دے کر میری مخالفت کرتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان ارشاداتِ نبوی سے اس قدر عقیدت ہوتی ہے یہ اس لئے کہ قرآن خالص کو معیار و مدار تسلیم کرنے سے ان کے دعاوی باطل قرار پا جاتے ہیں۔ یہ ہے حدیث کے ساتھ ان کی وابستگی کا راز" صـ۲۷

اور لکھتے ہیں کہ:۔

"چونکہ میں اس مسئلہ پر قرآن خالص کی روشنی میں گفتگو کرتا ہوں روایات میں نہیں اُلجھتا۔ اس لئے فریق مقابل کے پاس میرے دلائل کا کوئی جواب نہیں ہوتا"

اور لکھتے ہیں کہ:۔

"جب یہ کہا جائے کہ قرآن خالص کی روشنی میں گفتگو کی جائے تو فریقِ مقابل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا"

پرویز صاحب کے ان بلند دعاوی کی وجہ سے میں نے پرویز صاحب کے سامنے قرآن کریم کو ہی پیش کیا ہے۔ نہ کوئی حدیث پیش کی ہے اور نہ علمائے سلف کے اقوال۔ اس موضوع پر بحث تو تب مکمل ہوتی ہے جب اس کے ہر پہلو کا تجزیہ کیا جاتا۔

پرویز صاحب بقول خود منکرِ حدیث نہیں ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ "میں روایات میں نہیں اُلجھتا" حالانکہ احادیث کے اندر اکثر قولِ نبی کریم صلعم ہیں کیا روایات کی وجہ سے وہ بے وقعتی کے مستحق ہیں۔ جب آپ منکرِ حدیث نہیں اور بقول آپ کے ہم آپ کو منکرِ حدیث مشہور کرتے ہیں تو اپنے قول کو صحیح اور ہمارے قول کو غلط ثابت کرنے کے لئے کسی ایک حدیث پر تو بحث کرتے۔ کیونکہ اس مسئلہ سے سب سے زیادہ احادیث کا گہرا تعلق ہے۔ غالباً بات اصلی یہ ہے کہ یہاں پر بھی آپ اسی طرح اخفائے حق سے کام لے رہے ہیں جیسے قرآن کریم کی آیات پیش کرنے میں آپ نے لیا۔ اور قرآن کریم کے بارہ میں بھی عرض ہے کہ یہ کتاب ہدایت دیتی ہے صرف متقیوں کو اور ذراتی ہے ان لوگوں کو جو کہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور یہ کتاب ظالموں کو گمراہی میں بڑھاتی ہے ہر کوئی اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

ممبران بنات الاحمدیہ

۱۔ آنسہ ساجدہ مبارک ... دیگراں مانسہرہ
۲۔ آنسہ فہمیدہ ... سفید ڈھیری
۳۔ آنسہ آصفہ ... بتوں
۴۔ آنسہ نبیلہ اکرام الحق ... راولپنڈی
۵۔ آنسہ شبانہ حفیظ ... سیالکوٹ
۶۔ محترمہ نجم الاسلام ... بڈھلی
۷۔ آنسہ الماس اقبال ... اوکاڑہ
۸۔ آنسہ ام سلمیٰ ... ڈیرہ غازی خان
۹۔ آنسہ رخسانہ بقا ... لاہور
۱۰۔ محترمہ نگین ملک ... لاہور
۱۱۔ آنسہ رفعت مقبول ... لاہور
۱۲۔ آنسہ شاہدہ مسعود ... لاہور
۱۳۔ آنسہ طاہرہ بٹ ... لاہور

(طاہرہ جنجوعہ)
جنرل سیکرٹری، بنات الاحمدیہ مرکزیہ

روئداد جلسہ سالانہ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۶ء بقیہ صـ۵

کے غلبہ پر روشنی ڈالی۔ آپ نے مشاہیر اسلام بخاری، ابن جریر وغیرہ کی مختلف تحریرات کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا کہ چودھویں صدی کا مجدد ہی مسیح موعود بھی ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام کا غلبہ مقدر ہے۔ آخر میں صاحب صدر نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ علامہ اقبال نے اعتراف کیا ہے کہ حضرت میرزا صاحب عشق قرآن اور اس کے فہم میں منفرد ہیں۔ آپ نے جلسہ کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس سے سامعین کا علم وسیع ہوتا ہے اور ان کو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۷۷ء | نمبر ۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اطمینانِ قلب اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے

قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر ایسی شئے ہے کہ جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب پس جہاں تک ممکن ہو ذکرِ الٰہی کرتا رہے اسی سے اطمینان حاصل ہوگا۔ ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر گھبرا جاتا اور تھک جاتا ہے۔ تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ دیکھو ایک کسان کس طرح پر محنت کرتا ہے اور پھر کس صبر اور حوصلہ کے ساتھ باہر اپنا غلہ بکھیر آتا ہے۔ بظاہر دیکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ اس نے دانے ضائع کر دیئے۔ لیکن ایک وقت آجاتا ہے کہ وہ بکھرے ہوئے دانوں سے ایک خرمن جمع کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ پر حُسنِ ظن رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اسی طرح پر مومن جب اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا کرکے استقامت اور صبر کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُس پر مہربانی کرتا ہے اور اسے وہ ذوق و شوق اور معرفت عطا کرتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔

یہ بڑی غلطی ہے. جو لوگ کوشش اور سعی تو کرتے نہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہمیں ذوق شوق اور معرفت اور اطمینان قلب حاصل ہو۔ جب کہ دنیوی اور سفلی امور کے لئے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو پھر خدا تعالیٰ کو پھونک مار کر کیسے پا سکتا ہے۔ دُنیا کے مصائب اور مشکلات سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اس راہ میں مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کا سلسلہ دیکھو کس قدر لمبا تھا۔ تیرہ سال تک مخالفوں سے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ مکہ والوں کے دُکھ اُٹھاتے اُٹھاتے طائف گئے اور وہاں سے پتھر کھا کر بھاگے۔ پھر اور کوئی شخص ہے جو ان مصائب کے سلسلہ سے الگ ہو کر خدا شناسی کی منزلوں کو طے کر لے؟

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے وہ بے ہودہ خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبلنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ مجاہدہ اسی طریق پر ہو جس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے بتایا ہے۔ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر سبز پوش یا گیروے پوش فقیروں کی خدمت میں جاتے ہیں کہ پھونک مار کر کچھ بنا دیں یہ بیہودہ بات ہے۔ ایسے لوگ جو شرعی امور کی پابندیاں نہیں کرتے اور ایسے بیہودہ دعوے کرتے ہیں وہ خطرناک گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول سے بھی اپنے مراتب کو بڑھانا چاہتے ہیں کیونکہ ہدایت دینا اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اور وہ مشت خاک ہو کر خود ہدایت دینے کے مدعی ہوتے ہیں۔ اصل راہ اور گُر خدا شناسی کا دُعا ہے اور پھر صبر کے ساتھ دُعاؤں میں لگا رہے۔

(۳ رمارچ ۱۹۰۵ء)

افتتاحی اجلاس } مجلس منتظمہ شبان الاحمدیہ برائے سال ۱۹۷۷ء کا افتتاحی اجلاس ۲۳ رجنوری ۱۹۷۷ء بروز اتوار دس بجے صبح منعقد ہو رہا ہے جس کا باقاعدہ افتتاح مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب فرما رہے ہیں، اس موقعہ پر آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے باعثِ حوصلہ افزائی ہوگی، لہذا آپ سے استدعا ہے کہ اس اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں۔ والسلام

خاکسار۔ (چوہدری) نذر رب۔ نگران شبان الاحمدیہ مرکزیہ

اللہ تعالیٰ خالقِ حقیقی ہے۔ اسکے جسمانی و روحانی انعامات اور احسانات کو یاد کر کے اسکی عبادت کرو

اس محسنِ حقیقی کی سچی عبادت سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے

خطبہ جمعہ۔ مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۷۷ء۔ فرمودہ حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بمقام جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

یاایھا النّاس اعبدوا ربّکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناءً وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃٍ من مثلہ۔ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین۔ .... اعدت للکافرین (البقرہ ۲۲ تا ۲۵)

ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے اس ربّ کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور انہیں بھی جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔ پیدا کیا تاکہ تم اچھی زندگی گذارو وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت۔ اور اوپر سے پانی اُتارا۔ پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا۔ پس تم بھی اللہ کے ہمسر کسی کو نہ ٹھہراؤ۔ اور تم جانتے ہو۔ اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا۔ تو تم بھی ایک سورت اس جیسی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا باقی اپنے سب مددگاروں کو بُلا لو اگر تم سچے ہو۔ .... پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

فرمایا:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت کا ذکر ہے اور انسان کو اس کے آگے سر جھکانے کا حکم ہے۔ اپنے قویٰ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دینے کا نام عبادت ہے۔ اس کے سامنے جھکنے اور عاجزی اختیار کرنے سے انسان بلندی حاصل کرتا ہے۔ اور انسان کے وہ تمام کام جو اس کی فرمانبرداری کے سلسلہ میں ہوں عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اپنی پیدائش کی علتِ غائی کو پہنچ جاتا ہے۔ اپنے ربّ کی عبادت کرو، کے حکم میں یہ اشارہ ہے۔ کہ تم بدون عبادت الٰہی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور صرف اللہ کی عبادت ہی انسان کو اس کے روحانی و جسمانی کمال تک پہنچاتی ہے۔ تتقون سے مراد ضرر رساں اشیاء سے بچنا اور لازم حقوق کی نگہداشت کرنا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے وہ کمال انسانی کو نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ہی وہ انسانی حقوق کی پوری طرح نگہداشت کر سکتے ہیں۔

آگے فرمایا:۔ الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناءً۔ اگر انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دال ہے تو زمین و آسمان کی بناوٹ اپنے خالق حقیقی کی عظمت کا اور بھی بلند احساس پیدا کرتی ہے۔ آسمان سے پانی کے برسنے اور اس کے نتیجہ میں زمین سے پھلوں کے نکلنے میں تمہارے لئے سبق ہے۔ زمین، جو پستی کا مظہر ہے آسمان جو بلندی کا مظہر ہے کس طرح فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ پس جب انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انسانی فطرت کی مخفی قوتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ پس تم محسن کے آگے جھکو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تمہارے لئے زندگی کی ضروریات کی فراہمی کے اسباب مہیا فرما دیئے۔ اپنے مولا کی خلوصِ دل سے عبادت کرو، اپنے اندر بلند اخلاق اور اعلیٰ خصائل پیدا کرو۔ تاکہ تم پر اس کا رحم ہو۔

آگے فرمایا:۔ اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک دلیل ہے، کہ یہ ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے جس کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا۔ آگے قرآن کی مثل ایک سورت ہی بنا لانے کا مخالفوں سے مطالبہ فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دعوےٰ کیا کہ اگر تم اور تمہارے ساتھی مل کر بھی سارا زور لگائیں تو ایسی ایک سورۃ کی مثل بھی نہیں لا سکتے۔ فان لم تفعلو ولن تفعلو۔ اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔ تو پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج موجود ہے۔ مگر اس کو قبول کرنے کا حوصلہ آج تک کسی کو نہ ہوا ہے۔ نہ آئندہ ہوگا۔

اسلام بڑا سادہ، آسان اور زود فہم مذہب ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی اور خلافِ عقل و دانش بات بھی نہیں ہے۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ میں اسلام کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور اس کی مخلوق پر شفقت میں ساری باتیں آ جاتی ہیں۔ ان احکام الٰہی کی تعمیل اور تعظیم سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ پس تم غفلتوں کے پردے چاک کر کے خدا پرست بن جاؤ۔ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی کرو۔ اس کے دکھ درد میں شریک ہو اپنی غلطیوں کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرو۔ کیونکہ نجات خدا تعالیٰ کے فضل سے اور عمدہ اعمال سے ہوتی ہے۔

اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرو تاکہ تم میں خدا پرستی کا نور پیدا ہو۔ نماز کی حقیقت جان لینے سے دِل و نظر پاک ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے دِل روشن تھے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عمدہ نمونہ تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے ایک مجدد کا زمانہ پایا۔ جس نے ایک جماعت بنائی۔ اس میں بڑے بڑے عظیم لوگ شامل ہوئے۔ جنہوں نے اسوہ رسول صلعم کو اپنا کر حضرت مجددؒ کے فیضِ صحبت سے اپنے نیک اعمال کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی۔ تم بھی کوشش کرو کہ تمہارے نیک نمونہ سے اس زمانہ کے امام کا نام روشن ہو۔

سوال منجانب سیکرٹری شبان الاحمدیہ (بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء)

بخدمت پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب!

ہم نوجوان اپنے ماضی سے بالکل نا آشنا ہیں [illegible] سنتے ہیں کہ ہمارا ماضی بڑا درخشاں تھا۔ کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ اس کی تابناکی کی کیا وجوہات تھیں اور انہوں نے قومی، ملکی اور عالمی سطح پر کیسے سیاسی، معاشی معاشرتی اور روحانی اثرات مرتب کئے۔

(جواب کے لئے صفحہ ۶ ملاحظہ فرمائیں)

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۷۷ء

آثارِ رحمت

(مدیر)

"فانظر الیٰ آثار رحمت اللہ کیف یحی الارض بعد موتہا، انّ ذالک لمحی الموتیٰ، و ھو علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔ (۵۰:۳۰)

"پس اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف نظر کر کہ کس طرح زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قرآن کریم نے کتنے خوبصورت اور دلاویز تمثیلی پیرایہ میں زندگی اور موت کے دقیق فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے جس سے ایک عام عقل و فہم کے انسان کو بھی اس حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ جب اُس پر موت کی سی حالت طاری ہوتی ہے۔ جڑی بُوٹیاں جھاڑیاں اور درخت خشک ہو جاتے ہیں۔ روئیدگی کا کہیں نام و نشان دکھائی نہیں دیتا زمین کی خشک بھوری مٹی اور درختوں کی سوکھی ٹہنیاں پانی کی بوند بوند کو ترستی ہیں۔ وہ پودے جن میں پھل پھول آنے کی توقع ہوتی ہے اداسی کا سماں پیش کرتے ہیں۔ ہر طرف مایوسی اور نا اُمیدی کا عالم چھا جاتا ہے۔ ایسے میں ناگہاں ابرِ رحمت کی ایک چھوٹی سی بدلی کہیں سے نمودار ہو کر کالی گھٹاؤں کی صورت میں آسمان پر پھیل جاتی اور ٹوٹ کر برستی ہے۔ دلوں کی پیاس بجھتی اور اُمید کے غنچے چٹکتے ہیں۔ آن کی آن میں یہ مُردہ زمین ایک نئی زندگی کی کروٹ لے لیتی اور یاس کو آس میں بدل دیتی ہے۔

قوموں اور جماعتوں پر بھی کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے۔ موافق اور مخالف یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ قوم اور جماعت مر گئی اور اس کے دوبارہ جی اُٹھنے کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں۔ لیکن قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے کہ اللہ کی منشاء کے مطابق وجود میں آنے والی اور اس کی مشیّت اور تقدیر کو پورا کرنے والی تحریکیں ابتلاؤں۔ آزمائشوں اور مصائب کی بھٹی میں سے گذر کر کندن ہو کر نکلتی اور نئے جذبہ اور تڑپ کے ساتھ دوبارہ اس طرح اُبھرتی ہیں کہ اُن کی موت پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے والے انگشتِ حیرت در دہاں ہو کر رہ جاتے ہیں۔

تحریکِ احمدیت بھی ہمارے نزدیک اس قسم کی تحریکوں میں سے ایک ایسی تحریک ہے جو وجود میں آنے کے دن سے لے کر اس وقت تک کئی پُرخطر اور اذیت ناک حادثات سے دو چار ہو چکی ہے جنہیں ہر دور کے مخالفین نے اس کی زندگی کا آخری حادثہ جانا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ اب اس کے جی اُٹھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی لیکن وہ حیرت سے تکتے رہے اور یہ ہر بار نئی توانائیوں۔ ارادوں اور قوتوں کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوتی رہی۔ ہر قدم پر اُسے نئی منزل ملی۔ ایسی منزل جو اگلی منزل کے لئے محرک ثابت ہوئی۔ اس کا یہی قدم بہ قدم ہر میدان میں آگے بڑھنا دُنیا کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگا۔ ۱۹۵۳ء میں بھی یہی ہوا اور ۱۹۷۴ء میں بھی اس پر آخری کاری ضرب لگانے کے لئے کراچی سے کاغان تک ساری قوم ایک ہو گئی۔ کروڑوں کے سامنے چند لاکھ کمزور انسانوں کی کیا پیش جاتی اور پھر ایسی صورت میں کہ جب حکومتِ وقت بھی عوامی مطالبہ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئی ہو۔ جماعتِ احمدیہ کو مسلمان تو کبھی نہیں سمجھا گیا تھا لیکن اس بار حکومتِ وقت نے بھی اس پر غیر مُسلمانی کا فتوےٰ صادر فرما دیا۔ ہمارے وہ مہربان جو ہمارے خلاف آج تک یہ پروپیگنڈا کرتے چلے آئے ہیں کہ انگریزوں نے اپنی مقصد برآری اور غیر ممالک میں جاسوسی کے لئے اپنے سایۂ عاطفت میں یہ جماعت کھڑی کی ذرا اس پر تو غور کریں کہ اس زمانے کی حکومت تو بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے ساتھ تھی۔ اب اس کی حفاظت کرنے والا کون تھا۔ اخبار میں اداریئے۔ مقالے اور تبصرے شائع ہوئے کہ اس جماعت کا وجود نامسعود ہمیشہ کے لئے پاکستان سے ختم ہو گیا اور اب حقیقی معنوں میں یہ مُلک پاکستان بن گیا ہے مگر آگ و خون سے ہو کر گذرنے والی یہ قلیل سی جماعت خدا کے فضل و کرم سے اب بھی زندہ ہے اور انشاءاللہ زندہ رہے گی۔ ہمارا بُرا چاہنے والوں میں سے کسی کو ہمارا ۱۹۷۵ء یا ۱۹۷۶ء کا سالانہ اجتماع دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوتا تو وہ بھی ہمارے اس دعوےٰ کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

ہمارا ۱۹۷۵ء کا سالانہ جلسہ بھی اُمید افزاء تھا لیکن جو ناقابلِ فراموش رُوح پرور نظارے ۱۹۷۶ء کے سالانہ اجتماع میں دیکھنے میں آئے ان کے تاثرات شاید ہی مِٹ سکیں۔ جلسہ ۲۳ر دسمبر کو شروع ہونا تھا۔ ۲۲ر دسمبر کی شام سے ہی مہمانوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ اُن کا استقبال کرنے والے نوجوان اپنے بزرگوں۔ بھائیوں اور بہنوں کے لئے دیدہ و دِل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے۔ ان کا سامان اُٹھا اُٹھا کر اُن کی رہائش گاہوں تک پہنچاتے۔ سردی کا موسم۔ سفر کی مشکلات اور مالی قربانی یہ سب کچھ خوشدلی سے برداشت کر کے آنے والے دارالسلام میں پہنچتے ہی ایسا محسوس کرتے جیسے اپنی اُمنگوں اور آرزوؤں کے مقام پر پہنچ آئے ہوں۔ جیسے کوئی پیاسا پانی کے گھاٹ پر اُتر آئے۔ گھر کا آرام و سکون اور نرم و نازک بستروں کی راحت قربان کر کے آنے والے گھاس پھوس کے بچھونے پر سونے میں لذّت و سرور محسوس کرتے۔ بھائی کی بھائی سے گلے مِل کر آنکھیں چمک اُٹھتیں۔ ایک پیار ہی پیار تھا۔ محبت ہی محبت تھی۔ ایک نشہ سا تھا جسے زمانے کی تُرشی بھی نہ اُتار سکی۔ ختمِ نبوّت کے نام پر اپنے گھروں کو جلتا اور اپنے اموال کو لُٹتا دیکھنے والے کوئی عقل و خرد کے دشمن اور دیوانے ہیں کہ ہر نتیجے سے بے نیاز ہو کر اپنے مقصد کی لگن کو دل سے لگائے اُمڈے چلے آ رہے ہیں۔ دُنیا انہیں کافر کہتی ہے اور یہ پکارتے ہیں:

کوئی دِین دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

آئین انہیں غیر مُسلم قرار دیتا ہے اور یہ کہتے ہیں: —

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے

انہیں ختمِ نبوّت کا منکر ٹھہرایا جاتا ہے اور یہ چلاتے ہیں: —

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

ان کے ہاتھوں سے قرآن کریم چھیننے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں: —

جمال و حسنِ قرآں نُورِ جانِ ہر مُسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

کیا یہ مِٹ جائیں گے۔ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ دُنیا کی کوئی طاقت انہیں ختم کر سکے گی؟ خُدا کی سنّت تو یہی ہے کہ جو لوگوں کے لئے نفع رساں ہے اُسے دُنیا میں ثبات اور تمکنت نصیب ہوتی ہے۔ ہاں جب تک وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی ذلّت و رسوائی اور تباہی و بربادی کا سامان پیدا نہ کر لے۔

ایسے کٹھن حالات سے گذرنے اور ایک غیر مُسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اس جلسہ کی رونق اور تاثرات نے ہمیں آج سے کوئی تیس چالیس سال پہلے کے جلسوں کی یاد دلا دی۔ اب کے نہ صرف اندرونِ مُلک

بلکہ ہالینڈ۔ انگلستان اور انڈونیشیا سے بھی وفود نے شرکت کی۔ بھارت سے بھی تقریباً ۸۰ کے قریب اراکین نے شامل ہونا تھا لیکن انہیں وقت پر اجازت نامے نہ مل سکے۔ وہ اب بھی اپنے مرکز میں آنے کی تمنا رکھتے ہیں بشرطیکہ انہیں اجازت نامے حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی۔

اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس دفعہ خواتین کثرت سے شامل ہوئیں اور مالی قربانی میں مردوں سے بڑھ گئیں۔ اس بار جو ایک لاکھ کی رقم جمع ہوئی اس میں پچیس ہزار روپے خواتین کا حصہ ہے۔ اور ابھی شاید اور رقمیں بھی آ رہی ہیں۔

سب سے روح پرور نظارہ ۲۵، اور ۲۶ر دسمبر کو دیکھنے میں آیا جب محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نائب صدر انجمن اور چیئرمین تبلیغی کمیٹی برائے بیرون ممالک نے اپنے تبلیغی دورہ کی مختصر روئیداد سامعین کے سامنے رکھی تو بیرونِ ملک جماعتوں کی کارگذاری۔ احمدیت کے لئے ان کے ولولہ اور جوش و جذبہ کا ذکر سن کر بعض آنکھوں میں فرطِ جذبات سے آنسو بھر آئے۔ ہمارے دل سجدہ میں گر گئے۔ ہماری قوم ہمیں اپنے ملک میں تو مٹانا چاہتی ہے اور خدا کی تقدیر اس ملک سے باہر اسلام کی سربلندی کی خاطر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے جماعتیں قائم کرنے کے لئے تدبیر کر رہی ہے۔ ہماری گردنیں اس کے احسانات کے بوجھ سے جتنی بھی جھکیں اور پیشانیاں اس کے سامنے سجدے میں کتنی بھی خاک آلود کیوں نہ ہوں کم ہے۔ ہم یہاں مٹ بھی جائیں تو کیا غم۔ یہ منتشر بیج کہیں اور پھلے پھولے گا۔ یہ کلیاں کہیں اور چٹک کر فضا کو عطر بیز کریں گی۔ یہ شمع کہیں اور روشن ہو کر اندھیرے کو اجالے میں بدل دے گی۔ اور یہ نور کہیں اور چمک کر دنیا کو روشن کرے گا اور خدا سے برگشتہ اور اس کی راہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو محمد رسول اللہ صلعم کے قدموں میں لا ڈالے گا۔ یہی ہمارا مقصد اور یہی ہماری آخری آرزو اور تڑپ ہے۔ خدا ایسا ہی کرے۔ آمین۔

اپنے نہایت ہی مؤثر ارشادات کے بعد جب آپ نے اپنی جماعت کے قیام کی غرض اور مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے استحکام جماعت کے نام پر حاضرین سے مالی قربانی کی اپیل کی تو ہاتھ بے اختیار جیبوں میں چلے گئے۔ یہ منظر قابلِ دید تھا۔ بچے بچیاں بوڑھے اور جوان۔ مرد و زن ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں گرے پڑتے تھے۔ لکھنے والے لکھ نہیں سکتے تھے۔ بولنے والوں کی زبانیں خشک ہوگئیں۔ خصوصاً بچوں اور بچیوں نے قربانی کا جو نظارہ پیش کیا اسے دیکھ کر **حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب** ایدہ اللہ **بے ساختہ پکار اٹھے کہ** "حضرت صاحب نے اس قوم کو پاگل بنا دیا ہے۔ یہ مر نہیں سکتی"۔

ع اگر یہ بھی نہیں تو پھر جنوں کی انتہا کیا ہے

چند لمحوں میں ساٹھ ہزار کے قریب رقم جمع ہوگئی۔ دوسرے دن پھر جب محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے اپنی دلآویز تقریر کے بعد اپیل کی اور فرمایا کہ سوٹ بوٹ پہنے ہوئے مانگنے والے کی لاج رکھنا تو جیبیں خالی ہونا شروع ہوگئیں۔ خواتین کی طرف سے پچیس ہزار روپے سمیت کوئی بیالیس ہزار روپے دوسرے دن جمع ہوگئے۔ تیسرے دن ایک لاکھ پورا ہوگیا۔ ہمارے بچوں نے زیادہ تر رقم اسی روز جمع کی۔ ایسے بچوں کی مثال کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں درد و الحاح اور سوز و گداز سے پُر نمازیں اور دعائیں۔ جناب نصیر احمد فاروقی صاحب کے روحانیت اور معارف سے لبریز درس۔ تہجد میں بزرگوں کی دلگداز التجائیں روح کو ترو تازگی اور حیاتِ نو بخش گئیں۔ خدا کی قسم جو لذت ہمیں اس "کفر" میں آئی ہے اس "مسلمانی" میں نہیں۔ جسمانی غذا بھی نہایت لذیذ تھی۔

ہمارے نوجوانوں نے پرانی روش سے ہٹ کر ایک نئی طرز کا پروگرام پیش کیا۔ انہوں نے تین سوالات کے لئے اپنے ماضی اور حال کا جائزہ لیا اور مستقبل میں جماعت کے استحکام۔ کامیابی اور مذہبی دنیا میں اپنی کھوئی ہوئی قیادت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جدید دور کے تقاضوں کے مدِ نظر ایک مؤثر اور قابلِ عمل پروگرام مرتب کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے اپنی مرکزی اور ذیلی تنظیمیں قائم کیں۔ نوجوانوں کا یہ نیا اندازِ فکر اور سوچ و بچار بہت حوصلہ افزا ہے۔ نوجوان ہی مستقبل کی امید ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے بزرگوں کے ورثہ کی حفاظت کرنا ہوتی ہے اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے اندر اہلیت۔ جذبہ اور شوقِ فراواں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اس کانٹوں کی راہ پر چلنے کے لئے آبلہ پا ہونا پڑے گا۔ **حضرت مجدد زمان** نے بھی یہی فرمایا ہے کہ میری راہ کانٹوں کی راہ ہے جس کے پاؤں نازک ہوں وہ مجھے چھوڑ دے لیکن ہماری یہ کتنی بدنصیبی اور بدقسمتی ہوگی کہ جس نے ہمیں رسول کریم صلعم کی شناخت کرائی اور خدا سے ملنے کی راہیں ہمارے لئے روشن کیں ہم دنیا کی لذات کی خاطر اسے چھوڑ دیں۔ اسے چھوڑ کر ہم جائیں گے کہاں۔ کیا پھر اندھیروں میں واپس لوٹ جائیں۔ نہیں۔ نہیں۔ ہمیں یقین ہے ہمارے نوجوان قلب و نظر کی پاکیزگی کی بدولت تازہ بستیاں آباد کریں گے۔ اپنے اور دوسروں کے لئے امن و سلامتی کی بستیاں۔ اللہ تعالےٰ ان کے ارادوں میں برکت ڈالے اور ان کی نصرت فرمائے۔ آمین۔

ہماری جن دو بچیوں نے پچھلے سالانہ جلسہ میں ایک مکالمہ پیش کیا تھا انہوں نے اس بار بھی ایک مکالمہ پیش کیا اس کا موضوع تھا کیا حضرت صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا؟ محترم عبدالرحیم جگو صاحب قائدِ وفد ہالینڈ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے انہیں ایک سو روپیہ بطور انعام پیش کیا۔

ہماری پانچ بچیوں نے "میں احمدی بچی ہوں" نظم پیش کی جس میں ایک احمدی بچی کی خصوصیات کا ذکر تھا کہ اسے کیسا ہونا چاہیئے۔ اس نظم سے متاثر ہو کر جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے اپیل کے جواب میں دی جانے والی رقم میں پانچسو روپے کا اضافہ کر دیا۔ یعنی ان بچیوں کی طرف سے یہ رقم ادا کی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

افسوس نہ چاہتے ہوئے بھی یہ محفل ختم ہوگئی۔ ہمارے مہمانوں کے آنے کا منظر جتنا مسرت آمیز تھا اتنا ہی الوداع کا نظارہ حسرت انگیز۔ آنے والے جلسہ پر ملاقات کی امید میں سب ان تین چار دنوں کی سہانی یادیں دل میں لئے ایک ایک کر کے واپس چلے گئے۔ خدا انہیں اپنی حفاظت

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

مکرم جناب شیخ محمد طفیل ایم اے

فلسفۂ اقبال کے چند نامعلوم اوراق

علامہ اقبال پر ریسرچ کرنے والوں سے دو سوال

فلسفۂ عجم[1] (THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA)[2]

علامہ اقبال کی ابتدائی کُتب میں سے ہے۔ اصل مقالہ انگریزی میں شائع ہُوا تھا۔ بعد میں اس کے اُردو ترجمے کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے چونکہ یہ کتاب علامہ اقبال کی ابتدائی کوششوں میں سے ہے اس لئے اس میں نظریات اور افکار کی ناپختگی کی مختلف مثالیں ملتی ہیں۔

مجھے اس وقت اس مقالہ کے صرف ایک حصّہ سے قارئین کا تعارف کرانا ہے جس میں علامہ اقبال نے

"تصوّف کا ماخذ اور قرآن سے اس کا جواز"

کے عنوان سے ایرانی تصوف پر بحث فرمائی ہے۔ یہ ان کی کتاب کا پانچواں باب ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"میں اجمالی طور پر یہ بتلاؤں گا کہ صُوفی مصنفین اپنے خیالات کو قرآن کے نقطہ نظر سے کس طرح جائز قرار دیتے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے مختلف قرآنی آیات پر بحث فرمائی ہے جو صوفیاء اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اس باب کے دوسرے حصے میں

صوفیانہ مابعد الطبیعات

کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیرھویں صدی میں محمود واحد یا واحد محمود نے دعویٰ مہدویت کیا تھا۔ اس شخص کے حالات میرزا محسن کشمیری فانی کی کتاب دبستان المذاہب میں اختصار کے ساتھ درج ہیں[4] علامہ اقبال کی انگریزی کتاب میں جب اس شخص کا ذکر کیا گیا ہے تو حاشیہ میں دبستان باب ہشتم کا حوالہ بھی دیا ہے[5] جس سے واحد محمود کے متعلق واضح ہو گیا کہ کون صاحب مراد ہیں۔ اُردو ترجمہ میں اس کا نام غلطی سے واحد محمد لکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ مترجم کی غلطی ہے یا کتابت کی۔ علامہ اقبال نے انگریزی میں واحد محمود لکھا ہے بعض دوسری کُتب میں اسے محمود واحد گیلانی کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔

واحد محمود کا خیال تھا کہ قرآن مجید میں جو آیت :—

عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا

ہے اس میں واحد محمود کی بعثت کا ہی ذکر ہے۔ (دبستان المذاہب) اسی طرح :۔

"محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ فخر موجودات حضرت سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعوے تھا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین منسوخ ہو گیا۔ اب یہ محمودی دَور ہے ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کہتا تھا کہ عربوں کے لئے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی باعث صد فخر و مباہات تھی اور اس حقیقت کی وجہ سے اہل عرب کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصۂ پارینہ ہو گیا۔"[6]

اب ایسے شخص کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات ملاحظہ فرمائیں (یہ خیال رہے کہ علامہ موصوف نے واحد محمود کو ان صوفیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے جن کے مابعد الطبیعاتی (METAPHYSICS) نظریات کی بنیاد قرآن پر ہے)۔

(۳) تیرھویں صدی میں واحد محمود کا تکثیری (PLURALISTIC) ردّ عمل۔

اگر خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آخری تحریک بہت ہی دلچسپ ہے۔ تاریخ فکر چند عام قوانین ارتقاء کے عمل کو ہم پر یہ واضح کر دیتی ہے۔ یہ قوانین مختلف اقوام کی عقلی تاریخ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جرمنی کے توحیدی نظامات فکر (MONISTIC THOUGHT) سے ہربرٹ (HERBERT) کی کثرتیت (PLURALISM) پیدا ہوتی ہے۔ اسپنوزا (SPINOZA) کے وحدت الوجود سے لائبنز (LEIBNIZ) کی فردیت (MONADISM) وجود میں آتی ہے۔ اسی قانون کے اثر سے ۳ انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ حقیقت ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ ہے۔ لائبنز سے بہت پہلے اس نے یہ تعلیم دی ہے کہ کائنات "افراد" کا مجموعہ ہے۔ یہ ایسی اکائیاں یا سالمات ہیں جن میں حیات بھی ودیعت ہے۔ ابتدائی مادہ کا تدریجی کمال ہی قانون عالم ہے۔ مادہ ہمیشہ ادنےٰ صُورتوں سے گذر کر اعلےٰ کی طرف جاتا ہے۔ اور ان صُورتوں کا تعین اس غذا سے ہوتا ہے جو اساسی اکائیاں اپنے اندر جذب کرتی ہیں۔ اس کے عمل تخلیق عالم کا دَور آٹھ ہزار سال پر مشتمل ہے اور اس قسم کے ہر آٹھ ہزار اَدوار کے بعد کائنات میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ اکائیاں پھر متحد ہو کر ایک نئے عالم کی تشکیل دیتی ہیں۔ واحد محمود کو ایک جدید فرقہ پیدا کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس فرقہ پر بہت سے مظالم ڈھائے گئے، اور بالآخر شاہ عباس نے اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ شیراز کے مشہور شاعر حافظ بھی اسی فرقے کو مانتے تھے۔"[7]

دو اہم سوال

ان حوالہ جات کو درج کرنے کے بعد ہمارے ذہن میں دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں :—

(۱)— کیا علامہ اقبال نے واحد محمود کے ملحدانہ نظریات کی کبھی تردید کی یا ان سے لاتعلقی کا اظہار کیا جن کا ذکر دبستان المذاہب میں ہے؟

(۲)— علامہ اقبال نے کہا ہے کہ خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے واحد محمود کی تحریک بہت ہی دلچسپ ہے۔ اس خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر کی قرآن کی کن آیات سے تصدیق ہوتی ہے۔ نیز اس قسم کے فلسفہ کے قرآنی ماخذ کون سے ہیں۔ اور ان کا قرآنی جواز کیا ہے؟

---

[1] ترجمہ میر حسن الدین۔ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی۔ پانچواں ایڈیشن مارچ ۱۹۶۲ء

[2] ناشر بزم اقبال کلب روڈ لاہور تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء۔

[3] فلسفہ عجم ص ۱۴۲ ۔ انگریزی کتاب ص ۸۴

[4] دبستان المذاہب (فارسی) در عقائد واحدیہ ص ۲۴۳ ایڈیشن مطبوعہ بمبئی۔

[5] ص ۹۳ ایڈیشن مطبوعہ بمبئی۔

[6] آئمہ تلبیس حصّہ دوم۔ مصنفہ ابوالقاسم رفیق دلاوری صفحہ ۲۸۶ ایڈیشن لاہور

[7] فلسفۂ عجم ص ۱۵۹ و ص ۱۶۰ ۔ انگریزی کتاب صفحہ ۹۳-۹۴۔

روئداد جلسہ سالانہ منعقدہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۶ء

(گذشتہ سے پیوستہ)

شائع شدہ پروگرام کے مطابق امروزہ جلسہ کی پہلی نشست کا آغاز مکرم جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی کی صدارت میں ٹھیک ۹½ بجے مولانا شفقت رسول صاحب کی تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ پھر مولوی کریم بخش رند صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے۔ ازاں بعد مکرم جناب میاں بشارت احمد بقا صاحب نے رپورٹ سالانہ پیش کی

سالانہ رپورٹ سنائے جانے کے بعد ۲ کمسن بچیوں نے (مدیحہ رسول اور شاہدہ جنجوعہ) احمدی اور غیر احمدی کے روپ میں ایک دلچسپ اور پُر اثر مکالمہ پیش کیا۔ جس میں شاہدہ (احمدی) نے حضرت صاحب کی کتب فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام، نشانِ آسمانی اور انجام آتھم وغیرہ کتب سے یہ ثابت کیا، کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوے صرف خادمِ اسلام، مجدد وقت اور محدّث ہونے کا ہے اور وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں۔ اس مذاکرہ کو حاضرین نے بے حد پسند کیا اور سراہا۔

اس دلچسپ مذاکرہ کے بعد جناب عبدالرحیم جگو صاحب نے الحاج جہانگیر پیر بخش صاحب کا سامعین سے تعارف کرایا۔ جو جماعت ہائے احمدیہ سرینام (جنوبی امریکہ) کے صدر ہیں۔ پھر انڈونیشیا سے آئے ہوئے تین احباب سٹیج پر تشریف لائے۔ جو صرف انڈونیشی یا کسی قدر انگریزی زبان بول سکتے تھے۔ ان میں سے منصور صاحب نامی ایک دوست نے اپنا اور اپنے دو ساتھیوں کا انگریزی زبان میں تعارف کرایا جس کا اردو ترجمہ سٹیج سیکرٹری جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے اُسی وقت بعد میں سنادیا۔ منصور صاحب نے اپنے اور اپنے تعارف کے سلسلے میں بتایا کہ وہ خود تو انڈونیشیا کے ایک بنک میں عہدیدار ہیں، اور ان کے دوسرے ۲ ساتھی وہاں پر ٹیچر ہیں۔ اور ہمیں آپ کی محبت وہاں سے کھینچ لائی ہے۔ میرے یہ ۲ دوست تو تحصیلِ علم کے سلسلہ میں مرکز میں کچھ عرصہ رہیں گے اور میں خود ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے جلسہ کے فوراً بعد انڈونیشیا واپس جا رہا ہوں۔ (چنانچہ وہ واپس جا چکے ہیں)۔

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کے ارشاداتِ عالیہ

آپ نے سورۃ الحدید کی چند ابتدائی آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنی روشن اور واضح آیات اس لئے نازل فرماتا ہے تاکہ انسانوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے۔ ابتلاء بھی ایک تاریکی ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام پر ابتلاء آیا۔ تو انہوں نے ابتلاء اور ظلمت کی اس تاریکی میں پکارا تو اللہ تعالےٰ نے اس تاریکی سے ان کو نجات دی۔

آپ نے اپنے حالیہ دورہ بلادِ غیر کا مختصراً تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ حالات ناسازگار تھے۔ مگر انجمن کی درخواست پر میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل پڑا اور خدا تعالےٰ نے بھی اپنے خاص فضل سے اس سفر میں معتدبہ اور نمایاں کامیابی عطا فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ انگلستان کی جماعت مستحکم اور فعال ہے۔ وہاں ہمارا جماعت کا مرکز قائم ہو چکا ہے۔ اور تبلیغ اسلام کا کام جاری ہے۔ ایک پمفلٹ بنام WHAT IS ISLAM شائع کیا گیا ہے۔

جرمن کے دورہ کا ذکر کرتے ہوئے وہاں کی مسجد کا ذکر فرمایا کہ وہ ایک عظیم الشان مسجد ہے جو یورپ کے مرکز میں ہے۔

ہالینڈ میں دورہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہاں سرینام کے لوگ ہجرت کر کے آباد ہو گئے ہیں۔ اور وہاں سات شہروں میں انجمن کے مراکز قائم ہو گئے ہیں۔ اور وہاں کے روشن اور اُمید افزا مستقبل کا ذکر بھی فرمایا۔

آپ نے جزائر غرب الہند کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ٹرینیڈاڈ میں ایک مثالی جماعت ہے۔ گی آنا کی جماعت بہت قوی جماعت ہے۔ گی آنا میں عورتوں کی تنظیم بھی کام کر رہی ہے۔ ریڈیو پر ہر ہفتہ میں ۲ مرتبہ اسلام کی اشاعت کا موقعہ میسر ہے۔ آپ نے اس تمام سفر کو مفید مبارک اور مؤثر بتایا۔

آپ نے ہالینڈ کے مسلمانوں کے سربراہ جناب والس ڈی محمد کو ایک گولڈن پین، جس سے "اسلام سنہری ہے" کا مفہوم واضح ہوتا تھا، تحفتہً دیا۔ نیز انگریزی تفسیر بیان القرآن کے چند نسخے دیئے۔ اس تقریب پر آپ نے جو تقریر فرمائی تھی اس کا ٹیپ ریکارڈ بھی حاضرینِ جلسہ کو سنایا گیا۔ آپ کے سفر کی رپورٹ بلادِ غیر کے نام سے الگ شائع ہو چکی ہے احباب اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کے بعد آپ نے چندہ کی اپیل فرمائی۔ احباب نے دل کھول کر چندہ دیا۔ چندہ دینے کے سلسلہ میں بچوں کا شوق دیدنی تھا۔ مستورات نے بھی حسب سابق محترم ڈاکٹر صاحب کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کافی چندہ دیا۔ جس کی تفصیل قارئین کرام ۵ر جنوری کے شمارہ کے صفحہ اوّل پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مکرم جناب ڈاکٹر صاحب کے بعد الحاج عبدالرحیم جگو صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے جماعتہائے سرینام اور ہالینڈ کی طرف سے جملہ احباب جماعت کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور مبارک باد دی اور دعا کی کہ اللہ تعالےٰ اس انجمن اور تحریک احمدیت میں ترقی عطا فرمائے۔ آپ نے بچوں کے دلچسپ مکالمہ سے متاثر ہو کر انہیں یکصد روپے انعام دینے کا اعلان فرمایا آپ نے شروع سے تحریک کا ذکر کیا اور بتایا کہ ۱۹۳۰ء میں بابو منظور الٰہی صاحب مرحوم کی بذریعہ خط و کتابت کوششیں بار آور ہوئیں۔ آپ نے مزید بتایا کہ انڈونیشیا میں اس وقت ۱۵ ہزار کے لگ بھگ احباب جماعت ہیں جو نصف کے قریب ہجرت کر کے ہالینڈ چلے آئے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ہالینڈ میں ہمارے اجتماعات کے لئے ایک بڑا ہال میسر ہے۔ ہم نماز عیدین وہیں ادا کرتے ہیں۔ وہاں عیسائیوں کی مذہبی حالت خراب ہے۔ اور وہاں کی کمیٹی نے ہمیں اپنی تقریبات کے انعقاد کے لئے گرجا کے دو ہال دیئے ہیں۔ اس طرح ہم اسلامی تقریبات کو شاندار طریقے سے منا رہے ہیں۔

آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہر عظیم جماعت کو مشکلات پیش آتی ہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں نے دین کے لئے دکھ اُٹھائے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں زہر دے دیا گیا تھا۔ آپ نے بتایا کہ وہ دن دور نہیں جب لوگ حقیقت معلوم کر لیں گے اور ہماری مخالفت سے باز آ جائیں گے۔

دوسرا اجلاس زیرِ صدارت ڈاکٹر عبدالعزیز خاں صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب پشاوری کی تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوا۔ بعد ازاں جناب محمد الرحمٰن صاحب پشاوری نے ملفوظات حضرت مجددؑ کے بعد آپ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ مقصد اللہ کی مخلوق کو حق کا پیغام پہنچانا ہے۔ دین وہی حق ہے جو قرآن پاک میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مجدد نے دلائل سے صلیب کو توڑا۔ آپ نے لیفرائے پادری کے ہندوستان میں آنے کا مقصد مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کرنا بتایا لیکن جب اسے حضرت مجدد علیہ السلام کا سامنا کرنا پڑا تو بھاگ کھڑا ہوا اور عیسائیت کی صلیب کو حضرت مسیح کی قلمی تلوار سے بچانا مشکل اور ناممکن نظر آیا۔ پادریوں کو جونہی معلوم ہوا کہ مقابل کا شخص جماعت احمدیہ سے ہے تو راہ فرار اختیار کر گیا۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

"گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را"

اجلاس شبان الاحمدیہ میں پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کی تقریر

آپ نے فرمایا :-

میرے عزیز نے میرے چہرے پر ماضی کے کچھ آثار دیکھ کر مجھ سے یہ سوال کیا ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ وہ یہ سوال ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لیتے جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کا سارا دَور اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ مَیں اسے ان کی نگاہِ غلط انداز کہوں یا نگاہِ انتخاب جب مجھ ہی ناچیز پر پڑی ہے تو مَیں مختصراً کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ میرے ماضی کی داستان ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک پھیلی ہوئی ہے۔ میرے عزیز چاہتے ہیں کہ میں اپنی اس ۹۰ سالہ تاریخ کو تیس منٹ میں سمیٹ کر پیش کروں یعنی بیس سیکنڈ میں ایک سال کی کہانی سناؤں۔ ماضی کی یادیں سہانی بھی ہوتی ہیں اور سُونی بھی۔ یادِ محبوب میں میرے صبر و سکون کا دامن اگر ہاتھ سے چھوٹ جائے اور آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑیں تو مَیں اپنی اس کمزوری کے لئے آپ سے معذرت چاہوں گا۔

کسی تحریک کی کامیابی اور ناکامی کا اندازہ ان واقعات اور حالات کے پس منظر میں ہی لگایا جا سکتا ہے جن میں یہ اُبھری۔ مَیں اپنی داستان کو تین ادوار میں تقسیم کروں گا۔

۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۸ء

میری کہانی ۱۸۵۷ء کی المناک جنگِ آزادی سے شروع ہوتی ہے۔ سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان نے جو شمع آزادی روشن کرنے کی کوشش کی اسے میر جعفر اور میر صادق کی حرص و آز کے سرد جھونکوں نے بجھا دیا۔ اس کے بعد مسلمانانِ ہند نے ایک بار پھر سر زمین ہند کو غیر ملکی تسلّط کے مہیب پھیلتے ہوئے سایوں سے نجات دلانے کے لئے کروٹ لی۔ مگر اس بار میر جعفر اور میر صادق کا ہم مشرب مرزا الٰہی بخش شمعِ آزادی کو گُل کرنے کے لئے راستے میں روک بن کر کھڑا ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان، انگریز اور اسکے ہندوستانی حواریوں کے ظلم و ستم کی چکّی میں بری طرح پسنے لگا۔ اسے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور روحانی طور پر کچلنے کی تدبیریں ہونے لگیں تاکہ اس کے دوبارہ اس طرح اُبھرنے کا امکان باقی نہ رہے۔ سیاست پر انگریز کا اور معیشت پر ہندو کا تسلّط تھا۔ اور اب اُسے اخلاقی اور رُوحانی طور پر اپاہج کرنے کے منصوبے بننے لگے کیونکہ مخالف قوتیں اگر اس سے اس کی یہ اقدار چھین لینے میں کامیاب ہو جاتیں تو یہاں بھی مسلمان کا وہی حشر ہوتا جو سپین میں ہُوا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جنگِ آزادی کی منجملہ دوسری وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ عیسائی مشنریوں کی ایک کثیر تعداد مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بیگانہ بنانے میں مصروف تھی۔ اس جنگ میں کامیابی کے بعد ملکہ وکٹوریہ نے ۶۰-۱۸۵۹ میں ایک اعلان کیا۔ اس اعلان کی ایک شق یا شرط یہ بھی تھی کہ ہر ایک کو "مذہبی آزادی ہوگی"۔ اس اعلان کے ساتھ ہی عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں تیز تر ہوتی گئیں۔ وہ دُور دراز مقامات پر بائبل لے کر پہنچے اور بھولے بھالے اپنے مذہب سے ناآشنا مسلمانوں کو اپنے دجّالی جال میں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں میں آریہ سماج اور برہمو سماج جیسی مذہبی تحریکوں نے سر اُٹھایا۔ جن کا مقصد مسلمانوں کو ہندو مذہب میں جذب کرنا یا ان کی ہستی کو سرزمینِ ہند سے نیست و نابود کرنا تھا۔ سب سے خطرناک حملہ سائنس کی برق رفتار ترقی کا تھا جس نے عیسائیت کی چولیں تو ڈھیلی کر ہی دی تھیں لیکن اسلام کا اس وقت کا تصوّر بھی اس کی زد سے محفوظ نہ تھا۔

مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت تو چلی ہی گئی تھی اب دین بھی جا رہا تھا۔ یہ وہ مایوسیوں کے سیاہ بادل تھے۔ یہ وہ تاریک فضا تھی اور یہ وہ بھیانک منظر تھا جو مسلمانوں کی بے بس و مجبور آنکھوں کے سامنے تھا۔ انہیں برصغیر ہند سے اپنی ہستی مٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی، اور ان کی حالت یہ تھی :-

فکرِ ایشاں غرق ہر دم در رہ دنیائے دُوں\
مال ایشاں غارت اندر راہ نسوان و بنیں\
با خرابات آشنا بیگانہ از کُوئے ھدیٰ\
نفرت از ارباب دیں باے پرستاں ہمنشیں

اس حملے کی تاب کسے تھی۔ آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ کسی نجات دہندہ کا انتظار تھا۔ اسی اضطراب میں وہ پکار رہے تھے:-

یا صاحب الزمان بظہورت شتاب کُن\
عالم ز دست رفت تو پا در رکاب کُن

اے زمانے کے امام تو جلدی ظاہر ہو، یہ جہاں تو ہاتھ سے گیا تو فوراً تیار ہو جا۔

ظلمت گرفتہ عالم و تو چُوں نشستہ\
ایں عرصہ را تبور خودت آفتاب کُن

اس عالم پر تو ظلمت چھا رہی ہے تو کیسے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔

یا خاتم الائمہ بفریاد ما برس\
بہر خدا و جد کبارت صواب کُن

اے آخری امام میری فریاد کو پہنچ۔ خدا اور اپنے بزرگوں کے واسطے نیکی بجا لا۔

نا امیدی کی اس گہری تاریکی میں خاکِ قادیان سے اُمید کی ایک کرن پھوٹی۔ وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ قادیانی۔ اس دَور کے مجدّد۔ محدث اور مسیح موعودؑ۔ اسلام پر چاروں طرف سے حملہ ہو رہا تھا۔ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی گھناؤنی تصویر مغرب میں پیش کی جا رہی تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے سترہ اٹھارہ سال کی عُمر میں اسلام اور بانیٔ اسلامؐ پر عیسائیوں کی طرف سے کئے گئے تین ہزار اعتراضات جمع کئے جن کی وجہ سے بیس لاکھ مسلمان عیسائیت کی گود میں چلے گئے تھے انگریز بڑا چالاک اور عیّار تھا وہ جانتا تھا کہ ہندو مت میں وہ کشش نہیں کہ مسلمان کو جذب کر سکے۔ اس کے پاس ایک ہتھیار تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح حیات مسیح کے قائل اور اس کے آنے کے منتظر تھے اس بات سے بہت سے مسلمان دھوکہ میں مبتلا ہو کر عیسائی ہو گئے ۱۸۶۴ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیانی عرصہ میں عیسائیت اور آریہ دھرم کے خلاف آپ کے مضامین مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ لیکن ۱۸۸۰ء میں آپ نے براہینِ احمدیہ کے نام سے ایک جامع کتاب لکھنی شروع کی جس میں تمام مذاہب کے باطل عقائد پر سیر حاصل بحث کر کے اسلام کی برتری ثابت کی۔ ۱۸۸۴ء تک اس کی چار جلدیں شائع ہوئیں۔

اسی کتاب براہینِ احمدیہ میں مجددیت کا دعوےٰ موجود ہے۔ لوگ آپ کے شیدا ہو گئے۔ اپنے مذہب کی حقانیت پر مسلمانوں کو یقین ہو گیا اور ان کے دل اعتماد، یقین اور حوصلہ سے بھر گئے۔ ۱۸۸۸ء میں آپ نے جماعت تیار کرنے کے لئے بیعت لینا شروع کی۔ اس کی ایک شرط یہ تھی کہ "میں دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا۔ ۱۸۹۰ء میں آپ کو الہام ہوا:-

"مسیح ابنِ مریم فوت ہو گیا ہے اور ہم نے تمہیں مسیح ابنِ مریم بنایا ہے۔"

مسیح کی موت عیسائیت کی موت تھی۔ انہیں پاؤں تلے سے زمین سرکتی

ہوئی نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ جس یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ یہی مغربی اقوام ہیں اور دجّال جس کا ذکر احادیث میں ہے وہ بھی انہی قوموں کا دوسرا نام ہے۔

انگریز کا ماتھا ٹھنکا کہ اگر یہ تحریک زور پکڑ گئی اور مسلمانوں میں پھر سے اپنے مذہب پر یقین اور ایمان پیدا ہو گیا تو مسلمان تو کیا عیسائی ہوں گے انہیں خود یہاں سے بوریا بستر لپیٹنا پڑے گا۔ انگریز جانتا تھا کہ اس کی اور ہندو کی مخالفت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ انگریز نے مسلمان کو سیاست کے میدان میں شکست دینے کے لئے مسلمان سیاسی رہنماؤں کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور اب مذہب کے میدان میں انہیں نیچا دکھانے کے لئے ان کے مذہبی رہنماؤں کو استعمال کیا۔ اس لئے اس تحریک کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے مسلمان علماء سے کام لیا۔ مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا مسلمان اس سازش کو نہ بھانپ سکا، اور فریب کھا گیا۔ الزام یہ لگایا کہ یہ شخص مسیح موعود کا دعوےٰ کرکے خود اپنے آپ کو نبی بناتا ہے اور یوں ختم نبوت کا منکر ہے۔ کہیں کفر کے فتوے لگے اور کہیں مقدمے چلے۔ وہ طاقت جو مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کے دلوں کو اسلام کی صداقت اور نور سے پُر کرنے میں صرف ہوتی وہ یوں انگریز کی دجالی فتنہ انگیزی سے ضائع ہو گئی۔ مگر عیسائیت یہاں شکست کھا گئی۔ اس کا ذکر غیروں کی زبان سے سُنئے:۔

(۱)۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:۔

"ولایت کے انگریزوں نے بڑا تلاطم برپا کیا .... تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے .... اُس نے نصرانیوں کو اتنا تنگ کیا کہ ان کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا .... اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دی۔" (تفسیر القرآن صفحہ ۳ ۱۹۳۴ء)

(۲)۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔"

امریکہ میں ڈوئی اور یہاں عبداللہ آتھم اپنی دریدہ دہنی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آریوں کو اپنے مذہب کا آئینہ دکھانے کے لئے "سرمہ چشم آریہ" لکھی اس کے متعلق بھی مولانا آزاد فرماتے ہیں:۔

"آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی خاص خدمت انجام دی ہے۔"

لیکھرام اپنی بدزبانی کی سزا پا گیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے عیسائی اور آریہ دونوں کوشاں تھے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان علماء بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کی طرف سے یہ مدافعت نہ ہوتی تو مسلمان ایک حقیر اقلیت میں ہوتے اور وہ پاکستان کا تصوّر تک نہ کر سکتے۔ اور اگر دوسروں کی شہ پر علماء مخالفت نہ کرتے تو پاکستان کی حدود اتنی مختصر نہ ہوتیں۔ دُنیا اس وقت مانے یا نہ مانے آنے والا مؤرخ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

غیر مذاہب پر اسلام کی فتح کا ایک اور منظر ۱۸۹۶ء میں دیکھنے میں آیا۔ ۲۶ر تا ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو مذاہب عالم کی ایک کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس میں آپ کا وہ مضمون جو "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے شائع ہوا ہے پڑھا گیا۔ دوست دشمن نے اس کے بالا رہنے پر شہادت دی۔ یہ مضمون دو دن ۴½ گھنٹے میں پڑھا گیا اور حاضرین دم بخود بیٹھے سُنتے رہے اس میں بیان کردہ حقائق و دقائق معرفت سے محسوس ہوتا تھا کہ بغیر کسی مافوق الفطرت ہستی کی تائید کے ایک عام انسان کے لئے ان کا بیان کرنا ناممکن تھا۔ آپ کے ہاتھ سے یہاں بھی اسلام کو فتح نصیب ہوئی اور تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوا۔ خود مخالف پکار اُٹھے کہ "مضمون بالا رہا"۔

آپ نے اپنے الہامات اور پیشگوئیوں کو دُنیا کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ اسلام کو کسی بھی نظریہ کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ سائنس اور جدید فلسفہ کی جہالتیں خود بخود اس کی حقیقت کے سامنے دھواں ہو کر اُڑ جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آج مغرب کا سائنسدان بھی یہ ماننے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی ضرور کار فرما ہے۔ اس سے اگلا قدم اس ماسٹر مائینڈ یا اللہ تعالےٰ کی ہستی کا تسلیم کرنا ہے۔

آپ نے سکھ مذہب پر تحقیق کے ذریعے ثابت کیا کہ چولا گرو نانک پر قرآنی آیات تحریر تھیں اور پوتھی صاحب قرآن شریف ہے۔ جس سے بابا نانک صاحب کا مسلمان ہونا ثابت ہے۔ یہ سارے حقائق ست بچن میں درج ہیں۔

۱۸۹۷ء میں آپ نے دنیا کے تمام مذاہب کو چیلنج کیا کہ وہ اسلام کے مقابلے میں اپنے مذہب کی زندگی کا ثبوت اپنی اپنی زندگی پیش کر کے دیں۔ دیکھیں کہ اسلام کا خدا زندہ ہے یا کسی دوسرے مذہب کا۔ ہر مخالف کو مقابل پر بلایا مگر آزمائش کے لئے کوئی نہ سامنے آیا اور نہ ہی آ سکا۔

آپ نے ملکہ وکٹوریہ کو اسلام کی آغوش میں آنے کی دعوت دی۔ اور خدا سے دُعا بھی کی کہ:۔

"قیصرہ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اس کا خاتمہ کر۔"

"ولیم قیصر جرمنی نے یہ تصدیق کی کہ خدا کے برگزیدوں کو الہامات ہوتے ہیں۔"

جب سارے مخالف مذاہب شکست کھا گئے تو آپ کے دل میں عیسائیت کے گھر میں اسلام کی تبلیغ کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اس کے لئے ۱۹۰۲ء میں ریویو آف ریلیجنز نام کا رسالہ حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مضامین اتنے بلند پایہ ہوتے تھے کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

ایک انگریز کو یہ کہنا پڑا کہ:۔

"اس رسالہ میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ ایک یوروپین کی قلم سے نکلتا ہے۔ جو انگریز ہے۔"

سر میلکم ہیلی جو پنجاب کے گورنر رہے ہیں نے اس رسالہ کے مضامین سے متاثر ہو کر کہا کہ:۔

یہ پڑھنے کے بعد مجھے یقین سا ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

سینکڑوں نوجوان جو عیسائیت کے دروازے پر دستک دے رہے تھے اسلام میں واپس لوٹ آئے اس کے علاوہ آپ نے ایک تفسیر لکھنے اور اسے انگریزی میں ترجمہ کرا کر غیر ممالک میں بھیجنے کی خواہش کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:۔

"یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

افسوس آپ کی یہ خواہش آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد علیؒ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ غرض کہاں تک سُناؤں۔ یہ داستان طویل بھی ہے اور لذیذ بھی مگر وقت مختصر۔

اس صدی کا عظیم الشان انسان جو ۱۸۷۴ء سے ۱۹۰۸ء تک مخالفین اسلام پر برق بن کر ٹوٹتا رہا اور جس نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرونِ ہند

مذھبی دنیا میں زلزلہ برپا کئے رکھا۔ اسلام کے غلبہ کا بیج بو کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا اور اس کی آبیاری اپنی جماعت کے سپرد کر گیا۔ دُنیا اسے ستاتی رہی۔ لیکن وہ غلام احمد تھا اسلام اور اس کے بانی کی خاطر ساری چوٹیں سینے پہ سہتا رہا۔ ایک دن آئے گا کہ اُسے اپنے وقت پر ٹھکرانے والی قوم اس کے خوشتر وقت کو بچشم نم یاد کرے گی لیکن افسوس ہم نہ ہونگے۔

۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۴ء

جہاد بالسیف حرام قرار دیتے کا الزام لگانے والے یہ نہیں سوچتے کہ غیر ملکی طاقت تیر و تفنگ کے ذریعے مسلمانوں کو شکست دے چکی تھی اب اس نے بائبل کے ذریعے مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت بنانے کے لئے وار کرنا شروع کیا تھا جس کا جواب تلوار سے نہیں قرآنی حقائق سے مؤثر طور پر دیا جا سکتا تھا۔ اور یہی وہ ہتھیار تھا جس کے ذریعے عیسائی میدان چھوڑ گئے۔

جماعت کی یہ بڑی بھاری خوش نصیبی تھی کہ آپ کی وفات کے بعد اُسے آپ کا جانشین ایک متقی عالم بے بدل۔ عاشقِ قرآن اور متوکل علی اللہ شخصیت حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں مل گیا۔ وہی نورالدین جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نورِ دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

کتنا اچھا ہوتا کہ اُمت کا ہر فرد نورالدین ہوتا۔ ہاں ایسا ہی ہوتا اگر ہر دل نورِ یقین سے پُر ہوتا۔

یہ فقر و غنا کا پیکر اپنا سب کچھ لُٹا کے خالی ہاتھ اپنے محبوب کے قدموں میں قادیان میں آ بیٹھا۔ اور علم و عرفان کی شمع روشن کی۔

آپ کا دور بہت مختصر ہے۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک صرف چھ سال بنتے ہیں لیکن اس مختصر عرصہ میں جماعت کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ بے نظیر ہے۔ جماعت نے آپ کی رہنمائی میں حضرت صاحب کی امانت کو بڑی وفا اور لگن سے اپنے سینے سے لگایا۔ وہ چنگاری جو آپ اپنے احباب کے دلوں میں روشن کر گئے تھے اب بھڑک کر شعلہ کی صورت اختیار کر رہی تھی۔ یارانِ صدق و صفا کے دلوں میں نئی اُمنگوں اور آرزوؤں نے کروٹ لی۔ ان کی نظریں اُفق کے پار اُٹھنے لگیں۔ احمدیت حدود ہند سے نکل کر افغانستان۔ مصر۔ شام اور یورپ کے اکثر ممالک میں جا پہنچی۔ آپ ہی کے دور میں ووکنگ مسلم مشن کی بنیاد پڑی اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم انگریز کے دیس میں اسلام کا پیغام پہنچانے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کرنے کے لئے وہاں پہنچے۔ یہیں سے رسالہ اسلامک ریویو نکلنا شروع ہوا۔ بیان القرآن کی تصنیف آپ ہی کے زمانے میں اور آپ کے زیرِ نگرانی شروع ہوئی اور قریباً ۲۶ پارے مکمل ہوئے عیسائیت اور آریہ دھرم کے رد میں آپ نے فصل الخطاب۔ تصدیق براہین۔ ردِّ تناسخ۔ ابطال المسیح۔ نابِ نورِ دین لکھیں۔

میرے خیال میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جماعت کے اندر تقویٰ، طہارت، اتحاد اور یگانگت کی رُوح کو زندہ رکھا اور اپنے آقا کی "الوصیت" کے مطابق انجمن کے کاروبار کو چلایا یہی وجہ تھی کہ احمدیت کے خلاف نفرت تقریباً ختم ہوگئی۔ ہندوستان کے کونے کونے میں غیر مذاہب کے مقابلے کے لئے احمدی مبلغوں کو دعوت دی جاتی۔ اور وہ فاتحانہ واپس لوٹتے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ غیر مذاہب کے باطل عقائد کا توڑ صرف احمدیوں کے پاس ہے۔ عیسائی اور آریہ مناظر ان کے مقابل پہ آنے سے گھبراتے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ یہی سے دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں احمدیوں کے لئے ایک عزت کا مقام پیدا ہوگیا۔ اس طرح مذھبی دُنیا کی قیادت جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں رہی۔

۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۷ء

ایسے میں حضرت مولانا نورالدینؓ کو بھی اللہ تعالےٰ نے اپنے پاس بُلا لیا۔ جماعت ایک بار پھر عظیم صدمہ سے دوچار ہوگئی اور جماعت کے اِتحاد پر تاریک گھٹائیں چھانے لگیں۔ جماعت شدید بحران کا شکار ہوگئی۔ اس بحران کے آثار حضرت مولانا صاحب کے آخری ایّام زندگی میں ہی رونما ہوگئے تھے۔

حضرت مرزا صاحب کی طرف ایسے عقائد منسوب کئے جانے لگے جن سے آپ کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور جن سے خود حضرت مولانا صاحب نے بھی بیزاری کا اظہار کیا۔ مقصد یہ تھا کہ آگے چل کر انجمن کے معاملات پہ فرد واحد کے اختیار کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت صاحب کے چند ایسے مخلص احباب تھے جو انجمن کے کاروبار کو الوصیت کے مطابق چلانا چاہتے تھے۔ یہ سادہ دل مؤمن لوگ ان زیرِ زمین سرگرمیوں سے یا تو قطعًا ناواقف تھے یا وہ جماعت کے اتحاد کی خاطر مُہر بلب تھے۔ اور آخری دم تک یہ کوشش کرتے رہے کہ جماعت ایک رہے اور جو مشن حضرت صاحب ہمارے سپرد کر گئے ہیں، وہ بحسن و خوبی آگے بڑھتا رہے۔ لیکن ان کی یہ کوششیں سیاست گری کے سامنے مات کھا گئیں۔ سرزمین قادیان میں جب ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور انہیں کوئی اور صورت نظر نہ آئی تو بصد حسرت و یاس کوچۂ محبوب کی خاکِ پاک احمدیہ بلڈنگس لاہور میں آ گئے۔ جماعت نے اس وقت جذبات کی رو میں بہہ کر خلیفہ کا فیصلہ تو کر لیا لیکن وہ بھانپ چکے تھے کہ ان لوگوں کا جن کے تقویٰ۔ قربانیوں۔ کام اور حضرت مسیح موعودؑ سے لگاؤ کا جماعت پر ایک خاص اثر تھا۔ قادیان میں رہنا اس لئے خالی از خطرہ نہ تھا کہ جب وقت گذرتا جائے گا۔ لوگوں پر حقیقتِ حال واضح ہوتی جائے گی، تو اس بات کا شدید امکان ہے کہ اس فیصلہ کے خلاف ردِّ عمل شروع ہو جائے اور جو عمارت انہوں نے زیرِ زمین سرگرمیوں کی بنیاد پر اُٹھائی وہ دھڑام سے نیچے آ رہے جس کے نتیجے میں سارا کنٹرول پھر سے انجمن کے ہاتھوں میں چلا جائے۔

جنہیں قادیان سے ہجرت کرنا پڑی ان میں حضرت مولٰنا محمد علی۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحبؒ۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبؒ۔ شیخ رحمت اللہ صاحبؒ اور مولانا غلام حسن خانؒ صاحب شامل تھے جب قادیان سے دوبارہ رابطہ کی کوئی ممکنہ صورت نہ رہی تو حضرت مرزا صاحب کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام ۱۹۱۴ء کو عمل میں آیا۔ اور حضرت مولانا محمد علیؒ کو امیر قوم اور پریزیڈنٹ منتخب کیا گیا۔

اس حقیر سی ابتداء سے اس انجمن نے کام شروع کیا۔ دسمبر ۱۹۱۴ء کے سالانہ جلسہ میں حاضرین کی تعداد محدود تھی کل چندہ ۲۶۹۴/۵ روپے ہوا۔ سال بہ سال تعداد بھی بڑھتی گئی اور چندہ کی رقم بھی۔ اس انجمن کو اللہ تعالےٰ نے وہ برکت اور کامیابی عطا فرمائی جسے اگر بے مثال کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے پیچھے تین طاقتیں کام کر رہی تھیں تقویٰ۔ جذبۂ قربانی اور حضرت صاحب کے مشن سے عشق۔

اس مختصر وقت میں میں آپ کو اس کامیابی کی چند جھلکیاں ہی دکھا سکتا ہوں تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔

ووکنگ مشن کا ذکر میں کر ہی آیا ہوں۔ یہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آیا۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت خواجہ کمال الدینؒ کی واپسی پر حضرت مولٰنا صدرالدین صاحب وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً دو سال تک وہاں قیام کیا۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی ترجمۃ القرآن طبع ہوا اور اسی سال بیان القرآن کا اُردو ترجمہ اور تفسیر شروع ہوئی جو ۱۹۲۳ء میں مکمل ہوئی۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مکہ اور مدینہ میں اس سے درس دیئے جاتے رہے۔ اور آج بھی درس دینے والے مخالف علماء اس کے سرورق کو علیحدہ کر کے اس سے درس دیتے ہیں۔ انگریزی، اردو، فارسی یا عربی میں کوئی ایسی تفسیر شائع نہیں ہوئی جس میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے بیان کردہ معانی اور تفسیری نوٹوں کا حوالہ نہ ہو۔ انجمن نے مختلف زبانوں میں اس کے تراجم شروع کئے ہوئے ہیں۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۷ء کے عرصہ کے دوران میں فضل الباری اور ریلیجن آف اسلام تصنیف ہوئیں۔ ریلیجن آف اسلام کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ بہت سی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے۔

برلن کی خوبصورت مسجد جو برلن کے ماتھے کا جھومر ہے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس مسجد کے میناروں کے لئے جب حضرت امیر مرحوم نے اپیل کی تو ہماری جماعت کی خواتین نے اپنے زیور اتار کر آپ کے قدموں میں ڈال دیئے۔ اور اس طرح مسجد کی زیب و زینت کا سامان فراہم کیا۔ انگلستان اور جرمنی میں لارڈ ہیڈلے اور بیرن عمر ہماری کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ اور یہاں تشریف لائے۔

انڈونیشیا۔ جاوا۔ فیجی۔ ہالینڈ۔ امریکہ میں مشن ہم نے قائم کئے۔ بغداد۔ برما۔ آسام۔ بمبئی (جنوبی ہند) میں ہمارے مشن جاری ہوئے۔ برٹش گیانا۔ ڈچ گیانا۔ سرینام ٹرنی ڈاڈ۔ میں ہم پہنچے۔ ایک عالمی ادارہ کی استدعا پر "زندہ نبی کی زندہ تعلیم" نامی کتاب ہمارے حضرت امیر مرحوم کے ہاتھوں تصنیف ہوئی۔

فیجی میں آریوں نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کیا تو ہمارے مرزا مظفر بیگ ساطع وہاں پہنچے۔ یہاں راجپندر نے للکارا تو ہمارے مولانا عبدالحق ودیارتھی خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔ سکھوں نے آواز اٹھائی تو محمد یوسف گرنتھی مرحوم نے جواب دیا۔ شدھی کی تحریک کے سامنے بند ہم نے باندھا۔ اچھوت اقوام کو دعوتِ اسلام ہم نے دی۔ کسی سمت سے بھی اسلام پر حملہ ہوا تو اپنا سینہ ہم نے پیش کیا اور ایسے آڑے وقت میں مسلمان علماء منہ چھپائے پھرتے تھے۔ ان حقائق و واقعات پر جھوٹ اور افتراء کا گرد و غبار زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہماری ان حقیر خدمات کا وسیع القلبی سے اعتراف کیا جاتا لیکن جن گردنوں کو ہمارے احسان سے جھک جانا چاہیئے تھا وہ بغض و عناد کی بدولت ہمارے سامنے تن گئیں اور یہاں تک اکڑیں کہ ایک خادمِ اسلام و قرآن جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر چھوڑا۔ حالانکہ ہمارے پاس دستاویزی شہادتیں موجود ہیں کہ قائد اعظم نے ہمیں بحیثیت مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی اجازت دی۔ تحریک پاکستان میں ہر احمدی مرد اور خاتون اور ہر بوڑھے۔ جوان اور بچے نے دامے۔ درمے۔ قدمے اور سخنے حصہ لیا۔ صوبہ سرحد کے استصواب رائے میں وہاں کے احمدیوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ مہاجرین فنڈ میں نہ صرف خطیر رقوم ادا کیں بلکہ ان کی خدمت کے لئے کیمپ قائم کئے اور والنٹیئر بھی دیئے اس وقت کے وزیر مہاجرین جناب میاں افتخار الدین صاحب مرحوم نے ہمارے حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور سے ذاتی طور پر یہ درخواست کی کہ انہیں نیک اور دیانت دار رضاکار دیں کیونکہ کیمپوں کی حالت بد دیانت کارکنوں کی وجہ سے بہت ناگفتہ بہ ہے۔ اگر دیانت و امانت کی کوئی مثال ملی تو انہی کافروں کے ہاں۔

یہ ہے میرا ماضی میرے عزیزو۔ ان واقعات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہمارا ماضی تابناک تھا یا نہیں آپ کا کام ہے۔ لیکن میرے لئے آج کے واقعات میں:

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

مکرم جناب شیخ عبدالحی صاحب کراچی۔

پیدائش مسیح ناصری بروئے انجیل مقدس

عیسائی صاحبان کے لئے لمحۂ فکریہ

(قسط سوئم)

(ب) آگے چلئے۔ انجیل لوقا کے ذیل کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

"اس وقت بعض فریسیوں نے اس (یسوع مسیح) سے کہا۔ کہ نکل کر یہاں سے چل دے۔ کیونکہ ہیرودیس تجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ جا کر اس لومڑی (ہیرودیس بادشاہ وقت) سے کہہ دو کہ دیکھو میں آج کل (دونوں دن) بدروحوں اور شفا بخشنے کا کام انجام دیتا رہوں گا۔"

(لوقا باب ۱۳۔ آیات ۳۱ تا ۳۳)

کیا انجیل لوقا کے اس حوالہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بادشاہ ہیرودیس کا اتنا بھی ڈر نہیں جتنا لومڑی کا۔ بلکہ اس کو بزدل ثابت کرنے کے لئے اس کی تشبیہ لومڑی کے ساتھ دیتا ہے اور کہ حضرت مسیح کی جوانی کی عمر تک ہیرودیس کو زندہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں انجیل متی کا بیان خود بخود فرضی اور غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

(۳)۔ اب رہ جاتا ہے انجیل متی کا وہ بیان جو اس نے یسوع مسیح کی پیدائش کے متعلق دیا ہے۔ تو اس کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ جب انجیل متی کے بڑے حصہ کو اس کی پیدائش کے متعلق خود ساختہ فرضی جعلی ثابت کر دیا گیا ہے۔ تو اس کی چند سطریں۔ جو اس نے مسیح کی پیدائش کے متعلق لکھی ہیں کیونکر صحیح تسلیم کی جا سکتی ہیں؟ تاہم فرض کے طور پر ان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں ان کا جواب حسب ذیل ہے:۔

جناب مسیح علیہ السلام کی پیدائش کو مشتبہ بنانے کے لئے انجیل متی نے حضرت مریم کی شادی کو جو جناب یوسف کے ساتھ ہوئی اس کے لئے اس نے لفظ منگنی استعمال کیا ہے اور یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ شریعت موسوی میں ایسی کوئی اصطلاح نہیں کہ شادی کا نام منگنی رکھا جائے۔ چنانچہ انجیل متی نے اس کو تسلیم بھی کیا ہے کہ لفظ منگنی یہاں پر شادی کا مترادف ہے مثلاً بذریعہ الہام یوسف کو فرشتہ کے ذریعہ مطلع کر دیا جاتا ہے۔ کہ اپنی بیوی (یہاں منگیتر نہیں کہا) مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ یعنے اس میں پاکیزہ روح ہے۔ شریر لوگوں کے الزامات اور بہتان باطل ہیں۔ مریم پاک دامن ہے۔ اور انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو جو حاملہ ہو اس وقت تک اپنے گھر نہیں لا سکتا جب تک اس کو تسلی نہ ہو جائے کہ اس کی بیوی خود اس سے ہی حاملہ ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں میاں بیوی کے ایسے نازک تعلقات ہوتے ہیں جو بجز ان دونوں کے تیسرے کو معلوم نہیں ہو سکتے عیسائی بھائیوں کو سوچنا چاہیئے کہ انجیل نویس متی کے پاس وہ کونسا ذریعہ تھا۔ جس کی بناء پر اس نے یہ لکھ دیا۔ کہ ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے مریم حاملہ ہو گئی۔ اگر یہ کہا جاوے پھر حضرت مریم پر بعض بد باطن اور شریر لوگوں نے الزام کیوں لگایا۔ تو میں ایسے دوستوں سے پوچھوں گا۔ کیا شوہر والی عورتوں پر اس قسم کے الزام نہیں لگا کرتے؟۔ اور ہمیشہ کنواری لڑکیوں پر ہی ایسے

مکرم محمد عبدالحق صاحب مجاہد امرتسری۔ گنج مغلپورہ

انقلاب جو احمدیت نے دنیا میں پیدا کیا

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اِک جوش ہے + ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں پُوری اسلامی دُنیا کا ضعف و زوال اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔ روحانیت کی روشنی سینے سے اور اقتدار کی دولت ہاتھ سے نکل گئی نوعِ بشر کی سب سے برگزیدہ قوم خیر امۃ دنیا کی سب سے پست اور زبوں حال قوموں کی صف میں کھڑی کر دی گئی تھی مسلمان اپنی بد اعمالیوں کے باعث دنیا کی سیادت اور دین کی سعادت دونوں سے تہی دامن ہو چکے تھے اور غفلت کی ایسی تاریکی ان پر طاری تھی کہ احساسِ زیاں تک جاتا رہا تھا۔ ایسے وقت میں احیاء و تجدید دین کے لئے ایک زبردست شخصیت کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کی منجدھار میں پھنسی ہوئی کشتی کو کنارِ عافیت پر لے آئے اور ایک فاتح جرنیل کی طرح مخالفینِ اسلام کے حملوں کا دفاع کرے۔ اس زمانہ میں علماء۔ فضلاء۔ فقہاء کی کوئی کمی نہ تھی۔ مفتیانِ شرع متین بھی بکثرت موجود تھے اور مرشدانِ طریقت بھی کثرت سے موجود تھے۔ بڑے بڑے سجادہ نشین لوگوں سے عقیدت کے نذرانے وصول کر رہے تھے مگر اسلام پر جو چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے اس سے نپٹنے کے لئے کسی دل میں کوئی درد پیدا نہ ہوا تمام ہندوستان میں صرف ایک دل تھا جو ایک دور دراز کونے پر واقع ایک گاؤں میں ان حالات سے متاثر ہو کر تڑپ رہا تھا۔ وہی ایک قلب تھا جسے اسلام کے خلاف دشمن کا ہر حملہ زخمی کر رہا تھا اس زمانہ میں عیسائیت کا ایک سیلاب اُمنڈا چلا آ رہا تھا۔ کوئی مسلمان ان کے سامنے کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ دجالیت کا یہ فتنہ اتنا زبردست تھا کہ کوئی چھوٹی موٹی روحانی شخصیت اس سے مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:—

> "اس ختمِ دجالیت کے استیصال کے لئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی عام مجددین اور اربابِ ولایت اپنی پُوری روحانی طاقتوں سے بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے .... جب تک کہ اس کے ساتھ ختمِ نبوت کا پاور شامل نہ ہو تو پھر شکست دجالیت کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس دجالِ اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایک ایسا خاتم المجددین آئے جو خاتم النبیین کی غیر معمولی قوت کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو"

(کتاب تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام صفحہ ۲۲۹)

ان اوصاف کی حامل عظیم شخصیت کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدیم سنت کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی صورت میں دُنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ کی زبان سحر تھی اور قلم جادو اس نے اپنے مسیحی نفس سے بہتوں کو زندہ کیا۔ اس نے قرآن مجید کے معارف بیان کئے، احادیث نبویؐ کی تشریح کی۔ علم کلام۔ فقہ۔ تصوّف اور لغت کے نکتے روشن کئے۔ عشقِ الٰہی کے ان رموز کو کھولا اور تمام بنی نوع انسان سے محبت کے بڑے بڑے دلآویز پہلو منصۂ شہود پر لایا۔ اس نے براہینِ احمدیہ پیش کئے۔ سرمہ چشم آریہ تیار کیا۔ فتح اسلام کی خوشخبری دی۔ فیصلۂ آسمانی کی اطلاع دی۔ نشانِ آسمانی دکھایا۔ آئینۂ کمالاتِ اسلام سامنے رکھا۔ جنگِ مقدّس لڑی۔ شہادت القرآن پیش کی۔ نورالحق کو روشن کیا۔ انوار الاسلام کی چمک دکھائی۔ نورالقرآن سے تاریکیوں کو دُور کیا۔ ست بچن کے نام سے سکھوں کے سامنے قولِ صادق پیش کیا۔ اسلامی اصُول کی فلاسفی کو جلسہ مذاہب عالم میں غالب کر دکھلایا اور یہ بھی بتایا کہ مسیح ہندوستان میں بھی آئے تھے۔ کشتی نوح تیار کی پھر تریاق القلوب سے مُردہ دلوں کو زندگی بخشی اور آخر میں اس نے صلح کا پیغام دیا۔ اس کے یہ علمی جواہر ریزے بڑے دل آویز، خیال انگیز۔ بصیرت افروز۔ اخلاق پرور اور ژرف نگاہی سے معمور ہیں ان کتابوں کے بعض حصّے وہ بھی ہیں جو ذہنِ انسانی کا نتیجہ فکر نہیں اور انسان کی طاقت سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کی طاقت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور انسانی تکلف سے نہیں بلکہ رُوح القدس کی تعلیم سے لکھے گئے ہیں۔ آپ نے حالی و قالی دلائل سے بہانگ دہل اعلان کیا کہ آج زندہ خُدا کو پانے کی **راہ صرف زندہ اسلام ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ زندہ رسول اور قرآن مجید ہی وہ زندہ کتاب ہے جن کی پیروی اور فیضان کے وسیلے سے خدا کا وصال ہوتا ہے** اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ تھا جس سے معقول اور محقق لوگوں کی گردنیں آپ کے سامنے جُھک گئیں اور خدا کا چہرہ انہیں نظر آ گیا ایک طرف آپ نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی عظمت کو دنیا میں ظاہر کیا اور دوسری طرف وہ مذاہبِ باطلہ پر حملہ آور ہوا۔

وہ راتیں تو گریہ و زاری کرتے ہوئے گذارتا اور دن کو ہاتھ میں قلم لے کر ایسے زوردار اور ایسے مدلل مضامین کے ذریعہ سے ردّ لکھتا کہ دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ وہ اکیلا ہو کر خدا کی رفاقت سے سب پر غالب آ گیا آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے اسلام کے خادموں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جس نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا یہ وہ جماعت ہے جس کے دل میں اسلام کے دفاع اور اس کی اشاعت کی لگن ہے۔ وہ اپنا تن من۔ دھن اس راہ میں فدا کئے ہوئے ہے، تثلیث کی وادیوں میں ان کی وجہ سے اذان گونج رہی ہے۔ افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا ان کی تبلیغ کی زد میں ہیں۔ اس جماعت کے مبلغین مشرق و مغرب کو مسخر کرنے میں دن رات مصروف ہیں اور آکی مساعی محیّر العقول بھی ہیں اور برق رفتار بھی۔

جماعت احمدیہ کے مبلغین برِ اعظم افریقہ میں نکل گئے تو پادریوں کی فوج، مسیحیوں کی پوری طاقت جن کی پشت پناہی پر تھی، عظیم الشان سلطنتیں اور طاقتور قومیں جن کے ساتھ مصروف جد و جہد رہیں شکست خوردہ ہو کر پسپا ہوتی چلی گئیں۔ احمدیت کی اس روحانی طاقت نے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے پادریوں اور مفکرین سے یہ اعتراف کروا لیا کہ افریقہ کے مذہبی معرکہ کارزار میں اسلام فریق غالب کی حیثیت رکھتا ہے اور مسیحیت ہزیمت خوردہ ہو کر میدان چھوڑتی چلی جا رہی ہے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کے مبلغین دُنیا کے نہایت ترقی یافتہ ممالک یعنی برِ اعظم یورپ اور امریکہ کی ریاستوں میں اسلام کا علم لے کر داخل ہوتے تو وہاں کے عُلماء اور فلاسفروں نے ان کی آواز کو پہلے حیرانگی اور پھر دلچسپی سے سُنا اور بالآخر وہ اس کی صداقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

سرزمین انگلستان میں احمدیہ مشن تمام دُنیا کی نگاہوں کا مرکز بن رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی عظیم الشان مساجد اپنے بلند میناروں سے اَللّٰہُ اَکْبَر کی صدائیں بلند کر رہی ہیں۔ جرمنی کی سخت کوش، ذہین اور ذکی الحس قوم کو روحانیت کے جام پلا رہی ہیں برِ اعظم امریکہ میں احمدی مبلغین اپنی تقریروں اور تحریروں سے امریکنوں کے نکتہ ہائے نگاہ بدل رہے ہیں اور غیر مسلم دشمن بھی اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔ چنانچہ

مسٹر ایبٹ نے لکھا ہے :-

" جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے بارے میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کے شدید ترین مخالفوں نے انہیں بہ تمام و کمال قبول کر لیا ہے اپنے تبلیغی جوش اور عیسائیت کے خلاف پے در پے اور کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے گو یہ امر درست ہے کہ جمہور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد کے ذاتی دعاوی نے مقبولیت حاصل نہیں کی - تاہم اس تحریک نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں اور دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے اس کی تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر اس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک کی ہر دو شاخوں نے دوسرے مذاہب کے مقابل دینِ اسلام کی حفاظت و تبلیغ کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے پاک و ہند کے مسلمان سب سے زیادہ اس جماعت کے خلاف صف آراء ہیں۔"

(کتاب - اسلام اور پاکستان)

احمدیت نے دنیا میں غیر ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کر کے ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے اصول اسلام کے متعلق جماعت احمدیہ کی تحریریں قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں اس جماعت کے مبلغوں کی عالمگیر حرکت اس کی مطبوعات کی اشاعت اور مساجد کی تعمیر ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا -

اس جماعت کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے وجود اور اس کی سرگرمیوں نے مغربی مصنفین اور مدیرانِ جرائد کی ان شرمناک غلط بیانیوں کا کما حقہٗ سدِّ باب کیا ہے جو وہ آئے دن اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ نے کائناتِ عالم کی تاریخ میں اپنے لئے زرّیں ورق حاصل کر لیا ہے -یہ جماعت اپنے تبلیغی کارناموں میں شب و روز مصروف ہے اور بفضل الٰہی وہ وقت قریب ہے جب مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری دُور ہو جائیگا مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے مادہ پرست مغرب اسلام کی دہلیز پہ سجدہ ریز ہوگا -

رُوداد جلسہ سالانہ منعقدہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۶ء بقیہ ص ۶

آپ نے بتایا کہ جماعت کی زندگی کی اساس باہمی محبّت و اتحاد ہے -آپ نے زور دیا کہ ایک ہو اور نیک ہو -متحد ہو جاؤ غریبی اور امیری کوئی چیز نہیں رزق کے فرق سے انسان ہونے میں فرق نہیں آتا، اس لئے چھوٹوں اور بڑوں کی تفریق ختم کر کے متحد اور ایک ہو جاؤ-

بعد ازاں ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم - قوا انفسکم و اهلیکم ناراً ○ تلاوت کی اور فرمایا کہ جو خود اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا اور دوسروں کے لئے اصلاح پیش نہیں کر سکتا - اس لئے اپنی طرف نگاہ رکھو اور اپنی اصلاح کرو -آپ نے بتایا کہ تقویٰ شعار چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر جو متقی نہ ہو اللہ کے حکم سے غالب آتی ہے - اس لئے تقویٰ اختیار کرو-

اس کے بعد جناب میرزا مسعود بیگ صاحب کی جگہ (جو بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے) جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے آیاتِ قرآنی یا ایها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون - تلاوت کر کے فرمایا - حضرت قائد اعظمؒ ہمارے بڑے محسن ہیں -آج ان کا یوم پیدائش ہے -یہ قائد اعظم کا سال ہے -

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا واعتصموا بحبل الله جمیعا - خدا کی رسّی کو تھامے رہو اور تفرقہ نہ کرو- لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اختلاف ہو گیا اور مسلمانوں کو تکالیف اُٹھانا پڑیں - انگریزوں نے مسلمانوں کی قوت توڑنے کے لئے ان میں اختلافات کو ہوا دی اور انگریز کے منصوبہ کے خلاف جن دو ہستیوں نے جہاد کیا وہ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ ہیں - مولانا محمد علی مرحوم نے قوم کو اس کلمہ کی بنیاد پر کھڑا کیا -

تحریکِ پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ بہت سے لوگوں نے پاکستان بننے کی مخالفت کی جو آج اپنے آپ کو قوم کے بہی خواہ ظاہر کر رہے ہیں - انہوں نے محمد علی جناحؒ کی مخالفت کی - لیکن قائد اعظم بلند ارادہ - بلند حوصلہ کے مالک تھے - ان کو خریدا نہیں جا سکتا تھا - اس لئے وہ مسلمانوں کو ایک نصب العین پر اکٹھا کرنے پر کامیاب ہو گئے -

حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ایجنڈا میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی قرارداد کو شامل کرنے کی اجازت نہ دی تھی کیونکہ اس میں احمدیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی - حضرت قائدِ اعظم "لائٹ" کے قاری تھے - پروفیسر صاحب نے قائد اعظم کے اصولوں کو زندہ کرنے پر زور دیا جو وحدتِ قومی کے آئینہ دار ہیں -سب سے پہلے ہر کلمہ گو کو مسلمان ماننا ہوگا تب ہی ہم قائد اعظم کے اصولوں کو زندہ کر سکتے ہیں - ص ۴

(بقیہ مقالہ از ص ۴)

میں رکھے - آمین -

وہ کیوں آئے اور کیوں گئے - ہم آپ کو حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ لاہور کے دعائیہ الفاظ میں بتائے دیتے ہیں۔

" اے خدا کفر اور ضلالت کی فوجیں بہت زور سے حملہ آور ہو رہی ہیں - تیری طاقت پہلے بھی کمزور انسانوں کے ذریعے ظاہر ہوتی رہی ہے - آج اس چھوٹی سی جماعت کے ذریعے اسے ظاہر فرما - ہم کمزور - گنہگار اور عاجز ہیں - مگر دل میں یہ تڑپ ہے کہ اسلام کُفر پر غالب آئے - تو ہماری خطاؤں کو معاف فرما - ہماری حفاظت فرما - ہمیں ٹھوکروں سے بچا - تو ہمارا مددگار بن اور اسلام کی کمزور جماعت کو کُفر کی بے پناہ طاقتوں پر غالب فرما - اے خُدا تو قرآن کو دنیا میں غالب فرما - محمّد رسول اللہ کو غالب فرما - اسلام کو غالب فرما اور کفر اور ضلالت کی فوجوں کو مٹا دے" آمین -

یہ ہیں ہم وہ "غیر مسلم اقلیت" جو اس مقصد کے لئے یہاں جمع ہوئے اور ہر سال جمع ہوتے ہیں - خدا ہمارے ساتھ ہو تو دُنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی - اللّٰهم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیه وسلّم وجعلنا منهم - آمین -

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا - (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۶ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۷۷ء | نمبر ۴

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضا۔

کفار کے مطالبہ کہ آسمان پر چڑھ جائیں کا جواب جب آنحضرتؐ نے سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا دیا تو حضرت عیسےٰ آسمان پر کیسے جا سکتے ہیں؟

جو محبت مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہیئے تھی وہ نہیں رہی۔ ہزاروں رسالے اور اخبار نکالتے ہیں لیکن کسی نے آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا رسالہ نہ نکالا۔ پس اب خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ آپؐ کی عزت کو دنیا میں قائم کرے۔ کئی کروڑ کتب اسلام کے رد میں لکھی گئیں۔ کیا اب بھی خدا کو لازم نہ تھا کہ کوئی ذریعہ قائم کرکے آپ کی عزت کو ظاہر کرے۔

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی مانتے ہیں اور سب سے اشرف جانتے ہیں اور ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ کوئی عمدہ بات کسی اور کی طرف منسوب کی جاوے جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی معجزہ طلب کیا کہ آسمان پر چڑھ کر دکھائیں تو آپ نے فرمایا سبحان ربی اور انکار کر دیا۔ دوسری طرف حضرت مسیح کو خدا آسمان پر لے جاوے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہم قرآن سے کیا بلکہ کل کتابوں سے دکھا سکتے ہیں کہ جس قدر اخلاق اور خوبیاں کل انبیاء میں تھیں وہ سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھیں۔ کان فضل اللہ علیک عظیما اسی کی طرف اشارہ ہے۔

پس اگر آسمان پر جانا کوئی فضیلت ہو سکتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کب باہر رہ سکتے تھے۔ آخر یہ لوگ پچھتاویں گے کہ ان باتوں کو ہم نے کیوں نہ مانا۔ یہ لوگ ایک وار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کرتے ہیں کہ ایک معجزہ آسمان پر جانے کا لوگوں نے مانگا مگر خدا تعالےٰ نے آپ کی پروا نہ کی اور عیسےٰ کو یہ عزت دی کہ اسے آسمان پر اُٹھا لیا اور دوسرا حملہ خود خدا تعالیٰ پر کرتے ہیں کہ اس نے اپنی قوت خلق سے مسیح کو بھی کچھ دے دی جس سے تشابہ الخلق ہو گیا۔ جواب دیتے ہیں کہ خدا نے خود مسیح کو یہ قدرت دی تھی۔ اے نادانو! اگر خدائی نے تقسیم ہونا تھا تو کیا اس کے حصہ گیر عیسےٰ ہی رہ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حصہ نہ ملا۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ تا ۸۔ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۴ء)

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند + مگر مدفون یثرب را نداند ایں فضیلت را

ہمہ عیسائیاں را از مقال خود مدد دادند + دلیری ہا پدید آمد پرستاران میت را

بلقائی بسر کردند عمر خود بلا حاصل + دمے از بہر معنی ہا نہ یابند فرصت را

نظر بازان علم ظاہر اندر علم خود نازند + ز دست خود نگندہ معنی و مغز و حقیقت را

(حضرت مسیح موعودؑ)

اشاعتِ اسلام اور ترویج علومِ فرقانیہ کی فتح کا خدائی معجزہ

(جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینٰہ للناس فی الکتٰب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللٰعنون۔ الا الذین تابوا و اصلحوا وبینوا فاولٰئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم۔

(سورۃ البقرۃ۔ ۱۵۹)

ترجمہ: جو کچھ ہم نے بینات اور ہدایت نازل کی ہیں جو لوگ ان کا کتمان کرتے ہیں حالانکہ ہم نے تو ان تمام کو اس کتابِ پاک میں واضح کر دیا ہے ان پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ بجز ان کے جو توبہ کرکے اپنی اصلاح کریں اور وضاحت سے بیان کر دیں۔ ان پر میں ضرور رجوع برحمت ہوں گا اور میں یقیناً رجوع برحمت کرنیوالا ہوں۔

فریضہ اشاعت اسلام ایک ایسا اہم و عالی فریضہ مسلمانوں پر عائد کیا گیا ہے جس کی نہ تو اہمیت سے کسی کو انکار ہے اور نہ ہی اس کی افادیت سے۔ کتمانِ حق کے بارہ میں جس قدر سخت وعید قرآن کریم میں آئی ہے اس سے بڑھ کر وعید شاید ہی کسی اور کوتاہی و غفلت کے متعلق آیا ہو قرنِ اولیٰ عظیم فتوحاتِ اسلام کا اولین باعث تبیانِ حق ہوا تھا۔ دعوت الی الاسلام کا مفہوم صرف اسی قدر نہیں کہ زبان یا قلم سے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کیا جائے بلکہ حقیقی مفہوم یہ ہے کہ پہلے ان تعلیمات کا عملی نمونہ اخلاقی صفات کے رنگ میں ایک جماعت کی زندگی میں موجود ہو اور پھر ان کو زمانہ کی ضرورت و علم کی روشنی کے مطابق دنیا کے سامنے پیش بھی کیا جائے۔ یہ سراسر غلط نظریہ ہے کہ تعلیم اسلام اپنے غلبہ کے لئے کسی حکومت یا اقتدار کی مرہونِ منت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اسلام دشمن جماعتوں نے یہ غلط خیال پھیلا دیا ہے مگر سادہ لوح مسلمانوں نے بھی اسے قبول کر لیا۔ جیسا کہ آج تک یہ غلط خیال دلوں سے نکلنے میں نہیں آتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی پہلی نشاۃ میں بھی اس دین کی قبولیت علماء و فقراء اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنے اور خدمتِ خلق کے باعث ہوا تھا، وگرنہ اسلامی حکومتیں اپنے مفتوحین پر اگر اپنا دین ٹھونسنے کی روادار ہوتیں تو آج کہیں بھی غیر مسلموں کا وجود نظر نہ آتا لیکن حقائق یہ ہیں کہ خود اس برِ صغیر میں مسلمانوں کی صدیوں حکومت کے باوجود یہاں کی اکثریت غیر مسلم کیسے رہ سکتی تھی۔ طاقت و اقتدار اور جبر و استبداد کے ذریعہ دینِ حق کو تسلیم کرانا نہ تو تاریخی حقیقت کے مطابق ہے اور نہ ہی قرآن نے ایسی تعلیم کہیں دی ہے بلکہ ایسا عقیدہ سراسر مخالف جُہلا کا ہے جو بدقسمتی سے بعض ناواقف مسلمانوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔

اس زمانہ میں تقاضوں کی تبدیلی، مادی علوم اور مادی تہذیب کی چمک دمک سے مرعوبیت نیز بعض مسلمانوں کے غلط عقیدہ کہ حکومت طاقت کے بغیر تبلیغ حق کامیاب نہیں، کے باعث تبلیغِ اشاعت کا فریضہ مسلمانوں کی زندگیوں سے بکلی ختم ہو چکا تھا بلکہ اس کے برعکس اذہان پر مغربی سائنس سے ایسی مرعوبیت چھا چکی تھی کہ اکثر تعلیم یافتہ مسلمان نہ صرف اپنے دین سے مایوس ہو چکے تھے، بلکہ اسے ماضی کا ختم شدہ قصہ سمجھ بیٹھے تھے۔ غیر تعلیم یافتہ طبقہ کو نہ موجودہ زمانہ کے تقاضوں کا علم تھا اور نہ ہی وہ تبلیغِ حق کے قائل تھے کیونکہ ان کے نزدیک اب مسیح کے نزول اور مہدی کی تلوار کے سوا اور راہ مخلصی کی باقی نہ رہ گئی تھی

اس لئے ان کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس میں کیا شبہ ہے جب ضلالت اپنی انتہاء کو پہنچ جائے۔ جب ظلمت ایسی گھٹا ٹوپ ہو کہ کچھ دکھلائی نہ دے۔ جب انسانی علم و سعی ہیچ و ناکام نظر آنے لگے وہاں آسمانی ذرائع کی طرف نگاہ اٹھنا لازم ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ چودھویں صدی کی ابتداء میں علماء و عوام اس امر پر متفق ہو چکے اور اس کا اظہار برملا مساجد سے کیا کرتے تھے کہ یہی وہ آخری زمانہ ہے جس کی بابت خدا کے رسولؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی، قربِ قیامت کی تمام علامات ظاہر ہو چکی ہیں، اب حضرت عیسٰیؑ کے آسمان سے اترنے کا وقت آ گیا ہے اب اس کا نزول ہونے ہی والا ہے۔ لیکن یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اب پندرھویں صدی آنے کو ہے۔ نہ حضرت عیسٰیؑ آسمان سے نازل ہوئے اور نہ ہی وہ انتظار باقی رہا۔ کیا اس شدید انتظار کا ختم ہو جانا اور اس پکار و طلب کا کہیں نہ پایا جانا اس کا قطعی ثبوت تو نہیں کہ واقعی وہ موعود مسیح آ ہی گیا ہے؟ جن اصحاب کا یہ ایمان ہے کہ رسولِ خدا کی صداقت لاریب ہے ان کے نزدیک یہ سوچنے کی بات ہے کہ آپؐ کی تمام پیشگوئیوں علامات قربِ قیامت۔ خروجِ دجال اور نزولِ مسیح کی کیا تاویل ممکن ہے۔ جبکہ احادیث کا اکثر حصہ آخری زمانہ کی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے تو ایک ایماندار مسلمان یہ موقف تو اختیار نہیں کر سکتا کہ وہ تمام اخبار کذب و افتراء ہیں جو آنحضرت صلعم کی جانب منسوب کر دی گئی ہیں۔ ایسا تسلیم کرنے سے تو آنحضور صلعم کی جملہ احادیث پر سے ہی ایمان اٹھ جانے کا خطرہ ہے۔

کیا واقعی یہی وہ زمانہ خروجِ دجال ہے جس میں قربِ قیامت کی تمام علامات ظاہر ہیں اور نزولِ مسیح واقعی ہو چکا؟ ایک اور امر سے بھی ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس انسان نے مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اسی نے قوم کو فریضہ اشاعت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، مزید یہ کہ اس عالی فریضہ کی ادائیگی کا قلوب میں یقین پیدا کیا۔ اس کی حتمی کامیابی کے جملہ ذرائع و ہتھیار عطا کئے۔ یہاں تک کہ جن اصحاب نے اس انسان کو منجانب اللہ صادق یقین کرکے آپ کے فرمودہ کے مطابق اشاعت و تبلیغ کے فریضہ کا حق ادا کیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی مساعی کو اپنی جانب سے قبولیت کا شرف عطا کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے قبل کے حالاتِ زمانہ پر نظر دوڑاؤ۔ کیسی مایوسی و تاریکی چھائی تھی۔ اصولِ اسلام کی اشاعت تو درکنار، تعلیم یافتہ مسلمان تو خود اسلام کو ہی قصۂ ماضی یقینی کر بیٹھے تھے۔ ترویج علومِ قرآن کا تو ذکر ہی کیا وہ تو مادی علوم اور مادی تہذیب کو کالوحی من السماء سمجھ کر علوم فرقانیہ کی ضرورت سے ہی منکر ہو بیٹھے تھے۔ لیکن اس چودھویں صدی میں یہ انقلاب ہماری آنکھوں کے سامنے آیا کہ ایک جماعت نے جب ۱۹۱۲ء میں انگلستان میں پہلا اسلامی مشن قائم کیا اور پہلا انگریزی ترجمۃ القرآن ۱۹۱۷ء میں شائع کیا تو آج ان اقدامات کی قبولیت مسلّم ہو چکی ہے۔ ہر مغربی ملک میں تبلیغ اسلام کے لئے سازگار فضاء قائم ہو چکی ہے۔ اکثر ممالک میں مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ انگریزی زبان میں درجنوں قرآن کے تراجم کے علاوہ دیگر مغربی زبانوں ڈچ، جرمنی، ہسپانوی وغیرہ میں قرآن کریم کے تراجم ہو چکے ہیں۔

مغربی اور افریقی دنیا میں قبولیت اسلام کے بند دروازے کھل چکے ہیں۔ عیسائیت کے اصولوں کو کوئی قبول کرنے کو تیار نہیں اور اس

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۷۷ء

حقائق سے افسوسناک چشم پوشی

—— (مدیر) ——

جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلہ کے بعد ہر محراب و منبر سے یہ مطالبات تو ہوتے ہی رہتے ہیں کہ احمدیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے ۔ انہیں شعائرِ اسلامی بجا لانے سے روکا جائے اور ان کے لٹریچر کا صفایا کیا جائے لیکن اب ان کی ۹۷ سالہ تاریخ کو بھی مٹانے کی مہم شروع ہو گئی ہے اور حقائق کو اس طرح مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے جس سے اس احساس کو تقویت ملتی ہے کہ دشمنی اور عناد کے سامنے دیانت و امانت کی اقدار خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں اور ایسے دیکھنے والا انسان ضمیر کی کوئی چبھن محسوس نہیں کرتا ۔ اپنے سروں پر علم و فضیلت کی دستار رکھنے والے دانشور بھی عوام کے خوف سے حقیقت کو تسلیم کرنے سے اس لئے احتراز کرتے ہیں کہ ان کی شہرت اور نیک نامی پر کوئی دھبہ نہ پڑ جائے ۔ انہیں شاید اس نکتہ کی معرفت حاصل نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اور اس کے اوراق اُلٹتے پلٹتے رہتے ہیں اور گاہے گاہے دیکھنے والے کی نظر کے سامنے وہ اوراق بھی آ جاتے ہیں جو کسی قوم یا تحریک کے کارناموں پر چشمِ بصیرت کو وا کرنے والی روشنی ڈالتے اور ان میں درج واقعات سے چشم پوشی کرنے والے کی تنگ نظری پر ماتم کناں ہوتے ہیں ۔ سورج کو دُبلی پتلی انگلی کے پیچھے چھپانے کی کوشش رائیگاں اور لاحاصل ہوتی ہے ۔

۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جماعتِ احمدیہ اور اس کی مخالف جماعتوں کے لٹریچر میں یہ ذکر موجود ہے کہ اس کے بانی اور آپ کے بعد اس کے مبلغین نے دشمن اسلام قوتوں کو جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور اسلام پر بڑے بڑے شدید اور ناقابلِ برداشت حملے کئے مذہبی میدان میں ان کی اپنی تعلیم کی روشنی میں ایسی شکست فاش دی کہ وہ میدان چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ پلٹ کر دیکھنے کی فرصت بھی نہ ہوئی اور اپنے مبلغین کو یہ خفیہ ہدایات دیں کہ احمدی مبلغین سے آئندہ مناظرہ نہیں کرنا ۔ ان طاقتوں کے خلاف یہ مدافعت حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان کی طرف سے ۱۸۶۴ء سے شروع ہوئی جبکہ انہوں نے مختلف اخبارات میں اسلام کی صداقت اور مخالف قوتوں کے باطل مذہبی نظریات پر پے در پے مضامین لکھنے شروع کئے ۔ اس وقت آپ کی عمر بھی کوئی سترہ اٹھارہ برس کی تھی اور نہ ہی اس وقت تک آپ کو بطور مجدد مبعوث کیا گیا تھا اس وقت ہمارے سامنے آپ کی تین مشہور پُرانی تحریریں ہیں جن میں آپ نے ابطال تناسخ اور مقابلہ وید و قرآن بڑے ٹھوس اور ناقابلِ شکست دلائل کے ذریعے قرآن اور اسلام کی برتری ثابت کی ہے اور متعدد فضلاء آریہ سماج کو جن میں پنڈت کھڑک سنگھ ۔ سوامی دیا نند ۔ باوا نرائن سنگھ منشی جیونداس ۔ منشی کنہیا لال منشی بختاور سنگھ ۔ بابو ساردا پرشاد منشی شرمپت اور منشی اندرمن شامل ہیں بوعدہ پانسو روپیہ انعام مقابلہ پر بلایا ہے کہ وہ ان کا جواب لکھیں ۔ لیکن بے سُود ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد سب خاموش ہو کر بیٹھ گئے مگر اعتراضات کا سلسلہ پھر بھی جاری رہا ۔

آپ نے آریہ علماء کو مختلف موضوعات پر مناظرہ کے لئے مقابل پر بُلایا اور جس نے بھی جرأت کی مُنہ کی کھائی ۔ اتمامِ حجت کے طور پر آپ نے سرمہ چشم آریہ لکھی ۔ پشاور کے آریہ لیکھرام نے خود ہی اسلام اور آریہ مذہب کے جھوٹا یا سچا ہونے کا نشان مانگا ۔ "تیغ بُرّان محمدؐ" نے اس کا کام تمام کر کے اسلام کی صداقت اور آریہ مت کے بطلان پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی جماعت نے غلبۂ اسلام کے لئے آپ کا مشن بڑی مستعدی اور وفا سے جاری رکھا اور اسلام کو غالب دکھا کے چھوڑا ۔ اس کا اعتراف آریوں نے بھی کیا ہے اور مسلمانوں نے بھی ۔

مولانا آزاد صاحب نے لکھا :——

" آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحبؒ نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے "

برہمو سماجی لیڈر دیو تند ناتھ سہائے لکھتے ہیں :—

" مرزا غلام احمد قادیانی نے .... ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو مناظرے کے لیے چیلنج کیا افسوس ہے کہ برہمو سماج کے کسی وِدوان نے اس چیلنج کی طرف توجہ نہیں کی جس کا اثر یہ ہُوا کہ وہ مُسلمان جو برہمو سماج کی تعلیم سے متاثر تھے نہ صِرف پیچھے ہٹ گئے بلکہ باقاعدہ برہمو سماج میں داخل ہونے والے مسلمان بھی آہستہ آہستہ چھوڑ گئے ۔" (رسالہ کومدی کلکتہ ۔ اگست ۱۹۲۰ء)

بندے ماترم لاہور لکھتا ہے :—

" احمدی لوگ تمام دُنیا کے مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ ٹھوس اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والے ہیں اور ان کی تبلیغی جد و جہد اس وقت ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے ۔"

(اخبار بندے ماترم لاہور ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

لیکن آج

میاں عبدالقادر صاحب " نوائے وقت " ۔ ۱۳ جنوری ۱۹۷۷ء میں شدھی اور سنگھٹن کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

" اس تحریک کا سدِّ باب کرنے کے لئے جن مسلمانوں نے نمایاں خدمات انجام دیں ان میں سرکردہ اصحاب یہ تھے :——

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۲) مولانا عبدالماجد بدایونی (۳) مولانا سید آزاد گل (۴) ابوالوفا مولانا ثناءاللہ امرتسری اور (۵) راجپوتوں کے بزرگ مولانا رحیم بخش تھے ۔"

لیکن حق و انصاف سے چشم پوشی کرتے ہوئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نامور ویدوں کے عالم فاضل اور سنسکرت زبان میں ہندوؤں سے بھی بڑھ کر دسترس رکھنے والے مبلغین اسلام کا جن میں مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی ۔ مولوی عصمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی فیروزالدین صاحب سر فہرست ہیں اور جن کی خدمات کے مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی احمد سعید صاحب مرحوم خود معترف ہیں ذکر تک نہیں کرتے ۔ شاید اس لئے کہ اب وہ ان کی نظر میں "غیر مسلم" ہیں ۔ مگر اس زمانے میں تو وہ مسلمان تھے اور مسلمان ان کو ان کے کارناموں کی بدولت سروں پر اُٹھاتے تھے ۔ میاں عبدالقادر صاحب یہ بھی اپنے ہی دوستوں کی زبانی سُن لیں :——

" احمدیہ جماعتوں میں ہزار عیب سہی ۔ وہ مذہب کے رُو سے سنگساری کے لائق سہی لیکن جو تڑپ اور اولوالعزمی اور مذہبی جوش اور سرگرمی ان کے اندر موجود ہے اس کا عشرِ عشیر بھی ہم تکفیر بازوں میں نہیں ۔ امریکہ ۔ افریقہ اور یورپ کے ممالک میں اگر کوئی مسلمان تبلیغ کے لئے جاتا ہے تو بھی احمدی اگر جرمنی یا لنڈن میں کوئی مسجد تعمیر کرتا ہے تو بھی مرتد لوگ

اگر فتنہ ارتداد (شدھی) کے لئے مبلغوں کے باقاعدہ بھیجنے کا انتظام سب سے پہلے کوئی کرتا ہے تو یہی جماعت" (اخبار کشمیری ۲۸ نومبر ۱۹۲۴ء)

اخبار تہذیبِ نسواں رقمطراز ہے:-

"ہم نے سُنا ہے کہ میدانِ ارتداد میں ہر فرقہ اسلام نے تبلیغ کے لئے اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ مناسب جانا کہ ہم جس گروہ کے مبلغین کو سب سے زیادہ کامیاب دیکھیں ان میں سے ایک اپنے لئے منتخب کر لوں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں کو ہوئی ہے۔ اسی لئے ہم نے چاہا کہ اگر تہذیبی بہنوں کو اعتراض نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمے لے لیں" (۲ مئی ۱۹۲۵ء)

اخبار اہلسنت رقمطراز ہے:-

"جب فتنۂ ارتداد کی ابتداء تھی تو بہت سی انجمنیں وہاں کام کرنے کے لئے پہنچ گئی تھیں۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ انجمنیں چلتی پھرتی نظر آنے لگیں۔ باوجودیکہ ان کے مقابل میں قادیانی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں" (اخبار اہلسنت ۸ جون ۱۹۲۵ء)

ہم نے اختصار کی خاطر انہی تین چار اقتباسات پر اکتفا کیا ہے ورنہ یہ تو مشتے از خروارے ہیں۔ میاں عبدالقادر صاحب اور ان کے ہمنوا کب تک حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوششوں میں کامیاب ہوں گے۔ انہیں بڑی فراخ دلی سے کم از کم اتنا تو تسلیم کر لینا چاہیئے تھا کہ فتنۂ ارتداد کو روکنے کے لئے غیر مسلموں نے بھی کوشش کی۔ اگر انہیں مذکورہ بالا علماء کی کامیابیوں پر اتنا ہی فخر ہے تو کسی ایک مناظرے کا ذکر کر دیں جس میں ان سارے یا کسی ایک عالم کو آریوں کے مقابلے میں کامیابی نصیب ہوئی ہو۔ عجیب بات یہ ہے وہ خود ہی ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"ایک وفد میں مولانا مفتی کفایت اللہ بھی شامل تھے۔ ہر چند اسی سلسلہ میں انہیں بہت مشکلیں پیش آئیں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔"

تو کامیابی کس کے حصے میں آئی۔

ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ آریہ سماج نے ۱۹۲۳ء میں شدھی کا آغاز یو۔پی میں ملکانہ راجپوتوں کے علاقے سے کیا تھا، کیونکہ وہاں کے مسلمان پسماندہ اور اپنے مذہب سے بالکل ناواقف تھے اور انہیں مرتد کرنا آریوں کو آسان دکھائی دیتا تھا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اس یلغار کو روکنے کے لئے اپنے مبلغین کے دو تین وفد تیار کئے اور آگرہ کے علاقہ سانڈھن ضلع علی گڑھ میں پرسارہ اور تحصیل مول میں جہاں آریے مصروفِ کار تھے بھیجے۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی، مولوی عصمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی فیروزالدین صاحب نے نمایاں کام کیا۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے دہلی، سکندر آباد اور دیگر مقامات پر منعقد ہونے والے مناظروں میں آریہ پنڈتوں کو شکست فاش دی۔ انہیں ایسی منہ کی کھانی پڑی کہ پھر میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کامیابیوں کو دیکھ کر جمعیت العلماء کے صدر مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی احمد سعید صاحب نے انجمن سے مولانا عبدالحق صاحب کی خدمات مستعار لینے کی درخواست کی لیکن حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ مرحوم امیر جماعت احمدیہ لاہور نے یہ کہکر معذوری کا اظہار فرمایا کہ عبدالحق ہمارے پاس بھی ایک ہی ہے۔ اگر دو ہوتے تو ہم ضرور ایک آپ کو دیدیتے۔ یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے شدھی کی تحریک اور فتنہ ارتداد کو ناکام بنا کر رکھ دیا۔ اور اسی ناانصافی سے اس کا سہرا ان لوگوں کے سر باندھا جا رہا ہے جن کے درمیان اس سلسلہ میں جوتوں میں دال بٹتی رہی۔ ہمارے مبلغین حضرات نے ہر ایک سے تعاون کرنے کی کوشش کی لیکن مولویوں کی جماعتوں نے ان کے راستے میں رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

یہ تحریک چندوں منتوں سماجتوں اور دین کا محض واسطہ دینے سے نہیں رک سکتی تھی اس کے لئے اپنے مذہب کی حقانیت پر یقین اور اعتماد پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ جو علماء خود قرآنی علوم سے تہیدست اور بے بہرہ تھے اور نہ ہی ویدوں کی تعلیم سے واقف تھے وہ اس یورش کو کیسے روک سکتے تھے؟ ہمیں کسی صلہ و ستائش کی تمنا نہیں مگر حق و انصاف کا دن دہاڑے خون بھی گوارا نہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ اپنی مسلمانی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے سچی شہادت کو چھپانے میں کتنی جسارت سے کام لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن و حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ اپنا نفس خوش رہنا چاہیئے اور بس۔

ہم اب بھی دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی میدان میں اسلام کی مدافعت اور غلبے کا سامان آپ لوگ احمدیہ لٹریچر سے خوشہ چینی کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ اسی لئے دوسروں کے سامنے اسے اپنا بنا کر پیش کرنے کی خاطر بار بار مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کا لٹریچر ضبط کر لیا جائے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ ہم نے یہ دلائل و براہین وہاں سے اڑائے ہیں۔ مگر

ع ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

ضروری گذارش

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ میرا مضمون "پیغام صلح میں" ۱۹۷۴ء کے بعد کیا کھویا اور کیا پایا" میں مالی فتوحات ۱۹۷۴ء کے بعد کیا ہوئی تھیں ان کا تذکرہ رہ گیا ہے، جو درج ذیل ہے:-

(۱) ۱۹۷۴ء کے اعلان کے بعد ایک ماہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے پانچ لاکھ روپے کا "احمدیہ ہاؤس" لندن میں عطا کیا حالانکہ ہم یہاں سے ایک پیسہ بھی نہیں بھیج سکتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جنوبی امریکہ سے سامان کر دیا۔

(۲) برلن مسجد جو ۱۹۴۲ء سے خستہ حال پڑی تھی اللہ تعالیٰ نے برلن گورنمنٹ سے تیرہ لاکھ کی اعانت سے عنایت فرمایا اور اس کی خاطر خواہ مرمت ہو سکی۔

(۳) ہالینڈ کی جماعت کو گورنمنٹ ہالینڈ نے دو ہال اور ایک کمرہ تبلیغی مساعی کے لئے دے دیئے۔

(۴) جماعت فجی کو ڈیڑھ لاکھ روپے کا مکان تبلیغی مساعی کیلئے حاصل ہو گیا ہے۔

(۵) جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب جب لندن سے امریکہ تشریف لے گئے تھے وہاں کے اصحاب جماعت نے چھ سو ڈالر دیئے جس سے وہ کرایہ ادا ہو جو سفر میں خرچ آیا تھا۔ (منجانب شیخ اللہ بخش [illegible])

کی منتشر جدو جہد پیچ اقوام اور غریب طبقہ کی مادی امداد تک محدود ہو چکی ہے۔ اشاعت اور فتح اسلام کے بارہ میں یہ عظیم انقلاب کیا ایک معجزہ نہیں جو اس زمانہ میں رُو نما ہوا ہے؟ اس میں تو کسی شخص کو بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اس انقلاب کے بانی حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی مسیح موعود ہی ہوئے ہیں جیسے کہ اس بارہ میں چوہدری افضل حق صدر احرار کی مشہور رائے ہے کہ اشاعت کے لئے مسلمانوں میں سے اور تو کوئی جماعت پیدا نہ ہوئی مگر ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا اور اپنے گرد مختصر سی جماعت بنا کر آگے بڑھا، اور اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ چھوڑ گیا۔

فتوحاتِ اسلام کا بند دروازہ بانیٔ سلسلہ نے کھولا نیز ایسی فتوحات کا کامیاب طریقِ کار یقین کی بناء پر بتلایا۔ چنانچہ اسی طریق کار سے واقعات میں انقلاب رونما ہو چکا ہے ؎

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پہ رات ہے

کیا اس میں کوئی شک وشبہ ہے کہ فتوحاتِ اسلامیہ کے بند دروازے کو مایوسی اور ناامیدی کے ایسے اندھیروں میں حتمی ایمان و یقین سے وا کر دکھلانا انسانی طاقت کے بس کی بات ہے؟ ایمانی امور پر حتمی یقین کا ذریعہ صرف آسمانی علم و وحی سے ہی ممکن ہے نہ کسی اور طرح۔ کیا یہ ایک دلیل ہی حضرت بانیٔ سلسلہ کے منجانب اللہ صادق ہونے پر کافی نہیں؟

یہ سب عظیم انقلاب تبلیغِ دین اور اشاعتِ علومِ قرآن سے انجام پایا اور پا رہا ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں اشاعتِ دین کی ابتداء حضرت بانیٔ سلسلہ مرزا غلام احمد صاحبؑ نے کی۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ وہی شخص تبلیغ اسلام کا آغاز کر سکتا تھا جسے خود اصولِ اسلام اور علومِ قرآن کا نہ صرف صحیح صحیح علم ہوتا بلکہ اس کے قلب و روح میں یہ حقیقت جاگزیں ہو چکی ہوتی کہ اس وقت دنیا کو ان کی حاجت لاحق ہے۔ نیز جسے یہ حق الیقین حاصل ہوتا کہ اس زمانہ عروج اسلام کا طریقِ کار پھر سے اسی مسلک پر منحصر ہے۔ غلبہ اسلام کا ایسا حتمی یقین اور اس کے غلبہ کے طریقِ کار کی کامیابی کا سچا جوش، انسانی کاوشوں اور کوششوں سے پیدا ہونا ناممکن ہے؟ جبکہ ہر جانب ظلمات ہی ظلمات اور ضلالت چھا رہی ہوں۔ جب ہر طرف شکوک و شبہات گھر کر چکے ہوں، جب تمام دنیا غیر مسلم و مسلم، اسلام اور قرآن کے غلبہ کی طرف سے مایوس و ناامید ہو چکے ہوں۔ جب چاروں طرف سے مخالفت کے طوفان گھر گھر کر اُمڈ آئے ہوں، ایسے تاریک مایوسی کے وقتوں میں انسانی علم و یقین کہاں روشنی دے سکتا ہے! کاش سوچنے والے سوچیں اور علم رکھنے والے اپنے علم و تجربہ کی بناء پر غور کریں!!

ایسے نامساعد اور سراسر انتہائی نامساعد حالات میں انسانی علم و فہم کہاں تک راہنمائی کر سکتا ہے!!!

یہ تو خدائی صفت کا خاصہ ہے اور اسی سے پائے ہوئے علم کی خصوصیت ہوا کرتی ہے کہ وہ تمام جہان کے مقابل ایک امر کا حق الیقین کسی قلب صافی میں پیدا کیا کرتا ہے۔ بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں فرمایا ہے:—

"اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام و اشاعتِ نورِ حضرت خیر الانامؐ اور تائید مسلمانوں کے لئے نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دین اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا وہ اس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی و بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا اور اپنے اس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے کلام پاک میں مؤکد طور پر بیان کر چکا تھا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسولؐ کی یہ صاف اور کھلی کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان و یقین کے بڑھانے کا وقت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اور اپنے رسولؐ کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا۔"

میرے ننھے کاشف الوداع

(از شیخ ناصر احمد صاحب۔ حال مقیم مانچسٹر)

کہتے ہیں کہ جس گھر میں بچے نہ ہوں وہ ایک ویران باغ کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن جس ہرے بھرے باغ کا ایک نہایت ہی شگفتہ اور لہلہاتا ہوا پھول موت کے بے رحم ہاتھ توڑ ڈالیں اس اُجڑے باغ کی داستان کسقدر دلخراش اور اندوہناک ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اور اس غم کی کوکھ تو اس باغبان کے دل میں ڈوب کر محسوس کریں جس نے چھ سال اس کونپل کی ممتا کی چھاؤں تلے پرورش کی۔ اس کی مسکراہٹوں پر باغ باغ ہو گئے اور اس کے ایک آنسو پر بے کل ہو گئے۔ اس چھ سال کی داستان کی ابتداء وزیرآباد سے شروع ہوتی ہے۔ شیخ ممتاز احمد صاحب کا نواسہ اور شیخ برکت اللہ صاحب مرحوم کا پوتا، کاشف نے اس دنیا میں قدم رکھا۔ لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اس بچے نے جوانی اور زندگی کی دوسری منزلیں صرف چھ سال میں طے کر لینی تھیں اور ۱۰ر جنوری کو ہم سب سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو جائے گا۔ خدا اس ننھی رُوح کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ننھا کاشف نہایت ہی پیارا بچہ تھا۔ بڑوں کا ادب کرتا اور اپنے ہم عمر بچوں سے مل جُل کر کھیلتا۔ نہایت صفائی پسند اور سلیقہ شعار تھا۔ غرضیکہ ننھے کاشف کی عادتیں بڑی پیاری اور باتیں نہایت بھولی تھیں۔ خدا اس شگفتہ پھول کو جنت میں بھی شگفتہ رکھے۔

جمعرات ۶ر جنوری کو گلے کے غدودوں کے اپریشن کے لئے اسے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ شام ½۶ بجے تک والدین بچے کے پاس رہ سکتے ہیں۔ ½۶ بجے کاشف کے ابا اور امی نے اس سے پیار کیا اور بستر میں لٹا دیا۔ وہ اُلٹا ہو کر آہستہ آہستہ رونے لگا۔ سب نے اسے سمجھایا بیٹے آپ تو بہادر ہیں بہادر بچے روتے نہیں۔ ہم انشاءاللہ کل شام کو ۵ بجے تمہیں آ کر ملیں گے۔ اسوقت تک آپ کا اپریشن ہو چکا ہوگا۔ کسے خبر تھی کہ ننھے کاشف سے پھر ملاقات نہ ہوگی۔ جمعہ یعنی ۷ر جنوری کو ۹ بجے اس کا اپریشن ہوا، ۱۰ بجے وارڈ میں اسے لے آئے۔ لیکن ۱۲ بجے اسکے ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اس کو دو دفعہ بے ہوشی کی دوائی سنگھائی گئی تاکہ اس کا خون بند کیا جائے۔ لیکن اس دوران ایک دفعہ اس کا دل چند منٹ کیلئے بند ہو گیا اور پھر دماغ پر اثر ہو گیا اس کے بعد سے بچہ ہوش میں نہ آیا۔ اس حالت میں دو دن اور گذر گئے۔ ۱۰ر کی شام کو ڈاکٹروں نے وہ خبر سنائی جس کا چند دنوں سے خدشہ تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہنستا کھیلتا بچہ قدم بھرتا ہوا موت کی آغوش میں چلا گیا۔ بچے کی میّت مانچسٹر سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور لے جائی جائے گی اور پھر وہاں سے وزیرآباد اپنے دادا شیخ برکت اللہ صاحب مرحوم اور پرنانا حضرت شیخ ممتاز احمد صاحب مرحوم کے قدموں میں

خلیل الرحمٰن مدیر اعزازی "پیغامِ صلح" کی طرف سے

مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی خدمت میں چند گذارشات

مکرمی مولوی محمد یوسف صاحب۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

آپ نے خادم مجلسِ تحفظ ختمِ نبوت کی حیثیت میں "قادیانیوں کو دعوتِ اسلام" کے نام سے ایک ٹریکٹ تحریر اور تقسیم فرمایا ہے۔ کسی کو دعوتِ اسلام دینا ہمارے خیال میں سب سے زیادہ مبارک اور قیمتی کام ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہ فرمایا ہے کہ:

"بات میں اس شخص سے بہتر کون ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں بدی کو اس طریق سے دُور کرو جو بہت اچھا ہے تو دیکھو گے کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا کہ وہ گرم جوش دوست ہے۔"

(٤١: ٣٣، ٣٤)

ایک دوسرے مقام پر بھی اللہ کی طرف بلانے کے طریقِ کار کی یوں وضاحت فرماتا ہے:۔

"اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلاؤ اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کرو جو نہایت عمدہ ہو۔ تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے گمراہ ہو اور وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے"

(١٦: ١٢٥)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن سے بڑھ کر داعی الی اللہ ہونے کا کوئی مدعی نہیں ہو سکتا مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"سو اللہ تعالےٰ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام سخت دل ہوتا تو تیرے ارد گرد سے بکھر جاتے پس ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے استغفار کرو"...... الخ

مَیں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ ہمیں دعوتِ اسلام دینے کے لئے رات دن کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن مجھے بہت ہی افسوس اور رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا جو مضمون بھی اس بارے میں میری نظروں سے گذرا ہے اس کے مندرجات کا ان آیات کریمہ کے مفہوم اور مطلب سے کہیں دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ طنز و مزاح طعن و تشنیع اور گالیوں کا مرقع ہوتا ہے۔ یہ طریق دعوتِ اسلام دینے کا نہیں اس سے بھگانے کا ہے۔ ہم گمراہ ہی سہی لیکن آپ تو عالم فاضل ہیں کسی سے گفتگو کرنے یا تحریر کرتے وقت قرآن کریم کے اصول آپ کے مدنظر تو ہونے چاہئیں۔ جب آپ ہمیں ہمارے نظریات ترک کرنے کو کہتے ہیں تو ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کے نظریات کی چھان بین کرنے۔ انہیں قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کریں اور جہاں کوئی بات ان ذرائع علم کے متعین کردہ اصولوں سے ٹکرائے یا جسے سمجھنے میں ہماری عقل و فہم ٹھوکر کھائے آپ سے اس کی وضاحت چاہیں۔ آپ نے جو فرض اپنے آپ کو سونپا ہوا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہمارے شکوک و شبہات اور اشکال کا ازالہ کریں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جہاں آپ سے کوئی جواب نہ بن پڑے آپ اپنی قیمتی تحریر کو خلافِ تہذیب و اخلاق الفاظ سے بے اثر بنا دیں۔

میں نے حیات و مماتِ مسیحؑ ابن مریم کے مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ میرے لئے قرآن اور حدیث کے دلائل قابل تسلیم ہوں گے۔ مگر کسی شخص کا قول ان کے مخالف پڑے گا تو میرے لئے حجت نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو اور دوسری بات یہ کہی تھی کہ اس وقت اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے میرے سامنے حضرت مرزا صاحب کی ذات قطعاً نہیں کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ثبوت مل جائے گا تو حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود خود بخود باطل ہو جاتا ہے اور اگر حضرت مسیح کی وفات ثابت ہو جائے گا تو پھر ہم اس شخص کے متعلق گفتگو کریں گے جس نے دعوئے مسیح موعود کیا ہے۔ جب وہ بنیاد ہی نہیں رہے گی جس پر حضرت مرزا صاحب نے تاویلات کا سہارا لیکر اپنے دعوے کی عمارت تعمیر کی ہے تو یہ خود بخود زمین پر آ رہے گی۔ اس میں فی الحال اُلجھنے اور اپنا وقت ضائع کرنے کی حاجت نہیں لیکن آپ ہیں کہ اس رَٹ سے باہر نہیں آ سکتے۔ جب آپ نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تو حضرت مرزا صاحب پر خواہ مخواہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرکے معاملہ کو صاف نہیں ہوتے دیتے۔

میں نے وفاتِ مسیحؑ کے ثبوت کے لئے بے شمار آیات میں سے صرف تین آیات آپ کے سامنے رکھی تھیں (١) سورۃ الصف کی آیت ۷ جس میں یہ الفاظ ہیں وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ (٢) سورۃ آلِ عمران کی آیت ۵۵ و اذ قال اللہ .... فیہ تختلفون۔ اور (٣) سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۵ اور آلِ عمران کی آیت ۱۴۴ ان آیات پر مرتب ہونے والے میرے سوالات کا جواب آپ نے بڑے لطف و کرم کے ساتھ ماہنامہ الحق بابت اکتوبر ۱۹۷٦ء میں دینے کی کوشش کی ہے جو مجھے افسوس ہے میرے لئے اطمینان کا باعث ہونے کے بجائے مزید اُلجھن کا موجب ہوا ہے۔ آپ کے جواب کی روشنی میں جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے وہ آپ کی خدمت میں عرض کئے دیتا ہوں اُمید ہے آپ حضرت مرزا صاحب کی شخصیت کو زیرِ بحث نہ لاتے ہوئے ان سوالات کی وضاحت فرمائیں گے۔

١۔ سورۃ الصف کی مندرجہ بالا آیت پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"کہ انبیاء کرام میں ترتیب زمانی نبوت کے اعتبار ہی سے قائم ہوتی ہے۔ یعنی جس کی بعثت پہلے ہوئی وہ پہلا نبی ہے اور جس کی بعثت بعد میں ہوئی وہ بعد کا نبی ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ جس کی بعثت بعد میں ہوئی ہو اس کا انتقال پہلے ہو جائے۔ چنانچہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئی مگر انتقال پہلے ہوا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس رسول کی آمد کا نمبر میری بعثت کے بعد اور میری آمد اس امر کی علامت ہے کہ اب اس آخری رسول کی آمد آمد ہے جس کا اسم گرامی احمد ہوگا تو آپ ہی فرمائیے کہ اس کے بعد آپ کو اُلجھن کیوں پیش آتی ہے؟"۔

آپ کی اس وضاحت پر میرے ذہن میں یہ سوال اُبھرتے ہیں:۔

١۔ انبیاء کرام میں ترتیب زمانی صرف نبوت کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ان کے وجود کے اعتبار سے بھی قائم ہوتی ہے۔ جب کوئی نبی کسی زمانے میں جسمانی طور پر موجود ہی نہیں تو نبوت کے مقام پر اس کی بعثت کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ اس لئے بعثت کے لئے نبی کا وجود بھی لازمی ہے۔

٢۔ آپ نے حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ہارونؑ بعد میں مبعوث ہوئے لیکن

فوت حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہوئے - لیکن ایک تو آپ نے کسی آسمانی کتاب کے حوالے سے یہ ثابت نہیں کیا کہ حضرت ہارونؑ بعد میں مبعوث ہوئے - قرآن کریم سے بھی اس کی کوئی قطعی شہادت نہیں ملتی - اور دوسرا وہ دونوں بھائی اور ہمعصر تھے - دونوں ایک ہی زمانہ میں موجود تھے اور فرائض نبوت ادا کر رہے تھے - یہاں تو حضرت عیسےٰ کی بعثت اولی اور آنحضرت صلعم کی بعثت کے درمیان کوئی چھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہے اور حضرت عیسےٰ کی بعثت ثانی کا ابھی کوئی علم ہی نہیں - اس لئے یہ دونوں ہمعصر نہیں اور حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی مثال یہاں صادق نہیں آسکتی -

اس کے علاوہ آپ نے کہا ہے "یہ ممکن ہے" - لیکن اس کے برعکس دوسری بات بھی ممکن ہے کہ جس کی بعثت پہلے ہوئی ہو وہ پہلے فوت ہو گیا ہو اور جس کی بعد میں وہ بعد میں فوت ہوا ہو - چونکہ آپ نے دو ہمعصر انبیاءؑ کی مثال دی ہے میں بھی اس "امکان" کے لئے دو ہمعصر انبیاء کی مثال دیتا ہوں - حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں ایک ہی وقت میں موجود تھے - حضرت یحییٰؑ کی بعثت پہلے ہوئی اور پہلے فوت ہوئے اور حضرت عیسےٰ کی بعثت بعد میں اور ان کا "رفع" اور (ہمارے نزدیک وفات) بعد میں ہوئی - "امکان" دو یا دو سے زیادہ باتوں کا ہوتا ہے اس لئے اسے بطور اصول پیش نہیں کیا جا سکتا - ان میں سے صرف ایک ہی بات درست ہو سکتی ہے - بفرض محال حضرت عیسےٰؑ اب تک زندہ بھی ہوں تو بھی وہ کسی وقت ضرور فوت ہوں گے اور حضرت یحییٰ کے بعد ہی ہوں گے -

۳ - آپ نے حضرت موسےٰؑ اور ہارونؑ کا ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کوشش کی ہے کہ چونکہ حضرت عیسےٰؑ کی بعثت آنحضرت صلعم کے بعد ہوگی جیسے ہارونؑ کی ہوئی اور وہ فوت حضرت موسےٰ سے پہلے ہوئے جیسے آنحضرت حضرت عیسےٰ کی بعثت ثانی سے پہلے ہوئے اس لئے وہ زندہ ہیں اور اس میں کوئی اشکال نہیں - مگر آپ اس کے مقابلے میں اس امکان کو کس اصول کے ماتحت رد کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ اپنی بعثت اول کے بعد اور آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل فوت ہو گئے ہوں ایک امکان کو درست قرار دینا اور دوسرے کو غلط کوئی اصولی بات نہیں -

۴ - حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام - حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ زمان و مکان کے لحاظ سے ہمعصر تھے - اس طرح آپ کے قول کے مطابق حضرت عیسےٰؑ اور آنحضرت صلعم بھی زمان و مکان کے لحاظ سے ہمعصر ہیں جو قطعاً غلط ہے - اگر آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد بھی حضرت عیسےٰؑ کو زندہ مان لیا جائے تو بھی وہ ہمعصر نہیں کیونکہ نبوت کا کاروبار زمین پر ہی سرانجام پاتا رہا ہے آنحضرت صلعم تو زمین پر رہ کر یہ کام کرتے رہے اور حضرت عیسےٰؑ آسمان پر رہے اس لئے وہ مکان کے لحاظ سے ہمعصر نہیں جبکہ حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں ہر لحاظ سے ہمعصر ہیں اس لئے یہ مماثلت غلط ہے - اور پھر آپ ہی کے بیان کردہ امکان کے مطابق حضرت عیسےٰ بعد میں مبعوث ہوں گے تو انہیں حضرت ہارون کی طرح آنحضرت صلعم سے پہلے فوت ہو جانا چاہیئے -

۵ - آپ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے جس کی بعثت بعد میں ہوئی ہو وہ پہلے فوت ہو جائے - اس طرح اگر "ترتیب زمانی نبوت ہی کے اعتبار ہی سے قائم ہوتی ہے" - تو بھی حضرت عیسےٰ پہلے نبی ہیں اور آنحضرت صلعم بعد کے اس لئے اگر یہ ممکن ہے کہ بعد کا نبی پہلے فوت ہو جائے تو آنحضرت صلعم کو حضرت عیسےٰؑ کی بعثت اول سے پہلے فوت ہو جانا چاہیئے جو تاریخی طور پر سراسر غلط ہے -

۶ - سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

"اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی کو نہیں بھیجا سوائے مردوں کے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے پس اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے - اور ان کے ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر متغیر یا ہمیشہ رہنے والے تھے - (۸،۷)

اسی سورۃ میں آگے چل کر فرماتا ہے :-

"اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لئے خُلد یا ہمیشہ کا رہنا نہیں بنایا تو کیا اگر تو مر جائے گا تو (مخالفین) رہ جائیں گے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے -" (۳۵،۳۴)

ان انبیاء میں سے جو آنحضرت صلعم سے پہلے گذرے ہیں ان کا ذکر خاص طور پر فرمایا ہے - حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارونؑ - حضرت ابراہیمؑ - حضرت لوطؑ - حضرت اسحاقؑ - حضرت یعقوبؑ - حضرت نوحؑ - حضرت داؤد - حضرت سلیمان - حضرت ایوب - حضرت اسمٰعیلؑ - حضرت ادریسؑ - ذالکفل - حضرت ذالنونؑ (حضرت یونسؑ) - حضرت ذکریاؑ - اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ - یہ سب بشر تھے - انسان تھے کھانا کھاتے تھے اور آنحضرت صلعم سے پہلے تھے - ان میں سے سب کے سب سوائے حضرت عیسےٰؑ کے اللہ تعالےٰ کے قانون کے مطابق فوت ہو گئے - کسی کے لئے دو جسمانی بعثتیں مقدر نہ ہوئیں سوائے عیسےٰؑ کے - قرآن کریم میں بھی اس استثناء کو کہیں بھی "الا عیسیٰ" کہکر روا نہیں رکھا گیا - تو حضرت عیسیٰ "فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا - ولن تجد لسنت اللہ تحویلا" کے برخلاف کیسے قانون فطرت سے باہر رہ گئے - اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے صرف حضرت عیسیٰؑ کو دو جسمانی بعثتیں کن آیاتِ قرآنی کے تحت ملیں - اگر آپ یہ جواب دیں کہ فلاں سے پوچھو اور فلاں نے کیوں ایسا کہا تو میں پہلے ہی عرض کر آیا ہوں کہ میرے لئے قرآن کریم کے خلاف کسی کا کوئی قول مستند نہیں ہو سکتا خواہ وہ حضرت مرزا صاحب ہی کا قول کیوں نہ ہوں -

۷ - آپ کے اسی مفروضہ کے مطابق "کہ انبیاء کرام میں ترتیب زمانی نبوت کے اعتبار ہی سے قائم ہوتی ہے" آنحضرت صلعم حضرت عیسےٰؑ آپ سے بعد کے "نبی" - اس طرح آپ ان کو بعثت ثانی کے بعد بھی نبی ہی تصور کرتے ہیں جو آپ کے دعوےٰ محافظ ختم نبوت کے بالکل منافی ہے - اور اس طرح آپ خود ختم نبوت کی مہر کو توڑتے ہیں - پھر یہ "تحفظ ختم نبوت" کے کیا معنی ہوئے - اسی کے تحت آپ حضرت موسےٰ اور حضرت ہارونؑ کی پہلے اور بعد کی بعثت کی نسبت سے حضرت موسےٰ کی مماثلت حضرت عیسےٰؑ سے اور حضرت ہارونؑ کی مماثلت حضرت رسول کریم صلعم سے بیان کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے سورۃ المزمل ۷۳ میں "کما" کا لفظ بیان کر کے حضرت موسیٰؑ کو آنحضرت صلعم کا مثیل ٹھہرایا ہے اور توریت کا باب استثناء بھی اس کی شہادت دیتا ہے - استثناء ۱۸ : ۱۸ میں یہ الفاظ ہیں "ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا" اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے سوا کسی اور نبی نے مثیلِ موسےٰ ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا -

۵۔ آپ نے یہ بھی مان لیا ہے کہ جب حضرت دوبارہ تشریف لائیں گے تو یہ آیت، قرآن مجید میں موجود رہے گی۔ منسوخ نہیں ہوگی کیونکہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا ورنہ خبر صادق کا کاذب ہونا لازم آتا ہے" اس لئے "یأتی من بعدی اسمہ احمد" آمد ثانی کے موقعہ پر واقعہ ماضیہ کی حکایت ہوگی جیسا کہ آج تک یہی ہے۔"

حضرت عیسےٰؑ نے بعثتِ اوّل کے وقت یہ پیشگوئی کی یا خبر بتائی کہ "میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام نامی "احمد" ہوگا"۔ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے اس پر مُہر تصدیق ثبت ہوگئی۔ اخبار میں نسخ نہ ہوا اور خبر صادق ہوئی۔ اب حضرت عیسیٰؑ کی آمدِ ثانی کے وقت بھی یہی الفاظ موجود ہوں گے اور "واقعہ ماضیہ کی حکایت" کے طور پر اس کے معنی یوں ہوں گے "کہ مجھ سے پہلے ایک رسول آیا جس کا نام احمد تھا یعنی "من بعدی"۔ "من قبلی" بن اور "یأتی"۔ جاءَ "یاتی" بن بدل جائے گا۔ کیا آپ قرآن کریم یا احادیث کی روشنی میں میری تسلّی کے لئے کوئی مثال بیان کر سکتے ہیں کہ جو فعل بطورِ خبر مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہو وہ ماضی کے معنی بھی دیتا ہے؟۔ دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بعثتِ ثانی کے بعد یہ آیت "واقعہ ماضیہ کی حکایت" کے طور پر موجود رہے گی تو بعثت اوّل کے وقت اسے "واقعہ ماضیہ کی حکایت" تصوّر کرتے ہوئے یہ معنی کیوں نہ لئے جائیں کہ "مجھ سے پہلے ایک رسول آیا جس کا نام احمد تھا۔ کیونکہ اس خبر کے صیغوں میں اور الفاظ میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہوگا اور آیت ویسی کی ویسی رہے گی۔ اور افعال کے معنی ان کے صیغوں کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کریم میں ایسے الفاظ ضرور ملتے ہیں جو "ماضی" کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں۔ اور معنی مستقبل کے اخذ کئے جاتے ہیں کیونکہ ماضی میں واقعہ ہونے والا امر ایک شہادت بن جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اسی طرح ہوگا جیسے پہلے ہو چکا ہے۔ اور یہ زبان کی فصاحت اور بلاغت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

خُلاصَہ

خلاف قرآن کریم آپ حضرت عیسےٰؑ کے لئے دو بعثتیں تجویز کرتے ہیں۔ پہلی بعثت آنحضرت صلعم سے چھ سو سال قبل ہوئی اور دوسری بعثت کا ابھی انتظار ہے۔ آپ کے قول کے مطابق بعد میں مبعوث ہونے والا نبی پہلے فوت ہو سکتا ہے اس پہلی بعثت کے مدِنظر آنحضرت صلعم بعد میں مبعوث ہوئے اس لئے انہیں حضرت عیسےٰؑ سے قبل فوت ہو جانا چاہیئے اور دوسری بعثت کے مطابق حضرت عیسےٰؑ بعد کے "نبی" ہوں گے۔ اس لئے حضرت عیسےٰؑ کو آنحضرت صلعم سے پہلے فوت ہو جانا چاہیئے۔ ذرا اس منطق کا حل پیش کیجئے۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسےٰ نبی نہیں ہوں گے بلکہ خلیفہ ہوں گے تو پھر آپ کی حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی مثال غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ وہ دونوں نبی تھے۔

عاشقاں در عظمت مولےٰ فنا + غرقہ دریائے توحید از وفا
کین د مہر شاں ہمہ بہر خداست + قہر شاں گر ہست آں قہر خداست
آنکہ در عشق احد محو و فناست + ہرچہ زو آید ز ذات کبریاست
(حضرت مسیح موعودؑ)

الحاج مولانا محمد طفیل صاحب مبلّغِ اسلام لندن کی راولپنڈی میں آمد

الحاج مولانا محمد طفیل صاحب ایم۔ اے۔ مبلّغ اسلام انگلستان ۱۴ ماہ حال راولپنڈی تشریف لائے اور خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی۔ مولانا صاحب نے جماعت راولپنڈی کو ہمیشہ یاد رکھا اور جب بھی انہیں پاکستان آنے کا موقعہ ملتا رہا ہے وہ عدیم الفرصتی کے باوجود احباب جماعت راولپنڈی سے ملنے تشریف لاتے رہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جماعت راولپنڈی کو اس خادمِ اسلام کی خدماتِ جلیلہ پر بجا طور پر ناز ہے۔ کیونکہ یہ بطلِ جلیل اسی شہر کا متوطن ہے۔

خطبہ جمعہ میں مولانا محترم نے احباب جماعت کو حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنے کی تلقین کی اور سورۃ فاتحہ کے معارف کی طرف خصوصی توجہ دلائی کہ مومن ہر حال میں عسر اور یُسر کی حالت میں خدا کا شکر ادا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے شکر گذار بندوں پر اپنے فضل و کرم کی بارش نازل فرماتا ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم مشکلات سے نہ گھبرائیں۔ بلکہ مل کر اس عالی بارگاہ میں دُعا کریں۔ ہمارا سلسلہ دنیوی نہیں بلکہ دینی ہے اور دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وجود میں آیا ہے۔ یہ بہت بڑا اور اعلےٰ مقصد ہے۔ جتنا بلند اور عظیم مقصد ہو اتنی ہی صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدائی سلسلے عوام کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ تو خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا سکھاتے ہیں۔

بلاد غربیہ میں پچھلے دو سال سے سلسلہ احمدیہ کے بارے میں دلچسپی بڑھ رہی ہے اور وہ جماعت میں باقاعدہ شریک ہو رہے ہیں۔ ہر ایک احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس نورِ ایمان کو جو اسے حضرت امام الوقت کے فیض سے ملا ہے اپنے عمل، کردار اور معاشرت سے ظاہر کرے آپ لوگوں نے اعلائے کلمۃ اللہ اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے جہاد کو جاری رکھنے کا عہد کیا ہے۔ اور عہد بھی مامور من اللہ سے۔ اس لئے آپ کو سُست اور غافل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تجدید عہد کر کے اس جہادِ کبیر میں تن من دھن سے کوشش کرنی چاہیئے۔ ماموروں کے مشن نہ تو ناکام ہوتے ہیں نہ معدوم۔ البتہ ان کی اتباع نہ کرنے والے ضرور ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی اتباع کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس لئے آپ کو زیادہ احتیاط اور حزم کی ضرورت ہے۔ ایسی قومیں جو اپنی غلط روش ترک نہیں کرتیں تاریخ میں اچھے لفظوں میں یاد نہیں کی جاتیں اور سعادت سے محروم رہتی ہیں۔ خدائی کام تو رُک نہیں سکتے وہ قادر و توانا دوسرے لوگ اپنے مشن کے لئے چُن لیتا ہے اور سعادت ان کے حصّہ میں آ جاتی ہے۔

نامہ نگار۔ جماعت راولپنڈی

۱۔ مولانا شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان اپنی اہلیہ صاحبہ اور دو بچوں کے ساتھ ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۶ء کو کراچی پہنچے۔ ۱۷ر دسمبر کو جمعہ مرکز کراچی میں پڑھایا۔
۲۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء کو جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے لاہور تشریف لائے۔ شیخ صاحب موصوف آخر فروری تک پاکستان میں قیام فرمائیں گے۔

مکرم جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب پشاور

آئین پاکستان میں ترمیم۔ "مسلم" کی شرعی تعریف اور جماعتِ احمدیہ لاہور

آئین پاکستان میں ستمبر ۱۹۷۴ء کی ترمیمات (۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام)

پارلیمنٹ پاکستان نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی آرٹیکل ۱۰۶ اور آرٹیکل ۲۶۰ میں دو ترمیمات کیں۔ آرٹیکل ۱۰۶ میں غیر مسلم اقلیتوں کے زمرہ میں جماعتِ احمدیہ لاہور اور جماعتِ احمدیہ قادیان کے ممبران کو ڈالا گیا اور آرٹیکل ۲۶۰ کے تحت تعریفات میں مندرجہ ذیل اضافہ کیا:۔

"جو شخص آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور غیر مشروط خاتم النبیین ہونے پر یقین نہیں رکھتا یا آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کے کسی معنی یا مفہوم کے لحاظ سے مدعی نبوت ہو یا ایسے مدعی کو نبی مانتا ہو یا مذہبی مصلح۔ وہ شخص آئین اور قانون کے اغراض کی خاطر غیر مسلم ہے۔"

دونوں ترمیموں کو اکٹھا پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احمدیوں کو اس لئے غیر مسلم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک مدعی نبوت کو نبی یا مصلح مانتے ہیں۔ اور کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور غیر مشروط ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جہاں تک جماعت احمدیہ لاہور کا تعلق ہے آرٹیکل ۱۰۶ کی ترمیم ان کے عقائد کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کو قطعی اور غیر مشروط ماننے کے باوجود انہیں بھی غیر مسلموں کے زمرہ میں ڈال دیا گیا۔ اور وہ لوگ جو اس تعریف پر پورے نہیں اترتے وہ لوگ مسلم کہلائے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ عقل یا منطق کا یہ تقاضا تھا بلکہ یہ ہے کہ ملک میں ان کی اکثریت ہے۔ اور جمہوریت کی بناء اکثریت کی رائے پر ہے۔

واضعین آئین اس ترمیم کے نقائص سے خوب واقف تھے کہ جماعت احمدیہ لاہور تو اس تعریف پر پوری اترتی ہے۔ لیکن آئین کی غرض اس ترمیم سے پوری طرح حاصل نہ ہو سکتی تھی اس لئے اشتباہ کو دور کرنے کے لئے جماعت احمدیہ لاہور کا نام لے کر غیر مسلموں کے زمرہ میں شامل کیا گیا۔ اگر ملک میں صرف یہ دو جماعتیں ختم نبوت کی منکر تھیں اور نام لے کر ان کو غیر مسلموں میں ڈالنے سے کام نکل سکتا تھا تو آرٹیکل ۲۶۰ کی ترمیم کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر یہ ترمیم ایک جامع تعریف ہے تو آرٹیکل ۱۰۶ میں ترمیم کی ضرورت نہ تھی۔ اگر آرٹیکل ۲۶۰ کی ترمیم آئندہ کے لئے تھی تو آئندہ اس تعریف کے مطابق فیصلہ کرنے کی مجاز ملک کی عدالتیں ہی ہو سکتی تھیں۔ احمدیوں کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے تھا کہ وہ عدالتوں سے اس تعریف کی رو سے اپنے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کرائیں۔ مگر اس طرح اصل مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ فرق قائم کیا گیا۔

آئین پاکستان کے مطابق پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اور اس ملک کا صدر اور وزیر اعظم مسلم کے علاوہ اور کوئی غیر مذہب کا آدمی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آئین کے لئے ضروری تھا کہ وہ مسلم کی تعریف متعین کرتی لیکن آئین میں ایسی تعریف نہیں ہے۔ ہاں صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں کے لئے جو حلف تعین کئے گئے ہیں ان میں مسلم ہونے کا اقرار مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

"میں .... سنجیدگی سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلم ہوں اور خدا تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت پر اور اس کی کتابوں پر جن میں قرآن کریم آخری کتاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو آخری نبی ہیں اور جن کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جزا و سزا کے دن پر اور ان سب ضروریات اور تعلیمات پر جو قرآن اور سنت سے ثابت ہوا ایمان رکھتا ہوں۔"

حلف کے اس حصہ کو مسلم کی تعریف قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن جب آئین پاکستان منظور کیا گیا تھا یہ تعریف کافی سمجھی گئی تھی اور علمائے پاکستان نے اس تعریف پر اعتراض نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ سال بعد واضعین آئین اور علماء کو یہ خیال آیا کہ یہ تعریف ناقص ہے کیونکہ احمدی بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے غیر مسلم کی تعریف بھی آئین میں ڈالنا چاہئے اور احمدیوں کو آئینی طور سے غیر مسلم قرار دینا چاہئے۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن غیر مسلم کی تعریف جو کی گئی اس کی جامعیت کے متعلق بھی واضعین آئین یقین نہ رکھتے تھے اور غالباً انہیں خدشہ تھا کہ ہو سکتا ہے احمدی پھر بھی بچ کر نکل جائیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہوا کہ نام لے کر انہیں غیر مسلم قرار دیا جائے۔

علماء مسلم کی ایسی تعریف پیش نہیں کر سکے جس پر اکثریت کا اتفاق یا اجماع ہو۔ آئین نے بھی مسلم کی تعریف پیش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کے اندر اس بارہ میں سخت اختلافات ہیں۔ یہ اس دین کے علماء کا حال ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دین صرف اسلام ہی ہے اور جو شخص اسلام کے علاوہ دوسرے دین کی پیروی کرے اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا اور جس دین کی کتاب کا دعویٰ ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ ہم نے قرآن کو آسان کیا کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ علماء نے اس آسان کتاب کو اس قدر پیچیدہ کر دیا ہے کہ وہ اسلام کی ہی تعریف نہیں کر سکے۔

پارلیمنٹ کا یہ فیصلہ کس نوعیت کا تھا یہ ممبران پارلیمنٹ ہی بتا سکتے ہیں لیکن شریعت کی رو سے جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مسلم قرار دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ احمدیہ جماعت لاہور ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی اور غیر مشروط طور سے خاتم النبیین مانتی ہے۔ اور اس جماعت کے علاوہ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کے قائلین اور کوئی نہیں۔ "مسلمان" آنحضرت صلعم کے بعد ایک پرانے نبی کو لاتے ہیں اور جماعت قادیان ایک نئے نبی کو۔ جماعت احمدیہ لاہور کسی پرانے یا نئے نبی کے آنے کی قائل نہیں۔ لیکن آئینی ترمیم نے پرانے نبی لانے والوں کو تو مسلم چھوڑ دیا اور نئے نبی لانے والوں کو غیر مسلم بنا دیا۔ اور جو جماعت غیر مشروط ختم نبوت کی قائل ہونے کی وجہ سے نہ نئے نبی کے آنے کی قائل ہے اور نہ پرانے نبی کی وہ بھی غیر مسلم بنا دی گئی!

اس مضمون میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کیوں علماء اسلام اور پاکستان کی پارلیمنٹ "مسلم" کی متفقہ تعریف متعین نہیں کر سکی ہے۔ ان کو کیا مشکلات ہیں۔ ان کے اپنے اور ان کے مسلم سابقین کے کیا اعتقادات ہیں۔ قرآن اور حدیث کی رو سے مسلمان کون ہے۔ اور کیا قرآن اور حدیث کی رو سے جماعتِ احمدیہ لاہور غیر مسلم ٹھہرائی جا سکتی ہے؟

اہلسنت والجماعت کون ہیں اور غیر اہل سنت والجماعت کون

مسلمانوں تو
آسانی

سے دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک اہل سنت والجماعت اور دوسرا غیر اہلسنّت والجماعت ۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اپنی کتاب فضل الباری شرح اردو صحیح بخاری میں اہلسنّت والجماعت کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے :۔

(۱) محدثین ۔ جو امام احمدؒ کے متبع ہیں یعنی امام احمد بن حنبل سے جو اقوال عقائد میں منقول ہیں ان کی تشرد و تشریح کرتے ہیں ۔

(۲) متکلمین ۔ یعنی امام ابوالحسن اشعری کے پیرو جو عموماً امام مالک اور امام شافعی سے منقول عقائد کی تائید و تفصیل کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اشاعرہ کہلاتے ہیں ۔

(۳) ۔ ماتریدیہ ۔ یہ لوگ امام ابو منصور ماتریدی کے پیرو ہیں اور عقائد میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مؤید ہیں ۔ یہ لوگ ماتریدیہ کہلاتے ہیں ۔

(۴) ۔ چوتھا گروہ صوفیاء کا ہے ۔

علامہ مرحوم فرماتے ہیں :۔

” ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟ اس میں فرق اسلامیہ بلکہ اہل سنت بھی آپس میں اختلاف کر رہے ہیں “

جو لوگ اہل سنت والجماعت سے باہر ہیں ان کے متعلق علامہ مرحوم فرماتے ہیں :

” دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے فرق اسلامیہ ان کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا دعوےٰ کریں اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کریں واقع میں وہ خواہ صحیح راستے پر ہوں یا گمراہ ہوں ۔ مثلاً روافض ۔ خوارج ۔ معتزلہ ۔ مرجئیہ ۔ کرامیہ ۔ وغیرہ یہ سب اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر سب کے سب علی التشکیک فرق ضالہ و گمراہ ہیں “

محدثین کے افکار و آراء

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اہلسنت والجماعت کا پہلا طبقہ محدثین کہلاتا ہے ۔ یہ ایمان کو تصدیق قلبی اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان پر مشتمل سمجھتے ہیں ۔ یعنی عمل کو جزو ایمان سمجھتے ہیں ۔ اور امام احمدؒ بن حنبل تارک صلوٰۃ کو ابدی جہنمی ٹھہراتے ہیں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے درمیان ایک مکالمہ منقول ہے ۔ امام شافعی نے امام احمد سے پوچھا کہ تارک الصلوٰۃ کے بارہ میں کیا حکم ہے ۔ آپ نے جواب دیا کافر ہے جہنمی ہے ۔ امام شافعی نے دریافت کیا کہ وہ مسلمان کس طرح ہو سکتا ہے ۔ امام احمد نے جواب دیا کہ نماز پڑھنے سے ۔ امام شافعیؒ نے کہا لیکن کافر کی نماز تو قبول نہیں ہوتی اس پر امام احمد چپ ہو رہے ۔ یہ عمل کو جزو ایمان تو قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس جزو کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوتا ۔ ان کے موقف میں ظاہری تضاد ہے ۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

ان کے نزدیک ایمان زبانی اقرار اور تصدیق قلبی دونوں کا نام ہے ۔ اسلام کے معنی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے بارہ میں الفقہ اکبر میں یہ کہا گیا ہے :۔

” امر الٰہی کے سامنے سر جھکا دینے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے گو معنوی لحاظ سے ایمان اور اسلام کے مابین فرق پایا جاتا ہے مگر حقیقتاً یہ لازم و ملزوم ہیں اور ان میں چولی دامن کا تعلق ہے ۔ اسلام کے بغیر ایمان کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہے ۔ اور دین کا لفظ ایمان و اسلام اور جملہ شرائع پر حاوی ہے ۔“

امام صاحب کے نزدیک ایمان کے لئے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں ضروری ہیں ۔ اسی لئے امام صاحب سے مروی ہے کہ صرف دل کے ساتھ یقین کرنے والا دیانتاً تو مسلم ہو سکتا ہے لیکن عند الناس مومن نہیں ہو سکتا ۔

پروفیسر ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب امام ابو حنیفہ کی سوانح اور افکار میں ابن عبدالبر کی کتاب انتقاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابو مقاتل امام صاحب سے روایت کرتے ہیں :۔

” ایمان معرفت و تصدیق اور اقرار باللسان دونوں کا نام ہے ۔ تصدیق کے لحاظ سے مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) بعض تو اللہ تعالےٰ اور رسالت کا دل اور زبان سے اقرار کرتے ہیں ۔ (۲) بعض دل سے تصدیق کرتے ہیں مگر زبان سے تصدیق نہیں کرتے (۳) بعض زبان سے تصدیق کرتے ہیں اور دل سے نہیں ۔ جو لوگ دل اور زبان سے اقرار کرتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مومن ہیں اور لوگوں کے نزدیک بھی مومن ہیں ۔ جو زبان سے اقرار کرتے ہیں اور دل سے نہیں وہ لوگوں کے نزدیک مومن اور عنداللہ کافر ہیں کیونکہ لوگ دلوں کی حالت نہیں جانتے ۔ اور انہیں شہادت لسانی کی بناء پر مومن مان لینا چاہیئے اور دل کی ٹوہ نہیں لگانی چاہیئے ۔ اور جو لوگ تقیہ سے کام لے کر کلمۂ کفر کہدیتا ہے وہ لوگوں کے نزدیک مومن ہوگا ۔“

امام صاحب عمل کو جزوِ ایمان نہیں سمجھتے اور ایمان میں کمی و بیشی کے قائل نہیں ۔ ان کے نزدیک سلف اور خلف اور انبیاء کا ایمان یکساں ہے البتہ انبیاء طاعات کے لحاظ سے افضل ہیں ۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالےٰ نے پیشوائی اور امانت بخشی ہے ۔ اور اس معاملہ میں غیر انبیاء پر ظلم نہیں کیونکہ ان کا اجر ان کو پورا ملے گا ۔ اعمال کو امام صاحب متعلقات اور لوازمات ایمان سمجھتے ہیں ۔ ان کے نزدیک ترک فرائض سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا ۔

امام ابوالحسن اشعری کی رائے

امام اشعری اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں اور اپنی کتاب مقالات الاسلامیین میں انہوں نے اہلسنت و جماعت کے افکار کو تفصیل سے نقل کیا ہے اس تفصیل کا زیادہ تعلق مومن بہ سے ہے ۔ ان کے نزدیک ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کو مانا جائے ۔ فرشتوں کو مانا جائے ۔ ان کی نازل کردہ کتابوں کو تسلیم کیا جائے ۔ تقدیر پر ایمان ہو ۔ اس کا تعلق چاہے خیر سے ہو یا شر سے ۔ چاہے خوش آئند واقعات سے ہو یا تلخ حقائق سے اس پر ایمان اس طرح ہونا چاہیئے کہ جو مصیبت ٹل گئی وہ کبھی پیش آنے والی نہ تھی اور جو پیش آ گئی وہ ٹلنے والی نہ تھی ایمان یہ ہے کہ توحید کو تسلیم کیا جائے یعنی اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ۔ ان کے نزدیک اسلام اور ایمان ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایمان قول و عمل سے تعبیر ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔ اہل قبلہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے چاہے کوئی شخص کبیرہ کا مرتکب کیوں نہ ہو اگر اس میں ایمان پایا جاتا ہے تو وہ بڑے بڑے گناہوں کے باوجود مومن ہے ۔ یہ اہلسنّت والجماعت کو اہلِ حدیث کا نام دیتے ہیں ۔

امام ابن حزم کی رائے

کلمہ طیبہ زبان سے ادا کرنا اور دل سے اس پر ایمان لانا ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ کلمہ پر یقین اتنا کامل ہو کہ اس میں ذرا بھر شک نہ ہو ۔ یہ تعریف پروفیسر ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب حیات امام ابن حزم میں نقل کی ہے ۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اپنی کتاب فضل الباری اردو صحیح البخاری میں امام ابن حزم کے متعلق یہ لکھا ہے کہ تصدیق قلبی سے مراد جزم کے ہیں ایسا جزم ہوتی جس میں احتمال شک کا باقی نہ رہے ۔ ان کے نزدیک بھی ایمان میں کمی بیشی نہیں ۔

امام غزالیؒ کی رائے } احیاء علوم الدین میں امام غزالی نے اسلام اور ایمان پر تفصیل سے بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

" ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما انت بمؤمنین لنا۔ مؤمن سے مراد مصدق یعنی تصدیق کرنے والے سے ہیں۔ اسلام کے معنی فرمانبرداری کو ماننے اور سرکشی اور انکار اور عناد کو چھوڑنے کے ہیں۔ تصدیق کا ایک محل ہے اور وہ دل ہے۔ زبان دل کی ترجمان یعنی بیان کرنے والی ہوتی ہے اور ماننا عام ہے دل اور زبان اور اعضاء سب سے ہوتا ہے۔ اور تسلیم ترک انکار کا نام ہے۔ اس طرح زبان سے اقرار کرنا اور اطاعت اور انقیاد اعضاء سے کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے اسلام عام ہے اور ایمان خاص۔ اور اسلام کے اجزاء میں سے اشرف کا نام ایمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک تصدیق تسلیم ہے اور یہ نہیں کہ ہر تسلیم تصدیق ہو۔

حق یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کا استعمال شریعت میں تین طور سے آیا ہے یعنی دونوں یک معنی ہوں یا دونوں کے معنی جُدا جُدا ہوں۔ اور یہ ایک کے معنی دوسرے میں داخل ہوں۔ پہلے کی مثال یہ آیت ہے فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین سو ہم نے ان کو جو اس میں مؤمن تھے نکال لیا پھر ہم نے اس میں سوائے مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کسی کو نہ پایا۔ چونکہ وہاں صرف ایک گھر تھا اس سے مؤمنین اور مسلمین کے الفاظ یک معنی ہوتے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان کنتم امنتم باللّٰہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔ یعنی اگر تم اللہ پر ایمان لاتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمین ہو۔ یہاں پر دونوں الفاظ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں کے جدا جُدا معنی کی مثال یہ ہے۔ قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ یعنی بدّوؤں نے کہا کہ ہم ایمان لائے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم نے ظاہری فرمانبرداری اختیار کی۔ ایمان سے یہاں مراد دل کی تصدیق ہے اور اسلام سے مراد زبان کی یا اعضا کی فرمانبرداری ہے۔ اور حدیث جبرئیل میں آنحضرت صلعم نے اسلام کو یوں بیان کیا کہ تم شہادت دو کہ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد اس کا رسول ہے اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو اور بشرط استطاعت حج بیت اللہ کرو اور ایمان کے بارہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا ایمان للّٰہ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور موت کے بعد جی اُٹھنے پر اور قدر پر خواہ خیر ہو یا شر اس کو خدا کی طرف سے ماننے پر اور سعد بن وقاص کی حدیث میں آپ نے مؤمن اور مُسلم کو علیحدہ معنی میں استعمال فرمایا۔ اور تیسرے معنی ایک دوسرے میں داخل ہونے کی مثال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ کونسا اسلام بہتر ہے آپ نے فرمایا ایمان۔ گویا ایمان کو اسلام میں داخل فرمایا۔"

امام غزالی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اسلام اور ایمان کا ان تین معنوں میں استعمال ہونا لُغت کی رُو سے بھی صحیح ہے۔ آگے ایک لمبی بحث کے بعد امام صاحبؒ لکھتے ہیں :-

" چھٹا درجہ یہ ہے کہ زبان سے کہے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ مگر دل سے اس کی تصدیق نہ کرے تو ہم کو اس بات میں شک نہیں کہ آخرت کے حکم کی رُو سے وہ شخص کافروں میں سے ہوگا۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اس میں بھی شک نہیں کہ دُنیا کے احکام میں جو متعلق اماموں اور حکام کے ہیں وہ مسلمان ہوگا۔ اس واسطے کہ اس کے دل پر تو خبر ہو نہیں سکتی ہم پر بھی لازم ہے کہ جو کچھ اس نے زبان سے کہا اس کو یہ خیال کریں کہ یہ قول اس کے دل کے مطابق ہے"

امام غزالی کے نزدیک گویا ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار زبانی تصدیق قلبی کے اظہار کا پیرایہ ہے اس لئے اقرار زبانی جزو ایمان نہیں زبانی اقرار کو تصدیق قلب کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ قلب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

امام فخر الدین رازی کی رائے } ایمان دل کی تصدیق کو کہتے ہیں اس کی تشریح یہ ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ عالم حادث ہے تو اس کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ حدوث عالم کی صفت ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کہنے والے نے حدوث کی صفت کا حکم دیا ہے۔ اور حدوث کا صفت ہونا اور چیز ہے اور صفت کا حکم کرنا اور چیز ہے۔ یعنی دونوں میں مغایرت ہے یہی ذہن کا حکم دل کی تصدیق کو کہتے ہیں۔ ایمان اعتقاد کے ساتھ ان سب چیزوں کی تصدیق کو کہتے ہیں جن کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ضرورۃً معلوم ہو چکا ہے۔ امام رازی اس موقف پر دلائل لاتے ہیں۔ وہ اقرار باللسان کو جزوِ ایمان نہیں سمجھتے اور نہ ہی عمل کو جزوِ ایمان مانتے ہیں۔ گویا ایمان کے معنی میں امام غزالی اور امام رازی کا مسلک ایک ہی ہے۔ امام رازی کی یہ رائے ان کی تفسیر کبیر سے ماخوذ ہے۔

امام ابن تیمیہ کی رائے } ایمان نام ہے معرفت و تصدیق کے ساتھ التزام طاعت کا گویا تصدیق قلبی کے ساتھ نبی و رسول کی اطاعت و اتباع کا التزام ضروری ہے۔ یہ طاعت کی پابندی شرط ایمان ہے یا جزوِ ایمان اس میں اختلاف ہے۔

امام نووی کی رائے } تصدیق میں بھی کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہے جب زیادہ دلائل سامنے آتے ہیں تو تصدیق میں قوت پیدا ہوتی ہے ویسے بھی اللہ تعالےٰ نے علم کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین تصدیق میں حسب مراتب علم کمی و بیشی ہو سکتی ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کی رائے } اپنے مکتوبات کے دفتر دوم مکتوب ۶۷ میں لکھتے ہیں :-

ایمان یہ ہے جو چیزیں ہم تک اجمالاً یا تفصیلاً پہنچی ہیں ان پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا۔ اور اعضاء کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں۔ ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے امام ابوالحسن اشعری کی طرح ایک لمبی فہرست مؤمن بہ کی دی ہے۔ اس فہرست میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی تفضیل کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ جنگوں میں حق حضرت علی رضؓ کی طرف تھا اور مخالفوں کا اجتہاد درست نہیں تھا لیکن اس کے باوجود طعن کے مستحق نہیں ہیں اور ملامت کی گنجائش نہیں

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۷۷ء | نمبر ۵

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

استقامت ایک معجزہ ہے

سو میرے نزدیک شق القمر کا معجزہ ایسا زبردست معجزہ نہیں جیسے رسولِ پاک کی استقامت ایک معجزہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ضرورت وقت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام معجزہ دکھلاتے ہیں اور وہ نور اور ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن ان سب معجزات سے بڑھ کر استقامت ایک معجزہ ہے۔ آج ۲۴ سال مجھ پر گذر گئے جب میں نے دعوئ وحی و الہام کیا۔ جو لوگ میرے پاس دن رات بیٹھتے ہیں وہ دیکھتے ہیں اور گواہ اس بات کے ہیں کہ کس طرح خُدا تعالیٰ ہر روز مجھے اپنے کلام سے مشرف کرتا ہے اور کس طرح جو مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے وہ پُورا ہوتا ہے۔ اب کیا میں ہر روز افتراء کرتا ہوں؟ اور خدا تعالےٰ بھی اس قدر صابر ہے کہ ایسے مفتری کو مہلت دے رہا ہے۔ پیغمبر صاحب صلعم کو تو یہ حکم کہ اگر تو ایک افتراء مجھ پر باندھتا تو مَیں تیری رگِ گردن کاٹ دیتا۔ جیسے کہ آیت لو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہاں چوبیس سال سے روزانہ افتراء خدا تعالےٰ پر ہو اور خُدا اپنی سنّتِ قدیمہ کو نہ برتے۔ بدی کرنے میں اور جھوٹ بولنے میں کبھی مداومت اور استقامت نہیں ہوتی۔ آخر کار انسان دروغ کو چھوڑ ہی دیتا ہے۔ لیکن میری ہی فطرت ایسی ہو رہی ہے کہ مَیں ۲۴ سال سے اس جھوٹ پر قائم ہوں۔ اور برابر چل رہا ہوں اور خدا تعالےٰ بھی بالمقابل خاموش ہے اور بالمقابل ہمیشہ تائیدات پر تائیدات کر رہا ہے۔ پیشگوئی کرنا یا علمِ غیب سے حصّہ پانا کسی ایک معمولی ولی کا بھی کام نہیں۔ یہ نعمت تو اس کو عطا ہوتی ہے جو حضرت احدیت مآب میں خاص عزّت اور وجاہت رکھتا ہے۔ اب دیکھ لیا جاوے کہ خُدا تعالیٰ نے کس قدر پیشگوئیاں میرے ہاتھ پر پُوری کیں۔ براہین احمدیہ اور اس میں جو میرے آئندہ حالات درج ہیں ان کو دیکھا جاوے اور پھر میرے آج کل کے حالات کو دیکھا جاوے کہ وہ تمام کس طرح پُورے ہوئے پھر جو جو نشانات مسیح موعودؑ کے زمانے کے آثار ہیں موجود ہیں۔ وہ کس طرح اس زمانہ میں پُورے ہو گئے۔ رمضان میں کسوف خسوف کا پُورا ہونا۔ ریل کا جاری ہو کر اُونٹنیوں کا حجاز میں بھی بند ہو جانا۔ طاعون کا نمودار ہونا، یہ سب علامات ہیں جو زمانۂ مہدی کے ساتھ مختص ہیں یہ خدا تعالےٰ نے کیوں پُورے کئے؟ کیا ایک کذّاب اور مفتری علی اللہ کی رونق افزائی کے لئے جو چوبیس سال سے برابر افتراء باندھ رہا ہے۔ آخر میں مَیں یہ وصیّت کرتا ہوں کہ عُمر کا کوئی بھروسہ نہیں یہ وقت ہے اس کو غنیمت سمجھا جاوے۔ یہ خدا تعالےٰ کے نشان ہیں۔ ان سے منہ موڑنا خدا تعالےٰ کی حکم عدولی ہے۔ دیکھو ایک مجازی حاکم کا پیادہ اگر آ جاوے اور پیادہ جس حکم کو لاتا ہے اس کی پروا نہ کی جاوے پھر یہ حکم عدولی کیسے بد نتائج پیدا کرتی ہے۔ چہ جائیکہ خدا تعالےٰ کی حکم عدولی۔ دُنیا میں جب کبھی کوئی خدا تعالےٰ کا مُرسل آوے گا وہ انسان ہی ہوگا۔ اس کے اوضاع و اطوار انسانوں والے ہی ہونگے۔ آخر فرشتہ کو تو نہیں آنا۔ یہ لوگ اس کے لوازم انسانیت سے گھبرا جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ایک حجاب ہے جو اس کے جامۂ نبوّت کو چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن یہ حجاب ضروری ہے جس میں ہر ایک نبی مستور ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو اس حجاب کے اندر اس شخص کو دیکھ لے۔

(الحکم۔ جلد ۸۔ نمبر ۱۹۔ صفحہ ۶۔ مؤرخہ ۱۰ و ۱۷ جون ۱۹۰۴ء)

خُدا ظاہر کریگا اک نشاں پر رعب پُرہیبت + دلوں میں اس نشاں سے استقامت آنیوالی ہے
بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں تُو نے اور چھپایا حق + مگر یہ یاد رکھ اک دن ندامت آنیوالی ہے
ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز + کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنیوالی ہے

—— (حضرت مسیح موعودؑ) ——

مختصر روئداد جلسہ سالانہ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء

آخری نشست

آج مورخہ ۲۶-۱۲ جلسہ سالانہ کا آخری دن تھا۔ نشست الحاج عبدالرشید صاحب نے تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم پڑھ کر بتایا کہ مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں اور دیگر اہل کتاب کو اسلام کے مرکز پر جو توحید خداوندی ہے جمع ہو جانے کی دعوت ہے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے اسمبلی کے حالیہ فیصلہ کا ذکر کیا جس میں مدعی نبوت کو کافر قرار دیا ہے اور ان کو بھی جو اس مدعی نبوت کو مصلح مانتا ہو غیر مسلم قرار دیا ہے اور پھر واضح طور پر کہا ہے کہ قادیانی اور لاہوری احمدی اس فہرست میں شامل ہیں۔ اس طرح انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو مدعی نبوت قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ ہرگز نہیں کیا۔ قاضی صاحب موصوف نے بتایا کہ تاریخ اسلام میں اُمتِ مسلمہ کے بہت سے صلحاء نے ایسے دعاوی کئے ہیں۔ تو پھر صرف ہمیں ہی غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے سوال کیا کہ کیا اس فیصلہ سے جماعت کی اہمیت ختم ہو گئی ہے؟ آپ نے بتایا کہ گو ہمارا میدانِ عمل تنگ ہو گیا ہے۔ لیکن جو چیز نافع الناس ہوتی ہے وہی زمین میں قیام و ثبات حاصل کر سکتی ہے۔ مفید تحریک زندہ رہتی ہے۔

اس جماعت کی کوششوں اور تبلیغ اسلام کے اثر سے بلاد غیر میں گرجے خالی ہو رہے ہیں۔ تحریک اپنا کسرِ صلیب کا کام مکمل کر چکی ہے۔ دنیا تباہی کے کنارے کھڑی ہے جس کا باعث مادی اور عیسائی نظریات ہیں۔ ان کی مادی نظریات سے بیخکنی کر کے ہی انسانی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے۔ آپ نے حضرت مجدد زمان علیہ السلام کی کتب کی اشاعت کو پھیلانے پر زور دیا۔

آپ نے بتایا کہ لوگ جب ان کتب کو غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو وہ حقیقت سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ اس سے ہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ ممکن ہے۔ آپ نے قوم کو تبلیغی جہاد جاری رکھنے کی تلقین کی کہ آپ یقیناً کامیاب ہوں گے۔

ان کے بعد شیخ نثار احمد صاحب نے تقریر کرتے ہوئے مومنوں کے اوصاف بیان فرمائے۔ آپ نے بتایا کہ فلاح کا تعلق اخلاق اور تقوےٰ سے ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے رجوع الی اللہ۔ برائیوں سے گریز۔ پاکیزگی اور مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور نمازوں میں خشوع و خضوع پر زور دیا۔ اعمال میں خلوص اور دل پر عظمت الٰہی طاری ہونی چاہیئے۔ فسق و فجور سے بچنے کے لئے لغویات سے اعراض ضروری ہے۔ آپ نے دوسرے انسانوں سے محبت کرنے پر زور دیا۔ اور ان کی حسب ضرورت اعانت پر توجہ دلائی۔

آپ نے بتایا کہ مؤمن کی صفات میں امانت، دیانت اور عہد کی پابندی عمدہ جوہر ہے۔ کیونکہ یہ مؤمن کی شان ہے۔

ان کے بعد جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے قرآن پاک کی آیت ان الذین اٰمنوا و ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم و انفسھم اولئک ھم المفلحون سے استنباط کرتے ہوئے بتایا کہ دو قسم کے لوگوں کا اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ہجرت کرنے والے اور جہاد کرنے والے۔ علماء کے نزدیک ہجرت کا مفہوم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام ہے۔ دراصل ہجرت بُرے اعمال ترک کر کے اعمال حسنہ اختیار کرنے کا نام ہے اور جہاد سے مراد عام طور پر جہاد بالسیف لیا گیا ہے لیکن تلوار سے جہاد ہر وقت ممکن نہیں ہوتا اسی لئے نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جہاد کبیر جہاد بالقرآن ہے۔ اور اسی پر حضرت مجدد دوران علیہ السلام نے زور دیا اور یہی سکھایا ہے۔

میاں صاحب موصوف نے بتایا کہ تم وہ جماعت ہو جس کو لوگوں کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ لیکن لوگوں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کرو۔ حضرت مجدد وقت نے تقویٰ پر زور دیا ہے۔ آپ نے بتایا باہر کے لوگوں تک حضرت صاحب کا لٹریچر پہنچانا ضروری ہے۔ اور ہمیں اس کے لئے اپنے اموال کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

احیائے دین اسلام و قرآن کے لئے ذمہ داری قبول کر کے ہم خدا کی رضا اس صورت میں حاصل کر سکتے ہیں کہ اس راہ میں مالی و جانی قربانیاں دیں اور اسلام کو تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ آپ نے بتایا کہ جہاد بالمال ہماری جماعت کا امتیاز ہے۔ آپ نے جماعت کی خواتین کی مالی قربانی پر فخر کا اظہار فرمایا۔ اور "پیغام صلح" کی خریداری بڑھانے پر زور دیا کیونکہ یہ جماعت سے متعلق معلومات اور ایمان افروز مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس سے جماعت میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ "لائٹ" کا پرچہ بھی قابلِ تعریف مضامین کا حامل ہوتا ہے اس کی خریداری بھی بڑھایئے۔ بعد ازاں آپ نے چندہ کی اپیل فرمائی۔ جس میں خواتین و حضرات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور فی سبیل اللہ اموال خرچ کرنے کے جذبہ کا مثالی مظاہرہ کیا۔

اس کے بعد بچیوں نے خوش الحانی سے ایک نظم بعنوان "میں احمدی بچی ہوں" سنائی جس میں احمدی بچیوں کے لئے عمدہ اوصاف۔ حوصلہ۔ عفت و عصمت۔ پاکیزگی اور دینداری میں مثالی بننے کے لئے تحریک تھی۔

آپ کے بعد جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے سورۃ تبت یدا ابی لھب تلاوت فرما کر بتایا کہ اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اس کی دشمنی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ سورۃ ہر زمانے کے لئے ہے جو بھی نیکوں کا دشمن ہوتا ہے اس کا حشر وہی ہوتا ہے جو ابولہب کا ہوا۔ حضرت مسیح ناصری کے دشمنوں کو آخری وقت رسوائی نصیب ہوئی۔ آپ نے بتایا کہ ابولہب حضور کا رشتہ دار تھا۔ لیکن وہ آپ کا دشمن تھا کیونکہ آپ اللہ کی عبادت پر زور دیتے تھے اور وہ دیوی کا پجاری تھا۔ نبی اکرمؐ کی کامیابی اس کی موت کا باعث ہوئی۔ آپ نے بتایا کہ ابولہب ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ آج کے بم اور انسانی تباہی کے آلات بنانے والے بھی ابولہب ہیں کیونکہ لہب کے معنے شعلہ ہے۔ جس چیز سے بم بنائے جاتے ہیں وہ بھی شعلہ پیدا کرتی ہے اور انسان کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ لیکن عیسائی نظریہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دُکھ میں پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے خدا کی نافرمانی کی عورت کو نافرمانی کی یہ سزا ملی کہ اب وہ درد سے بچہ جنتی ہے۔ آپ نے وضاحت کی کہ اسلام میں عورت کا بڑا بلند مقام ہے۔ اسلام نے عورت کو زندگی قرار دیا۔ آپ نے ہندو مذہب پر تنقید کی کہ اس میں شادی نہ کرنا ایک عمدہ فعل سمجھا جاتا ہے اور پاکیزگی علامت خیال کیا جاتا ہے

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲ رفروری ۱۹۷۷ء

دلیل بے دلیل

(مدیر)

ہمیں منکرینِ ختمِ نبوّت کہکر بروئے آئین غیر مسلم اقلیتوں کی صف میں شامل کرنے کا سہرا اپنے سر باندھنے کے بعد مفکرینِ اسلام نے اس اس ملک کے فہمیدہ اور ذی شعور طبقہ کو اپنے موقف کا قائل کرنے کے لئے ہمارے خلاف تحریر و تقریر کی ایک مہم شروع کر رکھی ہے کبھی حیات مسیح پر مضامین لکھے جاتے ہیں تاکہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٔ مسیح موعودؑ کو باطل ٹھہرایا جا سکے اور کبھی آپ کے دعویٔ الہام اور پیشگوئیوں پر اعتراضات کئے جاتے ہیں کیونکہ معترضین کے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالےٰ کی صفت کلام معطل ہو چکی ہے اور آنحضرت صلعم کے بعد جو شخص الہام کا دعوےٰ کرتا اور کہتا ہے کہ اسے غیب کی خبریں ملتی ہیں وہ نزول وحی کا مدعی ہے اور اس طرح ختم نبوّت کی مُہر توڑ کر خود نبوّت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اس لئے ایسا دعویٰ کرنے والا اور اس کو ماننے والے ختمِ نبوّت کے منکر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ایسے تمام مضامین کو شروع سے آخر تک پڑھنے کے بعد ہمارے لئے یہ بات حیرت و استعجاب کا باعث ہوتی ہے کہ فلسفۂ الہام و وحی اور اللہ تعالےٰ کی صفت کلام کے معطل ہونے پر یہ دقیق نکات معارف ان لوگوں کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں جو سیدھا سادا کلمۂ توحید بھی درست نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی اس میں بیان کردہ معانی سے آگاہی رکھتے ہیں۔

ان مضامین میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان کا قرآن کریم اور احادیث سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا لیکن مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کہیں غور و تدبّر کرنے والے انصاف پسند انسان سچائی تک راہ پا کر ان کے افکار و نظریات کے بودے پن سے واقف نہ ہو جائیں اور ایسا وقت آ جائے کہ جو کنُواں انہوں نے دوسروں کے لئے کھودا تھا اس میں خود ہی نہ گر پڑیں۔

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ خُدا کے نام پر اُٹھنے والی تحریک جب مصائب و مشکلات میں گذر کر بھی زندہ رہتی ہے تو سوچنے والے ذہن یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کسی غیبی ہاتھ کی دستگیری کے بغیر ایسے طوفان سے بچ نکلنا ناممکنات اور محالات میں سے تھا۔ کچھ جویائے حق اس حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں کہ ایسا کیونکر ممکن ہوا اور اگر صداقت کو پا لینے کے بعد وہ حالات سے مجبوری کے تحت اس کا ساتھ دینے کی جُرأت کرنے سے معذور بھی ہوں تو بھی اس کی مخالفت کو بنظر تحقیر ضرور دیکھتے ہیں۔ جن تحریکوں کے پیچھے اللہ تعالےٰ کی مشیّت اور رضا کار فرما نہیں ہوتی وہ خواہ اسلام کے نام پر ہی کیوں نہ اُٹھی ہوں ان کا عرصہ حیات بہت مختصر ہوتا ہے اور وہ مکڑی کے جالے کی طرح ہَوا کے ایک خفیف سے جھونکے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پانی کی سطح پر اُبھرتے ہوئے بُلبلے میں روشنی کی کرنیں بڑے خوبصورت رنگ پیدا کرتی ہیں لیکن جب یہ بُلبلہ پھُوٹ جاتا ہے تو یہ رنگ بھی دفعتاً اس کے ساتھ ہی بکھر جاتے ہیں۔ جس درخت کی جڑیں مضبوط اور دُور دُور تک زمین میں پھیلی ہوئی ہوں اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی اور پھل پھُول لاتی ہیں۔ تند و تیز آندھیاں اور جھکڑ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن وہ جڑی بُوٹیاں اور پودے جن کی جڑیں کمزور اور تنے نازک ہوتے ہیں انہیں ہلکی سی ہَوا بھی اُکھاڑ پھینکتی ہے۔ حق و صداقت کا درخت ہمیشہ پھلتا پھُولتا رہتا ہے اور اس کے مقابلے میں جھُوٹ اور افتراء ایک مختصر عرصے میں ہی نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اسے گھڑنے والے بصد حسرت و یاس دیکھتے رہتے ہیں۔ یہی وہ حسرت و یاس کا سامنا ہے جس سے بچنے کے لئے ہمارے مہربان آئے روز نیا قدم اُٹھانے کی خفیہ تدبیریں کرتے رہتے ہیں مگر تدبیر اللہ تعالےٰ کی ہی کامیاب ہوتی ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ وہ بزرگ بھی جن کے علم و تدبّر، فکر و نظر اور نادر رشحاتِ قلم کی شہرت کو اندرون اور بیرون مُلک چار چاند لگنے کا تذکرہ شب و روز کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اپنے دِلی جذبات پر قابو نہ پاتے ہُوئے ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جو ان کی شان کے شایاں نہیں ہوتیں۔ اگر وہ حضرت مرزا صاحب کی ذات سے تعصّب اور نفرت کے جذبات کو ایک طرف رکھتے ہوئے صرف اپنی علمی شہرت کو ہی نقصان پہنچانے سے بچانے کے لئے اپنی پیش کردہ دلائل پر اشاعت سے پہلے غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو اُن پر عیاں ہو جائے کہ اُن کی یہ دلیل بے دلیل ہے۔ اور اس سے بجائے ان کا مقصد پورا ہونے کے نقصان ہی ہوگا۔

اس وقت ہمارے سامنے پاکستان کے نامور مفکرِ اسلام مولانا مودودی صاحب کا کتابچہ "ختمِ نبوت" ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے کہ اگر مسیح ابنِ مریم ابھی تک زندہ ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس سے ختمِ نبوّت کی مُہر ٹوٹتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین نہیں رہتے۔ اس کتابچہ کے صفحہ ۵۸ پر آپ لکھتے ہیں :—

"یہ تمام حدیثیں صاف اور صریح الفاظ میں اُن عیسےٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دے رہی ہیں جو آپ سے دو ہزار سال پہلے باپ کے بغیر حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اس مقام پر یہ بحث چھیڑنا بالکل لا حاصل ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں یا زندہ کہیں موجود ہیں۔ بالفرض وہ وفات ہی پا چکے ہوں تو اللہ انہیں اُٹھا لانے پر قادر ہے ورنہ یہ بات اللہ کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے کسی بندے کو اپنی کائنات میں کہیں ہزارہا سال تک زندہ رکھے اور جب چاہے دُنیا میں واپس لے آئے۔"

کسی اور بحث میں پڑنے کے بجائے ہم جناب مودودی صاحب سے ان کے اُن الفاظ کے مدِنظر کہ "یہ بات اللہ کی قدرت .... اور جب چاہے دُنیا میں واپس لے آئے" یہ پوچھنے کی جُرأت کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین بھی ہیں اور ختم المُرسلین بھی۔ نسلِ انسانی کے لئے رحمۃ اللعٰلمین بھی ہیں۔ اور اسوۂ حسنہ کے بھی مالک۔ اللہ تعالےٰ کا یہ سرٹیفکیٹ بھی اُن کے پاس ہے "انّك لعلٰی خلقٍ عظیم"۔ آپ کافۃ للنّاس بھی ہیں۔ تکمیل دین اور تکمیل شریعت بھی آپ ہی کی ذاتِ مبارک کے ذریعے ہوئی۔ روزِ محشر تمام انبیاء پر شہید بھی ہوں گے اور شفاعت کا فخر بھی آپ ہی کو حاصل ہوگا۔ فخرِ موجودات و کائنات بھی آپ ہی کو کہا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ فخرِ انسانیتؐ کو اپنی اُمّت کی اصلاح کے لئے اس وقت تک زندہ رکھنے میں اللہ تعالےٰ کی قدرت عاجز آ گئی اور ایک دوسری قوم بنی اسرائیل کے نبی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ آج دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ ہے اور اُمّتِ مُسلمہ کی اصلاح کے لئے دوبارہ نازل ہوگا۔ برتری عیسےٰؑ کو نازل ہوئی یا آنحضرت صلعم کو اور یہ کمالاتِ ختمِ نبوّت کی اہانت ہوئی یا تکریم۔ اور ختم نبوّت اپنی جگہ پھر بھی قائم کی قائم۔ عقل محو حیرت ہے کہ اسے کیا کہئے۔

پھر جس خدا کو آپ ایک نبی کو دو ہزار سال زندہ رکھنے پر قادر تصوّر کرتے ہیں اس سے یہ قدرت چھیننے کا اختیار آپ کو کس نے دیا ہے

کہ وہ ایک عیسیٰؑ کسی دوسری بی بی کے بطن سے پیدا کر سکتا ہے۔ جو خُدا علیٰ کُلِّ شیءٍ قدیر ہے وہ یہ کیوں نہیں کر سکتا؟

اس کے بعد صفحہ ۵۹، ۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں:—

"وہ صرف ایک کارِ خاص کے لئے بھیجے جائیں گے اور وہ یہ ہوگا کہ دجّال کے فتنے کا استیصال کر دیں گے۔ اس غرض کے لئے وہ ایسے طریقے سے نازل ہوں گے کہ جن مسلمانوں کے درمیان ان کا نزول ہوگا انہیں اس امر میں کوئی شک نہ رہے گا کہ یہ عیسٰے ابنِ مریم ہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق ٹھیک وقت پر تشریف لائے ہیں"

انبیاء اور رُسل کے نزول کا ہمارے سامنے صرف ایک ہی طریقہ ہے جسے منہاجِ نبوّۃ کہا جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اسی طریقہ پر مبعوث ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسٰےؑ اور حضرت نبی کریم صلعم بھی اسی طریقہ پر تشریف لائے۔ ان کی آمد کے بارے میں بشارتیں بھی موجود تھیں۔ کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں جس میں خصوصًا آنحضرت صلعم کے متعلق ذکر نہ ہو اس کے ثبوت میں ہمارے حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے ایک ضخیم کتاب میثاق النبییّن کے نام سے لکھی ہے۔ خدا نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہا تھا:—

"میں ان کے لئے (بنی اسرائیل کے لئے) ان کے بھائیوں میں (بنی اسمٰعیل میں سے) تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہ سب کچھ ان سے کہے گا" (استثناء ۱۸-۱۸)

برنباس کی انجیل میں ہے:—

"یسُوع نے کہا وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسُول دنیا میں آئے گا.......... اور جب میں نے اس کو دیکھا میں تسلّی سے بھر کر کہنے لگا۔ اے محمدؐ! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جُوتی کا تسمہ کھولوں کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کر لُوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس ہو جاؤں" (۴۴- ۱۹تا۳۲)

لیکن بشارتوں کے باوجود جب آپ تشریف لائے تو یہودیوں اور عیسائیوں آپ کو موعود نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عیسیٰؑ جب تشریف لائے تو یہودیوں نے تمام نشانات دیکھنے کے باوجود نہ صرف انکار کیا بلکہ صلیب پر چڑھا دیا۔ کوئی نبی دُنیا میں اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق نہیں آیا جس کا انکار نہ کیا گیا ہو۔ یہ سُنّت اللہ ہے۔ اب اللہ تعالےٰ اپنی سنت تبدیل کرکے بعثتِ ثانی کے وقت حضرت عیسٰےؑ کو ایسے کس انوکھے طریقے سے اُتاریگا کہ سب ان کو قبول کر لیں گے اور انہیں ان کے وہی عیسٰیؑ ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا۔ اس کی وضاحت اور تشریح بھی ہو جاتی تو ہم جیسے بھولے بھٹکوں کو روشنی مل جاتی۔ جو نبی آنحضرت صلعم کی جُوتی کا تسمہ کھولنے پر بھی فخر محسوس کرتا ہے یہ بڑے تعجّب کی بات ہے کہ وہ آپ کی اُمّت کو دجّال کے فتنہ سے نجات دلانے کے لئے آئے گا۔ جس فتنہ کے متعلق آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میرے زمانے سے قیامت تک کے درمیانی عرصہ میں اس سے بڑا کوئی فتنہ نہ ہوگا ایسے مٹانے کے لئے آنحضرت صلعم کو ہی زندہ نہ رکھنے میں آخر کیا مصلحت تھی۔ جہاں تک ان کی شناخت کا تعلق ہے "جن مسلمانوں کے درمیان ان کا نزول ہوگا" وہی انہیں شناخت کر سکیں گے کیونکہ ان کا نزول کسی خاص مقام پر ہوگا۔ اس حالت میں دنیا کے باقی کروڑوں مسلمانوں کا جو دنیا کے مختلف گوشوں میں بستے ہیں کیا حال ہوگا۔ وہ انہیں کس طرح شناخت کریں گے کیونکہ ہر نبی اور مامور کی شناخت کے لئے کچھ نشانات ہوتے ہیں۔ انہیں کن نشانوں سے پہچانا جائے گا۔ احادیث میں مذکور نشانات اگر اس دور میں کسی اور کے لئے پورے ہو گئے ہوں تو حضرت عیسٰے کی شناخت کے لئے کونسے نشانات باقی رہ جائیں گے۔ اگر عیسٰے کی بعثتِ ثانی کو لیتے ہیں تو اس زمانے کی حالت۔ اس میں نمودار ہونے والے فتنوں اور آپ کی آمد کے نشانات کو یکجائی طور پر سامنے رکھنا چاہیئے تاکہ مکمل نقشہ سامنے آ جائے۔

ہماری طرف سے اس اعتراض کے جواب میں کہ حضرت عیسٰےؑ کے دوبارہ آنے سے ختمِ نبوّت کی مہر ٹوٹتی ہے اس کتابچہ میں صفحہ ۶۲ پر جواب دیا گیا ہے:—

"ان کا آنا بلا تشبیہ اسی نوعیت کا ہوگا جیسے ایک صدرِ ریاست کے دَور میں کوئی سابق صدر آئے اور وقت کے صدر کی ماتحتی میں مملکت کی کوئی خدمت انجام دے......
...... ایک صدر کے دَور میں کسی سابق صدر کے محض آ جانے سے آئین نہیں ٹوٹتا"

دلیل پڑھئے اور سر دُھنیے۔

یہ دلیل سیاست سے لی گئی ہے اس لئے ہم اس کا تجزیہ سیاسی نقطۂ نظر سے کرتے ہیں۔ کسی ریاست کا صدر یا تو فوجی انقلاب کے ذریعے سے برسرِ اقتدار آتا ہے یا آئینی طور پر انتخابات کے ذریعے۔ چونکہ یہاں "آئین نہیں ٹوٹتا" کے الفاظ درج ہیں اس لئے ہم اس سے مطلب وہ صدر لیتے ہیں جو انتخابات کے ذریعے برسرِ اقتدار آیا ہو۔

ایسا صدر پہلے اپنے آپ کو بطور اُمیدوار پیش کرتا ہے۔ کوئی اس کو نامزد کرنے والا اور کوئی اس کے کاغذات نامزدگی کی تائید کرنے والا ہوتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ صدر بننے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر لوگوں سے اپنے لئے ووٹوں کی درخواست کرتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے جیت جائے۔ تو صدارت کا عہدہ اور اختیارات سنبھالتا ہے۔

اس کے برعکس نبی جسے یہاں صدر سے تشبیہ دی گئی ہے نہ نبوّت کی خواہش کرتا ہے نہ ہی اس کے لئے اسے کوئی نامزد کرنے والا اور نہ تائید کرنے والا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ لوگوں کے ووٹوں سے نبوّت کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سے اس عمل کی تائید میں کوئی آیت پیش نہیں کی جا سکتی بلکہ قرآن شریف تو یہ فرماتا ہے:—

"اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے" (۲:۱۰۵)

رحمت کا مطلب یہاں نبوّت ہے اور دوسرے مقام پر ہے:—

"اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے" (۶:۱۲۴)

انبیاء اللہ تعالےٰ کے منتخب ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ ہی ان سے منصب نبوّت چھین سکتا ہے۔ اور ہمیں قرآن کریم اور احادیث سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰےؑ سے منصبِ نبوّت چھین کر انہیں سابق صدر بنا دیا ہے۔ کیونکہ سابق کا لفظ اسی کے ساتھ لگایا جاتا ہے جو اب اس عہدے پر فائز نہ ہو۔ حضرت عیسٰےؑ لوگوں کے منتخب صدر نہ تھے کہ دوسرے انتخاب میں انہیں اس کے لئے نہ چُنا گیا اور وہ سابق صدر بن گئے۔ جنہیں لوگ چُنیں انہیں وہی معزول کر سکتے ہیں۔ اور جنہیں اللہ تعالےٰ چُنے انہیں وہی معزول کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگوں کا اختیار قطعًا نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے منتخب نبیوں کو ان کی نبوّت سے معزول کرکے انہیں "سابق صدر" بنا دیں۔ اس لئے یہاں نبوّت کی مثال صدارت سے دینا

کام کریں گے اس لئے ختمِ نبوت کی مُہر نہیں ٹوٹے گی۔

ایک عام سُوجھ بُوجھ کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ "وقت کے صدر" کی ماتحتی میں کام اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب وہ بذاتِ خود زندہ موجود ہو۔ اور اپنے اختیارات میں سے کچھ اختیارات سابق صدر کو تفویض کرے لیکن یہاں تو "وقت کے صدر" وفات پا چکے ہیں۔ کیا کسی وفات شُدہ صدر کی ماتحتی میں بھی کسی سابقہ صدر نے آ کر کام کیا ہے یا اُسے آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ حضرت عیسٰےؑ نہ ابھی آئے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کب آئیں گے۔ وقت کے صدر فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسٰے کہیں بعد میں آئیں گے۔ قرآن کریم یا احادیث سے کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اللہ تعالےٰ نے ان سے صدارت (نبوّت) کا عہدہ چھین لیا گیا ہے۔ اس لئے اب اگر وہ آئیں گے تو سابقہ صدر کی حیثیت سے کیوں آئیں۔ جگہ خالی ہے پھر صدر ہی بن کر کرسی صدارت کیوں نہ سنبھالیں اور اپنے پورے اختیارات استعمال کریں۔ اس میں کونسی رکاوٹ حائل ہو سکتی ہے۔

یہ یقین رکھئے کہ آپ اگر مسیح ابنِ مریم کو زندہ تسلیم کر کے واپس لاتے ہیں تو ختمِ نبوّت کی مُہر ٹوٹتی ہے اور خاتم النبیین آنحضرت صلعم نہیں بلکہ حضرت عیسٰے ہی ٹھہرتے ہیں۔ آپ کی ان کھوکھلی دلائل سے مسیح کو زندہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی متعدد صریح آیات ان کی وفات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

صفحہ ۵۹ پر اس عبارت کی روشنی میں کہ:۔

"حضرت عیسٰے ابنِ مریم کا دوبارہ نزول نبی مقرر ہو کر آنے والے شخص کی حیثیت سے نہیں ہوگا۔ نہ اُن پر وحی نازل ہوگی۔ نہ وہ خدا کی طرف سے کوئی نیا پیغام یا نئے احکام لائیں گے۔ نہ وہ شریعت محمدی میں کوئی اضافہ یا کوئی کمی کریں گے۔"

ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نہ نبی کی حیثیت سے نازل ہوئے۔ نہ ان پر وحی نبوّت نازل ہوئی۔ نہ وہ خدا کی طرف سے کوئی نیا پیغام لائے اور نہ نئے احکام۔ نہ انہوں نے شریعت محمدی میں کوئی اضافہ کیا۔ نہ اُنہوں نے اپنی کوئی الگ اُمت بنائی اور جس کارِ خاص کے لئے مسیح نے آنا تھا یعنی دجّال کے فتنے کا استیصال وہ آپ نے اس طرح سر انجام دیا کہ خود دجّال نے شکست تسلیم کر لی۔ احادیث میں درج اس زمانے میں تمام نشانات بھی پورے ہو گئے۔ اور آپ کے آنے سے ختمِ نبوّت کی مُہر بھی برقرار رہی۔ تو ان تمام حقائق کے سامنے ہوتے ہوئے بھی کوئی اگر ان کے دعویٰ مسیح موعود کو جھٹلاتا ہے اور عیسٰیؑ ابنِ مریم کے آنے کا منتظر ہے تو ختمِ نبوّت کا منکر وہ ہے نہ کہ ہم۔

دستکاری کی نمائش نہایت کامیاب رہی

۲ ذو ۱۹۷۷ء

جلسۂ سالانہ دسمبر ۱۹۷۶ء پر بھی احمدی خواتین نے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے **دستکاری** کی نمائش میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ بلکہ مَیں اپنے آپ کو یہ کہنے میں حق بجانب سمجھتی ہوں کہ سب بہنوں کے بھرپور تعاون سے ہم نے اس میدان میں ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، اور اس سال گزشتہ سال کی نسبت دوگنا رقم وصول ہوئی ہے۔ اس سال **دستکاری** سے چھ ہزار بیاسی روپے حاصل ہوئے جبکہ گزشتہ سال تقریباً تین ہزار روپے وصول ہوئے تھے۔

تنظیم خواتین لاہور کی خاص پیشکش بچوں کے لئے جانماز بہت مقبول ہوئے۔ یہاں میں یہ بھی ذکر کرتی چلوں کہ اس کا محرک گیانا کی بہن **صفورہ ضیاء الدین** کا وہ مضمون تھا جو کچھ عرصہ پہلے اخبار "لائٹ" میں چھپا تھا اور جس میں انہوں نے خواتین کو توجّہ دلائی تھی کہ کس طرح وہ اپنے بچّوں میں دینی شوق پیدا کر سکتی ہیں۔

ان کی پیش کردہ تجاویز میں ایک یہ بھی تھی کہ اگر بچّے کا اپنا چھوٹا سا **جانماز** ہوگا تو اس کے دل میں **نماز** پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ لاہور کی خواتین نے بھی اسی جذبہ کے تحت محترمہ ناصرہ ملک صاحبہ کی زیرِ نگرانی نہایت محنت اور لگن سے یہ دیدہ زیب جانماز تیار کئے۔

امسال دوسرے شہروں سے آنے والی **دستکاری** بھی گذشتہ سالوں کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔ خصوصًا پشاور اور سیالکوٹ کی بہنوں نے اس سال اس تحریک میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔

پاکستان کے تقریبًا سبھی علاقوں اور شہروں کراچی۔ پنڈی **مُلتان۔ نوشہرہ۔ اوکاڑہ۔ بڈو ملہی۔ ایبٹ آباد** حتّٰی کہ **ہزارہ** کے دُور اُفتادہ گاؤں **دیبگراں اور داتہ** سے بھی بہنیں **دستکاری** بنا کر لائیں۔ یہ امر ہم سب کے لئے نہایت ہی حوصلہ افزا ہے۔

ہالینڈ اور **ٹرینی ڈاڈ** سے وصُول ہونے والی دستکاری نے تو ہمارے حوصلے خاص طور پر بڑھا دیئے۔ گزشتہ سال ہماری تنظیم کی صدر صاحبہ **بیگم ذکیہ شیخ** نے اپنے ہالینڈ کے دورے کے موقع پر اس کے لئے وہاں تحریک کی تھی، جس پر وہاں کی **خواتین** نے عمل کر کے دکھا دیا۔

دُعا ہے اللہ تعالےٰ سب خواتین کے جذبۂ ایثار اور اشاعت اسلام کی لگن کو ہمیشہ قائم رکھے تاکہ وہ اپنے وقت کی قربانی دے کر اس تحریک اور روایت کو زندہ رکھ سکیں۔

بیگم صفیہ جاوید۔ انچارج دستکاری

روئداد جلسہ سالانہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء (بقیہ صٓ)

لیکن اگر وہ فطرتًا اسلام کے مذہب پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کا وجود ہی باقی نہ رہے۔ آپ نے عیسائیت پر تنقید کی اور کہا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق انجیل میں ہے کہ انہوں نے ماں کا احترام کرنے کی بجائے ماں سے کہا "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" اور مصلوب ہونے کی حالت سے ماں کی حالت غیر ہو رہی تھی لیکن آپ نے یوحنا سے کہا یہ تیری ماں ہے میری نہیں۔

غرضیکہ ہندو اور عیسائیوں کے ہاں عورت کا کوئی مقام نہیں۔ لیکن اسلام میں عورت زندگی بخش ہے۔ زندگی ہے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے اپنے ان مناظرات کا ذکر بھی فرمایا جو انہوں نے پادریوں اور پنڈتوں سے کئے تھے اور وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکے اور گریز پا ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنے مسلک کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ [illegible] مذاہب کا [illegible] مطالعہ کرنے کی تحریک فرمائی۔ بعدہٗ جناب [illegible] اعظم علوی صاحب مبال[illegible] ورنظم پیش کی۔ بعدہٗ مولانا

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

قسط نمبر (۲)

آئین پاکستان میں ترمیم۔ مسلم کی شرعی تعریف اور جماعت احمدیہ لاہور

(مکرم جناب ریٹائرڈ کیپٹن عبدالواجد صاحب پشاور)

علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے } فضل الباری شرح اُردو صحیح البخاری میں علامہ نے اسلام اور ایمان پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث میں ان کا مقصود صرف حنفیہ کے مذہب کو صحیح ثابت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے ایمان کی تعریف جو امام طحاوی نے حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کی ہے۔ ان الفاظ میں بیان کی ہے:۔

"الایمان اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالجنان وجمیع ما صحّ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم من الشرع والبیان کلّہ حق والایمان واحدٌ و اھلہ فی اصلہ سواءٌ والتفاضل بینھم بالخشیة والتقی ومخالفة الھوی وملازمة الاولی۔"

یعنی ایمان سے مراد زبانی اقرار اور قلبی تصدیق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام شریعت صحیح طور سے ثابت ہیں کے ماننے کو کہتے ہیں۔ ایمان واحد ہے اور مؤمن ایمان میں برابر ہیں اور مؤمنین میں فرق باعتبار خشیتِ الٰہی اور تقویٰ اور خواہشات کی مخالفت اور اہم باتوں کے التزام سے ہے۔"
آگے لکھتے ہیں ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک اعمال بھی جزوِ ایمان ہیں انکار کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ خود ابو حنیفہؒ کے الایمان واحد کہنے سے مترشح ہوتا ہے۔ ہاں اجزاء میں باہم فرق مراتب ہے اور یہ سب ہی مانتے ہیں اور یہ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی ایمان کا ایک درجہ وہ ہے جس میں زیادہ و نقصان کا تفاضل ہے جیسا کہ والتفاضل بینھم الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا ابو حنیفہؒ نے ایمان میں دو درجے نکالے ہیں ایک میں تو تفاضل نہیں ہے سب افراد اس میں مشترک و برابر ہیں۔ وہ اصل جڑ ہے۔ دوسرے میں تفاضل ہے۔
علامہ نے اعمال کو اس درجہ ایمان کا جزو بتایا ہے جس میں تفاضل ہو سکتا ہے۔ اعمال کو متعلقات و لوازمات ایمان کہتے ہیں جن کے ترک کرنے سے ایمان فوت نہیں ہوتا۔
علامہ عثمانی نے اہلسنّت والجماعت کے اندرونی اختلافات کی ماہیت کو کم دکھانے کی کوشش کی ہے۔

"جملہ اہلسنّت والجماعت خواہ احناف ہوں یا محدثین سب کے سب ثمرہ اور نتائج اور مراد میں متفق اور متحد ہیں بعض تعبیر و الفاظ میں اختلاف ہے۔ محدثین کہتے ہیں الایمان قول و عمل یعنی عمل بھی جزوِ ایمان ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ عمل جزوِ ایمان نہیں مراد کے اعتبار سے حاصل دونوں کا ایک ہے۔"

اُوپر درج شدہ اکابرینِ اہلسنّت کی آراء سے وہ نتیجہ تو اخذ نہیں ہوتا جو علامہ عثمانی نے دکھایا ہے۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق حاصل ایک ہے تو مرجیہ کے ساتھ اختلاف کیوں دکھایا جاتا ہے۔ اگر اہلسنّت والجماعت کے اندر اتنی وسعت قلبی دکھائی جاتی ہے تو دوسرے فرقوں کے ساتھ کیوں نہیں دکھائی جاتی۔ اہلسنت والجماعت کے اندر تو اس بات میں اختلاف ہے کہ اقرار لسانی جزوِ ایمان ہے یا نہیں اور تصدیق قلبی میں بھی۔

. . . .

سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رائے } "مسئلہ قادیانیت" میں وہ لکھتے ہیں کہ جو کفر ان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ:۔

"(۱) آدمی ان بنیادی عقائد سے انکار کر دے جن کے ماننے کا اسلام نے حکم دیا ہے (۲) کسی ایسے فعل یا قول کا مرتکب ہو جو صریح طور سے انکار کا مترادف ہو۔ مثلاً بُت کو سجدہ کرنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا یا قرآن کی بالارادہ توہین کرنا۔ یا خدا اور رسول کے ثابت شدہ احکام میں سے کسی کے ماننے سے انکار کر دینا (۳) ایمانی عقائد میں حذف یا اضافے یا تحریف کی نوعیت کا کوئی ایسا ردّ و بدل کر دے جس سے وہ عقیدہ بنیادی طور سے بگڑ جاتا ہو۔ مثلاً توحید کے ساتھ جلی شرک کی آمیزش یا انبیاء کے زمرہ میں کسی غیر نبی کو شامل کرنا اور اس کی تعلیمات کو وحی منزّل من اللہ ماننا۔"
آگے لکھتے ہیں کہ:۔

"تکفیر کا فتویٰ دینے سے پہلے ضروری ہے کہ اس شخص سے اس کی بات کا مطلب پُوچھا جائے (۲) اس کے اقوال و افعال پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈال کر دیکھا جائے۔ اور (۳) اگر اس کے قول یا فعل کی اچھی اور بُری دونوں تاویلیں ممکن ہیں تو اچھی تاویل کو ترجیح دی جائے اِلّا یہ کہ بری تاویل کو ترجیح دینے کے لئے قوی قرائن ہوں"

میں نے مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے آراء و افکار دکھائے ہیں۔ ان میں سے صحیح کونسی رائے ہے اور غلط کونسی اس پر تبصرہ سے میں نے احتراز کیا ہے۔ اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایمان کی تعریف کے دو جزو ہیں، ایک تصدیق قلبی اور یا اقرار لسانی یا یہ دونوں اور دوسرا جزو ہے جس کی تصدیق کی جائے یا اس کا اقرار کیا جائے۔ یعنی مؤمن بہ۔ اُوپر دیئے گئے افکار میں ایمان کے جزو اوّل کو زیادہ تفصیل سے دکھایا گیا ہے لیکن جزوِ دوئم یعنی مؤمن بہ کی بھی کہیں کہیں تفصیل کی جھلک آجاتی ہے۔ مؤمن بہ کی تفصیل بہت لمبی ہے اور ایمان کی تعریف کے اندر اس جزو کا ہونا شرط ہے۔ گویا اس کے بغیر تعریف ایمان مکمّل نہ ہوگی۔ مؤمن بہ کے اندر عہدی مسائل کو کافی دخل رہا ہے جیسے معتزلہ کے عروج کے وقت مسئلہ خلق قرآن کو اس قدر اہمیت دی گئی تھی کہ امام احمد بن حنبلؒ کو اس سلسلہ میں ناقابلِ بیان اور ناقابلِ برداشت مصائب اور آلام برداشت کرنے پڑے لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اسی مسئلہ کی وجہ سے امام بخاریؒ کو اپنا وطن بخارا چھوڑ کر سمرقند کا رُخ کرنا پڑا۔ راستہ میں انہیں معلوم ہوا کہ سمرقند میں بھی سخت انتشار ہے۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ سے دُعا کی کہ تیری زمین باوجود اپنی وسعتوں کے میرے لئے تنگ ہوگئی ہے۔ اس لئے مجھے اپنے پاس بُلا لے۔ آج کل مسئلہ ختم نبوت کو اسی طریقہ سے اہمیت دی گئی ہے۔ اس مسئلہ کو شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں بھی بڑی اہمیت دی گئی تھی۔ مسئلہ ختم نبوت کو دوسرے مسلم ممالک میں وہ حیثیت حاصل نہیں کہ اس کا انعکاس مُلکی آئین میں ہو۔ لیکن پاکستان میں اس کی وجہ سے احمدیوں پر

زمین تنگ کر دی گئی ہے۔ حالانکہ ختم نبوت کا اصلی منکر خود تحریک تحفظ نبوّت کے علماء اور زُعماء ہیں۔ جو کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک پرانے نبی کا آنا مانتے ہیں۔

عدلیہ کی طرف سے اِسلام کی تعریف

تقسیم ہند سے پہلے اور بعد مختلف اوقات میں مُلک کی مختلف عدالتوں میں احمدیوں کے خلاف مقدمات پیش ہوتے رہے ہیں ان کے فیصلے بھی مختلف رہے۔ حال ہی میں لاہور ہائیکورٹ میں ایک رٹ درخواست کتاب "راہنمائے اساتذہ" میں مندرجہ کلمہ طیبّہ میں مزعومہ اضافہ کے خلاف دائر کی گئی تھی۔ اس درخواست کی سماعت کے سلسلہ میں ایک شیعہ عالم دین مفتی کفایت حسین مرحوم کے اس بیان کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اُنہوں نے منیر کمیشن کے سامنے ۱۹۵۳ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق انکوائری میں دیا تھا۔ اس بیان میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ جو شخص اللہ تعالٰے کو واحدہٗ لاشریک مانے اور اور محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت تسلیم کرے اور بعث بعد الموت پر یقین کرے وہ مسلمان ہے۔ عزت مآب سردار اقبال احمد چیف جسٹس پنجاب ہائیکورٹ نے اس درخواست پر فیصلہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص کلمہ طیبّہ پر ایمان لائے اور آنحضرت صلعم پر قطعی اور غیر مشروط طور سے خاتم النبیّین مانے وہ شخص مسلمان کہلاتا ہے۔

عُلماءِ تحفّظ ختم نبوّت کے عقائد

قبل اس کے کہ اس آئینی ترمیم کا تجزیہ کیا جائے ذیل میں تحفظ ختم نبوت کے اپنے عقائد کا ذکر ضروری ہے۔ تحفّظ ختم نبوّت کا مطالبہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جو کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک پُرانے نبی کے آنے کے قائل ہیں۔ اُن کے نزدیک لفظی ہیرا پھیری کر کے ایک پرانے نبی کو لایا جا سکتا ہے، اس سے ختم نبوت نہیں ٹوٹ سکتی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام آنحضرت صلعم کے بعد آسمان سے اُتر کر دوبارہ زمین پر آئیں گے۔ اس عقیدہ کی بنیاد احادیث پر ہے۔ نزول مسیح کے بارہ میں صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں کئی حدیثیں آئی ہیں اور ایک وہ بھی ہے جو امام مسلم نے نواس بن سمعان سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں آنے والے مسیح کو عیسٰے نبی اللہ کرکے چار دفعہ پکارا گیا ہے۔ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیّین مانا جاتا ہے اور دوسری طرف اس کے بعد ایک پُرانے نبی کو لایا جاتا ہے اس تضاد کو دُور کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت عیسٰے علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے مبعوث ہوئے تھے اس لئے آنحضرت صلعم کے بعد ان کے آنے سے ختم نبوت نہیں ٹوٹتی دوسری تاویل اس تضاد کو دُور کرنے کے لئے یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے اُمتی بن کر آئیں گے۔ اور نبوّت سے معزول ہوں گے۔ قطع نظر اس بات کے کہ الفاظِ حدیث اس تاویل کے متحمل ہیں یا نہیں یہ دوسری دلیل پہلی توضیح کو توڑتی ہے۔ اگر پُرانے نبی کے آنے سے ختم نبوت پر ضرب نہیں پڑتی تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کو نبوت سے معزول کرنے کی کیا ضرورت۔ جو علماء اس آئینی ترمیم سے اس طرح مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہ ان کی دلی مراد پوری ہوگئی ہے وہ یہ سوچیں کہ احمدیت سے عناد نے ان کی آنکھوں پر پردہ تو نہیں ڈال دیا کہ یہ آئینی ترمیم صحیح مسلم کی حدیث کو کہیں مردود تو نہیں ٹھہراتی۔ اگر بالفرض حضرت عیسٰے علیہ السلام نے دوبارہ اس دنیا میں اُمتی محمدؐ کے طور پر آنا ہوا اور اس طرح صحیح مسلم کی حدیث کا ایفاء ہوا تو وہ یہ ضرور کہیں گے کہ وہ حضرت عیسٰے نبی اللہ ہیں اور وہ محمد کے امتی کے طور پر آئے ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو نبی اللہ نہیں کہیں گے تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ اصلی حضرت عیسٰے ہیں یا کوئی اور۔ تو کیا آئین پاکستان اس وقت ان کے راستے میں حائل نہ ہوگا۔ خدا تعالےٰ کی مشیت کو روکنے کے لئے آئینی ترمیم کی اس وقت کیا حیثیت رہے گی اور علما اس وقت حدیث نبوی کا اتباع کریں گے یا آئینی دفعات کا۔

اس سلسلہ میں دوسری بات جو مجھے عرض کرنا ہے یہ کہ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ کا درجہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک شیخ اکبر کا ہے۔ اور ان کی بہت تعظیم ہوتی ہے۔ وہ اپنی فصوص الحکم میں فرماتے ہیں:—

فابقی لھم النبوّۃ العامۃ التی لاتشریع فیھا وابقی لھم التشریع فی الاجتھاد۔ یعنی ختم نبوّت کے بعد خدا تعالےٰ نے ان کے لئے نبوّت عامہ کو باقی رکھا جس میں تشریع نہیں ہوتی۔ اور ان کے لئے اجتہاد فی التشریع کو باقی رکھا۔

اور حدیث لابعدی کے متعلق شیخ اکبر نے فرمایا:—

وھذا الحدیث قصم ظھور اولیاءاللہ۔ اور اس حدیث نے اولیاء اللہ کی کمریں توڑ دیں۔

اور لکھتے ہیں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس واسطے اس نے نبوّت عامہ کو باقی رکھا۔ جس میں تشریع نہیں ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی ایک اور عالی مرتبہ اور قابل تعظیم عالم دین ہیں اور ان کا علمی رتبہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک مسلّم ہے وہ شیخ اکبر کے ان اقوال کی تائید اپنی کتاب الیواقیت والجواھر میں بڑی شدّو مد سے کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:—

"وھذا ما ابقی اللہ تعالےٰ من اجزاء النبوّۃ فان مطلق النبوّۃ لم یرتفع وانما ارتفع نبوۃ التشریع فقط کما یؤیدہ حدیث من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوّۃ فی جنبیہ .... وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلانبی بعدی ولا رسُول المراد بہ لامشرع بعدی یعنی یہ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے اجزاءِ نبوّت میں سے باقی رکھا ہے کیونکہ مطلق نبوّت نہیں اُٹھائی گئی بلکہ صرف تشریعی نبوّت اُٹھائی گئی ہے۔ جس کی تائید حدیثِ نبوی کرتی ہے کہ جس نے قرآن کو حفظ کیا تو اس نے اپنے پہلوؤں میں نبوّت داخل کی .... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قول کہ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔"

کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی نہیں ہوگا۔ پھر لکھتے ہیں کہ:—

"فاما خاتم الولایۃ علی الاطلاق فھو عیسٰی علیہ السلام فھو ولی بالنبوّۃ المطلقۃ۔ اور مطلقاً خاتم الولایت تو عیسٰے علیہ السلام ہیں۔ وہ نبوّت مطلق والے ولی ہیں۔"

یہ ارشاد ولایت محمدیہ کے بارہ میں ہے۔ اور فرماتے ہیں:—

قد اغلق اللہ تعالیٰ باب التنزل بالاحکام الشریعۃ وما اغلق باب التنزل بہ بالعلم بھا علی قلوب اولیاءہ الذی ھوالتنزل الروحانی بالعلم وذلك لیکون الاولیاء علےٰ بصیرۃ فی دعائھم الی اللہ بھا۔ اللہ تعالےٰ نے شرعی احکام کے نازل کرنے کا باب بند کیا ہے اور قلوب اولیاء پر علم کے نازل کرنے کا دروازہ بند نہیں کیا جو کہ علم کا روحانی نزول ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ اللہ

اللہ تعالےٰ کی طرف بلانے میں اولیاء بصیرت پر قائم ہوں۔

داعیان تحفظ ختم نبوت کا آئین پاکستان میں ترمیم کی رُو سے مندرجہ بالا عقائد کے بارہ میں کیا فتوٰے ہوگا۔ آئینی ترمیم کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے کسی مفہوم کی رُو سے جو مدعی ہوگا وہ غیر مسلم ہوگا اور اس کے ماننے والے بھی غیر مسلم۔ اب نبوت مطلقہ [illegible] دیں کہ آئینی ترمیم شریعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو کیا تحفظ ختم نبوت کے داعی اپنے مطالبہ میں صادق ٹھہر سکتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کو اہلسنت والجماعت مجدد تسلیم کرتی ہے اپنے مکتوب ۲۸ دفتر اوّل حصہ دوم میں لکھتے ہیں:—

”وہ صوفی جس کو فنا اور بقا اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے بعد عالم کی طرف لایا گیا ہو اور مخلوق کو راہ راست کی طرف لانے کا فریضہ اسے تفویض کیا گیا ہو وہ مقام نبوت سے حصہ پا چکا ہے۔“

دفتر اوّل حصہ پنجم مکتوب ۳۱ میں لکھتے ہیں:—

”غایت ما فی الباب یہ ہے کہ پیرو کاروں کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف اور کمالات سے بطریق وراثت پیرو کاروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ خاص کند بندہ مصلحت عام را (یعنے اللہ تعالےٰ مصلحتِ عامہ کی خاطر کسی فرد کو مخصوص فرماتا ہے) تو خاتم المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع انبیاء والرسل الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت کے بعد طریق وراثت وتبعیت آپ کے پیرو کاروں کو کمالاتِ نبوت کا حصول آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں“

اور دفتر دوم حصہ اوّل مکتوب ۳۹ میں لکھتے ہیں:—

”اور اصحاب یمین اہلِ اسلام اور ارباب ولایت ہیں اور بالاصالۃ سابقین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں تابع ہونے کے اعتبار سے جسے بھی اس دولت سے مشرف کر دیں تبعیت کے طور پر یہ دولت زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات والتحیات کے اکابر صحابہ میں پائی جاتی ہے اور قلت و ندرت کے طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔“

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے کثیر تعداد میں متبعین اس وقت سلسلۂ نقشبندیہ میں موجود ہیں کیا علماء کے نزدیک بروئے آئینی ترمیم یہ سب غیر مسلم ہیں؟

امام غزالیؒ اہلسنت والجماعت کے نزدیک بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کو حجۃ الاسلام کرکے پکارتے ہیں وہ اپنی کتاب ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں لوگوں کو ایمان کے لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پانچواں گروہ وہ ان لوگوں کا بیان کرتے ہیں جو عقائد اسلام پر ایمان لاتے ہیں، لیکن وہ آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے صرف اولوالعزم نبیوں کا آنا بند سمجھتے ہیں یعنے یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اولوالعزم نبی نہیں آسکتا عام نبی آسکتا ہے۔ ان کے بارہ میں امام صاحب لکھتے ہیں کہ عربی محاورہ کی رُو سے الفاظ خاتم النبیین اس تاویل کے متحمل ہیں لیکن انہیں جواب دیا جائے گا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ لانبی بعدی۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ہم مومنوں میں شمار کریں گے۔

یہ ہیں عقائد تحریک تحفظ ختم نبوت والوں کے ان کے نزدیک پرانے نبی کو آنحضرت صلعم کے بعد لانے والے مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوتِ عامہ کو جاری رکھنے والے مسلمان ہیں لیکن وہ جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نئے نبی کے آنے کی قائل اور نہ پرانے نبی کی وہ جماعت غیر مسلم ہے۔ اگر آئین میں ترمیم نہ ہوتی ہیں۔ دوسروں کو غیر مسلم بنانے والوں نے سر پر ان کی اپنی پیدا کردہ بلا واپس آپڑی۔ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کو سزا ہے لیکن اسے صرف سمجھنے والے ہی سمجھیں گے۔ ختم نبوت کے منکرین تحفظ ختم نبوت کا تقاضا کرتے ہیں قارئین خود ہی رائے قائم کریں کہ اس مطالبہ میں کس قدر صادق القول ہیں۔

قرآن کی رُو سے مسلمان کون ہے

{قرآن کریم سے مومن اور مسلم کے مختلف مراتب ہیں

جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله (فاطر۔ ۳۲) ان میں اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی ہیں اور میانہ روی اختیار کرنے والے بھی اور وہ بھی جو اللہ تعالےٰ کی اجازت سے نیکیوں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں۔

یہ مراتب خواہ ادنےٰ ہوں یا اعلےٰ ان سب کے لئے اللہ تعالےٰ نے مؤمن یا مسلم کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم (الحجرات ۱۴)

بدوؤں نے کہا ہم ایمان لائے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے (فرمانبرداری اختیار کی) اور ابھی تک ایمان تمہارے قلوب میں داخل نہیں ہوا۔

دوسری جگہ فرمایا:—

يا ايها الذين آمنوا اذا ضربتم في سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مؤمنا۔
(سورۃ النساء۔ ۹۴)

اے ایمان والو جب تم اللہ تعالےٰ کے راستہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم پر سلامتی ڈالے اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں۔

یہ تو ادنےٰ درجہ کی مثالیں ہوئیں مؤمن اور مسلم کی۔

والذين آمنوا بالله ورسله اولئك هم الصديقون والشهداء عند ربهم (حدید۔ ۱۹) جو اللہ تعالےٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔

یہ مثال ہے اعلےٰ ترین درجہ کی۔ اسی طرح فرمایا:—

ومن احسن دينا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهيم حنيفا (النساء۔ ۱۲۵) اور دین میں اس سے اچھا کون ہے جس نے اللہ تعالےٰ کی کلی فرمانبرداری اختیار کی اور راستبازی سے دین ابراہیمؑ کی پیروی کی۔

بلى من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون (البقرہ ۱۱۲)

ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے

اور ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ غم۔
یہ اعلیٰ درجہ کی مثالیں ہیں۔

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا (الحجرات ۔۹)
اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں۔
یہاں پر ایک دوسرے کو مارنے والے دونوں فریقوں کو مومن کہا گیا ہے۔

فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان (البقرہ ۔ ۱۷۸) جس کو اپنے بھائی کی طرف سے معافی دی گئی ہے تو عمدگی سے پیروی کرنی چاہیئے اور نیکی کے ساتھ دیت ادا کرنا چاہیئے۔
اب یہاں پر قاتل مومن کو بھائی کہا گیا ہے۔ اور یہ دینی بھائی ہے۔

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علیٰ قوم بینکم و بینھم میثاق (انفال ۔ ۷۲)
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا فرض ہے سوائے ان لوگوں کے خلاف کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہو۔
یہاں پر مہاجرین مومنین یا انصار پر ان مومنین کی دوستی کی نفی کی گئی ہے جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی۔ اور دین میں مدد دینے سے بھی روکا گیا ہے اگر جن کے خلاف مدد مانگی گئی ہے ان کے ساتھ معاہدہ امن ہو۔ انہی لوگوں کی طرف سورہ فتح میں اشارہ ہے:۔

لولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنٰت لم تعلموھم ان تطئوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم (الفتح ۔ ۲۵)
اگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے اور تم ان کو پامال کر دیتے اور لاعلمی میں تمہیں انکی وجہ سے نقصان پہنچا۔
ان سب کو مومن کہا گیا ہے۔

وقال رجل مؤمن من اٰل فرعون یکتم ایمانہ (المؤمن ۲۸)
اور آل فرعون میں سے ایک شخص نے کہا اور وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔
یعنے اپنے ایمان نہ ظاہر کرنے والا بھی خدا کے نزدیک مومن ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے بھی ہیں جن کو مومن نہیں کہا گیا۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ (البقرہ ۔ ۸۔) اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔

اذا جاءک المنٰفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون۔ (منافقون ۔۱) اور جب منافق تیرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو رسول اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنے قول میں جھوٹے ہیں۔
ان صورتوں میں دل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے انسان کو نہیں چنانچہ آنحضرت صلعم کو بھی مدینہ کے تمام منافقین کا علم نہ تھا جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:۔

الذین اٰتینھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون (البقرہ ۱۴۶)
جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اسے جانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور ان میں ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ یہاں پر معرفت موجود ہے لیکن اسے چھپایا جاتا ہے۔ اس معرفت کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہی ہے گویا معرفت ایک باطنی چیز ہے۔

قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا (اٰل عمران ۔ ۸۴) کہہ کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا۔

اٰمن الرسول بما انزل الیہ والمؤمنون ۔ (البقرہ ۔ ۲۸۵)
رسول ایمان لایا اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا۔ اور مومن بھی۔
یہاں پر قول معتبر ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔

وقلبہ مطمئن بالایمان ۔ (النحل ۔ ۱۰۶)
اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (الحجرات ۱۴)
اور ابھی تمہارے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا۔

یاایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا اٰمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم۔ (المائدہ ۔ ۴۱)
اے رسول تجھے وہ لوگ غمناک نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔
ان آیات میں ایمان کو قلبی کیفیت بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کا تعلق قلب سے بتایا گیا ہے۔

دل کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ کے سوا انسان نہیں جانتا ہاں اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق اپنے رسول پر جن کا چاہے حال ظاہر کر دے۔ انسان کو اقوال اور افعال سے ہی کسی کے عقیدہ کا علم ہو سکتا ہے اسی وجہ سے شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں زیر آیت (۸ ۔ البقرہ) لکھا ہے کہ منافقوں پر دنیا میں احکام مسلمانوں کے ہی جاری ہوں گے اور اس بات پر قریباً فقہا کا اتفاق ہے اُوپر اس کی آراء دکھائی گئی ہیں۔
مندرجہ بالا آیات سے چار صورتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

(۱)۔ وہ جو ظاہری اور باطنی طور سے مومن ہوں خواہ وہ اعلیٰ درجہ کے ہوں یا ادنےٰ درجہ کے۔
(۲) ۔ وہ جو ایمان کا دعوےٰ کریں اور ظاہری اسلام ان کا غیر مشکوک ہو اگرچہ ایمان ان کے قلوب میں داخل نہ ہوا ہو۔
(۳)۔ وہ لوگ جو دل میں ایمان نہ رکھتے ہوں اور ظاہری طور پر ایمان کا دعوےٰ کرتے ہوں۔
(۴)۔ وہ لوگ جو دل میں ایمان رکھتے ہوں اور ظاہر میں ایمان کو چھپاتے ہوں۔

پہلے دو قسم کے متعلق تو کسی بحث کی ضرورت نہیں کہ انہیں مسلم ہی تصور کیا جائیگا۔ آخری دو صورتوں میں قلوب کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ دنیا میں معاملہ ان کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا یہی مذہب ہے۔ (باقی ۔۔ باقی)

عملی رنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیش کرو

تو اب میں کہتا ہوں آؤ عملی رنگ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیش کرو تا کہ تمہاری تبلیغ کی کوششیں زیادہ بار آور ہوں۔ تمہاری ذہنیت یہ ہونی چاہیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اچھی بات نظر آئے تو اس کو فوراً لینے کی کوشش کرو۔

(حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

[illegible]

(قسط نمبر ۲)

سورۃ آل عمران کی آیت اذ قال اللہ ...... کنتم فیہ تختلفون پر بحث

آپ کے سامنے یہ آیت لکھتے ہوئے میں نے آپ سے سیدھا سادا یہ سوال کیا تھا کہ پہلا رفع تو نزولِ ثانی کے لئے ہوا لیکن نزولِ ثانی کے بعد بھی یہ آیت قرآن کریم میں ویسی کی ویسی رہے گی تو یہ دوسری بار رفع کس مقصد کے لئے ہوگا؟ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ "خفیہ منصوبہ" یہود کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے تیار کیا تھا اور حضرت عیسٰےؑ کو فرمایا:—

"اے عیسٰےؑ! آپ ان کی ریشہ دوانیوں سے متشوش نہ ہوں میں آپ کو ان کے درمیان سے وصول کرکے آسمان پر اُٹھا لوں گا۔ .... ظاہر ہے کہ نزول کے بعد نہ یہود ہوں گے۔ نہ ان کا مکر ہوگا نہ اس سے بچانے کے لئے خدا تعالےٰ کے فوق العادت خفیہ منصوبے (رفع آسمانی کی ضرورت ہوگی۔ نہ خطاب ہی دوبارہ ہوگا ہاں خطاب اوّل کی حکایت ہمیشہ باقی رہے گی۔"

میرے اعتراضات

اس پر میرے اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:—

(۱) آپ فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ نزول کے بعد نہ یہود ہوں گے نہ ان کا مکر ہوگا۔" وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول کے بعد یہود نہیں ہوں گے کیونکہ اسی آیت کے آخری الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:—

"اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا (یہود) قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ آنا ہے۔ پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔"

موافقوں اور مخالفوں پر قیامت تک فوقیت دینے سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی یہودیوں پر غالب رہیں گے اور حضرت عیسٰےؑ قیامت کے قریب ہی نزول فرمائیں گے۔ عیسائی۔ یہود اور مسلمان تینوں قومیں ان کے سامنے ہوں گی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس لئے اختلافات آخری دم تک موجود رہیں گے۔ اس لئے یہود کی موجودگی میں حضرت عیسٰےؑ کو ایک بار پھر رفع کی ضرورت ہوگی۔ آپ قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہود اور اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ یہودی تب ہی ختم ہو سکتے ہیں جب یا تو وہ سب کے سب صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں اور یا حضرت عیسٰےؑ کے آتے ہی وہ سب آپکے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ لیکن مندرجہ بالا آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قیامت تک رہیں گے اس لئے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود نہ ہوں گے۔ دوسری صورت میں کہ وہ سب کے سب حضرت عیسٰی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ اس میں قرآن کریم آپ کی تائید نہیں کرتا کیونکہ حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر آنحضرت صلعم تک کوئی نبی یا آپ کے بعد کوئی مجدد ایسا نہیں آیا جس کی مخالفت نہ ہوئی ہو۔ یہ سب فوق العادت باتیں حضرت عیسٰےؑ کے لئے ہی کیوں؟ مقلد نہیں کہ حضرت عیسٰےؑ کے زمانے میں یہ اختلافات مٹ جائیں گے اس لئے انہیں دوبارہ رفع کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

(۲)۔ رفع جسمانی کو آپ بھی ایک فوق العادت منصوبہ کہتے ہیں یعنی سوائے اس ایک واقعہ کے تاریخ میں اور کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی اور رسول کو مخالفین کے منصوبہ سے بچانے کے لئے بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لیا ہو۔ سوائے حضرت عیسٰے کے۔ ایک طرف تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اپنے تمام انبیاء اور رُسل کو اپنی اسی قدرت نمائی کے لئے اسی زمین پر مخالفین سے بچانے اور ان پر غلبہ عطا کرنے کے لئے غیر معمولی سامان مہیا فرماتا ہے حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کو مکڑی کے کمزور ترین جالے کے ذریعے دشمنوں کی نگاہوں سے محفوظ کرلیتا ہے اور دوسری طرف حضرت عیسٰےؑ کے بارے میں حالت یہ ہے کہ دشمن نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ پر غالب آ جاتا ہے اور خدا کو انہیں بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لے جانے کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ (استغفراللہ)

(۳)۔ پھر ہمیں تو خدا تعالےٰ کہتا ہے کہو "لا نفرق بین احد من رسلہ" کہ ہم رسولوں میں کوئی تفریق رَوا نہیں رکھتے اور خود یہ تفریق رَوا رکھتا ہے کہ باقی تمام کو تو دشمنوں کے ہاتھوں دکھ اور اذیتیں اُٹھانے کے لئے زمین پر ہی در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور صرف حضرت عیسٰےؑ آنحضرت صلعم کے مقابلے میں بھی اس کے اتنے لاڈلے اور پیارے ہیں کہ انہیں آسمان پر اُٹھا لیتا ہے اور آج دو ہزار سال سے اپنے پہلو میں بٹھائے ہوئے ہے۔

(۴) مولوی صاحب! ہماری قرآن دانی اور قرآن فہمی محل نظر سہی اور نہ ہی ہمیں اس کا دعوےٰ ہے لیکن آپ فرماتے ہیں کہ:—

"اذ قال اللہ یٰعیسٰی انی متوفیک میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰے کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ نزول آیت سے چھ سو سال پہلے جو خطاب اُن سے فرمایا تھا بطور حکایت اسی کو نقل کیا ہے"

ذرا اپنے الفاظ پر غور فرمائیے۔ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ اس میں "اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰے کو مخاطب نہیں فرمایا" اور پھر اگلے ہی الفاظ میں فرماتے ہیں" بلکہ نزول آیت سے چھ سو سال پہلے جو خطاب اُن سے فرمایا تھا بطور حکایت اس کو نقل کیا ہے۔" کیا "مخاطب نہیں فرمایا" اور جو خطاب اُن سے فرمایا تھا۔ ایک ہی سانس میں اقرار اور انکار کی دلیل نہیں اور یہ اس ذہنی اُلجھن اور کشمکش کی نشاندہی نہیں کرتے کہ آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور اسے محض "حکایت" ماضی کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ کی قرآن دانی اور عربی دانی کا بھرم بھی کھل گیا ہے۔ بتائیے کیا "یا" اور "ک" اس آیت میں مخاطب کو خطاب کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوئے اور اس وقت استعمال نہیں ہوتے جب مخاطب ہوتا ہی سامنے ہے یا حاضر ہوتا ہے۔ اس لئے ان الفاظ میں جو خطاب حضرت عیسٰےؑ کو چھ سو سال پہلے ہوا وہ ان کے نزولِ ثانی کے بعد بھی ہوگا۔ خدا بھی موجود ہوگا اور حضرت عیسٰے بھی۔ خطاب کرنے والا بھی ہوگا اور مخاطب بھی۔ یہ ماضی کی نہیں

مستقبل کی حکایت بھی ہے۔ اس لئے آپ کو بتانا ہوگا کہ دوسرا رفع کس مقصد کے لئے ہوگا اور قیامت سے بھی آگے وہ کس مقصد کے لئے زندہ رہیں گے۔ اگر آنحضرت صلعم سے چھ سو سال پہلے کی باتیں سب حکایات ماضی ہی ہیں تو قرآن کریم میں آج سے چودہ سو سال قبل نازل ہونے والی باتیں حکایات ماضی کیوں نہیں۔ اور ان کا حال اور مستقبل پر کیا اطلاق ہو سکتا ہے؟ یہی تو وہ اعتراض ہے جو مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ قرآن کی تعلیم اب قابلِ عمل نہیں۔ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے

(۵)۔ یہ "وصول کرکے آسمان پر اُٹھاؤں گا" کا محاورہ بھی اپنا مطلب نکالنے کے لئے آپ نے خوب تراشا ہے۔ یعنی "متوفیك" کے معنی آپ نے "وصول کرکے" کئے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا پہلے انہیں وصول کرے گا اور پھر اُٹھائے گا۔ جہاں تک وصول کرنے کا تعلق ہے عام اُردو محاورہ میں تو اس کا یہی مطلب لیا جاتا ہے کہ جب کوئی چیز متعلقہ شخص تک پہنچ جائے تو وہ وصول ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسٰے بھی اللہ تعالٰے کو اسی وقت وصول ہوتے ہیں یا وہ انہیں وصول کرتا ہے جب وہ "رفع" کے بعد زمین سے آسمان پر اللہ میاں کے پاس پہنچ جائیں۔ اس لئے رفع پہلے ہونا چاہیئے اور وصول کرنا بعد میں۔ جب اللہ میاں نے انہیں زمین پر ہی وصول کر لیا تو آسمان پر اُٹھانے کی کیا ضرورت رہ گئی۔ یا نعوذ باللہ اللہ میاں کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ یہودی پھر حضرت عیسٰے کو اس کے قبضے سے نکال کر فرار ہو جائیں گے اور وہ انہیں ان سے نجات دلانے میں ناکام ہو جائے گا۔

میرے لئے ایسے من گھڑت اصُول جن کا نہ قرآن کریم اور نہ ہی احادیث میں کوئی نشان ملتا ہے قابلِ تسلّی اور اطمینان نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسٰے کو کسی کی اندھی عداوت میں زندہ رکھنے کے لئے قرآن کو مت بدلئے۔

قد خلت کی بحث

اس پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "قد خلت" کے معنی مرنے کے نہیں۔ "ہو گذرنے کے ہیں"...... اور زمین سے گذر جانا جس طرح موت کی صورت میں صادق آتا ہے اسی طرح رفع آسمانی کی صورت میں بھی صادق آتا ہے۔"

مَیں آپ ہی کے معنی لے کر آگے چلتا ہوں۔ المائدہ کی آیت ۷۵ کے یہ معنی ہوں گے:۔

"مسیح ابنِ مریم سوائے رسُول کے کچھ نہیں۔ اس سے پہلے بھی رسُول ہو گذرے ہیں۔" یہ آپ کو بھی تسلیم ہے کہ حضرت عیسٰے سے پہلے جو "رسُول ہو گذرے ہیں" وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں اور اگر نہیں تو وہ بھی بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لئے گئے ہیں۔ پہلوں کے بارے میں آپ رفع نہیں مانتے۔ قد خلت کا ایک اور بھی مقام پر انبیاء کے ذکر کے بعد استعمال ہوا ہے۔ البقرہ ۱۳۳ میں حضرت یعقوب اور آپ کے بیٹوں کے ذکر کے بعد حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق کا ذکر ہے۔ اور ۱۳۴ میں الفاظ آتے ہیں "تلك امة قد خلت" ہر ایک جماعت ہو گذری ہے۔" کیا یہاں سے بھی قد خلت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ ایک جماعت ہو گذری ہے لیکن اب جسم سمیت آسمان پر چڑھ گئی ہے یا تاریخ سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ یہ سب انبیاء جو حضرت عیسٰے سے پہلے گذرے ہیں فوت ہو چکے ہیں۔ ان کا رفع تو ضرور ہوا ہے لیکن روحانی جسمانی ہرگز نہیں۔ سورۃ الرعد ۳۰ میں بھی یہی الفاظ اُمتوں یا قوموں کے ذکر میں یوں آئے ہیں "اسی طرح ہم نے تجھے ایک اُمت میں بھیجا ہے۔ قد خلت من قبلها اُمم۔ اس سے پہلے امتیں "ہو گذری ہیں"۔ کیا یہاں بھی "قد خلت" یا "ہو گذری ہیں" سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک آسمان پر بیٹھی ہوئی ہیں یا یہ معنے نکلتے ہیں کہ یہ اُمتیں کبھی اس زمین پر تھیں اب نہیں ہیں یعنی مِٹ چکی یا مَر چکی ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو فرمائیے قومِ نوحؑ۔ قومِ لوطؑ۔ عاد اور ثمود۔ حضرت موسٰےؑ اور حضرت عیسٰےؑ کے وقت کی قومیں اس سر زمین پر اب کہاں ہیں۔

سورۃ الاحقاف ۱۷ میں ہے:۔

"اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا تُف ہے تم پر کیا
تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں نکال کھڑا کیا جاؤں گا اور مجھ سے پہلے
بہتیری نسلیں ہو گذری ہیں (قد خلت القرون من قبلی)"

کیا اس آیت میں کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھ سے پہلے بہتیری نسلیں ہو گذری ہیں جو ابھی تک اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ ہیں تو میں کیسے مروں گا اور نکال کھڑا کیا جاؤں گا یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھ سے پہلے بہتیری نسلیں ہو گذری ہیں جو ابھی تک مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوئیں تو مَیں کیسے مرنے کے بعد زندہ ہو جاؤں گا۔

پھر اسی سورۃ ۱۸ میں ہے:۔

"یہی وہ ہیں جن کے خلاف بات سچی ہوئی اُن گروہوں میں
جو جنّوں اور انسانوں میں ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ وہ
نقصان اُٹھانے والے تھے"

یہاں بھی قد خلت کے ہی الفاظ ہیں۔

اُردو محاورہ میں بھی "ہو گذرے ہیں"۔ "ہو گذرا ہے" یا "ہو گذری ہیں" میں مفہوم ماضی کا ہی پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ پہلے ایسا تھا اب نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف میں ایک عظیم اولیاء اللہ ہو گذرے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ اب نہیں ہیں۔ فوت ہو چکے ہیں۔ یا "فلاں اس دُنیا سے گذر گیا ہے" کا مطلب سننے والا ہمیشہ یہی لیتا ہے کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ یہ کوئی بھی آپ کی طرح مطلب نہیں لے گا کہ اس کا رفع جسمانی ہو گیا ہے اور وہ پھر لَوٹ کر آئے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ کو ان کے معروف معنوں سے پھیرنا زندقہ اور الحاد نہیں تو اور کیا ہے۔

آپ کی قرآن دانی اور قرآن فہمی کے کیا کہنے۔ فرماتے ہیں کہ سورۃ المائدہ کی آیت ۷۵ "بشرطِ عقل و انصاف یہ موت مسیح کی نہیں بلکہ حیاتِ مسیح کی دلیل ہے" کیونکہ "قرآن کا مُدعا یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ صرف رسول ہیں۔ خدا نہیں .... ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں...... یہ ہے قرآن کریم کا استدلال جس سے عیسائیوں کے دعوٰی الوہیت مسیح کو باطل کیا گیا ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن آپ کے اعتقاد کے مطابق تو حضرت عیسٰےؑ دوسرے رسولوں سے بالکل مختلف ہیں۔ کیونکہ الانبیاء ۸ میں ہے "ان کے ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے"۔ اب وہ سب رسُول کھانا کھاتے تھے۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۷۵ کے اگلے الفاظ ہیں کہ حضرت عیسٰےؑ اور حضرت مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب تک وہ زمین پر رہے زمین سے پیدا ہونے والا رزق کھاتے رہے۔ لیکن جب حضرت عیسٰےؑ آسمان پر چلے گئے تو وہاں بھی ان کو کھانے کی ضرورت ہے کیونکہ ان کا جسم باقی رسولوں کے جسموں سے مختلف نہیں۔ آسمان پر زمین کی چیزیں میسّر نہیں۔ اگر ان کا جسم انسانی ہے تو وہاں وہ کھانا نہیں کھاتے اس لئے وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور اگر آسمان پر ان کا جسم بھی ویسا ہی ہے

اور ان کو کھانا بھی ویسا ہی ملتا ہے تو وہ دوسرے رسُولوں سے بالکل مختلف ہیں - ان جیسے نہیں اور رسولوں سے بڑھ کر پھر خُدا ہی ہے - اس لئے آپ کے نزدیک وہ خُدا ہی ہیں - ان جیسے تو تب ہی ہو سکتے ہیں کہ ان طرح زندگی گزار کر وہ مر چکے ہوں جیسے ان سے پہلے رسول مر چکے ہیں - تب ہی دعوئ الوہیت باطل ہو سکتا ہے۔

باقی انبیاء کو تو چھوڑیئے خود رسولِ کریم صلعم کے بارے میں مخالفین کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ :-

" یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ۔"

کو ہیں اور بشر نہیں بلکہ کوئی مافوق البشر ہستی ہیں - اس لئے بھی آپ کے عقیدہ کے مطابق یہ دعوئ الوہیت کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی -

انبیاء کے متعلق ہے کہ "وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے" اور یہاں حضرت عیسٰے قیامت تک زندہ رہنے کی وجہ سے جب سے پیدا ہوئے ہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں - اس لئے بھی وہ دوسرے رسولوں سے مختلف ٹھہرتے ہیں - اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جو دلیل آپ دیتے ہیں وہ آپ کے خلاف جاتی ہے ۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق دعویٰ الوہیت اسی وقت باطل ہو سکتا ہے جب انہیں دوسرے رسولوں کی طرح مانا جائے - جیسے وہ اپنے وقت میں پیغامِ رسالت کا حق ادا کرنے کے بعد دُنیا سے رخصت ہو گئے - اسی طرح حضرت عیسٰے بھی وفات پا گئے - مرنے والا خدا نہیں ہو سکتا وہ حیّ لا یموت ہے اس لئے حضرت عیسٰے خدا نہیں ہو سکتے - اگر انہیں اب تک زندہ تصوّر کیا جائے تو دوسرے رسولوں سے جو مر چکے ہیں ہر لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اس لئے وہ ان جیسے نہیں بلکہ اُن سے بڑھ کر کوئی مافوق البشر ہستی ہیں جو صفاتِ الوہیت سے متصف ہیں - اس طرح عیسائیوں کا عقیدہ درست ٹھہرتا ہے اور آپ اُن کے اس عقیدہ کے مؤید نظر آتے ہیں - اُمید ہے آپ میرے ان شکوک کا ازالہ کرنے کی سعی ضرور فرمائیں گے -

---

روئیدادِ جلسہ سالانہ ــــ بسلسلہ ص۵

عبدالرحیم جگو صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے احباب جماعت کو مبارک باد دی کہ ان کی قربانی اور مساعی سے احمدیت زندہ ہے اور زندہ رہے گی -

آخر میں حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے اختتامی خطاب فرمایا اور لاتموتن الا و انتم مسلمون پڑھ کر فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو اور اس پر زندگی کے آخری سانس تک قائم رہو - آپ نے بتایا کہ حضرت مجدد مسیح موعود علیہ السلام نے قوم کے افراد میں تقویٰ پیدا کیا - ان میں علماء پیدا کئے جنہوں نے غیر ممالک میں اسلام کی شمع روشن کی - قرآن پاک کے تراجم کرکے دُنیا میں قرآن پاک پھیلایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا اور خدا کا نام بلند کیا - اس قوم نے ہندوؤں اور آریوں کو چیلنج دیا اور انکو شکست فاش دی - آپ نے فرمایا کہ یہ قوم مُبارک ہے - آپ نے فرمایا کہ انگریزوں نے دولت سے عیسائیت میں چوہڑوں اور چماروں کو شامل کیا لیکن ✻

ازحضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے دو کام

ہماری جماعت کے سامنے دو کام ہیں ایک کام ہے مسلمانوں کو اخلاقی رنگ میں درست کرنا ان کو قرآن کا عامل بنانا جیسے حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے ؎ چو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند
- - - کے اخلاق کا گرویدہ بنانا۔

دونوں کام صرف اخلاق نبویؐ پیدا کرنے سے ہو سکتے ہیں } یہ دو کام آپ کے سامنے ہیں لیکن میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ صرف لفظوں سے آپ ان کاموں کو نہیں کر سکتے صرف لیکچروں سے سرانجام نہیں دے سکتے صرف تصنیف و تالیف سے نہیں کر سکتے - صرف تعلیم و تدریس سے نہیں کر سکتے - بلکہ ہمارے اندر رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا نمونہ نظر آنا چاہیئے - وہ جماعت جو مسلمانوں کو مسلمان بنانے یا غیر مسلموں کو اسلام پہنچانے کے لئے کھڑی ہوتی ہے اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ان دونوں کاموں کو نہیں کر سکتی اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا - فرداً فرداً ایسے نمونے اب بھی ہوں گے احمدیوں میں بھی ہوں گے غیر احمدیوں میں بھی ہوں گے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت اس رنگ میں رنگی ہوئی ہو -

عقائد میں ہمارا مقام بلند ہے } خدا کے فضل سے ایک صحیح عقائد کا رنگ آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے اور اس رنگ میں ایسے بلند مقام پر آپ کھڑے ہیں جس کی طرف اس وقت دنیا آ رہی ہے اور انشاء اللہ آئے گی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت نہیں یہ بالکل صحیح بات ہے کہ نبوّت آنحضرت صلعم پر ختم ہے - اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، لیکن آپؐ کے بعد آئمہ آئیں گے مجددین آئیں گے محدثین آئیں گے، رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء - اس اُمت کے اندر ایسے لوگ آتے رہے جو الہامِ الٰہی سے مشرف ہوئے گو وہ نبی نہ تھے - تو عقائد کے لحاظ سے آپ بڑے بلند مقام پر ہیں -

---

✻ ہم بڑے بڑے لارڈز کو حلقہ بگوش اسلام کیا - اور دُعا پر جلسہ کا اختتام ہوا فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــ مؤرخہ ۲ر فروری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۵

احمد سجاد آرٹ پریس دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا - (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ — یوم چہارشنبہ ۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۷۷ء — نمبر ۶

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

دُعا ...... ایک حیات بخش چشمہ

انسان کمزور ہے۔ جب تک دُعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا اس دشوار گذار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالےٰ نے انسان کی کمزوری اور اس کے ضعفِ حال کے متعلق ارشاد فرمایا ہے

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا

یعنی انسان ضعف اور کمزور بنایا گیا ہے۔ پھر باوجود اس کی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر خام خیالی ہے۔ اس کے لئے دُعا کی بڑی ضرورت ہے۔ دُعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں۔ اور دشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے کیونکہ دُعا اس فیض اور قوت کے جذب کرنے والی نالی ہے جو اللہ تعالےٰ سے آتا ہے۔ جو شخص کثرت سے دُعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ ہاں نری دُعا خدا تعالےٰ کا منشا نہیں ہے بلکہ اوّل تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے اور اس کے ساتھ دُعا سے کام لے اسباب سے کام لے۔ اسباب سے کام نہ لینا اور نری دُعا سے کام لینا یہ آدابُ الدُعا سے ناواقفی ہے اور خدا تعالےٰ کو آزمانا ہے اور نرے اسباب پر گر رہنا اور دُعا کو لاشئی محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین اور دُنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دُعاؤں سے لاپروا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دُعا ہے۔ یہی دُعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔

اسلام کا خاص امتیاز

یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں .... یہ خاص اکرام اسلام کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ **یہ اُمّت مرحومہ ہے** لیکن اگر آپ ہی اس فضل سے محروم ہو جاویں اور خود ہی اس دروازہ کو بند کر دیں تو پھر کس کا گناہ ہے۔ جب ایک حیات بخش چشمہ موجود ہے اور ہر وقت اس میں سے پانی پی سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی اس سے سیراب نہیں ہوتا ہے تو خود طالب موت اور تشنۂ ہلاکت ہے۔ اس صورت میں تو چاہیئے کہ اس پر منہ رکھ دے اور خوب سیراب ہو کر پانی پی لیوے۔ **یہ میری نصیحت ہے جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں۔** قرآن شریف کے ۳۰ سپارے ہیں اور وہ سب کے سب نصائح سے لبریز ہیں۔ لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ ان میں سے وہ نصیحت کونسی ہے جس پر اگر مضبوط ہو جاویں اور اس پر پورا عملدرآمد کریں تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ **کلید اور قوت دُعا ہے۔** دُعا کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ پھر اللہ تعالےٰ ساری مشکلات کو آسان کر دے گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ دُعا کیا چیز ہے۔ دُعا یہی نہیں کہ چند لفظ منہ سے بڑبڑا لئے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا۔ اور اس کا کمال اور مؤثر ہونا اس وقت ہوتا ہے جب انسان کمال دردِ دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی رُوح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانۂ الوہیت کی طرف بہہ نکلے۔

(ملفوظات جلد ہفتم)

"ہماری دلی تڑپ ہے کہ ہم اپنی آئندہ قیادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں"

شبان الاحمدیہ کے افتتاحی اجلاس سے مکرم و محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا روح پرور خطاب

(زاہد جنجوعہ سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ)

"اس سے بڑھ کر ہماری خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری دلی تڑپ اور آرزو پوری ہو کہ ہم اپنی آئندہ قیادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے جماعتی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر منتقل کر سکیں۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ ہمارے جوانوں نے وقت کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اصلاح احوال کے لئے عملی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اور انہیں اس میں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ آج کا یہ دن بے حد مبارک ہے کیونکہ یہ بھی صحیح سمت میں ایک اہم قدم ہے"

ان الفاظ کے ساتھ محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے دارالسلام لاہور میں سال ۱۹۷۷ء کے لئے منتخب شدہ مجلس انتظامیہ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے اولین اجلاس منعقدہ ۲۳ر جنوری ۱۹۷۷ء کے باقاعدہ افتتاح کا اعلان فرمایا۔ اس اجلاس میں لاہور کے علاوہ پدھلی۔ وزیر آباد۔ لائل پور۔ چک ۸۱ سرگودہا سے شبان نے شرکت کی۔ جب کہ بعض نمائندگان کی طرف سے باضابطہ معذرت نامے موصول ہوئے۔

پروگرام کے مطابق اجلاس کی دو نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست افتتاحی اجلاس اور دوسری نشست مجلس انتظامیہ کے باقاعدہ اجلاس کی صورت میں۔ پہلی نشست میں جس کا باقاعدہ افتتاح محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمایا، شبان الاحمدیہ کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے معزز اراکین مجلس منتظمہ اور دیگر بزرگان سلسلہ نے بھی شرکت فرمائی۔

شبان الاحمدیہ کے اس افتتاحی اجلاس کی باقاعدہ کاروائی کا آغاز انڈونیشیا سے ہمارے معزز نوجوان مسٹر سکندر نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ جس کے بعد نگران شبان الاحمدیہ مرکزیہ محترم چوہدری نذر رب صاحب نے اپنے استقبالیہ خطاب میں شرکاء اجلاس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے مختصراً تنظیم شبان الاحمدیہ کی تاریخ کا پس منظر بیان کیا اور فرمایا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تنظیم شروع سے ہی تحریک احمدیت کا ایک اہم حصہ رہی ہے کیونکہ مامور زمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ جہاں حضرت مولانا نورالدینؓ اور حضرت مولانا محمد احسن امروہی۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؒ جیسی بزرگ ہستیاں شامل ہوئیں وہاں مولانا محمد علی صاحبؒ مولانا نورالدین صاحبؒ۔ خواجہ کمال الدینؒ صاحب۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبؒ ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ صاحبؒ۔ مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؒ جیسے نوجوانوں نے بھی آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے عملاً دین کو دنیا پر مقدم کر دکھایا آپ نے فرمایا البتہ جماعت احمدیہ لاہور کے قیام کے بعد اس تنظیم کا باقاعدہ وجود ۱۹۳۴ء میں احمدیہ ینگ مینز ایسوسی ایشن کے طور پر عمل میں آیا۔ جب صوبہ سرحد میں پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اور محمد الرحمٰن صاحب لائلپور میں نصیر اے شیخ اور میاں فضل احمد صاحب اور لاہور میں رسالہ "ینگ اسلام" کے ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور میرزا مسعود بیگ صاحب نے اسے منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

حالیہ دور میں شبان الاحمدیہ کی تنظیم نو کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے نگران شبان الاحمدیہ نے فرمایا کہ ۷ر ستمبر کے تاریخی فیصلے کو جماعت کے نوجوانوں نے بطور چیلنج قبول کیا اور انہوں نے احمدیت کے پرچم کو سرنگوں کرنے کی غرض سے اٹھنے والی اندرونی اور بیرونی ہر سازش کو بفضل تعالےٰ ناکام بنانے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کیا۔ ان کٹھن حالات میں جماعت کے نوجوانوں کو از سر نو منظم کرنے اور شبان الاحمدیہ کی تنظیم نو کا فیصلہ کیا گیا اور اس طرح ابتدائی طور پر دارالسلام میں مقیم پانچ شبان شیخ حفیظ الرحمٰن۔ شاہد جنجوعہ۔ زاہد جنجوعہ، خالد محمود کھوکھر (مرحوم) اور اس خاکسار نے باہم ذمہ داری کو اٹھانے کی ٹھانی۔

حضرت امیر مرحوم کا فرمان

"جماعت کے نوجوانوں میں بیداری کے یہ آثار جگہ جگہ نظر آتے ہیں ہمارے لئے نہایت ہی حوصلہ افزاء ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا ایک زبردست احساس پیدا ہو رہا ہے — خدمت دین کی ایک عظیم الشان عمارت اس وقت تیار ہو چکی ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنی چاہیئے کہ ہماری نئی نسل میں وہ جذبہ موجود ہے اور علم دین حاصل کرنے کی تڑپ موجود ہے کہ وہ اس عمارت کو ہمارے بعد سنبھال سکے اور نہ صرف سنبھال سکے بلکہ اس کو ترقی و وسعت دے سکے۔ اگر نہیں تو ہر جگہ جماعت کو سب سے پہلے اس کو پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے — اگر ہے، تو اس کو صحیح راہ پر لگانے اور نوجوانوں کی ہمت افزائی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہر جگہ جماعت کے بزرگوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ کتنا بھی خدمت دین کا کام کر لیں لیکن اگر انہوں نے یہ احساس نئی نسل کے اندر پیدا نہیں کیا تو ان کا کام ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا" (۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۴ء)

آپ نے مزید فرمایا کہ گو ابتداء میں اس راہ میں مشکلات درپیش رہیں لیکن ہم نے ان سے متاثر ہوئے بغیر محض ایک ہی لگن اور ایک ہی نصب العین "احمدیت سے وفاداری" کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا یہ سفر جاری رکھا اور اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہماری ان حقیر کوششوں میں برکت ڈالی الحمدللہ کہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پانچ افراد کی طرف سے جس سفر کا آغاز کیا گیا تھا۔ پاکستان بھر سے ساتھیوں کے آن ملنے سے، اس نے اب ایک قافلہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ آج کے اجلاس میں ملک کے مختلف علاقوں سے آنے والے شبان الاحمدیہ کے نمائندوں کی موجودگی، جماعت احمدیہ میں عموماً اور نوجوانوں میں خصوصاً بیداری کا بین ثبوت ہے۔ تنظیم شبان الاحمدیہ کی مذکورہ کارکردگی کو کام کی محض ابتداء قرار دیتے ہوئے جناب چوہدری نذر رب صاحب نے فرمایا کہ —

"ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ بزرگان سلسلہ کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں"

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے نگران شبان الاحمدیہ نے اراکین مجلس منتظمہ صدر انجمن احمدیہ لاہور کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :—

حسن اتفاق سے معزز اراکین کی غالب اکثریت اس وقت یہاں موجود

(باقی بر صفحہ ۵ کالم اول)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۹ر فروری ۱۹۷۷ء

"سوال یہ ہے کہ دل کو کیسے زندہ کیا جائے؟"

جناب ابو ذر غفاری نے "انتخابات ۔ اصل مسئلہ" کے موضوع پر نوائے وقت میں ایک مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں انہوں نے پاکستان کی موجودہ اقتصادی، اخلاقی اور روحانی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے کہ "دل کو کیسے زندہ کیا جائے"۔ مقالہ نگار کے ان الفاظ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستانی مسلمانوں کے دل مر چکے ہیں اور انہیں پھر سے زندہ کرنے کی ضرورت ہے

مگر مشکل یہ ہے کہ ان مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے علاج کہاں سے میسر آئے گا۔

کسی مرض کے موثر علاج سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے لاحق ہونے کی وجوہات اور اسباب کیا ہیں۔ ان اسباب کی طرف ابوذر غفاری صاحب اپنے ایک دوسرے مقالہ میں "موجودہ دور میں پاکستان کا کردار" میں یوں اشارہ فرماتے ہیں کہ :۔

" امریکہ ۔ روس اور یورپ کے ممالک تو ٹیکنالوجی سائنس اور معاشیات کے میدانوں میں اتنے آگے ہیں کہ ہم ان کے برابر نہیں آ سکتے۔ حد یہ ہے کہ ہمارا ہمسایہ ملک بھارت جو ہمارے ساتھ آزاد ہوا تھا ہم صنعتی اور معاشی ترقی کے میدانوں میں اس سے بھی آگے بڑھنے کا نہیں سوچ سکتے۔"

اس ترقی کے اثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

" اس وقت ترقی یافتہ ممالک اخلاقی اعتبار سے بے روح ہو چکے ہیں۔"

ان سارے الفاظ کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مادی ترقی اخلاقی اور روحانی اقدار کی موت کا پیغام لاتی ہے۔ قرآن کریم مادی اشیاء کے حصول اور ان میں ترقی کو "حب الشہوات" کے نام سے موسوم کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

" لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے" (۳:۱۴)

اسی "حب الشہوات" کا دوسرا نام ھویٰ ہے جسے انسان اپنا معبود بنا کر اس کی پرستش کرتا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے ہوتے زمین کی طرف جھکتا جاتا ہے اور آخر کار ہلاکت کے عمیق گڑھے میں گر کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

" اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔"

اور ایسی خواہش کی پیروی کرنے والوں کی :۔

" کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی روزی کے سامان میں اتراتی تھیں۔ سو ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے۔ مگر بہت کم۔ اور ہم ہی وارث ہیں۔"

آج بھی جو بستیاں اپنی تکنیکی اہلیت، سائنسی ترقی اور معیشت پر اتراتی اور فخر کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ "وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہی ہیں" ان کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئیں۔ ایک ہیبت ناک انجام ان کا شدت سے منتظر ہے۔ مادی ترقی کے اس عروج کے مقابلے میں روحانی اور اخلاقی انحطاط اور زوال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ بعض شرمناک اخلاقی جرائم کو بھی قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔

مغرب سے کیا شکوہ کیونکہ اس کے پاس کوئی ایسی روشنی ہی نہ تھی جو ان ظلمتوں میں بھٹکنے سے اسے بچا سکتی لیکن وہ اسلامی دنیا بھی جس کے پاس ہر شعبۂ زندگی میں راہنمائی کے لئے ایک جامع تعلیم موجود تھی مغربی تہذیب کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی اور اسی خطرناک راہ پر سرپٹ بھاگے جا رہی ہے جو ہلاکت اور تباہی کی راہ ہے۔ جب دنیا سمٹ کر ایک ہو گئی ہے تو پاکستان اس کے اثرات سے کیسے امن میں رہ سکتا ہے

سارے عالم اسلام میں قرآن مجید بھی موجود ہے اور احادیث بھی سنت اور اسلامی روایات بھی ہیں اور اپنے آپ کو علماء دین اور مذہب کے ٹھیکیدار سمجھنے والوں کے "ٹڈی دل بھی" تو پھر کیا سبب ہے کہ یہ سارے ذرائع اس یلغار کے سامنے کوئی بند نہ باندھ سکے بلکہ خود بھی اس کی تند و تیز لہروں کی نذر ہو گئے۔ رہنمایان اسلام کی سوچ اور فکر پر مادیت کے پہرے لگ گئے۔ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں۔ لاؤڈ سپیکروں سے صبح صبح قرآن کریم کے درس بھی دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیریں بھی لکھی جاتی ہیں۔ واعظین بھی محراب و منبر سے چیخ چیخ کر علمی نکات کی نمائش کرتے ہیں لیکن دلوں کی کھیتیاں ہری نہیں ہوتیں۔ وہ پھر مردہ کے مردہ ہیں۔ انہیں زندہ کرنے کے لئے احساسات میں ایک عجیب سی ہلچل مچ رہی ہے مگر راستہ نظر نہیں آتا۔ ابوذر غفاری صاحب اس راستہ کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ :۔

" اب پاکستان کو آگے بڑھ کر ساری دنیا کو تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے روشناس کرانا چاہیئے تاکہ دکھی دنیا سکھ کا سانس لے سکے .... اس لئے وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کو اسلام کے نور سے منور کیا جائے تاکہ اس کی روشنی سے اہل پاکستان کے ساتھ تمام دنیا فیضیاب ہو سکے۔"

ہم ان سے متفق ہیں کہ اگر دلوں کو زندہ کرنے کے لئے کوئی علاج ہے تو وہ صرف اسلام میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کونسا اسلام۔ کسی نظریہ کی فعالیت اور افادیت کو اس کے اپنانے والوں کے اعمال سے ہی پرکھا جا سکتا ہے۔ اسلام کے نمائندوں کی جو تصویر جناب مودودی صاحب نے کھینچی ہے وہ تو ایسی ہے جسے دیکھ کر خود مسلمان بھی مسلمان کہلانا پسند نہیں کرے گا چہ جائیکہ دوسروں کے لئے باعث کشش ہو۔ فرماتے ہیں:۔

" جیلخانوں کا معائنہ کیجئے مسلمان چوروں ڈاکوؤں اور مسلمان بدمعاشوں سے آپ کا تعارف ہوگا۔ دفتروں اور عدالتوں کا چکر لگایئے رشوت خوری، جھوٹی شہادت، جعل، فریب، ظلم اور ہر قسم کے اخلاقی جرائم کے ساتھ آپ لفظ مسلمان کا جوڑ لگا ہوا پائیں گے .... کہیں آپ کی ملاقات مسلمان شرابیوں سے ہوگی۔ کہیں آپ کو مسلمان قمار باز ملیں گے .... مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ۔ ۴۱ ۔ ۴۴)

(جو الفاظ آپ نے بدکار مردوں اور عورتوں کے متعلق استعمال کئے ہیں وہ ہم نے ترک کر دیئے ہیں کیونکہ تہذیب انہیں لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ناقل) قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ اگر اس گلستان کی یہی خزاں دیکھ بہار

ہے تو یہ دوسروں کے صحنوں میں کیا گُل کھلائے گی۔ درخت اگر اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو اس باغ کے درختوں کے نگہبانوں کی حالت معلوم۔ فسادی صاحب اگر ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ دنیا کو اسلام کے نور سے منور کریں گے تو ایں خیال است و محال است و جنوں۔ دوسروں کو منور وہی کر سکتا ہے جس میں خود نور موجود ہو۔ جن کے باطن خود تیرہ و تاریک ہوں وہ اوروں کو کیا روشنی دیں گے۔ سورج خود روشن ہے وہ دوسرے سیاروں کو روشن کرتا ہے۔ چاند خود روشن نہیں لیکن سورج سے روشنی مستعار لے کر زمین پر اپنی ٹھنڈی روشنی کی ایک نقرئی چادر اوڑھا دیتا ہے اور ظلمتکدوں کو روشنی سے ہمکنار کرتا ہے۔ جو نہ خود منور ہو اور نہ دوسروں سے نور جذب کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اس سے یہ توقع کہ وہ دنیا میں روشنی بکھیرے گا ایک خیال خام ہے۔ یہ نور سیاسی اقتدار۔ ظلم و استبداد۔ جبر و اکراہ۔ حکومت اور قانون کے ذریعے ہرگز نہیں پھیلایا جا سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو برّ صغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کی تقریباً ایک ہزار سالہ حکومت کے دوران میں اگر ساری نہیں تو تین چوتھائی آبادی ضرور مسلمان ہو چکی ہوتی۔ اور آج بھی کوئی بڑے سے بڑی اسلامی حکومت یہ دعوے ہرگز نہیں کر سکتی کہ اس نے اسلام عوام کے دلوں میں راسخ کر دیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ملکی حدود کے اندر قانون کے خوف سے کوئی جرم سرزد نہ ہوتا ہو لیکن جونہی قدم ان حدود سے باہر نکلے جاتے ہیں خواہش نفس کے بندھن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور جو جرم اپنے ملک میں جائز نہیں وہ غیر ملک میں جائز متصور ہوتا ہے۔ اس لئے اس امید پر جینا کہ اگر اسلام پسند قوتیں پاکستان میں برسرِ اقتدار آگئیں تو یہاں اسلام کا سورج چمک کر نہ صرف پاکستان کو منور کرے گا بلکہ ساری کائنات اس سے اکتساب نور کرے گی۔ ہمارے خیال میں امید موہوم ہے۔ ایک خواب بے تعبیر اور خیال خام۔ کیونکہ جو چراغ خود روشن نہیں وہ اوروں کو کیا روشن کرے گا۔ جو دِل خود زندہ نہیں وہ دوسروں میں زندگی کی روح کیسے پھونکے گا۔ یہ صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو آپ بھی روشن ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کرتے ہیں۔ جن کے دِل خود زندہ ہوتے ہیں وہ اوروں کو بھی زندگی کے اس سرچشمے سے سیراب کرتے ہیں۔ جو خود جاگ رہے ہوتے ہیں وہ اوروں کو بھی جگا سکتے ہیں خفتہ راہ خفتہ کے کند بیدار۔ ترے دعووں اور نعروں سے دِل زندہ نہیں ہو سکیں گے۔ آئیے ہم بتاتے ہیں کہ دِل کیسے زندہ ہوتے ہیں اور کون انہیں زندہ کر سکتا ہے۔

دِل کی مثال ایک کھیتی کی ہے۔ کسان کھیتی کا سینہ شق کر کے اس میں بیج بوتا ہے۔ جب یہ بیج پھوٹ کر ایک نرم و نازک کونپل کی صورت میں زمین سے باہر نکلتا ہے تو کسان اس کی نشوونما کے لئے اسے پانی دیتا ہے۔ اس پر کھاد ڈالتا اور اسے کیڑے مکوڑوں کے ضرر سے بچانے کے لئے اس پر دوائیں چھڑکتا ہے۔ ان خود رو پودوں اور جڑی بوٹیوں کو جو زمین سے خوراک حاصل کر کے اس کے کاشت کردہ پودے کی پوری نشوونما میں رکاوٹ پیدا کرنے کا موجب بن جاتی ہیں اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اس طرح یہ پودا اپنے کمال کو پہنچ کر پھل پھول لاتا ہے۔ اور کسان کی محنت بارآور ہو کر اس کی زندگی کا سامان بن جاتی ہے۔ جو کسان کھیتی باڑی کے ان اسرار و رموز سے ناآشنا ہوتا ہے وہ کسی تجربہ کار کسان سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد خود تجربہ کرتا ہے اور اس کی روشنی میں فائدہ حاصل کرتا ہے۔ دل کی کھیتی میں ایمان کا نرم و نازک بیج بویا جاتا ہے۔ ایسا دل جس میں اس بیج کی نشوونما کی صلاحیت موجود ہو وہ قلب سلیم ہوتا ہے جو تمام باطنی آفات اور فسادات سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ ایمان کے اس بیج کی نشوونما اور بارآور ہونے کے لئے بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے جو آسمانی بارش سے میسّر آتا ہے۔ اسی آسمانی بارش کو وحی کہتے ہیں۔ نفسانی آرزوؤں اور خواہشوں کی جڑی بوٹیاں جو اس کے پھوٹنے اور پھلنے پھولنے میں سدِ راہ ہوتی ہیں ان سے دل کو صاف کر کے اسے اپنے کمال کو پہنچنے کے مواقع میسّر کرنا ہوتا ہے لیکن ایسا کرنے کے لئے بھی ایک ماہر کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح اس دل کے طبعی امراض کے علاج کے لئے جو ہمارے سینوں میں دھڑکتا ہے ایک ماہر امراض قلب کی جستجو ہوتی ہے اسی طرح اس دل کو زندہ رکھنے اور امراض روحانی سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی کسی ماہر طبیب کی تلاش لازمی ہوتی ہے۔ انہی اطبا کو انبیاء اور رسل کہتے ہیں۔ طبعی امراض کے ماہرین تو غریب مریضوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناقابلِ برداشت فیس بھی طلب کرتے ہیں لیکن روحانی امراض کے معالج صرف یہ کہتے ہیں "ما اسئلکم علیہ من اجر و ما انا من المتکلفین" میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ وہ نہ صرف اجر نہیں مانگتے بلکہ ساتھ نسخہ بھی بتا دیتے ہیں [illegible] نسخہ کیا ہے۔ اس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترنے والی [illegible] میں یہ اشارہ اس طرح موجود ہے اقرا باسم ربک [illegible] خلق — خلق الانسان من علق۔ یہاں رب اور [illegible] میں ایک گہرا تعلق ہے۔ گوشت کا ایک بے جان لوتھڑا ماں کے رحم کے ساتھ PLACENTA کے ذریعے ایک تعلق پیدا کرتا ہے۔ اسی ذریعہ سے اسے ماں کے خون سے خوراک اور آکسیجن حاصل ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے اس میں پیدا ہونے والے فاسد مادے ماں کے خون میں شامل ہو کر خارج ہوتے ہیں۔ اس میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور ایک ایسی منزل آ جاتی ہے کہ اس بے جان لوتھڑے میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی اس میں زندگی کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ جب یہ تکمیل کو پہنچتا ہے تو ایک خوبصورت بچے کی صورت میں جنم لیتا ہے۔ اگر یہ بے جان لوتھڑا ماں کے رحم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو یا تعلق پیدا کر لینے کے بعد کسی وجہ سے علیحدہ ہو جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ رب اس کی ربوبیت کرتے ہوئے اسے ایک بے جان چیز سے ایک زندہ چیز میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اور پھر بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی عمر تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے رب سے تعلق پیدا کرتے ہیں وہ آسمان سے روحانی غذا حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فاسد مادے خارج ہوتے رہتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایک نئی زندگی پاتے ہیں جو حقیقی زندگی ہے۔

اوروں کو یہ نسخہ بتانے والے پہلے خود اسے استعمال کرتے اور پھر دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جب کچھ نیم حکیم اور QUACKS اپنا کاروبار مندا پڑتا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ ان کے خلاف ایک محاذ قائم کر کے انہیں ناکام کرنے کے لئے ناخنوں تک اپنا زور لگاتے ہیں لیکن کچھ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے والے یہ پہچان لیتے ہیں کہ ان کی بیماریوں کا زود اثر علاج کس کے پاس ہے اور وہ مخالفین کی ہر کوشش کے باوجود اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔

سب سے آخر یہ نسخہ لانے والے اور حکمت کے ماہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا نسخہ قرآن کریم میں موجود ہے بلکہ سارا قرآن کریم خود ہی ایک مکمل نسخہ ہے لیکن جب تک یہ صرف الفاظ کی حد تک موجود ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اسے پہلے خود آزمانا اور پھر دوسروں تک پہنچانا ہوگا۔ آنحضرت صلعم کے بعد اسے آزمانے والے ہر صدی میں آتے رہے انہوں نے خود اس سے شفا پا کر نئی زندگی حاصل کی اور دوسروں

(باقی بر صفحہ کالم پہلا)

ہے۔ جن پر جماعت کی تنظیم و تربیت کی اہم ذمہ داریاں ہیں ـــــ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہم آپ کی خدمت میں یہ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں کہ نئی نسل کے احمدیت سے اس ذوق و شوق کو برقرار رکھنے کی غرض سے، ماضی کی کوتاہیوں سے قطع نظر، مرکزی سطح پر جامع منصوبہ بندی کے ذریعہ ایسے حالات و وسائل فراہم کرنے کی تدبیر کی جائے جس کی روشنی میں احمدی نظریات و روایات کو برقرار رکھنے اور آگے بڑھانے کے لئے اطفال و شبان کی بتدریج تربیت کا اہتمام ممکن ہو تاکہ یہ نسل اپنے بزرگوں کے روحانی ورثہ کی صحیح وارث بن سکے اور مستقبل کی جماعتی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کی اہل ہو سکے۔

اس کے بعد اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے مکرم و محترم خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے سورۃ الکہف کی ان آیات کی تلاوت فرمائی:۔

نحن نقص عليك نبأهم بالحق ط انهم فتية امنوا بربهم وزدنهم هدًى ۝ وربطنا على قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السمٰوٰت والارض لن ندعوا من دونه الٰهًا لقد قلنا اذا شططًا۔

ترجمہ:۔ ہم ان کی خبر تجھ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ کئی جوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے۔ اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔ جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ہمارا ربّ آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے۔ ہم اس کے سوائے کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم (ایسی بات) کہیں گے جو حق سے دُور ہے۔

آپ نے فرمایا کہ شبان الاحمدیہ کی یہ تقریب بے حد باعث مسرت ہے کہ کافی تعداد میں نوجوان اس اجلاس میں شریک ہیں۔ عزیزم نذر ربّ صاحب کے اس خطاب سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے آپ نے شبان الاحمدیہ کی تاریخ کے سلسلہ میں بڑی مفید باتیں کہی ہیں۔ لیکن میں ریکارڈ درست رکھنے کی غرض سے اس میں تھوڑا سا اضافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ احمدیہ ینگ مینز ایسوسی ایشن (شبان الاحمدیہ) کا اوّلین قیام ۱۹۳۴ء کی بجائے ۱۹۲۲ء میں عمل میں لایا گیا تھا جبکہ میں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ اس وقت ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور میرزا مسعود بیگ صاحب اس تنظیم میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور مجھے اس کا صدر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اس تنظیم کا باقاعدہ افتتاح حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی زبان مبارک سے احمدیہ بلڈنگس میں ہُوا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس دَور کے حالات کے مطابق اپنے طور سے کام کیا اور خصوصًا برلن مسجد کے لئے گراں قدر چندہ اکٹھا کیا۔ کافی عرصے تک یہ تنظیم بڑی فعال رہی مگر رفتہ رفتہ رفتارِ عمل سُست پڑ گئی۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد حالات جس طرح سے بدل رہے ہیں آپ کے سامنے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب فرمایا کہ میں نے موقعہ کی مناسبت سے جو آیات تلاوت کی ہیں ان میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اُمّت کے نوجوانوں کا ذکر ہے کہ چند ایک ایسے نوجوان تھے جن کے دِل نورِ ایمان سے منوّر تھے اور عمل و یقین سے معمور تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ہدایت بخشی تھی اور وہ پیغامِ ہدایت لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے وطن سے دُور نکل پڑے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں استقلال بخشا، ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ حق بات کہنے والے بن گئے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے شبان کو نصائح سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"آج جبکہ آپ نوجوان اس عزم سے اُٹھے ہیں کہ ہم تحریک احمدیت کو آگے بڑھائیں گے تو پھر آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ کسی قسم کے مخالف حالات سے مایوس ہو کر یا گھبرا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ بلکہ اس عزم کے ساتھ آگے بڑھیں کہ ہم حق پر ہیں اور خدا ہماری پُشت پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ تعلق باللہ بھی پیدا کریں اور خدا تعالیٰ کے آگے جھکیں اور اس کی درگاہ میں سجدہ ریز ہوں اور اس سے نصرت و استقامت طلب کریں کیونکہ دینی امور میں انسان محض اپنی تدابیر کے ذریعے کامیابی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کے فضل و احسان سے ہی کامیابی میسّر آ سکتی ہے۔ اگر آپ اس مقصد کے لئے جان و مال اور اوقات کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں گے تو آپ کامیاب و کامران ہوں گے"۔

آپ نے مزید فرمایا کہ:۔

"بھلا اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ ہماری یہ دلی تڑپ اور آرزو پُوری ہو کہ ہم اپنی آئندہ قیادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے ہاتھوں سے جماعتی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر منتقل کر سکیں۔"

محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نائب صدر مرکزی انجمن احمدیہ لاہور نے شبان الاحمدیہ کی طرف سے پیش کردہ معروضات کے جواب میں فرمایا کہ:۔

یہ بات باعث خوشی ہے کہ آپ نے ہماری سابقہ کوتاہیوں سے قطع نظر بڑے تعمیری انداز میں سوچنا شروع کیا ہے۔ آپ جو بھی پروگرام بنائیں گے اور جو تجاویز ہم تک پہنچائیں گے ہم ان پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر استحکامِ جماعت کے لئے اپیل کی گئی تھی۔ آپ لوگ بھی چونکہ جماعت کو منظّم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے اس سرمائے پر آپ کا حق ہے۔ اور اس مد میں سے آپ جو رقم خرچ کرنے میں صدر انجمن انشاء اللہ بخل سے کام نہیں لے گی۔ اس سلسلہ میں صدر انجمن کی طرف سے میں آپ کی ان جماعتی بھلائی کی کوششوں میں ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔

اس موقعہ پر محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:۔

میں جملہ سامعین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ نہایت دلسوزی سے خدا کے حضور دُعا کریں کہ وہ ان نوجوانوں کی کوششوں میں برکت ڈالے اور ان کے نیک عزائم میں انہیں کامیاب و کامران فرمائے۔

ازاں بعد صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب شوکت حمید صاحب مجاہد نے فرمایا کہ ہماری یہ دلی خواہش ہے اور اوّلین کوشش ہے کہ شبان الاحمدیہ ایک فعال تنظیم ثابت ہو۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے واضح لائحہ عمل ہے، جس کا پہلا عملی قدم جملہ نوجوانوں سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم تجویز کر رہے ہیں کہ وقفہ وقفہ سے اپنے اجلاس مختلف شہروں میں رکھیں۔ مزید برآں مختلف اوقات میں دیگر شہروں میں اپنے وفود بھیج کر نوجوانوں سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جماعتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے کا احساس بیدار کرنے کے لئے یہ بھی پروگرام ہے کہ سال ۱۹۷۷ء کے دوران صدر انجمن کی طرف سے شائع شدہ لٹریچر کو کثیر تعداد میں شبان الاحمدیہ کے ذریعہ تقسیم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

اپنی تقریر کے آخر میں صدر شبان الاحمدیہ نے اس اجلاس کے سلسلہ میں قیام و طعام کے اعلیٰ انتظامات کے لئے مقامی جماعت احمدیہ لاہور اور صدر انجمن احمدیہ لاہور کا شکریہ ادا کیا کہ سخت سردی اور ناخوشگوار موسم کے باوجود اجلاس میں شریک ہوئے ــــــــ

ــــــــ اور اس طرح یہ افتتاحی تقریب بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

مکرم محمد عبدالحق مجاہد صاحب امرتسری - گنج مغلپورہ

بانئ احمدیّت
اور
اِسلام کا دفاع

گزشتہ صدی میں مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام پر ایسے خطرناک حملے کئے گئے جن کی تاب نہ لاکر مسلمانوں کی کثیر تعداد جن میں علماء بھی شامل تھے ارتداد کے گڑھے میں جا گرے یہ وہ زمانہ تھا جس میں عیسائیت کی تبلیغ زوروں پر تھی اور مسلمانوں کے معزز خاندان بھی عیسائیت سے متاثر ہو کر اسلام سے منحرف ہو رہے تھے۔ دشمنِ اسلام مصنفین نے ایسی زہر آلود کتابیں تصنیف کیں جن میں اسلام اور بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی گئیں۔ اسلام کو انتہائی وحشی مذہب اور پاکوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیوا مسلمانوں کو نعوذ باللہ پرلے درجے کے سنگدل ظاہر کیا گیا تھا غرض کہ مخالف قوموں کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں اسلام کو بدنام اور کمزور کرنے کا فرض ادا کیا۔ یہ حالات ایسے نہ تھے جو مسلمانوں میں ایک بے چینی اور ہیجان پیدا نہ کر دیتے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دردِ دل رکھنے والے مسلمان آگے بڑھے۔ ان میں سے سیّد جمال الدین افغانی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ رحمت اللہ صاحب مہاجر مکّی وغیرھم نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اسلام کی خدمات سر انجام دیں لیکن ان کے قابلِ قدر کارناموں کو عزّت و احترام کی نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا طرزِ استدلال زیادہ تر نقلی تھا انہوں نے بالعموم دفاع کا پہلو اختیار کیا لیکن اسلام کی حقانیت اور افضلیت ثابت کرنے اور نئے علوم کی روشنی میں اسلامی اصول کی فلاسفی بیان کرنے میں وہ کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔

پاک و ہند کے علاوہ اسلامی ممالک میں بھی اُنیسویں صدی میں کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آتی جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس نے اسلام کی مدافعت یا اس کی تعلیمات کی صداقت و فضیلت ثابت کرتے میں کوئی ٹھوس اور اثر انگیز خدمت سر انجام دی ہو یہ وہ صورتِ حال تھی جس سے انیسویں صدی عیسوی میں اسلام دوچار ہو رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر مسلمانوں پر مایوسی ہی مایوسی طاری ہو رہی تھی اور کہیں بھی کوئی شمعِ امید نظر نہ آتی تھی حتیٰ کہ یہ سمجھا گیا کہ اب اسلام کا خاتمہ ہونے کو ہے اور اسے موت کے قریب پہنچا ہُوا مریض سمجھ کر اس کے مرثیے بھی لکھ دیئے گئے۔ لیکن ناگہاں غیب سے اسلام کی حفاظت کا وہی سامان ظاہر ہوا جس کی شہادت تیرہ سو سال سے اسلامی تاریخ مسلسل دے رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق خدا تعالےٰ نے سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جن کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور کوششوں نے نئے سرے سے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دکھایا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو مسیح موعودؑ کے لئے قرآن پاک میں ان الفاظ میں کی گئی ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کا کامل ظہور ایسے زمانہ میں ممکن اور مقدر تھا جب دنیا سفر کی برق رفتار سہولتوں کی وجہ سے ایک شہر کی مانند ہونے والی تھی اور تمام مذاہب کا مقابلہ ہونے والا تھا اور اس مقابلہ میں اسلام کا من حیث المذہب دنیا کے سارے مذاہب پر غلبہ ظاہر ہونا تھا سو اس زمانہ میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روحانی فرزندِ جلیل کو بھیجا جس کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور دنیا میں پھر حضور صلعم کا لایا ہوا نور اپنی پوری شان و شوکت سے چمکا ظلمت کے بادل چھٹ گئے اور اسلام کا روشن سورج اُفق عالم پر پھر آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہُوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عظیم الشان کام یہ کیا کہ دہریت و الحاد کا جو متلاطم سمندر موجیں مار رہا تھا اس کے آگے ایک زبردست اور مضبوط بند بنا دیا۔ آپ نے زندہ خدا کے زندہ معجزات اور نشانات دکھا کر اس کی ہستی پر دوبارہ ایمان پیدا کیا۔ آپ نے اپنے تمام نشانات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت قرار دیا اور دیگر تمام مذاہب کے لوگوں کو نشان نمائی کے میدان میں دعوت مقابلہ دی لیکن کسی کو مقابلہ پر آنے کی جُرأت نہ ہوئی یہ آپ کی اتنی بڑی خدمت ہے جس کی مثال تیرہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

بے شک مسلمانوں میں بڑے بڑے حامیانِ دین گذرے ہیں جنہوں نے اپنے زمانے میں دین کی بڑی خدمت کی مگر روحانی میدان میں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے اس زمانہ میں اسلام کو سب مذاہب پر غالب کر دکھایا اس طرح اور کسی کو اسلام کی حمایت کا موقعہ نہیں ملا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روحانی میدان کے علاوہ عقلی اور نقلی دلائل کے میدان میں بھی مخالفین اسلام کو عبرتناک شکست دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک کامیاب اور فاتح جرنیل کی حیثیت میں فرماتے ہیں:۔

"بھلا اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا اب وہ زمانہ آ گیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمدؐ عربی جن کو گالیاں دی گئیں جن کے نام کی بے عزّتی کی گئی جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے"

(حقیقۃ الوحی۔ صـ۲۷۴)

درحقیقت ہم آج اس طوفان کا اندازہ نہیں لگا سکتے جو آج سے پون صدی قبل عیسائی مشنریوں نے تمام دنیا میں مچا رکھا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کامیاب مدافعت اور حملہ نے سب کے دانت کھٹے کر دیئے اور اب خدا تعالےٰ کے فضل سے دلائل کے میدان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ علم کلام کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس علم کلام کو لے کر جماعت احمدیہ نے عیسائی اور دیگر مذاہب کا ناطقہ بند کر رکھا ہے اور ہر مُلک اور ہر محاذ پر مخالفینِ اسلام کو شکست دی جا رہی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ خدمت ایسی نہ تھی کہ اسلامی دنیا اس کو نظر انداز کر دیتی بلکہ آپ کی اس خدمتِ اسلام کو ان الفاظ میں سراہا گیا، لکھا ہے:۔

"اصلاح اور دفاع کے لئے دینی غیرت کے جذبہ سے عالم اسلامی میں جدید اسلامی فرقہ منصۂ شہود پر آیا ہے اور وہ احمدیت یا قادیانیت ہے۔ یہ پنجاب یا پانچ دریاؤں کی زمین میں ظاہر ہوا ہے۔ پنجاب کے شہر قادیان میں اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی مختلف خیالاتِ عقلیہ کی جنگ

اخبارِ احمدیہ

— جلسہ سالانہ کے بعد جناب عبدالرحیم جگو صاحب اپنے ساتھیوں سمیت کشمیر (ہند) بھی تشریف لے گئے تھے ان کے اس مختصر دورۂ کشمیر کے متعلق جناب محمد یوسف صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند اپنے ۷۷-۱-۱۰ کے خط میں لکھتے ہیں کہ:—

"جناب الحاج جگو صاحب کی آمد سے پہلے ہم نے ہر جماعت میں ان کے جانے اور وہاں اجتماع منعقد کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے جگو صاحب کا دورۂ کشمیر مختصر تھا اس لئے صرف سرینگر کی مسجد قلمدان پورہ میں ایک مختصر پروگرام رکھا گیا جس میں تلاوت قرآن کے بعد خاکسار نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کی طرف سے جناب الحاج جگو صاحب اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی خدمت میں استقبالیہ سپاسنامہ پیش کیا۔ اس کے بعد جناب جگو صاحب نے اپنے تبلیغی کام کے متعلق سرینام۔ ڈچ گیانا اور ہالینڈ کے حالات اور سالانہ جلسہ منعقدہ دارالسلام لاہور کے متعلق تفصیل بیان کی اس اجلاس میں جماعت سرینگر کے علاوہ صوفی پورہ اور یاری پورہ کے نمائندگان نے بھی شرکت کی۔ خاکسار نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے پروگرام سے بھی معزز مہمانوں کو آگاہ کیا۔ جناب الحاج جہانگیر صاحب (ہالینڈ) نے ہندی ترجمۂ قرآن کریم کے لئے پچاس ڈالر پیش کئے جزاہ اللہ۔ جناب الحاج جگو صاحب ۷/۱ جمعہ کو سرینگر پہنچے اور ۷/۱۰ کو واپس ہو رہے ہیں۔ اللہ کریم سفر و حضر میں ان کا حامی و ناصر رہے۔ آمین۔ بھدرواہ سے بھی ایک دوست شامل اجلاس ہوئے تھے۔

احباب جماعت یاری پورہ۔ صوفی پورہ۔ سرینگر۔ جموں۔ بھدرواہ وغیرہ سب خیریت سے ہیں۔"

درخواستِ دعا — موضع چھ کسی سے جناب راجہ عبدالمجید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:—

مجھے پچھلے ہفتہ سے دمہ کی وجہ سے مسلسل تکلیف رہی ہے اب کچھ افاقہ ہے، مکمل صحت نہیں ہوئی۔ دعا فرمادیں اور جماعت کے دوستوں سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔ نیز اپنے بچے کے لئے جو صدقۂ شکرانہ روانہ کیا تھا وہ مشکل بھی ابھی تک مکمل طور پر حل نہیں ہوئی اس کے لئے بھی احباب سے دعا کی درخواست ہے۔

بقیہ مقالہ

(از صفحہ ۲)

کو اس کی راہ بتائی۔

اس صدی میں بھی ایسا ہی ایک انسان حضرت مرزا غلام احمد صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ "ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا اور معلوم ہوا کہ "زندگی بخش جامِ احمد ہے"۔ یہ "جامِ احمد" قرآن کریم ہے۔ مگر یہ زندگی صرف اس وقت بخشتا ہے جب اسے اپنے اوپر وارد کیا جائے اور یہ توفیق اس وقت تک نہیں ملتی جب تک قرآن کریم کے اس ارشاد کو مدِ نظر نہ رکھا جائے کہ کونوا مع الصادقین کیونکہ دل اگر زندہ ہوتے ہیں تو ایسے ہی صادقین کی معیت میں۔

کتنے بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو یہ زندگی بخش جام لنڈھانے والوں سے دور رہ کر دل کو زندہ رکھنے کی تمنا کرتے ہیں۔

جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کی علالت اور شفایابی۔ شروع جنوری میں محترم مرزا صاحب کو عارضہ اختلاج قلب کی معمولی تکلیف ہوگئی تھی۔ تشخیص وعلاج کے بعد ڈاکٹر صاحبان نے گھر پر آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ الحمدللہ کہ اب انہیں آرام ہے، معمولی سی نقاہت ہے، احباب سے درخواست ہے کہ اس قیمتی وجود کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔

استجابتِ دعا کی ایک زندہ مثال اور شکریۂ احباب

انما المؤمنون اخوۃ کا ایمان افروز نظارہ

پچھلے دنوں خاکسار کی اہلیہ بھلی چنگی صحت کے ساتھ اپنی لڑکی کے پاس لائل پور گئیں۔ مگر قیام کے تیسرے روز ہی معدہ میں کوئی چھپا زخم اچانک کھل جانے کے باعث خون جاری ہونے سے حالت نازک ہوگئی۔ اطلاع ملنے پر یہ عاجز عزیز شاہد جنجوعہ کو ساتھ لے کر فوراً لائل پور پہنچا اور مریضہ کو "میاں محمد ٹرسٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ اس تشویشناک علالت کی اطلاع جب احباب دارالسلام کو ملی تو سب نے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی بابرکت اقتداء میں مسلسل بارہ روز تک علاوہ دو جمعوں کے اپنی اس کمزور اور ناچیز بہن کے حق میں ایسے درد والحاح سے دعائیں کیں اور اپنے مخلصانہ سوز میں ایسا اثر پیدا کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمتوں کے دروازے اس شان سے کھل گئے کہ معالجین کی امید سے بھی بڑھ کر جلد مریضہ کی حالت اتنی سنبھل گئی کہ وہ بارہ روز بعد ہی گھر واپس آنے کے قابل ہوگئی۔

باہمی محبت اور اخوت و موانست کا ایسا روح پرور نظارہ اور "بنی آدم اعضائے یک دیگر اند" کا یہ عملی مظاہرہ اور نادر نمونہ دیکھ کر کتابوں میں مذکور حضرت صاحب کے زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور حضرت صاحب کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آجاتا ہے

اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجا است
سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب

اللہ تعالیٰ اس بستی پر اپنی برکات نازل فرمائے اور اس کے مکینوں کو اس فانی فی اللہ کی روحانی تربیت سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہونے کی توفیق بخشے۔ جس کی بدولت دارالسلام پر بہار آئی ہوئی ہے۔

یہ بڑی ناشکری ہوگی اگر میں میاں محمد ٹرسٹ ہسپتال لائل پور کے مستعد اور ہمدردِ انسانیت عملہ اور ان کے قابل اور لائق انچارج ڈاکٹر صاحبان کا ذکر نہ کروں۔ جن کی پرشفقت توجہ، صحیح تشخیص، بروقت اور مناسب حال طبی امداد سے مریضہ کو خدا کے فضل سے دوبارہ زندگی ملی۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء

عبدالرؤف کھوکھر

مکرم جناب شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب کی علالت

کچھ عرصہ ہوا۔ علامہ صاحب کی بائیں ٹانگ کی ہڈی گر پڑنے کے باعث ٹوٹ گئی۔ اب افاقہ ہے۔ مگر کچھ تکلیف ابھی باقی ہے۔ احباب جماعت دردِ دل سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اس سربرآوردہ عالم اور ممتاز خادمِ دین کو صحتِ عاجلہ وکاملہ کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے تاکہ تشنگانِ علم دین کو علامہ صاحب موصوف سے مزید استفادہ کا موقعہ مل سکے۔

آئینِ پاکستان میں ترمیم۔ مُسلم کی شرعی تعریف اور جماعت احمدیہ لاہور (قسط نمبر ۳)

مکرّم جناب ریٹائرڈ کیپٹن عبدالواحد صاحب پشاور

احادیث کی رُو سے ایمان اور اسلام

حدیث جبرئیل جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے اسی طرح پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد عمر بن الخطاب نے بتایا کہ ایک دن جب ہم آنحضرت صلعم کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص حاضر ہوا اس نے خوب سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس کے بال خوب کالے تھے۔ اس پر سفر کرنے کا کوئی نشان نہ تھا۔ اور ہم میں سے اسے کوئی نہ جانتا تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ اپنے رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد مجھے اسلام کے بارہ میں بتایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرے۔ اس شخص نے کہا کہ تو نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ ہمیں تعجب ہُوا کہ خود سوال کرتا ہے اور پھر تصدیق کرتا ہے۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ ایمان کیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو ایمان لائے اللہ تعالےٰ پر اور اس کے ملائکہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور تو ایمان لائے قدر پر خواہ خیر ہو یا شر اس شخص نے کہا تو نے سچ فرمایا ......۔ آنحضرت صلعم نے مجھ (عمر فاروقؓ) سے پُوچھا کیا تو جانتا ہے کہ سوال کرنے والا کون تھا میں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول جانتے ہیں فرمایا یہ جبرئیل تھے تمہیں دین سکھلانے آئے تھے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیث الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ دوسرے طریقوں سے بھی روایت کی گئی ہے۔

حضرت سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ مال تقسیم کیا میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کو بھی دیجئے کہ وہ مؤمن ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا یا مسلمان ہے؟ چنانچہ میں نے تین بار کہا کہ وہ مُومن ہے آپؐ نے فرمایا وہ مسلمان ہے۔ (صحیح مسلم)

عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ میری نظر خراب ہو گئی چنانچہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھیں تاکہ مَیں وہیں نماز پڑھا کروں۔ آنحضرت صلعم میرے گھر تشریف لائے اور ان کے ساتھ صحابہ بھی تھے آپ نے ایک جگہ نماز پڑھنی شروع کی اور صحابہ آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ ابنِ دخشم بہت مغرور اور متکبّر ہے (کیونکہ باوجود آنحضرت صلعم کے پاس موجود ہونے کے آپ کے ساتھ عتبان کے گھر نہیں آئے) ہم چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اس کے خلاف بد دعا کریں تاکہ وہ یا تو ہلاک ہو جائے اور یا کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ آنحضرت صلعم نے نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کیا وہ یہ شہادت نہیں دیتا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کہ میں اس کا رسُول ہوں۔ صحابہ نے جواب دیا کہ وہ یہ شہادت دیتا ہے لیکن یہ اس کے دل میں نہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا جو شخص بھی یہ گواہی دے گا کہ سوا اللہ تعالےٰ کے کوئی معبود نہیں اور کہ میں اس کا رسُول ہوں تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اور دوزخ اسے نہیں نگلے گی۔ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی۔ میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے لکھ لو تو اس نے لکھ لی۔ (صحیح مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا کہ اسلام کے بارہ میں ایسی جامع بات بتا دیں کہ آپ کے بعد میں کسی اور سے نہ پُوچھوں (ابو اسامہ کے لفظ ہیں کہ آپ کے علاوہ کسی سے نہ پُوچھوں) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کہو کہ میں اللہ تعالےٰ پر ایمان لایا۔ پھر اسی پر قائم رہ۔ اس باب کا عنوان امام مسلم نے یہ باندھا ہے 'اسلام کے جامع اوصاف' (صحیح مسلم)

عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے ربّ ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔ اس حدیث پر امام مسلم نے جو باب باندھا ہے اس کا عنوان ہے

"کہ جو شخص اللہ کے ربّ ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسُول ہونے پر راضی ہو گیا وہ مؤمن ہے اگرچہ اس نے کبائر گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔" (صحیح مُسلم)

صحیح مُسلم میں ایک باب کا عنوان ہے جواز الاستسرار بالایمان للخائف۔ یعنی خوف کی حالت میں ایمان کو چھپائے رکھنے کا جواز۔ اس باب کے نیچے حضرت حذیفہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ ہم آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے آپ نے فرمایا کہ گنتی کرو کہ کتنے آدمی اسلام کے قائل ہیں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ہمارے بارے میں خوف کھاتے ہیں اس وقت ہماری تعداد چھ یا سات سو تھی، آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ۔ حذیفہؓ نے بیان کیا کہ پھر ایسا ہی ہوا اور آزمائش میں گرفتار ہو گئے، یہاں تک کہ ہم میں سے بعض نماز بھی چُھپ کر پڑھتے تھے۔

جندب بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دستہ مشرکین سے لڑائی کے لئے بھیجا۔ مشرکین میں ایک شخص اتنا بہادر تھا کہ مڈبھیڑ میں جس مسلمان کو چاہتا اسے قتل کر دیتا۔ ایک مسلمان اس کی تاک میں تھا۔ جب وہ مشرک مسلمان کی زد میں آیا تو اس نے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہا لیکن مسلمان نے اسے قتل کر دیا۔ یہ اسامہ بن زید تھے۔ جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آنحضرت صلعم کے پاس پہنچا تو آنحضرت صلعم کے دریافت کرنے پر تمام حال بیان کیا اور اسی واقعہ کا بھی ذکر کیا۔ آپ نے اسامہ بن زید کو بُلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا اسامہؓ بن زید نے جواب دیا یا رسول اللہ اس نے فلاں فلاں مسلمان کو قتل کیا تھا۔ میں نے اس پر حملہ کیا جب اس نے تلوار دیکھی تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ آنحضرت صلعم نے پُوچھا پھر تم نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت

اسامہ نے کہا کہ ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جب وہ شخص قیامت کے دن لا الٰہ الا اللہ لے کر آئے گا تو تُو کیا کرے گا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار فرمائیے۔ لیکن آپ بار بار یہ کہتے رہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیث صحیح مسلم میں مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے ایک روایت میں ہے کہ کیا تو نے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا، مَیں نے جواب دیا یا رسول اللہ اس نے ہتھیار کے خوف سے کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلا شققت عن قلبہ تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں حضرت اسامہ فرماتے ہیں مَیں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش مَیں آج ہی مسلمان ہُوا ہوتا۔

مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ لڑائی میں اگر کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ دے پھر میرے پر حملہ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی آڑ میں ہو کر یہ کہے کہ مَیں اللہ کے لئے اسلام لایا ہوں تو کیا مَیں اس کو اس کہنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا اسے قتل نہ کرنا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد یہ کہا تھا تو کیا مَیں اسے قتل کروں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا اسے قتل نہ کرنا۔ اگر تو نے اسے قتل کیا وہ اس منزلت پر ہوگا جس پر اس کے قتل کرنے سے پہلے تو تھا اور تو اس کے اس منزلت پر ہوگا جس پر قتل سے پہلے وہ تھا۔ (صحیح مسلم)

امام بخاری نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے خدا اور اس کے رسول کی امان ہے تم اس کی امانت میں خیانت نہ کرنا۔ ( )

یہ احادیث ہمیں انہی چار نتائج کی طرف لے جاتی ہیں جو اُوپر آیاتِ قرآنی کی ذیل میں لکھے گئے ہیں۔ ایک بات جو ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والا خدا کی حفاظت میں چلا جاتا ہے اس کا خون اور مال و متاع مسلمان کے نزدیک محفوظ ہو جاتا ہے اس کا قتل کرنا حرام ہو جاتا ہے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس ٹوہ میں لگ جائے کہ وہ معلوم کرے کہ اس نے کلمہ طیبہ دل سے پڑھا یا نہیں۔ نہ ہی کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ شک کرے کہ کلمہ خوفِ جان سے پڑھا گیا یا نہیں۔ کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ پڑھنے والے سے تفصیلات ایمان اور اسلام اور مؤمن بہ پُوچھے۔

احادیث میں ایمان کے ستر سے اور شعبے بیان کئے گئے ہیں۔ اور کئی احادیث میں تو حصر ہے کہ مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مؤمن وہ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والدین اور تمام دُنیا و مافیہا سے زیادہ محبت ہو۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ مؤمن کی ایک خصلت یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرتا ہے۔ انصار اور حضرت علیؓ سے محبت رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ وہ اسلام اچھا ہے کہ تو بھوکوں کو کھانا کھلائے اور ہر جاننے والے اور نہ جاننے والے پر سلام بھیجے۔ حیاء ایمان سے ہے۔ جہاد ایمان میں سے ہے۔ رمضان میں تہجد گذاری ایمان میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ دین ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے۔ جنازوں کے ساتھ چلنا ایمان سے ہے۔ یہ سب خصائل ایمان ہیں۔ ان سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ ان کی عدم موجودگی سے کوئی شخص غیر مسلم نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح احادیث میں کُفر کے بھی مختلف خصائل بیان کئے گئے ہیں، لیکن ان کی وجہ سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثالیں یہ ہیں عورت کا اپنے خاوند کی نافرمانی کرنا۔ مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کُفر۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ ہو جانا۔ نسب میں طعن کرنا کُفر ہے۔ جو شخص جان بُوجھ کر اپنے باپ کے والد ہونے کا انکار کرے وہ کُفر کرتا ہے۔ میّت پر نوحہ کرنے والے کُفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ غلام کا آقا کے پاس سے بھاگ جانا کُفر کے برابر ہے ترک صلوٰۃ شرک اور کُفر کے بین ہے۔ جو شخص مسلمان کو دھوکہ دے وہ مسلمان نہیں۔ یہ وہ خصائل ہیں جو کہ ایمان کے مختلف شعبوں کے مقابل پر ہیں اور ان سے دائرۂ اسلام سے خارج ہونا مراد نہیں۔

ان آیات اور احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام دنیوی کے لئے ظاہر استسلام کافی ہے اور جو شخص کلمہ طیبہ کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے کس درجہ کا مسلمان ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور معاملات دنیوی اور احکام میں اس کی حیثیت قولی شہادت سے یا ظاہری افعال سے عیاں ہو جاتی ہے جیسے نماز کا پڑھنا۔ قبلہ کی طرف نماز میں منہ کرنا۔ مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا، وہ ظاہری افعال ہیں جن سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کا ثبوت واضح طور سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کریم اور سنّت نے اسلام کے معنی میں جو وسعت پیدا کی ہے اس میں مداخلت اور اس وسعت کو تنگ کرنا اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ کلمہ طیبہ ایک جامع کلمہ ہے اس میں اللہ پر ایمان اور اس کے رسول پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ایک زندہ ہستی ہے جس نے محمد رسول اللہؐ کو مبعوث فرمایا اور محمد صلعم پر ایمان یہ ہے کہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے وہ سب سچ ہے اس میں ملائک اور سابقہ کتب اور رُسل اور یومِ آخرت اور جزا و سزا وغیرہ پر ایمان شامل ہے۔ اس کے علاوہ اگر اسلام کی تعریف متعیّن کرنے کی کوشش کی جائے تو نہ اس تعریف پر اتفاق ہوگا اور نہ وہ جامع ہوگی۔ کیونکہ مسلمانوں کے اندر اگر قدر مشترک کوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ صرف کلمہ طیبہ کا اقرار ہی اس وسعت کا مظہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور آنحضرت صلعم نے اسلام کے معنی میں پیدا کی ہے۔ اس قدرِ مشترک کو اگر فراموش کیا جائے تو جنگ و قتال اور تکفیر کے فتوے ہونگے۔ مسلمانوں کو وہ امن نہ مل سکے گا جو اسلام کا مقصد ہے اور جس مذہب میں اپنوں سے امن نہ ملے اس مذہب کو ماننے سے کیا فائدہ اور ایسے دین سے فائدہ کیا جس کے ماننے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں اور ان کی تمام مساعی ایک دوسرے کو ذلیل کرنے میں صرف ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو اسلام کے ماننے والوں کو اشداء علی الکفار رحماء بینھم بیان فرماتے ہیں، یعنی کافروں کے خلاف مضبوط اور آپس میں نہایت ہی نرمی برتنے والے۔ اور اس دین کے ماننے والوں کو ایک بہترین اُمّت قرار دیتے ہیں تاکہ اس دین کے نہ ماننے والوں کے خلاف گواہ ہوں۔ کیا اس مذہب کے ماننے والے جو آپس میں لڑتے رہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے رہیں اور ایک دوسرے کی تذلیل کرتے رہیں دوسرے مذاہب والوں کے خلاف گواہ ہو سکتے ہیں۔ اور کیا ایسی امت بہترین اُمّت کہلا سکتی ہے۔ ان آئینی ترمیمات کے متعلق قرآن اور سنّت نبویؐ کی روشنی میں قارئین خود اپنی رائے قائم کریں۔

آئینی ترمیم اور جماعت احمدیہ لاہور

آئین کے باب تشریحات آرٹیکل ۲۶۰ میں جو اضافہ کیا گیا ہے اس کے رُو سے آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کے کسی مفہوم کے مطابق دعوےٰ کرنے والا شخص غیر مُسلم ہے اور وہ شخص بھی غیر مسلم ہے جو ایسے مُدعی کو نبی یا مذہبی مصلح مانے ۔ واضعین آئین کو اس تعریف سے بھی یہ اطمینان نہیں تھا کہ یہ تعریف ممبرانِ جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مسلم بنا دے گی گویا واضعین آئین اس نئی تعریف سے خود بھی مطمئن نہ تھے کہ یہ تعریف جامع ہے اور بلا شک وشبہ جماعتِ احمدیہ لاہور اس تعریف کی رُو سے غیر مُسلم ٹھیرے گی حالانکہ مقصود احمدیوں کو غیر مُسلم ٹھہرانا تھا ۔ چنانچہ یہ ضروری سمجھا گیا کہ آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ میں غیر مسلم اقلیتوں کے زمرہ میں جماعتِ احمدیہ لاہور کو نام لے کر شامل کیا جائے تاکہ مقصد کے حصول میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

اس تعریف کی شرعی حیثیت تو ظاہر کی جا چکی ہے ۔ لیکن اگر اس تعریف کو ہی تسلیم کیا جائے تو اس کی رُو سے بھی تو جماعتِ احمدیہ لاہور غیر مُسلم نہیں ٹھیر سکتی کیونکہ جماعتِ احمدیہ لاہور کا یہ عقیدہ ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے کبھی بھی نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ محدثیت اور مجددیت کا تھا اور جماعت احمدیہ لاہور ان کو مجدد اور محدث ہی مانتی ہے اور آئینی ترمیم کی رُو سے صرف مُدعی نبوت کا ماننا یا ایسے مدعی نبوت کو مذہبی مصلح ماننا ۔ ایک مسلمان کے لئے منع ہے خواہ یہ مُدعی نبوت کے کسی معنی یا مفہوم میں دعوےٰ کرنے والا ہو ۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں ان کے لئے ضرور نبی کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہ مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہو جو امام مسلم نے نواس بن سمعان سے روایت کی ہے ۔ اس حدیث کو یا تو بوجہ ختم نبوت رَد کرنا چاہیئے اور یا اس کی ایسی توضیح کرنی چاہیئے کہ ختم نبوت پر زد نہ پڑے اور احتیاط کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث نبوی کو بوجہ معارض قرآن ہونے کے رَد کرنے کی بجائے اس کی ایسی تاویل کی جائے کہ قرآن اور حدیث کے درمیان اختلاف باقی نہ رہے ۔ یہ لفظ نبی کا مجازی استعمال خود ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ نبوت کی کوئی قسم نہیں ۔ اگر حضرت مرزا صاحب اسے قسم نبوت ٹھہراتے تو وہ ہرگز یہ نہ کہتے کہ اگر اس لفظ کا استعمال مسلمانوں پر گراں گذرتا ہو تو وہ ان کی تحریروں میں اس لفظ کو کاٹا ہوا سمجھیں ۔ وہ کہتے ہیں نبوت کا دعوےٰ نہیں محدثیت کا دعوےٰ ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے کیا گیا ہے ۔ اور لفظ نبی کے استعمال کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ میری نبوت کا مفہوم محدثیت تک محدود ہے اور جب ان کا دعوےٰ محدثیت سے اُوپر نہیں ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کسی نہ کسی معنی یا مفہوم کے لحاظ سے ان کا دعوےٰ نبوت کا ہے اور اس لئے ان کو مذہبی مصلح ماننا بھی انسان کو غیر مسلم بنا دیتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں

حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ کوئی نیا دعوےٰ نہیں ۔ حدیث میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ ہے ۔ یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہوا لفظ ہے اور یہ لفظ لانبی بعدی کہنے والی زبانِ مبارک سے نکلا ہے ۔ "میرے بعد کوئی نبی نہیں" اور "میرے بعد مسیح نبی اللہ آئیں گے" کے درمیان تطبیق صرف اسی طور سے ہو سکتی ہے کہ آنے والے نبی اللہ کی نبوت کو مجازی نبوت سے تعبیر کیا جائے ورنہ یہ حدیث رَد کرنے کے لائق ہوگی اور جب اس کے معنی اس قسم کے پیش کئے جا سکتے ہیں کہ ختم نبوت اور لانبی بعدی کے ساتھ کوئی تعارض باقی نہیں رہتا تو علماء کے اُصول کے مطابق حدیث کو رَد کرنے کی بجائے ایسے معنی کرنا افضل ہے ۔ اور اگر اس کے یہ معنی کئے جائیں کہ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت صلعم سے پہلے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ان کے دُنیا میں دوبارہ آنے سے ختم نبوت پر ضرب نہیں لگتی تو یہ معنے اس لئے غلط ہیں کہ قرآن کریم کی صریح آیات کے خلاف ہیں جن سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے ۔ اور اگر بالفرض یہ معنی صحیح ہیں تو پُرانے نبی کا آنا بھی تو اس آئینی ترمیم کی رُو سے جائز نہیں کیونکہ آئینی ترمیم کے الفاظ ان معنی کے متحمل نہیں بلکہ وہ ان معنوں کے صریح خلاف ہیں ۔

حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ لم یبق من النبوت الا المبشرات کہ نبوت سے سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا ۔ صاحب مبشرات کے پاس جزوی اور یا ناقص نبوت باقی رہی اور یہی حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ ہے لیکن جزوی یا ناقص نبوت تو نبوت نہیں اس لئے اسے بھی نبوت کے "کسی معنی اور مفہوم" کے لحاظ سے دعوےٰ نبوت نہیں کہا سکتا ۔

شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور امام عبدالوہاب شعرانی کے نزدیک نبوت عامہ بند نہیں صرف نبی تشریعی کا آنا بند ہے ۔ یہ دونوں مشاہیر اہلسنت والجماعت ہیں ۔ اور باوجود ان کی ان تحریرات کے ان کو نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ نبوتِ عامہ کو جاری سمجھنے کے کیا معنی ہیں انہی دونوں نے اس کے معنے ولایت کئے ہیں گویا وہ آنحضرت صلعم کے بعد ولایت کو جاری سمجھتے ہیں ۔ حضرت مرزا صاحب کو بھی دعوےٰ ولایت کا ہے ۔ آپ حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں ولایت سے اُوپر کوئی درجہ نہیں ۔ اور ایک غلطی کے ازالہ میں فرماتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں سیرت صدیقی کے علاوہ اور کوئی کھڑکی نہیں کھُلی گویا نبوت کا دروازہ بکلی مسدود ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کہا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ کوئی نیا دعوےٰ نہیں ان کا دعوےٰ صرف وہ ہے جو کہ علماء اہلسنت والجماعت کے اندر مسلمہ ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کا بھی یہی دعویٰ تھا ۔ دونوں کمالات نبوت کو اُمت محمدیہ میں حاصل کرنا جاری سمجھتے ہیں ۔ اور ختم نبوت کے منافی نہیں سمجھتے اور حضرت مجدد الف ثانی تو اصحاب نبی کو بالاصالۃ نبی کہتے تھے اور ان کے اندر کمالات نبوت پائے جاتے اور قلت و ندرت کے طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہونے کے قائل ہیں اور یہی مبشرات والی نبوت ہے اور یہی مجازی نبوت ہے جس کا دعوےٰ حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے اور جس کا جاری ہونا اُمت میں مسلّم ہے یعنی محدثیت ۔ مجددیت ۔ ولایت اور مجازی نبوت ۔ آئینی ترمیم زیر آرٹیکل ۲۶۰ کے وہ معنی نہیں ہو سکتے جو اُمت میں جاری وساری مسلّم عقائد کے خلاف ہو۔

قرآن کریم کا حکم ہے کہ مسلمانوں کو ملت سے باہر نہ نکالو

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم مومن بھائی بھائی ہیں ان کے درمیان اگر اختلافات پیدا ہو جائیں تو ان کو دُور کرو اور ان کے درمیان صلح کراو ۔ پارلیمنٹ پاکستان کو اگر کوئی اختلاف نظر آیا تھا تو قرآنی حکم کے ماتحت اس کا فرض تھا کہ وہ اس اختلاف کو دُور کرنے کی کوشش کرتی ۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لا تطرد الذین یدعون ربھم

بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ ما علیك من حسابھم من شیءٍ وما من حسابك علیھم من شیءٍ فتطردھم فتکون من الظلمین۔ (انعام- ۵۲) ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے اس کی رضا ہی کا قصد کرتے ہیں۔ آپ پر ان کا حساب دینا نہیں اور نہ ہی آپ کا حساب دینا ان پر ہے کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں ہوں گے۔"

جب آنحضرت صلعم سے کفار مکہ نے یہ مطالبہ کیا کہ ضعفاء اور غلام وغیرہ تیرے اردگرد جمع ہوئے ہیں ان کو اپنے پاس سے ہٹا دو ہم تمہاری پیروی کریں گے۔ ان کے اس مطالبہ کا جواب اس آیت شریفہ کے ذریعہ سے دیا کہ اگر تو ان کے مطالبہ کے سامنے سر جھکا دے گا تو تو ظالموں میں سے ہوگا۔ پارلیمنٹ پاکستان کے لئے اس آیت شریفہ میں سبق ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے یہی تقاضا ہوا تھا، آپ نے جواب دیا:—

ما انا بطارد الذین امنوا انھم ملقو ربھم ولکنی ارٰکم قومًا تجھلون۔ (ھود- ۲۸)

میں ایمان لانے والوں کو نہیں نکال سکتا وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ اور تمہیں میں جاہل قوم دیکھتا ہوں۔

اگر مسلمانوں کو اس طرح غیر مسلم بنایا جانے کا دروازہ کھول دیا گیا تو آج ایک فرقہ کی باری اور کل دوسرے کی۔ یہ تو انتشار اور افتراق پھیلانا ہے اور اسلام کا شیرازہ پارہ پارہ کرنا ہے۔

علماءِ پاکستان غور کریں کہ وہ کتنا ظلم عظیم کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور کا وہ کونسا عقیدہ ہے جو اہلسنت والجماعت کے عقائد کے مطابق نہیں کیا جماعتِ احمدیہ لاہور خدا تعالےٰ کو واحدہٗ لا شریک نہیں مانتی کیا وہ محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان نہیں لاتی کیا وہ قرآن کریم کو کتاب الٰہی نہیں مانتی کیا وہ ملائکہ اور یوم آخرت اور حساب کتاب کی منکر ہے کیا وہ نماز سے انکار کرتی ہے زکوٰۃ اور صیامِ رمضان اور حج بیت اللہ سے انکار کرتی ہے۔ کیا اس نے نماز کے اوقات میں یا تعداد میں یا رکعات کی تعداد میں یا رمضان کے روزوں کی تعداد میں کمی بیشی کی ہے۔ کیا اس کی اذان مختلف ہے۔ کیا اس کے جنازے پڑھنے اور نمازِ عیدین ادا کرنے کے طریقے آپ سے مختلف ہیں۔ کیا وہ کعبہ کو قبلہ نہیں مانتی، کیا وہ مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتی۔ کیا وہ سابقہ کتب اور سابقہ رسل پر ایمان نہیں رکھتی اگر یہ سب اس کے عقائد ہیں اور وہ حدیثوں اور سنت نبویؐ اور اولیاءِ اُمت کو مانتے ہیں تو کیا یہ اعتقادات غیر مسلموں کے ہیں۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان عقائد کے ماننے والے ہو کر مسلم کہلائیں اور جماعت احمدیہ ان عقائد کو مان کر غیر مسلم کہلائیں اور مسلم کہلانے کے لئے وہ شرک کریں اور بُت پرستی اختیار کریں اور قرآن کریم اور سابقہ کتب کا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سابق انبیاء اور رسل کا اور یوم آخرت کا اور حساب کتاب اور ملائکہ کا انکار کریں اور نماز کی جگہ بُت پرستی کریں اور قبلہ کی طرف منہ نہ کریں اور عبادت میں قرآن کریم کی تلاوت نہ کریں اور روزے نہ رکھیں اور حج بیت اللہ نہ کریں جس سے آپ نے پہلے ہی اس جماعت کو روک رکھا ہے اور آپ نے اپنے آپ کو آیت شریفہ ھم الذین کفروا وصدوکم عن المسجد الحرام والھدی معکوفا ان یبلغ محلّہ کا مصداق بنایا ہے۔ تو جب جماعت احمدیہ ایسا کرنے لگے (نعوذ باللہ من ذالك) تو آپ خوش ہوں گے اور پھر ان کے خون اور مال و متاع آپ کے پاس محفوظ ہوں گے اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو پھر کھل کر کیوں نہیں کہتے اور اسے چھپاتے کیوں ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کی پیروی میں ہم قطعی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں

اگر آپ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اور اس مُدعی نبوت کے ماننے سے جماعتِ احمدیہ لاہور دائرۂ اسلام سے خارج ہے تو اس کا جواب حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی زبان سے سُن لیجئے:—

" اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابرین میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی- ملائکہ کا منکر- بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرئیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبویؐ سے بکلی منکر ہے لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے اور ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہوگئی ......

...... میں ان تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے بعد ایک کافر بھی مُسلم تسلیم کیا جاتا ہے اور جن پر ایمان لانے کے بعد ایک غیر مذہب کا آدمی بھی معاً مسلمان کہلانے لگتا ہے۔"

(اعلان مؤرخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء)

اور آسمانی فیصلہ میں فرماتے ہیں:—

" انہوں نے سچی گواہی پوشیدہ کرکے لاکھوں دلوں میں جما دیا کہ درحقیقت یہ شخص کافر ہے اور لعنت کے لائق اور دین اسلام سے خارج ہے اور میں نے انہی دنوں میں جب کہ میں دہلی میں مقیم تھا شہر میں تکفیر کا عام غوغا دیکھ کر ایک خاص اشتہار انہیں میاں صاحب کو مخاطب کرکے شائع کیا اور چند خط بھی لکھے اور نہایت انکساری اور فروتنی سے ظاہر کیا کہ میں کافر نہیں ہوں اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہلِ سنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مُدعی نہیں بلکہ ایسے مُدعی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور یہ بھی لکھا کہ میں ملائک کا منکر بھی نہیں- بخدا میں ملائک کو اسی طرح مانتا ہوں جیسا کہ شرع میں مانا گیا ہے اور اور بیان کیا کہ میں لیلۃ القدر کا بھی انکاری نہیں بلکہ میں لیلۃ القدر پر بھی ایمان رکھتا ہوں جس کی تصریح قرآن اور حدیثوں میں وارد ہو چکی ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں وجود جبرئیل اور وحیِ رسالت پر ایمان رکھتا ہوں انکاری نہیں اور نہ حشر و نشر اور یوم البعث سے منکر ہوں اور نہ عام خیال نیچریوں کی طرح اپنے مولا کی کامل عظمتوں اور کامل قدرتوں

اور اُس کے نشانوں میں شک رکھتا ہوں اور نہ کسی استبعاد عقلی کی وجہ سے معجزات کے ماننے سے منہ پھیرنے والا ہوں اور کئی دفعہ میں نے عام جلسوں میں ظاہر کیا کہ خدا تعالےٰ کی غیر محدود قدرتوں پر میرا یقین ہے بلکہ میرے نزدیک غیر محدودیت الُوہیت کا ایک ضروری لازمہ ہے"۔

اور آپ فرماتے ہیں :۔

"افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ افتراء ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہلِ سنّت کے قائل ہیں"۔

اور فرماتے ہیں :۔

" ولا دین لنا اِلّا دین الاسلام ولا کتاب لنا اِلّا القرآن کتاب اللّٰہ العلام ولا نبیّ لنا اِلّا محمّد خاتم النبیّین صلّی اللّٰہ علیہ وسلم و بارک و اجعل اعداءہ من الملعونین۔ اشھدوا انا نتمسک بکتاب اللّٰہ القرآن و نتبع اقوال رسول اللّٰہ منبع الحق والعرفان و نقبل ما انعقد علیھا الاجماع بذالک الزمان لا نزید علیھا ولا ننقص منھا و علیھا نحیی و علیھا نموت و من زاد علی ھذہ الشریعۃ مثقال ذرۃ او نقص منھا اوکفر بعقیدۃ اجماعیۃ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

ھذا اعتقادی۔ و ھو مقصودی ومرادی ولا اخالف قومی فی الاصول اجماعیۃ وما جئت بمحدثات کالفرق المبتدعیۃ۔ بل انی ارسلت لتجدید الدین واصلاح الامۃ علیٰ رأس ھٰذہ المائۃ"۔ (انجام آتھم)

ترجمہ: "اور ہمارے لئے کوئی دین نہیں سوائے دینِ اسلام کے اور ہمارے لئے کوئی کتاب نہیں سوائے فرقان کے جو اللہ تعالےٰ علام کی کتاب ہے اور ہمارا کوئی نبی نہیں سوائے محمد خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان پر خدا کی برکات ہوں اور ان کے دشمنوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ہو۔ گواہ رہو کہ میں اللہ تعالےٰ کی کتاب پر پنجہ مارتا ہوں اور رسول اللہ جو کہ سرچشمۂ حق و عرفان ہیں کے اقوال کی پیروی کرتا ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں جس پر اس زمانہ میں اجماع ہو نہ اس پر اضافہ کرتا ہوں اور نہ اس میں کمی کرتا ہوں اور اسی پر ہم زندہ ہیں اور اسی پر ہم مریں گے اور جو اس شریعت پر ذرہ بھر زیادہ کرے یا کم کرے اور یا اجماعی عقیدہ کا انکار کرے تو اس پر اللہ تعالےٰ کی اور ملائک کی اور تمام مخلوق کی لعنت ہو"۔

" یہ میرا اعتقاد ہے اور یہی مقصود اور میری مراد اور مَیں اجماعی اصول میں اپنی قوم کی مخالفت نہیں کرتا ہوں۔ اور نہ ہی بدعتی فرقوں کی طرح میں کوئی نئی چیز لایا ہوں۔ مگر مَیں تجدید دین اور اصلاح اُمّت کے لئے بھیجا گیا ہوں اس صدی کے سر پر"

اور اسی کتاب انجام آتھم میں فرماتے ہیں :۔

" کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوّت کا دعوےٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولٰکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیّین کو خُدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوّت یا رسالت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کُفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے لیکن وہ مکالمات و مخاطبات جو اللہ جلشانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوّت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مُرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت جس کی میں گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ کوئی نیا اور نہ کوئی پُرانا۔ و من قال بعد رسولنا و سیّدنا انی نبی و رسول علےٰ وجہ الحقیقت والافتراء وترک القرآن و احکام الشریعۃ الغراء فھو کافر کذاب۔ غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوّت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامنِ فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اس پاک سرچشمہ سے جُدا ہو کر آپ ہی براہِ راست نبی اللہ بننا چاہے تو وہ ملحد بیدین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا۔ اور احکام میں کچھ تغیّر و تبدّل کر دیگا پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے"۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جیسا ابھی ہم نے بیان کیا ہے بعض اوقات خدا تعالےٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں۔ اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔ سارا جھگڑا یہ ہے جس کو نادان متعصّب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مُسلم وغیرہ میں زبانِ مقدس نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کی رُو سے ہے جو صوفیاء کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا"۔ (باقی ـــ باقی)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۹ر فروری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۷۷ء | نمبر ۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

دُعا کی حقیقت —— ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ رُوبخدا ہونا۔

مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ دُعا کیا چیز ہے۔ دُعا یہی نہیں ہے کہ چند لفظ منہ سے بڑبڑا لئے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا۔ اور اس کا کمال اور مؤثر ہونا اس وقت ہوتا ہے۔ جب انسان کمال دردِ دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانۂ الوہیت کی طرف بہہ نکلے یا جس طرح پر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکار میں کیسا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے اس کی آواز ہی میں وہ درد بھرا ہُوا ہوتا ہے جو دوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دُعا جو اللہ تعالےٰ سے کی جاوے۔ اس کی آواز، اس کا لب ولہجہ اور ہی ہوتا ہے۔ اس میں وہ رقت اور درد ہوتا ہے جو الوہیت کے چشمۂ رحم کو جوش میں لاتا ہے۔ اس دُعا کے وقت آواز ایسی ہو کہ سارے اعضاء اس سے متاثر ہو جاویں اور زبان میں خشوع و خضوع ہو۔ دِل میں درد اور رقت ہو۔ اعضاء میں انکسار اور رجوع الی اللہ ہو۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کے رحم وکرم پر کامل ایمان اور پُوری اُمید ہو۔ اس کی قدرتوں پر ایمان ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانۂ الوہیت پر گرے گا نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہیئے کہ اس حالت میں بار بار حضور الہٰی میں عرض کرے کہ مَیں گنہگار اور کمزور ہوں۔ تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو آپ رحم فرما اور مجھے گناہوں سے پاک کر کیونکہ تیرے فضل وکرم کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے پاک [illegible] مغفرت کرے گا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہے گا تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک نُور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی جو دِل سے گناہ کی تاریکی کو دُور کر دے گی اور غیب سے ایک قوت عطا ہوگی جو گناہ سے بیزاری پیدا کر دے گی اور وہ ان سے بچے گا۔ اس حالت میں دیکھے گا کہ میرا دل جذبات اور نفسانی خواہشوں کا ایسا اسیر اور گرفتار تھا کہ گویا ہزاروں ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا جو بے اختیار اسے کھینچ کر گناہ کی طرف لے جاتے تھے اور یا یک دفعہ وہ سب زنجیر کٹ گئے ہیں اور آزاد ہو گیا ہے اور جیسے پہلی حالت میں وہ محسوس اور مشاہدہ کرے گا کہ وہی رغبت اور رجوع اللہ تعالےٰ کی طرف ہے۔ گناہ سے محبت کی بجائے نفرت اور اللہ تعالےٰ سے وحشت اور نفرت کی بجائے محبت اور کشش پیدا ہوگی۔

یہ ایک زبردست صداقت ہے جو اسلام میں موجود ہے۔ اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کا زندہ ثبوت ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اگر انسان اس امر کو سمجھ لے اور وہ دُعا کے راز سے آگاہ ہو جاوے تو اس میں اس کی بڑی سعادت اور نیک بختی ہے اور اس صورت میں سمجھو کہ گویا اس کی ساری ہی مرادیں پُوری ہو گئی ہیں۔ ورنہ دُنیا کے ہم و غم تو اس قسم کے ہیں کہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

جو شخص رُو بدنیا ہوتا ہے وہ تھوڑی دُور چل کر رہ جاتا ہے کیونکہ نامرادیاں اور ناکامیاں آخر آ کر ہلاک کر دیتی ہیں۔ لیکن جو شخص ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ رُو بخدا ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ ہی کے لئے اس کی سب حرکات وسکنات ہوتی ہیں تو خدا تعالےٰ دُنیا کو بھی ناک سے پکڑ کر اس کا خادم

آہ! میاں اللہ بخش صاحب خلف الرشید جناب میاں محمدؐ صاحبؒ بھی ہم سے جدا ہو گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں + کہیں سے آبِ بقاءِ دوام لا ساقی

جماعت کے تمام حلقوں میں یہ خبر نہایت دُکھ اور رنج سے سُنی جائے گی کہ ہمارے محترم بزرگ جناب میاں اللہ بخش صاحب خلف الرشید جناب میاں محمدؐ صاحب مرحوم و مغفور ایک مختصر علالت کے بعد بروز سوموار مؤرخہ ۷ فروری ۱۹۷۷ء اپنے مولاءِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ بروز سوموار مؤرخہ ۷ فروری ۱۹۷۷ء آپ کی نماز جنازہ ایک دفعہ آپ کی کوٹھی واقع گلبرگ کے وسیع صحن میں اور دوسری دفعہ دارالسلام کی مسجد میں ادا کی گئی۔ بیسیوں غیر از جماعت دوستوں نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ ہمیں میاں صاحب مرحوم و مغفور سے زیادہ قریب ہونے کا موقعہ تو نہیں ملا لیکن ہر آنکھ کو اشکبار اور چہروں کو سوگوار دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ ایسی خوبیوں اور صفات کے مالک تھے جنہوں نے آپ کی جدائی کے صدمہ سے دلوں کو ہلا دیا۔ لیکن ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آپ ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لائل پور میں پائی اور اعلیٰ تعلیم اسلامیہ کالج لاہور میں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۲۵ء میں کاروبار شروع کیا اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور ذہانت کی بدولت اتنی ترقی کی کہ جلد ہی انبالہ چھاؤنی میں ایک فلور مل خریدلی اور ۱۹۳۳ء میں لائل پور میں پریمیئر فلور ملز قائم کی۔ اپنے کاروباری حلقہ میں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اس قدر مقبول تھے کہ آل پاکستان ٹیکسٹائل ملز اونرز ایسوسی ایشن کے منتخب ہو گئے اور دو سال تک اس اہم اور کلیدی عہدے پر فائز رہے۔ آپ کی انتھک محنت اور کوششوں سے ۱۹۶۲ء میں آل پاکستان بزنس مین سیمینار کا انعقاد عمل میں آیا جس کا افتتاح اس وقت کے گورنر مغربی پاکستان نواب کالاباغ مرحوم نے کیا۔ اس سیمینار کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں نہ صرف پاکستان بلکہ ورلڈ بینک کے ماہرین اقتصادیات نے بھی شمولیت کی اور اس کے نتیجے میں نئی صنعتیں قائم کرنے اور بیرونی ممالک کی طرف سے سرمایہ کاری کا راستہ کھل گیا۔

آپ ایک کاروباری انسان ہی نہ تھے بلکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی سرگرمیوں میں بھی دِل کھول کر حِصّہ لیتے تھے ۱۹۷۵ء تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مجلس معتمدین اور مجلس منتظمہ کے رُکن رہے۔ اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام یو کے ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے۔ اشاعت اسلام کی خاطر جب بھی اپیل کی گئی آپ نے دِل کھول کر حِصّہ لیا اور جب بھی انجمن کے معاملات میں کوئی اُلجھن پیدا ہوئی اللہ تعالےٰ نے آپ کی زبان سے اس عقدہ کے حل کے لئے الفاظ ادا کرائے۔ اس دفعہ ۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ پر استحکام جماعت کے لئے جب ایک لاکھ کی اپیل کی گئی تو آپ نے ایک تقریب کے دوران میں فرمایا: "ایک لاکھ میں جو کمی رہ گئی وہ میں پوری کر دوں گا"۔ ایسے گوہر ہائے گرانمایہ ہم اب کہاں سے لائیں گے۔

۱۳ فروری ۱۹۷۷ء حضرت میاں محمدؐ مرحوم کا یومِ وفات ہے۔ سب بھائی آپ کی برسی میں شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ اور ان کے جانشین جناب میاں اللہ بخش صاحب کی سربراہی میں میاں محمدؐ ہسپتال کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت مدِنظر تھی لیکن کسے معلوم تھا کہ برسی میں شرکت کی بجائے جناب میاں صاحب خود ہی ایک ہفتہ قبل اپنے والد مرحوم کی ملاقات کے لئے اپنے سارے اہلِ خاندان سے منہ موڑ کر عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کر لیں گے اور اپنی سرپرستی سے انہیں محروم کر جائیں گے۔

میاں فضل احمد صاحب فرماتے ہیں:

"۴ فروری بعد نماز جُمعہ میں ان کے مکان پر رُکا اور شام دیر تک ان کے پاس رہا۔ بالکل خیریت سے تھے۔ کوئی شکایت نہ تھی۔ ہر طرح بصحت تھے۔ رات کو پیٹ میں اچانک تکلیف ہوئی۔ چار پانچ دفعہ اجابت ہوئی لیکن دوسرے روز دوپہر تک کسی کو اطلاع نہ دی۔ بعد دوپہر مجھے خبر کی۔ میں گیا تو لیٹے ہوئے تھے اور کمزوری کی وجہ سے نڈھال نظر آتے تھے۔ ڈاکٹروں کو بلایا۔ دوسرے روز ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ سوموار شام کو شدّت سے دِل کا دورہ پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے مولاءِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی اولاد صرف تین لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک ۱۹۶۰ء میں وفات پاگئی اور دو بقیدِ حیات ہیں"۔

ہم میاں صاحب مرحوم کے برادران میاں ظہور احمد صاحب۔ میاں فضل احمد صاحب۔ میاں رشید احمد مسرّت صاحب۔ اور میاں حمید احمد صاحب۔ اور آپ کے دیگر اعزا اور اقارب کو یقین دلاتے ہیں کہ ساری جماعت ان کے اس دُکھ درد اور صدمہ میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اور ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے سایۂ عاطفت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ احباب سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔ (ادارہ پیغامِ صلح)

ننھے کاشف مرحوم کا عطیہ

احباب جماعت کو معلوم ہے کہ شیخ آصف گُل صاحب کا بیٹا اور شیخ ممتاز احمد صاحب وزیر آباد کا نواسہ کاشف شیخ ۱۰ جنوری ۱۹۷۷ء کو مانچسٹر میں وفات پا گیا۔ مختلف موقعوں پر اس ننھے بچّے کو جو رقم ملتی رہی وہ مرحوم ایک صندوقچی میں جمع کر دیتا تھا۔ اب جو اس صندوقچی کو کھولا گیا تو اس میں سے 104.00 روپے مالیت کی رقم نکلی۔

ننھے کاشف کی والدہ فرحت آصف نے یہ روپے اشاعتِ اسلام کے لئے بطور عطیہ ارسال کئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس ننھی رُوح کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور والدین اور دیگر لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــــ لاہور ـــــــ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۷۷ء

حضرت مرزا صاحب کو معاف فرمائیے

دُنیا کے تمام جمہوری ممالک میں انتخابات کے موقعہ پر میدانِ سیاست میں اُترنے والی پارٹیاں اپنے حق میں رائے دہندگان کی اکثریت حاصل کرنے کے لئے عوام کے سامنے اپنا اپنا منشور پیش کرتی اور اس کی وضاحت کے لئے جلسے منعقد کرتی ہیں۔ اپنے ساتھ عوام کی تائید کے اظہار کے لئے جلوس نکالتی اور نعرے بھی لگاتی ہیں لیکن جہاں تک ہم نے سُنا یا پڑھا ہے وہ انتخابی مہم کے دوران میں اپنے مُلک کے انتخابی دستور کے مطابق انتخابی ضابطۂ اخلاق کی حدود سے باہر نکلنے سے محترز رہتی ہیں اور نہ ہی کوئی امیدوار اپنے مدِ مقابل کے سامنے ایسی شرائط پیش کرتا ہے جو اس کے لائحۂ عمل اور مُلکی سیاست سے تعلق نہ رکھتی ہوں۔ تقریروں میں الفاظ کے استعمال میں یہاں تک احتیاط برتی جاتی ہے کہ مخالف کے لطیف جذبات کو خفیف سی ضرب بھی نہ پہنچے اور نہ اس کے شخصی وقار کو ٹھیس لگے۔

بھارت ہمارا پڑوسی مُلک ہے۔ وہاں بھی انتخابات کے موقعوں پر ہم نے کبھی نہیں سُنا کہ کسی اُمیدوار نے یہ مطالبہ کیا ہو کہ وہ گاندھی کی مرگھٹ پر یا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزاروں پر حاضری دے آئے تو میں الیکشن سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں انتخابی مہم میں نہ صرف گالی گلوچ اور دِل دکھانے والے نعروں کی مذموم رسم چل نکلی ہے۔ بلکہ مزارات پر حاضری کی شرائط بھی عاید کی جانے لگی ہیں۔ ایک طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ فلاں اگر حضرت داتا گنج بخشؒ اور قائدِ اعظمؒ کے مزاروں پر حاضری دے دے تو ہم انتخابات سے دستبردار ہو جائیں گے اور دوسری طرف سے یہ جواب آیا ہے کہ دستبرداری کا پروانہ ہمارے حوالے کیا جائے تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ آج سے صدیوں قبل لوگوں میں علم و عرفان کی دولت لُٹانے اور انسانوں کا خدا سے تعلق قائم کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے اور اس دَور کے معروف طریقوں کے مطابق فسق و فجور میں مبتلا اور عیش و عشرت میں گرفتار مُسلمانوں کو اللہ تعالےٰ کی راہ کی طرف بُلانے کا فرض ادا کرکے اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو کسی ملک کی جمہوریت، انتخابات اور اقتدار سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ تعلق تھا تو صرف اللہ تعالےٰ سے اور اسی کی طرف اپنے عقیدتمندوں کو ساری عمر دعوت دیتے رہے۔ حضرت قائدِ اعظمؒ نے اپنی صحت، دولت، جان اور سب کچھ قربان کرکے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی جد و جہد میں نصرت الٰہی سے کامیابی حاصل کی اور قیام پاکستان کے ایک سال بعد دنیا سے منہ موڑ کر اپنے خدا کے ہاں حاضر ہو گئے۔ اب آپ کو بھی ان انتخابات سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دے کر ان کے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعائے مغفرت کرنا اور اپنے لئے بخشش چاہنا کوئی معیوب بات نہیں لیکن انہیں ارباباً من دون اللّٰہ کا مقام دے کر اُن سے کچھ مانگنا اور مرادیں پُوری کرنے کے لئے پُکارنا سراسر شرک ہے۔ نہ ہی ان کی تعلیم میں یہ بات شامل ہے کہ ہمارے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمارے مزاروں پر ہم سے امداد طلب کرنے کے لئے تمہارا یہاں حاضری دینا مذہب کا ایک حصہ ہے۔ ایسے باخُدا لوگ جو اپنی تمام عُمر اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک ثابت کرنے میں صرف کر دیتے ہیں اور اس کی خاطر ناقابل برداشت دُکھ اور تکالیف کا سامنا کرتے ہیں کس طرح یہ سبق دے سکتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالےٰ کی صفات میں شریک کر لیا جائے۔ اور ان کے مزاروں کو سونے چاندی سے مرصع دروازوں اور کھڑکیوں سے مزیّن کیا جائے۔

ان بزرگوں سے صحیح عقیدت اور جذبۂ محبت کا اظہار یہ نہیں کہ وہاں رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں قوالیاں اور ناچ گانے ہوں اور ان کے سامنے سجدے کئے جائیں۔ ان کا احترام اور عزت اس میں ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنے عمل سے پیش کیا اسے خلوص سے اپنایا جائے اور جن اصولوں کی تبلیغ کے لئے اپنی زندگی وقف کی انہیں اپنی منزل کے لئے نشانِ راہ بنایا جائے۔ کسی کے مزار پر چلّہ کشی نہ تو بلندی درجات کا موجب ہو سکتی ہے اور نہ ہی حصولِ کمالاتِ روحانی کا ذریعہ۔ اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اس سے تعلق کی استواری زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ قرآن کریم میں اسی لئے یہ ارشاد ہوا ہے:۔

"مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے پس جدھر تم متوجہ ہوگے ادھر ہی اللہ کی توجہ بھی ہوگی۔ اللہ فراخی والا جاننے والا ہے۔" (۲ : ۱۱۵)

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

"بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو، لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کی خاطر قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے جب وہ اقرار کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف میں اور مقابلہ کے وقت یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔" (۲ : ۱۷۷)

جس انسان کو اس کی توفیق میسّر نہیں وہ کسی بزرگ کے مزار پر ہزار بار چلّہ کشی کرے قربِ الٰہی سے بے نصیب رہے گا۔ خدا کا پیار اور محبت کامل اتباعِ رسُول ہاشمیؐ سے حاصل ہوتی ہے۔ کسی کے مزار کے غلاف اور کھڑکیوں کی جالی کو چُومنے اور آنکھوں سے لگانے سے نہیں۔ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے:۔

"جب وہ جو پیشوا بنائے گئے تھے ان سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور وہ جو پیرو تھے اور عذاب کو دیکھیں اور ان کے تعلقات کٹ جائیں گے۔ اور وہ جو پیرو تھے کہیں گے کاش ہمارے لئے لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بیزار ہوتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہیں"۔ (۲ : ۱۶۷-۱۶۸)

یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے اپنے پیشواؤں کو اللہ کا ہمسر بنا دیا اور ان کی محبت کو اللہ تعالےٰ کی محبت پر ترجیح دی۔ آج کل داتا گنج بخشؒ کے مزار پر تو دُودھ کی نہریں بہتی ہیں لیکن ضرورت مندوں کو پانی میں دودھ ملا کر دیا جاتا ہے کیا یہی جنت کا راستہ اور راہِ نجات ہے۔ اس قوم کی بدنصیبی نے اسے پیر پرستی میں گرفتار کرکے اعمالِ صالحہ کی توفیق اس سے چھین لی ہے اور عقل و خرد کو مفلوج کرکے رکھ دیا ہے۔

ایسے میں اگر کسی کا ضمیر اسے وہاں جانے سے روک رہا ہو تو اسے مجبور کرنے کا کیا جواز۔ ان مشرکانہ رسوم کو مٹانے کے لئے جو تحریکیں برّصغیر ہند میں سامنے آئیں ان میں دو تحریکیں، تحریک اہلِ حدیث اور تحریکِ احمدیت قابل ذکر ہیں۔ ان کا اوّلین مقصد ایسی مشرکانہ رسوم کی زنجیریں کاٹ کر مسلمانوں کو خدائے واحد کے دَر پر جھکانا اور ان کی ذہنی اور فکری قوتوں کو جلا بخشنا تھا مگر ان طوق و اغلال کے فریفتوں اور تعویذ گنڈے کے شیدائیوں نے ان دونوں تحریکوں کی شدید مخالفت

کی۔ کیونکہ انہیں راہِ راست کی نسبت شارٹ کٹ زیادہ مرغوب تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملتیں مٹ کر اجزائے ایمان نہ بن سکیں۔ وہاں اگر لات و ہبل کی پرستش تھی تو یہاں قبر پرستی شروع ہوگئی۔ وہاں اگر "قبیلے قبیلے کا بُت اک جُدا تھا" تو یہاں ہر فرقے کا بُت جُدا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:۔

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللّٰہ

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ جو اپنی صدی کے عظیم مجدد تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"مخلوق کے قیدی! خلقت کے مشرک! موت کے آنے سے خوف کھا .... کیونکہ اللہ تعالےٰ مشرک سے جو غیر پر بھروسہ کرنے والا ہو نہایت غضبناک ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ پہلے نفس سے۔ پھر دنیا سے۔ پھر آخرت سے۔ پھر ما سوائے اللہ سے خلوت کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مالک کے ساتھ خلوت ہو تو اپنے وجود اور اپنی تدبیر اور اپنی نفسانی خواہشات کو دُور کر دو"

سیاست میں دو بڑے بُت ہیں ایک "عوامی رائے" اور دوسرا "اقتدار" دونوں کی پرستش لازم و ملزوم ہے۔ اقتدار کے لئے عوامی رائے اور عوامی رائے کے لئے اقتدار۔ ان دونوں کا پجاری اکثر اوقات عقیدتمندی کے اندھے جذبات کی رَو میں بہ جاتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ یہ دونوں سطحِ آب پر پانی کے بُلبلے کی نسبت بھی زیادہ ناپائیدار ہیں۔ جو عوام آج خوش ہیں وہ کل ناخوش بھی ہو سکتے ہیں اور جس اقتدار پہ آج ایک انسان تکیہ لگائے بیٹھا ہے وہ کل دوسرے کے ہاتھ میں بھی جا سکتا ہے۔ اگر کوئی چیز پائیدار ہے تو صرف اللہ تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی جس سے آنکھوں کو طراوت اور دِل کو ٹھنڈک ملتی ہے۔ وہ ٹھنڈک جو انسان کے اردگرد بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو بھی بجھا دیتی ہے۔ نہ اُسے عوامی رائے کے اُتار چڑھاؤ کا خوف ہوتا ہے اور نہ اقتدار کے آنے جانے کا غم۔ اگر کوئی سیاست ان ساپوں میں پروان چڑھے تو وہ نسلِ انسانی کے لئے رحمت بن جاتی ہے انسان کو سب اپنے بھائی اور دوست نظر آتے ہیں دشمن کوئی نہیں دکھائی دیتا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اور قائدِ اعظمؒ کے مزار تو اسی سرزمین پاک پر ہیں۔ جوشِ خطابت میں اگر کسی نے ان کا نام لے بھی لیا تو کیا لیکن افسوس یہ ہے کہ اس زبانی بحث و تکرار اور ہنگامہ آرائی میں ایک ایسی ہستی کا نام بھی بڑے تحقیر آمیز لہجہ میں یاد کیا گیا جو آج سے تقریباً ۶۹ سال قبل وفات پاکر سرزمین ہند کے قصبہ قادیان میں دفن ہوئی نہ وہ اس وطن کے شہری اور نہ انہیں اس ملک کی سیاست اور انتخابات سے کوئی سروکار۔ ہاں ان کا یہ ایک گناہ ضرور ہے کہ انہیں اس صدی کا مجدد تسلیم کرنے والے لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں بستے ہیں اور جنہیں اس جرم کی سزا میں آئین میں ترمیم کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔ اس ایک احسان کے بعد ان کے زخموں پر نمک پاشی وسیع القلبی اور جذبۂ رحم و کرم کے منافی ہے۔ ہم کمزور اور بڑی قلیل تعداد میں ہیں۔ ہم بھی اگر اکثریت میں ہوتے اور ہماری آواز میں کوئی طاقت ہوتی تو ممکن ہے یہ اندازِ گفتگو بہت مختلف ہوتا۔ اس وقت جبکہ ہماری آنکھیں غم سے ڈبڈبا آئی ہیں اور ہم اپنے غم کو دبائے ہوئے ہیں حضرت یعقوبؑ کی طرح سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ "انما اشکوا بثی و حزنی الی اللّٰہ" (میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں)۔ وہ دیکھنے اور سننے والا اور دل کی باتوں اور سینے کے رازوں تک سے بخوبی واقف ہے۔ ہمیں جناب مرزا صاحب کا تو کوئی قصور نظر نہیں آتا کہ انہیں اس طرح طعن و تشنیع۔ تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا جائے اور حقارت و نفرت کے تیروں سے ان کے پیروؤں کے سینے چھلنی کئے جائیں۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کا جو مقام ہے وہ اس دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ اقتدار بھی اپنی تمام تر طاقت و قوت اور لاؤ لشکر کے باوجود ان سے نہیں چھین سکتا۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے مُلک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے مُلک چھین بھی لیتا ہے۔ اس پہ کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ انگریز جس کی سلطنت پر کسی زمانے میں سورج غروب نہ ہوتا تھا آج اپنے اسی چھوٹے سے جزیرہ میں بے بس و مجبور ہو کر مقید ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے "وتلک الایام نداولھا بین الناس" (ان دنوں کو ہم لوگوں میں نوبت بہ نوبت لاتے رہتے ہیں۔ (۱۴۰:۳)

ہم صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اس سیاسی محاذ آرائی اور زور آزمائی میں حضرت مرزا صاحب کی ذات کو زیرِ بحث نہ لایا جائے کیونکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور خدا کے ہاں جو اُن کا مقام ہے وہ وہی بہتر جانتا ہے۔

"آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج" (حضرت مسیح موعودؑ)

اپنی جماعت سے دعائے خاص کے لئے ایک دردمندانہ اپیل

محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء بروز جمعہ اپنے خطبہ میں تیزی سے بدلتے ہوئے قومی اور بین الاقوامی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جماعت کو ابتداء سے ابتلاؤں اور آزمائشوں کا سامنا رہا ہے اور آج کے حالات سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ہماری مشکلات اور مصائب کا دَور ختم نہیں ہوا۔ اس لئے قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہمیں صلوٰۃ اور صبر کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے استعانت طلب کرنی چاہیئے۔ ہم ہر لحاظ سے کمزور ہیں ہمارے پاس حضرت مسیح موعودؑ کے بتائے ہوئے دُعا کے مؤثر ہتھیار کے سوا اور کوئی وسیلہ اور ذریعہ نہیں۔ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کا فارسی کا یہ شعر پڑھتے ہوئے

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

فرمایا کہ ہمارے ہر طرف بھڑکی ہوئی آگ کو جو کسی وقت بھی ہمیں اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ ہم ضعیفوں۔ بے کسوں اور مجبوروں کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اسے ہم صبح کے وقت آنکھوں سے بہنے والے پانی کے ساتھ بجھانے کی کوشش کریں۔ اس لئے میں اپنے مخاطبین اور پیغامِ صلح کے ذریعے اپنی جماعت کے تمام مرد و خواتین سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آنے والے کم از کم چالیس دن تک بالالتزام نمازِ تہجد کے لئے اُٹھیں خواہ دو رکعت ہی کیوں نہ پڑھیں اور اپنے مولیٰ کریم کے در پر سربسجود ہو کر اپنی بے بسی اور مجبوری اس کے سامنے پیش کرتے ہوئے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھوں سے بہنے والا پانی ان کے سارے دُکھ درد اپنے ساتھ بہالے جائے۔ صاحب اقتدار وہی ہے ہمیں اسی کے ہاں استغاثہ کرنا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جماعت میری اس درخواست پر ضرور غور کرے گی۔

مکرم جناب شیخ نثار احمد صاحب

اہلِ ایمان کی صفات

تقریر بر موقع جلسہ سالانہ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۶ء

قد افلح المؤمنون - الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون - والذین ھم عن اللغو معرضون - والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون - والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغیٰ ورآء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون - والذین ھم لامٰنتھم و عھدھم راعون - والذین ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون - اولٰئک ھم الوارثون - الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون -

(سورۃ المؤمنون - آتا اا)

سورۃ المومنون کی ان چند آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:- میرے مضمون کا عنوان ہے "اہلِ ایمان کی صفات"- قد افلح المؤمنون (مومن یقیناً کامیاب ہیں) قرآن حکیم میں مومن کی صفات سات بیان فرمائی گئی ہیں - اور یہ صفات فلاح کی ضامن ہیں - ترقی کی بنیاد اخلاق پر ہے - کچھ عرصہ ہوا امریکہ کے ایک MAGAZINE میں ایک کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی تھی اور موضوع (SUBJECT) جو ان کو دیا گیا تھا وہ یہ تھا" امریکہ میں اخلاقی بحران" (MORE- CRISIS IN AMERICA) سب سے پہلا جملہ جس سے اس رپورٹ کی ابتدا ہوئی وہ یہ تھا:- NO TWO AMERICANS AGREE ON WHAT IS MORALITY "کوئی دو امریکن اس بات پر متفق نہیں کہ اخلاق کیا ہے" جب کروڑوں کی آبادی میں یہ حال ہو کہ دو شخص بھی کسی چیز کی تعریف (DEPUE) نہیں کر سکتے تو نتیجہ ظاہر ہے -

پھر اس کمیٹی کے اراکین نے مختلف طبقوں سے ملاقاتیں بھی کیں - جن میں پادری بھی تھے - اور ایک پادری صاحب کا یہ جملہ انہوں نے اس میں درج بھی کیا ہے:-

WE CHURCHMEN HAVE ATTENDANCE SO HIGH AND INFLUENCE SO LOW

"ہم پادریوں کے ہاں حاضرین کی تعداد تو بہت ہوتی ہے لیکن ان پر ہمارا اثر بہت ہی کم ہوتا ہے -"

"مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے"

اگر آج ایسی رپورٹ کے لئے کوئی (SUBJECT) موضوع دیا جائے تو وہ یہ ہونا چاہیئے کہ MORAL CRISIS IN THE WORLD (دنیا میں اخلاقی بحران) رپورٹ لکھی جاتی ہے - تجزیئے ہوتے ہیں اور تبصرے بھی ہوتے ہیں - لیکن اصل چیز جو ان کا حل ہے وہ نہیں بتایا جاتا - اسلام نے اس کا حل بتایا ہے اور ترقی و فلاح کی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے اور اس پر بڑا زور دیا ہے - اور یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام میں نقطۂ آغاز اور انتہاء اخلاق اور تقویٰ ہی ہے - اور اس کے بغیر فلاح حاصل نہیں ہو سکتی - فلاح میں کیا کیا امور شامل ہیں - فلح کے اصل معنے شق کرنا یعنے پھاڑنا ہے - زمین میں ہل چلانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے - اور فلاح کے معنے ظفر اور ادراک کے ہیں - یعنی کامیابی اور مطلوب پا لینا - جس طرح ہل چلانے سے زمین کی مخفی طاقتیں اور جوہر باہر نکل آتے ہیں یہی قوائے انسانی کا بھی حال ہے اور مخفی جوہر کا باہر نکل آنا ہی کامیابی کا پہلا زینہ ہے -

پس فلاح سے مراد صرف ظاہری اور دنیوی کامیابی ہی نہیں بلکہ مخفی اور باطنی جوہروں کا ظہور پذیر ہونا ہے - محض دنیا کا مال کما لینا فلاح نہیں بلکہ دنیوی اور دینی دونوں کامیابیاں اس کے مفہوم میں شامل ہیں - اور آئمہ لسان کا اس پر اتفاق ہے - عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے بڑھ کر دینی اور دنیاوی بھلائیوں کو شامل رکھنے والا لفظ اور کوئی نہیں، گویا جو صفات مومن کی قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہیں ان کو قبول کرنے اور قرآن کو دستورالعمل بنانے والے لوگ ہدایت پر ہیں - ان کے جسمانی اور روحانی قویٰ اعلےٰ درجہ کی نشو و نما پائیں گے - اور وہ فلاح حاصل کریں گے - صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا ثبوت دنیا کو دے دیا - گویا اگر یہ دعوےٰ تھا کہ اولٰئک علےٰ ھدًی وہ ہدایت پر ہیں تو ھم المفلحون اس کی دلیل ہے - کہ دنیا نے اُن کی کامیابی بھی دیکھ لی اور بڑے سے بڑا دشمن بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا -

وہ صفات کیا ہیں - سب سے پہلے ہے صلوٰۃ یعنی رجوع الی اللہ اور اس کے ذریعے ان باتوں اور کاموں سے اجتناب جن کا اثر انسان کی ترقی اور بہتری پر اچھا نہیں ہوتا - جو اصولی باتوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کا نتیجہ بھی اچھا نہیں ہوگا - آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے یہ باتیں بیان کی گئیں جب لوگ ان سے بے خبر تھے - DISCIPLINE کی ہر بات اس میں آ گئی پھر ان صفات میں ہر ایک فعل میں پاکیزگی کو مدِنظر رکھنا - امانتوں اور عہد کی رعایت - خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا نمازوں پر محافظت تو اس طرح سے فلاح کو اخلاقی ترقی سے وابستہ کیا ہے مومنوں کو بلاشبہ وہ سب مشکلات پیش آنے والی تھیں جو سب قوموں کو آتی ہیں - لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہو گئے - ظلم سے کچلے گئے جنگیں بھی کرنا پڑیں گی - ان کو مختلف قوموں اور مذاہب سے بھی واسطہ پڑیگا دنیاوی رنگ میں کاروبار اور دیگر فکرِ معاش بھی کرنا ہوگا - مگر ان کی قومی ترقی کی جڑ اور فلاح کی بنیاد اخلاق کی بلندی کو قرار دیا گیا ہے - اس میں ترقی کرنے سے باقی صفات بھی پیدا ہوتی چلی جائیں گی - اس لئے سب سے پہلی ضرورت اخلاق میں ترقی ہے جو رجوع الی اللہ سے پیدا ہوگی - اور تاریخ گواہ ہے کہ اس بنیاد پر جو عمارت بنی وہ ہی مضبوط بنی قد افلح المؤمنون کی عملی تفسیر ہمیں صحابہؓ کی زندگیوں میں ملتی ہے - یہ وہ انقلاب تھا جو آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی نے عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا کیا - اس سے محمد رسول اللہ صلعم کے کمالات کا اندازہ کر لیں - سو پہلا مرتبہ روحانی ترقی کا یہ ہے کہ وہ مومن نجات پا گئے جو اپنی نماز اور یاد الہیٰ میں خشوع اور فروتنی اختیار کرتے ہیں اور رقت اور گدازش سے ذکر الہیٰ میں مشغول رہتے ہیں -

خشوع - سکون - فرمانبرداری - اور عاجزی کی حالت کا نام ہے - نماز میں خشوع سے کیا مراد ہے - خائف اور سکون کی حالت میں ہونا اور آنکھ کا نیچا ہونا - سر کا جھکا ہوا ہونا - مختلف معنے لئے گئے ہیں - مگر نماز میں دراصل سکون ہی ہے کہ نماز کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو - جب یہ حالت ہوگی تو قلب میں بوجہ اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے کے احساس کے اس مقام کی پوری عظمت ہوگی اور جوارح اور اعضاء خود ہی سکون کی حالت میں ہوں گے - نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کپڑوں کو سنوارنا اپنے جسم کے کسی حصّے سے حرکتیں کرنا یا جلدی جلدی بیگار سمجھ کر نماز ادا کرنا یہ خشوع کے خلاف ہے - مومن کے لئے

خشوع ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اور اس میں ایسا خلوص پیدا ہوگا کہ وہ تمام بناوٹوں سے پاک ہو جائے گا اور یہ کبھی کسی قوم یا انسان میں سوائے خدا کے تعلق کے پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک تمام اخلاق اور معاملات میں خلوص نہ ہو اخلاق فاضلہ کا نام ہی ان کو نہیں دیا جا سکتا اور اسی لئے محض نماز پڑھنا نہیں بلکہ خشوع کو ضروری قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی عظمت و جبروت کا اثر جب تک دل میں پیدا نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اسی لئے صلوٰۃ کے ساتھ والذین هم عن اللغو معرضون بڑھایا ہے کہ مؤمن لغویات سے باز رہتے ہیں۔ لغو وہ کلام یا بات ہے جو شمار کے قابل نہیں یعنی ایسی بات یا فعل جو غور وفکر سے نہ کیا جائے بے نتیجہ ہے۔ اور حضرت امام زمانؑ نے لکھا ہے کہ اوّل درجہ مؤمن کے روحانی وجود کا رقت۔ اور سوز وگداز کی حالت ہے۔ جو مومن کو یاد الٰہی میں میسر آتی ہے۔ فروتنی۔ عجز و نیاز، رُوح کا انکسار ایک قلق اور تپش اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اور ایک خوف کی حالت یہ روحانی وجود کے لئے تیاری ہے۔ لیکن فرماتے ہیں اور یہ ابتدائی حالت خشوع کی خطرہ سے خالی نہیں جب تک رحیم خدا سے تعلق نہ پکڑے اور یہ ممکن ہے کہ وہ رحیم خدا کی بخشش اور تعلق سے پہلے ہی برباد ہو جائے جیسا کہ بہت سے لوگ ابتدائی حالت میں اپنی نمازوں میں روتے۔ وجد کرتے نعرے مارتے اور اور خدا کی محبت میں طرح طرح کی دیوانگی ظاہر کرتے ہیں اور عاشقانہ حالتیں دکھاتے ہیں۔ اور چونکہ اس ذات ذوالفضل سے کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس کی خاص تجلی کے جذبہ سے اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اس لئے دِل کا وہ تمام سوز وگداز اور تمام وہ حالت خشوع بے بنیاد ہوتی ہے۔ اور بسااوقات ان کا قدم پھسل جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پہلی حالت سے بدتر حالت میں جا پڑتے ہیں۔ یہ عملی مشاہدہ ہے کہ کئی لوگ نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ کئی طرح طرح کے شرکیہ عقائد اختیار کر لیتے ہیں۔ تو خشوع کچھ بھی چیز نہیں جب تک خلوص نہ ہو۔ اور حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ اسی لئے ہزارہا لوگوں کو پاؤ گے جو عمر کے کسی حصہ میں یاد الٰہی اور نماز میں حالت خشوع سے لذّت اُٹھاتے تھے اور روتے تھے لیکن پھر کسی ایسی لعنت نے ان کو پکڑ لیا کہ وہ یک مرتبہ ہی نفسانی امور کی طرف گر گئے۔ اور دُنیا کی خواہشوں کے جذبات سے وہ تمام حالت کھو بیٹھے۔

یہ نہایت خوف کا مقام ہے کہ حالت خشوع رحیمیت کے تعلق سے پہلے ہی ضائع ہو جائے اور بجائے اس کے کہ خدا کی بخشش اس میں کام کرتی وہ حالت برباد اور نابود ہو جائے۔ گو روحانی وجود کا پہلا مرتبہ حالت خشوع ہے اور بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح وہ ولی بن گئے ہیں۔ اور غوث اور قطب ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ حالت کئی اسباب سے ضائع ہو جاتی ہے۔ مشرکانہ ملونی سے کسی بدعات کی آمیزش سے سے یا لغویات کے اشتراک سے یا پست خواہشات اور تعلقات نے دل کو پکڑ رکھا ہے۔ پس ان تمام ناپاک عوارض کے ساتھ حالت خشوع اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ رحیم خدا سے تعلق پکڑے۔ اور ظاہری رونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شخص کا تعلق خدا سے ہو گیا ہے۔ اگر باطن میں کسی قسم کا نقص ہے تو رُوحانی طور پر ایسا شخص قابل قدر نہیں۔ اگر وہ سوز و گداز میں اس قدر ترقی کریں کہ اپنے جسم کو بھی استخوانِ بے پوست کر دیں تب بھی ان سے تعلق نہیں کرتا کیونکہ اس کی حالت خشوع میں ذاتی نقص ہے۔ وہ جو قرآن شریف کی پیروی چھوڑ کر ہزاروں بدعات میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بھنگ اور چرس پینے سے بھی شرم نہیں کرتے اور دیگر فسق و فجور بھی ان کے لئے شیر مادر ہوتے ہیں۔ خدا کے نزدیک یہ تمام حالتیں مکروہ ہوتی ہیں اور ان کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی سخت بیماری جذام وغیرہ میں مبتلا ہوں اور شفا کی حالت کو اپنے سے دُور رکھتے ہیں اور محض دنیوی اغراض کے لئے خدا تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہر قسم کے لغو کام جمع ہو سکتے ہیں۔

پس پہلا زینہ بلوغ کا بچپن کے لغویات سے پرہیز کرنا ہے اور اگر لغو سیر تماشے ان کے گلے کا ہار ہیں، خدا تعالےٰ کی عظمت و ہیبت ان کے دلوں میں نہیں تو ایسا رونا قرب الٰہی کی علامت نہیں۔ اور آپ نے لکھا ہے مجھے ایسی گریہ وزاری کی عادت اور خشوع کی خصلت دیکھ کر اس بات سے کراہت آتی ہے۔ ہاں کسی زمانہ میں خصوصیت سے یہ نیک بندوں کی علامت تھی اور اِلّا ماشاءاللہ وامتیاز لوگ میری اس تحریر سے مستثنیٰ ہیں جن کی ہر بات جوش اور حال سے ہوتی ہے نہ کہ بطور تکلف اور خیال کے اور آپ نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ حقیقی خوشی اسی میں ہے کہ دِل محبت الٰہی سے محروم نہ ہو ورنہ اس کی مثال ایک فرضی قصہ کے پُر درد بیان سے زیادہ نہیں جس کو پڑھ کر یا سُن کر چشم پُر آب ہو جاتی ہے اور حقیقت اس کی خوب معلوم ہوتی ہے کہ جس بناء پر وہ روتا ہے وہ بنیاد ہی غلط ہے۔ اور فرضی ہے۔ حقیقی سوز و گداز کی لذّت تو وہ ہے جو محض خدائے وحدہٗ لاشریک کے تعلق سے ہو اور اس میں بدعت اور شرک کا زنگ نہ ہو سو یہ لذّت تو حلال ہے۔ لیکن جس میں بدعات کی آمیزش ہو جیسے مخلوق پرستی۔ بتوں اور دیوتوں کی پوجا تو وہ لذّت حرام ہے۔ کیفیت ظاہر طور پر ایک سی ہے لیکن فرق کتنا بڑا ہے۔ واصلان حضرت عزت پر اسی جہان میں یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن دنیا والوں میں یہ ایک امر فوق الفہم ہے۔

روحانی وجود کے پہلے مرتبہ خشوع وخضوع کے بعد دوسرا مرتبہ والذین هم عن اللغو معرضون۔ یعنے مؤمن وہ جو لغو باتوں۔ لغو کاموں لغو حرکات۔ لغو مجلسوں۔ لغو تعلقات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگ رہائی یافتہ ہیں۔ انہوں نے برائیوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ اور ان کا ایمان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ کنارہ کشی ان پر سہل ہو جاتی ہے۔ اور اب اگر اس پر قائم رہیں تو انجام بد سے بچ جاتے ہیں۔ اور اس حالت سے ترقی کر کے اُوپر کے درجہ میں پہنچ جاتے ہیں اور عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ رونا ان کا محض ظاہر داری نہیں تھی بلکہ وہ اس تعلق میں روحانی ترقی کرنا چاہتے ہیں اور اس تعلق میں یہ طاقت اور قوت ہے کہ وہ دوسرے تعلقات کو توڑتا ہے۔ اور حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ بھی ایک خفیف تعلق ہے۔ کیونکہ یہ کوئی بڑا بھاری کام نہیں جو انہوں نے کیا ہے۔ بہر حال طبعی طور پر ان کے دل میں خدا تعالےٰ کی محبت موجود ہے اور خدا تعالےٰ نے ان کو توفیق دی ہے کہ لغو کاموں کو چھوڑ دیں۔ وہ فلاح کے رستہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔ لیکن ہنوز اس راہ میں طرح طرح کے دشت و بیابان۔ خارستان، اور کوہستان اور بحرِ عظیم پُر طوفان اور درندگانِ دشمن ایمان اور جان قدم قدم پر بیٹھے ہیں تا وقتیکہ وہ اور ترقی نہ کرے۔ بسااوقات شریر لوگوں کو بھی نمونۂ قہر الٰہی دیکھ کر خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً زلزلے کی خبروں سے اور جہاں یہ وارد ہو وہاں بجز خُدا کا نام لینے اور رونے کے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ دہریوں کو بھی اپنا دہریہ پن بھول جاتا ہے۔ اور جب وہ وقت جاتا رہتا ہے اور زمین ٹھہر جاتی ہے تو پھر حالت خشوع نابود ہو جاتی ہے۔ اور ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ ۱۹۰۵ء میں جو سخت زلزلہ آیا تو بعض لوگ خدا کے قائل ہو گئے تھے۔ لیکن بعد میں اُنہوں نے نہایت بے حیائی اور دلیری سے کہا کہ اُنہیں غلطی لگ گئی تھی اور زلزلہ کے رُعب میں آ گئے تھے ورنہ خدا تو موجود نہیں ہے۔ تو خشوع کی حالت کے ساتھ بھی بہت سے گند جمع ہو سکتے ہیں تو کیا ایسی حالت گریہ سے بڑھ کر وہ مؤمن نہیں جو لغویات

سے پرہیز کرتے ہیں اور بے ہودہ باتوں اور کاموں سے ان کو کراہت ہوتی ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف سے انسان تب منہ پھیرتا ہے جب دوسری طرف اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس دُنیا کے لغو سیر و تماشا اور لغو صحبتوں سے واقعی طور پر اس وقت انسان کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے جب دل کا خُدا کے رحم سے تعلق ہو جاتا ہے۔ تو لغویات سے کنارہ کشی دوسرا درجہ محبت الٰہی کا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ بہت قابلِ تحسین نہیں بلکہ مؤمن ابھی ایک ادنےٰ حالت میں ہے۔ ہاں ایک درجہ ترقی پر ہے اور اس سے اُوپر تیسرا درجہ والذین هم للزکوٰة فاعلون کا ہے یعنی مومن عمل کی پلیدی کو دُور کرنے کے لئے جو طبعاً ہر انسان کے اندر ہوتی ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے یعنی خدا کی راہ میں ایک حصّہ اپنے مال کا خرچ کرتا ہے۔ زکوٰۃ اسی لئے اس کا نام ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے اللہ کی راہ میں دینے سے بخل سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ ؎

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اسکو پاوے

یہ مرتبہ پہلی دو حالتوں میں ایسے انسان میں بھی ہو سکتا ہے جس میں بخل کی پلیدی موجود ہو۔ لیکن جب انسان خداتعالےٰ کے لئے اپنے مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور عرقریزی سے کماتا ہے تب بخل اس سے نکل جاتا ہے۔

حضرت امیر مرحوم نے ایک خُطبہ جُمعہ میں سامانہ کے ایک بزرگ احمدی کا واقعہ سنایا تھا کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس کی قیمت فروخت میں سے نصف خُدا کی راہ میں دے دیتے۔ کتنا بڑا عمل ہے! آخر وہ شخص بھی بال بچوں والا تھا۔ بخل سے کتنی آزادی ہے اور کیا جذبہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ومن یوق شح نفسہ۔ جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ گیا تو وہی کامیاب ہے۔ بڑا بڑا بخل ہوتا ہے لوگوں میں۔ کسی کی مدد کرنا تو در کنار سب کچھ رکھتے ہوئے بھی کسی کی ہمدردی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ بلکہ نفرت کرتے ہیں۔

حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ خدا کے بندوں میں کسی کے لئے نفرت نہیں ہوتی۔ تعصب نہیں ہوتا۔ خدا نے ان کو بڑا وسیع دل دیا ہوتا ہے حضرت مولانا نورالدین مرحوم و مغفور کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک بھتیجے اپنی طبیعت کے آپ مالک قسم کے تھے۔ وہ مولانا صاحب سے اکثر روپیہ لے جایا کرتے تھے۔ حسب عادت ایک دن آئے اور کہا کہ مجھے اتنے روپے دیں انہوں نے انکار کیا۔ اس شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کو رقعہ لکھا کہ میں نے اتنے روپے مولوی صاحب سے مانگے ہیں انہوں نے نہیں دیئے۔ آپ دیں۔ تو حضرت صاحب نے مطلوبہ رقم دے دی وہ شخص روپیہ لے کر جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ والوں کی مثال بھی بارش کی سی ہے کہ گل و گلزار پر بھی برستی ہے، اور کوڑے کرکٹ پر بھی برستی ہے۔ کیا بات کہہ گیا! بالعموم کسی مستحق کو دینے میں کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ کسی مستحق اور معذور کو دے دیا کریں۔ اس کے منہ سے جب یہ دُعا نکلتی ہے "جا تیرا دونوں جہانوں میں بھلا ہو" تو یہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔

تو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایمانی حالت کا تیسرا درجہ ہے۔ جو پہلے دو درجوں سے افضل اور اشرف ہے۔ اور اس سے ایمان میں ایک شدّت پیدا ہو کر مضبوطی اور ترقی یافتہ حالت پیدا ہوتی ہے۔

اب ان تین حالتوں کے بعد رُوحانی وجود کا چوتھا درجہ ہے عفت اور پاکبازی کا۔ گویا مؤمن وہ ہیں جو اپنے تئیں نفسانی جذبات اور شہوت ممنوعہ سے بچاتے ہیں اور یہ مال خرچ کرنے سے بھی اُوپر درجہ ہے۔ کیونکہ خواہشات نفسانیہ کے لئے انسان جوشِ نفس میں اپنے مال عزیز کو پانی کی طرح بہا دیتے ہیں اور ہزاروں روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ اور اپنا گھر ویران کر لیتے ہیں۔ یہ قوّت ایمانی جس سے خواہشات پر غلبہ حاصل کیا جائے یہ شیطان کا مقابلہ کرنے میں نہایت سخت اور دیرپا ہے کیونکہ یہ نفس امارہ جیسے اژدھا کو کچل ڈالتی ہے۔ یہ درجے پیدا ہو جائیں تو مؤمن ترقی کر جاتا ہے۔ اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے والذین هم لامانتهم وعهدهم راعون۔ یعنے مؤمن صرف اپنے نفس میں ہی کمال نہیں رکھتے بلکہ جو نفسِ امارہ پر غالب آ گئے ہیں اور ان کو جذبات پر فتح عظیم حاصل ہو چکی ہے۔ وہ حتی الوسع خدا اور اس کی مخلوق کی امانتوں اور عہدوں کے ہر پہلو کا لحاظ رکھ کر تقوےٰ کی باریک راہوں پر قدم مارتے ہیں خدا کے عہدوں سے مراد وہ ایمانی عہد ہے جو ایمان لانے کے وقت مؤمن اقرار کرتا ہے۔ راعون کے معنے رعایت رکھنے والے اور یہ عرب کے محاورہ کی رُو سے اس جگہ بولا جاتا ہے کہ کوئی اپنی قوّت اور طاقت کے مطابق کسی امر کی باریک راہوں پر چلنا اختیار کرے اور کوئی پہلو اس کا تشنہ نہ چھوڑے۔ صرف اس بات پر خوش نہ ہو کہ موٹے طور پر اپنے تئیں امین اور صادق العھد بنا لیا ہے بلکہ درپردہ بھی کوئی خیانت ظہور پذیر نہ ہو۔ پس ایسے مؤمن غور کرتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اندرونی طور پر ان میں کوئی نقص یا خرابی ہو۔ ظاہر میں تو احتیاط کی جاتی ہے لیکن مؤمن باطن میں بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ اس رعایت کا نام تقوےٰ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مؤمن جو روحانی وجود کے اس پنجم درجہ پر ہیں اپنے تمام معاملات میں خواہ وہ خدا کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں اور خواہ مخلوق کے ساتھ وہ ہمیشہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور اندرونی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ کسی طرح ان میں فتور آ جائے خداتعالےٰ کی امانتیں جو ان کے پاس ہیں جیسے تمام قویٰ۔ اعضاء، جان مال عزت ان کو اپنے محل پر نہایت صدق سے استعمال کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی جو امانتیں مخلوق کی ان کے پاس ہیں مالی امانتیں اور عہد و اقرار۔ اپنے تمام اعمال میں تقوےٰ کی باریک راہوں سے کام لیتے ہیں۔ کوئی معاملہ ہو۔ تنازعہ ہو، شہادت ہو، ہمیشہ تقوےٰ کو مدِنظر رکھتے ہیں۔

سیالکوٹ کا مشہور واقعہ ہے۔ وہاں ایک نہایت قابل قدر احمدی جناب حامد علی شاہ صاحب تھے۔ محلّہ میں بچّوں کی لڑائی میں ان کے لڑکے نے ایک لڑکے کو مکّا مارا اور وہ مر گیا۔ مقدمہ درج ہوا۔ جن کا لڑکا مارا گیا تھا انہوں نے ملزم لڑکے کے والد صاحب حامد علی شاہ صاحب کی گواہی ہی کو کافی سمجھا۔ کتنا اعتماد ہے اس بزرگ پر اور ان کے لئے بھی کتنا امتحان ہے۔ ایک طرف بیٹا ہے دوسری طرف خُدا۔ سچ بولنے سے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے اور جھوٹ بولنے سے ایمان جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کی پوری محافظت کرنے والے بنو اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو گو معاملہ تمہاری اپنی ذات، ماں باپ یا قریبیوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جن کا لڑکا مارا گیا ان کو اس بزرگ پر کتنا یقین ہے کہ یہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے۔ اب دیکھتے ہیں یہ کدھر جاتے ہیں۔ امتحان کا وقت آیا۔ پہاڑ کی طرح مضبوط ایمان رکھنے والے اس بزرگ نے کہا میرے بیٹے کے "مکّے" سے وہ لڑکا مرا ہے۔ سننے والے دم بخود رہ گئے۔ تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چونکہ یہ حادثہ لڑائی کے نتیجہ میں ہوا تھا عمداً نہیں تھا ملزم بچ گیا۔ یہ ہوتی ہے صداقت اور سچی گواہی۔ مؤمن کی خدا بھی مدد کرتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے یہ واقعہ جماعت سیالکوٹ کے جلسہ یوم وصال کی تقریب

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

باطنی ایمانی و اخلاقی صلاحیتوں کا ارتقاء اور ترویج

اک بڑی مدت سے تھا کفر اس دین کو کھاتا رہا ❊ اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

(مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

سچے دین کا حقیقی تعلق انسان کے قلب اور اس کی مودع باطنی روحانی طاقتوں کے نشو ونما سے ہے، یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو بنی نوع انسان کو دوسری تمام مخلوق سے شرف بخشتی ہے اور یہی وہ اصل عبادت الٰہی کا مقام متعین کرتی ہے، خدا تعالیٰ نے انسان ہی کو یہ اعلیٰ درجہ عنایت کیا ہے کہ اپنی صفات کی ہلکی سی جھلک اس کی روح میں تخلیق کی، فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین۔ یہی وہ مقام و منصب ہے جس کے حاصل ہو جانے پر ملائکہ کو انسان کے آگے سربسجود ہو جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علم اشیاء اور تسخیر کائنات کے رازہائے درون و قوانین سربستہ دریافت کرنے کی قابلیتیں بھی اس میں ودیعت کی گئی ہیں جن کی بنا پر وہ کائنات پر حکومت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور جہاں فرشتے بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لا علم لنا الا ما علمتنا، ہمیں اس کے علم تک رسائی نہیں، لیکن علمی و ذہنی ارتقاء کے علاوہ تسخیر نفس یعنی خواہشات پر حکومت کرنے کی جو مخفی استعدادیں انسان میں رکھی گئی ہیں اور جو اس کے قلب و روح کی حقیقی خصوصیات اعلیٰ ہیں ان کی نوعیت کچھ اور ہی قسم کی ہے۔ تسخیر نفس اور تسخیر کائنات باہم مخالف و متصادم ہرگز نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے عروج کے وقتوں میں صلحاء باطن اور حکماء ظاہر دونوں کی خصوصیات واحد شخصیتوں میں جمع موجود پائی جاتی ہیں مگر جب سے مادی علوم و تسخیر نے دنیا کی توجہ کو تمامتر اپنی طرف کھینچ لیا ہے تب سے تسخیر نفس کے عالی مقام سے بے خبری بلکہ انکار کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ آزادی و جمہوریت کے معنی بے راہ روی اور عدم اتحاد کو نظم و تعاون کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ ہر شخص یا جماعت و جتھہ کی یہی آرزو ہے کہ اسی کی رائے تمام پر ٹھونسی جائے۔ دین اسلام کا کمال یہ ہے کہ جہاں اس نے ایمانی پہلو میں ترقی کے پہلو بہ پہلو عقلی و علمی ارتقاء کو موقع دیا وہاں اس نے انفرادی آزادی رائے کو اجتماعی ضبط و نظم سے مقید کر دیا ہے۔ ایمان اور اصول صداقت خواہ کیسی ہی قیمتی متاع کیوں نہ ہوں تاہم ان کے بارہ میں بھی مومنوں کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ غیروں کو معقولیت سے قائل کر کے منوانے کی بجائے انہیں بہ جبر و زبردستی تسلیم کرائیں، کیونکہ ترقی کا میدان علمی ہو یا ایمانی اس وقت تک میسر نہیں آتا جب تک فرد کی اپنی مرضی اس میں شامل نہ ہو اسی لئے قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا لست علیھم بمصیطر۔ و ما انت علیھم بجبار۔ آپ کو ان کفار پر نگہبان یا جبر سے منوانے والا مقرر کر کے نہیں بھیجا گیا۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین۔ مجبوراً انہیں مؤمن بنائیں گے؟ یا یہ کہ انلزمکموھا و انتم لھا کارھون ہمارے لئے یہ کہاں جائز ہے کہ جب تم اس صداقت سے کراہت کرتے اور منہ موڑتے ہو تو ہم پکڑ کر اسے تمہارے گلے مڑھ دیں؟ و ما علیک الا البلٰغ المبین۔ تمہارے ذمہ تو صرف اس پیغام حق کو کھول کر پہنچا دینا ہی ہے اس سے آگے تمہارے ذمہ اور کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین۔ آپ اس غم میں اس قدر پریشان کس لئے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ایمانی و اخلاقی پہلوؤں میں ترقی کے لئے قبولیت کی آزادی اور انفرادی مرضی و منشاء کا ہونا اسی قدر لازم پڑا ہے جتنا علمی و عقلی ارتقاء کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ ھدًی للمتقین۔ یہ کتاب صرف انہی کو ہدایت دے سکتی ہے جو ہدایت پانے کے خواہشمند ہوں۔

اس پرآشوب زمانہ مادیت و دہریت میں بانیٔ سلسلہ اور جماعت احمدیہ نے سب سے پہلے یہ ندا بلند کی کہ تسخیر کائنات وہ کارنامہ نہیں جس سے انسان کا عالمگیر امن و نجات وابستہ ہے۔ بلکہ یہی تسخیر اور قدرت، اگر بد استعمال کی گئی تو انتہاء درجہ کی مہلک و عالمگیر تباہ کن کارروائی بن سکتی ہے، اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ کلام الٰہی نے جو تسخیر نفس کا شفاء کن نسخہ عطا کیا ہے اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ جس کی خوشخبری آج حضرت مسیح موعودؑ نے دی ہے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اسلام کے ایمانی و اخلاقی پہلوؤں کی ترقی کی طرف مسلمان خود توجہ کریں تاکہ دوسری اقوام بھی ان کے نمونہ کو دیکھ کر اس طرف راغب ہوں۔ وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس۔ ہم نے تمہیں اسی لئے ایک میانہ رو ملت بنایا ہے تاکہ تم باقیوں کے لئے نمونہ بنو۔ لیکن بجائے ان راہوں میں ترقی کرنے کے عام طور پر مسلمان اقوام کی توجہ دوسری اقوام کی کورانہ تقلید میں محض دنیاوی، اقتصادی اور سائنسی ترقی کی طرف محدود ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایمانی و اخلاقی پہلو کسی ظاہر پرست فرد یا قوم کو دکھلائی نہیں دے سکتے۔ یہ صلاحیتیں تو مخفی اور نہاں ہیں، ان کی طرف تو اہل بصیرت و معرفت ہی توجہ دے سکتے ہیں۔ جہاں یہ گہرائیاں مفقود ہوں وہاں ان میں ترقی تو درکنار بے حسی و جمود طاری ہوگا۔ جہاں خدا تعالیٰ، ملائکہ، تکلم الٰہی اور یوم آخرت پر ایمان بالغیب کا اطلاق ہوتا ہے وہاں ایسے ایمان کے نتیجہ میں انسان کو اپنی مخفی مگر عظیم صلاحیتوں کی موجودگی کا احساس و ادراک ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کامل مومنوں کے لئے اولٰئک ھم المفلحون کا جملہ استعمال فرمایا ہے، یعنی خدا اور اس کے کامل کلام پر بالغیب ایمان لانے والے اصحاب اس امر پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کے قلب و روح میں ایسی مخفی صلاحیتیں پنہاں ہیں جن کے ارتقاء سے ایسا عالمگیر انقلاب اس دنیا میں پیدا کیا جا سکتا ہے جس کی طاقت و توانائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک غیر مسلم، تمام طاقتوں کو ان ظاہر اسباب سے ہی وابستہ اور محدود کرتا ہے جو مادی اسباب و ذرائع سے اسے میسر ہوں لہذا جب وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے انہی کو اپنا مرجع و ماویٰ بناتا ہے۔ اور یہ یقین رکھتا ہے کہ ان کے سوا دیگر کوئی طاقت و قوت کا منبع موجود نہیں لیکن ایک مومن کو یہ یقین و ایمان کامل حاصل ہو چکا ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ

خود اس کے اندر ایسی مخفی صلاحیتیں مرکوز ہیں جو اگر تعلق باللہ سے ترقی پا جائیں تو مادی قوتیں ان کے سامنے ہیچ در ہیچ حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بانیٔ سلسلہ اور جماعت احمدیہ نے جہاں احیا و اشاعت کی عالمگیر تحریکوں کو فروغ دیا ہے وہاں ان سے بڑھ کر اس جماعت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ مسلمان اقوام کی راہنمائی اس معاملہ میں بھی کریں کہ انسانی قلب و رُوح میں جو مخفی مگر زبردست طاقتیں پنہاں ہیں وہ ایسی قوی و عظیم ہیں کہ ان کا مقابلہ کوئی مادی اسباب نہیں کر سکتے۔ دُشمن اسلام نے جس وسوسے سے مسلمانوں کے ایمانوں کو کمزور کرنا چاہا ہے وہ یہی دجل ہے کہ دین اسلام مادی اسباب و ذرائع سے جبر کے بَل بوتے پر پروان چڑھا۔ اس میں ایمانی و اخلاقی قوتوں کا فقدان ہے۔ اس لئے اب جبکہ مادی ذرائع غیر مسلموں ہی کے پاس بڑھ چڑھ کر ہیں تو دینِ اسلام کے ترقی و فروغ کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت در اصل اس امر کا نشان ہے کہ دینِ اسلام نہ پہلے مادی ذرائع کے بَل بوتے پر پھیلا اور نہ اب اسے ان اسباب کی حاجت ہے بلکہ یہ دین اپنی تعلیم کے حُسن و خوبصورتی اور مسلمانوں کی ایمانی اور اخلاقی صلاحیتوں کے ترقی پذیر ہونے سے پھیلا تھا اور اس زمانہ میں بھی پھر یہی مقدر ہو چکا ہے البتہ پہلے زمانوں میں کفّار کی جسمانی قوت و عسکری طاقت، صداقت کی قبولیت میں روک بن رہی تھی، اُسے ہٹا دیا گیا تھا مگر اب سائنس و آزادی کے فروغ کے باعث ایسی جسمانی و عسکری روکیں موجود نہیں ہیں، البتہ عقلی وساوس اور علمی اعتراضات کے جواب دینے کی ضرورت ہے مگر اصل فتوحات کا باعث دین اسلام کی تعلیم کی اہمیت و افادیت اور مسلمانوں کے ایمانی و اخلاقی نشو و نما میں ہی مضمر ہے۔ وہ نظام جسے اسلام دنیا میں رائج کرنے کا متمنی ہے اس کی حکومت سب سے پہلے مسلمانوں کے دِلوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے، جب تک خود مسلمان اقوام کی زندگیوں میں اُصولِ اسلام کی صداقت پر عمل پیرائی کی طرف توجّہ نہ ہوگی تب تک کوئی دگر ذریعہ اور منبع طاقت، دینِ اسلام کو دُنیا میں غالب کرنے کا موجب نہیں بن سکتے۔ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ظاہرا مادی طاقتوں کے ماوراء، نہاں در نہاں اور مخفی در مخفی ایمانی و اخلاقی قوتوں پر اطلاع پانا بہت عظیم بصیرت و معرفت کی بات ہے۔ کوئی بیرونی طاقت یا حکومت ایسی نہیں جس کی حکمرانی دلوں پر قائم کی جا سکے، کوئی قانون ایسا نہیں جس کے بَل بوتے پر نیکی و تقوےٰ کو زندگیوں میں رائج کیا جا سکے۔ مسلمان جس قدر جلد اس نظریہ کو تسلیم کریں اسی قدر ان کی قسمت کے دِن جلد بدلیں گے ہمیں خوشی ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ کے یہ احیاء کردہ عظیم اُصول، نہ صرف دینی میدان میں بلکہ اب سیاست میں بھی درست تسلیم کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ خود پاکستان کا معرض وجود میں آ جانا یا برّ صغیر اور دیگر ممالک بالخصوص افریقی ممالک میں آزاد ریاستوں کا قیام بھی اسی لئے عمل میں آیا ہے کہ اپنے ملکی حقوق کا جواز، انصاف و آزادی کے تقاضوں کا پرچار اور باہمی امداد و تعاون اور اتحادِ عمل کی باہمی قوتوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت قائد اعظم کے دل میں جو مستحکم یقین برصغیر کے مسلمانوں کی الگ قومیت اور حکومت کے بارہ میں از روئے انصاف تھا اور اس عالی مقصد کے لئے جس طرح انہوں نے بے مثل جرأت، محنت اور قومی اتحاد و تنظیم سے رات دن ان تھک کام کیا یہ سب انہی اوصاف حمیدہ کے بدلے ایک نئی مسلم سلطنت کے وجود میں ظاہر ہوا۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔ قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا۔ نیز یہ کہ :—

؎ از رہِ دیں پرودی آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید بباید ہم ازیں رہ بالیقین

ہم نے کسی گزشتہ اشاعت میں مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کے جنرل سیکرٹری کے بیانات کے اقتباسات دیئے تھے جن میں انہوں نے علی الاعلان اس اُصول کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ اُن کا مقصد زندگیوں میں اِسلامی نظام قائم کرنا ہے نہ کہ اقتدار پر بجبر قبضہ کرنا۔ جو جماعت تمام عمر حکومت و سیاست میں غلبہ کی کوشاں رہی اور جس کا بنیادی اصل الاصول یہی رہا کہ بجبر طاقت و جبر نظامِ اسلام قائم نہیں ہو سکتا، اگر ایسی جماعت کے ذمہ دار اصحاب بھی اپنے اساسی اصول بدلنے پر مجبور ہوں تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور جماعت احمدیہ لاہور کے اصولوں کے آخری غلبہ میں کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے تقاضے ہی ایمانی و اخلاقی قوتوں کے اجاگر کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اسی لئے مامور خدا نے یہ فرمایا :—

وقت ہے وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

تنظیم خواتین احمدیہ مرکزیہ کی عہدیداران کا انتخاب

برائے ۱۹۷۷ء — ۱۹۷۹ء

تنظیم خواتین احمدیہ کی مجلسِ منتظمہ کا خصوصی اجلاس مورخہ گیارہ جنوری ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوا۔ جس میں آئندہ دو سال کے لئے عہدیداروں کا تقرر کیا گیا۔ پھر مؤرخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۷۷ء کی جنرل میٹنگ میں منتخب عہدیداروں کے نام پیش کئے گئے۔ جن کو باتفاق رائے منظور کیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۹ء کے عہدیداروں اور مجلس منتظمہ کے ممبران کے نام درج ذیل ہیں :—

صدر۔ محترمہ ذکیہ شیخ صاحبہ	خزانچی۔ محترمہ نگین ملک صاحبہ
نائب صدر (۱)۔ رضیہ بشیر احمد صاحبہ	معاون — ؍؍ بیگم وحید احمد صاحبہ
نائب صدر (۲)۔ جسارت نذر صاحبہ	دستکاری سیکرٹری۔ محترمہ ناصرہ ملک صاحبہ
سیکرٹری — ؍؍ ذکیہ اقبال صاحبہ	معاون — محترمہ صفیہ جاوید احمد صاحبہ
جوائنٹ سیکرٹری ؍؍ خدیجہ منصور احمد صاحبہ	برائے پبلک ریلیشنز۔ محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ

ممبرانِ مجلسِ منتظمہ

(۱) محترمہ بیگم عظمت رفیق صاحبہ	(۵) محترمہ محمودہ صدر الدین صاحبہ
(۲) محترمہ سلیمہ فاروقی صاحبہ	(۶) محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ
(۳) محترمہ سلمیٰ ناصر احمد صاحبہ	(۷) محترمہ طاہرہ فضل احمد صاحبہ
(۴) محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ	(۸) محترمہ بیگم بشارت احمد بقا صاحبہ

ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح مجریہ ۹ر فروری ۱۹۷۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ میں نیچے سے اُوپر کی طرف سطر ۱ میں مولانا محمد علی صاحبؒ کے بعد مولانا نورالدینؓ کے بجائے حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ کا نام پڑھا جائے۔

—— (ادارہ) ——

ایک چیلنج

تقریر بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ، برموقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا :۔

صاحبہ صدر و معزز سامعات ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

ذہن میں اکثر خیالات ابھرتے ہیں ۔ ان کو اپنی اس تقریر میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ باتیں تو بہت کچھ کہنے کی ہیں لیکن میں صرف چند باتیں کہوں گی ۔ مخاطب کوئی ایک فرد نہیں بلکہ سب جماعت ہے ۔ اس میں مرد بھی ہیں اور خواتین بھی ۔ اس لئے سب سے معذرت کے ساتھ عرض کرتی ہوں ۔ اپنی تقریر کو میں نے "ایک چیلنج" کا عنوان دیا ہے ۔

ہم موجودہ زمانہ کا مقابلہ جب اس صدی کے ابتدائی زمانہ سے کرتے ہیں ۔ اور ان حالات اور واقعات میں جو ابتدائی زمانہ میں تھے اور وہ جن سے ہم اب دو چار ہیں بہت ہی نمایاں فرق پاتے ہیں ۔ زندگی ہر لمحہ بدل رہی ہے ۔ بعض حالات اور واقعات ترقی کی طرف جا رہے ہیں اور بعض تنزل کی طرف اور شاید اسی گردشِ ایام کی طرف قرآن کریم میں بھی اشارہ ہے :۔

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔

وہ ابتدائی زمانہ ایسا تھا جس کو روحانی ترقی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے ۔ اسی زمانہ میں مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی بعثت ہوئی ۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہت سے غلط عقائد اور اسلام پر بے جا اعتراضات سے جو کہ مسلمانوں کی اپنی کم علمی کے باعث تھے نجات دلا کر اسلام کو اس کی صحیح تصویر اور صحیح تعلیم میں پیش کیا ۔ جو لوگ بھی حضرت صاحب کی صحبت میں رہے انہوں نے اعلیٰ روحانی درجات حاصل کئے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو گئے ۔ حضرت صاحب نے اپنی جانشین ایک جماعت قائم کی ۔ جس کے سپرد ساری دنیا میں اشاعتِ اسلام کا کام کیا ۔ ان بزرگوں کی مثال جنہوں نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ایک رنگ و بو کے قافلے کی طرح ہے جو آیا اور گذر گیا لیکن اپنے بعد نہایت ہی خوش کن اثرات چھوڑ گیا ۔ ان بزرگوں کے حالات زندگی جب ہم سنتے ہیں تو بے ساختہ دل میں آتا ہے کہ وہ کیسے خوش قسمت لوگ تھے جن کا ہر قول و فعل اللہ کے لئے تھا ۔ اور اسی کی رضا کی انہیں تلاش تھی ۔

ان بزرگوں نے حضرت صاحب کے ساتھ وفاداری کا حق نبھایا اشاعتِ اسلام کے لئے اپنے اموال اپنے اوقات اور اپنی زندگیاں وقف کیں اس زمانہ کو میں ایک سنہری زمانہ کہوں گی ۔

اب موجودہ زمانہ کی طرف آیئے ۔ نصف یا اس سے زیادہ صدی میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے ۔ مادی ترقی اس وقت غالباً اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے ۔ زندگی کے ہر شعبہ میں سائنس کی ترقی نے کمال حاصل کر لیا ہے ۔ ملکوں کے درمیان فاصلے دنوں کی بجائے گھنٹوں میں طے ہو رہے ہیں ۔ ایسی ایجادیں ہوئی ہیں کہ نشریاتی سیاروں کے ذریعے ایک ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے دوسرے ملک میں بھی اسی وقت دیکھا جا سکتا ہے ۔ چاند اور سیاروں کی سیر ایک حقیقت بن گئی ہے ۔ طب کی سائنس میں اس قدر ترقی ہو گئی ہے کہ اگر انسان کے بس کی بات ہو تو موت سے بھی بچ جائے ۔ لیکن انسانی علوم کی ترقی صرف اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود اور قوانین کے اندر ہی ہو سکتی ہے ۔

موجودہ زمانہ میں انسان مادی خوشحالی کی تگ و دو میں ہمہ تن مصروف ہو گیا ہے ۔ اور اسے تکاثر کی خواہش ہے چاہے وہ مال کی ہو یا طاقت اور مرتبہ کی یا کسی اور چیز کی ۔ وہ اس دوڑ میں اس طرح کھو گیا ہے کہ باقی تمام باتوں سے غافل ہو گیا ہے ۔ اس کے پاس اتنا سوچنے کی فرصت ہی نہیں کہ یہ سب کچھ اسے کس طرف لے جا رہا ہے ۔

چونکہ دنیا آج سمٹ کر چھوٹی سی ہو گئی ہے اس لئے جو کچھ مغربی ممالک میں ہو رہا ہے وہ بہت حد تک ہماری زندگیوں پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے ۔ اس لئے اب ہمارے پاس بھی یہ سوچنے کا وقت نہیں کہ ہم کس رَو میں بہے جا رہے ہیں ۔

آج کے دَور میں جہاں مادی ترقی اس قدر ہوئی ہے وہاں اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے ۔

مغربی دنیا میں لوگ مذہب کو بھول چکے ہیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بھی منکر ہیں ۔ ان کا سکونِ قلب بھی جاتا رہا ہے ۔ روحانی لحاظ سے ساری دنیا پر ہی تاریکی چھا رہی ہے ۔ وہ روشنی جس کے مغربی لوگ متلاشی ہیں ان کے ہاں باقی نہیں رہی ۔ سکونِ قلب حاصل کرنے کی جو راہیں ان کے ہاں موجود ہیں، وہ مزید تباہی کی طرف انہیں لے جانے والی ہیں ۔

اس مرض کا علاج اور یہ روشنی اگر موجود ہے تو مسیح موعودؑ کی مٹھی بھر جماعت کے پاس جس میں ہم اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں ۔

اس جماعت کے لئے آج ایک بہت بڑا چیلنج ہے اور اسی چیلنج کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتی ہوں ۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے اندر یہ چیلنج قبول کرنے کی ہمت ہے ۔ بظاہر اپنی حالت اس وقت بہت کمزور نظر آتی ہے ۔ ایک تو بیرونی حالات ہیں جو ہمیں بہت حد تک پست ہمت کرتے ہیں ۔ حکومت اور لوگوں کی طرف سے ہمارے لئے مشکلات ہیں ۔ لیکن اس سے بڑھ کر ہماری کچھ اندرونی مشکلات ہیں ۔ جو ہمارے لئے بہت پریشان کن ہیں ۔ کچھ تو ہم میں یقینِ محکم کی کمی ہے اور کچھ دلوں میں شبہات اور وسوسے ہیں ۔ جن کی وجہ سے ہم ایک کنارے پر کھڑے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر حالات سازگار ہوئے تو ہم جماعت میں شامل رہیں گے اور اپنے آپ کو احمدی کہلائیں گے اور اگر مصائب کی برداشت کی ہمت نہ رہی تو دوسری طرف رُخ موڑ لیں گے ۔ ہماری یہ حالت سلسلہ کے ساتھ ہماری بے توجہی سے ظاہر ہوتی ہے ۔

اپنے ملک میں تو حالات ہمارے لئے ایسے سازگار نہیں رہے کہ ہم اشاعتِ اسلام کا زیادہ کام کر سکیں ۔ لیکن اس کے برعکس ممالک غرب میں اشاعتِ اسلام کے لئے میدان بہت وسیع ہے ۔ جو تبلیغی کمیٹی برائے بیرونِ ممالک کی سال گذشتہ کی رپورٹ اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے حالیہ دورہ یورپ جزائر غرب الہند اور امریکہ سے ظاہر ہے ۔ انہوں نے اپنے دَورہ کی چند ایک جھلکیاں ہمیں سنائی ہیں اور جلسہ میں وہ مزید بتائیں گے کہ ان غیر ممالک کے دَوروں میں انہیں ہمارے کام کے لئے کس قدر وسیع میدان نظر آیا ہے ۔ اب ہمارا کام یہاں نہیں بلکہ مغرب میں ہے اور ہمارے لئے چیلنج ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری بڑی کوشش اور خوبی سے نبھائیں گے ۔

(باقی دارد)

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفیٰ مارا امام و پیشوا

ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را برو شد اختتام

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست + بادۂ عرفانِ ما از جام اوست

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب + نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

(حضرت مسیح موعودؑ)

آئین پاکستان میں ترمیم، مُسلم کی شرعی تعریف اور جماعت احمدیہ لاہور

(قسط نمبر ۴)

(مکرم جناب ریٹائرڈ کیپٹن عبدالواجد صاحب پشاور)

شرعی اصطلاح کے خلاف قرآن کریم میں لغوی معنی کے استعمال کی مثال آیت شریفہ ہے:—

فلمّا جاءہ الرسول قال ارجع الیٰ ربّک فسئلہ ...... الخ

(سورۃ یوسف۔ ۵) یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کا فرستادہ آیا تو آپ نے اسے کہا کہ تو واپس اپنے مالک کے پاس جا۔ یہاں پر رسول اور ربّ کے الفاظ شرعی اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر بادشاہ کے فرستادہ کو اللہ تعالےٰ رسول کرکے پکار سکتا ہے تو وہ کونسی چیز ہے جو کہ کسی محدّث یا ولی یا مجدّد کو نبی کے الفاظ سے پکارنے میں اللہ تعالےٰ کے لئے مانع ہے۔

آخر عمر تک اپنی کتب میں حضرت مرزا صاحب یہی فرماتے رہے ہیں جیسے سیتہ الوحی میں فرمایا:—

"سمیت نبیًا من اللہ علےٰ طریق المجاز ولا علیٰ وجہ الحقیقۃ۔

میرا نام اللہ تعالےٰ کی طرف سے مجاز کے طور سے نبی رکھا گیا ہے نہ کہ حقیقی طور سے۔"

اور فرمایا:—

مانعنی من النبوّۃ ما یعنی فی الصحف الاولیٰ۔

نبوّت سے ہماری مراد وہ نہیں جو کہ سابقہ صحیفوں میں ہے۔

بخوف طوالت مزید حوالے پیش نہیں کئے جاتے ورنہ وہ سینکڑوں کی تعداد تعداد میں موجود ہیں۔

اس قسم کی تحریرات آپ کی تمام کتب میں ملیں گی اور آپ کے اشتہارات اور ملفوظات ان سے پُر ہیں۔ علماء کے تمام الزامات کو آپ نے افتراء قرار دیا۔ نبوت سے انکار کیا ختم نبوّت کا اقرار کیا اور آنحضرت صلعم کے بعد مدّعی نبوّت کو آپ نے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ یہی جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد ہیں۔

اے مفتیو! قیامت کے دن ہم یہ عقاید آپ کے سامنے پیش کریں گے جس طرح آنحضرت صلعم نے اسامہ بن زید سے کہا تھا اس وقت آپ اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دیں گے۔ ہم آپ کو بذریعہ لاؤڈ سپیکر بلند آواز سے کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور آپ کے بعد ہم نہ کوئی نیا نبی لاتے ہیں اور نہ پُرانا اور ختم نبوت پر یہی غیر مشروط اور قطعی ایمان ہے۔ اور یہی وہ موقف ہے جو آئینی ترمیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ آئینی ترمیم کے مطابق کسی معنی اور مفہوم میں آنحضرت کے بعد مدّعی نبوّت یا اس کے ماننے والے غیر مسلم ہیں۔ آپ پرانا نبی لاتے ہیں ہم نہ پُرانا نبی لاتے ہیں اور نہ کوئی نیا۔ کونسا موقف قطعی ہے۔ آپ کا یا ہمارا۔ لیکن آپ مسلم ہیں اور ہم غیر مسلم۔ ہمیں غیر مسلم کہنے کے لئے آپ کو نئی منطق ایجاد کرنا ہوگی۔ اور نہیں تو جو کچھ آپ کر رہے ہیں وہ دھاندلی ہے۔

مولانا مودودی صاحب سے خطاب } مجھے سید ابوالاعلےٰ مودودی صاحب سے بھی خطاب کرنا ہے۔ آپ اپنے آپ کو مجتہد کہتے ہیں اور آپ کے متبعین بھی آپ کا درجہ مجتہد سے کم نہیں سمجھتے۔ اور مجتہد صادق القول والعمل ہی ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب "فتنہ قادیانیت" میں لکھا ہے:—

"قادیانیوں کے مسلمانوں میں شامل رہنے کی کوئی صورت اگر ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ مرزا صاحب کی نبوّت کا عقیدہ چھوڑ دیں۔"

جماعت احمدیہ لاہور تو مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتی ہے اور نبوّت کا دروازہ اس طور سے بند سمجھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پُرانا۔ آپ کا حصہ تحریک تحفظ ختم نبوت میں ملک کے دوسرے علماء سے زیادہ ہے کم نہیں اور آپ جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مُسلم ٹھہرانے کی ذمہ داری دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ اگر آپ کو خدا کا خوف ہے اور آپ اُن علماء میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ یعنے اللہ تعالےٰ سے صحیح طور پر ڈرنے والے بندے علماء ہی ہیں اور آپ اپنے قول کے پابند ہیں تو فتوےٰ دیجئے اور جس طرح آپ نے اپنے کتابچہ "فتنہ قادیانیت" کی تشہیر کی تھی اسی طرح اس فتوے کی بھی تشہیر کیجئے کہ جماعت احمدیہ لاہور مسلمان ہے اور غیر مسلم نہیں کیونکہ آپ کی مقرر کردہ شرط وہ پورا کرتی ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے قول وفعل کی اچھی اور بُری دونوں تاویلیں ہو سکتی ہیں تو اچھی تاویل کو ترجیح دی جائے۔ اِلّا یہ کہ بُری تاویل کو ترجیح دینے کے لئے قوی قرائن ہوں۔ جماعت احمدیہ لاہور کے اقوال و افعال کی بُری تاویل تو ممکن نہیں اور قرائن بھی اچھی تاویل کرنے کے حق میں ہیں کیونکہ شروع سے یہی ہمارا موقف رہا ہے اور ختم نبوّت پر ہم نے جتنا لٹریچر شائع کیا ہے اور جماعت ربوہ کے مسلک کے خلاف جتنی مساعی ہماری ہیں وہ ڈھکی چھپی نہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور آپ اس سے واقف ہیں۔ آپ کی دیانت زیر آزمائش ہے۔ اگر آپ میں یہ جُرأت نہیں اور اس وجہ سے آپ خاموش رہیں تو ہم اس نتیجہ کے اخذ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ مذہب کی آڑ میں اور تحفظ ختم نبوّت کے مبارک نام کے پردہ میں آپ کے سیاسی عزائم کارفرما ہیں اور آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

مسئلہ کا حل } مضمون ختم کرنے سے پہلے علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کی مندرجہ بالا تحریر کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں اور اسے پھر نقل کرتا ہوں۔ فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اوّل صفحہ ۲۳۵ پر فرماتے ہیں:—

"دنیا میں جتنے فرقے ہیں ان میں سے فرق اسلامیہ ان کو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہونے کا دعوےٰ کریں اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کریں واقع میں وہ خواہ اسلام کے صحیح راستہ پر ہوں یا گمراہ ہوں۔ مثلاً روافض، خوارج معتزلہ۔ مرجئہ۔ کرامیہ۔ جہمیہ وغیرہ یہ سب اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر سب کے سب علی التشکیک فرق ضالہ ہیں۔

صحیح اسلامی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے یعنی جو سنّتِ نبوی اور جماعت صحابہ کا پیرو ہے۔ یہ لقب ماخوذ

ہے ۔ یہ ہو بہو ترجمہ ہے حدیث کے اس جملہ کا جو فرقہ ناجیہ کے بارہ میں آیا ہے "ما انا علیہ و اصحابی"
[illegible] کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس طریق پر میں اور میرے صحابہ کی جماعت ہے وہی اہلِ نجات کا طریقہ ہے چنانچہ یہ نام اسی ارشاد نبوی سے ماخوذ ہے ۔"

اسی طرح پروفیسر ابو زہرہ مصری جو کہ علمائے پاکستان کے نزدیک عزت اور شہرت کے مالک ہیں اور پاکستان کا دورہ بھی کر چکے ہیں، میں ان کی تحریر کی طرف توجہ دلاتا ہوں وہ اپنی سوانح امام ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں :—

"ابو حنیفہ رح کو چند اسلامی فرقوں سے سابقہ پڑا ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے انہوں نے علم بھی حاصل کیا اور ان کے آراء سے مستفید ہوئے ۔"

اس کے بعد وہ ان فرقوں کے نام بتاتے ہیں جو یہ ہیں ۔ فرقہ شیعہ اور اس کے ذیلی فرقے مثلاً سبائیہ ۔ کیسانیہ ۔ زیدیہ ۔ اثنا عشری ۔ فرقہ اسماعیلیہ ۔ فرقہ خوارج اور اس کے ذیلی فرقے مثلاً الازارقہ ۔ النجدات ۔ الصفریہ ۔ العجاردہ ۔ الاباضیہ ۔ یزیدیہ ۔ میمونیہ ۔ فرقہ المرجئہ ۔ معتزلہ ۔ گویا پروفیسر بھی علامہ عثمانی کی طرح ان فرقوں کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے تھے ۔

اسی طرح امام ابو الحسن اشعری جو کہ اشاعرہ کے بانی ہیں اور اکابر اہلِ سنت والجماعت ہیں اور ان کو مجدد بھی تسلیم کیا جاتا ہے وہ اپنی کتاب "مقالات الاسلامیین" اس طرح شروع کرتے ہیں:

"مسلمان دس قسموں میں بٹ گئے شیعہ ۔ خوارج ۔ مرجئہ معتزلہ ۔ الجہمیہ ۔ الضراریہ ۔ الحسینیہ ۔ البکریہ ۔ عامۃ الناس اصحاب حدیث اور کلابیہ یعنی عبد اللہ ابن کلاب القطان کے ساتھی ۔"

وہ بھی ان فرقوں کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں صرف وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ امام اشعری کی تاریخ ولادت ۲۶۰ھ اور تاریخ وفات ۳۲۵ھ ہے ۔ امام صاحب پہلے معتزلہ تھے اور پھر ان سے الگ ہو کر ان کے خلاف ہو گئے اور معتزلہ کو بحیثیت تحریک ختم کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ اس لئے اہلِ سنت والجماعت میں وہ نہایت ہی اعلیٰ مرتبت رکھتے ہیں ۔ اس لئے ان کی تحریر اسی قدر توجہ کی مستحق ہے جو کہ ان کا مرتبہ ہے ۔

علمائے پاکستان اور عامۃ الناس اور زعمائے حکومت کے لئے ان تحریروں میں درسِ عبرت ہے ۔ ہر اس شخص کو مسلمان سمجھنا چاہیئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو ۔ کسی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے کہے کہ تو مسلمان نہیں ۔ یہی تعلیم قرآن کریم کی ہے جو فرماتا ہے لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا ۔ جو تمہیں تحیۃ اسلامی سے مخاطب کرے اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں ۔ اور یہی سنتِ نبوی ہے ۔ آئین پاکستان میں مسلمان کی یہی تعریف ہونا چاہیئے ۔ کوئی شخص اپنے آپ کو تفریح کی خاطر مسلمان نہیں کہتا وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے تب ہی وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے ۔ اس غرض سے مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اور متبادل طور سے یہ تعریف پیش کی جاتی ہے جو شخص کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے ۔ ابتدائے اسلام سے یہی کلمہ پڑھ کر غیر مذاہب والے اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں اور اب [illegible] کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے [illegible] ۔ سنت رسو[illegible] [illegible] تو دو سو [illegible]

سال سے باوجود تمام اختلافات کے علماء کا عمل رہا ہے ۔ صرف یہی تعریف مسلمانوں کے اندر قدرِ مشترک کی عکاسی کرتی ہے ۔ اس کلمہ کے پڑھنے کے بعد حضرت اسامہ بن زید نے جب لڑائی میں ایک شخص کو قتل کیا تو آنحضرت صلعم نے اس پر سخت سرزنش کی تھی ۔ یہی تعریف ہی اسلام کے معنی میں اس وسعت کی مظہر ہے جو کہ قرآن اور حدیث اور تواتر سے ثابت ہے ۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

اہل ایمان کی صفات ۔ بسلسلہ

پر سنایا ۔ میرے ساتھ ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھے ہوئے تھے جب میں تقریر کے بعد بیٹھا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ واقعہ جو بیان ہوا ہے بالکل سچ ہے ۔ مجھ سے وہ لڑکا مارا گیا تھا اور میرے والد نے میرے خلاف گواہی دی تھی ۔ مجھے اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ یہ وہی صاحب ہیں ۔ ان کے اپنے بیان کرنے سے اس تقریب میں ایک اور ہی رنگ پیدا ہو گیا ۔ تو ہر معاملہ میں تقوے پر چلنا خواہ خطرہ سامنے نظر آ رہا ہو اور تقوے کو نہ چھوڑنا باطنی طور پر دل اور دوسری تمام طاقتوں اور جذ[illegible] [illegible] اعلیٰ سطح پر رکھتا ، یہی وہ طریق ہے جس سے انسان کی تمام روحانی خوبصورتی وابستہ ہے ۔ اور قرآن کریم میں ارشاد ہوا ولباس التقوی ذٰلک خیر ۔ لباس زینت کا موجب ہے اس کو تقوے سے موسوم فرمایا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی خوبصورتی اور زینت تقوے ہی سے ہے ۔ اور تقوے یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد کو پورا کرے اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی رعایت رکھے اور ان دقیق در دقیق پہلوؤں پر امکانی حد تک کاربند ہو جائے ۔

اور اس سے اگلا مقام نماز کا ہے ۔ مومن کو نماز کی حقیقت اور اس کے اصل مقصد سے آگاہ ہونا چاہیئے ۔ اور اس کے حاصل شدہ نتائج پر نظر رکھنی چاہیئے ۔ مومن کا معراج نماز ہے ، اس متاعِ عزیز کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے ۔ خدا کی یاد میں مستغرق رہنے سے مومن کی روحانی زندگی میں ترقی ہوتی ہے ۔ حضرت مجدد زمان نے فرمایا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق کوئی گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ اس میں اجر ہی اجر ہے ۔

ان جملہ بیان کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ہی مومن کی فلاح وابستہ ہے ۔ (ختم شد)

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج + آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے
جس کو دیکھو بدگمانی میں ہے حد سے بڑھ گیا + گر کوئی پوچھے تو سو سو عیب بتلانے کو ہے
چھوڑتے ہیں دیں کو اور دنیا سے کرتے ہیں پیار + سو کریں وعظ و نصیحت کون پچھتانے کو ہے
(حضرت مسیح موعود)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ [illegible] مہتمم [illegible] دفتر پیغام صلح [illegible] مدیر بزنس [illegible] (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۔ ۴ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ ۔ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۷۷ء | نمبر ۸

مَلفُوظاتِ حضرت مُجدّدِ صدِ چہاردہم عَلَیہِ السَّلام

اِنسانی طبائع دو۲ قسم کی ہوتی ہیں۔

انسانی طبائع دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل عادت اور رسوم پسند۔ جیسا کہ عموماً ہندو ہیں۔ کہ اگر کسی ہندو کا مسلمان کے ساتھ کپڑا بھی لگ جائے۔ تو وہ اپنا کھانا پھینک دیتا ہے۔ حالانکہ اس کھانے میں مسلمان کا کوئی اثر سرایت نہیں کر جاتا۔ اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ عادات اور رسومات کے پابند پائے جاتے ہیں اور حقیقت سے محض ناآشنا اور کورے ہوتے ہیں۔ .... یاد رکھو کہ رسم اور عادت اور چیز ہے اور صلوٰۃ شئے دیگر۔ صلوٰۃ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر قرب الٰہی حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ قرب الٰہی کی چابی ہے۔ اسی سے کشوف کا دروازہ کھلتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے الہامات و مکالماتِ الٰہیہ نصیب ہوتے ہیں اور یہی دعاؤں کی قبولیت کا خاص ذریعہ ہے لیکن جو لوگ اسے سوچ سمجھ کر ادا نہیں کرتے تو وہ رسم و عادت کے پابند ہیں اور اس سے اسی طرح پیار کرتے ہیں جس طرح سے ایک ہندو گنگا سے پیار کرتا ہے۔ ہم دعا مانگنے سے انکار نہیں کرتے بلکہ ہمارا تو سب دنیا سے بڑھ کر قبولیت دعا پر ایمان ہے۔ جبکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ تو کیوں نہ ایک مومن کا دعاؤں کی قبولیت پر ایمان ہو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نمازوں کے بعد دعا مانگنا فرض نہیں ٹھہرایا اور نہ یہ امر حضرت نبی کریم صلعم سے التزامی طور پر مسنون ثابت ہے۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم کا نماز کے بعد دعا مانگنے پر التزام ثابت ہوتا تو پھر اس کا ترک کرنا معصیت تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تقاضائے وقت پر آپؐ نے نماز سے خارج بھی دعا کی ہے۔ اور ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ آپؐ کا سارا وقت دعاؤں ہی میں گذرتا تھا۔ اس بات کو خوب یاد رکھو۔ نماز دعاؤں کا خاص خزینہ ہے جو مومن کو دیا گیا ہے۔

اس لئے اس کا فرض ہے کہ جب تک نماز کو درست نہ کرلے دوسری طرف توجہ نہ کرے۔ کیونکہ جب نفل کے ادا کرنے سے فرض کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو فرض کو مقدّم کرنا لازمی امر ہے۔

جو لوگ اپنی نمازوں کو خضوع اور خشوع سے ادا کرتے ہیں۔ وہ اگر نماز سے خارج میں بھی دعائیں کرتے رہیں تو ہم منع نہیں کرتے۔ ہم تو تقدیم نماز کی چاہتے ہیں۔ اور یہی ہماری اصل غرض ہے۔ لیکن مسلمان آج کل نماز کی کچھ بھی قدر نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا سے اُن کو بہت بُعد ہو گیا ہے۔ **نماز مومن کا معراج ہے۔ اور وہ اسی سے اطمینانِ قلب پاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں اللہ تعالےٰ کی حمد اور اپنی عبودیت کا اقرار اور استغفار اور حضرت نبی کریم صلعم پر درود ہوتا ہے۔** اور یہ سب امور رُوحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ ہمارے دل میں اس کے متعلق اور بہت سی باتیں ہیں جنہیں الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ بعض لوگ انہیں سمجھ لیتے ہیں اور بعض نہیں سمجھتے۔ لیکن ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تھکتے نہیں بلکہ کہے چلے جاتے ہیں۔ سعید اور فراست والے لوگ سمجھ لیتے ہیں۔

(ملفوظات احمدیہ حصّہ چہارم صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۱)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وصیّت

جب تک کوئی خدا تعالےٰ کی طرف سے رُوح القدس پاکر کھڑا نہ ہو۔ سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

(الوصیت۔ صـ۶)

ایک چیلنج

تقریر بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ، بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

اگر ہمیں اپنی جماعت کی بقا منظور ہے تو چند ایک باتیں ہمیں لازمی طور پر چھوڑنی پڑیں گی:

(۱) ایک تو یہ کہ ہم اپنی EMOTIONAL ENERGY آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑوں میں ضائع کرتے ہیں۔ یہ تو سوچ کی بہت ہی LOW LAVEL ہے۔ ہمیں اپنی سوچ اس سے بالاتر کرنی پڑے گی۔

(۲) ایک دوسرے کی کمزوریوں اور SHORT COMMINGS کی ٹوہ میں ہمیں وقت کو نہیں صرف کرنا ہوگا۔ بلکہ اگر کسی سے کوئی بھول ہو جائے تو اسے درگذر کرنا ہوگا۔ اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنی ہوں گی۔ جو اللہ تعالےٰ پسند فرماتا ہے۔ وہ جو آپ جیسی جماعت کو زیب دیتی ہیں۔

(۳) جماعت کے استحکام اور اشاعتِ اسلام کے کام کے میدان میں جو بھی آگے بڑھے بلا امتیاز اس کی مدد کرنی ہوگی، اس کا ساتھ دینا ہوگا نہ کہ اس کی مخالفت اور اس پر نکتہ چینی کر کے اس کو بے دل کرنا۔ اور اس طرح جماعت کی ترقی میں روکاٹ بننا

ہمارا کام صرف مردوں کو ہی لازم نہیں خواتین بھی اس کی برابر کی ذمہ دار ہیں اور اللہ کے سامنے اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہیں ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ اپنی استعدادوں کے مطابق حصّہ لینا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کو بے پناہ استعدادوں سے نوازا ہے۔ ان تعدو نعمت اللہ لا تحصوھا۔ ہم اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔ تو پھر ہم میں سے کوئی احساس کمتری کا شکار کیوں ہو۔

(۴) اپنی ذاتیات کو ختم کرنا ہوگا اور دل کو بہت وسیع کرنا ہوگا اتنا وسیع کہ جب کوئی بات اپنی مرضی یا پسند کے مطابق نہ بھی ہو مگر جماعت کا مفاد اس میں ہو تو دل اس کو بخوشی قبول کرے اور دوسرے کا ساتھ دے۔

اپنی قوتوں کو ایک دوسرے کے لباس یا طرزِ رہائش وغیرہ پر نکتہ چینیوں سے آزاد کر کے با مقصد کاموں اور گفتگو میں لگانا ہوگا۔ وقت جو ہمیں ملا ہے بہت محدود ہے۔ ہمیں احساس بھی نہیں ہوگا اور ختم ہو جائے گا۔ ہم اس کو جس طرح بھی صرف کریں۔ ہم پر منحصر ہے۔

اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ ہر انسان کو اس کی سعی کا بدلہ ملتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

ہمارے لئے دو راستے ہیں۔ ایک تو آسان راستہ ہے اور دوسرا ایک گھاٹی کا راستہ ہے۔ اس راستہ میں مشکلات اور قربانی ہے۔ نفس کو مارنا ہے اور پھر ایسے لوگوں میں سے ہونا ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور صبر اور رحم کی تلقین کرتے ہیں

اگر ہم مسیح موعودؑ کی جماعت کے دعویدار ہیں تو ہمارے لئے راستہ کا تعیّن ہو چکا ہے۔ یعنی گھاٹی کا راستہ۔ جس میں مشکلات ہیں اور صبر کے ساتھ اسی راہ پر چلنا ہے۔ اس بات کو اس طرح نہیں سوچنا کہ ہماری تو گذر گئی۔ ہمارے بچوں کا کیا بنے گا۔ موجودہ حالات میں ان کا مستقبل کیا ہوگا۔

مستقبل اور حال سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایمان کھو کر اولاد کے لئے دنیا لے بھی لی تو واللہ اعلم یہ سودا کہاں تک فائدہ مند ہوگا۔ اگر حق کی راہ میں ہماری حق تلفیاں ہو بھی گئیں تو قیامت کے دن حوضِ کوثر پر نبی کریم صلعم اس کمی کو پورا کر ڈالیں گے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں دلوں میں یقین پیدا کرنا پڑے گا۔

یہ چیلنج آسان نہیں اس لئے یہ وقت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے دل سے یہ سوال کرے اور سوچے کہ اسے کونسی راہ اختیار کرنی ہے۔ یہ سستی اور کاہلی اور یہ غفلت ہمیں کہیں کا بھی نہیں چھوڑے گی کہیں ہمارے اعمال چٹیل زمین پر ریت کی مانند نہ ہو جائیں جس کو ہوا اڑاتی ہے۔

اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئًا و وجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ۔ (۲۴-۳۹)

اگر ہم میں وہ جذبہ پیدا نہ ہوا جو کہ آج کا تقاضا ہے تو پھر یہ سب کوشش بے کار ہے۔ یہ اجتماع اور گہما گہمی بذات خود وقعت نہیں رکھتی اگر ہم اس کا مقصد نہیں سمجھتے۔ یہ ایک روحانی ضیافت ہے۔ اگر اس سے ہماری سوچ میں تبدیلی آگئی تو سمجھئے کچھ حاصل ہو گیا۔

اس روحانی اجتماع میں شامل ہونے کا مقصد ان خیالات اور نیک جذبات سے جو کہ آپ آئندہ تین روز کے جلسہ میں اپنے بزرگوں اور جماعت کے لئے دردِ دل رکھنے والے حضرت مسیح موعود کے جانثاروں کی تقاریر میں سُنیں گے ان سے مستفید ہونا ہے اور اپنی سوچ میں ایک بیداری اور تبدیلی پیدا کرنا ہے۔

میں بہت کچھ کہہ گئی ہوں۔ میں اپنے آپ کو یہ سب کچھ کہنے کی اہل نہیں سمجھتی۔ اس لئے آخر میں پھر معذرت چاہتی ہوں۔

آیئے اس دفعہ اس سالانہ اجتماع سے کچھ حاصل کر کے گھروں کو واپس جائیں تاکہ وہ چیلنج جو ہمارے سامنے ہے اسے ہم قبول کر سکیں۔ اور آئندہ آنے والوں کے سامنے ہم شرمسار نہ ہوں۔ کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے بڑوں کے سامنے ایک چیلنج تھا لیکن انہوں نے کمزوری دکھائی اور اسے قبول تو کیا لیکن نبھا نہ سکے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اس کا اہل بنانے اور اسے نبھانے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج

ایک روحانی مجاہدہ

مکرّم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کا ارشاد

تمام جماعت کم از کم چالیس دن نمازِ تہجّد اپنے پر لازم کر لے اور اللہ تعالےٰ کے حضور نہایت درد و الحاح سے یہ دعا و التجا کرے کہ اے مولا کریم ہمارے مشکلات و مصائب کے دور کو ختم کر۔ اور ہمارے ارد گرد بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا فرما دے۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۷۷ء

قومی اِتحاد کا منشور

(اداریہ)

بڑی سوچ و بچار اور غور و فکر کے بعد نو سیاسی جماعتوں پر مشتمل قومی اِتحاد نے جس کا تعارفی نشان نو ستارے ہے اپنا مکمل منشور قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ستاروں کے نشان سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آ جاتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جن کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت یعنی دین و دنیا میں فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔ اگر ایک ستارے کی پیروی سے ہدایت کے لئے راستے کھل سکتے ہیں تو نو ستاروں کے پیچھے چلنے سے نو گنا کامیابی حاصل ہونی چاہیئے۔

سمت معلوم کرنے کے لئے جب قطب نما جیسے آلے ایجاد نہ نہ ہوئے تھے تو اس زمانے بھی وسیع صحراؤں اور بے کنار سمندروں میں رات کو سفر کرنے والے اپنی منزل کی سمت معلوم کرنے کے لئے ستاروں سے مدد لیتے تھے اور اس طرح سیدھی راہ سے بھٹک کر ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتے تھے۔ سورۃ الانعام میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

" اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ پاؤ۔ ہم نے باتیں ان لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دیں جو علم رکھتے ہیں"

قومی اِتحاد میں اس بات کا علم رکھنے والے علما بھی شامل ہیں کہ ستارے بہت بلندیوں پر ہیں اور ہم سے اتنے دُور ہیں کہ زمین تک ان کی جھلملاتی روشنی کئی نوری سالوں میں پہنچتی ہے مگر زمین کے ارد گرد مکدر فضاؤں سے گذرتے ہوئے بھی کبھی نہیں دھندلاتی۔ اور نہ ہی زمین کی گرد ان تک پہنچکر انہیں ہماری آنکھوں سے اوجھل کر سکتی ہے۔

صحابہ کرام کو بھی النجوم اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ زمینی زندگی کی تمام آلائشوں سے پاک اور آسمان روحانیت میں بہت ارفع اور اعلےٰ مقام پر تھے اور ان کی روشنی سے صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور گم کردہ راہ اِنسان ہدایت پاتے تھے۔ کوئی بھی اِنسان یہ رفعت اور بلندی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا نفس حرص و ہوا۔ خود پسندی۔ تکبّر و نخوت۔ بغض و حسد اور کینہ سے پاک ہو یہی وہ بیماریاں ہیں جو قلب کو منوّر کرنے کے بجائے ظلمتکدہ بنا دیتی ہیں۔ اِن کا سرچشمہ حب الدنیا ہے اور حب الدنیا راس کل خطیئۃ (دُنیا کی محبت ہر ایک گناہ کا سر ہے)۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں:—

" نفس حرص۔ دُنیا اور آخرت کا پیچھا نہ کرو۔ صرف مولیٰ کے ہی ہو رہو۔ تمہارے ہاتھ ایسا خزانہ لگے گا کہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے تمہیں ایسی ہدایت حاصل ہوگی کہ جس کے بعد گمراہ نہ ہوگے۔"

جب انسان مولیٰ کا ہی ہو رہتا ہے تو حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ:

اِنسان پر اس مرتبہ تک محبّت الٰہی غلبہ کرتی ہے۔ تب تمام نفسانی آلائشیں اس آتش محبت سے خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہیں اور انسان کی فطرت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو وہ دل عطا ہوتا ہے جو پہلے نہیں تھا اور وہ آنکھیں عطا ہوتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں اور اسقدر یقین اس پر غالب آجاتا ہے کہ اسی دُنیا میں وہ خدا کو دیکھنے لگتا ہے"

یہ وہ مقام ہے جہاں انسان پہنچکر دوسروں کے لئے ستارۂ ہدایت بنتا ہے وہ دُنیا کے پیچھے نہیں دُنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ دُنیا اس سے مانگنے آتی ہے۔ وہ حاجتمند نہیں حاجت روا ہو جاتا ہے۔ وہ حکومت اور اس اقتدار کی ہوس کی زنجیروں سے آزاد ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف اللہ کی حکومت اس کے دِل پر مسلّط ہوتی ہے۔ بادشاہ ننگے پاؤں چل کر اس کے در تک پہنچنا اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ کیا ہمارے علماء دین سیاست کے خارزار میں اپنا دامن تار تار کرنے کے بجائے لوگوں کے جسموں پر نہیں لوگوں کے دلوں حکومت کرنے کی تدبیر نہیں کر سکتے۔ رسول کریم صلعم کا ارشاد ہے "تفرغوا من هموم الدنیا ما استطعتم" جہاں تک ممکن ہو سکے دنیا کے ہموم و غموم سے آزاد ہو جاؤ کیونکہ لا راحۃ لمؤمن من دون لقاء ربه" اللہ کی ملاقات کے سوا ایماندار کے لئے کوئی راحت نہیں — اگر یہ راحت نصیب ہو جائے تو علماء کو بھی یہ طعنے نہیں سننے پڑیں گے کہ وہ نماز سے پہلے بھی جھوٹ بولتے ہیں اور نماز کے بعد بھی۔ کاش ایسا ہو جاتا تو اس ملک کی قسمت بدلنے کے لئے ایک ہی ستارہ کافی ہوتا۔

ہمیں اس منشور کے سیاسی پہلوؤں کا تجزیہ کرنا منظور نہیں ہم صرف "دستور" کے عنوان کے تحت دسویں شق کے متعلق اظہارِ خیال کریں گے۔ یہ شق یوں ہے:—

" قانون سازی کی بنیاد قرآن و سنت پر ہوگی۔ تمام ایسے قوانین کو جو قرآن و سنّت کے خلاف ہیں ایک سال کے اندر تبدیل کر کے قرآن و سنّت کے مطابق بنایا جائے گا اور اسلامی شریعت نافذ کی جائے گی۔"

ظاہر ہے یہ منشور علماء اور ماہرین قانون کے باہمی مشورہ سے مرتب ہوا ہوگا۔ پاکستان میں چند ایک غیر مُسلم اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ ان پر اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ قرآن و سنّت کے مطابق بنائے ہوئے قوانین صرف اُن لوگوں پر اطلاق پائیں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے مسلمان کی تعریف کرنا لازمی ہوگا۔ جب قانون سازی قرآن و سنّت کے مطابق ہوگی تو مسلمان کی تعریف بھی قرآن و سنّت کے مطابق ہی ہونی چاہیئے۔ شریعت کا اوّلین ماخذ قرآن کریم ہے اور دوسرے درجے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا قول اور فعل۔ جسے سنّت کہا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے رسول کی زندگی میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ کہکر کہ میری نماز۔ میری عبادات میری زندگی اور میری موت اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے اور میں اس کا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ اور اس فرمانبرداری کا وہ حق ادا کیا اور اس کی وجہ سے وہ مقام پایا جو نہ کوئی پہلے پا سکا اور نہ آئندہ پائے گا۔ اس کامل سپردگی سے پہلے بھی ایک منزل آتی ہے جب انسان اپنی زبان سے اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مسلمان کہلاتا ہے اور وہ اقرار ہے:—

لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ یا اشهد ان لا الٰہ الا اللہ و اشهد ان محمّد رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے لے کر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تک یہی زبانی اقرار کسی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط تسلیم ہوتا رہا ہے۔ اس سے اگلا درجہ دل سے اس اقرار کی تصدیق ہے جو اوامر و نواہی پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو صحیح کلمہ ادا کرنا بھی نہیں جانتی مگر غلط کلمہ پڑھنے کی وجہ سے بھی مسلمان کہلاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان پر عمل ہے اور جن کے کرنے کا حکم دیا ہے ان سے اعراض ہے۔ مگر اس کے باوجود مسلمان ہیں۔

مسلمان سے بڑھ کر مؤمن کا درجہ ہے جو زبان سے اقرار کرتا ہے دل سے تصدیق کرتا ہے اور اپنے اعمالِ صالحہ سے یہ دونوں باتیں ثابت بھی

کرتا ہے ۔ قرآن کریم میں مؤمن کی یہ تعریف کی گئی ہے :-

"رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے ربّ سے اس کی طرف اتارا گیا اور مؤمن بھی ۔ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں"۔

(۲ : ۲۸۵)

اور کئی دوسرے مقامات پر ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں ۔ یعنے جو اللہ ۔ اس کے رسولوں ۔ اس کی کتابوں ۔ اس کے فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے ۔ وہ مؤمن ہے ۔ ایسے مؤمن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ :-

"جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے" (۴ : ۹۴)

بعض علماء کہتے ہیں کہ جنگ کی حالت میں قتل کے خوف سے کافر بھی السلام علیکم کہہ دیتا ہے ۔ تو کیا اسے مؤمن سمجھ لیا جائے ۔ اس کے لئے وہی جواب کافی ہے جو آنحضرت صلعم نے اسی قسم کے ایک واقعہ کے موقعہ پر دیا تھا کہ "کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا" یعنی اس کا السلام علیکم کہنا ہی اسے مؤمن سمجھنے کے لئے کافی تھا اور ہے ۔ جنگ کے دنوں میں اگر کسی نے اپنی جان بچانے کے لئے خوف سے بھی السلام علیکم کہہ دیا ہو اگر وہ دشمن قوم سے بھی ہو تو قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق اسے مسلمان یا مؤمن نہ سمجھنا اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی صریح نافرمانی ہے :-

"اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے ۔ اور اس کی حدبندیوں سے آگے نکلتا ہے اسے (وہ) آگ میں داخل کرے گا ۔ وہ اس میں رہے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے" (۴ : ۱۴)

ہمارے رہنمایان دین اسلام کے لئے مقام غور ہے کہ احمدی اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں ۔ اس کے رسولوں اس کی کتابوں ۔ اس کے فرشتوں اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۔ السلام علیکم کہتے ہیں تو شریعت کے اوّلین ماخذ قرآن کریم کی وہ کونسی آیت ہے جس کے رُو سے انہیں غیر مسلم اقلیّت قرار دلوانے کے لئے انہوں نے ایک مُلک گیر تحریک چلائی انہیں مارا پیٹا ۔ ان کے گھر جلائے اور ان کے جلتے ہوئے اثاثوں میں ان کی لاشیں پھینکی گئیں ۔ جس شریعت کے نفاذ کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ قرآنی شریعت تو نہیں ہوسکتی ہاں ان کے اپنے ذہنوں کی تخلیق کوئی اور شریعت ہوگی جس کا علم انتخابات میں جیتنے کے بعد قانون سازی کے وقت ہی ہو سکے گا ۔ اور ایسی شریعت کن لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہوگی یہ بھی سامنے آ جائے گا ۔

شریعت کا دوسرا ماخذ سنّت رسُول ہے ۔ اس میں آپ کا عمل بھی شامل ہے اور قول بھی ۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے کسی کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے لئے آپ نے کلمۂ توحید اور کلمہ شہادت کے ساتھ یہ شرط کبھی نہیں عائد کی کہ مجھے خاتم النبیّین بھی مانو کیونکہ ان دونوں کلموں کے ساتھ آگے وَخاتم النبیّین کے الفاظ ہرگز موجود نہیں ۔ گذشتہ دنوں جو رِٹ صحیح کلمہ کے متعلق عدالت میں دائر کی گئی تھی اس میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا تھا کہ کلمہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمّد رسُول اللہ ہی ہے ۔ اس کے آگے پیچھے کوئی سابقہ اور لاحقہ نہیں ۔ اور احمدی بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں جو دیگر عقیدوں کے مسلمان ۔ وہ اس کے آگے "وخاتم النبیّین" کے الفاظ کا اضافہ نہیں کرتے ۔ اس کے باوجود اگر وہ مسلمان ہیں تو احمدی کیوں مسلمان نہیں کہلا سکتے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اور یہ بخاری شریف اور دوسری کتب احادیث میں درج ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے ۔ یہ شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسُول ہیں ۔ نماز ۔ روزہ ۔ حج اور زکوٰۃ ۔ یعنی جس میں یہ پانچ باتیں پائی جائیں وہ مسلمان ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو ہماری نماز پڑھے ۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے ۔ ان احادیث کے رُو سے بھی احمدی کلمہ شہادت پڑھتے ہیں ۔ نماز ۔ روزہ ۔ حج اور زکوٰۃ کو بھی فرض جانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں ۔ قبلہ کی طرف منہ بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں تو ان تمام حقائق کے مدِّنظر ان کے متعلق آئین میں ترمیم کیا قرآن و سنّت کے خلاف نہیں ۔

اِن پیش کردہ حقائق کے مدِّنظر کیا ہم قومی اتحاد میں شامل تمام علماء سے یہ توقع کرنے میں حق بجانب ہیں کہ قانون سازی کی بُنیاد قرآن اور سُنّت پر رکھتے ہوئے وہ اس ترمیم کو جس کے رُو سے احمدیوں کو غیر مُسلم اقلیتوں میں شامل کیا گیا ہے قرآن و سنّت کے خلاف سمجھتے ہوئے منسوخ کر کے ہمارے ساتھ انصاف کریں گے اور اس طرح نفاذ شریعت کے تقاضے پُورے کر کے ان ستاروں میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کریں گے جن کی بدولت لوگ ہدایت پاتے ہیں ۔

رسولِ کریم صلعم فرماتے ہیں اِنَّ العلماء ورثۃ الانبیاء علماء نبیوں کے وارث ہیں ۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ ہم نبیوں کا گروہ نہ کوئی وراثت چھوڑتے ہیں اور نہ پاتے ہیں ۔ اس میں وراثت سے مطلب ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں ملنے والا ترکہ یا اپنا کمایا ہوا مال ہے ۔ لیکن وہ اپنی روحانی تعلیم بطور ورثہ ضرور چھوڑ کر جاتے ہیں جسے آگے بڑھانے کا فرض نبی کی اُمت کے عُلماء کے سپرد ہوتا ہے ۔ جس طرح نبی حق کی خاطر مصائب و مشکلات مول لیتا ہے اور عوامی رائے کی پرواہ نہیں کرتا اس کے وارثوں کا بھی یہی فرض ہونا چاہیئے کہ اگر طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالےٰ ہے تو عوام سے نہ ڈریں ۔ اور قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق اور سنّت رسول میں پیش کردہ اُصولوں کی تبلیغ میں صرف اللہ کا نہ کہ عوام کا خوف اور اقتدار کی خواہش مدِّنظر رکھیں ۔

راولپنڈی کے محترم ملک ظفر اللہ خان صاحب اور انکی ہمشیرہ صاحبہ کا

گرانقدر ایثار

دو کنال زمین کا عطیہ

مکرّم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اپیل جلسہ سالانہ پر جناب ملک ظفر اللہ خان صاحب نے ایک کنال قطعہ زمین قبرستان کے لئے دینے کا اعلان فرمایا تھا ، اب انہوں نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں ان کی ہمشیرہ نور جہان بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری محمد عبداللہ خان صاحب نے بھی ایک کنال قطعہ زمین جماعت احمدیہ راولپنڈی کو قبرستان کے لئے دینے کی پیشکش فرمائی ہے ۔ اللہ تعالیٰ محترمہ موصوفہ اور انکے گرامی قدر بھائی کو اس قربانی کے لئے اجرِ عظیم عطا فرمائے ۔

از جناب پروفیسر نورالدین زاہد صاحب

مکتوبِ کشمیر

بخدمت جناب مدیر صاحب مؤقر اخبار پیغامِ صلح لاہور
السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش ہے کہ امسال ماہ جنوری اور فروری میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کو تین وفود سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ ان کے یہاں مختصر قیام اور تبلیغی و تربیتی کاروائیوں کی رپورٹ ذیل میں درج ہے۔ مہربانی کر کے اسے اخبار پیغامِ صلح میں شریک اشاعت کر کے ساری جماعت تک پہنچائیں اور شکریہ کا موقعہ بخشیں۔

ولندیزی وفد بتاریخ ۷ر جنوری ۱۹۷۷ء ہالینڈ سے چہار رکنی وفد زیرِ قیادت مولانا عبدالرحیم صاحب جگو نازل کشمیر ہوا۔ ہوائی اڈہ پر ان کا استقبال جماعت کی طرف سے محترم ڈاکٹر خورشید عالم خان، محترم عبدالعزیز شورہ، اور محترم محمد رمضان صاحب ... سٹیٹ بینک آف انڈیا (شاخ سرینگر) نے کیا۔ یہاں سے یہ وفد سری نگر کے سرکاری ہوٹل بڈشاہ لایا گیا۔ یہیں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ چند منٹ یہاں گذارنے کے بعد یہ وفد جامع احمدیہ قلمدان پورہ میں نمازِ جمعہ کے لئے آیا۔

۸ر جنوری ہفتہ کے دن یہ وفد محترم شورہ صاحب کے ساتھ مزار مسیح ناصریؑ کی زیارت کے لئے روضہ بل خانیار چلا گیا۔ ۹ر جنوری اتوار بعد نمازِ عصر جامع احمدیہ میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مکرم ملک غلام حسن صاحب کی تلاوت قرآن کریم کے بعد محترم محمد یوسف تاثیر صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ اشاعت اسلام ہند نے ایک سپاسنامہ پڑھا۔ اس میں ہماری انجمن کی کارکردگی اور ہندی ترجمہ قرآن کی تحریک کا ذکر تھا وفد کے ایک رکن نے اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے مبلغ پچاس ڈالر بطور امداد عطا کئے۔ اس کے بعد مولینا جگو صاحب نے سالانہ جلسہ منعقدہ لاہور کے چشم دید حالات، بلاد مغرب میں احمدیت کی ترقی وغیرہ پر روشنی ڈالی۔ ۱۰ر جنوری سوموار مولینا سے اشاعت الحق کے لئے ایک انٹرویو بھی لیا گیا۔

یہ وفد مختصر قیام میں یاری پورہ اور صوفی پورہ نہیں جا سکا۔ وہاں سے چند دوست سرینگر آئے۔ باقی دوست وفد کے ان کے ہاں نہ آنے پر ناراض تھے۔

انگلستانی وفد یکم فروری ۱۹۷۷ء۔ انگلستانی وفد زیرِ قیادت مولینا طفیل صاحب کشمیر آیا۔ ۲ر فروری یہ وفد مزار مسیح ناصریؑ وغیرہ مقامات دیکھنے کے لئے گیا۔ ۴ر فروری بروز جمعہ وفد کے تینوں ارکان جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر تشریف لے آئے۔ فرانسیسی نومسلمہ کو دیکھنے کے لئے کئی غیر احمدی بھائی بھی مسجد میں آئے تھے۔ بعض احباب مبلغ انگلستان کی تقریر سننے کے لئے آئے تھے۔ اس لئے خطبہ مولینا طفیل صاحب نے دیا اور نماز بھی آپ نے ہی پڑھائی۔ خطبہ جمعہ میں آپ نے قوم کو گراں بہا نصائح سے مستفید فرمایا۔

۵ر فروری بروز ہفتہ علی الصباح یہ وفد بطرف یاری پورہ روانہ ہوا سرینگر سے اس کے ساتھ محترم ڈاکٹر، خورشید عالم خان، محترم بابو عبدالحی صاحب (آف بھدرواہ) محترم فاروق احمد بٹ اور خاکسار راقم گئے۔ احباب یاری پورہ نے مہمانوں کا استقبال چوک میں کیا۔ اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ پھر جلوس کی صورت میں قیام گاہ پر لایا گیا۔ قیام و طعام کا انتظام ملک غلام حسن صاحب کے دولت خانہ پر کیا گیا تھا۔ اور توقع سے زیادہ اچھا اور قابلِ تعریف کیا گیا تھا۔ اسی روز شام کے وقت جامع احمدیہ قلمدان پورہ میں ایک اجتماع ہوا۔ جس میں احبابِ جماعت کے علاوہ قادیانی اہلِ حدیث اور حنفی سب شریک ہوئے۔ مکرم محمد منوّر کی تلاوت کے بعد محترم تاثیر صاحب نے مختصر تعارفی تقریر کی۔ اس کے بعد مولینا محمد طفیل صاحب نے پُر خلوص اور تصنّع سے پاک و صاف تقریر میں اپنے تبلیغی تجارب **تربیت و تنظیم جماعت کے گر، اور خلوص، ایثار، صبر، شکر، عفو و کرم، عیب پوشی، مہر و محبت وغیرہ داعیانہ صفات** پر روشنی ڈالی۔ اور حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب۔ حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب، اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی قائم کردہ قابل تقلید روایاتِ حسنہ سے متعارف کیا۔ راقم نے نومسلمہ سے ایک مختصر انٹرویو لیا اور ساتھ ساتھ اس ساری گفتگو کا ترجمہ بھی حاضرین کو سنایا۔

۶ر فروری ۱۹۷۷ء بعد نماز ظہر جلسۂ عام ہوا۔ اعلان لاوڈ سپیکر پر کیا گیا تھا۔ اعیانِ علاقہ کو دستی دعوت ناموں کے ذریعہ بلایا گیا۔ تائید ایزدی شاملِ حال رہی۔ اور دھوپ اس قدر تیز تھی کہ مسجد کے صحن میں جلسہ منعقد ہوا۔ صوفی پورہ اور یاری پورہ کے احباب جماعت کے علاوہ قادیانی، اہلحدیث، حنفی، جماعتِ اسلامی اور ہندو بھی تھے۔ مکرم محمد منوّر کی تلاوت قرآن کریم بابو عبدالحی صاحب کی نعت خوانی کے بعد معزز مہمانوں کی خدمت میں محترم تاثیر صاحب نے سپاسنامہ (اردو میں) پیش کیا۔ اس کے بعد مکرم بشارت احمد صاحب نے نعت پڑھی اور راقم نے "رسول کریمؐ کی وصیّت" کے عنوان سے کشمیری میں تقریر کی۔ سورہ انعام کی آیات (۱۵۱ تا ۱۵۳) تلاوت کر کے راقم نے حاضرین کو بتا دیا کہ ان آیات کو سن کر عرب شاعر مفروق نے حضورؐ کے سامنے اعتراف کیا کہ ان میں مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔ صحابہ رضؓ ان آیات کو حضورؐ کی نصیحت اور ایسی وصیّت کہتے تھے جس پر حضورؐ کی مہر لگی ہے۔ اس کے بعد راقم نے کہا کہ ان میں اسلام کی روح ہے۔ یہی اسلام کی اصل تعلیم ہے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ یہ کسی خاص وضع کے لباس یا ریش و دستار کا نام نہیں ہے۔ اسلام در اصل نیک بننے اور نیکی پھیلانے کی ایک عالمگیر تحریک ہے۔ نفرت، حقارت، جہالت، نخوت یا کسی قسم کے تعصّب کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اس کے برعکس اسلام سراسر رحمت ہے۔ داعی اسلام سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ احادیث صحیحہ پیش کر کے واضح کیا گیا کہ حضورؐ حیوانوں اور درختوں کے لئے بھی سراپا رحمت تھے۔ مسلمان کو اسی سوۂ حسنہ کی تقلید کرنی چاہیئے اور سب کے لئے رحمت بننا چاہیئے۔ اسلام کا مقصد نوعِ انسانی کی شیرازہ بندی ہے اور احمدیت اسی اصل اسلام کو زندہ کرنے کے لئے ایک ربانی تحریک ہے۔ نومسلم فرانسیسی خاتون عائشہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا۔ کجا فرانس اور کجا یاری پورہ۔ لیکن احمدی مبلّغین کی کاوشوں سے فرانس کی ایک خاتون یاری پورہ کی خواتین کے دوش بدوش یہاں نماز پڑھتی ہے۔ راقم کے بعد محترم ڈاکٹر خورشید صاحب نے کشمیری میں "حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی بعثت کا مقصد" عنوان کے تحت ایک بصیرت افروز تقریر کی۔ آپ نے حضرت شیخ جیلانی رحؒ کے مشہور مکاشفہ احیاءِ اسلام اور حضرت مرزا صاحب کی بعض پیشگوئیوں کا ذکر کر کے حاضرین پر واضح کیا کہ احمدیت عین اسلام ہے۔ خدمتِ اسلام کی تحریک ہے اور استحکامِ ملّت کی ضامن ہے۔ ان کے بعد مولنا محمد طفیل صاحب دام ظلہٗ نے "یورپ و امریکہ میں احمدیت کا مستقبل" عنوان پر ایک بصیرت افروز، روح پرور اور ولولہ انگیز تقریر اردو میں کی۔ سامعین کافی

متاثر ہوئے۔ آپ نے ہالینڈ۔ انگلینڈ۔ جنوبی امریکہ۔ ٹرینیڈاڈ۔ انڈونیشیا۔ وغیرہ ممالک میں احمدیت کی ترقی پر روشنی ڈالی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے گذشتہ دورہ اور محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے حالیہ تبلیغی دوروں کا ذکر بھی کیا۔

عزیزہ انیسہ طفیل اور محترمہ عائشہ (نو مسلمہ) سے آپ نے سٹیج پر ہی سوالات پوچھے۔ جن کے جواب دونوں نے خوش اسلوبی سے دیئے۔ راقم اس فیچر کا کشمیری ترجمہ ساتھ ساتھ حاضرین کے گوش گذار کرتا جاتا تھا۔

آخر پر محترم تاثیر صاحب کی دُعا و شکریہ پر جلسہ ختم ہُوا اور جلسہ گاہ میں ہی نمازِ عصر محترم طفیل صاحب نے پڑھائی۔ جلسہ میں حاضرین کی تعداد توقع سے زیادہ تھی اور مہمان خواتین کے دائیں بائیں چند کشمیری خواتین بھی نماز اور جلسہ میں شامل تھیں۔ بعد جلسہ معزز مہمان ایک جلوس کی صورت میں قیام گاہ پر لائے گئے۔

جلسہ میں کی گئی ساری تقریریں اور خواتین سے انگریزی میں بات چیت ٹیپ ریکارڈ کی گئیں۔

اسی روز شام کے وقت نو مسلمہ خاتون سے مجلہ اشاعت الحق کے لئے بھی ایک انٹرویو لیا گیا۔

بیعت کا اعلان } اس موقعہ پر چار بیعتیں بھی ہوئیں۔ (۱) مکرم فاروق احمد صاحب بٹ۔ جو سرینگر سے ہمارے ہمراہ یاری پورہ آئے تھے۔ (۲) مکرم محمد حیدر صاحب (بی اے) ساکن کاٹھپورہ متصل یاری پورہ۔ ان کے علاوہ (۳) مکرم ماسٹر محمد عبداللہ (بی اے بی ٹی) احمدی کے فرزند جو اننت ناگ کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ (۴) مکرم محمد منور صاحب احمدی کے فرزند جو کالج میں زیرِ تعلیم ہیں۔

اسی روز بعد نماز مغرب مسجد میں ایک اجتماع ہُوا۔ بعد نماز مغرب مولنا محمد طفیل صاحب نے بعض دوستوں کے سوالوں کے جواب دیئے۔

قادیانی افواہ } یاری پورہ میں دو قادیانی مبلغ متعین ہیں۔ دونوں قادیان سے مولوی فاضل کر کے آئے ہیں۔ قرب و جوار کے گاؤں میں کئی ایک اور مبلغ بھی کام کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر اُنہوں نے یہ افواہ پھیلانی شروع کی کہ "مولوی محمد علی کو حلف اُٹھا کر اپنے پرانے عقائد بیان کرکے پچاس ہزار روپیہ کا نقد انعام پانے کی پیشکش کی گئی تھی۔ لیکن انہیں یہ قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔" اس کے ثبوت میں ربوہ کا رسالہ "الفرقان" کا ایک شمارہ پیش کیا جاتا رہا۔ ہمارے محترم دوست ماسٹر محمد عبداللہ صاحب نے جب ہمیں اس کی اطلاع دی تو ہم نے کہا کہ ہم یہ مطالبہ صرف پانچ سو روپیہ پر پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ حلف بھی اُٹھائیں گے کہ میاں محمود احمد صاحب غلطی پر تھے۔ کیا کوئی قادیانی دوست تیار ہے؟ کوئی تیار تو ہُوا نہیں۔ پھر محترم ڈاکٹر صاحب اور مولانا محمد طفیل صاحب نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی۔

بتاریخ ۷ر فروری ۱۹۷۷ء معزز مہمان یاری پورہ سے بعد نماز ظہر و عصر (جو جمع کی گئی تھیں) بطرف سرینگر روانہ ہوئے۔ اسلام آباد میں انہیں اچھہ بل اور ناگر بل دیکھنے کا بھی موقعہ ملا۔ شام کو یہ وفد بخیر و عافیت سری نگر پہنچا۔

افریقی وفد } بتاریخ ۲ر فروری افریقہ (کیپ ٹاؤن) سے ہماری جماعت کے رکن محترم ڈاکٹر علی جہتا حین صاحب تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ جماعت کے دو زیرِ تبلیغ نوجوان طالب علم بھی تھے۔ ۱۲ر فروری شام کے وقت یہ وفد مولانا محمد طفیل صاحب کی ملاقات کے لئے انکی قیام گاہ پر آیا۔ اور دوسرے روز ۱۳ر فروری کو دہلی روانہ ہو گیا۔

انگلستانی وفد کی روانگی } محترمہ عائشہ ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کرنا چاہتی ہیں۔ اور ان کی خواہش تھی کہ ہماری جماعت کے کوئی دوست ان کا ساتھ دیں۔ اس غرض کے لئے مکرم محمد یوسف صاحب خانیاری (بی اے) ملازم محکمہ سیر و سیاحت کو ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار کیا گیا۔ کلکتہ میں یہ ہمارے دوست مکرم حفیظ اللہ صاحب قریشی، مکرم شیخ غلام نبی اور مکرم بشیر احمد صاحب سے بھی ملیں گے۔ ان کا پتہ بھی لکھوا دیا گیا۔ ان کے ساتھ محترم مولانا محمد طفیل صاحب اور عزیزہ انیسہ بھی امرتسر تک جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو منزلِ مقصود پر بخیر و عافیت پہنچائے اور ہم سب دوستوں کو بار بار ملنے کے سامان پیدا کرے آمین۔

---

(۲) دو اہم تقریبوں کا اعلان

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے دو تقریبوں کا اہتمام کیا جا رہا ہے، پہلی تقریب استقبالیہ جزائر فجی میں جماعت کے مایۂ ناز مبلغ محترم حافظ شیر محمد صاحب خوشابی جو ان دِنوں پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں، کے اعزاز میں ہو رہی ہے جس میں محترم حافظ صاحب بیرون مُلک خصوصاً جزائر فجی میں جماعتی سرگرمیوں کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں گے ——

—— دوسری تقریب عید میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں منعقد کی جا رہی ہے جس میں مقررین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کریں گے۔ ہر تقریب کے آخر میں حاضرین کی تواضع پُرتکلف چائے سے کی جائے گی۔

پروگرام استقبالیہ باعزاز جناب حافظ شیر محمد صاحب خوشابی
مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۷۷ء، بعد از نماز جمعہ بمقام جامع مسجد دارالسلام۔

عید میلاد النبیؐ صلعم

مورخہ ۴ر مارچ ۱۹۷۷ء۔ بعد از نماز جمعہ بمقام جامع مسجد دارالسلام۔

جملہ احباب سے

گذارش ہے کہ وہ ہر دو تقریبات میں اہل و عیال اور احباب کے ہمراہ ضرور شرکت فرمائیں۔ والسلام

خاکسار۔ متمنی شرکت:
سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

ضروری تصحیح

پیغامِ صلح "جلسہ سالانہ نمبر" مورخہ ۸/۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کے صفحہ نمبر ۲۱ پر اخبار احمدیہ میں جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی صاحبزادی اسماء حمید آرکیٹیکٹ کی شادی خانہ آبادی ہمراہ سید پرویز رضا چشتی آرکیٹیکٹ کے اعلان میں غلطی سے چشتی کی بجائے ہاشمی لکھا گیا، اس کی اصلاح فرما لی جائے۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح
خود پڑھنے کے بعد اپنے دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

برلن مسجد کے پچاس (۵۰) سال

ترجمہ مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔

نوٹ: ایک جرمن نومسلم محمد عبداللہ جونلٹ نے عنوان بالا سے جرمن زبان میں ایک مقالہ لکھا ہے جو جرمن ریڈیو سے بھی نشر ہوا ہے اور وہاں کے اخبارات میں بھی اس کی اشاعت ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ نوائے وقت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس مضمون کا ترجمہ اردو زبان میں محترم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے جو جرمن زبان پر عبور رکھتے ہیں کیا ہے۔ قارئین پیغام صلح کی دلچسپی اور غور کے لئے اسے ہم ان کی خدمت میں من وعن پیش کر رہے ہیں۔ نہایت ہی قابل غور بات یہ ہے کہ جہاں اس مسجد کی تاریخ کارکردگی اور شاندار خدمات کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا وہاں اس کے بانی اور مالک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ذکر مناسب نہیں سمجھا گیا۔ جس مسجد کی تعمیر پر انجمن کا ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ خرچ ہوا اور جماعت کی خواتین نے ۱۹۲۳ء میں حضرت امیر مرحوم کی اپیل پر ... جلسہ میں اپنے زیور اتار کر مسجد کے نامکمل میناروں کی تعمیر اور زیب و زینت کے لئے آپ کے قدموں میں ڈال دیئے۔ مضمون میں اس کا ذکر تک نہ ہونا ایک فکر انگیز امر ہے۔ وہاں بطور امام خدمات انجام دینے والی بزرگ ہستیوں حضرت مولانا صدرالدین صاحب (موجودہ امیر قوم) ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور اور ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کا تعارفی ذکر تو موجود ہے لیکن اس بات کو پردۂ اخفا میں رکھنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ یہ سب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے علماء، مبلغین اور معزز اراکین تھے۔ یہ مقالہ اگر وہاں کے موجودہ امام محمد یحیٰی بٹ صاحب کی نظر سے گذرا ہے تو یہ وہی بتا سکیں گے کہ ایسا کرنے میں کونسی مصلحت کار فرما تھی یا سہواً ایسا ہوا ہے۔ انجمن اب تک اس کے اخراجات برداشت کر رہی ہے۔

مترجم نے بہرحال خطوط میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اصلی تحریر میں اس کا ذکر نہ ہونا قابل افسوس بھی ہے اور قابل غور بھی۔ خط کشیدہ الفاظ کو بین السطور پڑھنے کی ضرورت ہے) (ادارہ)

سال ۱۹۷۶ء جرمنی میں اسلام کے لئے ایک خوشی کا سال ہے کیونکہ برلن مسجد واقع ۸ — ۷ برائینر سٹریٹ چوک ولہلمز ڈورف اپنی پچاسویں سالگرہ منا رہی ہے۔ یہ مسجد جرمن سرزمین پر سب سے قدیم خانۂ خدا ہے۔ شاہ فریڈرک ولہلم اول (۴۰ — ۱۷۱۳) نے بلاشبہ اپنے دور حکومت میں ایک اسلامی عبادت گاہ مسلمان گارڈز کے لئے بنوائی تھی لیکن جرمنی میں باقاعدہ اسلامی زندگی کا آغاز صرف ۱۹۲۲ء سے ہوا (جبکہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جو مسلمانوں کی تبلیغی جماعت ہے اور اس کا صدر مقام لاہور (سابق انڈیا ہے) نے یورپ کے مرکز میں جرمنی کے صدر مقام برلن میں ایک اسلامی مرکز قائم کیا تاکہ یہاں سے باقی تمام یورپ میں اسلام کی تبلیغ ہو سکے۔

اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۲۶ء میں ہوا اور اس کے پہلے امام جناب مولانا صدرالدین صاحب تھے جو کہ مشہور عالم دین اور مبلغ اسلام ہیں (اور آج کل امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ پاکستان ہیں)

یہ مسجد مشہور جرمن ماہر تعمیرات مسٹر ہرمن (HERMANN) کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ بلاشبہ یہ عمارت جرمنی میں اپنی نوعیت کی واحد INDO ISLAMIC تعمیر ہے اور تاریخی اہمیت کی مالک ہے۔

جرمن مشن اور برلن مسجد کے دفتری ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہزار پانچسو (۱۵۰۰) مسلمان اس مشن سے وابستہ تھے اور ان افراد میں سے بعض بہت اونچی شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ ان میں کئی پروفیسر، ڈاکٹر، فلاسفر اور تجار شامل تھے۔ ان لوگوں کا دائرۂ عمل اس وقت تمام جرمنی میں پھیلا ہوا تھا (لیکن آج کل ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جاتا کہ وہ کہاں ہیں۔ ناقل)

۱۹۳۹ء میں جب مستقل امام الحاج ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب (دوسری جنگ عظیم) کے دوران کچھ عرصہ کے لئے لندن تبدیل ہو گئے تو برلن کا اسلامی مرکز مرحوم مفتی اعظم جناب محمد امین الحسینی کی رہائشگاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا (مفتی صاحب کچھ عرصہ کے لئے جنگ کے دنوں میں پناہ گزین تھے) لیکن جب سابق جرمنی کا پرانا دار الخلافہ برلن بھی جنگ کی لپیٹ میں آگیا اور نازی جرمنی کی ایک ایس ایس (SS) بٹالین نے مسجد اور اس کے ارد گرد کے علاقہ کو دشمن کے خلاف ایک مورچہ بنا لیا تو یہ خانۂ خدا بھی نقصان سے نہ بچ سکا اور لڑائی کے دوران میں اس تاریخی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ اس کے مینار اور ملحقہ عمارات بموں اور گرنیڈوں سے شکستہ ہو گئیں۔ مسجد کی چھت اور دیواروں کو بھی بہت نقصان پہنچا۔

مسجد کے پریس میں ۱۹۳۹ء تک نہایت قیمتی اسلامی لٹریچر جرمن زبان میں شائع ہوتا رہا۔ یہ لٹریچر آج تک برلن کی "آزاد یونیورسٹی" اور واشنگٹن کی نیشنل لائبریری میں دستیاب ہے۔ اس لٹریچر میں "جرمن مسلم ریویو" کو خاص فوقیت حاصل تھی۔ یہ رسالہ جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب مرحوم امام برلن مسجد کی زیر ادارت نکلتا تھا اور دینی اور ادبی حلقوں میں اپنا مقام رکھتا تھا۔

ایک خاص قابل ذکر امر یہ ہے کہ ۱۹۳۸ء میں مولانا صدرالدین صاحب بانی جرمن مسلم مشن نے پہلی مرتبہ قرآن پاک کا جرمن ترجمہ شائع کیا۔ اس جگہ دو اور علماء کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے برلن مسجد اور مشن کی خدمت کے علاوہ قرآن پاک کو جرمن زبان میں شائع کرنے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان دونوں پروفیسروں الحاج پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ مرحوم اور ڈاکٹر پروفیسر نظیر الاسلام کے متعلق جرمن ترجمہ قرآن پاک کے تعارفی نوٹ میں ذکر موجود ہے۔ ان لوگوں نے برلن مسجد اور اسلامی مشن کی خدمت کے علاوہ اس دور کی جرمن مسلم سوسائٹی کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

مولانا صدرالدین صاحب (موجودہ امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) نے قرآن پاک کے ترجمہ کے ساتھ ایک مفید تمہیدی نوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے جو جرمن اور دیگر عیسائی لوگوں کے لئے خصوصاً بہت مفید ہے۔ مولانا موصوف نے ۱۹۳۸ء میں اپنے نوٹ میں لکھا تھا کہ "جرمنی میں ہمیں اسلام کے لئے ایک درخشاں مستقبل دکھائی دیتا ہے"۔

اس اسلامی مرکز کی بدولت اور ان دینی رہنماؤں کی محنت سے اس وقت کی جرمن مسلم سوسائٹی بہت سی خوبیوں کی حامل ہو گئی۔ ان علماء کے خطبات اور لیکچر برلن کی سماجی، ادبی اور دینی زندگی پر بھی روشنی ڈالتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے فوراً بعد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے جناب محمد امان ہوبہم (پہلے جرمن نژاد مسلم) کو برلن مسجد کا امام اور مشن کا انچارج مقرر کیا۔ (انجمن مذکورہ نے اس مشکل دور میں بھی امام محمد امان ہوبہم کو ہر طرح کی مالی اور دینی مدد پہنچائی تاکہ وہ حتی المقدور اس خانۂ خدا کی خدمت کر سکیں۔ انجمن کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد امان ہوبہم نے ان مشکلات میں نہایت اعلیٰ اسلامی خدمات سر انجام دیں اور مسجد اور اسلامی مرکز کو ہر وقت تباہی سے بچایا۔

۱۹۵۴ء تک مسٹر محمد امان ہوبہم نے نہایت جانفشانی اور کاوش سے بکھرے جرمن مسلمانوں کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی اور مسجد کو پھر اسلام کا مرکز بنانے کے لئے جرمنی کے اندر اور باہر دَورے کئے مگر مالی مشکلات نے ان کا راستہ روکے رکھا۔ انجمن پھر جنگ کے دوران مشکلات کا شکار تھی اور اس کے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ باوجود ان مشکلات کے انجمن جو اس مسجد اور مشن کی بانی ہے۔ مسجد کی ضروری مرمّت اور دیگر اخراجات کے لئے فنڈز بھیجتی رہی۔ اس عرصہ میں برلن کے ارباب حکومت نے ادھر توجّہ کی اور مسجد کی مرمت کے لئے کچھ مالی امداد عنایت کی لیکن یہ رقم بالکل ناکافی تھی اس لئے مرمّت کا اصلی کام باقی رہ گیا۔

جب ۱۹۷۴ء کے موسم سرما میں شدید برف باری اور بارشوں نے مسجد کی چھت اور دیواروں کو سخت نقصان پہنچایا اور پانی مسجد کے اندر آنے لگا تو اس سے مسجد کے قالین بھی برباد ہو گئے۔ اس وقت ان حالات میں جناب محمد یحیٰی بٹ صاحب نے (جنہیں انجمن مذکور نے لندن سے بطور امام برلن تبدیل کیا تھا) اپنے برلن کے مسلمان بھائیوں سے کہ مسجد کو بچانے کا کچھ نہ کچھ انتظام کرنا ضروری ہے اور انہیں مزید بتایا کہ چونکہ وہ لوگ اس مسجد اور مشن کے ابتدائی ممبر ہیں اس لئے یہ انہی کا فرض ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی کوشش سے برلن کی سینٹ نے لاٹری فنڈ میں سے اس تاریخی عمارت کے لئے ایک معقول رقم کی منظوری کر دی اور اس طرح اس قیمتی اسلامی مرکز اور اس کی تاریخی مسجد تباہی سے بچا لیا گیا۔

برلن سینٹ نے "تاریخی عمارات کے تحفّظ فنڈ" سے -/۲۱۵۰۰۰ (دو لاکھ پندرہ ہزار) مارک پبلک لاٹری فنڈ سے برلن مسلم سوسائٹی کو دیئے۔ امام مسجد جناب یحیٰی صاحب نے ایک ماہر تعمیرات مسٹر وولف گونگ نوآک کو مسجد کی مرمّت کا کام سپرد کیا۔ انجنیئر کے تخمینہ کے مطابق کم از کم آٹھ لاکھ مارک (-/۸۰۰۰۰۰) درکار ہوں گے جس سے مسجد کے میناروں اور دیگر عمارت کو اس کی اصلی حالت پر لایا جا سکے گا۔ سینٹ نے وعدہ کیا کہ آئندہ بھی اپنے مخصوص فنڈ سے مدد کرے گی لیکن یہ کام اسقدر بڑا ہے کہ جب تک مشرق وسطیٰ کی سلطنتیں جن کے پاس تیل کی دولت ہے مدد نہ کریں یہ کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں امام محمد یحیٰی بٹ صاحب نے فیصلہ کیا کہ مسجد کی پچاس سالہ جوبلی کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے کیونکہ مسجد کی مرمّت کا کام زیادہ ضروری ہے۔ غالباً ۱۹۷۸ء کے اوائل میں جوبلی منانے کا باقاعدہ انتظام کیا جائے گا۔

آج کل یہ مشہور مسجد اسلام۔ عیسائیت اور یہودی مذہب کے لئے ایک مباحثہ ہاؤس کا کام دیتی ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی بھی اپنے تہوار مناتے ہیں۔ اس طرح بغیر کسی تعصّب کے مختلف قوموں کو ایک دوسرے کے نظریات سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور عالمی امن کے لئے فضا استوار ہوتی ہے۔ جناب یحیٰی صاحب خود بھی "یورپین اسلامی ورلڈ کانگریس" کے ممبر ہیں۔

برلن کے عیسائی بھائیوں کے لئے مسجد میں پچاس نشستیں مخصوص کی گئی ہیں تاکہ وہ بھی جمعہ اور دیگر تہواروں میں شامل ہو سکیں۔ امام یحیٰی بٹ صاحب کے خیال میں ایسے اجتماعات سے بہت اچھے نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس فنڈ کی سخت کمی ہے (کیا اجتماعات میں شامل ہونے والے عیسائی۔ یہودی اور دیگر مسلمان ان فنڈز کے متحمل نہیں ہو سکتے؟ ناقل)۔ بٹ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عرب اور اسرائیل کا سیاسی سمجھوتہ ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مذہبی طور پر عیسائی۔ یہودی اور مسلمان اکٹھے نہ ہو سکیں۔ سیاسی سمجھوتہ اور چیز ہے لیکن مذہبی نظریات پر سمجھوتہ اور شئے ہے جسے مداہنت کہا جاتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں یہ آیا ہے ودوالو تدهن فیدهنون۔ ناقل)

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح اسلام کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات پیدا کئے گئے ہیں وہ دُور ہو سکتے ہیں (اس کے پیچھے کوئی سیاسی غرض کار فرما ہو تو یہ کم ہونے کی بجائے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک طرف مشرق وسطیٰ کی مسلمان سلطنتوں سے مسجد کے لئے امداد کی توقع کی جاتی ہے اور دوسری طرف یہودیوں اور عیسائیوں سے تعلقات استوار کرنے کی ٹھانی جاتی ہے۔ یہ قطبین کو یکجا کرنے کی سعی ناکام ہے۔ ناقل)۔

ان باہمی اجتماعات کی بدولت ایک اچھی چیز ظاہر ہوئی ہے کہ برلن کے سکولوں میں اسلامی تہواروں کو بھی کیلنڈر میں جگہ دی گئی ہے۔

یہ مسجد اب بھی دنیا کے مختلف زائرین۔ یونیورسٹی کے طلبا۔ سکولوں کے بچوں اور نوجوانوں کی دوسری انجمنوں کے لئے قابلِ دید ہے۔ باوجودیکہ جرمنی دو حصوں میں بٹ چکی ہے۔ لیکن مشرقی حصّہ کے لوگ بھی حتی الوسع مسجد کو دیکھنے آتے ہیں۔ خاص کر اس حصّہ میں بسنے والے مسلمان کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مذہبی مرکز کو دیکھیں۔

آج کل جرمنی میں بہت سی اور مساجد بھی بن چکی ہیں۔ مثلاً میونخ آخن۔ ہیمبرگ۔ جن کے میناروں سے "اللہ اکبر" کی صدا گونجتی ہے۔ ایسے تقریباً سو عبادت خانے جرمنی میں موجود ہیں جن میں لاکھوں مسلمان اپنی ذہنی اور روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں لیکن ان تمام اداروں کے باوجود "برلن مسجد" کا وجود ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور برلن مسجد مشرق اور مغرب کو روحانی اقدار کے لحاظ سے یکجا کرنے کا اپنا مشن پورا کر رہی ہے۔

جناب فخرالدین علی احمد صاحب مرحوم صدر جمہوریہ بھارت

بھارت کے صدر جناب فخرالدین علی احمد صاحب ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء کو دل کا شدید دَورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے۔ آپ ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء میں بمقام دِلّی پیدا ہوئے۔ اپنی اعلےٰ تعلیم کے سلسلے میں آپ کیمبرج بھی گئے۔ ان ایّام میں آپ ووکنگ مسجد میں بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ مجھ سے ان کی ملاقات ۱۹۶۲ء میں ملیشیا کی ایک تقریب میں ہوئی۔ جب کہ ہم لوگ جناب تنکو عبدالرحمٰن وزیر اعظم کی دعوت پر وہاں گئے تھے۔ ایک ہفتہ تک مختلف قسم کی دعوتیں اور جلسے وہاں ہوتے رہے اور مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ مرحوم خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مدّاحوں میں سے تھے اور ووکنگ مسلم مشن کے کاموں کی قدر کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقعہ پر انہوں نے وزیر اعظم ملیشیا سے میری موجودگی میں کہا کہ وہ ووکنگ مشن کی کچھ مالی امداد فرمائیں ایک اور صاحب کی بے موقع مداخلت سے وہ بات آگے نہ چلی۔

ذاتی طور پر بہت شریف النفس انسان تھے۔ تمام عمر سیاست میں ایک مخلص اور انتھک کارکُن کا رول ادا کیا۔ ادب سے بھی بہت لگاؤ تھا اللہ تعالےٰ مرحوم پر سفرِ آخرت کی منزلیں آسان فرمائے۔ (الحاج شیخ محمد طفیل)

مکرم حافظ شیر محمد صاحب کی مراجعت وطن

سلسلہ کے قابل قدر اور سراپا ایثار مبلّغ جناب مولنا حافظ شیر محمد صاحب خوشابی ۷ فروری ۱۹۷۷ء کو پاکستان واپس تشریف لے آئے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ کی صحت اچھی ہے۔ آپ کچھ عرصہ یہاں قیام فرمائیں گے۔

مکرم جناب میاں اللہ بخش صاحب کی وفات پر
تعزیتی جلسے اور قراردادیں

جماعت راولپنڈی کی تعزیتی قرارداد

آج مورخہ ۱۱/۲/۷۷ کو مسجد مبارک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور شاخ راولپنڈی میں بعد از نماز جمعہ محترم میاں شریف احمد صاحب کی زیر صدارت ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔

یہ اجلاس محترم میاں اللہ بخش صاحب ملز اونر لائل پور کی ناگہانی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بھائی کو اپنے جوار رحمت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ان کے اعزہ و اقارب کو یہ نقصان عظیم برداشت کرنے اور صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ اجلاس ان کی بیگم صاحبہ، صاحبزادیوں اور ان کے بھائیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان کے لئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور ان کو میاں صاحب مرحوم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محترم میاں صاحب مرحوم بڑے صاف گو تھے۔ اور انہوں نے احمدیت کا ہمیشہ گرمجوشی سے ساتھ دیا۔ سلسلہ کے ساتھ انہیں والہانہ عقیدت تھی۔ حضرت صاحب کی کتابوں پر بھی عبور تھا۔ ان کی زندگی اخلاص سے معمور تھی وہ خدمتِ دین کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔ وہ انجمن کے ایک سرکردہ رُکن کی حیثیت سے ہمیشہ اس کی تقویت کا موجب رہے۔ ان کی وفات انجمن اور جماعت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہے۔

قرار پایا کہ اس کی نقول بیگم صاحبہ میاں اللہ بخش مرحوم۔ میاں ظہور احمد صاحب میاں فضل احمد صاحب۔ میاں حمید احمد صاحب اور ایڈیٹر پیغام صلح کو برائے اشاعت بھیجی جائیں۔

خاکسار۔ خواجہ محمد نصیر اللہ۔ آنریری سیکرٹری
ملت کالونی مسجد مبارک راولپنڈی

یو۔کے جماعت کی طرف پیغامِ تعزیت

شاہد عزیز صاحب جناب میاں اللہ بخش صاحب کی وفات پر یو۔کے جماعت کی طرف سے سینئر نائب صدر صاحب کی معرفت مرکزی انجمن کے نام اپنے پیغامِ تعزیت میں لکھتے ہیں:۔

"ہمیں جناب میاں اللہ بخش صاحب کی وفات حسرت آیات کا علم ہماری رُکن جماعت محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کے ذریعہ ہوا۔ ہمیں یہ سن کر دلی صدمہ ہوا ہے کہ تحریک احمدیت اپنے ایک مخلص اور بے لوث رُکن سے محروم ہوگئی ہے۔ ہم آپ کے اہل خاندان کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یقین ہے کہ جناب میاں صاحب مرحوم ایک ادنےٰ مقام سے اعلےٰ مقام کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ وہاں آپ پر اپنے افضال کی بارش کرے اور آپ کی رُوح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

ہم سب اسی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

شاہد عزیز
سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو۔کے

جماعتہائے پشاور اور مضافات کی قرارداد تعزیت

مورخہ ۱۱/۲/۷۷ کو ایک تعزیتی اجلاس زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت پشاور منعقد ہوا۔

جس میں احباب جماعت پشاور چارسدہ۔ سفید ڈھیری۔ بازید خیل اور شیخ محمدی بشمول عطاء الرحمٰن شریک ہوئے۔ جناب میاں فاروق احمد شیخ کے حوالہ سے عطاء الرحمٰن نے خبر سنائی کہ جناب شیخ میاں اللہ بخش صاحب وفات پا گئے ہیں۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

ہم سب احباب کو نہایت گہرا رنج اور صدمہ ہوا۔ جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ حضرت قبلہ میاں صاحب مرحوم جماعت کے ایک مضبوط ستون تھے جماعت کے استحکام کے لئے ان کی قربانیاں قابل قدر تھیں۔ افسوس جماعت کے اتحاد کا یہ پیکر ہم سے جُدا ہو کر مولائے حقیقی کا وصال حاصل کر چکا ہے۔ ثم انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ ہم ان کی وفات کو جماعت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان سمجھتے ہیں۔ آپ اپنے والد مرحوم و مغفور کے پورے دس سال بعد ان سے جا ملے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ہم سب نہایت گہرے رنج و غم اور صدمہ کے ساتھ مرحوم کے بھائیوں (۱) جناب میاں فضل احمد صاحب (۲) جناب میاں ظہور احمد صاحب (۳) جناب میاں رشید احمد صاحب مسرّت (۴) جناب میاں حمید احمد صاحب اور دیگر لواحقین کے اس عظیم صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ سوگوار خاندان کے سب افراد کو صبر جمیل عطا کرے۔

قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی ایک ایک کاپی ان کے بھائیوں کو بھیج دی جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ ہمارا یہ تعزیت کا پیغام خاندان کے سوگوار افراد کو پہنچایا جائے۔

ایک کاپی برائے اشاعت اخبار پیغام صلح کو بھیجی جائے۔

شریکِ غم۔ محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری جماعت پشاور

اخبار احمدیہ

—— حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت بفضل خدا اچھی ہے اور احمدیہ بلڈنگس میں آپ جُمعہ کی نماز کے علاوہ بھی کسی نہ کسی نماز میں شمولیت فرماتے ہیں۔ احباب حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت و سلامتی اور کام والی زندگی کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔

—— دارالسلام میں شام کی نماز کے بعد مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ درس کے بعد مرزا محمد لطیف صاحب حضرت صاحب کی کتاب البلاغ کا ترجمہ پڑھ کر سناتے ہیں۔ صبح شام اور عشاء کی نمازوں میں خواتین اور احباب بکثرت شریک ہوتے ہیں۔ مکرم ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن سننے کے لئے دوست ماڈل ٹاؤن۔ گارڈن ٹاؤن اور احمد پارک سے تشریف لاتے ہیں۔

احباب جماعت دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ محترم ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں برکت دے اور ان کا یہ فیض تا دیر جاری رہے۔

—— مکرم و محترم جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری بدستور علیل ہیں۔ کمزور زیادہ ہو گئے ہیں۔ احباب سلسلہ احمدیہ کے اس قیمتی وجود کی شفایابی کے لئے اپنی دعاؤں کو جاری رکھیں۔

جماعت راولپنڈی کی تبلیغی کارگذاری

مکرم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے سال گذشتہ (۱۹۷۶ء) میں ۹۲۰ افراد کو مختلف شہروں میں فری لٹریچر کی ۱۴۵۹ کاپیاں بذریعہ بک پوسٹ روانہ کی تھیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خواجہ صاحب کی تبلیغی جد و جہد میں برکت ڈالے۔ اور اس محنت کا انہیں بہتر اور شیریں ثمرہ عطا فرمائے۔ (مفصل آئندہ)

آپ کی رائے

(۱) جناب خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب راولپنڈی سے پیغام صلح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:—
پیغام صلح کا چندہ چھ روپے سے بڑھا کر پندرہ روپے سالانہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں مضامین چھ روپے کے بھی نہیں ہوتے جماعت کی تاریخ میں ایسا پھسپھسا اخبار کبھی شائع نہیں ہوا۔ جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔"

پسند اپنی اپنی مزاج اپنا اپنا

(۲) ڈاکٹر سیّد عبدالجبار شاہ صاحب کراچی سے رقمطراز ہیں:—
"ہفت روزہ پیغام صلح مؤرخہ ۳ر نومبر ۱۹۷۶ء کا پرچہ میرے ایک دوست کے پاس میری نظر سے گذرا۔ جس میں محمد علی باکسر کے متعلق جو مضمون چھپا ہے۔ اس سے میں بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ اور مجھے توقع ہے کہ اس مضمون سے بہت ہی مفید اور اچھے اثرات مرتب ہوں گے"

نظر اپنی اپنی خیال اپنا اپنا

(۳) مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات سے مدیر پیغام صلح کے نام یوں لکھتے ہیں۔ کہ:—
"آپ کے آنے سے اخبار میں تبدیلی ہوئی یہ محض آپ کی محنت کاوش خلوص نیت اور شوق کا نتیجہ ہے۔ بعنوان "معمار پاکستان کون" کا اداریہ بڑی محنت اور کاوش سے لکھا گیا ہے۔ میں پروفیسر صاحب (مدیر پیغام صلح) کو مبارکباد دیتا ہوں۔"

(۴) جناب محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور فرماتے ہیں:—
"اخبار مؤرخہ ۱۹ کا ایڈیٹوریل پڑھا آپ (مدیر) نے بہت خوب لکھا ہے اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

(۵) کراچی سے جناب شیخ عبدالحق صاحب مناظر اسلام مدیر پیغام صلح کے نام لکھتے ہیں۔ کہ:—
"آپ کے قابل اور علمی مضامین نے میری سستی کو بہت حد تک دور کر دیا ہے ورنہ ۱۹۷۴ء کے فیصلۂ حکومت نے مجھے بے حس بنا دیا تھا۔ یہ سارا ثواب اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کی ذات والا صفات کو پہنچے گا۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی صحت کو مدت مدید تک کام کرنے کے قابل بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

(۶) جناب عبدالکریم صاحب بھدرواہ (کشمیر۔ انڈیا) سے لکھتے ہیں کہ:—
"اخبار پیغام صلح کے پرچے بارہ و ۱۹ر جنوری مل گئے۔ ان کے ذریعہ سے جلسہ سالانہ کی فضا سے آگاہی ہوئی۔ ۲/۴ کو نماز جمعہ پر انہیں پرچوں سے "آثار رحمت" والا مضمون خطبہ میں پڑھا گیا۔ میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں کہ اس مضمون نے کس قدر اثر پیدا کیا۔ بیشتر لوگ جو جلسہ سالانہ کی شرکت کے لئے بے تاب تھے (اور ہیں) کی ہچکی بندھ گئی اور سب رونے لگے۔ ازاں بعد نوجوانوں نے بعد نماز جمعہ خاص اجلاس منعقد کر کے ہر دو اخبارات کے مضامین پڑھے گویا باری باری ایک ایک مضمون اجتماع کو پڑھ کر سنایا۔ مستورات بھی زنانہ گیلری سے اخبار سن رہی تھیں۔ مسجد میں لاؤڈ سپیکر لگا ہے۔ ملحقہ محلّہ والوں نے بھی اس سے خوب استفادہ کیا۔ بعد ازاں اخبارات جماعت میں سرکولیٹ کئے اور سب نے رات کو گھروں میں اپنے اپنے بال بچوں کو ایک جگہ بٹھا کر سنائے۔ الحمد للہ۔ احباب جماعت میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔"

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا!

جناب عبدالکریم صاحب آف بھدرواہ اپنے اسی خط میں مزید تحریر فرماتے ہیں:— کہ

"جب سے جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی قیادت اور صدارت میں تبلیغی کمیٹی برائے بیرونی ممالک قائم ہوئی ہے اور بیرونی جماعتیں منظم ہو رہی ہیں ایک اور ہی جوش اور تڑپ پیدا ہو گئی ہے جس پر اپنے تو رہے درکنار غیر بھی رشک کر رہے ہیں۔ بعض احباب جو جمود کی وجہ سے یا اپنی بدقسمتی سے جماعت چھوڑ بیٹھے تھے وہ بھی "نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار" کے مصداق بن رہے ہیں۔ خدا تعالےٰ جناب ڈاکٹر صاحب کی عمر، صحت، علم وعرفان قلم اور لسان میں برکت دے اور تادیر آپ کا سایہ ہم دور دراز رہنے والوں اور تیس برس تک مرکز سے کٹے ہوئے احمدیوں کے سروں پر قائم رہے۔ ہمیں آپ کی قیادت اور رہنمائی کی بہت ضرورت ہے۔ ہم بے کس ہو گئے تھے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے؟ ہمارے اکابرین کہاں ہیں، کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ گویا ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مبتلا تھے۔ اچانک خدا نے فضل کیا۔ میں یہی کہوں گا کہ یہ آثار رحمت ہیں۔ الحمد للہ

قدیم سے یہاں ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن قائم ہے۔ مگر ۲/۷ کو سب نے اپنے مرکزی بھائیوں کی تقلید کر کے اس کا نام بدل کر **شبان الاحمدیہ** رکھا ہے۔ سر دست صبح شام درس قرآن مجید اور کتب مسیح موعودؑ کا پروگرام بنا کر عملی طور پر جاری کر دیا ہے فجر، مغرب، عشاء کی نمازوں میں پچاس فیصد سے زائد احباب شریک ہوتے ہیں فجر کی نماز کی امامت جماعت کے نوجوان صدر چوہدری عبداللطیف صاحب خلف الرشید جناب چوہدری عبدالرزاق صاحب مرحوم کرتے ہیں اور شام عشاء کی نمازوں میں عبداللطیف صاحب موصوف کے فرزند مسٹر بشارت احمد، امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان نوجوانوں نے جن کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے۔ قصبہ میں سوشل ورک کا کام بھی شروع کیا ہے۔ گلی کوچے۔ نالیاں اور راستے صاف کرتے ہیں۔ اور تکلیف دہ رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ اس کا عوام پر خدا کے فضل سے بہت اچھا اثر ہے۔ علاوہ ازیں سب کے سب اسلامی رنگ میں پوری شائستگی اور ضبط سے زندگی گذار رہے ہیں۔ جو تبلیغی لحاظ سے بہت بڑی کامیابی ہے۔ انہوں نے بہت سے چشمے وغیرہ صاف کئے اور قابل استعمال بنائے جو خراب اور شکستہ ہو چکے تھے۔ .... ان نوجوانوں میں وکلاء۔ افسر۔ اساتذہ۔ سکول اور کالج کے طلباء شامل ہیں"۔ الحمد للہ رب العالمین۔

(ادارہ)

از جناب مولوی احمد گل صاحب فاضل دیوبند

وحی اور تصوف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

پرویز صاحب کے عقائد موجودہ دور میں مسلمانوں میں سے ایک ایسا گروہ نمودار ہوا ہے، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ خدا اور اس کے رسول سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اسلام اور قرآن کے مطابق زندگی گذارنے کا دعویدار ہے لیکن اس کے باوجود اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ:—

(۱) خدا جس کی ذات اور صفات ازلی اور ابدی ہیں، اس کی جملہ صفات جو پہلے ہمیشہ کام کرتی رہی ہیں، اب اُن میں سے اس کی ایک صفت نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے بعد اس کی دوسری تمام صفات پہلے کی طرح بحالہ جاری و ساری ہیں مگر صفت تکلّم اب موقوف ہو چکی ہے۔ اب وہ کسی سے کلام نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی انسان اس کے کلام سے شرف حاصل کر سکتا ہے۔ مکالمہ و مخاطبہ۔ کشف و کرامت یہ سب عجمی استراد اور غیر اسلامی تصوّر ہے۔

(۲) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے نبی اور رسول ہیں مگر صاحب معجزہ نہیں۔ قرآن کے سوا انہیں کوئی خارق عادات معجزہ نہیں دیا گیا۔ معجزہ اور کرامات اسلام میں مسلمانوں کی خود تراشیدہ اصطلاحیں ہیں، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) اطاعت رسول سے مراد یہ ہے کہ خلیفۃ الرسول یا سربراہ مملکت کے فیصلوں کی اطاعت کی جائے۔ "اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں ہو سکتی حتّٰی کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا۔" آنحضرت کی اطاعت آپ کی زندگی تک محض مرکز ملت ہونے کی وجہ سے تھی۔ آج مرکز ملت کی عدم موجودگی میں آنحضرتؐ کے احکام کی پابندی غیر ضروری ہے۔" (سلیم کے نام جلد ۳ ص ۲۸۲)

(۴) معراج، خواہ جسمانی ہو یا روحانی، مسلمانوں میں اس کا تصوّر عقل اور قرآن کے خلاف ہے۔

(۵) دعا سے مراد، فقط قرآن مجید سے صحیح راستے کی تلاش کرنا اور اس سے رہنمائی طلب کرنا ہے۔ اور بس۔ "ہمارا ذاتی تجربہ بھی ہے، اور روز مرّہ کا مشاہدہ بھی کہ دعا مانگنے والے خدا سے سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، دعائیں مانگتے ہیں جو قبول نہیں ہوتیں۔" (شاہکار رسالت ص ۴۰۶)

ناظرین! یہ چند معتقدات جس گروہ کے دکھائے گئے ہیں، شاید آپ خیال کریں گے کہ ان کا تعلق نیچری (سرسیّد کے) گروہ سے ہوگا۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ آپ کا یہ خیال درست ہے مگر میں نے جن کتب سے انہیں اخذ کیا ہے وہ ایک دوسرے گروہ سے متعلق ہیں، جسے عوامی اصطلاح میں پرویزی گروہ کہا جاتا ہے۔ دراصل سرسیّد اور پرویز صاحب کا ماخذ علم ایک ہی ہے یعنی عقل۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سیّد صاحب مرحوم نے جس تحریک کا آغاز کیا تھا، پرویز صاحب اسے آگے بڑھانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا ثبوت طلوع اسلام ص ۳۰ دسمبر ۱۹۶۷ء کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

"پرویز دراصل اسی تحریک کے صاحب بصیرت اور اہل درد رہنماؤں میں سے ہیں جس کی داغ بیل سرسیّدؒ نے ڈالی۔ اور جس کی قیادت اقبال اور جناح علیہما الرحمۃ سے ہوتی ہوئی پرویز تک پہنچی۔ سرسیّد۔ اقبال۔ قائد اعظم اور پرویز دراصل ایک ہی فکر کی کڑیاں اور ایک ہی نظریہ کے ادوار ہیں۔"

تصوّف اور ابن عربی سے عناد پرویز صاحب ایک عرصہ سے گلبرگ لاہور کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر ہیں اور قرآن فہمی کے دعوئے کے ساتھ مغالطہ دے کر لوگوں کو صحیح عقائد سے گمراہ کر رہے ہیں۔ بایں ہمہ انہیں شروع سے تصوف اور متصوفین سے بھی چڑ رہی ہے۔ تصوّف کو غیر اسلامی نظریہ قرار دے کر اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کی مخالفت شروع کرتے ہوئے عمر گذار دی ہے۔ چنانچہ تصوف اور شیخ اکبر ابن عربی کے متعلق لکھتے ہیں:—

"لیکن تصوف کی ساری عمارت اس بنیاد پر اٹھتی ہے، کہ (رسول اللہ کے بعد بھی) انسانوں کو خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہو سکتا ہے (اور ہوتا ہے) اس علم کو (وحی کے بجائے) الہام یا کشف کہا جاتا ہے اور جسے یہ علم ملتا ہے اسے (نبی کے بجائے) ولی یا صوفی کہتے ہیں۔ اس مختصر سی تشریح ہی سے تم نے دیکھ لیا ہوگا سلیم! کہ تصوف کا دعویٰ بالفاظ دیگر نبوت کا دعویٰ ہے اس کا نام وحی کے بجائے الہام یا کشف اور اس کے مدعی کا نام نبی کے بجائے ولی، رکھ لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے یہ دعادی تمہاری نظروں سے گذر چکے ہیں۔"

پھر اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:—

"ایک ابن عربی پر ہی کیا موقوف ہے۔ دیگر بڑے بڑے صوفیاء کے ہاں بھی اسی قسم کی شطحیات ملتی ہیں۔" (سلیم کے نام جلد ۲ ص ۴۵)

کس قدر قابل افسوس مقام ہے کہ پرویز جیسی (بزعم خود) مذہبی شخصیت نے بڑے بڑے مقتدر اولیاء و اصفیاء کے بارے میں غلط رائے کا اظہار کرتے ہوئے جو مثال قائم کی ہے، یہ ان کے لئے مناسب نہ تھا۔ ان حضرات کے کلام اور ان کے عقائد کو ختم نبوت کے خلاف قرار دے کر انہوں نے اپنی انانیت اور عصبیت کا ثبوت دیا ہے۔

تعصّب ٹھوکر کا موجب بن گیا دراصل پرویز صاحب بھی ایک گونہ حق بجانب ہیں۔ ان کی پیدائش بٹالہ جیسے متشدّد قسم کے مذہبی قصبہ میں ہوئی۔ انہوں نے بچپن سے اپنے دادا جان، چودھری رحیم بخش صاحب کی گود میں پرورش پائی، جن کا تعلق تصوف کے سلسلہ سے تھا۔ بقول پرویز صاحب وہ صوفی منش آدمی تھے۔ ان کے ہاں دور دراز سے سادھو، سنیاسی، یوگی اور مسلمانوں میں سے بعض صوفی منش بزرگ پہنچ کر کشف و کرامات کے تذکرے چھیڑا کرتے تھے۔ عجوبہ قسم کے واقعات و قصائص کی باتیں ہوتی تھیں۔ مراقبوں اور چلہ کشی پر تبادلۂ خیال اور نفس کشی کے تجربوں کا اظہار ہوتا۔ پرویز صاحب کو ان مجالس میں اٹھنے بیٹھنے اور مذاکرات سننے اور عجیب و غریب کرامات کے مشاہدہ کرنے کا برابر موقعہ ملتا رہا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:—

"انہی موثرات و عوامل کا نتیجہ تھا کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے، میری نگاہ کی مشرقی اور مغربی اُفقیں کافی وسیع ہو چکی تھیں اور ان کے ساتھ ہی باطنی علوم کی گہرائیاں بھی کافی عمیق۔"

انہوں نے باقاعدہ ہندو یوگیوں، سادھوؤں اور سنیاسیوں کی روحانی مجلسوں میں بیٹھ کر یوگ اور نفس کشی کے تجربے کئے مگر عرصہ کے بعد ان مشاہدات
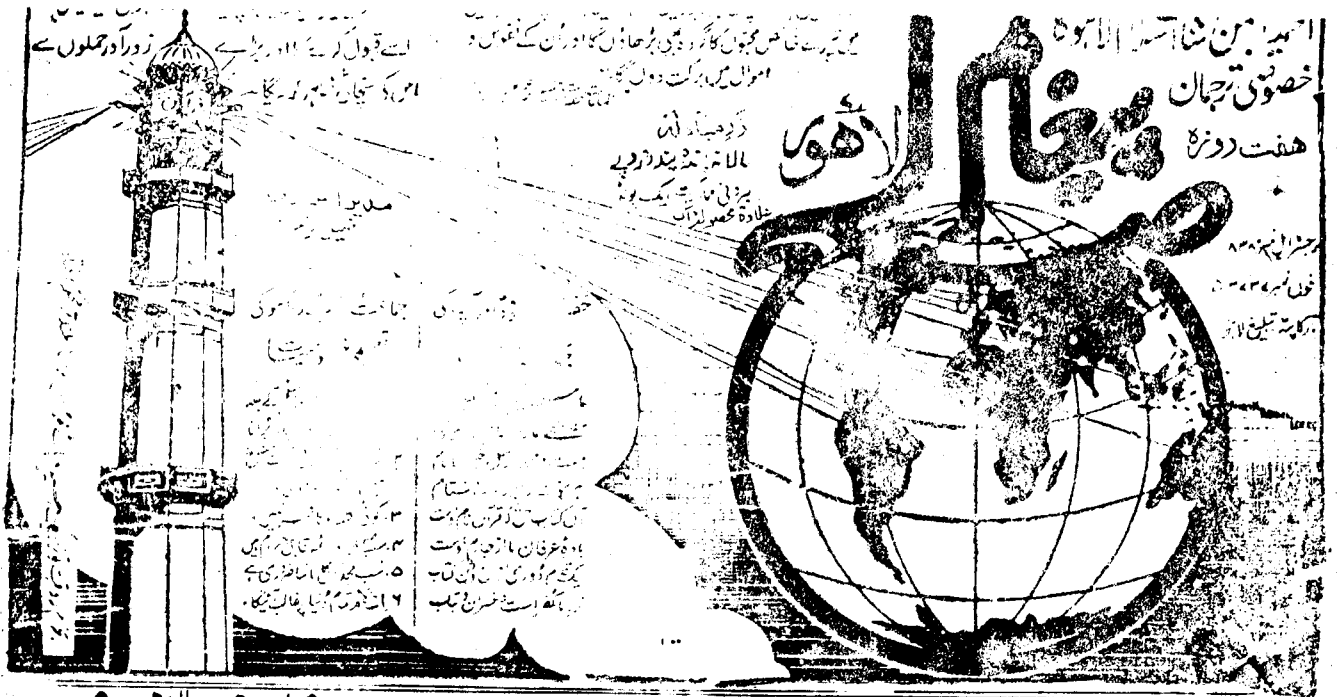
جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ - ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ - ۲ مارچ ۱۹۷۷ء | نمبر ۹

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

ایمانی قوت سے انسان راہِ حق میں پیش آنیوالی تکالیف پر غالب آسکتا ہے

ہر ایک قدم جو صدق اور تلاش حق کے لئے اُٹھایا جاوے اس کے لئے بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے جس کو دُنیا دار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ باوجود آشکارا ہونے کے نہاں در نہاں ہے اور اس لئے الغیب بھی اس کا نام ہے۔ اسی طرح پر ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ گر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے۔

خدا کی راہ میں سختی برداشت کرنا مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہوتا ہے ایمان ایک قوّت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو وہ کونسی بات تھی جو ان کو اُمید دلاتی تھی کہ اس طرح پر ایک بے کس ناتوان انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے جس کا نتیجہ صریح معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور وہ چکنا چُور کر ڈالے گا۔ اس طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے۔ مگر کوئی اور آنکھ بھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا۔ اور اس راہ میں مر جانا ان کی نگاہ میں ایک راحت تھی انہوں نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور تھا

وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوّت تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر وہ ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے اور جن کو ناتوان اور بے کس کہتے تھے۔ اس نے اس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دُنیا نے دیکھا اور محسوس کیا۔ کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے — ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوتِ ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم کام کر دکھائے۔ . . . .

صحابہؓ نے غیب الغیب خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دین کے لئے بے نظیر قربانیاں کر دکھائیں۔ میں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں کہ وہ خُدا جو غیب الغیب ہستی اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے انہوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ **ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی، جس نے ان کو ذرا بھی پرواہ نہ ہونے دی کہ قوم چھوڑی، مُلک چھوڑا۔ جائدادیں چھوڑیں، احباب و رشتہ داروں سے قطع تعلّق کیا، وہ صرف خُدا پر بھروسہ تھا...... ایمان تھا اور صرف ایمان تھا اور کچھ نہ تھا۔** (ملفوظات احمدیہ)

دعوت عصرانہ

(مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے)

مورخہ ۲۵ر فروری ۱۹۷۷ء، بعد نماز جمعہ جامع احمدیہ دارالسلام میں مکرم جناب حافظ شیر محمد صاحب خوشابی مبلغ فجی کی مرکز میں تشریف [illegible] مرحوم کی ایک [illegible] کا اہتمام

لازم ہے دیں کی خدمت اب ہم پہ مخلصانہ

پڑھی جو بے حد پسند کی گئی۔

بعد ازاں جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے مختصر الفاظ میں مولانا حافظ شیر محمد صاحب کو خوش آمدید کہا اور فجی میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور جناب میرزا مظفر بیگ ساطع صاحب کی خدمات کا ذکر کیا اور بتایا کہ اب وہاں تبلیغ و اشاعت اسلام کے فرائض جناب حافظ شیر محمد صاحب مبلغ اسلام سرانجام دے رہے ہیں۔

انہوں نے مولانا موصوف سے درخواست کی کہ وہ فجی کے حالات سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔ چنانچہ مکرم حافظ شیر محمد صاحب نے تعوذ و تسمیہ کے بعد قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں: بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسنٌ فلہٗ اجرہٗ عند ربہٖ ولا خوفٌ علیھم ولاھم یحزنون۔

آپ نے فرمایا کہ ۱۹۷۳ء میں جماعت نے مجھے فجی بھیجنے کا فیصلہ کیا اور الوداعی پارٹی دی۔ میں نے الوداعی پارٹی میں بتایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو میری خدمات دین منظور ہوئیں تو واپسی پر انشاءاللہ احباب کو اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کروں گا۔ چنانچہ اب ۳½ سال کے بعد آپ لوگوں سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔

میں خدا کا بے حد شکر گذار ہوں کہ اُس نے مجھے آپ لوگوں سے دوبارہ ملنے کا موقع عطا فرمایا اور میرے وہ مخلص دوست، محب اور عزیز جو خدا کو پیارے ہو گئے ہیں ان کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

کچھ عرصہ میں اہلِ فجی کے اخلاق و عادات اور ان کے مسائل کا جائزہ لیتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ مجھے تبلیغ و اشاعت کے لئے کن کن خطوط پر کام کرنا چاہیئے اور اس کے بعد کام کا مختصر سا خاکہ تیار کیا۔ سب سے پہلے فجی کے تمام دوستوں سے رابطہ پیدا کیا اور ان کی دینی تعلیم کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ [illegible]، اور مردوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دینا شروع کی جس کے نتیجہ میں وہاں جماعت میں دینی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور لوگ اس قابل ہو گئے ہیں کہ وہ درسِ قرآن دے سکتے ہیں نماز پڑھا سکتے ہیں خطبہ جمعہ دے سکتے ہیں۔ مرکز سے تعلق رکھنے کے لیئے ان کی مجلس معتمدین میں مرکز کی نمائندگی قائم کی۔

چونکہ وہاں کوئی مسجد نہیں تھی اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کا ارادہ کیا اور ایک مسجد جماعت نے بنوائی اور دوسری کا نقشہ منظور ہو گیا ہے۔

مولانا محمد علی صاحبؒ کا لٹریچر پھیلایا، لائبریری قائم کی ہے اور فجی زبان میں قرآن پاک کے ترجمہ کی بنیاد رکھی ہے۔ چنانچہ ایک پارہ کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

تمام جماعتہائے فجی کا دورہ کرتا رہتا ہوں۔ شب و روز درس قرآن جاری ہے۔ اور مختلف شہروں میں ماہانہ درس بھی ہوتا ہے اور غیر از جماعت لوگوں میں بھی درس قرآن دیا جاتا ہے۔

علاوہ یوم النبیؐ۔ یوم مسیح موعودؑ۔ یوم محمد علیؒ لیلۃ القدر اور سالانہ جلسہ بھی ہوتا ہے۔

اب باقاعدگی سے چندہ ماہوار وصول ہوتا ہے۔ ایک سہ ماہی رسالہ جاری کر رکھا ہے۔ جماعت نے مارو میں ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ اور وہاں ایک مضبوط جماعت ہے۔ اب صُوا میں جو مسجد تیار ہوئی ہے اس پر ایک لاکھ ڈالر خرچ ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ جمع ہو جائے گا۔

بیس عدد تبلیغی سیٹ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کی لائبریریوں میں پہنچائے گئے۔ قرآن پاک بھی لوگوں کو پہنچایا گیا۔

آخر میں صاحب صدر نے مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے اختتامی دعا کی درخواست کی۔ مگر مکرم ڈاکٹر صاحب نے حافظ صاحب ہی کو ارشاد فرمایا کہ وہ خود ہی اختتامی دعا فرمائیں۔ بعد میں حاضرین کی پُر تکلف چائے سے تواضع کی گئی اور یہ بابرکت جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اِسلام کے مبلّغ پہنچے کہاں کہاں تک

(چوھدری سید احمد صاحب ملہی مرحوم بنو ملہی ضلع سیالکوٹ)

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہُوا زمانہ
جو جانِ انجمن تھے وہ ہو گئے فسانہ
جو اُٹھ گئے جہاں سے آئینگے وہ نہ واپس
لازم ہے دیں کی خدمت اب ہم پہ مخلصانہ
ساتھی جو انکے پیچھے زندہ ہیں دیں کی خاطر
دیکھا ہُوا انہوں نے مہدی کا ہے زمانہ
قائم ہیں انکے دم سے اب رونقیں چمن کی
عمریں ہوں ان کی لمبی اور جوش جاودانہ
یہ کام ہے خدا کا تائید ہے اُسی کی
آتی ہے اس کی نصرت جنّت سے غائبانہ
اِسلام کے مبلّغ پہنچے کہاں کہاں تک
مشرق سے تا بمغرب اُڑتے ہیں طائرانہ
"توحید کی امانت سینے میں ہے جو انکے"
اِسلام کے چمن سے اُٹھے ہیں فاتحانہ
نے داد کی تمنّا نے آرزو صِلہ کی
تبلیغِ دیں ہے للّٰہ جذبہ ہے والہانہ

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲ر مارچ ۱۹۷۷ء

کیا یہ غزوۂ تبوک ہے؟

(مدیر)

پاکستان کے ایک نامور سیاسی اور دینی مفکر نے حصولِ اقتدار کی خاطر پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان موجودہ انتخابی معرکہ آرائی کو غزوۂ تبوک سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:-

"وہ موقع وہ تھا جب شر اور خیر کی کشمکش کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ برپا ہونے والا تھا .... جب خیر اور شر کی طاقتوں میں کشمکش برپا ہو اور فیصلہ کن معرکے کا وقت آجائے اس وقت خیر کے ہر حامی کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر اس نے اس معرکے میں اپنا حصّہ پوری طرح ادا نہ کیا۔ اپنے وقت کا، اپنے مال کا، اپنی ذہنی و جسمانی قوتوں کا سارا سرمایہ لا کر اللہ کے کام میں نہیں ڈال دیا تو اس کے پچھلے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جانے کا خطرہ ہے۔"

ہم حیران ہیں کہ پی پی پی اور قومی اتحاد کے درمیان عوامی رائے اپنے حق میں ہموار کرنے کی اس جد و جہد اور غزوۂ تبوک میں وہ کونسی ادنیٰ مماثلت بھی ہے کہ سادہ لوح عوام کے مذہبی جذبات کے استحصال کی خاطر اتنی دُور کی یہ کوڑی لانے کے اس حیلہ سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

ہمارے قارئین اس سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں غزوۂ تبوک سب سے آخری جنگ تھی۔ لشکرِ اسلام کے قائد آپ خود تھے اور اس تیس ہزار کے لشکر میں آپؐ کے وہ صحابہ کرامؓ شامل تھے جو بدر۔ اُحد۔ احزاب اور حنین کے معرکوں میں کفر کے خلاف دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ ایک طرف اس دَور کی عظیم عیسائی سلطنتِ روما کی کیل کانٹے سے لیس فوج اور دوسری طرف شدید گرمی کے دن قحط کا زمانہ۔ پکی ہوئی فصلیں کٹنے کے لئے تیار۔ تکلیف دہ طویل سفر۔ لیکن ان ساری مشکلات کے باوجود آپ کے جاں نثاروں اور اسلام کے شیدائیوں نے عیسائی لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے آپؐ کی آواز پر لبیک کہا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روانہ ہو گئے۔ صرف تین صحابہ کرامؓ کعب بن مالکؓ۔ مرارة بن الربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ اپنے سستی کہئے یا غفلت یا اپنے سازو سامان اور تیز سواری پر اتراہٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ پچاس دن تک بائیکاٹ کی صعوبتیں سہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ رجوع بہ رحمت ہوا اور سرکارِ دو عالم سے معافی کی بشارت پائی۔

اس غزوہ میں شر کی طاقت یا حزب الشیطان عیسائی قوت تھی اور خیر کی طاقت یا حزب اللہ مسلمان فوج تھی۔ یہ جہاد تھا۔ معرکہ حق و باطل تھا۔ نظریاتی اور مذہبی لحاظ سے دو مخالف قوتوں کے درمیان برتری کے لئے کشمکش تھی۔ لیکن باطل کو حق کے مقابلے میں آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ حزب اللہ میں شامل وہ لوگ تھے جنہیں "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کا سرٹیفکیٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ان پر کوئی شئے بھاری نہ تھی۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تبوک کے مقام پر الیکشن ہونا قرار نہیں پایا تھا کہ وہ کسی پریزائیڈنگ افسر کے سامنے صندوق میں پرچیاں ڈال کر ایک دوسرے کی ہار جیت کا فیصلہ کرتے۔ وہاں تو اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ فوجوں میں تصادم کی صورت میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ اس لئے غزوۂ تبوک اور اس الیکشن کو مماثل قرار دینے والے ہمارے خیال میں شرعی جہاد سے نابلد محض ہیں۔ اگر پرچیوں کے ذریعے انتقالِ اقتدار جہاد ہے تو پھر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو جو اس زمانے کے مجدّد اور مسیح موعودؑ ہیں تلوار کے جہاد کو حرام قرار دینے کے لئے وہ مطعون کرنے میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:-

"آپ کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں جس فرض کا وقت ہوتا ہے۔ اسی فرض کو ادا کرنا لازم ہے دوسری کوئی بڑی سے بڑی نیکی اس کے بدلے میں قبول نہیں کی جاتی"

حضرت مرزا صاحب نے بھی یہی فرمایا تھا کہ یہ دَور جنگوں کا دَور نہیں۔ یہ علوم و فنون، فلسفہ اور سائنس اور براہین و دلائل کا دَور ہے اس لئے اسلام کو اس زمانے میں اپنے دفاع کے لئے تلوار کی نہیں قلم کی ضرورت ہے۔ ہم قرآن اور اسلام کی صداقتیں دوسرے مذاہب پر انہی ہتھیاروں سے غالب کر کے دکھائیں گے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اسی کی ضرورت ہے لیکن آپ کے خلاف ساری طاغوتی طاقتیں اسی مسئلہ کو ایک بنیاد بنا کر اُمڈ آئیں مگر غلبہ حزب اللہ کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کوئی بات کہیں تو وہ نعوذ باللہ کافر اور مرتد اور اگر کوئی دوسرا وہی بات اپنی ضرورت کے مدنظر کہے تو وہ پکا مسلمان۔ یہ "اقیموا الوزن بالقسط" نہیں "تخسروا المیزان" ہے اور اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی قابلِ مواخذہ نافرمانی۔

غزوۂ تبوک کی مثال دیتے ہوئے قومی اتحاد کو خیر اور پی پی پی کو شر کی طاقت ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی پیپلز پارٹی روم کے عیسائی لشکر اور قومی اتحاد اسلامی لشکر کے مماثل ہے۔ حالانکہ دونوں سیاسی پارٹیوں کی طرف سے اسلام کی بے مثال خدمت کے دعوے کئے جا رہے ہیں۔ ایک طرف سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کو اس دَور کی سب سے بڑی اسلامی خدمت کہا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے یہی سہرا اپنے سر باندھنے کے لئے شور و غوغا بلند کیا جاتا ہے۔ ایک پارٹی کی حمایت میں بھی غیر مسلم اقلیتیں قرار دادیں پاس کر رہی ہیں اور دوسری پارٹی کی حمایت میں بھی۔ جلسوں اور جلوسوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں طرف مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یعنی ایک طرف بھی مسلمان اور غیر مسلم اقلیتیں ہیں اور دوسری طرف بھی مسلمان اور غیر مسلم اقلیتیں۔ اور مسلمان بھی وہ جنہیں یہی دینی مفکر چوروں۔ ڈاکوؤں۔ شرابیوں۔ قاتلوں۔ بدکاروں۔ ذخیرہ اندوزوں۔ سمگلروں۔ غنڈوں اور بد معاشوں کے خطابات سے نواز چکے ہیں۔ آج انہی مسلمانوں اور ان کے ساتھ غیر مسلم اقلیتوں کو غزوۂ تبوک میں شامل صحابہ کرامؓ سے جن کے میرِ کارواں خود آنحضرت صلعم تھے نسبت دی جا رہی ہے۔ اور دوسری طرف پیپلز پارٹی کی حمایت کرنے والے مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کو رومن عیسائی سمجھا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس الیکشن کو اس جہاد کا رتبہ دیا جا رہا ہے جو اس غزوہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والا تھا۔ کیا یہ تاریخ اسلامی کے ساتھ ایک بھاری ناانصافی اور مذاق نہیں۔ اور پیپلز پارٹی میں شامل مسلمانوں کو شر کی قوت اور رومن عیسائی لشکر سے تشبیہ دے کر ان کے خلاف کفر کا فتوےٰ صادر نہیں کیا جا رہا۔ اور انہیں اسلام دشمن نہیں بتایا جا رہا؟ غزوۂ تبوک اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار کے دفاع اور تحفظ کی جنگ تھی نہ کہ اقتدار حاصل کرنے کا معرکہ اس لئے یہ انتخابی مہم جیسا کہ کہا گیا ہے "اللہ کا کام" نہیں۔ اللہ کے کام کے لئے سب سے پہلا معرکہ تو بدر کے میدان میں ہوا۔ جہاں ۳۱۳ بے سروسامان سرفروشوں نے اپنے سے تین گنا طاقت کو شکست فاش دی۔ احد۔ حنین اور احزاب میں بھی اسی عشق و جنوں کے مظاہرے ہوئے

اور "خیر و شر" میں ٹکراؤ ہوا۔ فیصلہ "خیر" کے حق میں رہا۔ اسلامی تاریخ سے یہ روشن مثالیں کیوں نہ سامنے رکھی گئیں۔ تبوک کی مثال ان سے روشن تو نہیں مگر یہ اس لئے سامنے رکھی گئی ہے کہ اس میں ساتھ نہ دینے والوں کو "بائیکاٹ" اور سزا کی دھمکی دی گئی ہے۔ اور ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جانے کی تلوار سروں پر رکھ دی گئی ہے۔ وہاں جذبۂ انتقام نہ تھا۔ یہاں یہی جذبہ کار فرما ہے۔ اسلام کی ساری تاریخ میں ایسی کوئی جنگ نظر نہیں آتی جس کا فیصلہ ووٹوں کے ذریعے ہوا ہو۔ لیکن اس دور میں جب دل و دماغ پر حصولِ اقتدار کے لئے ہوائے نفس کی دھند چھا رہی ہو ہر بات میں "اسلام" کی دہائی دینا ایک معمول بن گیا ہے۔

ہمیں بحیثیت　　　　عینی شاہد ہونے کی وجہ سے

خوب یاد ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں صوبہ سرحد کے ایک انتخابی حلقہ میں ایک مولینا قرآن کریم بغل میں لئے پھرتے اور ہر ووٹر کے پاس جا کر یہ کہتے تھے کہ "مجھے نہیں اس قرآن کو ووٹ دو" اور اپنا انتخابی نشان کھجور کا درخت دکھاتے ہوئے فرماتے کہ دیکھو آنحضرت صلعم کھجوریں کھایا کرتے تھے اس لئے یہ بہت مبارک نشان ہے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کھجور کو لوگوں کی "پھوپھی" بتاتے۔ قرآن کو سر آنکھوں پر رکھنے والے سیدھے سادے ووٹر اس جذبۂ احترام کے سامنے مجبور ہو گئے اور مولنا اس حیلے سے کامیاب ہو کر قومی اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ جب ایوانِ اقتدار میں رسائی حاصل ہوئی تو قرآن کو طاق نسیاں میں رکھ کر لاکھوں کلمہ گوؤں کو غیر مسلم اقلیت بنانے کے فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ جس قرآن نے انہیں اس مقام تک پہنچایا اس سے بے وفائی کر گئے۔ کیونکہ اس کے ذریعے جو حاصل کرنا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا تھا۔ اب کے شاید لوگ ان کے دھوکے میں نہ آ سکیں۔

اسلام سے اس وقت عوام کی دوری کا سبب اس کی تعلیم میں کسی قسم کی خامی نہیں بلکہ نام نہاد رہنمایانِ دین کے قول اور فعل میں تضاد ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ اسلام کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں لیکن ان کی اپنی زندگی میں اس کا کوئی عمل و دخل نہیں ہوتا۔ قریب سے دیکھنے والوں پر جب حقیقت عیاں ہوتی ہے تو تقدس کے یہ دبیز نقاب تار تار ہو جاتے ہیں اور ان کے تصور آئیڈیل کو سخت دھچکا لگتا ہے جس کا نتیجہ مذہب کے خلاف شدید ردِ عمل کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس ملک کی نوجوان نسل پہلے ہی مذہب سے برگشتہ ہے۔ اس کے سامنے اسلام اور قرآن کو مسخ کر کے پیش نہ کیجئے ورنہ یہ تباہی کے ایسے تاریک گڑھے میں گر پڑے گی جہاں سے اس کا نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسلام ایمان اور عمل چاہتا ہے۔ دونوں کی خاطر بلند بانگ دعوے اور نعرے نہیں۔

تقریر میاں شوکت حمید صاحب بر موقعہ جلسہ سالانہ (از صفحہ ۶)

پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے ہیں۔

اس موضوع کی طرف میں نے آپ کی توجہ اس لئے مبذول کرائی ہے کہ مجھے شبان الاحمدیہ نے اس سال کے لئے اپنا صدر منتخب کیا ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ بعض نوجوان اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ احمدیت ان کے لئے سود مند نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ احمدیت نے ایک نوجوان کی کردار سازی میں ایک بہت بڑا رول ادا کیا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو احمدی کہنے میں ہرگز نہ ہچکچائیں۔ وقت ایک ایسے نوجوان کو پکارتا ہے جو تمام نوجوانوں کا مرکزِ نگاہ بن جائے اور اس قدر محنتی اور احمدیت سے عشق رکھنے والا ہو کہ وہ تمام نوجوانوں کو احمدیت سے عشق کی راہ پر لا کھڑا کرے۔ خدا کی رحمت اور اس تعلیم کی بدولت ※

سیرت خیر البشر
مصلحین عالم میں حضور صلعم کی شخصیت

انسانی زندگی کا کوئی پہلو جس میں کسی انسان کو بڑائی مل سکتی ہے لے لو۔ اس کو لے کر عام مصلحین عالم پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دوسرے مصلحین سے بلند نظر نہیں آتی۔ بادشاہ ہونا، فاتح ہونا، جرنیل ہونا، سپاہی ہونا، اور امام ہو کر معمولی انسانوں میں سے ایک انسان ہونا یہی چیزیں ہیں جو دنیا میں کسی شخص کو بڑی حیثیت کا مالک بنا دیتی ہیں تو تمام دنیا میں تلاش کر لو، تمام تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کر کے دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا جرنیل کوئی نہ ملے گا۔ کوئی سپاہی آپ کی شان کا نظر نہ آئے گا۔ کوئی عدالت کرنے والا آپؐ کے عدل و انصاف کو نہ پہنچ سکے گا۔ فاتح اور امام بھی دنیا میں آپؐ جیسا نہیں ملتا۔ ہر رنگ میں محمد رسول اللہ صلعم کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔　　(حضرت امیر مرحوم)

جماعت احمدیہ لائل پور کی قرارداد تعزیت

آج مورخہ ۱۸-۲-۷۷ بعد از نماز جمعہ جماعتِ احمدیہ لائل پور کا ایک خصوصی اجلاس زیر صدارت جناب میاں ظہور احمد صاحب صدر مقامی جماعت منعقد ہوا جس میں درج ذیل قرارداد تعزیت بابت جناب میاں اللہ بخش صاحب مرحوم و مغفور منظور کی گئی:-

"جماعت احمدیہ لائل پور کا یہ اجلاس جناب میاں اللہ بخش صاحب کی اچانک وفات پر اپنے گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے اور میاں صاحب کی وفات کو ایک بہت بڑا قومی نقصان سمجھتا ہے۔ اجلاس میں میاں صاحب کی احمدیت کے ساتھ دلی محبت، لگاؤ اور ان کی قربانیوں کو سراہا گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی کہ وہ میاں صاحب مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین خصوصاً بیگم صاحبہ اور برادران صاحبان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔"

محمود بیگ۔ سیکرٹری جماعت لائل پور

ایک روحانی مجاہد کی
یاد دہانی

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے ۱۱ فروری کے خطبہ جمعہ میں تمام جماعت سے کم از کم چالیس دن نماز تہجد اپنے پر لازم کر لینے کی اپیل فرمائی تھی فرمایا۔ "ہمارے ہر طرف بھڑکی ہوئی آگ کو جو کسی وقت بھی ہمیں اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے ہم ضعیفوں، بے کسوں اور مجبوروں کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اسے ہم صبح کے وقت آنکھوں سے بہنے والے پانی کے ساتھ بجھانے کی کوشش کریں۔ نماز تہجد کے لئے اٹھیں۔ خواہ دو رکعت ہی کیوں نہ پڑھیں۔"

(ادارہ)

※ جو اسلام کے متعلق احمدیت نے ہمیں دی ہے۔ ایسے نوجوان انشاء اللہ تعالیٰ میسر آئیں گے جو احمدیت کی سچی تصویر ہوں گے۔

زاہد جنجوعہ سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ

حضرت مجدد صد چہاردہم کا یوم ولادت

شبان الاحمدیہ کے مجوزہ پروگرام برائے سال ۱۹۷۷ء کے مطابق اس سلسلہ کی پہلی تقریب یوم ولادت حضرت مسیح موعودؑ ۱۳ر فروری بروز اتوار دارالسلام مسجد میں جناب ملک اعزاز الٰہی صاحب نائب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب مہمانِ خصوصی تھے۔

انڈونیشیا سے ہمارے نوجوان بھائی جناب سردی مان نے تلاوتِ کلام پاک سے اس تقریب کا آغاز کیا۔ منصور جاوید صاحب (پسر مولنا احمد گل صاحب) نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ اور جناب رضی الدین نے منظوم کلام سُنایا۔ سمیرا جعفری اور مظہر رسُول نے مختصر الفاظ میں حضرت مجدد زمان کے حالاتِ زندگی سنائے۔ شاہدہ، مدیحہ، درشاہدہ نے بنات الاحمدیہ کی طرف سے ایک اجتماعی نظم سُنائی۔ جسے بہت پسند کیا گیا۔

راقم الحروف (زاہد جنجوعہ) نے سیرت مسیح موعودؑ کے موضوع پر اپنی تقریر میں بتایا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اخلاق محمدیؐ کی ایک چلتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ کے چہرے پر آثار تقدس دیکھ کر کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ بعض مخالف یہ ارادہ لے کر قادیان جاتے کہ "آج مرزا کا فیصلہ کر کے چھوڑیں گے"۔ لیکن آپ پر نظر پڑتے ہی وہیں کے ہو کر رہ جاتے۔

ہماری جماعت کے فاضل مبلغ جناب میرزا محمد لطیف صاحب شاہد نے قرآن مجید کی ان آیات

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم ......
و اخرین منهم لما یلحقو بهم ۝

کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرامؓ ان آیات کے حصّہ (واخرین منهم لما یلحقو بهم) کے متعلق یہاں تک فکرمند رہتے تھے کہ ایک دن مجلسِ نبویؐ میں حضرت ابوہریرہؓ کے بار بار اس استفسار پر کہ:۔

"یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے جو بعد میں آکر ہم جیسے ہو جائیں گے"

حضورؐ نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر دست مُبارک رکھتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"جب ایمان مفقود ہو جائے گا۔ اور قرآن ثریا پر چلا جائے گا تو اس وقت ان کی نسل میں سے ایک شخص قرآن دوبارہ دنیا میں واپس لائیگا۔"

چنانچہ حضور نے اس زمانہ کی بابت نشاندہی بھی فرمائی اور ان تمام حالات اور نشانات کی اطلاع دی کہ جن کے رونما ہونے کے بعد اس جلیل القدر ہستی کو آنا تھا۔

فاضل مقرر نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت رسولِ کریم صلعم نے نزولِ مسیح کے زمانہ کی اخلاقی، روحانی، علمی، مادی اور معاشرتی زندگی کا نقشہ بھی تبلا دیا۔ چنانچہ تیرھویں صدی کے آخر میں جب وہ تمام نشانات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور اُمّتِ مسلمہ مذاہب باطلہ کے حملوں کے سامنے بے بس ہو کر خدا کے حضور فریاد کرنے لگی کہ بار الٰہ مسیح اور مہدی جلد نزول فرماویں اس وقت کے مشہور اہلحدیث عالم جناب نواب صدیق حسن خانصاحب نے احادیث رسول کی روشنی میں نمودار ہونے والے ان نشانات کو دیکھنے کے بعد لکھا کہ آئندہ چار پانچ برسوں میں مسیح موعودؑ نزول فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۸۳ء میں مجددیت کا دعوےٰ فرمایا اور اس کے بعد جب آپ پر ظاہر کیا گیا کہ مسیح ابنِ مریم وفات پا گئے ہیں اور ہم نے تجھے مسیح موعودؑ بنایا ہے۔ تو لوگ سخت مخالف ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ گواہ تو سارے موجود ہوں اور مُدعی کوئی نہ ہو۔

جناب میرزا محمد لطیف صاحب نے بیان کیا کہ فرمانِ نبویؐ کے مطابق مسلمانوں میں ایمان مفقود ہو گیا تھا۔ وہ اپنی حالت کو سنوارنے کے لئے مادی وسائل کا سہارا لینے کی فکر میں تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اُمّت مسلمہ کی اصلاح کے لئے قرآن کریم کو بنیاد بنایا اور مادی تدابیر کے بجائے دعاؤں پر زور دیا۔ آپ نے اپنی جماعت کے سامنے تین مقاصد رکھے:۔

"ایمان - دُعا - اشاعت قُرآن"

جس کی بدولت نصرت و برکت کے دروازے کھولے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کا پیغام دُور دُور تک پہنچ گیا اور:

لیظھرہ علی الدین کلہ

کے خدائی وعدہ کے مطابق آپ نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دکھایا۔

اس تقریب کے مہمانِ خصوصی محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے ننھے بچوں کی تقاریر اور بچیوں کی اجتماعی نظم پر انہیں مبارک باد دی اور فرمایا کہ محترم میرزا عبداللطیف صاحب کے اس عالمانہ اور بصیرت افروز خطاب کے بعد مجھے مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم میں اپنے نوجوانوں سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ:۔

اس تقریب کو محض رسمی حد تک نہ رکھیں بلکہ اس کی رُوح کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اس یوم ولادت کا تقاضا ہے کہ وہ یہ عزم لے کر یہاں سے جائیں کہ اپنے شب و روز میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کریں گے۔ محترم پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم ایسی تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو سمجھنا چاہیئے کہ "یومِ ولادت مسیح موعودؑ" کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ میرے نوجوان دوست اس تقاضے کو پُورا کریں گے۔

محترم پروفیسر صاحب کے اس دردمندانہ خطاب کے بعد محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب "اختتامی دُعا" کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے دُعا سے قبل نوجوانوں کو نصیحت فرمائی کہ "وہ ان اقدار اور روایات کو جو احمدیت سے مخصوص ہیں، اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کریں"۔ یہی آج کے دن کا اصل پیغام ہے۔

اس مبارک تقریب کا اختتام دُعا پر ہوا۔

درخواست دُعا

مکرم چوہدری سعید احمد صاحب، احمد پارک لاہور نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ میری لڑکی کو سخت بیماری کے بعد صحت دی اور ایک ننھی بچّی عطا کی جس کی خوشی میں دو سو روپے "قرآن فنڈ" میں بھیج رہا ہوں۔ اور دُعا کے لئے درخواست ہے"۔

چوہدری صاحب جماعت کے نہایت ہی قابلِ احترام مخیر بزرگ چوہدری ظہور احمد صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ احباب انہیں اور ان کے عزیزان کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

نوجوانوں کی کردار سازی میں احمدیت کا حصّہ

تقریر میاں شوکت حمید صاحب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ

بر موقع جلسہ سالانہ

آج کی اس نشست میں ایک غلط فہمی دُور کرنے کے لئے چند معروضات آپ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آج کل ہمارے کچھ احباب یہ سوچنے لگے ہیں کہ جب ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں تو پھر ہمیں احمدی کہلانے کی کیا ضرورت ہے۔

یہ سوال اب اس صورت میں سامنے آ رہا ہے کہ نوجوانوں کے لئے احمدیت میں کیا افادیت ہے۔ یا یہ کہ احمدیت نے ایک **نوجوان کی کردار نگاری** میں کوئی قابلِ قدر حصّہ بھی ادا کیا ہے یا نہیں۔ بالکل سادہ سے پیرائے میں اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ آج کل ہم جس سیاہ دَور سے گذر رہے ہیں۔ اس میں مادہ پرستی اور زر پرستی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام :-

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصان جو ایک پیسے کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں
دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی
ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی

اس حرص و آز کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ اس حرص و آز سے ایک مسلمان ایسا مغلوب ہو گیا کہ اسے اسلام کے اُصولوں پر پابند رہنا ناممکن نظر آیا۔ اور اس نے اس کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ اسلام آج کل کے دَور میں ناقابلِ عمل ہے۔ آج کل "مسلمان" یہ کہتے ہوئے سُنے گئے ہیں کہ اسلام ماضی کے لئے تو شاید موزوں تھا مگر حال میں اس کے اُصولوں پر پابند رہنا ممکن نہیں۔ اگر آج آپ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیں تو آپ کہہ سکیں گے کہ ان کا کردار اسلامی ہے۔ میرے خیال میں آپ کا جواب اس کے بالکل برعکس ہوگا کیونکہ آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج کل کے اکثر "مسلمانوں" کا کردار غیر اسلامی ہے۔ جھُوٹ۔ مکر و فریب۔ الزام تراشی۔ نفرتوں اور بغض و حسد کے دریا جو بہہ رہے ہیں اور ایک عالم ان دریاؤں کے گندے پانیوں میں تر بتر نظر آ رہا ہے اور انہی کا کہنا ہے کہ چونکہ ایسا دَور پہلے کبھی نہیں آیا تھا اس لئے اسلام کے اُصولوں کا اپنانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک آدمی کا دریا میں نہاتے ہوئے سوکھا رہنا۔

اس کا جواب بنظر ظاہر کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ درحقیقت لوگوں کی اکثریت ایسی ہی ہے۔ تو پھر کیا یہ لوگ واقعی سچّے ہیں۔ کیا اسلام پر کاربند رہنا واقعی ناممکن ہے۔ اس کا جواب اگر ہے تو صرف اور صرف نوجوان احمدی کے پاس۔ اس کا منہ توڑ جواب اگر کوئی دے سکتا ہے تو وہ نوجوان احمدی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے پاس جواب ہے کہ ہمارے پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اسی سیاہ دَور سے گذرے ہیں۔ اسی دَور میں آپ نے ملازمت بھی کی اور اپنی آبائی زمینوں کے مقدمات کی پیروی کرتے ہوئے ہمیشہ راستبازی سے کام لیا۔ آپ کو مقدمات قتل میں ملوث کیا گیا مگر آپ نے راست گوئی کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ہمیشہ سچ بولا۔ اور جب آپ پر الزام تراشی کی گئی اور آپ پر فتویٰ کُفر لگایا گیا اور مخالفت کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تو آپ اس کا جواب بڑے دلنشین انداز میں دیتے ہیں کہ :-

گالیاں سُن کر دُعا دیتا ہوں لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیض گھٹایا ہم نے

اگر یہ کوئی نمونہ ہے تو صرف ایک احمدی کا۔ کیا نوجوان کی کردار نگاری میں احمدیت کا یہ بہت بڑا رول نہیں کہ احمدیت نے نہ صرف نظریاتی تعلیم پیش کی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شخصیت میں ایک ایسا عملی نمونہ بھی رکھا کہ اس سیاہ دَور سے گذرتے ہوئے اسلام اب بھی قابلِ عمل ہے۔

میرے نوجوان دوستو! آپ اپنے آپ کو خصوصیت سے احمدی ظاہر کریں گے تو ہی یہ دعوےٰ کر سکیں گے کہ

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا
نُور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

قرآن کریم میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر جہاں اور بہت سے دلائل ہیں وہاں یہ بھی ایک دلیل ہے :-

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون ۵ (۱۰:۱۶)

"اے رسول کہہ کہ میں ایک لمبی عُمر تمہارے اندر گذار چکا ہوں تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے"۔

میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میری امانت۔ دیانت۔ صداقت میں تم نے کیا خطا دیکھی ہے۔ میرے اخلاق سے تم خوب واقف ہو۔ جب میں نے کسی انسان پر افتراء نہیں کیا تو خُدا پر کیسے افتراء باندھوں گا۔ میرے دعوٰی سے پیشتر کی زندگی پر غور کرو اور انصاف سے کام لو اور میرے دعوٰی کی صداقت کو پرکھو۔ آج میں اس سنت اللہ اور الٰہی دلیل کا حوالہ دیتے ہُوئے کہوں گا کہ دِلوں کو تعصّب اور ضد کی میل سے پاک کرکے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی پر غور کریں۔ ایسا شخص جس کی تمام عُمر راستبازی، یادِ الٰہی، دینِ اسلام سے محبت اور خدمت میں گذری ہو وہ بھلا مفتری علی اللہ کیسے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔

وہ احمدی جس نے کچھ دن حضرت صاحب کی صحبت میں گذارے ہیں آج کے اس تاریک دَور میں یہ دعوےٰ کر سکتا ہے کہ وہ ایک خدا نما زمانہ تھا جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں ایام اللہ کہا جاتا ہے۔ ان کی صحبت میں زندہ خُدا پر ایسا ایمان پیدا ہو جاتا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ایک حقیقت بن کر محسوس ہوتی۔

یہ تو صرف ایک پہلو تھا اس حصّہ کا جو احمدیت نے ایک نوجوان کی کردار نگاری میں ادا کیا۔ ایسے ہی اور بھی بے شمار پہلو ہیں مگر قلّتِ وقت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں صرف ایک اور پہلو کی نشاندھی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہُوں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ عام "مسلمان" قصّے اور کہانیاں بہت پسند کرتے ہیں۔ اس عشقِ داستان گوئی کی بدولت انہوں نے انبیاء کرام کے متعلق ایسی ایسی بے سر و پا داستانیں تراشی ہیں کہ اگر انہیں سننے بیٹھ جائیں تو یقیناً اسلام سے ایمان اُٹھ جائے اور جی گھبرانے لگے۔ حضرت یوسفؑ اور زلیخا۔ حضرت سلیمانؑ اور بلقیس ملکہ سبا، حضرت داؤدؑ اور اوریا کی بیوی کی داستانیں کیا ہمارے اپنے ذہنوں کی پیداوار نہیں ہیں۔ انبیاء کرام کی ذات پر ان تہمتوں کو کس نے صاف کیا، یہ صرف اور صرف ہمارے بزرگ احمدیوں نے کیا۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے اسلاف نے ایسا شاندار کارنامہ سرانجام دیا اور یہ سب احمدیت کی بدولت ہوا اس لئے ہمیں خصوصیّت سے یہ کہنا چاہیئے کہ ہمارے بزرگ احمدی تھے اور ہم بھی ان کے نقش قدم

(باقی بر صفحہ کالم ۱)

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء

تقریر آنسہ پروین واجد صاحبہ - پشاور

فرمایا: محترمہ صدر اور معزز سامعات۔
السلام علیکم

میں منتظمین جلسہ کی مشکور ہوں کہ انہوں نے مرکز سے دُور رہنے والی خواتین اور طالبات کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا۔ مجھے یہ ارشاد ہوا ہے کہ میں "ہمارے عقائد" کے بارے میں اپنے خیالات پیش کروں۔

ہمارے عقائد بار بار پیغام صلح اور اخبار لائٹ میں چھپتے رہتے ہیں یہ تکرار کبھی کبھی باعث کوفت ہو جاتی ہے۔ لیکن اتمام حجت کے لئے یہ تکرار ضروری ہے۔ اور یہی تکرار اب مجھے کرنا ہے۔

یہ ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے گھنٹوں تقریر کرنے کے بعد بھی اس مضمون کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ دس منٹ میں اس پر بحث کی جائے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن اور حدیث سے ہمارے عقاید پر روشنی ڈالی جاتی اور پھر فقہاء اور اکابرین اُمت کے اذکار و آراء پیش کی جاتیں اور ان کے ساتھ ہمارے عقاید کا موازنہ کیا جاتا۔ اس طرح اپنے عقاید کی صحت کی تصریح کی جاتی، لیکن وقت اس کی اجازت نہیں دیتا۔

مذہب میں عقاید بحث کا موضوع رہتے ہیں اور مذاہب میں باہمی مقابلہ بھی عقاید اور ان کے عواقب اور نتائج کی بناء پر ہوتا رہتا ہے انہی عقاید کی بناء پر اسلام میں تہتر فرقے بنے ہر فرقہ اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ سمجھتا ہے اور دوسرے فرقوں کو گمراہ۔ لیکن اسلامی فرقوں میں چند بنیادی عقاید ایسے ہیں جن پر عام طور سے اتفاق پایا جاتا ہے۔ گو کہ ان کی تفصیلات میں اختلاف رہتا ہے۔ ان اختلافات کی بنیاد پر ہر فرقے کے متشددین ابتدائے اسلام سے دوسروں کو کافر کہتے رہے۔ چنانچہ اسلام میں جو پہلا فرقہ پیدا ہوا وہ خوارج کا فرقہ تھا۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو کافر کہتے رہے اور اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو ابن العاصؓ کو بھی کافر کہتے رہے۔ بعد کے آنے والے خوارج تو بہت دور جا نکلے۔ پھر شیعانِ علی پیدا ہوئے اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ان میں بہت سے ذیلی فرقے پیدا ہوئے اور یہ سب ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے پھر مرجئیہ اور قدریہ اور جبرئیہ اور کرامیہ اور معتزلہ پیدا ہوئے لیکن ان میں سے کوئی فرقہ بھی تکفیر کرنے سے اجتناب نہ کرتا تھا۔ معتزلہ کے مقابل پر اہلسنت والجماعت پیدا ہوئے۔ ان میں اہلحدیث اور امام ابوالحسن اشعری کے پیرو جو کہ اشاعرہ کہلاتے ہیں اور امام ابو منصور ماتریدی کے متبعین جو کہ ماتریدی کہلاتے ہیں اور صوفیاء کرام شامل تھے اہل سنت والجماعت میں امام ابو حنیفہؒ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کی نفی کرتا ہو تو ایسے شخص پر کفر کا فتوے نہیں لگانا چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ لیکن ایک چھوٹا رسالہ بنام فقہ اکبر آپ کی طرف منسوب ہوتا ہے یہ رسالہ عقاید کے بارہ میں ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں ہیں اور ایک شرح مشہور محدث و فقیہہ مُلّا علی قاریؒ نے لکھی ہے۔ اس میں اس بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا ترجمہ پیش ہے :-

"اور انہوں نے ذکر کیا ہے اس مسئلہ کے بارہ میں جبکہ ایک شخص میں کفر کے ننانوے احتمالات ہوں اور ایک ایسا احتمال ہو جو کہ اس کفر کی نفی کرتا ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے بہتر ہے کہ وہ نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے یعنی وہ کفر کا فتوے نہ لگائے کیونکہ ایک ہزار کافروں کو مسلمانوں میں باقی رکھنے کی غلطی کا بوجھ زیادہ ہلکا ہے بہ نسبت اس بوجھ کے کہ ایک مسلمان کو کم کیا جائے اور اسی مسئلہ مذکورہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس شخص کی اپنی تاویل کو قبول کیا جاوے اور اگر دوسرے لوگوں کی تاویل اس کے خلاف ہو تو اسے رد کیا جائے۔"

یہ مسلک قرآن اور حدیث صحیح کے زیادہ قریب ہے۔ قرآن میں تو حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم پر کوئی شخص سلام ڈالے تو اُسے یہ مت کہو کہ تو مؤمن نہیں اور اللہ تعالےٰ نے آپس میں لڑنے والے مؤمنوں کو کافر نہیں کہا بلکہ ان کو مومن کہا ہے اور ان کو بھائی بھائی کہا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرو۔ اور ساتھ ہی ڈرایا بھی ہے کہ اگر ایسے کرو گے تو کفر لوٹ کر مکفّر کی گردن پر پڑ سکتا ہے اور آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے اور اس کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر ہے اور تم اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری کی خلاف ورزی نہ کرو اور آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے اس قول کے جواب میں کہ جس شخص کو میں نے قتل کیا ہے اس نے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، یہ سخت جواب دیا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا اور قیامت کے دن اس خون کا جواب اللہ تعالےٰ کو کیا دو گے اور بار بار یہ کہتے رہے۔ اس قسم کے بے شمار نواہی آنحضرت صلعم کی طرف سے وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے۔ لیکن مسلمانوں کی شومئی قسمت کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان کا دعوےٰ رکھنے والے خود قال اللہ و قال الرسول کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اپنے ان فقہاء کی پیروی کرتے ہیں جن کی تقلید کو وہ جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ثابت کرتے ہیں کہ اس نے کوئی رسول نہیں بھیجا جس کے ساتھ استہزا نہ کیا گیا ہو۔

تیرھویں صدی مسلمانوں کے ادبار اور تنزل کا زمانہ تھا ان کی تمام حکومتیں چھن چکی تھیں اور ممالک کے علاوہ ان کا علم اور ان کی قوتِ عمل سلب ہو چکی تھی اور قوم کے شعراء مرثیے لکھتے رہے۔ مسدسِ حالی ان مرثیوں کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور اقبال نے بھی جوابِ شکوہ میں مسلمانوں کی اصلی تصویر کھینچی ہے۔ فکری اور نظری میدان میں مسلمان مغربی ممالک سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کو پہلی بار اس پوزیشن کا سامنا ہوا کہ اسلامی عقاید پر حکومت کی پشت پناہی اب باقی نہیں۔ اور اس پوزیشن سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اُٹھایا، اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ میں مسلمانوں کے غلط عقائد کو مسلمانوں کے خلاف کامیابی سے استعمال کیا۔ اسلامی ممالک تو مغربی اقوام کے تسلط میں تھے ہی اب انہوں نے عیسائیت پھیلانے کے لئے پادریوں کی فوج تیار کی۔ ۱۸۹۳ء کے ایک سال کی ایک ہی مشن یعنی چرچ مشن آف انگلینڈ کی رپورٹ کچھ اس طرح ہے کہ :-

"سال کے دوران دو لاکھ تین ہزار سات سو آدمی عیسائی بنائے گئے اور ۲۹۴۰۹ عیسائیت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان میں ایک لاکھ آدمی صرف ہندوستان میں عیسائی بنے۔ ان کے پاس ۶۶۹۳ پادری ہیں جن میں ۱۷۴۲ عورتیں ہیں۔ ان کے

پر مشتمل ۱۷۲۱ سکول اور کالج چل رہے ہیں جن میں
قریب یک لاکھ تیس ہزار طلباء اور طالبات زیر تعلیم تھے۔
ان کے ہسپتالوں میں دوران سال کچھ اوپر پانچ لاکھ مریض زیر
علاج رہے ہیں۔"

یہ صرف ایک مشن کی رپورٹ ہے اور اس قسم کے سینکڑوں مشن دوسرے کام کر رہے ہیں۔

لیکن ان کے مقابل پر کیا پورے اسلامی دنیا میں کوئی ایک عالم دین بھی سامنے آیا اور اس نے ان کے چیلنج کو قبول کیا نہیں بلکہ علمائے دین اسلام آپس میں ان جھگڑوں میں برسر پیکار رہے کہ پاجامے کی لمبائی ٹخنوں کے نیچے تک ہونی چاہیئے یا اوپر تک۔ امام کے پیچھے آمین آہستہ کہنی چاہیئے یا زور سے۔ قعدہ میں تشہد کے وقت سبابہ انگلی اوپر اٹھانی چاہیئے یا نہیں اور کنوئیں میں اگر چوہا گر جائے تو تین سو ڈول پانی نکالنا چاہیئے یا پانچ سو وغیرہ وغیرہ۔ یہی علماء مسلمانوں کے ادبار کے ذمہ دار تھے اور قلیل داموں اپنے دین کو بیچ رہے تھے۔

مسلمانوں پر آریوں۔ سناتن دھرمیوں۔ برہمو سماجیوں۔ دہریوں وغیرہ کی یورشوں کا ذکر میں نہیں کرتی کیونکہ وقت نہیں۔ ان کو اب موقعہ ہاتھ لگ گیا تھا کہ مسلمان بادشاہوں کے مبینہ مظالم کا بدلہ مسلمانوں سے چکائیں۔

اگر اسلام ایک الٰہی سچا دین تھا تو ضرور تھا کہ ایسے وقت میں اسلام کی مدد کے لئے اللہ تعالےٰ کسی کو بھیجتا۔ اور اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مامور فرمایا۔ انہوں نے عیسائیوں کو خاص کر اور دیگر مذاہب عالم کو عام طور پر مقابلہ کے لئے للکارا جو سامنے آیا اسے ملیا میٹ کر دیا۔ یہ چیلنج صرف ملک ہندوستان کے لئے ہی نہ تھا بلکہ بیرون ہندوستان امریکہ اور انگلینڈ اور تمام یورپ کے لئے تھا۔ اور ایک قلیل عرصہ میں ایک شکست خوردہ قوم کو اس نے ایسا فاتح بنا دیا کہ ان مغربی ممالک کے مرکزوں میں اس نے تبلیغ اسلام مراکز قائم کر دیئے۔ انگریزی زبان میں کتابیں اور رسالے شائع کر کے بھیجے اور ان کے بادشاہوں تک کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اُسے مسیح بنایا اور آنحضرت صلعم نے ان کے متعلق پیشگوئی کی تھی تو وہ موعود ہوا اور آنحضرت صلعم نے انہیں نبی اللہ کہا تھا تو اللہ تعالےٰ نے اسے نبی کے خطاب سے سرفراز فرمایا لیکن چونکہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین تھے اس لئے یہ لفظ صرف لغوی معنی کی رُو سے استعمال فرمایا جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے فلما جاءہ الرسول قال ارجع الی ربک۔ یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس عزیز مصر کا ایلچی آیا تو آپ نے اسے کہا کہ وہ اپنے رب یعنی پرورش کنندہ کے پاس واپس لوٹے۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں پر رسول اور رب کے الفاظ لغوی معنی میں استعمال فرمائے۔ اور اس نے لغوی معنی میں الفاظ استعمال کرنے پر کبھی پابندی نہیں لگائی نہ پہلے ایسی کوئی پابندی تھی اور نہ اب کوئی پابندی ہے لیکن علمائے اسلام نے بجائے اس مرد مؤمن کے ممنونِ احسان ہونے کے اس پر کفر کے فتوے لگائے اور قسم قسم کے افتراء آپ کی ذات کی طرف منسوب کئے اور کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا منکر ہے اور یوم البعث اور ملائک اور لیلۃ القدر اور معجزات وغیرہ کا منکر ہے اس لئے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور آپ کی وفات کے بعد جماعتِ احمدیہ لاہور پر اسی قسم کے فتوے لگائے۔ ان علماء نے نہ قرآن اور حدیث کی پرواہ کی اور نہ ہی بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے وضاحتی بیانات اور نبوت کے دعوےٰ سے انکار پر کان دھرا اور نہ ہی ہماری جماعت کی زاید از ساٹھ سالہ ان خدمات کی طرف توجہ دی جو اس نے ختم نبوت کی خاطر سرانجام دیں۔ اور بالآخر ہمیں آئینی اور قانونی طور سے غیر مسلم قرار دے کر بھی ان کو چین نہیں آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار ان الزامات کی تردید کی اور ان کو افتراء اور بہتان قرار دیا۔ ان کی کتابوں اور اشتہارات وغیرہ سے چند اقتباسات پیش ہیں:-

"اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس قوت یقین اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔"

(اخبار الحکم۔ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۵ء)

اور آپ نے فرمایا:-

"اس عاجز نے یہ سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے ملائک کا منکر بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرئیل اور لیلۃ القدر اور معجزات نبوی سے بکلی منکر ہے لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہیں۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔...... اس میری تحریر پر ہر ایک شخص گواہ رہے اور خداوند علیم و سمیع اوّل الشاہدین ہے کہ میں ان تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے اور جن پر ایمان لانے سے ایک غیر مذہب کا آدمی بھی معاً مسلمان کہلانے لگتا ہے اور میں ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہوں جو قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ میں درج ہیں۔"

یہ اشتہار آپ نے اس وقت جاری کیا جب آپ دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب کے ساتھ مباحثہ کے لئے تشریف لے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب کے فتوائے کفر کی وجہ سے اہلیان دہلی میں سخت اضطراب پھیلا ہوا تھا اور وہ بہت مشتعل تھے۔ ازالہ اوہام میں آپ فرماتے ہیں:-

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا اعتقاد جو اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالےٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمالِ دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔"

اور کرامات الصادقین میں آپ فرماتے ہیں:-

"بالآخر میں عامۃ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد

میرا ایمان ہے - میں اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں - کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں -"

اور آپ نے استفتاء عربی (مشمولہ حقیقت الوحی) میں فرمایا :-

" و انّ رسولنا خاتم النّبیّین و علیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین - یعنی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں اور آپ پر مرسلوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا -"

اور آپ فرماتے ہیں :-

سوال " رسالہ فتح اسلام میں نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے

جواب : نبوت کا دعوےٰ نہیں محدثیت کا دعوےٰ ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم سے کیا گیا ہے "

مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام لاہور ایک مباحثہ کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر لکھ کر دی - اور اسی پر وہ مباحثہ ختم ہوا :-

" جس حالت میں کہ ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدّث مراد ہے جس کے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُکلّم مراد لئے ہیں تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدّث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں -"

اور انجام آتھم میں آپ نے فرمایا :-

" اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعوےٰ نہیں کیا "

اور حقیقۃ الوحی میں آپ نے فرمایا :-

" و سمیّت نبیاً من اللہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقت -

ترجمہ : اور اللہ کی طرف سے میرا نام نبی رکھا گیا مجاز کے طور پر نہ کہ حقیقت کے طور پر -

اور آپ نے فرمایا :-

" جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں " (تقریر واجب الاعلان دہلی)

اور آپ نے مزید فرمایا :-

" مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعوےٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں "

" ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے " (حمامۃ البشریٰ)

اور جنگِ مقدس میں آپ نے فرمایا :-

" میرا نبوت کا کوئی دعوےٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یہ آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعوےٰ کرے وہ نبی بھی ہو جاتا ہے -"

" ... پر ... ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے جو زیر سایہ نبوت محمدیہ بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے ......"

غرض آپ کی کتابیں اور رسالے اور اشتہارات اور تقریریں آپ کے عقائد کو سینکڑوں دفعہ واضح طور سے بیان کر چکے ہیں نہ مزید حوالوں کی ضرورت نہیں کیونکہ آخر وقت تک آپ کے یہ عقائد رہے ہیں - آپ نے نبوت کا دعوےٰ کبھی نہیں کیا اور جو آپ کی طرف یہ دعوےٰ منسوب کرتا ہے وہ آپ کے الفاظ کے مطابق تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے -

ہماری جماعت احمدیہ لاہور کے وہی عقائد ہیں جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے - لیکن جیسے حضرت مسیح موعودؑ پر کفر کا فتوےٰ لگایا گیا تھا ویسے ہی ہماری جماعت پر بھی کفر کے فتوے لگتے رہتے ہیں اور اب تو ہم کو آئین اور قانونِ پاکستان کی غرض کے لئے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے - یہ ان لوگوں کے مطالبہ پر ہوا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک پرانے نبی کے آنے کے قائل ہیں اور اس طرح خود ہی ختم نبوت کے منکر ہیں -

لیکن ہمیں اس قسم کے فتوؤں سے حزن و ملال نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی ان سے گھبرانا چاہیئے - کیونکہ ہمارے عقائد قرآن اور صحیح احادیث کے مطابق ہیں اور اولیاء اللہ اور اکابرین اُمّت کے یہی عقائد ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے اور ان کی پیروی میں ہمارے ہیں - ہم اللہ تعالےٰ کو واحد لاشریک سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارا کوئی معبود نہیں - ہم اس کے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو خاتم النبیّین سمجھتے ہیں یعنے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور آپ کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں - یوم البعث اور ملائک اور تمام سابق رسولوں اور نبیوں اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم معجزات کے منکر نہیں اور نہ ہی لیلۃ القدر کے اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم کا کوئی لفظ منسوخ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے بعد کوئی اور شریعت یا کتاب آ سکتی ہے - ہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں -

ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم + بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

ہم قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں میں سے ہیں اسی پر اس دنیا میں آئے ہیں اور انشاء اللہ اسی پر اس دنیا سے رحلت کریں گے - ہمارے ساتھ وعدہ الٰہی ہے اللہ ولی الذین آمنوا اللہ تعالےٰ ایمان لانے والوں کا دوست ہے اور وہ فرماتا ہے :-

فاصبر انّ العاقبۃ للمتّقین - اور صبر کرو انجام میں کامیابی متقیوں کے لئے ہے -

و آخر دعونا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین - والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ -

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وصیّت "جب تک کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو -" (الوصیت ص۶)

از مولوی احمد گل صاحب۔ فاضل دیوبند

وحی اور تصوّف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

(قسط نمبر ۲)

پرویز صاحب کا خیال ہے کہ :-

"انسان کے اندر ایک قوّت ہے (قوّت خیال کہہ لو یا (وِل پاور) جسے اگر خاص طریقوں سے (DEVELOP) کر لیا جائے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں جنہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔ یہ کچھ ہر انسان کر سکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مُسلم کی بھی تمیز نہیں۔ ہندو سادھوؤں اور سنیاسیوں سے (جو علانیہ بُت پرستی کرتے ہیں) ایسی ایسی "خارق عادت" باتیں سرزد ہوتی ہیں جو مسلمان پیرزادوں سے بھی نہیں ہوتیں" (سلیم کے نام جلد ۳ ص۵)

اپنے مشاہدہ کو بیان کرتے ہوئے مزید اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں :-

"میری عُمر کا ایک بڑا حِصّہ انہی وادیوں میں گذرا ہے اور میں نے یہ سب کچھ خود کر کے دیکھا ہے۔ اس کے لئے میں اپنے ہاں کی خانقاہوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ سادھوؤں کی سمادھیوں تک سے بھی ہو آیا ہوں۔ وہاں بھی دیکھنے گیا تھا کہ اگر یہ "کرامات" دینِ اسلام کا مغز ہیں تو پھر مشرکین سے یہی کچھ کیسے سرزد ہو جاتا ہے" (ص۴۹)

ناکام کوشش } "میری عمر کا ایک بڑا حِصّہ انہی وادیوں میں گذرا ہے" وہ کونسی وادیاں ہیں؟ خانقاہیں اور سادھوؤں کی سمادھیاں، یوگیوں کی روحانی مجلسیں، سنیاسیوں کے باطنی امور، نقشبندی کے چلے اور تجربے۔

یہ تصوّف، معرفت اور باطنی علوم کے حصول کا طریق کار جو پرویز صاحب نے اختیار کیا۔ "عمر کا ایک بڑا حِصّہ" مشرکانہ وادیوں میں گھوم کر صرف کر دیا، مگر وائے بدنصیبی، نہ یوگ سے کچھ حاصل ہوا اور نہ ہی اسلامی اقتدار سے حِصّہ ملا۔ لَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ وَلَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ یعنے

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے — نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

پرویز صاحب کی اس جد وجہد کا نتیجہ لازماً یہی ہونا تھا کہ حقیقی اسلام سے دلبرداشتہ ہو کر ایک دوسرے (خود ساختہ) اسلام پر چل نکلے اور نومسلم کہلائے اگر وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدّد صدی چہاردہم کی مندرجہ ذیل تحریر پڑھ لیتے تو انہیں نئی دھلی، شملہ اور دیگر مقامات میں، جوگیوں کی سمادیوں میں جانے اور مختلف وادیوں میں گھومنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑتی اور نہ ہی اسلام سے دل برداشتہ ہو کر نومُسلم کہلانے کی ضرورت پیش آتی۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

یہ درجہ معرفت کا نہ کسی عیسائی صاحب کو نصیب ہے اور نہ کسی آریہ صاحب کو اور ان کے ہاتھ میں محض قصّے ہیں اور زندہ خدا کی زندہ تجلّی کے نظارہ سے وہ سب بے نصیب ہیں۔ ہمارا زندہ و قیوم خُدا ہم سے اِنسان کی طرح باتیں کرتا ہے ہم ایک بار پوچھتے اور دُعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادات قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جس کو خُدا کہنا چاہیئے۔"

(نسیم دعوت ص۷۹)

پھر اسی امر پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

این مگو کیں گزاف ولغو وخطا است + تو طلب کُن ثبوت آں برما است
این ہمہ راست است لاف نیست + امتحاں کُن گر اعتراضے نیست
وعدہ گنج لبطالباں نہ دھم + کاذبم گر از و نشاں نہ دھم

پرویز صاحب نے کشف و کرامات کو قوّتِ متخیلہ سمجھ کر انہیں اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ یہ بھی ان کی اسلامی حقائق سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

فسوف تری اذا انجلی الغبار
أفرس تحت رجلیك ام حمار

ہم آئندہ سطور میں ان پر واضح کریں گے کہ الہامات اور کشوف کا تصور (جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں) غیر اسلامی نہیں بلکہ اسلام اور قرآن کی منشاء کے مطابق ہے اور خدا کی ہستی پر زندہ ثبوت ہونے کا ذریعہ۔ ان کا تعلق قوّتِ متخیلہ سے نہیں بلکہ خدا کی پاک وحی سے ہے جو ہمیشہ سے اس کے پاک بندوں پر نازل ہوتی اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے ہیں جنہوں نے وحی الٰہی پر پوری طرح عمل کرنے سے خُدا کا قرب حاصل کیا، ان کی دعائیں سنی گئیں، ان کے ہاتھوں پر خوارق دکھائے گئے، دشمنوں کے مقابل انہیں تائید اور نصرت حاصل ہوئی۔

ہنود و یہود۔ کافر و مشرک کے عقائد کو پرکھنا اور غیر اسلامی مذاہب کی مذہبی وادیوں میں حقائق معلوم کرنے کے لئے گھومنا فی نفسہٖ کوئی معیوب بات نہیں البتہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ ان کے غلط عقائد اور بے ہودہ رسومات سے متاثر ہو کر اسلامی اقدار اور قرآنی حقائق کا انکار کر دینا پرلے درجے کی بدبختی اور اسلامی علوم سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے بھی مخالف اسلام مذاہب کی چھان بین کی ہے اور مختلف مذاہب کی مذہبی وادیوں میں گھوم کر اپنی عُمر کا ایک بڑا حِصّہ گذار دیا ہے۔ درین اثنا انہیں جو تجربہ حاصل ہوا اس کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں :-

"میں نے خوب غور سے دیکھا کہ دونوں (عیسائی اور ہندو۔ ناقل) مذاہب راست بازی کے مخالف ہیں اور خدا تعالےٰ کی راہ میں جس قدر ان مذاہب میں روکیں اور نا اُمیدی پائی جاتی ہے ...... خدا کی طرف یہ دونوں مذاہب راہبری نہیں کرتے اور ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتے ہیں۔ ایسا ہی ان کے متشابہ دُنیا میں اور مذاہب بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ سب مذاہب خدائے وحدہٗ لاشریک تک نہیں پہنچا سکتے اور طالب کو تاریکی میں چھوڑتے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی۔ ص۶۱)

رہبانیت اور اسلام } اس سے پہلے کہ معرفت الٰہی یا تزکیہ نفس کے قابل اعتماد ذریعے کو بیان کیا جائے اس امر کا اظہار کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو قرب الٰہی کے حصول کے راستے میں اپنے جسم کو سنگِ گراں سمجھ کر اس سے تنفر اور دشمنی کا رجحان پیدا کر لیتے ہیں۔ انسانی فلاح کا راز اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے جسم کے مطالبات سے چھٹکارا حاصل کر لیں بلکہ معاشرتی ذمہ داریوں سے یکسر الگ ہو کر گیان اور دھیان کے ذریعے اپنے جسم کو تحلیل کرنے کی کوشش میں معروف رہیں اور سارے دُنیاوی علائق کو توڑ کر صرف اپنی رُوح کے لئے نجات کا سامان فراہم کریں۔

مگر اسلام، قرب الٰہی کے اس نظریہ کو لا رھبانیۃ فی الاسلام کہہ کر غلط قرار دیتا ہے، جس میں انسانیت محبت و اخوت، بھائی چارہ اور خاندانی اور قومی تعلقات کو بالکل برباد کر کے رکھ دے۔ بلکہ جس سے سارے حقوق و فرائض قومی، تہذیب و تمدن۔ معاشرت و معیشت، سیاست

اجتماعیت پر پورا اترے پڑے۔ اسلام جس نظریہ کو پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان شریعت کو الہامی ضابطۂ حیات (جس میں انسان اور اس کے خالق کے درمیان صحیح تعلق کی نوعیت کی وضاحت کی گئی ہے) کو مان کر اس کی پابندی کا عزم کرے۔ اب وہ اگر مذہب کو ضابطۂ حیات کے طور پر اپناتا ہے۔ تو اسے اپنے جسم کے تقاضوں اور اپنی خاندانی، معاشرتی اور انسانی ذمہ داریوں کو بھی برابر نگاہ میں رکھنا ہوگا۔ بصورت دیگر اگر اس نے ان پابندیوں سے گریز کیا جو مذہب انسان پر عائد کرتا ہے اور اس کے باوجود فنا فی اللہ اور وصول الی اللہ کے مقصد کو سامنے رکھ کر اپنی ہستی کو اس کی ذات میں گم کرنا قرار دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اپنے آپ کو دھوکہ دینے کا مترادف ہوگا۔ نہ یہ منشائے اسلام ہے اور نہ ہی قرب الٰہی کا ذریعہ۔

اسلام اور تصوّف

اسلام میں شروع سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ چلا آ رہا ہے، جن کی نظروں میں مادی عوامل اور دنیاوی مقاصد کم برائے نام رہے اور یادِ خدا اور ذکر الٰہی کو اپنا خاص نصب العین قرار دے کر سلوک و طریقت کے مختلف طریقوں پر عامل رہے مگر ایک عرصے کے بعد اس کے مسلک کا نام تصوّف مشہور ہوا اور اس کے پیروکار "صوفی" کہلانے لگے۔ جیسا کہ امام ابوالقاسم قشیریؒ (متوفی ۴۶۵ھ) کے رسالہ القشیریہ فی علم التصوف سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "رسول اللہ صلعم کے زمانے کے معاصر مسلمان کے لئے سب سے زیادہ پُر فخر افضل لقب صحابی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی لقب سے اس وقت کے افاضل موسوم ہوئے۔ اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی، تو ان صحابیین صحابہ کے لئے تابعین کہلائے۔ اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو امور دین میں زیادہ انہماک ہوا انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا۔ لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ الگ ہو گئے، تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن بیٹھا کہ زہاد و عباد اسی میں ہیں۔ اس وقت اہل سنّت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دُور رہتا تھا، اپنے لئے "اہل تصوّف" کی اصطلاح قائم کی اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقۂ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص ہو گیا۔"

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوّف کا مفہوم صرف اس قدر تھا کہ

(۱) ۔ جو طریقہ صحابہ کرام میں پایا جاتا ہے (اسلامی طریقہ) وہی تصوّف کا طریقہ ہے۔ یعنی اتباع کتاب و سنّت اور اسوۂ رسول و صحابہ کی پیروی اطاعت و عبادت اور اوامر و نواہی کی تعمیل۔ تعلق باللہ اور خشیۃ اللہ سے دلی لگاؤ۔ باطنی صفائی اور تزکیۂ نفس میں جد و جہد۔

(۲) دوسری صدی ہجری کے اواخر میں جب مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ کر ہر فرقہ مختلف ناموں سے متعارف ہوا، اس وقت امتیازی طور پر اس فرقے کا مسلک تصوّف قرار دیا گیا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس گروہ کا سلسلہ صدر اولیٰ سے مسلسل چلا آ رہا ہے اور آئندہ بھی اُمت میں اسی طرح جاری رہے گا۔ اس کے خلاف پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ تصوّف غیر اسلامی نظریہ ہے اور اسلام کے مدِ مقابل کھڑے ہو کر اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے۔ کس قدر غلط تاثر دینے والی بات ہے۔

ابن عربی کا مسلک

اہل تصوف کا تعلق (جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے) کتاب و سنّت کی اتباع، عبادات اور امر و نہی کی تعمیل کے ساتھ ساتھ مکاشفات اور مجاہدات سے بھی رہا ہے۔ جہاں وہ شریعت کے ظاہری احکامات اور فرمودات کی پابندی اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں، وہاں روحانی رنگ میں مجاہدات اور مکاشفات کے ذریعے حقیقت اور معرفت کے مدارج طے کرنے کی کوشش میں برابر مصروف رہتے ہیں۔ [illegible] کہا ہے کہ اگر انسان ریاضت اور مجاہدہ کو پورے طور پر [illegible] دنیا میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ [illegible] دیکھے خدا کی پرستش کو ایمان کی پہلی منزل سمجھتے ہیں۔ [illegible] یہ منزل صرف عوام الناس کے لئے مخصوص ہے جو کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے ذات غیب کا مشاہدہ کرنے سے معذور ہیں۔ وہ صرف ایمان بالغیب کے مکلّف ہیں اور بس۔ مگر خواص یعنے اہل کشف کا معاملہ ایسا نہیں۔ وہ مجاہدات کے ذریعے مزید منزلیں طے کر کے حق تعالےٰ کو مشہود و محسوس کرتے ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ ان کے بعد مسلمان صوفیاء میں سے ہزارہا کی تعداد میں ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس نظریہ کی صرف تائید ہی نہیں کی بلکہ اسے اپنا کر عملی رنگ میں اس کا ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے۔ ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات اور اس میں پائے جانے والے جملہ افعال و آثار اور صفات، بدون ذات ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں اس ذات سے الگ متصوّر کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ کائنات اور خالق کائنات یہ دونوں کوئی الگ چیز نہیں بلکہ جملہ صفات، افعال اور اثرات میں وہی ذاتِ حق جلوہ گر اور کارفرما ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ، اسی تصوّر سے متعلق ہے مگر آگے جا کر یہ نظریہ دو قسموں پر منقسم ہو جاتا ہے۔ جن میں سے ایک کا تعلق اسلام سے کچھ بھی نہیں اور دوسرا وہ کہ جس کے پیچھے خدا کی قدرت اور اس کی برتری کا اظہار ہوتا ہے۔ ان دونوں کی صورت یہ ہوگی کہ کائنات اور موجودات کے متعلق اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہی چیزیں خود خدا ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور ایسی ہستی نہیں جو ان کی خالق و مالک ہو کر تو یہ کفر اور غیر اسلامی تصوّر ہے۔ صوفیاء اس نظریئے کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک یہ کہنا کہ "کائنات جلوۂ ذات ہے" ان کے نزدیک یہی حقیقت ہے اور یہی اسلامی تصوّر ہے۔ یہ حضرات اس باریک فرق کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ کائنات جلوۂ ذات ہے تو اس سے کائنات کی ہستی کا اثبات ہوتا ہے جو کفر ہے مگر یہ کہنا کہ جلوۂ ذات یہ کائنات ہے۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جلوۂ ذات بسبب تعیّنات بشکل کائنات نظر آ رہا ہے۔ ان کی اس کی تشریح کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالےٰ کے سوا کائنات کی کوئی چیز حقیقی معنی میں موجود نہیں صرف وہی ذات ہی موجود ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ مجاز ہے یا اسی وجود کے آثار و اظلال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے ہم خیال حضرات نے انسان اور خدا کے درمیان باہمی تعلق کو آئینہ کی مثال دے کر اس طرح واضح کیا ہے کہ انسان خدا کی تجلّی کو اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق دیکھتا ہے۔ جب وہ ذات باری کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ فی الحقیقت اس کی شان تنزیہ کو نہیں دیکھتا بلکہ خود اپنے آپ کو اس میں منعکس پاتا ہے۔ دوسری طرف خود باری تعالےٰ اپنے اسماء اور اپنی صفات کا ظہور انسان میں دیکھتا ہے۔ اسی مفہوم کو حضرت مجدّد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں واضح کیا ہے۔

"غایت ما فی الباب صوفیاء اشیاء را ظہوراتِ حق میدانند تعالےٰ و بجائے اسماء و صفات اُو سبحانہٗ می انگارند بے شائبہ تنزل و بے مظنہ تغیر و تبدل در رنگ آنکہ ظل از

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

از:- ایم اے ارشد

عبرت آفرین
اے خدا تو کتنا عظیم ہے!

یہ جہان آب، وگل انسان کو اپنے جمال دلفریب سے اس طرح اپنی جانب مائل اور متوجہ کرتا ہے کہ انسان اندھا دھند اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ طلب دنیا میں دین و ایمان کی بازی تک لگا دیتا ہے لیکن یہ دنیا عروس ہزار داماد است کی مثل بے وفا ہے اور انسان کو عبرت کے تازیانے لگاتی رہتی ہے۔ کہ شاید انسان حقیقت کو پا سکے۔

ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ میں ڈیوٹی ختم کر کے گھر آیا تو اپنے دوست اختر نامی کو منتظر پایا کافی عرصہ بعد ملا تھا۔ میرے ملاقاتی دوست کا ایک دوست اسلم کسی ملازمت کے سلسلے میں پاکستان سے باہر گیا ہوا تھا میں نے اس کا حال احوال پوچھا تو میرے دوست اختر نے بتایا وہ تو ناکام و نامراد واپس آ گیا ہے۔

میں حیرت سے اپنے دوست کا منہ تکنے لگا۔ لیکن اس خبر سے خدا کی ہیبت و عظمت کا شدید احساس ہوا۔ اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اے خدا تو کتنا عظیم ہے۔ اور تیری گرفت کتنی سخت ہے۔ یقیناً عزت و شان و شوکت و جاہ و مرتبت تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تجھے ناراض کر کے انسان کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ تو نے اپنے مامور کی زبان پر سچ فرمایا۔ اِنی مہین من اراد اھانتک۔ اے میرے مامور جو تیری توہین کرے گا میں اسے ذلیل و خوار کروں گا۔

قصہ یہ تھا کہ یہ اسلم صاحب تین ماہ قبل میرے پاس حلفیہ بیان ٹائپ کروانے آئے تھے جو اسے بیرون ملک جانے سے پہلے متعلقہ دفتر میں جمع کروانا لازمی تھا۔ میں اس حلفیہ بیان کی ایک شق پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا جس کی رو سے اپنے آپ کو "مسلم" ظاہر کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کو نعوذ باللہ کافر و کاذب ہونے کا اقرار کیا جائے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اس شخص کہ ہاں اس عظیم شخص کو جس کے ساتھ خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں کلام کیا۔ جس نے اسلام پر پادریوں کی یلغار کو مردانہ وار روکا اور ان کو ذلت آمیز شکست دے کر اسلام کے چہرہ کو روشن کیا۔ جس نے تمام مذاہب عالم کے ساتھ علمی و قلمی جنگ کر کے اسلام کی عظمت و برتری کو ثابت کیا۔ جس نے اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقتور حکومت برطانیہ (جس کی سلطنت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا) کی ملکہ کو دعوتِ اسلام دے کر اپنے فرض منصبی اور تبلیغ اسلام کا حق ادا کیا۔ جس نے اسلام کے چہرہ پر صدیوں سے پڑا ہوا غبار صاف کیا۔ جو فنافی الرسول اور فنافی اللہ کا روشن نمونہ تھا۔ اور جو آخری سانس تک اسلام کے لئے نبرد آزما رہا اور اپنے خدا کے ہاں عزت و شرف کا حقدار ٹھہرا۔ آج یہ ناشکرگذار اور احسان فراموش انسان اس محسن اسلام اور عاشق رسول انام کی ان خدمات کا صلہ یوں چکاتے ہیں کہ نعوذ باللہ اسے کافر و کاذب ٹھہراتے اور ان کے دعویٰ مجددیت کے مصدق لوگوں کے لئے اندرون و بیرون ملک طرح طرح کے اشکال پیدا کئے جاتے ہیں خدا انہیں ہدایت دے۔

بہرحال اسلم صاحب جن کا ذکر اوپر آیا ہے چونکہ احمدی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے میں نے اس حلفیہ بیان کے بارے میں پوچھا کہ اگر تم اس عظیم الشان انسان جسے اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں تائید اسلام کے لئے مامور کیا ہے کو کاذب و کافر نہ کہو تو کیا اس مطلوبہ ملک کا ویزا تمہیں نہ مل سکتا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں نہیں مل سکتا اور اس نے مزید کہا کہ "حضرت مرزا صاحبؑ کو نعوذ باللہ کافر و کاذب کہنے میں کیا حرج ہے۔ کیونکہ میں تو ان کو ایسا ہی سمجھتا ہوں"۔ اس کی اس بات سے مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔ میں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے ان الفاظ سے کئی دن تک میں غمگین اور ناآسودہ رہا۔ اور خدا کے حضور تضرع اور زاری سے التجا کرتا رہا کہ اے خدا اپنے مامور کے متعلق اس قدر بد خیالات رکھنے والوں کو راہِ ہدایت دکھا اور ان کی رہنمائی فرما کہ وہ اس مقدس انسان کے مقدس مشن یعنی اشاعتِ اسلام کو سمجھنے لگیں۔ اور اس دعا سے میرے دل کو ایک گونہ اطمینان اور سکون حاصل ہو گیا اور اس کے کچھ دن بعد میرے دوست اختر نے اسلم کی ناکامی اور نامرادی کے ساتھ واپسی کی خبر سنائی کہ وہ انتہائی بد دلی اور شکستگی کے ساتھ اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہو کر گھر واپس آ گیا ہے۔ یوں اس نے ایمان بھی کھو دیا اور دنیا بھی حاصل نہ کر سکا۔

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

فاعتبروا یا اولی الابصار

وحی اور تصوف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

(بسلسلہ صفحہ ۱۱)

شخص ممتد شود نمی تواں گفت کہ آں ظل بآں شخص متحد است و نسبت عینیت دارد یا آں شخص تنزل نمودہ بصورت ظل ظاہر شدہ است بلکہ آں شخص بر صرافت اصلیہ خود است و ظل از وے بوجود آمدہ است نے شائبہ تنزل و تغیر۔

(مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۴۷)

حضرت مجدد صاحب نے ظل کی مثال دے کر بڑی خوبصورتی سے وحدت الوجود کے مسئلہ کی اصلیت واضح کر دیا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک کائنات و ما فیہا حق تعالےٰ کے ظہورات اور اظلال ہیں نہ کہ اس کی ذات میں متحد اور عین ذات۔

(باقی ـــــ باقی)

عینک کی تلاش

خاکسار کی نظر کی عینک کسی دوست کے گھر میں رہ گئی ہے اگر کسی کو ملی ہو تو براہِ کرم مطلع فرمائیں۔

فیض الرحمٰن محصل انجمن دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مؤرخہ ۲ر مارچ ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵ ـــــ شمارہ نمبر ۹

شیخ عبدالرحمٰن صاحب
جموی
18/A ماڈل ٹاؤن
لاہور

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ...

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ - ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۰

مَلْفُوْظَاتِ حَضْرَتِ مُجَدِّدِ صَدِ چہاردہم عَلَیْہِ السَّلَام

خُدا کیا چاہتا ہے

اے سننے والو سُنو!! خدا تم سے کیا چاہتا ہے پس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ ہمارا خُدا وہ خدا ہے جو اَب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اَب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اَب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے۔ اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں، جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دُور ہونے کے۔ اور دُور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہلِ کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اُوپر ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا مظہر ہے تمام محامد حقّہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا۔ اور جامع ہے تمام طاقتوں کا۔ اور مبدء ہے تمام فیضوں کا۔ اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا۔ اور مالک ہے ہر ایک مُلک کا۔ اور متّصف ہے ہر ایک کمال سے۔ اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضُعف سے۔ اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں۔ اور اس کے آگے کوئی بات بھی اَن ہونی نہیں اور تمام رُوح اور ان کی طاقتیں اُسی کی پیدائش ہیں۔ اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں۔ اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے۔ اور سُنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے۔ اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

حضرت مسیح زمانؑ کی الوصیّت

انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں، اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے

سِیْرتُ النَّبیؐ پر جلسے

محسنِ انسانیت اور سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت "دارالسلام" لاہور میں ۴ مارچ کو منایا جا چکا ہے۔ دیگر شہروں کی تمام احمدیہ جماعتوں سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ میلاد النبیؐ کے اس مبارک موقع پر اپنے ہاں جلسے منعقد کر کے حضور صلعم کی سیرتِ مقدسہ پر روشنی ڈالیں۔ در اصل سیرتِ طیّبہ پر عید میلاد کے موقعوں پر جلسوں کے انعقاد کی داغ بیل اس زمانہ میں سب سے پہلے جماعتِ احمدیہ لاہور نے ہی ڈالی تھی۔ جس کی تقلید میں اب جگہ جگہ سالانہ جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی جلسے کرائے جا رہے ہیں اللّٰھم زد فزد۔ جلسوں کے انعقاد و انتظام کے لئے جماعتوں کے صدر و سیکرٹری صاحبان۔ جنرل سیکرٹری صاحب سے رابطہ و رجوع فرمادیں۔

(ادارہ)

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء ـــ مستورات

تقریر: محترمہ بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد شیخ۔ راولپنڈی

(۱)۔ ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعًا۔
(۲)۔ الذی جعل لکم الارض فراشاً والسمآء بناءً و انزل من السماء ماءً فاخرج بہٖ من الثمرات رزقاً لکم۔
(۳)۔ وقلنا یاٰدمُ اسکن انت و زوجک الجنۃ وکلا منھا رغدًا حیث شئتما۔

ترجمہ (۱) وہی ہے جس نے سبھی کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔
(۲) وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت اور اُوپر سے پانی اُتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا۔
(۳) اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی باغ میں رہو اور اس میں سے دونوں با فراغت کھاؤ جہاں سے چاہو۔

اَللہ تعالےٰ نے کُل کائنات انسان کے لئے پیدا کی۔ پھل۔ پھول پانی ہَوا وغیرہ وغیرہ۔ پھر انسان پیدا ہوا اور انسان کی تکمیل کا انحصار اس کی جسمانی اور روحانی نشو و نما پر رکھا۔ یہ رُوحانی نشو و نما کا پہلو سب سے زیادہ اہم و ضروری ہے اور یہی انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ ورنہ انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسی تعلیم اور تربیت یا روحانی نشو و نما کے لئے نبی اور پیغمبر آئے اور انکو کتابیں دی گئیں۔

جس چیز کی طرف سب سے زیادہ توجّہ اللہ تعالےٰ نے دلائی ہے وہ تعلیم اور تربیت ہی ہے۔ اس پر صرف زور ہی نہیں دیا او تاکید ہی نہیں کی بلکہ اس کے لئے بذاتِ خود بہترین استاد چُنے۔ اور ان بزرگ اُستادوں کتابیں دیں۔ جیسا کہ فرمایا :۔

وجعل فیکم انبیاء۔ اللہ تعالےٰ نے تمہارے اندر انبیاء بھیجے۔

اور پھر فرمایا :۔

فامّا یاتینکم منّی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیھم ولاھم یحزنون۔

پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی سو نہ اس کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
یہ **کتاب** جس کا خُدا خود مصنّف ہے اور جس کلام میں کوئی شک یا شبہ نہیں۔

ذالک الکتٰب لاریب فیہ ھدًی للمتقین۔ اس کتاب یعنے قرآن مجید کے پڑھنے سے دین و دُنیا ملتی ہے۔ ایسی کتاب جسے تمام عُمر پڑھو۔ علم اور فائدہ حاصل کرو۔ ہر حالت میں ہر وقت میں یہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ دونوں جہانوں کی زندگی کے لئے اصُول وضع کر دیئے۔ جس کے ہر لفظ کا وِرد آنکھوں کا نور، دِل کا سرور ہے یہ ایسا چشمہ ہے جو کبھی نہ خالی ہونے والا ہے۔

اس کتاب کو پڑھانے کے لئے جو استاد چُنا اس کے وجود نے دُنیا پر ثابت کر دیا کہ یہ انسان دُنیا کا سب سے بہترین انسان تھا۔ نبی کریمؐ نے زندگی انسانیت کے لئے وقف کر دی۔ ہر نفس اور ہر لمحہ ہماری تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص کر دیا۔ تمام زندگی اس کام کو جو اللہ تعالےٰ نے سپُرد کیا تھا ایسا انجام دیا کہ دُنیا ہلا دی اور زمین و آسمان ایک کر دیئے۔

خدا نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہمارے اس عظیم الشان اُستاد اور نبیؐ کو ایسی **معراج** عطا کی کہ جس میں دنیا اور عالم بالا کے رموز اور علُوم کا علم بخش دیا تاکہ کچھ باقی نہ رہ جائے۔ آپ کے بعد تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری و ساری رکھنے کے لئے۔ امام۔ مجدّدین ولی اللہ مقرر ہوتے رہے جو اشاعت قرآن اور رسول اللہ صلعم کی تعلیمات کو جاری رکھتے رہے۔ ان سب باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ رُوحانی نشو و نما بہت ضروری ہے۔ جو کہ میرا مضمون مقرر کیا گیا ہے۔

وُہ قیمتی انسان اور اشرف المخلوقات اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت اور برکت اور رحمت سے ہماری گود میں ڈال دیا۔ ماں اس کی جسمانی نشو و نما اللہ کی مدد سے کرتی رہی بی بی ہاجرہ اپنے بچّہ کے لئے پانی صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بھاگ بھاگ کر ڈھونڈتی تھی۔ بچّے کی محبت خُدا نے ماں کے دِل میں ڈال دی ہے اپنے منہ کا نوالا بھی بچّے کو کھلا دیتی ہے۔ مگر مائیں یہ نہ بھولیں کہ انسان کا نصب العین روحانی تعلیم ہے۔ اس لئے اس امر کی طرف توجّہ بہت اہم ہے ورنہ آپ کا بچّہ نامکمّل رہے گا۔
جب خُدا ہماری تعلیم پر اس قدر توجّہ اور تاکید کرتا ہے تو اس کام کو نظر انداز کرنا اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہے۔ انسان اپنے اخلاق۔ کردار اور تقویٰ اور اعمال سے باوقار اور باکمال ہوتا ہے گدھے پر اگر کمخواب کا تھان لپیٹ دیا جائے یا سونے چاندی سے لاد دو۔ تو گدھا بدل نہیں جاتا۔
بہنو! خدا کو انسان چاہیئے اور ایسا انسان جس کی کالی کملی اس کی عظمت اور عصمت کا نشان ہو۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ جس کا بوریا ہی اک بچھونا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

میری عزیزہ بہنو! یہ بچّہ خدا کی بہت بڑی امانت ہمارے پاس ہے جسے بہت احتیاط اور عقلمندی۔ ایمان اور تقویٰ سے ہمیں پرورش کرنا ہے اور دُعا بھی یہی کریں کہ وہ خُدا کے صالح اور مؤمن بندے ہوں۔ مُلک کو خاص کر ہماری جماعت کو متّقی باہمّت باوقار انسان چاہئیں۔ اچھی قوم سے اچھی جماعت اور اچھا مُلک بنتا ہے ایسی کمزور قوم جو روٹی کے نوالے کے پیچھے بھاگ پڑے لالچی اور بزدِل ہوتی ہے۔

احسان ناخُدا کا اٹھائے میری بلا + کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

ہم باہمّت نبیؐ کی اُمّت ہیں۔ ہمارا نبی کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ کسی لالچ میں نہیں آتا تھا اور ہم تو اس **مجدّدِ اعظم** کی جماعت میں شامل ہیں جس نے ہمیشہ حق کہا :

رہ ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا + دیا رُخ بدل اُس نے ایسا ہَوا کا

یہ تعلیم اپنے بچّوں کو دینے کے لئے باہمّت اور متّقی، باعمل ماں ہونی چاہیئے۔ جو خود بھی نہ لالچی ہو۔ اور سوچ سمجھ کر ایک بار نیک ارادہ کرے پھر اللہ کی راہ میں کسی بھی قربانی سے نہ ڈرے۔ احمدی ماں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک نمونہ اور بے مثال ماں بنے اور بچّوں کی تعلیم و تربیت بالخصوص روحانی نشو و نما کے لئے کوشاں رہے۔ اپنے جماعت کے بزرگوں کے پاس بچّوں کو جانے اور بیٹھنے کی تاکید کرے۔

صحبتِ نیکاں نیک می کُند

جماعت کا لٹریچر اور کتابیں پڑھنے اور سننے کا موقعہ پیدا کرے۔ محبّت اور پیار سے مذہب کی طرف راغب کرے نماز کا پابند اور روزہ کی عادت بچپن سے ڈالے۔

(باقی بر صـ۱۲ــ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۹ فروری ۱۹۷۷ء

جو ہم پہ گزرتی ہے اِک بار گزر جائے

جب کسی کے خلاف جذبۂ انتقام اور نفرت کی شدت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ میں تمہیں وہاں ماروں گا جہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملے لیکن بعض اوقات ایک دشمن کے دل میں بھی اتنا احساس ضرور پیدا ہو جاتا ہے کہ موقع ملنے پر وہ اپنے حریف کو بہلا پھسلا کر پانی کے گھاٹ پر لے جاکر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ وہ اسے نیم بسمل چھوڑ کر اس کے تڑپنے سے لطف اندوز ہونے کی خواہش نہیں کرتا لیکن پاکستانی عوام اور ان کے قائدین کی نظروں میں جماعت احمدیہ کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس پہ ایک مہلک وار کرنے کے باوجود ابھی تک ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا اور دل کی بھڑاس نہیں نکلی۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو کہ زبان اور قلم سے اس پہ نئے نئے چرکے نہ لگائے جاتے اور ان پر نمک پاشی نہ کی جاتی ہو۔ ہمارے ۱۹۷۴ء میں لگائے گئے زخم ابھی بھرنے نہ پائے تھے کہ ان کی اذیت پسند طبیعت کے تیز نوکیلے ناخن انہیں پھر سے کریدنے کے لئے عجلت سے اور بڑھ آئے ہیں۔ یہ ہمارے ان کرمفرماؤں کا ہم پہ بڑا احسان ہے کہ وہ ہمیں کسی طور تو یاد کر ہی لیتے ہیں خواہ اخلاقی حدود انہیں ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہوں یا نہ۔

ہم بارہا ان کی خدمت میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہمارا سیاست سے تواتر اور واسطہ نہیں کیونکہ اس دور کی سیاست دین اسلام سے برگشتہ چنگیزی سیاست ہے اور نہ ہی ہمارے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جنہیں ہم اس صدی کا مجدد تسلیم کرتے ہیں ہمیں اپنا دامن ایسی سیاست سے آلودہ کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ ان چند الفاظ میں کہ "تم دین کو دنیا پر مقدم کرو"۔ آپ نے اپنا مقصد اور مشن ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ سیاسی اقتدار کی خواہش چونکہ دنیا طلبی سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ہم نے دنیا کے مقابلے میں دین اسلام اور اس کی حتی المقدور اشاعت کو ہی اپنا نصب العین اور دستور العمل ٹھہرایا ہے۔ ہمارے دن رات باوجود "غیر مسلم اقلیت" قرار دیئے جانے کے اسی گریہ وزاری اور فکر و غم میں بسر ہوتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دین کس طرح دوسرے ادیان پر غالب آئے۔ لیکن اسے ہماری بدنصیبی کہئے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت احمدیہ کے ایک کثیر حصہ نے حضرت مرزا صاحب کے واضح مسلک کے خلاف سیاست کے بے رحم پھڈے میں ٹانگ اڑانا مناسب سمجھا۔ اس سے موجودہ قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے رہنماؤں کے دلوں میں نفرت کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی جس کے نتائج ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہمارے سامنے آ گئے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ

ہم کو ان سے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اور یہ راز اُن پہ تب کھلا جب:

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

ذوقِ گل بوسی میں کانٹوں پہ زبان رکھنے کا خمیازہ یہی بھگتنا پڑتا ہے۔ وہ بیدادگر زمانے کی اس اداءِ دلربائی سے شاید نا آشنا تھے کہ یہاں وفا کے بدلے جفا کی تکلیف وہ لذت سے دل و جگر کو خون کرنا پڑتا ہے۔ اسی پہ بس ہو جاتی تو بھی غنیمت تھا لیکن ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے گناہ ابھی معاف نہیں ہوئے۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔ جوں جوں دن گزرتے ہیں اور ۱۹۷۷ء کی انتخابی مہم تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے ہماری اہمیت کا احساس بھی پہلے سے کہیں شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ اس ملک میں ہماری حیثیت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں مگر پھر بھی کوئی جلسہ اور جلوس نہیں ہوتا جس میں ہمارا ذکر خیر بالواسطہ یا بلا واسطہ نہ آتا ہو۔ اخبارات کے مطالعہ سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اب تو حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے اپنا اپنا منشور پس پشت ڈال کر صرف اس ایک نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی ہے کہ جماعت احمدیہ اور اس کے بانی کو جی بھر گالیاں دینے اور کوسنے میں کون سبقت لے جاکر عوام میں مقبولیت اور ووٹ حاصل کرنے کا مستحق قرار پاکر پہلی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ قائدین حزب اختلاف ہمیں الزام دیتے ہیں کہ "مرزائی" اندر اندر سے پیپلز پارٹی کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اپنا سارا وزن اس کے پلڑے میں ڈالیں گے۔ حزب اقتدار کے رہنما فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ اور افترا ہے۔ احمدیوں نے تو انتخابی مہم کے لئے قومی اتحاد کو معتدبہ رقم دی ہے۔

وفاقی حکومت کے ایک ذمہ دار وزیر نے واقعہ ربوہ کی چنگاری کو راکھ میں سے کریدتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ اصغر خان اور احمدیوں کی ملی بھگت اور گہری سازش کے نتیجہ میں رونما ہوا۔ ہم یہ باور کرنے سے قاصر ہیں کہ احمدی اپنی قلتِ تعداد اور کمزوری وسائل کے مدِنظر کسی ایسے احمقانہ فعل کے مرتکب ہو سکتے تھے جس سے وہ کروڑوں مسلمانوں کے غیظ و غضب کو دعوت دے کر اپنی زندگی اور املاک کو ایسے خوفناک خطرہ میں ڈال دیتے جس کا سامنا انہیں ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ صمدانی کمیشن کی رپورٹ اگر شائع ہو جاتی تو اصغر خان کے اس کردار سے پردہ اٹھ جاتا اور وہ اس وقت قومی اتحاد کے ایک ہیرو کی حیثیت میں عوام کے سامنے آنے کی جرأت ہرگز نہ کرتے۔ ہمارے لئے یہ نیا انکشاف بڑا تعجب انگیز اور حیران کن ہے۔ اگر یہ حقیقت اسی دوران میں سامنے آ جاتی تو عوام کے غم و غصہ کا رخ کچھ تو تحریک استقلال کی طرف مڑ جاتا۔ اگرچہ احمدیوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا لیکن حزب اقتدار کی مخالف ایک سیاسی جماعت کو ضرور نقصان پہنچ جاتا۔ اس الزام کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج ہی کے "نوائے وقت" (۲۸ فروری ۱۹۷۷ء) میں اصغر خان نے جماعت احمدیہ سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

"پھر مجھے بدنام کرنے کے لئے ناصر احمد (مرزا) کا ایک جعلی خط لکھوایا .... میں مرزا غلام احمد پر (نعوذ باللہ) لعنت بھیجتا ہوں۔ میں کبھی قادیانی نہیں رہا۔"

کوئی نام کا احمدی بھی ایسا نہیں ہوگا جس کا دل اپنے امام کے حق میں ان الفاظ سے زخمی نہ ہوا ہو۔ اصغر خان نے عوام میں اپنی مقبولیت کو نقصان سے بچانے کے لئے جو طرزِ تکلم اور انداز بیان اختیار کیا ہے وہ کسی سنجیدہ اور مہذب انسان چہ جائیکہ ایک سیاسی لیڈر کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ وہ اپنی صفائی میں یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ مجھے مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت سے نہ کبھی تعلق رہا ہے اور نہ اب ہے۔ اگر کسی کے پاس اس کا کوئی ٹھوس دستاویزی ثبوت ہے تو سامنے لائے۔ جوش میں ہوش کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے والے قائدانہ صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ اصغر خان نے اس شخص کے متعلق استعمال کئے ہیں جو کہتا ہے کہ ؎

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

(محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمال پر میرے دل و جان فدا ہیں اور آل محمدؐ کے کوچہ پر میری خاک بھی قربان ہے)

کل اس بیان پر ایک سادہ دل احمدی کی آنکھیں نمناک دیکھ کر اور غم سے رُندھی ہوئی آواز میں اُس کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر کہ "جس ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہو اس میں کمزور کا کیا جینا" ہمارے دل سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے "ربنا افتح بیننا و بین قوم الظالمین"

عوام کی خوشنودی کو عزت و ذلت کا معیار سمجھنے والے قرآن کریم کی اس آیت سے بے خبر ہیں کہ:

"تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو یقیناً ہر ایک چیز پر قادر ہے۔"

خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق سے عزت کی اُمید رکھنا شرک ہے اور شرک قرآن کریم کے الفاظ میں ظلم ہے۔

وزیر موصوف اگر اصغر خان پر یہ الزام نہ لگاتے تو انہیں لاکھوں انسانوں کے دل دکھانے کا یہ موقعہ ہاتھ نہ آتا۔ اقتدار کی اس کشمکش اور جدو جہد میں یہ چند ہزار بے بس و مجبور انسان جنہیں خواہ مخواہ نفرت و حقارت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ انہیں فراموش کر کے اس مُلک میں جہاں ان کی نسلیں گذر گئی ہیں اور جن کے آباء و اجداد نے اس سر زمین کو اپنے خون سے سینچا ہے محض جینے کا حق دے دیا جائے تو کسی کی ہار جیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آخر ہندو۔ سکھ اور عیسائی بھی تو اس مُلک میں رہتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ذکر کیوں نہیں آتا۔ اگر ہمیں بنظر عنایت نظر انداز بھی کر دیا جائے تو باقی لاکھوں باشعور رائے دہندگان مُلکی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی کے خلاف یا اس کے حق میں اپنا فیصلہ دے سکتے ہیں۔ لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری آزمائشوں اور ابتلاؤں کا دَور ابھی ختم نہیں ہوا اور دُور دور تک اس کا کوئی نشان بھی دکھ نہیں دیتا۔ ان حالات میں ہم اپنی بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں قرآن کریم کے ان الفاظ میں یہی عرض کریں گے کہ "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین"۔ ہمارا اس کے بغیر کوئی سہارا ہے اور نہ مددگار۔ اس کی مدد اور سہارا طلب کرنے کے لئے ہمارے لئے اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنی راتوں کی نیند اور راحت و سکون قربان کر کے اس کے حضور اپنے درد بھرے۔ صدمے سے چُور اور زبان کے تیروں سے داغ داغ دِل لے کر حاضر ہوں کیونکہ یہی وہ تحفہ ہے جو ہمیں اس کے مامور کا ساتھ دینے کے عوض ملا ہے۔ انہیں اس کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے اتنا روئیں کہ اس کے عرش کے درو دیوار میں زلزلہ برپا ہو جائے۔ جگر پانی بن کر آنکھوں کی راہ بہہ نکلے اور اس وقت تک سر سجدے سے نہ اُٹھائیں جب تک دِل یہ شہادت نہ دیدے کہ "ان نصر اللہ قریب" کیونکہ ہمارے لئے بھی اب وہ وقت آگیا ہے:۔

"جب وہ تمہارے اُوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آگئے
اور جب آنکھوں میں اندھیرا آگیا اور دل گلوں تک پہنچ گئے
اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے
گئے اور سخت مصائب میں ڈالے گئے" (۳۳ : ۱۰ تا ۱۱)

اس ملک میں ہم عزت و آبرو کی زندگی چاہتے ہیں۔ یہ مَر مَر کے جینا کوئی جینا نہیں کسی مُلک کے قائد اور سیاسی عمائدین انسانی حقوق کی حفاظت کی یقین دہانی کے باوجود جب یہ بھول جائیں کہ ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے خلاف اُکسانا اور انسانی جذبات کا احترام نہ کرنا اسلام میں تو کیا دُنیا کے کسی لا دینی ضابطہ اخلاق میں بھی روا نہیں تو پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا دامن پکڑا جائے۔

اَخْبَارِ اَحْمدیہ

—— حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ احباب ان کی صحت و سلامتی کی دُعا فرماتے رہیں۔

—— حضرت امیر ایدہ اللہ کے ارشاد پر ۴ مارچ ۱۹۷۷ء کا خطبہ جُمعہ مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے دیا۔

تقریب عید میلاد النبیؐ

—— دارالسلام میں ۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے زیر اہتمام مکرم جناب چوہدری نذر ربّ صاحب کی صدارت میں بعد از نماز جمعہ عید میلاد النبیؐ کی تقریب منائی گئی۔ جس میں مختلف مقررین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اپنے رنگ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ اور حضور کی حیات اقدسؐ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

تقریب کا افتتاح مکرم ماسٹر رضی الدین صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ پھر چوہدری محمد حیات صاحب نے محبت رسول میں ڈوبی ہوئی آواز میں حضرت مجدد زمانؑ کی ایک نظم پیش کی

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر میرا یہی ہے

جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے بعد زاہد جنجوعہ نے ملفوظات سُنائے پھر ایک ننھی بچی سمیرا جعفری نے اپنی توتلی زبان میں حضور صلعم کی پیدائش، پرورش، جوانی اور دعویٰ نبوت تک کے جستہ جستہ حالات پڑھ کر سنائے بعدازاں چوہدری مسعود اختر صاحب نے "محسن انسانیت" (صلعم) کی زندگی کے مختلف ادوار کو بڑی خوبی سے بیان کیا۔ ان کے بعد دارالسلام کی تین کمسن طالبات مدیحہ رسول۔ شاہدہ جنجوعہ اور ساجدہ نے مل کر نظم سنائی۔ جس کا ایک مصرع تھا،

؎ بندۂ ناچیز میں ہوں آپ شاہ دو جہاں

بعد میں انہیں میں سے ایک بچی مدیحہ رسول نے حضور صلعم کی زندگی پر اپنی لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سنائی۔ اس کمسن بچی کا تقریر کرنے کا انداز اور لب و لہجہ اور الفاظ کے مطابق آواز کا زیر و بم اتنا اچھا تھا۔ کہ سب سامعین نے داد دی۔

سب سے آخر مکرم جناب حافظ شیر محمد صاحب خوشابی مائیک پر تشریف لائے اور اپنی مخصوص گونجدار اور دل میں اُتر جانے والی آواز میں تقریر شروع کی۔ فرمایا کہ انسانی زندگی کے ان گنت اور بے شمار پہلو ہیں اور ان سب میں حضور مقبول صلعم پوری انسانیت کے لئے ایک کامل نمونہ ہیں۔ آپ کی تقریر موصول ہونے پر آئندہ اشاعت میں شائع کی جائے گی۔ (انشاءاللہ تعالیٰ) آپ کے بعد دُعا پر اس مبارک تقریب کا اختتام ہوا اور حاضرین کی پُر تکلف چائے سے تواضع کی گئی۔

—— مرزا محمد اکبر صاحب نواب شاہ سے حضرت امیر کی خدمت میں شیخ میاں اللہ بخش صاحب مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: "شیخ اللہ بخش صاحب کی موت کی خبر پڑھ کر بیساختہ منہ سے ہائے نکل گئی۔ مرحوم سے میری شناسائی ۱۹۲۱ء سے تھی۔ جب میں زراعتی کالج لائل پور میں داخل ہوا تھا۔ کالج سے تین میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے جمعہ کی نماز میں شرکت کے لئے شیخ صاحب مرحوم کی کالونی قلور ملز کی مسجد میں جایا کرتا تھا۔ مرحوم انتہائی پیار اور اخلاص سے مجھے اور میاں بشیر احمد مرحوم کو اپنے ساتھ اپنے دفتر لے جایا کرتے اور

(باقی پر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ

بہنوں اور بھائیوں سے دُعا کی دردمندانہ اپیل

پیاری بہنو! بھائیو اور بہت ہی عزیز بچو

السّلامُ علیکمْ

محترم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی جماعت سے دُعا کی اپیل پیغام صلح کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پہنچ چکی ہے۔ گو انکے پیغام کے بعد مجھ گنہگار کا کچھ عرض کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مگر شب و روز ملکی حالات اور حصُول اقتدار کی ہوس میں مساجد و قرآن کریم کا نذرِ آتش کرنا رُوح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ کہ یہ قوم بار بار خُدا کے غضب کو کیوں للکار رہی ہے۔ ہر دو فریقین سستی شہرت اور عوام کے غیظ و غضب کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کے لئے مہدیٔ زماں مسیح موعُود اور ان کی جماعت کو کافر قرار دینے کا سہرا اپنے سر پر باندھ رہے ہیں۔ اور برسر اقتدار آنے کی صورت میں ایک دوسرے کو احمدیوں کے ساتھ نرم سلوک رَوا رکھنے کا مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔

نہ ہمیں سیاست سے سروکار نہ حکومت کا لالچ۔ پھر بھی نجانے بار بار وہ ہمارے حوالہ کیساتھ کارِ ثواب سمجھ کر بیان دیتے ہیں۔ ہم تو بڑے صبر سے ہر ظلم برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ معلوم نہیں ابھی کتنی اور آزمائشوں سے گذرنا پڑے۔ ہم محکوم ہیں۔ قلیل ہیں۔ بے بس و مجبور ہیں۔ گنا ہگار ہیں۔ ہمارے چاروں طرف مصائب ہی مصائب ہیں۔ ایسے میں بے ساختہ نگاہیں باری تعالےٰ کی طرف اُٹھتی ہیں۔ تمام وہ ہستیاں جو اصلاح معاشرہ و دین کے مقابلہ کھڑی ہوتی ہیں، ان کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں تمام انبیاء سے بڑھ کر شدید مشکلات و مصائب کا سامنا ہادیٔ برحق خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا پڑا۔ اس دَورِ مشکلات میں حضور نبی کریم صلعم کی زبانِ مبارک سے جو دُعائیں نکلیں وہ درج ذیل ہیں۔ ان کو بار بار تلاوت کریں۔ خصوصًا تنہائی میں جیسا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کہ پچھلی رات کے وقت جبکہ خاص قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس ایمان کامل کے ساتھ کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اس کے سوا دنیا میں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ اس کی ذاتِ باری تعالےٰ غفور الرحیم ہے۔ اس کے حضور اپنے گناہوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے خاص دردِ دل سے رسول کریم صلعم کی دعائیہ آیات دھرائیں اور بار بار دھرائیں تا ذاتِ کریم کی رحمت جوش میں آئے۔ اور وہ ہم بیکسوں پر رحم فرمائے۔

مسنُون دُعائیں

خیر و شر کے لئے

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ کُلِّہٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَ مَا لَمْ اَعْلَمْ ۝

ترجمہ: اے اللہ مَیں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں چاہے مَیں اسے جانتا ہوں یا نہیں جانتا۔ اور تیری پناہ مانگتا ہوں ہر شر سے چاہے اسے میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا۔

فکر اور غم کے متعلق دُعا

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں فکر سے اور غم سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں عاجز ہو جانے سے اور سُست پڑ جانے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قرضہ کے غلبہ اور لوگوں کے دباؤ سے۔

مختلف قسم کے خطرات کے لئے جامع دُعائیں

(۱) بِسْمِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَ ھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

ترجمہ: مَیں اس اللہ کا نام لیتا ہوں۔ جس کے نام کی برکت سے کوئی زمین کی چیز یا کوئی آسمان سے چیز نقصان پہنچا سکتی۔ اور وہ دُعا کو سننے والا اور میری حالت کو جاننے والا ہے۔

(۲) اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

ترجمہ: مَیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کی اپنی بتائی ہوئی تمام دُعاؤں کے ساتھ ان چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔

(۳) اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ۔

ترجمہ: مَیں پناہ مانگتا ہُوں اللہ کے غلبہ اور قدرت کی اس خطرہ کی برائی سے جو پاتا ہوں۔ یا جس کا مجھے ڈر ہے۔

(۴) اَللّٰھُمَّ لَا یَأْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَذْھَبُ بِالسَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ

ترجمہ: اے اللہ کوئی نہیں لا سکتا بھلائیوں کو سوائے تیرے۔ اور کوئی نہیں دُور کر سکتا برائیوں کو سوائے تیرے۔ اور بدی سے پھرنے کی کوئی طاقت نہیں سوائے تیری دی ہوئی طاقت کے اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں سوائے تیری توفیق کے۔

(۵) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَھْلِیْ وَ مَالِیْ۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِیْ۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ مِنْ خَلْفِیْ وَ عَنْ یَمِیْنِیْ وَ عَنْ شِمَالِیْ وَ مِنْ فَوْقِیْ وَ اَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ۔

ترجمہ: اے اللہ مَیں دُنیا اور آخرت میں تجھ سے عافیت کا طلبگار ہوں۔ اے میرے اللہ میرے عیبوں کو ڈھانپ دے۔ اور میرے خطرات کو امن میں بدل دے۔ اے میرے اللہ میری حفاظت فرما میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اُوپر سے اور میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں۔ کہ اچانک نیچے سے ہلاکت میں نہ پڑ جاؤں۔

(۶) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْھِكَ الْکَرِیْمِ وَ کَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیری بخشش کرنے والی توجہ اور تیرے سکھائے ہوئے کامل کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں۔ تیری ہر مخلوق کے شر

سے جبکہ تُو نے اُسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑا ہوا ہے۔

(۷) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَ مِنْ فُجَاۗءَةِ نِعْمَتِكَ وَمِنْ جَمِيْعِ سَخَطِكَ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیری نعمت مجھ سے چھن جائے۔ یا تیری عافیت مجھ سے پھر جائے۔ یا تیری سزا مجھ پر اچانک وارد ہو جائے۔ بلکہ تیری ہر ناراضگی سے تجھی سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۸) حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

ترجمہ: کافی ہے مجھے اللہ جس کے سوا کوئی معبود، محبوب و مقصود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ اس سلطنت کا مالک ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے۔

(۹) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاۗءِ وَ دَرْكِ الشَّقَاۗءِ وَ سُوْۗءِ الْقَضَاۗءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ۔

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلاؤں کی مشقت سے اور بدبختی کے آ پکڑنے سے اور بُرے فیصلے اور دشمنوں کے خوش ہو جانے سے۔

کافروں کے خلاف مدد مانگنے کی دُعا

(۱) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَ عَدُوِّهِمْ۔ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَ يُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاۗءَكَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَ زَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَ فَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَ اَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

ترجمہ:۔ اے اللہ اپنی پناہ میں لے لے ہم کو اور مؤمن مردوں کو اور مؤمن عورتوں کو اور مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے محبت ڈال دے اور ان کے آپس کے معاملات کی اصلاح کر دے اور ان کی مدد فرما تیرے دشمنوں کے خلاف۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف اے اللہ کافروں پر لعنت کر جو لوگوں کو تیرے راستے سے روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں۔ اے اللہ ان کی باتوں میں پھوٹ ڈال اور ان کے قدموں کو ڈگمگا دے اور ان کی حالت کو پریشان کر دے اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دے۔ اور ان پر وہ عذاب نازل فرما جسے تو مجرموں سے نہیں ٹالتا ان کے مقابلہ پر کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ان کی شرارتوں کی پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ ایسے لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں۔

نوٹ: ہجرت سے پہلے جب اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلعم کی باتوں سے اپنے کان اور دل بند کر لئے تو آپ شہر طائف میں تبلیغِ اسلام کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بھی تمسخر اور استہزاء کے علاوہ آپ پر اس قدر پتھروں کی بوچھاڑ کی گئی کہ آپ کا بدن زخموں سے چُور ہو گیا۔ اور آپؐ کی جوتی خون سے بھر گئی۔ آپ نے ایک باغ میں پناہ لی اور وہاں بیٹھ کر جو التجا جناب باری میں کی وہ سنیئے:۔ (این اے فاروقی)

(۲) اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِیْ وَ هَوَانِیْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِیْ اَمْ اِلٰى صَدِيْقٍ قَرِيْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ۔ اِنْ لَّمْ تَكُنْ غَضْبَانًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ۔ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَضَاۗءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يُّنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ اَوْ يَحِلَّ بِیْ سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

ترجمہ: اے اللہ میں اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے ذرائع کی کمی اور اپنے لوگوں کی نظروں میں ہیچ ہونے کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ارحم الراحمین ہے اور تو ہی کمزوروں کا رب ہے۔ اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کیا کسی دشمن کی طرف جو مجھ سے ترشروئی سے پیش آتا ہے۔ یا کسی قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تُو نے میرا معاملہ کر دیا ہو۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں بلکہ تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں حفاظت مانگتا ہوں تیرے چہرہ کے نور سے جس سے تمام آسمان جگمگا رہے ہیں۔ اور جس کے سامنے تمام تاریکیاں دُور ہو کر روشن ہو جاتی ہیں۔ اور جس سے دُنیا اور آخرت کے امور کی اصلاح ہوتی ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تیری سزا مجھے آن لے۔ اور تجھے زیبا ہے ناراض ہونا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت نہیں بدی سے ٹلنے یا نیکی کرنے کی سوائے اسکے جو تُو دے۔

کیا انسان تھا۔ ایک اُمّی میں کیا معرفت الٰہی اور عاجزی و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی! حالانکہ خدا کے سونپے ہوئے کام کو سرانجام دینے میں لہولہان ہو کر درماندہ بیٹھا ہے۔ مگر شکوہ شکایت تو کیا خدا کے آگے کس عجز و انکساری سے اس کی رضا کے لئے گڑگڑایا ہے۔ یہ وہ دل تھا۔ جس نے حضور صلعم کو خَیْرُالْبَشَر بنایا تھا۔ (این۔ اے۔ فاروقی)

محترم ناظرین: میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ مندرجہ بالا دعاؤں کے انتخاب میں میں نے کوئی کاوش نہیں کی۔ بلکہ بزرگوارم محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے انتہائی محنت کے ساتھ کئی احادیث کی کتب میں سے حضور صلعم کی روزمرہ کی زندگی میں جاگنے سے لے کر تمام اُمور دنیاوی کے لئے ان کی بہترین دُعاؤں کا مجموعہ "مسنون دُعائیں" کے نام سے شائع کروایا ہے۔ یوں تو ایک ایک دُعا پڑھنے کے قابل ہے۔ مگر میں نے چند ایک دُعائیں وقت کے تقاضے کو مدِنظر رکھتے ہوئے پیش کی ہیں۔ اُمید ہے کہ بیشتر گھروں میں "مسنون دُعائیں" موجود ہوں گی۔ اور وہ ضرور اس سے رُوحانی تسکین حاصل کرتے ہوں گے ؛

از مولوی احمد گل صاحب۔ فاضل دیوبند

وحی اور تصوّف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

قسط نمبر (۳)

ظلّ اور بروز کے اس مفہوم کو حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۴۳ پر اس طرح بیان کیا ہے:۔

"مگر تاہم وہ لوگ جو اپنی نفسانی حیات سے مرکر خدا تعالےٰ کی ذات کا ظہور اتم ہو جاتے ہیں اور ظلّی طور پر خدا تعالےٰ ان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ ان کی حالت سب سے الگ ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، کہ اگرچہ سورج آسمان پر ہے لیکن تاہم جب وہ ایک نہایت شفاف پانی یا مصفّیٰ آئینہ کے مقابل پر پڑتا ہے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ وہ اس پانی یا آئینہ کے اندر ہے لیکن دراصل وہ اس پانی یا آئینہ کے اندر نہیں ہے۔ بلکہ پانی یا آئینہ اپنی کمال صفائی اور آب و تاب کی وجہ سے لوگوں کو یہ دکھلا دیتا ہے کہ گویا وہ پانی یا آئینہ کے اندر ہے۔"

ابنِ عربی جو کہ صوفیاء میں ایک بلند پایہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے افکار نے صوفیاء پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ہزاروں صاحب علم، باکمال اور نامور ہستیاں ایسی ہوئیں جنہوں نے شیخ اکبر کے پیش کردہ مشاہدہ حق اور دیگر نظریات کی تصدیق کی ہے یا یوں سمجھئے کہ انہوں نے جو نظریات اختیار کئے وہ دراصل شیخ اکبر کے تصورات کا نتیجہ تھے تاہم ان میں سے بعض بزرگوں نے ان خیالات سے تھوڑا بہت اختلاف بھی کیا ہے مگر ان میں سے اکثر حضرات نے شیخ کے بیان کردہ کلمات کی ایسے طریق سے توجیہہ یا تاویل کر دی ہے کہ جس سے انہیں کتاب اور سنّت سے زیادہ سے زیادہ مطابق بنایا جا سکے۔

ابنِ عربی کے عقائد

صوفیاء کا مسلک، یا ان سے متعلق مسئلہ وحدت الوجود یا اس مسئلہ پر وجہ اختلاف (جس کی مندرجہ بالا سطور میں وضاحت کی گئی ہے) ہمارے زیرِ بحث نہیں اور نہ ہی بدیں قسم دقیق مسائل میں ہمیں اُلجھنے کی ضرورت ہے۔ اس سے ہماری غرض صرف علماء کی اس غلط فہمی کا ازالہ ہے جو انہیں شیخ اکبر کی تحریرات سے ہوئی ہے۔ شیخ موصوف کی تصنیفات کو اگر غور سے پڑھا جاتا، ان کی عملی زندگی کو پورے طور پر پرکھا جاتا، خدا، رسول اور اسلام کے متعلق جو ان کے عقائد ہیں ان پر خاص توجہ دی جاتی تو ان کے خلاف مذہبی امور میں آواز اُٹھانے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہتی۔ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کے کلام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ان کے متشابہ کلام کو ان کے محکم کلام پر ترجیح دی گئی۔ یعنی ان کی عبارات سے وہ مفہوم اخذ کیا گیا جو ان کے بنیادی اور اسلامی عقائد کے خلاف تھا۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے بڑی وضاحت سے ان عقائد کو اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق فتوحات مکیہ جلد اول صفحہ ۳۲ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: "لہٰذا اے میرے بھائیو! اور میرے دوستو! میں اس کتاب فتوحات مکیہ کا مؤلف اپنے آپ پر خدا تعالےٰ اور اس کے فرشتوں اور مومنین اور حاضرین اور سننے والوں کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور زبان و دل سے اقرار کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ اس کی الوہیت میں اس کا کوئی ثانی نہیں وہ جورو اور بیٹے سے پاک ہے۔ وہ مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ ہے اس کا کوئی وزیر نہیں۔ وہ صانع ہے اس کے ساتھ صاحب تدبیر نہیں۔ وہ بذات خود بغیر احتیاج کسی موجد سے موجود ہے اور وہ اکیلا اپنے وجود کے ساتھ موصوف ہے۔ اس کے وجود کا ابتداء اور اس کی بقا کا کوئی انتہاء نہیں۔ بلکہ وہ ایک وجود ہے جو مطلق غیر مقید بذات خود موجود ہے۔ وہ جوہر کی طرح کسی چیز کے ساتھ قائم نہیں، جس کے لئے مکان کا اندازہ ہو۔ اور نہ وہ عرض ہے، جس پر بقاء کا محال ہو اور نہ وہ جسم ہے جس کے لئے جہت اور طرف مقرر ہو۔ وہ اطراف اور جہات سے پاک ہے اور جب وہ چاہے دِل کی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔"

یہ ہے شیخ کا وہ عقیدہ جس کے خلاف وحدت الوجود جیسے عقیدے کو ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ اسی دیباچہ میں دوسری جگہ مزید اپنے عقائد کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا ہے جنہیں ہم مضمون کے طویل ہو جانے کے خوف سے نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔

ان عقائد کی موجودگی میں ابنِ عربی کے اس کلام لاموجود الّا اللہ۔ پیش کرتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ وحدت الوجود اور "ہمہ اوست" کے قائل تھے۔ یا ان کے بعض اقوال سے یہ ثابت کرنا وہ نبوت کے انکاری تھے۔ صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے صراحت سے اور متعدد بار اس امر کا اظہار کر دیا ہے کہ حق تعالےٰ بذاتہٖ موجود ہے۔ کسی موجد کی اسے احتیاج نہیں بلکہ تمام موجودات اپنے وجود میں اسی کے محتاج یا اس کے واسطہ سے موجود ہیں اور اس امر کی بھی تصریح کر دی ہے کہ وختم الامم بامۃ محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم وجعلھم خیر امۃ اخرجت للنّاس وختم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم جمیع الرسل علیھم الاسلام وختم بشرع جمیع الشرائع فلا رسول بعدہٗ یشرع ولا شریعۃ بعد شریعۃ تنزل من عند اللہ الا ما قررہ شرعہ من اجتہاد علماء امّتہ فی استنباط الاحکام من کتابہ وسنۃ نبیہ" (فتوحات مکیہ جلد ۴ صفحہ ۷۵)

لا محالہ، لاموجود الّا اللہ سے ظاہر مفہوم اختیار کرنا یا انکار نبوت کا عقیدہ ان کی طرف منسوب کرنا صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے کلمات کو لازماً متشابہات کی فہرست میں قرار دے کر محکمات کے تحت کرنا ہوگا جیسا کہ اہلِ کلام اور علماء معانی کی کتب سے مصرح ہے۔

ہمارے علماء کو ان کے کلام کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی غلطی کا ارتکاب جناب پرویز صاحب نے بھی کیا ہے۔ بے سوچے سمجھے کہہ دیا:۔

"ابنِ عربی پر ہی کیا موقوت ہے۔ دیگر بڑے بڑے صوفیاء کے ہاں بھی اسی قسم کی سطحیات ملتی ہیں۔"

پرویز صاحب ہوں یا علماءِ کرام، انہیں حقیقت اور مجاز میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے دھوکا لگا ہے۔ انہوں نے مجاز کو حقیقت اور ظلّ کو اصل سمجھ کر ایسا راستہ اختیار کیا ہے، جسے ہر صاحب فہم اور اہل علم شخص قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جو شخص یا جو جماعت ایک بار غلط راستے پر چل نکلتی ہے پھر اسے صحیح راستے پر لانا دشوار ہو جاتا ہے۔ علماءِ یہود نے حضرت مسیح پر کفر کا فتویٰ اس بناء پر لگایا کہ آپ اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہہ کر مدعی الوہیت بنتے ہیں۔ حضرت عیسےٰؑ نے اس کا

جواب یہ دیا کہ جن مجازی معنے میں لفظ نبی اللہ میں نے اپنے لئے استعمال کیا ہے، انہی معنوں میں تمہارے بزرگ، خدا تک بھی کہلائے اس مکالمے سے دو باتوں کا اظہار ہوتا ہے:۔

اوّل ـ یہ کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے ظاہری الفاظ کے اختیار کرنے کی وجہ سے ٹھوکر کھائی اور ہمیشہ کے لئے حقیقت سے دُور جا پڑے۔

دوم ـ یہ کہ خدائی کا دعوےٰ کرنا اور چیز ہے اور مجازی معنے میں ایک لفظ کا اپنے لئے استعمال کرنا اور چیز ہے۔ یا یُوں سمجھئے کہ جب ایک عبارت ظاہر پر محمول نہ ہو سکے تو لازماً اس سے مراد مجاز لے کر اس کی تاویل کی جائے گی۔

تاویل یا صرف عن الظاھر کی متعدد مثالیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں جہاں ایک آیت دوسری آیت کے بظاہر مخالف ہو۔ وہاں ایک کو دوسری کے ماتحت کرکے اس کی تاویل کی جاتی ہے مثلاً ایک آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خلق نہیں کر سکتا۔ لیکن دوسری آیت میں حضرت مسیحؑ کے متعلق ذکر ہے کہ:۔

"انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ (آل عمران ۵۰)

اب اگر ظاہر الفاظ پر جائیں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح پرندوں کو پیدا کیا کرتے تھے۔ مگر یہ امر پہلی آیت کے خلاف ہوگا۔ اس لئے ہم مجبوراً اس کی تاویل کرکے صرف عن الظاہر کریں گے۔ اسی طرح قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ مردے واپس نہیں آ سکتے مگر مسیح کے متعلق ذکر کیا کہ وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ یہاں بھی یہی صورت ہوگی۔ دریں حالات اگر ایک شخص جو عاقل و بالغ اور علیم و فہیم ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کے کلام میں اگر ذات باری کے متعلق دو مختلف نظریئے پائے جائیں تو یہاں بھی ہم اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے کلام کی ایسی تاویل کریں گے جو اس کے اسلامی عقیدے کے خلاف نہ ہو۔ اسی حقیقت کو علم معانی کی کتابوں میں انبت الربیع البقل کی مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دہریہ (جو خدا کا قائل نہیں) یہ کہکر اپنا اظہار خیال کرے کہ موسم ربیع سبزیوں کے اُگانے کا موجب ہے، تو اس کے اس کلام کو حقیقت پر محمول کریں گے۔ اس لئے کہ اس کا عقیدہ ہی یہی ہے کہ تمام سبزیوں اور روئیدگیوں کی پیدائش کا موجب موسم ربیع ہی ہے۔ اس کے خلاف جس کا عقیدہ یہ ہو کہ تمام کائنات کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے تو اس کا انبت الربیع البقل کے کہنے کو ہم لازماً مجاز پر محمول کریں گے۔ مگر بایں ہمہ ہمیں افسوس ہے کہ پرویز صاحب نے ان تین امور کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیا۔ قرآن دانی کے دعوےٰ کے باوجود اس قدر تغافل اور اس قدر لاعلمی۔ العجب۔

حضرت مرزا صاحب کے عقائد

جس طرح علماء کے ایک گروہ نے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر پرویز صاحب نے، مجاز کو حقیقت سمجھ کر شیخ اکبر کی ذات پر الزام عائد کئے اور ان کے کلام کو خلاف شرع گردان کر ان پر کُفر کے فتوے لگائے بعینہٖ اسی طرح ان لوگوں نے حضرت مرزا صاحب پر بھی غلط الزام لگا کر العیاذ باللہ انہیں کافر و مرتد اور خدا جانے کیا کیا الفاظ سے مطعون کیا۔ عداوت اور مخالفت کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ آپ کی جماعت کو حکومت کی طرف سے بھی دباؤ ڈال کر غیر مسلم قرار دلوا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس قوم سے تاریخ کی روشنی میں یہی توقع تھی۔

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

مولانا ابوالکلام آزاد کے تذکرہ صفحہ ۲۳ پر ان تاریخی واقعات کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے:۔

"یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو مسلمانوں کی بستیوں میں امن مل سکتا ہے لیکن اس بدبخت کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ گھر سے بے گھر ان کو ہونا پڑا۔ مردود و مطعون خلائق وہ بنے۔ خدا کی عبادتگاہوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے۔ کُفر کے فتوؤں کا بے خطا ہتھیار ان کے لئے حرکت میں آیا۔ حکومتِ وقت کو ان کے خلاف بھڑکایا گیا۔ کُفّار نے نہیں۔ خود مسلمانوں نے ان کے خلاف سازشیں کیں۔ بغاوت کا الزام لگا کر کسی کی جان پھانسی کے تختے پر لی گئی۔ اور کسی کو مُدّت العمر کے لئے کالے پانی بھجوا کر مسلمانوں نے جشن کئے۔ حتیٰ کہ جن مظلوموں نے جوار بیت اللہ و بیت الرسول کو من دخلہ کان امنا سمجھ کر کفرزار ہند سے ہجرت کی، ان کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ کبوتروں کے غول مسجد حرام میں بے غم اڑتے ہیں اور جانورانِ صحرائی کو اس دارالامن نے شکاریوں کی صید افگنیوں سے محفوظ کر دیا ہے مگر افسوس کہ عشاق کتاب و سنّت کے لئے وہاں بھی امن نہ تھا۔ وہی خودساختہ مذھبی الزام ان پر لگایا گیا۔ عین جوارِ حرم میں کسی مہاجر الی اللہ کو تازیانے لگائے گئے۔ کسی کو قید کیا گیا۔ کسی کا تمام مال و متاع مسلمانوں کے لئے مباح کر دیا گیا...

.........اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ قرآن کے چاکر اور رسُول و سنّت کے شیفتہ ہیں۔"

یہ ہیں مولانا کے تاثرات ان اغراض کے بندوں کے بارے میں جنہوں نے دینِ حق کو اپنی اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ لیکن بندگانِ حق نے ان کی غوغا آرائی سے متاثر ہوئے بغیر اسلام کی حمایت میں آستینوں کے سانپوں کا مقابلہ کیا۔ اس داستان کی ابتداء میدان کربلا سے ہوئی۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام احمد بن حنبل نے اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ حق پرستوں نے دار و رسن کو چُوما۔ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا، حتیٰ کہ قریبی صدیوں میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ۔ حضرت سید احمد بریلویؒ۔ حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہم کو ہوا و ہوس کے بندوں نے ہدف ملامت و تکفیر بنایا اور آخر میں اس صدی کے امام کو بھی علم و جاہ کے اجارہ داروں نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ ع ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے

یہ غلطی یا غلط فہمی (بشمول پرویز صاحب) ان علماء کو کیسے ہوئی؟ اس کا بنیادی سبب وہی ہے جو سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں لفظ "نبی" آ گیا تھا، جس کی تاویل اور توضیح آپ نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں بار بار اور واضح الفاظ میں اس طرح فرمائی:۔

سمّیت نبیّاً من اللہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقت" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۴)

اس اعلان کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ مدّعی کے بیان کردہ مفہوم کو مجاز کا رنگ دیا جاتا اور لفظ نبی کی پیش کردہ تاویل کو تسلیم کرتے ہوئے صرف عن الظاھر سے کام لیا جاتا مگر بقول پرویز صاحب معاملہ در اصل یوں ہے:۔

واضح دلائل سامنے ہیں۔ دل مانتا ہے کہ بات سچی ہے لیکن ضد۔ بات کی پچ اور جھوٹی عزت کا پاس ہے کہ اقرار پر آمادہ نہیں ہونے دیتا۔ (ابلیس و آدم صفحہ ۱۱۷)

―――(باقی)―――

جماعت راولپنڈی کی تبلیغی کارگذاری۔ بابت سال ۱۹۷۶ء

نوٹ:۔ ۹۲۰- افراد کو جنوری ۱۹۷۶ء تا دسمبر ۱۹۷۶ء ۵۹۴۱ لٹریچر کی کاپیاں دستی و بذریعہ بک پوسٹ پہنچائی گئیں۔

۱- آئینِ پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ ۔۔۔ ۲۱۶ کاپیاں
۲- مقامِ محمد مصطفٰے ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۳- شہادت حقہ ۔۔۔ ۶۰+۲۰ 〃 〃 〃
۴- برنباس کی انجیل ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۵- خداوند یسوع مسیح کے معجزات ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۶- خداوند یسوع مسیح کی بشارت ۔۔۔ ۳۰ 〃 〃 〃
۷- "بے گناہ نبی" ۔۔۔ ۲۵ 〃 〃 〃
۸- "وہ نبی" ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۹- خداوند یسوع مسیح کی قربانی ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۱۰- احمدیت کیا ہے؟ ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۱۱- نماز اور نماز کی فلاسفی ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۱۲- اسلام کیا ہے؟ ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۱۳- حج ۔۔۔ ۱۰ 〃 〃 〃
۱۴- کسوف ۔۔۔ ۱۰ 〃 〃 〃
۱۵- اسلامی اصول کی فلاسفی ۔۔۔ ۳۰۰+۲۰ 〃 〃 〃
۱۶- امت میں کشف والہام کا مقام ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۱۷- قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (اردو) ۔۔۔ ۶۵۰ 〃 〃 〃
۱۸- قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (انگریزی) ۔۔۔ ۲۹۰ 〃 〃 〃
۱۹- کسر صلیب ۔۔۔ ۶+۴ 〃 〃 〃
۲۰- ہم کون ہیں؟ ۔۔۔ ۷۰ 〃 〃 〃
۲۱- جہاد فی الاسلام اور علماء و زعماء پاکستان ۔۔۔ ۲۱۹ 〃 〃 〃
۲۲- حضرت مرزا صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کی کہانی جناب خلیفہ صاحب مرحوم ربوہ کی زبانی ۔۔۔ ۱۰۰ 〃 〃 〃
۲۳- کیا خدا آسمان میں رہتا ہے؟ ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۲۴- مجدد صاحب الف ثانی اور نبوت مرزا صاحب قادیانی ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۲۵- پاکستان قومی اسمبلی میں مسلم کی تعریف کا مطالبہ ۔۔۔ ۹۲ 〃 〃 〃
۲۶- مجدد صاحب الف ثانی اور مجدد صد چہاردہم قادیانی ۔۔۔ ۷۵ 〃 〃 〃
۲۷- MIRACLES OF JESUS THE CHRIST ۔۔۔ ۱۰۰ 〃 〃 〃
۲۸- جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے عقائد ۔۔۔ ۱۶۰ 〃 〃 〃
۲۹- انجیل کا مسیح اور قرآن کا مسیح ۔۔۔ ۶۰ 〃 〃 〃
۳۰- وحی اور قرآن کا ابدی رشتہ ۔۔۔ ۲۵ 〃 〃 〃
۳۱- شانِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۳۲- پیشگوئیوں کے ذریعے ہستی باری تعالیٰ کا ناقابلِ تردید ثبوت ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۳۳- حقیقت توحید اور اس کے فوائد ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۳۴- حضرت امامِ زمان مسیح موعود کی فتح عظیم ۔۔۔ ۳۰ 〃 〃 〃
۳۵- آئین پاکستان میں نئی ترمیم کا مفہوم قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۳۶- سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۳۷- ستن کرک ۔۔۔ ۸۵ کاپیاں
۳۸- چھوٹے بڑے کئے جائیں گے اور بڑے چھوٹے کئے جائیں گے کا صحیح مفہوم ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۳۹- MOHAMMAD THE MODERN PROPHT ۔۔۔ ۳۰۰ 〃 〃 〃
۴۰- تفاوت کا مسئلہ ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۴۱- ایک غلطی کا ازالہ ۔۔۔ ۳۰ 〃 〃 〃
۴۲- خطبہ جمعہ حضرت مولانا صدر الدین صاحب ۔۔۔ ۴۰ 〃 〃 〃
۴۳- وفاتِ مسیح و نزولِ مسیح ۔۔۔ ۳۰ 〃 〃 〃
۴۴- پیدائش مسیح از روئے اناجیل ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۴۵- حقیقت نماز ۔۔۔ ۲۰ 〃 〃 〃
۴۶- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض مجبور نہیں بلکہ انتہائی مخلص مسلمان پیدا کرنا تھی ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۴۷- محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حال کے پیغمبر اقوام عالم کے پیغمبر ۔۔۔ ۶۰ 〃 〃 〃
۴۸- ہمارے عقائد ۔۔۔ ۱۲۵ 〃 〃 〃
۴۹- وضاحتی بیان (آزاد کشمیر اسمبلی) حضرت امیر قوم ۔۔۔ ۳۰۰ 〃 〃 〃
۵۰- حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف کا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی تحریکِ احمدیت سے اظہارِ عقیدت ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۵۱- محترم ممبرانِ اسمبلی کی خدمت میں خدا اور اس کے رسول صلعم کے نام پر ۔۔۔ ۱۶۰ 〃 〃 〃
۵۲- حضرت مسیح موعود مجدد زمان کا دعویٰ اپنی آخری دو کتابوں کی رو سے ۔۔۔ ۱۹۵ 〃 〃 〃
۵۳- مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں قیام پاکستان کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی جدوجہد ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۵۴- خورشید فاران ۔۔۔ ۴ 〃 〃 〃
۵۵- جماعت احمدیہ کے دو فریق اور حضرت بانیٔ سلسلہ پر تبدیلی عقیدہ کے الزام کی تردید ۔۔۔ ۱۳۹ 〃 〃 〃
۵۶- کونسے معتقدات صحیح ہیں؟ جماعت ربوہ کے خلیفہ صاحب سے استدعا سابق قائد ربوہ کے متضاد و مخالف بیانات ۔۔۔ ۱۰۰ 〃 〃 〃
۵۷- جماعت ربوہ کے معتقدات اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ۔۔۔ ۱۸۵ 〃 〃 〃
۵۸- علمائے ربوہ کے مزید چار کھوکھلے سہارے ۔۔۔ ۴۴ 〃 〃 〃
۵۹- سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح موعودؑ) کو مدعی نبوت بنانے والوں کے دلائل پر ایک تحقیقی نظر ۔۔۔ ۱۲ 〃 〃 〃
۶۰- خدا تعالےٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر ختم کر دیا ہے۔ وہ شخص غلطی کرتا ہے جو میرے الہام میں لفظ نبی سے حقیقی نبوت مراد لیتا ہے ۔۔۔ ۲۵۰ 〃 〃
۶۱- اسمہ احمد ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃
۶۲- عرب بھائیوں کی فتح اور یہود کی شکست اور صداقتِ اسلام کا بیّن ثبوت ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۶۳- جماعت احمدیہ کے تفرقہ کے اصل اسباب ۔۔۔ ۱۵ 〃 〃 〃
۶۴- احباب جماعت ربوہ کے لئے لمحۂ فکریہ ۔۔۔ ۱۱۲ 〃 〃 〃
۶۵- سلطان القلم کے بیٹے ۔۔۔ ۱۴۰ 〃 〃 〃
۶۶- مکتوب حضرت مسیح موعودؑ مندرجہ اخبار الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹ مؤرخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۰ء ۔۔۔ ۱۱۰ 〃 〃 〃
۶۷- کیا احمدی مسلمان نہیں؟ ۔۔۔ ۵۰ 〃 〃 〃
۶۸- ربوی خلافت کی مشابہت عیسائیت سے اسلامی شوریٰ کی بجائے پوپ کی طرز پر انتخاب نئے خلیفہ صاحب ربوہ سے چند استفسار ۔۔۔ ۱۱۱ 〃 〃 〃

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

جناب برکت اللہ راٹھور۔ سیالکوٹ

اِسلام کا فتح نصیب جرنیل اور اس کے جیالے سپاہی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

انیسویں (۱۹) صدی عیسوی کے آواخر میں انگلستان سے پادری لیفرائے عیسائی مبلغین کی ایک بھاری جمعیت کے ہمراہ عازم ہندوستان ہوا۔ یہ طویل سفر اختیار کرنے سے اس کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان پہنچ کر اگر تمام نہیں تو اس برصغیر کی آبادی کے بیشتر حصہ کو عیسائیت کی آغوش پر لے آئے۔ جیسا کہ مشہور ہے ولایت سے روانگی سے قبل اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس نصب العین کو حاصل کئے بغیر دم نہ لے گا۔ اس کا یہ دعوےٰ بے بنیاد نہ تھا۔ اور نہ ہی اسے ایک متعصب مذہبی دیوانہ کی بڑ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دعوےٰ اس وقت کے ہندوستان کی سیاسی و ذہنی زبون حالی کے عمیق مطالعہ کے بعد کیا گیا تھا۔ پادری لیفرائے ایک عالم فاضل دینی رہنما تھا۔ مسلمانوں کے علماء کی طرح نہ تھا جن کے دامن بجز حمیت الجاہلیت متاع علم سے تہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پادریوں کا دستور ہے وہ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کئے ہوئے تھا اور جس میدان میں اُس نے سرگرم عمل ہونا تھا۔ اس کے نشیب و فراز سے پُوری طرح آگاہ تھا۔ اس طرح ماسوائے عیسائیت کے اسے ہر مذہب کے کمزور پہلوؤں سے کماحقہ واقفیت اور اپنے حریفوں کی علمی بے بضاعتی اور دینی معتقدات کی کمزوریوں سے وہ ہر طرح آگاہ تھا۔ اس کی اوّلین توجہ کا مرکز مسلمان تھے۔ اُسے مسلمانوں کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے متعلق مخصوص اعتقادات کا بخوبی علم تھا۔ مسلمان اس کے واقعاتی اور فلسفیانہ دلائل کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی علمی صلاحیتوں کی دھاک اس کے اپنے ملک میں بیٹھ چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دعوےٰ کی صداقت میں اس کے ہموطنوں میں سے کسی کو بھی کلام نہ تھا۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کے اعتقادات کچھ اس قسم کے تھے کہ عیسائیت کے فروغ میں خواہ مخواہ ممد و معاون ہوتے تھے۔ یہ یہ اعتقادات ماسوائے احمدیوں کے اب بھی عامۃ المسلمین میں رائج ہیں۔ مسلمانوں نے بھی عیسائیوں کی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر بٹھا رکھا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صلیب پر وفات پا گئے اور اس طرح لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے لیکن صلیبی موت کے بعد جی اُٹھے اور زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ لیکن مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ صلیب پر مرے نہیں۔ بلکہ معجزانہ طور پر آسمان کی طرف اُٹھا لئے گئے۔ اور اس طرح کاٹھ پر لعنتی موت سے بچا لئے گئے۔ دونوں کا عقیدہ ہے۔ کہ وہ حوائج بشریہ سے بالکل مستغنی آسمان پر دو ہزار سال سے تشریف فرما ہیں۔ اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نازل ہوں گے اور بقول اہلِ اسلام وہ سب کو مسلمان بنا ڈالیں گے اور کسر صلیب کریں گے۔ اس کے برعکس اہلِ تثلیث کا دعویٰ ہے کہ وہ نازل ہو کر لوگوں کو عیسائیت میں لے آئیں گے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ دونوں فریق مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کے قائل ہیں۔ اور پرندوں کی تخلیق اور مُردوں کے زندہ کرنے کے معجزات بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب ایسے اعتقادات کے حامل ہونے کے باعث مسلمانوں کے لئے عیسائیوں کے مقابلہ میں ٹھہرنا ناممکنات میں سے تھا۔ کیونکہ ان کے تو خود اپنے اعتقات عیسائیوں کے موقف کی پر زور تائید کرتے ہیں مسلمانوں کے پلّے کچھ بھی نہیں رہتا۔ انہوں نے خود عیسائیوں کو آنحضرت صلعم پر عیسیٰ علیہ السلام کی برتری ثابت کرنے کے مواقع بہم پہنچائے ہیں یہ کس قدر غیرت کی جا ہے کہ

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفون یثرب را ندادند ایں فضیلت را

اور پھر یہ لوگ کس منہ سے ختم نبوت کے نعرے لگا کر چالیس لاکھ کو اپنے زعم میں کافر ٹھہرا کر بغلیں بجا رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا خود یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کے قریب نازل ہو کر نبوت کریں گے اور یہی ایک نبی ہے جو سب دنیا کو مسلمان بنا سکے گا۔

ایسے حالات میں پادری لیفرائے اور اس کے ساتھیوں کے لئے میدان صاف تھا۔ وہ اور اُن کے ساتھی دلائل کے جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ مسلمانوں کے پاس ان دلائل کا قطعاً کوئی جواب نہ تھا۔ بقول شخصے یہاں توپ کے مقابلہ میں تیر بھی نہ تھے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نازک دور تھا۔ اگر پادری لیفرائے اپنے عزائم میں جیسا کہ اس نے حلفاً دعوےٰ کیا تھا کامیاب ہو جاتا تو اس برصغیر پاک و ہند میں توحید کا پرستار کوئی خال خال ہی نظر آتا۔ لیکن حالت نزع میں جو اسلام پر اس وقت طاری تھی ایک معجزہ رونما ہوتا ہے اور مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔ اسلام کو ایک مسیحا مل جاتا ہے اور مسیح محمدی کے دم سے "نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگاہ زندہ وار" اور اسلام کو چودھویں صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے وجود باجود میں ایک عظیم جرنیل مل جاتا ہے جس کو قسامِ ازل نے کسر صلیب کا کام سونپ رکھا تھا۔ اور وہ مسیح جس کا صدیوں سے جمہورِ اسلام کو شدت کے ساتھ انتظار تھا عین وقت کے تقاضاؤں کے مطابق مبعوث ہوتا ہے۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اور باآواز بلند دنیا والوں کو پکار پکار کر اپنے مقام سے آگاہ کرتا ہے اور اس طرح ان پر اتمام حجت کرتا ہے۔

منم مسیح بیانگ بلند می گوئم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

اس اللہ کے شیر کی ایک ہی گرج سے پادریوں کا سارا کاروبار سرد پڑ گیا اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ پادری لیفرائے اور اس کے ساتھیوں کی ہزیمت سے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھوں واقع ہوئی۔ اسلام کی تاریخ میں ایک زرّین باب کا اضافہ ہوا۔ ایسے ہی کئی اور پادریوں سے حضرت اقدسؑ کے مجادلے ہوئے اور وہ خدا کے فضل سے ہمیشہ مظفر و منصور رہے

مباحثۂ امرتسر جو "جنگ مقدس" کے نام سے مشہور ہے۔

ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس "جنگِ مقدس" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کی قیادت ایک باقاعدہ جرنیل کی حیثیت سے کی اور عیسائیت کی یلغار کو نہ صرف روک دیا۔ بلکہ انہیں بُری طرح پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ اس شکست فاش سے پھر انہیں حضرت اقدس کی زندگی میں جُراُت نہ ہوئی۔ کہ دوبارہ مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دے سکیں۔ اس مباحثہ میں عیسائیوں کی قیادت ڈپٹی عبداللہ آتھم نے کی۔ اس کے سوالات پیچیدہ اور فلسفیانہ ہوتے تھے۔ مگر حضرت اقدس نے عیسائیوں کے فلسفہ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دیں اور پھر عبداللہ آتھم کی ہلاکت کی اسی جلسہ میں پیشگوئی کر کے اسلام کی صداقت کو آشکارا کر دیا ملاحظہ ہوں پیشگوئی کے پُر ایمان۔ پُر وقار اور پُر ہیبت الفاظ:—

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت اذیت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اُس کی اس سے عزت افزائی ہوگی۔ اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے"۔

پھر آگے چل کر اس ضمن میں فرمایا:—

"........ میں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں مگر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔"

(جنگِ مقدس بحوالہ روحانی خزائن صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

عبداللہ آتھم عین میعاد کے اندر ہلاک ہوگیا اور اپنی موت سے عیسائیوں کے حوصلوں کو اس قدر پست کر گیا کہ پھر انہیں حضرت اقدسؑ کے مقابلہ پر آنے کی جُرأت نہ ہو سکی۔ اور مسلمانوں میں مایوسی کی جگہ اپنے دین کے سلسلہ میں تیقن اور خود اعتمادی پیدا کر دی۔ اور یہ قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم کہیں کہ آج کل بھی جو کچھ خود اعتمادی مسلمانوں میں نظر آرہی ہے وہ اسلام کے اس فتح نصیب جرنیل کی پیدا کردہ ہے۔ حضرت اقدسؑ کے قلم سے وہ عظیم الشان لٹریچر معرض وجود میں آیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ آریوں۔ عیسائیوں۔ دہریوں اور خود مسلمانوں میں کشف و الہام کے منکرین کے باطل اعتقادات کے رد میں مبسوط دلائل اور براہینِ قاطعہ کا ایک گنج بے بہا کھول دیا جس میں ہر معترض کے اعتراضات کا مسکت جواب موجود ہے۔ اور اس طرح ہر مذہب پر اسلام کی برتری ثابت کی۔ دلائل و براہین کے اس ARSENAL (اسلحہ خانہ) میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے موزوں و موثر ہتھیار موجود ہیں۔

سرزمین لاہور میں جلسۂ مذاہب عالم منعقد ہوتا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس جلسہ میں اپنا مضمون بھیجا جو حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز اور لہجہ میں پڑھا۔ دیگر مذاہب کے نمائندوں نے بھی اس جلسہ میں اپنے اپنے مذاہب کی تائید میں اپنے اپنے مضامین پڑھے۔ لیکن حضرت اقدس کا مضمون جو اسلامی اصولوں کی تائید میں پڑھا گیا وہ سب پر بالا رہا۔ مضمون پڑھا جانے سے قبل حضرت اقدسؑ کو الہام ہوتا ہے۔ "مضمون بالا رہا" جو فوراً مشتہر کر دیا گیا اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔ دوسرے نمبر پر جو مضمون آیا وہ ایک سناتنی کا لکھا ہوا تھا اگر حضرت اقدس کا مضمون وہاں نہ پڑھا جاتا تو ہندو مت کی جے ہو ہی چکی تھی۔ لیکن اس اسلام کے جرنیل نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ اس مضمون کی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ اور لوگوں نے بھی اپنا وقت مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیا۔ تاکہ حضرت کا مضمون مکمل طور پر سنا جا سکے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ قوم اس عظیم الشان مجدّد کی شکر گذار ہوتی اور خدائے قدوس کے آگے سجدہ ریز ہوتی کہ اس نے اپنے کمال فضل سے عین ضرورت کے وقت یہ عظیم الشان مجدّد بھیجا لیکن افسوس کہ قوم نے حسب عادت اپنے محسن کی نہ صرف قدر ہی نہیں کی۔ بلکہ اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اس کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا۔ ان کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ ان کے خلاف جھوٹے مقدمے کھڑے کئے گئے۔ ان پر کفر کا فتوےٰ لگایا گیا۔ کفر کا فتوےٰ مکہ معظمہ سے منگوایا گیا۔ جس کی حیثیت اُن دنوں کچھ ایسی ہی تھی جیسی کہ آج کل آئینی ترمیم کی ہے۔ لیکن اس مردِ مومن کے پائے استقامت میں ذرہ بھر بھی تو لغزش نہیں آئی بلکہ ان کی یلغاروں میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا۔ معاندین کے پاس آخر ان فتاوے کے سوا رکھا ہی کیا تھا۔ اپنی علمی کم مائیگی کے چھپانے کا ان کے پاس ہمیشہ سے یہی ایک طریقِ کار رہا ہے۔ مکفرین آج کل کی طرح جیفۂ دنیا پر گرے ہوئے تھے۔ لیکن اس جرنیل کو دُنیا کے دھندوں سے کوئی غرض نہ تھی اس نے دین کو دنیا پر مقدم کر رکھا تھا۔ جیسا کہ فرمایا:—

مجھکو کیا مُلکوں سے میرا مُلک ہے سب سے جُدا
مجھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

اور یہی اس کی روحانی وارث جماعتِ احمدیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس جرنیل کے ہاتھ میں کوئی تلوار نہیں تھی۔ بلکہ ایک نہایت ہی طاقتور قلم تھا۔ جو تلوار سے بھی زیادہ تیز اور مُوثر تھی۔ جیسا کہ فرمایا:—

صف دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

نیز فرمایا: ابنِ مریم ہوں مگر اُترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ و بے کار زار

کوئی جرنیل جب تک اس کی پشت پر اس کی قوم نہ ہو اور مُلک کے تمام ذرائع اس کی اعانت میں نہ لگا دیئے گئے ہوں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ انوکھا جرنیل ہے کہ قوم تمام کی تمام اس کی مخالفت پر اُتر آتی ہے۔ اس جانب سے اُسے کوئی کمک نہیں پہنچ رہی۔ بلکہ اسکی راہ میں قدم قدم پر روڑے اٹکائے جاتے ہیں ان کی "جنگی چالوں" کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن وہ ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔ اور ہر محاذ پر مظفر و منصور رہتا ہے۔ وہ ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دیتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب انگریزوں کا ستارۂ اقبال انتہائی عروج پر تھا اور ان کا رُعب دِلوں پر طاری تھا۔ اور آزادی فکر و نظر سے محکوم قومیں بالکل محروم رکھی گئی تھیں۔ ایسے حالات میں قیصرۂ ہند کو دعوتِ اسلام دینا مصیبت مول لینے کے مترادف تھا۔ لیکن یہ اسلام کا جرنیل تھا۔ جسے اللہ نے ایک نہایت اہم مہم سونپ رکھی تھی۔ اور اس کی کمک پر اسے بھروسہ تھا۔ اسے اللہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس کا فضل و کرم اس کے شامل حال تھا۔ لہٰذا فتح یقینی تھی اور یہی وجہ ہے کہ گلیشیئر کی مانند وہ ہر قسم کی رکاوٹوں کو اپنے آگے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا رہا۔ مبارک وہ جنہوں نے اس فتح نصیب جرنیل کو پہچانا اور اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت اقدس نے ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ جس نے اشاعت اسلام کے اہم فریضہ کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ ایک ہی بات حضرت اقدس کی عظمت و صداقت کی کافی دلیل ہے۔ یہ ختم نبوت کے کھوکھلے نعرے لگانے والی نام نہاد اسلامی جماعتیں قرآن کریم کے ایک اہم حکم کو پس پشت ڈالے ہوئے مگن بیٹھی ہوئی ہیں۔ کیا ان کی نظروں سے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ نہیں گذرا یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ یعنی اے رسول جو کچھ تیرے ربّ سے تیری طرف اُتارا گیا۔ پہنچا دے۔ اس حکم میں سب مسلمان شامل ہیں۔ اس پیغام کے وارث ہونے کے باعث ان پر بھی لازم ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کا کام رسول اللہؐ کے بعد جاری رکھیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان بھی اس آیت کا مفہوم یہی سمجھتے تھے اس لئے جہاں جاتے تھے۔

تبلیغ اسلام کو اپنا فرضِ اوّلین سمجھے۔ یہ نہایت اہم فریضہ اس زمانہ میں ۵۰ سال سے جماعت احمدیہ اور صرف جماعت احمدیہ جو اس جرنیل کی پیدا کردہ فوج ہے نہایت احسن طور پر سر انجام دے رہی ہے۔ کیا یہ چھوٹے آدمی کا کاروبار ہے۔ مزید برآں حضور کے فیضانِ صحبت سے اس سلسلہ میں بڑی بڑی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے کارناموں کو جب دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر اس بے سرو سامانی کے عالم میں اور قوم کی بے حد مخالفت کے باوجود ایسے محیرالعقول کارنامے نمایاں انہوں نے سرانجام دیئے انسانی سمجھ سے باہر ہیں۔ حضرت مولانا نورُالدین رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امیر مولانا صدرالدین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جیسی عظیم المرتبت ہستیاں اس پاکیزہ درخت کا پھل ہیں جن کی علمی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل چکی ہے اور اپنے علم و فضل کی دھاک ایک زمانہ میں بٹھا دی ہے۔ ان کے علاوہ اور بے شمار عُلماء اس سلسلہ نے پیدا کئے۔ کیا یہ معمولی انسان ہے جس کی شان میں لوگ اس دیدہ دلیری سے گستاخیاں کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کا حضور سے وعدہ ہے کہ انی مھینٌ من ارادہ اھانتك۔ انی معینٌ من ارادہ اعانتك۔ آسمان کی طرف تھوکنے والوں کا حشر تو صاف ظاہر ہے مگر آسمان کا وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ ان لوگوں کی آنکھیں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حضور اقدس کا مقام نظر نہیں آتا۔ ان سے بصیرت چھن چکی ہے۔ شپرہ چشم آفتاب کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ (باقی — باقی)

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء — بسلسلہ ص۲

یہ نفسیاتی اصول ہے کہ انسان عادت کے ہاتھ میں مجبور ہو جاتا ہے اس لئے ایسی عادت بچوں کو ڈالو کہ وہ نیکی کرنے پر مجبور رہیں۔ میری بہنو! جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح اولاد کے بھی کچھ حقوق ماں باپ پر ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ اِسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا باپ پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اور اُس کو بزرگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مذہب لے کر تشریف لائے اُس کے قانون یا شریعت میں حقوق کے مسئلہ میں بڑوں چھوٹوں کی تفریق نہیں وہ جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے جائز حقوق تسلیم کرتا ہے اسی طرح وہ چھوٹوں کے بھی بڑوں پر مناسب حقوق قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت چھوٹے سے فقرہ میں اصول بتا دیا ہے:۔

"جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں۔ بڑوں، بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے۔

جب کبھی بھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آئی ہے تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہا ہے۔ آج کے زمانہ میں جو نئی اور پرانی نسل کے درمیان جو GENERATION GAP کے نام پر مسائل پیدا ہو رہے ہیں اس کا حل بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں ہے۔

آخر میں اتنا عرض کرنا مناسب سمجھتی ہوں کہ ہم خُدا کے فضل سے ایک منظّم جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے اپنے بچوں کی روحانی نشو و نما کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں انجمن سے پُر زور اپیل کرتی ہوں کہ جماعتی منصوبوں میں اس پہلو کی طرف خاص توجہ دیں اور

ایسے شعبے بنائے جائیں جن کی معرفت اس مسئلے کا حل بہت عمدہ ہو سکے۔

جماعت راولپنڈی کی تبلیغی کارگذاری — بسلسلہ ص۹

- ۶۹ — ریدمارکن خطوط مرزا رفیع احمد صاحب کی خدمت میں ۹۵۰ کاپیاں
- ۷۰ — ختم نبوت اور غلام احمد پرویز صاحب — ۲۵۰ " "
- ۷۱ — ایک ضروری گذارش بمعہ خط اکمل صاحب — ۹۰۰ " "
- ۷۲ — دعوت حق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ — ۱۰۰ " "
- ۷۳ — جناب مرزا ناصر احمد صاحب کے نام — ۱۵۰ " "
- ۷۴ — محاصرہ مسیح اور اس کا معجزانہ طور پر اُٹھایا جانا — ۲۰۰ " "
- ۷۵ — دجّالی فتنہ سے حفاظت کا ذریعہ آخری — ۲۰۰ " "
- ۷۶ — میری تحریر میں لفظ نبی کا استعمال — از حضرت امیر مرحوم و مغفور — ۵۰ " "
- ۷۷ — انجیلی تعلیم پر قرآنی تعلیم کی برتری اور قرآنی تعلیم کا خدا نما ہونا — ۲۵ " "

خواجہ محمد نصیر اللہ آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

بقیہ اخبار احمدیہ — بسلسلہ ص۲

خاطر مدارات کرتے تھے۔ ان کا دینی جذبہ بھی قابل نمونہ تھا۔ انہوں نے دین اور دنیا دونوں میں اعلیٰ مدارج حاصل کئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو جنت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

میلادالنبیؐ کا ڈبل نمبر

پیغام صلح ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کا پرچہ میلادالنبیؐ نمبر ۲۴ صفحات پر شائع ہوگا۔ اس لئے ۱۶ مارچ کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔ جو صاحبِ قلم احباب اس خاص نمبر کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس پر اپنے مضامین بھیجنا چاہیں وہ براہ مہربانی ۱۵ مارچ سے قبل بھجوا دیں تاکہ اس نمبر میں شائع ہو سکیں۔ (ادارہ)

وفات

محترم قاضی غلام رسول صاحب افسر تحصیل کی والدہ محترمہ ۳، ۴ مارچ کی درمیانی شب کو تقریباً ۱۲ بجے رات اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اللہ تعالےٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرماوے۔ ہمیں اس صدمہ میں قاضی غلام رسول صاحب اور ان کے والد قاضی عبدالعزیز صاحب لاہور چھاؤنی سے دلی ہمدردی ہے۔ احباب سے جنازہُ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۹ مارچ ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش۔

جلد ٦٢ | یوم چہارشنبہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۳

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جب تک آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔

جس شخص کو پوری طاقت دی گئی ہے۔ وہ اپنے کمزور بھائی سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں۔ کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کے لئے دُعا کرے اس سے محبت کا اظہار کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ لیکن بجائے ان کے کینہ میں زیادتی کی جاتی ہے۔ اگر ایسے کمزور بھائیوں سے عفو نہ کیا جائے اور اس سے ہمدردی نہ جائے۔ تو اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کو منظور نہیں۔ جماعت تب ہی بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کریں۔ آپس میں پردہ پوشی کی جائے۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تب وہ ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اگر ایک شخص کا بیٹا کوئی قصور کر بیٹھے۔ تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اور اس کو الگ ہو کر سمجھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے بھائی کی ہر شخص پردہ پوشی چاہتا ہے۔ اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کے عیبوں کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ ایک دوسرے کا بھائی بنائے۔ تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں کہ بدسلوکی اور بے مروّتی کی جائے۔ .... بعض وقت انسان جانوروں۔ بندروں اور کتوں سے بھی سبق سیکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس طریق کو بہت ناپسند کرتا ہے۔ کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ اور یہ طریق نامبارک ہے۔ اللہ تعالےٰ نے صحابہ رضؓ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے۔ اور اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کر دیتے۔ تو وہ اخوت ان میں پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ جو رسول اللہؐ کے ذریعہ سے ان کو ملی۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں بھی قائم کرے گا۔ خدا تعالےٰ پر مجھے بڑی امیدیں ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے:۔

وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ط۔

میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا۔ جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلاء کے دن ہیں۔ اور کمزوری کے ایّام ہیں۔ ہر ایک شخص کو موقعہ دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا۔ دل آزاری کرنا۔ اور سخت زبانی کر کے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے۔ جس میں امیر غریب، بچے، جوان، بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور ان کی عزت کریں۔ اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔ (ملفوظات احمدیہ حصّہ چہارم)

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے۔ اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے۔ جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔۔ اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔ (الوصیت)

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن

غرباء و ضعفاء کی تعظیم و تکریم

از حضرت مولانا صدرالدین صاحب امیرِ قوم ایدہ اللہ تعالیٰ

حضورؐ نے فرمایا خولکم اخوانکم تمہارے غُلام تمہارے بھائی بھائی ہیں۔ آقا کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کو یا عبدی کہے اور اپنی لونڈی کو یا اَمَتی کہے۔ اور غلام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آقا کو ربّی کہے۔ آقا کو اپنے غُلام یا لونڈی کے لئے یا فتای اور یا فتاتی کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں اور غُلام کو چاہیئے کہ آقا کو یا سیّدی کہہ کے مخاطب کرے۔ اس بارے میں حضورؐ کے الفاظ ہیں:۔

"لا یقولن احدکم عبدی و اَمَتی ولا یقل المملوک ربّی لیقل فتای و فتاتی ولیقل المملوک سیّدی و سیدتی فانکم المملوکون والرّب ھواللہ عزّ وجلّ"

اور مزید فرمایا:۔

"خولکم اخوانکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم وان کلفتموھم فاعینھم"

یعنے تمہارے غُلام اور خادم تمہارے بھائی ہیں۔ جس شخص کے ماتحت اللہ تعالےٰ اس کے بھائی کو رکھ دے اس پر واجب ہے کہ وہ اسے وہی کچھ کھانے کو دے جو خود کھاتا ہے۔ اور وہی لباس اس کو پہننے کے لئے دے جو خود پہنتا ہے۔ اور چاہیئے کہ غلام کو اتنا کام نہ دیا جائے جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہو۔ اور اگر ایسا کرنا پڑے تو آقا کو چاہیئے کہ غُلام کا ہاتھ بٹائے۔ حضورؐ نے اس ضمن میں فرمایا مَیں مساکین سے محبّت رکھتا ہُوں۔ اور چاہتا ہوں کہ میری زندگی مساکین میں گذرے اور جب میرا حشر ہو تو مَیں اپنے تئیں مساکین میں پاؤں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ربّ احینی مسکینًا و توفنی مسکینًا و احشرنی زمرۃ المساکین"

اور فرمایا میں غرباء کے ساتھ اسی طرح اُٹھتا بیٹھتا ہوں جیسے ان میں کا ایک متواضع اور منکسرالمزاج بندہ ہوں۔

انی اجلس کما یجلس العبد و اکل کما یاکل العبد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کے ساتھ میل جول کے وقت اور کھانے پینے کے وقت کوئی امتیازی رنگ نہ اختیار کر رکھا تھا۔ بادشاہت کے حاصل ہو جانے پر بھی مسجد کی چٹائی حضور کا تخت۔ اور پُرانا عمامہ ہی حضورؐ کا تاج رہا۔ اور مسجد ہی آپ کی شوریٰ کی مجالس کا ہال رہا۔

اور مسجد کی ملحقہ کوٹھڑیاں اور پُرانے کمرے ہی آپؐ کا محل سرا رہا۔ تمام عمر آپ کی زندگی کے اوضاع و اطوار یہی رہے۔ یہ ہے وہ طرزِ طریق حیات اجتماعیہ جو حضورؐ نے اپنی قوم کو سکھلایا۔

حضورؐ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مساکین کے لئے صحنِ مسجد کے ایک حِصّہ پر چھت ڈال دی تھی۔ اس حِصّہ کو صُفّہ کہتے تھے اور جو لوگ وہاں پناہ گزین ہوتے تھے ان کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ اس چھت کے نیچے کم و بیش ایک سو غرباء رہتے تھے۔ جن کی جسمانی اور رُوحانی ضروریات کے حضورؐ خود متکفل تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم حضر میں اور سفر میں ہر جگہ ناتوانوں کی مدد کرنا نہایت ہی ضروری سمجھتے تھے لکھا ہے:۔

"کان النّبی یتخلف فی المسیر ویزجی للضعیف و یردفہ ویدعولہ"۔

یعنے سفر کرتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قافلے کے پیچھے پیچھے چلتے اور کمزور و ناتوانوں کے لئے اپنی سواری کی رفتار کم کر دیتے کمزور کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور اس کی بھلائی کے لئے جناب الٰہی میں دُعا کرتے اور فرماتے۔

"من کان لہ فضل ظھر فلیعد بہ من لا ظھر لہ۔ و من کان لہ فضل زاد فلیعد بہ من لا زاد لہ"

یعنے جس کے پاس زاید سواری ہو وہ اپنے نادار بھائی کو دے دے اور جس کے پاس زاید زادِ راہ ہو وہ اپنے اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے غلام زید کو آزاد کیا اور کہا انت اخوانا مولانا اور اپنے قول کا ثبوت اس طرح دیا کہ اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی زینب اس کے نکاح میں دے کر اس کی انتہائی عزّت فرمائی۔ جب ان کا نباہ نہ ہو سکا اور زینب کو طلاق دے دی گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے زید کا نکاح ام ایمن سے کر دیا۔ اُم ایمن حبشی عورت تھیں۔ جن کا نام برکت تھا۔ یہ عورت حضور کی کھلائی تھی۔ حضور اس کو انت امی بعد امی کے الفاظ سے نوازا کرتے تھے۔ زید کی رفاقت کے لئے حضورؐ نے ام ایمن کا انتخاب کیا۔ ان کے ہاں اسامہ پیدا ہوا۔ اسامہ اپنی ماں کے خد و خال کا وارث تھا۔ حضور جس طرح زید کی قدر کرتے تھے اسی طرح اسامہ سے بھی شفقت کرتے تھے۔ چنانچہ حسن اور اسامہ دونوں کو ایک ساتھ انگلی سے پکڑ کر چلتے۔ ایک ساتھ ان کو گود میں بٹھاتے ایک ہی الفاظ میں دُعا کرتے تھے۔ آپ کی دُعا کے الفاظ یہ ہیں:۔ اللھم احبھما فانی احبھما۔ یعنے اے مولا میں ان دونوں سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے پیار کر۔ حضورؐ کے نواسے حسنؓ نہایت خوبصورت تھے۔ ان کی خوبصورتی کی وجہ سے اُن کا نام حسنؓ رکھا گیا تھا۔ اس خوب رُو بچّے کے ساتھ ایک حبشی خد و خال کے بچّے سے برابر کا پیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے شفقت بھرے مقدّس قلب کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے غُرباء کو صرف اپنی شفقت ہی سے نہیں نوازا بلکہ ان کا رتبہ بھی بڑھایا۔ زید کو کمانڈر بنایا اور ان کے زیرِ کمان حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عُمر فاروق جیسی جلیل القدر شخصیتوں نے کام کیا۔ اسی طرح اسامہؓ کو بھی کمانڈر مقرر کیا۔ رُوحانی اور جسمانی بادشاہ ہونے کے باوجود اُم ایمن کی تعظیم و تکریم کی خاطر ان کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان کو امّی بعد امّی کے لقب سے نوازا کرتے رہے۔ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چل کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عُمر فاروقؓ بھی حضورؐ کی وفات کے بعد ام ایمن کی دلجوئی کے لئے ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔

اس کو کہتے ہیں غرباء کی تعظیم و تکریم کرنا۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء

الٰہی صفات کا اکمل ترین نمونہ

آزادی، انصاف۔ محبّت۔ رحمت۔ رواداری کا پیکر

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

ترجمہ: میں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصّہ گذار چکا ہوں، دعوئ نبوّت سے قبل تم (میری زندگی کے عمل سے) عقل کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (سورۃ یونس آیت ۱۶)

قرآن کریم میں آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کے ثبوت میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ میں نے تم میں عمر کا ایک حصّہ گذارا ہے۔ اور تمہارے سامنے میری زندگی کا یہ حصّہ واضح اور صاف ہے۔ پس تم کیوں نہیں سوچتے کہ تمہاری عقل کے مطابق ایسا شخص جو تمہارے مسلّمہ کی رُو سے بھی صادق اور امین مشہور ہے کس مقام کا حق دار ہے؟ یہ مہینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مُبارک پیدائش کا مہینہ ہے۔ اسی مناسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکرِ خیر احباب کے گوش گذار کرنا ہے۔ جس نہج اور طریقہ پر انسان زندگی گذارتا ہے وہ اس سے خود ثابت کر دیتا ہے کہ وہ صادق ہے یا کاذب؟ ہوا و ہوس کا بندہ اور نفس پرست ہے یا مخلوقِ خدا سے محبّت و شفقت، رحمت و مہربانی سے سلوک کرنے والا ہے؟ اس آیت کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میری حیات تمہارے سامنے ہے۔

باتیں تو بنائی جا سکتی ہیں اور باتوں میں جھوٹ کو سچ کر کے دکھایا جا سکتا ہے لیکن عمل ایک ایسی چیز ہے جو نہ تو بنائی جا سکتی ہے اور نہ ہی چھُپ سکتی ہے۔ عمل نظر میں آتا ہے اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے عمل سے آخرکار یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ کوئی انسان دوسروں کا خیرخواہ اور بہی خواہ ہے یا جھوٹا اور فریبی ہے؟ قبل از بعثت آنحضورؐ کی زندگی۔ آپؐ کی نبوّت پر ایک عظیم دلیل ہے کہ آپؐ قبل از دعویٰ نبوّت صداقت کے اس اعلےٰ مقام پر کھڑے تھے کہ اہلِ عرب آپؐ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ معاہدہ حلف الفضول جو قبائل کی لڑائی اور جنگ کے بعد طے پایا اس میں حضورؐ شامل تھے جس میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کی جائے گی۔ چنانچہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جب آپؐ گھبرائے ہوئے گھر آئے تو آپؐ کی زوجہ مطہرہ آپؐ کو ان الفاظ میں تسلّی دیتی ہیں کہ اللہ تمہیں کبھی ہلاک نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ کمزوروں کے حامی اور یتیموں اور بیواؤں کے خبرگیر اور ضعیفوں کے مددگار ہیں اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

یہ آپؐ کی زوجہ محترمہ کی پہلی گواہی تھی۔ آپؐ کی ذات رحمت و صداقت کے اعلےٰ مقام پر ہونے کی شہادت کہ آپ ہرگز ناکام نہیں ہوں گے۔ غارِ حرا میں آپؐ کی عبادت کی غرض بھی مخلوقِ خدا سے محبّت اور ہمدردی و خیرخواہی تھی کہ وہ آگ کے جس گڑھے میں گرنے کے قریب تھے آنحضور صلعم ان کو اس سے نکال کر رحمتِ خداوندی یا جنت ابدی میں داخل کرنا چاہتے تھے اس لئے آپؐ دست بدُعا رہا کرتے تھے۔ جس کی بابت اللہ تعالےٰ نے فرمایا لعلّك باخعٌ نفسك الّا یکونوا مؤمنین۔ کیا تو ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔ اس سے حضورؐ کی مخلوقِ خدا سے رحمت اور محبّت ظاہر ہوجاتی ہے اور یہ آنحضورؐ کی صداقت کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ (سورۃ الشعراء)

پہلی مرتبہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ اب تو تمہارے دوست حضرت محمدؐ نے دعوئ نبوت کر دیا ہے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فوراً یہ کہا کہ اگر آنحضورؐ نے ایسا دعویٰ کیا ہے تو بلاشُبہ آنحضورؐ سچے ہیں۔ گہرے دوستوں اور رات دن کے رفیقوں کو خوب معلوم تھا کہ آپؐ جھوٹ بول ہی نہیں سکتے۔ اس لئے آپؐ کی سچائی کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر جب آپؐ کو حکم ملتا ہے وانذر عشیرتك الاقربین (سورۃ الشعراء) کہ اپنے قریبیوں کو دعوتِ حق و اسلام دو تو آپؐ سب عزیزوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ صفا کے پیچھے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے کو تیار ہے تو کیا تم میری اس بات کا یقین کر لوگے؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کیونکہ یقین نہ کریں گے، آپؐ تو ہمیشہ سے سچ بولنے والے ہیں۔ حضرت اقدسؑ مہدی معہود نے بھی اسی کے مطابق فرمایا ہے۔ عشق الٰہی منہ تے وسّے وَلیاں ایہہ نشانی۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے بتایا کہ جب میں نے پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا تو مجھے ان کے چہرہ پر انوارِ الٰہی کی چمک کی روشنی نظر آئی۔

صحیح انسانی نظام کی بنیادیں صداقت اور محبّت و رحمت پر قائم ہیں۔

انسانی نظام دو صفاتِ عالی سے چل سکتا ہے۔ سچائی اور محبّت و رحمت مخلوق۔ جتنی یہ صفات کم ہوں گی نظامِ انسانی اتنا ہی ہلاکت کے قریب ہوگا اور جتنی یہ صفات زیادہ مروج ہوں گی انسانی نظام اسی قدر احسن طور پر چلے گا۔ نیز انفرادی و اجتماعی سکون اور خوشی اور مسرّت کا دور دورہ ہوگا۔ حضرت مُحَمَّد صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے چند پہلوؤں پر غور فرمائیں:۔

آپؐ دس سال تک مکّہ میں تبلیغ کے بعد طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ ایمان لائیں۔ مگر وہاں کے لوگ اہلِ مکّہ سے بھی زیادہ سنگ دِل نکلے، انہوں نے آپؐ کی بات سُننا تک گوارا نہ کی اور آپ کو نہ صرف شہر سے نکال دیا بلکہ پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا ایسی حالت میں آپؐ کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضورؐ فرمائیں تو اس بستی کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ یہ میری اُمید کی کھیتی ہیں۔ اگر یہ نہیں تو ان کی اولاد ایمان لے آئیگی اگر آپؐ انسانوں کے لئے رحمت مجسم نہ ہوتے تو کفّار کے ایسے سلوک سے مایوس اور دِل برداشتہ ہو جاتے اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے۔ اسی طرح آپؐ نے جنگِ اُحد میں زخمی ہونے کے بعد بھی کفّار کے لئے لعنت اور بد دُعا نہ فرمائی، بلکہ فرمایا ربّ اھد قومی فانّھم لایعلمون۔ اے میرے خُدا! میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ بے خبری اور ناواقفیت کی جہالت کے باعث یہ لوگ مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ اللّھم صلّ علیٰ محمّد۔ یہ صبر۔ بردباری۔ رحم دلی کا عظیم نمونہ ہے جو خدا کے فضل اور رحیمیت کا پرتو ہے۔

صُلح حُدیبیہ کی فتح مُبین کا واقعہ

صُلح حدیبیہ کا واقعہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ آپؐ کے دل میں بندگانِ خدا کی محبّت کس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ ہو اور ایک انسان بھی قتل کیا جائے۔ عیسائیت کا الزام سراسر غلط ہے کہ آپؐ نے اسلام میں جبراً لوگوں کو داخل کیا۔ اس کی تردید کے لئے یہی واقعہ صُلح حدیبیہ کافی ہے کہ آپؐ کی تلوار سے کبھی کوئی شخص قتل نہیں ہوا۔ صُلح حدیبیہ کو قرآن کریم میں فتح مبین کہا گیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت بھی کھُل جاتی ہے کہ دینِ اسلام

ہیں قطعاً کوئی جبر و اکراہ نہیں ۔ تلواروں سے آپؐ پر حملے ہوئے لیکن آپؐ نے کسی ایک فرد کو بھی قتل نہیں کیا۔

سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے خواب میں حج کرنے کا حکم ملتا ہے۔ آپؐ صحابہ رضؓ کے ہمراہ عازمِ حج ہوتے ہیں۔ آپؐ نے تلواروں کو نیام میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر خبر ملی کہ اہلِ مکہ جنگ کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے آپؐ کو حج سے روک دیا ہے۔ آپؐ نے حضرت عثمان رضؓ کو بات چیت کے لئے بھیجا۔ اہلِ مکہ نے ان کو قید کر لیا۔ آپؐ نے صحابہ رضؓ سے اس مقصد کے لئے بیعت لی جس کا ذکر قرآنِ پاک نے ان الفاظ میں کیا ہے لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ ۔ لوگ کہتے ہیں حضرت مرزا صاحبؒ نے بیعت کیوں لی۔ حالانکہ نبی اکرم صلعم۔ نے اس خاص موقعہ پر جہاد کے لئے اہلِ ایمان سے بیعت لی۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحبؒ نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے جہاد کے لئے بیعت لی جو اس زمانہ کا ایک خاص مقصد ہے۔

صُلح حدیبیہ کی شقوں میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جو شخص اسلام لاکر مکہ سے مدینہ چلا جائے وہ واپس کیا جائے مگر مدینہ سے اگر کوئی مسلمان مکہ چلا آئے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ آنحضور صلعم نے اس غیر منصفانہ شرط کو بھی منظور فرمایا؟ اس لئے کہ خونریزی نہ ہو۔ عین صلحنامہ کی تحریر کے وقت ابو جندل رضؓ نے جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بُری طرح پیٹے گئے تھے آپؐ سے درخواست کی مجھے تحفظ دیا جائے۔ لیکن آپؐ نے معاہدہ کی رُو سے تحفظ دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حضرت عمر رضؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ تو ہم ایسی ذلت آمیز صلح کو کیوں برداشت کریں؟ لیکن آپؐ نے اس صلح کو منظور فرمایا۔ مگر قتال و خونریزی مخلوق کو پسند نہ فرمایا۔ اگر یہ صلح نہ کی گئی ہوتی تو یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ آپؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ لیکن آپؐ کو قتل و خونریزی۔ اور جنگ سے سخت نفرت تھی۔ امکان کی حد تک اس سے بچنا ہی چاہتے تھے۔ تاہم یہ صلح فتح مبین ثابت ہوئی کیونکہ صلح کے وقت آپؐ کے ساتھ صرف ۱۴۰۰ صحابہؓ تھے۔ مگر جب مکہ فتح ہوا اُس وقت آپؐ کے ساتھ دس ہزار قدوسی صحابہ رضؓ کی جماعت تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کی تبلیغ وہاں کامیاب ہوتی ہے جہاں صلح و آشتی اور امن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صلح کے دور میں مسلمانوں کی تعداد میں چودہ سو کے بجائے دس ہزار کی بڑھوتی ہوگئی۔ فتح مکہ پر اہلِ مکہ جب سرنگوں ہو گئے پھر آپؐ بچ گئے۔

پھر فتح مکہ کے موقعہ پر انتہائی مہربانی اور رحمت کا مظاہرہ کیا اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ یہ اہلِ عالم کے لئے اس بات کا عظیم نشان ہے کہ حضورؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ ہندہ کو جو ابو سفیان کی بیوی اور بڑی سفاک دشمنِ اسلام تھی اس کو نہ صرف معافی دی بلکہ ابو سفیان کے گھر میں پناہ لینے والے کو مامون قرار دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جو لوگ آپؐ کے دشمن جان تھے وہ دوست اور جان نثار بن گئے۔ وجعلنا بینکم مودۃ ورحمۃ کا نظارہ سامنے آنے لگا۔ عکرمہ جو ابوجہل جیسے دشمنِ اسلام کا فرزند تھا۔ اسی رحمت سے مستفید ہوتا ہے

حقوق انسانیت کی نگہداشت اور انصاف } اور یہ مقام حاصل کرتا ہے کہ لشکرِ اسلام کی رہنمائی کا شرف پاتا ہے اور خدمات اسلام ادا کرتا ہے۔ کیا جبر کی تعلیم یہ وصف اور ایسا باطنی انقلاب پیدا کر سکتی ہے؟ صداقت اور محبت مخلوق ہی دو وصف ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بنیادی وصف ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ نمایاں اور واضح طور پر موجود ہیں جن سے قلبی انقلاب وجود میں آتا ہے۔

انسانی حقوق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو آنحضور صلعم اس حد تک برقرار رکھتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ ایک کافر اور مسلمان کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے تو مسلمان کو جو جھوٹا ہے سزا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی جرم کرے تو وہ سزا سے نہیں بچ سکتی۔ حضورؐ کے مقام کو کوئی نبی بھی نہیں پا سکتا۔ واقعات میں عمل میں۔ تاریخ میں تو صرف ایک نبی ہے جو سرورِ انبیاء ہیں جنہوں نے یہ مکمل نقشہ اوصافِ الٰہیہ کی تجلی کا پیش کیا ہے۔ ہمیں آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔

عملاً بھی ہمیں ان کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔ ہم اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ہم اس نبی کے فی الحقیقت پیرو ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت حضورؐ فرمائیں لیسوا منی ولست منھم وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت مجدد زمانؒ تو ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کی مکمل مثال ہو۔ آپ کا قول ہے:—

"میری بعثت کی غرض یہ ہے کہ اسلام میں ایک جماعت ہو جو قرآنِ پاک پر عمل کرے اور نبی اکرم صلعم کے نقشِ قدم پر چلے۔ لیکن اگر ہم نے محض دلائل سے دُنیا پر فتح بھی حاصل کر لی تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔"

جب تک ایک عملی نمونہ اسلام کی حامل جماعت کا پیدا نہ ہو۔ یہ صرف نبی اکرمؐ کا نمونہ ہے جو ہم نے اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ تقریر تحریر اور خطبہ دے دینا کوئی بڑی بات نہیں بہتر عمل پیدا کرنا یقیناً ایک بڑی بات ہے۔ اس لئے عمل کی درستی کریں اور نبی اکرم صلعم کے رنگ میں جو خدا کا رنگ ہے اپنے آپ کو رنگین کریں۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم سچائی اور ہمدردی مخلوق کے اوصاف کو اپنائیں اور حضورؐ کے کامل نمونہ کی اتباع کریں۔ وباللہ التوفیق ؛ (ڈاکٹر اللہ بخش)

قرار دادِ تعزیت

جماعت احمدیہ ڈیرہ غازی خان نے زیرِ صدارت جناب پرنسپل سعد اختر صاحب درج ذیل قرار دادِ تعزیت منظور کی:—

جماعت ڈیرہ غازیخان محترم میاں اللہ بخش مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ مرحوم ومغفور کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے اور پسماندگان اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل اور تسکینِ قلب عطا فرمائے ؛ نیز جنازۂ غائبانہ بھی پڑھا گیا۔

اور جماعت ڈیرہ غازی خان مرحوم کی محترمہ بیگم صاحبہ، دختران اور برادران سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ اور دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ اور اس عظیم صدمہ کی برداشت کی قوت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

شریکِ غم : جماعت ڈیرہ غازی خان

مکرم جناب فخرالدین احمد صاحب ۔ راولپنڈی

سراجِ منیر

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا
نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

ربّ ذوالمنن نے بنی نوع انسان کے لئے جو نعماء عطا کی ہیں ۔ ان میں خیرالانام ۔ افضل الرسل ۔ سرتاجِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی ہے ۔ آنحضرتؐ کی تشریف آوری کو نور قرار دیا ہے (المائدہ ۵ - ۱۵) سورۃ احزاب میں آنحضرتؐ کو شاہد ۔ مبشر ۔ نذیر ۔ داعی الی اللہ اور سراج منیر ٹھہرایا ہے (۲۲ : ۴۵ - ۴۶) اسی نور کی مدح سرائی میں حضرت امام الزمانؑ فرماتے ہیں :۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے ۔ میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جب سے یہ نور ملا نورِ پیمبر سے ہمیں + ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰ پر ترا بے حد سلام اور رحمت + اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد ۔

یہ نور فاران کی چوٹیوں سے چمکا ۔ اس آفتاب عالمتاب کے طلوع کے بعد ان روشنیوں کی ضرورت نہ رہی جو مختلف ادوار اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ظلمت کو دُور کرنے کے لئے آتی رہیں ۔ قومی انبیاء اور رسل اپنے اپنے زمانے میں قوموں کو حق کی طرف بلاتے رہے اور شمع ہدایت سے شمع ہدایت حاصل کرتے رہے مگر اب طلوع آفتاب کے بعد کسی چراغ کی حاجت نہیں رہی ۔ آنحضرت صلعم کی بعثت ساری اقوام اور سارے زمانوں کے لئے تھی ۔ اسی لئے جو تعلیم اور کتاب آپؐ نے پیش کی وہ ہر لحاظ سے اکمل اور اتم ہے ۔

عہد نامہ عتیق کی پہلی کتاب کی ابتدائی آیات میں بھی اس نور کا ذکر ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

"خدا نے ابتداء میں زمین و آسمان کو پیدا کیا ○
اور زمین سنسان اور ویران تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا ۔ اور خدا کی رُوح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی ○
اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جا ۔ اور روشنی ہو گئی ○
اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے ۔ اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جُدا کیا ○ (قد تبین الرشد من الغی) ناقل ۔
اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا (سراج منیر ۔ ناقل) اور تاریکی کو رات ...."

نور وہ پھیلی ہوئی روشنی ہے جو نیک اور بد کے دیکھنے میں مدد دے ۔ ابن جریر اور ابنِ عباس نے نور کے معنی ہادی کئے ہیں ۔

گوتم بدھؑ نے بھی معرفتِ الٰہی کو نور کا نام دیا ہے ۔ حضرت مسیحؑ بھی اپنے حواریوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :۔ "تم دنیا کے نور ہو" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے دائمی منجی ۔ ہادی اور پیشوا ٹھہرائے گئے ہیں ۔ اس لئے آپؐ کی ذات سراج منیر ہے جس کی روشنی کبھی کم نہیں ہوتی نہ ہی گھٹتی یا اوجھل ہوتی ہے ۔ بلکہ سدا تاباں اور درخشاں رہتی ہے ۔ چاند اور ستارے بھی اسی آفتاب سے روشن ہوتے ہیں اور یہ) مراد ہے آنحضرت صلعم کے اس قول سے کہ الاصحابی کالنجوم ۔ انہی نجوم میں سے ایک چودھویں کا چاند ہے جو عین چودھویں صدی کے سر پر نمودار ہوا اور اس میں جو روشنی ہے وہ سراج منیر کا انعکاس ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :۔

وہ ہے ۔ میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جس طرح دن کو سورج کی روشنی کا لطف وہی اُٹھاتا ہے جس کی بصارت درست ہو ۔ ایک نابینا اس نور سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا ۔ بعینہٖ حضرت ختم الرسل کے لائے ہوئے نور سے وہی مستفیض ہوتا ہے جس کو بصیرت حاصل ہو ۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے اس نور کا ذکر فرمایا ہے کہ گویا وہ ایک طاق میں رکھا ہوا چراغ ہے ۔ چراغ ایک شیشہ میں ہے اور بابرکت زیتون کے درخت سے روشن ہو رہا ہے ۔ جو نہ شرقی ہے نہ غربی ۔ اس چراغ کا تیل بغیر آگ کے چھوئے روشنی دیتا ہے ۔

اس نور سے مراد رسالتمآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ زیتون جو برکت دیا گیا سلسلہ محمدیؐ کے قائم مقام ہے ۔ اور مقصود یہاں اس امر کی یاد دہانی ہے کہ اب ابد تک سلسلہ محمدیؐ کا نور ہی ہدایت کا چشمہ رہے گا ۔ کسی اور سلسلہ سے یہ خدمت نہیں لی جائے گی ۔ سورۃ التین میں انجیر اور زیتون اور اسی نسبت سے طور سینا اور بلد امین کو شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔

انجیر سلسلہ موسوی یا بنی اسرائیل کے قائم مقام ہے ۔ اس کی تائید خود توریت اور انجیل سے ہوتی ہے ۔ عہد نامہ عتیق میں یرمیا نبی کا ایک صحیفہ موجود ہے اس کے چوبیسویں باب میں یرمیاہ کے ایک مکاشفے کا ذکر ہے جس میں انہیں اچھے اور بُرے انجیروں کی ٹوکریاں دکھائی جاتی ہیں اور تفہیماً بتایا جاتا ہے کہ یہاں انجیروں سے مراد بنی اسرائیل کے اچھے لوگ ہیں ۔

عہد نامہ جدید میں بھی حضرت مسیح ناصری بھوک سے بے تاب ہو کر ایک انجیر کے درخت کے پاس جاتے ہیں کہ اس کے پھل سے اپنی بھوک فرو کریں مگر انجیر کا درخت بے برگ و بار دیکھا کیونکہ وہ اس کے پھل لانے کا موسم نہ تھا ۔ اسی عالم میں حضرتؑ نے بد دُعا کی کہ "اب سے تجھ میں کبھی پھل نہ لگے" ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ بنی اسرائیل سے منقطع ہو گیا ۔ یہ سلسلہ طور سینا سے شروع ہوا تھا اور انجیر کے درخت سوکھ جانے پر ختم ہو گیا ۔ اس کے مقابل سلسلہ ابراہیمیؑ مکہ معظّمہ سے شروع ہوا اور بابرکت زیتون پر ختم ہوا جس سے روشن ہونے والا کرۂ نور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضوفگن رہے گا ۔ اس نور کو بجھانے کے لئے کئی ابو لہب عمر رائیگاں کریں گے مگر یہ نورِ جاوداں زیادہ سے زیادہ روشنی دے گا ۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ طور سینا پر حضرت موسےٰؑ نے نور کی تجلّی دیکھی تھی ۔ یہ نور خداوند کریم نے توریت ۔ زبور ۔ انجیل میں بھی رکھا تھا اور اسی نور کی مکمل اور متمم صورت اب بلد امین سے طلوع ہوئی ۔ موسوی سلسلہ کی تاریخ میں ایک پھلدار انجیر خشک ہو گئی ۔ مگر سلسلہ محمدیؐ میں وادیٔ غیر ذی زرع سرسبز و شاداب ہو گئی ۔

بابرکت زیتون کے تیل سے روشن ہونے والی شمع ہدایت میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ۔ دنیا کے محنت کشوں اور بوجھوں تلے دبے ہوئے انسانوں کو سکون دینے کے لئے نہ تو ماؤ کا مشرقی فلسفہ کام آ سکتا ہے نہ ہیگل ۔ مارکس اور اینگلز کے مغربی فلسفے ۔ بلکہ دُنیا کے دُکھوں اور مصائب کا حل ۔ امن اور سکون اس رحمۃ للعالمین کے دامن میں ہے جو زمان و مکان ۔ رنگ و

انسان مشرق و مغرب کی قید و بند سے مبرا ہے۔

پچھلے چودہ سو سالوں میں ظلمت اور تیرگی نے بڑھنے کے لئے جہاں کہیں بھی اور جس سمت اور رنگ میں بھی پیش قدمی کی۔ اس کے مقابل پر نورِ ازل بھی اسی رُخ سیل کی مانند رواں دواں ہوا اس زمانہ میں لوگ ہستی باری تعالےٰ سے انکار پر اُتر آئے تو اس نور کے ایک دھارے نے خداوند عظیم کے جلال کا پتہ دیا اور اس کی ہستی پر یقین محکم پیدا کیا۔ منکرین ہستی باری تعالےٰ نے اس خدائے لم یزل کو دیکھا۔ اس کو پایا اور اس سے ہمکلام ہوئے۔ یہی وہ نور تھا جس نے بڑے بڑے مفکروں۔ عالموں اور فاضلوں کو حضرت نبی کریم صلعم کی غلامی میں لا ڈالا۔ مردے زندہ ہو گئے۔ گونگے بولنے لگے اور عجمی فصاحت سے کلام کرنے لگے۔ اس زمانے کے امام ہمام نے بھی اس سراجِ منیر سے نور لیا اور ایک ایسی جماعت قائم کی جو اس نور کو اپنے عمل اور فعل سے دُور تک پہنچائے۔ آج بھی ظلمتکدوں میں روشنی پھیلانے کے لئے اسی شمع سے نور کا لیکا لیا جاتا ہے۔ جس طرح اولمپک کھیلوں کے لئے یونان سے مشعل پہنچائی جاتی ہے۔ اسی طرح اس سراجِ منیر کے پیدا کردہ نور سے مشرق و مغرب میں مشعل پہنچائی جاتی ہے جو وہاں پائی جانے والی ظلمت اور گمراہی کو پاش پاش کر دیتی ہے۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمد و بارك وسلّم

زاہد جنجوعہ صاحب ــــ سیکرٹری نشرو اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ

یوم نور الدین اعظمؒ

احمدیت کے بطلِ جلیل حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں شبان الاحمدیہ مرکزیہ کی طرف سے مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۷۷ء بعد از نماز جمعہ مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ صدارت کے فرائض نگران شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب چوہدری نذر رب صاحب نے سر انجام دیئے۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

جناب مکرم مولوی شفقت رسول صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہوا، اور اس کے بعد جنرل سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب شاہد جاوید جنجوعہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی رائے نورالدین اعظمؒ کے متعلق پڑھ کر سنائی جس کا آخری پیرا ملاحظہ فرمائیے:۔

" وہ (نورالدینؓ۔ ناقل) جب میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے ملا اور میری نظر اس پر پڑی تو میں نے اس کو دیکھا کہ وہ میرے رب کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری اسی دُعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا۔ اور میری فراست نے مجھ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے"

اس اثر انگیز رائے کے سنانے کے بعد میاں طارق مسعود (پسر شیخ فضل الرحمٰن صاحب) نے حضرت حکیم الاُمّت کے حالاتِ زندگی اور حضرت مسیح موعودؑ سے وابستگی کے ایمان افروز واقعات پر روشنی ڈالی۔ بعدہٗ منصور جاوید صاحب نے بعنوان "حکیم الاُمّت اور عشق مسیح موعودؑ" تقریر کی فاضل مقرر نے بتایا کہ حضرت مولانا نورالدینؓ نے ایک دفعہ فرمایا:۔

"تم جانتے ہو نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا جسے مرزا کہتے تھے۔ نورالدین اس کے پیچھے دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اسے اپنے جوتے اور پگڑی کا ہوش نہیں ہوا کرتا تھا"

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت حکیم الامۃ کے اس والہانہ عشق محبت اور فدائیت کو دیکھتے ہوئے فرمایا تھا:۔

" اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہیں کہ آگ میں گھس جاؤ تو ان کو کوئی عذر نہ ہوگا"

فاضل مقرر نے سامعین پر زور دیا کہ آج ہمیں بھی ایسی ہی لگن اور عشق کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد خاکسار نے اپنی تقریر میں مخالفین سلسلہ کی حضرت مولانا نورالدین رح کی ذات کے متعلق آراء کا ذکر کیا جن سے غیروں کی نظر میں بھی آپ کی عظمتِ کردار اور علم و عمل کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ وہ آراء درج ذیل ہیں:۔

اخبار زمیندار ۱۶ر ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ:۔

" اگر مذہبی عقائد سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو بھی مولانا حکیم نورالدینؒ کی شخصیت ضرور اس قابل تھی کہ تمام مسلمانوں کو رنج و افسوس کرنا چاہیئے کہا جاتا ہے کہ زمانہ سو برس گردش کرنے کے بعد ایک باکمال پیدا کرتا ہے۔ اپنے تبحرِ علم و فضل کے لحاظ سے مولانا حکیم نورالدین بھی ایسے ہی باکمال تھے۔ افسوس ہے۔ آج ایک زبردست عالم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا"

کشمیری میگزین ۲۱ر مارچ ۱۹۱۴ء کی رائے:۔

" حقیقت یہ ہے کہ مولوی نورالدین جیسا قابل فرزند ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عرصے کے بعد پیدا ہو سکے گا"

بعدہٗ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دُعا پر یہ رُوح پرور تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

چندہ ماہوار

دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد ملحوظ رکھیں

چندہ ماہوار میں باقاعدگی حضرت مسیح موعودؑ کا فرمان ہے۔

مکرم جناب مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح کی دائیں آنکھ کا اپریشن ہوا ہے۔ اپریشن کے بعد موصوف واپس گھر تشریف لے آئے ہیں اور احباب سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھ کی بینائی کو بحال فرما دے۔ (ادارہ)

جناب برکت اللہ راٹھور سیالکوٹ ۔ (بسلسلہ اشاعت ۹ مارچ ۱۹۷۷ء)

اسلام کا فتح نصیب جرنیل اور اس کے جیالے سپاہی

(۲)

حضرت اقدسؑ کو حضرت مولانا حکیم نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا اور فوراً پہچان گئے۔ کیونکہ وہ خود نورِ بصیرت سے مالا مال تھے۔ دیکھتے ہی مؤلف براہین احمدیہ کو پہچان گئے۔ حضرت اقدس کو اس وقت ابھی بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ ان کی وارفتگی کا عالم یہ تھا کہ حضرت اقدس سے وعدہ لیا کہ جب حضرت اقدسؑ کو بیعت لینے کا حکم ہو تو سب سے پہلے انہیں کی بیعت لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی بیعت پہلے لی گئی۔

حضرت اقدسؑ کو حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید رحمۃ اللہ نے دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔ اور جان حضرت اقدسؑ پر نثار کر دی۔ حضرت صاحبزادہ رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب بصیرت ایک باعمل بزرگ تھے۔ اور کابل میں ایک اعلےٰ منصب پر فائز تھے۔ کابل سے فریضہ حج کی ادائیگی کی غرض سے نکلے تو حضرت اقدسؑ کی شہرت انہیں کشاں کشاں قادیان لے آئی۔ اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت اقدس کے دعوے کی صداقت کے قائل ہو گئے اور بیعت کر لی۔

کابل واپس جانے لگے تو حضرت اقدس نے مشورہ دیا کہ وہ کابل واپس نہ جائیں کیونکہ ان کا وہاں جانا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ تو جو جواب حضرت صاحبزادہ علیہ الرحمۃ نے دیا وہ تاریخ تحریکِ احمدیت میں سنہری حروف کے ساتھ لکھا جانے کے قابل ہے۔ عرض کیا کہ اور ملکوں میں تاریخ قلم اور سیاہی سے لکھی جاتی ہے لیکن ہمارے ہاں یہ تلوار اور خون سے لکھی جاتی ہے، مجھے جانا ہی ہوگا۔ کابل پہنچے تو امیرِ کابل نے انہیں گرفتار کر کے سنگسار کر دیا۔ مقتل میں بھاری وزنی بیڑیاں اور زنجیروں میں جکڑ کر لے جائے گئے۔ اور ان کے جسد مبارک کا نصف حصہ زمین میں گاڑ دیا گیا۔ ایسے موقع پر انہیں کہا گیا کہ احمدیت سے تائب ہو جاؤ تو جان بخشی ہو کر آپ کا سابقہ منصب بحال کر دیا جائے گا۔

اگر کوئی معمولی انسان ہوتا تو ایسے نازک وقت میں حوصلہ ہار دیتا۔ لیکن اس عظیم انسان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی اور دشمن کی اس پیشکش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اور پتھروں کی بارش میں اپنی پیاری جان جان آفرین کو سونپ دی۔ اور اس طرح حیات جاودان حاصل کر لی۔

قد گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

کہتے ہیں کہ شہادت کے بعد جب پتھروں کے منوں ڈھیر کے نیچے سے آپ کو نکالا گیا تو آپ کے جسدِ مبارک سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ لازم ہے کہ اسلام اور احمدیت کے اس عظیم فرزند کی شہادت کی برسی ہر سال نہایت عقیدت کے ساتھ منائی جایا کرے تاکہ ان کے حالات شہادت سے آئندہ نسلوں کے مشامِ جان بھی معطر ہوتے رہا کریں اور ان کے دل بھی ان کی طرح نورِ ایمان سے منور ہوتے رہا کریں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم اس عظیم قربانی کو بھول جائیں۔

بدقسمت سرزمین کابل اور اس کا بدقسمت فرمانروا اللہ تعالےٰ کے عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ کابل میں دوسرے ہی روز ہیضہ کی وبا پھوٹی اور ہزاروں افراد نہنگ اجل کا لقمہ بن گئے اور بدنصیب امیر جس نے محض اپنا تاج و تخت محفوظ رکھنے کے لئے یہ خون کی ہولی کھیلی تھی، اپنا تاج و تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا اور جلا وطنی میں ہی در بدر کی خاک چھانتا بصد حسرت و یاس اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اور نہ اس پر زمین ہی روئی اور نہ آسمان۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مجاہد کبیر حضرت مولانا محمد علی ایم اے ایل ایل بی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی درخت کا عظیم پھل ہیں۔ دینی خدمات کے لئے خصوصاً اہلِ یورپ پر اتمام حجت کرنے کے لئے حضور اقدسؑ کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی۔ آپ نے فوراً لبیک کہا، اور پھر پریکٹس وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر دیار یار کے ہو گئے۔ انگریزی اخبار جاری کیا۔ اور ایسے اعلےٰ پائے کے مضامین ان کے قلم سے نکلے کہ بڑے بڑے انگریز اہلِ قلم و زبان بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور یہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسیحِ وقت نے ہی تو انہیں ایک کشف میں قلم عطا فرمایا تھا۔ پھر کیونکر یہ قلم اپنے جوہر نہ دکھلاتا۔ حضورِ اقدسؑ نے فرمایا تھا کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کا کام مجھ سے ہوگا یا پھر اس سے جو میری شاخ سے ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ حضرت مجاہد کبیر اور خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ یہ پیشگوئی کس صفائی سے پوری ہوئی۔ حضرت امیر مرحوم نے جہاں اردو تفسیر قرآن شائع کی وہاں انگریزی ترجمہ قرآن پاک مع تفسیر بھی شائع کر کے مبلغین بلاد یورپ کا کام آسان کر دیا۔ یہ ترجمہ قرآن انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں بے حد مقبول ہوا۔ اور کئی سعید روحیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں۔ اور یہ تفسیر کئی اور زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں حکومتِ ایران کی سرپرستی میں اس کا ترجمہ بزبان فارسی ہو رہا ہے۔ اس ترجمہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ حال ہی میں ایک اطلاع کے مطابق امریکہ کی بلالی مسلم تحریک کے سربراہ نے اس کی ہزاروں جلدیں اپنی گرہ سے نہایت خوبصورت ڈیزائن میں چھپوائی ہیں۔ حضرت امیر مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کام قرآن کو پہنچا دینا ہے۔ آگے یہ اپنا کام خود کر لے گا۔ جماعت کی قیادت کے ساتھ ساتھ تصنیف و اشاعت کا کام اس وسیع پیمانہ پر کیا کہ جس کی مثال کسی زمانہ میں بھی نہیں ملتی۔ کہیں اخبارات شائع ہو رہے ہیں تو کہیں کتب تصنیف و تالیف کر کے شائع کی جا رہی ہیں۔ اور پمفلٹس کی تعداد تو بے شمار ہے۔ ان کی کتاب THE RELIGION OF ISLAM بھی بے حد مقبول ہوئی ہے۔ اکثر اسلامی ممالک نے اسے سرکاری طور پر شائع کیا ہے۔ یہ اسلامی اصولوں کی جامع اور مستند کتاب دنیا بھر میں مقبولیت عامہ کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر دنیا کی ہر لائبریری میں پہنچایا جا چکا ہے۔ اس ترجمہ کی عظمت کا یہ واضح ثبوت ہے کہ جس کسی کے ہاتھ میں لگا وہی اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ کئی صاحبِ علم اسی ترجمہ کو پڑھ کر مسلمان ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں جو سنٹرل افریقہ کے سربراہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس عاجز کا یقین غالب ہے کہ وہ حضرت مولانا مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمہ کا ہی کرشمہ ہے کیونکہ محض سیاسی وجوہ پر کوئی قوم اپنا دین نہیں بدلتی۔ اگر محض سیاسی مصلحت ہی مدِنظر ہوتی تو انہیں عیسائی ہی رہنے میں زیادہ فوائد متصور ہو سکتے تھے۔ کیونکہ دنیا میں عظیم ترین طاقتیں عیسائی ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی پست حالی تو اظہر من الشمس ہے۔ یہ محض اس انگریزی ترجمہ کا ہی معجزہ دکھائی دیتا ہے جو امیر مرحوم نے دنیا بھر میں پھیلا دیا ہے اور اس پائے کا انگریزی ترجمہ اور کوئی کر نہیں پایا۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مامور زمان کی دعاؤں کی برکات سے ظہور پذیر ہوا۔ یہ حضرت اقدسؑ کی فوج کا مجاہد کبیر بستر علالت پر بھی دینی فرائض سے ایک دم غافل نہیں رہا۔ بلکہ تصنیف و تالیف، نشر و اشاعت کے سلسلہ میں کاروبار میں

. . . .

اپنی صحت کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے جاری رکھا - یہ جذبہ اس فتح نصیب جرنیل کا ہی پیدا کردہ ہے -

اسی درخت کا ایک پھل حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں - جنہوں نے انگلستان میں تبلیغی مشن قائم کیا ووکنگ (انگلینڈ) میں ایک انگریز مستشرق نے بیگم بھوپال کے عطیہ سے ایک مسجد بنائی تھی - جو یونہی غیر آباد پڑی تھی - حضرت اقدسؑ کے اس جیالے سپاہی نے اسے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور حضرت اقدسؑ کے ایک کشف کی بناء پر انگریزوں کو مسلمان بنانے کا کام شروع کر دیا - اور اس طرح ووکنگ مسجد کی شہرت تمام عالم اسلام میں پھیل گئی - اور نصف صدی تک یہاں سے نورِ اسلام کی ضوفشانیاں سلیم فطرتوں کو منور کرتی رہیں تاآنکہ ہمارے مکفّرین ایک دریدہ دہن مولوی کی قیادت میں وہاں جا نکلے اور حسبِ عادت ہنگامہ آرائیاں شروع کر دیں - جس کے نتیجہ میں حکومت کو انتظامی نقطہ نظر سے اس مسجد کو بند کرنا پڑا - لیکن جماعت احمدیہ کو لنڈن میں اپنی مسجد میسّر آ گئی اور تبلیغ اسلام کا کام حسبِ سابق جاری و ساری ہے - حضرت خواجہ صاحب نے انگلستان میں تبلیغی مشن کھول کر نہ صرف انگلستان میں بلکہ تمام یورپ میں اشاعتِ اسلام کے لئے دروازے کھول دیے - تعجب تو یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کے جیالے سپاہی تو اسلام کی اشاعت کے لئے سخت نامساعد حالات میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں - لیکن ادھر ہمارے مکفّرین اتنا طویل سفر اختیار کر کے وہاں جاتے ہیں تو اس غرض سے تاکہ ہماری جماعت نے جو اشاعت اسلام کا کام شروع کر رکھا ہے اسے یکسر بند کر دیا جائے -

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

سنا ہے کہ جو اس شرارت کا سرغنہ تھا - وہ نہایت ذلت کی موت مرا - اگر یہ واقعہ صحیح ہے - تو ضروری ہے کہ کوئی صاحب جنہیں اس واقعہ کا علم ہے اس کی عبرتناک صورت حال تفصیلاً شائع کریں تاکہ قوم کے ازدیاد ایمان کا باعث ہو -

حضرت مولانا صدرالدین موجودہ امیر جماعت ایدہ اللہ بنصرہ العزیز حضرت کے جیالے سپاہیوں میں سے ہیں - انہوں نے انجمن کی جانب سے برلن (جرمنی) میں تبلیغی مشن قائم کیا اور وہاں ایک نہایت ہی عالی شان مسجد تعمیر کی جو صنعت و حرفت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور پھر جرمن زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کر کے یورپ کے مرکز میں تبلیغ اسلام کے کام کی داغ بیل ڈال دی اور بڑے بڑے فاضل جرمن عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے - اس کے علاوہ عام طور پر اسلام کے متعلق جو پادریوں نے عوام کے دلوں میں غلط فہمیاں ڈال رکھی تھیں وہ بھی بتدریج دور ہوتی گئیں اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق حسنِ ظن پیدا ہو گیا - اور اب اسلام کو بڑی مستحسن نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہے اسلام کا چہرہ جو صدیوں کے تغافل سے غبار آلود ہو چکا تھا اب اس جرنیل اور اس کے جیالے سپاہیوں کی انتھک کوششوں سے آئینہ کی طرح شفاف ہو گیا ہے -

حضرت اقدسؑ نے ایک بار دیکھا کہ وہ لنڈن میں ایک جگہ کھڑے نہایت فصیح و بلیغ انگریزی میں اسلام کی خوبیوں پر تقریر فرما رہے ہیں - اور درختوں پر بیٹھے ہوئے سفید پرندوں کو پکڑ رہے ہیں - اس کی تعبیر حضورؑ نے یوں فرمائی کہ اگر وہ خود نہیں تو ان کی جماعت کے لوگ انگلستان اور یورپ میں تبلیغ اسلام کریں گے اور وہاں کے سفید فام باشندوں کو مسلمان بنائیں گے - آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ میرا کام ہے جو مجھی سے ہوگا یا اس سے جو میری جماعت میں ہے اور اس طرح مجھ میں ہی شامل ہے - جس صفائی سے یہ کشف پورا ہو رہا ہے - اس میں کسی کو کلام نہیں - بجز آپ کی جماعت کے خدا نے کسی اور قوم یا فرقہ کو توفیق نہیں دی کہ انگلینڈ پہنچکر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دے سکے - دوسرے مسلمانوں نے اپنی حکومتوں کے بل بوتے پر احمدیوں کی دیکھا دیکھی اس کام کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے - لیکن وہ دھرے کے دھرے ہی رہ گئے - لیکن یہ سعادت حضرت اقدس کے جیالے سپاہیوں کو ہی نصیب ہوئی -

نہ صرف یہی بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں جماعتِ احمدیہ کے مشن موجود ہیں جہاں کہیں باقاعدہ مشن نہیں تو جو بھی احمدی ایسے علاقہ میں ہے وہ بذاتہٖ ایک مشن کا کام سرانجام دے رہا ہے - ملاحظہ ہو یہ جذبہ جو اس فتح نصیب جرنیل کا پیدا کردہ ہے - یہ ایک ہی بات آپ کی صداقت پر ایک زبردست دلیل ہے آخر یہ لوگ کیوں حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں -

ہندوؤں اور عیسائیوں نے جب بھی اور جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ناطقہ بند کیا تو انہوں نے ہمیشہ احمدیوں سے ہی استعانت طلب کی اور یہ جیالے فوراً کمر باندھ کر ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں نکل کھڑے ہوئے اور انہیں شکست فاش دے کر ہی دم لیا - جزائر فجی میں آریوں نے مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے للکارا تو انہوں نے انجمن حمایت اسلام سے مبلغین طلب کئے - مگر انجمن حمایت اسلام کی نظرِ انتخاب صرف جماعت احمدیہ پر ہی پڑی - مسیح موعود علیہ السلام کے جیالے سپاہی فوراً کمر باندھ کر عازم ویسٹ انڈیز ہو گئے اور جاتے ہی "جنگ" کا نقشہ بدل دیا اور آریوں کو پے در پے شکستیں دے کر ان کی کمر توڑ دی اور اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھ لی - اب وہاں بھی باقاعدہ احمدیہ انجمن قائم ہو گئی ہے -

ہمارے مکفّرین آئے دن عیسائی مشنریوں کے مشن بند کرنے کے لئے حکومت پر زور دیتے رہتے ہیں - کیونکہ ان کے زعم میں بہت سے لوگ عیسائی ہوتے جا رہے ہیں - قطع نظر اس سے کہ ان کا یہ خدشہ کہاں تک درست ہے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ ان اسلام زندہ باد کے نعرے لگانے والوں میں اتنی بھی اہلیت نہیں کہ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کر سکیں - وہ مسلمانوں کو کافر بنانا جانتے ہیں مگر کسی کافر کو مسلمان بنانے کی ان میں سکت نہیں - یہ کیسے علماء ہیں کہ عیسائیت کا رد دلائل و براہین کے ساتھ کرنے سے قاصر ہیں - اور اپنی خفت مٹانے کے پیشِ نظر حکومت کے دست نگر ہیں اور اسے غیر آئینی کام کرنے کے لئے اکساتے رہتے ہیں - یہ درحقیقت اعتراف شکست ہے اور انہیں اپنی کم مائیگی کا خوب احساس ہے - اس علمیت کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا نہیں دیکھ سکتے - کیا دین اسلام اس قدر کمزور ہے کہ اس کے پاس اپنی بقا کے لئے کوئی دلائل نہیں - کیا یہ شریعت کے قانون کے نفاذ کا اس لئے مطالبہ کرتے ہیں - کہ حکومت کو شریعت کے نام پر ظلم و ستم کرنے پر مجبور کر دیا جائے - ایک طرف تو یہ لوگ نعرے لگاتے ہیں کہ شریعت انصاف دلائے گی شریعت امن قائم کرے گی لیکن دوسری طرف عیسائیوں کے مشن زبردستی بند کرانے کے لئے حکومت پر زور دیا جا رہا ہے کیا یہی انصاف ہے جو یہ لوگ قائم کرنے کے بلند بانگ دعاوی کر رہے ہیں - ہمارا ایمان ہے کہ شریعت انصاف دلائے گی اور امن قائم کرے گی - لیکن ہمارے مکفّرین صریحًا جھوٹ بولتے ہیں - وہ شریعت کا قانون نافذ کرانے کے حق میں نہیں ہیں - کیونکہ پھر انہیں لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے مواقع نہیں مل سکیں گے نہ البتہ ایک غیر شرعی قانون کو شرعی قانون کا نام دے کر ظلم و ستم ڈھانے کا جواز پیدا کر لیں گے تو یہ علیحدہ بات ہے - اور یہی ان کے اس مطالبہ کی علتِ غائی ہے - یہ ان کا عجیب انصاف ہے کہ اگر خود ظلم و ستم ڈھائیں تو یہ عین شریعت کے مطابق ہے اور اگر کوئی تحفظ امنِ عامہ کی خاطر قدم اٹھائے تو یہ ظلم و ستم اور خلاف شریعت عمل ہے - یہ لوگوں کو کافر قرار دیں، لوگوں کے مکانات جلائیں - مسجدیں جلائیں - قرآن پاک جلائیں - دکانیں لوٹیں - لوگوں کو بلا وجہ قتل کر دیں اور وہ بھی محض اختلاف رائے پر تو یہ فعل ان کا عین شریعت کے مطابق ہے - اور اگر حکومت ان زیادتیوں اور قتل و غارت کی روک تھام کے لئے کوئی طاقت استعمال کرے تو یہ فعل خلاف شریعت اور ظلم و ستم ہے - یوں یہ لوگ اپنی علمیت کا دیوالیہ نکال چکے ہیں - بریں عقل و دانش بباید گریست - کوئی ان بھلے مانسوں سے پوچھے کہ کیا اسلام اس قدر کمزور ہے کہ اسکے پاس

اپنی بقاء کے لئے کوئی دلائل نہیں کہ ہر وقت اسے اپنے اور غیروں کے خلاف تلوار کے ذریعہ خون کی ہولی کھیلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسی شریعت چنگیز خاں کی شریعت ہو سکتی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی قائم کردہ شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ان کو چاہیئے کہ عیسائیوں سے مناظرے کر کے ان کو دلائل سے عاجز کریں۔ تاکہ وہ خود بخود اپنا بوریا بستر باندھ کر جدھر سے آئے تھے اسی طرف بھاگ جائیں۔ لیکن یہ ان کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کام صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جیالے سپاہی ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ عیسائی ان کا سامنا نہیں کر سکتے۔ احمدیوں کے ہوتے ہوئے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں اَب بھی باوجود غیر مسلم قرار دیئے جانے کے وہ عیسائیت کے گھر یعنی یورپ و امریکہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ احمدیوں کی تکفیر سے جو حقیقی خوشی عیسائیوں کو ہوئی وہ کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے مکفرین کو اس چیز کا کوئی احساس نہیں۔ کہ انہوں نے ہماری تکفیر سے کیا کھویا۔ انہوں نے اسلام کا ایک مضبوط قلعہ خود اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور اب عیسائیت کی یورش کے سامنے لرزہ بر اندام ہیں۔ انہوں نے قوم کو اسلامی قدروں سے دُور جا پھینکا ہے۔ قتل و غارتگری۔ لوٹ کھسوٹ۔ گالی گلوچ ان کا شیوہ ہو چکا ہے۔ جادۂ اسلام سے گریز پا ہیں۔ افعال شنیعہ کا ارتکاب ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ لوگوں کا ایمان اب دہریت کی طرف ہو چکا ہے اور اس کے ذمہ دار پرویز صاحب اور ہیچو دیگرے علماء ہیں۔ دینِ اسلام کا نام محض ذاتی منفعتوں کے پیش نظر لیا جاتا ہے۔ ورنہ دینِ اسلام سے انہیں کوئی محبت نہیں اور عوام ہیں کہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں مطلق کوئی خبر نہیں کہ ان کی متاع ایمان کس طرح ایک سوچے سمجھے پلان کے ماتحت لوٹی جا رہی ہے۔

واۓ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

لیکن احمدیوں کا ایمان ہے کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور جہان میں اس کا غلبہ اب احمدیت کے ذریعہ ہی مقدر ہے۔ انشاء اللہ۔ یہ لوگ چونکہ بصیرت کھو چکے ہیں۔ لہٰذا انکی طرف سے اسلام کو کوئی بھلائی کی امید نہیں۔

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:—

ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل ۵ لاخذنا منہ بالیمین ۵ ثمّ لقطعنا منہ الوتین۔

اور اگر وہ ہم پر بعض باتیں افتراء کے طور پر بنا لیتا۔ تو ہم ضرور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے۔ (الحاقۃ ۴۴: ۴۶)

اس میں اللہ تعالےٰ نے ایک اٹل اصُول بیان فرمایا ہے۔ کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ پر افتراء کر کے یعنی یہ کہہ کر کہ اس کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی و الہام ہوا ہے۔ حالانکہ اسے ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ تو اسے زیادہ مہلت نہیں دی جاتی اور وہ فوراً ہلاکت کے گڑھے میں پھینکا جاتا ہے۔ اب یہ قانون خود اللہ تعالےٰ نے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے۔ اگر مرزا صاحب بقول معاندین مفتری ہوتے۔ تو وہ خدا تعالےٰ کے اس بیان کردہ قانون کی زد سے بچ نہیں سکتے تھے۔ لیکن کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں۔ کہ وہ تو ہمیشہ مظفر و منصُور رہتا ہے۔ اگر تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ تو اس کے دشمن وہ وحی و الہام کشوف وغیرہ کو مخفی نہیں رکھتا بلکہ ببانگ دہل مشتہر کرتا ہے اشتہارات شائع کرتا ہے۔ مباہلہ کے لئے دشمنوں کو چیلنج دیتا ہے۔ لیکن اس تحدّی کے باوجود اُسے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ بمصداق کل یوم ھو فی شان وہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہے۔ اگر رگِ جان کاٹی جاتی ہے۔ تو حضور اقدسؑ کے دشمنوں کی، کہیں لیکھرام مارا جاتا ہے۔ کہیں عبداللہ آتھم کی ہلاکت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ (باقی — باقی)

تبلیغی کارگذاری

مکرّم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی تحریر فرماتے ہیں کہ:—

از ۲۸/۱/۷۷ تا ۲/۲/۷۷ مندرجہ ذیل لٹریچر احباب کو مختلف شہروں میں بذریعہ بک پوسٹ روانہ کیا گیا:—

۱— ختم نبوّت اور غلام احمد پرویز صاحب۔ (از چوہدری شکراللہ خان صاحب منصور) — 100 کاپیاں

۲— محترم ممبر صاحبان قومی اسمبلی کی خدمت میں خدا اور اس کے رسُول اکرم صلعم کے نام پر اپیل — 100 ” ”

۳— مولوی احتشام الحق صاحب تھانوی کا فہم قرآن حصہ اوّل۔ (از شیخ عبدالحق صاحب کراچی) — 24 ” ”

۴— جاہلانہ خیال؟ —— کس کا؟ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مستجاب اللہ ہونے کے چند خدائی نشانات (از ڈاکٹر اللہ بخش صاحب) — 26 ” ”

۵— تذکرہ — (از مولانا صدرالدین صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور) — 100 ” ”

۶— تفاوت کا مسئلہ۔ (از حضرت مولانا صدرالدین صاحب) — 12 ” ”

۷— اسلامی مساوات اور حالات حاضرہ ” ” — 10 ” ”

۸— انجیلی تعلیم پر قرآنی تعلیم کی برتری اور قرآنی تعلیم کا خدا نما ہونا (از جناب مصری صاحب) — 10 ” ”

۹— جہاد فی الاسلام اور علماء و زعماء پاکستان۔ (از ملک الٰہی بخش صاحب راولپنڈی) — 50 ” ”

۱۰— انجیل کا مسیح اور قرآن کا مسیح۔ (از جناب مصری صاحب) — 5 ” ”

۱۱— ہمارے عقائد۔ (از مولانا صدرالدین صاحب امیر جماعت) — 100 ” ”

۱۲— کونسے معتقدات صحیح ہیں؟ جماعتِ ربوہ کے نئے خلیفہ صاحب سے استدعا — 41 ” ”

۱۳— آئین پاکستان اور مسلمان فرقۂ احمدیہ — 4 ” ”

۱۴— ”وہ شخص غلطی کرتا ہے جو میرے الہام میں لفظ نبی سے حقیقی نبوّت اور رسالت مراد لیتا ہے۔“ (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ) مندرجہ اخبار الحکم۔ جلد نمبر ۳/۲۹ مؤرخہ ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء — 100 ” ”

۱۵— حضرت مرزا صاحب قادیان کے دعوئے نبوّت کی کہانی جناب خلیفہ صاحب مرحوم ربوہ کی زبانی۔ (از ملک الٰہی بخش صاحب راولپنڈی) — 25 ” ”

۱۶— احباب جماعتِ ربوہ کے لئے لمحہ فکریہ — (از جناب مولانا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب) — 100 ” ”

میزان — 807 ” ”

کلام مجدد علیہ السلام

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج + آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے
جس کو دیکھو بدگمانی میں ہے حد سے بڑھ گیا + گر کوئی پوچھے تو سو سو عیب بتلانے کو ہے
چھوڑتے ہیں دیں کو اور دنیا سے کرتے ہیں پیار + سو کریں وعظ و نصیحت کون پچھتانے کو ہے

(دُرِّ ثمین)

از مولوی احمد گل صاحب - فاضل دیوبند

وحی اور تصوف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

(قسط نمبر ۴)

حضرت مرزا صاحب پر شروع میں جب علما کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگایا گیا تو آپ نے دہلی میں اس کا جواب اعلان مؤرخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں شائع فرمایا :-

"اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی، ملائکہ کا منکر، بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرائیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم . . . . اس میری تحریر پر ہر ایک شخص گواہ رہے اور خداوند علیم و سمیع اول الشاہدین ہے کہ ان تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے اور جن پر ایمان لانے سے ایک غیر مذہب کا آدمی بھی معاً مسلمان کہلانے لگتا ہے۔"

اس اعلان کے ۲۱ دن بعد ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو آپ نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کے دوران جو اعلان فرمایا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے :-

"دوسرے الزامات جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا انکاری ہے یہ سارے الزامات دروغ اور باطل محض ہیں ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور میری کتاب "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" سے جو ایسے اعتراضات لگائے گئے ہیں یہ نکتہ چینوں کی سراسر غلطی ہے۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا اعلان مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اس خانۂ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات اور لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں۔" (دین الحق صفحہ ۲۹)

دیکھ لیا آپ نے کہ واضح دلائل سامنے ہیں۔ دل مانتا ہے کہ بات سچی ہے۔ لیکن ضد۔ بات کی پیچ اور جھوٹی عزت کا پاس ہے کہ اقرار پر آمادہ نہیں ہونے دیتا۔

کل العداوۃ ترجی سلامتہا
الا العداوۃ من عاداک عن حسد

یعنی ہر قسم کے اختلافات اور عداوت کو خوش اسلوبی سے سلجھایا جا سکتا ہے مگر جس مخالفت کی بنیاد حسد اور عناد پر ہو، اس کا دُور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ ضد اور عناد ہی کا نتیجہ تھا کہ مرکزی شہر کے خانۂ خدا (جامع مسجد) میں ایک شخص اپنے اسلامی عقائد کا اعلان کرتا ہے مسلمانوں کے ایک اجتماع عظیم میں بآواز بلند یوں کہتا ہے کہ

(۱) - میرا مذہب اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔
(۲) - میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا قائل ہوں۔
(۳) میں منکر ختم نبوت کو کافر، بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

مگر اس کے جواب میں پرویز صاحب فرماتے ہیں :-

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعوےٰ یہ تھا کہ
(۱) خدا کے نبی اور رسول ہیں۔
(۲) صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہیں۔
(۳) ان کی وحی، قرآن کی مثل ہے۔ (ختم نبوت صفحہ ۱۶۳)

پرویز صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت صاحب مدعی نبوت نہیں، وہ مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں، وہ اپنے نہ ماننے والے کو کافر نہیں کہتے کیونکہ وہ تجدید کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے ابتداء سے لے کر آخر عمر تک اپنے بیعت کے الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اور بیعت کے الفاظ میں نبوت پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہمارے سید و مولیٰ علیہ السلام نے آنے والے مسیح کے لئے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی اور وہ فرماتے ہیں مسلمانوں کو میرے خلاف بھڑکانے کے لئے یہ افتراء کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ ہمارا کوئی ایسا دعوےٰ نہیں ہے۔ ہم حضورؐ کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں اس لئے ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نیا ہو یا پُرانا۔ وہ فرماتے ہیں وحی نبوت قیامت تک منقطع ہے اور فرماتے ہیں اب اگر ایک وحی نبوت بھی نازل ہو تو خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ جاتی ہے اور دین اسلام کا تختہ اُلٹ جاتا ہے۔

یہ ہے پرویز صاحب کی ضد اور ان کے عناد کا حال کہ حضرت مرزا صاحب اپنی مختلف کتابوں میں، متعدد تقریروں اور تحریروں میں نبوت کے دعوے سے انکار اور ختم نبوت کا اظہار اور مختلف پیرایوں میں اس مقصد کی وضاحت کرتے جا رہے ہیں اور یہ حضرت ہیں کہ لا نسلم کی گردان کو معمول بنا کر انکار پہ انکار کرتے جاتے ہیں۔ مضمون کے طوالت کے خوف سے مندرجہ ذیل اقتباس پر اکتفا کرتا ہوں۔ ؎ شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں مری بات

حضرت صاحب "کرامات الصادقین" کے صفحہ ۳۵ پر فرماتے ہیں :-

(۱) "مجھے اللہ جلّشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں
(۲) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور
(۳) ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔
(۴) میں اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں، اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔
(۵) کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے۔

(۶) جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا، وہ یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا۔" ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔

پرویز صاحب اگر میرے اس مضمون کو دیکھ رہے ہیں تو اُن کی خدمت میں گذارش ہے کہ مندرجہ بالا عبارات میں حضرت مرزا صاحب نے جن الزامات کی بار بار تردید کی ہے، بیت اللہ میں کھڑے ہو کر، خدا اور رسول کی قسمیں کھا کر جن عائد کردہ الزامات کو غلط قرار دیا ہے، اگر دوبارہ ایک بار پڑھ کر پھر اپنے رسالہ طلوع اسلام کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ لیں۔ آپ کے سامنے حقیقت یقیناً کھل کر آجائے گی:۔

"اس کے بعد ملت کی زنبیل میں ایک ہی حربہ باقی رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے اور فریق مخالف کو بدنام کیا جائے۔ ایک کونے سے آواز آتی ہے طلوع اسلام ایک نیا مذہبی فرقہ ہے۔ پرویز نے پرویزی مذہب ایجاد کیا ہے۔ پرویز تین نمازیں اور ۹ روزے قرار دیتا ہے۔ پرویز اُردو میں نماز پڑھانے کی تلقین کرتا ہے وہ منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ رسالت ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حاضرین گرامی! یہ سب یکسر جھوٹ ہے، بہتان ہے، افتراء ہے۔ پرویز ان میں سے ایک بات بھی نہیں کہتا۔"

(طلوع اسلام دسمبر ۱۹۷۲ء صـ۳۷)

اس پر بلا تبصرہ صرف یہ عرض کروں گا۔

آنچہ خود مپسندی دیگراں را مپسند

وحی۔ الہام اور کشوف کی حقیقت

پرویز صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص غیب جاننے کا دعوےٰ کرتا ہے (پیشگوئیاں بھی اسی میں داخل ہیں) تو وہ یا دعوئ نبوت کرتا ہے (کیونکہ قرآن کی رُو سے غیب کا علم اللہ کی طرف سے صرف حضرات انبیاء کرام کو دیا جاتا ہے۔) اور یا جھوٹ بولتا ہے (کیونکہ انبیاء کے علاوہ کسی اور کو غیب کا علم نہیں دیا جاتا" (سلیم کے نام صـ۴۷)

ان کا یہ دعوےٰ کہ غیب پر اطلاع پانے والا صرف نبی ہی ہوتا ہے۔ لیکن ان کے اس دعوےٰ کے خلاف ہم دیکھتے ہیں کہ:۔

(۱) حضرت یوسفؑ، جو کہ ابھی بچپن کی عمر میں تھے۔ انہیں ان کے بھائیوں نے بیابان میں لے جا کر ایک تنگ و تاریک اور گہرے کوئیں میں پھینک دیا۔ اس موقعہ پر ان خونخوار بھائیوں سے انہیں چھڑانے والا کوئی نہیں۔ ایسی بےکسی اور بے بسی کی حالت میں جبکہ ہر طرف سے ہلاکت دکھائی دے رہی تھی۔ ایک تسلی دینے والے (علیم و خبیر خدا) کی آواز پہنچی جس کے الفاظ یہ تھے: واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون (یوسف ۱۶) یعنے تیرے باپ کے بیٹے جو تیرے خونی دشمن ہیں۔ گو بظاہر آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب اور تجھ پر غالب ہیں اور تو مغلوب اور مظلوم ہے مگر تو اس کنوئیں سے نکل کر اپنی زندگی کے مختلف مدارج طے کریگا اور ایک ایسا وقت بھی تجھ پر آئے گا کہ یہی تیرے بھائی تیرے حضور پیش ہوں گے۔ اس وقت تو ان سے سوال کرے گا ھل علمتم ما فعلتم بیوسف (یوسف ۸۹) اس وقت تیرا جاہ و جلال تیری عظمت و شان اس قسم کی ہوگی کہ وہ یہ کہکر ءَ انک لانت یوسف۔ نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا بھائی یوسف ہے۔

اب دیکھ لیجئے حضرت یوسفؑ پر وحی کی جا رہی ہے۔ پیشگوئی کے رنگ میں علم غیب پر اطلاع دی جا رہی ہے۔ عمر بھی بارہ چودہ سال کی ہے، غیر نبی ہیں۔ مگر پرویز صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "غیب کا علم اللہ کی طرف سے صرف حضرات انبیاء کرام کو دیا جاتا ہے۔" ہاں اگر کوئی شخص پیشگوئیوں کے رنگ میں علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے، تو وہ "دعوئ نبوت کرتا ہے اور یا جھوٹ بولتا ہے۔" نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔ ایک خدا کے نیک نبی پر کتنا بڑا الزام ہے۔

شاید پرویز صاحب اس مشکل سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے اوحینا الیہ میں الیہ کی ضمیر کو حضرت یعقوبؑ کی طرف لوٹا کر آیت کے معنی یوں کریں۔ کہ ہم نے یعقوب کی طرف وحی کی۔ تو یہ ان کی عربی گرامر سے ناواقفیت پر دلیل ہوگی۔ اس سے پہلے اسی آیت میں ذھبوا بہ اور ان یجعلوہ دو ضمیریں حضرت یوسفؑ کی طرف لوٹتی ہیں۔ اس لئے لتنبئنھم سے بھی مراد وہی ہیں نہ کہ حضرت یعقوبؑ۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الزام سے بچنے اور "اپنی پیچ" رکھنے کے لئے یہ کہدیں کہ حضرت یوسف کو جب کنوئیں میں پھینکا گیا۔ نبی تھے۔ جس کی بناء پر انہیں بذریعہ وحی آئندہ کے حالات سے باخبر کر دیا گیا۔ مگر اس کے بعد کی آیت ولما بلغ اشدہ اتیناہ حکما و علما۔ انہیں اس تاویلِ رقیقہ سے بری نہیں ٹھہرا سکتی کیونکہ سن رشد کے پہنچنے کا ذکر ان تمام ابتدائی واقعات کے بعد ہوا ہے۔

(۲) قرآن کریم میں ایک عبد (بندہ) کا ذکر ہے جس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا اتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما (الکہف ۶۶) "جسے ہم نے اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی اور اپنے پاس سے اسے علم لدنی سکھایا تھا۔" یہ عبد کون ہے؟ عام طور پر انہیں خضر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ شخص غیر نبی ہے۔ حضرت موسےٰ کی معیت میں سفر پر ہے۔ اس سے تین واقعات صادر ہوتے ہیں۔ (۱) کشتی کا توڑنا۔ (۲) بے گناہ نوجوان کو قتل کرنا۔ (۳) شکستہ دیوار کا مرمت کر دینا۔

یہ تینوں واقعات حضرت موسےٰ کے نزدیک ناقابلِ فہم بلکہ بظاہر ظلم، ایذا اور نادانی پر مبنی تھے۔ لیکن حضرت خضر نے یہ تینوں امور آئندہ کے علم غیب یعنے وحی الٰہی کے مطابق کیے جیسا کہ ما فعلتہ عن امری (الکہف ۸۳) سے ظاہر ہے۔ کہ یہ کام میں نے اپنے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ خدا داد علم کی بناء پر ہوا۔

(۳) قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔ واوحینا الیٰ اُم موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔ (القصص ۸) "اور ہم نے موسےٰ کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اسے بے خوف و بے غم ہو کر دریا میں ڈال دے۔ ہم اسے تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں بنائیں گے۔" اس آیت میں حضرت موسےٰؑ کی والدہ کی طرف وحی (علم غیب) کا ذکر ہے اور وحی بھی ایسی یقینی کہ وہ حضرت موسےٰؑ کو دریا میں ڈال دیتی ہیں۔

کوئی ماں اپنے شیر خوار بچے نورِ نظر کو دریا کی تند و تیز اور

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۴

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

میں اپنے مریدوں کو ہدایت کرتا ہوں

(کہ) خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرو اور اس کی رحمت اور فضل کے نیچے آجاؤ۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ ترے دعاوی پر ہی اپنا سہارا نہ رکھیں بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنواریں۔ اور اپنے نفس کی اصلاح کریں۔ جو شخص اپنی اصلاح نہیں کرتا۔ اور تقویٰ اور طہارت پر قدم نہیں مارتا وہ شخص اس سلسلہ کا دشمن ہے۔ اور اپنے طرز عمل سے اسے بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اور اس سلسلہ کو جسے خدا نے خود قائم کیا ہے۔ اپنے عمل سے جھٹلاتا ہے۔ جو لوگ اپنے عمل سے اس سلسلہ کی بے عزتی کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کو بھی ایسے لوگوں کی کچھ پروا نہیں۔ اسے تو اس سلسلہ کی عزت اور عظمت منظور ہے۔ اس لئے اسے ایسے لوگوں سے پاک اور صاف کر دے گا جو اپنی ہی کمزوریوں سے اس کی بدنامی میں حصہ لیتے ہیں۔ دیکھو حضرت موسےٰ کے لشکر میں کئی بار وبا پڑی۔ جسے دیکھ کر ان کے مخالف تمسخر و استہزاء کرتے ہوں گے۔ حالانکہ یہ سب ان کی جماعت کی بد اعمالیوں اور خرابیوں کا نتیجہ تھی۔ کہتے ہیں بلعم نے جب دعا کی تھی۔ تو اُن میں سے اسی ہزار ہلاک ہو گئے تھے اور یہ سب ابتلاء ان کی بدکاریوں کا نتیجہ تھی۔ گویا اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے انہوں نے حضرت موسےٰ کو بھی بدنام کر دیا۔ اس لئے میں اپنے مریدوں کو ہدایت کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے آپ کو درست کر لیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی شخص سلسلہ کو بدنام کرنے والا ٹھہرے۔ گو میں جانتا ہوں کہ بہت ہی تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو سلسلہ کو بدنامی سے بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ جب تک انسان کا دل پورے طور پر پاک اور مطہر نہ ہو۔ اس پر فرشتہ کا نزول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم لوگ اپنے دل کے ہر حصہ کو ٹٹولتے رہو کہ اس میں ذرا سی بھی میل باقی نہ رہنے پائے۔ اور پھر اپنے نیک اعمال سے اپنے پاک دل کی پاکیزگی کا ثبوت دو۔ دیکھو انسان ہاتھ سے پاخانہ کو بھی صاف کرتا ہے اور اس ہاتھ سے اپنے خفیہ اعضاء کو پاک کرتا ہے۔ پھر اگر پاخانہ کا کوئی ذرہ بھی اس کے ہاتھ پر رہ جائے تو کیا وہ اس کے ساتھ اپنی غذا کھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس بات سے نفرت پیدا ہوگی۔ اسی طرح یہ خوب یاد رکھو کہ اگر انسان کے دل میں یا اس کے اعمال میں ذرہ سی بھی گندگی ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا نزول ایسے شخص پر کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے الہام میں جو آیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَار۔ یہ بڑا منذر اور ڈرانے والا الہام ہے۔ ضروری ہے کہ تم لوگ .... کشتی نوح کتاب کو بار بار پڑھو۔ اسی طرح قرآن کریم کو غور و خوض سے باقاعدہ پڑھا کرو اور عین اس کے احکام کے مطابق اپنے اعمال کو درست کر لو۔ کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ تم اپنی قوم کی طرف سے ہر قسم کی لعنت و ملامت اس سلسلہ میں شمولیت حاصل کر کے لے چکے ہو۔ لیکن اگر خدا نخواستہ اس لعنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی تم نے اپنی بد اعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے لے لی تو تمہارے دین و دنیا دونوں ہی بگڑ گئے۔ **اس لئے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرو اور اس کی رحمت اور فضل کے نیچے آ جاؤ۔** (ملفوظات احمدیہ جلد ششم)

حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر مرحوم کی انگریزی کتاب "محمد دی پرافٹ" کا

مصر سے عربی ترجمہ

مطبوعات مكتبة مصر

محمد رسول الله

تاليف
مولاى محمد على
رئيس الرابطة الأحمدية لاشاعة الاسلام بلاهور

ترجمة
مصطفى فهمى عبد الحميد جوده السحار

الناشر : مكتبة مصر
۳ شارع كامل صدقى "الفجالة"

دار مصر للطباعة
۳۰ شارع كامل صدقى الفجالة

الفصل الأول

العرب وبلادهم

« إن أول بيت وضع للناس للذى ببكه مباركا وهدى للعالمين » (قرآن كريم)

شبه جزيرة العرب — تشغل البلاد التى عرفت باسم « جزيرة العرب » مكاناً وسطا من نصف الكرة الذى يشمل آسيا وإفريقية وأوربا ، فجزيرة العرب من العالم القديم بمنزلة القلب منه ، وهى الأرض التى ولد فيها النبى محمد عليه الصلاة والسلام ، خاتم الأنبياء الذين أتوا بكتب تدعو إلى الهدى ودين الحق .

ويكاد الماء يكتنف بلاد العرب من كل جانب ، فهى تحدها من الجنوب بالمحيط الهندى ، ومن الغرب بالبحرين الأحمر والأبيض المتوسط ، ومن الشرق بخليج فارس ونهرى دجلة والفرات ، اللذين يتغلغلان فى أرضها شمالا . وكانت تضم فيما سبق ، كما ورد فى كتب التاريخ والجغرافيا القديمة ، الأرض المعروفة بالعراق وسورية الشمالية ، وإن كانت مصورات الجغرافيا الحديثة لا تعتبرهما جزءاً أصيلا من بلاد العرب . وبغض النظر عن العراق وسورية الشمالية ، لا تقل مساحة بلاد العرب عن ۰۰۰و۲۰۰و۱ ميل مربع ، يغمر ثلثها رمال الصحارى والقفار ، وصحراؤها الكبرى تعرف بالدهناء .

اس بارہ میں ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب انجنیئر مانچسٹر اپنے تازہ خط میں یوں رقمطراز ہیں :—

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔ اخبار "دی لائٹ"

آپ کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ حضرت امیر مرحوم کی کتاب "محمد دی پرافٹ" کا عربی ترجمہ مصر سے شائع ہو چکا ہے۔ مجھے اس امر کا علم مانچسٹر یونیورسٹی کی لائبریری کے ذریعہ ہوا۔ چنانچہ میں آپ کو اس کے ٹائیٹل پیج اور ایک صفحہ کے فوٹو بھیج رہا ہوں۔ اس پر لائبریری کی طرف سے ان الفاظ کی تحریر "سے 1965ء" یہ پتہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب عربی میں پہلے ۱۹۶۵ء میں مصر سے شائع ہوئی تھی۔ انگریزی کتاب "محمد دی پرافٹ" کے یہ دوسرے یا تیسرے ایڈیشن کا من و عن عربی ترجمہ ہے۔ نیز ٹائیٹل پر یہ امر بھی درج ہے کہ یہ اس کتاب کا ترجمہ ہے جو مولوی محمد علی صاحب رئیس جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے تصنیف کی ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۷۷ء

مسجد کا مقام

سلطانئ جمہور کے اس نئے دَور میں مسجد کا تقدس اور احترام خود اس کی محافظت اور نگہبانی کے دعویداروں کے ہاتھوں جس المناک حد تک مجروح ہو رہا ہے اس سے ہر اہل دِل درد و کرب کے ایک اذیت ناک احساس سے دوچار ہے۔ ایک طرزِ فکر کی حمایت میں جب یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مسجدیں اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں اس لئے انہیں سیاسی اکھاڑہ بنانے سے اجتناب کیا جائے تو دوسرے مکتبۂ فکر کے حامی فوراً یہ جواز پیش کر دیتے ہیں کہ مسجد نہ صرف عبادت کے لئے مخصوص ہے بلکہ وہ ملتِ اسلامیہ کے تمام سیاسی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے دَورِ نبویؐ سے ایک اہم مرکز کا کردار ادا کرتی چلی آئی ہے اس لئے اس میں سیاسیات پر بحث و تمحیص اس کا تقدس برقرار رکھنے میں کسی طرح بھی منفی طور پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ لیکن سادہ دِل عوام کو اپنے نقطۂ نظر کا قائل کرنے کے لئے ایسا کہنے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ سے یہ زمانہ بالکل مختلف بلکہ متضاد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں مسجد کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بڑی اہم اور قابل رشک حیثیت حاصل تھی قومی اور بین الاقوامی معاملات اور مسائل وہیں اس کے کچے فرش پر بیٹھ کر زیرِ غور آتے اور حل ہوتے۔ وہ مسجد اسمبلی ہال بھی تھی اور عدالت بھی۔ وہ مکتب بھی تھی اور ہسپتال بھی وہ مہمان خانہ بھی تھی اور کمیونٹی سنٹر بھی۔ غرضیکہ اسے ہر وہ مقام حاصل تھا جو قومی زندگی میں فلاح و بہبود کے کسی ادارے کو حاصل ہو سکتا ہے لیکن کیا کوئی ہمیں یہ بتانے کی جسارت کر سکتا ہے کہ مسجد کو یہ مقام دینے والوں کا کوئی قدم کسی معاملہ میں قرآن کریم کے مخالف پڑا یا کوئی فیصلہ کرتے وقت اُن میں سے کسی کا نفس گروہ بندی۔ جتھا اور برادری یا قربت کے جذبہ سے مغلوب ہوا؟

وہ دَور دِلوں پر قرآن کریم کی حکمرانی کا دَور تھا نہ کہ ہوائے نفس کے غلبہ کا۔ وہ حق و صداقت۔ سچائی اور راست گوئی کا دَور تھا۔ لیکن یہ زمانہ جھوٹ۔ دجل۔ ریا اور مکر و فریب کا زمانہ ہے۔ وہ وقت بے نفسی۔ بے لوثی۔ بے غرضی۔ خلوص، ہمدردی اور عجز و انکساری کا وقت تھا۔ اور یہ وقت خود غرضی غرور و تکبر۔ بغض و حسد اور کینہ پروری اور دشمنی کا وقت ہے۔ وہاں فقر و غنا کا دَور دورہ تھا۔ تو یہاں تکاثر کی فرمانروائی ہے اُدھر خود بھوکا رہ کر بھائی کا پیٹ بھرا جاتا۔ اِدھر بھائی اور اس کے بچوں کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین کر اپنا پیٹ بھرا جاتا ہے۔ اس وقت کی مسجدوں کے محراب و منبر سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کا نام ملبند ہوتا تھا۔ اس وقت بلا استثناء ہر محراب و منبر سے اپنے سیاسی حریف پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ اس کے اخلاق و کردار پر نکتہ چینی کی جاتی اور اسے گالی گلوچ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر دُکھ کی بات یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی اور احادیث کی من مانی تشریح کر کے اسے اپنے مخالف پر چسپاں کرنے کو بہت بڑی دینی اور اسلامی خدمت تصوّر کیا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ''مسلمان'' کہنے والے یہ کیوں فراموش کر بیٹھے ہیں کہ مسجد مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ادارہ ہے نہ کہ فتنہ و فساد کا ایک گڑھ۔ اسی لئے ہر مسجد کے مینار سے دن میں دس دس دفعہ یہ اعلان ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے آؤ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ اور یہی تمہاری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ لیکن جب مسلمان دِین کو چھوڑ کر ہمہ تن دُنیا کے پیچھے لگ پڑے تو وہیں سے ان کا زوال شروع ہوا۔ ذلّت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔ خندہ و استہزا کے مورد وہ ہوئے۔ غیروں کی انگلیاں اُن پر اُٹھنے لگیں۔ جو سر پُر غرور کبھی ان کے سامنے نگوں ہوتے تھے وہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگے۔ آخر وہ بھی مسجدیں ہی تھیں جہاں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے لئے منصوبے ہوئے اور وہ بھی مسجدیں ہی تھیں جہاں حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ پر قاتلانہ حملے ہوئے جس کے نتیجے میں آنحضرت صلعم کے ان محبوبوں اور جان نثاروں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

مسجد کی رُوح انسان ہوتے ہیں۔ اینٹ و پتھر نہیں جب انسانوں میں رُوحِ اسلامی باقی نہ رہی تو مسجد کی رُوح کہاں باقی رہتی۔ وہ اصلاحی اور فلاحی ادارہ کے بجائے ایک استحصالی ادارہ بن گئی۔ اور استحصال خواہ مذہبی جذبات کا ہو یا قوتِ کار کا ہر دور میں ایک نیا بہروپ بھر کر سامنے آتا رہا ہے۔ لیکن اس کے ظاہری خوبصورت نقاب کے پس پردہ ظلم و ستم کی ایسی دردناک داستانیں رقم ہوتی رہی ہیں۔ جنہیں پڑھنے یا سُننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یہی استحصال پسند طبقہ سینکڑوں بے گناہ انسانوں کی لاشوں اور قومی ملکیت کے راکھ کے ڈھیروں پر سے گذر کر جب ایوان اقتدار تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے کانوں کی کھڑکیاں اُن آہوں اور سسکیوں کے لئے بند ہو جاتی ہیں جنہوں نے دُودھ اور شہد کی نہروں کی توقع میں اُن کے جذباتی نعروں کی خاطر اپنا سب کچھ لُٹا دیا ہوتا ہے۔ تاریخی حقیقتوں سے رُوگردانی کرنے والے یہ بھول گئے ہیں کہ انسان کے دل و دماغ پر جب نفس کا بھُوت سوار ہوتا ہے تو وہ وحشت و بربریت کی پستیوں میں گِر کر حضرت عمر رضؓ۔ عثمان رضؓ علی رضؓ اور حسین رضؓ کے مقام کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

مذہب کے مقدس نام پر جو خونریزیاں ہوتی رہی ہیں اور ہو رہی ہیں وہ ہر مذہب کی تاریخ کا شرمناک باب ہیں۔ جنگِ جمل۔ جنگ صفین۔ معرکۂ کربلا اور خوارج کی یلغار مذہب کے نام پر ہوئی لیکن اس کے پس منظر میں کار فرما عوامل اس سے بالکل مختلف تھے۔ اور اشتعال انگیزی مسجدوں کے ذریعے ہوئی۔ قرآن کریم جس کی غرض و غایت اللہ اور اس کے رسولؐ کی کامل اطاعت تھی جنگوں میں نیزوں پر لٹکایا گیا۔ اپنی مقصد برآری کی خاطر خدا۔ رسولؐ اور قرآن کا نام لے کر سادہ دِل عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکانا ایک موثر حربہ ہی سہی لیکن اس کی جوابدہی کے لئے ایک نہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں کوئی عذر کام نہیں آ سکے گا کیونکہ وہ انسان کے نہاں در نہاں ارادوں اور نیتوں سے بھی بخوبی واقف ہے مسجدوں کی بے حُرمتی کا آئے دن رونا رویا جاتا ہے۔ آخر اس کے ارتکاب کی آخری ذِمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ مسجدوں میں جوتوں سمیت گھسنے والے بھی مسلمان اور انہیں گھسنے پر مجبور کرنے والے بھی صاحب علم مسلمان۔

قرآن کریم نے مسجد کو جو مقام دیا ہے وہ تو یہ ہے :۔
"اور اس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ اُن میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"
(۲ : ۱۱۴)

مسجد کا مقصد اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ جو مسجد اس غرض کے لئے استعمال نہیں ہوتی وہ اللہ کی مسجد ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ اُسے کسی دوسری ذاتی مقصد کے لئے استعمال کرنا اُسے برباد کرنے کے مترادف ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لئے دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہے۔
ایک مسجد ایسی بنی تھی جو خدا کی یاد کے علاوہ کسی دوسری غرض کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ وہ "مسجد ضرار" تھی جسے خود آنحضرت صلعم نے گرا دیا، بظاہر وہ عبادت کے لئے ہی تعمیر کی گئی تھی۔ کیونکہ معماران نے آنحضرت صلعم کو وہاں نماز ادا کرنے کے لئے درخواست کی تھی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں آتا ہے:
" اور کچھ (وہ ہیں) جنہوں نے ضرر اور کفر اور مومنوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مسجد بنائی اور اس شخص کے لئے گھات جس نے پہلے سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ لڑائی کی اور وہ یقیناً قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ سوائے بھلائی کے کچھ نہ تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔" (۹ : ۱۰۷)

ابو عامر راہب نے ایک غیر مُلکی طاقت ہرقل شاہ روم سے امداد کا وعدہ پاکر بارہ آدمیوں کی مدد سے قبا کے مقام پر یہ مسجد بنوائی۔ اس کی ایک بڑی غرض و غایت سازش کے ذریعے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرکے ان کی طاقت اور قوت کو کمزور کرنا تھا۔ یہ خدا کی یاد اور ذکر کے لئے نہ تھی اس لئے اُسے گرا دیا گیا۔ سازش صرف کافر ہی مسلمانوں کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ آج مسلمان بھی ایک دوسرے کے خلاف کرتے ہیں۔ اس لئے جو مسجد بھی سازش۔ ضرر اور تفریق بین المسلمین کے لئے استعمال ہوگی وہ اللہ اور رسولؐ کی مسجد ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کھلی جگہوں میں سیاسی سرگرمیوں پر مُلکی قوانین کے مطابق پابندیوں کے باوجود مسجد کا مقام اور احترام اس امر کا متقاضی ہے کہ اسے جدید دَور کی سیاسی کشمکش اور آلودگیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ مسجد اصلاحِ نفس کے لئے ایک مقدّس ادارہ ہے۔ جب نفس درمیان سے اُٹھ جائے تو سلامتی اور امن کی راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔
مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں خرابی کی ایک صورت یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور فریق مخالف کو باطل پر تصوّر کرتی اور اپنے نظریات دوسروں پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کرتی ہے۔ جس سے افتراق و انتشار اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :۔
" اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی (سچائی) پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودی کسی سچائی پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔" (۲ : ۱۱۳)

ساری دُنیا کے مُسلمان بھی ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں لیکن ان کے مذہبی اور سیاسی نظریات میں نام کو بھی یگانگت نہیں جس کی وجہ سے وہ آج تک حقیقی معنوں میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک مؤثر عالمی طاقت نہیں بن سکے۔ ہمارا یہ ایمان اور یقین ہے کہ قرآن اور صرف قرآن ہی ہے جو ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر کائنات کے حسین و جمیل گلے کی زینت بنا سکتا ہے۔

•

جماعت کی زندگی کی علامت

مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔
" میں نے اپنے مضمون "کیا کھویا۔ کیا پایا" مندرجہ پیغام صلح مورخہ ۱۲ میں بدلائل ثابت کیا تھا۔ کہ ستمبر ۱۹۷۴ء کے بعد ہماری باہر کی جماعتیں زندہ ہوگئی ہیں۔ دین اسلام کی امداد کے نئے نئے دروازے کھل رہے ہیں۔ اور خدا کے فضل و رحم کے ساتھ جماعت قربانیوں میں قدم آگے بڑھا رہی ہے۔ مالی قربانی کی ایک اور مثال جماعت کے ایک مخیّر اور سراپا ایثار بزرگ نے حال ہی میں قائم فرمائی ہے۔ جنہوں نے دارالسلام میں لائبریری کی عمارت کی تعمیر کے لئے نہایت خاموشی کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔
انہوں نے اس کے علاوہ دو کتب کے دو دو صد نسخے بلالی مسلمانوں کے لیڈر آنریبل وارث دین محمد صاحب کو شکاگو میں تقسیم کرنے کے لئے بھجوائے ہیں۔ اور دو کتابوں کے سو سو نسخے لندن جماعت کے لئے بھجوا رہے ہیں اور ان سب کی قیمت بھی ادا فرما دی ہے۔
بلاد غیر سے بھی خط و کتابت جاری ہے۔ بیرونی جماعتیں اپنے طور پر بھی قیمت بھیج کر بکڈپو سے کتابیں منگوا رہی ہیں اور کہیں کہیں مفت بھیجی جا رہی ہیں۔ ساری جماعت سے میری اپیل ہے کہ وہ دعاؤں میں لگ جائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ مصائب اور مشکلات کا یہ دَور ختم فرما دے۔
حضرت مسیح موعودؑ نے آڑے وقت کے لئے ایک دُعا سکھائی ہے اور فرمایا ہے، اگر کوئی مصیبت ہو تو یہ دُعا کرو :۔
" اے میرے محسن اے میرے خدا! ۔ میں ایک تیرا ناکارہ بندہ ہوں، پُر معصیت پُر غفلت ہوں۔ اے میرے ربّ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا۔ گناہ پر گُناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور بے شمار نعمتیں دیں۔ اب میری بے باکی اور ناشکری کو معاف فرما۔ مجھ نالائق اور گنہگار پر رحم فرما۔ اس غم سے مجھے نجات دے۔ بجز تیرے چارہ گر کوئی نہیں۔"
اس کے بعد دُعا کیجیے کہ اے اللہ پاک! اس آگ کو گلزار کر دے اور ہر مصیبت سے نجات دے ٭

دُعائے صحت
مکرم جناب مرزا فضل احمد صاحب سیالکوٹ سے اطلاع دیتے ہیں کہ ان کا کمسن نواسہ بعمر ۱½ سال تانگے کی زد میں آکر زخمی ہوگیا ہے اور اسوقت ہسپتال میں داخل ہے۔ وہ حضرت امیر ایدہ اللہ۔ مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد صا

اس محسنِ حقیقی کی خلوصِ دل سے عبادت کرو جس نے تمہارے لئے یہ ساز و سامانِ حیات پیدا کیا۔

پنجوقتہ نمازوں کی پابندی سے آپ لوگوں کی رُوح و بدن اور دل و دماغ کی میل صاف ہو جانی چاہیئے۔

خُطبہ جُمعہ: مؤرخہ یکم اپریل ۱۹۷۷ء۔ فرمودہ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ...... فانصرنا علی القوم الکافرین (سورۃ بقرہ آخری رکوع) تک تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:—

زمین و آسمان میں جس قدر چیزیں ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے کیونکہ ان سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالےٰ دل کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ یعلم ماتوسوس بہ نفسہ۔ مسلمان کو یہ یقین پیدا کرنا چاہیئے کہ خدا اس کی تمام حرکات و سکنات سے آگاہ ہے۔

ہماری زندگی پوری طرح خدا تعالےٰ کے سامنے ہے۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ محسنِ حقیقی اللہ تعالےٰ جس نے یہ جُملہ کائنات اور یہ ساز و سامانِ حیات ہمارے لئے پیدا کیا ہے، وہ ہماری اندرونی اور بیرونی زندگی کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے مسلمان مرد ہو یا عورت اس کی زندگی کا مقصد خدا کی رضا حاصل ہونا چاہیئے۔

صرف نمازوں ہی سے خدا کی رضا حاصل نہیں ہوتی پوری زندگی خدا کی رضا کے مطابق بسر کرنا ضروری ہے تا کہ وہ راضی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلعم نے اپنی پوری زندگی خدا کی رضا کے مطابق بسر فرمائی۔ امن اور جنگ، گھر اور باہر، ظاہر اور پوشیدہ ہمیشہ خدا کی رضا کو سامنے رکھا اور اپنے متبعین کی ایک ایسی قوم پیدا کی جو حضورؐ کے نقشِ قدم پر چل کر خدا کی رضا کی راہوں کو پا کر کامیاب و کامران ہوئی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کامیاب نبی ہیں کیونکہ اُن کی قوم نے آپ کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کی اور تن من دھن سے آپؐ پر فدا ہو گئے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی قوم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور حضرت عیسےٰؑ کی قوم نے تو ان کو تختۂ دار پر لٹکایا۔ نبی اکرم صلعم کی عظمت و ہمت بہت بلند ہے۔

حضورؐ کی اُمّت میں اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کے کام کو جاری و ساری رکھنے کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اسی سلسلہ کے چودھویں صدی کے مجددؒ کو ہم نے پایا وہ نہایت اعلےٰ درجہ پر پیروئ نبی اکرم صلعم کا نمونہ تھے۔ ان کی تقریر، تحریر اور عمل و کردار ایک بہترین نمونہ تھا۔ آپ نے ایک جماعت بنائی جس میں بڑے بڑے علماء صلحاء عامل بالقرآن والسنۃ پیدا ہوئے۔ جو یورپ اور افریقہ۔ آسٹریلیا۔ جرمن۔ غرضیکہ جہاں بھی وہ پیغام پیغمبر آخرالزمان صلعم لے کر گئے کامیاب و بامراد ہوئے اور انہوں نے عیسائیوں۔ یہودیوں۔ ہندوؤں۔ سکھوں اور بدھوں غرضیکہ تمام اہلِ مذاہب کو للکارا اور ان پر فتح عظیم حاصل کی۔

حضرت مجدد وقت نے جلسۂ مذاہب عالم منعقدہ لاہور میں اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے ایک مقالہ لکھا جس کا مضمون تمام مذاہب کے مضامین پر بلند اور بالا رہا اس میں اسلام کی دیگر مذاہب عالم پر فوقیت و برتری ثابت کی گئی تھی۔

آپ نے بتایا کہ قرآن پاک ایک مکمل اور محفوظ کتاب ہے نبی اکرم نے اپنی زندگی میں ہزاروں حفاظ و قراء پیدا کئے جبکہ دوسری تمام کتابیں محرّف اور مبدّل اور غیر محفوظ ہیں۔ نبی اکرم صلعم کی پوری زندگی آئینہ کی طرح صاف اور واضح ہے نیز صحاح ستہ کی کُتب حدیث میں پوری کی پوری محفوظ ہے۔ لیکن دوسرے انبیاء کے صحیح حالات معلوم کرنا مشکل ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کامیاب پیغمبر ہیں۔

وہ قوم مُبارک ہے جس کے راہنما کی پُوری زندگی محفوظ ہے۔ آپؐ نے نماز کی فضیلت ایک حدیث نبویؐ کے حوالہ سے بیان فرمائی جس میں حضورؐ نے نماز پنجگانہ کو پانی کی نہر میں پانچ مرتبہ غسل کرنے سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے جو پانچ مرتبہ غسل کرتا ہے اس کی تمام میل صاف ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نماز پنجگانہ سے انسان کی آنکھ۔ دل و دماغ اور رُوح و بدن کی میل صاف ہو جانی چاہیئے۔ اور اخلاق بھی درست ہو جانے چاہئیں ورنہ خدا کسی کی عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ خدا کے حضور بار بار عمل خیر کرنے کا اقرار کرنا اور پھر عامل نہ ہونا شرمناک بات ہے۔ انسان کے ذہن میں ہر وقت یہ بات ہونی چاہیئے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ وہ مخلوق خُدا کو ایذا دینے والا نہ ہو بلکہ مخلوق خدا کا ممد اور غمخوار ہو۔ یہی بات خدا کو پسند ہے۔ جو لوگ اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں خدا ان کو نورانی بینا دیتا ہے اور وہ خدا کی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ نبی اکرم صلعم کی تعلیم و عمل ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

نبی کریم صلعم نے ایسی بلند ترین جماعت پیدا کی کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا قالوا سمعنا واطعنا یعنی ہر بات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائی۔ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، اور واقعی انہوں نے ایسا کر دکھایا۔ آخر میں ایک مکمل اور جامع دُعا سکھائی ہے۔ انسان کمزور ہے۔ بشریت کے تقاضا سے بھُول چوک ہو جاتی ہے اور جان بُوجھ کر بھی انسان خطا کر بیٹھتا ہے۔ اس کے لئے یوں دُعا تلقین کی

اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھُول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے ربّ اور ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال۔ جیسا تو نے ان پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے ربّ! اور ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھ۔ جس کی طاقت ہم میں نہیں۔ اور ہمیں معاف فرما اور ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولا ہے۔ پس ہمیں کافر قوم پر مدد عطا فرما۔

آپ کے خطوط

ایک غیر از جماعت دوست تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب، ہفت روزہ پیغام صلح۔ لاہور

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مزاج شریف

میں علاوہ دیگر کتب اور رسائل و اخبارات کے آپ کا اخبار اور دیگر لٹریچر بھی اپنے ذوقِ مطالعہ کے پیشِ نظر پڑھتا رہتا ہوں۔ مجھے مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے متبعین صاحبان کی تصنیفات وغیرہ کو چالیس سال سے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ میرا گو کسی بھی مذہبی سیاسی یا سوشل انجمن سے قطعی تعلق نہیں ہے اور میرا نظریۂ حیات انسانیت بین الاقوامیت سے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ مجھے اسلام سے محبت نہیں یا اس کی تعلیمات سے بے بہرہ ہوں۔ یہ جو مسلمانوں میں باہمی تکفیر بازی اور اس کے نتیجہ میں جنگ و قتال کی جو عبث عادتیں ہیں ان سے بہت متنفر ہوں، یہ نہ تو اسلام کی خدمت ہے اور نہ انسانیت کی۔

بہر حال میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔ آج کل یوں بھی احمدی حضرات کو غیر مسلم اقلیت شمار کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ آپ کے اخبار "پیغام صلح" مؤرخہ ۲۳/۲/۷۷ کے اداریہ میں بعنوان "قومی اتحاد کا منشور" پڑھ کر خیال ہوا کہ احمدی (لاہوری) جماعت کے ارکان کو غیر مسلم قرار دینا اسلامی احکام و شریعت کے خلاف ہے۔ انہیں اقلیت کہنا بھی گناہ ہے۔ میں پاکستان کی حکومت، قومی اتحاد اور دیگر ذمہ دارانِ ملک سے یہ اپیل کروں گا کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اسے اسلام کے دائرہ سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے۔ لہذا ان احمدی حضرات کو غیر مسلم یا اقلیت قرار دینا ہی ہے تو پھر اُن "مسلمانوں" کو جن کی فرقہ بندی کے سبب اسلام و شریعت کے احکام کی خلاف ورزی عمل میں آئی ہے ان کو کیسے مسلمان کہا جا سکتا ہے؟

یہ وہی احمدی حضرات ہی تو ہیں جنہوں نے اسلام کی تعلیمات پھیلانے کی خاطر امریکہ، یورپ اور ایشیا و افریقہ وغیرہ دُور دراز ممالک کے سفر اختیار کئے، وہاں فاقے برداشت کئے۔ گھر بار چھوڑا۔ تشدد اور جانی و مالی صدمے سہے۔ کیا اُن کی یہ قربانیاں لوحِ جہاں سے محو کی جا سکتی ہیں؟

میں دنیائے اسلام کے اندر بعض ایسے علما کو جانتا ہوں جن کا کردار داغ دار ہے۔ اُن کا اسلام اسلام پکارنا محض اپنے اقتدار کی ہوس کے پیشِ نظر ہے۔

انہیں لوگوں کے متعلق حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کی پہلی جلد میں فرمایا ہے:۔

"یہ صورت حال فی الحقیقت مسلمانوں کے دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچا اُتار لیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔!"

مذہب کو سیاست کا آلۂ کار بنانا جرمِ عظیم ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بیرونی ممالک کو اسلام سے روشناس کرانے والی یہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام ہی ہے۔

اگر اسی جماعتِ احمدیہ نے بھی اسلام و شریعت کی بعض ایسی توجیہات و تشریحات کی ہوں جن سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ مسلمانوں کا کوئی بھی طبقہ ہو اور چاہے اسلام کی پیروی کا وہ کتنا ہی دعوے کیوں نہ کرے ان سب کے قول و عمل میں بُعد المشرقین ہے۔ اور اسی تضاد کی سزا انہیں یہ مل رہی ہے کہ وہ دُنیا جہان میں بے وقعت ہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد۔ ناسک

دارالقرآن۔ نزد نیو راوی برج شاہدرہ۔ لاہور

اعلان جلسہ

راولپنڈی سے مکرم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب، سیکرٹری جماعت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

جماعت راولپنڈی خدا تعالیٰ کے فضل سے مؤرخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۷۷ء بروز اتوار اپنا سالانہ جلسہ کر رہی ہے بیرونجات کے احباب سے عموماً اور قرب و جوار کے دوستوں سے خصوصاً درخواست ہے۔ کہ وہ اس جلسہ میں جوق در جوق شامل ہو کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

پروگرام جلسہ عنقریب شائع کر دیا جائے گا۔

عطیہ اور درخواستِ دُعا

گجرات سے حافظ محمد ادریس صاحب، چیف ایڈیٹر جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ:

میں ایک بڑی اور بھاری دری مسجد کو عطیہ دینا چاہتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ آپ اسے مسجد دارالسلام یا جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس کے مردانہ حصہ میں بچھا دیں۔ اور اس دری کو آپ جلد منگوالیں۔

نیز اپنی بحالیٔ صحت اور مقدمات جائداد میں کامیابی کے لئے احباب کرام سے دُعا کے خواستگار ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے

کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا۔ اور میرے سلسلہ کو تمام زمین پر پھیلائے گا ...... اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی، اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔

(الہام حضرت مجددِ زمانؑ علیہ السلام)

مولوی احمد گل صاحب ۔ فاضل دیوبند

وحی اور تصوّف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

(قسط نمبر ۵)

وحی نبوّت وحی کی تیسری قسم (جو اعلیٰ و ارفع ہے) صرف انبیاء سے مخصوص ہے۔ اسے وحی متلو بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ جبرائیلؑ کے ذریعے یہ پیرایۂ نبوّت، الفاظ کی صورت میں (جو احکام شریعت اور اخبار غیب پر مشتمل ہوتی ہے) اپنے خاص بندوں کی طرف نازل کرتا ہے۔ یہ لوگ انبیاء کہلاتے ہیں۔ یہ وحی ہمارے پاس قرآن کی صورت میں موجود ہے۔ اسے نمازوں میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ یہ وحی (قرآن) سابقہ انبیاء کی وحی سے مختلف نہیں جیسا کہ فرمایا:-

"انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ۔ (النساء ۱۶۴)

یعنے تمہاری طرف ہم نے وحی کی جس طرح نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی تھی۔"

جس طرح انبیاء کا سلسلہ حضرت نبی کریمؐ پر تکمیل پا کر ختم ہو گیا۔ اسی طرح انبیاء پر نازل ہونے والی وحی (وحی نبوت) قرآن کی صورت میں تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ اب ہمیشہ کے لئے قرآن، کتاب ہدایت اور آنحضرتؐ حاملِ قرآن اور خاتم النبیین ہیں۔ نبوت ایک منصب تھا جس پر اب حضرت محمد رسول اللہ صلعم تا قیامت فائز ہیں۔ اب کسی دوسرے شخص کو اس منصب سے روک دیا گیا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"ان رسولنا خاتم النبیین و علیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین فلیس احد ان یدعی النبوۃ بعد رسولنا المصطفیٰ۔"

(ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۴)

وحی متلو و غیر متلو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وحی متلو جو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ یہ وحی جبرائیلؑ کے ذریعہ سے الفاظ میں نازل ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی وحی کا نماز میں پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ غیر متلو وحی جو نماز میں نہیں پڑھی جاتی اور نہ ہی الفاظ کے رنگ میں اس کا نزول ہوتا ہے۔ یہ وحی بھی انبیاء پر ایک نظارہ یا مفہوم کی شکل میں نازل ہوتی ہے۔ جو انبیاء اپنے الفاظ میں اسے بیان کرتے ہیں:-

(۱) حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس حکم کی بنا پر آپ اپنے بیٹےؑ سے مخاطب ہوتے ہیں یا بنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک۔

(الصافات ۱۰۲)

"اے میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ اس وحی کی بناء پر (جو رؤیا کے رنگ میں تھی) بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس وحی میں الفاظ نہیں۔ محض ایک نظارہ تھا، جو آپؑ کو دکھایا گیا۔ ایسی وحی غیر متلو کی اصطلاح سے متعارف ہے، جس کی مثالیں قرآن کریم میں ملتی ہیں۔

(۲) حضرت نبی کریمؐ نے مدینہ میں ایک رؤیا میں دیکھا کہ آپؐ مکّہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس رؤیا کی بنا پر آپ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر عمرہ ادا کرنے روانہ ہو جاتے ہیں۔ حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ آپؐ کو روک لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لا تخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحاً قریباً۔

(فتح ۲۷)

آنحضرتؐ کو خواب کے ذریعے سے مکہ میں داخل ہونے کا یہ طریقہ بتایا گیا تھا۔ یہ وحی غیر متلو ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ آپ نے اپنے الفاظ میں اس نظارہ کو صحابہ کے سامنے پیش کیا۔

(۳) واذ اسرّ النبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثا فلما نبأت بہ و اظھرہ اللہ علیہ عرّف بعضہ و اعرض عن بعض فلما نبأھا بہ قالت من انبأک ھذا قال نبّأنی العلیم الخبیر۔ (التحریم ۳)

یعنے حضورؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی۔ پھر اس بیوی نے اس بات کی خبر دوسروں کو کر دی۔ جب آپؐ اس معاملے میں اس سے بازپرس کرتے ہیں تو وہ آپؐ سے پوچھتی ہے کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی۔ کہ میں نے کسی دوسرے پر راز ظاہر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے علیم و خبیر خدا نے خبر دی ہے۔

قرآن میں یہ آیت نہیں ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو یہ اطلاع دی تھی کہ تمہاری بیوی نے تمہاری راز کی بات دوسروں سے کہہ دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم کے علاوہ بھی آنحضرتؐ پر وحی (پیغامات) بھیجتا تھا۔

(۴) مدینہ کے نواح میں بنی نضیر پر (ان کی بدعہدیوں کی وجہ سے) مسلمانوں نے چڑھائی کرتے ہوئے ان کی بستیوں کا محاصرہ کیا۔ جو درخت اور باغات حملہ کرنے میں روک تھے انہیں کاٹ دیا۔ جس کا اس آیت میں اشارہ ہے:-

ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علیٰ اصولھا فباذن اللہ (حشر ۵)

"کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹے اور جو کھڑے رہنے دیئے یہ دونوں کام اللہ کی اجازت سے تھے۔"

یہ اجازت قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں۔ یہ قرآن کے علاوہ وحی ہے، جسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

(۵) ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابداً۔ (توبہ ۸۵)

"اور تو ان سے کسی پر جو مر جائے نماز (جنازہ) کبھی نہ پڑھنا۔"

اس آیت میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اور مسلمانوں میں جو لوگ فوت ہو جاتے تھے آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے مگر قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت شامل نہیں جس میں حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کا اجراء آپ کے حکم سے ہوا جو وحی خفی یا وحی

غیر متلو سے تھا۔

(۶) یاایھاالذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع۔ (الجمعہ ۱۲۰)

اس آیت میں نماز جمعہ اور اذان کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ تم نماز کے لئے اذان اور جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کرو بلکہ سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ اذان اور نمازِ جمعہ دونوں اس سے پہلے جاری تھیں۔ مگر قرآن کریم میں نہ ہی اذان کے الفاظ بیان ہوئے ہیں اور نہ ہی اس کا وقت اور اس کے ادا کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ طریقہ آنحضرت صلعم نے جاری فرمایا تھا، جو وحی کی بناء پر تھا۔

(۷) تحویل قبلہ کی آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے قبلہ بنائے جانے سے پہلے حضرت نبی کریم صلعم اور مسلمان کسی اور قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی توثیق فرمائی کہ وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رُخ کیا جاتا تھا، وہ بھی ہمارا ہی مقرر کیا ہُوا تھا۔ لیکن قرآن میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اس قبلے کی طرف رُخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو۔ بلکہ یہ وحی خفی یا وحی غیر متلو تھی جو آپؐ پر نازل ہوئی۔ قرآن کریم میں ایسی اور متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں جن کو مضمون کی طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے۔

ان شواہد کو سامنے رکھکر پرویز صاحب کے مندرجہ ذیل دعوے بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

(۱) "ہمارے ہاں جو عام کہا جاتا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی متلو (یعنے جس وحی کی تلاوت کی جاتی ہے) اور دوسری وحی غیر متلو (یعنے جس وحی کی تلاوت نہیں کی جاتی) تو قرآن سے اس عقیدہ کی کوئی سند نہیں ملتی"۔ (معارف القرآن ۳۱۵)

(۲) "احمدی حضرات کا قرآن کریم کا مبلغ علم ان چند آیات اور ان کے مخصوص مفہوم تک محدود ہوتا ہے جن میں بحث و مباحثہ کے لئے انہیں یاد کرا دیا جاتا ہے۔ اس لئے جب یہ کہا جائے کہ قرآن خالص کی روشنی میں گفتگو کی جائے تو فریق مقابل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا"

(ختم نبوت اور تحریک احمدیت ص۱۶)

اس پر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

حضرت مرزا صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے :۔

گوہر وحی خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر
اک یہی دیں کے لئے ہے جائے عزّ و افتخار
یہ وہ گُل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں
یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مشکِ تتار
یہ ہے وہ مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں
یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں رُوئے نگار

کشف اور الہام

وحی غیر متلو کے سلسلے میں اظہار علی الغیب کی مثالیں، جیسا کہ رؤیا کی صورت میں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ اس سے ملتی جلتی اظہار علی الغیب کی ایک دوسری صورت بھی ہے جو بیداری یا نیم بیداری میں ہوتی ہے۔ اہلِ تصوّف کی اصطلاح میں اسے کشف کہتے ہیں۔ صوفیاء کی اس اصطلاح پر پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہ جو ہمارے ہاں عقیدہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام کو کشف و الہام ہوتا ہے اور مقصد اس سے ہوتا ہے ایسا علم جو خدا سے براہِ راست حاصل ہو، تو قرآن کریم سے اس کی سند نہیں ملتی"۔ (ختم نبوت ص۵۹)

"قرآن کریم سے اس کی سند نہیں ملتی"۔ ہم قرآن کریم سے اس کی سند پیش کرتے ہیں :۔

(ا) سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسرا میں جس واقعہ کا ذکر ہے، وہ معراجِ نبویؐ سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ بذریعہ رؤیا تھا یا بحالت کشف وما جعلنا الرؤیا التی اریناک (بنی اسرائیل ۶۱)

جبکہ پرویز صاحب حدیث کے منکر ہیں ورنہ احادیث سے اس کی توضیح کرکے ثابت کر دیا جاتا کہ فیما یریٰ قلبہ و تنام عینہ ولا ینام قلبہ۔ یعنی ایسی حالت میں معراج ہوا جب آپؐ کا قلب دیکھتا تھا اور آپؐ کی آنکھ سوتی تھی مگر دل نہیں سوتا تھا۔ واستیقظ وھو فی المسجد الحرام۔ پھر آپؐ جاگ اُٹھے اور آپؐ مسجد حرام میں تھے۔

یہ سب کچھ آپؐ پر بحالت کشف یا رؤیا میں وارد ہوا تھا۔ حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کفار نے آپؐ کی بات کو نہ مانا اور بیت المقدس کے حالات دریافت کئے تو اللہ تعالےٰ نے بیت المقدس کو (کشفی حالت میں) آپ کے سامنے کر دیا اور آپؐ نے اُن کو سب کچھ بتا دیا۔ فقمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن اٰیاتہ وانا انظر الیہ۔

حضرت معاذ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا انی قمت من اللیل فصلیت .... فاذا انا بربی فی احسن صورۃ .... فرأیت وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت برد انا ملہ بین صدری (ترمذی) یعنے میں رات کے وقت اُٹھا اور نماز پڑھی .... تب ناگہاں مَیں نے اپنے ربّ کو احسن صُورت میں دیکھا........ تب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی اُنگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ ایسے نظارے اپنے رسُولوں اور خاص بندوں کو دکھاتا ہے۔ یہ نظارے رؤیا یا کشف سے تعلق رکھتے ہیں۔

(ب) حضرت موسےٰ سفر میں ہیں۔ یہ سفر مدین سے مصر کی طرف واپسی کا ہے۔ آپؐ کے ہمراہ آپ کے اہل بھی ہیں۔ وادیٔ طویٰ میں آگ کی روشنی کو دیکھ کر اپنے گھر والوں کو کہتے ہیں:۔ امکثوا انی اٰنست ناراً لعلی اٰتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی (طٰہٰ ۱۰) "ٹھہر جاؤ میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے لئے اس میں سے (ایک) شعلہ لے آؤں یا (اسی آگ) پر رستہ پاؤں"

رؤیت یعنے کسی چیز کے دیکھنے یا اس کی حقیقت تک پہنچنے کے مختلف طریقے ہیں۔

(۱) منام یعنے خواب کے ذریعے سے کسی منظر کا سامنے آنا۔
(۲) کشف کے ذریعے سے کسی حقیقت کا ظاہر ہونا۔
(۳) وحی کے ذریعے سے کسی چیز پر اطلاع پانا۔
(۴) آنکھ کے ذریعے سے واقعات کو دیکھنا۔

حضرت موسےٰ کی یہ رؤیت عام واقعات کی طرح نہ تھی اور نہ وہ آگ حقیقتاً آگ تھی، جس سے جلتی ہوئی لکڑی یا ایک آدھ چنگاری اُٹھا

لاتے ۔ نہ خواب کی حالت میں کسی نظارہ کو دیکھا اور نہ ہی بذریعہ وحی یہ منظر سامنے آیا، جبکہ وحی کا نزول اس کے بعد شروع ہوتا ہے ۔ اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کشفی نظارہ تھا، جو آپ نے دیکھا ۔

ج ۔ حضرت مریم علیہا السلام جب اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک مشرقی مکان (بیت المقدس) کی طرف چلی گئیں ۔ انہیں ایک فرشتہ بشر کی صورت میں متمثل ہوتا ہے فتمثل لھا بشرا سویا ۔ (مریم ۱۷) یہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا ۔ اور کشف نام ہے بیداری میں دیکھنے کا ۔ پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ :۔

"جہاں سے تصوف کا تصور آیا وہیں سے کشف و الہام کا تصور آ گیا ۔ قرآن میں نہ وہ ہے، نہ یہ ۔"

(سلیم کے نام جلد ۳ ۔ ص ۲۷)

ناظرین ! غور فرمائیں کہ ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے ۔ الہام اور کشف پر مندرجہ بالا توضیح اور قرآنی آیات سے پیشکردہ استدلال، اگر اب بھی ان کی نظر میں جگہ نہیں پاتے تو ہم ان کے قلم سے نکلے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کو حقیقت پر محمول کرنے کے مجاز ہوں گے :۔

"لیکن تعصب کا کیا علاج جس سے دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں ۔" (ابلیس و آدم ص ۲۹۲)

حضرت مرزا صاحب نے سچ فرمایا ہے

اس کے منکر جو بات کہتے ہیں ۔ یونہی واہیات کہتے ہیں

نشانات و کرامات } حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں (پرویز صاحب ہوں یا ہمارے علماء کرام) حدِ اعتدال سے اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ انہیں قرآنی دلائل اور آفاقی نشانات کچھ بھی دکھائی نہیں دیتے ۔ وکاین من ایۃ فی السموٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (یوسف ۱۰۶)

"زمین اور آسمانوں میں کتنے نشان ہیں جن پر گزرتے وقت وہ اُن سے منہ پھیر لیتے ہیں ۔"

پرویز صاحب نے خود بھی ایک جگہ سمع، بصر اور فواد سے کام نہ لینے والوں کے متعلق جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی ملاحظہ فرما لیں ۔ وہ فرماتے ہیں :۔

"جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے وہ انسانی سطح پر نہیں بلکہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں .... لھم قلوب لا یفقھون بھا ۔ ان کی روش یہ ہے کہ وہ سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے ۔ ولھم اعین لا یبصرون بھا ۔ وہ آنکھیں رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے ولھم اٰذان لا یسمعون بھا ۔ وہ کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے ۔ اُولٰئک کالانعام ۔ بل ھم اضل ۔ یہ انسان نہیں، حیوان ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ۔ اولٰئک ھم الغافلون ۔ یہ علم و حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں ۔" (سلیم کے نام ۔ جلد ۱ ص ۶)

حضرت مرزا صاحب نے ایسے گم کردہ راہ ۔ علم اور حقیقت سے "بے خبر" لوگوں کے انجام بد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ۔

"میرے خدا نے بہت سے آسمانی نشان میری تائید میں دکھلائے مگر قوم نے ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا ۔ ان میں سے کئی لوگ مباہلہ کے لئے اُٹھے اور بعض نے علاوہ مباہلہ کے الہام کا دعوےٰ کر کے یہ پیشگوئی کی کہ فلاں سال یا کچھ مدت تک ان کی زندگی میں یہ عاجز ہلاک ہو جائے گا ۔ مگر آخر کار وہ میری زندگی میں ہلاک ہو گئے ۔"

اس کے بعد چند ایک مخالفین کے نام لکھ کر ان کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

(۱) "کہاں ہے مولوی غلام دستگیر جس نے اپنی کتاب فیض رحمانی میں میری ہلاکت کے لئے بد دعا کی تھی اور مجھے مقابل پر رکھ کر جھوٹے کی موت چاہی تھی ۔"

(۲) "کہاں ہے مولوی چراغ دین جموں والا جس نے الہام کے دعوےٰ سے میری موت کی خبر دی تھی اور مجھ سے مباہلہ کیا تھا ۔"

(۳) "کہاں ہے فقیر مرزا جو اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت رکھتا تھا جس نے بڑے زور شور سے میری موت کی خبر دی تھی اور کہا تھا کہ عرش پر سے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ شخص مفتری ہے ۔ آئندہ رمضان تک میری زندگی میں ہلاک ہو جائے گا ۔ لیکن جب رمضان آیا تو پھر آپ ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا ۔"

(۴) "کہاں ہے سعد اللہ لدھیانوی ؟ جس نے مجھ سے مباہلہ کیا تھا اور میری موت کی خبر دی تھی ۔ آخر میری زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا ۔"

(۵) "کہاں ہے مولوی محی الدین لکھو کے والا ؟ جس نے مجھے فرعون قرار دے کر اپنی زندگی میں ہی میری موت کی خبر دی تھی اور میری تباہی کی نسبت کئی اور الہام شائع کئے تھے ۔ آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی دنیا سے گزر گیا ۔

(۶) کہاں ہے بابو الٰہی بخش صاحب مؤلف عصائے موسیٰ اکونٹنٹ لاہور ؟ جس نے اپنے تئیں موسیٰ قرار دے کر مجھے فرعون قرار دیا تھا اور میری نسبت اپنی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور میری تباہی کی نسبت اور بھی بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں ۔ آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی اپنی کتاب عصائے موسیٰ پر جھوٹ اور افتراء کا داغ لگا کر طاعون کی موت سے بصد حسرت مرا اور ان تمام لوگوں نے چاہا کہ میں اس آیت کا مصداق ہو جاؤں کہ ان یک کاذبا فعلیہ کذبہ لیکن وہ آپ ہی اس آیت ممدوحہ کا مصداق ہو کر ہلاک ہو گئے اور خدا نے ان کو ہلاک کر کے مجھ کو اس آیت کا مصداق بنا دیا وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم"

(چشمۂ معرفت ص ۳۱)

دیکھ لیا آپ نے بڑے بڑے پیروں ۔ مولویوں اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی تحریروں الہاموں اور طرح طرح کی تدبیروں سے خدا کے شیر کو شکار کرنا چاہا مگر ہوا یہ کہ وہ خود ہی شکار ہو کر رہ گئے

بہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش سے
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

(باقی ــــ باقی)

(بسلسلہ سیرت خیر البشر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مثالی شوہر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔ آپؐ کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپؐ کے کردار کا ہر رُخ مسلمانوں کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے آپؐ کو انسانوں میں پیدا کیا اور انسانوں کی طرح پیدا کیا اور آپؐ نے انسانوں کی طرح سے اپنی پوری زندگی گزاری۔ آپؐ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی۔ شوہر بھی تھے اور بھائی بھی عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی۔ آپؐ نے تجارت بھی کی۔ اور فوجیں بھی لڑائیں۔ محنت کشی بھی کی اور حکمرانی بھی۔ آپؐ ہر حیثیت سے شاہ راہ حیات پر ایسے نقوشِ قدم چھوڑ گئے جو قیامت تک لوگوں کے لئے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قابلِ تقلید نمونہ ہے)

چنانچہ ایک شوہر اور رفیقِ حیات کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لئے نمونہ کا کردار ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان شوہروں کے لئے آپؐ کے چند احکام سماعت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا:۔

"خیرکم خیرکم لاھلہ۔ (ترمذی۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

تم میں سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کیلئے بھلا ہو۔"

دوسرا ارشاد:۔

"خیارکم خیارکم لنسائھم۔ (ترمذی)

تم میں سب سے بھلے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں۔"

ایک بار ایک صحابیؓ کو جو زہد و عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنے "اہل" سے غافل رہتے تھے۔ بلوایا اور فرمایا:۔

"و ان لزوجک علیک حقاً۔ (بخاری)

اور تمہاری رفیقہ کا بھی تم پر حق ہے۔"

صنفِ ضعیف کے حقوق کا سرکارؐ کو کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپؐ نے اپنی حیات کے آخری خطبۂ حج میں جن اہم تر مسائل پر احکام و نصائح فرمائے تھے ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا۔ فرمایا:۔

"لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں اور تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے اِلّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کر دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو۔ کہ اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک تمہارا عورتوں [illegible] عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر [illegible] بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں [illegible]م پسند نہیں کرتے۔ اور نہ تمہارے گھروں میں اُن کو آنے کی اجازت دیں۔ جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ اُن کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔"

(ابن ماجہ)

بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقعہ پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی:۔

"بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو بُرا بھلا کہے۔ نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لئے) اس کو علیحدہ کرے۔" (ابن ماجہ)

اختصار کے خیال سے میں نے یہ چند ارشادات نقل کئے ہیں۔ ورنہ بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں آپؐ کے احکام و ہدایات بکثرت ہیں۔

ایک شوہر کی حیثیت سے حضورؐ کیسے تھے اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ سوچتے چلیں کہ ایک شوہر کے لئے عمومی شرائط کیا ہونی چاہئیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بیوی کے لئے محبت کوش ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی ضروریات اور خواہشات کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں تک اس کے اُصول اجازت دیں بیوی کی ان فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل و تعمیل میں سعی کرے جو چاہے اس کے مزاج کے خلاف ہوں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر ازواج ایک سے زیادہ ہوں تو اپنی محبت، وقت، مال اور توجہات کی ان میں ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ تقسیم کرے۔

اب ان شرائط کی روشنی میں شوہر کا ایک مثالی کردار ملاحظہ ہو:۔

جہاں تک شرطِ اوّل یعنی محبت کوش ہونے کا تعلق ہے اس کے لئے تو کچھ سوچنا ہی تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ایک پاک ہستی سراپا محبت تھی۔ محبت کیش تھی، جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا۔ جس کا مشن محبت کا مشن تھا۔ جس نے محبت اور صرف محبت ہی کے زور پر ساری دُنیا کو فتح کیا تھا۔ جسے دوستوں ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی محبت تھی۔ ایسے ایسے محبت کیش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ اور وہ بھی اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے۔

آپؐ نے چھٹی صدی کے عرب کے سے معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کر کے دکھائی اور کرنا سکھائی ہے اس کا اندازہ کرنے کے سیدنا عمرؓ کا یہ قول سنیئے:۔

"ہم لوگ اسلام سے قبل عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کے لئے احکام نافذ کئے اور ان کے حقوق مقرر کئے۔" (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا اثر کیا ہُوا؟ عورت کو کیا حقوق ملے؟ اس کا جواب بھی حضرت عمرؓ اپنے اسی ارشاد کے دوسرے حصہ میں دیتے ہیں:۔

"ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی برابر کے جواب دیئے۔" (بخاری)

ملاحظہ فرمایا آپؐ نے یہ انقلابِ عظیم۔ جانور سے بدتر عورت کا یہ درجہ معاشرے میں کتنا بلند ہو گیا اور ذہن کتنے بدل گئے کہ عورت ڈانٹ سُن کر ترکی کا جواب ترکی زبان میں دیتی ہے۔ اور اصل حصہ اس داستان کا یہ ہے کہ شوہر گھر کی اس "جھڑپ" کا حال باہر کے لوگوں کو خود سُناتا ہے" شکایتاً نہیں فخر کے لہجے میں۔

یہ تو سیدنا عمرؓ تھے۔ اس سے بھی دلچسپ قصہ خود آنحضرت

صلعم کا ملاحظہ ہو۔ عورتوں کے حقوق کے اس داعیِ اعظم نے اپنی ہر رفیقۂ حیات کو عملاً کتنی آزادی دے رکھی تھی اور کتنے زیادہ حقوق عطا فرما رکھے تھے، صرف دوسروں کو نصیحتوں اور ہدایتوں تک بات ختم نہیں کی خود اپنے گھر میں اس پر عمل کر کے دکھایا تھا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حبیبہ سیدتنا عائشہ سے مصروف کلام تھے۔ کسی خانگی اور نجی مسئلے پر گفتگو تھی۔ لَے ذرا بڑھ گئی۔ جذبات ذرا تلخ ہو گئے۔ سرکار ایک حلیم تھے۔ دوسرے عملاً مساوات کی تربیت کرتی تھی۔ اس لئے طرفین میں سے حضرت عائشہ کے الفاظ میں ترشی تھی اور لہجہ بھی بلند تھا۔ میاں بیوی میں یہ کارزار گرم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آنکلے۔ وہ ادھر سرکارؐ کے جاں نثار تھے تو ادھر حبیبہ رسولؐ کے پدرِ بزرگوار بھی تھے۔ گویا دو چند ذمہ داری حضرت صدیقؓ نے محسوس کی۔ باپ اپنی بیٹی کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا اور طیش میں گرجا:—

"ہائیں! تو رسول اللہ کے سامنے آواز اونچی کرتی ہے!"

اور ہاتھ بھی بلند کر دیا۔ مگر بیٹی اپنے غضبناک باپ کی سرزنش سے صاف بچ نکلی۔ کس نے بچا لیا۔ حقوقِ نسواں کے مبلغِ اعظم بیچ میں حائل ہو گئے تھے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

سلام اُس پر کہ جس نے عورتوں کی دستگیری کی

جناب صدیقؓ کے غیظ و غضب کا پارہ کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ چڑھ گیا ہو جس فعل میں ان کے رفیق و حبیب رسول اللہ حائل و مانع ہوں اس کی تکمیل کی انہیں کب جرأت ہو سکتی تھی۔ غضب پر ادب غالب آیا ا... ...یق والد مقام واپس لوٹ گئے۔ یوں میاں بیوی کی جنگ ایک تیسرے فریق کے بیچ میں آنے سے ختم ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا ہوگا:—

"کیوں حُمیرا! میں نے بچا لیا ورنہ ابا اچھی طرح خبر لے ڈالتے۔"

سیدہ حُمیرا کِھل کھلا کر ہنس دی ہوں گی اور رحمتِ عالمؐ کا قلبِ مبارک بھی وفورِ مسرت سے لبریز ہو گیا ہوگا کہ دیکھو میرا مشن اللہ کے فضل و کرم سے کس قدر کامیاب ہو رہا ہے۔ یہ صنفِ ضعیف اپنی "خودی" کو پہچانتی جا رہی ہے خود مجھے بھی معاف نہیں کرتی۔

جنابِ صدیق چند روز بعد پھر کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے تو آج رنگ دوسرا تھا۔ مثالی شوہر اور معیاری بیوی آج حسبِ معمول خوش مزاجی کی حالت میں تھے۔

جنابِ صدیقؓ کے دل کی کلی کِھل اُٹھی اور عرض کیا:—

"میں نے جنگ میں دخل دیا تھا اور اب صلح میں بھی شریک کیجئے۔" سرکار مسکرا دیئے اور فرمانے لگے "ہاں ہاں! ضرور!"

سرکارؐ نے صحابہؓ کو اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر جس طرح بار بار متوجہ فرمایا تھا اس کے نتیجے میں چند سال کے اندر اندر صنفِ ضعیف کو جو آزادی حاصل ہو گئی تھی اس کا اندازہ بھی آستانۂ نبویؐ کے ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کو حضورؐ سے بربنائے بشریت کبھی کبھی عارضی طور پر کچھ شکوہ بھی ہو جاتا تھا۔ ممکن ہے اس رنج و شکوے کی کوئی حقیقت اور اساس ہوتی ہی نہ ہو اور "ناز" کا ایک انداز ہی ہوتا ہو۔ بہرحال ازواجِ مطہرات کبھی کبھی اپنے شکوے کا اظہار حضورؐ سے فرمایا کرتی تھیں۔ یہ اظہار کس شان سے ہوتا تھا یہ بھی سُننے کی چیز ہے۔ یہ بھی حضورؐ کی کامل و ہمہ جہتی تربیت کا ایک شاہکار ہے۔ اس اندازِ شکایت کی مثال خود سرکارؐ کی زبان مبارک سے سُنئے۔ آپؐ نے ایک بار حضرت عائشہ سے فرمایا:—

"تم مجھ سے برہم ہو جاتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں"

جناب عائشہؓ نے دریافت کیا "وہ کیسے"

"جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو "محمد کے خدا کی قسم" کہتی ہو اور جب مجھ سے خوش نہیں ہوتیں تو "ابراہیمؑ کے خُدا کی قسم" کہتی ہو۔

حبیبۂ رسولؐ نے عرض کیا:—

"جی ہاں! یا رسول اللہ (میں ناخوشی میں) صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔"

سُنا آپ نے! اب بیوی ناخوش ہونا بھی جان گئی ہے اور اس ناخوشی کے برملا اظہار کی جرأت بھی اس میں پیدا ہو گئی ہے۔ کیا آپ کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہو رہی ہے۔ اگر چھٹی صدی عیسوی میں پوری دُنیا کی اخلاقی و معاشرتی حالت آپ کے سامنے ہے اور اس دَور کے عرب کی عورت کی حالتِ زار کا نقشہ آپ بھول نہیں گئے تو آپ کی حیرت کی کوئی حد نہیں ہوگی۔

فصلو علیہ وسلموتسلیما

حضرت عائشہؓ کے اور حضورؐ کے سن میں بہت فرق تھا۔ ایک ذہن اور طباع اور پھر کمسن لڑکی کا مزاج، مذاق، رنگ، طبیعت، اندازِ فکر، دلچسپیاں، غرض ہر چیز ایک پختہ عمر، سنجیدہ، متین، ثقہ اور ذمہ دار مرد سے مختلف ہونی ہی چاہیئے، اور پھر مرد سرکار کا سا، جن کے دوش پر ساری دُنیا کی قیادت کا بار تھا۔ جن کے دل میں ساری انسانیت کی اصلاح کا جذبہ تھا۔ جن کے ذہن میں عالم کے ایک نئے اور عظیم تر انقلاب کے منصوبے پرورش پا رہے تھے، جن کو شوق تھا آدمی کو انسان بنانے کا، جن کو فکر تھی نئے خطوط پر معاشرہ کی تشکیلِ جدید کی۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ کی دلچسپیاں حضرت عائشہؓ کی دلچسپیوں سے جُدا نوعیت کی تھیں۔ یا یوں کہیئے کہ ان کے مزاجوں میں اتنا ہی بُعد تھا جتنا بڑھاپے اور جوانی میں بُعد ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا بھی تو آپؐ سکھانا چاہتے تھے۔ دوسرے کی جائز خواہشوں کو حتی الامکان پورا کرنا بھی آپؐ ضروری سمجھتے تھے۔

عید کا دن تھا چند حبشی باشندے حرمِ نبویؐ کے قریب ایک تماشا دکھا رہے تھے۔ بتقاضائے عمر جناب صدیقہؓ نے یہ تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ سرکار دروازے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت اُم المؤمنین حضورؐ کے دوش مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔

ایک بار دریافت فرمایا:—

"کیوں حمیرا! جی نہیں بھرا"

حبیبۂ رسولؐ نے بے تکلف انکار فرما دیا:—

"ابھی نہیں بھرا"

چنانچہ آپ یونہی کھڑے رہے یہاں تک کہ خود جناب صدیقہ تھک کر ہٹ گئیں۔

ازدواج کے ابتدائی زمانے میں تو آستانۂ نبویؐ میں جناب صدیقہؓ کی بہت ہی کمسن سہیلیاں جمع ہو جایا کرتی تھیں۔ سرکار اندر تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں۔ مگر آپؐ ان کو بلا لیا کرتے۔

ابتدائی زمانے میں ہی حضرت صدیقہؓ گڑیاں تک کھیلا کرتی تھیں۔ آپؐ نہ صرف اس کھیل میں خارج و مانع نہیں ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی کسی کھلونے کے متعلق بھی کوئی سوال فرما لیا کرتے تھے۔ وہ بھولے پن کا کوئی جواب سُن کر مسکرا دیتے۔ (بشکریہ فکر و نظر)

محترم برکت اللہ راٹھور صاحب

اِسلام کا فتح نصیب جرنیل اور اس کے جیالے سپاہی

(قسط نمبر ۳)

مسلمان مکفرین بھی اس کے مقابلہ کے چیلنج سے لرز جاتے ہیں اور راہِ گریز اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ اور پھر جس کسی بدنصیب نے یہ چیلنج منظور کرنے کی حماقت کی وہ ہلاک ہو گیا۔ حضور اقدس کے ہلاکت خیز میزائل مسٹر ڈوئی کے لئے پیغامِ اجل بن کر امریکہ پہنچے۔ ڈوئی نے مسیح ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ تو اُسے حضورؑ نے للکارا اور اسے بتایا کہ وہ ذلیل ہو کر ایک سال کے اندر ہلاک ہوگا اور اس کے آباد کردہ شہر پر نحوست برسے گی۔ اور یہ پیشگوئی امریکہ کے اخبارات میں شائع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ڈوئی کا ولد الزنا ہونا ثابت ہوتا ہے اور عین اس وقت جبکہ وہ نہایت ہی فصیح و بلیغ تقریر کر کے بیٹھا ہی تھا کہ اس پر فالج گرا۔ پھر نہایت کس مپرسی کی حالت میں مر گیا۔ اس کے مُرید اس سے فرار ہو گئے۔ اور اس کا آباد کردہ شہر جہاں ہر وقت گہما گہمی رہتی تھی بالکل اُجاڑ ہو گیا۔

امریکہ کے اخباروں نے لکھا MIRZA IS GREAT یعنی مرزا صاحب عظیم ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ ہزاروں میل دُور امریکہ والوں کو تو حضورؑ کی عظمت نظر آگئی۔ لیکن حضورؑ کے ہم وطنوں کو کچھ نظر نہ آیا۔ کس قدر افسوس ہے کہ تیرہ سو سال سے جس شخصیت کا مسلمانوں کو انتظار تھا اس کی بعثت ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم وطنوں کی آنکھوں میں بصیرت نہیں کہ اسے پہچان سکیں۔ اس کو تو رسُول کریمؐ نے سلام بھیجا ہے لیکن یہ اُس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں نعوذ باللہ مفتری ہے۔ کیا یہ آیت ان پر صادق نہیں آتی ختم اللّٰہ علیٰ قلوبہم وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ۔

پھر ذرا غور فرمایئے کہ طاعون زوروں پر ہے۔ لیکن یہ اللہ کا مامور اشتہار دیتا ہے کہ میرے گھر کی چاردیواری میں طاعون داخل نہیں ہوگی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر اشتہار دیا جاتا ہے کہ طاعون قادیان میں داخل نہیں ہوگی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر اشتہار دیا جاتا ہے کہ کسی احمدی کو خواہ وہ کہیں بھی ہو طاعون نہیں ہوگی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے مخالفین طاعون سے ہلاک ہوتے ہیں لیکن آپؑ اور آپ کا خاندان اور آپؑ کی جماعت طاعون سے محفوظ رہتی ہے۔ کیا یہ جھوٹا آدمی ہے۔ خدایا یہ لوگ کیوں حقائق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ خدا۔ اس عبرت کدہ دہر میں چاروں طرف سبق آموز داستانیں بکھری ہوئی ہیں۔ ان سے صرف وہی ہدایت حاصل کر سکتا ہے جو دُنیا میں آنکھیں کھول کر چلتا پھرتا ہے۔

حضرت اقدس کا مسیح و مہدی ہونے کا دعوےٰ عین وقت کے تقاضا کے مطابق تھا۔ حضرت رسُول کریمؐ کی مشہور حدیث اس زمانہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور مسیح موعود کی بعثت کی تائید میں سورج اور چاند گرہن بھی عین مخبر صادق کی فرمائی ہوئی تاریخوں میں وقوع پذیر ہوتا ہے چنانچہ اکثر سعید رُوحوں نے خسوف و کسوف کی آسمانی شہادت سے ہدایت پائی اور حضور اقدسؑ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ لیکن جن کے نصیب میں یہ سعادت نہیں تھی انہوں نے ان روشن نشانات سے آنکھیں بند کر لیں اور خواہ مخواہ حضورؑ کی مخالفت پر اُتر آئے انہوں نے زندگی برباد کر لی کیونکہ وہ ایک بڑے اجر سے محروم ہو گئے۔ زمین و آسمان کی شہادتیں موجود ہیں لیکن یہ انکار پر مصر ہیں۔ حالانکہ خسوف و کسوف کی پیشگوئی جس دن پوری ہوئی۔ وہ دن مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہونا چاہیئے تھا کیونکہ یہ خود رسُولِ کریم صلعم کی صداقت کا ایک زبردست نشان تھا۔

بغض و حسد کا ستیاناس ہو کہ حضرت اقدسؑ کو جھوٹا ثابت کرنے کی سعی میں نعوذ باللہ یہ لوگ محمد مصطفٰے خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب جیسے جرم کے ارتکاب سے بھی نہیں ٹلتے۔ یہ ہے ان کا مزعومہ پیار رسول کریم صلعم سے جس کا آئے دن یہ لوگ ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں مرزا صاحب کو پہچاننے کے لئے تو اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان میں نشانات کی بارش کر دی جن سے یہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں لیکن یہ لوگ کس معیار سے پرکھ کر حضرت صاحب کی تکذیب کر رہے ہیں یہ کبھی نہیں بتاتے اور نہ بتا سکیں گے۔ یہ لوگ مخالفت کر کے ان تمام برکات سے محروم ہو گئے جو مامور زمان کے دامن سے وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن حضور کا تو وہ کچھ بھی نہ بگاڑ سکے کیونکہ وہ تو خدا کا فرستادہ تھا۔ اس کی حفاظت اس کے ذمہ تھی۔ کیا خوب حضورؑ نے فرمایا ہے ؎

اے آنکہ سُوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم

پھر فرمایا ؎

ہے سرِ راہ پر میرے وہ خود کھڑا مولا کریم
پس نہ بیٹھو میری راہ میں اے شریرانِ دیار

پھر فرمایا ؎

مجھ کو پردہ میں نظر آتا ہے اک میرا معین
تیغ کو کھینچے ہوئے اس پر جو کرتا ہے وہ وار

کیا ایسا آدمی جھوٹا ہو سکتا ہے ایسی تحدّی جھوٹے آدمی میں ہرگز نہیں پائی جا سکتی وہ خدا کا پیارا مامور تھا۔ جو عین حدیث نبوی کے مطابق مبعوث ہوا جس کی شہادت زمین نے بھی دی اور جس کو خود رسُولِ کریم صلعم نے سلام بھیجا ہے۔ اگر یہ آدمی مفتری ہوتا۔ تو قرآن کریم کے مقرر کردہ قانون کے تحت کبھی کا ہلاک ہو گیا ہوتا۔ کیا یہ اس کی صداقت کا بیّن ثبوت نہیں کہ اللہ تعالےٰ مخالفتوں کے طوفان میں اسے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔ وکونوا مع الصادقین۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ اب تمہارا کیا عذر ہے کہ تم اس مامور صادق کا ساتھ نہ دو

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو

کیوں اللہ تعالےٰ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہو۔ اللہ تعالےٰ تمہیں بار بار مہلت دیتا ہے۔ اس مہلت کو غنیمت جانو۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح توبہ و استغفار کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے صلح کر لو تاکہ تم عذاب سے بچا لئے جاؤ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل، نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۱۴

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور
پاکستان

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (الہام حضرت مسیح موعود)

فون نمبر ۵۲۷۳

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے: — پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے: — ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ
"تبلیغ" لاہور

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۵

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

ایمانِ کامل کا مزا ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے

... کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دعا نہیں کرتا جو دعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ مثل مشہور ہے جو ئندہ یابندہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔ لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے۔ خدایابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا بھی یہی گُر اور اصول ہے انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لئے باعث برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کر کے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کر کے بھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پہ قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہو وہ یقیناً تمہیں تسلی اور اطمینان دے گا۔ اور تمہیں ثابت قدم کرے گا۔ کیونکہ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلاء اور مشکلات پیش آئیں گے۔ لیکن میں کیا کہوں یہ ابتلاء نئے نہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی اس کی طرف جاتا ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ ابتلاؤں میں سے ہو کر گذرے۔ دنیا اور اس کے رشتے عارضی اور فانی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہمیشہ کے لئے معاملہ پڑتا ہے پھر اس سے آدمی کیوں بگاڑے؟ دیکھو صحابہؓ کو کچھ تھوڑے ابتلاء پیش آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار، سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالیٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ پر خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کس قدر قدر کی۔ اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے۔ بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے اگر کوئی ابتلاء آوے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمانِ کامل کا مزا ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔

(ملفوظات حضرت مسیح موعود جلد ہفتم)

گاہے گاہے باز خواں ..... حضرت امیر مرحوم

آج دُنیا میں پھر ظُلم و فساد کا دَور دَورہ ہے

نفس پرستی، بندوں کو خُدا سے دُور لے جا رہی ہے

تم خُدا تعالےٰ کی طرف اسی تیز رفتاری سے بڑھو۔ جس تیز رفتاری سے لوگ خُدا سے دُور جا رہے ہیں۔

سخت ترین تاریکی کا زمانہ

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری سے پہلے جو حالت فساد کی دنیا میں پیدا ہوئی۔ وہ آج تمام دُنیا میں مُسلّم ہے کہ وہ زمانہ ایک سخت ترین تاریکی کا زمانہ نظر آتا ہے۔ شرک بُت پرستی۔ توہم پرستی۔ یہ تو خیر عقائد سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں مگر اعمال کے رنگ میں دنیا بدترین حالت تک پہنچ چکی تھی۔ ظلم اور استبداد کا دَور دَورہ تھا۔ کمزوروں اور غریبوں کے حق کو دنیا میں پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس کے لئے دلوں میں درد پیدا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ طاقتور اور دولت مند جہاں تک ممکن تھا غریبوں اور بے کسوں پر طرح طرح کے ظُلم کرتے تھے۔ اور یہ حالت ساری دُنیا کی تھی۔ اخلاق کی پستی اور فواحش کا ارتکاب کُھلا نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا اور خدا کے درمیان کوئی بڑا سخت پردہ حائل ہو گیا ہے۔ اور دُنیا خدا سے دُور بھاگی جا رہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا پیدا کردہ انقلاب

اس وقت اللہ تعالےٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ اور وہ ایک شخص پر اپنی روح نازل فرما کر دُنیا کی ان بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ کس قدر زبردست انقلاب ہے جو محض اللہ تعالےٰ کی اس رُوح کے نزول کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کونسی طاقت ایسی تھی جو ان بدیوں کا علاج کر سکتی۔ صرف وہ رُوح۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ اوّل ملک عرب میں اور اس کے بعد اس کے ذریعہ سے تمام دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

توحید کا شور بلند ہو گیا۔ ظلم اور استبداد کی جگہ رحم اور غریبوں اور بے کسوں کی حق رسی نے لے لی۔ طاقتور اور کمزور کو یکساں کر دیا گیا دولت مند اور غریب میں فرق مٹا دیا گیا۔ بڑا عظیم الشان انقلاب ہے۔

پیغمبر یا مُصلح کی رُوح اس کے پیرؤوں میں سرایت کر جاتی ہے

پھر وہ انسان اور دیگر اسی قسم کے انسان جن پر خدا کی روح نازل ہوتی ہے وہ آخر انسان ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی کا پیمانہ ختم کر کے اپنے مولا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ رُوح جو پیغمبر یا مصلح پر نازل ہوتی ہے وہی رُوح اگر اس کی اُمّت کے اندر سرایت نہ کر جائے تو پھر بھی کام نہیں چل سکتا۔ سو وہ رُوح ان کے پیرؤوں کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔

ظلم و استبداد کو مٹانا مذہب کی ایک بھاری غرض ہے

مَیں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ایک چھوٹا سا خطبہ ہے جو نہایت جامع ہے۔ اسی خُطبہ میں یہ بھی لفظ ہیں کہ:—

”تم میں سے قوی تر انسان میرے نزدیک کمزور ترین ہے۔ یہاں تک کہ مَیں وہ حق جو اس کے ذمہ ہے اس سے لے لوں اور تم میں سے کمزور ترین انسان میرے نزدیک قوی ترین ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلا دوں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جہاں خدا کا نام بلند کرتے تھے دوسری طرف استبداد اور ظلم کو مٹاتے بھی تھے۔ یہ لفظ بتاتے ہیں کہ دنیا میں استبداد کا دَور دَورہ نہ رہنے کو مذہب کی عظیم الشان اغراض میں سے ٹھہرایا۔

صحابہؓ کے ذریعہ یہ رُوح تمام دُنیا میں پھیلی، نیکی کا دَور دورہ شروع ہوا۔ اور صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اثر ہُوا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیم غیر مسلموں پر بھی اثر کر گئی۔

آج پھر ظلم و فساد کا دَور دورہ ہے

ظھر الفساد فی البرّ والبحر۔ آج پھر ہم کو اسی کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہا جائے گا کہ آج کی دنیا میں شرک نہیں بُت پرستی نہیں۔ ممکن ہے کہ آج پتھروں کے بنائے ہوئے بُتوں کی پُوجا نہ ہو۔ مگر یہ سچ ہے کہ آج بھی شرک اور بُت پرستی عام ہے۔ کہیں مُلک اور وطن بُت بنا ہوا ہے۔ کہیں طاقت بُت بنی ہوئی ہے۔ کہیں مال اور دولت بُت بنا ہوا ہے۔ یہ بُت ہیں جن کی آج پُوجا ہو رہی ہے اور وہ یورپ کی مادی تہذیب۔ وہ کیا چیز ہے۔ وہ درحقیقت ان تمام بُتوں کی پوجا ہے خدا کی عبادت چھوڑ کر۔ اس کا نتیجہ آج ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ آج دُنیا میں پھر ایک طرف شرک پھیلا ہوا ہے تو دوسری طرف ظلم کا دَور دورہ ہے۔

مُسلمان سب سے زیادہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں

طاقتور کمزور کو کھانے اور دولت غریب کا خون چوسنے کے لئے تیار ہیں۔ دنیا میں یہ آپ کو صاف نظر آ جائے گا۔ ہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس ظلم اور استبداد کے دَور دورہ میں مسلمان سب سے بڑھ کر کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ بما کسبت ایدی الناس۔ خدا ظلم نہیں کرتا۔ مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے اور اسی کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

اسلام کا بےمثال کارنامہ ——— عالمگیر برادری بنائی

مسلمانوں کی ایک برادری بنائی گئی تھی۔ اور یہ برادری کا بنانا۔ ایک عالمگیر برادری کا بنانا اسلام کے عظیم الشان کارناموں میں سے تھا

(باقی بر صفحہ کالم ملے)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۳ اپریل

اندھا اندھے کو کیا راہ دکھائے گا

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے اپریل ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی تفسیر معارف القرآن سے اخذ کردہ یہ اقتباس ہماری نظر سے گذرا ہے کہ :-

"حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبیعہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالےٰ کا فضل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے

وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمٰی

اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبیعہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ براہ راست حق تعالےٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے .... دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔"

(صرف نام کی تبدیلی صفحہ ۵۵-۵۶)

طلوعِ اسلام اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"اس سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے تو کرامت دلیل نبوت کیوں نہیں ہو سکتی جبکہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں ایک ہوتے ہیں۔"............

اسماء سمیتموھا انتم و اٰباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان" (۲۳/۵۳) یعنی معجزہ اور کرامت میں صرف نام کا فرق ہے اور یہ نام تم نے خود ہی تجویز کر لئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ناموں کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔

ادارہ طلوعِ اسلام کے بانی اور ان کے مریدوں کو اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی پر بڑا فخر اور ناز ہے اور ان کا یہ دعوےٰ ہے کہ قرآن کی جو تشریح (مارکسی نظریات کے لباس میں) وہ کرتے ہیں دورِ جدید کے لئے صرف وہی قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ جو آیت انہوں نے یہاں نقل کی ہے اسے اگر اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے اپنے CONTEXT کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ یہاں چسپاں نہیں ہو سکتی۔ یہی الفاظ الاعراف: ۷۱، یوسف: ۴۰ اور النجم: ۲۳ میں آتے ہیں۔ لیکن ان سے پہلے ایسے معبودوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کی جاتی تھی اور نبی وقت نے اپنی قوم کو انہیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے منع کرنے کے لئے مختلف دلائل دیئے۔ ایسے مقامات پر معجزہ اور کرامت کا کوئی ذکر نہیں کہ ان الفاظ کو یہاں چسپاں کیا جائے۔

الاعراف ۷۰ میں ہے :-

"انہوں (عاد) نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور اس کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔"

اس کے جواب میں اس سے اگلی آیت ۷۱ میں حضرت ہود علیہ السلام کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے :-

"کیا تم میرے ساتھ ناموں پر جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔"

سورہ یوسف ۳۹ میں یوں آتا ہے :-

"اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ خداوند اچھے ہیں یا اللہ جو اکیلا سب پر غالب ہے۔"

اور اس سے آگے ۴۰ میں ہے :-

"اسے چھوڑ کر تم ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔"

النجم ۱۹ اور ۲۰ میں تو ان معبودوں کے ناموں کا بھی ذکر ہے :-

"تو کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور منات تیسرے اور کو۔"

پھر انہی کا ذکر ۲۳ میں ان الفاظ میں آتا ہے :-

"یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔"

کوئی قوم بھی ایسی نہیں گذری جو بت پرست نہ تھی۔ بعض قوموں کے بتوں کے ناموں کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں۔ حضرت نوحؑ کی قوم کے بتوں کے نام بھی قرآن کریم میں مذکور ہیں :-

"اور کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ اور ود کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔"

ان کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی سند نہ اتارنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان تمام صفات سے محروم ہیں جو اللہ تعالےٰ میں پائی جاتی ہیں ان صفات کا بڑا جامع ذکر حضرت ابراہیمؑ کی زبانی الشعراء کی آیات ۷۵ تا ۸۲ میں اس طرح آتا ہے :-

"کہا کیا تم دیکھتے ہو کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو تم اور تمہارے پہلے باپ دادا تو وہ میرے لئے دشمن ہیں مگر جہانوں کا رب جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اور جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جو میں امید رکھتا ہوں کہ میری خطائیں جزا و سزا کے دن معاف کرے گا۔"

ان سے قبل کی آیات ۷۲ اور ۷۳ میں حضرت ابراہیم اپنی قوم سے ایک سوال کے ذریعے پوچھتے ہیں :-

"کہا کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو یا تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں یا نقصان دے سکتے ہیں؟"

لیکن ان کا جواب تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا۔ اسی لئے دوسرے مقامات پر اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا کہ ان صفات سے محروم بتوں کی عبادت کے لئے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تم محض ناموں کو پوجتے ہو اور ایسا ہی تمہارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن وحی اور کرامت تو ہرگز بے دلیل نہیں جیسا کہ طلوعِ اسلام میں لکھا گیا۔ انبیاء کا وجود وحی پر دلیل ہے اور اولیاء کا وجود کرامت پر۔ اللہ تعالےٰ کی ایک صفت سننا اور جواب دینا بھی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر بتوں کی طرح اللہ بھی سنتا اور جواب نہیں دیتا تو وہ بھی کسی پتھر کے بت سے زیادہ حیثیت

نہیں رکھتا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ادارہ طلوعِ اسلام مسلمانوں کے سامنے خدا کا ایسا تصوّر پیش کر کے بُت پرستی اور دہریت کی طرف دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف ہے تاکہ مارکسزم کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکے۔

معجزہ اور کرامت پر تبصرہ کرتے کرتے تبصرہ نگار وحی اور الہام کی طرف نکل جاتے ہیں کیونکہ "احمدیوں" کا ذکر اس میں ضرور لانا ہے۔ ان کی تحریر سے جو اس سلسلہ میں ہم مفہوم اخذ کر سکے ہیں یہ ہے کہ "جس طرح معجزہ اور کرامت میں صرف نام کا فرق ہے اور ان کی کنہ اور حقیقت میں کوئی فرق نہیں"۔ اسی طرح وحی۔ کشف اور الہام بھی محض نام ہیں ان کی کنہ اور حقیقت میں بھی کوئی فرق نہیں تھا جو بھی شخص کشف و الہام کا دعوےٰ کرے گا وہ ختمِ نبوّت کا منکر ہوگا خواہ اس کو ولی ہی کیوں نہ کہا جائے۔ احمدیوں نے بھی امت میں علماء حضرات کے اسی عقیدہ سے فائدہ اُٹھایا ہے کہ آنحضرت کے بعد بھی کشف و الہام کا سلسلہ جاری ہے۔ اس نے اُمتِ مسلمہ کو اُلجھنوں سے دو چار کر دیا ہے اور اس سے نکلنے کا راستہ یہی ہے کہ "جملہ عقائد و مسالک میں سند صرف قرآن کریم کی قابلِ قبول قرار پائے"۔ اس کے بعد کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہے گی۔

چونکہ ادارہ طلوعِ اسلام سے وابستگان کا عقیدہ ہے کہ:-

"اللہ تعالےٰ نے کسی منتخب ہستی کو اپنی طرف سے براہِ راست علم عطا کرنے کا نام وحی رکھا تھا اور جسے یہ علم عطا ہوتا تھا اسے نبی یا رسول کہہ کر پکارا تھا۔ ختمِ نبوّت سے خدا کی طرف سے اس طرح علم حاصل ہونے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے"

اس لئے ہم قرآن کریم کی روشنی میں ہی لفظ وحی کے معنی لے کر دیکھتے ہیں کہ آیا اُلجھن باقی رہتی ہے یا نہیں۔

۱- اور اس طرح ہم نے ہر ایک نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے دشمن بنایا۔ یوحی بعضھم الی بعض۔ (۱۱۲:۶)

۲- اذ یوحی ربک الی الملئکۃ (۱۲:۸)

۳- و اوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھٰذا (۱۵:۱۲)

۴- و اوحٰی ربک الی النحل۔ (۶۸:۱۶)

۵- اذ اوحینا الیٰ اُمّک ما یوحیٰ۔ (۳۸:۲۰)

۶- و اوحینا الیٰ ام موسیٰ۔ (۷:۲۸)

۷- و اوحٰی فی کل سمآءٍ امرھا۔ (۱۲:۴۱)

۸- بان ربّک اوحیٰ لھا۔ (۵:۹۹)

۹- و اذ اوحیت الی الحوارین ان اٰمنوا بی وبرسولی۔ (۱۱۱:۵)

ان آیات میں انسانوں اور جنّوں کے ایک دوسرے کو وحی کرنے۔ ملائکہ کو وحی کرنے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں وحی کرنے اور زمین کو وحی کرنے اور حواریوں کو وحی کرنے کا ذکر ہے۔ تو کیا اس وحی کی وجہ سے وہ سب کے سب انبیاء میں شامل ہیں۔ انسان شیطان۔ جنّ۔ ملائکہ۔ شہد کی مکھی۔ آسمان اور زمین آج بھی موجود ہیں اور ان میں وحی جاری ہے۔ تو اس طرح وحی اور ختمِ نبوّت کا جو مفہوم پرویزی صاحبان لیتے ہیں وہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے ظاہر ہے ملائکہ۔ شہد کی مکھی۔ سماء اور زمین انبیاء نہیں اور نہ ہی حواری اور اُمِ موسیٰ انبیاء تھے۔

اس لئے ان میں سے ہر ایک کی وحی کا مفہوم الگ ہوگا اور اس طرح وحی کی مختلف قسمیں متصور ہوں گی۔ وحی کا سرچشمہ اور منبع تو اللہ تعالےٰ ہی کی ذات ہے۔ لیکن جس چیز کی طرف وحی کی جاتی ہے اس کی نوعیت کے مدِنظر وحی کی نوعیت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ اسی لئے وحی نبوّت اور ہے اور وحی ولایت اور۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں یہ تصوّر پیش کرنا کہ وحی صرف انبیاء کو ہی ہوتی تھی قرآن کریم کے صریحًا منافی ہے۔ اس اُمّت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے مکالمہ مخاطبہ سے نوازا خواہ یہ الہام۔ کشف یا رؤیا کی صورت میں ہو جو وحی ولایت میں داخل ہیں کیونکہ وحی نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا رہتا تو اللہ تعالےٰ کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہ رہتی اور ایک سائنسدان کہہ سکتا تھا کہ یہ کائنات محض ایٹم کی ترکیب و ترتیب کی فسوں کاری ہے۔ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی ہاتھ کار فرما نہیں اگر ہے تو اس کا ثبوت چاہیئے پردے کے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس تب ہی ہوتا ہے جب کوئی آواز سنائی دے یا کسی حرکت کا احساس ہو۔ اس سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۃ فاتحہ کی یہ دُعا "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم" بھی رائگان جاتی رہی ہے۔ کیونکہ اگر یہ دُعا دنیا کے حصول کے لئے ہے تو اس وقت دُنیا کی بیشتر غیر مسلم آبادی پر انعامات کی بارش ہو رہی ہے اور مسلمان اس کے مقابلے میں پسماندہ مفلس اور نادار ہیں اور اسی کے دستِ نگر ہیں اور اگر یہ روحانی انعامات کے لئے دُعا ہے تو اس اُمّت میں صدیق۔ شہداء اور صلحاء پیدا ہونے چاہئیں اگر یہ بھی نہیں ہوا تو یہ اُمّت اس لحاظ سے بھی بدنصیب رہی۔ پھر قرآن کریم میں یہ دُعا کس غرض کے لئے آئی ہے جب اس کا دونوں صورتوں میں کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

قرآن کریم ایک ابدی صداقت ہے۔ اس کا ایک نقطہ بھی بے مقصد اور بے مطلب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کا لازمًا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے کہ ہزاروں انسانوں کی یہ دُعا قبول ہوئی وہ روحانی دولت سے مالا مال ہوئے اور اللہ تعالےٰ سے شرفِ ہمکلامی حاصل کیا جو اس کی ہستی اور اس دین کی زندگی پر ایک بین دلیل ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی دشمنی میں اولیاء اللہ کے وجود سے انکار زبردست ناانصافی ہے اور بالواسطہ ان کے خلاف بھی وہی فتوےٰ صادر کیا جا رہا ہے جو حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی اور آپ کی جماعت کے خلاف صادر کیا گیا لیکن اتنی اخلاقی اور ایمانی جرأت نہیں کہ تحریر میں لا کر عوام کے غیظ و غضب کا مقابلہ کیا جا سکے۔ کیونکہ مسلمانوں میں کوئی بھی اولیاء اللہ کے وجود کا انکاری نہیں۔ اگر کسی کو خود بدقسمتی سے اس کا تجربہ نہ ہو تو اوروں کا کیا قصور۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ:-

"وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اُٹھا لاتی ہیں ہم اس کو ایک مُردہ زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر ہم اس سے پانی اتارتے ہیں پھر اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور اچھی زمین کا سبزہ اس کے ربّ کے حکم سے خوب نکلتا ہے اور جو خراب ہے وہاں نکلتا بھی ہے تو ناقص۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں بار بار باتیں بیان کرتے ہیں"۔ (۵۷:۷ تا ۵۸)

بارش تو ہر جگہ وہی برستی ہے اگر کسی زمین میں اچھا سبزہ پیدا نہ ہو تو۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

(قسط ۲)

مُلک، زبان، رنگ، نسل، جن سے کوئی برادری بن سکتی تھی۔ ان سب حدبندیوں کو توڑ کر ایک وسیع اخوت کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ جو مشرق مغرب، شمال، جنوب۔ کالے اور گورے میں غرضیکہ ہر جگہ پھیل گیا۔

مُسلمانوں کی بربادی کا سبب نفاق ہے

مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے اس عالمگیر اور شاندار اخوّت کو توڑا ۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جب مسلمان، مسلمان کا خبرگیر نہ رہا تو اس کو کھانے کے لئے دُنیا کی قومیں دوڑنے لگیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔

"وقت آئے گا کہ دُنیا کی قومیں مُسلمانوں کو اس طرح کھانے کو دوڑیں گی۔ جیسے بھوکے شوربے کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں۔"

اسلامی مُلک البانیہ کی عبرت انگیز تباہی

آج وہی حالت ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بہتیرے مسلمان نگلے گئے۔ کھائے گئے۔ اور اب ان دو چار دنوں کے اندر ایک اور مسلمان حکومت اور بادشاہت کو کمزور ہونے کے جرم میں ایک طاقتور قوم نے نگل لیا ـــــــ یونان اور رومانیہ کی حمایت کے لئے بڑی بڑی طاقتیں تیار ہیں۔ مگر غریب البانیہ کو کوئی نہیں پوچھتا۔ نگلا گیا تو نگلا کیوں؟ مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی طاقت کو برباد کیا۔ مسلمانوں کے اندر اتحاد ہو تو آج بھی وہ اپنی قوّت کو منوا سکتے ہیں۔ مگر افسوس ان میں اتحاد نہیں۔

کیا ہے؟ اگر دنیا کے مسلمان اتنا ہی عزم کر لیں کہ ہم اور کسی رنگ میں مقابلہ نہیں کر سکتے تو ایسے ظالموں کی تجارت کو فروغ نہیں ہونے دیں گے۔ آخر دنیا کے ۵۰ ـــ ۶۰ کروڑ انسان یہ ارادہ کر لیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس تجارت پر کتنا اثر پڑے گا۔ مگر افسوس اوّل تو مسلمانوں کو اس طرف توجہ ہی نہیں اور اگر توجہ دلائی بھی جائے تو ان میں قوّت عمل نہیں ہے۔ دو دن شور ہوگا اور پھر بس ۔ لیکن اگر ایک دفعہ مسلمان عزم کر لیں تو بڑی سے بڑی طاقت کو معلوم ہو جائے کہ یہ زندہ قوم ہے۔ اسے چھیڑنا مفید نہیں۔ مسلمان، مسلمان کی حمایت کے لئے اُٹھے۔ مگر کیسے اُٹھے اسے تو گھر کے جھگڑوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

مجدّدِ وقت کے کام کی تکمیل اس کے پیرووں کے ذمہ ہے

ہم میں سے ہر ایک کا ایمان ہے کہ اس فساد کو جو اس مادی تہذیب پر مبنی تھا۔ جسے دجالیت سے موسوم کیا گیا ہے مٹانے کے لئے اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ کی رحمت پھر جوش میں آئی اور اس وقت ایک مجدّد پر اس کا نزول ہوا۔ اور وہ کام آج اس مجدّد کے کچھ پیروؤں کے ذمہ ہے۔

کامیابی یکساں طریق پر نہیں ہوتی

یہ خیال کبھی نہ کرنا چاہیئے کہ کامیابی یکساں طریق پر ہوا کرتی ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آتے ہیں۔ ان پر خُدا کی رُوح نازل ہوتی ہے۔ مگر ان کا پیغام تین سو سال تک کس مپرسی کی حالت میں رہتا ہے۔ حضرت محمد رسُول اللہ صلعم تشریف لاتے ہیں تو ۲۳ سال کے اندر اندر خدا کے نام کو بلند سے بلند مینار پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایک مسیح آیا شاید خُدا کے علم میں یہی بات ہو کہ اس مسیح کو اس پہلے مسیح کے ساتھ اس رنگ میں مماثلت ہے کہ ایک لمبا وقت درکار ہے۔ اس انقلاب کے لانے کے لئے۔ جس غرض کے لئے اللہ تعالےٰ کی رُوح نازل ہوئی۔

تُم کس طرح غالب آسکتے ہو؟

مگر یاد رکھو کہ آپ لوگ جو آج مسیح موعودؑ کی جگہ پر کھڑے ہیں اگر آپ کے اندر خدا کی وہ رُوح سرایت نہیں کر گئی جو مسیح موعودؑ پر نازل ہوئی تھی تو ہمارے تمام دعوے اشاعتِ اسلام کے، تبلیغ اسلام کے اور جماعت کی طاقت کو بڑھانے کے بے سود ہیں۔ ان کا نتیجہ کچھ نہیں۔ تم اگر غالب آ سکتے ہو تو اسی رُوح کے ساتھ غالب آ سکتے ہو جس کے ذریعہ سے اس سے قبل لوگ غالب آئے۔

محمد رسُول اللہ صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ دنیا کی طاقت اور مال کے ذریعہ غالب نہیں آئے بلکہ خدا کی اس روح کے ساتھ غالب آئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اور صحابہ رضؓ کے اندر سرایت کر گئی۔ آپ بھی اگر غالب آ سکتے ہیں تو اس رُوح کے ساتھ ہی غالب آ سکتے ہیں جو مسیح موعودؑ پر نازل ہوئی اور آپؑ کی جماعت کے اندر سرایت کر گئی یا اسے سرایت کر جانا چاہیئے۔

مسلمان ہی دجّالی تہذیب کے زیرِ اثر آرہے ہیں

سو بے شک ایک طرف دنیا میں یہ حالت نظر آتی ہے کہ دنیا خدا سے بڑی تیز رفتار سے دُور جا رہی ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ خود مسلمان بھی خُدا سے دُور جا رہے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہر چیز کے لئے ان کی طبیعتوں کے اندر جوش۔ غیرت اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلعم اور قرآن کے لئے جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ خُدا سے دُور جا رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کی تہذیب کے پیرو بھی یورپ کی تہذیب جس کی بنیاد ہی مادیت پر ہے سے متاثر ہو رہے ہیں اور دجالیت کا اثر جہاں اور قوموں پر ہے وہاں مسلمانوں پر بھی ہے۔

ہماری جماعت کے قیام کا مقصد

خدا نے ہماری اس جماعت کو کھڑا کیا۔ کس غرض کے لئے؟ اس غرض کے لئے کہ دُنیا جو خدا سے دُور جا رہی ہے اسے خدا کی طرف واپس لایا جائے ـــــ کتنا بڑا کام ہے۔ ایک بے کس جماعت جس کی تعداد کچھ نہیں۔ جس کے پاس مال نہیں۔ ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف دنیا اپنے سارے ساز و سامان سے خُدا سے دُور جا رہی ہے۔

ہماری کامیابی کے لئے لازمی شرط

کیا یہ کام اس جماعت کے لئے ممکن ہے؟ یقیناً ہے۔ بشرطیکہ ہماری قوم خدا کی طرف اس تیز رفتاری سے بڑھے جس تیز رفتاری سے لوگ خُدا سے دُور جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے اپنے منصب کو سمجھا ہے اگر آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ ایمان کو ثریا سے واپس لانے کے لئے آئے تھے اور یہ جاننے کے باوجود اگر آپ کے اندر وہ رُوح کام نہیں کر رہی جو مسیح موعودؑ کے اندر تھی تو تم کبھی اشاعت اسلام کے کام میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

خُدا کے ساتھ اپنے تعلّقات بڑھاؤ

خدا کے ساتھ اپنے تعلّقات بڑھاؤ۔ ایک چنگاری تمہارے اندر یقیناً مسیح نے ڈال دی ہے۔ اب اسے مشتعل آگ کی صورت میں تبدیل

آپ کا کام ہے۔

مجھے بعض وقت افسوس ہوتا ہے کہ ایک دنیا دار دنیا کے کام میں وہ جوش دکھاتا ہے جو ہماری جماعت کے بعض لوگ خدا کے دین کے کام کے لئے نہیں دکھاتے۔

ایک دنیادار جب دنیوی تجارت کو نفع مند سمجھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کا مال بڑھ رہا ہے تو اپنی تمام پونجی اور طاقت اس کام کے لئے لگا دیتا ہے۔ مگر دین کے خدمت گذاروں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جو خُدا کے دین کی خدمت کو نفع مند دیکھ کر اور اس میں کامیابی حاصل کر کے بھی اپنی پُونجی اور طاقتوں کو اس کام میں لگانے سے پیچھے رہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی نُصرت تمہارے ساتھ ہے

کیا یہ سچ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے تمہارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں وہ برکت ڈالی ہے کہ آج یہ کمزور جماعت دنیا میں وہ کام کر رہی ہے جو بڑی سے بڑی جماعت سے نہیں ہو سکا۔ پھر بھی تمہارے دل میں وساوس اُٹھتے ہیں۔ کیا ہوگا؟ ہمارا مال کہاں جائے گا؟ تم نے جو چھوٹی چھوٹی قربانیاں کی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ان میں اتنی برکت ڈالی ہے کہ گویا تم نے خدا کی راہ میں خزانے لٹا دیئے ہیں۔

زیادہ ہمت اور کوشش کے ساتھ کام کرو

تمہاری اتنی چھوٹی سی قربانی سے اتنے عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور اگر خدا تعالےٰ چاہے تو وہ بنیاد ایسی عظیم الشان ہو کہ قیامت تک اس پر عمارت بنتی چلی جائے اور تمہارا تعمیر کردہ مینار اتنا بلند ہو کہ اس سے دنیا میں روشنی پھیلتی رہے ——— ان عظیم الشان کامیابیوں کو دیکھ کر کیوں دل میں یہ خیال پیدا نہیں کہ ہم پہلے سے دو گُنی، چوگُنی بلکہ دس گُنی طاقت خرچ کریں۔ کیوں ہم خدا کے آگے نہیں جُھکتے اور عاجزی نہیں کرتے اور زیادہ نہیں گڑگڑاتے۔ میں یقین رکھتا ہُوں کہ اگر ایک طرف ہم اور زیادہ عاجزی سے خدا کے حضور گریں اور دوسری طرف اپنی طاقت کو اور زیادہ اس کے راستہ میں لگائیں تو خدا تعالےٰ کی نصرت کا وہ کُھلا نظارہ دنیا دیکھ لے گی۔ جس سے خدا کی ہستی پر یقین پیدا ہو جائے گا۔ اور جس مقصود کا حاصل کرنا آج دُنیا کی نگاہ میں بالکل ناممکن نظر آتا ہے وہ مقصود ہم حاصل کر لیں گے۔

بقیہ مقالہ ——— از صفحہ ۲

بارش کا کیا گناہ۔ ہمارے عقیدہ کے رُو سے قرآن کریم ہی وہ بارش ہے جو مُردہ دلوں کو زندہ کرتی آئی ہے اور تا قیامت زندہ کرتی رہے گی۔ اگر اس کی ضخیم تفسیریں لکھنے اور درس دینے کے باوجود کسی کے دل میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ اس میں سبزہ نہیں آیا۔ پھل پھول پیدا نہیں ہوئے۔ نئے شگوفے نہیں پھوٹے اور کلیاں نہیں چٹکیں۔ تو دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے دل کو ٹٹولنا اور گریبان میں جھانک کر دیکھ لینا چاہیئے کہ قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق یہ ایسی خراب زمین تو نہیں جس میں ناقص سبزہ بھی نہیں اُگ پاتا۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ۔

شبان الاحمدیہ راولپنڈی کی تشکیل

شبان الاحمدیہ راولپنڈی کی تشکیل کے سلسلے میں پہلا اجلاس ۲۰ فروری ۱۹۷۷ء کی سہ پہر چار بجے مقامی مسجد مُبارک میں ہُوا۔ صدارت مولانا بشیر احمد منٹو صاحب نے کی۔ صدر نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے تلقین کی کہ وہ اپنے اندر حق بات کہنے کی جرأت اور حوصلہ پیدا کریں۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کونسا راستہ سیدھا ہے اور کونسا غلط۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تنظیم کے قیام کا مقصد نوجوانوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ بہتر طور پر دین اسلام کی خدمت کر سکیں اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں۔

اس کے بعد محترم ارجمند صادق صاحب نے تنظیم کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم متحد ہو کر اور مضبوط ہو کر کام کریں اور دنیا میں دین کو سربلند رکھیں۔

مقامی انجمن کے پریزیڈنٹ میاں شریف احمد صاحب نے بھی نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ہم عمر تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں اب نوجوانوں نے یہ کام سنبھالنا ہے۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ ابھی سے کام کو شروع کر دیں تاکہ ہماری زندگی میں ہی ہم انہیں خدمتِ اسلام کرتے ہوئے دیکھ لیں۔

مظہر الدین احمد صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمیں سرگرمی سے کام کرنا چاہیئے اور مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ کمر ہمت باندھ کر کام کرنا چاہیئے۔ انہوں نے امیر مرحوم حضرت مولنا محمد علیؒ صاحب کا نوجوانوں کے نام پیغام پڑھ کر سنایا جس میں مرحوم نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:—

"آپ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن مجید کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دیں۔ مَیں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا کوئی اور کام اس دنیا میں نہیں۔"

حضرت امیر مرحوم آگے فرماتے ہیں کہ:—

"میں اپنے نوجوان دوستوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ قوم کی ان روایات کو زندہ رکھیں اور ان کو ترقی دیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم ختم ہوتی جا رہی ہے۔"

اس کے بعد محترم میجر محمد سعید صاحب نے تقریر کی۔ آپ نے شبان کو متحد ہو کر میدانِ عمل میں آنے کی تلقین کی اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

یہ مجلس ختم ہونے سے پہلے دوستوں کا آپس میں تعارف کرایا گیا۔ آخر میں شرکاء مجلس کی پرتکلف چائے سے تواضع کی گئی۔

(رپورٹر) ریاض الدین احمد (متعلم بی کام)

اخبار احمدیہ

——— مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبےٰ صاحب جو لاہور کے رہنے والے ہیں اور آجکل کراچی میں مقیم ہیں۔ اور میرے ہم مکتب بھی رہے ہیں وہ بہت بیمار ہیں۔ آپکی صحت کے لئے احباب کرام دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے (ادارہ)

حضرت بانیٔ سلسلہ اور جماعت احمدیہ پر تنسیخ جہاد کا بہتان۔

جماعت احمدیہ نے اپنے امام کی سچی اتباع میں زمانہ کے جہاد بالقرآن کا احیاء کیا۔

((از محمد عبد الحق صاحب مجاهد امرتسری گنج مغلپورہ))

معاصر "طلوع اسلام" نے جماعت احمدیہ سے یہ سوال کیا ہے کہ
" ان سے پوچھئے کہ جہاد بالسیف (یعنی تلوار سے مخالفین کے خلاف جنگ کرنا) قرآن مجید کا حکم ہے اور مرزا صاحب نے کہا تھا کہ " آج سے انسانی جہاد (جو تلوار سے کیا جاتا تھا) خدا کے حکم سے بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اُٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریمؐ کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرمایا کہ مسیح موعودؑ کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اَب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں" (اربعین ۴ صفحہ ۱۵) حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک کہدیا "دین کے لئے حرام ہے اَب جنگ اور قتال"۔ ان سے پوچھئے جو شخص قرآن کریم کے ایسے اہم حکم کو منسوخ اور حرام قرار دینے کا دعوے کرتا ہے وہ مسلمان کہلا سکتا ہے؟" (طلوع اسلام اپریل ۱۹۷۷ء صفحہ ۵۴)

معاصر طلوع اسلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جماعت احمدیہ دنیا میں وہ اکیلی جماعت ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے زیر اثر اس امر کی قائل ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف قابلِ عمل ہے۔ نہ آج سے تیرہ سو سال پہلے کسی زمانہ میں وہ منسوخ ہوا اور نہ آئندہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(۱) " خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن مجید کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے خلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔"

(چشمۂ معرفت۔ صفحہ ۳۲۴ - ۳۲۵)

(۲) " جو شخص اس شریعت پر ایک ذرّہ بھر زیادتی کرے یا اس میں کمی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام دُنیا کے انسانوں کی لعنت ہے"۔

(ترجمہ عربی عبارت انجام آتھم صفحہ ۱۴۴)

پس جبکہ جماعت احمدیہ قرآن مجید میں نسخ کی قائل ہی نہیں اور جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید میں ترمیم و تنسیخ یا کمی بیشی کرنے والے کو لعنتی قرار دیا ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ خود ہی قرآن مجید کی ان آیات کو منسوخ قرار دیتے جن میں جہاد کا ذکر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام اور جماعت احمدیہ پر یہ ایک بہتان عظیم ہے جو تنسیخ جہاد کے باب میں عائد کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک جہاد کے بغیر ایمان کبھی کامل نہیں ہو سکتا اور تمام ضعف جو اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا جہاد میں سستی کرنے کا نتیجہ تھا۔ پس ہم جہاد کے ہرگز منکر نہیں اور جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تنسیخ جہاد کا اعلان کیا جہاد اسلام کا ایک رُکن ہے جو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا سکتا۔ مگر باوجود اس کے ایک یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جہاد کا قطعاً غلط مفہوم سمجھ رکھا ہے۔ مسلمان اسلام کے نام پر خونریزی۔ فساد۔ غداری۔ ڈاکہ زنی اور غارت گری کرنے کا نام جہاد رکھتے ہیں اور طرفہ تر یہ کہ ان امور کو وہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کون دیانت دار اور حقیقی مومن ہے جو اس قسم کے جہاد کو قابلِ نفرت اور لائقِ مذمت قرار نہیں دے گا۔ یقیناً ہر شخص اس قسم کے عقائد اور افعال کو اسلام کی توہین خیال کرے گا، کیونکہ انہی عاقبت نا اندیش مسلمانوں کی وجہ سے دُنیا اسلام کو ایک غیر مہذب خیال کرنے پر مجبور ہو رہی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہاں اسلام کی یہ ایک عظیم الشان خدمت بھی آپؑ نے کی کہ **جہاد کا صحیح مفہوم** لوگوں کے ذہن نشین کیا اور جہاد صغیر۔ جہاد کبیر۔ جہاد بالسیف اور جہاد بالقرآن، سب کی حقیقت سب لوگوں پر واضح کر کے رکھ دی۔ قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ جہاد کو کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے جس جہاد کی طرف تمام رُوئے زمین کے مسلمانوں کو بلایا ہے وہ جہاد بالقرآن ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

" کافروں کی بات مت مانو اور اس قرآن کے ذریعہ بہت بڑا جہاد کرو" (فرقان - ع۵)

پھر سورۃ تحریم میں فرماتا ہے :-

" اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر"

اگر جہاد بالسیف ہی جہاد کہلانے کے قابل ہے تو بتایا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **منافقین کے خلاف کب تلوار اُٹھائی؟** ہر عقل مند کہے گا اس جہاد سے مراد کفار کو وعظ و نصیحت کرنا یعنی تبلیغ کرنا اور ان کی خفیہ چالوں سے بچنا اور ان کی مدافعت کرنا ہے۔ پھر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو کئی معنوں میں منقسم فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں :-

(۱) " ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہہ دینا جہاد ہے"
(مشکوٰۃ)

(۲) " حجت اور برہان کی رُو سے دشمنوں سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے" (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

ایک غزوہ سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر یعنی اشاعت قرآن و اشاعت اسلام کی طرف واپس آتے ہے"

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ **جہاد کا وہ مفہوم نہیں جو آج کل کے مسلمان اور ان کے مولوی سمجھے بیٹھے ہیں۔** جہاد اپنی انتہائی قوت خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ **اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا بھی جہاد ہے** - قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں پر اتمام حجت کرنا بھی جہاد

مراد ہے بلکہ قرآن مجید نے اسے جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ دلائل سے **دشمن کو مغلوب کرنا بھی جہاد ہے۔**

بانیٔ اسلام دنیا کے لئے ایک نمونہ تھے اس لئے آپؐ کی زندگی میں ہمیں **جہاد بالقرآن** اور **جہاد بالسیف** دونوں کا نمونہ نظر آتا ہے۔ مکّی زندگی میں آپؐ نے جہاد بالقرآن کو اور مدنی زندگی میں مجبور کئے جانے پر دفاعی رنگ میں جہاد بالسیف کیا۔ اگر اکیلا جہاد بالسیف ہی جہاد قرار دیا جائے تو نعوذ باللہ کہنا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکّی زندگی میں باوجود جہاد کا حکم ملنے کے کوئی جہاد نہیں کیا حالانکہ آپؐ کا کوئی لمحہ بھی جہاد سے خالی نہیں گذرا۔ آپؐ نے رات کو بھی جہاد کیا۔ آپؐ نے دن کو بھی جہاد کیا۔ صبح کو بھی جہاد کیا۔ اسلام کے نزدیک **جہاد بالسیف** اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کوئی قوم یا حکومت مسلمانوں پر اس لئے تلوار نہ اُٹھائے کہ ان سے جبراً ان کا مذہب چھڑایا جائے۔ ولا یزالون یقاتلون حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔

بانیٔ احمدیت نے کس جہاد سے روکا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جس جہاد سے مسلمانوں کو روکا اور نصیحت کی کہ اب اِن خیالات کو جانے دو وہ وہی جہاد ہے جس کی قرآن مجید سے کسی بھی لفظ کی تائید نہیں ہوتی۔ یعنے جب تک دنیا میں کفار کا وجود ہے ان سے جہاد بالسیف کیا جائے۔ اسلام اس نظریہ کا شدید دشمن ہے وہ لاَاکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی .... میں یہ سنہرا اُصول بیان کر چکا ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ پس جبکہ اسلام جبر و تشدد کا سخت مخالف ہے۔ اسلام نے جس جہاد بالسیف کی اجازت دی وہ صرف یہ ہے کہ اس قوم کے خلاف جنگ کیا جائے جو جبراً اسلام میں داخل ہونے سے روکے اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو صرف اسلام قبول کرنے کے جرم میں قتل کرے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری قوم سے جہاد بالسیف جائز نہیں۔ اگر جنگ ہوگی تو **صرف سیاسی اور مُلکی جو دو مسلمان قوموں میں بھی ہو سکتی ہے۔** آپ نے جس جہاد سے روکا ہے وہ شرعی جہاد نہیں بلکہ یہ جہاد وہ مفہوم ہے جو حال کے اسلامی علماء نے سمجھ رکھا ہے۔ یعنے لوٹ مار، غارت گری اور خونریزی وغیرہ وغیرہ۔ پس ضروری تھا کہ آپ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتے اور بتاتے کہ جہاد کا کیا مطلب ہے۔ اسی لئے آپؑ نے فرمایا:۔

"اَب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ قلم۔ دُعا اور آیاتِ عظمیٰ سے جہاد کرنے کا زمانہ ہے۔"

(ترجمہ عربی عبارت حقیقت المہدی ص۲۲)

آپؑ نے پھر فرمایا:۔

"اس زمانہ میں قوتِ بیان کے سوا اور کوئی تلوار نہیں اور ادلہ براہین اور نشانات کے بیان کرنے میں جو تاثیر ہے وہ نیزوں میں نہیں ہے۔"

(حقیقت المہدی۔ صفحہ ۲۶)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو جہاد سے نہیں روکا بلکہ مخالفین اسلام کا تلوار سے مقابلہ کرنے اور قتل کرنے سے روکا ہے۔ مگر معاصر طلُوعِ اسلام گھبرائیں نہیں؟ **حضرت مسیح موعود علیہ السّلام** نے اگر بالفرض محال تنسیخ جہاد کا اعلان کیا ہے تو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اور آپؑ کے دعاوی کو تسلیم کرتے ہیں نہ ان مسلمانوں کے لئے جو بات بات میں آپ کی مخالفت کرنا جزوِ ایمان قرار دیتے ہیں۔ پس کیوں آپ لوگ مسئلہ جہاد کے باب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اتباع کرتے ہیں کیوں اپنی خود داری کو برباد کرتے، اپنی روایات کو آپ تباہ کرتے، اپنی ہمت کی رگ جان مسلنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ اگر میدانِ جنگ میں کودنے کے لئے سربکف ہیں تو بسم اللہ کریں تلوار ہاتھ میں لیں اور **مخالفین اِسلام** کا سر کاٹ کر رکھ دیں اب تو اسرائیل نے آپ کے لئے موقع فراہم کر دیا ہے۔ اس جہاد بالسیف سے آپ کی خود داری بھی قائم ہو جائے گی اور روایات بھی تازہ ہو جائیں گی۔ مگر کیا آپ ایسا کریں گے ہمیں یقین ہے کہ آپ کبھی نہیں ایسا کریں گے۔ زبان سے جہاد جہاد کا شور مچانے اور بڑی بڑی تعلیاں ہانکنے کے باوجود آج دُنیا پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہی عملی پروگرام درست ہے جو بانیٔ احمدیت **حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تجویز فرمایا ہے۔** پون صدی سے شور مچانے کے باوجود آج تک آپ میں سے کسی کو بھی تلوار پکڑنے کی توفیق نہیں ملی۔ کُفر کا فتوےٰ لگانے والے علماء و غیر علماء ایک دن بھی جہاد بالسیف نہ کر سکے اعتراضات کا طومار کھڑا کرنے والے گھروں میں دبک کر بیٹھے رہے اور آپ لوگوں میں سے کسی کو صحابہ کرامؓ کے مثیل بننے کی جُراَت نہ ہوئی۔ یہ حقیقت ہے کہ تنسیخِ جہاد کی جس پر "طلُوعِ اسلام" ایسے ناواقف مخالفین احمدیت مضطرب ہو کر شور مچا رہے ہیں اور اسے احمدیت کے خلاف زبردست دلائل میں سے ایک دلیل قرار دے رہے ہیں، کیا کوئی عقل و سمجھ رکھنے والا انسان جو اس پر غور کرے اور سمجھے کہ آج جبکہ **جہاد بالسیف** کی قرآنی شروط نہیں پائی جاتیں تو جہاد کیونکر جائز ہو گیا۔ آج منشاءِ الٰہی یہی ہے کہ مسلمان جہاد بالسیف کی بجائے جہاد **بالقرآن کی طرف توجہ فرمائیں مخالف طاقتوں کو دلائل و براہین سے پامال کریں** اور اسلام کے نورانی چہرہ کا **والہ و شیدا بنائیں۔** آپ لوگ جہاد جہاد تو کرتے ہیں کیوں جہاد بالقرآن شروع نہیں کرتے۔ اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھے ہیں۔ اسلام اس وقت بے یار و مددگار پڑا ہے اور دشمن اس پر چاروں طرف سے حملہ آور ہے۔ ضرورت ہے کہ مُسلمان کہلانے والے خواہ طلوع اسلام والے ہوں یا کوئی اور اپنی جان و مال، عزّت و آبرو سب کچھ اسلام پر قربان کر دیں اور رسول اللہ **صلی اللہ علیہ وسلم** اور دین اسلام کو گالیاں دینے والوں کو حلقہ بگوش اسلام بنائیں۔ یہی جہاد ہے جو اس وقت درکار ہے۔ یہی جہاد ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ اور حضرت نبی کریم صلعم کی طرف سے اس وقت حکم ہے اور یہی جہاد ہے جو مسلمانوں کو قعرِ مذلّت سے نکال کر بام رفعت تک پہنچا سکتا ہے۔

جھُوٹا ہے وہ جو کہتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ جہاد کی منکر ہے ہم **جہاد** کے منکر نہیں بلکہ **جہاد** کے جاری کرنے والے ہیں البتہ ان معنوں کے مخالف ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔

مولوی احمد گل صاحب فاضل دیوبند

وحی اور تصوف پر پرویزی نظریات کی حقیقت

(قسط نمبر ۶)

حضرت مرزا صاحب نے اسی حقیقت کو ایک دوسری جگہ اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:-

"مجھے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کہ اندرونی اور بیرونی مخالف میری عیب جوئی میں مشغول ہیں کیونکہ اس سے بھی میری کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ اگر میں ہر قسم کے عیب اپنے اندر رکھتا ہوں اور بقول ان کے میں عہد شکن اور کذاب اور دجال اور مفتری اور خائن ہوں اور حرام خور ہوں، اور قوم میں پھوٹ ڈالنے والا اور فتنہ انگیز ہوں اور فاسق فاجر ہوں اور خدا پر قریباً تیس برس سے افترا کرنے والا ہوں اور نیکوں اور راستبازوں کو گالیاں دینے والا ہوں اور میری روح میں بجز شرارت اور بدی اور بدکاری اور نفس پرستی کے اور کچھ نہیں اور محض دنیا کے ٹھگنے کے لئے میں نے ایک دکان بنائی ہے اور نعوذ باللہ بقول ان کے میرا خدا پر ایمان نہیں اور دنیا کا کوئی عیب نہیں جو مجھ میں نہ ہو۔ بیجا طور پر مال کھا لئے اور بہتوں کو (جو فرشتوں کی طرح پاک تھے) گالیاں دی ہیں اور ہر ایک [illegible] ٹھگ بازی میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے تو پھر اس میں کیا بھید ہے کہ بد اور بدکردار اور خائن اور کذاب تو میں تھا مگر

(۱) میرے مقابل پر ہر ایک فرشتہ سیرت جب آیا تو وہی مارا گیا۔

(۲) جس نے مباہلہ کیا وہ تباہ ہوا۔

(۳) جس نے میرے پر بد دعا کی اسی پر پڑی۔

(۴) جس نے میرے پر کوئی مقدمہ عدالت میں دائر کیا اسی نے شکست کھائی۔" (حقیقۃ الوحی۔ ورق اول)

کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمانِ محمد

نشانات اور کرامات کے وقوع پذیر ہونے کا یہ صرف ایک پہلو ہے ورنہ آپ کے دعاوی کی صداقت پر بہت سے نشانات ظہور میں آ چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کی نصرت و تائید، استجابت دعا کے نمونے، پیشگوئیوں کا اظہار اور ان کا وقوع میں آنا۔ لیکھ رام کا قتل، ڈوئی کا انجام۔ رمضان میں چاند اور سورج کا گرہن۔ پنجاب میں طاعون کی وبا کی تباہ کاریاں۔ لیکن آپ کا اور آپ کی جماعت کا محفوظ رہنا۔ زلزلہ سے اور آفات سماوی کا ظہور اور ایمان والوں کا بچایا جانا اور اس طرح کے کئی اور خوارق عادات امور ظاہر ہوئے جن کی وجہ سے بہتوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ مگر اس کے مقابلے میں جنہوں نے حقائق سے چشم پوشی کی یا صداقت کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ ایسے لوگوں کو آپ نے اپنے زور دار الفاظ میں اس طرح مخاطب کیا ہے:-

"اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا، جو مجھے ہلاک کر دیگا یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مگر مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے، جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ، خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ اور وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ اور مجھے اس کی ذات اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں۔ کہ اس کے دین کی عزت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑوں ابتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔"

(انوار الاسلام صفحہ ۲۵)

بہ کارِ دیں نہ ترسم از جہانے + کہ دارم رنگِ ایمانِ محمد
دریں راہ گر کشندم ور بسوزند + نتابم روز ایوانِ محمد

پرویز صاحب کا مردِ مومن

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک مردِ مومن کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور اس کے مبعوث ہونے والے زمانے کو کشفی نگاہ سے دیکھ کر، ابتر زمانہ قرار دیا تھا۔ وہ مردِ مومن پیشگوئی کے مطابق موجودہ زمانے میں آ چکا ہے۔ جس کے متعلق زمین و آسمان نے بھی گواہی دی ہے۔ اس نے وقت کے تقاضوں اور پیشگوئی کے مطابق اعلان بھی کر دیا ہے:

وقت ہے وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

مگر پرویز صاحب۔ ایک طرف وقت کی پکار کو محسوس کرتے ہیں اور اسلامی معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس کے باوجود دوسری طرف انہیں ایسے پراگندہ اور ناسازگار حالات میں مردِ مومن کہیں نظر نہیں آ رہا۔ چنانچہ مسلمانوں کی زبوں حالی کے مقابلے میں ابلیسی غلبہ و استیلاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ابلیس کی فرعونی قوتوں کا تو تقاضا ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی فولادی پنجے والا مردِ مومن آئے جس سے دو ہاتھ کرنے میں اسے بھی لذتِ پیکار ملے"۔

مگر چاروں طرف سے ناامید ہو کر مردِ مومن کے نظر نہ آنے پر اپنی پریشانی کا اظہار یوں فرماتے ہیں:-

"لیکن آج ایسا بندۂ حق پرست کہاں سے ملے؟ اس قسم کے مردانِ حق آگاہ و خدا مست صرف اس معاشرے میں پیدا ہو سکتے ہیں جو قوانین خداوندی کی رو سے متشکل کیا جائے۔ اور ایسا معاشرہ آج اس وسیع و عریض زمین کے کسی چپہ بھر گوشے میں موجود نہیں"

(ابلیس و آدم۔ صفحہ ۱۲۷)

انہیں اس امر کا اعتراف ہے بلکہ اپنی بینا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ "ابلیس کا پورا لشکر اپنی ساری قوتوں کے ساتھ

طوفانِ بلا کی طرح امڈا چلا آ رہا ہے" اور "پورے دبدبہ اور جلال کے ساتھ دُنیا پر چھا رہا ہے" اور ساتھ ہی معاشرے کی تشکیل کے لئے بے چین ہیں اور کسی مردِ مؤمن اور مردِ خود آگاہ و خدا مست" کی تلاش میں سرگرداں بھی۔ ان کے سامنے طاغوتی طاقتیں اپنا منہ پھیلائے ہوئے مسلمان معاشرے کو اپنا شکار کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اپنا غلام بنانا اور زیرِ اثر رکھ کر اپنے عزائم پورا کرنا چاہتی ہیں۔ اس بے چینی کے ساتھ ساتھ ان کی یہ خواہش بھی ہے کہ اسلامی معاشرہ کو گری ہوئی حالت سے نکالنے کے لئے اور ابلیسی طاقتوں کے مقابلہ کے لئے "کوئی فولادی پنجے والے مردِ مؤمن" چاہیئے۔ مگر اس خواہش کے پورا ہونے پر نا امید بھی ہیں۔ ان کی یہ نا امیدی بلا وجہ نہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ تیرہ چودہ سو سال سے قوم، فولادی پنجے والے مردِ مؤمن سے محروم ہے اور آج بھی ایسا معاشرہ "اس وسیع و عریض زمین کے کسی چپّہ بھر گوشے میں موجود نہیں ہے"۔ جو اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس میں کوئی مردِ مؤمن پیدا ہو سکے۔ ہو سکتا ہے آئندہ بھی بارہ چودہ سو سال تک پرویز صاحب کے فولادی پنجے والے مردِ مؤمن کا تصوّر پورا نہ ہو سکے۔

مردِ مؤمن کا انقلاب آفریں کام

قرآن کریم میں متعدد ایسی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں کہ دینِ اسلام دوسرے تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوبھم (الجمعہ۔ ۴) میں خصوصیت سے اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانے میں اس کی جماعت کے ہاتھوں یہ کام سر انجام پائے گا۔ حضرت نبی کریم صلعم کا ایک رؤیا بھی ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"ان ربّی زوی لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا وانّ تلك اُمّتی سیبلغ ما زوی لی منھا و اعطیت کنزین احمر و ابیض۔

بحالت رؤیا میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا گیا، اور اور میں نے اس کی مشرقی اور مغربی سمتوں کو دیکھا اور یقیناً میری اُمّت ان تمام ممالک میں پہنچے گی، جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ ایک سُرخ یعنے رنگدار دوسرا سفید"

اس کشف کے علاوہ آپؐ نے ایک پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ آخری زمانے میں سُورج مغرب سے طلوع کرے گا۔ سُورج سے مراد آسمانی روشنی ہے جو مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے اور قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو بھی سراجاً منیراً یعنے روشنی بخشنے والا سُورج کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

یہ وہ علمِ غیب ہے جو آنحضرت صلعم کو دیا گیا تھا کہ میری اُمّت دینِ اسلام کو مشرقی اور مغربی ممالک میں لے جا کر پہنچے گی اور رنگدار سفید اقوام جو ایک طویل عرصے سے نورِ اسلام سے محروم رہی ہیں، اسلام کی روشنی سے فیض یاب ہوں گی۔

یہ تو علمِ غیب کا ایک پہلو تھا، جس کی بشارت آپ نے اپنی اُمّت کو دی مگر اس کے ساتھ ہم ایک دوسرے پہلو کو بھی دیکھتے ہیں، جس کا تعلق اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے ساتھ لازم قرار پاتا ہے۔ وہ ہے آخری زمانے میں مسلمانوں کی مادی اور روحانی حالت کے ابتر ہونے کا۔ جس کا اندازہ مولانا الطاف حسین حالی کی مسدّس اور اس دَور کے دوسرے مسلمانوں کی تحریرات سے با خوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی ایک وجہ آپس میں اختلافات اور جھگڑے تھے۔ کفر بازی تو علماء کا دلپسند مشغلہ تھا اور دوسری طرف مسلمان حکومتیں ایک دوسرے سے اتحاد اور اتفاق کی بجائے باہمی لڑائی جھگڑوں سے مسلمانوں کے قومی اتحاد کو کمزور کر رہی تھیں۔

مگر آج ہم اس کے مقابلے میں دیکھتے ہیں کہ متعدد مسلمان حکومتیں غلامی کے چنگل سے آزاد ہو کر قائم ہو رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بیداری اور نمایاں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس زمانے کے "مردِ مؤمن"، "مامورِ الٰہی" کی زبان سے نکلے ہوئے الہامی الفاظ:۔

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں
بر منار بلند تر محکم اُفتاد"

پورے ہو رہے ہیں اور اس مردِ مؤمن کے اُمید افزا ان الفاظ کو پڑھ کر ہم دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی + آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن
اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا + اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن
دیں کی نصرت کیلئے اک آسماں پر شور ہے + اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

حضرت مرزا صاحب نے جس وقت یہ تسلّی دی، اس وقت "ابلیسی" اور طاغوتی طاقتوں کے چنگل سے نکلنے کے حالات سازگار نہیں تھے اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی بظاہر مشکل معلوم ہوتی تھی مگر اس باخدا انسان کا کہنا ہے:۔

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یُوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ مجھ میں کروں گا انتظار

کیا ہی عجیب تضاد ہے کہ اس صدی کے شروع میں اسلامی سلطنتیں مٹتی چلی جا رہی تھیں اور کہ اب کئی اور حکومتیں وجود میں آنے لگی ہیں۔ مسلمان نہ صرف قرآن کی تعلیم کو بھلا چکے تھے۔ بلکہ اُن میں سے "تعلیم یافتہ" طبقہ، "ترقی پسند طبقہ" اسے موجودہ زمانے کے لئے ناکافی یا نامناسب یقین کرتا تھا۔ مگر اب عوام میں بیقراری کی حالت یہ ہے کہ حکومت کس وقت اسلامی قوانین جاری کرتی ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ مسلمان، مغربی غلبہ و استیلاء کی وجہ سے دینِ اسلام کو ترک کر رہے تھے مگر اب یہ حالت ہے کہ مسلمان انہی مغربی ممالک میں پہنچکر ان اقوام کو اسلام پیش کر رہے ہیں۔

مغربی اقوام میں اشاعتِ اسلام

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے مغربی اقوام میں دین اسلام کے پھیلنے کی بشارت فرمائی تھی۔ اس بشارت کا ظہور کب اور کس شخصیت کے ذریعے ہوا؟ پرویز صاحب تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمۃ کے وجود کے ذریعے پوری ہوئی، جیسا کہ آپؑ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں (جو کہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے) تحریر فرمایا ہے:۔

"اس عاجز پر جو ایک رؤیا ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منوّر کئے جائیں گے ان کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔

میں نے دیکھا کہ شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے۔ اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جُثہ ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے۔"

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"سو میری صلاح یہ ہے کہ .... عمدہ عمدہ تالیفیں ان مُلکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کرکے انگریزی میں ترجمہ کراکر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں داخل ہے۔"

یہ علم غیب (رؤیا) جس کا پرویز صاحب کو انکار ہے، جس کی تردید میں اپنی کتاب "ابلیس و آدم" ص۲۶۳ میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ آج ہمارے اور ان کے سامنے حقیقت بن کر نظر آ رہا ہے۔ جو قومیں صدیوں سے اسلام سے ناآشنا تھیں۔ آج انہیں خدا کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے۔ خدا کے گھر (مساجد) تعمیر ہو رہے ہیں جن سے اللہ اکبر کی آواز گونج کر اطراف عالم میں پھیل رہی ہے۔ مسلمان ملکوں سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں وہاں پہنچ کر اپنی قومی حیثیت کو استوار کر رہے ہیں۔ علماء کی جماعتوں اور دوسری تحریکوں نے اپنا رُخ بدل کر اُن ممالک کی طرف کر دیا ہے۔ پرویز صاحب بھی، جنہیں اس باخدا انسان سے چِڑ ہے۔ ان کے رؤیا کو سچّا ثابت کرنے اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی فکر میں ہیں۔ اپنے پَروں کو تول رہے ہیں کہ ان ممالک میں پہنچکر اسلام سے بے خبر قوموں کو اپنا اسلام پیش کریں، جس کا اظہار انہوں نے اپنے رسالے طلوع اسلام میں متعدد بار کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نسبت مغربی اقوام کے غیر مسلم قرآن کی آواز کو زیادہ توجّہ سے سُننے کی صلاحیت رکھتے ہیں......... اس اعتبار سے مجھے مغربی اقوام کی سرزمین، قرآنی پیغام کے لئے زیادہ سازگار معلوم ہوتی ہے۔" (سلیم کے نام جلد۳ ص۲۷۲)

مگر عملی قدم اُٹھانے سے پہلے سعدی شیرازی کے اس شعر کو بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

حقا کہ باعقوبت دوزخ برابر است + رفتن بپائے مردیئے ہمسایہ در بہشت

یہ ہے وہ صداقت جس کا ایک صدی قبل انکار کیا جاتا تھا۔ آپ کے اس رؤیا کو ایک "مجذوب" کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی تھی۔ مگر آج، دوست اور دشمن دونوں ان بے نُور وادیوں میں اسلام اور قرآن کا نور پھیلتا ہوا دیکھ کر اس حقیقت کے معترف ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے مریدوں نے سب سے پہلے ان ممالک میں ہزارہا سفید پرندوں کو شکار کیا ہے۔ دریں حالات، ان حقائق اور واقعات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔

وہ ہمارا خواب تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

سُنّت اور حدیث پرویز کی نظر میں

پرویز صاحب صرف اولیاء کرام کے الہامات، کشوف اور رؤیا کے ہی منکر نہیں بلکہ رسالت مآبؐ کی احادیث کے بھی منکر ہیں حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی اُمت میں مجدّدین کے آنے کا ارشاد فرمایا ہے آپ کے اس ارشاد کو پرویز صاحب نے جس خفت اور کج نظری سے دیکھا ہے، قارئین اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"اس حدیث کا (حدیث مجدد کا) بخاری اور مسلم میں، جو حدیث کی معتبر ترین کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں، کہیں ذکر نہیں۔ اس نظریہ (عقیدہ مجدّد) کا وضعی ہونا بالکل بدیہی ہے۔ اس کی رُو سے صُورت یوں سامنے آتی ہے کہ سو سال کے عرصہ کے اندر دنیا کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے، خُدا ایسے مصلح کو نہیں بھیجے گا اور سو سال کے بعد، خواہ دنیا کی حالت کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو، مجدّد آئے گا۔ اس قسم کی کیلنڈرانہ بحثیں، مصلحت خداوندی سے بعید ہیں۔"

(ختم نبوت اور تحریک احمدیت ص۲۵۳)

"بخاری اور مُسلم میں جو حدیث کی معتبر ترین کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں"۔ پرویز صاحب شاطرانہ چال چل کر دھوکہ دہی سے کام لے رہے ہیں۔ بخاری اور مُسلم کو وہ خود تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے بقول یہ کتابیں آنحضرت صلعم سے دوسو سال بعد کی پیداوار ہیں۔ محمد اسمٰعیل بخاری ایرانی النسل شیعہ تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بصورت دیگر اگر یہ حدیث ابو داؤد کی بجائے بخاری یا مسلم میں پائی جاتی تو کیا پرویز صاحب اسے وضعی قرار دینے سے اجتناب کرتے؟ جو کتاب ان کے نزدیک مسلّم نہیں اسے بطور دلیل پیش کرنا دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

حدیث کا "وضعی ہونا بالکل بدیہی ہے"۔ صرف بدیہی کہکر اس پر دلیل نہ دینا۔ یہ بھی دھوکہ دینے کا ایک طریق ہے۔ حالانکہ یہ حدیث ایسی اعلےٰ پایہ کی ہے کہ امام سیوطی نے اپنی کتاب "مرقات الصعود" میں لکھا ہے اتفق الحفاظ علیٰ تصحیحہ یعنے حدیث کے حافظوں نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔ اس کے علاوہ عملاً بھی اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی صحت کو متواتر چودہ صدیوں میں اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک نہ ایک پاک وجود ایسا پیدا ہوتا رہا ہے جس نے اللہ تعالےٰ سے حکم پاکر مجددیت کا دعوےٰ کیا۔ کیا ان تمام حضرات نے ایک وضعی حدیث کی بنا پر مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا تھا؟

پھر لکھتے ہیں کہ سو سال کے بعد مجدّد کا آنا کیلنڈری بحثیں ہیں۔ اور مصلحتِ خداوندی سے بعید ہیں۔ یہ ہے حدیث کی عزت پرویز صاحب کے دل میں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ماہ رمضان، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور حج کا سال کے بعد آنا، سات دن کے بعد نماز جمعہ اور چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں۔ کیا یہ سب کچھ کیلنڈری بحثیں ہیں۔ اور مصلحتِ خداوندی سے بعید ہیں؟

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

پرویز صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ احادیث صرف "تاریخی حیثیت" رکھتی ہیں، انہیں دین کی بنیاد قرار دینا یا دین میں بطور سند پیش کرنا صحیح نہیں۔ اور کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ اور رسُول کی اطاعت کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد صرف مرکز ملت ہے۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص کا حضرت محمد رسُول اللہ صلعم سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟

حرفِ آخر

بایں ہمہ پرویز صاحب کو ہم سے شکایت ہے کہ ہم انہیں منکر حدیث قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی مایۂ ناز کتاب، ختم نبوت اور تحریک احمدیت کے ص۲۷ پر لکھتے ہیں:—

"اس لئے انہوں نے (احمدیوں نے) عوام کا رُخ دوسری طرف کا یہ حربہ اختیار کر رکھا ہے کہ مجھے منکر حدیث اور منکر شانِ رسالت مشہور کر دیا جائے۔"

انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف ہم ہی نہیں بلکہ عوام اور انکے عُلما بھی انہیں منکر حدیث سمجھتے ہیں، جس کا انہیں خود بھی اعتراف ہے کہ "میرے خلاف ایک ہزار علماء کرام نے کفر کا فتویٰ صادر فرمادیا ہے کہ" یہ شخص منکر حدیث اور دائرہ اسلام سے خارج ہے" یہ ہے پرویز صاحب کے بارے میں علماء کا نقطہ نظر۔ اور عام مسلمان انہیں کیا سمجھتے ہیں؟ اس کا اندازہ روزنامہ نوائے ملّت مجریہ ۱۵ اپریل ۱۹۷۰ء کے تحریر کردہ الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

"اس مرحلے پر ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ مسٹر پرویز اسلام میں ایک نئے فرقہ کے بانی ہیں اور انہوں نے انگریز کی ادنیٰ ملازمت کے دوران اپنی تحریک مسلمانوں کی خدمت کے لئے جاری کی تھی یا اسلام کے خلاف اغیار کے عزائم کی تکمیل کے لئے۔ اور یہ کہ وہ عقل عیار کی بدولت کونسا بھیس اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں صرف یاد دلانا چاہتے ہیں کہ سوادِ اعظم انہیں دین کے نقب زن سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔"

پرویز صاحب پر ایک ہزار علماء کا فتویٰ کفر لگانا اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا، انہیں دین کا نقب زن قرار دینا۔ کیا یہ بھی احمدیوں نے عوام کا رُخ دوسری طرف موڑنے کے لئے حربہ اختیار کر رکھا ہے کہ انہیں منکرِ حدیث اور منکر شانِ رسالت مشہور کر دیا جائے۔ در اصل پرویز صاحب نے اپنے گرتے ہوئے وقار کو سہارا دینے اور عوام کا رُخ دوسری طرف موڑنے کے لئے احمدیوں کی طرف یہ غلط بات منسوب کر دی ہے ورنہ حدیث سے جو انہیں عقیدہ ہے، وہ اُن کے رسالہ "طلوعِ اسلام" مئی ۱۹۴۰ء ص۶۳ سے بھی ظاہر ہوتی ہے:—

"سارے قرآن میں کتاب اللہ کے سوا کسی حدیث پر ایمان لانے کا حکم نہیں ہے بلکہ مخالفت نکلتی ہے۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا۔ اولٰئک لھم عذاب مھین۔ (۳۱/۶)

"اور بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بلا علم (ویقین) کے بھٹکا دیں۔ اور اس کو مذاق بنالیں۔ یہ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔" آیت میں حدیث کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں:—

(۱) اس سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

(۲) اس کی بنیاد علم یعنے یقین پر نہیں ہے۔

(۳) اس سے اللہ کی راہ یعنے دین کو مذاق بناتے ہیں۔"

دیکھ لیا آپ نے۔ ایک طرف علماء اور عوام کی مخالفت کے خوف سے حدیث کا اقرار ہے اور دوسری طرف اپنے باطل نظریہ کی بنیاد پر اس دعوے سے انکار۔ لیکن ان کے ان متضاد بیانات پر ہم

ع اس دعوے کا مطلب کیا سمجھیں اقرار بھی ہے انکار بھی ہے

اس طرح کی دو گونہ روش کو قرآن کریم نے نفاق سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک صدودا (النساء ۶۱)

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اسی (قرآن) کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا ہے، اور رسول کی طرف۔ تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ (رسول) سے ہٹتے ہوئے رُکتے ہیں۔"

اس آیت میں دو چیزوں کے ماننے پر توجہ دلائی گئی ہے:—

(۱) ما انزل اللہ یعنے قرآن۔

(۲) الرسول یعنے رسول اللہ صلعم۔

مگر فرمایا کہ منافق قرآن کو مان لیتے ہیں مگر رسول سے بھاگتے ہیں اور اس کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ ہیں پرویز صاحب کے وہ معتقدات جن پر انہیں ناز ہے۔ اور جن کی بنیاد قرآن پر رکھ کر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہتے ہیں۔

(ختم شد)

ختمِ قرآن

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور کو قرآن کریم سے جو عشق تھا۔ اس سے احباب جماعت بخوبی واقف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی عین حیات میں جہاں دوسروں کو قرآن سے روشناس کرایا وہاں اپنے خاندان میں بھی قرآنی علم کو بطور ورثہ چھوڑا ہے۔ الحاج جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا درس قرآن ایک طویل مدت سے اس امر پر شاہد ہے۔ یہی دینی تڑپ اس خاندان کے دوسرے افراد میں بھی پائی جاتی ہے۔ محترم چوہدری منصور احمد صاحب کی دو بچیاں (منیرہ منصور اور نصیرہ منصور) ایک عرصے سے قرآن کریم با ترجمہ ختم کر چکی ہیں۔ اسی طرح ان کا فرزند تنویر احمد نصف قرآن با ترجمہ پڑھ چکا ہے۔ اکرم احمد جو ان کا چھوٹا بچہ ہے اس نے پچھلے دنوں قرآن کریم ناظرہ ختم کیا ہے۔ چوہدری صاحب موصوف نے اس خوشی میں انجمن کو برائے اشاعت اسلام پچاس روپے عطا فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔

جماعت کے دیگر احباب کو بھی اس نیک نمونہ کی تقلید میں اپنے بچوں اور نوجوانوں کی قرآن و دینیات کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہیئے اللہ کرے شوق عمل اور زیادہ

احمد گل۔ مسلم ٹاؤن

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۳ اپریل ۱۹۷۰ء
رجسٹرڈ۔ ایل نمبر ۸۳۱۰ ——— شمارہ نمبر ۱۵

احمد سجاد آرٹ پریس ہیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۸ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اصلاحِ قوم کا عالی نصب العین، اپنے نفس کی اصلاح کا طالب ہے۔

پہلے اپنے باطن اور اعمال کو درست کرو، تب تفرقہ و تنازعہ ختم ہوگا۔

یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل و قال کا نام نہیں بلکہ جب تک عملی حالت نہ ہو کچھ نہیں۔ خدا اس کو پسند نہیں کرتا۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گذرے ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے ان سچائیوں کو جن کا وہ وعظ کرتے تھے ثابت کر دکھایا ہے۔ قرآن شریف میں بھی یہی تعلیم ہے یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو درست کرو۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں ہے وہ اگر زبان سے کام لے گا تو وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بنا دے گا اور حقیقت میں ایسے ہی مصلحوں سے ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری رہتا ہے مگر اندر خالی ہوتا ہے۔

خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں نہایت خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں خواہ کوئی میری باتوں کو نیک ظنی سے سنے یا بدظنی سے، مگر میں کہوں گا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ پہلے خود روشن ہو اور اپنی اصلاح کرے۔ دیکھو یہ سورج جو روشن ہے پہلے اس نے خود روشنی حاصل کی ہے۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے معلم نے یہی تعلیم دی ہے۔ لیکن اب دوسرے پر لاٹھی مارنا آسان ہے لیکن اپنی قربانی دینا مشکل ہو گیا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے وہ اس کو اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جاکر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے۔ وہ آج کل کے لیکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جب تک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالےٰ کے قرب اور محبت کی راہ ہے۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے۔ جو جھگڑے پیدا کرتا ہے اور جو نورِ معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو رحمت سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت یاد رکھیں۔ آج کے بعد آپ مجھے یہاں نہ دیکھیں گے اور میں نہیں جانتا کہ پھر موقعہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ کا کچھ ہی خیال ہو لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
در نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کرے گا۔ اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مرے گا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ کیونکہ زہر اس میں اثر کر چکا ہے اور اس کے حواس چونکہ قائم نہیں رہے۔ اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مضر ہوگا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے اس کا باعث وہی لوگ ہیں جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء)

تمام فیوض وبرکات کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

ہمیں قرآنی تعلیمات اور خُلقِ محمدیؐ کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔

خُطبہ جُمعہ - مؤرخہ ۱۵-۴-۷۷ فرمودہ حضرت امیرِ قوم مولینا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ - جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

(مرتبہ شفقت رسُول)

تشہد و تعوذ کے بعد للہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض .... ان اللہ علیٰ کلّ شیئ قدیرہ تلاوت فرما کر وضاحت فرمائی کہ یہ سورۃ بقرہ کی آیت ہے اور سورۃ بقرہ ایک وسیع جامع احکامِ خداوندی ہے۔ اس میں بادشاہوں فقیروں۔ امیروں۔ غریبوں۔ حاکم و محکوم۔ راعی اور رعایا۔ کارخانہ داروں اور مزدوروں۔ عورتوں اور مردوں۔ بچوں، نوجوانوں۔ بوڑھوں، اہلِ حرفہ اہلِ صنعت۔ خانگی امور اور بازار سے متعلق احکامات موجود ہیں غرضیکہ یہ سورۃ انسان کی معاشی۔ معاشرتی۔ اقتصادی۔ عمرانی و روحانی ضروریات کو کما حقہٗ بہم پہنچاتی ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مشعل راہ ہے۔

یہ سورۃ بتاتی ہے کہ عبادات کس طرح ادا ہوں۔ معتقدات کیا ہوں، کونسا عمل مقبول ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کیا ہے اس کی ضرورت اور غرض کیا ہے۔ لین دین کس طرح ہو، عورت سے کیا سلوک ہو۔ اپنوں سے کیا رویہ ہو، غیروں سے کیا اصولِ معاشرت ہو، دکاندار پر گاہک کے کیا حقوق ہیں۔ اور گاہک پر دکاندار سے متعلق کون سے احکام وارد ہوتے ہیں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے نشاندہی ہی نہیں کی گئی بلکہ اس کے لئے قرآن کریم میں کامل اور مکمّل ہدایت موجود ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کی عظمت و عزّت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

یہ مصدّقہ اور تجربہ شدہ لائحہ عمل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس وجود قرآن پاک کی تفسیر ہے اور انسانی عمل کے لئے کامل نمونہ ہے۔ آپؐ نے بحیثیت بادشاہ حکومت کرکے دکھائی۔ بطور سپہ سالار فوج کی رہنمائی فرمائی۔ تجارت کرکے اعلےٰ نمونہ پیش کیا۔ متاہل زندگی بسر کی۔ مثالی اور بہترین شوہر ہونے کا اُسوہ پیش فرمایا۔ یہ دو چیزیں مسلم قوم پر حجت ہیں کہ قرآن پاک جیسی جامع کتاب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ کا کامل نمونہ ان کے پاس محفوظ ہے۔ آپؐ نے جنگ و جدل، شر و فساد کو کبھی پسند نہیں فرمایا اور ہوس تخت و تاج کے لئے تلوار کبھی نیام سے باہر نہیں کی بلکہ دفاع اور حفاظت خود اختیاری کے تحت دشمن کا مقابلہ فرمایا۔ اور فتنہ فرو کرنے کے لئے شمشیر بدست ہوئے۔ آیات بالا میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان سیاروں، ستاروں، سورج، چاند، خشکی، تری، بحر و بر، شجر و حجر غرضیکہ جُملہ کائنات پر خدا کی حکومت ہے اور اختیار و قبضہ ہے یہ سب کچھ انسان کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ خدا زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے کیونکہ وہ ان سب اشیاء کا خالق ہے انسان بھی خدا کی مخلوق ہے۔ اس لئے خدا اس کے سینے کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ انسان کے ارادوں اور اعمال میں صفائی ہو۔ مؤمن کو اپنے گھر کے اندر اور باہر ہر مقام پر عُمدہ اخلاق کا نمونہ دکھانا چاہیئے۔

خدا نے مسلمانوں کو اپنے فضل سے عرفان و آگہی بخشی ہے۔ قرآن پاک جیسی عظیم نعمت سے بہرہ مند فرمایا ہے۔ اور پھر قرآن پاک کی تعلیم محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ کامل اور اکمل ہے۔ اس پر عمل سے انسان میں بلندئی کردار پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے احکام پر عمل کرنے والے مرد اور عورتیں دارین کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور رحمت خداوندی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ہمارے جُملہ اعمال سے آگاہ ہے۔ وہ عمل خیر پر برکات نازل فرماتا ہے۔ قرآن پاک پر عمل سے ہی صحابہ کرام۔ صلحاء۔ عباد۔ زہاد۔ اولیاء و شہداء کے گروہ پیدا ہوئے۔ مردوں ہی میں نہیں عورتوں کے لئے بھی قرآن پاک میں کامل ہدایات موجود ہیں۔ سورۃ نساء میں عورتوں کے لئے مکمل اور مفصّل احکامات موجود ہیں۔

خداوند قدیر کا علم و قدرت وسیع ہے۔ جس پر وہ راضی ہو اس پر زمین و آسمان کی برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اس لئے مرد ہوں یا عورتیں خدا کی رضا کو مدِ نظر رکھیں تاکہ مورد نزول رحمت باری بن سکیں۔ ہم نے ایک مجدّد کو دیکھا جس کا نام نامی میرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ ہے۔ وہ ایک عظیم انسان تھا وہ عامل بالقرآن تھا اور اس کی زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھی اس نے زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق علم کلام پیدا کیا۔ علماء۔ صُلحاء اور عامل بالقرآن لوگوں کی ایک جماعت پیدا کی جو مثالی لوگ تھے۔

آپ نے دیگر مذاہب کے بارہ میں تحقیق کی اور ثابت کیا کہ دینِ اسلام ہی قابلِ قبول دین ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مسلم قوم کو زندہ رکھنے کے لئے مجدّدین و مصلحین کا سلسلہ اسلام میں جاری فرمایا ہے۔

مسلمان قوم سب اقوام کے پیغمبروں پر ایمان لاتی ہے۔ تمام اقوام کے اچھے لوگوں کے عمدہ اوصاف مسلمان کا متاع گم گشتہ ہے۔ جہاں سے اچھائی ملے مسلمان فوراً اپنا لیتا ہے مسلمان کا سینہ فراخ ہوتا ہے عمل سے اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم انسان تھے ان کی کامل اتباع انسان کے اندر عظمت پیدا کرتی اور خدا کا پسندیدہ بنا دیتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انکے صحیح مقام کی پروا نہ کی اور غلو کرنے سے گمراہ ہو گئے۔ ہمیں اللہ کے فضل سے نبی اکرم صلعم کا پُورا اور مکمّل و کامل نمونہ ہمارے سامنے ہے اس پر عمل پیرا ہو کر خدا کا مقبول بن جانا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ ہمارا حامی ناصر ہو۔ آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح ــــ لاہور ــــ مؤرخہ ۲۷ راپریل ۱۹۷۷ء

"طلوعِ اسلام" کے دوسرے سوال کا جواب

طلوع اسلام نے ہم سے دوسرا سوال یہ پوچھا ہے کہ "جہاد بالسیف (یعنی تلوار سے مخالفین کے خلاف جنگ کرنا) قرآن مجید کا حکم ہے اور مرزا صاحب نے کہا تھا :-

"آج سے انسانی جہاد (جو تلوار سے کیا جاتا تھا) خدا کے حکم سے بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریم کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرمایا کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں"۔

(اربعین ۴ صفحہ ۴۷)

حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ـــــ

دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال۔

ان سے پوچھئے کہ جو شخص قرآن کریم کے ایسے اہم حکم کو منسوخ اور حرام قرار دینے کا دعوےٰ کرتا ہے، وہ مسلمان کہلا سکتا ہے؟ اگر وہ لفظی الٹ پھیر سے کام لیں تو ان سے کہئے کہ اس باب میں خود مرزا صاحب نے فیصلہ دے رکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :-

"ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم و تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے"۔ (ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۸)

نہ یہ سوال نیا ہے اور نہ ہی یہ الزام تازہ۔ بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کو بدنام کرنے اور عوام کے ذہنوں میں نفرت کا زہر گھولنے کے لئے شروع سے ہی یہ کہا جاتا رہا ہے کہ احمدیت انگریز کا لگایا ہوا پودا ہے اور اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو انگریز نے اس لئے کھڑا کیا تھا کہ وہ ایسا فتوےٰ دے کر اور اسے اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کے دل سے جذبہ جہاد ختم کر دیں اور اس طرح ہندوستان میں انگریز کی حکومت مستحکم اور مضبوط کرنے میں ممد و معاون ہوں۔ کتنا بودا ہے ان کا یہ استدلال اور کتنی کھوکھلی ہے ان کی یہ دلیل۔ کروڑوں مخالفوں کے مقابلے میں دو تین لاکھ انسان کس طرح انگریز کی مدد کے لئے کمربستہ ہو سکتے تھے۔ اور اگر یہ ہوا ہے تو پھر قرآن کریم کے ان الفاظ کے مطابق کہ :-

"جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں وہ بولے بسا اوقات چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آ گیا اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ (۲ : ۲۴۹)

یہ لوگ اللہ کا حکم ماننے والے تھے۔

ہمارا دو ٹوک جواب یہی ہے کہ اربعین سے نقل کی گئی عبارت میں منسوخ یا تنسیخ کا کوئی لفظ نہیں۔ ناقل نے من گھڑت مفہوم بیان کیا ہے جس کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ صرف مصنف ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی تحریر کے معنی اور مفہوم خود متعین کرے نہ کہ کسی اور کو۔ البتہ شعر میں "حرام" کا لفظ ضرور استعمال ہوا ہے لیکن "حرمت" اور "تنسیخ" قطعاً ہم معنی نہیں اور نہ ہی ان کا مفہوم ایک ہے۔ اردو کی کوئی ڈکشنری ان الفاظ کو مترادف اور ہم معنی نہیں ٹھہراتی۔ تاہم ہم اس کا مختصر تجزیہ قرآن کریم۔ حدیث۔ تاریخ اور جدید نظریات کی روشنی میں کریں گے۔

قرآن کریم سے

اس عبارت میں ہے "خدا کے حکم سے کیا گیا"۔ ہم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ خدا کا حکم کیا ہے؟ تلوار سے جہاد کو قتال یا جنگ کہا گیا ہے۔

۱۔ سورۃ الحج ۳۹ کے الفاظ کا ترجمہ ہے "ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے" اور آیت ۴۰ کے شروع کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے "اور وہ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارہ میں نازل ہوئی۔

(۲) "انہوں نے کہا کہ ہمارا کیا عذر ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہم اور ہمارے بیٹے گھروں سے نکالے گئے"

(۲ : ۲۴۶)

(۳) "اللہ تعالےٰ تمہیں ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (۶۰ : ۸)

(۴) "اللہ تعالےٰ صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے۔ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی اور جو ان سے دوستی کرتے ہیں تو وہی ظالم ہیں۔

(۶۰ : ۹)

قرآن کریم کی یہ چاروں آیات جنگ یا قتال کی شرائط بیان کرتی ہیں جو یہ ہیں :-

۱۔ لڑائی کی اجازت ان لوگوں کو ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔

۲۔ یہ لڑائی دین کے بارے میں ہو یعنی جو اسلام میں داخل ہوئے انہیں یہ دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔

۳۔ دین کی وجہ سے انہیں گھروں سے نکالا جائے اور ان پر ظلم و ستم کیا جائے۔

ان شرائط کے علاوہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے احسان اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو دین کی وجہ سے جنگ نہیں کرتے اور نہ کسی کو گھر چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ مسیح موعود ۹۱-۱۸۹۰ء کا ہے جہاد کے متعلق آپ نے اس کے بعد لکھا ہے ہم "طلوعِ اسلام" سے پوچھتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۴۷ء تک کیا انگریزوں نے دین کی وجہ سے مسلمانوں کو گھروں سے نکالا اور ان کے خلاف دین کی وجہ سے جنگ کی اور اسلامی شعائر کی بجا آوری سے کسی کو روکا اور مارا پیٹا؟ اگر ایسا ہوتا رہا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مولوی نذیر احمدؒ دہلوی۔ رشید احمد گنگوہی۔ محمد حسین بٹالوی ثناء اللہ امرتسری اور سید احمد خان نے ان کے خلاف جہاد کا فتوےٰ نہ دیا۔ اور جنگ نہ کی بلکہ ان سے پورا پورا تعاون کرتے رہے اور القابات اور انعام و اکرام پاتے رہے۔ کیا خود پرویز

صاحب کا ایسا کوئی فتویٰ ہے یا انہوں نے اور ان کے مریدوں نے انگریز کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ ہمیں تو اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ پرویز صاحب بجائے اس کے مُدتوں انگریز کے دفتر کی فائلیں کھولتے اور باندھتے رہے ہیں۔ کیا ان کے نظریات کے مطابق یہی جہاد بالسیف تھا؟ حضرت مرزا صاحب کو الزام دیتے ہیں وہ کہاں تک انصاف پر ہیں جنہوں نے قولاً اور عملاً نہ صرف تلوار کے جہاد بلکہ قلم کے جہاد کو بھی منسوخ کئے رکھا۔ حضرت مرزا صاحب کے زمانے کے کسی ایک عالم کا نام لیجئے جس نے انگریز کے مذہب کے خلاف قلم اُٹھانے کی جُراُت کی ہو۔ اس کے برعکس وہ تو حضرت نبی کریم صلعم کو گالیاں دینے والے عیسائیوں اور آریوں کا ساتھ دیتے رہے۔ کیا فتویٰ ہے "طلوع اسلام" کا ان لوگوں کے بارے میں؟ اس کے علاوہ اس دَور کے عالم اسلام پر نظر دوڑا کر بتائیے کونسا اسلامی مُلک تھا جس نے دین کی خاطر تلوار اُٹھائی۔ سب سے بڑی اسلامی سلطنت، سلطنتِ عثمانیہ تھی کتنی جنگیں اس نے اسلام کی خاطر لڑیں۔

پرویز صاحب کے رُوحانی پیشوا علامہ اقبال فرماتے ہیں:—

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس چودھویں صدی ہجری میں وہ کون مومن ہے جس نے بے تیغ دشمنِ اسلام کا مقابلہ کیا۔ اس کے برعکس شمشیر اُٹھانے والوں کے لئے تو علامہ کا فتویٰ بھی صاف ظاہر ہے۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:—

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

اور پھر فرماتے ہیں:—

یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابل۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہے۔ جس قسم کے ہتھیار لے کر وہ میدان میں آئے ہیں اس قسم کے ہتھیار لے کر نکلنا چاہئے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سُلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذُوالفقار علی فرمایا"

ہمیں سیف کا ذکر تو قرآن کریم میں کہیں نظر نہیں آیا البتہ "قلم" کا ذکر حضرت نبی کریم صلعم کی پہلی اور دوسری وحی میں موجود ہے (العلق القلم) اور "اقلام" کا لفظ سورۃ لقمان اور قلم کے ذریعہ علوم و فنون کی اشاعت کا ذکر "التکویر" میں۔

منقولہ عبارت میں "تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے" اور "میرے ظہور کے بعد تلوار کا جہاد کوئی نہیں" کے الفاظ میں ایک زبردست پیشگوئی بھی ہے کہ تلوار کا وجود بطور جنگی ہتھیار کے ختم ہو جائے گا۔ اور اس کی جگہ دوسرے خوفناک اور مہلک ہتھیار لے لیں گے۔ آج سارے مسلمان مل کر بھی تلوار اُٹھا کر جہاد کے لئے نکلیں تو ایک اسرائیل کو ختم نہیں کر سکتے۔ تلوار کا جہاد تو خود بخود ہی عملاً منسوخ ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت مرزا صاحب کو کیوں الزام دیتے ہیں۔

حدیث — پہلے سوال کے جواب میں ہم ایک حدیث نقل کر چکے ہیں یہاں اس کا ترجمہ لکھ دینا ہی کافی ہوگا:—

"امام بخاری (حضرت) ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابنِ مریم حکم عدل ہو کر تم میں مامور ہوگا اور صلیب کو پامال اور خنزیر کو قتل کرے گا اور جنگ و جدال کو اُٹھا دے گا"

اس حدیث کے مطابق اگر حضرت مرزا صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ:—

"مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں"

تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مدنظر ایسا لکھا ہے اور کہا ہے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے بلکہ آپ کا یہ ایمان اور یقین تھا کہ آنحضرت صلعم کے فرمان میں آپ کی خواہشِ نفس کو کوئی دخل نہیں۔ یہ حدیث بارہ تیرہ سو سال سے چلی آ رہی ہے۔ کسی نے اس پہ اعتراض نہیں کیا نہ عربوں نے نہ عجمیوں نے کہ یہ غلط ہے اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے کوئی تیرہ سو سال پہلے واقع ہونے والی حدیث اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے خود گھڑ کر بخاری یا دوسری کتب احادیث میں داخل کر دی۔ اس لئے اب کوئی "کافر پر تلوار اُٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے" تو وہ رسول کریم صلعم کی نافرمانی کرتا ہے۔

چونکہ پرویز صاحب اور ان کے مرید روایات کے قائل نہیں اس لئے ہم انہیں تاریخ کی طرف لے چلتے ہیں جن سے ان کو انکار نہیں ہو سکتا۔

تاریخی واقعات — ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ قتال کے لئے اجازت کی پہلی آیت سورۃ الحج میں ہے اور یہ سورۃ مکی تصور کی جاتی ہے اگرچہ اس کی چند آیات کے متعلق خیال ہے کہ مدنی ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مدینہ پہنچتے ہی آنحضرت صلعم اپنی طاقت جمع کرتے اور ارد گرد کے قبائل پر یلغار کر کے انہیں بزورِ شمشیر اسلام لانے پر مجبور کرتے لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ ان قبائل سے جنگ نہ کرنے اور سیاسی نوعیت کے معاہدے کرتے ہیں۔ ان میں بنو ضمرہ — بنو مدلج — یہود اور دیگر قبائل شامل ہیں۔ سب سے بڑا اور مشہور معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوتا ہے جس میں کمزور ترین شرائط بھی قبول کر لی جاتی ہیں مگر اسے فتح مُبین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہم طلوع اسلام سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کافروں کو تلوار کے ذریعے دینِ اسلام میں شامل کرنے کا جہاد کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو چکا تھا تو آنحضرت صلعم جو اپنے آپ کو "اوّل المسلمین" کہتے ہیں اور جن کی شجاعت مردانگی اور جُراُت کا یہ عالم ہے کہ تن تنہا میدانِ جنگ میں کھڑے اپنے ساتھیوں کو یہ کہکر واپس بلا رہے ہیں کہ:—

"اے خدا کے بندو میری طرف آؤ۔ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان بھی سرنگوں ہیں کس طرح اللہ تعالےٰ کے اس حکم تعمیل نہ کرتے ہوئے مخالفین اسلام سے معاہدے کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ کیا مجبوری تھی۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ پوری طاقت مجتمع کرنے تک انتظار کر رہے تھے؟ اگر آپ کا یہی خیال ہے تو آپ کے زمانے میں ہونے والے کسی غزوہ یا سریہ کا نام بتا دیجئے جس میں مسلمانوں کے لشکر کو سامانِ حرب میں اور عددی فوقیت حاصل تھی — اور اس میں "فتح" کے سارے کافر مسلمان ہو گئے۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ آپ ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے۔ فتح مکہ کے وقت "لا تثریب علیکم الیوم" کہنے کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ ایک ایک کی گردن پر تلوار رکھ کر کہتے "پڑھو کلمہ ورنہ گردن اُڑا دی جائے گی"۔

آپ لوگوں کی طرف سے پیش کردہ اسلام کا یہی نقشہ تھا جس نے مغرب کے دلوں میں نفرت و عداوت کی چنگاریاں بھڑکائیں - اور خون خرابہ ہوا - مسلمان یہاں انگریزوں کا غلام تھا - لیکن آج اسی انگریز کے جزیرہ میں لاکھوں مسلمان اُس کی معیشت کا ستون بنے ہوئے ہیں - تلوار لے کر اسے ختم کیوں نہیں کر دیتے - انگریز کے ٹکڑوں پر پلتا کوئی غیرت کا مقام ہے؟ مونٹ بیٹن اور ریڈ کلف بھی تو اُسی کے نمائندے تھے - قائدِ اعظم نے پاکستان تلوار کے زور پر لیا یا علم اور قلم کے زور پر -

جدید نظریات

ہم اس بارے میں صرف ایک ہی مثال پیش کرنے پر اکتفا کریں گے طلوعِ اسلام کو امام مسجد نبویؐ جناب شیخ عبدالعزیز بن صالح کا دورۂ پاکستان تو یاد ہوگا - آپ نے فرمایا:—

"دشمنانِ اسلام نے سیاست - مال و دولت اور اسلحہ سے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی مگر جب اس میں ناکام ہوئے تو انہوں نے اپنے انداز بدل لئے دشمنوں نے ہمارے خلاف ایک ایسا اسلوب بھی اختیار کیا ہے جس کی منصوبہ بندی کافی عرصہ پہلے کر لی گئی تھی اور یہ منصوبہ مسلمانوں کی نئی پود کے اسلامی عقائد کو متزلزل کر کے انہیں شک و شبہات میں مبتلا کرتا ہے .... پھر دشمن طاقتوں کی طرف سے افکار کے حملوں کی صورت میں نئی جنگ شروع کر دی گئی۔"

(نوائے وقت - اشاعتِ خاص - ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء)

امام مسجد تو عرب ہیں - عالم ہیں وہ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کے معنی اور مفہوم "عجمی" کی نسبت زیادہ بہتر جانتے ہیں - صرف جہاد بالعلم اور "جہاد بالقلم" پر زور دینے اور "جہاد بالسیف" کا نام نہ لینے کی وجہ سے طلوعِ اسلام کا ان کے خلاف کیا فتوے ہوگا - اور کیا انہوں نے یہ فرمان نبویؐ کی تصدیق میں فرمایا یا اس کے خلاف؟ ہم بھی آپ سے دو ٹوک جواب مانگتے ہیں -

دلوں میں مال کی محبت کم کرو

اسلام کی تاریخ میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ قرآن کے ذریعے دنیا میں انقلاب پیدا کرنیوالے وہی لوگ ہوئے ہیں جن کا خدا سے تعلق بہت بلند تھا - اور جن کے دل پاک تھے ...... ہمارا کام بھی قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے - اس لئے میں آپ کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہو جائیں اور ہمارا تعلق خدا سے ہو جائے -

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسان کا دل پاک اس وقت ہوتا ہے جب خدا کی محبت کے سوا دل سے ساری محبتیں دور ہو جائیں - سب سے بڑی محبت مال کی ہے اور کوئی اتنا بڑا بُت نہیں جس کے سامنے لوگ جھکتے ہیں جتنا کہ مال کی محبت کا بُت ہے - اس بُت کو دل سے نکال کر خدا کی محبت کو پیدا کرنا فی الحقیقت پہلی چیز ہے جو انسان کے دل کو پاک کرتی ہے - بڑے صاف الفاظ میں آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے:—

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها -

ان کے مالوں سے صدقہ لے - اس سے تو انہیں پاک کرے گا اور صاف کرے گا - (ماخوذ)

از مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم و مغفور

اسلام میں خیرات و صدقات

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مسلمان خیرات و صدقات میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے تھے - وہ اپنا مال بے دریغ غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیتے تھے - ان کی بڑی سے بڑی خوشی یہ تھی کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ خدا کے رستہ میں خرچ کر دیں - جب صدقات کے متعلق قرآن مجید میں حکم نازل ہوا تو ہمارے نبیؐ کے صحابہؓ منڈی میں چلے جاتے اور وہاں سے محنت مزدوری کر کے کچھ کما لاتے اور جو کچھ کماتے وہ غریبوں اور مسکینوں کی نذر کر دیتے - خود بھوکے رہتے مگر دوسروں کو دے دیتے - اس زمانہ میں مال جمع کرنے کا خیال بھی نہیں آتا تھا - بلکہ بعض لوگ تو مال جمع کرنا گناہ سمجھتے تھے - آج کل یہ سوال بار بار پیدا ہو رہا ہے کہ دولت چند افراد کے ہاتھ میں ہی جمع نہیں ہونی چاہیئے بلکہ تمام لوگوں کے پاس برابر ہونی چاہیئے - اس زمانہ میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ کسی کے پاس مال ہی جمع نہیں ہوتا تھا - جس کے پاس کچھ زیادہ مال ہوتا تھا وہ دوسروں میں تقسیم کر دیتا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ صدقہ دینے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے - اور ہر ایک کے دل میں یہی تڑپ تھی کہ میں اس کام میں دوسروں سے بڑھ جاؤں - پھر ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ لوگ جو کچھ دیتے تھے دکھاوے کے لئے نہیں دیتے تھے یا اس خیال سے نہیں دیتے تھے کہ لوگ اُن کی تعریف کریں - بلکہ وہ محض خدا کو خوش کرنے کے لئے دیتے تھے اب اس بارہ میں ہم کچھ واقعات سناتے ہیں:—

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال آ گیا - اُنہوں نے سوچا کہ آج تو میں سخاوت میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا - اس خیال سے انہوں نے آدھا مال لیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جا رکھا کہ حضور اس کو راہِ خدا میں تقسیم فرمادیں - حضور صلعم نے پوچھا "عمر! کچھ گھر میں بھی چھوڑ آئے یا نہیں" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "یا رسول اللہ! آدھا مال لے آیا ہوں اور آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں" - اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور اپنا مال حضورؐ کے پیش کیا - حضور صلعم نے آپ سے بھی یہی سوال کیا اور پوچھا:— "ابوبکرؓ! کچھ بیوی بچوں کے لئے بھی چھوڑ کر آئے؟" آپ نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! بیوی بچوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کا نام ہی کافی ہے -"

مطلب یہ کہ جو کچھ گھر میں تھا سب لے آیا ہوں - یہ تھا جوش اس زمانہ کے مسلمانوں کے دل میں - گھر کا گھر خدا کے رستہ میں لٹا دیتے تھے - اور ان کو ذرا فکر نہ ہوتا تھا کہ خود کیا کھائیں گے اور کس طرح سے زندہ رہیں گے - وہ خدا کے رستہ میں دیتے تھے اور خدا ان کو دیتا تھا - چند سالوں کے اندر اندر ہی مدینہ میں اس قدر زر و مال آیا کہ خیرات لینے کے لئے کوئی مسکین نہیں ملتا تھا - خلیفہ مال دیتا اور لوگ یہ کہکر انکار کر دیتے کہ ہمارے ہاں پہلے ہی کافی ہے - بے شک جو خدا کے رستہ میں دیتے ہیں خدا ان کو بہت دیتا ہے -

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے زرعی زمین کا ایک وسیع قطعہ حاصل کیا - آپ نے پسند نہ فرمایا کہ اس

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲)

آنحضرت صلعم، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہؒ نے خود خدا کو دیکھا اور دوسروں کو دکھایا۔
قرآن کریم نے لقاء اللہ کے بلند ترین مقام پر پہنچایا

(حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن کریم نے جس کمال پر انسان کو پہنچایا ہے وہ بلند ترین مقام ہے جس کو یہ انسان حاصل کر سکتا ہے۔ بدیوں سے بچایا۔ اور بڑی بڑی باریک بدیوں سے بچایا۔ نیکی اور اطاعت کے مقام پر پہنچایا۔ اور بڑے بڑے بلند اخلاق پیدا کئے۔ مگر ان سب سے اوپر ایک مقام ہے اس پر بھی اسلام نے انسان کو پہنچایا اور وہ اللہ سے ملا دیا ہے جس کو قرآن میں لقاء اللہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لقاء اللہ کے لفظی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات۔ اس پر قرآن شریف نے بڑا زور دیا ہے۔ اتنا زور دیا ہے کہ اس کو انسان کی زندگی کی آخری غرض بتایا ہے اور اس کے لئے بڑی جد و جہد کا حکم دیا ہے یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملقیہ۔ اے انسان تجھے بڑی جد و جہد کرنی پڑے گی۔ بڑی سخت مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنے ربّ سے جا ملے گا۔ آخرت میں جو لقاء اللہ کا مقام ہے۔ اس کو تو اس دنیا میں کون بیان کر سکتا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں بھی انسانوں کو لقاء اللہ کے بلند مقام پر پہنچایا نہ صرف پہنچا دیا بلکہ اب بھی پہنچاتے رہتے ہیں

ایک انگریز کا مضمون رسول اللہ صلعم کے متعلق

لائٹ ـ ایک پرچہ میں ایک انگریز میجر آرتھر گلین لیونارڈ کا مضمون چھپا تھا یا اس کی کتاب میں سے لیا گیا تھا۔ اس مضمون کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جن کو ہم کافر کہتے ہیں شاید انہوں نے محمد رسول اللہ صلعم کا مقام بہت سے مسلمانوں سے بہتر سمجھا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کو ایک گھاس کے تنکے میں بھی خدا نظر آتا تھا۔ ایک پانی کے بلبلہ میں بھی خدا دکھائی دیتا تھا۔ ہر چیز میں آپ کو خدا نظر آتا ہے اور ایک اور بات اس نے بڑی عجیب لکھی۔ وہ کہتا ہے اسلام کی جان محمد رسول اللہ صلعم کی روح ہے اسلام نہیں مر سکتا۔ تنزل کی حالت میں نہیں جا سکتا۔ جب تک محمد رسول اللہ صلعم کی روح اس میں موجود ہے۔ اس وقت تنزل پذیر ہوگا اور اس وقت ختم ہوگا جب محمد رسول اللہ صلعم کی روح ختم ہو جائے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ آپ کا جسم فانی تو ضرور مر گیا مگر آپ کی روح آج بھی ایک ایسی ہی آواز میں دنیا میں باتیں کر رہی ہے جو لاکھوں زبانوں کی زبان ہے۔

محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت لقاء اللہ کے بلند مقام پر پہنچاتی ہے

تو صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات میں خدا نظر آتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ آپ نے خدا کو نہ صرف خود دیکھا بلکہ دنیا کو دکھا دیا۔ میں نے کہا تھا لقاء اللہ کا مقام آپ نے بھی حاصل کیا اور دوسروں کو بھی اس مقام پر پہنچایا۔ لقاء اللہ کس کو کہتے ہیں۔ دو دوست ایک دوسرے سے ملیں آمنے سامنے ہوں یہ ان کا ایک دوسرے سے لقاء ہے۔ بعینہٖ نبی کریم صلعم نے خدا کا لقاء حاصل کیا۔ اور دوسروں کو کرایا۔ خدا کی ہستی کو آپؐ ایسا محسوس کرتے تھے کہ ہر چیز میں آپ کو خدا کی ہستی نظر آتی تھی۔ نہ صرف آپؐ خود ہی خدا کو دیکھتے تھے۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی آپ نے اس مقام پر پہنچا دیا جو آپؐ کی صحبت میں بیٹھے یا آپ کے پیچھے آئے اور آپؐ کی اطاعت اختیار کی۔ یہ اولیاء اللہ کا وجود جو اُمت محمدیہ میں پایا جاتا ہے۔ اس بات کا شاہد ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت لقاء اللہ کے بلند مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

خدا سے ملنے کے لئے جہاد فی اللہ کا حکم

فی الحقیقت سورۃ حج کی آخری آیت وجاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ اور سورۃ عنکبوت کی آخری آیت میں جہاد فی اللہ کا لفظ آیا ہے یوں تو سارا قرآن جہاد ہی کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے لیکن لفظ جہاد فی اللہ کا ذکر صرف انہی دو آیات میں کیا ہے۔ جہاد فی اللہ دراصل اس جد و جہد کا نام ہے جو انسان خود خدا سے ملنے کے لئے کرتا ہے جاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ میں تو حکم کے رنگ میں جہاد فی اللہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کو عمل میں لانے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت گویا اس عمل کے متعلق ہے جو خدا سے ملنے اور دوسروں کو ملانے کے لئے انسان کو کرنا چاہیئے۔

خدا سے ملنے کے لئے یقین اور ایمان کی قوت

اور قرآن پاک کی اس آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں یقین اور ایمان کی وہ قوت پیدا کی ہے کہ جس سے انسان اس مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔ جو لوگ جہاد فی اللہ کرتے ہیں اور اللہ سے ملنے کے لئے جہاد کرتے ہیں ان کو ہم اپنے ملنے کا رستہ دکھا دیتے ہیں۔ ان کے اندر ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے، ایسا ایمان اور یقین ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ نہ صرف خود خدا کو دیکھ لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی دکھا دیتے ہیں۔ اس کو اسلام کی روح کہنا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ایمان و یقین اور خدا کو دیکھنے کی قوت اپنے ساتھیوں میں پیدا کی، بعد میں آنے والوں کے اندر بھی یہی قوت پیدا کر دی۔ تاریخ کو اگر دیکھا جائے تو واقعی ان میں سے ایک ایک شخص اس مقام پر پہنچا ہوا تھا کہ نہ صرف خود خدا کو دیکھتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی دکھا دیتا تھا۔

خدا نمائی نبی کریمؐ اور اولیاء کا کام تھا

یہ خدا نمائی یعنی خدا کو ملنے اور ملانے کا سلسلہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام تھا اور یہی وہ چیز تھی جو آپ نے اُمت میں پیدا کر دی۔ خدا کو خود دیکھنا اور دوسروں کو دکھانا، خدا سے ملنا اور دوسروں کو ملانا۔ یہ ہمارے بزرگان دین اور اولیاء اللہ کا کام تھا۔ بڑا بھاری گروہ اولیاء اللہ کا ہوا ہے جو نہ صرف خود خدا سے ملے بلکہ دوسروں کو بھی ملاتے رہے

بلادِ غیر سے تبلیغی خط و کتابت کا خلاصہ

(مرتبہ سیکرٹری کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر)

جزائر غرب الہند۔ ٹرینیڈاد:۔ مقامی احمدیہ انجمن کے سیکرٹری جناب اقبال ہائیڈل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ٹرینیڈاد و ٹوبیگو کا دوسرا سالانہ جلسہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۶ء کو منعقد ہوا جس میں اڑھائی سو حاضرین شریک ہوئے اور سال ۱۹۷۶ء کی کارگذاری کا جائزہ لیا گیا۔ دوران سال ۱۹۷۶ء انجمن کی مجلس انتظامیہ کے ماہانہ جلسے پوری باقاعدگی سے ہوتے رہے اور ایک سہ ماہی اجلاس بھی ہوتا ہے جس میں تمام مقامی ممبران کے علاوہ بیرونی جماعتوں کے نمائندے بھی شریک ہوتے ہیں۔ مرکزی انجمن لاہور کے تتبع میں ۲۶ر دسمبر کو سالانہ جلسہ بھی منعقد کیا جاتا ہے۔ سال ۱۹۷۷ء کے لئے حسب ذیل عہدیداران منتخب ہوئے:۔

صدر: جناب الحاج عزیز احمد صاحب۔ نائب صدر: جناب عنایت محمد صاحب۔ جنرل سیکرٹری: جناب اقبال ہائیڈل صاحب۔ سیکرٹری نشر و اشاعت: جناب ڈاکٹر حمزہ رفیق صاحب۔ خزانچی: جناب محمد رفیق صاحب۔ سربراہ امور مذہبی: جناب مصطفےٰ کمال ہائیڈل صاحب۔ ٹرسٹیان جناب قیوم محمد صاحب۔ جناب حنیف رمضان صاحب اور جناب فاروق محمد صاحب۔ عہدیداران کے علاوہ بیس ممبران پر مشتمل مجلس انتظامیہ کا انتخاب کیا گیا اور چار سب کمیٹیاں ترتیب دی گئیں جو اپنے اپنے دائرہ عمل میں خدمات سرانجام دیں گی۔ کمیٹی برائے دعوت و تبلیغ نے ۱۹۷۶ء کو "جہاد اکبر" کا سال قرار دیتے ہوئے ٹرینیڈاڈ کے مختلف علاقوں میں تبلیغی مجالس منعقد کی تھیں۔ ان مجالس کے دوران لاؤڈ سپیکر اور پبلک ایڈریس سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی جو ممبران کے عطیہ جات سے خرید لیا گیا۔ تبلیغی مجالس کے علاوہ عید میلاد، معراج النبی سہ ماہی مجالس اور سالانہ جلسہ بھی اسی کمیٹی کے زیر انتظام منعقد ہوتا ہے کمیٹی برائے تصنیف و تالیف نے ۱۹۷۶ء میں انگریزی میں مختصر سا ماہوار رسالہ THE CALL جاری کیا تھا جو ۱۵۰۰ کی تعداد میں چھپتا ہے اور مفت تقسیم ہوتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں یہ رسالہ چار کی بجائے آٹھ صفحات پر شائع ہوگا اور گیانا جماعت کی فرمائش پر اس کی تعداد بھی تین ہزار کر دی گئی ہے جس کے نصف اخراجات وہ برداشت کریں گے۔ اسی کمیٹی نے دو کتابچے بھی شائع کئے ہیں۔ یعنی "اسلامی نماز" اور "قرآن مجید کی دعائیں"۔ ۱۹۷۷ء کے لئے مفصل پروگرام بھی ترتیب دیا گیا ہے۔

ٹرینیڈاڈ کے تیسرے سہ ماہی اجلاس میں مرکزی انجمن لاہور کے نائب صدر اور کمیٹی بلاد غیر کے چیئرمین جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے بھی شمولیت فرمائی اور ٹرینیڈاڈ جماعت کی کارگذاری سے بہت متاثر ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب محترم کا ورود بہت سے روحانی فوائد اور جماعت کی توسیع اور استحکام کا موجب ہوا۔ اس موقعہ پر اکیس افراد نے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہاتھ پر بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ دوران سال اس انجمن کے بعض جلسوں میں جناب ایم بی لیلین صاحب صدر جماعت گیانا اور مسٹر رحمن از گیانا نے بھی شمولیت فرمائی اور انجمن کو مفید مشوروں سے نوازا۔ سال زیر رپورٹ کا ایک اہم واقعہ "تنظیم خواتین" کا قیام ہے۔ احمدیہ خواتین کی یہ ایسوسی ایشن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ٹرینیڈاد کی معاون اور دست راست ثابت ہوگی۔ اس تمام خاطر خواہ کارگذاری کے لئے مبلغ انچارج جناب مصطفےٰ کمال ہائیڈل صاحب کی مساعی لائق تحسین ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اس انجمن کے قیام اور اس کے آئین کی منظوری کا معاملہ عنقریب ملکی پارلیمنٹ میں پیش ہو رہا ہے۔ احباب کرام اس کو زائیدہ جماعت کی توسیع و استحکام کے بہت دعا فرماویں۔

گیانا } ہمارے مخلص احباب جناب ایم بی لیلین صاحب (صدر جماعت گیانا)، اسمٰعیل علی صاحب۔ عباس علی خان صاحب۔ مولنٰا محمد رشید صاحب۔ قاضی عبدالرحمٰن اور مولوی ایوب صاحب۔ انفرادی اور اجتماعی رنگ میں خدمت دین کے کام میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ اور محترمہ صفورہ ضیاءالدین صاحبہ باقاعدگی سے "قرآن کلاس" کو پڑھاتی ہیں اور ان کے بعض ہونہار شاگردوں نے حضرت ڈاکٹر صاحب محترم کے گذشتہ دورہ پر بیعت کرکے سلسلہ میں شمولیت اختیار کی تھی اور وہ مرکز لاہور سے خط و کتابت بھی کرتے ہیں۔

سُرینام } سے کوئی تازہ رپورٹ تاحال موصول نہیں ہوئی لیکن اس جماعت کے نمائندہ حاکم علی صاحب نے جو حال ہی میں لاہور تشریف لائے تھے مفصل حالات سے اطلاع دی ہے اور بتایا ہے کہ گذشتہ دو تین سال سے وہاں کی جماعت پر جو کمزوری اور جمود کی کیفیت طاری ہوگئی تھی اللہ تعالےٰ کے فضل سے وہ جماعت اس سے نکل آئی ہے اور نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ اپنے آپ کو منظم و مستحکم کر رہی ہے۔ سرینام میں مقیم جاوا کے احمدی احباب ان انڈونیشی طلباء میں جو اس وقت مرکز لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اور جناب ناتا پرادیرا کے خطوط اس سلسلہ موصول ہوئے ہیں۔

ہالینڈ } ہمارے محترم دوست مولانا عبدالرحیم جگو صاحب مشنری انچارج ہالینڈ اطلاع دیتے ہیں کہ ہالینڈ کے شہر ہیگ میں ایک وسیع اور باموقع مکان تبلیغی مرکز کے لئے خرید لیا گیا ہے جس کی نصف قیمت ادا ہو چکی ہے اور نصف باقی ہے۔ کل خرچ کا اندازہ چار لاکھ روپے کے قریب ہے جس کی فراہمی کے لئے پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ہالینڈ میں چھ مختلف مقامات پر جماعتیں اللہ تعالےٰ کے فضل سے قائم ہو چکی ہیں اور جگو صاحب محترم حسب پروگرام ان جماعتوں کا دورہ کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مکرم انچارج برلن مشن نے ہالینڈ کا دورہ کیا اور چار روز قیام فرمایا۔ آپ یکم اپریل کو اوٹرخت تشریف لائے اور نماز جمعہ میں امامت فرمائی۔ اسی روز شام کو جماعت کے ایک اجتماع میں بھی آپ نے تقریر فرمائی۔

۲ر اپریل کو ہیگ اور ۳ر اپریل کو ایمسٹرڈم تشریف لے گئے اور وہاں کی جماعتوں سے بھی خطاب فرمایا۔ جس سے حاضرین بہت متاثر اور محظوظ ہوئے۔ ہالینڈ میں یہ تجویز زیر غور ہے کہ ہالینڈ جرمنی اور انگلستان کی جماعتیں مل کر احمدیہ کانفرنس کا انعقاد کریں۔

سالِ گذشتہ ہالینڈ کے دوستوں نے جرمنی کا دورہ کیا تھا۔ اس مرتبہ وہ پیرس، بلجیم اور انگلستان کے دورہ کا پروگرام بنا رہے ہیں صدر انجمن لاہور نے ہالینڈ میں تبلیغی ضروریات کے پیش نظر سال گذشتہ پانچ کتابیں ڈچ زبان میں شائع کی تھیں جو انہیں بھیجی جا رہی ہیں۔ اور اس وقت دو مزید کتب زیر طبع ہیں۔

انگلستان } برلن مشن و لندن مشن کی کارگذاری کی روئداد براہ راست اخبار میں آجاتی ہے جو امام صاحب وقتاً

وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اطلاعات احباب کی دلچسپی کا موجب ہوں گی کہ لندن میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے ایک فعال اور مخلصین کی جماعت احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) یو کے قائم ہو چکی ہے جو بہت مفید کام کر رہی ہے۔ ۲۷ر مارچ گذشتہ کو اس کے نئے انتخابات ہوئے جن میں محترمہ جمیلہ خان صاحبہ (صدر) مسٹر شاہد عزیز (سیکرٹری) مسٹر مشتاق ملک (خزانچی)، اور ان کے علاوہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ، مسٹر مجید علی، مسٹر حفیظ عزیز، مسٹر خالد اقبال مسٹر اے رحمان اور مس ایوجی طفیل صاحبہ پر مشتمل مجلس انتظامیہ منتخب کی گئی ہے جس کے اجلاس وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے ہیں۔ جماعت کے احباب نے ایک "کونسل فار پراپیگیشن آف اسلام" بھی ترتیب دی ہے اور آفسٹ پرنٹنگ کے لئے ایک مشین بھی خرید رہے ہیں، جس کی قیمت دو صد پونڈ ہے۔ اور بیشتر حصّہ وہ عطیات سے جمع کر چکے ہیں اس میں مرکزی انجمن لاہور نے بھی پچاس پونڈ کی رقم ادا کی ہے۔ یہ کونسل اس وقت تک تین نہایت مفید ٹریکٹ شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کر چکی ہے ان کے عنوان حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام کیا ہے (۲) موعود نبی (۳) اسلام

جماعت کی تنظیم و استحکام، چندہ کی باقاعدہ وصولی، نماز جمعہ کا اہتمام قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام اور مختلف مقامات پر جماعت کی شاخہائے کے قیام پر مستعدی سے عمل ہو رہا ہے۔ جس کے لئے جماعت کے مخلص اور مستعد سیکرٹری جناب شاہد عزیز صاحب کی مساعی بالخصوص قابل شکریہ اور لائق تحسین ہیں۔ ہماری مرکزی انجمن لاہور کے ایک محترم اور مخیّر بزرگ جناب چوہدری ظہور احمد صاحب نے "محمد دی پرافٹ (انگریزی) اور لونگ تھاٹس آف دی پرافٹ محمد" کی سو سو کاپیاں لندن کی جماعت کو تحفتہً ارسال فرمائی ہیں تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق انہیں تقسیم کریں۔

بھارت } ہندوستان کے مختلف علاقوں سے احباب کے خطوط باقاعدگی سے وصول ہوتے ہیں اور انہیں اخبارات اور لٹریچر اور مطلوبہ کتب بھیجی جاتی ہیں۔ ہمارے کشمیر کے احباب اور بمبئی کے دوست جو گذشتہ جلسہ سالانہ پر لاہور آنا چاہتے تھے اور اجازت نہ ملنے کی وجہ سے نہ آ سکے اپنی اس محرومی پر بہت متاسف ہیں اور احباب سے دُعا کے ملتجی ہیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں ۱۹۷۷ء کے جلسہ میں شمولیت کا موقعہ عنایت فرمائے۔ ہمارے مخلص دوست پروفیسر نورالدین زاہد صاحب نے ایک مفصل خط میں کشمیر کے تازہ حالات سے اطلاع دی ہے، اور جماعت کی روز افزوں سرگرمیوں اور تبلیغی کاوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز ہمارے غیر ملکی وفود جنہوں نے سخت سردی کے موسم میں کشمیر کا دورہ کیا یعنی ہالینڈ کے احباب زیر سرکردگی مولانا جگو صاحب اور جناب شیخ محمد طفیل صاحب امام لندن مشن اور ڈاکٹر علی جینے صاحب جو جنوبی افریقہ سے تشریف لائے تھے ان کی احباب کشمیر سے ملاقات کے تاثرات رقم فرمائے ہیں۔ پروفیسر زاہد صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ہندی ترجمۃ القرآن کا کام جاری ہے۔ نیز کلکتہ میں ہمارے ایک دوست حفیظ اللہ قریشی صاحب شال مرچنٹ نے حضرت امیر مرحوم و مغفور کے رسالہ "اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی" اور جناب شوہد صاحب کی تالیف "مسیح کشمیر میں" کا بنگالی زبان میں ترجمہ کرایا ہے جو عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہوگا۔ کشمیر سے چھپنے والا ماہانہ "اشاعت الحق" باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے جو سرینگر۔ بھدرواہ اور دیگر مقامات پر احباب بفضلہ تعالےٰ دینی سرگرمیوں میں حسب سابق مصروف ہیں ÷

اسلام میں خیرات وصدقات ـــــ بسلسلہ صہ ۵

کی پیداوار کو اپنی ذات پر خرچ کریں۔ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کی "یا رسول اللہ! ایک بہت قیمتی زرعی جائداد میرے پاس ہے۔ میں اس کو کس مصرف میں لاؤں جو میرے لئے ثواب کا موجب ہو"۔ حضور صلعم نے فرمایا آپ اسکو صدقہ میں دیدیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً تعمیل کی اور اس قطعہ زمین کو غریبوں مسافروں اور رشتہ داروں کے لئے وقف کر دیا"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ نے ابیؓ بن کعب کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ ایک جگہ گئے اور وہاں کے ایک مسلمان نے گھر کا سارا مال و متاع لاکر آپ کے سامنے رکھ دیا۔

حضرت ابیؓ بن کعب نے اس شخص کی تمام جائداد کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگایا اور کہا تمہاری زکوٰۃ محض ایک مادہ بچہ شتر نکلتی ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ میرے پاس جو بچہ شتر ہے وہ نہ تو سواری کے قابل ہے اور نہ ہی دودھ دیتی ہے۔ اس کے بدلے میں میں آپ کو ایک خوب موٹی تازی اونٹنی دیتا ہوں۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے کہا یہ تو لینے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔ ہاں اگر حضرت نبی کریم صلعم اس کی اجازت دے دیں تو الگ امر ہے۔ اس وہ دونوں حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلعم نے دونوں کے بیانات سن کر فرمایا۔ " ازروئے شریعت تو تمہیں ایک مادہ بچہ شتر ہی دینا پڑتا ہے۔ لیکن اگر تم بڑی اونٹنی دینا چاہتے ہو تو یہ بطور صدقہ شمار ہوگا۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ مدینہ کے گورنر تھے۔ آپ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار دینار تھا۔ جو آج کل کے تقریباً بیس ہزار روپے کے برابر ہے۔ آپ یہ سارا روپیہ راہِ خدا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور خود چٹائیاں بناکر اپنا پیٹ پالتے تھے۔

غرضکہ ہمارے نبی کریم صلعم کے صحابہ بڑے سخی سے اور نہایت درجہ فیاض تھے۔ خدا کے رستہ میں مال پانی کی طرح بہا دیتے تھے ان کے سامنے حضرت نبی کریم صلعم کا نمونہ تھا۔ جن کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضور نے فرمایا کہ اگر اُحد کا پہاڑ سارا سونے کا بن جائے تو میں اس کو بھی سب کا سب خدا کے رستہ میں غربا اور مساکین میں تقسیم کر دوں۔

آپ کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ "اَجوَدُ النَّاس" ہیں یعنے سب سے زیادہ سخی ہیں۔

اسلام ایک زندہ دین ہے

} گم گشتہ اسرار و معارف اسی دین سے ظاہر ہوئے ہیں اور یہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جو ہر آن پھل دیتا ہے اور ان کھانے والوں کو بلاتا ہے جو عقلمند ہیں لیکن اس کے برعکس دین عیسوی اس درخت کی طرح ہے جیسے زمین سے اُکھاڑ دیا گیا ہو اور باد صرصر نے اس کا قرار زائل کر دیا ہو اور ازاں بعد چوروں نے اس کا نشان تک نہ چھوڑا ہو، ان کے دین میں قصص منقولہ کے سوا کچھ نہیں اور مشاہدات کا وجود ناپید ہے اور یہ امر تو عیاں ہے کہ محض قصے یقین پیدا کرنے سے عاری اور ربّ العالمین کی طرف کھینچنے کی قوت سے خالی ہوتے ہیں۔

جذب و کشش صرف مشاہدہ میں آنے والے نشانات اور موجود کرامات میں ہوتی ہے اسی سے دل بدلتے اور نفس پاک ہوتے اور عیوب ختم ہوتے ہیں اور یہ صرف اسلام اور ہمارے نبی کریم سرور کونین کی اتباع سے مخصوص ہے۔ (ماخوذ)

۴ اور مفید تبلیغی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مسجد برلین کی پچاسویں سالگرہ

(از قلم جرمن جرنلسٹ، نومسلم، جناب محمد عبداللہ صاحب، نار برکین جرمنی)

چونکہ "نوائے وقت" مؤرخہ ۶ جنوری ۱۹۷۷ء میں جرمنی میں مساجد کے بارہ میں جو مضمون شائع ہوا تھا وہ نامکمل تھا اور اس میں برلن مسجد کی تعمیر کسی اور سوسائٹی سے منسوب کی گئی تھی اور ہماری انجمن کا نام ارادتاً یا سہواً حذف کر دیا گیا تھا اس لئے مولینا محمد یحیٰی صاحب امام برلن مسجد نے خود اصل مضمون کا ترجمہ کر کے بھیجا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ (جنرل سیکرٹری)

جرمنی میں مذہب اسلام کے لئے مؤرخہ ۱۵ جنوری ۱۹۷۶ء اس کی پچاسویں سالگرہ منانے کا سال ہے۔ وہ یوں کہ مسجد برلین جو برلین کے علاقہ ولمرس دورف، برائیز سٹریٹ نمبر $\frac{7}{8}$ پر واقع ہے۔ اس کی پچاسویں سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ جرمنی کی سرزمین پر مسلمانوں کی یہ قدیم ترین مسجد ہے۔

بلاشبہ اس مسجد سے پیشتر برلین میں بادشاہ فریڈرش ولہلم اوّل کے زمانہ میں، جس کا زمانہ بادشاہت 1713 سے 1740 تک ممتد رہا، مسلمانوں کے لئے ایک عبادت گاہ موجود تھی۔ یہ عبادت گاہ ان مسلمان فوجیوں کے لئے بنائی گئی تھی جو بطور گارڈ بھرتی کئے گئے تھے اور جو بوجہ اپنے قد میں لمبا ہونے کے "قدآور جوان" کے نام سے مشہور تھے۔ لیکن منظم طور پر جماعتی سرگرمیاں ۱۹۲۴ء میں شروع ہوئیں جس سال مسلمانوں کی ایک انجمن[۱] (یعنی انجمن اشاعت اسلام) نے جس کا مرکز لاہور پاکستان ہے۔ جرمنی کے دارالحکومت برلین میں جو یورپ کے لئے بطور قلب کے ہے، مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس انجمن کے مدِنظر اس مسجد کو آئندہ سالوں میں تمام یورپ بھر میں اسلام کی اشاعت کا مرکز بنانے کا پروگرام تھا۔ یہ مسجد ۱۹۲۶ء میں بن کر تیار ہو گئی۔

اس مسجد کا نقشہ جرمن آرکیٹکٹ مسٹر ہیرمن نے ہندوستان میں مسلمانوں کی موجود مساجد کے نمونہ پر بنایا تھا۔ برلین کی یہ مسجد اپنی بناوٹ میں تمام جرمنی میں وحید المثال ہے۔

اس مسجد کے پہلے امام[۲] حضرت مولنا صدرالدین تھے۔ جو عالم دین ہیں۔ اور ابتداء میں پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہؒ (مرحوم) اور پروفیسر ڈاکٹر نظیرالاسلام بھی اسی مسجد میں دینیات کا درس دیتے رہے ان اصحاب کی سرکردگی میں برلین مسجد اسلامی لٹریچر کو حاصل کرنے کا مرکز بن گئی۔ ۱۹۳۹ء تک قیمتی لٹریچر مسجد کی طرف سے جرمن زبان میں شائع کیا گیا۔ ([۳] ۱۹۵۹ء کے بعد جو لٹریچر شائع ہوا) وہ سب لٹریچر آج برلین کی فری یونیورسٹی اور واشنگٹن کی نیشنل لائبریری میں مل سکتا ہے[*]۔ ان دنوں رسالہ "مسلیمیشے ریویو" جس کے مدیر پروفیسر محمد عبداللہ (مرحوم) تھے۔ اسلامی معلومات سے پُر ہوتا تھا اور علمی حلقہ میں بڑی وقعت رکھتا تھا۔

مسجد کی طرف سے ۱۹۳۸ء میں قرآن مجید کا ترجمہ زبان جرمن ہوا۔ مسجد کا یہ ایک شاندار کارنامہ ہے۔ (اس کے مترجم حضرت) مولنا صدرالدین صاحب ہیں۔ مولانا موصوف جرمنی میں مسلم سوسائٹی کے بانی بھی ہیں۔ مولانا صدرالدین صاحب نے جو عالم دین ہیں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اور اس تفسیر کو لکھتے ہوئے انہوں نے جرمن قوم اور عیسائی مذہب کے پیروکاروں کو اپنے مدِنظر رکھا ہے۔ (مولانا صاحب نے بحیثیت) ناشر اس ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:-

"جرمنی میں اسلام کے بارہ میں ایسا رجحان پایا جاتا ہے جو تسلی بخش ہے اور تعصب سے خالی ہے۔ لہذا میں امید کرتا ہوں کہ جرمن عوام قرآن کریم کے اس ترجمہ کو جو ایک مسلمان کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ خوشی سے قبول کریں گے۔"

ان دنوں مسجد برلین جرمن "مسلم سوسائٹی" کے لئے ایک مرکز بن گئی تھی۔ اس سوسائٹی کے ممبر اعلیٰ پایہ کے مستشرقین تھے۔ اور دینیات کا علم رکھنے والے اصحاب کے لیکچر مسلم سوسائٹی کا بڑا کارنامہ سمجھے جاتے تھے۔ مسلم سوسائٹی کے ممبران کی کُل تعداد پندرہ سو تک پہنچ گئی تھی۔ اور یہ ممبر تمام جرمنی میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے علوم اسلامیہ کے حصول میں اپنا نام پیدا کر رکھا تھا۔

۱۹۳۹ء میں جب پروفیسر محمد عبداللہ (مرحوم) لنڈن چلے گئے تو ان کی غیر موجودگی میں اسلام کے اس مرکز (یعنی مسجد) میں چند سال (جناب مفتی) محمد امین الحسینی نے بھی قیام کیا تھا۔ مفتی صاحب بعد میں "مجلس عالم اسلامیہ" کے صدر بن گئے تھے۔ اس کے چند سال بعد جب جرمنی کے دارالحکومت کو قبضہ میں کرنے کی خاطر برلین شہر میں جنگ کی آگ بھڑکی تو اس جنگ کے باعث مسجد کی عمارت کو بڑا نقصان پہنچا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جرمن فوج نے وقتی طور پر اتحادیوں کے خلاف مسجد کو اپنا مورچہ بنا لیا تھا۔ بالآخر جب جنگ کے بادل چھٹ گئے تو کیا دیکھا کہ مسجد کے وہ خوبصورت لمبے مینارے (جو تین سو گز کے فاصلہ سے مسجد کو آتے ہوئے زمین دوز گاڑی کے اسٹیشن یا بس سٹاپ) فیربیلینر پلاتس سے دیکھے جاتے تھے، وہ گر چکے تھے۔ اور مسجد کا خوبصورت گنبد جس کی چوٹی پر قمر کا نشان کندہ تھا وہ بھی گر چکا ہے۔ نیز یہ کہ مسجد کی دیواریں باہر اور اندر سے گولیوں کے نشانوں سے چھدی پڑی ہیں۔

جنگ کے ختم ہونے کے فوراً بعد مسٹر محمد امان ہوبوم جرمن نومسلم نے بحیثیت امام جرمنی میں مسلم سوسائٹی کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مسجد کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

"(جناب) امام ہوبوم نے پوری تندہی سے مسجد کی خدمات سرانجام دیں اور انہوں نے جنگ کے بعد مشکل وقت میں مسلم سوسائٹی کی احسن طور پر دیکھ بھال کی"

مسلم سوسائٹی کے ممبر جو جنگ کے دوران بکھر چکے تھے ان کو دوبارہ اکٹھا کرنے میں (جناب) ہوبوم صاحب نے کامیاب کوشش

---

[۱] جرمن خط میں اس کا ذکر نہیں۔ (قوسین بین بند عبارت وضاحت کے لئے لکھی گئی ہے)
[۲] اصلی خط میں ان کا تعارف موجود نہیں۔
[۳] اصلی خط میں ذکر نہیں۔
[*] مثلاً پمفلٹ ۴۴

[۴] "DIENCR AHMAD" - اس میں حضرت میرزا غلام احمد صاحب مجدد زمانؑ مسیح موعودؑ کے دعوٰی کی صداقت پر بحث کی گئی ہے۔ یہ پمفلٹ برلن مسجد کے جناب مولنا محمد یحیٰی بٹ صاحب نے جرمن زبان میں لکھا ہے۔

کی اور یوں سنہ ۱۹۵۴ء میں مسجد کی کسی حد تک مرمت کرانا بھی ممکن ہو گیا - باوجود فنڈز کی قلت کے مسجد کی عمارت کی اس حد تک مرمت ہو گئی کہ وہ کلی طور پر گر کر تباہ ہونے سے بچ گئی۔

اس کے بعد مسجد کو اپنی اصلی خوبصورتی پر قائم کرنے کے لئے فنڈز کی فراہمی کے لئے کوشش جاری رہی۔ لیکن ایسی خوبصورتی کو قائم کرنے کی خواہش کو سنہ ۱۹۷۴ء میں بڑا دھکا لگا تھا جبکہ اس سال دسمبر کے مہینہ میں بارش کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت سے پانی ٹپک کر سیلاب بن کر مسجد کے اندر بہ گیا جس سے مسجد کے اندر تمام قیمتی قالین بھیگ کر خراب ہو گئے۔

اس موقعہ پر برلین مسجد کے امام[1] مولانا محمد یحیٰی بٹ صاحب نے جو سنہ ۱۹۵۹ء سے برلین مسلم سوسائٹی کے قائد بھی ہیں، کہا:۔

"مسجد کی عمارت کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے نہ تو برلین میں بسنے والے مسلمان اور نہ ہی وہ انجمن جس نے اس مرکز اور مسجد کی آج سے پچاس سال پیشتر بنیاد رکھی تھی اتنی مالی استطاعت رکھتے ہیں کہ وہ مسجد کی مرمت کے لئے کوئی مناسب فنڈز مہیا کر سکیں۔"

آخر کار اس مسجد کو۔ جو جرمنی میں سب سے پہلا خانۂ خدا ہے ۔کلی طور پر تباہی سے بچانے کے لئے برلین کی سینٹ نے مالی امداد کی۔ سنہ ۱۹۷۵ء میں جب حکومت کی طرف سے تحفظ عمارات کا سال منایا گیا تو برلین سینٹ نے (برلین[2] مسلم سوسائٹی کے پریذیڈنٹ اور برلین مسجد کے امام مولانا محمد یحیٰی بٹ صاحب کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے) مسجد کی مرمت کے لئے لوٹو کی معرفت دو لاکھ پندرہ ہزار مارک کی رقم کی مالی امداد دی ۔ اس پر مولانا صاحب نے جرمن آرکیٹیکٹ مسٹر ولف گانگ نوواک کی خدمات حاصل کر لیں ۔ اور انہیں مسجد کی مرمت" کام سونپ دیا۔ لیکن اس رقم سے نہ تو مسجد کے میناروں کی مرمت اور نہ ہی ان کو اپنی پہلی سی بلندی پر کھڑا کیا جا سکے گا - آرکیٹیکٹ کے تخمینہ کے مطابق مرمت کے تمام کام کو سر انجام دینے کے لئے مزید آٹھ لاکھ مارک کی ضرورت ہوگی۔

(لوٹو کی رقم کے علاوہ برلین سینٹ نے اپنے "تعمیرات" کے شعبہ سے بھی ایک لاکھ دس ہزار مارک کی رقم مسجد کی مرمت کے لئے منظور کی) اور یقین دلایا ہے کہ وہ آئندہ سالوں میں بھی مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے اپنے منظور شدہ بجٹ سے رقم خرچ کریں گے ۔

حقیقت یہ ہے کہ برلین مسجد کو دوبارہ اپنی اصلی خوبصورتی پر اسی وقت قائم کیا جا سکے گا جب کہ اسلامی عرب ممالک جو پیڑول کی دولت سے مالا مال ہیں اس خانہ خدا کی خوبصورتی کو بحال کرنے کے لئے معقول رقم خرچ کریں گے ۔ ہاں برلین سینٹ نے جو کل رقم اب تک منظور کی ہے یعنی تین لاکھ پچیس ہزار مارک وہ اس تاریخی عمارت کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے ہی بمشکل مکتفی ہو سکے گی۔

مسجد کی مرمت کے کام کے شروع ہو جانے کے باعث امام مولانا بٹ صاحب نے فی الحال مسجد کی پچاس سالہ برسی مناتے کے پروگرام کو ملتوی کر دیا ہے ۔ اس لئے کہ معلوم نہیں مسجد کی مرمت کا کام کب ختم ہو ۔ ابھی چند ہفتے ہوئے شدید آندھی اور بارش کی کثرت کے باعث پھر سے مسجد کی عمارت کو نقصان پہنچا ہے ۔ البتہ امید کی جاتی ہے کہ سنہ ۱۹۷۷ء میں مسجد کی پچاس سالہ برسی منائی جا سکے گی ۔ اس وقت تک مسجد کی مرمت کا کام جو شروع ہو چکا ہے ختم ہو جائے گا۔

برلین مسجد آج کل دینی مجالس اور مذہبی اجتماعات کے منعقد کرنے کا اہم مرکز بن گئی ہے ۔ اس میں مسلمان اور عیسائی شریک ہوتے ہیں اور دوستانہ ماحول میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

گذشتہ پندرہ سولہ سال سے مسجد میں ہر ہفتہ کے دن بڑی باقاعدگی کے ساتھ قرآن کریم کے درس کا اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ اس میں عیسائی مذہب کے پیروکار جو سوسائٹی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں شرکت کرتے ہیں ۔ مکرم امام صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں جو انہوں نے مسجد کی پچاس سالہ جوبلی کے انعقاد کے سلسلہ میں دیا ۔ مسجد میں منعقد ہونے والے ایسے اجتماعات کی جن میں مسلمان عیسائی حصہ لیتے ہیں۔ افادیت اور مقبولیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارے عیسائی دوستوں میں ان اجتماعات میں حصہ لینے کا شوق دن بدن بڑھتا جا رہا ہے ۔ یہ اجتماعات عیسائی اور مسلمان کے اس جذبہ کو بیدار کرتے ہیں جس کے باعث وہ ایک دوسرے کے مشترکہ مفاد کو سمجھ سکیں۔ نیز یہ اجتماعات ان میں جذبۂ رواداری کو پیدا کرنے اور ان میں ایک دوسرے کے نظریات کو ہمدردی سے سننے کے شوق کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ خدا پر ایمان رکھنے والی قوموں کے اندر باہم مفاہمت کے جذبہ کا پیدا ہو جانا دنیا میں امن کو قائم کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ قیام امن کے لئے یہ ایک ناگزیر امر ہے اور اس کے حصول کے لئے یہ ایک لازمی شرط ہے۔"

بنا بریں برلین میں مقیم مسلمانوں نے رواداری کے ایسے ماحول کو پیدا کرنے کے لئے غیر مسلم دوستوں کے لئے یہ سہولت پیدا کر رکھی ہے کہ انہوں نے ایسے دوستوں کے لئے جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جو جمعہ کی نماز میں یا قرآن کریم کے درس میں جہاں اسلام کے بارہ میں مزید علم حاصل کرنے کی غرض کیلئے سوالات بھی کئے جاتے ہیں، حصہ لینا چاہتے ہیں مسجد کے ہال میں ایک علیحدہ حصہ میں ۱۵۰ کرسیاں بچھا دی ہیں۔ عام طور پر مساجد میں ایسا انتظام نہیں ہوتا۔ دوستانہ ماحول میں مذہبی نظریات کو سننے اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں رواداری کے جذبہ کو پیدا کرنے کے بارہ میں برلین مسجد کے امام مولانا بٹ صاحب نے فرمایا:۔

"عیسائی مسلمان کا باہم مل کر دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے کا نتیجہ یقیناً عمدہ ثابت ہوگا۔ ایسی تقریبات کا مستقبل میں سود مند ثابت ہونا اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ حال میں "[3] تقریبات کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی ہے ۔ ان ہر دو مذاہب میں بعض نظریات ایسے ہیں جن میں ہر دو مذاہب کا اتفاق ہے لیکن عوام ان نظریات سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا ان اجتماعات کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان نظریات کو جو ہم میں مشترک ہیں عوام پر واضح کیا جائے۔"

امام صاحب کے خیال میں اس مقصد کو بڑے پیمانے میں اسی صورت

---

[1] اپنا تعارف بھی نہیں کرایا کہ ان کا تعلق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سے ہے۔

[2] اس خط میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن کا یہ ترجمہ ہو سکے۔

[3] اصلی خط میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن کا یہ ترجمہ ہو۔

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۱۵ جمادی الاوّل ۱۳۹۷ھ مطابق ۴ اپریل ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۸

ملفوظات حضرت مجدّد صد چہاردہم علیہ السّلام

جو شخص نری دُعا کرتا ہے اور جدّ وجہد نہیں کرتا وہ بہرہ یاب نہیں ہوتا

میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بیعت کی ہے چند نصیحت آمیز کلمات کہنا چاہتا ہوں یہ بیعت تخم ریزی ہے اعمال صالحہ کی۔ جس طرح کوئی باغبان درخت لگاتا ہے یا کسی چیز کا بیج بوتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص بیج بو کر یا درخت لگا کر وہیں اس کو ختم کر دے اور آئندہ آبپاشی اور حفاظت نہ کرے تو وہ تخم بھی ضائع ہو جاوے گا۔ اسی طرح انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے۔ پس اگر انسان نیک عمل کر کے اس کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرے تو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ تمام مخلوقات مثلاً مسلمان ہی سہی اپنے مذہب کے فرائض میں پابند ہیں مگر اس میں کوئی ترقی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک عمل کے بڑھانے کا خیال ان کو نہیں ہوتا۔ اور رفتہ رفتہ وہ عمل رسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تو کلمہ پڑھنے لگے۔ ہندوؤں کے گھر میں ہوتے تو رام رام کرتے۔

یاد رکھو بیعت کے وقت توبہ کے اقرار میں ایک برکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ساتھ اس کے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی شرط لگا لے تو ترقی ہوتی ہے۔ مگر یہ مقدم رکھنا تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ امداد الٰہی کی سخت ضرورت ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری راہ میں انجامکار راہنمائی پر پہنچ جاتے ہیں جس طرح وہ دانہ تخمریزی کا بدوں کوشش اور آبپاشی کے بے برکت رہتا بلکہ خود بھی فنا ہو جاتا ہے اسی طرح تم بھی اس اقرار کو ہر روز یاد نہ کرو گے اور دعائیں نہ مانگو گے کہ خدایا میری مدد کر تو فضل الٰہی وارد نہیں ہوگا اور بغیر امداد الٰہی کے تبدیلی ناممکن ہے۔ چور، بدمعاش، زانی وغیرہ جرائم پیشہ لوگ ہر وقت ایسے نہیں رہتے بلکہ بعض وقت ان کو ضرور پشیمانی ہوتی ہے۔ یہی حال ہر بدکار کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی کا خیال ضرور ہے پس اس خیال کے واسطے اس کو امداد الٰہی کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لئے پنجوقتہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس میں ایاک نعبد فرمایا اور پھر ایاک نستعین۔ یعنی عبادت بھی تیری ہی کرتے ہیں۔ اور مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی ہر ایک نیک کام میں قویٰ تدابیر، جد و جہد سے کام لیں۔ یہ اشارہ ہے نعبدُ کی طرف۔ کیونکہ **جو شخص نری دُعا کرتا اور جد و جہد نہیں کرتا وہ بہرہ یاب نہیں ہوتا۔** جیسے کسان بیج بو کر جد و جہد نہ کرے تو پھل کا امیدوار کیسے بن سکتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ اگر بیج بو کر صرف دُعا کرتے ہیں تو ضرور محروم رہیں گے۔ مثلاً دو کسان ہیں ایک تو سخت محنت اور کلیہ رانی کرتا ہے یہ تو ضرور زیادہ کامیاب ہوگا۔ دوسرا کسان محنت نہیں کرتا یا کم کرتا ہے اس کی پیداوار ہمیشہ ناقص رہے گی جس سے وہ شاید سرکاری محصول بھی ادا نہ کر سکے اور وہ ہمیشہ مفلس رہے گا۔ اسی طرح دینی کام بھی ہیں۔ انہیں میں منافق، انہیں میں نکمے، انہیں میں صالح، انہیں میں ابدال، غوث، قطب بنتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے نزدیک درجہ پاتے ہیں۔ اور بعض چالیس چالیس برس سے نماز پڑھتے ہیں مگر ہنوز روز اوّل ہی ہے۔ اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

”پیغام صلح کا مسیح موعودؑ نمبر“ مئی کے آخری ہفتہ میں شائع ہو رہا ہے (انشاء اللہ تعالےٰ) اس خاص نمبر کے لئے احباب اپنے مضامین پندرہ مئی سے پیشتر دفتر میں بھجوا دیں تا کہ اس نمبر میں شائع ہو سکیں۔ (ادارہ)

بانئ احمدیت کا ایک عظیم الشان کارنامہ

بانئ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت پر مخالفین اسلام کو ہزارہا روپیہ کے انعامات کے چیلنج

(از محمد عبد الحق مجاہد صاحب امرتسری گنج مغلپورہ)

جملہ باطل ادیان کو صداقت قرآن اور نبوت حضرت خیر الانام کے تائیدی دلائل کو توڑنے کا عظیم انعامی چیلنج

انیسویں صدی کے دوران دنیا میں مغربی عیسائی طاقتوں کو جب سیاسی برتری اور بالا دستی حاصل ہوئی تو اس کے نتیجہ میں قدرتی طور پر عیسائیت کو بھی تقویت پہنچی۔ چنانچہ عیسائی پادریوں اور مشنریوں نے ساری دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی ایک عالمگیر مہم کی داغ بیل ڈال کر علی الخصوص اسلام کے خلاف زبردست حملے شروع کر دیئے اور اس صدی کا سب سے بڑا المیہ یہی تھا کہ بیک وقت تمام طاقتیں اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور اس کے بالمقابل مسلمانوں کی بے دینی اور باہمی افتراق کی وجہ سے اسلام انتہائی ضعف کی حالت کو پہنچ چکا تھا اور اس کا نابود ہونا یقینی نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عین اس زمانہ میں جب اسلام ہر چہار طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھر چکا تھا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو مسیح موعود کی حیثیت سے مبعوث فرما کر اسلام کے خلاف جملہ مذاہب کی بڑھتی ہوئی یلغار کے سامنے ایک دفاعی بند باندھ دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بطل جلیل کی حیثیت سے تمام مذاہب باطلہ کو للکارا۔ آپ نے دنیا کو قرآن پاک کی تعلیمات کے سامنے جھک جانے کی دعوت دی اس کی للکار میں غضب کا تُن تھا اور اس کی پکار میں شدت کی پختگی اور غایت درجہ کا خلوص تھا مگر اس کے ہاتھ میں سب سے بڑا حربہ اپنے دل کا یقین تھا اور ذہن کی قوت استدلال تھی اس نے مشرق و مغرب کو بیک وقت چیلنج کر دیا اس کی دعوت اسلام کی طرف سے کوئی معذرت نہ تھی بلکہ ایک کھلا ہوا چیلنج تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"میں جو مصنف کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع ارباب مذہب و ملت کے جو حقانیت فرقان مجید اور نبوت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں اتماماً للحجۃ شائع کرکے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں جو ہم دوبارہ حقیقت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب مقدس سے اخذ کرکے اپنی الہامی کتاب سے ثابت کرکے دکھلا دیں یا اگر تعداد میں ان کے برابر پیش نہ کر سکیں تو نصف ان سے یا ثلث ان سے یا ربع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے دلائل کو نمبروار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفائے شرط جیسا کہ چاہیئے تھا ظہور میں آ گیا میں مشتہر اپنے مجیب کو بلا عذرے و حیلتے اپنی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبضہ و دخل دے دوں گا۔" (براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ۱ تا ۱۲)

زبان عربی کی فضیلت پر پانچ ہزار روپے کے انعامات

عربی زبان کے اُم الالسنہ ہونے کے متعلق چیلنج دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی آریہ صاحب یا کسی اور مخالف کو یہ تحقیقات ہماری منظور نہیں تو ان کو ہم بذریعہ اس اشتہار کے اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے عربی زبان کی فضیلت اور کمال اور فوق الالسنہ ہونے کے دلائل اپنی اس کتاب (منن الرحمٰن میں) میں مبسوط طور پر لکھ دیئے جو بتفصیل ذیل ہیں (۱) عربی کی مفردات کا نظام کامل ہے۔ (۲) عربی اعلیٰ درجہ کی زبان علمی وجوہ پر مشتمل ہے جو فوق العادات ہیں۔ (۳) عربی کا سلسلہ اطراد مواد اتم و اکمل ہے۔ (۴) عربی کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں (۵) عربی زبان انسانی ضمائر کا پورا نقشہ کھینچنے کے لئے پوری پوری طاقت اپنے اندر رکھتی ہے اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ ہماری کتاب کے چھپنے کے بعد اگر ممکن ہو تو یہ کمالات سنسکرت یا کسی اور زبان میں ثابت کرے اس لئے وہ اس کتاب کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کر دیا ہے۔" (ضیاء الحق ٹائیٹل پیج)

پرمیشور کے وجود پر دس ہزار روپیہ کا انعام

پھر چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں:۔

"ہم تو دس ہزار روپیہ کی جائداد ایسے شخص کو دے سکتے ہیں کہ جو وید کی رُو سے پرمیشور کا وجود ثابت کرکے دکھا دے ورنہ خالی وید وید کرنا جائے شرم ہے۔"

توحید پر دلائل

پھر فرماتے ہیں:۔

"خدا کی ہستی اور توحید کے دلائل جو قرآن شریف میں لکھے ہیں جو مخالف فرقے اس کے قائل نہیں وہ سب آریہ صاحبان وید میں سے نکال کر ہم کو دکھا دیں تو ہم ہزار روپیہ نقد ان کو دینے کو تیار ہیں۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۱۳۵)

پنڈت کھڑک سنگھ آریہ کو پانچ صد روپیہ کے انعام کا چیلنج

پنڈت کھڑک سنگھ ایک آریہ تھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بحث کرنے کے لئے قادیان آیا بعد میں وہ عیسائی ہو گیا حضرت نے اسے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں چیلنج کیا صرف قرآن حمید ہی جملہ باطل معتقدات کا رد بدلائل عقلیہ پیش کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اس کی ہدایت سب ہدایتوں سے کامل تر ہے اور اس دنیا کی حالت موجودہ میں جو خرابیاں پڑی ہوئی ہیں قرآن مجید سب کی اصلاح کرنے والا ہے دوسری نشانی یہ ہے کہ قرآن مجید اور کتابوں کی طرح مثل کتھا کے نہیں ہے بلکہ مدلل طور پر

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۴؍مئی ۱۹۷۷ء

"یہ بے بس و مجبور خدا۔ معاذ اللہ"

پاکستان کے ایک معروف دینی مفکّر قدرتی آفات مثلاً سیلاب۔ قحط۔ زلزلہ اور وبائی امراض وغیرہ کے فلسفہ پر اپنی "بصیرت" کی رہنمائی میں بحث کرتے ہوئے خدا کے تصوّر پر یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:۔

"ہمارے ہاں خدا کا تصوّر ہمارے دورِ ملوکیت کا پیدا کردہ ہے اس تصوّر کی رُو سے خُدا ایک مطلق العنان آمر (بادشاہ) کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔ جس کے ہاں نہ کوئی قاعدہ ہے نہ قانون۔ نہ ضابطہ ہے نہ آئین۔ سب کچھ اس کی مرضی سے ہوتا ہے وہ خوش ہو جاتا ہے تو انعام و اکرام کی بارشیں کر دیتا ہے۔ ناراض ہوتا ہے تو اپنا غضب اور عذاب نازل کر دیتا ہے۔ سیلاب۔ قحط (خشک) سالی۔ زلزلے۔ وبائی امراض مثلاً ہیضہ۔ طاعون سب اس کے غضب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہمیں خُدا کو خوش کرنا چاہیئے تاکہ وہ ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔ خدا کا اس قسم کا تصوّر (جو اپنی اصل کے اعتبار سے یہودیت کا پیدا کردہ تھا) ہمارے ہاں مروّج تھا"۔

اس عبارت کے ساتھ ہی انہوں نے بمقتضائے طبیعتش حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں طاعون کے پھُوٹ پڑنے اور اسے اپنی صداقت کا نشان قرار دینے کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا ہے۔ اُن کا یہ نظریہ ہے کہ یہ آفات جنہیں لوگ عذاب سے تعبیر کرتے ہیں خُدا کی ناراضگی کی وجہ سے کسی قوم پر نازل نہیں ہوتیں بلکہ:۔

"قرآن کریم بتاتا ہے کہ خدا وہ ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کے بعد اس نے اپنے اختیار مطلق کی رُو سے ایسے قوانین نافذ کئے جن کے مطابق یہ کارگہِ کائنات رواں دواں ہے۔ یہ قوانین غیر متبدّل ہیں اور اسی وجہ سے نظم و نسق کائنات اس حُسن وخوبی سے چل رہا ہے اس نے انسان کو اس امر کی صلاحیت عطا کر دی ہے کہ وہ ان قوانین کو سمجھ سکے۔ جُوں جُوں وہ ان قوانین کو سمجھتا جائے گا فطرت کی قوتیں اس کے تابع فرمان ہوتی جائیں گی۔ .... سیلاب۔ خشک سالی زلزلے۔ وبائی امراض وغیرہ کا تعلق نظام فطرت سے ہے اور یہ حوادث قوانین فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جو قومیں ان قوانین کا علم حاصل کر کے حفاظتی تدابیر اختیار کر لیتی ہیں ان کے ہاں یہ حوادث تباہی نہیں مچاتے یہ قومیں قوانین خداوندی کی اطاعت کرتی ہیں اور اطاعت قوانین خداوندی کا نتیجہ امن و سلامتی ہوتا ہے"

(طلوع اسلام۔ ستمبر ۱۹۷۳ء)

ان اقتباسات کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ:۔ خدا قدرت کاملہ کا مالک ہے (۲) اسے اختیار مطلق حاصل ہے۔ (۳) اس نے اس کائنات میں جو قوانین نافذ کئے ہیں وہ غیر متبدّل ہیں۔ (۴) ان قوانین کے علم سے فطرت کی قوتیں انسان کے تابع ہو جاتی ہیں (۵) قدرتی آفات عذاب کی صورت میں خُدا کی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ قوانین فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ (۶) ان قوانین کا علم حاصل کر کے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے سے یہ حوادث روکے جا سکتے ہیں۔

اب ان نکات کی روشنی میں ان صاحبِ فکر و نظر کی بصیرت کی داد دیجئے کہ خُدا قدرت کاملہ اور اختیار مطلق کا مالک ہے لیکن جو قوانین اس نے اپنی صفات کے ماتحت اس کائنات میں نافذ کئے ہیں وہ اتنے غیر متبدّل ہیں کہ وہ خود بھی اب بے بس و مجبور ہو کر بیٹھ گیا ہے اور انہیں بدل نہیں سکتا خواہ وہ یہ کہتا رہے ان اللّٰہ علےٰ کلّ شئی قدیر"۔ وہ "مالک الملک" بھی ہو اور قرآن کریم یہ بھی فرماتا ہو کہ "اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے" (الرعد ۳۹)۔ "اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یقینی بات کے ساتھ مضبوط کرتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو ہلاک کرتا ہے۔ ویفعل اللّٰہ مایشاء (اور جو چاہتا ہے کرتا ہے (ابراھیم۔ ۲۷) "کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سُورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت سے لوگ بھی اور بہت ایسے ہیں کہ عذاب ان پر نازل ہو گیا اور جسے اللہ ذلیل کرے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں۔ ان اللّٰہ یفعل مایشاء (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اللہ تعالےٰ کی ایک مشیت ہے اور ایک ارادہ ہے۔ ہم نے یہ دو تین آیات اس کی مشیّت کے متعلق عرض کی ہیں۔ اب چند ایک اس کے ارادہ کے متعلق عرض کرتے ہیں۔ "لیکن اللہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے کر دیتا ہے"۔ (البقرہ۔ ۲۵۳) انّ ربک فعال لما یرید۔ تیرا ربّ جو ارادہ کرے کر گذرے" (ھود۔ ۱۰۷) (بروج (۱۶)۔ ان اللّٰہ یفعل مایرید۔ اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ (الحج: ۱۴)۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون اُس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے صرف یہی ہوتا ہے کہ اسے کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔ (یٰسین: ۸۲) ان اللّٰہ یحکم مایرید۔ اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ (المائدہ: ۱) اللہ تعالےٰ کے وضع کردہ۔ قوانین فطرت کی کتاب اسی کے پاس ہے۔ یہ قوانین فطرت اللہ تعالےٰ کی مشیّت۔ اس کے ارادہ اور حکم کے تحت غیر متبدّل نہیں۔ ان میں سے جس قانون کو وہ چاہتا ہے بدل دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ قوانین غیر متبدّل ہیں یہ ثابت کرنے کے مترادف ہے کہ اللہ اب بے بس و مجبور ہے۔ نعوذ باللہ ایک با اختیار ہستی نہیں بلکہ عضوِ معطل ہے۔ انسانوں پر بھی اب اس کا کوئی بس نہیں چلتا وہ جو چاہیں کریں ان کے لئے کوئی گرفت نہیں۔ فکر و نظر کی یہ گہرائیاں اور یہ بصیرت انسان کو قرآنی افکار سے بیگانہ کر کے پستیوں میں گرانے کی ایک سازش اور دہریت و الحاد کی جانب دھکیلنے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ خدا تو کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا مگر انسان ان قوانین فطرت کا علم حاصل کر کے اپنے بچاؤ کا سامان کر سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ انہیں بدل کر انسان کو بچانے سے معذور اور مجبور ہے معلوم ہوا انسان نے خدا پر بھی برتری حاصل کر لی ہے (نعوذ باللہ)

فرماتے ہیں کہ خدا کا یہ تصوّر کہ وہ "خوش ہو جاتا ہے تو انعام و اکرام کی بارشیں کر دیتا ہے۔ ناراض ہوتا ہے تو اپنا غضب اور عذاب نازل کر دیتا ہے (اپنی اصل کے اعتبار سے یہودیت کا پیدا کردہ ہے") اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآن کریم نے اسلام سے پہلے کی قوموں کا ذکر اس تفصیل سے کیوں فرمایا ہے۔ عاد۔ ثمود۔ قوم نوح اور قوم لُوط وغیرہ کے عذابوں کا بار بار ذکر کیوں کیا ہے۔ قرآن کریم نے

یہ قصص بیان کرکے خدا کے متعلق یہودیت کے اس تصور کو کیوں اپنایا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کی ابتدا آنحضرت صلعم کی بعثت سے بعد کے واقعات سے ہوتی۔ لیکن اس کی پہلی ہی سورت الفاتحہ میں مغضوب علیہ اور ضالین کا ذکر کر دیا اور بہت کم سورتیں ایسی ہیں جن میں ان قوموں کا ذکر نہ آیا ہو۔ خدا کے اس تصوّر کی تائید تو سب سے زیادہ قرآن کریم کرتا ہے۔ تورات اور انجیل میں تو اس کا ذکر کہیں کہیں ملتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان قوموں کی تباہی قانین فطرت سے لاعلمی کی بنا پر ہوئی تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ جہاں جہاں ان کا ذکر ہے وہیں ان کی قوت۔ شوکت۔ تہذیب وتمدن اور معیشت کا بھی ذکر کیا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں گذری جس نے آفاتِ آسمانی سے اپنے دفاع کا سامان نہ کیا ہو۔ قوم عاد کے ذکر میں آتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے بعد انہیں بادشاہ بنایا اور ان کو پیدائش میں اور قوت میں بڑھایا اور یہ قوم احقاف سے نکل کر اردگرد کے ممالک پر قابض ہوگئی ثمود کے لئے جابوا الصخر بالواد کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ میدانوں میں محل اور پہاڑوں کو تراش کر کوٹھیاں تعمیر کرتے تھے۔ فرعون کو ذی الاوتاد کہکر اس کی طاقت اور قوت کا اظہار کیا ہے اور اس کے دَور کی تہذیب کو بطریقتکم المثلی کہہ کر پکارا گیا ہے۔ جو بستیاں اپنی معیشت پر اتراتی تھیں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے "اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی روزی کے سامانوں میں اتراتی تھیں۔ سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم اور ہم ہی وارث ہیں" (القصص ۵۸)۔

سورۃ محمدؐ میں ہے: "اور کتنی بستیاں تھیں جو تیری اس بستی سے جس نے تجھے نکالا ہے طاقت میں بڑھ کر تھیں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوا" (۱۳) سورۃ الکہف کی یہ آیت بڑے واضح الفاظ میں اس طرف توجّہ دلاتی ہے۔ "کہہ کیا ہم تمہیں عملوں میں بہت بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبریں دیں وہ جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں" (۱۰۴)

یہ مادی تہذیبیں اپنی تمام شان وشوکت کے باوجود کیوں زیرِ زمین ہوگئیں۔ قرآن اس پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے: "اللہ نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجا پھر اسے برابر کر دیا۔ اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا" (۹۱: ۱۴، ۱۵)۔ جب قومیں اپنی مادی ترقی کی بدولت خدا کے فرستادوں کا انکار کرکے سرکشی اختیار کر لیتی ہیں تو وہ انہیں آسمانی آفات کے ذریعے ہلاک کر دیتا ہے خواہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کیسی ہی تدابیر کیوں نہ اختیار کریں۔ نہ سیلاب روکے جا سکتے ہیں نہ زلزلے نہ قحط اور نہ وبائی امراض۔ خدا کی تدبیر اور ارادے کے سامنے انسان کی کوششیں بالکل رائیگاں جاتی ہیں۔ آج کل زلزلہ پیما بھی موجود ہیں اور موسموں کی پیشگوئی کرنے والے آلات بھی۔ وبائی امراض سے بچنے کے لئے دوائیاں بھی کثرت سے ہیں تو بچاؤ کی سب کی سب احتیاطیں کیوں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ "یہ عذاب الٰہی ہے۔"

اپنی اس عقلیت پرستی کے تحت ان مفسّرِ قرآن نے "مومن اور "کافر" کا بھی عجیب امتیاز قائم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

" جو لوگ ان قوانین کی صداقت پر ایمان لاکر ایسا نظام قائم کر لیتے ہیں جس میں فطرت کی قوتیں انسانی تباہی کے لئے نہیں بلکہ منفعت عامہ کے لئے صرف کی جاتی ہیں۔ انہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں "مومنین" کہا جاتا ہے۔ اور دوسری وہ قوم ہے جو فطرت کی قوتوں کو مسخّر کر لیتی ہے لیکن انہیں صرف کرتی ہے اپنے مفاد کے تحفّظ اور دوسری قوموں کے استحصال کی خاطر .... یہ وہ قومیں ہیں جو (خدا) کے قوانین فطرت کی اطاعت کرتی ہیں لیکن اس کے ان قوانین سے سرکشی برتتی ہیں جن کا تعلق عالمِ انسانیت سے ہے یہ ہیں یورپ کی مادہ پرست قومیں"

ذرا اس تناقض پر نظر ڈالئے جو ایک ہی فقرہ میں پایا جاتا ہے۔ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ "قوانین فطرت کی اطاعت کرتی ہیں اور ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ان قوانین سے سرکشی برتتی ہیں جن کا تعلق عالم انسانیت سے ہے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ مغربی اقوام نے سائنسی تحقیق وتجسّس کے میدان میں جتنی بھی ایجادیں اور دریافتیں کی ہیں وہ اس وقت سارے عالمِ انسانیت کے فائدے کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ حتّٰی کہ ہلاکت آفریں سامانِ حرب وضرب بھی دوسری قوموں پر ان کے دفاع کی خاطر فروخت کیا جاتا ہے۔ سیاسی۔ معاشی معاشرتی۔ طبّی۔ زرعی۔ مواصلاتی۔ صنعتی۔ انجینئرنگ وغیرہ کے میدان میں جو ترقی ہوئی ہے اس کے فوائد ساری دنیا کو پہنچ رہے ہیں۔ ان کی تعریف کے مطابق مغربی اقوام جماعت مؤمنین میں شامل ہیں یہ کوئی بات نہیں کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ اس کے برعکس اس میدان میں خدا اور رسولؐ کو ماننے والوں کی حالت ہمارے سامنے ہے اس لئے "مومنین" کے مقابلے میں جو فتویٰ یہ مفسّران کے متعلق صادر فرمانا چاہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ اس کا "الٹ" ہی ہوگا۔

اگر قوانین فطرت ہی سب کچھ ہیں اور اللہ تعالےٰ کو اپنی کائنات کے انتظام وانصرام میں کوئی عمل دخل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ سُورج بھی وہی ہے اور سمندروں میں پانی کی مقدار بھی ویسی ہی ہے لیکن کبھی تو اس قدر بارش ہوتی ہے کہ تباہ کن سیلابوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کبھی وہی زمین پانی کی ایک ایک بوند کو ترستی ہے اور خشک سالی کی وجہ سے مخلوقِ خدا قحط سے دو چار ہو جاتی ہے۔ باوجود سیزموگرافت کے کوئی ماہر یہ نہیں بتا سکتا کہ زلزلہ کب اور کس وقت آئے گا تاکہ نسلِ انسانی اس کی ہیبت ناک تباہیوں سے محفوظ ہو جائے اگر کچھ بتایا جاتا ہے تو صرف اتنا اور وہ بھی تباہی کے بعد کہ اس کا مرکز فلاں جگہ ہے اور یہ اتنے سیکنڈ تک رہا۔ امریکہ نے کینسر کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے کروڑوں ڈالر خرچ کر دیئے ہیں لیکن اب تک صرف قیاس آرائیوں سے کام لیا جا رہا ہے نہ اس کی وجوہات کی تشخیص ہو سکی ہے اور نہ ہی کوئی مؤثر علاج معلوم ہو سکا ہے۔ سائنسدانوں نے ایٹم کا کلیجہ توڑ شق کرنے کا دعوےٰ کر دیا ہے لیکن یہ نہیں بتا سکے کہ اس میں اس قدر قوت کیسے اور کس قانونِ فطرت کے تحت محفوظ کی گئی ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ نباتات۔ حیوانات اور جمادات کے ایٹم اس قدر مختلف ہیں کہ کہیں تو یہ ایک مخصوص نظام ترکیب سے زندگی پیدا کر دیتے ہیں اور کہیں یہ جمادات کی شکل میں ہی محفوظ رہتے ہیں۔ اور اس قدر بے شمار متنوع صورتیں اختیار کر لیتے ہیں کہ عقلِ انسانی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی ہیں۔

خدا کا یہ تصوّر کہ وہ اپنے وضع کردہ قانین کے ہاتھوں بے بس ومجبور ہے اور اگر چاہے بھی تو انہیں اپنی مشیّت اور ارادہ کے تحت بدل نہیں سکتا قرآن کے نظریہ خدا کے سراسر خلاف ہے۔ خدا را ایسے بےبس و مجبور خدا کا تصوّر دنیا کے سامنے پیش کرکے آنحضرتؐ کو شرمندہ نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ نے دنیا کے سامنے ایک زندہ خدا کو پیش کیا ہے ورنہ پتھّر کے ایک بُت اور قرآن کے پیش کردہ خدا میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب - اسلام آباد

احادیثِ نبویؐ وآئمہ حدیث

حدیث کی تعریف } حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قول فعل و سیرت حال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ یعنی حضور صلعم کا قول بھی حدیث ہے۔ فعل کا بیان بھی حدیث ہے اور حضور کے خصائل اور عادات اور شکل و صورت کا بیان بھی حدیث ہے۔ اور حضورؐ کی تقریر بھی حدیث ہے۔ یہاں تقریر کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلعم کے سامنے مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کیا۔ آپ نے اس کام کو دیکھا یا سُنا اور اس سے آپ نے نہ تو منع فرمایا اور نہ انکار کیا تو آپ کا یہ سکوت تقریر کہلاتا ہے۔ حضور صلعم کے سوا اور کسی کی تقریر اسلام میں حجت نہیں۔

احادیث کی قسمیں } حدیث میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک متن حدیث یعنی حدیث کے اصل الفاظ اور دوسری سند یا اسناد (یعنی راویانِ حدیث)۔ ویسے تو محدثین نے احادیث کے راویان کے اعتبار سے حدیث کی کئی قسمیں بنائی [illegible]۔ مگر حقیقتاً جس حدیث کا سلسلہ حضور صلعم تک پہنچے اسکو [illegible] کہتے [illegible]۔ اور جس کا سلسلہ صحابی یا تابعی پر ختم ہو جائے [illegible] میں اثر کہتے ہیں۔ یہ بات بھی اس موقع [illegible] بیان کر [illegible] کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حضور صلعم کو [illegible] حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا آپؐ کی صحبت پائی ہو [illegible] تابعین میں وہ اشخاص داخل ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت [illegible] تابعی کو دیکھا ہو یا اس کی صحبت پائی ہو۔

شروع شروع میں مسلمان اپنے طور پر احادیث نبویؐ کو سُن کر خود یاد رکھتے تھے اور بعض ان میں سے اپنے طور پر لکھ بھی لیتے تھے اور دوسروں کو بھی سناتے تھے۔ بعد میں حضرت [illegible] کے زمانے میں شیعہ سُنّی فرقے بن گئے تو بعض لوگوں نے احاد[illegible] میں غلو کرنا شروع کیا تاکہ اسکو اپنے موقف کے حق میں وضع کریں۔ اور حدیثوں کے متعلق دلوں میں شبہات پیدا ہونے لگے۔ کوئی [illegible] دو سو سال کا عرصہ گذر گیا تو اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی کہ احادیث نبویؐ جن کی اسناد صحیح اور قابل قبول ہوں ان کا ایک مجموعہ تیار ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ مخلص اور عالم دین اماموں نے اس مقدس کام کو کرنے کا عزم کیا۔ ان مجموعہ احادیث میں چھ ایسے مجموعے یا کتابیں ہیں جن کو علمائے دین نے ان کی صحت اور محنت اور تفصیل کی وجہ سے چُنا ہے جن کو صحاح ستّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں صحیح بخاری کا اول درجہ ہے۔ دوئم صحیح مسلم ہے۔ اس کے بعد سُنن ابوداؤد۔ نسائیؒ۔ ابن ماجہ اور ترمذی ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ کا موقف احادیث کے متعلق } یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ حدیث کے اصل اور صحیح مقام کو واضح کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے کچھ شرائط بیان کی ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلعم کا (بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ) خلق قرآن تھا۔ اس لئے یہ امر واضح ہے کہ حضورؐ کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے یا کہتے تھے جو کہ قرآن کریم کی صریح اور واضح تعلیم کے خلاف جاتی ہو یا اس کو ردّ کرتی ہو۔ اس لئے اگر کوئی حدیث ایسی نظر پڑے جو کہ بظاہر خلافِ تعلیم قرآن شریف ہو۔ تو اولاً اس کی ایسی تاویل کرنے کی کوشش کی جائے جو اسے قرآن شریف کے ماتحت یا اس کے مطابق کر دے۔ اور ایسی تاویل نہ ملنے کی صورت میں حدیث کو یا اس کے خاص حصّہ کو ردّ کرنے کے قابل سمجھا جائے۔ ایسا ہی اگر حدیث کی کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اسے عام تجربہ انسانی یا تاریخ مسلّمہ کے مطابق کر دے تو اس تاویل کو ترجیح دی جائے۔ حدیث کے حدیث کے ساتھ اختلاف میں کثرت یا مضبوطی شہادت کو زیادہ وقعت دی جائے۔ بہر حال قرآن شریف حَکم ہے۔ احادیث اس کے ماتحت ہیں۔ اگر کوئی حدیث ایسی ہو جو قرآنی تعلیم کے خلاف نہیں جاتی۔ اور اس میں ایسی مفید باتیں ہوں جو اسلامی نظریہ سے مطابقت رکھتی ہوں اور ان سے کسی فساد کا امکان نہ ہو تو ایسی حدیث کے صحیح مان لینے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کی اسناد کی اُلجھن میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

کتاب "مقامِ حدیث" } حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور سابق امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے عرصہ ہوا کہ حدیث کے اصل مقام کو واضح کرنے کے لئے ایک مفید اور جامع کتاب "مقامِ حدیث" لکھی تھی جس میں احادیث کے متعلق مفصل بحث اور اس کی ضرورت اور صحیح مقام کو واضح کیا گیا ہے اور یہ کتاب دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔

چند مشہور راویانِ حدیث اور اماموں کے مختصر حالات

(۱) حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ } امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ ان کا وطن بخارا (ترکستان) تھا۔ امام بخاری بچپن میں آشوب چشم سے قریباً اندھے ہو چلے تھے۔ ان کی والدہ بیٹے کے اندھا ہو جانے کے [illegible] سے بہت پریشان رہتی تھیں۔ علاج کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا اور گریہ زاری بھی کرتی رہتی تھیں۔ ایک رات انہوں نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں: "تجھ کو خوشخبری ہو کہ خدا تعالےٰ نے تیرے بیٹے کو بینائی مرحمت فرما دی" صبح کو اُٹھ کر انہوں نے دیکھا تو بیٹے کی آنکھیں روشن تھیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد دس برس کی عمر سے امام بخاری کو احادیث رسول کریم صلعم کو حاصل کرنے اور یاد کرنے کا شوق ہوا۔ حافظہ آپ کا نہایت قوی تھا جو سنتے یاد کر لیتے اور یاد رکھتے تھے۔ گیارہ برس کی عُمر سے ہی دُور دراز کے سفر کرکے مشائخ حدیث کے حضور حاضر ہوتے اور حدیثیں بڑے بڑے حفاظِ حدیث سے حاصل کیں۔ سولہ برس کی عُمر میں آپ اپنی والدہ اور بھائی کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ حج کے بعد والدہ اور بھائی کو واپس بھیجدیا اور خود طلب حدیث کے ذوق میں مکہ معظمہ کے اندر قیام کیا اور بہت سی احادیث حاصل کیں۔ اس کے بعد طلب حدیث کے سلسلہ میں عرصہ دراز تک بلاد اسلامیہ۔ مصر شام۔ بصرہ وغیرہ کی سیر کرتے رہے۔ اس کے بعد گھر پہنچ کر صحیح بخاری کی ترتیب شروع کر دی۔ آپ نے چھ لاکھ حدیثیں جمع کی تھیں اور پھر ان احادیث کی اسناد کی تحقیق

کرکے ان کے مضامین کے اعتبار سے احادیث کا انتخاب کیا۔ آپ پہلے انتخاب کرتے اور پھر غسل کرکے دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور اس کے بعد اس حدیث کو صحیح بخاری میں اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے آپ نے صحیح بخاری میں (مکرر حدیثوں کو اگر حذف کیا جائے تو) قریباً ساڑھے چارہزار حدیثیں شامل کیں۔ علمائے دین اور محدثین نے صحیح بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ (یعنی قرآن کریم کے بعد (دین کے معاملہ میں) سب سے زیادہ صحیح کتاب) مانا ہے

امام بخاریؒ اپنے شہر بخارا میں درس حدیث دیتے تھے اور طلباء ان کے درس سے مستفید ہوتے تھے۔ اس اثنا میں امیر خالد بن احمد ذہلی۔ حاکم بخارا نے امام بخاری سے درخواست کہ امام ان کے مکان پر حاضر ہوں اور جامع اور تاریخ سے اس کے بچوں کو پڑھائیں۔ امام بخاریؒ نے اسے نامنظور کیا اور کہا کہ علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے اس کے بچے دوسرے طلباء کے ساتھ درس میں شامل ہو سکتے ہیں ورنہ ان کے لئے کوئی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ اس پر حاکم بخارا ان کے خلاف ہو گیا اور بالآخر ان کو بخارا سے جلا وطن کر دیا۔ خدا کی شان تھوڑی ہی مدت میں وہ حاکم معزول کر دیا گیا۔ امام بخاری نیشا پور میں جاکر مقیم ہو گئے۔ اور وہاں سلسلۂ درس و تدریس شروع کر دیا۔ مگر وہاں کے حاکم سے بھی نہ بنی اور آخر وہاں سے بد دل ہو کر مقام خرتنگ تشریف لے گئے جو کہ سمرقند سے چھ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ مگر یہاں بھی مخالفوں اور حاسدوں نے امام بخاریؒ کو پریشان کر دیا۔ تو آپ نے زندگی سے تنگ آکر یہ دُعا کی "اے پروردگار یہ زمین وسیع ہونے کے باوجود میرے لئے تنگ ہو گئی ہے۔ اب تو مجھے اپنے پاس بُلا لے"۔ خدا تعالےٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی اور عیدالفطر کی رات کو ۲۵۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ اور ۶۲ برس کی عمر پائی۔ منقول ہے کہ عبدالواحد راوئ حدیث نے آپ کی وفات کے متعلق ایک خواب دیکھا جو بالکل صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے خواب میں حضور نبی کریم صلعم کو دیکھا جو صحابہ کی جماعت کے ساتھ کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالواحد کہتے ہیں میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور پوچھا "حضور یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" فرمایا: "محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں"۔ عبدالواحد کا بیان ہے کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد جب امام بخاری کی وفات کی خبر ملی تو میں نے تحقیقات کی اور مجھ کو معلوم ہوا کہ جس وقت میں نے خواب دیکھا تھا اسی وقت امام بخاری کا انتقال ہوا تھا۔ اسی طرح محمد بن احمد مروزی نے کہا کہ میں رکن و قیام (مسجد نبوی میں) کے درمیان سو رہا تھا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا: "اے ابو زید۔ تم کب تک امام شافعی کی کتاب پڑھاتے رہو گے؟۔ اور ہماری کتاب نہ پڑھاؤ گے؟"۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے۔ فرمایا "محمد بن اسماعیل بخاری کی جامع"۔ اسی طرح نجم بن فضل نے کہا میں نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا کہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ آپ کے پیچھے ہیں۔ جب آپ ایک قدم اُٹھاتے ہیں تو امام بخاری بھی قدم بڑھاتے اور ٹھیک آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر اپنا پاؤں رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیریؒ

امام مسلم جن کی کتاب صحیح مُسلم صحاح ستہ میں بخاری کے پایہ کی کتاب ہے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے اور ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری کی طرح ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو بھی احادیث نبویؐ کے حصول و جمع کا شوق پیدا ہُوا اور مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کرکے اس زمانہ کے آئمہ حدیث سے احادیث کو جمع کیا اور آخر میں حضرت امام بخاری کی خدمت میں بھی رہے اور آپ سے مستفیض ہوتے تھے۔ امام مسلم نے بھی تین لاکھ احادیث میں سے مکرر حدیثوں کے علاوہ قریباً چار ہزار حدیثیں شامل کی ہیں۔

امام مسلم نے قریباً ۵۷ برس کی عمر میں ۲۶۱ھ میں وفات پائی اور نیشاپور میں دفن ہوئے۔

(۳) حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ

یہ ۲۰۲ھ میں بمقام سیقان پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد عراق۔ خراسان۔ شام۔ مصر اور جزیرہ وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر حصول احادیث کے لیئے اختیار کیا۔ اور بہت عُلماء سے احادیث کو سُنا اور لکھا۔ امام ابو داؤد عرصہ تک بصرہ میں رہے اور اس کے بعد بغداد چلے گئے جہاں آپ نے سنن ابو داؤد کو ترتیب دیا۔ آپ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو حدیثیں انتخاب کیں اور ان کو کتاب میں درج کیا۔ امام ابو داؤد کا بیان ہے کہ میں نے جس قدر احادیث منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کی ہیں ان میں سے چار حدیثیں ایک مسلمان کے لئے کافی ہیں۔ یعنی ان چار حدیثوں میں اسلام کی ساری تعلیم مجملاً پائی جاتی ہے۔ اور وہ حدیثیں یہ ہیں:۔

(۱)۔ انما الاعمال بالنّیات۔ تمام اعمال کا دارو مدار نیّت پر ہے۔

(۲) من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یغنیہ۔ جس مُسلمان کا اسلام درست ہو گیا وہ تمام غیر ضروری اور بیکار باتوں کو ترک کر دیتا ہے۔

(۳) لایکون المومن مومنًا حتّٰی لا یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہٖ۔ مُسلمان اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۴) ان الحلال بیّن و الحرام بیّن و بینہما مشتبہاتٌ۔ حلال و حرام باتیں ظاہر ہیں اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ باتیں ہیں۔

قارئین کرام کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سُنن ابو داؤد ہی ہے جس میں بعثت مجدّدین کی مشہور اور صحیح حدیث دی گئی ہے۔ جس پر تاریخ اسلام نے مہر صداقت لگا دی ہے۔

امام ابوداؤد نے ۷۴ سال کی عمر پاکر ۲۷۵ھ میں انتقال فرمایا اور بصرہ میں دفن ہوئے۔

(۴) امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذیؒ

یہ ۲۰۹ھ میں بمقام ترمذ (جو دریائے جیحوں کے کنارے واقع ہے) پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم کے بعد جمع حدیث کا شوق پیدا ہوا اور جس کے لئے آپ

نے مختلف بلادِ اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ انہوں نے بعد میں جو کتاب صحیح ترمذی ترتیب دی اس میں چند ایک خصوصیات ہیں۔ مثلاً :—

ا۔ امام ترمذی کو جو حدیث جس صحابی سے پہنچی ہے۔ اس صحابی کا نام انہوں نے اپنی صحیح میں بیان کر دیا ہے تاکہ حدیث کے متواتر مشہور و احاد ہونے کا حال معلوم ہو جائے اور کوئی شبہ نہ واقع ہو۔

ب۔ جو حدیث کسی مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق درج کی ہے اس میں علماء اور مذاہب کے اختلافات کو بھی بیان کر دیا ہے۔

ج۔ احادیث کے راویوں کی قوت اور ضعف کا ذکر کیا ہے۔ یعنی راوئ حدیث کی شخصیت کو واضح کیا ہے کہ کس درجہ کا قوی یا کمزور وضعیف ہے۔

امام ترمذی نے اپنی کتاب صحیح ترمذی کو ترتیب دے کر اس کی نقلیں حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے پاس بھیج دیں اور تمام علماء نے اس کتاب کو پسند کیا۔ امام ممدوح نے ستر سال کی عمر میں ۲۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

(۵) امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ } یہ خراسان کے مشہور شہر نسا میں ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم کے بعد احادیث نبویؐ کے حصول کے لئے بلادِ اسلامیہ کا سفر اختیار کیا اور بڑے بڑے علماء سے علوم و احادیث کو حاصل کیا۔ امام نسائیؒ شافعی المذہب تھے۔ اور صوم داؤدی کے پابند تھے۔ یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ۔ بایں ہمہ آپ میں کافی قوت تھی۔ آپ نے ... مستند حدیثوں کا انتخاب کر کے ایک کتاب سنن مجتبیٰ کے نام سے مرتب کی اور یہی آج کل سننِ نسائیؒ کے نام سے مشہور ہے۔

امام نسائیؒ نے ایک کتاب حضرت علی رضؓ کے مناقب و فضائل پر بھی لکھی۔ اس کو سنانے کے لئے جامع دمشق میں تشریف لے گئے۔ ایک روز مجمع کے اندر تھوڑی سی کتاب پڑھی تھی کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا۔ آپ نے امیر معاویہ کے فضائل کی نسبت بھی کچھ لکھا ہے۔ (شام میں امیر معاویہ اور اموی خاندان کا بہت اثر تھا۔) امام نسائی نے جواب میں کہا کہ "معاویہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ نجات پا جائے۔ انکے مناقب کہاں؟" اس جواب نے لوگوں کو برہم کر دیا اور آپ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آخر آپ کے خادم آپ کو اُٹھا لائے۔ آپ نے اُن سے کہا کہ مجھ کو مکہ معظمہ لے چلو۔ چنانچہ آپ کو مکہ لے جایا گیا اور وہاں پہنچکر آپ نے انتقال فرمایا اور ۳۰۳ھ میں وہیں دفن ہوئے۔

(۶) امام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ } عراق و عجم کے مشہور شہر قزوین میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد بلادِ اسلامیہ کا سفر برائے تحصیل احادیث اختیار کیا اور اس کے بعد سُننِ ابن ماجہ ترتیب دی۔ انہوں نے ۲۷۳ھ میں بعمر ۶۴ سال وفات پائی۔

(۷) امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانیؒ } مسند امام حنبل کے جامع امام احمد ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد بلادِ اسلامیہ کا سفر تحصیل علوم اور طلب حدیث کے لئے اختیار کیا۔ امام احمد بن حنبل اپنے وقت کے مقتدا اور پیشوا تھے اور فنِ حدیث اور فقہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فقہ حنبلی اختیار کی۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ڈیڑھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے صرف تیس ہزار حدیثیں درج کتاب کی گئی تھیں۔ امام احمد بن حنبل نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ساری عمر فقر میں گذاری اور کبھی کسی سے ہدیہ اور نذر کو قبول نہیں کیا۔ مذہبی اختلافات کی وجہ سے اور بعض نئے بدعی مسئلوں (مثلاً قرآن کریم کا بجائے اللہ کا کلام ہونے کے اس کا مخلوق تسلیم کرنا) میں حاکم وقت کے ہاں میں ہاں نہ ملانے کی وجہ سے امام احمد بن حنبل کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ مگر آپ اپنے صحیح اعتقاد پر قائم رہے۔ امام ممدوح نے ۷۸ سال کی عمر پائی اور ۲۴۱ھ میں انتقال فرمایا اور بغداد میں ہی دفن ہوئے۔

(۸) امام مالک بن انسؒ } آپ اپنی واقفیت۔ علم اور مرتبہ اور زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ آپ ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا ابو عامر حضور نبی کریم صلعم کے صحابی تھے اور سوائے غزوہ بدر کے باقی تمام غزووں میں حضور کے ساتھ شریک ہوئے۔ امام مالک پابند سنت اور نہایت متقی تھے اور محدثین میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اور یہ علماء کے شیخ اور آئمہ کے استاد تھے۔ امام شافعیؒ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام مالکؒ ہمیشہ مدینہ میں رہے اور ساری عمر مسجد نبویؐ کے اندر درس و تدریس میں گذار دی۔ صرف ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور بس۔ بغداد کا مشہور خلیفہ ہارون الرشید ایک دفعہ روضۂ نبویؐ کی زیارت کے لئے مدینہ آیا تو امام مالک سے کہا کہ وہ اس کے بیٹوں امین و مامون کو احادیث نبوی سنانے کے لئے خلیفہ کی قیام گاہ پر تشریف لے آیا کریں تو بڑا احسان ہوگا۔ امام مالک نے فرمایا، جن چیزوں کو خدا نے عزت و عظمت بخشی ہے آپ اس کو ذلیل نہ فرمائیں۔ خلیفہ نے معافی چاہی اور اس کے بعد اپنے بیٹوں کو امام صاحب کے پاس درس حدیث کے لئے بھیجنا شروع کیا۔ امام مالکؒ کی مجموعہ احادیث کی کتاب موطا بہت پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

(۹) امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی } امام شافعی ۱۵۰ھ میں مقام غزہ یا عسقلان میں پیدا ہوئے اور دو سال بعد مکہ میں لائے گئے۔ آپ قریشی مطلبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ نو برس کی عمر میں آپ نے قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا اور دس سال کی عمر میں موطا امام مالک کو یاد کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ معظمہ کے مفتی اعظم مسلم بن خالد سے علم فقہ پڑھا اور پھر مدینہ منورہ جاکر امام مالکؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر اس کے بعد دو برس بغداد میں جاکر رہے اور وہاں کے علماء سے حدیث و فقہ حاصل کیا اور اس کے بعد مکہ معظمہ واپس آ گئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ علمائے فقہ و حدیث اس امر میں متفق ہیں کہ امام شافعی ثقہ۔ امین۔ عادل۔ زاہد۔ متورع۔ سخی اور خوب سیرت اور عالی مرتبت ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ کو دوسری صدی ہجری کا مجدد دین اسلام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ۵۴ سال

کی عمر میں ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا اور مصر میں ہی مدفون ہوئے۔

(۱۰) **امام نعمان بن ثابت۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ** آپ کی ولادت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ آپ کے والد ثابت بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی رضؓ نے ان کے حق میں اور ان کی اولاد کے حق برکت کی دعا کی۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں چار صحابی بقید حیات تھے۔ بصرہ میں حضرت انس بن مالک۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی۔ مدینہ میں حضرت سہل بن سعد ساعدی اور مکہ میں حضرت ابوالفضل عامر بن واصلہ تھے۔ امام ابو حنیفہ کی ملاقات ان میں سے کسی سے بھی نہیں ہوئی۔ نہ انہوں نے ان سے کچھ حاصل کیا۔ ابو حنیفہ نے فقہ اور حدیث علمائے وقت سے پڑھی اور علم حاصل کیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے ان کو کوفہ سے بغداد منتقل کر دیا اور آپ اپنی وفات تک وہیں رہے۔ اس سے پہلے مروان بن محمد کے دور میں ابو حنیفہ کو کوفہ کے محکمہ قضا کی ذمہ داری لینے پر مجبور کیا گیا۔ مگر ان کے انکار پر حاکم وقت نے آپ کو دس دن تک روزانہ دس کوڑے لگوائے۔ مگر ابو حنیفہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد خلیفہ منصور عباسی نے ابو حنیفہ کو عراق کا محکمہ قضا سپرد کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر ان کو قید کر دیا گیا۔ اور قید میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو حنیفہ مردوں میں متوسط قامت تھے۔ گندمی رنگ تھا اور چہرہ خوبصورت۔ گفتگو میں سب سے اچھے شائستہ مجلس۔ نہایت سخی اور اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی خبرگیری کرنے والے تھے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، اور ان کے علم اور اجتہاد کی تعریف کی۔ امام شافعی نے فرمایا کہ جس شخص کو فقہ میں تبحر حاصل کرنا ہوگا وہ ابو حنیفہ کی مدد کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوگا۔

ابو حنیفہؒ رات کا کافی حصہ نماز تہجد میں گذارتے تھے۔ شریک نخعی نے کہا کہ ابو حنیفہ بہت خاموش اور ہمیشہ گہری فکر میں رہنے والے اور کم گو تھے۔ خلاصہ یہ کہ آپ عالم، عامل، متقی، زاہد، عابد اور علوم شریعت میں امام تھے۔

انہوں نے کوئی مجموعۂ احادیث نہیں لکھا۔ ان کی قدر اور ان کی عزت ان کے اجتہاد اور علم فقہ کی وجہ سے ہے۔ اور مسلمانوں میں فرقہ اہل سنت والجماعت انہی کی فقہ اور اجتہاد کو اپناتا ہے۔ ان کے اجتہاد سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ انسانی رائے ہے۔ اصل حکم قرآن کریم ہے اور اس کے بعد احادیث صحیحہ اور سنت رسول۔ امام ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد ہوئی اور وہیں دفن کئے گئے۔

معذرت پاکستان میں عام انتخابات کے بعد مارشل لاء کے نفاذ تک کے درمیانی عرصہ میں جلسے جلوسوں، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ اور مسلسل ہڑتالوں کے باعث جملہ کاروبارِ زندگی معطل رہا ہے۔ پھر مارشل لاء اور کرفیو کے نفاذ کے بعد بھی حالات کو معمول پر آنے میں کچھ وقت لگا۔ بدیں وجوہات پیغام صلح کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی ہے۔ اب اس کی بروقت اشاعت کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ امید ہے قارئین کرام ہماری یہ معذرت قبول فرمائیں گے۔ (ادارہ)

از مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم و مغفور ——— بسلسلہ تربیت نوجوانان

اسلامی رواداری

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے واضح طور پر رواداری کی تعلیم دی ہے۔ رواداری کا مطلب ہے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ ان کے حقوق کی حفاظت کرنا۔ ان کو مذہبی آزادی دینا اور ان سے عدل و انصاف کرنا۔

مسلمان بادشاہ اس امر کا بہت خیال رکھتے تھے کہ غیر مسلم رعایا سے نیک سلوک کیا جائے اور ان کے تمام قسم کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اپنے گورنروں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ ذمیوں یعنی غیر مسلم رعایا سے نیک سلوک کیا جائے۔ جب آپ فوت ہونے لگے اس وقت بھی آپؓ نے وصیت فرمائی کہ جو میرے بعد خلیفہ ہو اس کو لازم ہے کہ ذمیوں کے حقوق کی ہر طرح سے نگہداشت کرے۔ اسلام نے اس کے متعلق سخت تاکید کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان بادشاہوں کا دوسرے مذہب کے بادشاہوں سے مقابلہ کیا جائے تو صاف طور پر نظر آ جائے گا کہ مسلمانوں جیسی رواداری کسی نے نہیں برتی۔ اور اگر کبھی کسی مسلمان بادشاہ نے رواداری کے خلاف قدم اٹھایا تو مسلمان علماء نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس بارہ میں ہم تم کو کشمیر کے فرمانروا سلطان سکندر کا واقعہ سناتے ہیں:—

یہ سلطان سکندر چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں کشمیر پر حکومت کرتا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا جس کا نام سی آہٹ تھا۔ یہ دراصل ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ اس کے دل میں ہندوؤں کے متعلق بڑی نفرت تھی اس لئے ان پر سختی کرتا تھا۔ اس نے سلطان سکندر کے دل میں یہ خیال بٹھانا چاہا کہ ہندوستان کے بت توڑنا بہت اچھا کام ہے۔ سلطان خود مذہب اسلام سے زیادہ واقف نہ تھے۔ وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں شاہ ہمدان ایک مشہور مسلمان ولی اللہ تھے۔ ان کا مزار سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے۔ جب انہوں نے سلطان کے متعلق سنا کہ وہ ہندوؤں کے بت توڑنے کے درپے ہے وہ سلطان کے پاس گئے اور اسے کہا:—

”سلطان! سنو! تمہارا یہ طریق اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم غیر مذاہب کی عبادتگاہوں کی حفاظت کریں اور ان کی اسی طرح عزت کریں جس طرح ہم اپنی مسجدوں کی عزت کرتے ہیں۔“

جب سلطان نے شاہ ہمدان کی یہ بات سنی۔ اس نے اپنا پہلا خیال ترک کر دیا اور حکم دیا کہ اگر ناواقفیت کی وجہ سے کوئی مندر کسی وقت گرایا گیا ہو تو فوراً اس کو نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔ اور اس کی تعمیر کے تمام اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کئے جائیں۔

غلطی کا ہو جانا الگ بات ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ دوسرے مذاہب کی عبادتگاہوں کی بھی حفاظت کی جائے۔ اگر کسی ناواقف حکمران نے کبھی اس کے خلاف کیا ہو تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ عام طور پر مسلمان بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی غیر مسلم رعایا سے رواداری کا سلوک کیا ہے۔ ہندو لوگ اورنگ زیب بادشاہ کو بڑا متعصب مشہور کرتے ہیں۔ مگر تاریخی ثبوت موجود ہے کہ اس بادشاہ نے ہندوؤں کے مندروں کے لئے جاگیریں وقف کیں۔ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں ہندو بڑے بڑے عہدوں پر متعین تھے اور اعلیٰ خدمات بجا لانے والے ہندوؤں کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔

نماز کیا ہے؟

روحانی رنگ میں خداوند کریم سے سرگوشی کرنا

(از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

نماز کے فوائد گنتی سے باہر ہیں۔ روحانی اور دنیوی دونوں۔ نماز اعلیٰ درجہ کی صفاتِ انسانی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان نماز کے وقت اپنے دل کے راز اپنی حاجتیں اپنی تمام آرزوئیں خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ پھر جس قدر خضوع و خشوع سے یہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ انعام یہ حضوری کچھ چھوٹی سی بات نہیں۔ خود دنیوی ملاقاتوں پر قیاس کر کے دیکھ لو۔ لوگ کس قدر خوش اور مفتخر ہوتے ہیں جب انہیں کسی افسر سے اچھی ملاقات نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر کسی گورنر سے ملاقات سے جو انہیں حظ حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہفتوں، مہینوں میں بھی اپنی حلاوت ضائع نہیں کرتا۔ پھر غور کرو۔ جب تم کو خالق السمٰوات والارض وما بینھما کے سامنے جانے کا شرف حاصل ہو تو اس کی خوشی کس قدر ہونی چاہیئے۔

نماز کوئی کلفت نہیں صرف تھوڑی سی قلبی تبدیلی درکار ہے اور نماز ایک خوشی کا وقت بن جاتا ہے۔ بلاشبہ جب تمہاری نماز ایک خوشی بن جاوے تو یہ ایک مبارک اور بلند مقام ہے۔ جب نماز کا وقت قریب ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم حضرت بلالؓ کی طرف اشارہ کر کے اسے فرمایا کرتے تھے۔ "ارحنا یا بلال"۔ بلال ہم کو راحت دو۔ خوش کرو۔ یعنی اذان دو۔ کہ ہم نماز میں ذاتِ باری تعالےٰ کے حضور میں جا کر خوش و خرم ہوں۔

یہ بلند پایہ کی نماز ہے۔ ہمارے نوجوانوں کے لئے جو ابھی نماز کی لذّت سے آشنا نہیں یہ مقام بہت مشکل ہے لیکن امکان سے باہر نہیں۔ تجربہ سے یہ لذّت آتی ہے۔ اقامت نماز پہلے مشقت طلب ہے۔ ابتداء ہر کام کی مشقت اور محنت کی عادت سے ہوتی ہے بعد میں بلند منازل انسان کو خود اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

بچے کی تعلیم پر ہی خیال کر کے دیکھ لو تمہیں کس قدر جبر و حکم سے اسے تختی قاعدہ وغیرہ ابتدائی امورات سے گذارنا ہوتا ہے۔ اسے یہ تمام مشقت و محنت خلاف ارادہ و منشاء برداشت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کر وہ مطالعہ کُتب کی لذّت سے آشنا ہوتا ہے۔ اور علوم و فنون کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ پھر یہ چیزیں خود اسے اپنی طرف کھینچے چلی جاتی ہیں۔ یہی حال نماز کا ہے۔ ابتدائی مشقت محنت برداشت کرو۔ اس کے تجربہ کے مراحل سے گذرو، تو پھر معلوم ہو جائے گا کہ نماز تمہارے لئے کس قدر راحت کا سامان ہے۔ تمہارے دکھوں، تکلیفوں میں کس قدر یقینی سہارا ہے۔

پھر تاریخ تمہارے سامنے ہے۔ کوئی ایک دو واقعات نہیں جو اس کے فیوض پر شاہد ہوں۔ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ فوج کشی کرتے ہیں مگر غنیم کے سامنے وہ بالکل بے چارہ نظر آتے ہیں۔ ہلاکت، درماندگی اور خوفناک شکست یقینی نظر آتی ہے۔ ان کے اپنے لشکر اور سامانِ حرب میں کوئی امید افزا بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس درماندگی اور بے بسی کی حالت میں وہ ذاتِ باری تعالےٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے کہ یک قلم لڑائی کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ ہزیمت ایک کھلی ہوئی فتح بن جاتی ہے۔ یہ نصرت صرف نماز کا کرشمہ ہے پھر کیا یہ مفید بات نہیں ایک فائدہ بخش عمل نہیں کہ جُوں جُوں عمر بڑھتی جاوے یا ہماری تکالیف میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاوے ہم اسی قدر خدا کی طرف متوجہ ہوتے جاویں۔ اسی قدر ہم اس کے قریب ہوتے جاویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آدمی سینما وغیرہ کی کشش میں اس قدر بے تاب ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے دکھ اور تکلیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ چل نہیں سکتے۔ معذور و نحیف ہوتے ہیں۔ مگر سینما ہے کہ اس کی کشش انہیں کشاں کشاں لے جاتی ہے۔ اس مشقت میں انہیں بالآخر ایک لذّت کا پیغام نظر آتا ہے۔ کاش وہ عارضی لذّت کا خیال چھوڑ کر دائمی لذّت کے لئے مشقت اٹھایا کریں۔ خود آنحضرت صلعم کی زندگی مبارک پر ہی غور کریں۔ اور سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات میں حضورؐ کی نماز اور قلبی کیفیت کا نقشہ موجود ہے۔ رات کو تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد آپؐ اٹھتے ہیں اور نماز میں مشغول ہو کر قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔ کبھی نصف رات ہی ذکرِ الٰہی میں صرف ہو جاتی ہے۔ کبھی اس سے کم، کبھی اس سے زیادہ بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو قرآن پاک کی تلاوت اور نماز کی ادائگی میں کس قدر لذّت آتی تھی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر یہ قرآن حضورؐ کا اپنا کلام ہی ہوتا تو پھر اسے بار بار اور ہر شب اور اکیلے پڑھنے کے کیا معنے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ لذّت حاصل ہو جائے تو پھر یہ دائمی راحت ہے۔ پھر نماز کے فوائد اور بھی ہیں جو نوجوانوں کے لئے بالخصوص بہت کار آمد ہیں۔ نماز ایک بہترین طریق ہے ضبط و نظم (DISIPLIN) پابندی اوقات و چستی طبع وغیرہم کی تحصیل کا۔ قیامت میں ثواب کے خیال کو الگ رکھو اس کے ظاہرا فوائد بھی اس قدر ہیں جن کی دنیا میں کامرانی کے لئے بہت ضرورت ہے۔ ضبط سی مفید چیز جو نماز کی بدولت آسان ہوتی ہے۔ آج دنیا کو کس قدر مرغوب و مطلوب ہے؟

پھر نماز میں وہ اخوّتِ انسانی پیدا ہوتی ہے۔ جو ہماری موجودہ تہذیب سے پیدا نہیں ہوئی۔ نماز ہی ہے جو امیر و غریب، آقا و غلام، جرنیل و سپاہی چھوٹے بڑے کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ آج یورپ بھی بلا تامل کہہ اٹھا ہے "کہ اس یگانگت اور ایسی اخوّت کے لئے ہمیں اسلام کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں گے۔" یہ کارنامہ صرف نماز ہی کا ہے۔ تعلیم کے رنگ میں کتنا ہی مساوات پر زور دیا جاتا لیکن اگر عملی رنگ میں نماز کے اندر وہ مساوات قائم نہ کر دی جاتی تو اسلام کا مساوات کا معجزہ کبھی ظہور پذیر نہ ہوتا۔ پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ فوائد اجتماع سے وابستہ ہیں۔ "اجتماع فی المسجد"۔ گھروں میں علیحدہ علیحدہ نماز میں یہ فائدے کم ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ نمازی کے سامنے غفلت و سستی نہیں آتی۔ جس انسان کا وقت کی پابندی کے ساتھ پانچ وقت پاک صاف ہو کر چست ہو کر نمازیں ادا کرنا ایک شعار بن گیا ہے وہ بھلا غافل، کاہل و سست رہ سکتا ہے؟ یہ صحیح بات ہے کہ بے نماز وقت کا اس قدر پابند نہیں ہو سکتا۔ بعض کور ذوقوں کا خیال ہے کہ نماز آہستہ آہستہ نابود ہو جائے گی۔ یہ خیال غلط ہے۔ جب تک کوئی انسان ترقی کرتا ہے اور اس کی فطرت میں ترقی کے لئے جد و جہد کا مادہ ودیعت شدہ ہے تو وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ خوبیاں جو نماز پیدا کرتی ہے، نہ نظر انداز ہو سکتی ہیں اور نہ کسی اور ذریعہ سے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

ہاں ہمارے نوجوانوں میں نماز کی طرف میلان کی کمی دیکھی جاتی ہے اس تغافل و بے پروائی کے ذمہ دار ان کے ماں باپ ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خود والدین پابند صوم و صلوٰۃ ہوں تو اس کا اثر ان کی اولاد پر پڑنا لازمی ہے۔ حضور کا بدیہی ارشاد اس بارہ میں قابلِ توجہ ہے۔ کہ سات سال کی عمر میں اس کی عادت ڈالنی شروع ہو۔ بارہ سال کے بعد اگر اس پر عامل نہ ہوں تو سختی کا حکم ہے۔ نماز ہرگز تضیع اوقات نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی صفات انسانی

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۱)

راولپنڈی جماعت کے یک روزہ سالانہ اجلاس کی مختصر روئداد

جماعت راولپنڈی کا یک روزہ سالانہ اجلاس ۲/۴/۷۷ کو زیر صدارت جناب میاں بشیر احمد منٹو صاحب منعقد ہوا۔ آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ جس کے بعد محمد اعظم علوی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں اپنا کلام پیش کیا۔ الحاج میاں فاروق اے شیخ صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ سنائے۔ کیپٹن عبدالواجد صاحب نے قرآن کریم کی آیت واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی روشنی میں جماعت کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر اظہار خیال کیا۔ آپ نے مغربی ممالک میں اسلام کا صحیح نقطہ نظر پیش کرنے کے بارے میں جدید علوم سے آراستہ مبلغین تیار کرنے پر بھی زور دیا۔

آپ کے بعد محترمہ بیگم اکرام الحق صاحبہ نے اخوت اسلامی پر مقالہ پڑھا آپ نے فرمایا کہ مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جو مسلمان اپنے آپ کو دوسرے پر کسی حیثیت میں بھی ترجیح دیتا ہے وہ حضرت رسول کریم صلعم کے نزدیک صحیح مسلمان نہیں ہے۔

بیگم موصوفہ کے بعد میرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن نے یحیی الدین و یقیم الشریعۃ کے موضوع پر تقریر کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی غرض و غایت اور آپ کی خدمت اسلام پر روشنی ڈالی۔ ان کے بعد مکرمہ و محترمہ بیگم میاں فاروق احمد شیخ صاحب نے "اسلام کی ترقی میں عورت کا مقام" کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ حضرت ہاجرہؑ۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت فاطمہؓ (جو حضرت کی بہن تھیں) کی مثالیں بیان کرتے ہوئے اسلام کے احیاء و ترقی میں ان کے کردار کو بالوضاحت بیان فرمایا۔

پھر میاں شوکت حمید صاحب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی حالت اور حضور کی بعثت کے بعد اس میں جو آپؐ کے ذریعہ انقلاب پیدا ہوا۔ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم بھی حضورؐ کے نمونہ کو اپنائیں تو ویسا ہی انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔

ان کے بعد سرینام سے تشریف لانے والے ہمارے بھائی صفدر علی حاکم صاحب نے تمام جماعت کو جماعت سرینام کی طرف سے السلام علیکم کہا۔ آپ نے سرینگر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر دیکھنے کے متعلق واقعات بیان کئے آپ نے حضرت مرزا صاحب کے جہاد بالقرآن کی بھی تفصیل بیان کی۔

بعد ازاں جناب مولانا عبدالمنان عمر صاحب ایم۔ اے نے تقریر فرمائی آپ نے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم..... ضلال مبین کی تفسیر بیان کی کہ مامور من اللہ دو قسم کے انقلاب برپا کرتے ہیں۔ انفسی اور آفاقی۔

انفسی انقلاب کا تعلق انسان کے قلب کی تطہیر سے ہوتا ہے اور آفاقی انقلاب کا تعلق تمدن۔ معاشرت اور کلچر کے ساتھ ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ نفسی انقلاب ایمان ہے اور آفاقی انقلاب عملوا الصالحات ہے۔ یہ دونوں انقلاب مامور وقت سے تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے برپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں کونوا مع الصادقین فرمایا ہے آخر میں میاں بشیر احمد منٹو صاحب نے صدارتی خطاب کے بعد جلسہ کے اختتام کا اعلان فرمایا۔ کھانے اور نماز کے بعد مجلس مذاکرہ کی کاروائی جناب میاں رشید احمد صاحب مسرت کی صدارت میں شروع ہوئی۔ حاضرین میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔ مذاکرہ خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد بیرون پنڈی سے تشریف لانے والے احباب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔

جلسہ میں ملتان۔ چک نمبر ۸۱ جنوبی۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ گجرات۔ لائل پور۔ فاروقیہ۔ واہ۔ مانسہرہ۔ کیمبل پور۔ نوشہرہ۔ پشاور۔ شیخ محمدی۔ سفید ڈھیری اور اسلام آباد سے نمائندگان نے شرکت فرمائی۔

(خواجہ محمد نصیر اللہ۔ سیکرٹری جماعت راولپنڈی)

بانئ احمدیت کا ایک عظیم الشان کارنامہ

(بسلسلہ صفحہ ۲)

ہر ایک عمل پر دلیل قائم کرتا ہے اس دوسری نشانی پر.....

تمام کھڑک سنگھ وغیرہ ہم نے پانچ سو روپیہ کا اشتہار بھی دیا تا کوئی پنڈت وید میں یہ صفت ثابت کر دکھاوے مگر آج تک کسی کو توفیق نہیں ملی کہ دم مار سکے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وید میں نہ انجیل میں نہ توریت میں ہرگز طاقت نہیں کہ کسی فرقہ کا رد مثلاً دہریہ کا رد یا طبیعہ کا رد یا منکر عذاب کا رد یا منکر وحدانیت کا رد یا کسی اور منکر کا رد دلائل قطعیہ سے کر کے دکھلا دے یہ سب کتابیں تو مثل مردہ کے پڑی ہیں کہ جس میں جان نہ ہو........ اگر وید سے کام نہیں بنتا تو توریت و انجیل سے مدد لے اور اگر توریت و انجیل سے وہ دلائل جو قرآن پیش کرتا ہے پیش کر دیں گے تو ہم تب بھی کھڑک سنگھ کو پانصد روپیہ نقد دیں گے"

(بحوالہ الفضل ۱۵ر مارچ ۱۹۳۶ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ زندہ جاوید کارنامہ ایسا ہے جس کا مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔ لکھا ہے:۔

"مرحوم کی وہ اعلےٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا.......... اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں، ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تھا تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی کہ بیان سے باہر ہے۔"

(مرزا حیرت دہلوی اخبار کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء)

اسلام میں مجددین کا سلسلہ خدائی کلام اور نشانات پر زندہ گواہی کے لئے جاری رکھا گیا ہے۔

(مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

(۳)

اللہ تعالےٰ کی ہستی نہاں اور پوشیدہ ہے۔ وہ کائنات کے جلوہ اور یہاں کی قدرتوں اور حکمتوں میں نظر آتا ہے جو دہریہ منش یہ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود ڈر اور خوف کا پیدا کردہ ہے۔ یہ امر بالکل بے بنیاد بات ہے۔ اس موقف کا ثبوت نہیں ہے آپ مذہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ تمام بانیانِ مذاہب اور اسلام کے بانیؐ پھر اس دین میں آنے والے صلحاء و مجددین سب نے دعوےٰ کیا ہے کہ خُدا نہ صرف موجود ہے بلکہ وہ ہم سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اگر دہریہ لوگوں کا موقف تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ یہ سب لوگ جھوٹے اور کذّاب ہو گذرے ہیں اور خدا اور اس کے مکالمہ کو انہوں نے افتراء کے طور پر مشہور کر دیا ہے۔ اس لئے یہی لوگ دنیا میں سب سے بڑے مفتری اور کاذب ہوئے جیسے کہ قرآن کریم نے خود اس قسم کے لوگوں کے متعلق فرمایا ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا۔ اس سے بڑھ کر ظالم اور مفسد اور کون ہوگا جو خدا پر تہمت تراشے اس سے بڑا جھوٹ و بہتان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اس ضمن میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر خُدا اور اس کے مکالمہ کے متعلق جملہ انبیاء اور اولیاء نے جھوٹ اور افتراء بولا ہے۔ اور لوگوں سے فریب اور دھوکا کیا ہے تو اس جھوٹ و افتراء اور دھوکا کی غرض کیا تھی؟ ان اصحاب معلم تزکیہ کی۔ تاریخ کا مطالعہ تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ان کے سامنے تو اپنی کوئی غرض نہیں تھی۔ نہ ان کے پیش نظر دنیاوی ترقی و فوائد کا حصول ہوتا ہے بلکہ وہ اگر کہتے ہیں تو یہ ما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علیٰ رب العٰلمین۔ ہم تو تم سے کسی قسم کا اجر طلب نہیں کرتے۔ کسی نفسانی خواہش کی تکمیل ہمارے سامنے قطعاً نہیں۔ واقعات بتلاتے ہیں کہ ان بزرگانِ الٰہی نے خدا کا نام لے کر اپنی قوم کو اپنا جانی دشمن بنا لیا۔ جو ان کی عزت و عظمت تھی وہ سب اس کلمہ ہمکلامی خدا کے دعوےٰ سے مٹ گئی۔ اپنے ماحول کو اپنا دشمن بنا لیا کہ ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ کوئی مصیبت و اذیت نہ تھی جو ان کے ماننے والوں پر وارد نہ کی گئی ہو۔ جب دنیا میں ان کو دُکھ درد ہی سے پالا پڑا تو پھر ان کو خدا پر جھوٹ و افتراء کی غرض کیا تھی۔ دنیا میں انسان جھوٹ و بہتان، افتراء مکر اور چالبازی دھوکہ دہی تو کسی غرض کے حصول کے لئے کیا کرتا ہے نہ اس لئے کہ وہ جھوٹ بول کر ہزار آفت کو اپنے سر پر بلا لے۔ پس یہ کیسے لوگ تھے۔ جنہوں نے اس لئے جھوٹ بولا کہ اپنی جان و عزت اور مال و متاع کو تباہ و برباد کر دیں۔ دیکھو! مقربان الٰہی نے قتل ہونا قبول کیا۔ چیرے اور پھاڑے جانے کو قبول کیا۔ عزتوں۔ اموال سے دستبردار ہونا مان لیا۔ وطنوں سے نکالا جانا۔ عزیزوں، رشتہ داروں سے جُدا ہونا۔ ہزارہا آفات و مصائب کو مدت دراز تک اپنے اوپر وارد کر لینا یہ سب کچھ خوشی سے قبول کیا۔ مگر یہ قبول نہ کیا کہ خُدا کے وجود اور اس کے کلام سے منکر ہوں تو کیا سب کذب و جھوٹ کی خاطر گوارا کیا؟

تعجب تو اس بات پر کہ جب ہم ان مقربین الٰہی کی تاریخ پڑھتے ہیں تو اس میں تواتر اور تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ اگر کسی زمانہ میں کوئی ایک آدھ سرپھرا ہوتا جس کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہوتی کہ خدا ہے۔ اور وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ تو پھر بھی یہ امر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسے لوگوں کی ایک مسلسل تاریخی داستان ہے۔ ایسے لوگ جو خدا کے قائل ہیں اس سے مکالمہ مخاطبہ کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ وہ ہر زمانہ ہر ملک اور ہر قوم میں موجود ہیں۔ جھوٹ پر یہ اتحاد کیسے ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کی زندگیاں ایک مثالی اور دعوتی اور تحریکی زندگیاں ہوا کرتی ہیں جیسا کہ ان پاک اور مطہر وجودوں کے سردار و امام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا دعوےٰ ہے۔ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ اے لوگو! عقل سے کام لو۔ دعوےٰ سے پہلے کی میری زندگی پڑھ لو کیا میں کسی موڑ اور کسی جگہ تمہیں کوئی جھوٹا اور کذاب دکھائی دیتا ہوں؟ حضور صلعم کے متعلق تو قوم نے خاص طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آپؐ صادق اور امین ہیں۔ قوم کے اندر یہ بات واضح ہو چکی تھی چنانچہ اس زمانہ میں جبکہ قوم آپؐ کی مخالفت بلکہ قتل پہ کمربستہ تھی۔ لوگ آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ اعتقاد میں عداوت کے باوجود یہ یقین تھا۔ آپ صدق و امانت اور دیانت میں بے مثل قابل اعتماد ہیں۔

ایسی پاک مطہر بے نفس اور بے غرض زندگیاں، ان کو کیا پڑی کہ وہ خدا کے بارے میں جھوٹ بولیں۔ اور ہر روز افتراء گھڑیں کہ خدا ہے اور ہم سے ہمکلام ہوتا ہے اور پھر یہ دعوےٰ کر کے ہزار آفت خرید لیں! افتراء کی کچھ وجہ اور جواز تو ہونا چاہیئے۔

مُدعیانِ الہام اور کلامِ خُدا نے دنیا میں کیا کیا انقلاب پیدا کر دکھائے

حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اب آپ اس قول کو سامنے رکھیں۔ اور ان انبیاء اور مامورین الٰہی کی زندگیاں اور ان کی مساعی کو دیکھیں کہ ان کی جد و جہد کو کیا پھل لگا؟ اس سلسلہ میں میں پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی اور آپؐ کی دعوت کی تاریخ پیش کرتا ہوں کہ یہ بہت واضح اور روشن تاریخ ہے اور تواتر کے ساتھ قائم ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت نبی کریم صلعم نے نیک۔ مطہر۔ صادق اور مخلوق کے خدمت گاروں اور ہمدردوں کی ایک جماعت پیدا کر دی۔ اب کوئی دہریہ مجھے بتائے کہ ایسا شخص جو خدا پر جھوٹ بولنے کا عادی ہے کیا وہ اپنے گرد و پیش صادقوں، بے غرض بے نفس لوگوں امانت و دیانت میں بے مثل انسانوں غرباء کے سچے ہمدرد و خیر خواہ اشخاص کی جماعت بنا سکتا ہے۔ یعنی کیا اس امر کا امکان ہے کہ ایک شخص خود تو اوّل درجہ کاذب، جھوٹا اور مکار ہو یہاں تک کہ روزانہ خدا پر بہتان تراشتا ہو مگر اپنے اثر و تعلیم سے نیکی و پاکیزگی اور قربانی ایثار کے ایسے بے مثل پھل پھول پیدا کر دکھلائے کہ دنیا اسے دیکھ کر دنگ رہ جائے؟

صحابہ کرام و خلفائے راشدینؓ کی تاریخ جن معاندین اسلام نے مطالعہ کی ہے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ہستیاں اس امر پر قطعی شہادت ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ہرگز ہرگز مفتری و مکار نہ تھے ورنہ ان جیسے رجال عظیم کو کیا پڑی تھی کہ وہ آپ کے گرد جمع ہو کر آپ کی شاگردی کو قبول کرتے چنانچہ ایچ جی ویلز مشہور معاند اسلام اپنی کتاب (شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ) میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے :—

"کیا فطرت انسانی کا تجربہ اور مشاہدہ یہی ظاہر کرتا ہے؟ اگر

نہیں اور کوئی شخص گندہ اور جھوٹا ہو کر اپنے گرد نیک اثر پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ وہ چند مہینوں اور سالوں اور اپنی زندگی بھر لوگوں کو دھوکا میں رکھ سکے لیکن دن اس کا دھوکا اور دجل کب تک چل سکتا ہے یہ کبھی نہ کبھی کھل کر رہے گا۔ زندگی میں نہ سہی لیکن اس کی [illegible] کے بعد سب کچھ عیاں ہو جاتا ہے۔ دجل۔ دھوکا منصوبہ [illegible] آخر کار کھل جاتے ہیں۔"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انفاس قدسیہ سے بڑے بڑے انسان پیدا کئے۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ رضوان اللہ علیہم اور اس طرح کے ہزاروں پاکباز، مطہر و مزکی انسانوں کی دس ہزار کی جماعت پیدا کر دی جن کی صالحیت اور صداقت پہ ایک دنیا گواہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈر اور خوف کو دُور کرنے کے لئے خدا کا تصور قائم کیا گیا ہے۔ میں مانتا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ انسان عاجز، کمزور اور ناتوان ہے اور ہر شخص کی زندگی میں ایسی مصائب و مشکلات آتی ہیں کہ وہ گھبراتا ہے اور ہراساں و پریشان ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو مذہب کا ثمر ہیں ان کی صبر آزما زندگیوں میں ہمیں کہیں خوف کا احساس نظر نہیں آتا۔ نہ پریشانی لاحق نظر آتی ہے وہ تو الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون کے مصداق ہوتے ہیں۔ خدا پر ایمان سے خوف و حزن تو ان کی طبیعت سے نکل گیا ہوتا ہے قوت اور طاقت عزم و استقلال صبر و ہمت کی ایسی عظیم قوتوں کے وہ مالک بن جاتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ نہ ان کو جان و مال کی پرواہ ہوتی ہے نہ قوم و وطن کی۔ وہ ساری چیزیں خدا کی رضا کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔

جب ہم جملہ مذاہب کے بانیوں کی زندگیوں اور ان کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو وہاں تقوےٰ و طہارت نیکی و خدمت خلق کوٹ کوٹ کر بھری نظر آتی ہے کہ اور ان کے انفاس قدسیہ سے دوسرے انسان پاکیزگی حاصل کرتے ہیں اور لوگ اُن سے عقیدتمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں ان کا احترام راسخ ہو جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان ملاحظہ ہو کہ آج کے زمانہ میں بھی تختوں پر بیٹھنے والے آپؐ کے نام گرامی پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ کیا کوئی دہریہ فلاسفر اور سائنسدان ایسا ہوا ہے کہ اس نے کوئی ایسا سلسلہ جاری کر دیا ہو اور اسے ایسی عزت و عظمت حاصل ہو گئی ہو؟ ہرگز ایسا نہیں ہُوا۔ یہ مقام تو کسی منکر خدا کو میسر آ سکتا ہی نہیں ہے۔

نماز کیا ہے (بسلسلہ صفحہ ۹)

کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ پس ازبس ضروری ہے کہ والدین اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے بچوں میں نماز کی عادت ڈالیں پھر بالخصوص ہماری جماعت کے نوجوانوں کو اس رُکن عظیم سے بے پرواہ نہیں رہنا چاہیئے۔ نماز کے بغیر تبلیغ اسلام ہی ناممکن ہے۔ حضورؐ نے نماز کے رُوحانی فوائد کو مدِنظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ نماز مؤمن کا معراج ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ نماز انسان میں اعلیٰ درجہ کا حُسنِ روحانی پیدا کرتی ہے۔ نماز کا مسجدوں میں جمع ہو کر ادا کرنا اس کی اقامت کا ایک ضروری پہلو ہے۔ یہاں تک کہ اجتماع میں عورتوں کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں عورتیں مسجدوں میں آ کر نمازیں ادا کرتی تھیں۔

(ماخوذ)

دوسروں کے عیب سے چشم پوشی

ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ مجھے سزا دیجئے حضرت ابوبکر رضی اللہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کسی دوسرے سے تو ذکر نہیں کیا۔ اس نے جواب دیا کہ مَیں نے سوائے آپ کے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "جاؤ! توبہ کرو۔ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ خدا تعالےٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ شخص اس جواب سے بھی مطمئن نہ ہُوا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے اپنا قصہ بیان کیا۔ لیکن انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اصل میں ہمارے نبی صلعم کے صحابہ کرام لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی کرتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے من ستر الناس سترہ اللہ۔ یعنے جو لوگوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے گا خُدا اس کے گناہوں سے چشم پوشی کرے گا۔ نیک لوگوں کا یہی شعار ہے کہ وہ لوگوں کے گناہوں اور ان کی کمزوریوں کو مشتہر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان کمزور واقع ہُوا ہے۔ اس سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ خدا کی ذات غفور الرحیم ہے۔ وہ توبہ استغفار سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ ستّار ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ انسان کو بھی خدا کی اس صفت سے کام لینا چاہیئے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ ایک بڑا نقص ہے کہ ہم لوگ دوسروں کے عیب ظاہر کرتے ہیں دوسروں کی نکتہ چینی میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔ اس سے آپس میں نفرت بڑھتی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آپس میں محبت اور اتفاق بڑھے دوسروں کی عیب چینی کرنے کی بجائے اگر ہم ان کی خوبیاں بیان کریں تو کیسا اچھا ہو۔ ہر انسان میں کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ ہم لوگ کمزوریوں کا تو ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نیک لوگ تو دوسروں کی برائیاں بھی سُننا پسند نہیں کرتے۔ ہمارے نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:-

"میرے سامنے کسی کی بُرائی بیان نہ کیا کرو۔ میں سب کی طرف سے سینہ صاف رکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک ولی اللہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان کے پاس ایک دوسرے شخص کی بہت شکایت کی۔ آپ نے فرمایا شکایت کرنے کی بجائے بہتر یہ تھا کہ تم اُس کے لئے دُعا کرتے کہ اس کا یہ نقص دُور ہو جائے۔ اگر چالیس روز تک دُعا کرنے کے بعد بھی اس میں نقص رہ جاتا تو پھر آپ کو شکایت کا حق حاصل تھا۔ اگر ہم میں سے ہر ایک اس ولی اللہ کی نصیحت پر عمل کرے تو دنیا بہشت بن جاوے۔

انسان کو چاہیئے کہ دوسروں کی عیب شماری کرنے کی بجائے اپنے عیبوں کو دیکھے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی عیب دار نہیں۔ کیا خوب فرمایا ہے شاہ ظفر مرحوم نے ؎

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۴ مئی سنہ ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۱۸

احمد سجاد مصطفےٰ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا۔ مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۲۲ جمادی الاوّل ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۷۷ء | نمبر ۱۹

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

خدا تعالےٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت بڑی بات ہے۔

اخلاق ۔ ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے ۔ جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوع انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالےٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا ۔ جب انسان خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نمائش اور نمود کے لئے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالےٰ کے لئے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں ۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے ۔ اگر انسان خدا تعالےٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کا بدلہ دیتا ہے ۔ میں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں میں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے میں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا؟ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا ۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو میں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہو گئے

حدیث میں بھی ذکر آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایام جاہلیت میں میں نے بہت خرچ کیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ و خیرات کا ثمرہ تو ہے کہ تو مسلمان ہو گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کے ادنےٰ فعل اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا ۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبرگیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔

پس مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے کہ اگر انسان اسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے تو رفتہ رفتہ پھر وہ درندہ ہو جاتا ہے ۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے ۔ جب تک اپنے دوسرے [illegible] بھائی کے ساتھ مروّت، سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے جیسا کہ سعدی نے کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے ۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے ۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالےٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳ صفحہ ۱۶ تا ۱۶ ۔ مؤرخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء)

واہ رے باغ محبت موت جس کی رہ گذر ÷ وصلِ یار اس کا ثمر پر اردگرد اس کے ہیں خار

صرف خدائے واحد کی عبادت میں ہی انسان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

مسلمان قوم بڑی خوش نصیب ہے کہ ان کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم نبی ملا۔

اس صدی میں پھر اللہ تعالےٰ نے احیائے اسلام اور حفاظت اسلام کی خاطر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔

خطبہ جمعہ مورخہ ۶ مئی ۷۷ء فرمودہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بمقام جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم .... للکفرین (سورۃ بقرہ)

تشہد، تعوذ، تسمیہ اور تلاوت کلام پاک کے بعد فرمایا:۔ اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے اے انسانوں اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو عمارت بنایا اور اُوپر سے پانی اُتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا۔ پس تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے ہو اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ یہ نظامِ کائنات جو آسمان کی صورت میں ہے جس میں روشن سورج اور درخشاں چاند اور چمکتے ہوئے ستارے انسانی حاجات کو پورا کرنے کے لئے موجود ہیں اور زمین جو شجر۔ حجر۔ دریا۔ پہاڑ، سمندر و صحرا۔ جنگلات اور وادیوں کی صورت میں انسانی ضروریات کی متکفل ہے۔ یہ خداوند برتر و اعلےٰ کا انسان پر احسانِ عظیم ہے۔ اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان صرف اس کی ہی عبادت کرے اور اس کی ہی غلامی اور عبدیت کا جُوا اپنی گردن پر رکھے کیونکہ اس نے انسان کے احیاء اور بقاء کے لئے، اس کے خورد و نوش کے لئے۔ اس کے لباس کے لئے یہ نظام کائنات قائم کیا ہے۔ آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین اس بارش سے سیراب ہو کر انسان کے لئے انواع و اقسام کی سبزیاں۔ پھل۔ میوہ جات اور غلہ جات پیدا کرتا ہے تاکہ اس کی بھوک مٹ سکے۔ چشمے۔ دریا۔ سمندر اس کی پیاس بجھانے کے لئے موجود ہیں۔ اس زمین سے ہی اس کے لئے طرح طرح کے ملبوسات پیدا کرتا ہے۔ جب اس محسنِ عظیم کا احسان اس قدر ہے تو گردن اس کے ماسوٰی کے سامنے جھکانا نہایت ہی احسان فراموشی ہے۔

انسان خواہ کسی بھی زمان و مکان میں ہو اس کے احسانات سے باہر نہیں ہے۔ اور جب انسان کے دل میں اس خداوند کریم کے احسانات کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو وہ تقویٰ شعار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محسن کی عظمت کے احساس سے گردن اس کی نافرمانی اور سرکشی میں اکڑ نہیں سکتی بلکہ انسان اس کے حضور اطاعت و فرمانبرداری کے لئے گردن ڈال دیتا ہے اور خدا کی رحمت کا اور زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ اور مقامِ تقویٰ کو حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے احسانات و واقعات کا ذکر کرکے انسان کو ملزم کیا ہے کہ وہ بتائے کہ اس قدر احسانات اور کونسی ہستی کے اس پر ہیں جن کو وہ خدا کا ہمسر سمجھ کر اس کے سامنے جھکتا ہے۔ اور انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ انسان اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی کہ تمام احسانات صرف اللہ تعالےٰ ہی کے اس پر ہیں پھر بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

اس سے خداوند تعالےٰ کی ذات کی عظمت و برتری میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ انسان اپنی عظمت کو کھو بیٹھتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے انسان پر اس کا انکشاف فرمایا کہ اس نے اپنے بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہیں اعلیٰ مراتب عطا کرنے کے لئے اور تمہاری روحانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرآن پاک نازل کیا ہے۔ جو کامل ہدایت و راہنمائی کی روشن مشعل ہے۔ جو صراط مستقیم کو کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی کو دُور کرکے صاف اور روشن دکھاتا ہے۔ تا انسان اپنی محسن ہستی کا پتہ معلوم کرکے اس کا شکر گذار بن سکے اور خدا کے مزید فضل و کرم کو حاصل کر سکے۔ اور اگر تمہیں اس میں جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے جو تمہارے لئے سراسر بھلائی کا موجب اور رحمت ہی رحمت ہے شک و شبہ ہے۔ تو ہم تمہیں چیلنج کرتے ہیں کہ اس قرآن پاک کی مانند کوئی سورت بنا کر لے آؤ اور اپنے معاونوں اور مددگاروں کو بُلا لو اور ان کی مدد و نصرت سے اس کی مثل کلام تیار کر لو تاکہ تم اس شک و شبہ میں سچے ٹھہر سکو۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقیناً تم ایسا نہیں کر سکو گے تو پھر خدا کے عذاب کو کیوں دعوت دیتے ہو۔ کیونکہ کفر و انکار انسان کو اعلےٰ اخلاق و کردار سے محروم کر دیتا ہے اور شرک و بدعات اور فسق و فجور میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں خدا کے غیظ و غضب اور عذاب کو چاہتی ہیں۔

مسلمان قوم بڑی خوش نصیب ہے کہ ان کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم نبی ملا جو ان کو اپنے اسوۂ حسنہ سے بہترین نمونہ سے سرفراز فرماتا ہے جس سے قوم اعلےٰ اخلاق و کردار کی مالک ہو گئی اور دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو گئی ہے۔ خدا کے اس چیلنج کا جواب اب تک کسی قوم سے نہیں بن پڑا۔ اور اس میں ان کا عجز اور انکساری واضح ہو گئی ہے اور یہ بات حقیقی اور یقینی ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قرآن کریم ہی انسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات و حاجات کو پورا کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ ہی انسانوں کے لئے حقیقی مشعلِ راہ ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کی طرح عمل پیرا ہو کر دنیا کے لئے عظیم نمونہ بنیں۔

اس صدی میں پھر اللہ تعالےٰ نے احیائے اسلام کے لئے اور حفاظت اسلام کی خاطر حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجا اور اس نے قرآن پاک کی حقانیت اور اسلام کی صداقت کو روشن کیا اور مذاہب باطل کو چیلنج کیا کہ وہ قرآن پاک کے مقابلے میں اپنی کتب سے عمدہ اخلاق راہ راست کا نمونہ پیش کریں جس سے انسان اپنے خدا سے کامل تعلق پیدا کر سکے جیسا کہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل سے انسان کا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہو جاتا ہے اور اس کا وجود مخلوق کے لئے رحمت بن جاتا ہے اور وہ خدا کا پیارا بن جاتا ہے اور اس نے ایک جماعت بنائی جو دنیا میں اسلام کی عظمت کی علمبردار ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن پاک

(باقی بر صفحہ ۳ کالم ۲)

ضمیمہ ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۷۷ء

"پاکستان زندہ باد"

"پاکستان زندہ باد" ایک مرد مومن حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت احمدیہ لاہور کی قیام پاکستان کے سلسلہ میں کی جانے والی نیم شبی دعاؤں کا جواب ہے۔ آپ کو یہ بشارت اس وقت دی گئی جب "پاکستان" محض ایک تصور تھا۔ نہ اس کے خطوط متعین ہوئے تھے اور نہ ہی اس کے خاکہ میں رنگ بھرنے کی کوئی امید تھی۔ اس زمانے کی تین بڑی سیاسی طاقتیں برِ صغیر ہند میں ایک نظریاتی مملکت وجود میں لانے کی کوششوں پر پانی پھیر دینے کے لئے ہمہ تن کوشاں اور مصروف تھیں۔ سیاست کی بساط پر ہر خطرناک چال چلی جا رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس منصوبہ کو ناکام بنایا جا سکے، کیونکہ بعض مفاد پرست قوتوں کو اس کا وجود اپنے مستقبل کے لئے ایک مہیب خطرہ نظر آ رہا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے مسلمان قوم کو حضرت قائدِ اعظم کی شخصیت میں سیاسی بصیرت اور جذبۂ اخلاص رکھنے والی ایک ایسی قیادت میسر تھی جو اس کی طوفانوں میں گھری ہوئی ڈولتی نیّا کو ساحلِ مراد تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئی۔ اسے ایک معجزہ ہی کہنا چاہیئے کہ کل تک مفلوک الحال اور منتشر قوم آن کی آن میں ایک ہی جھنڈے کے نیچے اور ایک ہی قائد کے ارد گرد جمع ہو گئی جیسے یہ کوئی مقناطیسی قوت تھی جس نے بکھرے ہوئے لوہے کے ذرات کو اپنی طرف کھینچ کر انہیں یکجا کر کے ان میں بھی وہی طاقت اور خاصیت پیدا کر دی۔ سارے خطرات اور خدشات کے باوجود دنیا کے نقشے پر ایک نئی اسلامی سلطنت ابھری۔ اس وقت یہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔ لیکن جن کی آرزوؤں کے برعکس اس کا قیام عمل میں آیا تھا انہیں یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ اسے استحکام نصیب ہو۔ اور یہ ایسی مرکزی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ باقی تمام اسلامی مملکتیں راہنمائی کے لئے اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیں اور جمال الدین افغانیؒ کا پان اسلام ازم کا نظریہ عملی شکل و صورت میں سامنے آجائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نو زائیدہ مملکت کو اس کی ابتداء میں ہی ختم کرنے کے منصوبے بنائے جانے لگے۔

سامراجی طاقتوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جہاں بھی انہوں نے قدم رکھا وہاں اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اس ملک کے سیاسی۔ سماجی اور مذہبی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ ایک غیر ملکی طاقت کا قدم کسی ملک میں اس وقت تک نہیں جم سکتا جب تک وہ اسی ملک کے باشندوں میں سے ایک مؤثر اور طاقتور گروہ کو اپنا آلہ کار نہ بنائے اور اسے انعام و اکرام اور دیگر نوازشات کا لالچ دے کر اپنے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اپنے ساتھ نہ چمٹائے رکھے۔ برِ صغیر پاک و ہند کی سیاسی تاریخ اس قسم کے واقعات و حالات سے بھری ہوئی ہے جنگ پلاسی اور معرکہ سرنگاپٹم آج بھی یہ داستان دہرا رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی اس کی گواہ ہے۔ اور پاکستان کی تحریک بھی اس کی شاہد ہے۔ ہندو اور مسلمان کو ان کے مذہبی جذبات برانگیختہ کر کے ایک دوسرے سے لڑایا گیا۔ خود مسلمانوں میں انہی میں سے چند با اثر افراد کے ذریعے فرقہ واریت کو ہوا دے کر افتراق و انتشار پیدا کر کے ان کی قوت کو مجتمع ہونے سے روک دیا گیا۔ جس آزادی کو حاصل کرنے میں چند سال لگتے وہاں یہ طوق غلامی ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ عرصے تک ہندوستانیوں کے گلے میں پڑا رہا۔ دشمنی۔ عداوت۔ ضد اور تعصب کی ایسی ہوا چلی کہ اس کا رُخ آج تک نہ بدلا جا سکا۔ اگر کسی نے ان امراض کے نقصانات کی تشخیص کے بعد اصلاحِ احوال کی کوشش کرنا بھی چاہی تو فوراً تکفیر کی تلوار بے نیام ہو گئی۔ سرسیّد احمد خان مرحوم نے بھی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی حالتِ زار کے مدّنظر اُن کی اصلاح کے لئے علی گڑھ تحریک کا آغاز کیا تو وہ کافر ٹھہرائے گئے۔ لیکن یہ اسی "کافر" کی علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء تھے جو تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گئے اور اپنی شعلہ بیانی سے مسلمانوں کے دِلوں میں آزادی کی دبی ہوئی چنگاری کو وہ ہوا دی کہ یہ شعلہ جوالا بن کر سامراج کے پیرہن کو راکھ کر گئی۔ علیگڑھ کے اسی ایم۔اے۔او کالج کے نمونے پر لاہور اور پشاور میں اسلامیہ کالج بنے۔ اور ان کالجوں کے طلباء نے قیام پاکستان کے سلسلے میں اپنا ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مسلمانوں کو عیسائیت اور آریہ دھرم کی گود میں جانے سے روکنے کی کوششیں کیں جو بحیثیت مجدّد صدی چہاردہم آپ کا منصب تھا تو سامراج کے پروردگان نے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر اُنہیں مدّعی نبوّت کا الزام دے کر کفر کے فتوے لگوائے۔ وہ ہزار کہتے اور لکھتے رہے کہ "میں مُدّعی نبوّت نہیں اور میں ایسے مُدّعی پر لعنت بھیجتا ہوں"۔ لیکن اس نقار خانے میں طوطی کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔ وہ اپنی یہی رٹ لگاتے رہے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو زخم لگتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلسلہ طوق و سلاسل دراز ہوتا رہا۔

پاکستان بن گیا لیکن حضرت قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے اس دنیا سے گذر جانے کے بعد اسی قسم کے نئے نئے فتنوں نے سر اُٹھانا شروع کیا۔ ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم شہید کر دیئے گئے۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ آپ کے آخری الفاظ یہ تھے "خدا پاکستان کی حفاظت کرے"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت کے پیچھے بھی کوئی پاکستان دشمن ہاتھ تھا۔ ۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف تحریک اُٹھائی گئی جس کی وجہ سے کئی بے گناہ انسانوں کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگے گئے اور املاک تباہ ہوئیں۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان پر جنگ مسلط کی گئی۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان ایک خوفناک خون خرابے کے بعد علیحدہ ہو گیا۔ علیحدگی کا بیج ایک غیر ملکی طاقت نے بویا لیکن جب پھل پک کر تیار ہو گیا تو کسی دوسری خوش نصیب طاقت میں جا گرا۔ مسلمان نے مسلمان کا گلا کاٹا۔ میر جعفر اور میر صادق کی روحیں مسکراتی رہیں۔ غیرت و حمیّت سرِ بازار نیلام ہوئی۔ ذریّتِ ابلیس نے محفلِ رقص و سرود سجائی کہ "مشرقی پاکستان" "بنگلہ دیش" بن گیا۔ نام بدلنے کے لئے اس خطّۂ زمین کو جو قیمت ادا کرنی پڑی وہ اتنی گراں ہے کہ آنے والے کئی سالوں تک یہ قرضہ چکایا نہ جا سکے گا۔ اور انسانی عقل و خرد کی تاریخ جب مڑ کر اپنے ان نقوشِ پا پر نگاہ ڈالے گی تو شرم و ندامت سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کرے گی۔ یہ سب کچھ مذہب۔ زبان اور قومیت کے نام پر ہوا۔ لیکن وہ سیاہ ہاتھ پہچاننے کی کسی کو توفیق نہ ملی جس نے ایک ہی خدا اور ایک ہی رسولؐ کو ماننے والوں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکا کر ایک دوسرے کو اس میں بھسم کر ڈالنے پر اکسایا۔ اور اسے اسلام کی بہت بڑی خدمت بتایا۔

بچا کھچا پاکستان ابھی ان صدمات اور زخموں سے چُور ہی تھا اور ذرا سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی حمایت میں "تحفّظ ختم نبوت" کے نام سے ایک ملک گیر تحریک کا آغاز سے

کراچی تک اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ربوہ اسٹیشن پر ایک معمولی اور عام نوعیت کے واقعہ کو بہانہ بنا کر احمدیوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے بچوں کے نرم و نازک بدنوں پر اُبلا ہوا پانی ڈال کر اذیتیں دی گئیں اور ان کی جائدادوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ فرقہ وارانہ منافرت کی کوکھ سے جنم لینے والے یہ سارے واقعات درحقیقت پاکستان کو ختم کرنے کی ایک منظم سازش تھی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے ایک ہمہ گیر تحریک تھی۔ لاتعداد نئے نئے سکوٹر دیکھنے میں آئے آخر یہ سب کچھ کہاں سے اور کیسے آیا۔ چونکہ زد ایک تیسری پارٹی پر پڑتی تھی اس لئے اس کی قربانی دینے سے مُلک بچ گیا یا بچا لیا گیا۔ ہم نے اس وقت بھی یہ گذارش کی تھی کہ اس ہاتھ کی تلاش کیجئے جو اس طرح حوصلہ بیٹھی اداروں کے ذریعے پاکستان کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ ہنگے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا اپنی تخریب کاریوں پر پردہ پڑا رہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا اور اس کے ہاں بھی ایک ریکارڈ ہے جو وقت آنے پر دنیا کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ حق و باطل میں فیصلہ ہو سکے۔ الزام ہمیں دیا جا رہا تھا قصور اوروں کا نکل آیا۔

ہمارے خیال میں پاکستان کی سالمیت پر سب سے کاری ضرب قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد لگائی گئی ہے۔ جانی اور مالی نقصان کتنا ہوا اس کا ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ قومی پیداوار کو جو روزانہ نقصان پہنچ رہا ہے وہ بھی ناقابلِ تلافی ہے۔ اس سے قومی معیشت اور امن و امان پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ بھی بڑے خوفناک ہیں۔ یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ملک کب تک سنبھل سکے گا لیکن یہ بات بڑی باعثِ مسرت ہے کہ جو ہاتھ اس وقت تک پاکستان کی تباہی کے درپے ہیں ان کی نقاب کشائی پورے طور پر ہو چکی ہے۔ ڈوری سمندر پار سے کھینچی جاتی رہی ہے اور پتلیاں یہاں ناچتی رہی ہیں۔ سازِ افرنگ کے نغموں اور ڈالروں کی جھنکار میں وہ جادو اور سحر ہے کہ اللہ والوں کی متاعِ دین و دانش کو بھی لوٹ لیتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ ملوث نہیں شمار کی گئی۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اسے اپنا وطن ڈالر تو ڈالر اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں بےقصور اور بری الذمہ ٹھہرا دیا ہے۔ ورنہ ہماری نحیف و نزار آواز تو محلات کی دیواروں سے ٹکرا کر بے نیل و مرام واپس لوٹ آتی رہی ہے۔ ہمیں اب بھی اپنے ربّ کی ذات پر بھروسہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے ہماری حفاظت فرماتا رہے گا۔ اور ہمارے وطن عزیز کی بھی۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اپنے عارضی ذاتی مفاد کی خاطر وطن سے غداری ایک گھناؤنا جرم اور بہت بڑا گناہ ہے۔ اپنے نفس کو معبود بنا لینا شرکِ عظیم اور اس کی خواہشات کی پیروی بڑھ بھاری گمراہی اور ضلالت ہے۔ لیکن اس سے سنگین تر جرم اور گناہ خدا کے سادہ دل بندوں کو دھوکا اور فریب دے کر اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا ہے۔ اشتراکیت کی اصطلاح میں استحصال نہایت ناپسندیدہ اور قابلِ تعزیر فعل ہے۔ لیکن مذہبی جذبات کا استحصال اس سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور لائق مذمت ہے۔ جو لوگ انسانوں کی لاشوں پر سے بے خوف و خطر گذر کر ایوانِ اقتدار تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بہت جلد اپنے انجام کو پا لیتے ہیں۔ عزت اور ذلت اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس کے حصول کے لئے اپنا اختیار

دعوتِ عمل

جہاں اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان پر مذہب اسلام کے ذریعے بہت سے احسانات کئے ہیں۔ وہاں ایک بڑا احسان یہ بھی ہے فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مومنوں کے دلوں میں آپس میں اُلفت ڈال دی۔ اور اس کے فضل اور کرم سے وہ بھائی بھائی ہو گئے۔ نبی کریم صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ مؤمن مسلمان وہ ہے۔ جس کے قول چکا ہے۔ دو محمدی آپس میں اس طرح تپاک سے ملتے تھے۔ کہ دیکھنے والوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ گویا دو بچھڑے ہوئے بھائی دوبارہ مل گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجددِ وقت کی صحبت کی اور برکات ہوتی ہیں۔ مگر ہم لوگ جو اس کے مُرید کہلاتے ہیں اور مؤمن مسلمان ہونے کا بھی دعوےٰ کرتے ہیں۔ کیا ہمیں یہ کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ ان احسن روایات کو زندہ رکھیں۔ ہم نے نہ صرف آپس میں ہی تعلقات۔ میل جول اور حُسنِ سلوک کو بڑھانا ہے بلکہ ہمیں اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ دیگر لوگ ہمارا غور سے مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس زمانہ کے مجدّد کی جماعت ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی حالت کو سنوارنا چاہیئے اور دوسروں کے سامنے اچھا نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔

جو احمدی احباب باہر سے تشریف لائیں ان سے خندہ پیشانی اور تپاک سے ملیں۔ ان کا حال احوال پوچھیں، ان کے شہر کے دوسرے بھائیوں کی خیریت کے متعلق استفسارات کریں۔ اگر انہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی ضروریات پوچھیں۔ تبادلۂ خیالات کریں۔

یہ جملہ امور جماعت میں باہمی اخوت و محبّت کو فروغ دینے کے لئے بہت ضروری ہیں۔

استعمال کرنے والا انسان ہمیشہ گھاٹے میں رہتا اور حسرت و یاس کی موت مرتا ہے۔ جو لوگ ساری کمندوں کو جلا کر اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈتے ہیں کامیابیاں اور کامرانیاں ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہیں۔

بحیثیت احمدی ہمارا یہ فرض ہے کہ سیاست کی آلائشوں اور آلودگیوں سے بلند ہو کر اپنی ساری قوتیں دین کی خاطر وقف کر دیں تاکہ ہمارا دامن ذلت اور رسوائی کے داغ سے داغدار ہونے سے محفوظ رہے۔ اور ہم اپنے مُلک کی کوئی ٹھوس خدمت کر سکیں۔

خطبہ جمعہ — بسلسلہ صفحہ ۲

ہر حکم پر عمل پیرا ہوں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر دنیا اور آخرت میں خدا کے انعامات کے حقدار ٹھہریں۔ اللہ تعالےٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین)

اسلام میں مجددین کا سلسلہ خدائی کلام اور نشانات پر زندہ گواہی کیلئے جاری کیا گیا۔

(مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

(۳)

آپ ایک اور امر پر غور کریں کہ ہستی باری تعالےٰ کا انکار دراصل اس کے کلام کا انکار ہے۔ یہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ لوگ جو خُدا کی ہستی کا انکار کرتے ہیں وہ اسے نہیں مانتے۔ یا دوسرے معنوں میں یوں کہئے کہ وہ اسے خدا کا کلام نہیں یقین کرتے بلکہ انسانی دماغ کی تخلیق خیال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک نبی کریم صلعم خُدا کے رسُول نہیں ہیں۔ کیونکہ جب سرے سے خدا ہی کا وجود نہیں تو پھر اس کی طرف سے کلام اور اس کے بھیجے ہوئے پیغامبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب کوئی شخص یہ بتلائے کہ یہ قرآن کریم جسے کلام الٰہی ہونے کا دعوےٰ ہے اور یہ کہ بے مثل کتاب ہے اور بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے، کوئی انسان اکیلا یا اس کے ساتھی اکٹھے ہو کہ اس جیسا کلام بنا سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسا کھُلا چیلنج ہے جسے آج تک قبول نہیں کیا گیا۔ پہلے زمانہ میں علم و عقل کو ترقی نہیں ہوئی تھی مگر اب تو یہ مسلم ہے کہ انسانی دماغ نے ارتقاء کی بہت سی منازل طے کر لی ہیں تو اس ترقی کے زمانہ میں کیوں دہریہ اصحاب قرآن کریم ایسی پُر حکمت و حقیقت کتاب بنا کر لانے سے عاجز ہیں۔

یہ چیلنج قیامت تک کے لئے موجود ہے اس چیلنج کو قبول نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ کلام اللہ تعالےٰ کا ہے کسی انسان کا نہیں ہے کیونکہ بے مثل ہونا اس امر پر محکم دلیل ہے کہ وہ منجانب اللہ ہے ورنہ جو کلام ایک انسان بنا سکتا ہے اس جیسا کوئی اور کیوں بنانے سے عاجز ہیں؟ پھر علم غیب خدا کا خاصہ ہے انسان کو علم غیب حاصل نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلعم کی زبان سے اللہ تعالےٰ نے کہلوایا قل لا اعلم الغیب۔ کہدو کہ میں علم غیب نہیں رکھتا۔ یہ بات کہ کل میں کہاں ہوں گا۔ اس وقت میں کیا کر رہا ہوں گا ہوں گا بھی یا نہیں۔ اس بارے میں کوئی انسان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فرمایا وما تدری نفس بای ارض تموت۔ کوئی جان اور کوئی نفس یہ بات نہیں جانتا ہے کہ اس نے کس جگہ مرنا ہے۔ غیب کا علم انسان کے احاطہ سے باہر ہے۔ لیکن مامورین الٰہی انبیاء و رسل اور مجددین دنیا کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ آؤ ہمارے مقابلہ میں، ہم کامیاب و کامران رہیں گے اور تم شکست کھاؤ گے۔ ان کو خدا کے دیئے ہوئے علم غیب پر یقین ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی مکّی سورتوں میں معاندین و مخالفین اسلام کو کس قدر تحدّی اور ببانگ دہل چیلنج پر چیلنج دیئے گئے ہیں اور مخالفین اسلام کی ذلّت و مسکنت اور پسپائی و شکست سے انذار کیا گیا ہے جیسا کہ سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعة موعدھم کہ دشمن کی فوجیں چڑھ چڑھ کر آئیں گی مگر وہ ہزیمت اُٹھائیں گی۔ اور پیٹھ پھیر کر اور دُم دبا کر بھاگ جائیں گی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے دشمن ٹڈی لشکر لے کر آتے تھے لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

دوسری طرف مسلمانوں کے اموال کا اتلاف ہے۔ ان کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ ان کی جائدادیں ضائع ہو گئیں۔ ان کو قتل کیا گیا۔ کوئی ظلم ایسا نہیں جو ان پر روا نہ رکھا گیا ہو۔ عاجزی اور ناتوانی کا عالم ہے کوئی طاقت اور جتھہ نہیں لیکن دعوےٰ یہ ہے کہ مخالفو تم نے بھاگ جانا ہے۔ اگر مسلمانوں کے پیچھے خُدا کی تائید اور نصرت کام نہیں کر رہی تھی تو پھر بتلایا جائے کہ وہ اور کیا چیز تھی جو ماحول کے بالکل برعکس ان سے وہ باتیں اور دعوے کہلوا رہی تھی جو بعد میں واقعات اور مشاہدات بن گئیں؟ دس ہزار کی تعداد میں کفارِ عرب مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ مسلمانوں کی بے بسی اور مجبوری کا یہ عالم تھا کہ باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ سے عاجز تھے۔ مدینہ کے اندر ہی پناہ لے کر مدافعت کرنے پر مجبور تھے۔ خندق کھودتے ہیں۔

شہر کی حفاظت کے لئے خندق کھودتے وقت ایک پتھر ایسا نکلا جو ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لی اور ضرب لگائی۔ اور اس میں سے جب روشنی نکلی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاشفہ دیکھا اور آپ نے فرمایا کہ قیصر کے خزانے کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں۔ دوسری ضرب لگائی تو فرمایا کہ کسریٰ کے خزانے کی چابیاں میرے ہاتھ میں دی گئیں۔ تیسری ضرب لگائی تو آپ نے فرمایا کہ میں صنعا کے محلات دیکھ رہا ہوں۔ مگر ان کشوف کے برخلاف واقعات تو یہ تھے کہ دشمن دس ہزار کی تعداد میں اُمنڈ آیا اور سر پر منڈلا رہا ہے۔ مگر آپ فرما رہے ہیں کہ عرب کے ارد گرد کی تمام سلطنتیں ہمارے قبضہ میں آئیں گی۔ یہ وہ حالات ہیں کہ علم اور عقل ان باتوں کے پورا ہونے کو واجب قرار نہیں دیتے۔ لیکن بعد کے واقعات اور انقلابات نے ان کو حقیقت بنا کر زمانہ کے سامنے گواہی دے دی۔

حضرت عمرؓ نے جب ممالک فتح کئے تھے تو سراقہ کو سونے کے کنگن پہنا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو عملی صورت میں پورا کر دکھلایا۔ یہ علمِ غیب کون دے سکتا ہے؟ کچھ تو غور کریں۔ اگر یہ خدائی طاقت نہیں تو کیا یہ انسان کی طاقت ہے کہ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ نئی سلطنت قائم ہو گئی۔ نئی قوم پیدا ہو گئی۔ نئی ثقافت نے جنم لیا۔ نئی تہذیب اُبھری۔ نیا علم پیدا ہوا۔ نئے فنون معرض وجود میں آئے۔ نئی تاریخِ عالم نے جنم لیا۔ ایک مغربی مصنف کا فقرہ ہے کہ محمدؐ بہ یک وقت ایک نئے دین، ایک نئی تہذیب و تمدن کے بانی ہوئے۔ گویا زمین و آسمان بدل گئے۔ یہ ارشاد قرآن کریم یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات۔ یعنے جس روز یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔ و برزوا للہ الواحد القھار۔ اور لوگ اللہ واحد غالب کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔

اب آپ بتلائیں کہ یہ انقلاب آخر کیسے آ گیا؟ کچھ تو غور فرمائیں منکرین الٰہی خود فرمائیں کہ یہ عجائبات، یہ معجزات، یہ قدرتیں اور کمالات جو انسانی طاقتوں سے بلند و بالا تر ہیں یہ کس کے پیدا کردہ ہیں؟ یہ انقلابات کیونکر رُونما ہو گئے؟ اگر یہ خدائی حکمتیں اور طاقتیں نہیں ہیں تو کس کی طاقتیں اور حکمتیں ہیں۔

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعویٰ پیغمبری کیا تو آنحضور صلعم کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی، نہ دولت تھی نہ جتھا تھا۔ یتیم اور اُمّی تھے۔ یہ کیسے ہو گیا کہ انہوں نے نہ صرف رُوئے زمین پر

انقلاب لاکر دکھا دیا بلکہ قلوب انسانی کو فتح کر لیا؟ کیا کوئی حکیم، فلاسفر اور کوئی جرنیل یا فاتح ایسا انقلاب برپا کر سکتا ہے؟ تاریخ میں کیا ایسی کسی مثال کی نشاندہی کی جاسکتی ہے؟

قرآن کریم کا چیلنج ہے کہ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین۔ اگر تم یہ نہ کرسکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اور وہ منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

منکرین خدا کے لئے یہ دو چیلنج ان کو لاجواب اور شرمندہ کرنے کے لئے کافی موجود ہیں۔

۱۔ انسانی زندگی کو بہتر و اعلیٰ تر بناتے یعنی انسان کی باطنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے جو اصول قرآن کریم نے تلقین کئے ہیں۔ ان سے بہتر اصول اور اعلیٰ علم کلام پیش کیا جائے جس میں تمام صداقت کے امور کو جمع کر کے اس کی تائید میں عقلی دلائل دیئے گئے ہوں اور ہر باطل اصول کے رد میں علمی براہین پیش کئے گئے ہوں۔

۲۔ آنحضرت صلعم سے بڑھ کر کوئی معلم اخلاق اور مزکی نفوس پیش کیا جائے کہ جس نے قرآن کی حکیمانہ تعلیم کو اپنے نمونہ و عمل میں لاکر دس ہزار قدوسیوں کی ایک جماعت پیدا کر دکھلائی ہو جو تمام عالم پر اپنی راستبازی و صدق و احسان اور آزادئ ضمیر کے باعث چھا گئی ہو۔

اگر تم اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو اور یقیناً عاجز ہو تو بتلاؤ کہ کلام اللہ اور رسولؐ کو صادق و منجانب اللہ تسلیم کرنے کی بجائے انہیں افتراء و باطل قرار دینے میں تم کتنے نادان اور ظالم ہو۔

اگر تم عاجز ہو اور یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے تو تمہارے پاس انکار کی کیا صورت ہے؟ اے عقل عقل پکارنے والو تم اس راہ میں خود عقل کے اندھے ثابت ہو رہے ہو۔ تم کلام اللہ کی مثال نہیں لا سکتے۔ تم صفاتِ الٰہیہ، انبیاء و رسل کے سلسلہ اور مخاطبہ و مکالمہ کا انکار کرتے ہو۔ افسوس ہے تمہاری عقل خبط کر گئی ہے اسی قسم کے عقل کے مارے ہوئے انسانوں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے ختم علیٰ سمعہ و قلبہ وجعل علیٰ بصرہ غشاوۃ۔ ان کی عقل اور بصارت جاتی رہتی ہے۔

مجدد صد چہاردہم نے بھی کثیر زندہ خدائی نشانات دنیا کو دکھلائے ہیں اس امر کی

طرف خاص طور پر احباب کی توجہ دلاتا ہوں کہ آج چہار اطراف میں دہریت کی مسموم فضا پھیل رہی ہے اس کے بارے میں ہمیں موثر اقدام کرنا چاہیئے۔ دہریت پسند لوگ قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب خدا ہی نہیں تو اس کا کلام کیسا۔ ورنہ قرآن کو صادق کلام تسلیم کر کے خدا کا انکار کرنا ناممکن ہے کیونکہ قرآن کریم کے ایک صفحہ پر خدائے تعالےٰ کی عظمت و جبروت اور جلال و کبریائی کا ذکر موجود ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ جو میرا انکار کرتا ہے اس کا قدم دہریت سے باہر نہیں رہے گا۔ اس لئے آپ کی جماعت خاص طور پر اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ آپ دہریت مادیت اور انکارِ الٰہی کی زہریلی کچلیوں کو نکال کر مسل دیں۔ اس کا علاج حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں بتایا ہے۔ پس اس زہر کا تریاق کرنا آپ کا کام ہے۔

(ختم شد)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

بیگم زمرد رمضان صاحبہ سیالکوٹ سے تحریر فرماتی ہیں:۔

محترم ایڈیٹر صاحب۔ اخبار پیغام صلح

السلام علیکم! کچھ عرصہ پیشتر میرے عزیز بھائی ڈاکٹر محمد عبداللہ ہگورا صاحب انتقال فرما گئے تھے۔ ان کی وفات پر بزرگوں، بہنوں اور بھائیوں کے تعزیت نامے موصول ہوئے جن کا میں فرداً فرداً جواب نہیں دے سکی۔ ان سطور کے ذریعے میں ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ خدا ہمارے بھائی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں صبر جمیل سے نوازے۔

مخلص۔ بیگم زمرد رمضان۔ پارلہ ہوزری ۹۸ عزیز شہید روڈ سیالکوٹ

نوٹ: مرحوم ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب ہمارے محترم بھائی ڈاکٹر یوسف احمد صاحب ڈائرکٹر سی۔ ایس۔ آئی۔ آر۔ کراچی کے برادر بزرگ تھے۔ آپ کو جماعت کے خلاف تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کے دوران بڑی جانی اور مالی قربانی دینی پڑی۔ اسی وجہ سے جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن پائے استقلال میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ اپنے بھائی ڈاکٹر یوسف احمد صاحب انکے عزیزوں اور مرحوم کے دیگر پسماندگان کے ساتھ ان کے صدمہ اور غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ادارہ پیغام صلح کو اس کی اطلاع بہت دیر سے ملی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے ان بندوں میں داخل کرے جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم اور اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(مدیر)

ایک ضروری اعلان

پیغام صلح کا مسیح موعود نمبر مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۷۷ء کو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اس نمبر کی تیاری کے سلسلے میں ۱۸ مئی کے ایشوع کا ناغہ ہوگا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔

کچھ عرصہ سے پیغام صلح کی اشاعت و ترسیل میں بوجوہ تاخیر ہو رہی ہے ملکی حالات درست ہونے پر اشاعت و ترسیل باقاعدگی سے ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

(ادارہ)

جمہوریت و مساوات ــــ اسوۂ حسنہ
نبی کریم صلعم کا اپنے صحابہ سے حسن سلوک

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے طرزِ عمل سے سرمایہ داری کے خلاف جہاد کیا۔ نبی کریم صلعم کی سوانح حیات پڑھنے اور احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے دنیا کے سامنے جمہوریت اور مساوات کا جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال کہیں نہیں ملتی سرمایہ داری کے خلاف رسولِ اکرم صلعم کا جہاد اس بنا پر تھا کہ آپ ان لوگوں میں جو آپؐ کی رسالت پر ایمان لا چکے تھے وحی کی تصدیق کر چکے تھے اور قرآن کریم کی ہدایت کی پیروی قبول کر چکے تھے۔ کامل مساوات اور اخوّت دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسلام کا شعار ہی عدل و انصاف مہر و محبت اور کامل تعاون اور سچّی مساوات تھا۔ اور اسی مستحکم اور مضبوط بنیاد پر رسول اکرم صلعم نے مکہ اور مدینہ میں اسلام کا ایوان تیار کیا اور پھر مکّہ اور مدینہ سے اسلامی پرچم مقدّس ہاتھوں اور پاک دلوں کے ذریعے اُڑتا ہوا اکنافِ عالم میں پہنچا یہی تو وہ پرچم تھا جس کے زیرِ سایہ انسانیت پھلتی پھولتی اور ترقی کرتی چلی گئی۔

رسول اکرم صلعم نے اپنی قوم کے لئے خود ہی مثالیں قائم کر دیں چنانچہ آپؐ کے اعمال و اخلاق، شاندار جمہوریت، سچی دلسوزی، بہترین تواضع، مہر و محبّت، رحم و کرم کے بلند ترین نمونے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ آپؐ . . نہ صرف اپنی قوم کے ساتھ سب سے زیادہ نرمی سے پیش آئے۔ بلکہ آپؐ خود ہی اپنے جوتے گانٹھ لیتے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے اور گھر کے کام میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے حضرت عائشہ رضہ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلعم اپنے چار صحابہ کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے راستہ میں ایک بھیڑ ذبح کی۔ سب نے مل کر آپس میں کام تقسیم کیا اور رسول کریم صلعم کے حصّہ کا کام بھی خود ہی انجام دینا چاہا۔ رسول اکرم صلعم نے فرمایا "یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، "اچھا میں لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاتا ہوں"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ اس کے لئے ہم لوگ کافی ہیں" آپؐ نے فرمایا "میں جانتا ہوں تم محبت سے ایسا کرو گے لیکن اللہ تعالےٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ کہ اس کا بندہ اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز روا رکھے" **یہ ہے رسولِ اکرم صلعم کا ادب و اخلاق، تہذیب انسانی کا بلند ترین نمونہ** ــ بے شک اللہ تعالےٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس کا بندہ اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز روا رکھے۔ کیا اس جمہوریت سے زیادہ شاندار جمہوریت اور اس مساوات سے زیادہ پاکیزہ مساوات کہیں پائی جاتی ہے۔ کیا اسی تعاون اور امداد باہمی کے جذبات سے بھری ہوئی محبت سے بڑھ کر کوئی اور چیز دلوں اور دماغوں میں یگانگت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہے

رسول اکرم صلعم نے اپنی قوم کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے ارشاد فرمایا "باہمی محبّت اور دلسوزی کے لحاظ سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔ اگر کسی ایک عضو کو کوئی شکایت ہو جاتی ہے تو تمام اعضاءِ بدن اس کی وجہ سے بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور نیند حرام ہو جاتی ہے۔ جہاں تک باہمی محبّت اور ایک دوسرے کی پُشت پناہی، شرکت عمل، واجبات و فرائض اور دُکھ درد میں ساجھی ہونے کا تعلق ہے تمام مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں۔ اس کے شاندار شواہد میں سے ایک واقعہ ہے جو غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت رونما ہوا۔ قریش نے سارے کے سارے جزیرۃ العرب کو رسولِ کریمؐ کے خلاف کھڑا کر دیا۔ تمام پارٹیوں اور قبیلوں میں رسولِ اکرم صلعم کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں عہد و پیمان ہو گیا ان کا زبردست لشکر بارہ ہزار نوجوانوں پر مشتمل نکل آیا۔ عربوں کا اتنا بڑا لشکر اس وقت تک کبھی جمع نہ ہوا تھا۔ اس لشکرِ جرار کے تمام افراد بغض و کینہ سے بھرے ہوئے غصہ میں کھولتے ہوئے مدینہ کی تلاش میں اس غرض سے نکلتے ہیں کہ اس نئے دین پر ضرب کاری لگائیں وہ دین جو غلام و آقا، قوی و ضعیف، امیر و غریب سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عرب کے لئے ایک ایسی نئی چیز تھی۔ جس سے وہ کبھی واقف نہ تھے۔ یہ ایسا قانون تھا جس سے سردارانِ قریش اور جزیرۃ العرب کے سرکشوں کو اپنے اثر کے مٹنے۔ اپنے کبر و نخوت کے تخت اُلٹ جانے کا ڈر لاحق ہو گیا تھا۔ مدینہ میں رسول اکرمؐ کے پاس طرح طرح کی وحشت ناک خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جن کی بناء پر احتیاط و بیداری اور بڑی تیاری کی ضرورت تھی۔ رسول اکرم صلعم نے صحابہ رضہ کو غور و فکر کے لئے جمع کیا۔ کیونکہ مشورہ اور چھان بین اسلام کا طریقہ اور خدا تعالےٰ کا حکم ہے۔ صحابہؓ دیر تک بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام خطروں سے نہیں ڈرتا۔ اللہ کی راہ میں لڑائی سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ کامیابی کثرت و قلت پر منحصر نہیں۔ مگر عرب کے قبائل کچھ اتنی بڑی تعداد میں اور اتنے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے کہ شدید احتیاط اور صحیح غور و فکر کی ضرورت تھی۔

حضرت سلمان فارسیؓ آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ، اہل فارس کو جب کبھی ایسی صورت پیش آتی تھی تو وہ اپنے شہروں میں جمع ہو جاتے اور شہر کے چاروں طرف خندق کھود لیتے۔ یہ خندق ان شہروں کو اس طرح گھیر لیتی جس طرح کہ شہر پناہ دارالسلطنت کو گھیر لیتی ہے۔ اس طرح دشمن کو حملہ کرنے اور جیتنے کا موقعہ نہ ملتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے اس مشورہ پر عمل کر لیا۔ عربوں کے لئے یہ خیال بالکل نیا تھا۔ اس سے قبل ان کو اس طرح کی کسی چیز کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مسلمانوں کو جلدی تھی، وہ چاہتے تھے کہ قبل اس کے کہ دشمن ان پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ وہ پوری تیاریاں کر لیں۔ پورا اسلامی لشکر خندق کھودنے میں لگایا گیا۔ کیا حضرت رسول کریم صلعم نے اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھا کہ وہ بھی ہاتھ بٹائیں۔ ہرگز نہیں کہ نہ صرف آپ سب سے آگے تھے کدال سے خندق کھود رہے تھے بلکہ آپؐ اپنے تمام صحابہ رضہ سے زیادہ اور محنت سے کام انجام دے رہے تھے۔

آپ خندق کھود رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ آپؐ برابر کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ پسینہ سے عرق عرق ہو گئے اور تھکن کی وجہ سے ضعف محسوس کرنے لگے۔ اس طرح آپ نے اپنی قوم کے سامنے مساوات و جمہوریت کی درخشاں مثال قائم کر دی۔ (ماخوذ)

اولیاء اللہ کے قرب کی برکات

"اس قسم کے لوگ ہمیشہ گذرے ہیں جو چاہتے ہیں کہ بغیر کسی قسم کی محنت اور تکلیف اور سعی اور مجاہدہ کے وہ کمال حاصل کر لیں۔ جو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے آکر ان سے کہا کہ کوئی ایسا انتظام ہو کہ ہم پھونک مارنے سے ولی ہو جاویں۔ ایسے لوگوں کے جواب میں انہوں نے یہی فرمایا کہ پھونک **کے مارنے کے واسطے بھی تو قریب ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ پھونک بھی دور سے نہیں لگتی۔**"

(الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء)

خان مرتضیٰ خان صاحب حسن مرحوم ومغفور ــــ بسلسلہ تربیت نوجوانانِ اسلام

دوسروں سے مانگنا یا سوال کرنا

آج کل مسلمان گداگر در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ دوسروں سے سوال کرنے میں مسلمان لوگ ذرا عار نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیک مانگنے سے اور دوسروں سے سوال کرنے منع فرمایا ہے۔ اپاہج لوگوں کا معاملہ الگ ہے۔ بے شک وہ ہماری امداد کے مستحق ہیں مگر اچھے بھلے موٹے مشٹنڈوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی خیرات مانگنے سے نہیں شرماتے۔ ایسوں کو دینا گداگری کی بُری عادت کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

بعض لوگوں نے بھیک مانگنا اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ اسلام اس کا مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلعم اور پہلے چاروں خلیفوں کے زمانہ میں ایسے پیشہ ور گداگر نہیں پائے جاتے تھے گداگری تو بڑی چیز ہے دوسروں سے معمولی سی معمولی بات کے لئے بھی سوال کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اونٹ پر سوار ہوئے کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً ان کے اونٹ کی مہار نیچے گر پڑی۔ آپ نے اونٹ کو بٹھایا۔ نیچے اُترے اور مہار اُٹھائی اور پھر سوار ہو گئے۔ ایک شخص پاس کھڑا تھا اس نے کہا امیرالمومنین آپ مجھے فرماتے میں مہار پکڑا دیتا۔ آپ نے کیوں اس قدر تکلیف فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ ہمارے نبی کریم صلعم نے دوسروں سے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی تھے۔ آپ اصحابِ صُفہ میں سے تھے۔ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں حدیثوں کے راوی ہیں۔ آپ پر فاقے پر فاقے گذرتے تھے۔ لیکن آپ کبھی سوال نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ بھوک کے مارے زمین پر گر پڑے۔ تب حضرت نبی کریمؐ نے آپ کو دودھ پلایا اور آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔

اسی طرح مالک بن صنعان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ کو کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا تھا مگر زبان سے کبھی سوال نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم پر اس قدر سختی سے کاربند تھے کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید بیعت کی یعنے نئے سرے سے آپ کے ہاتھ پر عہد باندھا اس بیعت کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔

اسلام دنیا میں انسان کا مرتبہ بلند کرنے کے لئے آیا ہے۔ مانگنے یا سوال کرنے سے انسان کی عزت گھٹ جاتی ہے۔ خود داری میں فرق آ جاتا ہے۔ انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے سوال کرنے کی عادت کو روکا ہے۔ مجبوری کی صورتیں الگ ہیں۔ بعض لوگوں کو سوال کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور تھوڑی تھوڑی سی بات کے لئے بھی سوال کر دیتے ہیں۔

خدمتِ خلق

مدینہ کے نواح میں ایک غریب اندھی بڑھیا رہتی تھی۔ جس کا کوئی خبر گیراں نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی بے کسی پر رحم آیا۔ آپ اس کی جھونپڑی میں تشریف لاتے اور اس کی خدمت بجا لاتے۔ اس کو کھانا کھلاتے۔ اس کا دُکھ سُکھ سُنتے اور اس کی ضروریات پوری کرتے۔ چند دنوں کے بعد آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص آپ سے پہلے ہی آ کر اس کی خدمت کر جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ تشریف لاتے وہ بڑھیا کہہ دیتی کہ آپ سے پہلے کوئی صاحب تشریف لائے تھے وہ میرا سب کام کر گئے ہیں۔ کھانا دے گئے ہیں اور میری خیر و عافیت پوچھ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا کہ وہ کون شخص ہے جو مجھ سے پہلے ہی آ کر ثواب کا یہ کام کر جاتا ہے اور مجھے اس ثواب سے محروم رکھتا ہے۔

ایک دن آپ نے تہیّہ کر لیا کہ آج بہت سویرے جاؤں اور یہ دیکھوں کہ وہ کون صاحب ہیں۔ چنانچہ یہ گئے اور دیکھا کہ یہ خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جو باوجود بادشاہ وقت ہونے کے اس غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں تشریف لاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اس کے تمام کام سر انجام دیتے ہیں۔ آپ کو دیکھکر حضرت عمرؓ نے کہا:—

"اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ ہر نیکی میں مجھ سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت اور برکت نازل کرے"

بچو! دیکھتے ہو ہمارے نبی کریم صلعم کے صحابہ نیکی کے کاموں میں کس قدر حریص تھے۔ دنیا کے لوگوں کی تو یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ مال و دولت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں مگر ہمارے صحابہ کی یہ خواہش تھی کہ وہ نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر قدم ماریں۔ غریب مسکین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ ہمارے دین کی اصل رُوح یہی ہے۔ نماز روزہ کے ساتھ غریبوں مسکینوں، محتاجوں کی خبر گیری بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ ہمارے نبی کریم صلعم نبوّت سے پہلے بھی غریبوں، مسکینوں کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ نبی ہونے کے بعد بھی آپ کا یہ طریق تھا کہ غریب عورتوں کو بازار سے سودا لا دیتے۔ بیماروں کی خبر گیری کرتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے۔ محتاجوں کی امداد کرتے۔ یتیموں کی پرورش کرتے بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے۔

عزیزو! خدا تمہیں توفیق دے تو غریبوں، محتاجوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھنا۔ یہ وہ بات ہے جو خدا کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔

مکرم جنس ہے یاں دستگیری ناتوانوں کی
لیا کرو ہو سکے جتنی دعائیں خستہ جانوں کی

قرآن مجید کا اثر

جب مکّہ کے دشمنوں کی اذیّت حد سے زیادہ گذر گئی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو حکم دیا کہ وہ حبشہ میں ہجرت کر جائیں۔ جہاں ایک عیسائی بادشاہ نجاشی حکمران تھا۔ دشمنوں نے ان کا وہاں بھی پیچھا کیا۔ اور نجاشی کے لئے بہت سے تحفے لے گئے۔ اور اس سے کہا کہ یہ مسلمان ہمارے باغی ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ جب نجاشی نے صحابہ کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی تو حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیار نے ایک برجستہ تقریر فرمائی نجاشی نے تقریر سُننے کے بعد کہا کہ تم وہ پڑھ کر سناؤ جو خدا نے تمہارے نبی پر نازل کیا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار نے سورۃ مریم کی تلاوت شروع کی اور اس محبت اور گداز میں تلاوت فرمائی کہ شاہ نجاشی رو پڑا اور اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ عیسائی عالم جو وہاں موجود تھے ان پر بھی بہت اثر ہوا۔ جب حضرت جعفرؓ پڑھ چکے تو

نجاشی نے کہا بے شک یہ وہی کلام ہے جو حضرت عیسٰے علیہ السلام لائے تھے ۔ یہ اور وہ ایک ہی نور کے چشمہ سے نکلے ہیں ۔

اس کے بعد مکہ کے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا بہتر ہے کہ تم میری حکومت سے نکل جاؤ ۔ یہ تھا قرآن مجید کا اثر ۔ دشمنوں نے تو بڑی بھاری سازش کی تھی کہ مسلمانوں کو حبش سے نکلوا دیں گے مگر شاہ نجاشی پر کلامِ الٰہی کا اس قدر اثر ہوا کہ اس کو یقین آ گیا کہ مسلمان سچے اور ان کا رسول سچا اور جو کلام اس رسول پر نازل ہوا ہے وہ واقعی خدا کا کلام ہے ۔ اب دشمنوں نے ایک اور چال چلی ۔ انہوں نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسٰے علیہ السلام بہت بُرا خیال رکھتے ہیں ۔ نجاشی نے انہیں پھر اپنے دربار میں بُلایا اور ان سے پُوچھا کہ تمہارا عیسٰے کے متعلق کیا خیال ہے ۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہمارے نبی پر ان کے متعلق یہی نازل ہوا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمہ تھے ۔ اور وہ آیات قرآنی تلاوت فرمائیں جن میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ذکر ہے ۔ اس پر نجاشی نے کہا "قسم ہے اللہ تعالےٰ کی کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے عیسٰے علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں"۔

عیسائی تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ۔ مگر یہ قرآن مجید کا اثر تھا کہ ایک عیسائی کو ماننا پڑا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام درحقیقت اللہ کے بندے اور نبی تھے ۔ خدا نہیں تھے ۔ پھر نجاشی نے حکم دیا کہ وہ تمام تحفے جو مکہ کے لوگ میرے پاس لائے ہیں ان کو واپس کر کے یہاں سے نکال دو ۔ واللہ یہ سلطنت اللہ تعالےٰ نے مجھے رشوت لے کر عنایت نہیں فرمائی

شاہ نجاشی نے حضرت جعفر طیار کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلعم کو لکھ بھیجا کہ آپ خدا کے پیغمبر اور نبی ہیں ۔ اور کئی ایک قیمتی تحائف حضرت رسول کریم صلعم کی خدمت میں بھیجے ۔

حضرت جعفر طیار کا استقلال

۸ھ میں ہمارے نبی کریم صلعم کو جنگ موتہ پیش آئی ۔ اس جنگ میں حضور نے اسلامی فوج کا عَلَم یعنے جھنڈا زید بن حارث کو عطا فرمایا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اس جھنڈے کو سنبھالیں اور جعفر کے بعد عبداللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہوں ۔

میدان جنگ میں دشمن نے ایک لاکھ ٹڈی دل فوج کیل کانٹے سے لیس اُتار دی تھی ۔ اس کے مقابل میں فدایانِ اسلام کا لشکر تین ہزار سے زیادہ نہ تھا ۔

حضرت زید شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ بجلی کی طرح گھوڑے سے کود پڑے ۔ اور عَلَم سنبھال کر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دُور تک آگے نکل گئے ۔ دشمنوں کا ہر طرف سے ہجوم تھا ۔ تیغ و تبر تیر و سناں کی بارش ہو رہی تھی ۔ آپ کا جسم مبارک زخموں سے چھلنی ہو گیا ۔ مگر اللہ رے استقلال کہ اُف بھی زبان سے نہ نکلی ۔ یہ جان باز شمع رسالت کا پروانہ زخموں سے نڈھال ہونے پر بھی دشمنوں پر وار پہ وار کرتا ہوا دیکھا جاتا تھا ۔ اور جب ایک بازو کٹ گیا تو دوسرے بازو سے عَلَم کو سنبھالے رکھا اور جب دوسرا بازو بھی کٹ گیا تو بھی اس بہادر اور شجاع سپاہی نے عَلَم کو نہ ہونے دیا ۔ اور بالآخر شہید ہو کر زمین پر گر پڑا ۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ۔ جعفر شہید تو ہو گئے مگر ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گیا ۔

عبداللہ بن عمرؓ جو اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر کی نعش کو تلاش کیا تو دیکھا کہ سامنے کی طرف پچاس

اگر نجات چاہتے ہو

تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جُوا اپنی گردن پر اُٹھاؤ ۔ کہ شریر ہلاک ہو گا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا ۔ جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا ۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالےٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق ، خالق کا تم پر ہے ۔ چاہیئے کہ پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جائے ۔ اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ محبُوب حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جائے ۔ کیونکہ جو اس سے کم تر ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے ۔ خدا بڑی دولت ہے ۔ اس کو پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ وہ بڑی مراد ہے اس کو پانے کے لئے جانوں کو فدا کرو ۔ **عزیزو !** خدا تعالےٰ کی حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو ۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے ایک بچہ کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو ۔ نماز پڑھو ، نماز پڑھو ۔ کہ **وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے** اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے ۔ بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے **اعضا کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو** ۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ ۔ نماز میں بہت دُعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے ۔

سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں **کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے ؟** کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش کی جا سکتی ہیں ۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں ۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے ۔ اور خدا تعالےٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی ، عزیزو ! اس دُنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا فانی فلسفہ ایک ابلیس ہے ۔ جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بیباکیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریت پہنچاتا ہے **سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین** ہو ۔ اور بغیر چون و چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ ۔ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کے حکموں کو مانتا ہے ۔

(حضرت مسیح موعودؑ)

زخم تھے ۔ تمام جسم پر زخموں کا شمار نوّے سے بھی زیادہ تھا ۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان کی پُشت پر کوئی زخم نہ تھا ۔

جب حضرت سرورِ کائنات نے حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر سُنی تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہمارے نبی صلعم کو بشارت دی کہ اللہ تعالےٰ نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے میں دو نئے بازو عنایت فرما دیئے ہیں جن سے آپ جنت کے ملائکہ کے ساتھ ساتھ اُڑتے رہتے ہیں ۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب جعفر طیار ہے ۔ طیار کے معنے ہیں اُڑنے والا ۔ آپ کا دوسرا لقب **ذوالجناحین** بھی ہے یعنے دو بازوؤں والا ۔

خدا نے اس دنیا میں بھی ان کو عزت کا لقب دیا اور آخرت میں بھی ان کے درجے بلند ہوئے ۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں ۔ (مینیجر)

افکار و اخبار

(مولانا دوست محمد صاحب ۔ سابق ایڈیٹر پیغام صلح)

جن دنوں خاکسار پیغام صلح کی ادارتی خدمات پر متعین تھا، اخبار و افکار کے عنوان سے ایک صفحہ یا کم و بیش مخصوص تھا، جس میں مختلف مذہبی اور نیم مذہبی افکار اخباری رپورٹوں پر مختصر نوٹوں کی شکل میں درج کئے جاتے تھے۔ خیال تھا کہ قائم مقام ایڈیٹر صاحب کی اجازت سے اس سلسلہ کو جاری رکھ سکوں گا۔ لیکن بعض حوادث اور طویل علالت کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رکھا جا سکا۔ اگرچہ اب بھی کمی بصارت کی وجہ سے خود لکھنے سے قاصر ہوں تاہم میری کوشش ہے کہ دوسرے دوستوں کی مدد سے اس کو پھر جاری کردوں چنانچہ آج چند نوٹ درج ذیل ہیں۔ دُعا کیجئے کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جا سکے

قرآن کریم کی صداقت کا پہلا ثبوت

قرآن شریف میں جس جگہ فرعون کی لاش کے غرق ہونے کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك اٰیۃ (ترجمہ) سو آج ہم تمہارے بدن کو بچائیں گے تاکہ ان لوگوں کے لئے جو تمہارے بعد آئیں گے تو ایک نشان ہو۔

یہ خبر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے معلوم ہوئی کہ فرعون کی لاش کے متعلق اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آنے والے لوگوں کی عبرت کے لئے بچائی جائے گی ۔ اور کس طرح کہا جا سکتا تھا کہ وہ فی الواقع بچائی گئی ہے ۔ اس وقت سلسلہ خبر رسانی کوئی نہ تھا اور نہ دنیا میں کسی کو معلوم تھا ۔ کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔

اب ایک تازہ خبر شائع ہوئی ہے ۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ :—

"صدر فرانس نے فرانس کے میوزیم میں تین ہزار سال پرانی حنوط شدہ مصری نعش دیکھی ۔ آج کل ماہرین کے زیر نگرانی اس ممّی کی مرمت کی جا رہی ہے ۔ یہ نعش فرعون (رعمیس دوم) کی ہے جو تین ہزار قبل مصر پر حکمران تھا۔"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ کیا یہ خبر ہمارے ایمانوں کو تازہ کرنے اور حضرت نبی کریم صلعم کے منجانب اللہ کا زندہ ثبوت نہیں ۔

زنا کی سزا

کچھ دن ہوئے عرب ممالک میں تین زانی اشخاص کو قتل کی سزا دی گئی ۔ تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں ۔ بلاشبہ یہ سزا بہت ہی حیرت انگیز ہے لیکن خدا تعالےٰ نے زنا کی جو سزا قرآن کریم میں مقرر فرمائی ہے اس کے مطابق نہیں ۔ قرآن کریم میں زنا کی سزا ایک سو کوڑے ہیں ۔ جو پبلک میں لگائے جانے کا حکم ہے ۔ اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے ۔ کہ الزانی لا ینکح الا زانیۃً او مشرکۃً ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی کا سزا کے بعد زندہ رہنا ثابت ہے ۔ افسوس ہے ۔ کہ عرب جیسے ممالک میں قرآن کریم کے احکام کے خلاف عمل کیا جاتا ہے ۔ باوجود اس کے یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ ان ممالک میں قرآن اور سنّت کی پیروی ضروری سمجھی جاتی ہے ۔ ضرورت ہے کہ قرآن کریم کو سب باتوں پر مقدم رکھا جائے اور کسی امر کے پیش آنے پر قرآن کریم کے مطابق عمل کیا جائے ؛

دعوئ مہدویت کفر نہیں

مولینا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں :—

"کسی شخص کے مہدی ہونے نہ ہونے کے اعتقاد کو اسلام کے عقائد سے کیا علاقہ ! نہ یہ بنائے فسق و تقوےٰ ہے نہ معیار ایمان و کفر ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی داعی شریعت و آمر بالمعروف و ناہی عن المنکر کو مہدی مان لیا، تو اس سے اس کے اسلامی عقائد میں کونسا فتور آ گیا ! زیادہ سے زیادہ یہ کہ انطباق علائم و آثار میں اس نے اجتہادی غلطی کی ۔ اصل شئے جو مطلوب شارع ہے وہ تو صرف ایمان باللہ و بما جاء ہ ہے (یعنی اللہ پر ایمان اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا اس پر ایمان ۔ ناقل) اور دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ متقین میں سے ہے یا نہیں ! "متقین" کی تعریف قرآن نے اپنی پہلی سورت ہی میں بتلا دی :—

الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ و مما رزقنٰھم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیك و ما انزل من قبلك و بالاخرۃ ھم یوقنون ۔ (یعنی جو لوگ ان دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے، اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایمان لاتے ہیں اس کلام پر جو تم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (تذکرہ حواشی)

جو شخص ان چیزوں کا ایمان و عمل رکھتا ہے وہ اولٰئك علیٰ ھدًی من ربھم و اولٰئك ھم المفلحون (یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ (تذکرہ حواشی) میں داخل ہے، خواہ کسی کو مہدی تسلیم کرے، خواہ دجّال ۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم (اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ۔ تذکرہ حواشی) البتہ یہ ضرور دیکھا جائے گا، کہ جس شخص کو مہدی تسلیم کرتا ہے، وہ متقی ہے یا مبتدع ! اگر اس کی بدعات محدثات یا اعمال غیر صالح ثابت ہوں گے اور یہ بھی ان کا مصدق اور پیرو ہوگا، تو بلاشبہ اس پر وہ حکم دیا جائے گا۔ جس کا وہ شرعاً مستحق ہوگا ۔ لیکن نہ بر بنائے اعتقاد مہدویت بلکہ بسبب عقائد و اعمال منکرہ ۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تو ایک جزئی مسئلے میں اس کو غلطی پر سمجھ سکتے ہیں، تخطیہ کر سکتے ہیں، لیکن نہ تو بُرا کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے اسلام و ایمان میں شک کر سکتے ہیں ——— اگر اس کا عمل اچھا ہے اور اللہ اور اس کے رسُول کی محبت و اتباع اور ایثار فی اللہ و للہ میں تیز گام ہے تو یقیناً کل کو اللہ کے حضور وہی سب سے اُونچا ہوگا، اور ہم سب اس کے نیچے ہوں گے، اگرچہ ہم کتنے ہی کامل و اکمل اشعری[1] و ماتریدی[2] ہوں ۔ وہاں صرف غرور اشعریت و ماتریدیت کام نہ دے گا۔

کلّ یدّعی وصلاً بلیلیٰ + ولیلیٰ لا تقرّ لھم بذاکا

ترجمہ :۔ ہر ایک (عاشق) لیلیٰ (محبوب) سے واصل ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے لیکن لیلیٰ انہیں اس دعوے پر ہی اپنے قرب سے نہیں نوازتی ۔

کچھ درود شریف کے متعلق

خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے :—

ان اللہ وملٰئکتہ یصلّون علی النّبیّ ط یا ایّھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً ۔ (پارہ ۲۲ ع ۴)

---

[1] اشعری امام ابی الحسن اشعریؒ کے مکتب فکر کے پیرو ہیں ۔ (مدیر)
[2] ماتریدی امام ابو حنیفہؒ ہی کے فقہ کے پیرو اور شارح تھے ۔

(سورۃ احزاب - آیت ۵۶)
ترجمہ: "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں - اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو"
(ترجمہ منقول از حمائل شریف حضرت امیر مرحومؒ)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو اپنے پیارے نبیؐ پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ وہ کام ہے جو خود اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے بھی کرتے ہیں - قرآن پاک میں کتنے ہی کام کرنے کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے - لیکن یہی ایک کام ہے جو اس کے علاوہ خود اللہ تعالےٰ اور اور اس کے فرشتے بھی کرتے ہیں - اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کام کی کتنی اہمیت ہے اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کی کتنی قدر و منزلت ہے۔

اللہ تعالےٰ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ پیارے نبی اور آپ کے عزیزوں پر رحمت برساتا ہے - آپؐ کا ذکر بلند کرتا اچھی فطرت والے لوگوں کے دل آپ کی طرف متوجہ کرتا ہے - فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب ہے کہ وہ پیارے نبی اور آپؐ کے عزیزوں کی ترقی درجات اور شیطانوں کی شرارتوں سے نجات کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں - اور اہل ایمان کو جو درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ پیارے نبیؐ کے احسانات کو یاد کر کے خلوص، محبت، وفاداری اور یکسوئی کے ساتھ آپؐ اور آپؐ کے عزیزوں کے لئے دُعا کریں - اللہ تعالےٰ سے عاجزی کے ساتھ درخواست کریں - کہ وہ اپنے ان نیک اور مقرب بندوں پر اپنی رحمت لگاتار برساتا رہے -

قرآن حکیم کے اس امر کے علاوہ خود پیارے نبیؐ نے بھی اُمت کو درود شریف پڑھنے کی بڑی تاکید کی ہے - اس کے عوض بڑے ثواب اور اجر کا ... بھی فرمایا ہے - مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا :-

من صلّی علیّ مرّۃً واحدۃً صلّی اللہ علیہ عشراً

جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالےٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے -

مراد یہ ہے کہ اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے - لیکن اس کے لئے جو شرائط ہیں وہ پوری ہونی چاہئیں - مثلاً اس کا مطلب طوطے کی طرح سوچے سمجھے بغیر زبانی رٹ لگانا نہیں ہے بلکہ زبانِ دِل کے ماتحت ہونی چاہیئے اور جو بات زبان سے ادا ہو وہ دِل میں بھی ہونی چاہیئے - اس کے علاوہ اس کا مقصد کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہونا چاہیئے - یہ صرف پیارے نبیؐ کے احسانات یاد کر کے ان کے لئے اور ان کے عزیزوں کے لئے پُر خلوص دُعا ہونی چاہیئے - چنانچہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے :-

"من صلّی علیّ من اُمّتی صلٰوۃً مخلصاً من قلبہ صلّی اللہ علیہ بھا عشر صلٰوۃٍ و رفعہ بھا عشرۃ درجاتٍ وکتب لہ بھا عشر حسنات محی عنہ عشر سیّئاتٍ - (نسائی بروایت ابو ہریرہؓ)

میری اُمت میں سے جو شخص مجھ پر ایک بار خلوصِ دل سے درود بھیجتا ہے - تو اللہ تعالےٰ اس کے عوض اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور اس کے عوض اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس سے دس برائیاں مٹاتا ہے"

(بشکریہ اشاعت الحق - سرینگر کشمیر)

رفقاء "پیغام صلح" خود پڑھنے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں -

"نبوّت - وجدان اور اجتہاد"

مندرجہ بالا عنوان کے تحت جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب شعبۂ فلسفہ کراچی یونیورسٹی کا ایک مقالہ ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے - یہ اقتباس اسی کا ایک مختصر حصّہ ہے -

میرے نزدیک ختم نبوّت کا منشا ایک تو اس وجدان کو عام کرنا تھا جس کو آپ مذہبی وجدان کہہ سکتے ہیں اور جس کے لئے معیار کی حیثیت سے نبی برحق کا وجدان آپ کی رہبری کرتا ہے - اور دوسرے اس اجتہاد کو عام کرنا تھا - جو زندگی کے راست مشاہدہ کو سامنے رکھتے ہوئے ان تعقلات کی نمو کا ذمہ دار ہو، جو نبیؐ برحق نے آج سے چودہ سو سال قبل قائم کئے تھے - یہ دونوں چیزیں ہم کو ماضی سے جوڑتی ہیں اور اس تہذیب و تمدّن کی فہم و فراست فراہم کرتی ہیں جو اس سے قبل گذر چکی ہے - مشاہدہ کی عمومیت سے میری مراد کسی حد تک وہ شئے ہے جس کو ارباب معرفت ولایت کہتے ہیں - اگرچہ ان میں سے بعض ولایت کو حقیقت کے غیر لفظی وجدان سے آگے کچھ نہیں سمجھتے اور مشاہدہ اور لفظ کے درونی رشتے جو جو لازمی رشتے ہیں ان کی نظر سے اوجھل ہیں - اور انہوں نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کیا ہے کہ ولایت کی عمومیت کے ساتھ ساتھ اجتہاد کی رسائی بھی وسیع کر دی گئی ہے اور یہ دونوں اصول مل کر ہی اسلامی معاشرہ کی حیات اور اس کی نشو و نما کے ضامن بن سکتے ہیں - صرف کسی ایک اصول پر قائم رہنے سے اسلام کی حیات اجتماعی یک رخی طور پر تو ترقی کر سکتی ہے - لیکن اس تہذیب کی عکاس نہیں ہو سکتی جس کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کیا تھا - مذہبی وجدان کی یہ عمومیت جس کا معیار پیغمبرانہ وجدان ہو خدا کی وہ امانت ہے جس کے زمین و آسمان متحمل نہ ہو سکے اور جس کو بالآخر انسان کے ناتواں کندھوں نے اُٹھایا، لیکن نبی آخرالزمان کے آنے تک اس وجدان کو وہ مہر توثیق نہ ملی تھی جو حضورؐ نے اس کو عطا کی - انسانی وجدان اب خاتم النبیّین کی توثیق سے اس حقیقت کا راست متحمل ہو سکتا ہے جس کے پہلے انبیاء متحمل ہوا کرتے تھے - دوسرے الفاظ میں اُمت محمدیؐ کے وہ تمام لوگ جو اس وراثت کے امین ہو سکتے ہیں اپنے درجہ اور مقام میں نبوّت کی ان خصوصیات کے حامل ہیں جو حضورؐ سے پہلے پیغمبروں میں مختص ہوا کرتی تھیں - حضورؐ کی ذاتِ گرامی کا یہ وہ کارنامہ ہے جس نے انسان کو انسانیت کی معراج پر پہنچایا اور چونکہ اب کوئی منزل انسانیت کی منزل کے ماوراء نہیں ہے - تکمیل دین کا اعلان کر دیا گیا -

---

رُوحانی بادشاہت

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جُدا + مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار
ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں + آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار
ملک رُوحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
گو بہت دُنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار

(حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت موسٰےؑ والا فرعون

(از جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد)

پچھلے دنوں اخباروں اور رسالوں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ فرعون رعمیسس ثانی کی ممّی (حنوط شدہ لاش) کو قاہرہ (مصر) کے عجائب گھر سے پیرس (فرانس) بھیجا جا رہا ہے کیونکہ اس ممّی اور اس پر لپٹی ہوئی پٹیوں میں ایسے باریک اور ننھے کیڑے پیدا ہو گئے ہیں جو کہ اُسے آہستہ آہستہ مٹی کر دیں گے۔ اس عمل کو روکنے کے لئے پیرس کے سائنسدان اور ماہر خاص خاص تریاقوں اور بجلی کی شعاعوں کے ذریعے سے اُس ممّی کو پھر سے محفوظ کر دیں گے تاکہ وہ مزید ہزاروں سال موجود و محفوظ رہے اور دیکھنے والوں کے لئے باعث دلچسپی اور عبرت ہو۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ مشیّت ایزدی یہی چاہتی ہے۔

یہ رعمیسس ثانی وہی حضرت موسٰےؑ والا فرعون ہے جس کے متعلق میں نے ایک مضمون احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے کسی گذشتہ جلسہ سالانہ میں پڑھا تھا اور وہ اسی سرخی کے ساتھ اخبار پیغام صلح میں شائع بھی ہوا تھا۔ تفصیل اس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مختصراً یہ فرعون رعمیسس ثانی (RAMESVS II ۱۲۸۸ قبل مسیح) آج سے سوا تین ہزار سال پہلے قدیم ملک مصر میں تخت نشین ہوا تھا اور اس نے ۶۷ سال یعنی ۱۲۲۱ قبل مسیح تک حکومت کی۔ یہ اپنے آپ کو خدائے برتر کا رتبہ دیتا تھا اور اپنی پرستش کرواتا تھا۔ چنانچہ ابوسنبل کے قدیمی مندر کے سامنے اس کے چار بڑے پتھر کے بُت قائم تھے۔ یہ وہی مندر ہے جس کو اسوان کے بند (جو کہ دریائے نیل۔ ملک مصر میں بنایا گیا تھا۔) کی جھیل کے پانیوں سے بچانے کے لئے کروڑوں روپے کی لاگت سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دوسرے محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا۔ یہ فرعون ملک شام تک فتوحات کرتا چلا گیا تھا۔ اور وہاں اس نے ایک شامی شہزادی سے شادی کی تھی اور یہ وہی فرعون کی بیوی ہے جس نے حضرت موسٰے کو (جبکہ پیدائش کے بعد ان کی والدہ نے ان کو ایک لکڑی کے بکس میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دیا تھا) دریا سے بچایا تھا اور بعد میں ان کی دیکھ بھال کی۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی نبوّت کے بعد خفیہ طور پر خدائے واحد پر ایمان لائیں اور انکی تعریف قرآن کریم میں بھی آئی ہے۔

بنی اسرائیل حضرت یوسفؑ کے زمانے سے ملک مصر میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ رعمیسس ثانی نے ان کو نہ صرف غلامی کی حالت میں رکھا بلکہ ان کے نو زائیدہ لڑکوں کو مروا دیا کرتا تھا۔ حضرت موسٰےؑ نے نبوّت ملنے کے بعد فرعون سے التجا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک مصر چھوڑنے کی اجازت دے تاکہ وہ ہجرت کر کے فلسطین اور ملک شام کی طرف چلے جائیں۔ مگر اس کی اجازت نہ ملی۔ بالآخر حضرت موسٰےؑ نے ارشادِ خداوندی کے ماتحت ایک رات بنی اسرائیل کو لے کر ہجرت کا آغاز کیا۔ اور بحیرہ احمر کی طرف کوچ کیا۔ ابھی سمندر کی ایک شاخ پر پہنچے ہی تھے کہ فرعون اور اس کے لشکر نے ان کو آ لیا۔ تب ایک معجزہ خداوندی ہوا اور بنی اسرائیل کو دریا میں پار ہونے کا راستہ مل گیا۔ قرآن کریم میں ذکر ہے:۔

"ہم نے (اللہ تعالٰے نے) بنی اسرائیل کو دریا پار کر دیا۔ اور فرعون اور اس کے لشکروں نے شرارت اور زیادتی سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا کہا۔ میں مانتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ کیا اب ایمان لاتا ہے۔ اور پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ سو آج ہم تیرے بدن کو بچا دیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو۔ اور یقیناً بہت سے لوگ نشانوں سے بے خبر ہیں" (سورۃ یونس آیات ۹۰ تا ۹۲)

نہ بائیبل میں اور نہ کسی مصری نوشتے یا تاریخ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فرعون رعمیسس ثانی کے جسم یا لاش کو ڈوبنے کے بعد بچا کر حنوط یا ادویات سے محفوظ کیا گیا اور اس کی ممّی کو ایک مقبرے کے کمرے میں رکھ دیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں ایک فرعون کی ممّی دریافت ہوئی۔ اور مسٹر میس پیرو (ایک سائنسدان) نے جب اُس ممّی کی اُوپر کی چند پٹیاں کھولیں تو ایک پلیٹ پر لکھا ہوا ملا کہ یہ ممّی فرعون رعمیسس ثانی کی ہے۔ اور پہلی جون ۱۸۸۶ء کو خدیو مصر توفیق پاشا کے سامنے اس ممّی کو پیش کیا گیا۔ اور بعد میں اسے قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھوا دیا گیا۔

اس طرح اللہ تعالٰے کا فرمان پورا ہوا۔ اور قرآن کریم کے اللہ تعالٰے کی طرف سے الہام شدہ ہونے کا ایک قوی ثبوت ملا۔ اور تمام انسان اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ رہے نام اللہ کا۔

مخلص خدام کی ضرورت کا خیال

ظہر کی نماز سے پیشتر حضرت مسیح موعودؑ نے کچھ روپے جن کی تعداد آٹھ یا دس ہوگی۔ ایک مخلص مہاجر کو یہ کہہ کر دیئے کہ چونکہ موسم سرما ہے آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہوگی۔ اس مہاجر کی طرف سے کوئی سوال نہ تھا خود حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی ضرورت کو محسوس کر کے یہ رقم عطا کی۔ جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کو مخلص خدام کی ضرورت کا کس قدر خیال تھا۔ (ملفوظات جلد ہفتم)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــــ مؤرخہ ۱۱ مئی ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــــ شمارہ نمبر ۱۹

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹرز چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور پاکستان

مسیح موعود نمبر

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا ۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

فون نمبر ۵۳۷۳۷

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعود)

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :۔ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے :۔ ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۶/ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۸/۲۵ مئی ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۰-۲۱

عجب مدار اگر خلق سوئے ما بدوند ✲ کہ ہر کجا کہ غنی می بود گدا باشد

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود + ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

[illegible] امام راہِ ہدیٰ آیا

از جناب مولانا مرتضیٰ خان صاحب حسن مرحوم

مبارک مومنوں کو نائبِ خیرالوریٰ آیا ۔ شہِ ملکِ ہدیٰ آیا بروزِ مصطفےٰ آیا

شبِ تاریک و تیرہ میں مہِ قرّخ لقا آیا ۔ مجسّم رحمتِ حق مظہرِ نورِ خدا آیا

خدا ظاہر ہوا جس پر وہ مقبولِ خدا آیا ۔ حبیبِ کبریا آیا امام اتقیا آیا

رسول اللہ نے دی تھی بشارت جسکے آنے کی ۔ قسم اللہ کی مجھ کو وہی مردِ خدا آیا

وہ آیا جسکے آنے کیلئے بیتاب دنیا تھی ۔ مسیحِ وقت آیا ہادیٔ راہِ ہدیٰ آیا

فراوانی ہوئی دنیا میں اب یمن و سعادت کی ۔ زہے قسمت خوشا بخت رسا ظلِّ ہما آیا

مسرت سے نہیں پھولے سماتے آج اہلِ دیں ۔ خدا کے دیں کا رکھوالا امام باصفا آیا

براہیں کیلئے شمشیر ہاتھوں میں بصد شوکت ۔ رکھے تاجِ ولایت سر پر از بہرِ غزا آیا

سنبھل جانا ذرا اے دشمنانِ دیں سنبھل جانا ۔ کہ میدانِ وغا میں ہیر زا شیرِ خدا آیا

ہوا اسکے مقابل ناطقہ بند اہلِ باطل کا ۔ غضب کا رعبِ حق لے کر یہ مردِ باخدا آیا

پڑی تھی سخت گردابِ بلا میں کشتیٔ امت ۔ خدائے پاک کے لطف و کرم سے ناخدا آیا

بس اب ہو جائینگی سب مشکلیں آسان امت کی ۔ خدا نے دستگیری کی شہِ مشکلکشا آیا

درخشاں آفتابِ اسلام کا اب ہوگا دنیا میں
اڑی ظلمت جہاں سے نیّرِ صدق و صفا آیا

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۵ مئی ۱۹۷۷ء

"چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر"

ہم اپنی تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سمیت اپنے ربّ العزّت کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایک سال بعد پھر اپنے قارئین کرام کی خدمت میں "مسیح موعود نمبر" پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ ہم ہر سال یہ شمارہ مئی کی ۲۶ تاریخ سے چند روز قبل یا بعد شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس دن کو ہماری جماعت کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن امام وقت حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب قادیانی مسیح و مہدی معہود مذہبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتے اور اپنا مشن پُورا کرنے کے بعد اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور ایک بھاری امانت اپنی جماعت کے سپرد کر گئے۔ ہم ان آرا کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جو مختلف موافق و مخالف اخبارات اور اہلِ قلم مشاہیر ہند نے آپ کی خدمتِ اسلام کے سلسلے میں لکھیں اور اس کے لئے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ ہم اُس زمانے کے حالات و واقعات کا بھی کوئی ذکر نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی ان مشکلات اور مصائب کی دردناک کہانی سُنانا پسند کرتے ہیں جو حضرت مسیح موعود کو اپنے مشن کی تکمیل کی خاطر جھیلنی پڑیں۔ آپ اپنے مقصد کا بیج بو کر اس کی آبیاری اور نشو و نما کی ذمہ داری اپنے ان ساتھیوں کے کندھوں پر ڈال کر رخصت ہو گئے جنہوں نے دُکھ سُکھ میں آپ کا ساتھ دینے اور آپ کے کام کو جاری رکھنے کا آپ کے ہاتھ پر عہد کیا تھا۔ یہ عہد نبھانے میں آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی جماعت کہاں تک کامیاب ہوئی وہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا ہے۔

یہ ایک رسم چل نکلی ہے کہ قومیں اپنے مذہبی اور سیاسی مفکّرین کے یوم ولادت یا یوم وصال پر ان کی سوانح عُمری اور اپنے اپنے مخصوص میدان میں ان کے کارہائے نمایاں اور کامیابیوں پر روشنی ڈالنے اور انہیں زندہ رکھنے کے لئے خصوصی تقریبات منعقد کرتی اور مُلکی اخبارات و رسائل کے خصوصی نمبر شائع کرتی ہیں۔ تقریریں۔ مباحثے اور مذاکرے ہوتے ہیں اور جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن شام ڈھلے تک یہ سب باتیں ایک قصّۂ پارینہ بن جاتی ہیں لیکن جن قوموں میں باعزّت طور پر زندہ رہنے کی تمنّا آرزو اور لگن ہوتی ہے۔ ان کا دل قدم آگے بڑھانے کے لئے ہمیشہ مضطرب و بے قرار رہتا ہے۔ یہ دن اُن کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اس مقام سے پیچھے مڑ کر اپنے نقوشِ پا کا جائزہ لیتی ہیں کہ کہیں کوئی قدم ٹیڑھا تو نہیں پڑ گیا۔ اگر پڑا ہے تو کیوں ایسا ہوا ہے۔ وہ اپنے ماضی کا رشتہ اپنے حال سے جوڑتی۔ اس کا تجزیہ اور موازنہ کرتی۔ اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیتی اپنی ناکامیوں اور کامیابیوں کا مقابلہ کرتی ہیں اور اپنے ان تجربات کی رہنمائی میں اپنے مستقبل کے لئے ایسا لائحہ عمل مرتب کرتی ہیں جو ان کے لئے ترقی کی منزلیں آسان کر دے۔

ہمیں یہ لکھتے ہوئے بڑا دُکھ ہوتا ہے کہ گذشتہ یوم مسیح موعود سے لیکر اس یوم مسیح موعود تک ایک سال کے عرصہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنا آگے اُٹھا ہُوا قدم ہَوا میں ہی معلق دکھائی دیتا ہے۔ زمین پر نہیں پڑ سکا مگر ہم میں سے کسی نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یہ پیش رفت کیوں نہیں ہوئی۔ ہماری یہ بے حسی اور زندگی سے فرار ایک ناقابلِ معافی جُرم ہے اگر کوئی اور قوم یا جماعت اپنے فرض سے بے اعتنائی برتتے تو کوئی بات نہیں لیکن ہم نے تو حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر ایک ایسا عہد کیا ہوا ہے جس سے منہ موڑنا دنیا اور عاقبت دونوں میں باعث ذلت و رسوائی ہے۔ اور وہ عہد ہے "میں دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا"۔ ان چند الفاظ میں وہ سارا فلسفۂ حیات سمٹ کر سما گیا ہے جس پر زندگی کی عظمتوں کو پانے کا دار و مدار ہے۔ اور اس سے رُوگردانی ذلّت و رسوائی ہے

ماموریں کے ہاتھ پر عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد ہوتا ہے۔ اور اس عہد کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ حکم فرماتا ہے:-

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔" (۶: ۱۵۳)

"اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پُورا کرو جب تم عہد کر لو" (۱۶: ۹۱)

"اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے جب وہ اقرار کریں" (۲: ۱۷۷)

"اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا"

(۱) ان لوگوں کے متعلق جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں فرماتا ہے:-

"جو اللہ کے عہد کو پُورا کرتے ہیں وہ عقل والے ہوتے ہیں... انہی کے لئے انجام اچھا ہے"۔ (۱۳: ۲۰)

"اور جو اسے پُورا کرتا ہے جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو وہ اسے بڑا اجر دے گا"۔ (۴۸: ۱۰)

(۲) جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں ان کے متعلق فرماتا ہے:-

"اور جو اللہ کے عہد کو اس کے پکّا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اسے کاٹتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور زمین میں فساد کراتے ہیں یہی ہیں جن کے لئے لعنت ہے اور جن کے لئے اس گھر کا بُرا انجام ہے"۔ (۱۳: ۲۵)

"وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں........ پس جو کوئی یہ بیعت توڑتا ہے وہ اپنی جان کے نقصان کے لئے ہی توڑتا ہے۔" (۴۸: ۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہم سے بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہی لی تھی۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ سے تھا۔ اگر ہم نے اس عہد کو پُورا نہیں کیا اور پورا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے۔ وہ تو یہ فرماتا ہے:-

"تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کروں گا" (۲: ۴۰)

ہم نے شرط پوری نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کا پابند نہیں۔ اس کا سلوک ہمارے ساتھ وہی ہونا چاہیئے جو عہد شکنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس کا مختصر ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں۔

"دین کو دُنیا پر مقدم" رکھنے کی وضاحت حضرت اقدس ان الفاظ میں یوں فرماتے ہیں:-

"اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے......... خدا ایک پیارا خزانہ ہے....... اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت میں کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے........ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں......... ان کے اندر دُنیا پرستی کا جذام ہے ...... پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب

کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی دہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آ جائے کہ خدا ہی ہے اور سب ہیچ ہے۔" (کشتی نوح)

اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس کی کھیتی میں برکت دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس میں کچھ اسے دے دیں گے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں" (۲۰:۴۲)

قرآن کریم اور حضرت مرزا صاحب کے محولہ بالا الفاظ اپنے ساتھ رکھ کر جب ہم اپنی گذشتہ ایک سال کی کارگذاریوں پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال لیتے ہیں تو ہمیں اپنے ہر شعبۂ زندگی میں یہی نظر آتا ہے کہ ہم نے دین کو دنیا پر نہیں بلکہ دنیا کو دین پر مقدم رکھا ہے اور اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ جس برکت کا وعدہ اللہ نے دیا ہے وہ ہمیں نظر نہیں آتی۔ اگر ہمارا قدم ہمارے ارادوں کے برعکس پیچھے نہیں ہٹا تو آگے بھی نہیں بڑھا۔ آخر یہ پژمردگی اور جمود کس لئے طاری ہے۔ کیا ہماری ہمتیں جواب دے گئی ہیں یا ہم نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ممکن ہے ہمارے دوست ہمیں قنوطی ہونے کا طعنہ دیں لیکن حالات و واقعات سے چشم پوشی جس رجائیت اور خوش فہمی کو جنم دیتی ہے اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ جب حقیقت جاذب نظر لباس سے جو سراسر فریب نظر ہوتا ہے بے نیاز ہو کر سامنے آتی ہے تو وقت بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے اور کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اترتا ہے اور زبان پر اس کی تلخی بھی بڑی دیر تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بقول علامہ اقبال

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

جب دنیا دلوں میں گھر کر لیتی ہے تو زر پرستی اور اقتدار پسندی کے جراثیم جسم میں گھر کر لیتے اور فتنہ و فساد پیدا کر دیتے ہیں۔ اس سے تخریب کاری کو راہ ملتی ہے۔ قومیں اور جماعتیں انتشار اور پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ہموم و غموم انہیں گھیر لیتے ہیں۔ آج کے ملکی حالات ہمارے سامنے ہیں۔ ان حالات کے مقابلہ کے لئے جب جرأت مندانہ قدم اُٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو مصلحت آڑے آجاتی ہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوتا دیکھ کر بھی سچ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ تخریب پسند عنصر خواہ قلیل تعداد میں ہی کیوں نہ ہو اپنے مدِ مقابل کی مصلحت بینی کو اس کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے سیاسی داؤ پیچ سے کام لے کر اپنی مقصد برآری کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا اور فریق ثانی کو مشکلات کی ایسی دلدل میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے جہاں سے اس کا نکلنا ناممکن نہیں تو کٹھن ضرور ہو جائے۔

مامور وقت نے اپنے نورِ بصیرت سے انجمن کے اراکین کی نسبت اسی لئے فرمایا تھا کہ جب انجمن کے اراکین یہ دیکھیں کہ اس کے کسی رُکن کے دل میں دُنیا کی ملونی ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ اسے نکال دے۔ کیونکہ ایسا شخص دُنیا کا ذلیل ترین کیڑا ہوتا ہے جو اندر ہی اندر سے جماعت کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی زندگی میں مصلحت کی ایک مثال نے اس جماعت کو ایسے حالات سے دو چار کر دیا کہ وہ آج تک نہ سنبھل سکی۔ اگر اس وقت جُرأت اور ہوش مندی سے کام لیا جاتا تو آج یہ جماعت متحد ہوتی اور اس کی مجتمع طاقت و قوت اشاعت اسلام کے میدان میں وہ کارنامے انجام دیتی کہ دنیا حیرت زدہ ہو جاتی۔ اور دوسری مصلحت نے ہمیں مکفرین و مخالفین کے طعنوں کا نشانہ بنایا اور غلط عقائد کی وجہ سے اُٹھنے والے ایک نئے فتنہ کا سر کچلنے میں تساہل اور غفلت نے سنگین بحران سے دو چار کیا۔ اگر اب بھی ہم نے ان واقعات اور مشاہدات سے سبق نہ سیکھا تو انجام سامنے ہے۔

ہمارے سارے مسائل اور الجھنوں کی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے اس راستہ سے بھٹک گئے ہیں جس پر حضرت مسیح موعود ہمیں ڈال گئے تھے۔ ہم نے حضرت مسیح موعود کو پس پشت ڈال کر اپنے لئے نئے راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بیرونی سیاست گری نے ہمارے معاملات میں مداخلت شروع کر دی ہے۔ ہم سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ کر بھی اسے رد کرنے کی جرأت سے محروم ہیں۔ جو مصلحتیں پہلے بگاڑ پیدا کر چکی ہیں وہ اب بھی ہمارے مدِ نظر ہیں۔ ہم شرافت کے پردے میں بزدلی کا شکار ہیں۔ قول سدید سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں حضرت مسیح موعود سے کئے گئے اس عہد کی طرف کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" واپس لوٹنا ہوگا۔ اور آپ کی وصیت کو سینے سے لگا کر دنیا کی ملونی کو باہر نکال پھینکنا ہوگا۔ ورنہ یوم مسیح موعود منانے اور "مسیح موعود نمبر" شائع کرنے کی کوئی اہمیت نہیں یہ بھی ایک بے مقصد رسم ہی ہوگی ۔

از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"دنیا میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ، شرک، ظلم اور ہر ایک بدعملی ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔"

عباد الرحمٰن سے دشمنی موجب حبطِ اعمال ہے

"میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ جو شخص مسلمان ہو کر ایک سچے ولی اللہ کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ان سے **نیک عملوں کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور دن بدن ان کے دل کا نور کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن چراغِ سحری کی طرح گل ہو جاتا ہے** .... سو میرا یہ عقیدہ اپنی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔"

(ملفوظات احمدیہ جلد ہشتم ص ۱۱۱/۱۱۲)

ہفت روزہ پیغام صلح
خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیے

اعتذار

مسیح موعودؑ نمبر کے لئے دیر سے موصول ہونے والے مضامین جو اس خاص نمبر میں شامل نہیں ہو سکے انہیں ماہ جون کے پہلے شمارہ میں شائع کر دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ (ادارہ)

فتنہ و فساد ہوگا۔
—— سب سے کمینہ انسان قوم کا رئیس ہوگا۔
—— گانے بجانے والیاں اور شراب عام ہوگی۔

جب یہ نشانات ظاہر ہو جائیں تو طرح طرح کے ارضی اور سماوی عذابوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یعنی زلزلوں، جنگوں، سیلابوں اور وبائی امراض کے ذریعہ آنے والے ابتلاؤں اور آزمائشوں کا انتظار کرو اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے والوں کا مذہب جُدا جُدا ہوگا۔ عورتیں ایسا لباس پہنیں گی کہ برہنہ نظر آئیں گی اور تجارت کریں گی۔ مرد عورتوں کا شعار اختیار کریں گے۔ جھوٹی شہادت عام ہوگی۔

ان میں سے کونسی ایک بات بھی ایسی ہے جو پوری نہیں ہوئی۔ منکرین حدیث کے لئے بھی مقام غور ہے کہ واقعات نے مخبر صادق صلعم کی ان پیشگوئیوں کو سچ کر دکھایا اس لئے ان کا یہ کہنا کہ احادیث کی تیاری ایک عجمی سازش کے تحت مخصوص مفادات کے تحفظ کی خاطر عمل میں آئی آنحضرت صلعم کے اقوال مقدسہ کی تحقیر اور ہتک کے مترادف ہے۔

جس مسیح کے آنے کی بشارت آنحضرت صلعم نے دی نشانات بھی بتلا دیئے اور زمانے کا تعین بھی کر دیا۔ اس نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق عین ضرورتِ عصر کے وقت یہ دعوےٰ کیا چودھویں صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے یہ دعوےٰ کیا۔ دنیا بھر میں اور کوئی ایسا انسان نہیں جس نے یہ کہا ہو کہ خدا نے مجھے مسیح بنا کر بھیجا ہے۔ زمانہ بھی شاہد ہے اور زمین و آسمان بھی گواہ ہیں مگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر نام نہاد علماء نے اسے اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا اور اس مسیح کا انکار کر دیا جس کے متعلق حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا:—

" فاذا رایتموه فبایعوه ولوحبوا علی الثلج فانه خلیفة الله المهدی "

ترجمہ:" اور جب تم اس کو دیکھو تو اس کی بیعت کرو اور اگرچہ برف کے تودوں پر ہی گھٹنوں کے بل کیوں نہ چلنا پڑے "

ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا:—

" فاذا رایت یومئذ خلیفة الله تعالیٰ فی الارض فالزمه وان تهلك جسمك واخذ مالك "۔
(کنز الاعمال)

ترجمہ:" پس اگر تو اللہ تعالےٰ کے خلیفہ کو ان ایام میں دیکھ لے تو تیرے لئے لازم ہے کہ اس کا دامن پکڑ لے خواہ تیرا جسم ہلاک ہو جائے اور تیرا مال لوٹ لیا جائے "

جن کی خوش بختی نے ان کا ساتھ دیا تو وہ برف کے تودوں پر بھی چل کر آئے اور جان و مال کی قربانی بھی پیش کی۔ افغانستان کے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؒ کی شہادت کا واقعہ اس مسیح کی صداقت پر تاریخ کے صفحات میں ایک رنگین داستان رقم کر گیا مگر علمائے ہند جو اس کے آنے کے شدت سے منتظر تھے بے نصیب رہ گئے۔

کسی ماموراِلٰہی کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ کے پاس ہے اس میں علم و فضل کی بات نہیں مگر سب سے بڑھ کر رنجدہ بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو مدعی نبوت، ختم نبوت کا منکر اور آنحضرت صلعم کے مقابل پر دعویٰ نبوت کرنے والا ٹھہرایا گیا جو ایک بہت بڑا افتراء ہے حالانکہ آپ کی زندگی آپ کے عشق الٰہی، عشق رسول اور عشق قرآن پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ سراسر فنافی الرسول دکھائی دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:—

بعد از خدا بہ عشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یا آپ فرماتے ہیں:—

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

ایک اور مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا:—

دیں راہ گر کشندم ور بسوزند
نہ تابم رو ز ایوانِ محمدؐ

حضرت مرزا صاحبؒ نے جس مقام پر آنحضرت صلعم کو دیکھا دنیا کے کوربین ریکٹروں کی نگاہِ پست وہاں تک پہنچ سکتی۔ انہیں صرف سدرۃ المنتہیٰ کے الفاظ ہی یاد ہیں لیکن حضرت مرزا صاحبؒ ان کی روح کو سمجھتے ہوئے مقامِ محمدؐ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:—

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

آنحضرت صلعم کے اس اعلیٰ اور ارفع مقام کو آپ کی کامل اتباع سے اس اُمت میں ہمیشہ ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل کے مثیل ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحبؒ نے دنیا کے سامنے اپنے وجود کو بطور شہادت پیش کیا لیکن مدرسوں کے خشک منطقی اور فلسفی حضرت عیسیٰؑ کو زندہ جاوید آسمان پر بٹھا کر انہیں حضور نبی کریم صلعم سے برتر ثابت کرتے رہے گو زبان سے ضرور ختم نبوت کا اقرار کرتے اور عوام کو جماعت احمدیہ کے خلاف فتنہ و فساد اور ہنگاموں پر اُکساتے رہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے صحیح معنوں میں ختم نبوت کا تحفظ کیا چنانچہ آپ نے فرمایا:—

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

آپ کی پاک ذات پر ہر کمال ختم ہو گیا اور یقیناً ہر پیغمبر ختم ہو گیا۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نیا ہو یا پُرانا۔ پرانے میں حضرت عیسیٰؑ شامل ہیں جن کا مسلمانوں کو انتظار تھا اور نئے سے آپ خود مراد ہیں۔ جن کی طرف کذب بیانی سے کام لے کر دعوےٰ نبوت منسوب کیا گیا۔ جب سارے کمالات آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئے تو باقی کونسا کمال رہ گیا جس کے اظہار کے لئے کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے خواہ وہ عیسیٰؑ ہوں یا حضرت مرزا صاحبؒ آپ کے قلم سے جو لٹریچر اسلام کی حمایت اور مدافعت میں پیدا ہوا اسے بھی آپ اپنا کمال نہیں سمجھتے بلکہ آنحضرت صلعم کے کمالات کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:—

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ زلالِ محمدؐ است

آپؑ کی زندگی کے ہر پہلو میں زندہ خدا، زندہ رسول، زندہ اسلام اور زندہ قرآن کی جھلک نظر آتی ہے۔ لکھتے ہیں:—

" اب صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دنیا کے لئے واحد زندہ نبی ہیں کیونکہ صرف آپؐ ہی کا فیضانِ نبوت جاری ہے اور باقی سب نبیوں کے فیضان ختم ہو چکے ہیں چنانچہ اسلام کے سوا اب کوئی دین ایسا نہیں جس میں تعلق باللہ رکھنے والے لوگ پیدا ہوں .... اور اس زمانہ میں اس بات کا زندہ ثبوت میرا وجود ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم کی اتباع کے فیضان سے خدا کے قرب کو پایا اور مکالمہ مخاطبہ الٰہی کا شرف حاصل کیا۔"

اسے آپ نے اپنے لئے مخصوص نہیں کیا بلکہ فرماتے ہیں:—

" تمام قوموں کے لئے صرف آنحضرت صلعم ہی خاتم الانبیاء یعنے زندہ اور آخری نبی ہیں جن کی قوتِ قدسی اور فیضان نبوت آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ کی بعثت

کے بعد فقط اُمتِ محمدیہ ہی وہ اُمت ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع کی برکت سے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو خُدا کا قرب حاصل کرتے اور خدا کے کلام سے مشرف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔"

آپ پر الزام دیا جاتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے منکر تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کے لئے جتنی غیرت آپ کے دل میں تھی اس کا ہزارواں بلکہ لاکھواں حصّہ بھی نام نہاد مدعیانِ تحفظ ختم نبوت کے دل میں نہیں۔ آپ کو تو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کوئی پرانا نبی آنحضرت صلعم کے بعد آجائے چہ جائیکہ خود نبوت کا دعوےٰ کرتے۔ آپ فرماتے ہیں:—

"یقیناً یاد رکھو کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلعم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلعم کو خاتم النبیّین یقین نہ کرے اور جب تک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور اپنے فعل سے آپ کو خاتم النبیّین نہیں مانتا .... ہمارا مدعا جس کے لئے خدا تعالےٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا تعالےٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعے قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مشاہدہ کر لو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختم نبوت پر ہم ایمان لائے ہیں یا یہ لوگ .... اللہ تعالےٰ نے ہماری اس جماعت کو اس لئے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں"

حضرت مرزا صاحبؑ کے آنے سے اس زمانہ سے متعلق آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی وہ تمام پیشگوئیاں پوری ہوئیں جو قرآن کریم اور احادیث میں درج ہیں جیسے آپ نے آنحضرت صلعم کی زندہ نبوت پر یہ شہادت دی کہ آج سے چودہ سو سال قبل آپؐ نے جو کچھ فرمایا وہ حرف بحرف سچ نکلا۔ اس سلسلہ میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ دجّال اور یاجوج ماجوج کی نشاندہی ہے۔ ان تمام نشانات کی معقول تشریح اور توجیہہ کرکے جو ان کے بارہ میں بیان کئے گئے تھے آپ نے اس سربستہ راز سے پردہ اُٹھا کر یہ انکشاف کیا کہ یہ مغربی اقوام ہیں جو اپنی عیاریوں، مکاریوں، فریب کاریوں اور چالبازیوں سے کام لے کر تمام روئے زمین پر اپنا تسلّط جمالیں گی۔

مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کس طرح ان اقوام نے دوسری قوموں پر اقتدار حاصل کرکے انہیں معاشی، سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر مفلوج اور بے بس کرکے رکھ دیا۔ آج ہر زبان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہی یاجوج ماجوج اور دجّال ہیں۔ لیکن اس [illegible] تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جس نے ان کی شناخت [illegible] مسیح ہی کا کام تھا۔ اگر وہ یہ اعتراف کر لیں کہ انہیں پہچانے کا سہرا حضرت مرزا صاحب کے سر ہے تو انہیں مسیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

اس دجّالی فتنہ کی تازہ ترین مثال آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور خود پاکستان اس کا شکار ہے۔ اس طرح سے یہ ملک پہلے دو ٹکڑے کرایا اور آج اس بچے کھچے مُلک کو ختم کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرایا جا رہا۔ کون ہے جو ان تفصیلات سے اب واقف نہیں ہو چکا۔ اس لئے میں ان میں جانا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالےٰ ہی اس مُلک کا محافظ و مددگار ہو۔

مسلمانوں میں یہ تصوّر چلا آ رہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب آئیں گے تو ان کو ان کی تمام مشکلات اور مصائب سے نجات دلائیں گے۔ یوں تو مسلمانوں کا زوال سپین اور بغداد میں ان کی تباہی کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا لیکن انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اوائل تک کوئی اسلامی مُلک ایسا نہ تھا جس پر صلیب کے پرستاروں کا براہ راست یا بالواسطہ تسلّط نہ ہو چُکا ہو۔ جو برائے نام اسلامی سلطنتیں تھیں وہ بھی ان کے دجّالی فتنوں اور فریب کاریوں سے محفوظ نہ تھیں۔ ایشیا۔ افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی چھوٹی موٹی ریاستیں ان کے پنجۂ استبداد کے نیچے سسک رہی تھیں اور صلیبی قوتیں انہیں سیاسی اور مذہبی لحاظ سے نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنا رہی تھیں وہ وقت تھا مسیح کے آنے کا اور مسلمانوں کو ان پستیوں اور رسوائیوں سے نکال کر شان و شوکت اور عزّت کے مقام پر پہنچانے کا نہ کہ یہ [illegible] جب چودھویں صدی ختم ہو رہی ہے۔ افریقہ، ایشیا اور مشرق وسطےٰ کی چھوٹی چھوٹی اور تھوڑی تھوڑی آبادی والی مسلمان اکثریت کی ریاستیں آزاد اور خود مختار ہو رہی ہیں۔ اور بڑی بڑی طاقتوں کو آنکھیں دکھانے کے قابل ہو گئی ہیں۔

جس مسیح کے دم قدم سے گلستانِ محمدؐ میں بہار آنی تھی لیکن دُنیا نے اسے شناخت کرنے سے جان بوجھ کر انکار کر دیا تاہم اسلام اور اسلامیانِ عالم کی سربلندی کے لئے اس نے جو کام کرنا تھا۔ وہ کرکے رخصت ہو گیا۔

حضرت مرزا صاحبؑ دوسرے ماموریں من اللہ کی طرح دُنیا سے کوئی اجر طلب کرنے نہیں آئے تھے۔ آپ کا کوئی شدید ترین دشمن بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے کوئی محل بنائے، اسباب دُنیا یا کوئی بھاری خزانہ جمع کیا یا مربعے خریدے اور انگریز سے جاگیریں یا انعامات یا خطابات حاصل کئے۔ آپ مسلمانوں کو خدا کے دروازے پر اور حضور نبی کریم صلعم کے قدموں میں جھکانے کے لئے آئے تھے کیونکہ یہی وہ راہ ہے جس سے قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا اور آج بھی اسی راستہ کے ذریعہ نجات مل سکتی ہے۔

وہ خوش نصیب ہیں جنہیں امامِ وقتؑ کو پہچاننے کی توفیق ملی اور دوسروں کے لئے ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس صداقت اور سچائی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کی رہنمائی فرمائے آمین۔

نواب مُبارکہ بیگم صاحبہ کا انتقال

نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئیں۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون

(ادارہ)

الٰہی قرب کی راہ

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولےٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اس سے قربت کو
اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(حضرت مسیح موعودؑ)

ماموران کاملین صادقین، روحانی رنگ میں ہمیشہ زندہ رہا کرتے ہیں

حضرت مسیح موعودؑ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ جون ۱۹۰۸ء۔ از الحاج مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔۔۔ اولٰئک ھم المھتدون۔ (.)

اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات جو میں نے تم کو سنائے ہیں معمولی وعظ نہیں۔ اور نہ ہی ان کے متعلق کچھ بیان کرنا آج میرا مقصد تھا۔ یہ ایک علم ہے اور الٰہی علم ہے۔ جو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کلامِ خدا ہے انسان کا کلام نہیں۔ خدا کی پاک اور مجید کتاب کی سچی تعلیم ہے۔ وہی کتاب جس کے واسطے اب اور پہلے بھی تم سب نے امام صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور وہ کامل کتاب ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اولم یکفیھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت قلم دوات منگائی اور چاہا کہ میں تم کو ایسی بات لکھدوں کہ لن تضلوا بعدی (کہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو) جن لوگوں کی عقل باریک سمجھ مضبوط اور علم کامل تھا وہ سمجھ گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور جن کی زبان پر حق چلتا تھا۔ اس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ آپؐ جو ہمیں سکھانا چاہتے تھے وہ یہی کتاب تھی۔ چنانچہ اس نے صاف کہا کہ حسبنا کتاب اللہ۔ یہ ایک نکتۂ معرفت ہے۔ جو ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولا تھا۔

آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہیں کہ میں ایسی بات لکھ دوں کہ لن تضلوا۔ دوسری طرف قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ یہاں ان تضلوا کے معنی لئلا تضلوا ہیں۔ پس تطابق سے صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن ایک کافی (کفایت کرنے والی) کتاب ہے۔

آج یہ جو دو آیات میں نے تمہارے سامنے پڑھی ہیں۔ یہ میرے کسی خاص ارادے۔ غور و فکر کا نتیجہ نہیں اور نہ میں نے کوئی تیاری قبل از وقت اس مضمون اور ان آیات کے متعلق آج جمعہ کے خطبہ میں میں نے کی تھی۔ وعظ کا بے شک میں عادی ہوں۔ مگر یہ آیات محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالی گئیں۔

اس کا مطلب سمجھنے کے واسطے میں پہلے تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ توجہ سے سنو اور یاد رکھو۔ جب تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو پہلے دائیں طرف تھوک دو۔ پھر لاحول پڑھو اور ان باتوں کو کثرت سے استعمال کرو دعا کرو۔ پھر تاکید سے کہتا ہوں کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ ہتھیار بند ہو جاؤ۔ کمریں کس لو اور مضبوط ہو جاؤ۔ وہ ہتھیار کیا ہیں؟ یہی کہ دعائیں کرو۔ استغفار لاحول۔ درود۔ اور الحمد شریف کا ورد کثرت سے کرو۔ ان ہتھیاروں کو اپنے قبضہ میں لو اور ان کو کثرت سے استعمال کرو۔ میں ایک تجربہ کار انسان ہونے کی حیثیت سے اور پھر اس حیثیت سے کہ تم نے مجھ سے معاہدہ کیا ہے۔ اور میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ تم کو بڑے زور سے اور تاکیدی حکم سے کہتا ہوں کہ سر سے پاؤں تک ہتھیاروں میں محفوظ ہو جاؤ اور ایسے بن جاؤ کہ کوئی موقعہ دشمن کے وار کے واسطے باقی نہ رہنے دو۔ بائیں طرف تھوکنا۔ لاحول پڑھنا۔ استغفار۔ درود شریف اور الحمد شریف کا کثرت سے وظیفہ کرنا ان ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان آیات کا مضمون سن لو۔

تم نے سنا ہوگا اور مخالفوں نے بھی محض اللہ کے فضل سے اس بات کی گواہی دی ہے۔ اور تم میں سے بعض نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ حدیث شریف میں آیا ہے المبطون شھیدٌ۔ جو دستوں کی مرض سے وفات پاوے وہ شہید ہوتا ہے۔ مبطون کہتے ہیں جس کا پیٹ چلتا ہو یعنی دست آجاویں۔ اب جاننے کی بات یہ ہے کہ آپ (حضرت مسیح موعودؑ) کی وفات اسی مرض دستوں ہی سے واقع ہوئی ہے۔ اب خواہ اسی پرانے مرض کی وجہ سے جو مدت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ایک نشان کے آپ کے شامل حال تھا۔ یا بقول دشمن وہ دست ہیضہ کے تھے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو۔ یہ امر قطعی اور یقینی ہے کہ آپ کی وفات بصورت مبطون ہونے کے واقع ہوئی ہے۔ پس آپ بموجب حدیث صحیح کہ مبطون (جو مرض دست سے خواہ کسی بھی رنگ میں ہو وفات پانے والا) شہید ہوتا ہے) پس اس طرح سے خود دشمنوں کے منہ سے بھی آپ کی شہادت کا اقرار خدا نے کرا دیا۔ یقتل فی سبیل اللہ سے مراد لڑائی اور جنگ ہوئی۔ لڑائی اور جنگ ہی میں صلح ہوتی ہے خدا نے آپ کو پیغام صلح دینے کے بعد اٹھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جنگ کا خاتمہ ہونے کو ہے۔ کیونکہ اب صلح کا پیغام ڈالا گیا ہے۔ مگر خدا کی حکمت اس میں یہی تھی کہ آپ کو حالتِ جنگ ہی میں بلا لے۔ تا آپ کا اجر جہاد فی سبیل اللہ کا جاری رہے۔ اور آپ کو رتبہ شہادت عطا کیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی طور پر اس صلح کی کاروائی کے انتظام پذیر ہونے سے پہلے جبکہ ابھی زمانہ زمانۂ جنگ ہی کہلاتا تھا۔ اٹھا لیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے اس سے کئی سال پہلے ایک دفعہ کل شہر کو بلا کر شیخ میراں بخش کی کوٹھی میں جو کہ عین شہر کے وسط میں واقع ہے ایک فیصلہ سنایا۔ اور اس کا نام آپ نے فیصلہ آسمانی رکھا۔ عزیز عبدالکریم مرحوم کو کچھ تو اس خیال سے کہ ان کی آواز اونچی اور دلربا تھی۔ شاید ان کو ان کی اپنی آواز پر بھی کچھ خیال ہوگا اور کچھ اس جوش سے جو عموماً ایسے موقعہ پر ہوا کرتا ہے۔ اس امر کی درخواست کی کہ میں یہ مضمون سناؤں۔ مگر آپ نے بڑے جوش اور غضب سے کہا کہ اس مضمون کا سنانا بھی میرا ہی فرض ہے۔ غرض ہزاروں ہزار مخلوق کے مجمع میں ایک مضمون آپ نے بیان کیا۔ اور آپ نے دعاوی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ پھر اس کے بعد دوسرے موقعہ پر جلسہ اعظم مذاہب

آپ کی بے نظیر اور پُر حقائق لیکچر کے سنائے جانے دنیا پر حجت قائم ہو گئی۔ پھر آپ نے میلا رام کے مکان پر ایک پر زور لیکچر تحریری اور تقریری دیا۔

پھر اس کے بعد آپ نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ آریہ قوم پر حجت قائم کر دی جائے۔ اور اس غرض کے پورا کرنے کے لئے آپ نے ایک مضمون دیا جو کہ شہادت کے طور پر سنایا گیا۔ اور جس میں آپ کا حقیقی مذہب اور یہی اعتقاد دلی آرزو سچی تڑپ اور خواہش تھی وہ دے کر ہمیں بھیجا اور ہمارے آنے جانے کے کثیر اخراجات کو برداشت کیا۔ غرض اس طرح سے بھی آپ نے لاہور جیسے دارالحکومت میں لوگوں پر اپنی حجت قائم کر دی۔ پھر اس کے بعد آخری سفر میں بھی تمام امراء کو دعوت دے کر ان کو اپنے دعاوی۔ اعتقاد اور مذہب کو پہنچایا۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ دارالسلطنت میں اس طرح ہر بار پوری شان اور دھوم سے اتنی بار آپ نے اپنے پیغام رسالت کو پہنچایا۔ مگر اب بھی کوئی یہ کہے کہ آپ جس کام کے واسطے آئے تھے۔ وہ ابھی پورا نہیں ہوا یا نا تمام رہ گیا۔ اب آخر کار اس گرمی کے موسم میں حالت سفر میں اور جنگ میں آپ نے پیغام صلح ڈالا۔ مگر کبل اس کے کہ وہ صلح اپنا عملی رنگ پکڑے خدا نے آپ کو اٹھا لیا تا آپ حالت جنگ میں وفات پائے جانے کا غیر منقطع اجر پاویں۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یا ایھا الذین امنوا لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ ہم سناتے ہیں ذرا غور سے توجہ سے اور خبردار ہو کر سن لو۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو کیا کہتے ہیں؟۔ یہی کہ تم ان لوگوں کے حق میں یہ کبھی بھی مت کہو جو خدا کی راہ میں جان خرچ کر گئے اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ہیں کیا مت کہو؟ یہ مت کہو کہ وہ مر گئے ہیں وہ مرے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ آپ نے خدا کی راہ میں تبلیغ احکام الٰہی میں۔ خدا کی راہ میں حالت سفر میں وفات پائی ہے پس یہ خدا کا حکم ہے۔ اور کوئی بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ آپ کو مردہ کہے۔ آپ مردہ نہیں آپ ہلاک شدہ نہیں بل احیاء بلکہ زندہ ہیں یاد رکھو کہ یہ حکم الٰہی ہے ہم وجوہات نہیں جانتے کہ ایسا کیوں حکم دیا گیا۔ اور دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:۔ المبطون شہید۔ اور دوسری طرف قرآن شریف میں اللہ نے جھنجھوڑ کر کہا ہے کہ مردہ مت کہو۔ بلکہ احیاء کہو، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے خود دم نکلتے دیکھا ہے۔ کفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے گاڑ دیا اور خدا کے سپرد کر دیا۔ پھر یہ کیسے ہو کہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ مگر دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا شعور غلطی کرتا ہے۔ میں یہ مسئلہ اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر غیرت پیدا کریں اور سچے جوش جو حق اور راستی کے قبول کرنے سے ان میں موجود ہو گئے ہیں ان کا اظہار کریں اور ہمیں دکھا دیں کہ واقعی ان میں ایک غیرت اور حمیت ہے اور ان مخالفوں سے پوچھیں کہ دشمن جو کہتا ہے کہ ہیضہ سے مرے ہیں۔ اچھا مان لیا کہ دشمن سچ کہتا ہے پھر کیا ہیضہ سے مرنا شہادت نہیں؟ پیغام صلح جنگ کو ثابت کرتا ہے۔ اور دشمن اس بات کو تسلیم کرے گا۔ کہ واقعی آپ کی وفات عین جہاد فی سبیل اللہ میں واقع ہوئی ہے۔ دشمن نے خود بھی ہر طرح سے مورچہ بندی کی ہوئی تھی اور اپنے پورے ہتھیاروں سے اپنی حفاظت کے سامان کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ اراکین اور امراء کو دعوت دے کر آپ نے اپنے تمام دعاوی پیش کئے تھے یا کہ نہیں۔

آج کا مضمون اور اس کی تحریک محض خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے دل میں ڈالے گئے تھے۔ ورنہ نہ میں نے اس کا ارادہ کیا تھا اور نہ ہی اس کے واسطے کوئی تیاری کی تھی، یہ خدا کی بات ہے

اور تاکید کہتا ہوں کہ ایسے اوقات میں تم کثرت دعا۔ استغفار درود۔ لاحول۔ اور الحمد شریف کا ورد کیا کرو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم۔ دیکھو دو کو ایک کرنا سخت مشکل کام ہے تو پھر ہزاروں کا ایک راہ پر جمع کرنا اور ان میں وحدت اور الفت پیدا کرنا خدا کے فضل کے سوا کہاں ممکن ہے۔ تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اس نعمت کی قدر کرو۔ اور اس کی حقیقت کو پا لو اور اخلاص اور اثبات کو اپنا شیوہ بناؤ۔

اخبارِ احمدیہ

دینی خدمت کے جذبہ کی قابلِ قدر مثال

— بیگم خورشید راجہ ہماری ایک نہایت ہی مخلص اور دیندار بہن ہیں۔ آپ کے دل میں احمدیت کے لئے ایک خاص جوش اور جذبہ ہے۔ آپ سیالکوٹ میں بچیوں اور بچوں کی احمدیت کے رنگ میں تربیت کے کام میں خصوصی دلچسپی لیتی ہیں اور وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریبات کی رپورٹیں ارسال فرماتی رہتی ہیں۔ اس دفعہ اپنے ۵-۵-۷۷ کے مکتوب میں ایڈیٹر پیغام صلح کے نام تحریر فرماتی ہیں:—

"انجمن خواتین احمدیہ سیالکوٹ کی جمعہ کی مجالس باقاعدگی سے جاری ہیں۔ بشارات احمدیہ کے تینوں حصے ختم کرنے کے بعد مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے حالات پڑھے گئے۔ اور اب مجددِ اعظم حصہ اوّل شروع کر رکھا ہے۔

سبھی خواتین اور بچیاں بڑے انہماک اور توجہ سے سنتی ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس پاک ہستی کی جماعت میں ہم لوگ شامل ہیں اس کی نورانی زندگی کے حالات جاننا ہم سب کے لئے از حد ضروری ہے۔ تاکہ مخالفین جب کوئی اعتراض کریں تو ہمارے بچوں کے دل میں کسی قسم کے شبہات پیدا نہ ہوں۔ جس طوفان میں اس وقت ہم گھرے ہوئے ہیں یہ کتب ان حالات میں روشنی کے مینار کا کام دیتی ہیں۔

آپ اور باقی سب جماعت کے بزرگوں سے استدعا ہے کہ اپنی مسجدوں میں یہ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنے مشن میں کامیاب کرے اور ہماری آئندہ نسل کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ اور باقی مسلمان قوم کو بھی ہدایت بخشے کہ وہ اللہ اور رسول کے فرمانوں کو جھٹلانے سے باز رہیں۔ میرا دل بہت کانپتا ہے جب مجھے مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ احمدیوں کی تحقیر و تذلیل ہوگی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہیبتناک چہرے کے ساتھ ظاہر ہوگا۔

خدا تعالیٰ اپنے مامور کی جماعت کو محفوظ رکھے اور ان کے مشن کو پورا کرنے کی توفیق دے۔

اس سال عید میلاد النبی کی مجلس بھی بڑی پُر رونق تھی۔ بچیوں نے بڑے احترام اور محبت سے شمولیت کی۔ رسول پاک کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین پڑھے اور نعتیں بھی سنائیں۔ اس عاجزہ نے قرآن کریم کی تلاوت کے بعد یہ عرض کیا کہ ہم عید میلاد النبی صرف رونق اور جلسہ کے لئے نہیں مناتے بلکہ اس کے اندر ایک روحانی مقصد ہوتا

(باقی بر صفحہ ۲۴ کالم ۳)

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ پر چند اعتراضات کا جواب

یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (سورۃ الحجرات ۴۹-۱۲)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ بہت گمان بد کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (حدیث نبوی)

ترجمہ: ظن یعنے بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب پر جو غلط الزام لگائے گئے ہیں ان میں سے یہ سنگین الزام بھی ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) انگریزی سامراج کے ایجنٹ تھے جس کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اگر یہ الزام کسی ناواقف یا غیر سمجھدار انسان کی طرف سے ہوتا تو بھی حضرت مرحوم پر ظلم ہوتا مگر سمجھدار اور واقف لوگوں کی زبان اور قلم سے یہ الزام ۱۹۷۴ء کی احمدیت کے خلاف ایجی ٹیشن کے دوران اور بعد میں بھی بعض اخبارات میں چھپتا رہا جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے خصوصاً اس لئے کہ یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

میں سب سے پہلے اس الزام کو لیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے نے "مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا"۔ معترضین کا کہنا ہے کہ گویا مسلمان پہلے بالکل پہلے متحد تھے یہاں تک کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے کہنے پر ان میں پھوٹ اور تفرقہ اندازی کی بنیاد ڈالی۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی واقعات کے خلاف بات ہو سکتی ہے؟

تفرقہ ڈالا یا نکالا

مسلمانوں میں تفرقہ تو اوائل زمانہ سے ہی پڑ گیا تھا۔ سنگین اختلاف رائے تو حضرت عثمانؓ کے قتل اور جنگِ جمل جس میں کبائر صحابہ رضؓ نے آپس میں جنگ کی اُس زمانہ میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر مؤرخین نے پہلی "فرقہ بندی" کا الزام خوارج پر لگایا ہے کہ شقوا عصا المسلمین یعنے انہوں نے مسلمان قوم میں پھوٹ ڈال دی۔ خوارج ہی تکفیر بین المسلمین کے پہلے مجرم قرار دیئے گئے ہیں۔ تو یہ پھوٹ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں ہی پڑ گئی تھی۔

پھر واقعہ کربلا کے بعد شیعہ سُنّی کی وہ سنگین پھوٹ پڑی کہ آج تک وہ مسلمانوں میں لڑائی جھگڑے بلکہ قتل و خون تک کراتی ہے۔ اور تکفیر کا مرض جو خوارج کے زمانہ سے شروع ہوا وہ بڑھتے بڑھتے تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں یہاں تک پہنچا کہ مسلمانوں میں بہتر فرقے تو معروف تھے جو ایک دوسرے پر فتوے لگاتے تھے بلکہ ہر فرقہ کے اندر آپس میں بھی چھوٹے چھوٹے مسائل پر فتوے لگتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے مسدسِ حالی میں جو اس کا نقشہ کھینچا ہے اس کا ایک بند نقل کرتا ہوں ؎

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی + جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی + مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ + یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

اسی طرح اس وقت کے شہرۂ آفاق عالم مولانا شبلی نعمانیؒ نے علمائے وقت کی تصویر یوں کھینچی ہے ؎

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

الغرض بات بات پر تکفیر ہوتی تھی۔ آمین بالجہر کہتا ہے یا نہیں۔ نماز میں میں ہاتھ کہاں باندھتا ہے۔ ضالین کہتا ہے یا دالین۔ پاجامہ ٹخنے سے اوپر ہے یا نیچے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں اس قدر معروف ہیں کہ میں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ جن دنوں میں تکفیر اور تفرقہ اپنے انتہاء کو پہنچا ہوا تھا اور ان اختلافات سے سر پھٹول اور فسادات تک ہوتے تھے تو حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالے نے مجدد صدی چہاردہم اور مسیح موعود اور مہدی بنا کر کھڑا کیا۔ بطور مسیح موعود آپ کا کام عیسائیت (جو اسلام پر شدت سے حملہ آور تھی) کے غلط عقائد اور عالمگیر فتنہ کا مقابلہ اور عیسائی اقوام کو دوبارہ حق کی طرف بلانا تھا جس طرح دو ہزار سال پہلے حضرت عیسےٰؑ نے کیا تھا جن کی کھوئی ہوئی اصل تعلیم دوسرے انبیاء کی تعلیم کی طرح اسلام میں جامع اور مکمل ہو کر موجود تھی۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نامِ من بنہادہ اند

بطور امام مہدی حضرت مرزا صاحب کا کام مسلمانوں کی ہدایت کا تھا۔ چنانچہ من جملہ اور باتوں کے آپ نے تکفیر المسلمین کے خلاف سخت جہاد کیا۔ آپ اپنی کتاب ازالۂ اوہام میں فرماتے ہیں:—

"واضح ہو کہ عیسےٰؑ ابنِ مریم اسی کام کے لئے تھے اور اس زمانہ میں آئے تھے جبکہ یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت سے فرقے ہو گئے تھے .... سو آنحضرت صلعم نے اس امت کو بشارت دی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے........ اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر سمجھے گا اور اگر ننانوے وجوہ اسلام کی موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کو کفر سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔ سو باہمی تکفیر کی وجہ سے سخت نفرت اور بغض اور عداوت باہم پیدا ہو جائے گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پُر ہوتی ہے بکلّی تم میں سے دُور ہو جائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا کہ جس سے مذہبی رشتہ کا بکلّی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے کی کوشش کرے گا۔"

انہی جھگڑوں کو دفع کرنے کے لئے آنحضرت صلعم نے مسیح موعودؑ کو "حکم اور عدل" بنا کر فرمایا کہ وہ ان جھگڑوں کے فیصلے کرے گا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے شیعہ سُنّی جھگڑے۔ اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث کے اختلافات اور دوسرے تمام اختلافی مسائل پر قرآن اور حدیث سے فیصلے کئے جو آپ کی تحریرات ملفوظات میں موجود ہیں جو چاہے پڑھ لے۔ آپ نے بہرحال ان اختلافات پر تکفیر کی سختی سے مخالفت کی اور مسلمانوں کو انتباہ کیا کہ بموجب حدیث نبویؐ جو مسلمان کو کافر کہے اس پر خود کفر اُلٹ کر پڑتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تائید کی کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی پائی جائیں مگر ایک وجہ اسلام کی ہو تو وہ مسلمان ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ روشن اصول قائم کیا کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے دعوؤں سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑی تو بالکل غلط ہے کیونکہ آپ نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں صاف لکھا ہے کہ

"ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔"

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے علیٰحدہ جماعت کیوں بنائی تو وہ کسی تفرقہ بازی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ قرآن کریم کے صریح حکم کے مطابق تھی۔ سورۃ آل عمران کے رکوع ۱۱ میں جہاں مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے سختی سے روکا گیا ہے وہاں فرمایا ہے کہ البتہ ہم تم کو ایک جماعت بنانے کا حکم دیتے ہیں ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون (آیت ۱۰۳) یعنی تم میں ایک جماعت لوگوں کی ضرور ہو جو بھلائی (اسلام) کی طرف بلائیں اور نیکی کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں اور یہی کامیاب ہو کر رہیں گے۔ اب یہ تاریخی حقیقت ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں وہ واحد جماعت جس نے اشاعتِ اسلام کو اپنا مقصد بنایا وہ حضرت مرزا صاحب کی جماعت ہے اور اس نے اس سلسلہ میں ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ دنیا نے انہیں سراہا۔

جماعتِ قادیان (ربوہ)

رہا جماعتِ قادیان۔ موجودہ جماعت ربوہ) کی وجہ سے اختلاف اور تکفیر سو یہ جماعت حضرت مرزا صاحب کے عقائد اور مسلک کے صریح خلاف بعد میں بنائی گئی اور اس کے بانی میاں محمود احمد صاحب نے منیر کمشن کے آگے اپنے غلط عقائد اور تکفیر سے صریحًا توبہ اور رجوع کیا۔ اور اگر بعد میں یہ جماعت پھر اپنے پرانے خیالات پر قائم ہو گئی تو اس میں حضرت مرزا صاحب کا کوئی قصور نہیں۔ جس طرح اگر عیسائیوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا تو اس میں حضرت مسیح کا کوئی قصور نہیں۔ اصل مسیح کو ان کے مریدوں کی اکثریت نے غلو کر کے نبی سے خدا بنا لیا تو مسیح موعود کے مریدوں کی اکثریت نے غلو کر کے حضرت صاحب کو مجدد سے نبی بنا لیا۔ تو یہ بھی دونو مسیح کے حالات میں مشابہت اور مماثلت پیدا ہو گئی۔

جماعت احمدیہ لاہور انہی دو مسائل یعنی حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت غلط طور پر منسوب کرنے اور تکفیر المسلمین کی بناء پر جماعتِ قادیان سے علیٰحدہ ہو گئی۔ اور جماعتِ لاہور نے ساٹھ سال تک ان غلط خیالات کی تردید حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریروں اور قرآن مجید اور حدیث شریف سے کی ہے۔ اس لئے ہم ہرگز ہرگز جماعتِ قادیان (ربوہ) کی تائید یا وکالت نہیں کر سکتے۔ مگر باوجود اس جماعت کی فاش غلطیوں کے موجودہ بحث کے سلسلہ میں اتنا کہیں گے کہ زیادہ سے زیادہ اس جماعت نے حضرت مرزا صاحب کو نعوذ باللہ نبی بنا دیا۔ مگر اس قسم کا غلو انوکھی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کی ایک بااثر جماعت جو (آغاخانی) کہلاتے ہیں وہ جناب آغا خان کو کیا کچھ نہیں سمجھتے یا شیعہ صاحبان حضرت علی رضؓ کو کیا کچھ نہیں سمجھتے اور ان دونوں جماعتوں کے مذہبی ارکان کس قدر عامۃ المسلمین کے ارکان مذہبی سے مختلف ہیں بلکہ لاؤڈ سپیکر پر شیعہ صاحبان اپنی اذان کے بعض فقرے جو عام مسلمانوں کی اذان سے علیٰحدہ ہیں بآواز بلند نشر کرتے ہیں مگر وہ تو مسلمان رہے (اور رہنا چاہیئے تھا کیونکہ اسلامی رواداری یہی چاہتی ہے) پر احمدی خصوصًا حضرت مرزا صاحب اور جماعت لاہور جن کے مذہب اور عامۃ المسلمین کے مذہب میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں وہ غیر مسلم قرار دے دیئے گئے اور حضرت مرزا صاحب پر یہ الزام دیا گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

اسی طرح جماعت قادیان کی تکفیر المسلمین کو جس قدر بھی برا کہا جائے کم ہے مگر یہ بھی کوئی انوکھا گناہ نہ تھا۔ تکفیر بین المسلمین تو عام شغل ہے۔ تو اوروں کی باہمی تکفیر سے تو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ نہ ہوا اور جماعت قادیان (ربوہ) کی تکفیر سے ہو گیا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ بہرحال حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ نہ نبی ہونے کا تھا اور نہ آپ کے دعوے سے انکار کی وجہ سے بقول خود آپ کے کوئی کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے اتحاد کو ہرگز پارہ پارہ نہیں کیا۔ اس کے برعکس آپ نے مسلمانوں کے اختلافات کو قرآن پاک اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی اور تکفیر بین المسلمین کے خلاف ساری عمر جہاد کیا۔ اس لئے وقت آئے گا کہ ہمارے مسلمان بھائی اپنی غلطی کو پہچانیں گے اور اس معصوم کی بریت خود کریں گے۔

انگریزوں کا ایجنٹ

حضرت مرزا صاحب پر یہ الزام کہ آپ نعوذ باللہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے ابھی جواب طلب ہے۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا تو اس کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ حضرت موصوف پر انگریزوں کا ایجنٹ ہونے کے الزام کی بنیاد تین اور باتوں پر ہے:-

(الف) حضرت مرزا صاحب نے انگریزی راج کی تعریف کی۔
(ب) حضرت موصوف نے انگریزی حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔
(ج) حضرت موصوف نے انگریزوں کے خلاف تلوار سے مذہبی جہاد کرنے کو جائز نہیں قرار دیا۔

اعتراض (الف) انگریزی راج کی تعریف

انگریزوں کی حکومت کے محاسن کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت حضرت مرزا صاحب کو کیوں پڑی یہ تو میں بعد میں ذکر کروں گا اور اس بات کا بھی کہ جہاں محاسن کا ذکر کیا وہاں انگریزوں کی حکومت اور ان کی تہذیب کی برائیوں کا جو بد اثر مسلمان قوموں پر پڑ رہا تھا اس کا بھی نقشہ حضرت مرزا صاحب نے نہایت سخت الفاظ میں کھینچا ہے۔ یہ سب ذکر بعد میں آئے گا۔ پہلے آیئے دیکھ لیں کہ انگریزی حکومت کی کن باتوں کی تعریف حضرت موصوف نے کی ہے۔

آپ نے انگریزوں کی حکومت میں امن و امان ہونے، انصاف کیا جانے اور مذہبی آزادی کی تعریف کی ہے۔ مگر کیا یہ واقعات کے خلاف تھا؟ کیا یہ اعترافِ حقیقت نہ تھا؟ ان تینوں امور کی تو اس زمانہ میں سب تعریفیں کیا کرتے تھے۔ اور انگریزی راج ختم ہو جانے کے بعد پرانے لوگ ان خوبیوں کو حسرت سے یاد کرتے تھے۔

اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ انگریزی راج سے قبل صوبہ پنجاب میں سکھوں کا راج تھا۔ اس راج میں نہ امن تھا نہ انصاف تھا یہاں تک کہ سکھا شاہی ایک ضرب المثل بن گئی جس کے مفہوم سے سب واقف ہیں۔ چوریاں، ڈاکے قتل و خون، لوٹ مار، فتنہ و فساد آئے دن ہوتے تھے اور ان میں مقامی سکھوں کا ہی اکثر ہاتھ ہوتا تھا جن میں سکھ حکام بھی شامل تھے۔ اگر بفرض محال کوئی مجرم پکڑا بھی جاتا تو مظلوم کو انصاف نہ ملتا خصوصًا اگر وہ مسلمان ہوتا کیونکہ مسلمان قوم سکھوں کے مظالم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔

رہا مذہبی آزادی کا سوال تو اس کا کچھ ذکر حضرت مرزا صاحب اپنی قلم سے سن لیجئے:-

"ابھی بہتیرے ایسے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے کسی قدر سکھوں کا زمانہ دیکھا ہوگا۔ اب وہی بتائیں کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں اور اسلام کا کیا حال تھا۔ ایک ضروری شعارِ اسلام کا جو بانگِ نماز ہے وہی ایک جرم کی صورت میں سمجھا گیا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کوئی اونچی آواز سے بانگ کہتا اور پھر سکھوں کے نیزوں اور برچھوں سے بچ رہتا۔ تو اب کیا خدا نے یہ برا کام کیا کہ سکھوں کی بیجا دست اندازیوں سے مسلمانوں کو بچایا اور انگریزوں کی امن بخش حکومت میں داخل کیا۔ اور اس گورنمنٹ کے آتے ہی گویا

نئے سرے سے پنجاب کے مسلمان مشرف باسلام ہوئے چونکہ احسان کا عوض احسان ہے (ھل جزاء الاحسان الا الاحسان - قرآن مجید - ناقل) اس لئے نہیں چاہیئے کہ ہم اس خدا کی نعمت کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد سکھوں کے زمانہ کے عوض ہم کو ملی ہے یونہی رد کر دیں۔"

(رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد)

ان الفاظ میں کیا حضرت مرزا صاحب کوئی سیاسی پرچار کر رہے تھے؟ جیسا کہ نفس مضمون سے اور رسالہ کے نام "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" سے ظاہر ہے وہ مولویوں کے اس مطالبہ کا جواب دے رہے تھے کہ اگر مرزا صاحب مہدی ہیں تو پھر انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھائیں کیونکہ برصغیر ہندوستان (و پاکستان) کو اس زمانہ میں مولوی صاحبان نے "دار الحرب" قرار دیا ہوا تھا۔ اس بحث کا ذکر بھی مزید آگے آئے گا کہ انگریز نے مذہب اسلام پر تلوار اٹھائی ہوتی تو اس کا جواب تلوار سے جائز تھا مگر اس نے تو مکمل مذہبی آزادی اور رواداری قائم کر رکھی تھی جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے مذکورہ بالا اقتباس میں ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کا اظہار نہ کرنا ولا تکتموا الشھادۃ کے قرآنی حکم کے ماتحت گناہ ہوتا۔

خوشامد کا الزام

مگر حضرت مرزا صاحب کے مخالفین نے پھر بدظنی سے کام لیا اور آپ پر الزام لگایا کہ در اصل آپ نے انگریزی حکومت کی خوشامد کی ہے۔ اس بارہ میں حضرت موصوف کی اپنی تحریر پہلے پڑھ لیجئے:-

"محسن کے احسانات کی شکرگزاری سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات کو خوشامد سمجھتے ہیں، مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں۔ ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے۔ اور محسن کشی اور غداری کا ناپاک مادہ اس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں اور اس کو خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ اس نے ایک عادل گورنمنٹ کو سکھوں کے پُر جفا زمانہ سے نجات دلانے کے لئے ہم پر حکومت کرنے کو کئی ہزار کوس سے بھیجدیا (نوٹ از ناقل:- برصغیر کے مسلمان بادشاہ دلی میں نام کے بادشاہ رہ گئے تھے۔ جنوب اور وسط ہند میں مرہٹوں نے بغاوت کرکے آزادی حاصل کر لی تھی اور بالآخر وہ دلی کے مسلمان بادشاہ پر بھی آ کر مسلط ہو گئے۔ اور پنجاب اور اس علاقہ میں سکھ اس قدر طاقتور تھے کہ ان کو نہ ہٹایا جا سکتا اگر انگریزی قوم اپنے بہتر ہتھیاروں اور فوجوں سے آ کر ان کو شکست پر شکست نہ دے دیتی) اگر اس سلطنت کا وجود نہ ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ ہم مخالفین اسلام کے اعتراضوں کی بابت ذرہ بھی نہ سوچ سکتے چہ جائیکہ ہم ان کا جواب دے سکتے۔ اب ہم ان کے اعتراضوں کا جواب بڑی آزادی سے دے سکتے ہیں۔ پھر اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ بڑے ناقدر شناس اور ناشکرگزار ہونگے .... مختصر یہ کہ یہ مقام (آگرہ) دار الحرب ہے (تو) پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب انکے ہم رنگ ہو۔ جس قسم کے ہتیار لے کر میدان میں وہ آئے ہیں اسی طرز کے ہم کو لے کر نکلنا چاہیئے۔ اور وہ ہتیار ہے قلم"

(تقریر مندرجہ الحکم مؤرخہ ۱۷ر جون ۱۹۰۱ء)

کیا یہ خوشامد تھی؟

مگر خوشامد کا اعتراض جو اس وقت تھا وہ اب بھی دوہرایا گیا ہے:

حضرت مرزا صاحب نے اُوپر کے اقتباس میں خدا تعالیٰ کو گواہ کرکے فرمایا ہے کہ وہ دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہ تھے (خدا کا مامور خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے نہیں جھک سکتا - ناقل)

اس کے علاوہ معترضین نے یہ نہ سوچا کہ انسان خوشامد کرتا ہے یا تو کسی لالچ اور نفع کی اُمید میں - یا خوف سے - حضرت مرزا صاحب کو انگریزی حکومت سے کیا ملا؟ اس کا جواب دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو حضرت موصوف کو انگریزوں کا ایجنٹ جیسا ٹائیٹل دیتے ہیں۔

اس زمانہ میں حکومتِ انگلشیہ اکثر تو خطابات سے ہی لوگوں کو نوازا کرتی تھی سینکڑوں ہزاروں خانصاحب، خان بہادر، شمس العلماء، نواب یا "سر" بن گئے۔ جن میں سے کئی ایک کو آج تک مسلمان اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو کونسا خطاب ملا؟

یا پھر لوگوں کو حکومت انگریزی سے مربعے یا کم و بیش زمینیں ملیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں آج تک مسلمان اپنے لئے واجب الاحترام سمجھتے ہیں۔ کیا حضرت مرزا صاحب کو ایک انچ زمین یا کوئی اور جائیداد ملی؟ معمولی خدمات کے عوض لوگ اپنے بیٹوں کو نوکریاں دلواتے تھے۔ کیا حضرت مرزا صاحب کے کسی بیٹے کو نوکری ملی؟ یا خلعت یا چلو سندِ خوشنودی (جو سب سے گھٹیا چیز ہوتی تھی) ملی؟

کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو انگریزی حکومت کے تنخواہ دار ہوتے تھے۔ مگر ان کا ریکارڈ گورنمنٹ کے دفاتر میں ہوتا تھا اور اب بھی ریکارڈ آفس میں ہوگا۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو ایک پھوٹی کوڑی بھی ملنے کی کوئی سند لائے۔ جن کو پیسے ملے وہ ان کو چھپا نہ سکے اور اپنی زندگیوں میں بدنام ہوئے یا جائیدادیں بنا کر چھوڑ گئے۔ حضرت میرزا صاحب تو اپنی جدی جائداد بھی کھو بیٹھے - اور باوجود ہر ممکن کوشش کے ان کی جدی جائیداد جو سکھوں نے چھینی تھی نئی حکومت یعنی انگریزوں سے واپس نہ پا سکے - حالانکہ انگریزی حکومت نے بہتوں کو ان کی چھنی ہوئی جائیدادیں واپس کیں - جن کی کوئی جائداد نہ چھنی تھی انہیں ویسے ہی حکومت انگریزی کی خدمات کے عوض جاگیریں اور جائدادیں ملیں - حضرت مرزا صاحب کو کیا ملا؟ وہ تو اپنا حق بھی واپس نہ لے سکے - اتنی بڑی خدمت کی کہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے جان نثار مریدوں کو جو لاکھوں میں تھے سرکار انگریزی کا مرید بنا دیا؟ جہاد کو منسوخ کر دیا وغیرہ وغیرہ مگر ان بیش بہا خدمات کا عوض کیا ملا؟ یہی نہ کہ ساری عمر حضرت مرزا صاحب انگریزوں کے شک وشبہ کے شکار رہے - عدالتوں میں گھسیٹے گئے - ان کے گھر کی تلاشیاں لے کر انہیں ذلیل کیا گیا یہ انوکھا انگریزی حکومت کا ایجنٹ تھا۔

تو نفع تو کیا ہونا تھا دنیاوی رنگ میں حضرت مرزا صاحب کو نقصان ہی نقصان رہا - خوشامد کی دوسری وجہ خوف ہو سکتا ہے - سو میں اس مضمون کے آخر میں نظم اور نثر آپ کی لکھوں گا اس کی نظیر کوئی پیش کر دے کہ اس نڈرپن اور دلیری اور جرأت سے انگریزی حکومت کے ماتحت ہو کر کس اور انسان نے ان کے خلاف لکھا -

اعتراض (ب) - وفاداری کا یقین کیوں دلایا

حضرت مرزا صاحب کو اس کی ضرورت کیوں پڑی؟ کیا اس کی وجہ خوشامد

تھی؟ یا سرکار انگریزی سے کسی نفع کی توقع تھی؟ میں اوپر بتا آیا ہوں کہ ایسا بالکل نہ تھا۔ تو اصل وجوہات سن لیجئے:۔

حدیث نبوی ہے کہ ما المھدی الا عیسٰی یعنی مسیح موعود ہی مہدی ہوگا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود کے منصب پر کھڑا کیا تو ساتھ ہی آپ کو مہدی بھی بتایا۔ اس دعوے سے جہاں مسلمان علماء نے منجملہ اور اعتراضات کے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ فی الواقع مسیح موعود اور مہدی ہیں تو دارالحرب (جیسے علماء دارالحرب کہتے تھے) انگریزی حکومت سے جو کہ غیر مسلم تھی جنگ کریں۔ وہاں حکومت انگلشیہ کو بھی فوراً حضرت مرزا صاحب پر شک، وشبہ بلکہ خطرہ پیدا ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہدی کا تصور نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ عیسائیوں میں بھی خونی مہدی کا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ غلط خیال تھا کہ مہدی آن کر تلوار سے سب غیر مسلموں کو یا تو مسلمان کر دے گا ادھر "مہدی سوڈانی" سے بھی انگریزوں کی تلوار اور بندوق سے جنگ ہو چکی تھی جس سے خونی مہدی کا تصور انگریزوں کے اندر مستحکم ہو گیا تھا۔

چنانچہ جیسے ہی حضرت مرزا صاحب نے مہدویت کا دعویٰ کیا تو انگریز چونک پڑے اور انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔ قادیان میں خفیہ پولیس کے آدمی متعین کر دیئے گئے۔ حضرت مرزا صاحب کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جانے لگی۔ آپ کی ڈاک سنسر ہونے لگی۔ ہر ایک قادیان آنے جانے والے کا نام و پتہ معلوم کر کے حکومت کو پہنچایا جانے لگا۔ حضرت مرزا صاحب کے دشمنوں کا یہ حال تھا کہ وہ متواتر گورنمنٹ کے پاس مخبریاں کرتے تھے خصوصاً مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تو بار بار گورنمنٹ کے کان بھرے کہ یہ شخص مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے صرف موقعہ کا منتظر ہے جہاں جماعت کافی تعداد میں ہوگی تو فوراً اعلانِ جہاد کر دے گا۔ اور گورنمنٹ انگلشیہ سے بغاوت کر دے گا یاد رہے کہ حضرت مرزا صاحب مغل تھے اور آپ کے آباء و اجداد اس علاقہ کے رئیس اور حاکم رہ چکے تھے۔ اور چند ہی سال قبل یعنی ۱۸۵۷ء میں مغلوں نے انگریزی حکومت سے جنگ کر کے انہیں ہندوستان سے نکالنا چاہا تھا۔

پھر انگریزی حکومت کے کان بھرنے والے خود ان کے پادری بھی تھے۔ جو حضرت مرزا صاحب سے مذہبی میدان میں شکست فاش کھا چکے تھے۔ اور جذبۂ انتقام سے جل بھن رہے تھے۔ انہوں نے منجملہ اور کارروائیوں کے حضرت مرزا صاحب پر اقدام قتل کا جھوٹا مقدمہ بھی بنا کر دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ میں انگریز پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ "مرزا قادیانی کا وجود گورنمنٹ کے لئے سخت خطرناک ہے۔"

یہ وہ پادری صاحبان تھے جو نہ صرف گرجوں میں انگریزوں کو وعظ و تبلیغ کرتے تھے بلکہ انگریز افسروں کے گھروں میں آتے جاتے اور ان کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اس لئے ان کا کہا بہت پر اثر تھا۔ ایک اور مقدمہ میں انگریز ڈپٹی کمشنر ... اور اس نے دھمکی دی کہ میں مرزا قادیانی کو اور اس کے سارے سلسلہ کو قلع قمع کر کے چھوڑوں گا۔

حضرت مرزا صاحب کے خلاف یہ بات تک حکومت کے کانوں میں ڈالی گئی کہ آپ نعوذ باللہ اپنے گھر میں ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے گھر کی تلاشی بھی لی گئی۔ ان حالات میں حضرت مرزا صاحب کے پاس کیا چارہ تھا سوائے اس کے کہ وہ حکومت کو یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ وہ حکومت سے کسی بغاوت کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ وہ حکومت کی امن پسندی، انصاف پسندی۔ اور مذہبی آزادی و رواداری کی وجہ سے اسے بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کے خاندان اور اس علاقہ کے مسلمانوں کو سکھوں کے ہاتھ سے سخت تکالیف اور نقصانات پہنچ چکے تھے اور وہ اپنے مذہبی ارکان تک ادا نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے حکومت انگلشیہ کے قائم ہونے سے امن و امان ملنا، قتل و غارت اور لوٹ مار سے نجات پانا اور مذہبی آزادی ایسی تھی کہ انگریزی حکومت کے ماتحت رہ کر حضرت مرزا صاحب نے عیسائی مذہب کے اعتقادات اور مغربی اقوام کی بد عملیوں کے خلاف اس قدر آزادی اور سختی سے لکھا کہ کوئی اور حکومت ہوتی تو اپنے مذہب، اپنے اعتقادات، اپنے خداوند یسوع مسیح اور اپنے ملک کے اندر جیسی بھی کچھ حالت تھی ان پر ایسی سخت تنقید اور کڑی باتوں کو ہرگز برداشت نہ کرتی۔ بلکہ میں اس مضمون کے آخر میں وہ بددعا بھی نقل کروں گا جو حضرت مرزا صاحب نے مغربی اقوام کے لئے کی کیونکہ ان کی وجہ سے تمام دنیا گمراہ ہو رہی تھی۔ اس لئے یہ انگریزوں کی حکومت کی مذہبی رواداری اور مذہبی آزادی کی نہایت عمدہ مثال تھی کہ اس نے یہ سب کچھ سہہ لیا۔

اعتراض (ج) جہاد کی منسوخی

پچھلے سال مسجد نبوی کے واجب الاحترام امام جناب شیخ عبدالعزیز بن الصالح پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے ایک وعظ میں فرمایا:۔

"دشمنانِ اسلام نے سیاست، مال و دولت اور اسلحہ سے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی مگر جب اس میں ناکام ہوئے تو انہوں نے اپنے انداز بدل لئے۔ دشمنوں نے ہمارے خلاف ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جس کی منصوبہ بندی کافی عرصہ پہلے کر لی گئی تھی۔ اور یہ منصوبہ مسلمانوں کی نئی پود کے اسلامی عقائد کو متزلزل کر کے انہیں شک و شبہ میں مبتلا کرنا تھا.......... پھر دشمن طاقتوں کی طرف سے افکار کے حملوں کی صورت میں نئی جنگ شروع کر دی گئی۔" (نوائے وقت۔ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۷۶ء)

امام محترم نے صحیح فرمایا کہ اس زمانہ میں مذہبی جنگ تلوار کی نہیں بلکہ افکار کی ہے۔ جن دشمنانِ اسلام کا انہوں نے ذکر فرمایا وہ عیسائی اقوام کے سوا اور کون ہے؟ اور مذہبی جنگ کا یہ حال آج نہیں پلٹا بلکہ پچھلے سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا کہ عیسائیت اسلام پر اعتراضات عجیب جوئی اور استہزاء کے رنگ میں حملہ آور ہوئی اور اس نے اسلام سے بجائے تلوار کے قلم کی جنگ کی۔ یہ تاریخی حقیقت ہے جو اظہر من الشمس ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب یہ جنگ اپنے انتہائی عروج پر تھی تو ایک ہی مردِ خدا تھا جس نے قلم کے حملہ کا جواب قلم سے دیا اور اسلام۔ قرآن پاک۔ آنحضرت صلعم کی ذات مبارک پر تمام اعتراضات کا کافی و شافی جواب دیا، مسلمانوں کو جو کثیر تعداد میں عیسائی ہو رہے تھے پھر اسلام پر قائم کیا اور ایک جماعت بنائی جو اس مردِ خدا کے علم کلام اور فہم قرآن اور خدا داد علم و حکمت کو لیکر مغرب میں گئی اور وہاں اسلام کو پھیلایا۔ وہ مردِ خدا سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اور کون تھا؟ تاریخی حقیقت سے انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

حضرت مرزا صاحب پر یہ الزام کہ آپ نے جہاد کو منسوخ کیا، آج نہیں لگایا گیا۔ جب آپ نے مسیح موعود، مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا تو مولوی صاحبان نے مطالبہ کیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو پھر مہدی کی تلوار سے جہاد کرو۔ آپ نے تلوار سے جہاد کے بارہ میں جو جواب دیا وہ آپ بارہا پڑھ اور سن چکے ہیں کہ قرآن اور سنت نبوی کے مطابق تلوار سے جہاد تبھی جائز ہے جب دشمن تلوار یا جبر و اکراہ سے کام لے اور یہ وجوہ آج موجود نہیں۔ بلاشک ان وجوہ الجہاد معدومۃ فی ھٰذا الزمن و ھٰذہ البلاد (تحفہ گولڑویہ) انکار کا جواب

تلوار سے دینا تو ان لوگوں کا کام ہے جنہیں جواب نہ آتا ہو یا جو حق پر نہ ہوں۔ قرآن کریم جو حق کا سرچشمہ ہے اس سے باطل کے خلاف جہاد جسے قرآن کریم نے جہادِ کبیر فرمایا ہے کہ وہ ہر آن جاری وساری ہے وہ جہاد ہے جو حضرت میرزا صاحب نے خود بھی ساری عمر کیا اور اپنے بعد اس کام کو کرنے کے لئے آپ اپنی جماعت بنا گئے۔

مگر یہ خیال کہ تلوار سے جہاد کو حضرت مرزا صاحب نے ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا بالکل غلط ہے۔ اس کے برعکس آپ نے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں بھی دشمن تلوار سے حملہ آور ہو کر جبر و اکراہ سے کام لے تو اس سے تلوار سے ہی جہاد کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا :—

"سو جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یونہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالےٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں سے لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دینِ اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالےٰ کا غضب ہے، اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔"

(کتاب نور الحق۔ حصہ اوّل)

اس تحریر کے لکھنے والے پر یہ الزام لگانا کہ اس نے جہاد کو منسوخ کر دیا کس قدر بے انصافی ہے۔ جہاد کے لئے جن شرائط کا حضرت مرزا صاحب نے ذکر فرمایا ہے وہ قرآن کریم اور سنّتِ نبویؐ سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کا لحاظ تمام مسلمان کرتے ہیں ورنہ کیوں نہیں وہ ہر آن تلوار سے جہاد کرتے کیونکہ جہاد تو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے اور ہر آن واجب ہے؟ ہاں جو جہاد ہر آن جاری ہے وہ جہاد بالقرآن ہی ہے جو حضرت مرزا صاحب نے خود بھی ساری عمر کیا اور اپنے بعد جاری رکھنے کے لئے جماعتِ احمدیہ بنائی۔

کیا ایجنٹ یہی کام کیا کرتے ہیں؟

حضرت مرزا صاحب کی کچھ خدماتِ اسلامی اور تحریرات مندرجہ ذیل ہیں :—

(۱)۔ صلیبی جنگوں کے بعد سے یورپ کی عیسائی اقوام مسلمانوں کو دشمنی اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ اسلامی حکومتوں کو مغلوب کرنا اور مسلمان قوم میں تفرقہ اور جھگڑے ڈال کر اس کو کمزور کرنا ان کی سامراجی پالیسی تھی۔ برصغیر کے مسلمان آگے ہی بہتر فرقوں میں بٹے ہوئے تھے جو دن رات آپس میں اختلاف کرنے، ایک دوسرے کو کافر بنانے اور لڑائی جھگڑے کرنے میں مصروف تھے۔ ان اختلافات کو دُور کرنے کے لئے آنحضرت صلعم نے پیشگوئی کی تھی کہ مسیح موعود و مہدی معہود بطور "حکم و عدل" ہوگا اور ان کے اختلافات پر فیصلے دیگا یہ کام حضرت مرزا صاحب نے بوجہ احسن قرآن کریم اور سنّتِ رسولؐ اور احادیث کی روشنی میں کیا اور مسلمان قوم کو واعتصموا بحبل اللہ کی طرف بلایا اور تکفیر کی مرض جس سے مسلمانوں میں پھوٹ اختلاف اُمتی رحمۃ کی بجائے تباہی کا سامان کر رہی تھی اس کا علاج نہ صرف عقل کو اپیل کر کے کیا بلکہ تکفیر کی سزا کو وارد کر کے بھی کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور جو حضرت مرزا صاحب کے صحیح عقائد پر قائم ہے ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے۔

کیا اس زرّیں اصول کے سوا مسلمانوں میں اسلامی اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اور وہ ایک جان بن سکتے ہیں؟ کیا یہ اتحاد کی بنیاد جو حضرت مرزا صاحب نے رکھی انگریزی سامراج کا کوئی ایجنٹ مسلمان قوم کو دے سکتا تھا؟

(۲) عیسائی اقوام خصوصًا ایک سامراجی عالمگیر سلطنتِ انگریزی یہ چاہتی تھی کہ ہر جگہ رعایا کو عیسائی بنا کر اپنی ایمپائر کی بنیادوں کو مضبوط کرے افریقہ کے اس وقت کے نیم وحشی یا وحشی قوموں کو جس طرح کھلم کھلا تعلیم، طبی امداد اور نوکریوں کی لالچ دے کر عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی اس پر سے اب ان ممالک کے آزاد ہو جانے کے بعد پردہ کھلا ہے۔ یہ ایک نہایت تاریک باب ہے جس پر رسالے اور مضامین لکھے گئے ہیں۔ میں طوالت کے خوف سے اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔

مگر جس بات سے خود ہماری قوم کے اکثر افراد خصوصًا اس طویل عرصہ کے بعد تاریکی میں ہیں وہ یہ ہے کہ برصغیر میں بھی شروع شروع میں انگریز حکام کھلم کھلا لوگوں کو عیسائی بن جانے کی ترغیب و تحریص دیتے تھے۔ سرسید احمد خاں مرحوم نے جو انگریزوں کے بڑے ہی خیر خواہ تھے اور اس لئے ان پر انگریزوں سے دشمنی یا تعصب کا شک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اپنی کتاب اسباب بغاوتِ ہند میں انگریزی حکام کی اس روش کو ۱۸۵۷ء کے "غدر" کی سب سے بڑی وجہ بتایا ہے۔ اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ "غدر" کے بعد جب حکومت برطانیہ نے ہندوستان کا راج ایسٹ انڈیا کمپنی کی معرفت کرنے کی بجائے براہِ راست کرنے کا فیصلہ کیا تو ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان میں ہندوستانی رعایا کو یہ یقین دہانی کی گئی کہ ہندوستان میں مذہبی آزادی ہوگی اور حکومت رعایا کے مذہب میں مداخلت نہیں کرے گی۔ اگر سرسید مرحوم کی یہ بات صحیح نہ ہوتی تو اس یقین دہیانی کی کیا ضرورت تھی اور اسے سرفہرست کیوں رکھا جاتا؟

مگر اس اعلان کے باوجود حکومتِ انگلشیہ در پردہ پادریوں، مشنریوں اور ننّوں کی ہر ممکن مدد کرتی رہی تاکہ وہ رعایا کو عیسائی بنائیں۔ ہندو مذہب جو شرک کی بدترین شکل تھی اس میں تثلیث کروڑ خداؤں کی جگہ تین خدا منوانا لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرتا تھا۔ مگر اسلام کی اٹل توحید ایسی مضبوط چٹان تھی کہ اس سے ٹکرّ کھا کر تثلیث کبھی کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے عیسائیت نے مسلمانوں میں تبلیغ کا دوسرا طریق اختیار کیا۔ وہ کیا تھا؟ اسلام کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک پر جھوٹے اور گندے اعتراضات کر کے آپؐ کی پوزیشن کو (نعوذ باللہ) گراؤ اور حضرت عیسٰےؑ کی پوزیشن کو بڑھاؤ — میں پہلے رسول پاک صلعم کی ذات مبارک پر حملوں کو لیتا ہوں۔ تاریخ کی شہادت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ وہ کون شخص تھا جو حضور صلعم کی ذات پاک پر اعتراضات سے تڑپ اُٹھا اور ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گیا اور اس نے اور اس کے مریدوں نے ان تمام غلط اعتراضات کا ایک ایک کر کے دندان شکن جواب دیا؟ تاریخ کے علاوہ لٹریچر کی تحریری شہادت موجود ہے۔ اس کا انکار کون کر سکتا ہے؟ وہ انسان حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے۔

حضرت عیسٰےؑ کی پوزیشن بلند کرنے میں پادریوں کی مدد خود مسلمانوں کے غلط عقائد نے کی۔ حیاتِ مسیح کا عقیدہ۔ ان کا آسمان پر جسدِ خاکی کے ساتھ چڑھ جانا۔ وہاں الآن کما کان دو ہزار سال سے بغیر کھائے پیئے زندہ ہونا۔ پھر جب اُمّتِ محمدیہ کا حال بُرا ہو جائے گا تو حضرت عیسٰےؑ کا آسمان سے آ کر اسے بچانا۔ حضرت عیسٰےؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا اور پرند پیدا کرنا۔ ان غلط عقائد پر بحث کرنے اور قرآن و حدیث سے ان کی غلطی اور پادریوں کو جو مدد ملی اس کی تفصیل میں پڑنے کا وہ

ایک علیحدہ مبسوط مضمون بن جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ان غلط عقائد سے حضرت عیسےٰؑ کی آنحضرت صلعم پر برتری اور خود قرآن کریم کی رُو سے حضرت عیسےٰؑ کی خدائی ثابت ہوتی تھی کیونکہ قرآن کریم کی صریح آیات ہیں کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں، صرف خدا تعالےٰ ہی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور کوئی بشر یا رسول آسمان پر جسدِ خاکی کے ساتھ چڑھ نہیں سکتا۔ اگر حضرت عیسےٰؑ نے یہ سب کارروائی کے اور فوق البشر کام کر دکھائے تو پھر ان کی خدائی خود قرآن کریم سے ثابت ہوتی تھی۔ اب جہاں تک حضرت عیسےٰؑ کا تعلق ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقائد میں فرق صرف حضرت عیسےٰؑ کی خدائی کا تھا۔ جب اسے نعوذ باللہ قرآن کریم سے پادریوں نے ثابت کر دکھایا تو مسلمانوں کے قدم کہاں جم سکتے تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں پڑھے لکھے شہزادے، سید اور امیرزادے بلکہ خود مسلمان علماء عیسائی ہونے لگے۔ اس خطرناک وقت پر کون مردِ خدا کھڑا ہوا اور اس نے قرآن کریم حدیث شریف اور خود بائیبل سے ان غلط عقائد کی تردید کی اور اسلام اور مسلمانوں کی ایسی خدمت کی جو تاریخ میں ایک سنہرا باب ہے؟ وہ مردِ خدا حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ تاریخ اور لٹریچر جو موجود ہے اس کی شہادت سے انکار کرنا کس طرح ممکن ہے؟ کوئی کہہ سکتا تھا کہ دلائل ٹھیک ہیں مگر آخر ۱۴۰۰ سال سے مسلمان مانتے آئے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ خود آئیں گے تو جب وہ مسیح موعود آئے گا جس کی پیشگوئیاں حدیث شریف اور عیسائیوں کی کتب میں ہیں تو دیکھ لیا جائے گا کہ وہ اصل حضرت عیسےٰ ہیں یا بموجب حدیث صحیحین (امامکم منکم) کے وہ مسلمانوں میں سے ہی ایک امام ہوگا۔ تو اللہ تعالےٰ کے کام مکمل اور قطعی ہوتے ہیں۔ اس نے اس عیسائیت کے خطرناک حملے کے دنوں میں جو مجدد کھڑا کیا اسے ہی وہ مسیح موعود بنایا، پھر اس سے تمام کام لئے جو حدیث پاک میں مذکور ہیں اور بالآخر اس کی ذات اور اس کے زمانہ میں تمام وہ نشان پورے کئے جن کی پیشگوئیاں مخبر صادق صلعم نے کی تھیں تاکہ کوئی شک یا حیل و حجت کا بہانہ ہی نہ رہے۔ بقول حضرت مرزا صاحبؒ سے

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اور سے

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

حضرت عیسےٰؑ کی برتری کہاں گئی؟ رسول اللہ صلعم کا ایک خلیفہ غلام احمد عیسیٰ ثانی بن کر حضور صلعم کی گمان و وہم سے بڑھ کر شان کا ثبوت بنا۔

الغرض حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کے حملہ کا کچھ باقی نہ چھوڑا اور اسلام کی فتح کا جھنڈا بلند کیا۔ اس میں پادریوں اور مشنریوں کی ہی ہزیمت نہ تھی، تمام انگریز قوم جو ان کی پس پشت تھی اس کا خواب کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی کرلے گی پورا نہ ہو سکا۔ کیا یہ عظیم الشان کام جس میں اسلام اور مسلمانوں کی فتح ہوئی اور انگریزی حکومت کی پالیسی کا ستیاناس ہو گیا اس انگریز حکومت کے کسی ایجنٹ کا ہو سکتا تھا؟

(۳) حضرت مرزا صاحب کے زمانہ کا انگریز اپنے مذہب پر ایمان رکھتا اور اس کی برتری پر نازاں تھا۔ وہ دل سے حضرت عیسےٰؑ کو خدا کا بیٹا۔ ان کا آسمان پر زندہ ہونا اور دوبارہ آنا۔ اور کفارہ اور صلیب سے اپنی نجات پر ایمان رکھتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے خود اناجیل سے ان تمام عقائد کو جب غلط ثابت کیا تو انگریز کے دل پر کیا چرکا لگا۔ آج کا انگریز اسی لئے عیسائیت کو چھوڑ چکا ہے، اور لامذہب ہو گیا ہے کیا یہ کام کسی انگریزوں کے تنخواہ دار ایجنٹ کا ہو سکتا تھا؟

(۴) لفظ دجّال ایک بہت بڑی گالی سمجھا جاتا ہے۔ آپ کسی کو دجّال کہہ کر دیکھئے وہ آپ کو کیا جواب دیتا ہے خود عیسائیت میں دجّال کے لئے لفظ ANTI-CHRIST یعنی حضرت عیسےٰؑ کا دشمن یا شیطان کے معنوں میں ہے۔ وہ کون شخص ہے جس نے مغربی اقوام جن میں انگریز اس وقت تمام دُنیا پر چھایا ہُوا تھا اس کے مذہبی رُوپ کو دجّال ثابت کرکے دکھایا؟ تاریخ اور لٹریچر کی تحریری شہادت موجود ہے کہ وہ شخص حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ کیا انگریزوں کو دجّال نہ صرف کہنا بلکہ ثابت کرکے دکھانے والا شخص ان کا ایجنٹ ہو سکتا تھا؟

(۵) عیسائی حکومتوں سے (جن میں انگریز حکومت اس وقت سب سے بڑی تھی اور تمام دُنیا پر چھائی ہوئی تھی) غلبہ سے لوگوں خصوصاً مسلمانوں پر جو اخلاقی اور سیاسی بُرے اثرات پڑ رہے تھے اس کا درد حضرت مرزا صاحب کے دل کو کھا رہا تھا کیونکہ ان کی باریک بین نگاہ ان بدعملیوں کو دیکھ رہی تھی جو آج یورپ اور امریکہ میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہیں۔ پھر حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں تمام مسلمان علاقے یا تو انگریزوں اور دوسری عیسائی حکومتوں کے قبضہ میں تھے یا اگر مسلمان حکومتیں بچی تھیں تو وہ بھی انگریزوں کی وظیفہ خوار اور ان کے سامراجی شکنجے میں جکڑی ہوئی اور مغلوب تھیں۔ انگریزی سامراج کا یہ غلبہ تاریخ میں بے مثل ہے۔ اس کو توڑنے اور نسلِ انسانی علی الخصوص مسلمانوں کی گلو خلاصی کے لئے حضرت مرزا صاحب نے جو احکم الحاکمین کے آگے فریاد اور دُعا کی اس کے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔ ان اشعار سے قبل حضرت صاحب نے ان عیسائی حکومتوں کے دنیا پر غلبہ سے جو بے دینی دنیا پرستی اور بدعملیوں کی زہریلی فضا دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اس کا نقشہ کتاب نور الحق حصہ اوّل میں کھینچا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے طوالت کے خوف سے میں اس کو یہاں نقل نہیں کر سکتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس انسان کو اللہ تعالےٰ نے کیا نورِ بصیرت اور علمِ غیب سے حصہ دیا تھا کہ آپ نے جو نقشہ کھینچا ہے وہ آج تو اس طرح عیاں ہے کہ اندھا بھی دیکھ سکتا ہے مگر اس وقت دیکھنا یہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دُور بینی ( ) کے سوا ممکن نہ تھا۔ الغرض عیسائی حکومتوں کے دنیا پر غلبہ کی وجہ سے بے دینی، دُنیا پرستی، فسق و فجور کو پھیلتے ہوئے اس مردِ خدا کی دُور بین نگاہ نے دیکھا اور وہ بے اختیار قادرِ مطلق سے یوں فریاد کرتا ہُوا دُعا گو ہوا:۔

انظر الی المتنصرین وذاتهم + وانظر الی ما بدلوا من ادرانهم
عیسائیوں کو دیکھ اور ان کے عیبوں کو + اور ان گندگیوں کو دیکھ جو ان سے ظاہر ہوئیں۔

نشکو الی الرحمٰن شر زمانهم + ونعوذ بالقدوس من شیطانهم
ہم ان کے زمانہ کے شر کی رحمٰن سے شکایت کرتے ہیں + اور ان کے شیطان سے پاک پروردگار کی پناہ میں آتے ہیں۔

العین باکیة علی حالاتهم + وللعقل حسرات علی هذیانهم
آنکھ ان کے حالات پر رو رہی ہے + اور عقل کو ان بے ہودہ باتوں پر جو وہ بکتے ہیں حسرت پہ حسرت ہے۔

انی اراهم کالبنین لغولهم + ان التطهر لا تحل بجنانهم
میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے شیطان کے لئے بیٹوں کا کام کر رہے ہیں۔ اور پاکیزگی ان کے کاروان سرائے میں نہیں اُترتی۔

کم من سموم هب عند ظهورهم + کم من جهول صید من ارسانهم
ان کے ظاہر ہونے سے بہت سی گرم (زہریلی) ہوائیں چلی ہیں۔ اور ان کی رسیوں سے بہت جاہل شکار ہو گئے۔

عمّت بلایاھم و زاد فسادھم + واشتدّ سیل الفتن من طغیانھم

ان کی پیدا کردہ بلائیں عام ہوگئیں اور ان کا فساد بڑھ گیا + اور فتنوں کا سیلاب اُن کی (تجھ سے) سرکشی کی وجہ سے بہت ہی سخت ہوگیا۔

یا ربّ خذھم مثل اخذک مفسد + قد انسی الآفاق طول زمانھم

اے خدا تو اُن کو پکڑ جیسا کہ تو مفسد کو پکڑتا ہے۔ ان کو لمبا زمانہ ملا ہے اس نے دنیا کو بگاڑ دیا۔

ادرک رجالاً یا قدیر و نسوۃ + رحمًا و نجّ الخلق من طوفانھم

اے قدیر تو اپنے رحم سے مردوں اور عورتوں کی جلد خبر لے + اور مخلوق کو ان کے طوفان سے نجات بخش۔

حلت بارض المسلمین جنودھم + فسرت غوائلھم الیٰ نسوانھم

ان کے لشکر مسلمانوں کی زمین میں اتر آئے۔ اور ان کی بلاؤں نے مسلمانوں کی عورتوں تک سرایت کی۔

یا ربّ احمدؐ یا اِلٰہ محمدؐ + اعصم عبادک من سموم دخانھم

اے احمدؐ کے ربّ اے محمد صلعم کے الٰہ + اپنے بندوں کو ان کے دُھوؤں کے زہروں سے بچالے۔

یا عوننا انصر من سواک ملاذنا + ضاقت علینا الارض من اعوانھم

اے ہمارے مددگار تیرے سوا ہمارا کون جائے پناہ ہے + ہم پر ان لوگوں کے مددگاروں سے زمین تنگ ہوگئی۔

کسّر زجاجتھم التی بالصفا + واعصم عبادک من سموم بیانھم

اے خُدا پتھروں سے ان کے شیشے توڑ دے + اور ان کی بیان کی زہر سے اپنے بندوں کو بچالے۔

یا ربّ سحقھم کسحقک طاغیا + وانزل بساحتھم لھدم مکانھم

اے ربّ ان کو پیس ڈال جیسا کہ تو سرکش کو پیستا ہے + اور ان کی عمارتوں کو مسمار کرنے کے لئے ان کے صحنوں میں اُتر۔

یا ربّ مزّقھم و فرّق شملھم + یا ربّ قودھم الیٰ ذوبانھم

اے ربّ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان کی جمعیت کو بکھیر دے
اے میرے ربّ ان کو ان کے پگھلنے کی طرف کھینچ۔

کیا یہ بد دُعا جس میں اس وقت کی بلکہ تاریخ کی عظیم الشان ترین عیسائی سلطنت یعنی انگریزی سامراجیت کی ہلاکت اور تباہی مانگی گئی ہے اس سامراجیت کے ایک ایجنٹ کی ہوسکتی تھی؟ ایسا سنگین الزام لگانے والوں کو کچھ تو انصاف اور خوفِ خُدا سے کام لینا چاہیئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مخبر صادق صلعم نے فرمایا تھا کہ ان عیسٰے لا یقاتل یاجوج و ماجوج بل یدعوا علیھم عند اشتداد المصائب و ھجوم الاعداء۔ یعنی عیسٰے (ثانی) یاجوج اور ماجوج سے جنگ نہیں کرے گا بلکہ مصیبتوں کے شدت پکڑ جانے اور دشمنوں کی کثرت کو دیکھ کر ان کے خلاف بد دعا کرے گا۔

- اور اس میں اشارہ تھا کہ وہ بد دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا اور انگریزوں کی سلطنت اور عیسائیوں کا غلبہ ان عالمگیر جنگوں کے پیدا کردہ نتائج سے ختم ہوا جو ہو چکی ہیں اور ابھی شاید اور بھی ہوں گی۔ کیا خدا تعالٰے ان قوموں کے صحنوں میں نہیں اُترا جس کے معنی عذاب الٰہی ان پر اور ان کے گھروں میں آنے کے ہیں۔ کیا آسمان سے مارے ہوئے پتھروں (بموں) نے ان کے شیشوں سے مزین عمارتوں کو چکنا چُور نہیں کیا اور ان کی بستیوں کو مسمار نہیں کیا جیسا کہ اس بد دُعا میں مانگا گیا تھا؟

کیا آپس کی سرد اور گرم جنگوں نے ان کی جمعیت کو بے کار نہیں کر دیا اور ان کو "پگھلانے کی طرف کھینچ" والی دعا میں مجھے تو ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی جنگ کا خدشہ نظر آتا ہے کیونکہ وہ بم اپنی آگ اور تپش کی شدت سے ہر چیز کو پگھلا دیتے ہیں۔

تتمّہ

میں ابھی بہت سی اور شہادتیں دے سکتا تھا کہ حضرت مرزا صاحب پر یہی نہیں بلکہ اور بھی اعتراضات غلط ہیں مگر طوالت مضمون کی وجہ سے بس کرتا ہوں۔ مگر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان کے دل میں حضرت مرزا صاحب کی نسبت جو بھی اعتراضات یا شکوک و شبہات ہوں ان کی قرآن پاک کے حکم کی تعمیل میں تحقیق کریں۔ ہم سے پوچھیں۔ خود حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کو پڑھ کر دیکھیں مگر سُنی سنائی باتوں پر نہ جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایک معصوم کے ساتھ بے انصافی کرنے والے بنیں یا ان میں شامل رہیں یا امام وقت کی شناخت سے محروم رہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

مجدّدین دلوں میں تڑپ اور قوتِ عمل پیدا کرنے کیلئے آتے ہیں۔

ارشاد حضرت امیر مرحوم

اسی غرض سے خدا نے مجددین کا سلسلہ رکھا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ زمانہ کی طوالت ان کو راہ حق سے ہٹا دے۔ مجدّد کوئی نیا دین لے کر نہیں آتا۔ وہ اس قوت کو زندہ کرنا چاہتا ہے جو عمل کی قوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی تھی۔ آج بھی مسلمان مسجدوں کے اندر جاتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ وہی دُعا صحابہؓ بھی مانگتے تھے ایاک نعبد و ایاک نستعین وہی دُعا آج مسلمان بھی مانگتے ہیں، لیکن صحابہ رضؓ کی دُعا جس طرح قبول ہوئی اسے دنیا نے دیکھ لیا۔ آج مسلمانوں کے منہ سے دُعا نکلتی ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایاک نستعین میں انسان خدا سے قوتِ عمل مانگتا ہے۔ اس کے دین کی خدمت کے لئے، مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے کام کرنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ مجھے ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان پانچ وقت خدا سے ایاک نستعین کی دُعا کرے، پانچ وقت اس سے التجا کرے کہ اے خدا میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں کہ مخلوق خدا کی خدمت کی توفیق مجھے دے تیرے رستہ پر لوگوں کو چلانے تجھ سے تعلق اور جوڑ پیدا کرنے کی طاقت مجھے حاصل ہو، لیکن کوئی مدد خدا سے نہ آئے۔ دُعا تو معمولی چیزوں کے لئے بھی سُنی جاتی ہے، کیا اس اعلیٰ اور بلند ترین مقصد کے لئے نہیں سُنی جاسکتی؟ معلوم ہوتا ہے دلوں کے اندر تڑپ نہیں رہی۔ اور دُعا تو تڑپ کا نام ہے۔ منہ سے لفظ نکلتے ہیں مگر دل میں تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ اور دُعا حقیقت میں منہ کے لفظوں کا نام نہیں۔ یہ دِل کی تڑپ کا نام ہے۔ جس طرح ایک لیکچرار لیکچر دے لیتا ہے۔ خواہ اپنے دل کے اندر کچھ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح نمازی یہ دُعا بھی کر لیتا ہے اور کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ دل کی تڑپ اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مجدّد اسی کے لئے آتے ہیں کہ اس تڑپ کو پیدا کریں۔ وہ قوتِ عمل پیدا کرتے ہیں جو خدا پر ایمان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایمان میں ایک تازگی پیدا کرتے ہیں اور ایمان کی تازگی کے لئے قوتِ عمل بھی تازہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کی اصلاح چاہی تو ایک عظیم الشان رہبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور پھر اس کے بعد جب سستی آئی تو مجدّدین کو بھیجتا رہا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے جو اس صدی کے مجدّد

دینِ اسلام کا فاتح جرنیل۔ بنیادی دینی صداقتوں پر ذاتی شہادت۔ اسلام کی عالمگیر فتوحات کے متعلق کشوف اور خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا۔

(مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

اب بیسویں صدی اختتام پر ہے، ایک صدی قبل کے حالات آج کے واقعات سے یکلی منقلب نظر آتے ہیں۔ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحبؑ نے چودھویں کے مجدد ہونے کا دعوئے انیسویں صدی کے آخر پر کیا تھا۔ ذرا غور کرنا چاہیئے کہ اس ایک صدی میں کیا کیا انقلابات آئے؟ ایک صدی ماقبل اس تہذیب و تمدن کی انتہار نظر آتی ہے جو تسخیر کائنات علوم سائنس اور عقلیت کی ترقی نے پیدا کی۔ مغربی تہذیب و تمدن کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، عالمگیر امن و عافیت کا دور دورہ ہو رہا تھا، دنیا کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ انسان نے اپنی عقلی ارتقار کی بنا پر اسی زمین پر جنت کو حاصل کر لیا ہے، خدا اور اس کے کلام کو انسانی ذہن کی پیداوار سمجھ لیا گیا تھا۔ دین اور اس کے بنیادی اصولوں کو نہ صرف غیر ضروری تسلیم کیا گیا تھا بلکہ انہیں محض وا ہمہ اور انسانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ تمام نقشہ آج بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہر طرف فساد و بے امنی بپا ہے، ہر ملک اور قوم دوسروں کو نیچا دکھلانے میں مصروفِ پیکار ہے، ہر نفس دوسرے انسانوں کو مغلوب کرنے اور اس کا اقتدار و مال غصب کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

سائنس کی ایجادات کی بھرمار نے انسانی قلوب سے راحت و خوشی امن و چین اور اطمینان و تسلی سے یکسر خالی کر کے ہوس و حرص اور حسد و انتقام کے جذبات سے معمور کر دیا ہے۔ اگر آج کی دنیا کو کوئی شخص جہنم سے تعبیر کرے تو وہ بے شک حقیقت الامری کا بیان کرنے والا سمجھا جائے گا۔ لیکن آج سے ایک صدی ماقبل ایسا کہنے والا یقیناً عقل و خرد سے عاری سمجھا جاتا۔ دینِ اسلام کی تبلیغ کے علمبردار بالخصوص مغربی دنیا میں اشاعتِ دین کے فریضہ کو بجا لانے والے کو انیسویں صدی میں مجنون قرار دیا جاتا۔ چنانچہ یہ امر واقع ہے کہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں حضرت خواجہ کمال الدین علیہ الرحمۃ کی وفات پر جو جلسہ اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوا اس میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء و صدر انجمن حمایت اسلام نے اپنے صدارتی ریمارکس میں فرمایا کہ ۱۹۱۲ء میں جب خواجہ صاحب مرحوم انگلینڈ میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے تو میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہا تھا، جب میں نے خواجہ صاحب کے تبلیغ اسلام کے عزائم کا سُنا تو میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ وہ جا کر خواجہ صاحب کو اس مقصد سے باز رکھیں۔ یہاں تو لوگ دین کو ہی خیر باد کہہ رہے ہیں تو دینِ اسلام کی کامیابی کا یہاں کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب کو تبلیغ کا ایسا ہی شوق دامنگیر ہے تو وہ کسی مشرقی مُلک کو اپنی تحریک کا مرکز بنائیں۔ لیکن اگر پھر بھی خواجہ صاحب باز نہ آئیں تو یقیناً میں یہ سمجھوں گا کہ خواجہ صاحب نہ صرف غلطی خوردہ ہیں بلکہ ان کے دماغ میں نقص واقع ہو گیا ہے۔

اپنے اس بیان کے بعد ڈاکٹر خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ آج میں اس تعزیتی جلسہ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ بے شک **میں ہی غلطی پر تھا اور خواجہؒ صحیح تھے، خواجہ صاحبؒ نے دُنیا پر ثابت کر دیا** کہ وہ اپنے اقدام مغرب میں اشاعتِ اسلام میں فی الواقع کامیاب و کامران ثابت ہوئے۔

اس ایک واقعہ سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے ایک قابل و مخلص مُرید نے آپ کے پیغام کو منجانب اللہ صادق تسلیم کر کے جب مغرب میں اشاعتِ دین کی تحریک جاری کی تو اسلامی دنیا نے اسے کس نگاہ سے دیکھا۔ لیکن چند ہی برسوں میں وہ **خواب جسے جنون سے تعبیر کیا گیا واقعاتِ حقہ میں کیسے اور کیونکر سچا ثابت ہو گیا!**

سوچنے کی بات ہے کہ جس امر کو تمام دنیا ناممکنات سے سمجھے کیونکہ اس کی تائید میں کوئی اسباب نہ ہوں بلکہ عقلِ انسانی اسباب و ذرائع کو اس کے خلاف کھڑے دیکھ کر اسے صریحاً ناکام یقین کر چکی ہو اسے حقیقت کا جامہ پہنا کر دکھلا دینا **اگر ربانی معجزہ نہیں تو اور کیا شئے ہے؟** معجزہ کی حقیقت یہی تو ہے کہ انسانی عقل جس امر کے برخلاف دنیاوی اسباب کو کھڑے دیکھ کر ایک نتیجہ پر پہنچے مگر ایک اور شخص اسی کو نہ صرف ممکن الحصول بلکہ اس کے واقعات میں صادق نکلنے کی پیشگوئی بھی منجانب اللہ کر دے تو پھر یہی تو معجزۂ ربانی اور منجانب اللہ علم غیب کے انکشاف کی کھلی دلیل ہے۔ عقل و اسباب کے مخالف اگر آئندہ کے واقعات پر سے پردۂ غیب اُٹھا کر حقیقت کو دکھلا دیا جاتا اگر منجانب اللہ صداقت پر عظیم برہان نہیں تو یقیناً سمجھ لو کہ معجزہ اس سے بڑھ کر اور کسی شئے کا نام نہیں۔

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنی ابتدائی تحریرات مثل ازالہ اوہام محررہ ۱۸۹۰ء میں جب طلوع اسلام من مغربہا کی حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تعبیر فرمائی کہ اس سے مراد آخری زمانہ میں صداقت اسلام کا مغربی دنیا میں تسلیم کیا جانا ہے اور پھر اس بارہ میں اپنی خوابوں اور کشوف کا ذکر فرمایا کہ میں نے دیکھا میں لندن میں اسلام کی صداقت پر ایک فصیح تقریر کر رہا ہوں اور اس کے بعد میں نے چند سفید پرندوں کو شکار کیا، نیز اپنی شاخ کی تفسیر قرآن بزبان انگریزی کے بے مثل ہونے کی پیشگوئی فرمائی۔ پھر اپنی عربی کتب مثلاً نورالحق میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ انگریز لوگ دینِ اسلام کے لئے بطور انڈوں کے ہیں عنقریب ان سے بچے پیدا ہوں گے تو ایسے زبردست، عظیم اور تحدی آمیز اقدامات و تحریکات اور انکشافات کو پڑھ کر حضرت مجددِ اعظم علیہ السلام کے عظیم شاگرد حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ نے دریافت کیا کہ حضرت واقعات تو یہ ہیں کہ مغرب میں کوئی شخص دینی صداقتوں یعنی ذاتِ باری تعالےٰ اور عالم آخرت کے ماننے کو تیار نہیں بلکہ وہ تو اسے ترک کر رہے ہیں مگر آپ وہاں اسلام کی صداقت کا آفتاب چڑھنے کے انکشافات فرما رہے ہیں؟ تو حضرت اقدسؑ نے کیا ہی یقینی اور پیارا جواب دیا یعنی یہ کہ:-

"مولوی صاحب! یہ بات ہمارے مفید مطلب ہے۔ سلیٹ صاف ہو رہی ہے۔ نقش عمدہ چمکے گا۔"

پھر فرمایا:-

"مولوی صاحب! میری روحانی آنکھ نے اسلام کے پہلی تاریخ

کے چاند کو دیکھ لیا ہے۔"

یہی وجوہ تھے جن سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے دل میں یقین کامل گڑ چکا تھا کہ وہ اپنے اقدام اشاعت اسلام مغرب میں ضرور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ورنہ ایک زمانہ کے واقعات کو برخلاف پاکر کون اپنی جد و جہد کو ناکام راہوں میں لگا سکتا ہے؟ کیسی حیرت کن و تعجب انگیز بات ہے کہ یہی خواجہ صاحبؒ جو ۱۹۱۲ء میں مرکز عیسائیت میں علم اسلام گاڑتے ہیں، ۱۸۹۰ء کے قریب جب فارمن کرسچن کالج کے طالب علم تھے تو اس وقت عیسائیت کی آغوش میں جانے کو تیار ہیں کہ کسی نے صلاح دی کہ آپ حضرت مرزا صاحبؑ سے تو مل لیں۔ اس بابرکت ملاقات کا نتیجہ کیسا انقلاب انگیز نکلا!

عیسائیت کا شکار ہونیوالا انسان خود عیسائیت کا شکاری بن گیا۔

اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ اور ربانی نشان ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ترجمۃ القرآن انگریزی کے عالی مقصد پر لگا دیا اور جب اس دوران ندوۃ العلماء ہند کی طرف سے بھی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا اعلان ہوا اور اس کا ذکر کیا گیا تو حضرت مولانا نورالدینؒ نے فرمایا کہ

"مولوی صاحب! حدیث پر تیس موطا لکھی گئیں مگر آج ایک ہی موطا ہے جسے دنیا جانتی ہے اور وہ امام مالک کی موطا ہے"

اس سے آپ کا اشارہ حضرت اقدسؑ کی ازالہ اوہام میں مندرج اس پیشگوئی کی طرف ہے جس میں یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ مغرب میں تبلیغ حق کی غرض سے انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کر دوں اور میں یہ کہنے سے رک نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے جیسے مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں داخل ہے **دوسرے سے ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا**۔ یہ پیشگوئیاں اور انکشافات ان لوگوں کے قلوب میں لکھی جا چکی تھیں جنہوں نے حضرت اقدسؑ کو منجانب اللہ صادق تسلیم کر لیا تھا۔

مگر ہمارے لئے تو حل طلب سوال یہ ہے کہ گاؤں کا رہنے والا یہ اُمّی انسان جسے نہ مغربی تہذیب کا علم ہے نہ ہی ان کی زبانوں سے واقفیت حاصل ہے جن کے تسلط کا رعب چار دانگ عالم پر طاری ہے، **کیسے اور کیونکر ایسے اہم انکشافات کرنے پر قادر ہے؟** جن کے تکمیل کا کوئی سامان اس کے پاس نہیں، وہ جن کے متعلق مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ سب ناممکن الحصول باتیں بلکہ توہمات اور جنون کے امور ہیں۔ اس شخص کے ایسے اہم علم غیب کے امور پر اطلاع کے ذرائع کہاں سے ہیں؟ کیا ایسے ناممکن الحصول مقاصد کا وہم وگمان بھی کسی انسانی دماغ میں آ سکتا ہے؟ اور وہ کس بل بوتے پر ان کے مبداء بہ حقیقت بن جانے کا یقین دوسروں کو دلا سکتا ہے؟

مادیت اور سائنسی تشکک کی فضا اور عالم معاد کے حقائق پر علیٰ وجہ البصیرۃ یقین

{کاش دنیا کی آنکھیں ہوں تو دیکھے}

اور کان ہوں تو سنے۔ قلب ہوں تو غور کرے۔ جب عالم غیب کے حقائق کا انکار اس وجہ سے ہو کہ انسان اپنے ظاہری حواس اور عقلی قویٰ پر ہی سارا انحصار کر چکا ہو جب خوشی و راحت اور سچے اطمینان، قلبی تسلی کو مادیت کے سامانوں میں محصور یقین کر لیا گیا ہو ایسے نازک وقتوں میں کون یہ ماننے کے لئے تیار ہوگا کہ اس مادی عالم کے ماوراء اور مادی لذائذ کے ماسوا عالم غیب کے حقائق بھی موجود ہیں اور دنیاوی آسائش و آرائش کے علاوہ روحانی راحت اور اخلاقی جنت کا بھی ایک سچا عالم موجود ہے بجز اس کے کہ کوئی ایسا انسان کھڑا ہو جو بیانگ دہل یہ چیلنج کرے کہ علم غیب اور عالم معاد کے حقائق **میرے نزدیک واردات اور واقعات بن چکے ہیں**۔ جس کسی کو اس امر میں شک و شبہ ہو، میں اس کی پوری تسلی اور کامل تشفی کرنے کے لئے میدان میں کھڑا ہوں۔ اگر خدا سے انکار ہے تو آؤ میں خدا کی قدرت کے نشانات تمہیں دکھلانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اگر کلام خدا کو ڈھکوسلے قرار دیتے ہو تو آؤ چند روز میری صحبت میں رہ کر دیکھ لو کہ واقعی خدا مجھ سے بولتا اور اپنے غیب کے امور کو مجھ پر منکشف کرتا ہے یا نہ؟ آؤ اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار اور ہر ہرجانہ دینے پر راضی ہوں۔ بخدا! انصاف سے کہو کہ بجز ایسے متحدیانہ چیلنج کے مادیت اور دہریت زدہ دنیا اور علم و سائنس کی غیر یقینی و شکی فضاء کو کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ مطالبہ تو دنیا کا یہ ہو کہ اگر کوئی خدا اور اس کا کلام ہے تو اب کیوں خدا نے کلام کرنا بند کر دیا اور اگر یہ دروازہ خدا نے بند کر دیا ہے تو انسان ان کے انکار پر کیوں قابل مواخذہ ہے مگر جواب صرف یہ ہو کہ تم درست کہتے ہو کہ خدا پہلے تو کلام کرتا تھا مگر اب نہیں کرتا۔ پہلے زمانوں میں معجزات ظاہر کیا کرتا تھا مگر اب یہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ بتلاؤ ایسے جوابات سے عقلی دنیا کی تسلی کہاں تک ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر جس شخص نے عین زمانہ کی ضرورت حقہ کو پورا کیا اور عقلی دور کے چیلنج کا صحیح جواب اپنے قلبی واردات اور بصائر سے دیا، وہی کاذب و کافر ہو گیا؟ اگر نعوذ باللہ یہ کافر و مفتری تھا تو خدا تعالےٰ نے اس کی نصرت و تائید کیوں کی۔ اسے تو تباہ و برباد کر دینا چاہیئے تھا۔ کیونکہ خدا کا یہ قانون ہے کہ میں مفتری کی شہ رگ کاٹ دیتا ہوں۔ کاش غور کیا جائے کہ اگر خدا کا سلسلۂ تکلم بند ہو چکا ہے تو پھر کیا خدا کا یہ قانون کہ وہ مفتری کو ناکام و نامراد کرتا ہے بھی تبدیل ہو چکا ہے؟

شکریہ تعزیت

—— مکرم جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی سے تحریر فرماتے ہیں:—

"میری والدہ محترمہ کی وفات پر میرے بزرگوں اور احباب نے پاکستان اور بیرون پاکستان سے ہمدردی اور تعزیت کے پیغامات کثیر تعداد میں ارسال کئے ہیں۔ بہت سے بزرگ اور دوست سفر کی دشواریاں برداشت کر کے تعزیت کے لئے خود بھی تشریف لائے۔ ان محسنوں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ ان کے پیغامات [illegible] بھرے تعزیت ناموں نے میرے غم کو کافی حد تک ہلکا کر دیا ہے۔

میں اخبار کے ذریعہ ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

ضرورت رشتہ

جماعت کے دو نوجوانوں کے لئے جماعت میں سے ہی رشتہ مطلوب ہے۔ ایک نوجوان میٹرک پاس سرکاری ملازم ہے تنخواہ 500/ روپے ماہوار ہے۔ دوسرا زمیندارہ کرتا ہے معقول آمدنی ہے۔ یہ دونوں بھائی ہیں۔ حسب حال رشتہ کے لئے درخواست ہے۔

ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کریں:—

م - الف - معرفت پیغام صلح [illegible] لاہور

مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ۔ لاہور

من نیستم رسول ونیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم وز خداوند منذرم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیرالرسل خیرالانام + ہر نبوت را برو شد اختتام
من نیستم رسول نیاوردہ ام کتاب + ہاں ملہم استم وز خداوند منذرم

مندرجہ بالا اشعار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ در بارہ ختم نبوت اور ان کے دعوے کی ایسی مکمل تصویر کھینچتے ہیں جو شروع سے آخر تک انکا عقیدہ رہا۔ جناب مجدد زمان حضور نبی کریم صلعم پر ہر نبوت، اور ہر پیغمبری، کے ختم ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس عقیدہ پر ہمیشہ قائم رہے۔

زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جناب میاں محمود احمد صاحب نے محض اپنی گدی قائم کرنے کے لئے نبوت نبوت کی ایسی رٹ لگائی کہ وہ الزام جو حضرت مجدد زمان پر اُن کے مخالفین لگاتے تھے اور جس الزام کو حضرت مسیح موعود بہتان عظیم اور دجل قرار دیتے تھے وہ خود ان کے صاحبزادہ صاحب نے ان پر لگا دیا اور ایک کثیر تعداد لوگوں کی اس گدی نشین کی حاشیہ بردار بن کر ان پر دعویٰ نبوت کا الزام دینے لگی۔ کیونکہ حضرت مجدد زمان کی تحریروں سے ثابت ہے کہ آپ کی طرف کسی قسم کی نبوت منسوب کرنا اتہام و الزام ہے اور دجل عظیم ہے۔

حضور امامِ زمان کا دعوےٰ محض ملہم من اللہ۔ محدث۔ مجدد اور مسیح موعود ہونے کا تھا، اور ان میں سے کوئی دعوےٰ بھی نبوت کا دعوے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضور کے مندرجہ بالا اشعار سے ہی ظاہر ہے کہ جناب ہر قسم کی نبوت اور ہر قسم کی پیغمبری کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنے کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعوےٰ چہ معنی دارد۔ کوئی صحیح العقل انسان بیک وقت یہ نہیں کر سکتا کہ ایک طرف تو ہر قسم کی نبوت اور ہر قسم کی پیغمبری کو حضور رسول کریم صلعم پر ختم قرار دے اور دوسری طرف کسی قسم کی نبوت کا دعویدار ہو۔

ایک نبی کے لئے اُس کی اُمت لوازمات نبوت میں سے ہے لیکن جناب مرزا صاحب نے کوئی علیحدہ اُمت نہ بنائی۔ بلکہ اپنی جماعت کو مسلمانوں کا ایک فرقہ قرار دیا۔ آپ نے نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار اپنی جماعت کے نام سے متعلق شائع کیا۔ لکھتے ہیں:۔

"اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے اور جائز ہے کہ اس کو احمدی مذہب کے مسلمان کے نام سے بھی پکاریں۔ اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسم محمد جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے اِن دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام احمدیہ رکھا جائے۔"

اس کے بعد الحکم مجریہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۱ء میں لکھا:۔

"اب چونکہ ہمارا سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے اس واسطے اس کا نام احمدی ہوا .... ایسا ہی اسلامی فرقوں نے غلطی کھائی کسی نے اپنے آپ کو حنفی کہا اور کسی نے مالکی اور کسی نے شیعہ اور کسی نے سُنّی۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم پس مسلمانوں کے دو ہی فرقے ہو سکتے ہیں محمدی یا احمدی۔ محمدی اس وقت جب جلال کا اظہار ہو۔ احمدی اس وقت جب جمال کا اظہار ہو۔"

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد زمان نے خود اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد سے منسوب کیا اور اس کو مسلمان فرقہ کہا۔

نبی ہونے کا دعوےٰ کتاب کا مقتضی ہے۔ آپ نے کسی کتاب کے لانے کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ کہا "نیاوردہ ام کتاب"

اگر دعوےٰ رسالت یا نبوت کا ہوتا تو اپنی جماعت کو "اشہد ان محمد رسول اللہ" پر قائم کیوں کرتے کہ یہ تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے اگر کسی قسم کی نبوت کا دعوےٰ ہوتا تو اپنے مخالفین کے الزام کے جواب میں مدعیِ رسالت و نبوت پر لعنتیں کیوں بھیجتے اور ایسے مدعی کو خارج از اسلام قرار کیوں دیتے۔

مندرجہ بالا حقائق ایسے ہیں جو ناقابل تردید طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مجدد دوران نے کسی بھی قسم کی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور پھر ان کی پے در پے تحریریں اور تقریریں شاہد ہیں کہ آپ کو کسی قسم کا دعوےٰ نبوت نہ تھا۔ فتاوےٰ احمدیہ میں یہ فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ اور جب تک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بزہد و ورع کوش وصدق صفا + ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

ہمارا مدعا جس کیلئے خدا تعالےٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مشاہدہ کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان لائے ہیں۔ یہ لوگ ہیں۔ یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختم نبوت سے خدا تعالےٰ کا اتنا ہی منشا قرار دیا جائے کہ منہ سے خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو۔ اور اپنی ایک

شریعت بنا لو۔ بغدادی نماز، معکوس نماز ایجاد کی ہوئی ہے۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اس کا کہیں پتہ لگتا ہے؟ اور ایسا ہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعت اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کرو۔ کیا ان باتوں کو مان کر اور ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النبیین کی مہر کو توڑا ہے۔ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لا کر آپ کے طرز عمل اور نقش قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی خدا تعالےٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بُت توڑ کر نیست و نابود کر دے۔ پس اس کام کے لئے خدا نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے۔

لدھیانہ کے لیکچر میں فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کرکے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اُمت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لئے خدا تعالےٰ نے سورۃ فاتحہ ہی میں دُعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم انعمت علیھم کی راہ کے لئے جو دُعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا ہے وہ معرفت الہٰی کا کمال ہے۔"

اگر حضرت مرزا صاحب نے کسی قسم کی نبوت کا دعوےٰ کیا ہوتا تو ان لوگوں کو جو آپؑ کو نہ مانتے تھے کافر قرار دیتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں کیا۔ آپ تریاق القلوب میں لکھتے ہیں:۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوےٰ کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الہٰی میں اعلےٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء (سر فضل حسین مرحوم) سے فرمایا:۔

"ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے .... یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مؤمن کو کافر کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔"

پھر میاں فضل حسین مرحوم نے پوچھا کہ:۔ ایک مسلمان جو سڑک پر چلا جا رہا ہے جس کے متعلق کچھ علم نہیں کہ یہ آپ کو کافر کہتا ہے یا نہیں اسے آپ کافر سمجھیں گے یا مسلمان؟" آپ نے فرمایا "مسلمان"

۱۹ مئی ۱۹۰۸ء کو فرمایا:۔

"ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں جیسا کہ ملاں لوگ، لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دعویٰ ملہم اور منذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں"

حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں لفظ نبی رسول اور مرسل موجود ہیں اور یہ الفاظ محض مجاز کے رنگ میں استعمال ہوئے۔ مجاز حقیقت نہیں ہوتا۔ خاوند بیوی کا مجازی خدا کہا جاتا ہے تو وہ خدا نہیں بن جاتا۔ اسی طرح مغل بادشاہ ظل اللہ کہلاتے تھے تو وہ خدا نہ بن جاتے تھے۔ ظل۔ بروز اور مجاز صوفیاء کی اصطلاحیں ہیں اور ان سے کسی قسم کی نبوت مراد نہیں بلکہ فنا فی الرسول کا مقام مراد ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے الوصیت میں ۱۹۰۵ء میں تحریر فرمایا:۔

"اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں۔ اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی فیض رسانی سے قاصر نہیں، بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے۔ ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں بلکہ اس نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رُو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لئے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور جن کے لئے یہ دعا سکھائی گئی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ان کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی کہ اُمت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی اور ساتھ اس کے وہ دُعا جس کا پانچ وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا

اس کا سکھانا بھی عبث ٹھہرتا تھا۔ مگر اس کے دوسری طرف یہ خرابی بھی تھی کہ اگر یہ کمال کسی فرد اُمت کو براہِ راست بغیر پیروی نور نبوتِ محمدیہ کے مل سکتا تو ختم نبوت کے معنے باطل ہوتے تھے پس ان دونوں خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ نے مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنافی الرسول کی حالت پر اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا اور اُمتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنے اتم اور اکمل درجہ پر ان میں پائے گئے ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نہ رہا بلکہ ان کی محویت کے آئینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منعکس ہو گیا اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نبیوں کی طرح ان کو نصیب ہوا۔ پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونے کے نبی کا خطاب پایا کیونکہ ایسی صورت کی نبوت نبوت محمدیہ سے الگ نہیں بلکہ اگر غور سے دیکھو تو خود وہ نبوتِ محمدیہ ہی ہے جو ایک پیرایہ جدید میں جلوہ گر ہے۔ یہی معنی اس فقرہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں فرمایا کہ نبی اللّٰہ و امامکم منکم۔ یعنی وہ نبی بھی ہے اور امتی بھی ہے۔ ورنہ غیر کو اس جگہ قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ مبارک وہ جو اس نکتہ کو سمجھے تا ہلاک ہونے سے بچ جائے۔"

(صفحہ ۲۸ تا ۳۰)

حضرت مرزا صاحب کی مندرجہ بالا تحریر میں جو صورت فنافی الرسول اور امتی اور نبی کی بیان کی گئی ہے صوفیا کے ہاں اسے بروز کہتے ہیں۔ (مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب نمبر ۵۴ جلد ۳) حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ترجمہ از فارسی):—

"اس مقام پر تابع متبوع کے ساتھ اس طور پر مشابہت پیدا کرتا ہے کہ تبعیت کا نام درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع اور متبوع کا امتیاز زائل ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع متبوع کے رنگ میں ہو کر اصل جگہ سے ہر چیز حاصل کر رہا ہے گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں اور ایک ہی بستر میں ہیں اور شیر و شکر کے رنگ میں ہو جاتے ہیں پھر تابع کہاں اور متبوع کون۔ اور تابعداری کیسی؟ اتحاد میں غیریت کو کوئی گنجائش نہیں۔ اس جگہ پر یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر امکانِ نظر سے دیکھا جائے تبعیت کی کوئی بات نظر نہیں آتی اور تابعیت اور متبوعیت ہرگز دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی جانتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے نبی کا وارث پاتا ہے۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ نے کہا:—

"میں ہی آدم ہوں، میں ہی شیث ہوں۔ میں ہی نوح ہوں۔ میں ہی ابراہیم ہوں۔ میں ہی عیسےٰ ہوں۔ میں محمدؐ ہوں۔ یہ بھی بروز کا رنگ ہے۔ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی بہت سی نبوتوں کا داعی تو نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت محی الدین ابن عربی فتوحات میں لکھتے ہیں:—

"میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام ابو محمد ابن حزم نے آپ سے معانقہ کیا۔ پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرا نظر نہ آیا۔

یہ بھی بروز کی ایک مثال ہے۔ ایک حدیث کے مطابق خود حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مسیح کا بروز فرمایا۔

اور حدیث علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل بھی بروز کی صورت ہی ہے ورنہ اصل نبوت تو حضور نبی کریم صلعم پر ختم ہو چکی۔

ایک غلطی کا ازالہ کے شائع ہونے کے بعد محمد یوسف امرتسری کے اعتراض پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:—

"محمد یوسف بروز کے مسئلہ کو سمجھے نہیں۔ بروز میں دوئی نہیں ہوتی۔ وہ تو اُمتی کے وجود کے آئینہ میں فیضانِ نبوت کا انعکاس ہوتا ہے۔"

۱۷ اگست ۱۸۹۹ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:—

"حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ ایسی نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے .... جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر ختم کر دیا ہے اور ہم محض دینِ اسلام کے خادم بن کر آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنا دیں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہیئے اور اسلام سے محبت سچی رکھنی چاہیئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہیئے۔ ہم خادمِ دینِ اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں .... ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعوےٰ بالمقابل نہیں اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افتراء کرتا ہے ہم اپنے نبی کریم صلعم کے ذریعہ فیض و برکات پاتے ہیں۔...."

اور پھر مواہب الرحمٰن میں لکھا:—

"خدا کلام اور خطاب کرتا ہے اس اُمت کے ولیوں کے ساتھ اور ان کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے، اور وہ حقیقت میں نبی نہیں ہوتے"

۱۹۰۷ء میں استفتاء میں لکھتے ہیں:—

"اور نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو چکی ہے اور بعد قرآن شریف کے جو تمام کتب سابقہ سے افضل ہے کوئی کتاب نہیں اور نہ شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت۔ ہاں حضرت خیر البریہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے میرا نام نبی رکھا گیا ہے اور یہ آپ کی متابعت کی برکت سے ایک ظلی امر ہے اور میں اپنے نفس میں کوئی خوبی نہیں دیکھتا اور جو کچھ میں نے پایا ہے آپ ہی کی قوتِ قدسی سے پایا ہے اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک میری نبوت سے مراد سوائے کثرت مکالمہ و مخاطبہ کے اور کچھ نہیں اور اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے اس سے زیادہ دعوےٰ کیا یا اپنے نفس کو کچھ چیز سمجھا یا نبوتِ محمدیہ کے جوئے تلے سے گردن ہٹا لی۔ اور بتحقیق ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے پس کسی کا حق نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کا دعوےٰ کرے اور آپ کے بعد کثرت مکالمہ مخاطبہ کے سوا اور

کچھ باقی نہیں اور وہ بھی آپ کی متابعت سے نہ کہ آپکی متابعت کے بغیر۔ اور خدا کی قسم جو کچھ میں نے حاصل کیا ہے آپ کی اتباع کے انوار سے ہی حاصل کیا ہے اور اللہ کی طرف سے میرا نام مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔"

حضرت مرزا صاحب کی مندرجہ بالا تحریروں سے یہ عیاں ہے کہ آپ نے کبھی بھی دعوے نبوت نہیں کیا۔ بلکہ جب کبھی آپ پر الزام لگایا گیا آپ نے سختی سے تردید کی دعویٰ ملہم باللہ۔ منذر۔ مہدیٔ معہود۔ مسیح موعود اور مجددیت و محدثیت کا کیا۔ البتہ الہاموں میں اللہ تعالےٰ نے نبی اور رسول کے نام سے خطاب کیا جو بقول مرزا صاحب استعارہ اور مجاز کے طور پر ہے اور وہ بھی اس لیئے کہ حضرت مرزا صاحب فنافی الرسول کے مقام پر پہنچے ہوئے تھے اور دوئی کی حالت نہ تھی بلکہ بقول حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ الرحمۃ :۔

"اس مقام پر تابع متبوع کے ساتھ اس طور پر مشابہت پیدا کرتا ہے کہ تبعیت کا نام درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع اور متبوع کا امتیاز زائل ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع متبوع کے رنگ میں ہو کر اصل جگہ سے ہر چیز حاصل کر رہا ہے گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں اور ایک ہی بستر میں ہیں اور شیر و شکر کے رنگ میں ہو جاتے ہیں پھر تابع کہاں اور متبوع کون"

ایسی حالت میں الفاظ نبی اور رسول سے اللہ تعالےٰ کا خطاب فرمانا دراصل حضور نبی کریم صلعم سے خطاب ہے اور نبوت اور رسالت حضور نبی کریم صلعم کی مراد ہے نہ کہ حضرت مرزا صاحب کی۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب اپنے آپ سے حقیقی معنوں میں ان خطابات کو منسوب نہیں کرتے بلکہ استعارہ مجاز۔ ظلّ۔ بروز کے الفاظ استعمال کر کے مسئلہ سمجھاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا :۔

"ہاں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی جانتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کا وارث پاتا ہے"

حضرت مرزا صاحب نے جس جگہ بھی لفظ نبی استعمال کیا ہے وہاں اسی عبارت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اقرار بھی کیا ہے اور ساتھ ہی بہت تحدی سے یہ اقرار بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب کا ذاتی کوئی کمال نہیں بلکہ یہ سب فیض ہے حضور نبی کریم صلعم کی متابعت کا۔ اور اس طرح حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کہ آپ اپنی صدی کے مجدد تھے۔ مُلہم من اللہ ہونے کی وجہ سے مقام فنافی الرسول سے شناسا تھے جو نکتہ بیان کیا ہے اس کے مطابق الفاظ نبی اور رسول کا حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں استعمال دراصل حضرت مرزا صاحب کے مقام فنافی الرسول کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ معانی خود حضرت مرزا صاحب بھی ان الفاظ کو نہیں پہناتے۔

ایک دوسری خاص بات جو حضرت مرزا صاحب کی ان تحریروں سے جن میں ظلی۔ بروزی۔ مجازی وغیرہ نبوت کا ذکر ہے۔ یہ ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب ان الفاظ کے استعمال کو اپنی ذات سے مختص نہ سمجھتے تھے بلکہ تمام محدثین اور اولیاء اللہ کو مورد ظلی۔ بروزی و مجازی نبوت گردانتے تھے۔ اور لفظ نبی یا رسول کی تشریح ہمیشہ مکالمہ و مخاطبہ الہٰیہ سے کرتے تھے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کے الہاموں میں استعمال ہونے والے نبی اور رسول کے الفاظ کو فنافی الرسول کے مقام کی نشاندہی کے علاوہ کوئی اور معانی پہنائے جائیں تو پھر تمام اولیاء اللہ کو اس قسم کی نبوت سے سرفراز ماننا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے اس قسم کی GENRAL APPLICATION کا اظہار ہوتا ہے اور یہ امر محض اُن کی ذات تک مختص نظر نہیں آتا۔ یہ امر

ریوائی قصرِ خلافت کی کھوکھلی بُنیادوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

ہاں جو لوگ مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ سے ہی منکر ہیں یا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اللہ اور اس کے بندوں میں روحانی تعلق پیدا کرنے سے عاری و قاصر ہیں وہ من پسند معانی کر کے جس قسم کے فتاوے چاہیں صادر فرمادیں کہ ایسے لوگ دین اللہ کا کوئی بھلا کر سکتے ہیں نہ بُرا۔

اَخبار احمدیہ — (بقیہ صفہ ۹)

ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ہم اپنے پیارے نبی کے حالاتِ زندگی سُنتے اور سُناتے ہیں تو ہمارے اندر ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ تمنا ہمارے اخلاق کو سنوارتی ہے اور یہی منشاء الہٰی اور فرمان رسولؐ ہے کہ ہم اپنے اخلاق درست رکھیں۔ اور ایک دوسرے کے لئے قوت کا باعث ہوں۔

درود و سلام پڑھنے کے بعد چائے سے تواضع کی گئی۔ چائے کا انتظام بھی چھوٹی بچیوں کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے بڑے سلیقے سے یہ فریضہ انجام دیا۔

میں ان سب بچیوں کی بہت مشکور ہوں جنہوں نے ہماری مدد کی۔ ان میں صابرہ فاضل۔ سائرہ فاضل۔ ارم۔ شمیلہ راجہ۔ زرین رشید۔ شاہدہ، طلعت حمید اور باقی بچیاں شامل ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو نیک جزاء دے اور ان کے وجود ملک و قوم کے لئے رحمت کا باعث ہوں۔

آخر میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور کے لئے دُعا کرتی ہوں کہ خدا تعالےٰ انہیں بلند سے بلند درجات عطا فرمائے اور اپنے بڑے انعامات سے ان کی روح کو نوازے کہ جنہوں نے اس قدر محنت سے ایسی عظیم کتابیں لکھیں۔

جن لوگوں نے مسیح موعود کا زمانہ دیکھا ان کا عرفان ہی اور ہے۔ پھر ہم نے ان بزرگوں کو دیکھا جو شرافت غیرت اور دینداری کا مکمل نمونہ تھے۔ لیکن ہمارے بچے کیا پائیں گے۔ یہ کتابیں ہی ان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں صاحب علم کرے۔ آمین۔

سب سے آخر میں زمرد فاضل رمضان صاحبہ و رشیدہ ظفر صاحبہ صدر و سیکرٹری کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے ہر کام میں پورا پورا تعاون کیا۔

والسلام۔ آپ کی مخلص بہن خورشید راجہ

شکریہ احباب } میرزا غلام احمد صاحب از سیالکوٹ ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ان کے پوتے کو حادثہ پیش آنے پر اس کی صحت یابی کے لئے خلوص دل سے دعائیں فرمائیں یا بذریعہ خطوط مرزا صاحب سے اظہار ہمدردی کیا۔ برخوردار احباب کی دُعاؤں سے اب خدا کے فضل و کرم سے بکلی بصحت ہے۔

چونکہ تمام احباب کی خدمت میں ان کے لئے فرداً فرداً اظہار تشکر ممکن نہیں لہذا وہ ان سطور کے ذریعہ تمام احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان تمام احباب اور ان کی اولادوں کو تمام آفات سے محفوظ رکھے اور انہیں کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

—— جماعت سیالکوٹ کے ایک مخلص ممبر مستری غلام احمد صاحب کے پوتے کو فالج اطفال کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ وہ بچے کی صحت یابی کے لئے احباب سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔

مقام او مبیں از راہِ تحقیر + بدورانش رسولاں ناز کردند

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد

روئے زمین پر دائمی روحانی زندگی کس نبی کیلئے بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہے؟

نقل | کے کامل ماموروں کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ کہ ان سے آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ہم اسجگہ ہزار ہزار شکر کے ساتھ لکھتے ہیں کہ وہ تمام علامتیں اس بندۂ حضرت احدیت میں پوری ہوئیں۔ اس زمانہ میں پادریوں کا متعصب فرقہ جو سراسر حق پوشی کی راہ سے کہا کرتا تھا کہ گویا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ انکو خدا تعالیٰ نے سخت شرمندہ کرنے والا جواب دیا اور کھلے کھلے نشان اس اپنے بندہ کی تائید میں ظاہر فرمائے۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ انہیں کے واعظ بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں نہایت دریدہ دہانی سے اور سراسر افتراء سے ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء اور افضل الرسل والاصفیاء اور سید المعصومین والاتقیاء۔ حضرت محبوب جناب احدیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ قابل شرم جھوٹ بولا کرتے تھے کہ گویا آنجناب سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علاوہ ان ہزارہا معجزات کے جو ہمارے سرور و مولیٰ و شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف اور احادیث میں اس کثرت سے مذکور ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تواتر پر ہیں۔ تازہ بتازہ صدہا نشان ایسے ظاہر فرمائے ہیں کہ کسی مخالف اور منکر کو انکے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ ہم نہایت نرمی اور انکسار سے ہر ایک عیسائی صاحب اور دوسرے مخالفوں کو کہتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ بات سچ ہے کہ ہر ایک مذہب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو کر اپنی سچائی پر قائم ہوتا ہے اس کیلئے ضرور ہے کہ ہمیں ایسے انسان پیدا ہوتے رہیں کہ جو اپنے پیشوا اور ہادی اور رسول کے نائب ہو کر یہ ثابت کریں کہ وہ نبی اپنی روحانی برکات کے لحاظ سے زندہ ہے فوت نہیں ہوا کیونکہ ضرور ہے کہ وہ نبی جس کی پیروی کی جائے جس کو شفیع اور منجی سمجھا جائے۔ اور وہ اپنے روحانی برکات کے لحاظ سے ہمیشہ زندہ اور عزت اور رفعت اور جلال کے آسمان پر اپنے چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ایسا ہی طور پر مقیم ہو۔ اور خدائے ازلی و ابدی حی و قیوم ذوالاقتدار کے داہنی طرف بیٹھا اسکا ایسے پُر زور الٰہی نوروں سے ثابت ہو کہ اس سے کامل محبت رکھنا اور اسکی کامل پیروی کرنا لازمی طور پر اس نتیجہ کو پیدا کرتا ہو۔ کہ پیروی کرنیوالا روح القدس اور آسمانی برکات انعام پائے اور اپنے پیارے نبی کے نوروں سے نور حاصل کرے اپنے زمانہ [illegible] کو دُور کرے۔ اور مستعد لوگوں کو خدا کی ہستی پر پختہ اور کامل اور درخشاں اور تاباں یقین بخشے جس سے گناہ کی تمام خواہشیں اور سفلی زندگی کے تمام جذبات جل جاتے ہیں۔ یہی ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ نبی زندہ اور آسمان پر ہے۔ سو ہم اپنے خدائے پاک ذوالجلال کا کیا شکر کریں کہ اس نے اپنے پیارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی کی توفیق دے کر اور پھر اس محبت اور پیروی کے روحانی فیضوں سے جو سچے تقویٰ اور سچے آسمانی نشان ہیں کامل حصہ عطا فرما کر ہم پر ثابت کر دیا کہ وہ ہمارا پیارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہوا بلکہ وہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیک مقتدر کے داہنی طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے۔ اللھم صل علیہ وبارک وسلم۔ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

اب ہمیں کوئی جواب دے کہ روئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لئے بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہے۔ (تریاق القلوب)

اے امیرو اور بادشاہو! اور دولت مندو!

آپ لوگوں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو خدا تعالےٰ سے ڈرتے اور اس کی تمام راہوں میں راستباز ہیں اکثر ایسے ہیں کہ دُنیا کے ملک اور دنیا کے املاک سے دل لگاتے ہیں اور پھر اسی میں عمر بسر کر لیتے ہیں اور موت کو یاد نہیں رکھتے۔۔۔۔۔۔ اے **عقلمندو** یہ دُنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں۔ تم سنبھل جاؤ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔ **پرہیزگار انسان بن جاؤ** تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بے خلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے حد سے زیادہ خدا یا اس کے بندوں کی ہمدردی سے لاپرواہ ہونا لعنتی زندگی ہے۔ ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسانوں کے حقوق ایسا ہی پوچھا جائے گا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اس سے زیادہ پس کیا بد قسمت وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کر کے بکلّی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے اور خُدا کے حرام کو ایسی بے باکی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ غصّہ کی حالت میں دیوانوں کی طرح کسی کو گالی کسی کو زخمی اور کسی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ سو وہ سچی خوشحالی کو ہرگز نہیں پائے گا۔ یہاں تک کہ مرے گا۔

اے عزیزو ! تم تھوڑے دنوں کے لئے دنیا میں آئے ہو اور وہ بھی بہت کچھ گذر چکی سو **اپنے مولیٰ کو ناراض مت کرو**۔ ایک انسانی گورنمنٹ جو تم سے زبردست ہو، اگر تم سے ناراض ہو تو وہ تمہیں تباہ کر سکتی ہے بس تم سوچ لو کہ خُدا تعالےٰ کی ناراضگی سے کیونکہ تم بچ سکتے ہو۔ اگر تم خُدا کی آنکھوں کے آگے متقی ٹھہر جاؤ تو تمہیں کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا اور وہ خود تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور دشمن جو تمہاری جان کے درپے ہے تم پر قابو نہیں پائے گا **ورنہ** تمہاری جان کا کوئی حافظ نہیں اور تم دشمنوں سے ڈر کر یا اور آفات میں مبتلا ہو کر بیقراری سے زندگی بسر کرو گے اور تمہاری عُمر کے آخری دن بڑے غم اور غصّہ کے ساتھ گذریں گے خدا ان لوگوں کی پناہ ہو جاتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ سُو خدا کی طرف آ جاؤ اور ہر ایک مخالفت اس کی چھوڑ دو اور اس کے فرائض میں سستی نہ کرو اور اس کے بندوں پر زبان سے یا ہاتھ سے ظلم مت کرو۔ اور آسمانی قہر اور غضب سے ڈرتے رہو ۔۔۔ نجات کی ۔۔۔ (کشتی نوح $\frac{65}{66}$)

سرِ من در رہِ یارے نثارے

(مسیح موعودؑ)

سخن نزدم مگو از شہر یارے + کہ ہستم بر درے اُمیدوارے

میرے سامنے کسی بادشاہ کا ذکر نہ کر کیونکہ میں تو ایک دروازہ پر اُمیدوار پڑا ہوں۔

خداوندیکہ جان بخش جہان است + بدیع و خالق و پروردگارے

وہ خدا جو دنیا کو زندگی بخشنے والا ہے اور بدیع اور خالق اور پروردگار ہے۔

کریم و قادر و مُشکل کشائے + رحیم و محسن و حاجت برارے

کریم ہے اور قادر ہے اور مُشکل کشا ہے رحیم ہے اور محسن ہے اور حاجت برار ہے۔

فتادم بر درش زیرآنکہ گویند + برآید در جہاں کارے زکارے

مَیں اسکے دروازہ پر پڑا ہوں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دنیا میں ایک کام میں سے دوسرا کام نکل آتا ہے۔

چُوں آں یارِ وفادار آیدم یاد + فراموشم شود ہر خویش و یارے

جب وہ یارِ وفادار مجھے یاد آتا ہے تو ہر رشتہ دار اور دوست مجھے بھول جاتا ہے۔

بغیر او چساں بندم دلِ خویش + کہ بے رویش نمے آید قرارے

میں اسے چھوڑ کر کسی اور سے کس طرح دل لگاؤں کہ بغیر اس کے مجھے چین نہیں آتا۔

دِلم در سینۂ ریشم مجوئید + کہ بستیمش بدامانِ نگارے

میرے دل کو میرے زخمی سینہ میں نہ ڈھونڈو کہ ہم نے اسے ایک معشوق کے دامن سے باندھ دیا ہے۔

دلِ من دلبرے را تخت گاہے + سرِ من در رہِ یارے نثارے

میرا دل دلبر کا تخت ہے اور میرا سَر یار کی راہ میں قُربان ہے۔

چہ گویم فضلِ او بر من چگون است + کہ فضل اوست ناپیدا کنارے

مَیں کیا بتاؤں کہ مجھے اس کا فضل کس طرح کا ہے کیونکہ اس کا فضل تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

عنایتہائے او را چوں شمارم + کہ لطفِ اوست بیروں از شمارے

مَیں اس کی مہربانیوں کو کیونکہ گِنوں کہ اُس کی مہربانیاں تو حدِ شُمار سے زیادہ ہیں۔

مرا کاریست با آں دِلستانے + ندارد کس خبر زاں کاروبارے

مجھے اس دلبر سے ایسا تعلق ہے کہ کسی کو بھی اُس معاملہ کی خبر نہیں۔

بنالم بر درش زاں ساں کہ نالد + بوقتِ وضع حملے باردارے

میں اسکے دروازے پر اس طرح روتا ہوں جس طرح بچہ پیدا ہوتے وقت حاملہ عورت رویا کرتی ہے۔

مرا با عشقِ او وقتے است معمور + چہ خوش وقتے چہ خرّم روزگارے

میرا وقت اسی کے عشق سے بھرپور ہے واہ کیا اچھا وقت ہے اور کیا عمدہ زمانہ ہے۔

ثنا ہا گویمت اے گلشنِ یارا + کہ فارغ کردی از باغ و بہارے

اے یار کے گلزار تیرے کیا کہنے تُو نے تو مجھے دنیا کے باغ و بہار سے بے پرواہ کر دیا۔

(حجۃ اللہ)

محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور ۔۔۔ سالم احمد پرنٹر ۔۔۔ اور محمد لودھا دوست محمد مقبا پبلشر ۔۔۔ پیغام صلح ۔۔۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ ۔۔۔ ڈاکٹر اللہ ۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان
سہ روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان
فون نمبر ۵۲۷۳۷
میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب
مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن
سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :۔ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے :۔ ایک پونڈ
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ
"تبلیغ" لاہور

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۸ جون ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۳

مَلفُوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا ـــــ مگر صالح بندوں کی۔

آپس میں اخوت اور محبت کو پیدا کرو۔ اور درندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ۔ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیوے اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو۔ اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں ساعی ہو جاؤ گے۔ تو خدا تمام رکاوٹوں کو دُور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا۔ اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے۔ مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لاویں۔ اور گلنے اور خشک ہونے لگ جاویں ان کی مالک پرواہ نہیں کرتا۔ کہ کوئی مویشی آکر ان کو کھا جاوے۔ یا کوئی لکڑ ہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دیوے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو اگر تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں۔ ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر ان پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اور اگر ایک آدمی مارا جاوے تو اتنی باز پرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بے کار اور لاپروا بناؤ گے۔ تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ۔ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان میں سے اٹھا دو۔ کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۷۸)

صدق اور یقین کے ساتھ اُٹھائے ہوئے ہاتھ خالی واپس نہیں ہوتے

اسی طرح پر جب کوئی شخص سلسلہ میں شامل ہوتا ہے مگر پھر اس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے احکام کے خلاف کرتا ہے۔ تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوتا ہے کیونکہ ایسی حرکات سے وہ نہ صرف اپنے آپ کو ہی ہلاکت میں ڈالتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک بُرا نمونہ بن کر ان کو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے۔ اس لئے جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت میں ہے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمت سے اپنی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرو جس جگہ عاجز آ جاؤ وہاں صدق اور یقین کے ساتھ ہاتھ اٹھاؤ۔ کیونکہ خضوع اور عاجزی سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھائے جائیں۔ خالی واپس نہیں ہوتے۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۶)

مکرم شیخ نثار احمد صاحب۔ سیالکوٹ چھاؤنی

"پیغام صلح کے خصوصی "مسیح موعود نمبر" کی نسبت سے"

دعویٰ مسیح موعود و مہدی } یہاں کے ایک معزز ریٹائرڈ میجر صاحب نے تبادلہ خیالات کے دوران اظہار کیا کہ مرزا صاحب نے جو مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعوے کر دیا وہ بڑی رکاوٹ ہے۔ ان کی قبولیت میں۔ ورنہ اس میں کلام نہیں کہ ان کے دعوے سے پہلے سارے سابقہ ہندوستان میں آپ کی علمیت کا چرچا تھا اور اس زمانہ میں آپ کے پائے کا کوئی عالم نہیں ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ اتنے بڑے صاحب علم و عرفان کے دعاوی کو تعصب سے الگ ہو کر پرکھنا چاہیئے۔ طے ہوا کہ ہم ان مسائل پر گفتگو کریں گے اور الحمدللہ کہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

میں نے ان کو چھوٹے چھوٹے پمفلٹس کے ساتھ دو اہم کتابیں بھی دیں کسر صلیب از جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی جو کہ ایک گرانقدر کام ہے اور احمدیہ موومنٹ بانی مولانا محمد علی صاحب (ترجمہ انگریزی شیخ محمد طفیل صاحب) ان کتابوں کے مطالعہ سے نہایت وزنی دلائل سے روشنی حاصل ہوتی ہے تحریک احمدیت کی حقانیت پر اور ان دعاوی کی صداقت پر۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دعاوی کو سمجھنے کے لئے مرکزی نکتہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر کچھ مشکل نہیں رہتی۔ احادیث میں جو مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی ہے وہ کسی اور شخص میں پوری ہوتی ہے۔ اور عیسےٰ علیہ السلام کی وفات اب ایک طے شدہ حقیقت ہے جسے بہت سے دانشور غیر احمدیوں نے بھی تسلیم کیا ہے اور اس پر قرآن کی سند ہے جو سب پر فائق ہے۔ جہاں حضرت عیسےٰ کی گواہی کا ذکر ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے اپنے پیروؤں کو توحید کی تعلیم دیتے رہے اور الفاظ فلما توفیتنی جو آپ نے استعمال کئے وہی حضرت نبی کریم صلعم نے فرمائے جب آپ کو ان کی اُمت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو جہنم میں دھکیلے جا رہے تھے۔ تو دونوں جگہ فلما توفیتنی کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم اور معنے بھی ایک ہی ہوں گے۔

بات بالکل صاف ہے۔ ہٹ دھرمی سے کوئی نہ مانے تو اس کا کیا علاج۔ اور آج حیات و وفات مسیح پر کوئی بحثیں نہیں ہوتیں اور مزید اس ضمن میں اٹلی کے مشہور اخبار گوریڈ للیرا کی یہ شائع شدہ خبر بھی پڑھ لیں کہ

"۱۳ر جولائی ۱۸۷۹ء کو یروشلم کے ایک بڈھے راہب کو جو ولی مشہور تھا کے انتقال پر ایک غار سے جس میں وہ رہتا تھا اس کی جائیداد گورنر کے ذریعہ تلاش ہوئی اور اس کے رشتہ داروں کے حوالہ ہوئی اور وہ ایک انیس ہزار روپیہ کے مختلف مُلکوں کے سکے تھے اور کچھ کاغذات بھی ملے جن کو وہ پڑھ نہ سکتے تھے۔ عبرانی زبان کے فاضلوں نے وہ کاغذات دیکھے اور پڑھے وہ عبارت اس طرح تھی:۔

"پطرس ماہی گیر یسوع مریم کے بیٹے کا خادم اس طرح پر لوگوں کو خدا تعالےٰ کے نام پر اور اس کی مرضی کے مطابق خطاب کرتا ہے۔

اور وہ خط اس طرح ختم ہوا:۔

"میں پطرس ماہی گیر نے یسوع کے نام میں اور اپنی عمر کے نوّے سال میں یہ محبت کے الفاظ اپنے آقا اور مولیٰ یسوع مسیح مریم کے بیٹے کی موت کے تین عید مسیح بعد (یعنی تین سال بعد) خدا وند کے مقدس گھر کے نزدیک بوگیر کے مکان میں لکھنے کا فیصلہ کیا"

ان فاضلوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نسخہ پطرس کے وقت سے چلا آتا ہے اور لندن بائبل کی بھی یہی رائے ہے۔ اور ان کاغذات کا اچھی طرح امتحان کرانے کے بعد دو لاکھ روپیہ سینٹس مالکوں کو دے کر یہ کاغذات خریدنا چاہتی ہے۔

ان واقعات نے خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسےٰ علیہ السلام کی وفات پر مُہر ثبت کر دی ہے۔ اور مسیح موعود یا مہدی یہ کوئی الگ دعوے نہیں صرف نام مختلف ہیں اور ایک ہی شخص کے متعلق ہیں۔ لا مهدی الا عیسےٰ بھی آتا ہے۔ تو پھر دو نام کیوں دیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اسلام کو عیسائیت جیسی بڑی طاقت سے واسطہ پڑنا تھا اور دنیا کے اتنے بڑے گمراہ حصے کو روشنی پہنچانے کے لئے مسیح کی ضرورت تھی اور حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے:۔

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

چونکہ میں مسیحیوں کے لئے روشنی لایا ہوں۔ اس لئے مصلحت کے طور پر میرا نام ابنِ مریم رکھا گیا۔

مصلحت کے طور پر یہ تو آپ کا کام تھا مسیحیوں کی راہنمائی کے لئے دوسری طرف اس عظیم مقابلہ کیلئے مسلمانوں کی صفوں کو مضبوط کرنا۔ ان کی اخلاقی حالت کو درست کرنا اور ان کی تکفیر کی مرض کو دُور کرنا تھا اس لئے آپ کا نام مہدی ہوا۔ یعنی ہدایت یافتہ اور اس سے متصف ہی دوسروں کو ہدایت دے سکتا ہے۔ اس صدی کا مجدد چودھویں کے چاند کی طرح ہے جس نے دنیا کو منور کرنا تھا۔ مسیحیوں میں روشنی پھیلانے کی وجہ سے وہ مسیح موعود کہلایا اور مسلمانوں کے دلوں میں شمع ہدایت کرنے کی وجہ سے مہدی کہلایا۔

حضور صلعم نے فرمایا وہ میرے نام پر آئے گا اور میرے ہی کام کی تجدید کرے گا۔ مسیح موعود کی حیثیت سے عیسٰے کی سچائی کو ظاہر کرے گا اور مسیحیوں میں مسیحائی کرے گا اور مہدی کی حیثیت سے محمدؐ کی سچائی کا مظہر ہوگا۔ اور مہدی کی ایک نشانی یہ لکھی ہوئی ہے یخرج المهدی من قریته یقال له کدعه۔ یعنی مہدی ایک قصبہ سے ظاہر ہوگا جس کا نام کدعہ ہوگا۔ جب حضرت مرزا صاحب کے آباؤ اجداد سمرقند سے ہجرت کر کے آئے تو موجودہ قادیان جہاں سے انہوں نے جنگل میں ڈیرہ ڈالا اور اسکا نام اسلام پور رکھا۔ پھر وہ قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ صرف قاضی رہ گیا اور آخر قادی بنا اور حدیث میں لفظ کدعا اس سے ملتا جلتا ہے۔ اور پھر قادیان بن گیا۔

یہ جو دعوے اس شخصیت کے ساتھ منسوب تھے ان کی وجہ تسمیہ اور اظہار کی ضرورت زمانہ پکار پکار کر بیان کر رہا تھا۔ تذکرہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی اس تحریر پر غور فرمادیں:۔

"غربت کا دَور کب کا شروع ہو چکا اور وہ سب کچھ پڑھ چکے جس کا حال اس حدیث کی شرح میں ہے۔ اب انتظار کرنے والوں کے لئے بجز انتظار غفلت' اور کچھ باقی نہیں رہا یہودیوں کی مغضوبیت۔ نصاریٰ کی ضلالت۔ مشرکین کی بُت پرستی آئمہ مضلّین کی کثرت۔ بدعت کا احاطہ۔ اقتداء بغیر سنت فتنہ شبہات یونان۔ فتنہ شہوات عجم۔ ان میں سے کوئی نحوست اور (ہلاکی) نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو اور کوئی گمراہی نہیں جو کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس اُمت میں نہ پھیل چکی ہو اور اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اُٹھائے تھے گن گن کر مسلمانوں نے وہ سب اُٹھائے۔ ہماری

(باقی بر صفحہ کالم ...)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۸ رجون ۱۹۷۷ء

اپنے نوجوانوں سے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم و مسیح موعودؑ کی تصنیف "آئینہ کمالات اسلام" کے سرورق کا یہ شعر آج ہمارے سامنے ہے:

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

اس شعر میں حضرت صاحب اپنی ملتِ اسلامیہ کے سارے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میری قوم کے نوجوانو! اُٹھو اور اس کوشش پر کمربستہ ہو جاؤ کہ دین کا ضعف قوت میں بدل جائے اور ملتِ اسلامیہ کے خزاں دیدہ چمن میں روٹھی ہوئی بہاریں اور رونقیں پھر سے واپس لوٹ آئیں۔

یہ شعر پڑھ کر ہمارا دل بھر آیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں کیونکہ ہم جوانی کی منزل سے بہت آگے نکل آئے ہیں اور جب پیچھے مڑکر دیکھتے ہیں تو اس حسرت کے سوا اپنے دامن میں کچھ نہیں پاتے کہ ہم اپنے امامِ وقت کی اس آرزو پر پورے نہ اُتر سکے اور آج جب ساری قوتیں ایک ایک کرکے جواب دے رہی ہیں تو مؤمن خاں مومن کے اس شعر کے مصداق ہیں:

عمر ساری تو کٹی عشقِ بُتاں میں مؤمن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یہی وجہ ہے کہ آج ہم ناصح بن کر نہیں بلکہ اسی شدید احساس محرومی کے تحت اپنے نوجوانوں سے مخاطب ہیں تاکہ وہ ہمارے ان تلخ تجربات اور ناکامیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب کی اس دلی تڑپ اور قلبی اضطراب کا جو آپ کے دل میں دینِ اسلام کو غالب کرنے کے لئے موجزن تھا صحیح اندازہ کرسکیں اور آپ کے اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنی راہیں ہموار اور استوار کر سکیں۔

حضرت مرزا صاحب اقوام عالم کی مذہبی اور سیاسی تاریخ کے اُتار چڑھاؤ کے اس راز سے بخوبی آشنا تھے کہ کسی قوم کی تقدیر پلٹنے اور اسے صحیح راہ پر گامزن کرنے میں ہمیشہ مؤثر کردار نوجوانوں کی اکثریت نے ہی ادا کیا ہے۔ کیونکہ ان کے بازوؤں میں قوت۔ دل میں ولولہ اور جوش۔ سوچ و فکر میں جدت اور اپنے باصلاحیت راہنماؤں کی قیادت میں بُری اور اچھی روایات میں تمیز کرنے اور جھوٹ کے مقابلے میں حق وصداقت کا ساتھ دینے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ خیر و شر اور **حق و باطل کے معرکہ میں وہ مصلحتوں کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے**۔ حق کے غلبہ کے لئے سینہ سپر اور ہر نتیجہ سے بے نیاز ہوکر ایثار کا پیکر بن جاتے ہیں مقصد کی لگن میں اپنے ارادوں کے اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ مصائب اور ابتلاؤں کی طوفانی لہریں ان چٹانوں سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑتی ہوئی واپس ہو جاتی ہیں۔ کوئی لالچ یا کشش ان کے عزم وہمت اور پائے استقلال میں تزلزل بپا نہیں کر سکتی۔ ایسا انقلاب برپا کرنے والے نوجوان کیسے ہوتے ہیں آپ یہ بھی بخوبی جانتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشائند راہے را
مصفا قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا

عزیزو! جب تک دل صدق و خلوص سے پُر نہ ہو ترقی کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں۔ ایک مصفا قطرہ بن جاؤ کہ تا تم گوہر بننے کے قابل ہو جاؤ۔ اگر پانی کے قطرے میں کثافتیں ہوں تو وہ اس موتی میں تبدیل نہیں ہو سکتا جو شاہوں کے تاج کی زینت ہوتا ہے۔ آپ نے بڑی خوبصورتی سے نوجوانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ دین کو غلبہ عطا کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اپنے نفس کو تمام کثافتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف کرکے اس پر غلبہ حاصل کریں کیونکہ یہ طرح طرح کی ترغیبات سے انسانوں کو اپنے مقصدِ زندگی سے دُور لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ نوجوانی میں ان ترغیبات کا غلبہ ہوتا ہے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی میں لگ جاتے ہیں نقطۂ عروج ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ شرفِ انسانی کی اعلیٰ و ارفع منزل سے حیوانیت کی پستی میں گر جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ جن کا ہاتھ نفس کی لگام پر مضبوط ہوتا ہے ان کی گردِ راہ کو فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی قوم کی ڈولتی نیا کو بے پتوار بھی تند و تیز لہروں کے تھپیڑوں سے نکال کر ساحلِ مراد سے ہمکنار کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جوانی میں ہی عقل و خرد کے فتووں سے بے پرواہ ہوکر آتشِ نمرود میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ کیا ہوا آپ کی اولاد سے انبیاء و رسل کا سلسلہ چلا جن میں سے بڑے بڑے نامور بادشاہ بھی ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے عین عنفوانِ شباب میں اپنے دامن عصمت کو داغدار کرنے کے بجائے زندان کی صعوبتیں برداشت کرنے کو ترجیح دی اور مصر کے خزانوں کے مالک ہوئے۔ وہیں سے بنی اسرائیل کو مصر میں ٹھکانا میسّر آیا حضرت اسمٰعیلؑ تو ابھی جوان بھی نہ ہوئے تھے کہ اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی۔ حضرت عیسٰیؑ کو جوانی میں ہی صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں صرف تجھے اس مصیبت سے نجات دوں گا۔ بلکہ تیرے ماننے والوں کو قیامت تک ان کے مخالفوں پر فائق اور غالب رکھوں گا۔ آپ ہی کی جماعت کے چند نوجوانوں نے ایک ظالم حکومت کے ہاتھوں ظلم و ستم سے جان بچانے کے لئے کئی سال تک ایک غار میں پناہ لئے رکھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجر دیا کہ بڑے بڑے بادشاہ حلقہ بگوش عیسائیت ہو گئے اور حضرت عیسٰیؑ کی تعلیم بڑی سرعت سے دنیا کے کونے کونے تک پہنچنے لگی۔ ہمارے اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن اور جوانی محنت و مشقت اور غارِ حرا کی تاریکیوں میں اللہ کی جستجو میں سربسجود گذری۔ اس معاشرہ کی اخلاقی پستی کو سامنے رکھ کر آنحضرت صلعم کی مطہر زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ تو آپ کی عظمتوں۔ رفعتوں اور بلندیوں کا اک ذرا سا اندازہ ہوتا ہے۔ اغیار بھی آپ کو خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ مغربی مستشرقین اپنے تمام تر تعصب کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمد صلعم تاریخ کی ایک بلند پایہ اور نمایاں شخصیت ہیں۔ سوائے چند ایک کے آپ کے ساتھیوں میں بھی اکثریت نوجوانوں کی تھی جنہوں نے عسر و یسر اور بڑے نامساعد اور ناموافق حالات میں بھی آپ کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور کسی فائدہ اور نقصان کی پرواہ نہ کی۔

میری قوم کے نوجوانو! آپ نے اگر پڑھا نہیں تو سُنا ضرور ہوگا کہ یہ بزرگ ہستیاں دنیا میں کیسے کیسے انقلاب لائیں اور اپنی جرأتوں اور بے مثال قربانیوں کی لازوال داستانیں لوحِ زمانہ پر رقم کر گئیں۔

جن مسیح وقت کی جماعت میں شامل ہونے کی عزت آپ کو حاصل ہوئی ہے انہوں نے بھی پچیس چھبیس سال کی عمر میں ہی اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور تقریباً نصف صدی تک تن من دھن سے اسی کام میں مصروف رہے۔ آپ کی آواز پر لبیک کہنے والے بھی اکثر نوجوان ہی تھے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھنے والے چند حق پرست نوجوان ہی تھے۔ "ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو اللہ سے عہد کیا تھا۔ سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور اپنی

بات نہیں بدلی" یہی جو باقی ہیں آج آپ کو بزرگوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں ۔ زندگی کے دشوار گزار سفر کی لکیریں آپ ان کے عمر رسیدہ چہروں پر پڑھ سکتے ہیں۔ ان کے بالوں کی سفیدی میں مسیح موعودؑ سے وابستگی کی چمک آپ دیکھ سکتے ہیں ۔ وہ کتنی گھاٹیوں سے گذرے ۔ کتنی منزلیں انہوں نے طے کیں اور کن کن کرتوڑ مشکلات کا انہیں سامنا ہوا ۔ آپ کے لئے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ وہ آخری سانس تک یہ بار امانت اُٹھائے رکھیں گے چاہے ان کے کندھے جواب ہی دے جائیں ۔ کیونکہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عقد اخوت کو نبھانے کا وعدہ کیا تھا ۔ لیکن آخر کار یہ بار امانت کسی کے حوالے کرنا ہی ہوگا ۔ اپنے نوجوانوں سے بڑھ کر اس کا متحمل اور کون ہو سکتا ہے آپ ہی ان کی امیدوں کا مرکز اور بڑھاپے کا سہارا ہیں ۔ اسی لئے ان کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اُٹھتی ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس بوجھ سے سبک دوش ہو کر اچانک آپ سے رخصت ہو جائیں اور یہ آپ سے اُٹھائے نہ اُٹھ سکے ۔ اب وقت ہے کہ اپنی قوتِ بازو کا امتحان کریں ۔ دلوں کو ٹٹولیں اور اپنی ہمتوں کا جائزہ لیں اور حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کے بزرگوں کے ذریعے آپ سے جو توقعات وابستہ کی ہیں ان پر پورا اترنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں ۔ بیٹے اپنے ماں باپ کے ترکہ کی حفاظت کے لئے اپنا سر کٹا دیتے ہیں ۔ یہ تو بہت ہی قیمتی ورثہ ہے ۔ ایسا ورثہ جس کا اجر لازوال ہے ۔ کیا آپ اسے اپنے ہاتھوں ضائع اور برباد ہونے دیں گے ؟

نوجوان ہی کسی قوم کے مستقبل کی امید ہوتے ہیں ۔ یہی اُمید اس کے دل میں روشنی کے چراغ جلاتی ہے ۔ قوم کا بھی فرض ہوتا ہے کہ یہ چراغ جلائے رکھنے کے لئے تیل بتی کا اہتمام کرے ۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں ہی بجھ جائیں اور اندھیروں میں ٹھوکریں کھانا پڑیں ۔ جن قوموں میں زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے وہ اپنی غلطیوں اور تلخ تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نوجوانوں کو مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے اور ان سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار کرتی ہیں ۔ یوں نسلاً بعد نسل ایک تسلسل برقرار رہتا ہے ۔ جانے والے سکون سے جاتے اور آنے والے تیار ہو کر آتے ہیں ۔ جس مقام پر بھی اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو جائے تو پھر بھی کسی حد تک تلافی کا امکان باقی رہتا ہے ۔ لیکن اگر یہ احساس ہی مٹ جائے تو پھر قوم کے لئے ایک موت ہے ۔ ہم اپنے نوجوانوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ میں اس احساس کی کوئی چنگاری باقی ہے ؟ ۔ اگر ہے تو روضۂ ملت میں روشن پھول بکھیرتے اور فضاء کائنات کو اسلام کی خوشبو سے مہکانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں ۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ ایک مالی اپنے باغ کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے اپنے پودوں کو پانی دیتا ۔ کیڑے مکوڑوں سے اس کی حفاظت کرتا ۔ کھاد ڈالتا ۔ شاخ تراشی کرتا

اور خود رَو جڑی بوٹیوں کو جو اس کے پودوں کی نشو و نما کے لئے مضر ہوتی ہیں نکال کر باہر پھینک

دیتا ہے ۔ ہر پتے پر اس کی نظر اور ہر پھول پر اس کی نگاہ ہوتی ہے ۔ اتنی محنت اور مشقت کے بعد اس کا باغ کہیں جا کر پھلتا پھولتا ہے اور دنیا اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے ۔ انسانوں کے دلوں میں تبدیلی پیدا کرنا اس سے بھی کٹھن کام ہے ۔ دوسروں کو اپنے نظریات کا قائل کرنے کے لئے پہلے خود ان کا قائل ہونا اور ان کے ہر پہلو سے واقف ہونا لازمی ہے ۔ علم کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی تائید نہ ہو تو یہ بھی غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا ہے ۔ علم کی نسبت عملی پہلو کا مضبوط ہونا زیادہ ضروری ہے ۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارے نوجوان جس شعبۂ زندگی میں بھی ہوں ۴۵

۴۵ اپنے کردار گفتار اور چال ڈھال میں دوسرے لوگوں سے بالکل جُدا اور منفرد دکھائی دیں اور ان کی کسی کمزوری پر مخالفین کو اُنگلی اُٹھانے کا موقع نہ مل سکے ۔

ہماری دعا ہے کہ حضرت صاحب کے اس شعر کے مطابق کہ :۔

وہ لگا دے آگ میرے دل میں اُمت کے لئے
شعلے پہنچیں جس کے ہر دم آسماں تک بے شمار

ان کے دامن میں بھی اسلام اور احمدیت کے لئے ایسی آگ لگ جائے جو انہیں مضطرب و بے قرار لئے پھرے اور وہ افق اسلام پر روشن ستارے بن کر چمکیں ۔ کیا ہوا اگر ہمیں غیر مسلم کہہ دیا گیا ہے ۔ مزا تو جب ہے کہ ہم "غیر مسلم" نام نہاد مسلمانوں کے مقابلے بڑھ کر اسلام کی خدمت کریں اس اسلام کی جس کی صحیح اور اصلی تصویر مسیحِ زمانؑ نے ہمارے سامنے رکھی ہے ۔

از سید ناصر احمد صاحب ۔ مانچسٹر

مانچسٹر میں حافظ شیر محمد صاحب کی آمد

مدت سے مانچسٹر کے احباب کو شکوہ تھا کہ ہمارے مبلغین اور دیگر جماعتوں سے معزز مہمان لندن سے ہو کر واپس چلے جاتے ہیں اور مانچسٹر نہیں آتے اور اس طرح وہ ان کی ملاقات ، خیالات اور خدمت سے محروم رہتے ہیں ۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ شیر محمد صاحب انگلستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں نے انہیں پاکستان میں ہی خط لکھ دیا کہ آپ جب انگلستان آئیں تو مانچسٹر ضرور تشریف لائیں ۔ چنانچہ انہوں نے ووکنگ پہنچ کر مجھے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ وہ دو ہفتے انگلستان میں قیام کریں گے ۔ اس دوران لندن میں فجی کے مختلف گھرانوں میں درس قرآن کی محفلیں ہوتی رہیں اور مولانا صاحب اس میں مصروف رہے ۔

انگلستان آنے سے پیشتر حافظ صاحب نے محترم الحاج عبدالرحیم جگو صاحب کے ساتھ ہالینڈ کا تفصیلی دورہ کیا ۔ ۴ر مئی ۱۹۷۷ء کو حافظ مولانا شیر محمد صاحب ۔ محترم شیخ محمد طفیل صاحب امام ، لاہور احمدیہ مشن ، لندن کے ساتھ بذریعہ ٹرین مانچسٹر پہنچے ۔ جناب سعید عزیز صاحب نے مہمانوں کا اسٹیشن پر استقبال کیا اور اپنی کار میں اقبال احمد صاحب کے گھر پر چھوڑ گئے ۔ حافظ شیر محمد صاحب نے اقبال احمد صاحب کی عیادت کی اور اپنی تازہ تصنیف کردہ کتاب پر جو احمدیت کے بارہ میں ہے تفصیلی گفتگو کرتے رہے ۔ اس کا عنقریب انگریزی ترجمہ شروع ہو جائے گا ۔

یہ کتاب جو اڑھائی صد صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے اس میں پاکستان کی قومی اسمبلی کی خاص کمیٹی میں ۱۹۷۴ء میں احمدیت کے بارے میں جو اعتراضات پیش کئے گئے ہیں ان کے مدلل اور تفصیلی جوابات ہیں ۔ ان جوابات کا ا ہمارے روایتی انداز سے بالکل الگ ہے ۔ کتاب اردو میں چند ماہ تک فجی میں شائع ہو جائے گی ۔

شام کو خاص استقبالیہ دعوت ہمارے محترم دوست سعید عزیز صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے کی ۔ وقت کی کمی کے باعث مانچسٹر سے باہر کے احباب اس میں شریک نہ ہو سکے ۔ لیکن کوشش یہی رہی کہ کم از کم مانچسٹر میں موجود اپنے تمام احباب اس میں ضرور شریک ہوں

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

(مکرم راجہ عبدالمجید صاحب پھکی دملتان)

حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ مجدّدیت

(قسط نمبر ۲)

مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے عیسائیوں۔ سکھوں اور ہندوؤں آریوں کے مذہبی عالموں کو اسلام کی تبلیغ اور ان کے مذہب کی کمزوریاں ظاہر فرما کر ان پر اتمام حجت کی۔ جس کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں چند بزرگوں کی آراء۔ یہ بزرگ حضرت مرزا صاحب کے مرید نہیں تھے۔ بلکہ اس وقت کے مسلمانوں کے چوٹی کے لیڈر اور عالمی شہرت رکھتے تھے۔ جو کچھ ان بزرگوں نے لکھا ہے یا جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ کسی معمولی چھوٹے آدمی کے لئے نہیں ہو سکتے ایسے الفاظ تو ولیوں اور مجدّدین کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"مختلف مذاہب کے مقابل اسلام کو نمایاں کرنے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی۔ آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا آدمی پیدا ہو"

(۲) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی:۔

"مؤلف براہین احمدیہ (مرزا صاحب) نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی۔"

(۳) مولوی سراج الدین صاحب اخبار زمیندار مؤرخہ ۸ رجون ۱۹۰۸ء:۔

"جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے .... ہم ان کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں"

(۴) مولوی بشیرالدین صادق الاخبار ریواڑی:۔

"مرزا صاحب نے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا۔"

(۵) شمس العلماء مولانا ممتاز علی تہذیب نسواں:۔

"مرزا صاحب نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی .... وہ ایک متبحر عالم تھے۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے .... اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہدایت اور رہنمائی مردہ دلوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(۶) ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال شاعر مشرق۔ رسالہ انڈین اینٹی کویری ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء:۔

"موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں"

(۷) مرزا حیرت دہلوی اخبار کرزن گزٹ:۔

"کسی بڑے سے بڑے آریہ اور کسی بڑے سے بڑے پادری کی مجال نہ تھی۔ کہ ان کے مقابلہ میں زبان کھول سکے"

(۸) جنرل گوہر آصفی کلکتہ ۲۲ر جنوری ء:۔

"اگر اس جلسہ میں مرزا صاحب کا لیکچر نہ ہوتا۔ تو اسلامیوں پر غیر مذاہب کے روبرو ذلت اور ندامت کا قشقہ لگتا ...... اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین سچے فطری جوش سے کہہ اٹھے۔ کہ یہ مضمون بالا رہا"

(۹) ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ میں ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو۔ تو وہ اس فرقے میں ملے گا۔ جو قادیان میں پیدا ہوا"

یہ جو صفات مرزا صاحب کی مندرجہ بالا آراء میں بیان کی گئی ہیں۔ کیا یہ ثابت نہیں کرتیں کہ مرزا صاحب ہی چودھویں صدی کے مجدّد تھے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی اور شخص کسی بھی مولوی صاحب یا اخبار نویس صاحبان کے علم میں جو ایسی صفات رکھتا ہو جیسی ان آراء میں بیان کی گئی ہیں۔ تو ایک نام ہی بتلائیں۔

مرزا صاحب نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ لکھی تھی۔ جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار ہے۔ آج تک دنیا میں ۸۰ سال گذر چکے ایک آدمی بھی ایسا نہیں نکلا جو اس کتاب میں اسلام کی سچائی میں دیئے گئے دلائل میں سے ایک کا توڑ بتلا کر انعام حاصل کرتا۔ اور یہی وہ کتاب ہے جس میں حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ بھی موجود ہے۔ اب بھی انعامی اشتہار اس کی ہر ایڈیشن کے ساتھ چھپتا ہے۔ اور ساری دنیا میں اس کی اشاعت ہوتی ہے۔ کتاب براہین احمدیہ پر اس وقت کے عالموں کے ریویو پڑھیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ میں ۱۵۴ صفحوں پر ریویو لکھا ہے۔ کہ ۱۳۰۰ سال میں ایسی کتاب کسی نے نہیں لکھی۔ یہ بات کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ حضرت مرزا صاحب پر افتراء ہے۔

ذیل میں حضرت مجدّد الف ثانی مجدّد صدی گیارہویں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّد صدی چودھویں کی تحریرات ملاحظہ ہوں، دونوں تقریباً ایک ہی عقیدہ رکھتے تھے۔

از مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی صاحب سرہندی:۔

(۱) (مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۳۴)

ترجمہ: اے بیٹے یہ ایسا تاریکی کا زمانہ ہے کہ جس میں پہلی امتوں کے پیغمبر اولوالعزم مبعوث ہوتے تھے اور نئی شریعت لے کر آتے تھے اور اس امت میں جو بہترین امت ہے اور اس کا پیغمبر آخری پیغمبر ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لئے علماء کو مرتبہ انبیاء بنی اسرائیل دیا گیا ہے اور وجود علماء نے وجود انبیاء سے مستغنی کر دیا ہے اسی لئے ہر صدی کے آخر پر علماء امت میں سے ایک مجدد مامور کیا جاتا ہے۔ جو شریعت کو زندہ کرتا ہے۔

(۲) مکتوبات جلد دوئم مکتوب ۵۴

ترجمہ: ایک تابعدار اپنے متبوع سے اپنے طور پر مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تابعداری کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع اور متبوع کا فرق بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبوع کے رنگ میں ہو کر جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اصل (خدا تعالےٰ) سے حاصل کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک چشمے

از کتب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی:۔

(۱) حاشیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ ۱۹۰۷ء:۔

آپ کے (آنحضرت صلعم) فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام پر پہنچایا اس لئے میں نبی نہیں کہلا سکتا ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی اور میری نبوت آنحضرت صلعم کی ظل ہے نہ اصلی نبوت)

(۲) حاشیہ چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۴ ۱۹۰۸ء:

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعوےٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے لیکن خدا تعالےٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات متعدیہ کے اظہار اور اثبات کے لئے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ

از مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی صاحب سرہندی۔

سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہیں اور دونوں ایک بستر میں ہیں۔ دونوں آپس میں شیر و شکر ہیں تابع کہاں اور متبوع کون اور تابعداری کس کی۔ اتحاد میں نسبت غیریت گنجائش نہیں رکھتی اور تابعداری اور متبوعیت کا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

(۳) مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۴۸)

ترجمہ: انبیاء کے تابل تابعداران پوری تابعداری اور کثرت محبت کی وجہ سے بلکہ محض .... عنایت اور بخشش سے اپنے نبی متبوع کے جملہ کمالات کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور بالکل ان کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ متبوعان اور متبعین (یعنی نبیوں اور امتیوں) میں کوئی فرق نہیں رہتا مگر صرف اس قدر نبی براہ راست ہوتا ہے اور تابعدار بوجہ متابعت کے یا یہ کہ نبی مقدم ہوتا ہے اور تابعدار مؤخر .... پس اصل اور ظل کے درمیان مساوات تصور نہیں ہو سکتی۔

(۴) مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۴۸۔

ترجمہ: دوسری امتوں میں سے یہی ایک امت ہے۔ جو تابعداری کی وجہ سے اس تجلّی سے مخصوص ہے۔ اور دولت عظیم سے مشرف ہے۔ اسی واسطے بہترین امت ہے۔ اور اس امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے رنگ میں ہیں۔

(۵) مکتوبات جلد ۳ صفحہ 123:۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ روا ہے۔ کہ ایک شخص قرب ولایت کے راستہ سے قرب نبوت حاصل کرے اور دونو پہلو میں شریک ہو۔

از کتب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔

بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طور پر خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا تا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(۳) ایک غلطی کا ازالہ ۱۹۰۱ء۔

"وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں اس طرح پر تو محمدؐ کے نام کی نبوت محمد صلعم تک ہی محدود رہی بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(۴) الجنۃ النور صفحہ ۴ ۱۹۱۰ء:۔

ترجمہ: پس جان لے کہ اولیاء کا کلام انبیاء کے کلام کے لئے سایہ کی مانند ہے مثل عکسی تصویروں کے اور ایک دوسرے کے بالمقابل اور دونوں ایک چشمے سے نکلتے ہیں اور جو چیز کہ اصل کے لئے ثابت ہے وہ سایہ کے لئے بھی ثابت ہے۔ اور تفرقہ جائز نہیں۔

(۵) مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶-۶۷ ۱۹۰۳ء:۔

ترجمہ:۔ اس امت میں خدا کا اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہوتا ہے۔ اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم نے نبیوں کی ضرورت کو پورا کر دیا اور ان کو سوائے فہم قرآن کے کچھ نہیں دیا جاتا۔

(۶) مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۰۹۔ ترجمہ: "چونکہ شریعت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام منسوخی اور تبدیلی سے محفوظ ہے۔ اس لئے اس کی امت کے علماء کو انبیاء کا حکم دے کر شریعت کی تقویت اور مذہب کی تائید کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی صاحب مجدد صدی گیارہویں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صدی چودھویں کی مندرجہ بالا تحریرات ایک ہی مفہوم کی ہیں۔ یعنی ایک کامل امتی فنافی الرسول کے مقام پر پہنچ کہہ سکتا ہے۔ کہ رسول میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ ظلی۔ بروزی نبی بھی کہہ سکتا ہے۔ دونوں کی تحریرات میں ہے کہ اس امت کے علماء کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اس امت کے علماء کو انبیاء کا حکم دے کر شریعت کی تقویت اور مذہب کی تائید کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ دونوں ہی مانتے ہیں کہ نبوت تشریعی آنحضرت صلعم پر ختم ہو چکی ہے اور ظلی نبوت جاری ہے اور سو سال کے بعد جو مجدد آتا ہے۔ اس کو دی جاتی ہے۔ دونوں نے ظلی نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور وقت کے علماء نے دونوں پر کفر کا فتوےٰ لگایا ہے۔ مجدد الف ثانی صاحب بھی اسی فتوےٰ کے تحت گوالیار کے قلعہ میں دو سال تک قید و بند کی تکالیف برداشت کرتے رہے۔ کیونکہ اس وقت کے علماء اس وقت کی حکومت پر اپنا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ مجدد صدی چودھویں بھی کفر کے فتوے میں تمام مجددین کے ساتھ شامل کر دیئے گئے۔ مگر قید و بند کی مصیبت سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ کی حفاظت فرمائی۔ اس وقت کی حکومت اس وقت کے علماء کے زیر اثر نہ تھی ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے والے دو اشخاص میں سے ایک کو مسلم اور ایک کو غیر مسلم قرار دینا بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو مجددین پر کفر کے فتوے ہی مسلمانوں کی حکومتوں کے زوال کا باعث ہو گئے۔ اگر گیارہویں صدی کے مجدد صاحب پر کفر کے فتوے کی تسلّی کرنی ہو تو تذکرہ مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی کو ایک نظر دیکھ لیا جاوے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کو سمجھنے کے لئے خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی کی مندرجہ بالا تحریرات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت مجدد صدی چودھویں کا دعوےٰ ویسا ہی دعوےٰ ہے۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ اس زمانہ میں تبلیغ اسلام اس لٹریچر کی مدد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی جو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے پیدا کیا۔ اور نہ ہی اس نمونہ کے بغیر ہو سکتی ہے۔ جو مرزا صاحب نے اپنے وقت میں شریعت اسلام پر عمل کر کے خود لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کی نشان دہی مشرقی دنیا کے سب سے بڑے مفکر ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال نے ان الفاظ میں کی:

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو۔ تو وہ اس فرقے میں ملے گا۔ جو قادیان میں پیدا ہوا"

علامہ صاحب کے یہ الفاظ یہ بھی ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کو اسلام کا ایک فرقہ سمجھتے تھے۔ اور ان پر کفر کے فتوے میں شامل نہ تھے۔ اسی طرح قائد اعظمؒ بھی حضرت مرزا صاحبؑ کو اور ان کے فرقہ کو مسلمان سمجھتے تھے تبھی تو انہوں نے ایک جلسہ میں جب احمدیوں کے خلاف کسی مولوی صاحب نے ریزولیشن پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کی اجازت نہ دی۔ اور کہا کہ احمدی مسلم لیگ کے ممبر ہیں۔ کیا یہ بے انصافی نہیں کہ جن لوگوں کو پاکستان وجود میں لاتے وقت مسلمان شمار کیا تھا۔ پاکستان بن جانے کے ۲۷ سال بعد غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور جن مسلمانوں نے مسلم لیگ کی مخالفت کی اور پاکستان کے راستہ میں روڑے اٹکائے اور ہندو کانگرس کے حق میں ووٹ دیئے اب تک بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے۔ اُن کو خوش کرنے کی خاطر ایک خالص دینی جماعت کو جو سیاست سے الگ تھلگ رہ کر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام کرتی تھی۔ غیر مسلم قرار دے کر ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ خدا کا تخیل اسلام میں یہ ہے کہ خدا رب العالمین ہے۔ کسی ایک قوم کا رب نہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی قوموں کے لئے خدا کی طرف سے آخری رسول ہیں اور قیامت تک یہی رسالت چلے گی۔ اور ہر قوم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر ان کے بتائے ہوئے طریق پر عبادت کر سکتی ہے

قرآن کریم شریعت اور ہدایت کی آخری کتاب ہے اور تمام جہان کے انسانوں کے لئے ہے۔ کوئی قوم دوسری قوم کو اس کی تلاوت اور اس پر عمل سے روک نہیں سکتی۔ اگر کوئی روکے گا۔ تو اسلام کا خدا زندہ ہے۔ وہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ وہی خدا اس قوم سے مواخذہ کرے گا جیسے اس نے پہلی قوموں سے کیا۔ ہم نے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کو اللہ تعالےٰ کے حکم اور نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا مجدد مانا ہے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت اخوت کی ہے مرزا صاحب نے ہرگز نبوت کا دعوے نہیں کیا اور نہ ہی ہم نے اُن کو [illegible]
کر دیا گیا۔ امام مالک کو پچیس برس تک قید رکھا گیا۔ کوڑے لگائے گئے اور امام حنبل کو قید کیا گیا، اور دُرّے مارے گئے۔ طرح طرح سے ذلیل کیا گیا۔ غرضیکہ سیاسی علماء سے جن کا دخل وقت کی حکومتوں میں تھا کوئی بھی ولی یا مجدد فتوے کفر سے نہیں بچا۔ مرزا صاحب بھی اسی زمرہ کے فرد تھے۔ ان پر اگر کفر کا فتوے لگایا گیا تو کوئی انہونی بات نہیں۔ ہم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ممبر جیسا کہ اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتے ہیں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول کریم صلعم پر ختم ہو گئی اور یہی مذہب اور عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا، جن کو ہم مجدد مانتے ہیں۔ ان عقائد کا اعلان حضرت مرزا صاحب نے مؤرخہ ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ کیا۔ جو ان کی کتاب دین الحق کے صفحہ ۲۷ و ۲۸ پر درج ہے۔

ان عقائد کا اعلان ہماری جماعت اپنی اخباروں میں اور اپنی تصانیف میں کرتی رہتی ہے۔ اور جو ہم پر اور حضرت مرزا صاحب پر زیادتی کی گئی ہے یہ معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے۔ وہی ماضی اور حال [illegible] اور انسانوں کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ اور ہمارے دلوں اور حضرت مرزا صاحب کے دل کا حال بھی وہی مالک حقیقی جانتا ہے کہ ہم سچ کہتے ہیں یا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

پیغام صلح کے خصوصی مسیح موعود نمبر کی نسبت سے

(بسلسلہ صفحہ ۲)

حالتیں اور روحیں اس صادق مصدوق کے قربان واقعی مشرکوں سے سچ مچ ملحق ہو گئے۔ جس لات وعزّٰی کی پوجا سے نجات دلائی گئی تھی اس کی پوجا پھر سے شروع ہو گئی۔ رات کو ایک شخص ایمان لے کر سوتا ہے اور صبح نہیں ہوتی کہ ایمان کو کھو چکا ہوتا ہے۔"

پیشگوئیاں تو سب پوری ہو چکیں۔ ماننا یا نہ ماننا، یہ تو ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے۔ کسی کے انکار سے حقیقتیں تو بدل نہیں جائیں گی۔ کیا اس زمانہ کے امام کو ماننے والوں نے گناہ کیا ہے جو نبی کریمؐ کے فرمان کی تعمیل کی۔ اور کیا آپ کی نصائح قابلِ اعتراض تھیں۔ آپ نے فرمایا:

"ہر ایک شخص کا صدق اس کی خدمت سے پہچانا جاتا ہے۔ عزیزو یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر جو رُوح القدس کی تجلی ہوئی تھی وہ ہر ایک تجلی سے بڑھ کر تھی۔ تم ایسے برگزیدہ نبی کے تابع ہو کر کیوں ہمت ہارتے ہو تم اپنے وہ نمونے دکھلاؤ جو فرشتے بھی آسمان پر ہمارے صدق و صفا سے حیران ہو جائیں۔ ایک طرف سے پختہ طور پر قطع کرو اور ایک طرف سے کامل تعلّق پیدا کرو خُدا تمہاری مدد کرے سچی تقویٰ (آہ بہت ہی کم ہے سچی تقویٰ) خُدا کو راضی کر دیتی ہے اور خدا نہ معمولی طور پر بلکہ نشان کے طور پر کامل متقی کو بلا سے بچاتا ہے۔ سو تم ہوشیار رہو اور خُدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاو۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے ۷۰۰ حکموں میں سے ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے پر بند کرتا ہے۔"

اگر یہ باتیں کسی کو پسند نہیں آتیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیئے۔

"یہ مت خیال کرو

کہ خُدا تمہیں ضائع کر دے گا تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خُدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مُبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔" (الوصیّة صفحہ ۸)

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی

از ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۶ء تا ۴ر اپریل ۱۹۷۷ء

خلاصہ رپورٹ مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مبلغ انجمن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مدت کے دوران سیدنا حضرت نبی کریم صلعم کے لائے ہوئے دین ، دین اسلام کے عالمگیر نظریات کو دور دور تک پہنچانے کے لئے برلین مسلم مشن کے لئے بڑے مواقع پیدا کئے اور ان مواقع سے بفضلہ تعالیٰ پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا گیا۔ الحمدللہ۔ ان تمام امور کا ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔ احباب کرام کے لئے یہ ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا۔

(۱) میلادالنبیؐ میلادؐ کی یہ تقریب سعید ۵ر مارچ بروز ہفتہ مسجد میں منائی گئی۔ سات بجے شام مسلمان بھائی اور عیسائی دوست جمع ہوئے۔ تلاوت قرآن کریم سے تقریب کا آغاز ہُوا۔ سب مسلمان حاضرین نے بعد میں رسول کریمؐ پر عربی میں درود شریف پڑھا۔ پھر راقم الحروف نے حضورؐ کی بعثت مبارکہ پر ایک لکچر دیا۔ جس میں آپ کے متعلق انبیاء کرام کی پیشگوئیوں اور حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کی صداقت کو واضح کیا۔ اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث کو بطور سند پیش کیا۔ آپؐ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے بیان سب حاضرین نے بڑی دلچسپی سے سُنا۔ تقریب کے اختتام پر شیرینی و بانٹنے سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔

(۲) ریڈیو RIAS پر تقریر برلین ریڈیو RIAS پر "حضرت نوحؑ کا ذکر قرآن کریم میں" کے موضوع پر میری ایک تقریر نشر ہوئی۔ میں نے بتایا کہ حضرت نوحؑ کون تھے؟ ان کا پیغام کیا تھا؟ سوسائٹی میں کیا انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے؟ ان کی مخالفت اور ان کی مشکلات۔ بالآخر ان کی دُعا کا سُنا جانا اور ایک نئے صحت مند نظام کی بنیاد کا رکھا جانا۔ ان حقائق کو بیان کرتے ہوئے میں نے کہا کہ حضرت نوحؑ کی اس تاریخ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی گئی تھی کہ آپ کے ذریعہ ایک نیا نظام عالم قائم ہوگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور آپ کی تبلیغی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ عرب کا پُرانا نظام تباہ کرکے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ایک صحت مندانہ نظامِ عالم قائم کر دیا۔ جس کی بنیاد خدا کے ماننے کی وحدانیت اور نسلِ انسانی کے حقوق کی حفاظت کے دو اصولوں پر قائم کی گئی۔ میں نے اس تقریر کو لکھا۔ ٹائپ کر دایا۔ اسے ریڈیو پروگرام ڈائرکٹر کو بھیجا۔ سٹوڈیو میں پہنچکر اس تقریر کو پڑھا اور اپنی آواز کو ریکارڈ کروایا۔ میری یہ تقریر ۲۷ر مارچ کو اتوار کے دن صبح نشر کی گئی۔ اور پندرہ منٹ تک جاری رہی۔

(۳) مغربی برلین میں متعین برٹش کمانڈر کو مسجد میں آنے کی دعوت اور انہیں قرآن کریم انگریزی ترجمہ کا تحفہ مغربی برلین میں متعین برٹش کمانڈر میجر جنرل رائے ریڈگریو کو چائے کی دعوت دی گئی۔ انہیں مسجد دکھائی گئی۔ برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کا مقصد بیان کیا گیا اور انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ اس مقصد کو ہم کس طرح حاصل کر رہے ہیں۔ یہ تمام بیانات کمانڈر صاحب کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوئے۔

جرنیل صاحب انگریزی زبان کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی زبان کے بھی ماہر ہیں۔ لہٰذا ان سے گفتگو کبھی انگریزی اور کبھی جرمن زبان میں ہوتی رہی۔ گفتگو کے دوران مَیں نے انہیں اپنا پمفلٹ "دعوت حق" بزبان جرمن پیش کیا اور اس میں سے انہیں حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر مبارک چھپی ہوئی دکھائی اور انہیں حضرت میرزا صاحب کی زندگی کے حالات مختصراً بتائے۔ میں نے بتایا کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے ہندوستان میں برٹش حکومت کے نظم ونسق، ان کی عدلیہ اور مذہبی معاملات میں سب مذاہب کے ماننے والوں کو مذہبی آزادی کے دیئے جانے کی بڑی تعریف کی ہے۔ میں نے مزید بتایا کہ حضرت میرزا صاحب نے "مسیح" اور "مہدی" ہونے کا دعوےٰ کیا ہے اور اس حیثیت میں انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا تھا اور انہیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا تھا۔ اس موقعہ پر مَیں نے جرنیل صاحب کو حضرت میرزا صاحب کی کتاب پیغام صلح اور پمفلٹ دعوت حق کی ایک ایک کاپی تحفۃً پیش کی۔ اس کے بعد میں نے انہیں قرآن کریم انگریزی ترجمہ و تفسیر کی خوبصورت ڈی لکس کاپی تحفۃً پیش کی اور بتایا کہ یہ ترجمہ و تفسیر حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود کے شاگردِ رشید مولانا محمد علی صاحب نے کیا ہے۔ اس پر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ جرنیل صاحب قریباً ڈیڑھ گھنٹہ میرے ہاں ٹھہرے چند دن بعد ان کی طرف سے مجھے ایک خط ملا جس میں قرآن کریم کے تحفہ سے جو انہیں مسرت ہوئی ہے اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے خود اور ان کی اہلیہ محترمہ نے قرآن کریم کو گھر پڑھنا بھی شروع کر دیا ہے۔[1]

(۴) برلین میں آل چرچز آرگنائزیشن کی مجلس عاملہ کے سیکرٹری مسٹر ریبر ہارٹ کو دعوت اور انہیں قرآن کریم جرمن کا تحفہ برلین میں آل چرچز آرگنائزیشن کی مجلس عاملہ کے سیکرٹری مسٹر ریبر ہارٹ کو معہ ان کی اہلیہ چائے کی دعوت دی۔ انہیں مسجد دکھائی اور برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کے بارہ میں بتایا۔ بعد میں انہیں قرآن کریم جرمن ترجمہ و تفسیر کا ایک نسخہ تحفۃً دیا یہ ترجمہ و تفسیر امیر ثانی حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے کیا ہے۔ مولانا صدرالدین صاحب برلین مسلم مشن کے بانی نیز برلین مسجد کے پہلے امام ہیں۔ اس تحفہ کو حاصل کرکے دونوں میاں بیوی بڑے خوش ہوئے۔ مسٹر ایبر ہارٹ نے بعد میں مجھے اطلاع دی کہ انہوں نے ایک عیسائی جلسہ میں اپنی تقریر کو شروع کرنے سے پیشتر سورۃ نور میں آیت **اللہ نور السمٰوات والارض** کا ترجمہ حاضرین کو پڑھ کر سُنایا جس سے حاضرین پر اچھا اثر ہوا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم کس طرح قرآن کریم کے ان خوبصورت الفاظ کو عوام تک پہنچا سکتے ہیں۔

(۵) برلین کے ایک پبلک پراسیکیوٹر کو دعوت اور انہیں قرآن کریم جرمن کا تحفہ برلین کورٹ کے ایک پراسیکیوٹر مسٹر لڈوش کو مع ان کی اہلیہ چائے کی دعوت دی۔ انہیں مسجد دکھائی۔ مسجد میں منعقد ہونے والے اجتماعات کے بارہ میں بتایا اور بعد میں انہیں قرآن کریم جرمن ترجمہ و تفسیر کی ایک کاپی تحفۃً دی۔ اس کے علاوہ میں نے انہیں ان تمام پمفلٹس کی ایک ایک کاپی بھی تحفۃً دی جو میں نے جرمن زبان میں لکھے ہیں۔

---

[1] قرآن کریم کے چار نسخے میں نے اپنی جیب سے خریدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہی تحفہ جرنیل صاحب کو دیا گیا ہے۔ باقی تین تحفوں کا ذکر رپورٹ کے آئندہ صفحات پر آتا ہے۔ میں نے یہ نسخہ جات اپنے مرحوم والدین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کیلئے عیسائی دوستوں کو تحفۃً دیئے ہیں۔

(۶) ایرانی میڈیکل ڈاکٹر ہمایوں اور ان کی اہلیہ کو دعوت اور انہیں قرآن کریم جرمن کا تحفہ

برلین میں مقیم ایرانی میڈیکل ڈاکٹر ہمایوں کو معہ ان کی ڈاکٹر اہلیہ و صاحبزادی، چائے کی دعوت۔ ان کی اہلیہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں مسجد دکھائی، ان سے اسلام کے بارہ میں گفتگو کی انہیں قرآن کریم جرمن ترجمہ و تفسیر کی ایک کاپی تحفۃً دی۔ ان کی بیٹی کو پمفلٹس کی ایک ایک کاپی تحفۃً دی گئی۔

(۷) جمعہ کے پندرہ اجتماعات اور مسجد کے لئے دو قالینوں کا تحفہ

خدا کے فضل سے ہر جمعہ کے دن باقاعدگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کا اجتماع ہوتا رہا خطبات دیئے گئے۔ نماز ادا کی گئی۔ ان اجتماعات میں ترکی اور عرب ممالک سے آئے ہوئے مسلمان بھائیوں نے جو برلین میں مقیم ہیں شمولیت کی۔ کئی بار ایسے احباب نے بھی شمولیت کی جو وقتی طور پر سوڈان۔ تیونیسیا۔ مصر سے برلین کو آئے۔ ان میں سے بعض اعلیٰ سول افسران اور بعض سوداگر صاحبان تھے۔ ان میں سے تیونیسیا کے ایک سوداگر جناب علی صاحب قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اسلام سے محبت اور مسجد سے محبت کا عملی ثبوت دیا۔ وہ چھ بار حج بھی کر چکے ہیں۔ گفتگو میں قرآن کریم سے آیات پڑھتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں میں خطبہ و نماز جمعہ میں قرآن کریم کی سورۃ الصف و سورۃ النور کی ان آیات کو پڑھا جن میں مالی و جانی جہاد کرنے کا ذکر ہے۔ نماز کے بعد میرے پاس آئے۔ کہا کہ مجھے ایک بار پھر ان آیات کو پڑھ کر سنائیے۔ ان آیات کو سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگے بتایئے میں مسجد کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا مسجد کی مرمت ہو گئی ہے۔ اب خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ خوبصورت مسجد کے لئے خوبصورت قالینوں کی ضرورت ہے کہنے لگے میں ایک قالین مسجد کو تحفۃً بھیج دوں گا۔ خود تو واپس تیونیسیا چلے گئے۔ دوسرے جمعہ کے دن تیونیسیا کا ایک سوداگر جو برلین میں قالین کا بیوپار کرتے ہیں، جناب علی کی طرف سے ایک نیا خوبصورت قالین مسجد میں لے آئے اور کہا یہ علی صاحب کی طرف سے تحفہ ہے۔ اس کی قیمت وہ ادا کر گئے۔ اس کی قیمت ساڑھے آٹھ ہزار پاکستانی روپیہ ہے۔ جزاہ اللہ۔

قالین کا دوسرا تحفہ

ڈاکٹر ہمایوں صاحب جن کا ذکر میں ابھی شق ۶ میں کر چکا ہوں۔ انہوں نے مسجد کو دیکھا تو ایک خوبصورت ایرانی قالین مسجد کے لئے بطور تحفہ لے آئے سڑک پر کار سے اترے تو اپنے کندھے پر قالین کو اٹھائے مسجد میں لے گئے جزاہ اللہ۔

(۸) پندرہ بار ہفتہ وار اجتماعات اور دو جرمن خواتین کا قبول اسلام

خدا کے فضل سے ہر ہفتہ شام کو مسجد میں درس قرآن کے سلسلہ میں اجتماع ہوتا رہا۔ مختلف ممالک سے آئے ہوئے مسلمان بھائی اور ہمارے عیسائی دوست مرد و زن، ان اجتماعات میں بڑے شوق سے حصہ لیتے رہے۔ ان اجتماعات میں قرآن کریم سے مختلف مضامین کو بیان کیا گیا۔ بعد میں حاضرین مسلمان احباب و عیسائی دوستوں کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ عیسائی دوستوں نے جب ماہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت منایا تو ان اجتماعات میں اس موضوع پر قرآن کریم کا نظریہ پیش کیا گیا۔

ان اجتماعات میں حصہ لینے والے عیسائی مرد و خواتین سے دو خواتین نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ ایک خاتون ۱۹۷۵ء کے شروع سے۔ اور دوسری خاتون جولائی ۱۹۷۶ء سے باقاعدگی سے ہمارے

مریم ہوف مین　　　حوا

اجتماعات میں حصہ لے رہی تھیں۔ پہلی خاتون برلین یونیورسٹی کے شعبۂ انتظامیہ میں ملازم ہے اور دوسری برلین یونیورسٹی میں میڈیسن میں پڑھ رہی ہے۔ ہر دو خواتین نے ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماع میں اسلام کی صداقت پر اپنا اپنا مضمون پڑھا۔ جسے سن کر تمام حاضرین بڑے خوش ہوئے۔ بعد میں میں نے انہیں کلمہ شہادت پڑھایا اور یوں وہ اسلام ایسے عالمگیر مذہب میں داخل ہو گئیں۔ پہلی خاتون کا اسلامی نام مریم رکھا گیا دوسری خاتون نے اپنے نام حوا پسند کیا۔ اس موقعہ پر ایک تصویر بھی لی گئی۔ بعد میں سب حاضرین نے مل کر ان ہر دو نومسلم خواتین کے لئے دعا کی اور انہیں مبارک کہی۔ الحمد للہ۔

(۹) مغربی جرمنی سے چھ گروپ مسجد میں

مغربی جرمنی کے مختلف شہروں مثلاً ہمبرگ، ہانور، کولون اور میونخ سے چھ گروپ مختلف دنوں مسجد میں آئے۔ یہ گروپ جرمن مرد و جرمن خواتین و جرمن طلباء پر مشتمل تھے۔ طلباء کے ساتھ ان کے اساتذہ بھی تھے۔ ان گروپوں کی تعداد چالیس و پچاس کے درمیان تھی۔ یہ گروپ ڈیڑھ دو گھنٹے تک مسجد میں ٹھہرے۔ ان کے سامنے اسلام کے اصولوں کو بیان کیا گیا۔ حضرت عیسےٰؑ کے بارہ میں قرآن کریم کے نظریہ کو واضح کیا گیا۔ حضرت عیسےٰؑ کی آمد ثانی پر روشنی ڈالی گئی۔ اور انہیں پمفلٹ دعوت حق سے حضرت میرزا صاحب کی شبیہ مبارک دکھائی گئی۔ اور بعض کو یہ پمفلٹ تحفۃً دیا گیا۔

(۱۰) برلین سے دو بڑے گروپ مسجد میں

ان چھ گروپوں کے علاوہ دو بڑے گروپ مسجد میں آئے۔ ایک گروپ ستر (۷۰) خواتین پر مشتمل تھا۔ جن کے ساتھ ان کا جرمن پادری بھی تھا۔ دوسرا گروپ سوا سو مرد و زن پر مشتمل تھا۔ اس کی راہنمائی آل چرچز آرگنائزیشن کے سیکرٹری مسٹر ایبرہارٹ کر رہے تھے ہر دو گروپ مختلف دنوں مسجد میں آئے اور قریباً دو گھنٹے میرے ساتھ مسجد میں ٹھہرے۔ ان کے سامنے خدا کا تصور۔ نبی کا تصور اور وحی کا تصور اسلام میں اور اسلام کے بنیادی اصول بیان کئے گئے۔ سوال و جواب کے دوران حضرت عیسےٰؑ کے صلیب کے واقعہ کو بیان کیا گیا۔ یعنی ان کا صلیب سے زندہ اتر آنا۔ سری نگر کشمیر کی طرف ہجرت کر جانا۔ حاضرین کے لئے یہ تمام نظریات دلچسپی کا باعث ہوئے۔

(۱۱) برلین سکولز کی دسویں و بارہویں کلاسوں کا تیرہ بار مسجد میں آنا

تیرہ بار مختلف دنوں برلین سکولز کے طلباء جو دسویں اور بارہویں جماعت میں پڑھتے ہیں اپنے ان اساتذہ کے ساتھ جو انہیں دینیات پڑھاتے ہیں مسجد میں آئے۔ ان طلباء کی تعداد بعض دفعہ بیس پچیس کے درمیان تھی اور بعض دفعہ چالیس و پچاس کے درمیان۔ ڈیڑھ دو گھنٹے تک طلباء میرے ساتھ مسجد میں ٹھہرے۔ انہوں نے مجھ سے اسلام کے بارہ میں

سُنا اور سوالات کئے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ آج دسویں اور بارہویں کلاس کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اسلام کی تعلیمات کو مسجد میں آکر ہماری زبان سے سُنتے ہیں۔

(۱۲) مسجد کی مرمت مکمل ہو جانے پر افسران کو دعوت

گذشتہ سال خُدا کے فضل سے مسجد کی مرمت کا وہ کام جو ۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا تھا ختم ہو گیا۔ اس سے مسجد کی عمارت اندر سے اور باہر سے چمک اُٹھی ہے۔ الحمد للہ۔ اس کی مرمت پر تیرہ لاکھ روپیہ پاکستانی خرچ ہوا ہے۔ یہ تمام رقم برلین گورنمنٹ نے مسجد کو تحفتہً دی ہے۔ اس خوشی میں برلین گورنمنٹ کے ان افسران کو جنہوں نے مسجد کے لئے فنڈز کو منظور کرانے میں کوشش کی اور اس کی مرمت میں دلچسپی کی۔ مسجد میں دعوت دی تا وہ مسجد کی مرمت کے کام کو خود دیکھ لیں۔ چنانچہ مختلف دنوں میں دعوتوں کا انتظام کیا گیا اور بعض میں پاکستانی کھانا اور بعض میں چائے و مٹھائی پیش کی گئی۔ افسرانِ متعلقہ نے مسجد کی مرمت کے کام کو دیکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

(۱۳) تین اور دعوتیں

ان افسران کے علاوہ تین اور فیملیز کو چائے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک ٹیونیشیا کے سوداگر سعید صاحب کی فیملی ہے۔ سعید صاحب نے گذشتہ سال تین بڑے قالین۔ ایک جانماز قالین مسجد کو بطور تحفہ دیئے تھے۔ وہ اپنی جرمن اہلیہ معہ دو بچوں کے ساتھ مسجد میں آئے۔ ما حضر تناول کیا۔ انہیں مسجد دکھائی۔ ان کی اہلیہ بھی جو عیسائی ہیں مسجد کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔

—— برلین میں پاکستانی کونسل کو چائے کی دعوت۔

دوسری فیملی پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے برلین میں نامزد کئے گئے آنریری کونسل مسٹر بیر کی تھی۔ انہیں اور ان کی ڈاکٹر اہلیہ اور ان کی سیکرٹری کو چائے کی دعوت دی۔ انہیں مسجد دکھائی اور برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کو بیان کیا۔ یہ سب امور ان کی دلچسپی کا باعث ہوئے۔

—— جرمن نومسلم مسٹر سیف اللہ کو دعوت۔

تیسری دعوت سیف اللہ صاحب کو دی۔ سیف اللہ صاحب سعودی عربیہ میں ایک جرمن فرم کے ملازم ہیں۔ جب برلین میں آتے ہیں تو مسجد میں بھی آتے ہیں اور مسجد کی مساعی کو بڑی قدر سے دیکھتے ہیں۔ انہیں مسجد دکھائی مرمت کے کام کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ مرمت کا جو کام باقی رہ گیا ہے اس بارہ میں ان سے گفتگو کی۔

(۱۴) برلین میں عدلیہ کے وزیر سے ملاقات

برلین میں عدلیہ کے وزیر صاحب نے اپنے دفتر میں مجھے بلایا اور مجھ سے برلین کے جیل خانوں میں مسلمان قیدیوں کے، جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں مذہبی و کلچرل مسائل پر بات چیت کی اور خواہش ظاہر کی کہ مَیں ان قیدیوں کے مسائل کی دیکھ بھال کا کام اپنے ذمّہ لے لوں۔ وزیر صاحب کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے میں نے اس ذمّہ داری کو اپنے اوپر لے لیا ہے۔ وزیر صاحب سے ملاقات کے موقعہ پر مقامی اخبار کا رپورٹر اور فوٹو گرافر بھی موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے وزیر صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد میرا انٹرویو لیا اور مقامی اخبار میں ایک آرٹیکل مع میری تصویر شائع کیا۔

(۱۵) بون۔ جرمنی میں مذہبی علماء کی کانفرنس میں شمولیت

ورلڈ کانفرنس آف ریلیجن آن پیس، جس کا ہیڈ کوارٹر امریکہ میں ہے۔ اس کی سنٹرل یورپین کمیٹی کے ممبروں کا ایک اجلاس بون میں منعقد ہوا۔ اس میں یہودی عیسائی مسلمان علماء نے شمولیت کی۔ اس کے ممبر جرمنی۔ فرانس۔ ہالینڈ۔ بلجیم اور انگلستان سے آئے۔ امریکہ ہیڈ کوارٹر سے اس کے جنرل سیکرٹری نے بھی معہ اہلیہ شمولیت کی۔ مختلف مذاہب میں افہام و تفہیم کے موضوع پر بڑی مفید گفتگو ہوئی۔ میں نے ممبر صاحبان کو بتایا کہ ہم مسجد میں عیسائی اور مسلمان اجتماعات کا انتظام کرتے اور باہم دوستانہ ماحول میں بیٹھتے اور ایک دوسرے کے اُصولوں اور نظریات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مَیں نے بتایا کہ ہم نے مسجد میں کئی بار حضرت عیسےٰ کا یوم ولادت بھی منایا ہے۔ اسی موضوع پر چھپے ہوئے پمفلٹ، "حضرت عیسےٰ کا مقام قرآن اور توریت میں" کی ایک ایک کاپی بعض پروفیسرز کو دی۔ اس کے علاوہ ریڈیو پر دیئے گئے چھ لیکچرز کے مجموعہ پر مشتمل پمفلٹ بھی بعض کو دیا گیا۔ دوستوں نے خوشی سے قبول کیا۔

(۱۶) ہالینڈ میں احمدی جماعتوں کا دورہ ۔ اوٹ رخٹ میں جمعہ کی نماز و لیکچر

بون سے فارغ ہو کر میں ہالینڈ چلا گیا۔ میں نے اپنے اس پروگرام کی اطلاع الحاج مولانا جگو صاحب کو ٹیلیفون پر کئی دن پہلے کر دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اوٹ رخٹ، ہیگ، ایمسٹرڈم میں احمدیہ جماعتوں کے صدر صاحبان سے مل کر ان شہروں میں اجتماعات کا ایک پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ہالینڈ پہنچتے ہی جُمعہ کی نماز اوٹ رخٹ میں پڑھائی۔ دُور دُور شہروں سے احباب جمعہ کی نماز میں جمع ہوئے۔ مَیں نے خطبہ میں آیت آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون کل آمن باللہ وملئکته وکتبه ورسله پڑھی اور بتایا کہ مسلمان ہونے کے لئے ایمانیات کی کن جزئیات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی دن شام کو ایک بڑے اجتماع کا انتظام کیا گیا۔ مقامی جماعت کے صدر ایوب صاحب نے احباب کو دعوت دی۔ احباب آئے اور ہال بھر گیا۔ ہیگ، ایمسٹرڈم روٹرڈم و دیگر شہروں سے بھی احباب اپنی کاروں پر آئے۔ خواتین نے پروگرام شروع ہونے سے پیشتر پھُولوں کے ہار میرے گلے میں ڈالے اور یوں انہوں نے اسلام سے محبت اور احمدیت سے دلی خلوص کا اظہار کیا۔ تلاوت قرآن کریم سے پروگرام شروع ہوا اسلام کی صداقت پر ایک نظم مولانا جگو صاحب کی صاحبزادی نے پڑھی۔ الحاج جمن صاحب نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کا ایک اقتباس پڑھ کر سنایا۔ ازاں بعد الحاج مولانا جگو صاحب نے حاضرین سے میرا تعارف کرایا۔ اور اپنی ان یادوں کو بھی تازہ کیا جب ان سے میری ملاقات پہلی بار لاہور میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی محبت اور اپنے اخلاص کا بڑے محبت بھرے الفاظ میں اظہار کیا۔ اس کے بعد میں نے تقریر کی اور اپنی تقریر میں اسلام کے اُصولوں کی حکمت اور حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی صداقت کو بیان کیا۔ احباب کے لئے یہ لیکچر بڑی تقویت اور خوشی کا باعث ہوا۔ یونیورسٹی طلباء نے بھی اس لیکچر کو بڑا سراہا۔ خواتین نے حاضرین کی تواضع مشروبات اور شیرینی سے کی۔

ہیگ میں لیکچر

دوسرے دن ہفتہ کی شام کو ہیگ میں میرے لیکچر کا انتظام کیا گیا تھا۔ مقامی جماعت کے صدر نور سردار صاحب نے احباب کو دعوت دی تھی۔ یہاں بھی اوٹرخٹ، ایمسٹرڈم اور دوسرے کئی ایک شہروں سے احباب جمع ہوئے۔ یہاں ہال بڑا تھا۔ جو بھر گیا۔ خواتین نے یہاں بھی اوٹ رخٹ کی طرح اسلام سے محبت اور سلسلہ احمدیہ سے اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے میرے گلے میں پھُولوں کے ہار ڈالے اور میرے ساتھ کھڑے ہو کر کئی ایک تصاویر اتروائیں۔ تلاوت قرآن کریم سے پروگرام شروع ہوا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح میں نعتیں پڑھی گئیں۔ صدر جماعت نور سردار صاحب نے پُر جوش تقریر کی۔ الحاج مولنا جگو صاحب نے یہاں

بھی محبت بھرے الفاظ میں حاضرین سے میرا تعارف کرایا۔ اور احمدیت سے سچا تعلق رکھنے کی حاضرین کو تلقین کی۔ مولانا بشیر صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی علمی خدمات کو اپنے لیکچر میں بیان کیا۔ اور بتایا کہ کس طرح آج بھی اس لٹریچر سے سرشار ہوکر سلسلہ احمدیہ کے مبلغین دنیا میں اسلام پھیلانے کی تڑپ کو لے کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد مجھے تقریر کے لئے کہا گیا۔ میں نے قرآن کریم سے آیت بلّغ ما انزل الیک پڑھی اور بتایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد خداوندی کو کس طرح نبھایا۔ آپ کی مشکلات اور بالآخر آپؐ کی شاندار کامیابی کو بیان کیا۔ اسی ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعودؑ نے اسلام کی تعلیمات کو عیسائی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ان کی حکمت بیان کی ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا ہے۔ یہ تمام تقریرات حاضرین کے لئے بڑی تقویت اور خوشی کا باعث ہوئیں۔ خواتین نے حاضرین کو مشروبات و مٹھائی پیش کی۔ جس سے حاضرین بڑے محظوظ ہوئے۔ مقامی جماعت کے صدر نور سردار صاحب نے مجھے بتایا کہ مقامی جماعت کے احباب کی مالی قربانی سے ہیگ میں ایک مکان خرید لیا گیا ہے۔ جو مقامی جماعت کے لئے ایک مرکز کا کام دیگا۔ اس پُر مسرت تقریب کے ختم ہونے پر مولانا بشیر صاحب مجھے معہ چند احباب اپنے گھر لے آئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی مشروبات پیش کیں۔

ایمسٹرڈم میں لیکچر تیسرے دن اتوار بعد دوپہر ایمسٹرڈم میں لیکچر کا انتظام کیا گیا تھا۔ مقامی جماعت کے صدر رمضان احمد خان صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جماعت کے نوجوان، جماعت کے مرد اور خواتین جمع ہوئیں۔ اور شہروں سے بھی احباب آئے جس سے رونق بڑھ گئی، ہال بھر گیا۔ قرآن کریم کی تلاوت سے اجتماع کا پروگرام شروع ہوا صدر صاحب کی بچیوں نے استقبالیہ پڑھا۔ مقامی جماعت کے صدر رمضان احمد خان صاحب نے پُر جوش تقریر کی۔ الحاج مولانا جگو صاحب نے یہاں ایک بار پھر محبت بھرے الفاظ میں میرا تعارف کرایا۔ اور میرے ووکنگ مشن اور برلین مشن میں ۲۱ سالہ قیام کو بیان کیا۔ اس کے بعد مجھے تقریر کے لئے کہا گیا۔ میں نے سورت جمعہ کی آیات کو پڑھا اور اپنی تقریر میں سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین ذمہ داریوں کو بیان کیا اور بتایا کہ یہ ذمہ داریاں آپ تاقیامت پوری کرتے رہیں گے۔ اسی سلسلہ میں خاتم النبیین کی صداقت کو بیان کیا۔ اور بتایا کہ تزکیہ نفس کا کامل طور پر حاصل کرنا صرف اور صرف آپؐ کی پیروی کرنے سے ہی کسی انسان کو میسر آ سکے گا۔ میں نے مزید بیان کیا کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کا وجود آپ کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔ اور حضرت میرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے بطور مجدد بھیجا ہے تا وہ اسلام کی تعلیمات کو دنیا میں مدلل طور پر پیش کریں اور آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کی خوبصورتی کو یورپ پر واضح کریں۔ حاضرین کے لئے یہ تقریب بھی باعثِ تقویت ایمان ہوئی۔ ان تمام تقریبات پر الحاج مولانا جگو صاحب، اور [illegible] جماعت کے صدر ایوب صاحب اور دیگر مقامی جماعتوں کے صدر نور سردار صاحب، و رمضان احمد خان صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور ان تمام لیکچروں کو جماعت کے استحکام کے لئے بڑا مفید پایا۔ یہاں خواتین نے حاضرین کی تواضع پلاؤ وغیرہ سے کی۔

روٹرڈم میں عشائیہ ایمسٹرڈم سے فارغ ہوکر احباب کا ایک قافلہ الحاج منٹو صاحب کے ہاں روٹرڈم کو روانہ ہوگیا۔ روٹرڈم میں الحاج منٹو صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے کھانے پر دعوت دی ہوئی تھی۔ جونہی کمرہ میں داخل ہوا بیگم صاحبہ نے خوش آمدید کہا۔ سب احباب نے مل کر نماز ادا کی اور بعد میں بڑا ہی پُر تکلف کھانا احباب کو پیش کیا گیا۔ سب بڑے محظوظ ہوئے۔ جزاھم اللہ۔

غرض چار دن تک میں ہالینڈ میں رہا۔ تین دن متواتر اوٹ رخت میں مقامی جماعت کے صدر ایوب صاحب نے اپنے گھر ٹھہرایا اور قیام کے دوران انہوں نے اور ان کی اہلیہ محترمہ نے ہر قسم کی سہولت کا انتظام کیا اور بڑے پُر تکلف کھانوں سے تواضع کی۔ آخری دن الحاج مولانا جگو صاحب نے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ یہاں بھی انہوں نے اور ان کی اہلیہ محترمہ نے میرے آرام کے لئے ہر ممکن انتظام کیا جزاھم اللہ۔ مولانا جگو صاحب کے ہاں احباب جماعت کی موجودگی میں ختم نبوت پر مختصراً لیکچر دیا۔

(۱۷) برلین مسجد کے لئے عطیہ برلین واپس آتے وقت اوٹرخت کی جماعت کے مقامی صدر ایوب صاحب نے مسجد برلین کو ۵۲۵ گلڈر کا تحفہ دیا۔ ایمسٹرڈم میں مقامی جماعت کے صدر رمضان احمد خان صاحب نے مسجد برلین کو قرآن کریم ڈچ ترجمہ و تفسیر کی ایک خوبصورت کاپی بطور تحفہ دی۔ یہ ترجمہ جماعت احمدیہ لاہور کے امیر اول حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا ڈچ زبان میں ترجمہ ہے۔ روٹرڈم میں الحاج منٹو صاحب کی فیملی نے ۱۶۰ گلڈر مسجد کو تحفہ دیئے۔ اللہ تعالےٰ جماعت کے تمام احباب اور جماعت کی تمام خواتین کو ان کے اخلاص اور ان کی محبت جو انہیں اسلام اور سلسلہ احمدیت سے ہے بڑھائے۔ آمین۔ جون کے مہینہ میں ہالینڈ کی تمام جماعتوں سے ایک بڑا گروپ مسجد برلین کی زیارت کے لئے آ رہا ہے۔ اس کا انتظام ایوب صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ ان کا آنا ہمارے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔ خوش آمدید۔

(۱۸) مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم سابق امام ووکنگ مسجد و ایڈیٹر اسلامک ریویو کی وفات مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم سابق امام ووکنگ مسجد و ایڈیٹر اسلامک ریویو کی وفات کی خبر میں نے ہالینڈ میں اپنے قیام کے دوران سنی۔ اس خبر کو سن کر سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اوٹرخت میں نماز جمعہ کے بعد ان کا جنازہ غائبانہ پڑھا اور مرحوم کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب مرحوم امام ووکنگ مسجد کی وفات کے فوراً بعد مرکزی انجمن نے مجھے ۱۹۵۶ء میں بحیثیت ڈپٹی امام ووکنگ انگلستان بھیجا۔ اس مشن کی بنیاد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب مرحوم بھی امام زمان حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھے۔ مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم کے دل میں ووکنگ مسلم مشن کی بڑی محبت تھی۔ مشن کی خاطر وہ ہر مالی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اسلامی دنیا کے مسائل پر عالمانہ گفتگو کرتے اور اپنی گفتگو سے پڑھے لکھے ذہین طبقہ کو اپنا گرویدہ بنا لیتے۔ اسلامک ریویو کی بنیاد بھی حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے رکھی تھی۔ یہ رسالہ ابتدائی ایام سے لے کر آخر تک تمام اسلامی دنیا میں مقبول رہا۔ اس رسالہ میں نہایت ہی اعلےٰ پایہ کے علمی مضامین شائع ہوتے رہے۔

مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم لندن میں ہفتہ میں ایک بار ایک بڑی مجلس اپنی قیام گاہ پر لگاتے جس میں اعلےٰ پایہ کے مضامین پڑھے جاتے ان پر تنقید کی جاتی اور تبادلۂ خیالات کیا جاتا۔ اس تنقید سے اسلام کے نظریات کی خوبصورتی اور معقولیت کھل کر حاضرین کے سامنے آ جاتی اور ایک ذہین آدمی کا دل اسلامی حقائق کی صداقت سے معمور ہو جاتا۔

ووکنگ مشن میں تین سالہ قیام کے دوران مجھے بھی کئی دفعہ اس حلقہ میں اسلام کے متعلق مختلف موضوعات پر تقاریر کرنے کا موقعہ ملا۔

ان میں سے اکثر مولانا مرحوم کو پسند آئے اور انہوں نے ان لیکچرز کی افادیت کو عام کرنے کے لئے ان لیکچرز کو اپنے رسالہ اسلامک ریویو میں شائع کر دیا ان میں سے بعض کے موضوع ہیں معراج نبوی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں کے ساتھ سلوک۔ مذاہب عالم میں باہمی رواداری کے جذبہ کو پیدا کرنے کی اہمیت وغیرہ۔

مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خدمت دین اسلام کے جذبہ سے سرشار تھے طبیعت میں بھی بڑی سادگی تھی۔ گھر میں فرش پر بیٹھے ہیں اور اسلامک ریویو کے پروف پڑھ رہے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے گھر کا کام کر رہے ہیں۔ خود ہی کھانا پکا رہے ہیں۔ اور خود ہی مہمان نوازی کر رہے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالےٰ مولانا مرحوم کی اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور انہیں اپنے فضل سے جنت فردوس میں جگہ دے آمین۔

(۱۹) برلن میں ایک دعوت

ایران کی شاہزادے جو ایران کے شاہی کاچار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک لمبے عرصہ سے برلن میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنے ہاں ایک خاص موقعہ پر مجھے کھانے کی دعوت دی اور ایرانی پلاؤ اور دیگر لذیذ کھانوں سے تواضع کی۔ ان سے میں نے مسجد کی تبلیغی مساعی کا ذکر کیا۔ اور انہیں مسجد کی مرمت کا کام ختم ہو جانے کے بارہ میں اطلاع دی شہزادی کاچار تقی مسجد سے محبت رکھتی ہیں اور ہماری تبلیغی مساعی کی بڑی قدر کرتی ہیں۔ انہیں میں نے مسجد میں آنے اور اس کی خوبصورتی کو دیکھنے کی دعوت دی ہے۔ شہزادی صاحبہ کی صحت ایک عرصہ سے گر چکی ہے۔ جن دنوں ان کی صحت اچھی تھی وہ مسجد میں آتیں اور اجتماعات میں حصہ لیتیں۔ کئی بار سالانہ اجتماعات پر انہوں نے صدارت کے فرائض بھی سرانجام دیئے اور مسجد سے اپنی محبت کا عملاً اظہار بھی کیا۔ میری دعوت کو انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ موسم اچھا ہونے پر کسی دن اپنی کار پر مسجد میں آئیں گی۔

(۲۰) حضرت میرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان کی ایک کتاب کا جرمن زبان میں ترجمہ

حضرت امام زمان میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کی کتاب "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" کا میں نے ترجمہ جرمن زبان میں کیا ہے۔ اس کا بہت سا حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اسے ٹائپ کروانے اور چھپوانے کے لئے کئی ہزار مارک کی ضرورت ہے۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عطیہ جات حاصل کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی ہے۔ اُمید ہے خدا کے فضل سے ان اخراجات کو پورا کرنے کا انتظام ہو جائے گا۔

(۲۱) جرمن زبان میں ایک مقالہ جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے اس کا اُردو زبان میں ترجمہ

گذشتہ سال ۱۹۷۶ء میں جرمن جرنلسٹ نومسلم جناب محمد عبداللہ صاحب نے مسجد برلین کی گذشتہ پچاس سالہ خدمات پر ایک مقالہ جرمن زبان میں لکھا تھا اور اسے ریڈیو پر نشر کیا تھا۔ یہ مقالہ ٹائپ شدہ آٹھ فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔

میں اپنی رپورٹ کو دعا پر ختم کرتا ہوں: ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

مانچسٹر میں حافظ شیر محمد صاحب کی آمد

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۴)

چنانچہ سعید عزیز صاحب اور ان کے گھر کے افراد اور کئی ایک عزیز دوستوں کے علاوہ ذیل کے احباب نے اس استقبالیہ دعوت میں شرکت کی:۔

زاہد عزیز اور ان کی بیگم فوقیہ عزیز صاحبہ
چوہدری حامد مسعود صاحب
مرزا شاہد مسعود
طاہرہ حسن اور ان کے خاوند ا
شیخ آصف گل
ڈاکٹر ظفر احمد اور ان کی بیگم ڈاکٹر منیرہ احمد

محفل خاصی دلچسپ رہی۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں نماز کے بعد گفتگو کا سلسلہ چل پڑا۔

حافظ شیر محمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش اور بعثت کے بارے میں حدیث میں مندرج نشانات اور شواہد پر بڑے علمی انداز میں گفتگو کی۔ انہوں نے مختصر وقت میں بڑے دلچسپ پیرائے میں ان تمام نشانیوں کا ذکر کیا جو حضرت مسیح موعودؑ کے وجود میں پوری ہوئیں۔

احباب نے ان تمام باتوں کو نہایت دلچسپی سے سُنا اور اصرار کیا کہ یہ سب کچھ کتابی شکل میں شائع ہونا چاہیئے۔ تاکہ سب اس سے مستفید ہو سکیں۔

حافظ صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا کتابچہ فجی سے شائع کر کے روانہ کریں گے۔ رات کو حافظ شیر محمد صاحب اور محترم شیخ محمد طفیل صاحب کا قیام اقبال احمد صاحب کے گھر پر رہا۔ دوسرے دن ڈاکٹر ظفر احمد صاحب۔ حافظ شیر محمد صاحب اور محترم شیخ محمد طفیل صاحب کو عبدالشکور بٹ مرحوم کے اہل خاندان سے ملاقات کرانے کے لئے کار پر مختلف جگہ پر لے گئے اور بعد از دوپہر انہیں لندن کے لئے گاڑی پر سوار کرا دیا۔

اس استقبالیہ تقریب کے لئے ہم محترم سعید عزیز صاحب، ان کی بیگم صاحبہ اور دختر نیک اختر روبینہ عزیز کے شکر گذار ہیں، جنہوں نے نہ صرف نہایت لذیذ دعوت کا انتظام کیا بلکہ معزز مہمانوں کی ہر طرح خاطر مدارت کی۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــــ مورخہ ۸ جون ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــــ شمارہ نمبر ۲۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

• میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
الہام حضرت مسیح موعود

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون نمبر: ۵۳۷۳۷

پیغامِ صلح

لاہور
پاکستان

ایڈیٹر — خلیل الرحمٰن

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

• سالانہ چندہ
• پاک و ہند سے پندرہ روپے
• بیرونی ممالک سے ایک پونڈ
علاوہ محصول ڈاک

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعود)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۴

ملفوظات حضرت مجدد چہاردہم علیہ السلام

دُعا ہمدردی کا بہترین ذریعہ ہے

یاد رکھو ہمدردی تین قسم کی ہے اوّل جسمانی دوم مالی تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے جس میں نہ صرفِ زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے۔ کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں انسان کر سکتا ہے جبکہ اس میں طاقت بھی ہو مثلاً ایک ناتوان مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو تو کوئی شخص جس میں خود طاقت و توانائی نہیں ہے کب اس کو اُٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بے کس بے بس بے سر و سامان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت۔ بلکہ جب تک انسان انسان ہے وہ دوسرے کے لئے دُعا کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے کام نہ لے تو سمجھو بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔

میں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا۔ **میرا تو یہ مذہب ہے کہ دُعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے**۔ جس قدر دُعا وسیع ہوگی اسی قدر فائدہ دُعا کرنے والے کو ہوگا۔ اور دُعا میں جس قدر بخل کرے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دُور ہوتا جائے گا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت ہی وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔

دوسروں کے لئے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں۔ ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسے کہ فرمایا اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اور دوسری قسم کی ہمدردیاں محدود ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہ خیر جاری قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ یہی دُعا کی خیر جاری ہے جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دنیا میں خیر کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی عمر دراز ہوتی ہے۔ .... پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے۔ اور مطالعہ کرتا رہے۔

جس طرح طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے .... افسوس ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے جو ایک نیک دل اور سلیم الفطرت انسان کو ملتا ہے اتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجود صحت کے سوال کرتا ہے۔ تو وہ خود گناہ کرتا ہے اس کو کچھ دینے میں تو گناہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ حدیث شریف میں لَوْ اَتَاکَ رَاکِبًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی کچھ دے دینا چاہیئے۔ اور قرآن شریف میں وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا ارشاد آیا ہے کہ سائل کو مت جھڑک۔ اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک اور فلاں قسم کے سائل کو جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو کیونکہ اس سے ایک قسم کی بد اخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلدی ناراض نہ ہو یہ شیطان کی خواہش ہے۔ کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے۔ اور بدی کا وارث بنا دے۔ غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طرح پر ایک بدی دوسری بدی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسرے کو جذب کرتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے یہ تجاذب کا مسئلہ ہر فعل میں رکھا ہوا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اور اس طرح پر اخلاقی صدقہ دے دیگا تو قبض دُور ہو کر دوسری نیکی بھی کر لے گا۔ اور اس کو کچھ دے بھی دیگا۔ اخلاق دوسری نیکیوں کی کلید ہے۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اول)

اخبار و افکار

(ابو سلمان ایم اے)

پاکستان میں فروغِ عیسائیت

حکومت نے ساری دنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا ایک جامع منصوبہ بنایا ہے اور ایک ایسا فعال ادارہ قائم کرنے پر عمل ہو رہا ہے جہاں مبلغ و سکالر تیار کئے جائیں گے اور اسلام پر تحقیق کا کام جدید تقاضوں کے مطابق کیا جائے گا۔

یہ کام بلکہ فرض اُن جملہ فرائض میں سے ہے جو اسلامی حکومت کو کرنا چاہئیں۔ یہ بڑا مستحسن اقدام ہے۔ اقوامِ عالم کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ آج مسلمان مبلغ کا نہ صرف اسلامی علوم سے بہرہ مند ہونا ضروری ہے بلکہ تقابلِ ادیان، تاریخ مذاہبِ عالم اور علومِ جدیدہ سے بھی گہری واقفیت کی ضرورت ہے۔ اس دور میں جبکہ لادینیت کی تحریک اکنافِ عالم میں بڑی طاقت کے ساتھ جاری و ساری ہے، مسلمان حکومت کو اسلام کی تعلیم و تحریک سے اس طرح مسلح ہونا چاہیئے کہ وہ دعوت و تبلیغ اسلام کی مجاہدانہ مہارت میں مسلسل اضافہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ یہی مسلمان کا اہم ترین مقصد ہے۔ ہم اس سے زیادہ کسی دوسرے مقصد کو اہم نہیں سمجھتے۔ ہم اس احساس کو تیز تر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم کے اعلےٰ مقاصد اور اُمنگیں اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتیں جب تک فرد و معاشرہ دعوت و تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار نہ ہو جائے اور اس کے لئے اپنی تمام تر قوتوں کو یکجا نہ کر دیں۔ ہم ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے لانا چاہتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ اسلام کے کام کو پیشہ ورانہ حیثیت دینا اس کی رُوح و جذبہ کو ختم کرتا ہے یہ تو وہ کام ہے جو مسلمان کو دل و جان سے اُٹھتے بیٹھتے وقت کرنا چاہیئے اپنی تمام تر قوتیں، صلاحیتیں اور استعدادیں اس آسمانی فریضہ میں لگا دیں اور مجوزہ ادارہ اگر یہ جذبہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے تو عالمِ اسلام کو وہ جوہر قابل میسر آئیں گے۔ جو آسمانی آواز کو دنیا کے کناروں تک پہنچا سکیں گے۔

حکومت جہاں بیرون پاکستان تبلیغ اسلام کے لئے اقدامات کر رہی ہے وہاں اسے اندرون پاکستان بھی دعوت و تبلیغِ اسلام کے بارے میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ پاکستان کے اندر گذشتہ چند ہی سالوں میں عیسائیت نے بڑا فروغ حاصل کیا ہے۔ اس نے اپنے جال چارسو پھیلا دیئے ہیں اور عیسائیت کے پھیلاؤ کے ہر حربے کو پورے زور شور سے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جس سے ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ عیسائیت کا یہ سیلاب پاکستان میں کسی وقت ناگوار سی صورتِ حال پیدا نہ کر دے۔ ان دریں حالات حکومت کو بیرونِ ملک کے ساتھ ساتھ اندرونِ ملک بھی تبلیغ اسلام اور ابطال عیسائیت کے لئے عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔ ابطال عیسائیت کے باب میں تحریک احمدیہ کو صد سالہ تجربہ حاصل ہے اس کے پاس ردِّ عیسائیت کا موثر لٹریچر موجود ہے اور وہ سکالر موجود ہیں جنہوں نے اپنے علم و فضل کے اعتبار سے تردید عیسائیت میں عظیم کارنامے سر انجام دیئے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حکومت مناسب اقدام کرے اور احمدیہ تحریک کے صد سالہ تجربہ سے فائدہ اٹھائے۔

پاکستان اور اسلام

ایک سرکاری خبر کے مطابق ملک کے سارے موجودہ قوانین کو قرآن و سنّت میں مندرج اسلامی احکامات کے مطابق بنایا جائے گا اور ایسی کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو ان احکامات کے خلاف ہو۔

—— یہ خوش کن خبر ہماری تمناؤں، آرزوؤں اور دعاؤں کی مظہر ہے۔ ہم نہ صرف پاکستان میں بلکہ اکنافِ عالم میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا اثر و فروغ اور وہ وقت بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جبکہ کل دنیا اور بالخصوص پاکستان میں لوگ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں اپنی زندگی اسلام — حقیقی اسلام — محمد رسول اللہ صلعم کے اسلام —— کے صحیح اصولوں کے مطابق سنوار سکیں اور اللہ تعالےٰ انہیں وہ قلبی بصیرت عطا فرمائے جس سے وہ قرآن و سنّت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں جو اپنوں اور غیروں کے لئے رحمت و شفقت کے علمبردار ہوں۔

ضرورت ہے کہ ملک کے موجودہ بعض مصلحتی: وقتی اور رواجی قوانین پر نظرِ ثانی کی جائے اور ان کو کسی خارجی دباؤ سے بالاتر ہو کر محض قرآن و سنّت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ یہ کام ان خدا رسیدہ ماہرین کے سپرد کیا جائے جنہیں قرآن پاک اور سنّت کے اُصولوں اور فلسفے کا علم ہو جو اسلام کے اقتصادی، سیاسی، قانونی، انتظامی اور معاشرتی و سماجی مسائل کا فہم و ادراک رکھتے ہوں۔ جو کلمۂ حق کے داعی ہوں اور باطل کے دشمن۔ جن کے فتاوی کا منبع و ماخذ ارضی مصلحت نہیں آسمانی معرفت ہو۔ جو دین کی حقیقتوں کو جاننے پہچاننے والے ہوں، جو فاسد اغراض اور دنیاوی مصلحتوں سے بے نیاز ہوں، جن کو دُنیا کا نہیں خدا کی ناراضگی کا ڈر ہو، جو برملا یہ کہہ سکیں کہ فلاں موجودہ قانون اسلامی رُوح کے منافی ہے۔ ہم پورے ایمان و یقین اور کامل بصیرت و معرفت کے ساتھ اور کائنات کی تاریخ کے حوالہ سے اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اسلام عالمِ انسانیت کا ہر پہلو سے مکمّل نظام پیش کرتا ہے وہی ازلی اور ابدی ہے۔ اس نظام کے سوا دوسرے سب نظام وقتی، عارضی اور باطل ہیں۔

شکرانہ

محترمہ بیگم ماہ پارہ نُور صاحبہ ایم۔ اے کو اللہ تعالےٰ نے تین بچیوں کے بعد بیٹا عطا فرمایا ہے۔ انہوں نے اس خوشی میں شکرانہ کے طور پر مبلغ پچیس (25/-) روپے انجمن اور پانچ روپے دارالشفاء کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ بزرگانِ دین و احبابِ سلسلہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو لمبی صالح عمر عطا فرمائے۔ والدین اور جُملہ خاندان کے لئے دینی و دنیاوی خوشی و مسرت کا باعث بنائے۔ آمین۔

یاد رہے کہ نومولود محترم جناب پرنسپل سعد اختر صاحب کا بھانجا اور محترم پروفیسر غلام محمد خادم صاحب کا پوتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے لئے بھی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں لمبی عُمر اور خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے۔ آمین۔ والسلام

خاکسار۔ محمد علی مبلغ ڈیرہ غازی خاں

تقریب شادی

مولوی عبدالرحمٰن صاحب پشاور سے تحریر فرماتے ہیں۔—

مورخہ ۲۲/۶/۷۷ کو موضع سر دکھی) میں خاکسار نے عزیزم برکات محمد (فرزند رشید جناب محمد عالم خاں صاحب) کا نکاح ہمراہ عزیزہ بی بی شمیم (بنت محمد ایوب خاں صاحب) پڑھا۔ خطبہ نکاح میں حقوق اللہ، حقوق العباد کے ساتھ حقوق و فرائض زوجین پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ اس تقریب سعید میں بڑی تعداد میں

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۱۵ جون ۱۹۷۷ء

"خدا دیکھ رہا ہے"

"خدا دیکھ رہا ہے" کے عنوان سے ہفت روزہ معاصر "ایشیا" بابت ۸ تا ۱۵ مئی ۱۹۷۷ء کے سرورق پر جناب نعیم صدیقی صاحب کی ایک نظم چھپی ہے۔ ہم یہ نظم پڑھ کر بہت متاثر ہوئے ہیں۔ نظم کیا ہے اس کا ہر لفظ قلبی اضطراب اور درد و کرب میں سمویا ہوا ایک نقش ہے۔ لیکن جس شعر نے ہماری توجہ کو خاص طور پر اپنی طرف کھینچ لیا وہ اس نظم کا یہ آخری شعر ہے:۔

ناکردہ گناہوں کے تڑپتے ہوئے لاشے
اے صاحب تلوار خدا دیکھ رہا ہے

بت بیداد گر کے ہاتھوں ظلم و ستم سہنے اور رنج اٹھانے کے بعد خدا یاد آ ہی جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ کسی تحریک کو "خیر و شر" اور "نیکی بدی" کے درمیان معرکہ آرائی تصور کرتے اور اسے "غزوۂ تبوک" سے تشبیہ دیتے ہیں وہ کسی صاحب تلوار کے سامنے اس طرح ملتجیانہ انداز میں نہیں گڑگڑاتے اور نہ یہ دہائی دیتے ہیں کہ "خدا دیکھ رہا ہے"۔ بدی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے نیکی کے حامیوں نے ہمیشہ اپنی ہر چیز کو خطرے میں ڈال کر بڑی پامردی اور جرأت ایمانی سے شر کا مقابلہ کیا اور زخم کھاتے اور اپنی آنکھوں کے سامنے "تڑپتے ہوئے لاشے" دیکھنے کے بعد بھی کبھی لب شکوہ وا نہ کیا بلکہ صبر و استقامت کے ان دیو پیکروں کی زبان سے ہمیشہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہی نکلا۔ انہوں نے بدی سے سمجھوتہ کے لئے نہ خفیہ اور نہ ظاہراً ہاتھ پاؤں مارے۔ وہ یا تو خود ختم ہو گئے اور یا بدی کو ختم کر دیا۔ لیکن ہمارے خیال ناقص میں "خیر اور شر میں مقابلہ کی تحریک" اور مذہب کی آڑ میں ملکی اقتدار کی خاطر تحریک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے صرف اسی کی رضا کی خاطر چلائی جاتی ہے اور مؤخر الذکر اپنے نفس کی خوشنودی اور دنیوی شان و شوکت جاہ و حشمت اور خدا کے بندوں کو ذہنی اور جسمانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں تحریکوں میں اپنی جان سے جانے والوں کے مراتب اور مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ "جو ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں" اس جنگ میں ان کے نفس کی کوئی ملونی نہیں ہوتی۔ انہیں مال و متاع یا کسی عہدہ اور اقتدار کا کوئی لالچ نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کسی جنگ میں ایک مسلمان سپاہی جان توڑ کر لڑنے کے بعد میدان میں کام آیا۔ آنحضرت صلعم کے سامنے اس کی جرأت اور دلیری کی بہت تعریف کی گئی اسے جنت کا وارث اور شہید کہا گیا۔ مگر آپؐ کی رائے اس سے بہت مختلف تھی۔ کیونکہ آپ کی پیغمبرانہ بصیرت نے آپؐ پر یہ منکشف کر دیا تھا کہ اس کے اس طرح لڑنے کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ نیت اور ارادے پر منحصر ہے کہ کیسا پھل کسی کی جھولی میں ڈالا جاتا ہے۔

اس میں تو شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ "خدا دیکھ رہا ہے" بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خدا دیکھتا رہا ہے اور دیکھتا رہے گا۔ نعیم صدیقی صاحب اگر بھول گئے ہوں تو ہم انہیں یہ یاد دلانے کی اجازت چاہتے ہیں کہ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب آج سے تین سال قبل ایک سفید فام لیلیٰ محمل نشین کے ابروئے کشیدہ کے ایک ہلکے سے اشارے پر "صاحب تلوار" کے ہاتھ سے تلوار چھیننے کے لئے "تحفظ ختم نبوت" کے نام سے چند لاکھ نفوس پر مشتمل پرامن جماعت احمدیہ کے خلاف خونین ڈرامہ کھیلا گیا۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا۔ جب لائل پور کی ایک نواحی بستی میں ایک احمدی گھرانے کے معصوم بچوں کے نرم و نازک بدنوں پر ابلتا ہوا پانی ڈالا گیا۔ ماں باپ تو کیا غیر بھی اس بہیمانہ فعل کے منظر کی تاب نہ لا سکے۔ خدا۔ رسولؐ۔ علیؓ۔ فاطمہؓ اور حسینؓ کی دہائی دی گئی پر وحشت و بربریت کے خونخوار پنجوں نے ناز و نعمت میں پلے ہوئے خوبصورت جسموں میں اپنے خونیں پنجے گاڑ دیئے۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب سرگودھا میں سرزمین پنجاب کے اقتدار اعلیٰ کی کرسی پر متمکن ایک شخصیت کی آنکھوں کے سامنے احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں سے اٹھتے سیاہ بادلوں نے فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور وہ اپنے عمر بھر کے اثاثہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوتا دیکھتے رہے۔ یہی نظارہ گوجرانوالہ اور لائل پور نے بھی دیکھا۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب ٹوپی کے معزز گھرانوں کی وہ پردہ نشین خواتین جن کی جھلک چشم فلک نے بھی کم ہی دیکھی ہوگی درندگی سے اپنی جان بچانے کی خاطر ننگے سر اور ننگے پاؤں رات کی تاریکی میں اپنے معصوم بچوں سمیت ایبٹ آباد میں سر چھپانے کے لئے پہنچیں۔

خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب راتوں رات سارے پاکستان کے در و دیوار پر یہ نعرے لکھے گئے "مرزائی مرتد اور واجب القتل ہیں"۔ "مرزائیو! پاکستان چھوڑ دو" اور اس قسم کے بے نام خط لکھے گئے کہ "پاکستان چھوڑ دو ورنہ تمہاری لاشوں پر رونے والا بھی کوئی نہ ہوگا"۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب جمال بلڈنگ (ایبٹ آباد) میں دو احمدیوں کے میڈیکل سٹورز کو قانون کا تحفظ کرنے والے اداروں کے سامنے آگ دکھائی گئی اور ساری عمارت آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب پانچ چھ ہزار کے ہجوم نے دو گھرانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے ارادے سے ان پر ہلّہ بول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دار السعید آتشگیر مادہ کی لپیٹ میں آ گیا اور شعلے آسمان کی طرف لپکنے لگے۔ لاکھوں کا سامان چند لمحوں میں خاک ہو گیا۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب ایک احمدی کی لاش اسی کے گھر کے جلتے ہوئے سامان میں پھینک دی گئی اور خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب بالاکوٹ میں باپ بیٹا گولیوں کا نشانہ بنے۔ خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب مری کی احمدیہ مسجد پر لکھا ہوا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ دھوئیں کی لپیٹ میں تحریک تحفظ ختم نبوت کی شجاعت کی داد دے رہا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ کئی اور مقامات پر مسجدوں میں تلاوت کے لئے رکھے ہوئے قرآن شریف نذر آتش کر دیئے گئے اس لئے کہ سورۃ الفاتحہ سے لے کر الناس تک یہ سارے قرآن "مرزائیوں کے قرآن" تھے۔ یہ سب کچھ حضرت محمد صلعم کے نام لیواؤں کے ہاتھوں اسی جمہوریہ پاکستان میں ہوا۔ سارے پاکستان میں اس وقت کوئی ایک آنکھ ایسی نہ تھی جس سے بطور تکلف ہی ایک آدھ آنسو ٹپکا ہو۔ کوئی ایک آواز ایسی نہ تھی جو بے گناہ انسانوں پر ظلم و ستم کے خلاف اٹھی ہو اور کوئی ایک قلم ایسا نہ تھا جس نے کوئی مرثیہ لکھا ہو اور کوئی ایک دل ایسا نہ تھا جس سے آہ نکلی ہو۔ سب زبانیں عوام کے خوف سے گنگ تھیں۔ آج تو قانون نافذ کرنے والے ادارے ایک افواہ پر حرکت میں آ جاتے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب نے برمنبر رسولؐ خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ لوگو ڈرو نہیں جلوس میں جوق در جوق شامل ہونا۔ یہ جہاد ہے۔ ڈپٹی کمشنر اور ایس پی ہمارے جلوس کی قیادت کریں گے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور خدا خاموش

دیکھتا رہا۔ اس میں کیا راز تھا یہ وہ خود ہی جانتا ہے۔ اس آگ اور خون سے کھیلی جانے والی ہولی کا ڈراپ سین ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا۔ جب احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ترمیم پر دستخط کئے جا رہے تھے اور خدا اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب سارے مُلک میں اس فتح اور کامیابی پر یومِ تشکر منایا گیا۔ "نوائے وقت" جس نے اس ساری تحریک کے دوران میں جھوٹے اور من گھڑت قصے کہانیاں اور دلآزار اداریے لکھ کر گوئبلز کی رُوح کو ثواب پہنچایا، نے اس فیصلہ پر "جاء الحق و زھق الباطل" کے عنوان سے اداریہ لکھا۔ مگر جو حق و باطل میں تمیز کی قوت سے محروم ہیں وہ کیا جانیں کہ پردہ اُٹھنے کے بعد کیا منظر ان کے سامنے آئے گا

گذشتہ واقعات کی کڑیاں ملانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "تحریک تحفظ ختم نبوت" "صاحب تلوار" سے تلوار چھیننے کی سب سے پہلی کوشش تھی لیکن آڑ احمدیوں کی لی گئی۔ چونکہ ضرب ایک تیسرے فرق پر پڑتی تھی اس لئے انہیں سیاست کی قربان گاہ پر چڑھانا آسان تھا۔ "محافظین ختم نبوت" یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ چونکہ ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائے گا اس لئے انہیں مُلک کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونک دینے کی کھلی چھٹی ہوگی۔ حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی اور اس طرح وہ اپنی پیش کردہ شرائط کے مدِ نظر اقتدار چھین لینے یا اس میں مؤثر طور پر شریک ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ یہاں سر دستاں خنجر آزمائی کے لئے موجود تھا۔ مُلک بھی بچ گیا اور تلوار بھی۔ احمدیوں کے خلاف تحریک میں تو سبھی ایک گھاٹ پانی پی رہے تھے۔ "صاحب تلوار" کو محافظ ختم نبوت کا خطاب دیا جا رہا تھا۔ اور یہ کہا جا رہا تھا کہ اگر وہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیں تو انہیں قومی ہیرو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر مسئلہ صرف اتنا ہی تھا تو وہ حل ہو گیا تھا۔ پھر موجودہ تحریک کا کیا جواز ہے۔ در اصل بات نہ نفاذِ شریعت" کی ہے نہ نظامِ اسلام رائج کرنے کی۔ اقتدار اور صرف اقتدار کی ہے اور تصادم براہ راست۔

ہم نعیم صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے پُر امن شہریوں کے خلاف جب ہنگامے برپا کئے گئے تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ نہ آنسو گیس پھینکی گئی اور نہ کہیں لاٹھی چارج ہوا بلکہ راقم الحروف اس کا عینی شاہد ہے ایک مجسٹریٹ نے قانون کے محافظوں کو گولی چلانے کی ہدایت کی اور ان کے پاس لاٹھیاں تھیں ہی نہیں۔ شہری مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اعلےٰ ہوں یا ادنےٰ۔ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں حکومت وقت کا یہ آئینی فرض ہوتا ہے کہ ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔ لیکن ان بے بس و مجبور، مظلوم و ستم رسیدہ انسانوں کی نگاہیں اس عالمِ مایوسی میں دنیا کے حکمرانوں سے ہٹ کر صرف احکم الحاکمین کی طرف ہی اُٹھتی تھیں اور اُٹھتی رہیں گی۔ آخر ان کا کیا گناہ تھا۔ نہ انہوں نے بینک لوٹے۔ نہ انہوں نے گرینیڈ اور بم پھینکے۔ نہ انہوں نے بسوں اور عمارتوں کو آگ لگائی نہ کارخانوں میں ہڑتالیں کرائیں۔ نہ بندوقیں نہ برین گن۔ سٹین گن۔ برچھیاں بھالے۔ چاقو، اور چھریاں لے کر دہشت پھیلانے کے لئے جلوس نکالے اور نہ ہی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ نہ کبھی ان کے دل میں حصول اقتدار کی آرزو نے کوئی چٹکی لی۔ اور نہ قومی املاک کا اربوں روپوں کا نقصان کیا۔ نہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں انہوں نے کوئی کردار ادا کیا۔ اور نہ کبھی ملک کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونکنے کا خیال تک دل میں لائے۔ مگر تعجب ہے کہ مہینوں ان کے خلاف رقصِ ابلیس جاری رہا۔ اور کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔

کاش ہمارے محترم نعیم صدیقی صاحب کے سینے میں انسانیت کے دُکھ درد پہ تڑپنے والا ایک حساس دل ہوتا اور وہ ان ناکردہ گناہوں کے تڑپتے ہوئے "لاشوں" پر بھی کم کچھ کے ہی دو آنسو بہا دیتے۔ لیکن انکے نزدیک اسلام ربّ الناس۔ ملک الناس اور الٰہ الناس کا عطا کردہ دین نہیں۔ یہ وہ دین نہیں جو انسان کو فکر و نظر کی آزادیاں بخشتا اور انسانی ضمیر کی زنجیروں کو توڑ کر روایات کے طوق و سلاسل سے اس کی گردن آزاد کرتا۔ یہ وہ دین نہیں جو لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا علمبردار ہے اور جس کا یہ اعلان ہے کہ "حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کرے" (۱۸: ۲۱) اور اس طرح اس نے انسانوں کو کسی نظریہ کے قبول کرنے یا اس سے انکار کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اختلاف رائے رکھنے والوں کے گھروں کو جلانے اور انہیں قتل و غارت کر دینے کا اختیار کسی کو نہیں سونپا۔ حتیٰ کہ دینِ اسلام لانے والے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالےٰ نے یہی کہا ہے کہ:—

"سو نصیحت کر تو صرف یاد دلانے والا ہے۔ ان پر تو داروغہ نہیں۔"

اور پھر فرمایا:—

"ہماری طرف ہی ان کا لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہمارے ذمہ ہی ان کا حساب ہے۔" (۸۸: ۲۱: ۲۲: ۲۵، ۲۶)

چنانچہ قرآن کریم میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ملتی جس کے مدِ نظر آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی ہو کہ وہ یہودیوں عیسائیوں اور مشرکین کو محض اس لئے قتل اور ان کی املاک کو تباہ و برباد کریں کہ وہ نظریات اور عقائد میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس صدیقی صاحب کے نزدیک اسلام ایک تنگ دائرہ میں محدود چند مخصوص نظریات کا نام ہے جن میں سر فہرست حصول اقتدار کی خاطر سب کچھ کر گذرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ دین سیاست تو ہو سکتا ہے دینِ اسلام نہیں۔ اور دینِ سیاست میں دہشت پسندی ہلڑ بازی۔ آتش زنی اور قتل و غارت سب کے لئے جواز موجود ہے۔ اس سے اسلام بدنام ہوتا ہو یا مُلک تباہ ہوتا ہو کوئی مضائقہ نہیں۔ جب جنگ اقتدار کے لئے ہو تو اس میں نقصان دونوں جانب ہوتا ہے۔ پھر یہ یکطرفہ ماتم کیسا؟

وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کیساتھ کچھ دُنیا کی ملونی رکھتا ہے

خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ تقوےٰ ایک ایسا درخت ہے جسکو دل میں لگانا چاہیئے وہی پانی جس سے تقوےٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقوےٰ ایک ایسی جڑھ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے۔ اور اگر وہ باقی ہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعوےٰ کرتا ہے۔ لیکن قدم صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دُنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے۔ جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دُنیا کے لئے۔ پس اگر تم دُنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کریگا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک کئے جاؤگے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کرکے خدا خوش ہوگا۔ (الوصیت صفحہ ۸)

از جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب المحمود

تبلیغِ دینِ اسلام کے لئے عظیم الشان جذبہ محبت کی ضرورت ہے۔

خدارسیدہ اشخاص کی سچی نشانی مخلوقِ خدا سے ان کا بے پایاں جذبہ محبت و خیرخواہی ہے۔

تبلیغِ دین سے درحقیقت کیا مراد ہے؟ اس زمانہ میں جس طرح مذہب اور اس سے ہر متعلق شئے کی نسبت ایک غلط نظریہ پیدا ہو چکا ہے اسی طرح بدقسمتی سے تبلیغ کا بھی ایک غلط مفہوم سمجھ لیا گیا ہے۔ چنانچہ چند ایک وساوس جو اس کے متعلق عام طور پر دلوں میں اُٹھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب کا چونکہ اصل مقصد بندہ کا خدا سے تعلق جوڑنا ہے، اس لئے یہ ایک پرائیویٹ شئے ہے۔ جو ہر فرد کے اپنے متعلق ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو دخل اندازی سے کچھ مطلب نہ ہونا چاہیئے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آزادی اور مذہبی رواداری کی سپرٹ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد آزاد و خود مختار ہو۔ یہاں تک کہ مذہب کے معاملہ میں کسی شخص کو یہ حق نہ ہو کہ وہ اپنے معتقدات کے متعلق دوسرے سے ذکر کرے یا دوسرے کو اپنے مسلّمات کا قائل کرنے کی کوشش کرے۔ اس پر مزید یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آپس میں مذہبی گفتگو اور بحث و مناظرہ کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ ملتوں اور فرقوں میں تنازعے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور نوبت جھگڑوں اور فسادوں پر آ جاتی ہے۔ ملکی امن کی فضا مکدر ہو جاتی ہے۔ ملکی قومیت کے اتحاد میں رخنہ اندازی واقع ہو جاتی ہے۔ پس امن و عافیت اور اتحاد و صلح کی یہی راہ ہے کہ ہر شخص انہی معتقدات کا قائل رہے جو کسی طرح اس نے مان لئے ہیں۔ کسی مذہب یا فرقہ کو یہ حق حاصل نہ ہونا چاہیئے کہ دوسروں کو اپنے مسلّمات کے تسلیم کرانے کی کوشش کرے۔ یعنی تبلیغ کا حق نہ ہونا چاہیئے۔

سچی تبلیغِ دین سے کیا مراد ہے

یہ تمام وساوس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ عوام میں تبلیغ کا جو مفہوم رائج ہے اور جو غلط صورت تبلیغ اختیار کر لیتی ہے وہ دراصل تبلیغ نہیں بلکہ اس کی ضد واقع ہوئی ہے۔ اور ان تمام شبہات کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ تبلیغ کا جو صحیح اور سچا مفہوم اور اس کی اصل صورت ہے اس سے اطلاع نہیں۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ جس طرح جہالت یا خودغرضی کے باعث انسان کئی دیگر عمدہ اور مفید اشیاء کو اپنے لئے مضر بنا لیتا ہے۔ اسی طرح مذہب اور اس کے اصول بھی انسان کی جہالت اور اس کی خودغرضی کا شکار بنتے رہے ہیں۔ لیکن اس سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ ان میں حقیقتاً کوئی اصلیت موجود نہیں۔

مذہب کا اصل مقصد

مذہب بعض بنیادی اور ابدی صداقتوں کا نام ہے۔ سچا دین زندگی کی منازل طے کرنے کے لئے عمدہ اور احسن طریقے کو کہتے ہیں یہ وہ نظریہ دنیا اور مافیہا کے متعلق ہے جو انسانی زندگی کے نبھانے میں بہترین ممد و معاون ہو جس سے انسانی قوتیں پورے طور پر نشو و نما حاصل کر سکیں۔ کامل مذہب کا یہ دعوےٰ ہے کہ ایسا فلسفۂ زندگی سوائے اس کے کسی اور جگہ میسر نہیں آ سکتا دین ایک ایسی شاہراہ ہے جس پر چلنے سے انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ منازلِ ارتقاء حاصل کرتا اور ابدی خوشحالی کا وارث بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں تبلیغ کرنی چاہتا ہے اسے یہ یقین محکم حاصل ہونا لازم ہے۔ کہ جن جن اصولوں اور مسلّمات کی اس کا مذہب تلقین کرتا ہے۔ وہی سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ لیکن صرف یہی یقین کافی نہیں کیونکہ یقین کا درجہ تو صرف اسی قدر ہے کہ محض اپنا دل تسلّی پا جائے کسی دوسرے کو انہیں معتقدات کا قائل کر لینا یقین سے بڑھ کر کسی اور شئے کا طالب ہے اور وہ ہے صداقت کے حسن و جمال کی دلکشی و دلربائی، نیز یہ کہ مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی سے دل لبریز ہو۔

جذبۂ محبت و خیر خواہی کا اظہار

تبلیغِ دین صحیح معنوں میں اس جذبۂ محبت کے اظہار کا نام ہے جو ایک معرفت و بصیرت رکھنے والے قلب میں مخلوقِ خدا کے متعلق جوش مارتی ہے۔ وہ انسان دیکھتا ہے کہ مخلوق کس طرح بعض باطل عقائد و اعمال کے باعث تباہی و بربادی کی طرف جا رہی ہے۔ اسے یقینی و قطعی طور پر یہ خبر ہوتی ہے کہ انجام کار افعال بد و معتقداتِ باطل کا نتیجہ بجز ہلاکت اور کچھ نہیں تو اس کے دل میں خیرخواہی کا جذبہ ولولہ کھاتا ہے۔ اور وہ رہ نہیں سکتا کہ لوگوں کو رشد و ہدایت کے راستے کی دعوت دے جس طرح ایک ہمدرد معالج سے ممکن نہیں کہ وہ ایک بےخبر غیر محتاط مریض کو دیکھے اور اسے اس کی بھلائی کے امور سے آگاہ نہ کرے ایسا ہی سچے مبلغِ دین روحانی معالج ہوا کرتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ والدین اپنی نوجوان ناتجربہ کار اولاد کو گمراہ دیکھیں اور کوشش نہ کریں کہ وہ اپنی بداعتدالیوں سے باز آ جائیں؟ دینی پیشوا کی شفقت و ہمدردی بندگانِ خدا کے لئے مادری اور پدری جذبۂ محبت سے بڑھ کر جوش مارتی ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک جہاں کو گمراہ پائیں اور وہ اتنا بھی نہ کریں کہ ہلاکت کی راہوں سے انہیں متنبہ کریں صدق اور سچائی کی تلقین کریں!

ایک طرف صداقت و نیکی کے متعلق انہیں کامل معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اصول حقہ کی سچائی پر انہیں پکا یقین ہوتا ہے۔ صداقت کے حسن و جمال پر پوری خبر رکھتے ہیں۔ نیز صداقت کے اختیار کرنے سے جو فوائد ابدی انسان کو حاصل ہوتے ہیں اس کی انہیں کما حقہٗ اطلاع ہوتی ہے۔ پھر ساتھ ہی بدی اور بداعتقادی کے مضر نتائج اور مہلک اثرات سے بھی وہ واقفیت رکھتے ہیں۔ پس جذبۂ محبت و ہمدردی کے تقاضا سے وہ رک نہیں سکتے کہ مخلوق کو وہ کچھ دکھلا دیں جو ان کی اپنی آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے انہیں وہ علم و بصیرت دے دیں جس کے ذریعہ خود انہوں نے نیکی اور بدی کے مخفی اور دور کے نتائج کو مشاہدہ کر لیا ہے۔

دُنیا کے مبلغِ اعظم

ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بتلا رہے ہیں کہ تبلیغ دین کے معاملہ میں آنحضرت صلعم کی قلبی کیفیت کیسی تھی۔ وہ پہلا پبلک وعظ جو آپ نے کفار مکہ کو پہاڑی پر چڑھ کر کیا آنحضور صلعم کی قلبی حالت کا آئینہ دار ہے۔ جب سب قبیلے جمع ہو کر بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ ایک خوفناک لشکر اس پہاڑی کے دوسری طرف اس لئے جمع ہے کہ تم پر حملہ کر دے تو کیا تم میری اس بات کو مان لو گے۔ سب نے جواب میں کہا کہ بے شک ہم تسلیم کریں گے کیونکہ آپ صادق و امین ہیں اس پر آپؐ نے فرمایا تو پھر یقین جانو کہ تمہارے موجودہ افعال و معتقدات اسی کے سزاوار ہیں کہ تمہارے اوپر ایک خوفناک عذابِ الٰہی وارد ہو پس توبہ کرو اور اصلاح کی طرف رُخ کرو۔ یہ مختصر واقعہ کیسے نمایاں طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ ایک طرف آنحضور صلعم کا قلب کس محکم

یقین و ایمان سے اپنے مشن کی صداقت پر قائم ہے گویا آپ کفر و انکار کے نتیجہ میں عذاب کو فوج کی شکل میں فی الواقعہ ملاحظہ فرما رہے ہیں دوسری طرف اس سے یہ معلوم دیتا ہے کہ آنحضور صلعم کا قلب مبارک ہمدردی و خیر خواہی خلق کے جذبہ سے کس قدر معمور ہے ورنہ کسی کو کیا سر دردی پڑی ہے کہ اگر بالفرض اس نے اپنی قوم کے بد افعال کے نتائج پر اطلاع پا ہی لی ہے تو وہ ضرور اسے مطلع کرے جبکہ اسے یہ بھی خوب خبر ہے کہ اس کی اس خیر خواہی کا جواب سخت ترین دشمنی اور انتہائی مصائب و آلام کو لانے کا موجب ہوگا؟ لیکن یہی امر تو اس پر دال ہوتا ہے کہ خدا رسیدہ انسان کا سینہ کس درجہ محبت و شفقت سے بھرا ہوا ہے۔ خیر خواہی کے بدلہ میں ہر قسم کے دکھ و مصائب اٹھانے کو تیار ہے لیکن یہ منظور نہیں کہ مخلوق کو راہِ راست پر لانے کے کام کو ترک کر دیں ÷

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کا جوشِ تبلیغ

اس زمانہ میں جس جوشِ صداقت اور عزمِ صمیم سے حضرت مسیح موعودؑ نے تبلیغ اسلام کا بیڑا اٹھایا اسکی بھی دوسری مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ابتداء میں ہی جب آپ نے براہین احمدیہ لکھی جو دینِ اسلام کی حقانیت پر ایک مبسوط و مدلل کتاب ہے تو اس میں آپ نے تبلیغ کے جذبہ کا اظہار یوں فرمایا:۔

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق
نے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمتِ خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

ان اشعار کو پڑھو اور ان کی تہ میں جو جذبات کارفرما ہیں انہیں معلوم کرو۔ جن اصحاب کو علم ہے کہ حضرت اقدسؑ کی ہر ادا کس طرح تصنع اور بناوٹ سے بے نیاز ہوتی تھی، وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ کلام کوئی شاعرانہ تکلف کی باتیں نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے جذباتِ عالیہ کا والہانہ اظہار ہے۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی میں کس قدر سوز و گداز ہے۔ کیسے مخلوق خدا کی خیر خواہی میں گھلے جاتے اور بے تاب ہو رہے ہیں! در اصل خدا رسیدہ اشخاص کی سچی نشانی یہی ان کا بے پایاں جذبۂ محبت و خیر خواہی ہے جو انہیں مخلوق سے ہوتا ہے اسی نسبت سے ان کا درجہ و رتبہ شناخت کیا جاتا ہے۔ سچی تبلیغ دین اسی بات کا نام ہے کہ انسانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات سے قلب لبریز ہو۔ اصولِ صداقت پر محکم یقین اور ان کے حسن و جمال پر اطلاع ان کے فوائد سے خبر ہو۔ پھر جذبۂ ہمدردی میں غرق ہو کر اصول صداقت کو پیش کیا جائے۔ تا انسان ہلاکت و تباہی سے بچ جائیں۔

جہاں حقیقی خیر خواہی مدِ نظر نہیں جس دل میں انسانوں کے لئے بجائے محبت و الفت کے نفرت و حقارت اور دشمنی کے جذبات موجزن ہیں یا جس جگہ اپنی ہی بات کی ضد اور پیچ دھڑا بندی اور تعصب و جہالت موجود ہے وہاں صحیح معنوں میں نہ تبلیغ دین سر انجام پا سکتی ہے نہ ہی مذہب کا صحیح تصور پیش کیا جا سکتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ کی خصوصیت

یہ بالکل سچی بات ہے کہ کسی جماعت کے بانی کا جو رویہ ہوگا وہی اس جماعت کے افراد کا خاصہ بن جائے گا۔ چنانچہ واقعات میں ہمیں یہ امر دکھائی دیتا ہے۔ جس طرح حضرت اقدسؑ کا قلب مبارک مخلوق کی ہمدردی کے جذبہ سے لبریز تھا، اسی جذبہ کی لہر سے جماعت احمدیہ کے افراد متاثر تھے۔ جماعتِ احمدیہ کی اساس صحیح معنوں میں بندگانِ خدا کی محبت اور ان کی خیر خواہی پر استوار ہوئی تھی۔ دھڑا بندی، تعصب، ضد، جہالت کا جماعت کے عناصر ترکیبی میں کوئی حصہ نہ تھا۔ نہ ہی کسی گروہ یا فرقہ یا مذہب سے منافرت و دشمنی پر جماعت کی بنیادیں رکھی گئی تھیں۔ آج تو بہت سی بحثیں اس موضوع پر کی جاتی ہیں کہ جماعتِ احمدیہ کے دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق حضرت اقدسؑ کی اصل تعلیم و سپرٹ کا حامل ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ صرف ایک بنیادی امر کو دیکھ لینا بھی کافی ہے۔ جاؤ جانچو اور پرکھو کہ دونوں جماعتوں میں سے کونسے فریق نے حضرت اقدسؑ کے جذبۂ محبت و خیر خواہی کو برقرار رکھا ہے؟ کونسے فریق کا انحصار اس امر پر ہے کہ دوسرے فریق کی بات کو نہ سنا جائے نہ اس پر غور کی جائے نہ ان سے انس و محبت پیدا کی جائے؟ کس جگہ یہ زور دیا جاتا ہے کہ غیروں کو تو چھوڑیئے اپنی جماعت کے دوسرے فریق کے افراد سے جذبۂ نفرت و حقارت کو دل میں جگہ دی جائے؟ کہاں علم و بصیرت کی روشنی سے مدلل و معقول فضا موجود ہے۔ اور کہاں محض اندھا دھند تقلید اور غیر شرعی اطاعت و محبت پر سارا دار و مدار ہے؟ کس جماعت کے افراد دھڑا بندی، تعصب اور جہالت کا پہلو لئے ہوئے ہیں اور کہاں نسبتاً انصاف و حق گوئی اور معقولیت کا پہلو غالب نظر آتا ہے؟ واقعات ہمیشہ کے لئے مخفی نہیں رہ سکتے گو کسی وقت تک ان پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔

غرضیکہ ایک طرف جماعتِ احمدیہ کے قلوب محکم ایمان و یقین سے لبریز تھے۔ ایسا یقین کہ جس پر زیادت ممکن نہیں، ہر فرد کا قلب یہ شہادت دے رہا تھا کہ فرقانی ہدایت کے اصول ہی دنیا کے لئے موجب نجات ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی علاج کارگر نہیں۔ دوسری طرف ان اصولوں کی دلکشی و دلربائی کا یہ عالم تھا کہ کشاں کشاں ہر فرد ان کے حسن و جمال کا شیدا و فریفتہ ہی نہیں بلکہ اس کے دل میں ابل ابل کر یہ جوش لہریں مارتا تھا کہ وہ کیا ذریعہ ہے جس سے باقی لوگ بھی اس حسن و جمال کو مشاہدہ کر لیں! محبت و ہمدردی اس درجہ کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کہ ہر فرد اپنی امکانی جد و جہد کو کام میں لاتا تھا کہ دوسرے انسانوں کو ان اصولوں کی صداقت و معقولیت کا قائل کرے۔ یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سچی تبلیغ کا جوش محض ذوق یقین سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ دلائل و علم دماغ کو روشنی تو دیتے ہیں اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ لیکن کسی حرکت کے پیدا کرنے کے لئے قلبی جذبات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اطمینان و یقین جو دماغ کو دلائل و علم سے میسر آتا ہے جب اس درجہ کو پہنچ جائے کہ انسانی دل پر اثر انداز ہو جب نہ صرف یقین و علم ہو بلکہ حسن و جمال کا نظارہ بھی ہو۔ جب محبت و عشق کی لہریں دل میں موجزن ہوں تب وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس وقت ایک انسان قبول صداقت کے ادنٰے درجہ سے نکل کر اشاعت صدق کی تحریک کا حامل بن جاتا ہے۔

ایمان و یقین اور محبت و الفت

یہ ایک بڑا نازک مقام ہے کہ مخالف کے باطل اصولوں کی بیخکنی پر ساری جدّ و جہد صرف کر دی جائے۔ اس لئے کہ اسی میں ایک جہان کی خیر خواہی مضمر ہے۔ مگر مخالف کی ذات سے قطعاً ادنٰے درجہ کی پرخاش و عداوت نہ ہو یہ امر آسان ہے کہ ایک شخص اصول صداقت کی حمایت اور باطل شکنی میں بدی کے مظہروں سے عداوت کی ٹھان لے اور دوسری طرف یہ بھی مشکل نہیں کہ جذبۂ محبت و خیر خواہی یہ شکل اختیار کر لے کہ ایک انسان ہر بدکار و بدعمل سے صلح جوئی پر آمادہ ہو جائے یہ دونوں راستے افراط و تفریط کی راہیں ہیں۔ کامل صدق و ایمان کا تقاضا ہے کہ باطل کی بیخکنی و بربادی پر پوری ہمت و قوت صرف کی جائے نہ یہ کہ بد اعتقادی و بدعملی سے صلح کاری کا راستہ ڈھونڈھا جائے۔ لیکن بد اعتقادی و بدعملی کی بیخکنی کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اس کے مظہروں سے ذاتی عداوت و دشمنی کا وطیرہ اختیار کیا جائے۔ اصل مقصد اصلاح ہے نہ کسی سے نفرت و حقارت پیدا کرنا۔ اگر پوری جوانمردی و شجاعت

(باقی بر صہ ۹ کالم ۲)

الحاج خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مسیح موعود کا پیدا کردہ علم الکلام

حضرت مرزا صاحب کی تحریر میں یہ کمال ہے کہ آپ نے باریک سے باریک مسائل کو سریع الفہم طریق پر موٹے سے موٹے الفاظ میں بیان کر دیا

مجدد وقت کا ایک بڑا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ضرورت زمانہ کے مطابق ایک نیا علمِ کلام پیدا کرے۔ آج مسلم احباب انگریزیت کے توغل سے کچھ ایسے دُور چلے گئے ہیں کہ وہ مصطلحات مذہبی سے بھی ناواقف ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو علم کلام کے مفہوم سے بھی آشنا ہوں۔ یوں تو علم کلام کی بہت سی شاخیں ہیں۔ معانی۔ منطق۔ اسی کی فروع ہیں۔ لیکن میں علم کلام کا وہ حصہ لیتا ہوں جسے مذہبی ابحاث میں علی العموم لایا جاتا ہے۔

اس زمانے نے ایک نیا فلسفہ دیکھا۔ جس کی ابتدا تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعی مجددیت کے ایام میں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اسی غرض کے لئے ایک زبردست کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔ مگر اس فلسفہ کا زور ہمارے زمانہ میں آ ہوا۔ یونانی فلسفہ کی بنیاد زیادہ تر نظریات پر تھی۔ لیکن جدید فلسفہ اُن نظریات کو پیش کرنے لگا جن کی بنیاد عموماً مشاہدہ و تجربہ ہے۔ مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ نظریوں کی بنیاد بھی محکم ہوتی ہے۔ بعض وقت وہ بھی مغالطہ سے پاک نہیں ہوتے۔ سرسید علیہ الرحمۃ نے اس فلسفہ کے مسلمات کو قبول کر کے اس کے آگے عموماً گردن جھکا دی اور بعض جگہ اسکے تطابق میں قرآن کو بھی معرضِ تحویل میں لایا گیا۔ چونکہ مشہودات ہی اس فلسفہ کا بنیاد ہیں۔ اس لئے جدید علوم نے وجدانی یا عام طور پر غیر محسوس امور سے انکار کرتے ہوئے مکالمہ الٰہیہ سے بھی انکار کیا۔

حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ نے سرسید علیہ الرحمۃ کے بالعکس راستہ اختیار کیا۔ آپ نے قرآن کریم کو تحویل سے بچایا۔ آپ نے ہر جگہ قرآن کریم کے لفظی معنے لئے۔ پھر اس کے برخلاف جن غلط نظریات کو فلسفہ جدیدہ نے پیش کیا۔ اُسے عقلی طور پر توڑ کر قرآنی حقائق کا تفوق ان پر ثابت کیا۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریر میں یہ کمال ہے کہ آپ نے باریک سے باریک مسائل کو سریع الفہم طریق پر موٹے موٹے الفاظ میں بیان کر دیا۔ یہی رنگ ان کے علم کلام میں بھی ہے میں ذیل میں آپ کے پیدا کردہ علم کلام میں سے چند باتوں کو لکھ دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ وہ باتیں بھی لکھ دیتا ہوں جو آپ کے بعض شاگردوں نے مذاہب دیگر کے مقابل بطور علم کلام پیش کیں۔ لیکن آپ کے شاگردوں نے جو کچھ بھی لکھا یا نئے اصول بحث تجویز کئے وہ سب کے سب حضرت مرزا صاحب کے کلام سے اخذ کردہ ہیں۔ میں یہاں دس اُصولوں کو لکھتا ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ باتیں خود قرآن ہی کی تعلیم کردہ ہیں۔ ضرورت کے وقت مبلغین اسلام انہیں اس سرچشمۂ حکمت سے نکال لیتے ہیں:۔

(۱) سب سے اوّل ۱۸۹۳ء میں جناب مرزا صاحب نے ایک نہایت زبردست ہی نہیں بلکہ اچھوتا اُصول قائم کیا۔ اس وقت آپ امرتسر میں عیسائی قوم کے ساتھ سرگرم مباحثہ تھے۔ آپ نے مباحثہ کے شروع میں ہی فرمایا کہ خدا تعالےٰ کی کتاب اگر کسی امر کی تعلیم کرے تو اس کے دلائل بھی خود دے۔ یعنی اپنے دعوے کے ثبوت میں خود ہی دلائل بھی دے۔ مثلاً اگر خدا کی ہستی منوائے تو پھر اس کی ہستی کے دلائل بھی دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی امر تحکمانہ طور پر تعلیم ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی کتاب تو خود خاموش رہے اور اس کے ماننے والے خدا کے اس نقص کو بطور تکمیل پُورا کریں۔ یہ اُصول نہ صرف بداہت حقہ تھی بلکہ بظاہر ہر ایک اہل کتاب کے مفید نظر آتی تھی۔ اس لئے فریق ثانی نے اس اُصول کو جلد مان لیا۔ اس نے سمجھا کہ عیسائی معتقدات کی صحت میں خارجی دلائل تو مشکل سے پیدا ہوں گے۔ لیکن آیاتِ انجیل کو اپنے عقائد کے ثبوت میں پیش کر دینا مشکل نہ ہوگا۔ مگر اُسے جلدی سمجھ آ گئی کہ اس اُصول کو مان کر مذہب چھوڑ ان کی کتاب الہامی بھی خاک میں مل گئی۔ اوّل تو عیسوی عقائد کا پتہ ہی انجیل میں نہیں ملتا اور اگر کوئی بات کھینچ تان کر انجیل سے نکلی بھی تو وہ بذات خود ایک دعوےٰ تھی مثلاً ابنیت مسیح کے ثبوت میں یہ تو کہہ دیا گیا کہ انجیل نے فلاں فلاں جگہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہا ہے۔ لیکن جب بالمقابل انہیں بتلایا گیا کہ یہ تو بذات خود انجیل کا ایک دعوےٰ ہے اور انجیل کا فرض تھا کہ وہ اپنے الفاظ میں ہی مسیح کے ابن اللہ ہونے کے دلائل دے۔ ہم اسے مان لیں گے تو یہ امر محال ہو گیا چنانچہ جو کچھ انہوں نے لکھا وہ مصادرۃ علی المطلوب تھا۔

الغرض جو بات بھی انہوں نے انجیل سے پیش کی وہ بذاتِ خود ایک دعوےٰ تھا۔ اس کے ثبوت میں انجیل سے وہ کوئی دلیل پیدا نہ کر سکے۔ اگرچہ مرزا صاحب نے اس وقت تو عیسائیوں کے مقابل اسلامی علم کلام میں اس اصول کو ایزاد کیا۔ لیکن یہ اصول کچھ ایسا جامع ثابت ہوا کہ وہ ہر مذہب کے پرکھنے میں ایک معیار صحیح نکلا۔ چنانچہ حضرت صاحبؒ کے اس وضع کردہ اُصول پر مجھے دوسروں کی مقبولہ کتب سے ایک کتاب بھی ایسی نظر نہیں آتی جو اس مطالبہ کو پورا کرے۔ مثلاً عیسائی، یہودی آریہ، مسلمان سب کے سب خدا کی ہستی کے قائل ہیں۔ لیکن قرآن کے سوا اس ہستیٔ برتر کے متعلق کسی کتاب نے کوئی دلیل نہیں دی ایسا ہی یہ سب کے سب مذہب حیات بعد الموت اور الہام کے قائل ہیں۔ مسلمانوں کی طرح عیسائی اور یہودی۔ قیامت حشر اجساد اور نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ باتیں تو ہر مذہب میں بطور صداقت مانی گئی ہیں۔ لیکن ان امور کے منوانے کے لئے کسی کتاب نے قرآن کے سوا کوئی دلیل عقلیہ نہیں دی۔ مثلاً ہر ایک نے کہا کہ موت کے بعد ہم پھر زندہ ہوں گے۔ لیکن جب دلائل طلب کئے گئے تو قرآن کے سوا کسی کتاب میں کوئی دلیل نظر نہ آئی۔

یہ زمانہ تو دلائل عقلیہ کا ہے۔ اس لئے مسلم دُنیا کے علاوہ باقی زمانہ نے ان امور سے آخرکار انکار کر دیا۔ جناب مرزا صاحب کے اس اُصول سے ایک اور اُصول مستنبط کیا گیا۔ جسے میں نے مغرب میں استعمال کیا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی الہامی کتاب دوسرے مذاہب کے بعض مسلمات کو تسلیم نہ کرے تو اس کتاب

میں ان باتوں سے صریح انکار ہو اور ساتھ ہی تردید میں عقلیہ دلائل بھی دیئے گئے ہوں۔ مثلاً مسلمانوں کی طرح عیسائی اور یہودی تناسخ اور قدامت مادہ کے قائل نہیں۔ لیکن ان باتوں کا ذکر تک تو انجیل، توراۃ میں نہیں۔ ان کی تردید کا ہونا تو امر دیگر ہے۔ بالمقابل قرآن کریم نے نہ صرف ان عقائد باطلہ کا ذکر کیا بلکہ ان کی تردید میں دلائل عقلیہ بھی دیئے۔ بالمقابل اگر تناسخ اور قدامت مادہ کے ماننے والوں سے مطالبہ کیا جاوے کہ وہ وید میں سے ان عقائد کے ثبوت میں دلائل دیں تو وہ بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ الغرض مرزا صاحبؒ کا یہ اصول کچھ اس قسم کا مضبوط ہے کہ اس کے مقابل کوئی متدعویہ الہامی کتاب کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اور اس زمانہ دلائل و منطق میں اس اصول سے کون انکار کر سکتا ہے۔

(۲) آپ نے دوسرا اصول یہ باندھا کہ خدا کی کتاب وہی ہو سکتی ہے جس میں ہر ضرورت انسانی کا علاج ہو۔ وہ سب فطری تقاضات کو سامنے رکھے اور انہیں پورا کرے۔ یعنی خدا کی کتاب فطرت انسانی کی اصلاح کے لئے آئے، نہ یہ کہ مہلک فطرت ہو۔ اس مطالبہ کو بھی قرآن کریم کے سوا کوئی کتاب پورا نہیں کرتی۔ بلکہ عیسائی عقائد اس لئے آپ مانتے نہیں جاتے کہ وہ مہلکِ فطرت ہیں۔

(۳) ایک اور اصول حضرتؒ نے یہ باندھا کہ مذہب اگر تربیت انسانی کے لئے آتا ہے تو اس کتاب میں کل انسانی جذبات کی تربیت و تعدیل کا سامان ہو۔ اس کی تشریح میں جو کچھ آپ نے لکھا اور جس وضاحت سے لکھا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ آپ نے تو اس امر میں در اصل علم اخلاق کا ایک دریا بہا دیا۔ اور میرے نزدیک وہ کام کیا ہے جو ایک مجدد کے شایاں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کا نفس حیوانی جذبات کا مجموعہ ہے۔ جو جذبات فرداً فرداً تو مختلف حیوانات میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کل انسان میں آ جمع ہوئے۔ وہ حالت پیدائش کے وقت اپنی حالت طبعی میں ہوتے ہیں جس طرح وہ حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔ مذہب کا یہ کام نہیں کہ ان کو ذبح کر دے کیونکہ سب کے سب جذبات عطیۂ الٰہی ہیں۔ وہ تو کسی محل و قوع کے لئے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا محل استعمال الگ الگ ہوتا ہے۔ کتاب اللہ کا فرض ہے کہ اوّل وہ ان سب جذبات کے تعدیل میں لانے کی تعلیم دے۔ اسی کا نام تکمیل نفس ہے۔ پھر ان کا محل و موقع بتلائے۔ کیونکہ یہی جذبات اعتدال میں آ کر جب اپنے محل و موقع پر استعمال ہوتے ہیں تو ان کا نام اخلاق حسنہ ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے ان طبعی جذبات کے محل موزوں پر استعمال کرنے کا نام خُلق رکھا۔ پھر فرمایا کہ یہی اخلاق جب ایثار کے رنگ میں آ کر خلق اللہ کی خدمت میں لگ جاتے ہیں تو انسان میں روحانیت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۴) آپ نے فرمایا کہ مذہب الٰہیہ انہی جذبات کو اخلاق اور پھر روحانیات میں متشکل کرنے کا نام ہے۔ محض رسمیات کے مجموعہ کا نام مذہب نہیں۔ اگر خدا کی پرستش کا نام مذہب ہے تو وہ پرستش بھی تعمیر اخلاق کے لئے ہونی چاہیئے۔ مثلاً قرآن مجید نے جس اللہ کو منوایا ہے اس کے سوشیون (صفات) کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ انہیں کا نام اخلاق الٰہیہ ہیں۔ ان کے ننانوے نام تو حدیث میں آئے جو قرآن سے لئے گئے لیکن قرآن نے ایک نام اس کا رنگ بھی رکھا ہے۔ ان اخلاقِ الٰہیہ میں متخلق ہونے کا نام قرآن نے مذہب رکھا (من احسن صبغۃ) وہ اخلاق الٰہیہ دراصل ایک کامل اور ارفع انسان کے اخلاق ہیں۔ اور ان کی ضرورت مذہباً ہی نہیں بلکہ ہر جگہ ہے ان اخلاق پر علیٰ وجہ التجرد تو ایک دہریہ بھی حرف نہیں لا سکتا۔ ایک لامذہب بھی انہیں زیور انسانیت سمجھے گا۔ حضرت نے کہا کہ خدا کی کتاب نہ صرف عبادت الٰہیہ کا طریقہ بتلائے بلکہ ان کے اخلاق کے پیدا کرنے کا راستہ بھی بتلائے اسی امر کا نام شریعت اسلامی ہے۔ یہ امر بھی قرآن کریم کے سوا کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ قرآن نے ان اخلاق کی تشریح میں صحیفۂ قدرت کی طرف بھی اپیل کی ہے۔

(۵) ان اصول (نمبر ۳ و ۴) کی تشریح میں حضرت مرزا صاحب نے نبی کامل کے لئے یہ شرط لگا دی کہ اس کی زندگی میں اس قسم کے مواقع پیدا ہو جائیں کہ جن کے ماتحت یہ سارے اخلاق ظاہر ہوں ورنہ اخلاقِ منفیہ کچھ چیز نہیں۔ یعنی اس قسم کا وعظ کرنا کہ فلاں فلاں چیز کرو یا نہ کرو۔ واعظ کے اخلاق میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن حقیقی خلق یہ ہے کہ وہ اس سے ظہور بھی پائیں۔ مثلاً کسی انسان کے اندر گو امور ناجائز کی تحریکات ہوں۔ اس میں بدی کرنے کی طاقت بھی ہو وہ اس فعل بد کو دوسروں کی نگاہ سے چھپا بھی سکے۔ اس پر وہ بدی نہ کرے تو وہ باخلق سمجھا جائے گا۔ جیسے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک مصری عورت کے مقابل اپنی عصمت کو قائم رکھا۔ ایسا ہی مضیبت کے وقت غالب دشمن کے مقابل میں زبانی معاف کر دینا کوئی خوبی نہیں۔ عفو حقیقی اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب انسان کو اذیت پہنچے۔ وہ اس اذیت پر صبر کرے۔ پھر اس پر وہ وقت بھی آ جائے کہ جب اس کے دشمن اس کے قدموں میں ہوں۔ اس میں انتقام کی طاقت بھی ہو۔ لیکن وہ معاف کر دے۔ اس قسم کے خلق عظیم کا مظہر صرف خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔

(۶) مرزا صاحب نے فرمایا کہ جسم سے کوئی الگ چیز روح نہیں بلکہ حیوانی جذبات تعدیل میں آ کر جب انسان کے نفس کو حالت مطمئنہ تک پہنچا دیتے ہیں تو اس حالت میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام رُوح ہے۔ رُوح کی پیدائش اخلاقِ فاضلہ سے ہوتی ہے جو بذاتِ خود جذبات حیوانیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جذبات کی پیدائش جسم سے ہوتی ہے۔ گویا رُوح جسم کا ایک بالغ بچہ ہے۔ رُوح اور جسم کی بحث قدیم الایام سے اسلامی علم کلام میں چلی آتی ہے لیکن قرآن کی تعلیم جیسا کہ سورۃ المؤمنون سے پایا جاتا ہے یہی ہے۔ مرزا صاحب نے ان امور کو ضیاقت طبع کے طور پر نہیں لکھا، بلکہ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس سے ایک طرف عیسائیت اور دوسری طرف تناسخ اور قدامت مادہ وغیرہ کی بنیاد تک ہل جاتی ہے۔ میں نے مفصّل طور پر اپنی انگریزی تصنیفات میں یہ بحثیں کی ہیں۔

(۷) انسان ایک پاک اور بالقویٰ مکمل فطرت لے کر آیا ہے۔ اس فطرت کی تربیت کے لئے مذہب آتا ہے۔ یہ فطرت ناقص نہیں ہوتی۔ اس فلسفہ کی بنیاد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے لیکن یہ وہ فلسفہ ہے کہ جو مسئلہ گناہ ازلی کو باطل ٹھہرا کر عیسائیت کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اس فلسفہ سے تناسخ کے عقیدہ میں بھی تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ہر انسان فطرت سلیمہ لے کر دنیا میں آتا ہے تو سابق جنم کے تاثرات کہاں گئے۔ حضرتؒ کے خدام نے اس فلسفہ کو بھی مفصّل لکھا۔ اور عیسائیت کے خلاف یہ تو ایک ایسا حربہ مغرب میں استعمال ہوا کہ اس کی ضرب نے کلیسیت کو چکنا چور کر دیا۔ قربان جاؤں غلام حضرت خاتم النبیینؐ

کے کہ کس طرح وہ عام فہم الفاظ اور ساتھ ہی سریع الفہم طریق پر ایک اصُول تعلیم کرتا ہے جو مذاہب باطلہ کے مضبُوط قلعوں کو توڑ دیتا ہے

(۸) یہ امر بھی قرآن کا ہی تعلیم کردہ ہے۔ اور میں نے تو اسے ایک فیصلہ کُن دلیل کی شکل میں مغرب میں استعمال کیا۔ قرآن نے اس امر کو بھی بہت ہی واضح طور پر لکھا ہے۔ لیکن مسلم طبائع اس سے کچھ ایسی اجنبی ہو گئیں کہ جب حضرت مرزا صاحب نے اس بات کو پیغام صلح میں لکھا تو اس پر سخت مخالفت ہوئی۔ وہ یہ کہ دنیا کی کوئی قوم خدا کے ہادی یا رسُول کی بعثت سے محروم نہیں رہی۔ ہر ایک قوم کو مذہب حقہ خدا کی طرف سے ملا۔ لیکن بعد میں انسانوں نے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور مذہب حقہ میں آمیزش کر دی۔ اس اصُول کو حضرت رح نے اپنی وفات سے چند دن پہلے بیان کیا۔ میں نے دیکھا کہ جہاں میں نے مخالفین اسلام کے سامنے اس بات پر زور دیا ان کی مخالفت نصف سے زیادہ کم ہو گئی۔ یورپ میں خاص کر اس تعلیم نے اسلام کی وسعت قلبی کو قائم کیا اور ان کی نگاہ میں اسلام کا تفوق پیدا ہوا۔ حالانکہ یہ وہ اصُول ہے کہ جس کو مان کر نبوت محمدیہ پر ایمان لانا لوازمات سے ہو جاتا ہے۔ جب ہر قوم کو خدا کی طرف سے ہدایت ملی۔ اور ہم نے ہر دوسری قوم کے نبی کو ہادی مان لیا۔ اور اس طرح خدا کی طرف سے تعلیم کا آنا ایک ضروری امر ہو گیا تو پھر جب جناب مسیح کے بعد دنیا کی کل کی کل کتب الٰہیہ اصلی شکل و صورت میں نہ رہیں اور اب تو ان کا محرّف ہونا سب نے مان لیا تو کیا وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی تعلیم دوبارہ نہ آئے، وہ قرآن کی شکل میں آئی اور قرآن اس لئے خاتم الکتب ہے کہ وہ آج تک محفوظ ہے۔ یہ ایک سیدھا فلسفہ ہے۔ اور قرآن نے بطور دلیل استعمال کیا ہے کہ یا تو پرانی کُتب میں سے کوئی کتاب لانے والوں کو ملے یا کوئی نئی کتاب آئے۔

(۹) مرزا صاحب رح نے ایک موٹا گُر یہ بتلایا کہ تم ہر ایک مذہب کے اصُول کو علیٰ وجہ التجرد نہ دیکھو بلکہ اس کی تنقیح و تجزیہ کرو۔ اس اصُول کے اثر کو روزانہ اعمال پر دیکھو۔ اس کا اثر زندگی پر دیکھو۔ پھر اگر دیکھو کہ اس کا کیا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی اصُول عملاً مفید ثابت ہو تو وہ قابلِ قبول ہے و اِلّا وہ ماننے کے قابل نہیں مثلاً مسئلہ تناسخ کے رُو سے ہمارا ہر ایک عمل کسی گذشتہ عمل کے ماتحت ہوتا ہے۔ گویا جو کچھ بھی ہم کرتے ہیں وہ مشین کی طرح کرتے ہیں۔ ہم اس پر مجبور ہیں۔ جو ہم سے ہوتا ہے وہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم کوئی نئی نیکی نہ کر سکیں اور نہ بدی سے بچ سکتے ہیں۔ نہ کوئی نئی ترقی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ پچھلے جنم کے آثار و اظلال ہیں۔ مسئلہ کفارہ اسی طرح ہر خوبی و ترقی کو روکتا ہے۔ مثلاً بیماریاں اگر کسی گذشتہ بدعملی کا نتیجہ ہیں، تو وہ اس بدی کے تناسب پر ہو کر رہیں گے۔ پھر کیوں علاج کیا جائے۔ کیوں علم طب کو فروغ دیا جائے۔ تناسخ کے ماننے پر اس کا جمود ایک ضرورت منطقیہ ہے۔ اسی طرح جب کفارہ پر ہی نجات منحصر ہے تو کسی حسنِ اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ الغرض اس نویں اصُول کے ماتحت ہمیں اسی عقیدہ کو تسلیم کرنا چاہیئے جو عمل میں آ کر مفید ثابت ہو سکے۔

(۱۰) عیسائیت کے خلاف جو دسواں اصول پیدا ہوا۔ وہ نہ صرف اپنی نوعیت میں نیا ہی تھا بلکہ اس نے اس مذہب کا ہی خاتمہ کر دیا۔ یہ بیان کیا گیا کہ مذہب کلیسوی کی کوئی تعلیم۔ کوئی عقیدہ کوئی روایت، کوئی رسم عبادت حتے کہ مصطلحاتِ کلیسیا تک بھی ان سب میں ایک امر بھی ایسا نہیں جو قدیم کفار کے مذاہب سے مسروقہ نہ ہو۔

اس عشرہ کاملہ کے بیان کرنے کے بعد میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ جہاں کہیں مَیں گیا اور جو سوال بھی مجھ پر مذہبی رنگ میں ہوا۔ میں نے ایک منٹ کے لئے بھی جواب میں تامّل نہیں کیا۔ اور مغرب میں تو ہر لیکچر کے بعد سلسلۂ سوال و جواب شروع ہو جاتا ہے اس کی وجہ تعلیم حضرت تھی کہ مغربی دنیا نے اور اس کے بعد مصری دوستوں نے جو اعتراض بھی کرنا چاہا وہ ابھی ان کے منہ میں ہی ہوتا تھا تو مَیں اسے سمجھ جاتا کیونکہ قریبًا سب کی سب باتوں پر حضرت مرزا صاحب نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے یا کہا ہے۔ میں نے علم کلام بالا میں ایک خاص امر کا ذکر نہیں کیا کیونکہ بالواسطہ اسے مذہب سے تعلق نہ تھا۔ لیکن بالفاظ مرزا صاحب یہ وہ جال ہے جس میں چھوٹی بڑی سب مچھلیاں آ جاتی ہیں۔ آپ نے یہ دعوےٰ کیا کہ عربی زبان سے کُل زبانیں نکلی ہیں عربی زبان الہامی ہے یعنی نسلِ انسانی کے اجداد کو عربی زبان ہی خدا نے سکھلائی۔ جس سے باقی کی زبانیں نکلیں۔ اس کی غرض یہ ہے کہ اگر خدا تعالےٰ اپنا کامل الہام پہنچانا چاہے تو عربی میں ہی بھیجے۔ ایسے ہی اگر کل دُنیا کی زبان میں الہام الٰہی کا ہونا ضروری ہے تو وہ عربی زبان ہی ہے۔ کیونکہ یہی زبان مقاصد مذہب کو ٹھیک طور پر ادا کر سکتی ہے۔ اور سب کی اصل زبان ہے۔ حضرت مرزا صاحب رح نے اس امر کو ایک نہایت ہی مہتم بالشان سمجھا۔ چنانچہ جس وقت لنڈن کے مدرسہ السنۂ شرقیہ میں مَیں نے لیکچر دیا اور وہاں شرط تھی کہ مذہب پر لکچر نہ ہو تو میرے لیکچر کا مضمون یہ تھا کہ صرف عربی زبان ہی مذہب کی زبان ہو سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے وہی کہا جس کے سننے کو میرے سامعین تو تیار نہ تھے لیکن مجبور تھے اور ان پر اسلام کی حقانیت بوجہ احسن ثابت ہو گئی ؛

تبلیغ دینِ اسلام کے لئے عظیم الشان جذبۂ محبت کی ضرورت ہے

(بسلسلہ صفحہ ۷)

سے بدی کا دفعیہ کر مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ ایک قسم کی نرمی و رافت جو مداہنت و منافقت سے مشابہ ہو اختیار کی جائے تو بھی مخالفت کی اصلاح ہونی ممکن نہیں۔ دوسری طرف جذبات استقامت و شجاعت کو اس مرتبہ تک پہنچانا بھی صحیح نہیں کہ ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات جو تحریک کی اصل بُنیادیں ہیں مبدل بہ نفرت و حقارت ہو جائیں۔ جو اصحاب خدا تعالیٰ کی جانب سے تبلیغ دین پر مامور کئے جاتے ہیں وہ متضاد قویٰ کو بہ یک وقت ارتقاء دیتے ہیں چنانچہ خود حضرت نبی کریم صلعم کی ساری زندگی اس امر کی کھلی تفسیر موجود ہے ایک طرف یقین و ایمان، جوانمردی و شجاعت استقامت و اولوالعزمی کا یہ حال ہے کہ حمایت حق و بیخکنی باطل کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ لیتے اور تلوار اُٹھا کر سالہا سال تک جنگوں کے خوفناک سلسلہ کو اختیار فرماتے ہیں۔ مگر مخالفت و باطل سے کسی قسم کی صلح جوئی و نرم رفتاری سے پیش نہیں آتے۔ لیکن کیا کمال ہے کہ نہ صرف آنحضور صلعم کا قلب مقدس مخالفوں کی ذاتی عداوت کے جذبہ سے بکلی پاک تھا بلکہ آنحضور صلعم کے ساتھی بھی مخالفوں کے لئے مجسّم رحم تھے۔

عاشقِ صدق و سداد و راستی
دُشمنِ کذب و فساد و ہر شرے

هفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں
(مینیجر)

ذاھد جنجوعہ صاحب:—

لائلپور میں مورخہ ۲۷ مئی بروز جمعۃ المبارک مقامی جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام یوم مسیح موعود منایا گیا۔ مرکز سے بھی متعدد احباب نے شرکت فرمائی

"مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی آمد ہمارے لئے بہت مبارک اور قلبی راحت کا باعث ہے۔"

—(میاں شوکت حمید صاحب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ)—

اس تقریب میں مقامی دوستوں کے علاوہ مرکز اور دیگر شہروں سے بھی احباب تشریف لائے۔ موسم خوشگوار تھا۔ جماعت لائلپور نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق مہمانداری کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔

خطبہ جمعہ جناب مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان نے دیا۔ آپ نے اس یوم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ۲۶ر مئی بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام قادیانی کا یوم وصال ہے۔ اس سلسلہ میں یہ اجلاس اس لئے منعقد کئے جاتے ہیں تاکہ آپ نے جو مشن ہمارے سپرد کیا ہے۔ اس کی اہمیت کی یاددھانی ہوتی رہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہمارے سامنے دو مقصد رکھے تھے۔

علم اور عمل } آپ نے علم وفضل کے ذریعے وہ انقلاب بپا کیا جس سے آج مخالف بھی مستفیض ہو رہے ہیں اس لئے ہمیں عمل کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم ایک بے حقیقت شئے ہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر کے حوالے سے بتلایا کہ جماعت احمدیہ کی صحابہؓ سے کئی رنگ میں مماثلت ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضٰ ہر آزمائش میں دامن مصطفےٰ صلعم سے وابستہ رہے۔ اسی طرح اس جماعت کے بزرگوں نے بھی بڑی وفاداری سے حضرت صاحب کا ساتھ دیا۔ صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ ہمیں بھی آج اپنے اندر ایسا ہی جذبہ پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

نماز جمعہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد ۲½ بجے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا صدارت جناب میاں ظہور احمد صاحب نے فرمائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض میاں ممتاز سلیم صاحب نے سرانجام دیئے۔ تلاوت قرآن حکیم حافظ عبدالرؤف صاحب نے فرمائی۔ جس کے بعد بشیر احمد چغتائی صاحب نے منظوم کلام پیش کیا۔ اس کے بعد میرزا ٹیپو سلطان بیگ صاحب نے ملفوظات مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے جن میں حضور کی سچائی کو زور آور حملوں سے ظاہر کرنے کا وعدہ ہے۔ مظہر الدین جنجوعہ صاحب (راولپنڈی) نے بھی ملفوظات سنائے۔ بعد ازاں ایک ننھی بچی نے نظم سنائی۔

جناب میاں شوکت حمید صاحب (صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ) نے تمام شرکاء اجلاس کو خوش آمدید کہا اور خاص طور پر جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ آپ اس شدید گرمی کے ایام میں تشریف لائے۔ میاں صاحب نے فرمایا:—

جناب ڈاکٹر صاحب کی آمد ہمارے لئے بہت مبارک اور قلبی راحت کا باعث ہے۔ میاں صاحب نے اپنے خطاب میں لاہور۔ راولپنڈی۔ اور چک ۸۱ سرگودھا سے آنے والے شبان کا تعارف بھی کرایا۔ اور جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب کا تعارف کراتے ہوئے میاں صاحب نے فرمایا کہ پروفیسر صاحب کی تشریف آوری بھی ہمارے لئے باعث مسرت ہے کیونکہ آپ کے دل میں نوجوانوں سا جوش و ولولہ اور بزرگوں جیسی سنجیدگی اور پختگی اور احمدیت سے والہانہ وابستگی کا جذبہ ہے۔

تعارف کے بعد خاکسار نے "صداقت مسیح موعودؑ" کے موضوع پر تقریر کی اور قرآن کریم کے پیش کردہ معیار صداقت فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون ٥ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی صداقت پر روشنی ڈالی۔ آپ کی مطہر زندگی کے متعلق آپ کے معاصرین میں سے مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ظفر علی خان کے والد جناب منشی سراج الدین صاحب کی تحریری شہادتیں پیش کیں۔ جن میں انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب جوانی میں بھی پاکباز اور متقی بزرگ تھے۔ خاکسار نے بتایا کہ از روئے قرآن کریم اور احادیث رسولؐ اور جملہ مفسرین کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتری علی اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور بڑی حسرت ویاس کے عالم میں دنیا سے اٹھا لیا جاتا ہے اور ساری دنیا مل کر بھی اسے الٰہی گرفت سے نہیں چھڑا سکتی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ٥ ثم لقطعنا منہ الوتین ٥ فما منکم من احد عنہ حاجزین ٥ (الحاقۃ ۶۹ $\frac{44}{45}$ $\frac{46}{47}$ ص ۵۹۳)

اور ایک دوسرے مقام پر یہ ہے:—

وقد خاب من افتریٰ — لیکن حضرت صاحب کی عظیم الشان کامیابی اور زمین کے کناروں تک آپ کا شہرت پا جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ واقعی مامور من اللہ تھے اور اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت آپ کے شامل حال رہی۔ اور یہی آپ کے دعاوی کے برحق ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

اس کے بعد جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میں ایک پیدائشی احمدی ہوں۔ میرے دادا جان نے حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ مگر میں خود ان تاثرات کی بدولت احمدی ہوا ہوں جو وقتاً فوقتاً مجھے متاثر کرتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے وہ دور دیکھا ہے جب احمدیہ بلڈنگس میں اتنے تہجد خوان ہوا کرتے تھے جتنے آج ہم میں نمازی نہیں ہیں۔ وہ بزرگ جب خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہوتے تو فرطِ رقت سے ان کی چیخیں بلند ہوتیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اور وہ سسکیاں آج بھی میرے کانوں میں سرگوشی کر رہی ہیں جو میں نے اپنے بچپن میں سنی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں احمدی اس لئے ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے

جن کی سچائی کی قسم مخالف بھی کھا سکتے ہیں۔ اور ان کی دیانت داری میں کسی کو کلام نہیں تھا۔ اور ہمارے سامنے ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ باپ نے بیٹے اور بھائی نے بھائی کے خلاف شہادت دی۔ یہ اس نمونہ کا اثر تھا کہ خود حضرت صاحب نے ایک مقدمہ میں اپنے والد محترم کے خلاف گواہی دی۔ جب پیر کی یہ حالت ہو تو مریدوں پر کیوں اثر نہ ہوتا۔

محترم پروفیسر صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ جس طرح سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر سارے انبیاء سے زیادہ ظلم وستم ڈھائے گئے۔ بعینہٖ حضرت امام الزمانؑ کو بھی سابقہ مجددین اُمت سے بڑھ کر مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی شدت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ بھی حضرت صاحب کی صداقت کا ایک ثبوت ہے کہ جو شخص قربت میں محمد مصطفٰے صلعم سے زیادہ نزدیک ہے۔ اسے اپنے آقا کی طرح زیادہ سختیاں جھیلنا پڑی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ہمیں مصائب و آلام سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے کی بجائے استقلال اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ اگر دل میں یہ وسوسہ جنم لے کہ احمدیت سے کنارہ کشی کے ذریعہ دنیوی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے یا بچوں کا مستقبل سنور سکتا ہے تو یہ ایک سراب ہے جسے قرآن حکیم موت سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقی زندگی احمدیت کی بدولت ہی میسّر آ سکتی ہے اور احمدیت ہی عین اسلام ہے۔ اس سے کنارہ کشی خودکشی کے مترادف ہے۔ جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کے اس پُر تاثیر خطاب کے بعد محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تشہد و تعوذ کے بعد دو مقامات سے ان آیات کی تلاوت فرمائی:۔

(۱)۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥ الذین امنوا وکانوا یتقون ٥ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاخرۃ ط لا تبدیل لکلمٰت اللہ ذالک ھو الفوز العظیم ٥ ولا یحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعا و ھو السمیع العلیم ٥

ترجمہ: سُنو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور تقوےٰ کرتے تھے۔ ان کے لئے دُنیا کی زندگی اور آخرت میں بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے اور ان کی بات تجھے غمگین نہ کرے۔ عزت سب اللہ کے لئے ہے وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(۲) و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین ٥ ....و اما ینزغنک من الشیطٰن نزغ فاستعذ باللہ ط انہ ھو السمیع العلیم ٥

ترجمہ: اور اس سے بہتر کیا بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں...... اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بری بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے جون ۱۹۷۲ء میں بھی یہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا مگر اس وقت حاضرین کی تعداد آج کی نسبت بہت کم تھی اور ان میں بھی پختہ عمر اور متوسط عمر کے دوست بہت زیادہ تھے۔ مگر آج نوجوانوں کی تعداد بہت نمایاں ہے۔ اور یہ بڑی خوش آئند بات ہے۔ مگر ہماری جماعت کسی کالج کی یونین یا سیاسی جماعت نہیں بلکہ یہ ایک ایسی تحریک ہے کہ جس کی اپنی روایات ہیں اور جب تک ہمارے نوجوان اپنی ان اعلیٰ روایات کا گہرا شعور نہیں رکھیں گے اور ان روایات کے تحفظ کے لئے تیار نہ ہوں گے تو ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا مستقبل تابناک ہے۔ ہماری یہ روایات ہمارے لٹریچر میں محفوظ ہیں۔ اس لئے ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے روزمرہ کے پروگرام میں کتب سلسلہ کو شامل کریں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام سے استفادہ کریں۔ اگر وہ تحریک احمدیت اور جماعت احمدیہ لاہور کی تاریخ سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو "مجدد اعظم" اور "مجاہد کبیر" کا ضرور مطالعہ کریں۔ جن سے انہیں اپنی تحریک کے پس منظر سے بخوبی واقفیت ہو جائے گی۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُمت محمدیہ میں رُتبے میں سب سے بلند اور افضل ہیں اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے کہ:۔

فیقول رجلٌ من المومنین لانطلقن الی ھٰذا الرجل فلانظرن اھو الذی انذرنا رسول اللہ صلعم ام لا۔ ثم نادی فی الناس ھٰذا دجال الذی ذکرہ رسول اللہ صلعم فذالک الرجل اقرب امتی منی درجۃ ھٰذا اعظم الناس شھادۃ عند رب العالمین۔

ترجمہ:۔ مومنوں میں سے ایک شخص کہے گا میں اس کی طرف جاتا ہوں اور میں دیکھوں گا کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس سے رسول اللہ صلعم نے ڈرایا تھا پھر لوگوں میں منادی کرے گا کہ یہی وہ دجال ہے جس کا رسول اللہ صلعم نے ذکر فرمایا ہے۔ میری اُمت میں یہ شخص مجھ سے سب سے زیادہ قریب مرتبہ میں ہے۔ جہانوں کے پروردگار کے نزدیک یہ سب سے بڑھ کر شہادت کے مرتبے والا ہے۔

اور اسی طرح نبی پاک صلعم نے فرمایا کہ میری اُمت کو ایک ایسے فتنے سے دوچار ہونا پڑے گا کہ جب سے زمین و آسمان بنے ہیں اتنا بڑا فتنہ کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ دجالی فتنہ ہوگا مگر صرف ایک شخص اس فتنے کی نشاندہی کرے گا اور میری اُمت کو اس فتنۂ عظیم سے نجات دلائے گا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج تو ساری دنیا اس فتنے کو شناخت کر چکی ہے مگر وہ ہمارے امام ہی تھے کہ جنہوں نے سب سے پہلے اس فتنے کی نشاندہی فرمائی اور اسے روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ آپ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے حوالے سے بتایا کہ جب تو مسیح موعود سے وابستہ ہو جائے تو پھر تو چمٹا رہ خواہ کوئی تیرا مال لوٹ لے جائے۔ یا تجھے جان سے ہی مار ڈالے۔"

آپ نے سامعین پر زور دیا کہ وہ اس ارشاد رسُول کی پابندی کریں اور اگر خدانخواستہ دوبارہ ۱۹۷۴ء والے واقعات رونما ہوں تو پھر آپ کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ دین سے وابستہ رہنا چاہیں گے یا دنیا کو اپنائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں زور دے کر کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں مایوسی کے عالم سے نکلنا ہوگا اور اپنے گردو پیش پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے جماعت کا مستقبل سنوارنا ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بھی رنگ میں اس جماعت کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے خدا تعالےٰ اُسے ان بُرے ارادوں میں ناکام کرے گا کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کو وعدہ دیا گیا ہے کہ:۔

"مَیں تیری سچائی کو زور آور حملوں سے ظاہر کروں گا"

آپ نے خطاب جاری رکھتے ہوئے "التواء جلسہ سالانہ ۱۸۹۳ء" کے سلسلے میں حضرت صاحب کا ارشاد پڑھ کر سُنایا کہ کس طرح جماعت کے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں جس سے حضرت مسیح موعود اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ آپ نے جلسہ ہی ملتوی کرنے

کا فیصلہ کر دیا اور ارادہ فرمایا کہ اگر آئندہ بھی ایسی صورت رہی تو پھر آئندہ بھی جلسہ نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے اسی واقعہ پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں۔ اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا ہے۔ اور اس سے بلندی چاہتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر بھائی کے آرام کو حتی الوسع مقدم نہ ٹھہرا دے۔"

جناب ڈاکٹر صاحب نے یہ تحریر پڑھ کر سامعین سے استفسار کیا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک مسیح موعود ہیں کہ اتنے معمولی سے جھگڑے پر دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور سخت ناپسند فرماتے ہیں اور دوسرے ہم ہیں کہ جلسہ سالانہ پر ایک دوسرے کے ساتھ کیا نہیں کرتے۔ ہمیں اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ بات ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا ہوگا کہ جماعت کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کے آخر میں نہایت الحاح اور دلسوزی سے جماعت کی سلامتی اور استحکام کے لئے دُعا فرمائی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کے اس درد مندانہ خطاب کے بعد جناب میاں ظہور احمد صاحب نے "صدارتی کلمات" ادا فرمائے اور تقاریر پر اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے زاہد جنجوعہ کی تقریر سن کے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ عزیز نے بڑے پُر زور اور مضبوط دلائل کے ساتھ حضرت صاحب کی صداقت ثابت کی ہے۔

آپ نے پروفیسر صاحب کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پروفیسر صاحب کے خطاب سے شاندار ماضی ہماری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ اور پروفیسر صاحب نے ہماری معلومات میں بے حد اضافہ کیا ہے۔

جناب میاں صاحب نے فرمایا کہ میں جناب ڈاکٹر صاحب کی تقریر پُر تاثیر پر کیا تبصرہ کروں وہ میرے بزرگ ہیں اور میری تعریف سے بالا۔ مگر ان کی اس تقریر سے ہمیں بے حد تقویت ملی ہے۔ خدا تعالےٰ آپ کا وجود قائم رکھے۔

صاحب صدر نے غیر احمدیوں کے اس رویّے پر حیرت و استعجاب کا اظہار فرمایا کہ وہ ایک اچھے طبیب کو تو مسیح الملک کہہ دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے مگر مرزا غلام احمد کو مسیح موعودؑ کہنے سے ان کی تیوری پر کیوں بل پڑ جاتے ہیں۔

صاحب صدر نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مختلف واقعات سنائے اور اس طرح یہ مبارک تقریب چھ بجے شام اختتام پذیر ہوئی۔

مرسلہ جناب میاں رحیم بخش صاحب جیب کراچی۔

وقت کی پکار

روزنامہ "امن" میں جمیل نظر اکبرآبادی کی ایک نظم شائع ہوئی ہے جو قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے:۔

مُسلمان بنو

اُمّت سرورِ دیں بندۂ رحمان بنو
رشک جس پر ہو فرشتوں کو وہ انسان بنو
مثل دیوار تم اے دوستو۔ اک جان بنو
فرقہ بندی کو کرو ختم مُسلمان بنو
سر جھکاؤ نہ کسی غیر کے دَر پہ اپنا
تم پرستارِ خدا صاحبِ ایمان بنو
کشتیٔ دینِ نبیؐ آج ہے طوفاں میں پھنسی
ناخدا اس کے بنو اس کے نگہبان بنو
گامزن اس پہ نہ ہوں راہ جو ہے حق کے خلاف
راستہ حق کا چلو عاملِ قرآن بنو
خم زمانے کی جبیں ہوگی تمہارے در پر
سرورِ دیں کے اخلاق کی پہچان بنو
دیکھے عزت کی نظر سے تمہیں ساری دُنیا
ایسے انسان بنو ایسے مُسلمان بنو

یہ پکار اُس دعوتِ حق کی صدائے بازگشت ہے جس کی طرف مجدد صدی چہاردہم نے مُسلمانوں کو بلایا اور جس پر اس نے خود عمل پیرا ہو کر اور اپنی جماعت کو کاربند بنا کر دُنیا پر ثابت کیا کہ اس کشتیٔ دین کو جو زمانۂ حال میں بیدینی کے سخت طوفان میں پھنسی ہے اس کا وہ ناخدا بن کر آیا۔ اور اسے بھنور سے نکالنے کا راستہ بتایا۔ مگر اے کاش! اکثر مسلمانوں نے اسے نہ پہچانا۔ اور کشتی کے اسی طوفان میں پھنسے رہنے کو پسند کیا۔ اور اب جس کا انجام کھلے بندوں تباہی نظر آ رہا ہے۔ کس قدر درد انگیز تھے اس کے نالے!:۔

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پکار
قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار
ایک عالم مَر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار ۴۵

(باقی کالم اوّل کے نیچے)

۴۵ ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آ مرے اے ناخدا
آ گیا اس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار
نورِ دل جاتا رہا اور عقل موٹی ہو گئی
اپنی کجرائی پر ہر دل کر رہا ہے اعتبار
اے خُدا بن تیرے ہو یہ آبپاشی کس طرح
جل گیا ہے باغِ تقویٰ دیں کی ہے اب اک مزار

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ——— مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۲۴

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یار پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغامِ صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ک سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان
ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان
فون نمبر ۵۲۳۷۳
مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن
• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)
ہم کو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب
دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا
سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :— پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے :— ایک پونڈ
(علاوہ محصولڈاک)
• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۴ رجب ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۵

مَلفُوظاتِ حضرت مجدد صدِ چہاردہم علیہ السلام

خُدا تعالےٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

چنانچہ فرمایا ہے ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین انبیاء اور ابرار کا نام ابد تک زندہ رہتا ہے۔ گذشتہ زمانہ کے بادشاہوں یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ برخلاف اس کے خدا تعالےٰ کے راستبازوں اور برگزیدوں کی دُنیا مدّاح ہے۔

دیکھو ہمارے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظمت دنیا میں قائم ہے۔ ۹۴ کروڑ مسلمان آپؐ کا نام لینے والے موجود ہیں جو ہر وقت آپؐ پر درود پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی قیصر و کسریٰ پر بھی درود پڑھتا ہے؟

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کس قدر عظمت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ نادانوں نے اپنی جہالت اور کم مائگی کی وجہ سے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ رسُولوں کا طبقہ مصائب اُٹھا کر دُنیا سے گذر گیا۔ مگر ان کا خدا کے لئے دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر طرح طرح کے آلام و مصائب کے بار کو اُٹھا لینا ان کی عظمت کا باعث ہو گیا۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کے محبُوبوں کو تکالیف آتی ہیں۔ ان کی تکالیف میں ایک لطیف ستر ہوتا ہے۔ ان پر اس لئے سب سے زیادہ تکالیف اور مصائب نہیں آتی ہیں کہ تباہ ہو جائیں۔ بلکہ اس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھُول میں ترقی کریں۔ دیکھو دنیا میں ہر جوہر قابل کے لئے خدا نے یہی قانون ٹھہرایا ہے کہ اوّل وہ صدمات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ کسان زمین میں ہل چلا کر اس کا جگر پھاڑتا ہے اور اس مٹی کو باریک کرتا ہے یہاں تک کہ ہوا کے جھونکے اسے ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔ نادان خیال کرے گا کہ زمیندار نے بڑی غلطی کی جو اچھی بھلی زمین کو خراب کر دیا۔ مگر عقلمند خوب سمجھتا ہے کہ جب تک زمین کو اس درجہ تک نہ پہنچایا جاوے وہ پھل پھُول پیدا کرنے کی قابلیت کے جوہر نہیں دکھا سکتی۔ اسی طرح اس زمین میں بیج ڈال دیا جاتا ہے۔ جو خاک میں مل کر بالکل مٹی کے قریب ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ دانے اس لئے مٹی میں ڈالے جاتے ہیں کہ زمیندار ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ نہیں نہیں وہ دانے اس کی نگاہ میں بہت ہی بیش قیمت ہیں۔ اس کی غرض ان کو مٹی میں گرانے سے صرف یہ ہے کہ وہ پھلیں اور پھُولیں اور ایک ایک کی بجائے ہزار ہزار ہو کر نکلیں۔

جبکہ ہر جوہرِ قابل کے لئے خُدا نے یہی قانون رکھا ہے وہ اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے۔ اور لوگ ان کے اُوپر چلتے ہیں۔ اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں۔ مگر کچھ وقت نہیں گذرتا کہ وہ اس سبزہ کی طرح (جو خس و خاشاک میں دبے ہوئے دانے سے نکلتا ہے) نکلتے ہیں۔ اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔ یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سنت اللہ ہے) کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن نہ اس لئے کہ غرق کئے جائیں بلکہ اس کے لئے کہ ان موتیوں کے وارث ہوں جو دریائے وحدت کی تہ میں ہیں۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ نہ اس لئے کہ جلائے جائیں بلکہ اس غرض کے لئے کہ خدا تعالےٰ کی قدرت کا تماشا دکھایا جاوے۔ غرض ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور ہنسی کی جاتی ہے۔ ان پر لعنت کرنا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور اپنی نصرت دکھاتا ہے۔ اس وقت دُنیا کو ثابت ہو جاتا ہے۔ اور غیرت الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی بجلی میں اعداء کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے۔ اور آخر اس کی باری آتی ہے۔ اسی طرف خدا تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ والعاقبۃ عند ربک للمتقین۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل)

جناب مرتضیٰ خان حسن صاحب مرحوم مغفور

مخلوقِ خدا سے ہمدردی

ہمارا مذہب ہمیں محض نماز روزہ کی تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کی تاکید کرتا ہے۔ ہمارے نبی صلعم کے صحابہ رضؓ خلقِ خدا پر بڑے مہربان تھے۔ حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنا۔ محتاجوں اور غریبوں کی امداد کرنا ان کا شیوہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قحط کے ایام میں ایک دن حضرت فاروقِ اعظمؓ کو میں نے دیکھا کہ ایک تھیلا میں کھانے کا سامان ڈالے اور روغن زیتون کا برتن ہاتھ میں لئے جلدی جلدی ایک طرف جا رہے ہیں۔ ان کا غلام اسلم ان کے ہمراہ تھا سخت گرمی کا وقت تھا۔ آقا اور خادم دونوں پسینے سے نہا رہے تھے۔ حضرت فاروقؓ کو دیکھ کر میں بھی ان کے ہمراہ ہو لیا۔ جب خیمہ صَرار پر پہنچے تو وہاں بنی محارب کے بیس خانہ بدوش نظر آئے۔ جو قحط کی مصیبتوں کے مارے پھرتے پھراتے وہاں آکر ٹھہر گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے آنے کی خبر مل گئی تھی۔ اس لئے بے چین ہو کر ان کے لئے سامانِ خورد و نوش لے کر آپ تپتی ہوئی دھوپ میں گھر سے باہر نکل پڑے۔ آپ نے وہاں جا کر ان کی بہت دلجوئی کی۔ ان کو کھانا کھلایا اور دوسرے اوقات کے لئے ان کو اناج وغیرہ دے کر وہاں سے لوٹے۔

اسی طرح شہر میں گشت کرتے ہوئے ایک دن آپ ایک بڑھیا کے مکان کے پاس سے گذرے۔ آپ نے سنا کہ بڑھیا کہہ رہی ہے کہ خدا عمرؓ کو سمجھے کہ خلیفہ ہو کر میری خبر نہیں لیتا۔ یہ سن کر آپ کانپ گئے۔ اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے نیک خاتون! تو عمرؓ سے کیوں ناراض ہے۔ بڑھیا کو کیا معلوم کہ یہی صاحب عمرؓ ہیں۔ وہ کہنے لگی کہ جب سے خلیفہ ہوا ہے ایک پھوٹی کوڑی بھی مجھے نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت فاروقؓ نے جواب دیا کہ تم الگ تھلگ گوشہ میں پڑی ہو عمر کو تمہاری کیا خبر ہو سکتی ہے۔ وہ بولی کہ پھر خلیفہ کیوں بنا بیٹھا ہے۔ اس کو تو رعیت کے ایک ایک فرد کی خبر ہونی چاہیئے وہ کہیں رہتا ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ زار زار رونے لگے۔ اور زبان مبارک سے فرمایا کہ اے نیک خاتون تو سچ کہتی ہے۔ واقعی تو سچ کہتی ہے۔ خلیفہ کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ نے ۱۵ر دینار نذر کئے اور بڑی منت سماجت سے معافی مانگی۔ اسی اثنا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور ابو مسعود آ گئے اور انہوں نے امیر المومنین کہکر آپ کو السلام علیکم کہا۔ تب اس بڑھیا کو معلوم ہوا کہ یہ صاحب عمرؓ ہیں۔ وہ بہت افسوس کرنے لگی کہ اس نے خلیفہ کے روبرو ہی اس کو برا بھلا کہا۔ مگر آپ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ تمہارا بہت شکر گذار ہوں کہ تم نے مجھے میرے فرض سے آگاہ کیا۔ اگر قیامت کے دن مجھ سے بازپرس ہوتی تو میں کیا کرتا۔

قحط کے زمانے کا ہی ذکر ہے کہ آپ کا ایک ملازم گھی اور دودھ خرید کر لایا۔ اور آپ کے سامنے رکھدیا آپ رو پڑے اور فرمایا اگر میں یہ کھانا کھاؤں تو غریب رعیت کی خبر گیری کس طرح کر سکتا ہوں۔ میرے سامنے سے یہ کھانا اٹھا لو اور جاؤ ضرورت مندوں میں جا کر تقسیم کر آؤ۔ قحط کے دنوں میں آپ بہت بیتاب رہتے تھے۔ ہر طرف ہدایات جاری کر دیں کہ عربی رعیت کے لئے اناج بھیجیں۔ لوگوں کی حالت دیکھ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے رہتے اور لب پر ہمیشہ یہ دعا جاری رہتی "یا الٰہی! عمرؓ کو یہ روزِ بد نہ دکھانا کہ اس کی رعیت اس کی آنکھوں کے سامنے بھوکوں مرے"۔

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

شبان الاحمدیہ

تربیتی کورس

انتہائی دلچسپ اور ایمان افروز

نوجوانانِ سلسلۂ احمدیہ کو حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کے مشن سے روشناس کرانے اور ان کے اندر احمدیت کے لئے صحیح جذبہ و لگاؤ پیدا کرنے کی غرض سے، تنظیم شبان الاحمدیہ مرکزیہ، اپنے مجوزہ پروگرام برائے سال ۱۹۷۷ء کے مطابق، ایک آٹھ روزہ تربیتی کورس کے انعقاد کا اہتمام کر رہی ہے جس کا باقاعدہ افتتاح امیر قوم حضرت مولنا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز **یکم جولائی ۱۹۷۷ء بروز جمعہ** ۸½ بجے صبح جامع احمدیہ دارالسلام میں فرمائیں گے

یہ تربیتی کورس انشاء اللہ ہر لحاظ سے بڑا دلچسپ، معلومات افزا اور ایمان افروز ہوگا۔ جس کے دوران بزرگانِ سلسلہ سے خصوصی درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ مختلف دینی اور جماعتی دلچسپی کے موضوعات پر اظہارِ خیال فرمائیں۔ نیز تربیتی کورس کے اختتام پر شبان الاحمدیہ کنونشن بھی ہوگا جس میں نوجوان مل بیٹھ کر اس تنظیم کو مزید فعال بنانے کے سلسلہ میں تجاویز پر غور کریں گے۔

جملہ نمائندگان حلقہ جات و ارکان شبان الاحمدیہ، صدر و سیکرٹری صاحبان مقامی جماعت ہا اور والدین سے خصوصی اپیل ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں نوجوانوں کو اس ایمان افروز تربیتی کورس میں شمولیت کے لئے تیار کریں اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھانے میں تنظیم شبان الاحمدیہ سے تعاون فرمائیں۔ والسلام

شاہد جاوید
جنرل سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ

نوٹ: (۱) تفصیلی پروگرام آپ کی خدمت میں براہِ راست بھجوانے کا انتظام کیا جا رہا ہے
(۲) ارکان بنات الاحمدیہ کی شمولیت کے لئے خصوصی انتظامات ہوں گے۔
(۳) تربیتی کورس کے دوران سرکاری کورس کے لئے لاہور کی سیر کا تفریحی پروگرام بھی زیرِ غور ہے۔
(۴) بیرون جات سے تشریف لانے والے احباب کے قیام و طعام کا موزوں انتظام کیا گیا ہے۔

معذرت پیغام صلح کا گذشتہ شمارہ ۲۴ پریس میں بجلی کی خرابی کی وجہ سے تین دن کی تاخیر سے شائع ہوا۔ اس لئے احباب کی خدمت میں دیر سے پہنچا احباب کو اس کی انتظار سے جو ذہنی کوفت ہوئی ہے اسکے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔
(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۲ جون ۱۹۷۷ء

کیا ہم صرف اچھے اعتقادات کے سہارے ہی زندہ رہ سکتے ہیں؟

ہم اپنی اس خوش نصیبی اور خوش بختی پر اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی تعریف کریں اور جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمارے آباؤ اجداد کو محض اپنے فضل و کرم سے اس زمانے کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی معرفت عطا کی اور ان کے ذریعے یہ دولت ہم تک پہنچی ورنہ ہم بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہالت کی موت مرتے کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو انسان اپنے زمانے کے امام کی شناخت سے بے نصیب رہا وہ جہالت کی موت مرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں جہالت کی موت مرنے سے بچا لیا۔ اس امام کے مقام کو جب ہم حضور نبی کریم صلعم کی احادیث کی روشنی میں دیکھتے اور پرکھتے ہیں تو ہمارا سر اللہ تعالیٰ کے حضور اور بھی جھک جاتا ہے۔ کیونکہ آپؐ فرماتے ہیں کہ:-

"ایمان اگر ثریا پر بھی چلا جائے گا تو اہلِ فارس اس کو اتار لائیں گے"

اس سلسلہ میں دو احادیث بڑی قابلِ غور ہیں۔ ایک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ:-

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے جب سورۃ جمعہ نازل ہوئی اور جب وآخرین منھم لما یلحقوا بھم پڑھی تو لوگوں میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اس شخص نے دو یا تین مرتبہ یہ سوال کیا۔ اس وقت ہم میں سلمان فارسیؓ موجود تھے تو آپؐ نے اپنا دستِ مبارک سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا میں چلا گیا ہوگا تو ان لوگوں میں سے بعض اس کو اتار لائیں گے۔"

اور دوسری حدیث میں ہے اور یہ ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ:-

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا وان تتولوا یستبدل قومًا غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ تو اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس عظمت کے ساتھ کیا ہے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ صلعم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کی ران پر رکھا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم ہوگی اور اگر دین ثریا میں ہوگا تو اہلِ فارس اس کو اتار کر لے آئیں گے۔" (مشکوٰۃ)

ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم اُن عظیم الشان انسانوں کی عظمت پر نگاہ ڈالتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور جن کے ساتھ امام وقت کے ساتھیوں کی مماثلت بیان کی گئی ہے تو اپنی حالت پر نظر کرتے ہوئے خوف سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خود حضرت مرزا صاحب ان کی علو شان کے متعلق فرماتے ہیں:-

"کون اس جماعت کثیر کا دوسری جگہ وجود دکھلا سکتا ہے جو تعداد میں دس ہزار سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور کمال اعتقاد اور انکسار اور جانفشانی اور پوری محویت سے سچائی حاصل کرنے اور راستی کے سیکھنے کے لئے آستانۂ نبوی پر دن رات پڑی رہتی تھی .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رُو سے سچ مچ عضوِ واحد کی طرح ہو گئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھیں۔ سو یہ بھاری معجزہ اندرونی تبدیلی کا جس کے ذریعہ سے محض بت پرستی کرنے والے کامل خدا پرستی تک پہنچ گئے۔ اور ہر دم دنیا میں غرق رہنے والے محبوبِ حقیقی سے ایسا تعلق پکڑ گئے کہ اس کی راہ میں پانی کی طرح اپنے خونوں کو بہا دیا۔ یہ در اصل ایک صادق اور کامل نبی کی صحبت میں مخلصانہ قدم سے عمر بسر کرنے کا نتیجہ تھا۔"

(فتح اسلام۔ صفحہ ۳۲ تا ۳۷)

یہ وہ جماعت ہے جس کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کی مماثلت بیان کی گئی ہے۔ ہم پورے یقین سے یہ کہتے ہیں کہ یہ رفعت جس کا اوپر بیان ہو چکا ہے نہ صحابہ کرامؓ کو محض قیل و قال اور کاغذی گھوڑے دوڑانے سے حاصل ہوئی اور نہ کسی اور مامور کی جماعت کو حاصل ہو سکتی ہے۔

"اس کے لئے اسی راہ پر قدم مارنا ضروری ہے جس پر قدیم سے خدا تعالیٰ کے پاک نبی مارتے رہے ہیں اور اسلام نے .... اس مؤثر طریق کو ایسی مضبوطی اور استحکام سے رواج دیا ہے کہ اس کی نظیر دوسرے مذہبوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔" (حضرت مسیح موعودؑ۔ فتح اسلام صفحہ ۴۲-۴۳)

اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اپنے کمال کو پہنچ کر ختم ہو چکی ہے اس لئے آپؐ کے بعد آپؐ ہی کے ارشاد گرامی کے مطابق آنے والے مجددین آپؐ کے نقش قدم پر قدم رکھتے ہوئے معصومؐ کی راہ پر چلتے رہے۔ اور یہ راہ تھی امنوا وعملوا الصالحات کی۔ اور اسی راہ پر چلنے کی اپنی اپنی جماعت کو نصیحت کرتے رہے ہیں کیونکہ ایمان اور عملِ صالح ایک دوسرے سے کسی صورت میں جدا نہیں ہو سکتے۔ جہاں بھی ان دونوں میں جدائی واقع ہوئی اس کا نتیجہ ہمیشہ ذلت رسوائی اور تباہی و بربادی ہوا ہے۔ جسے قوموں کے لئے موت کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے بار بار اسی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کے مقابل میں زندگی اسے کہا ہے جب کسی قوم کے قول اور فعل میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ مامور وقت کے اصولوں پر قدم رکھ کر آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی قوم یا جماعت ایک مقام پر آکر رک گئی ہے یا زوال پذیر ہے تو اسے اپنے مرض کی تشخیص کرنا ہوگا۔ اور اس کی ہلاکت سے بچنے کے لئے اس کے مطابق مؤثر علاج۔

قرآن کریم کی یہ دو آیات آنحضرت صلعم کے فرمودات اور

ہمارا حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں شمولیت کا دعویٰ ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہم کسی فریب نظر میں تو مبتلا نہیں۔ ہمارے اعمال کو ہمارے اس دعوے سے کہاں تک تعلق ہے اور ہم اس بلندی کے کہاں تک مستحق ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کے لئے مقدر ہے۔

اس میں کسی کو کلام نہیں کہ ہمارے اعتقادات اتنے صحیح اور خوبصورت ہیں کہ انہیں لیکر دنیا کے کسی گوشے میں بھی نکل جائیں ہمیں ہرگز شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ انسانوں کی فطرت پکار اٹھے گی کہ یہی میری آواز ہے دل گواہی دیں گے کہ ہم انہی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ فکر و نظر شہادت دیں گے کہ یہی عظمتوں کے امین ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ صداقت ہے کیونکہ اسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔ یہ محض تخیلات کی جولانیاں اور افسانہ نہیں۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب یہ عظمت رفتہ کی دھندلی سی یادیں ہیں۔ یہ ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں میں جلنے والے چراغوں کی مدھم سی روشنیاں ہیں اور زمانہ کے ستم سے ضعیف و نزار دلوں کی سست سی دھڑکنیں ہیں۔ آج ہم اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ کھاتے پیتے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اپنے ان اعتقادات کا ذکر کرکے ہی اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں مگر یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ ان پر وہ نتائج مرتب کیوں نہیں ہوتے جو ۱۹۵۱ء تک مرتب ہوتے رہے۔ ہم میں وہ تڑپ اور آرزو کیوں باقی نہیں رہی کہ ہم بجھتے ہوئے چراغوں کو پھر سے روشن کر سکیں اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو اسلام کے غلبہ کے لئے نئے جذبہ اور شوق سے تیز تر کر سکیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ احمدیت اور حضرت مسیح موعود سے ہماری وابستگی صرف زبان سے اقرار تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور قلب اس کی تصدیق نہیں کرتا کہیں ایسا تو نہیں کہ :—

"وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ امور جن کا نام **اعمالِ صالحہ** ہے ان کا مصداق **چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری** سمجھے گئے ہیں اور جو **حقیقی نیکی** ہے اس سے بکلی بے خبری ہے"
(حضرت مسیح موعود۔ فتح اسلام ص۳)

اور احمدیت سے ہمارا تعلق بھی محض رسمی اور اسمی ہی رہ گیا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر اس سے ہمارا وہی تعلق ہوتا جو حضرت مسیح موعودؑ نے پیدا کیا تھا تو ہم ایک مقام پر آکر ٹھہر نہ جاتے اور حوادث زمانہ کے باوجود ہمارا قدم آگے ہی آگے بڑھتا۔ جو خانہ زاد زلف ہوتے ہیں وہ زنجیر سے ہرگز نہیں بھاگتے اور نہ ہی جنونِ شوق کے انداز ان سے چھوٹ جاتے ہیں۔ انسان شعلہ بداماں ہو تو سب کی نظریں اس پر اٹھتی ہیں۔ راکھ کے ڈھیر میں چنگاری تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔

زمانے کا امام قرآن کو ثریا سے واپس لایا اور ہمارے ہاتھوں میں دیا۔ اس قرآن کے بے شمار مقامات پر ارشاد باری تعالےٰ مذکور ہے کہ "من اٰمن و عمل صالحاً"۔ "و اٰمن و عمل صالحاً" "الا من اٰمن و عمل صالحاً"۔ "ثواب اللہ خیر لمن اٰمن و عمل صالحاً"۔ "الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات" "وعد اللہ الذین اٰمنو و عملوا الصالحات"۔ "و ادخلوا الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات"۔ "ان اللہ یدخل الذین اٰمنو و عملوا الصالحات"۔ "ا یجزی الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات"۔ "و یستجیب الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات"۔ "و بشر الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات" "فاما الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات"۔ وغیرہ ان تمام آیات میں ایمان کا ذکر پہلے ہے اور اعمالِ صالحہ کا بعد میں۔ ایمان کی حیثیت بیج کی سی ہوتی ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ مجموعہ ہے ان تمام صحیح اصولوں اور معتقدات کا جن پر کسی تحریک کی بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن لیکن جس طرح بیج اسی وقت پھل پھول دینے والے درخت کی صورت اختیار کرتا ہے جبکہ اس کے تمام لوازمات پورے کئے جائیں اسی طرح ایمان سے بھی اسی وقت نتائج برآمد ہوتے ہیں جب اس کے مطابق اعمالِ صالحہ بجا لائے جائیں یعنی اعمالِ صالحہ وہ لوازمات ہیں جو ایمان کے بیج کو ایک ثمردار درخت میں تبدیل کرنے کے لئے ازبس ضروری اور لازمی ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ محض زبان سے چند اصولوں کا اقرار کر لینے اور ان کے مطابق اعمال بجا لانے سے کوئی ملک۔ قوم یا جماعت ترقی نہیں کر سکتی۔ اور نہ وہ دن رات زبان سے ان کی رٹ لگانے سے زندہ رہ سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد ہوا ہے کہ :—

"جو کوئی عزت چاہتا ہے تو سب عزت اللہ کے لئے ہے اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے (والعمل الصالح یرفعہ)" (۳۵:۱۰)

اللہ تعالےٰ کے ہاں عزت۔ بلندی۔ رفعت اور عظمت اسی قوم۔ جماعت اور انسان کے لئے مقدر ہے جو :—

"اچھی باتوں کا قائل ہو اور پھر اپنے قول کو عمل میں لانے والا ہو.......... مراتب بلند اور اللہ تعالےٰ کا قرب صرف (اچھی باتوں کا) قائل ہونے سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ اعمال صالحہ سے حاصل ہوتے ہیں" (بیان القرآن۔ حضرت مولانا محمد علی مرحوم)

اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے اللہ تعالےٰ کی توحید اور اس کے ساتھ باقی تمام مومن بہ باتوں کے زبان سے قائل ہیں لیکن اغیار کی طرف ہمیشہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اسلام ایک سچا مذہب ہے تو کیوں مسلمان ہر جگہ غیر مسلم قوموں کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کا شکار ہو رہے ہیں؟ وجہ صرف یہی ہے کہ اس رسمی ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا واسطہ اور تعلق نہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اسی اسلام کے ذریعے دنیا کے بیشتر حصے کو زیرِ نگیں کر لیا اور دشمن بھی ان کے فریفتہ ہو گئے اور آج بھی اسلام وہی ہے مگر مسلمان اپنا وہ مقام کھو بیٹھے ہیں۔

ہماری جماعت کو بھی یہ سوچنا ہے کہ کوئی قوم محض چند اصولوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی جب تک ان کے ساتھ اور ان کے مطابق اعمال صالحہ نہ بجا لائے جائیں۔ یہی قرآن کریم کا ارشاد۔ آنحضرت صلعم کا فرمودہ اور حضرت مسیح موعودؑ کا پیش کردہ اصول ہے۔

جرمنی میں مقیم دوستوں کے پتے درکار ہیں

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ اگر انکے عزیز و اقارب میں سے کوئی عزیز جرمنی کے کسی حصہ میں حصول تعلیم یا بسلسلہ ملازمت و کاروبار مقیم ہوں تو ان کا پتہ تحریر کریں تاکہ امام برلن مسجد ان سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ پیدا کر سکیں اور انکے امور میں ضروری معاونت بھی فرما سکیں۔ یہ رابطہ طرفین کے لئے انشاء اللہ مفید ہوگا۔

• سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

مکرم محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی عظیم کامیابی کے وجوہ و اسباب۔

اندرونی تفرقہ اور بیرونی مقابلہ پر کیونکر فتح پا کر دوبارہ نظامِ اسلام کو قائم فرمایا۔

کامل صداقت، اطاعت خدا و رسول کا عالی جذبہ اور احکامِ الٰہیہ و فرمودات رسولؐ کی پیروی کا عظیم نمونہ۔

ایچ جی ویلز اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ" میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و خلوص پر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ گواہ ہیں کیونکہ یہ دونوں اصحاب نہایت دانشمند اور مدبر تھے انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ جس دوستی کو وفا شعاری، صدق عمر بھر نبھایا وہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ واقعی ایک راستباز انسان تھے۔ حضرت ابوبکرؓ عام طور پر صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے جس کے معنی راستباز ہیں۔ دراصل ہم صفت انسان ایک دوسرے سے گہرے قلبی تعلق سے وابستہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً جب کسی شخص میں صداقت کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو تو جب دوسرا صادق انسان اس سے تعلق لگائے گا تو اس باہمی یگانگت کے باعث ان میں دلی محبت گھر کر جاتی ہے چنانچہ دعوئے نبوت سے قبل حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم سے گہری دوستی کا تعلق رکھتے تھے۔ جب آپؐ نے پہلے پہل نبوت کا دعویٰ فرمایا اور کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے بلا کسی جھجک یا ہچکچاہٹ کے فوراً فرمایا کہ اگر فی الواقع آپؐ نے ایسا دعوےٰ کیا ہے تو آپؐ کا یہ دعوےٰ صادق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دعوئے نبوت کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی تامل نہ کیا، نہ ہی یہ کہا کہ ماننے سے قبل میں اس پر غور کروں گا یا یہ کہ نشانات دیکھوں گا بلکہ آمنّا و صدّقنا کی آواز دل سے فوراً نکل آئی۔ وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے تجربہ و تعلق سے یہ خوب یقین کر چکے تھے کہ آنحضرت صلعم جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ بجز صدق و راستبازی اور کچھ نہ ہوگا۔ گویا قرآن مجید کی اس آیت شریفہ کی زندہ تفسیر آپ نے پیش فرمائی فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ میں تمہارے اندر اس دعوےٰ سے قبل زندگی کا حصہ گزار چکا ہوں۔ جب تم نے مجھے ہر معاملہ میں صادق و امین پایا ہے تو اب میں خدا تعالےٰ پر کیوں جھوٹ بولنے لگا؟ تمہاری عقل و علم، تمہارا تعلقات انسانیہ کا تجربہ کیا تمہیں اسی نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ جس شخص نے کبھی انسان پر جھوٹ نہیں بولا نہ کسی سے خیانت کا مرتکب ہوا ہے وہ خدا تعالےٰ کی ذاتِ اقدس پر کیوں کذب تراشنے لگے گا؟ روز مرہ زندگی کا یہ تجربہ ہے کہ جب کسی انسان میں کوئی صفت اعلےٰ درجہ کی موجود ہو تو وہ صفت اس کی ہر حرکت سے مترشح ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس کی ہر بات سے ٹپک ٹپک کر ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ جب کوئی صفت اپنے کمال عروج پر ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اسکے منہ پر لکھی ہوئی ہے جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے۔

صادق شخص کے منہ پر صدق و راستبازی کندہ نظر آ جاتی ہے۔ آنحضرت صلعم کی کامل صداقت شعاری کی یہ حالت تھی کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں کیا گیا فانھم لا یکذبونک ولٰکن الظّٰلمین باٰیٰت اللہ یجحدون۔ یہ کافر تجھے تو نہیں جھوٹا کہتے بلکہ انہیں وہ تعلیم پسند نہیں جو آپؐ لائے ہو۔ صادقین۔ کاملین کے منہ پر ہی انوارِ صداقت عیاں ہوتے ہیں جنہیں ہر کس و ناکس پڑھ لیتا ہے۔ اور دوسرا صادق شخص تو یقیناً اسے دیکھتے ہی بھانپ لیتا ہے۔ اسی لئے یہ مثل مشہور ہے۔

عشقِ الٰہی منہ تے وسّے ولیاں ایہہ نشانی

صدیق اکبرؓ اسی وجہ سے اس عالی لقب سے ملقب ہوئے کہ دوسرے صادق شخص کی صداقت کو اس کے منہ کے انوار سے پہچان لیتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب بعض صحابہؓ کرام کو اس کی شرائط پر اعتراض ہوا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ایسا اظہار کیا تو آپ نے بلا تامل یہ فرمایا کہ جو کچھ آنحضور صلعم نے کیا وہ درست ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل پر انشراحِ صدر سے ایمانِ کامل تھا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں تو کجا آپؐ کی وفات کے بعد بھی انشراحِ صدر کی یہی حالت قائم رہی۔ چنانچہ فتنہ ارتداد اور دیگر مخالفتوں کے پیشِ نظر جب کثرت صحابہؓ نے رائے دی کہ ملک شام کے مقابل اسامہؓ کا لشکر روک دیا جائے کیونکہ گھر میں ہی فساد بپا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لشکر آنحضور نے روانہ فرمایا میں اسے روک دوں؟ حالانکہ حالات بدل چکے تھے اور بدلے ہوئے حالات میں انسان یہی سمجھتا ہے کہ اب ان کے مطابق عقل کی رہنمائی کو قبول کرنا درست ہے۔ لیکن وفا اور اطاعت کے تقاضے دگر ہوا کرتے ہیں۔ رسول خدا کے اقدام کے مقابل کسی بات کی پرواہ نہیں! وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا کی کیسی عمدہ عملی تفسیر ہے۔

مقامِ الوہیت اور مقامِ بشریت میں تمیز

جب آنحضورؐ کی وفات کی خبر پھیلی اس وقت حضرت ابوبکرؓ مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے، خبر سُن کر لوٹے اور دیکھا کہ بہت سے صحابہؓ اس خبر کے صدمہ کی برداشت نہیں رکھتے کیونکہ آپؐ کی ذات عالی صفات سے بڑھ کر صحابہؓ کرام کو کسی اور انسان یا شئے سے زیادہ محبت نہ تھی اور وہ اس جدائی کے صدمہ کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے جب اندر جا کر آپؐ کی نعش مبارک کو دیکھا تو باوجود انتہائی تعلق محبت و عشق کے آپ جذبات کا شکار نہ ہوئے۔ بلکہ باہر آ کر خطاب فرمایا الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت۔ دیکھو لوگو! آنحضرت صلعم تو واقعی وفات پا چکے ہیں۔ پس جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا ہے تو وہ یقین کر لے کہ آپؐ پر موت وارد ہو چکی ہے۔ مگر جو خدا کو معبود مانتا ہے تو پھر یہی بات سچ ہے کہ خدا تعالےٰ ہی ہمیشہ زندہ ہستی ہے اور پھر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علےٰ اعقابکم۔ دیکھو محمد صلعم ایک بشر اور رسول سے بڑھ کر اور کچھ نہیں آپؐ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ سب گذر چکے ہیں۔ اگر یہ بھی وفات پا جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے دین سے منکر ہو جاؤ گے؟ اس وقت صحابہ کبارؓ کو

آنحضرت صلعم کی وفات کا یقین آ گیا۔

اب اس واقعہ سے کئی امور واضح ہوتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو کیسی صراحت سے مقامِ الوہیت اور مقامِ نبوت و بشریت میں تمیز حاصل تھی۔ سب سے زیادہ پیارے و محبوب آنحضرت صلعم ہی تھے۔ کیونکہ سوائے محبوب حقیقی کے اور کس پر اپنے تمام اموال و اولاد کو کوئی انسان قربان کر سکتا ہے جیسے حضرت ابوبکر رضؓ نے کیا؟ مگر ایسی شدید محبت کے باوجود اس جذبۂ محبت کو اپنی حد کے اندر رکھا۔ پس پہلی خدمت آنحضرتؐ اور اسلام کی جو حضرت ابوبکرؓ نے آنجناب کی وفات کے موقعہ پر کی وہ یہ مقام توحید الٰہی کا قیام تھا جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔ اس خطبہ سے یہ امر بھی قطعی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام رضؓ کا اجماع تھا کہ جملہ انبیاء آنحضرت صلعم سے پہلے وفات پا چکے ہیں ورنہ وہ لوگ حضرت ابوبکر رضؓ کی اس قرآنی دلیل کو اگر غلط سمجھتے تو کیونکر خاموش ہو جاتے۔

دوسری عظیم خدمت حضرت ابوبکر رضؓ کی بعد وفات آنحضرتؐ یہ ہے کہ جب آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تو آپ نے فرمایا انی ولیت علیکم ولست بخیرکم۔ مجھے تم نے اپنا قائد چن لیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ ان الفاظ میں کیسی انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

مقامِ خلافت } پھر فرمایا کہ میں تمہارا قائد تو ہو گیا ہوں مگر میری اطاعت تم پر صرف اس وقت تک ہے جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں، جب میں اطاعت نہ کروں تو تم پر بھی میری اطاعت واجب نہیں۔ حالانکہ آپ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ پہلے تم رسولِ خدا کی اطاعت کرتے تھے اب آپؐ تو وفات پا گئے ہیں۔ انکی بجائے آپ نے مجھے خلیفہ بنا لیا ہے اس لئے اب سے تم پر میری اطاعت اسی طرح لازم ہے جیسے آنحضرت صلعم کی اطاعت لازم تھی۔ اگر آپ میں ذرہ بھر انانیت ہوتی یا اپنی بڑائی و کبریائی اور عظمت کو قائم کرنے کا کوئی ادنیٰ خیال ہوتا تو آپ بھی اپنی اطاعت کو مشروط نہ کرتے۔ یہ ایسی بشری کمزوری ہے کہ کثیر طبقہ قائدین اپنی پوزیشن کے استحکام کے لئے اس سوفسطائی منطق کو ہمیشہ سے استعمال کرتے چلے آتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم رسول اللہؐ کی گدی پر متمکن ہونے کے باعث وہی حقوق رکھتے ہیں جو رسولِ خدا کو حاصل تھے۔ چنانچہ خود مسلمان قوم اسی مرض کی دیرینہ شکار ہو رہی ہے، ہر عالم اور مولوی یا پیر اپنی غیر مشروط اطاعت کو جزوِ ایمان قرار دیتا ہے۔ اس زمانہ میں تو اس مرض نے بہت زیادہ شدت اختیار کر لی ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ رسول کے امور کیسے ہی واضح اور صریح کیوں نہ ہوں، عوام اُن کی پیروی کی بجائے اپنے مولوی، عالم یا پیر کی بات کو ان پر ترجیح دیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک سچے مصلحِ وقت کا کردار جب ادا کیا تو مسلمانوں کی اس مہلک مرض کا بھی قلع قمع فرمایا۔ بلکہ بعض روایات میں حضرت ابوبکر رضؓ کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں فان زغت فقومونی اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے بھی درست کرنا تمہارا فرض ہے۔ ایک شخص قوم کا قائد منتخب ہوتا ہے۔ مگر وہ یہ کہنے کی بجائے کہ رسول اللہؐ تو وفات پا گئے، اب میں ان کے مقام پر بیٹھا ہوں اس لئے تم پر ہر امر میں میری اطاعت لازم ہے، یہ کہتا ہے کہ میری اطاعت تم پر اس شرط سے مشروط ہے کہ جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں اور اس کی طرف بلاؤں ورنہ اگر میں ہی خود خدا و رسول سے منہ موڑ لوں تو تم پر مجھے درست کرنا بھی فرض ہے۔

یہ کیسی صاف گوئی اور صداقت پسندی ہے! کس طرح مقامِ نبوت سے مقامِ خلافت کو الگ کر کے بتلا دیا گیا ہے!! وہ شخص جسے اپنی ہی اطاعت کرانا منظور ہو، وہ قائد جو اپنے محکوموں پر زیادہ سے زیادہ اقتدار رکھنے کی خواہش رکھتا ہو، کیا ایسا شخص اپنی اطاعت کو ایسی کڑی شرائط سے وابستہ کر سکتا ہے؟ کیا کبھی کسی نے کسی پیر یا مولوی کے منہ سے سُنا کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم پر مجھے درست کرنا فرض ہے؟ ایسے الفاظ تو وہی کہہ سکتا ہے جسے خدا تعالےٰ کا خوف ہو اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت کی طرف بلانے کے لئے کھڑا ہو!

ہم نے تو ایسے قائد اور پیر اور بزعم خود خلیفے بھی دیکھے ہیں کہ جو اپنی غیر مشروط کے جواز کے لئے اس آیت کو اپنے اُوپر اطلاق کر لیتے ہیں فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم۔ حالانکہ یہ آیت آنحضرتؐ کے عالی مقام کو واضح کرتی ہے۔ کہ جب تک ہر معاملہ میں تیری اطاعت انشراحِ صدر سے یہ لوگ قبول نہیں کرتے تب تک ان کا دعوےٰ ایمان کامل نہیں۔

مگر یہ آیت آج کل کے بعض پیر اور خلفاء اپنے لئے پڑھ کر اپنے مریدوں کی غلامی کی زنجیریں مضبوط کرتے ہیں۔ لیکن کیسی عظمت اور شان خلیفہ اوّل رسول اللہ صلعم کی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو قوم کے سامنے مجاہدہ بنایا اور فرمایا کہ اگر تم پر میرا یہ حق ہے کہ میں تم سے اپنی اطاعت چاہوں تو پھر یقیناً تمہارا بھی مجھ پر یہ حق ہے کہ مجھے خدا اور رسولؐ کے راستہ سے بھٹکنے پر میری باز پُرس کرو۔

تعجب تو یہ ہے کہ آنحضور صلعم کی وفات پر کئی قسم کے مفاتن و مفاسد بپا ہیں جن کا علم بھی حضرت ابوبکر رضؓ کو خوب ہے۔ مگر باوجود اس کے جب مصلحت وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی غیر مشروط اطاعت پر زور دیں تاکہ آپ کا اقتدار زیادہ مضبوط ہو کر اتحاد و مضبوطی قائم ہو سکے۔ لیکن عین اس کے برعکس آپ اپنی پوزیشن یہ بتلاتے ہیں کہ ہم سب پر خدا اور رسول کی اطاعت لازم آتی ہے، تم پر بھی اور مجھ پر بھی۔ اگر تم اطاعت نہ کرو تو میرا حق ہے کہ میں تم سے باز پُرس کروں۔ اور اگر میں اطاعت خدا اور رسول سے منحرف ہو جاؤں تو تمہارا یہ فرض ہے کہ مجھ سے باز پُرس کرو اور مجھے سیدھا کر دو۔

فرقانی حکم واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا پر جب حضرت ابوبکرؓ نے خود سب سے پہلے عمل کیا تو تمام صحابہ کرام نے یہ نمونہ دیکھ کر خدا اور رسول کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح وہ فتنۂ ارتداد جس نے وفات آنحضرتؐ پر سر اُٹھایا تھا فرو ہو گیا۔ تمام لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کے اقراری بن کر تفرقہ کی بجائے اتحادِ قومی کا باعث بن گئے۔ مگر یہ بات تب ہی عمل میں آئی جب صحابہ کرام رضؓ کو حضرت ابوبکر رضؓ کی بات کی صداقت پر پورا یقین ہو گیا کہ آپ دراصل اپنی اطاعت نہیں چاہتے وہ تو حکومتِ الٰہیہ کا قیام چاہتے ہیں۔

حکومتِ الٰہیہ کا صحیح مقام اور قیام } اس زمانہ میں بھی مسلمان لوگ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے متمنی ہیں مگر اس غرض کے لئے وہ طریق کار اختیار نہیں کرتے جو اس کے حصول کے لئے لازم پڑا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ انسانی زندگیوں میں خدا اور رسول کے احکامات جاری ہوں نہ کہ کسی اور انسان کے حکم کا عمل دخل ہو۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جہاں کسی پیر یا مولوی نے کوئی حکم دیا عوام بلکہ خواص بھی اسے بلا غور و خوض اور بلا چون و چرا اسے الٰہی حکم سمجھ لیتے ہیں اور اسے کالوحی من السماء قرار دے کر اس کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کے احکامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں تو دوسری طرف قوم میں تفرقہ ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ ہر لیڈر، پیر یا عالم اپنی مرضی و منشاء کو قوم پر ٹھونسنا چاہتا ہے۔ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ۔ کے فرمانِ الٰہی کے مطابق

لوگ اپنے اپنے علماء کو خدا کے سوا ربّ بنا لیتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ یہودی تو اپنے علماء کو ربّ یا معبود نہیں مانتے پھر ان کی بابت کیوں یہ کہا گیا تو اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ ان کے مشائخ خلاف حکم توریت کرتے کہیں تو کیا وہ ویسے ہی نہیں کرتے؟ جب یہ جواب ملا کہ ہاں یہ تو درست ہے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو علماء کو ربّ بنانا ہے۔

فنا فی النبیؐ کا عالی مقام

یہ فخر حضرت ابوبکر رضؓ کو ہی حاصل ہے کہ اگر ایک طرف توحید خالص کا مقام واضح فرمایا تو دوسری طرف آپ نے فنافی النبی کے مقام کی تشریح فرما دی ہر امر میں آپ کے مدِنظر پہلے قرآن کریم اور پھر فرمانِ نبویؐ ہوا کرتا۔ فرمانِ الٰہی کی کامل اطاعت کی یہ حالت تھی کہ خلیفہ بنتے ہی جب مانعین زکوٰۃ کے فتنہ نے سر اُٹھایا تو آپ نے ان سے جنگ کی ٹھان لی۔ حالانکہ اکثر صحابہ کرام ان نازک حالات میں نرم پالیسی اختیار کرنے کے حق میں تھے۔ لیکن آپ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں سختی سے کام لیا۔ کیونکہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا اصل مطلب حکومت وقت سے بغاوت کے مترادف تھا۔ حکومت کے استحکام کا تقاضا یہی تھا کہ اس کے جائز حقوق کی حفاظت کی جائے۔ حقیقتاً حضرت ابوبکر رضؓ کی ایسے نامساعد حالات میں کامیابی کے اسباب یہ ہوئے کہ آپ نے بجائے دنیاوی حالات و اسباب پر بھروسہ کرنے کے خدا تعالےٰ پر ایمان و اعتماد کیا اور ہر مخالفت کا مقابلہ بےنفسی، پامردی، استقلال اور جوانمردی سے کیا۔

حکومتِ الٰہیہ کا اوّلین فریضہ

حضرت ابوبکر رضؓ نے خلیفہ بنتے ہی اس امر کی بھی پوری وضاحت فرما دی کہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا حقیقی مقصد کیا ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک کہ میں اسے اس کا حق دلا نہ دوں اور تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے وہ چھین نہ لوں جو اس کا حق نہیں ہے۔ گویا حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا اوّلین فریضہ انصاف و امن کا قیام ہے خواہ اس کے لئے طاقتور سے طاقتور اشخاص یا اقوام سے نبرد آزما ہونا پڑ جائے۔

اس زمانہ کی سیاسی حکمت عملی اور استحکام حکومت پر غور کیجئے تو آپکو معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی حکومت کے عین ضد واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اس وقت ہر حکومت کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ طاقتوروں سے دوستی ہو خواہ اس کی خاطر ناانصافی ہو اور کمزور کی حمایت سے دستکش ہوا جائے۔ چاہے اس کی حق تلفی ہوتی ہو۔ لیکن حضرت ابوبکر رضؓ اگر اپنی خلافت کا یہ بنیادی اُصول قائم نہ کرتے یعنی انصاف کی خاطر طاقتور کا مقابلہ اور کمزور کی حمایت تو آپ کی خلافت اس صورت میں نہ تو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا باعث بنتی اور نہ ہی خلافت حقّہ راشدہ کہلانے کی مستحق ہوتی۔ جس طرح انفرادی زندگی میں اسلام نے کمزور و محتاج کی اعانت و امداد اور جابر و ظالم کے مقابلہ کو دین کی بنیادی اینٹ قرار دیا ہے عین اسی کے مطابق اجتماعی نظام اور حکومت کی حکمت عملی، کمزوروں کی تائید اور ظالموں سے مقابلہ قرار دیا ہے در اصل یہی کسی دینی نظام کی انتہائی غرض و غایت ہیں۔ مگر موجودہ تہذیب اس کے عین برعکس کمزور کا استحصال اور طاقتور کے سامنے جھکنے کو دانشمندی کا تقاضا قرار دیتی ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح

خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں ——(ادارہ)

قحط کے دنوں میں مختلف قبیلوں کے لوگ مدینہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے حضرت عمرؓ بہ نفسِ نفیس کوچہ بکوچہ پھرتے اور ضرورت مندوں میں اناج اور کھانا تقسیم کرتے۔

ایک دفعہ اونٹ کا تازہ گوشت آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اور نوکر کو حکم دیا کہ یہ فلاں گھر میں جا کر دے آؤ۔ آج میں ان کی خبرگیری کے لئے ان کی طرف نہیں جا سکا۔ خدا جانے ان کے پاس کچھ کھانے کو ہے یا نہیں۔

حضرت عمرؓ کا انصاف

ایک دفعہ ایک قبطی نے مدینہ میں آ کر حضرت فاروقِ اعظم کی خدمت میں شکایت کی کہ عمرو بن عاص گورنر مصر کے بیٹے نے مجھے بغیر کسی قصور کے مارا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے سارا واقعہ سُنا۔ اس نے بیان کیا کہ گورنر مصر نے گھوڑ دوڑ کرائی تھی۔ میں بھی اس میں شرکت کے لئے اپنا گھوڑا لے کر آیا۔ اس پر گورنر کا بیٹا محمد بن عمرو میرے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا کہ گھوڑا تو میرا ہے اور مجھ سے تکرار کرنے لگا۔ میں نے بہتیرا کہا کہ گھوڑا تو میرا ہے تیرا نہیں ہے مگر وہ نہ مانا اور طیش میں آ کر کہنے لگا کہ میں شریفوں کا بیٹا ہوں تجھ کو ماروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے کوڑے مارنے شروع کر دیئے اور بہت مارا۔ حضرت عمرؓ نے گورنر مصر اور اس کے بیٹے کو بُلوا بھیجا۔ دونوں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کے بیان سُنے اور ان پر واضح ہو گیا کہ درحقیقت گورنر کے بیٹے کا قصور ہے۔ آپ نے اس قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دیا اور فرمایا کہ شریفوں کے بیٹے کو اسی طرح مار جس طرح اس نے تجھے مارا ہے۔ تین بار حکم دیئے جانے پر اس نے محمد بن عمرو کو اس کے باپ کے سامنے کوڑے مارے۔ اور نہ تو جناب گورنر بہادر دم مار سکے اور نہ ان کے صاحبزادہ صاحب۔

حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک گھوڑا خریدا اس شرط پر کہ اگر ناپسند ہوگا تو واپس کر دیا جائے گا۔ اور سوار سے کہا کہ اسے جانچ لاؤ۔ سواری کرنے میں اس گھوڑے کو چوٹ آگئی اور اس میں نقص ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے واپس کرنا چاہا مگر گھوڑے کے مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور جھگڑا شروع کر دیا۔ آخر مقدمہ قاضی کی عدالت میں چلا گیا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ اگر مالک کی اجازت سے سواری کی جاتی تو گھوڑا واپس ہو سکتا تھا مگر اب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کو اس فیصلہ سے بہت خوشی ہوئی اور فرمایا حق یہی ہے۔

ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ حضرت فاروقِ اعظم کی عدالت میں پیش ہوا آپ نے بعد تحقیق مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہودی آپ کے عدل و انصاف کی تعریف کرتا ہوا چلا گیا اور کہنے لگا کہ واقعی یہ شخص عدل و انصاف کا پُتلا ہے ایک مسلمان کے خلاف ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دے کر اس نے اپنے عادل ہونے پر مُہر لگا دی۔

جبلہ غسّانی شام کا مشہور رئیس تھا وہ مسلمان ہو گیا مگر اب تک حکمرانی کی بُو دماغ سے نہیں گئی تھی۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصّہ سے بےتاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سن کر کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رُتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاہلیت میں کیں ایسا ہی تھا۔ اسلام نے چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹا دیا ہے۔ اس نے کہا اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جس میں شریف رذیل کی کوئی تمیز نہیں ہوتی تو میں اسلام سے باز آیا۔ غرض وہ چھُپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر قانونِ انصاف کو نہ بدلا۔

مکرم مرزا عبداللطیف صاحب مولوی فاضل شاهد۔

حضرت مسیح موعودؑ اور جہادِ کبیر

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وانزلنا من السماء ماءً طهوراً لنحیی به بلدةً میتًا ونسقیه مما خلقنا انعامًا واناسی کثیراً۔ ولقد صرفناه بینهم لیذکروا فابی اکثر الناس الا کفوراً۔ ولو شئنا لبعثنا فی کل قریةٍ نذیراً وجاهدهم به جهاداً کبیراً۔ (الفرقان)

یہ سورت مکی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو آسمانی پانی سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا کہ ہم اس قرآن مجید کے ذریعہ سے روحانی طور پر مردہ بستیوں کو بھی زندہ کریں گے اور جو لوگ جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ بھی اس پاک کتاب کی برکت سے حیاتِ نو حاصل کریں گے۔ اور وہ لوگ جن کو مہذب اور متمدن ہونے پر گھمنڈ ہے۔ وہ بھی اسی نور سے منور کئے جائیں گے۔ اور مسلمانوں کو تاکیدی ارشاد فرمایا کہ تمہارا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ تم اشاعتِ قرآن کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دینا۔ نیز وجاهدهم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے تم خاص طور پر کوشش۔ محنت۔ سعی کرنا۔

حضرت مجدد زمان مسیح موعودؑ کی جو علامات احادیث میں بیان کی گئی ہیں ان میں ایک علامت بخاری میں یہ بیان کی گئی ہے:۔

" یفیض المال حتی لا یقبله احدٌ " کہ مسیح موعود اتنا مال تقسیم کرے گا کہ لوگ قبول کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔

بعض لوگوں نے غلطی سے یہ معنی لے لئے کہ ہم کو کسی قسم کی محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں جب امام مہدی آوے گا سب لوگوں کے مال چھین کر ہمارے گھر بھر دے گا۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ تو ظلم ہے۔ خدا کے نیک بندے یہ کام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اصل میں اس کے معنے یہ ہیں جیسا کہ حضرت امام ابو جعفر محمد بن علی باقر فرماتے ہیں:۔

" ان العلم بکتاب اللہ عز وجل وسنة نبیه ینبت فی مهدینا کما ینبت الزرع علی احسن نباته۔

(بحار الانوار)

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہمارے مہدی کے دل میں اس طرح نشو و نما پائے گا جیسے خوبصورت کھیتی اُگتی ہے۔

چنانچہ آج ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ علوم قرآن کا جس کثرت و وسعت اور ہمہ گیر رنگ میں اظہار ہو رہا ہے اپنی کاملیت اور جامعیت کے اعتبار سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوے کی بنیاد قرآن مجید پر رکھی اور تمام روحانی بیماریوں کا حل قرآن مجید سے پیش فرمایا اور ہر طرح کے شکوک و شبہات کا ازالہ اسی پاک کتاب سے پیش فرمایا۔ قرآن مجید کے اعجاز کو زبردست دلائل سے واضح فرمایا۔ سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ ہے۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

" سورۃ فاتحہ تو ایک معجزہ ہے۔ اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ قرآن شریف تو ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ کوئی بات اگر نکالنی ہو تو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ میں بہت غور کرے کیونکہ یہ ام الکتاب ہے۔ اس کے بطن سے قرآن کریم کے مضامین نکلتے ہیں۔ (تفسیر سورۃ فاتحہ صـ۱۷)

اور اپنے تجربہ۔ مشاہدہ، وعلم لدنی کی بناء پر تحریر فرماتے ہیں:۔

" یہ عاجز اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کرتا ہے کہ فی الحقیقت سورۃ فاتحہ مظہر انوار الٰہی ہے۔ اس قدر عجائبات اس سورت کے پڑھنے کے وقت دیکھے گئے ہیں کہ جن سے خدا کے پاک کلام کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی برکت سے اور اس کے تلاوت کے التزام سے کشف مغیبات اس درجہ تک پہنچ گیا کہ صدہا اخبار غیبیہ قبل از وقوع منکشف ہو سکیں اور اور ہر ایک مشکل کے وقت اس کے پڑھنے کی حالت میں عجیب طور پر رفع حجاب کیا گیا........ اور دوسرے انواع اقسام کے عجائبات اس سورت کے التزام ورد سے ظہور پکڑتے گئے کہ اگر ایک ادنیٰ پرتوہ ان کا کسی پادری یا پنڈت کے دل پر پڑ جائے تو یک دفعہ محبت دنیا سے قطع تعلق کر کے اسلام کے قبول کرنے کے لئے مرنے پر آمادہ ہو جائے۔"

(تفسیر سورۃ فاتحہ صـ۲)

آپ تفسیر کی ورق گردانی فرمائیں۔ صدہا تفاسیر دنیا میں موجود ہیں۔ ان کا مطالعہ فرمائیں۔ تو آپ کو اظہر من الشمس نظر آئے گا کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو دعوے و دلیل کے رنگ میں جامع طور پر مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں پیش فرمایا۔ ایمان کی تازگی کے لئے موجودہ عہد کی پیشگوئیاں قرآن مجید سے پیش فرمائیں۔ قبل ازیں جن کے سمجھنے سے سابق مفسرین عموماً قاصر تھے ان کو نہایت شرح و بسط سے بیان فرمایا۔ ان کو پڑھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے یا للعجب ما حسنهٗ وجمالهٗ۔

آپ نے قرآن مجید کی ترتیب پر خاص طور پر زور دیا اور دلائل سے مربوط ثابت فرمایا۔ اور نہایت عمدگی سے یہ بیان فرمایا کہ بسم اللہ کی ب سے والناس کی س تک سارا قرآن مجید کلام اللہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہے۔ ہر حرکت۔ نقطہ۔ حرف۔ حق و حکمت پر مبنی ہے۔ اور جب کوئی نیا لفظ آتا ہے تو وہاں ہر ایک نیا مضمون نئی خوبی لے کر آتا ہے۔ اور آپ نے قرآن مجید کو زندہ کتاب اپنی برکات و تاثیر اور فیوض کے اعتبار سے ظاہر فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعوے مسیحیت کے پہلے سال یعنی ۱۸۹۱ء میں یہ پیشگوئی فرمائی:۔

" نادان چاہتے ہیں کہ قرآن کریم مغلوب اور کمزور اور ضعیف اور حقیر سا نظر آوے۔ لیکن اب وہ ایک جنگی بہادر کی طرح نکلے گا۔ ہاں وہ ایک شیر کی طرح میدان میں آئے گا اور دنیا کے تمام فلسفہ کو کھا جائے گا اور اپنا غلبہ دکھائے گا اور لیظهره علی الدین کله کی پیشگوئی پوری کر دے گا۔"

ان الفاظ پر غور فرمائیں۔ کتنی تحدی۔ شان و شوکت پائی جاتی ہے۔ اور کتنا ایمان و یقین ہے۔ کہ تمام فلسفے قرآن مجید کے مقابلہ میں ہیچ ثابت ہوں گے۔ اور آج جب کہ اس پر ایک صدی ہونے کے قریب آ رہی ہے دنیا اس حقیقت کو آہستہ آہستہ قبول کر رہی ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے:۔

؎ آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگاہ زندہ وار

آپؑ فرماتے ہیں:۔

" اب وہ ابنِ مریم جس کا روحانی باپ زمین پر بجز معلّم حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا یہاں تک کہ لوگ قبول کرتے کرتے تھک جائیں گے اور لا یقبله

(باقی بر صـ۱ کالم ۲)

عالمِ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے بے پناہ احسانات ہیں

اس نے ساری کی ساری انسانیت کی جسمانی و رُوحانی ربوبیت کے یکساں سامان پیدا فرمائے ہیں۔

خُطبہ جُمعہ - فرمودہ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ - جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون - الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناءً - وانزل من السماء ماءً الخ - وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین -

(البقرہ - ۲۲ - ۲۳)

اللہ تعالےٰ کا خطاب عالمِ انسانیت سے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں عالمِ انسانیت کو، خواہ وہ مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں آباد ہوں، ہندو ہوں یا سکھ، مسلمان ہوں یا یہودی، سب کو مخاطب کیا ہے یاایھاالنّاس یہاں تمام کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے۔ کسی قوم، کسی جماعت، کسی مذہب کسی فرقہ اور کسی ایک کو مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا کہ اے دنیا جہان کے لوگو! قرآن کریم میں مسلمانوں کو بھی یاایھاالذین اٰمنوا کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور وہ جن کے پاس قرآن کریم کے علاوہ دوسری الہامی کتب ہیں، ان کو اللہ تعالےٰ نے یا اھل الکتاب کرکے مخاطب کیا ہے۔ اور ان آیات میں جنہیں میں نے تلاوت کیا ہے، عالمِ انسانیت کو بحیثیت مجموعی مخاطب فرمایا ہے اور کہا ہے۔ یاایھاالناس۔

زمین و آسمان کا خالق و مالک

معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ وہ ساری کی ساری مخلوق کی ربوبیت اور تربیت کرتا ہے۔

زندگی سب سے بڑی نعمت ہے

اس لئے فرمایا ہے خلقکم ہم نے تم کو زندگی عطا کی ہے۔ اور ظاہر ہے زندگی سب سے بڑی نعمت ہے۔ تمہارے ہاں بیٹا یا پوتا ہوتا ہے۔ تم کس قدر خوش ہوتے ہو۔ کوئی غریبوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ کوئی کپڑے تقسیم کر رہا ہے۔ تو کوئی روپیہ بانٹتا ہے۔ مگر جن کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوتا۔ ان کے لئے دنیا تاریک ہے۔ ان کے گھر کا چراغ روشن نہیں ہوتا۔ ایک پڑھی لکھی خاتون کہنے لگی کہ اللہ مجھے کوئی کانی بچی ہی دے دے کہ میں اس سے کھیل کروں، بہلایا کروں۔ اس لئے فرمایا والذین من قبلکم۔ تمہارے آباؤ اجداد جن پر تم فخر کرتے ہو ان کو بھی ہم نے ہی پیدا کیا ہے۔

عالمِ انسانیت پر خُدا تعالےٰ کے احسانات

غرض انسان پر نسلاً بعد نسل خدا تعالےٰ کے احسانات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ تمہیں پیدا کرنے کے بعد تمہاری زندگی کی نشو و نما اور استحکام کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز کو خادم بنایا ہے۔ کائنات کی ہر شئے تمہارے لئے ہے۔ سخر لکم مافی السمٰوات و مافی الارض۔ یہ ساری کی ساری کائنات تمہاری خدمت کرنے کو ہے۔ اس کائنات کے دلکش نظارے اور اس کا حسن و جمال تمہارے دل و دماغ کو فرحت و راحت دیتا ہے۔ تمہیں علوم سکھاتا ہے۔ الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناءً۔ ہم نے تم سب کو ایک گھر میں بسایا ہے۔ جس میں دن کے لئے ایک چراغ ہے جو ساری انسانیت کو روشنی اور حرارت مہیا کرتا ہے۔ اور ایک چراغ رات کے وقت سارے جہان کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔

عالمِ انسانیت عیال اللہ ہے

معلوم ہوا کہ ساری کی ساری انسانیت اس کا عیال اور کنبہ ہے۔ جس کو اس نے ایک گھر میں بسایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کان النّاس امۃ واحدۃ۔ یعنی سارے کے سارے انسان ایک ہی جماعت ہیں اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا المخلوق عیال اللہ۔ خدا تعالےٰ نے اپنے اس عیال کے بسانے کے لئے زمین کو ان کے اس گھر کے لئے فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔

پانی پر زندگی کا مدار ہے

اس گھر کی تمام ضروریات مہیا کرنے کے لئے فرمایا وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم ہم نے آسمان سے پانی اُتارا جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ جیسا کہ فرمایا وجعلنا من الماء کل شئی حیّ یعنی پانی پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس پانی سے تمہاری زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ تمہارا رزق، تمہارا لباس۔ پھل پھول ہر طرح کی خورد و نوش اور آرام و آرائش کا سامان اسی پانی کی وجہ سے ہے اور اس پانی کی وجہ سے پرند چرند اور تمہارے مویشی پلتے ہیں۔ اور تمہاری کئی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اور تمہاری دولت بڑھاتے ہیں۔

عالمِ انسانیت کی جسمانی و رُوحانی ربوبیّت

غرض خدا تعالےٰ نے زندگی عطا کرکے انسان پر بے پایاں احسان کئے ہیں۔ جہاں اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کی جسمانی و روحانی نشو و نما کے سامان کئے ہیں۔ وہاں سب قوموں میں پیغمبر بھیجے اور سب قوموں کو وحی الہٰی کے پانی سے سیراب کیا ہے۔

عبادت و اطاعت الہٰی کی اصل غرض

غرض اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت اور اپنے احسانات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ عبادت اور اطاعت الہٰی کی غرض یہ ہے کہ لعلکم تتقون کہ تمہارے دلوں میں خدا خوفی پیدا ہو۔ اور خدا کی مخلوق کے لئے تم بابرکت ثابت ہو۔ تقوےٰ قلب و نظر کی تطہیر و تزکیہ چاہتا ہے۔ قلب پاک ہو، ارادے اور مخلوق کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

تقویٰ کی تعریف

تقوےٰ کسے کہتے ہیں التقوٰے ان لا یریٰک مولاک حیث نھاک۔ تقوےٰ یہ ہے کہ تیرا خُدا تجھے اس جگہ نہ دیکھے جہاں پر جانے سے اس نے منع کیا ہے اور وہ تجھے ایسا کام کرتا نہ پائے جس سے اس نے تجھے منع کیا ہے۔ اور فرمایا التقوٰے ان تزین باطنک و سرّک للخالق کما زینت ظاھرک للمخلوق۔ تقوےٰ یہ ہے کہ تمہارا باطن مزین اور خوبصورت ہو۔ جس طرح تم مجالس و محافل میں صاف ستھرے اور پاک ہو کر جاتے ہو خالق کے لئے بھی ایسی ہی زینت اختیار کرو۔ سب سے بڑی زینت دل کی طہارت ہے۔ قلب انسانی تمام افعال کا سرچشمہ ہے۔ اگر یہ سرچشمہ پاک ہو گیا تو تمام اعمال میں خوبی پیدا ہو گئی۔ فرمایا قد انزلنا علیکم لباسًا یواری سواتکم وریشًا ولباس التقوٰی ذالک خیر۔

ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا ہے۔ لباس بدن کے لئے زینت ہوتا ہے۔ لیکن تقوے کا لباس اس سے بہتر ہے۔ اس کے اختیار کرنے سے اصل زینت وجود میں آتی ہے۔ فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ خدا کے نزدیک عزت اور رتبے والا وہ شخص ہے جو تقوے کی زندگی بسر کرتا ہے۔

جسمانی و روحانی تربیت کے ذرائع اللہ تعالےٰ ہی مہیا فرماتا ہے } ان آیات میں تمام عالم انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے شروع میں فرمایا ہے الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ عیسائی ہو یا ہندو مسلمان ہو یا یہودی، اللہ تعالےٰ سب کا خالق اور سب کا ربّ ہے ربوبیت جسمانی اور روحانی دونوں کے اسباب اور ذرائع اللہ تعالےٰ ہی مہیا فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ولکل قومٍ ھاد۔ اللہ تعالےٰ نے رشد و ہدایت کی تعلیم دینے کی خاطر ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں۔

اولادِ آدم کی تکریم } ان تمام نعمتوں کے ذکر کے علاوہ فرمایا کہ ہم نے تمام بنی آدم کو قابلِ تکریم پیدا کیا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم۔ جس کسی پر بھی بنی آدم کا لفظ بولا جاتا ہے وہ از روئے تعلیمات قرآن کریم تکریم کے لائق ہے۔

ہر قوم میں صالح لوگ موجود ہیں } فرمایا لیسوا سواءً من اھل الکتاب امّۃ قائمۃ یتلون اٰیٰت اللہ اٰناء الّیل وھم یسجدون۔ غیر مسلم اقوام میں اہلِ کتاب بھی ہیں۔ ان میں سب لوگ خراب نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں ایسے بہت لوگ موجود ہوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے کی خاطر رات کو بیدار رہتے ہیں۔ ان میں یہودی ہیں، نصرانی ہیں سکھ ہیں، ہندو ہیں۔ اور ان میں وہ لوگ موجود ہیں جو اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات و اولٰئک من الصّٰلحین۔ وہ اللہ تعالےٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ اور نیکیوں میں بڑھ بڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ عدل و انصاف کی زندگی گذارتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ صالح لوگ ہیں۔ تمام عالم اقوام کی نسبت تلقین فرمائی کہ ہندوؤں میں سکھوں میں، عیسائیوں و یہودیوں میں۔ غرض ہر قوم کے درمیان بزرگ شخصیتیں موجود ہوتی ہیں۔ ان سب کی تعظیم و تکریم کرنے سے رضاءِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس سے تمام اقوام میں حقیقی ارتباط اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا خُدا سب انسانوں کا خُدا ہے۔ یورپ تو ہمارے ہاں ہر قسم کی بُرائی کے لئے مشہور ہے۔ وہاں جا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کس کس پائے کے بزرگ لوگ وہاں موجود ہیں۔ وہاں پر پاک سیرت عورتیں اور مہذّب مرد نظر آتے ہیں۔ میں نے انگلستان اور جرمنی میں بہت بلند پایہ عادات و اطوار و کردار کے لوگ دیکھے ہیں۔

اِسلامی تعلیمات کا مقصد } ان تعلیمات کا عظیم مقصد تو اقوامِ عالم کو متحد کرنا ہے۔ خود پیغمبر اسلام نے یہ دُعا مانگی کہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی ہستی کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کو ایک ہی تعلیم دی گئی ہے۔ مجھے بھی اسی رستہ پر چلنے کی توفیق عنایت کی جائے تاکہ توحیدِ خداوندی کی تلقین کرنے سے وحدتِ نسلِ انسانی کے عظیم مقصد کو حاصل کیا جائے۔ اقوامِ عالم میں وحدت پیدا کرنا اسلام کی تعلیمات کا مقصد عظیم ہے۔

جماعتِ بھدرواہ۔ صوبہ جمّوں (بھارت) کی تبلیغی سرگرمیاں

خدا کے فضل و کرم سے جماعت کی قومی اور تاریخی روایات تابناک رہی ہیں۔ گذشتہ تیس برس سے مرکز سے اس جماعت کے تعلقات منقطع چلے آ رہے تھے۔ اب از سرِ نو جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی بابرکت مساعی سے اس جماعت کا تعلق باقاعدہ طور پر صدر انجمن سے ہو گیا ہے۔ مرکز سے اخبارات پیغامِ صلح۔ لائیٹ۔ کتب سلسلہ اور لٹریچر جماعت کو مل رہا ہے۔ اور جماعت باقاعدہ طور پر اپنے تربیتی پروگراموں کو انجام دینے میں منہمک ہے۔ چنانچہ ہر ماہ دو بار افراد جماعت (ذکور و اناث) جمع ہو کر تربیتی نوعیت کا اجتماع کرتے ہیں

ابھی حال ہی میں جلسۂ یوم وِصال مسیح موعودؑ کی تقریب ۲۶/۵/۷۷ کو منعقد کی گئی جس کی تعداد میں سیرت النبیؐ صداقت اسلام۔ حقانیت احمدیت پر مشتمل لٹریچر کی کتابیں تقسیم کی گئیں اور ہر مکتبِ فکر ہندو، مسلم، قادیانی وغیرہ تک مناسب قسم کا لٹریچر پہنچایا گیا۔ خدا کے فضل سے بہت اچھا اثر ہوا ہے۔ الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

جماعت بھدرواہ کو ایک مبلغ و معلّم کی اشد ضرورت ہے جو نہ صرف بھدرواہ میں ہی بلکہ سارے صوبہ جموں میں بھی کام کرے گا۔ کاش صدر انجمن اور بھارتی اکابرین سلسلہ اس طرف غور فرمائیں اور اس غریب مگر قدیم جماعت کی ضرورت کو پورا فرمائیں۔ شاید اس طرح زمانہ قدیم کی طرح اس صوبہ میں ایک باقاعدہ مشن قائم ہو جاتا۔ اور وہ حسب سابق اشاعتِ دینِ اسلام کا کام کرتا۔

تمام احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ اس علاقہ میں ایک مضبوط مشن کے قیام کے لئے دُعا فرمائیں اور عملی تعاون بھی کر سکتے ہیں۔ جماعت بھدرواہ باوجود محدود وسائل اور مشکلات تبلیغی اور اشاعتی کاموں میں آگے بڑھنے کی سعی کر رہی ہے۔

بی۔ ڈی سلیم
سیکرٹری شبان الاحمدیہ بھدرواہ

بقیہ از صفحہ

بقیہ از صفحہ

احسن" کا مصداق بن جائیں گے اور ہر ایک طبیعت اپنے ظرف کے مطابق پُر ہو جائے گی۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۶۸۰ تا ۶۸۱)

پس! وہ جہاد جسے قرآن مجید نے جہاد اکبر فرمایا ہے۔ جس نے تمام دنیا کو امن کا پیغام دیا ہے۔ اور جب تک دنیا والے اس تعلیم سے دُور رہیں گے حقیقی راحت انہیں نصیب نہیں ہوگی وہ اب ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ جتنی بھی کوشش کرتے ہیں۔ دھڑا دھڑ ایجادات ہو رہی ہیں۔ مادی ترقی کے انتہار کو پہنچ چکے ہیں ہر طرح کے ذرائع انہیں میسّر ہیں۔ لیکن جب آپ ان کے ذہن۔ معاشرہ۔ ماحول کا جائزہ لیں گے۔ تو از خود وہ پکار اٹھیں گے۔ اور کہتے ہیں ——"سب کچھ ہے لیکن سکون و راحت نصیب نہیں ہے"

وہ پیغام و تعلیم جو ان سب بنی نوع کو راحت بخشے گی جو کہ لوگوں کے لئے حقیقی امن کا پیغام ہے۔ وہ قرآن مجید ہے۔ اور جس کے امین آج آپ لوگ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے دعویٰ بیعت پر غور کریں۔ حضرت صاحب ساری عمر جہاد بالقرآن کا درس دیتے رہے۔ آپ کا ایک شعر

ابو سلمان ایم اے۔

حضرت مجددِ زمانؑ اور نوجوان

حضرت مجدد زمان مرزا غلام احمد قادیانیؑ کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے صالح تخیل، فکری ذہن، اور روحانی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے اپنے قلم سے اپنے لازوال گہرے افکار کی ترسیل کا کام لیا۔ آپ کا پیدا کردہ لٹریچر بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ آپ کے سامنے جہاں تاریخ اسلام کے درخشندہ اوراق تھے، وہاں آپ کو اپنے مولا کی براہ راست ہدایت و رہنمائی حاصل تھی۔ آپ اسلام کے وہ پُر اسرار غازی تھے جو ذوقِ خدائی اور عشقِ رسولؐ سے سرشار تھے آپ کا مقصدِ حیات دینِ اسلام کی ترویج اور مسلمانوں کی وسیع تر فلاح و بہبود تھی آپؑ کے سامنے جہاں ماضی کے قابلِ فخر مسلمانوں کی تابدار تاریخ تھی وہیں آپ اپنے زمانہ کے مسلمانوں کی زبوں حالی اور پستی و نکبت کو بھی دیکھتے تھے۔ انہیں ہر طرف اسلام کے نام لیوا کسمپرسی کی حالت میں ہی نظر آتے تھے۔ کہاں ماضی کے مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور کہاں حال کے مسلمانوں کی حالت زار۔ اس غیر معمولی تضاد نے ان کے دل کو بڑا شدید صدمہ پہنچایا۔ آپ اسلام اور مسلمان قوم کی خدمت کے لئے میدانِ جنگ میں کود پڑے اور سنت الہٰی نے آپ کو اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے پر مامور کر دیا۔

اس مقصد کے حصول کے لئے حضرت مجدد زمانؑ نے پڑھے لکھے مسلمان نوجوان طبقے کو اپنے گرد اکٹھا کیا ان کی فکری اور روحانی پرورش کی۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ جدید نسل کے نوجوان اسلام کے نور سے منور ہو کر اس کی روشنی کو تمام عالم میں پھیلا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں نوجوانانِ اسلام کا ذکر ہے۔ آپ آرزو کرتے تھے کہ مسلمان نوجوانوں میں قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں جیسی صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ اور آپؑ چاہتے تھے کہ حریتِ فکر، جذبۂ حق، تعلق باللہ، دینِ اسلام کی فتح و نصرت کا یقین، دین و ملت کے لئے ایثار و قربانی کی تڑپ اور زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا ہو جائے کیوں کہ آپ مقام رُشد و ہدایت پر فائز تھے، اور آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب مسلمانوں کے اندر یہ توانا اور قوی خصوصیات پیدا ہو جائیں گی تو وہ نہ صرف برِّصغیر کے مسلمانوں کو دینی کمزوری اور ملّی زبوں حالی سے نکال کر انہیں ان کا کھویا ہوا روحانی مقام دلائیں گے بلکہ اسلام کی شکوہِ رفتہ کو دوبارہ بحال کر کے دُنیا میں اسلام کا بول بالا کریں گے تا کہ عالمِ انسانیت مذاہب باطلہ سے نجات حاصل کر کے نیابت الہٰی کی ذمہ داری پوری کر سکے۔

ایک موقعہ پر آپؑ نے ایک نوجوان سے فرمایا:۔

"آپ اخلاص کے ساتھ یہاں آتے ہیں آپ چند روز یہاں ٹھہرتے تو خوب ہوتا۔ اللہ تعالےٰ آپ کی اور ہماری ملاقات سے فائدہ دے"

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔

"ظاہر قیل و قال سے کچھ نہیں ہوتا۔ اندرونی صفائی اور روحانیت کی ضرورت ہے۔"

حضرت امامِ زمانؑ کو نوجوانوں سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی بصیرت بھری نگاہیں صاف طور پر دیکھ رہی تھیں کہ ملتِ بیضا کا احیاء صرف ان افراد کے ہاتھوں ہو سکتا ہے، جن کی رگوں میں تازہ خون گردش کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے ان نوجوانوں کو اپنے گرد اکٹھا کیا، پیرِ کامل مرد حق شناس اور مامور الہٰی کی حیثیت سے ان کی حقیقی منزل کی صحیح نشاندہی کی۔ ان کے علم کو تیز تر کیا اور ان کی رُوح کو جلا بخشی۔ چنانچہ حضرت امامِ زمانؑ نوجوانوں کے سامنے کبھی ایک مخلص دوست کبھی ایک مشفق اُستاد کی حیثیت سے آتے ہیں۔ انہیں دینِ الہٰیہ کے رموز بھی بتاتے ہیں، اور مسائل پر عمل بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے نوجوانوں کی زندگی اور کردار کو بے داغ اور پاکیزہ دیکھنے کے خواہشمند ہیں، انہیں زندہ خدا کی زندہ حقیقتوں پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان کا کامل نمونہ دیکھنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالےٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پورا وفادار اور مخلص ہو۔ جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا ایک چھپڑ لگ جاوے تو بھی اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو"

حضرت امام زمانؑ اپنے نوجوانوں کے ساتھ اتنے خلوص و محبت سے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں کہ جیسے یہ ان کی عزیز ترین متاع حیات ہے۔ آپ انہیں اسلام کی روحانی زندگی کے متعلق گہری باتیں بھی بتاتے ہیں اور ان کے کردار کی تعمیر میں سرگرم تقاضا بھی رہتے ہیں۔ ان کے اندر خود آگاہی۔ معرفتِ الہٰی۔ تقرّب الی اللہ کا جذبہ اور عزت نفس کا احساس پیدا کرنے کے لئے ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:۔

"سچا مسلمان وہ ہے کہ سب گندوں کی گٹھڑیاں اپنے سر سے پھینک اور اپنے آپ کو پاک و صاف کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ [illegible] غرض [illegible] نفسانی درمیان نہ رکھے۔ مسلمان اس کو کہتے ہیں۔ دنیا کے لوگوں سے منہ پھیر کر خدا تعالےٰ کی طرف آ جائے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ ایسا طریق اختیار کرے جس کی ذلت نہ ہو۔ تھوڑے پر قناعت کرے۔ اللہ تعالےٰ کو راضی رکھے۔ راستی اور صراطِ مستقیم پر پکا قدم رکھے۔ ورنہ اسلام میں آنا اس کے لئے مفید نہیں۔" (بدر۔ ۱۱ر مئی ۱۹۰۵ء)

حضرت نہیں چاہتے کہ ان کا نوجوان مادی دنیا کے نفع و نقصان میں اُلجھ کر مقاصدِ جلیلہ سے بے خبر ہو جائے۔ آپؑ نہیں چاہتے کہ وہ دین کی حقیقی زندگی سے محروم رہے۔ آپ دعوت و تحریک اسلام کا فتح نصیب مجاہد بنانا چاہتے ہیں اور خدا و رسول کا عاشق زار بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس اہم عنصر کی کردار کی تعمیر میں ضرورت پڑتی ہے وہ ہے فقر و استغنا۔ فقر و استغنا سے مراد یہ نہیں کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے یا کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیکر پھرے۔ بلکہ یہ وہ جوہر ہے جس سے انسان میں ضبط نفس اور حق و صداقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

امامِ زمانؑ اپنے نوجوان کو پورے خلوص سے تلقین کرتے ہیں:۔

"سب سے بڑی بات تو دین ہے جسکو حاصل کر کے انسان حقیقی خوشحالی اور راحت کو حاصل کرتا ہے۔ دُنیا کی زندگی تو بہر حال گذر ہی جاتی ہے۔ غم شب تنور گذشت و شب سمور گذشت ــــ انسان کو چاہیئے کہ دین کو دُنیا پر مقدم کرے۔"

حضرتؑ کا دل دردمند ہمیشہ نوجوانوں کی فلاح و بہبود کے لئے دھڑکتا رہا۔ وہ اپنے نوجوانوں میں اسلام کی تمام خوبیاں بہ کمال و تمام دیکھنے کے آرزومند رہے وہ خواہ طلباء سے مخاطب ہوں یا برّصغیر کے مسلم نوجوانوں سے، انکے پیش نظر ہمیشہ یہ جذبہ کارفرما رہا کہ وہ سیرت و کردار میں انسانیت کا نمونہ بن جائیں۔

آپ اپنے نوجوانوں کے لئے خلوص دل سے دعائیں بھی کرتے ہیں کہ انکے اندر مردِ مومن کی صفات کاملہ پیدا ہو جائیں تا کہ وہ ان خصائص و صفات سے متصف ہو کر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دے سکیں اور یوں نیابت الہٰی کے اعلیٰ ترین

تیسری عالمگیر جنگ زہریلی کیمیاوی گیسوں سے لڑی جائیگی!

قرآن حکیم نے اس کی پیشگوئی چودہ سو سال قبل ہی کر دی تھی-

"نوائے وقت" ۱۷ر جون ۱۹۷۷ء میں جناب احسان صابری قریشی صاحب نے ذیل کا مضمون رقم فرمایا ہے جو احمدی علمِ کلام کی مقبولیت کی نمایاں علامت ہے- یہ مضمون قارئین کرام کے ازدیادِ ایمان کے لئے درجِ ذیل ہے- (ادارہ)

نئے دور میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کا تصور اب پرانا ہو چکا ہے- اس وقت امریکہ، روس، اسرائیل اور فرانس کے پاس ایسے گیس بم تیار پڑے ہیں جن کے دائرے میں آنے والی ہر جاندار چیز تین منٹ کے اندر اندر ہلاک ہو جائے گی- بشرطیکہ ہر جاندار چیز کا منہ گیس ماسک سے محفوظ نہ ہو- کئی گیسیں اس قسم کی بھی ایجاد شدہ موجود ہیں جو دو منٹ کے اندر اندر اعصاب کو مفلوج کر دیں گی اور انسان پر مہلک قسم کا فالج گر جائے گا- ایسی گیسوں کا تجربہ امریکہ نے چند سال گذرے ویٹ نام کی جنگ میں بھی کیا تھا- مگر کرۂ ارضی کی رائے عامہ کے احتجاج کے بعد گیس بم کا استعمال ترک کر دیا گیا تھا- مشہور سائنسدان آئینسٹائن سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیسری عالمگیر جنگ میں کس قسم کے ہتھیار استعمال ہوں گے؟ اس نے جواب دیا:-

"مجھے تیسری عالمگیر جنگ میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کا علم نہیں ہے- البتہ میں بتلا سکتا ہوں کہ چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں، سوٹوں اور لاٹھیوں سے لڑی جائے گی"

سوال کرنے والے نے دریافت کیا کہ چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے کیسے لڑی جائے گی؟ یہ آپ نے کیا کہا ہے وضاحت فرمائیے- بات سمجھ میں نہیں آئی- آئینسٹائن نے جواب دیا کہ تیسری عالمگیر جنگ میں وہ وہ مہلک ہتھیار اور مہلک گیسیں استعمال ہونگی کہ انسان تو کیا ماڈرن توپیں، ٹینک بکتر بند گاڑیاں، اور بمبار طیارے ان گیسوں سے یا ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے پگھل کر پانی کی طرح بہہ جائیں گے- ماڈرن ہتھیاروں کا نام و نشان نہیں رہے گا- یہی وجہ ہے کہ آئندہ نسل کا حضرت انسان چوتھی عالمگیر جنگ ڈنڈوں سوٹوں اور لاٹھیوں سے ہی لڑے گا-

قرآن حکیم نے کیمیاوی گیسوں اور زہریلے دھوئیں سے جنگِ عظیم ہونے کی حیرت ناک پیشین گوئی سورۃ "دخان" پارہ نمبر ۲۵ میں تیرہ سو سال قبل کر دی تھی:-

ترجمہ: بلکہ وہ شک و شبہ میں کھیل رہے ہیں- تو اس دن کا منتظر رہ جب آسمان لائے گا صریح دھواں- یہ دھواں لوگوں کو گھیر لے گا- یہ دردناک عذاب ہوگا- پھر وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ! ہم سے یہ آفت دور کر- اب ہم اسلام قبول کرتے ہیں- اور مومن بننے کے لئے تیار ہیں- مگر اب ان کے لئے نصیحت کہاں ہوگی؟

تفسیر بیضاوی میں ان آیات کی تفسیر یوں لکھی ہے کہ:-

یہ قرب قیامت کا زمانہ ہوگا- حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت حسن بصریؒ دونوں نے فرمایا کہ قیامت آنے سے پہلے دھوئیں کا عذاب آسمان پر آئے گا اور یہ دھواں لوگوں پر چھا جائے گا- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ دھواں خود لوگوں کا ہی پیدا کردہ ہوگا اور نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا- اس دھوئیں کا عذاب اتنا دردناک ہوگا کہ کافر لوگ تو فوراً چیخ اٹھیں گے کہ ہم مومن بنتے ہیں- اسلام پہ ایمان لاتے ہیں- ہم سے یہ دردناک عذاب دور ہو!

دوسرے راوی مثلاً ابن عباسؓ، ابنِ عمرؓ، ابوہریرہؓ اور زید بن علیؓ بھی ایسی ہی تفسیر کرتے ہیں- آخری آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جنگ کفّار کے مابین ہوگی اور جب وہ ختم ہونے لگیں گے تو مومن بننے کی آرزو کریں گے-

آسمان سے دھواں کیسے آئے گا؟

سورۃ قمر پارہ نمبر ۲۷ اس طرح شروع ہوئی ہے:-

ترجمہ: قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا- یہ آیت مبارکہ ذومعنی ہے- پہلے تو انسان، انسان کے ساتھ دھوئیں کی جنگ لڑے گا یعنی زہریلی کیمیاوی گیسوں سے آپس میں لڑائی ہوگی- اس سے دنیا کا ½ حصّہ تباہ و برباد ہو جائے گا- اس کے بعد حضرت انسان دوبارہ چاند کی سطح پر راکٹ لے جا کر تجربہ کرنے کے لئے ہائیڈروجن بم چاند کی سطح پر پھینکے گا-

پہلے معانی جو اب تک مفسرین کرتے آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب "معجزۂ شق القمر" دکھلایا اور حضرت کے دستِ مبارک کے اشارہ سے ہی چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور کچھ دیر بعد یہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے- قیامت کے قرب کے زمانے میں بھی دوبارہ اسی طرح ہوگا اور پھر قیامت آئے گی- اب دوسرے معنے جو جامعہ ازہر قاہرہ (مصر) کے علماء نے کئے ہیں اور مصر کے اخبار "الاہرام" کے ملی میگزین ایڈیشن میں گذشتہ سال چھپ بھی چکے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس صدی کے سائنسدان چاند کی ماہیت کو پرکھنے کے لئے راکٹ میں ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم یا گیس بم لے کر چاند پر جائیں گے اور چاند کی سطح پر ہائیڈروجن بم پھینکا جائے گا- اپنی طرف سے وہ تجربہ کریں گے کہ چاند کی ماہیت کیا ہے؟ چاند کا کچھ حصہ ہائیڈروجن بم کے دھماکہ سے شق ہوگا یعنی پھٹ جائے گا- اس طرح چاند سائنسی اقدامات سے دوبارہ شق ہوگا- آسمان سے زہریلی کیمیاوی گیس نیچے زمین کا رخ کرے گی- آسمان سے ایسا دھواں زمین پر آئے گا جو انتہائی مہلک ہوگا- اس کے بعد قیامت انتہائی نزدیک آ جائے گی- یعنی اس اقدام کے تھوڑے عرصے بعد ہی "روزِ قیامت" وقوع پذیر ہوگا-

یہ تھی دوسری تفسیر اس آیت کی یعنی قیامت کی گھڑی نزدیک آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا- یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک پہلے چاند شق نہیں ہوگا اور یہ عمل شق القمر حضرت انسان کے ہاتھوں ہی وقوع پذیر ہوگا- پہلی کیمیاوی گیس کی جنگ بھی حضرت انسان، انسان کے ساتھ ہی لڑے گا اور یہ کرۂ زمین پر ہی واقع ہوگی- دوسری جنگ حضرت انسان چاند کی سطح پر لڑے گا اور چاند اس جنگ کی بدولت شق ہوگا- اس کے بعد ہی قیامت آئے گی اور دنیا مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائے گی-

---

پیغامِ صلح خروجِ یاجوج ماجوج اور ان کی باہمی خطرناک جنگوں کی قرآنی پیشگوئیوں کی جو تعبیر حضرت امامِ زمانؑ نے بیان فرمائی تھی اور جسے علمائے وقت نے قبول نہیں کیا تھا- تقریباً ایک صدی بعد آج دنیائے اسلام کا اعلیٰ تعلیمیافتہ اور روشن خیال طبقہ اس کا قائل ہوتا جا رہا ہے اور مندرجہ بالا مضمون اس کی ایک روشن دلیل ہے-

---

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ——— مورخہ ۲۲ر جون ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹرز چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغامِ صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا- (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۱ رجب ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۶

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

اِن ابتلاء کے دنوں میں اپنے نفس کو مار کر تقوےٰ اختیار کرو

اخلاقی حالت ایسی درست ہو کہ کسی کو نیک نیتی سے سمجھانا اور غلطی سے آگاہ کرنا ایسے وقت پر ہو کہ اسے بُرا معلوم نہ ہو۔ کسی کو استخفاف کی نظر سے نہ دیکھا جاوے۔ دلشکنی نہ کی جاوے۔ جماعت میں باہم جھگڑے فساد نہ ہوں۔ دینی غریب بھائیوں کو کبھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ مال و دولت یا نسبی بزرگی پر بے جا فخر کر کے دوسروں کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھو۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو متقی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم دوسروں کے ساتھ بھی پورے اخلاق سے کام لینا چاہیئے جو بد اخلاقی کا نمونہ ہوتا ہے وہ بھی اچھا نہیں ہماری جماعت کے ساتھ لوگ مقدمہ بازی کا صرف بہانہ ہی ڈھونڈتے ہیں۔......

...... اگر کوئی جماعت میں سے ایک شخص برائی کرے گا تو اس ایک سے ساری جماعت پر حرف آئے گا۔ دانشمندی۔ حلم اور درگذر کے ملکہ کو بڑھاؤ۔ نادان سے نادان کی باتوں کا جواب بھی متانت اور سلامت روی سے دو۔ یاوہ گوئی کا جواب یاوہ گوئی نہ ہو میں جانتا ہوں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی کچھ ایسی ہی حکمتِ عملی تھی کہ اگر ایسا نہ کرتے تو روز ماریں کھاتے پھرتے۔ رومیوں کی سلطنت تھی یہود کے فقیہہ اور فریسی اس کے مقرب تھے۔ اس وقت اگر وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال نہ پھیرتے تو روز ماریں کھایا کرتے اور روز مقدمے ہوتے باوجودیکہ ایسی نرم تعلیم دیتے تھے پھر بھی یہود انہیں دم نہ لینے دیتے تھے۔ اس وقت کی موجودہ حالت انجیلی تعلیم ہی کو چاہتی ہوگی۔ اس وقت ہماری جماعت کی حالت بھی قریباً ویسی ہی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ مارٹن کلارک عیسائی کے مقدمہ میں محمد حسین نے بھی اسی کی گواہی دی۔ اب سمجھ لو کہ قوم سے بھی کوئی اُمید نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ ان ابتلا کے دنوں میں اپنے نفس کو مار کر تقوےٰ اختیار کریں۔ میری غرض ان باتوں سے یہی ہے کہ تم نصیحت اور عبرت پکڑو۔..........

تمہاری فتح تقویٰ اور اعمالِ صالح سے ہے

میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ ضرورت ہے اعمالِ صالحہ کی خدا تعالےٰ کے حضور اگر کوئی چیز جا سکتی ہے تو وہ یہی اعمال صالحہ ہیں۔ یصعد الیہ الکلم الطیب ...... فتح اور نصرت اسی کو ملتی ہے جو متقی ہو۔ خدا تعالےٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کان حقًا علینا نصر المؤمنین مومنوں کی نصرت ہمارے ذمہ ہے اور لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا اللہ مومنوں پر کافروں کو راہ نہیں دیتا اس لئے یاد رکھو تمہاری فتح تقویٰ سے ہے۔ ورنہ عرب تو نرے ملیچھ اور خطیب اور شاعر ہی تھے انہوں نے تقوےٰ اختیار کیا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے فرشتے ان کی امداد کے لئے نازل کئے۔ تاریخ کو اگر انسان پڑھے تو اسے نظر آ جائے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس قدر فتوحات کیں وہ انسانی طاقت اور سعی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک بیس سال کے اندر ہی اندر اسلامی سلطنت عالمگیر ہو گئی تھی۔ اب ہم کو کوئی بتا دے کہ انسان ایسا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ بار بار فرماتا ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ متقی کے معنے ہیں ڈرنے والا۔ ایک ترک شر ہوتا ہے۔ اور ایک افاضۂ خیر۔ متقی ترکِ شر کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے اور محسن افاضۂ خیر کو چاہتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق ایک حکایت پڑھی ہے کہ ایک بزرگ نے کسی کی دعوت کی اور اپنی طرف سے مہمان نوازی کا پورا حق ادا کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو بزرگ نے بڑے انکسار سے کہا کہ میں آپ کے لائق خدمت نہیں کر سکا۔......... متقی کا کام یہ ہے

کہ برائیوں سے باز آ وے۔ اس سے آگے دوسرا درجہ افاضۂ خیر کا ہے۔ جس کو یہاں محسنون کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے کہ نیکیاں بھی کرے پورا پراستبازانہ انسان تب

بیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلسہ زیر اہتمام مقامی جماعت احمدیہ لاہور منعقدہ ۱۹ جون ۱۹۷۷ء

بروز اتوار ۸½ بجے صبح، جامع احمدیہ دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

صدر: ڈاکٹر وحید احمد صاحب ——— سٹیج سیکرٹری: زاہد جنجوعہ
رپورٹ مولوی شفقت رسول ——— تلخیص۔ عبدالرؤف کھوکھر

مکرم جناب ڈاکٹر وحید احمد خان صاحب کی صدارت میں تلاوت قرآن کریم سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد منصور احمد جاوید صاحب نے فتح اسلام سے حضرت مجدد زمانؑ کے فرمودات پڑھ کر سنائے پھر چوہدری محمد حیات صاحب نے بڑی خوش الحانی سے حضرت صاحب کی قرآن کریم کی تعریف میں یہ مشہور اور منفرد نظم پڑھی:

جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

اس کے بعد جناب میرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن نے انڈونیشیا سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے آئے ہوئے دو طلباء جناب سروی مان صاحب اور سکندر صاحب کا سامعین سے تعارف کرایا اور ان کی تعلیمی کاوش کے ذکر میں فرمایا کہ اب یہ دونوں کسی حد تک اُردو زبان سیکھ چکے ہیں۔ احباب سے ان کی دینی علوم کی تحصیل میں ترقی کے لئے دعا کی درخواست کی گئی (دعا کی گئی) تعارف کے بعد جناب سروی مان نے اُردو اور انگریزی میں ملی جلی تقریر کی۔ اور آیت استخلاف کے حوالہ اور حدیث مجدد (ابوداؤد) سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت مجدد زمانؑ کا دعویٰ مجددیت قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ اور آپ کو بحیثیت مجدد قبول کرنا منشائے الٰہی اور رضائے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دوسرے طالب علم سکندر صاحب نے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ اور بلغ ما انزل من ربک کے حوالہ سے کہا کہ حضرت مجدد زمانؑ نے احکام خداوندی کی پیروی اور رسولِ خدا صلعم کے ارشاد کی تعمیل میں احمدیہ جماعت کی بنیاد رکھی، تاکہ تبلیغ اسلام اور اشاعتِ علوم قرآن کا فریضہ کما حقہٗ ادا ہو سکے۔ اور مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہو۔ کیونکہ دعوت الی اللہ کا کام صالح عملی نمونہ کا بھی متقاضی ہے۔

سکندر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار انگریزی میں کیا اور کسی قدر اُردو میں بھی بڑی بے ساختگی کے ساتھ اپنے موقف کو واضح کیا۔

ان کے بعد ایک ننھے اور کم عمر مقرر مظہر رسول وڑائچ نے اپنی لکھی ہوئی تقریر بڑی عمدگی اور اعتماد کے ساتھ پڑھی جو ان کے استاد راجہ محمد افضل صاحب (معلم جامع احمدیہ دارالسلام) کی محنت اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ان کی دلی لگن کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

بعد ازاں بنات الاحمدیہ کی کم عمر ممبرات مدیحہ رسول، شاہدہ جنجوعہ اور ان کی سہیلیوں نے ایک نظم مل کر پڑھی جس کا پہلا شعر یہ ہے:

صنعت گر فطرت کا ازل سے ہے یہ دستور
بیدار ہوں نمرود تو آ جاتا ہے ماموُر

نظم کے بعد جناب چوہدری مسعود اختر صاحب مائیک پر تشریف لائے اور "حضرت مسیح موعود نے اسلام کی کیا خدمت کی" کے موضوع پر ایک بڑی زوردار تقریر کی۔ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ اس وقت مسلمان دینی اور دنیاوی اعتبار سے نہایت پستی میں تھے۔ اکثر مسلمان ممالک انگریزوں کے غلام تھے اور جہاں بظاہر ان کی بادشاہت بھی تھی وہاں بھی وہ محض کٹھ پُتلی کا کردار ادا کرنے پر مجبور تھے۔

دینی اعتبار سے مسلمان قوم کے غلط اور خلاف قرآن معتقدات سے فائدہ اُٹھا کر ان پر عیسائی پادری غلبہ حاصل کر رہے تھے۔ یورپی ممالک میں عیسائی پادریوں نے اسلام کی ایک فرضی اور گھناؤنی تصویر پھیلا رکھی تھی جس سے وہاں کے لوگ مسلمانوں کے دشمن بن رہے تھے۔ فاضل مقرر نے سوال کیا کہ ان ناسازگار اور مخالف حالات میں کس نے اسلام کی اصل اور روشن تصویر کو اہلِ مغرب اور اہلِ مشرق کے سامنے پیش کیا؟

پھر فاضل مقرر نے دلائل سے ثابت کیا کہ اس زمانہ میں صرف اور صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اسلام کے چہرہ پر سے اپنوں اور دشمنوں کے ڈالے ہوئے گرد و غبار کو صاف کیا ہے۔

پھر بتایا کہ حضورؑ نے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے تحدی سے فرمایا ہے:

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

چوہدری صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مجدد زمان نے دنیا میں توحید کو قائم کیا ہے اور عقائد کو شرک و کفر سے پاک کیا ہے۔ اولیاء اللہ کا وجود خدا نما ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ فریضہ بھی بدرجہ احسن انجام دیا ہے۔ مقرر نے ثابت کیا کہ اس زمانہ میں صرف حضرت مجدد زمان ہی نے زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ کتاب کا حیات بخش تصور پیش فرمایا۔ اور اپنے وجود سے اس کو عملی طور پر ثابت بھی کیا۔

فاضل مقرر نے تعلق باللہ، وفاتِ مسیحؑ اور ختم نبوت کے سلسلہ میں حضرت مسیح زمان کی خدماتِ جلیلہ پر بھی روشنی ڈالی اور دلائل سے ثابت کیا کہ اس صدی میں سب سے پہلے حضرت مرزا صاحب نے قرآن پاک کی اشاعت اور یورپ کی قوموں کو اس کی تعلیم سے روشناس کرانے کی بنیاد رکھی۔ اس کام کے لئے آپ نے ایک تقویٰ شعار اور خدمت و اشاعتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار جماعت بھی پیدا کی جس میں خواجہ کمال الدینؒ اور مولانا محمد علیؒ اور ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم جیسے عاشق قرآن موجود تھے۔

جناب چوہدری صاحب موصوف کے بعد میرزا محمد لطیف صاحب نے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ظہور مہدی اور مسیح موعود سے متعلق ہے۔ پھر آپ نے اس زمانہ کے بڑے بڑے عالموں کی تحریروں کی روشنی میں بتایا کہ سب مانتے ہیں کہ یہ زمانہ مہدی کے آنے کا ہے۔ علماء نے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کا جو چکر چلایا ہے اس پر بھی آپ نے تفصیل سے روشنی ڈالی اور حضرت مسیح زمانؑ کی اس عظیم الشان خدمت کا ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام نے قرآن کی ہر آیت کو درست، صحیح اور قابلِ عمل فرمایا ہے۔

آپ نے مزید کہا کہ حضرت مجددِ اعظم علم و عمل کے پیکر تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کا سچا نمونہ تھے۔ حضورؑ کے پاس بیٹھنے والے لوگ خدا رسیدہ بن گئے۔

آخر میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے محمد رسول اللہ والذین امنوا اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان آیات میں حضور صلعم اور صحابہ کرام رضؓ کے

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۲۹ جون ۱۹۷۷ء

”ہم اس وقت میدانِ جہاد میں ہیں“

قومی اتحاد کے ایک روشن ستارے اور دینی رہنما نے اپنے اعزاز میں دی جانے والی ایک دعوتِ استقبالیہ میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”ہم اس وقت میدان جہاد میں ہیں“۔ ظاہر ہے اس ”جہاد“ سے ان کی مراد وہ ملک گیر متشددانہ تحریک ہے جو انہوں نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کے خلاف ”نظامِ مصطفیٰ“ اور ”نفاذِ شریعت“ کے نام سے چلائی تاکہ وہ ان نعروں کے ذریعے عوام کی ہمدردیاں اور معیت حاصل کر سکیں۔ اس تحریک نے ملک کو جس نازک صورتِ حالات سے دوچار کیا اور جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہمارا مقصد صرف لفظ ”جہاد“ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے جو اس ضمن میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ موصوف اپنے نظریات کے مدنظر یہ لفظ یہاں استعمال کرتے ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں۔

ان کے مخصوص نظریہ ”جہاد“ کے مطابق کسی ملک کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ ملک جہاں اسلامی نظام حکومت قائم ہو تاکہ مسلمان قرآن و سُنّت کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کر سکیں ” دارالسلام“ کہلاتا ہے۔ اور اس کے برعکس وہ ملک جہاں کسی غیر مسلم قوم کا تسلط ہو اور مسلمانوں کو اپنے دین، روایات اور تہذیب و تمدن کے مطابق رہن سہن کا حق حاصل نہ ہو ”دارالحرب“ یعنی جنگ کا گھر سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بزورِ شمشیر حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود اقتدار پر قابض ہو جائیں اور اسے ”دارالسلام“ میں تبدیل کرنے کی جد و جہد کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انہیں چاہیئے کہ ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں۔ یہی وہ ”جہاد“ ہے جس کو ”علماء اسلام“ آج تک پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔

موصوف نے جب یہ فرمایا ہے کہ ”ہم اس وقت میدان جہاد میں ہیں“ تو اس سے منطقی طور پر یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پاکستان دارالحرب ہے۔ اور اس وقت اس پر ایک غیر اسلامی حکومت مسلّط ہے جسے طاقت کے بل بوتے پر ہٹانا عین جہاد ہے لیکن یہی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

”اسلامی نظام لانے کے لئے آئین میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آئین کے آرٹیکل ۲ میں بتایا گیا ہے کہ اس ملک کا مذہب اسلام ہوگا اس طرح آئین میں اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ آرٹیکل ۲۲۳ کے مطابق ملک میں کوئی قانون قرآن و سُنّت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔“

جب آئین بھی اسلامی ہے۔ ملک کا کوئی قانون بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ اور وزیر اعظم نے علمائے اسلام کو اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل ہو کر ملکی قوانین کو قرآن و سُنّت کے مطابق بنانے کی دعوت بھی دے دی ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے کر اسے سب سے بڑا پاک اور اسلامی ملک بھی بنا دیا گیا ہے جس میں حکومت اور علماء دونوں کی کوششوں کا دخل ہے تو ہمارے خیال میں پاکستان ”دارالحرب“ نہیں بلکہ ”دارالسلام“ ہے جہاں اس قسم کے جہاد کا نعرہ بلند کرنے کا قطعاً کوئی جواز موجود نہیں۔ مولنا موصوف ایک ہی سانس میں اسے دارالحرب اور دارالسلام بنا کر قول و فعل میں تضاد کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور آپ ہی فرماتے ہیں کہ:-

”ملک میں نظامِ مصطفیٰ کے قیام کے لئے ان افراد کا اسمبلیوں میں آنا ناگزیر ہے جن کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو اور جن کے اعمال و کردار عین اسلام کے مطابق ہوں“۔

قول و فعل میں اس تضاد کے ساتھ مولنا اسمبلی میں آنے کی تمنا کیسے کر سکتے ہیں؟

جہاں تک اعمال و کردار کا عین اسلام کے مطابق ہونے کا تعلق ہے اس میں تضاد تو رہا ایک طرف بعد المشرقین یا یوں کہیئے کہ بُعد بین القطبین ہے۔

اسلامی اعمال و کردار کا سب سے بڑا اور بے مثال نمونہ ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق خود اللہ تعالےٰ نے ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ اور ”وانک لعلیٰ خلق عظیم“ فرمایا ہے۔ کیا مولانا قبلہ رُو ہو کر یہ قسم کھا سکتے ہیں کہ ان کا ہر قدم آنحضرت صلعم کے نقشِ قدم پر ہے؟ کیا ان کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے ہیں۔ کیا ان کے باورچی خانے میں دنوں آگ نہیں جلتی اور وہ کبھی ایک کھجور کھاتے اور کبھی پانی میں ستّو گھول کر پیتے ہیں؟ کیا وہ آپؐ ہی کی طرح مٹی کے کچے جھونپڑے میں رہتے ہیں اور کیا اُن کے پاس بھی آپؐ کی طرح درہم و دینار کا نام و نشان تک نہیں؟ یا اُن کے ہاں ہر روز روزِ عید اور ہر شب شب برات ہوتی ہے اور غیر ملکی دوروں میں وہ ڈالروں کے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ اور یہاں بھی ان کا بینک بیلنس کسی امیر کے بینک بیلنس سے کم نہیں۔ محض ظاہری شکل و صورت اور لباس سے اسلامی کردار اور عمل پیدا نہیں ہوتا جس مصطفیٰ کا نظام لانے کے لئے لوگوں کو وعدہ دیا جاتا اور سبز باغ دکھائے جاتے ہیں اُن کا طرز عمل تو ساری زندگی فقیرانہ اور درویشانہ رہا اور یہاں ہر روز اللّے تللّے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے ”جاھدوا اھوءکم کما تجاھدون اعداءکم“ اپنی خواہشات سے جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ کیا کہنے والے کہنے سے پہلے یہ سوچ لیتے ہیں کہ ان کے قول اور فعل میں کہاں تک مطابقت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”انا اوّل المسلمین“ فرما کر سب سے پہلے خود اس پر عمل کیا اور اپنا نمونہ دوسروں کے سامنے رکھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جب نفسانی خواہشات مغلوب ہو جائیں تو اخلاقی اور روحانی اقدار پیدا ہوتی ہیں جن کی بدولت انسان حیوانی سطح سے بلند ہو کر معراج انسانیت کو پاتا ہے اور معاشرہ میں نظم و ضبط، امن و سکون اور حقوق و فرائض میں توازن برقرار رکھنے کی ذمہ داری اُٹھا سکتا ہے۔ آپؐ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفائے راشدین اپنی قوم کے رہنما تھے اور رہنمائی کی ذمہ داریوں سے کما حقہٗ آگاہ تھے۔ اس لئے سب سے پہلے انہوں نے قوم کے سامنے اپنی مثال پیش کی اور پھر قوم نے ان کی ہر بات پر لبیک کہا۔ ”نفاذ شریعت“ اور ”نظامِ مصطفیٰ“ معمولی سیاسی یا مذہبی اختلافات کی بناء پر سادہ لوح عوام کو بھڑکا کر دوسروں کی جان لینے اور قومی اور نجی املاک کو جلانے اور تباہ کرنے کا نام نہیں بلکہ انسانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کا نام ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب یا مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ

اسلام ذہنی اور فکری آزادی کا سب سے بڑا علمبردار ہے - اسی لئے وہ کہتا ہے لا اکراہ فی الدین - اور اسی لئے قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے کہ :-

"اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے* کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے - اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں"

مگر مدعیانِ "اسلام" کے ہاتھوں گذشتہ تحریک میں مسجدیں اور قرآن بھی محفوظ نہ رہے - کیا "نظامِ مصطفیٰ" کے نفاذ کا یہی طریقہ اور راستہ ہے - اور یہی جہاد ہے اور جہاد بھی وہ جو ایک بیرونی غیر اسلامی طاقت کے اشاروں پر کیا جا رہا ہو -

ہمیں تعجب اس بات پر ہے کہ اسے "جہاد" کہنے والے اس وطن سے تشریف لائے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی پاکستان کی نسبت زیادہ ہے اور ان پر کلیتاً ایک غیر اسلامی اور لادینی حکومت مسلط ہے اور جو ان کے نظریہ کے مطابق خالصتاً "دارالحرب" ہے - جس قسم کے جہاد کی یہ عمائدین اسلام تلقین کرتے ہیں اس کی وہاں زیادہ ضرورت تھی

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو تو آج تک اس لئے معاف نہیں کیا جاتا کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھانے کو حرام قرار دیا مگر خود سات آٹھ کروڑ مسلمانوں کو "دارالحرب" میں ایک غیر مسلم حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑ کر پاکستان میں مسلمانوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے تشریف لے آئے - دیکھئے یہاں بھی قول اور فعل میں کتنا نمایاں تضاد ہے - حضرت مرزا صاحب کو انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنے کا الزام دینے والوں کے اپنے بیٹے اور عزیز و اقارب آج "دارالحرب" انگلستان کا رخ کر رہے ہیں اور برٹش قانون کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہیں - انہیں وہاں مسجدیں تعمیر کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کی پوری آزادی حاصل ہے مگر یہاں مسلمانوں کے ملک میں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں اللہ کا نام لینے پر پابندی عائد کرنے کے لئے عدالتوں کے دروازوں پر دستک دی جاتی ہے اور "STAY ORDERS" لئے جاتے ہیں اگر حضرت مرزا صاحب نے مذہبی آزادی کے نقطہ نظر سے انگریز کی وسعت قلبی کی تعریف کی اور اسے سراہا تو کونسا جرم کیا - آپ نے مسلمان ہو کر مسجدوں اور قرآن کو جلایا اور اسے جہاد کہا مگر انگریز کافر ہو کر نہ صرف آپ کی بلکہ ہر قوم کے عبادت خانہ کی حفاظت کی - فرق خود دیکھ لیجئے - جہاد معاشرہ سے ہر قسم کی برائی کو مٹانے کے لئے بھرپور جدوجہد اور مشقت کا نام ہے اس کی ابتدا اپنے نفس کے خلاف جہاد سے ہوتی ہے اور پھر اپنے علم - قلم - زبان اور مال کے ذریعے اور انتہا جان دے دینے پر - جہاد اس کا نام نہیں کہ اسی شاخ کو کاٹنا شروع کر دیا جائے جس پر اپنا ہی آشیانہ ہو -

---

بیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(بسلسلہ صفحہ ۲)

اعمال و اخلاق کی وضاحت کی گئی ہے - اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ہے ھو اقرب منی درجۃ وھو اعظم الناس عند بوب الناس - اور فرمایا کہ یدفن فی قبری - وہ رتبہ کے لحاظ سے میرے زیادہ قریب ہے اور اللہ رب العالمین کے نزدیک ۲۴

اخبار احمدیہ

درخواست دعا جناب محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور اطلاع دیتے ہیں کہ :-

(۱) - ہمارے محترم بزرگ اور جماعت پشاور کے صدر جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب لاہور آپریشن کے لئے تشریف لے گئے تھے خدا کے فضل سے آپریشن کامیاب رہا - اب آپ واپس پشاور تشریف لا چکے ہیں - بزرگانِ سلسلہ سے درخواست ہے کہ ان کی مکمل صحتیابی کے لئے دعا فرماتے رہیں - جناب ڈاکٹر صاحب نے ان تمام احباب کا شکریہ بھی ادا کیا ہے جو وقتاً فوقتاً ہسپتال میں ان کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے رہے ہیں -

۲ - ہماری جماعت چارسدہ کے ایک نہایت ہی مخلص اور مخیر بزرگ جناب میاں عبداللہ شاہ صاحب کی آنکھ کا اپریشن بھی بفضلہ تعالےٰ بہت کامیاب رہا - اب وہ چارسدہ واپس چلے گئے ہیں - ان کی صحتیابی کے لئے بھی تمام دوستوں اور بزرگوں سے درخواست ہے -

۳ - بابڑہ (چارسدہ) کے جناب سید فضل حق بادشاہ کی بھی آنکھ کا اپریشن ہوا ہے وہ لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں - ان کی شفایابی کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے -

گرانقدر عطیہ مکرم جناب شیخ عزیز احمد صاحب، پنجاب ٹمبرز وزیر آباد لمیٹڈ - وزیر آباد سے تحریر فرماتے ہیں :-

"-/9000 روپے کا ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں، جو دو عدد فلیٹس (احمدیہ مارکیٹ پر) ایک فلیٹ جناب قبلہ والد صاحب حضرت شیخ نیاز احمد صاحب مرحوم ومغفور وزیر آبادی کے نام کا اور ایک فلیٹ اپنے نام کا بنوائے تھے - اس وقت نو ہزار روپے روانہ کر رہا ہوں - بقایا روپیہ بھی انشاءاللہ جلد روانہ کرنے کی کوشش کروں گا - دیری کی معذرت چاہتا ہوں - امید ہے جناب حضرت امیر اب بالکل خیریت سے ہوں گے میری طرف سے سلام عرض کر دیں -"

جناب شیخ صاحب موصوف نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی اپیل پر احمدیہ مارکیٹ کے ہر دو فلیٹس تعمیر کروانے کا ذمہ لیا تھا یہ ان کی گرانقدر عطیہ کی پہلی قسط ہے - احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ شیخ صاحب کے اموال اور عمر میں برکت دے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے -

---

۴۶ اپنے عہد کے تمام انسانوں سے بڑا ہے - اور وہ میری قبر میں دفن ہوگا - یہ قرب اور معیت کا وہ بلند مقام ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کو نبی اکرمؐ کی طرف سے ملا ہے -

آپ نے بتایا کہ صحابہ کرامؓ بلند ترین مقامات کے حامل ہیں - اور آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا کام اصلاح نفوس تھا - چنانچہ آپ کے بیعت کنندگان کو دیکھ کر لوگ انہیں فرشتہ کہتے تھے -

آخر میں سٹیج سیکرٹری نے جلسہ کے اختتام کے ساتھ آپ سے اختتامی دعا کی درخواست کی - چنانچہ آپ نے بڑے درد اور الحاح سے دعا فرمائی دعا کے بعد حاضرین کی مشروب سے تواضع کی گئی اور احباب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے -

---

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں -

اپنے تعیش کے سامانوں کو کم کرو

اور محمد مصطفےٰ صلعم کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرو

کہ وہ اپنی زندگی کیسے گذارتے تھے

انفاق فی سبیل اللہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ کسی دوسری کتاب کے اندر مالی یا جانی قربانی کا اتنا ذکر نہیں آیا۔ مگر جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو قربانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ مالی قربانیاں انسان اس وقت کر سکتا ہے جبکہ وہ ایک سادہ زندگی بسر کرے وہ محنت کرنے والا ہو۔ سختی کا مقابلہ اور ہر قسم کی شدت برداشت کرنے کے قابل ہو۔ اسی صورت میں وہ کامیاب ہو سکتا ہے تو اس کے لئے ان الفاظ میں ایک عام اصول بیان فرما دیا۔

انفاق کی حدود کھاؤ اور پیو کیونکہ اس کے بغیر انسان زندہ انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس میں حدود سے ہرگز نہ گزر جاؤ۔ اسراف نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جو معاملات میں حد سے گذر جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو کوئی بھی قانون مقرر نہیں کر سکتا کہ ایک شخص کیا کھائے اور کیا پیئے اور کہاں تک کھائے اور پیئے اس کا انحصار تو در اصل ہر انسان کی حالت پر اور قدرے ان ضروریات پر ہے جو انفاق کے لئے وقتاً فوقتاً پیش آتی ہیں۔ ہاں اس اصول کی اصل تفسیر اگر معلوم کرنی ہو اور اس کے لئے انسان اپنی رہنمائی کے لئے کوئی قاعدہ مقرر کرنا چاہے تو محمد مصطفےٰ صلعم اور صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ دیکھے کہ وہ اپنی زندگی کیسے بسر کرتے تھے۔ کیا کھاتے

تعیش اور صحابہؓ تھے اور کتنا کھاتے تھے۔ اس زمانے میں گو کھانے اور پینے کے وہ سامان جو آج ہمیں میسر ہیں انہیں میسر نہ تھے۔ آج کھانے پینے اور رہائش میں بہت کچھ تعیش کے سامان داخل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اگر غور سے دیکھو تو یہ زائد ضرورت ہی ہیں۔ بقائے زندگی کے لئے ان کی ضرورت نہیں۔ بایں ہمہ اگر ذرا توجہ سے بھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام کے خاندان کے حالات کو پڑھ جایئے۔ تو ان میں سے بہت کچھ اپنی رہنمائی کے لئے انسان اخذ کر سکتا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس وقت ایسی چیزیں بھی کھانے کو میسر آتی تھیں۔ لیکن نہ ہی تو یہ صورت تھی۔ کہ لوگوں نے انہیں قطعاً اپنے لئے حرام کر رکھا ہو۔ اور انہیں چھوڑ دیا ہو نہ یہ کہ ان میں اس قدر منہمک ہو کر ان کی خاطر دن کا چین اور رات کا آرام جاتا رہا ہو اور وہ صبح شام اسی فکر میں غلطاں رہے ہوں۔ اصل یہی ہے کہ کھانے پینے کا اصول قائم رکھنا۔ موجودہ زمانہ میں تعیشات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ جب تک خاص قسم کا پکا ہوا کھانا نہ ہو پسند ہی نہیں آتا دو چار قسم کے کھانے کی رکابیاں میز پر چٹنی بوٹی نہ ہوں کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ تو میں نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کبار کی زندگیوں کا مطالعہ کرو اور پھر دیکھو کہ انہوں نے اپنی زندگی کیسے گذاری۔

زندگی کی راہگذار اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔ جب تک ہم ان تعیشات کو نہیں چھوڑتے ہم کوئی مالی قربانی بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بہت سے ایسے ہیں جن کا اس زمانے میں رواج ہی نہ تھا۔ آج ایک لباس ہی کو لے لو۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر خاص نوعیت کا لباس نہیں پہنیں گے۔ تو ہماری کوئی عزت ہی نہیں کرے گا۔ اور پھر مال ہی کو لو۔ یہ ہمارے لئے حفظِ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کئی کئی دن آگ نہ جلتی تھی۔ کھجوروں اور ستوؤں پر گذارہ کرتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم کہ پیوند لگا ہوا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ آج بھی جب لوگوں کو ضرورت اور مجبوری پیش آجاتی ہے تو وہ خالی چنوں پر ہی گذارہ کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ تعیشات جن کی فراوانی مجبوریوں کا خیال بھی نہیں آنے دیتی اس دنیا میں منقطع ہو جاتے ہیں اور انتہائی مشکلات میں زندگی گذارنی پڑتی ہے۔

لاتسرفوا کا حقیقی مفہوم تو پہلی بات جو لاتسرفوا کی پیروی میں ہمیں مدنظر رکھنی لازم ہے وہ صرف کھانے ہی تک محدود نہیں بلکہ ہماری زندگی کے ہر حصّے میں ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ فلاں چیز ہمیں میسر نہیں آرہی اس لئے زندگی

حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

اجیرن ہوگئی ہو۔

آپ نے دیکھا ہے کہ مرغن غذائیں عموماً معدہ کی بیماریاں پیدا کرتی ہیں اور پھر ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب یہ مرغن اور چٹ پٹے کھانے معدہ قبول ہی نہیں کرتا اس کے برعکس سادہ غذا قوت پیدا کرتی ہے اور معدہ کی مضبوطی اور جسم کی تنومندی کے کام آتی ہے۔

تعیش چھوڑ دو تو یاد رکھو تعیشات چھوڑنے ہوں اور بالخصوص جب مالی قربانیوں کی ضرورت بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے تو سب معاملات میں کمی کرنا لازم ہوتا ہے۔ پھر اس فہرست میں سب سے زیادہ تباہ کن شادیوں اور دعوتوں کے اخراجات ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھے بیٹے کی شادی کرنا ہے تو مجھے امداد درکار ہے۔ کوئی کہتا ہے مجھے بیٹی بیاہنی ہے قرض دے دو۔ حتیٰ کہ جائداد تک اس میں فروخت ہو جاتی ہے یا رہن رکھی جاتی ہے۔ ان حالات میں اسلامی سادگی کا اصول زیرِ نظر رکھو گو موجودہ مجبوریوں نے اس میں کافی حد تک کمی کر دی ہے۔ گو یہ کمی لوگوں نے خود اختیار نہیں کی۔

خدا کی راہ آج خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا وقت آ پہنچا ہے اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے تعیشات میں کمی کریں۔ ماں باپ۔ بیوی خاوند ہر ایک کو اپنے مقام پر سوچنا چاہیئے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور غریبوں، مظلوموں، اور بیکسوں کی دستگیری کے لئے کچھ بچا سکتے ہیں یا نہیں۔

تم کہو گے یہ چندوں کی تحریک ہے۔ قرآن شریف چندوں کی تحریک سے بھرا ہوا ہے۔ آج تم جو تمہارا جی چاہے کہہ لو۔ لیکن

اس وقت مؤمن اور منافق کا امتیاز تھا جو خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ دیتا تھا وہی مؤمن گنا جاتا تھا اور جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گھبراتا تھا اس کے ایمان کی کمزوری یا دوسرے لفظوں میں نفاق کی نشانی تھی۔

دلوں کو تنگ نہ کرو! تم اتنی بات ہی کو سوچو جس کو تم مامور من اللہ اور اس زمانے کا امام مانتے ہو اس نے ایک انجمن کی بنیاد رکھی ہے جسے اس نے اپنا جانشین ہے۔ اسی نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم ایک آنہ فی روپیہ اپنی آمدنیوں میں سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خرچ کرو۔ لاکھوں کے مالک ہو کر تمہارے ہاتھ تنگ نہ تھے تمہارے دل کیوں تنگ ہو گئے اور تم نے راہِ خدا میں چند پائیاں توجہ کرنے پر کیوں قناعت کی۔

ان گرمیوں میں یہ میرا آخری خطبہ ہے۔ کچھ مدت کے لئے ان دنوں آپ سے الگ ہوتا ہوں اور آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ جب تم اللہ کے سامنے حاضر ہو گے اور ہم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے حظِ نفس پر کیا خرچ کیا اور اعلائے کلمۃ اللہ پر کیا خرچ کیا تو ہم کیا کہیں گے۔

خدا کے ساتھ معاملہ صاف رکھو اور یقین جانو کہ جو میں اس وقت کہہ رہا ہوں یہ افسانے اور کہانیاں نہیں ہیں۔ تم یقیناً خدا کے حضور پیش ہوگے یہ کیسے ہوگا اسے خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور تم ہوگے۔ جو اس وقت تم اپنے آپ کو چھپاتے ہو۔ پھر اس وقت تم کیا کرو گے قیل ارجعوا وراءکم کی حالت تم پر ہوگی۔

میں ایک طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس زمانے کے جہاد کی اصل بنیاد تمہارے مالوں میں ایک مقرر حصہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ بے وفائی کرتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تم بے وفا گنے جاؤ۔

(بقیہ از کالم دوئم)

ایسا ہی حضرت اقدس حضرت مسیح موعودؑ نے سلسلہ احمدیہ کے مقاصد و مطالب کے بقاء کے لئے دعا فرمائی تو ارشاد ربی ہوا۔

یا ابراہیم اعرض عن ھذا انہ عمل غیر صالح

پس غیر صالح افراد خواہ وہ ظاہراً جماعتِ احمدیہ میں ہی داخل ہوں حضرت اقدسؑ کی حقیقی نیابت کے حقدار نہیں۔ حضرت اقدس کے سچے وارث وہ اصحاب ہیں جو خود صالح ہیں اور جن کے ارادے نیک ہیں پاک ممبروں کا خدائی خطاب جن کے حق میں آیا ہے۔ جماعت احمدیہ سے وابستگی رکھنے والو اپنے مرشد کے بتلائے ہوئے حقائق پر غور کرو۔

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعا پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

ان حقائق پر غور کرو

اصول حقانیت خدائے تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ حقائق ہیں نہ کہ انسانی تدبر و تفکر کا نتیجہ۔ ایسا ہی سچے و کامل مذہب کا احیاء بھی انسانی جدوجہد سے مافوق خدائے قادر کی رحمت ازلی کے قاصرہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے عروج اسلام آج تجلی الٰہی سے وابستہ ہے احیاء دین نئے جلوہ سے مقدر ہے اس پر آشوب مادیت و دہریت کے عالم میں رحمت ازلی حضرت اقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں جلوہ پیرا ہوئی اسلامی نشاۃ ثانیہ کا دور آپ کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور اس دور کا عروج اس امر سے وابستہ ہے کہ کس درجہ محبت و عقیدت سے مسلمان آپ کے حلقۂ اطاعت میں آنے کو تیار ہیں۔ کشتی اسلام جس بھنور میں پھنس رہی ہے اس سے خلاصی کی راہ آسمانی ناخدا کی آواز پر لبیک کہنے میں مضمر ہے۔

واللہ کہ ہیچ کشتی نوحم ز کردگار + بے دولت آنکہ دور بماند ز لنگرم

یہ کشتی کونسی ہے؟ یہ اسی جماعت کی کشتی ہے جس کی واحد پکار اشاعت دین ہے جس کا منتہائے نظر قرآنی علوم کی فتح کا ایک عالم میں ڈنکا بجانا ہے یہ وہی آپ کی شاخ اور اس لئے آپ کے "وجود میں داخل" جماعت ہے جس نے دجالی قلعوں کو قرآنی تفاسیر سے تسخیر کرنے کی ٹھانی ہے۔ یہ وہی جماعت ہے جو آپ کی الوصیت کے مطابق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ یہ وہی جماعت ہے جس کے ممبروں کو الہام الٰہی نے "لاہور میں ہمارے پاک ممبر" اور "لاہور میں ہمارے پاک محب" کے خطابوں سے یاد کیا۔ یہ وہی جماعت ہے جسے تعداد میں پانچ ہزار ہونے کے باوجود حضرت اقدس نے لاکھوں تعداد والی جماعت پر غلبہ پاتے دیکھا۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ

کے قرآنی الفاظ ایک کشف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانِ مبارک پر جاری ہوئے۔

ہاں یہ وہی جماعت ہے جس کے قائد کو حضرت اقدسؑ نے خود اپنے ہاتھ سے فتح دین کا قلم عنایت فرمایا یہ وہی جماعت ہے جس کے امیر کو مامور زمان کی کشفی آنکھ نے "صالح" دیکھ کر اپنے پاس بٹھلایا اور جس کے "نیک ارادوں" کی نسبت آپ نے علم غیب سے خبر دی:-

جری اللہ فی حلل الانبیاء

مامور زمان و مجدد صد چہاردہم کو خدائے تعالیٰ نے جملہ انبیاء سے ایک مماثلت عطا فرمائی ہے اس لئے آپ ابراہیم و نوح بھی ہیں، ابراہیم اس لئے کہ آپ سے ایک عظیم الشان روحانی سلسلہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور کشتی نوح کے مصنف نے بتلا دیا کہ آپ کی سچی نیابت ان اصحاب کے ذریعہ سے جو عمل میں صالح ہیں حضرت ابراہیمؑ نے روحانی سلسلہ کے اجراء کی دعا کی تو آپ کو باری تعالیٰ سے جواب ملا:-

لا ینال عھدی الظالمین

امامت و خلافت ظالموں کا حق نہیں جب حضرت نوحؑ نے اپنے اہل کی نجات کے لئے درخواست کی تو جواب ملا

انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح

مکرم جناب میاں رحیم بخش صاحب کراچی

حضرت مجدد صد چہاردہم مرزا غلام احمد رحمۃ اللہ کی عظیم الشان خدمت قرآن

(بسلسلہ اشاعت یکم جون ۱۹۷۷ء)
قسط نمبر (۲)

حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ کی قرآن کریم سے والہانہ عشق کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ لگاؤ اس کتاب کی خوبیوں اور اس کے کمالات کے عرفان سے پیدا ہوا۔ یوں تو آپ کی تحریروں میں قرآن کے معارف و معانی کے موتی جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر تفہیم قرآن میں جو خصوصی اور امتیازی حیثیت بہ نسبت دوسرے مفسرین کے آپکو حاصل ہے وہ اس بناء پر ہے کہ آپ نے قرآن کو عام فہم بنانے کے لئے اور اس کے صحیح معانی اور مفہوم پر حاوی ہونے کے لئے چند ایک ایسے زرّین اصول مرتب کئے۔ کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان اصولوں کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے معانی کو بیان کرنے میں ایک ایسی سہولت پیدا کی کہ ہر خاص و عام اور علوم جدیدہ سے شناسا کو بھی دلچسپی اور مقبولیت پیدا ہوئی۔ اب ان اصولوں کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

(۱) سب سے ضروری اور اہم بات جو تفہیم قرآن کے لئے ذہن نشین کرنی چاہیئے۔ وہ سورہ آل عمران کی آیت ۷ میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوا:-

هو الذی انزل علیك الكتاب منه ایٰت محكمٰت هن ام الكتاب و اُخر متشابهٰت فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله و ما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا به كل من عند ربنا۔ وما یذكر الا اولوا الالباب۔

وہی ہے (اللہ) جس نے تجھ پر کتاب اُتاری۔ اس میں سے (کچھ) آیتیں محکم ہیں اور جو (اس) کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور (ہیں جو) متشابہ ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو اس میں متشابہ ہے۔ اس لئے کہ فتنہ پیدا کریں۔ اور اس کی من مانی تاویل کریں۔ حالانکہ اس کی (صحیح) تاویل کوئی نہیں جانتا۔ سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں۔ (جو) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے (کیونکہ) یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سوائے عقل والوں کے کوئی (اور اس سے) نصیحت قبول نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں ایک ایسا زرّین اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کو قرآن کے معانی سمجھنے کے لئے ہر دم مدِنظر رکھا جائے۔ تو قرآن کریم کا صحیح مفہوم حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر اس اصول کو نظر انداز کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں فتنے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی ایسی تاویلیں اپنے منشاء کے مطابق کی جاتی ہیں نہ کہ جو اصلیت پر مبنی ہوں۔ اصول یہ ہے۔ کہ قرآن کریم میں کئی آیات ایسی ہیں جو ایک بیّن اور حتمی اُصول کو بیان کرتی ہیں۔ اور کئی دوسری آیات ایسی ہیں کہ جو تمثیلی۔ استعارہ اور مجازی رنگ رکھتی ہیں۔ اس لئے ایسی فروعات کو سمجھنے کے لئے ان کے معانی محکمات یعنی اصل کے ماتحت کرنے چاہئیں۔ اصولی آیات اُمّ الکتاب یعنی جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں اور فروعات کو جڑ سے مطابقت پانی چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس اگر فروعات کے ایسے معانی اور ایسا مفہوم لیا جائے جو اصول کو توڑتا ہو یا اس کے مخالف ہو تو ایسی تاویل سے تضاد پیدا ہوگا۔ جس سے قرآن کریم کی حکمت کاملہ پر زد پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے اس اصول کو اگر ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے تو قرآن مجید کی آیات متشابہات کی غلط تشریح کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے جو تفرقہ ڈال کر اُمت میں فرقہ بندی اور تکفیر بازی تک نوبت پہنچاتی ہے۔ لیکن اس اُصول پر کاربند ہونے سے یہ سب متنازعہ فیہ مسائل اور ابہام و اشکال حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً توحید باری تعالیٰ ایک بیّن اور پختہ اصول ہے جس سے صریحاً مترشح ہوتا ہے کہ نہ تو اس کی صفاتِ کاملہ میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا قائم و دائم ہے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کا ردّ ہو جاتا ہے اور ان کا ذات باری تعالیٰ میں صفت خالقیت میں شرکت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا نہ ان کا احیاء ہونے یعنی مردوں کو قبروں سے نکال کر زندہ کرنا یا ان کا آسمان پر اٹھایا جانا اور ہزاروں سال بغیر بشریت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے زندہ رہنا یہ سب توضیحات ناقابل قبول ہو جاتی ہیں۔ بہشت اور دوزخ کی کیفیات کی صلیت اس پر تفصیلاً بحث طوالت کا باعث ہوگا، یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم کے معانی اور مفہوم کی صحت کا دار و مدار اس اصول کی مکمل پیروی پر ہے۔ اور اس اصول قیمہ کو پس پُشت ڈالنے سے ایک اور متنازعہ فیہ مسئلہ قرآن کی آیات میں ناسخ و منسوخ کا کھڑا ہوا ہے جس نے اُمت میں شدید افتراق پیدا کیا ہے۔

اسی نہج پر اولیاء اللہ و صوفیائے کرام کے ایسے اقوال یا کلام متشابہات پر مشتمل ہیں جو تمثیلی استعارہ یا بروز کے رنگ میں استعمال کئے گئے ہوں۔ ایسے کلمات کو لفظی حقیقت پر محمول کرنے سے ان کے اصولی عقائد کی تردید ہوتی ہے۔ اور ان پر ناواجب کُفر کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے ایمان کاملہ کی بدولت فنافی اللہ اور فنافی الرسول کے درجہ پر پہنچ کر اپنا محبت اور اتباع کی انتہائی منزل کو تمثیلی اور استعارہ کے الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی زمرہ میں منصور کا انا الحق پکارنا اور دیگر اولیائے کرام کا خود کو انبیاء سے مناسبت دینا آتا ہے۔ گو بروئے ایمان اور اعتقادات وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کے قائل ہوتے ہیں۔ یہ تضاد اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اصل اور اصولی کلام پر متشابہات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے اور متشابہ کلام کو اصولی کلام کے ماتحت سمجھنا چاہیئے۔

(۲) قرآن مجید میں کچھ آیات کا ناسخ اور دوسروں کا

منسوخ ہونے کا ایک دیرینہ مسئلہ چلا آ رہا ہے۔ جس پر اُمت کے مفسّرین میں بہت اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اور اس بات پر کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ قرآن کریم کی کتنی اور کونسی آیات ناسخ ہیں اور کونسی کتنی منسوخ ہیں۔ ایسی آیات کی تعداد معین کرتے میں بہت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کسی نے ایسی آیات کی تعداد کو سینکڑوں تک پہنچا دیا ہے۔ اور کسی نے صرف تین تک محدود کر دیا ہے۔ اس مسئلہ پر اس قدر اختلاف ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مسئلہ من گھڑت اور بے بُنیاد ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد امام زمان نے یہ فیصلہ دیا کہ قرآن میں نہ کوئی آیات ناسخ ہیں اور نہ کوئی آیات منسوخ قرار دی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہے۔ قرآن میں ناسخ و منسوخ ماننے سے اس میں تضاد لازم آتا ہے۔

افلا یتدبرون القراٰن۔ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

(سورۃ النساء - ۸۲)

"کیا پھر قرآن میں تدبّر نہیں کرتے۔ (کیونکہ) اگر یہ غیراللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

گویا قرآن میں اگر اختلاف بوجہ ناسخ و منسوخ آیات کے مانا جائے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہیں۔ مگر چونکہ قرآن اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔ اس میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا قرآن کی ناسخ و منسوخ آیات کا مسئلہ ہی سرے سے غلط ٹھہرتا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کا یہ حل امامِ زمان کے حکم اور عدل ہونے پر بھی دال ہے۔ لہٰذا ناسخ منسوخ کے اس فیصلہ کے پیشِ نظر اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم اظہر من الشمس ہو جاتا ہے یعنی مانننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا۔ سورۃ البقرۃ ایت ۱۰۶۔ "جو پیغام ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔"

یہاں جن آیتوں کا ذکر ہے وہ پرانی شریعتوں پر مشتمل ہیں۔ یعنی قرآن سے پہلی جتنی شریعتیں آئیں وہ یا تو اب منسوخ ہو چکی ہیں یا وہ اصلی حالت میں موجود نہیں۔ اس لئے قرآن شریف کے نزول سے ان سب شرائع سے یہ بہتر اور مکمّل شریعت نازل ہوئی جس کی وجہ سے اسلام دینِ کامل قرار دیا گیا۔

(۳) قرآن کریم کی فضیلت اور صداقت اور منزل من اللہ کے ثبوت میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسا نادر اور اچھوتا اصول بتایا۔ کہ اس سے انہوں نے تمام مدعیانِ ادیان باطلہ کو ساکت کر دیا۔ اس اصول کو انہوں نے اپنے مضمون مطبوعہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں بطور چیلنج پیش کیا۔ اور اسے اپنے اس شاہکار لیکچر میں شروع ہی یوں بیان کیا:۔

"آج اس جلسہ مبارکہ میں جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہیں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ میں اسلام کی خوبیاں بیان کروں گا۔ اور پہلے اس سے کہ میں اپنے مطلب کی تشریح کروں اس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں خدا تعالےٰ کے پاک کلام قرآن شریف سے بیان کروں۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو۔ وہ ہر ایک بات میں اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے۔ اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمیں قرآن شریف کی خوبیوں کو ثابت کرنا ہے۔ اور اس کے کمالات کو دکھانا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات میں اس کے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد تحریر کریں۔۔۔۔۔۔۔۔"

گویا ہر دعوے یا اصول جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کی دلیل اور اس کا ثبوت بھی اسی کتاب کاملہ میں موجود ہے۔ اس کسوٹی پر کوئی دوسری ربانی کتاب پوری نہیں اُتری۔ لیکن اس سے قرآن کریم کے کامل کلام الٰہی ہونے کا یقینی ثبوت ملتا ہے۔

(۴) قرآن کریم کے مضامین اور آیات میں پُرحکمت تسلسل اور ربط

جملہ مفسرین سابقہ میں سے شاذ ہی کوئی ہوگا جس نے اپنی تفسیر میں یہ التزام رکھا ہو کہ قرآن کریم تمام آیات اور سورتوں میں ایک تسلسل اور ربط قائم ہے۔ اس وجہ سے اکثر مستشرقین نے قرآن کریم کو بے ربط مضامین اور آیات کا مجموعہ سمجھا ہے۔ اس اعتراض کی تردید اور قرآن حکیم کی آیات اور مضامین میں یہ حکمت ربط کا خاص التزام صرف مجدد زمانؒ کے مفسّر مرید کی تفسیر بزبان انگریزی و اُردو میں ہی کیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں قرآن کریم کی سورتوں اور آیات میں اس ترتیب کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ جس سے اس کے کلام الٰہی ثابت ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہ موثر طریق بیان حضرت مجدد زمان کے دقیق علم القرآن پر دلیل ہے۔ گو وہ اس کے اعتراف سے گریز کریں۔ مقام غور ہے کہ نام نہاد مولانا احتشام الحق تھانوی اپنے ہر درس میں سب سے پہلے اسی بات پر زور دیتا ہے کہ زیرِ درس آیت یا آیات کا سابقہ آیات سے کیا تعلق اور ربط ہے۔ گو زبان سے انکار ہے مگر دل میں یہ لوگ بھی اسی سرچشمہ سے فیض یاب ہیں جس سے مجددِ زمانؒ نے زمانہ کو مستفیض کیا!

(۵) حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے از روئے قرآن جسم اور رُوح کے متعلق اپنے حیرت انگیز انکشافات کئے۔ جن کی موجودہ زمانہ کی سائنسی اور فلسفیانہ تحقیق اب تصدیق کرنے لگی ہے۔ رُوح کی تخلیق اس کی ماہیت اور کیفیت اور رُوح کا آپس میں تعلق اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا۔ ایسے دقیق اور نازک مسائل پر حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے جلسہ مذاہب کی تقریر میں ایک بسیط اور بصیرت افروز بحث کی ہے۔ ان حقائق کی تصدیق اب سائنس کی اس تھیوری (مفروضہ) سے ہوتی ہے۔ جسے باڈی (BODY) اور (OUTIBODY) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ انسان کے جسمانی محرکات و عوامل کے ساتھ ساتھ بعینہٖ ایک روحانی کیفیات کا نقشہ کھنچا جاتا ہے حتیٰ کہ انسان کے ظاہری افعال اور اعمال کے متوازی ایک روحانی (OUTIBODY) تشکیل ہو جاتی ہے اور جب انسان کی جسمانی حالت موت پر فنا ہو جاتی ہے تو یہ روحانی کیفیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس دقیق مسئلہ اور روحانی رموز کو حضرت مجدد زمان کے اپنے الفاظ سے بہتر کسی طرح بیان نہیں کیا جا سکتا تو ان کی جلسہ مذاہب کی تقریر میں سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی

کی اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کی بہت ملحوظ رکھا ہے۔ اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت فصیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور ان کا اثر ہے۔ مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلیف سے ہی رو دیں۔ مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھ کر دل پر پڑ جاتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہوتا ہے .... جس قدر ہمارا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، حرکت کرنا، آرام کرنا، غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں۔ یہ تمام افعال ضروری ہمارے روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں .... غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے .... خدا تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم میں تیار ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (پ۱۸ - ع) یعنی پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہیں۔ جو روح کے نام سے موسوم ہے .... اور یہ جو فرمایا کہ ہم اس جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکھلا رہا ہے۔ اور ان نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہیں۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں ظاہر ہونے شروع ہوں تو ان سے بھی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے۔ یعنی ان مخلصانہ اعمال میں بھی ابتداء ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے۔ جیسا کہ نطفہ میں مخفی تھی۔ اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جائے وہ روح چمکتی جاتی ہے۔ اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یک دفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے .... اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے نکالا ہے۔ اس کا یہ ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور میں لاوے۔ روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں۔ جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے کھنچی چلی آتی ہے۔ اس لئے انسان کی طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لئے بہت توجہ فرمائی ہے ....“

یہ چند اقتباسات مشتے از خروارے بطور نمونہ ہیں۔ ورنہ یہ ایک تفصیلی بحث ہے جس کو حضرت مرزا صاحبؒ نے ایسے دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا ہے جس سے ان کے عرفان قرآن پر ایک حیرتناک عبور ظاہر ہوتا ہے اور انسان کی روح وجد میں آجاتی ہے۔ غرض یہ ایسے روحانی رموز اور راز سربستہ تھے جن کا انکشاف اس سائنسی اور فلسفیانہ دور میں اس مجدد زمان کا حصہ تھا۔

الغرض مجددِ وقت اور امامِ زمان نے قرآن مجید کی ایسی عظیم الشان خدمت سر انجام دی جس سے قرآنی علوم کے بند دروازے ایک عالمگیر سطح پر کھل گئے اور ہر خاص و عام اور دوست و دشمن اس سے مستفیض ہوا اور ہوتا رہے گا۔ کیا اس بے نظیر خدمتِ قرآن سے ان کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت نہیں ہوتی؟ مخالفین بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کے لئے مقامِ غور ہے۔

جماعت راولپنڈی کی تبلیغی کارگذاری

خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مفت لٹریچر بذریعہ بک پوسٹ مختلف اطراف کے احباب کو روانہ کیا ہے:-

(۱) THE AHMADIYYA MOVEMENT LAHORE ۸۰ کاپیاں

(۲) احبابِ جماعت ربوہ کے لئے لمحۂ فکریہ۔ (از مولینا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب لاہور) ۵۰ ″ ″

(۳) حضرت مسیح کی بن باپ ولادت اور قرآن حکیم۔ (از ملک الٰہی بخش صاحب راولپنڈی) ۱۵۰ ″ ″

(۴) اسلامی مساوات اور حالاتِ حاضرہ (از حضرت مولینا صدرالدین صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور) ۲۰ ″ ″

(۵) بعض اہم استفسارات کا جواب۔ (از حضرت مولینا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب لاہور) ۴۰ ″ ″

(۶) تسلسل وحی و ولایت حصہ اول (از حضرت مولینا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب لاہور : ۵۰ ″ ″

(۷) رد تکفیر اہلِ قبلہ۔ (از حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور : ۵۰ ″ ″

(۸) کلمہ شہادت خزینۃ المعارف۔ حقیقت توحید اور اس کے فوائد۔ (از حضرت مولینا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ لاہور) ۱۰۰ ″ ″

(۹) اسلامی اصول کی فلاسفی : ۱۰ ″ ″

(۱۰) کسرِ صلیب : ۲ ″ ″

(۱۱) قرآن کی بیان کردہ سائنس۔ اردو (از حضرت امیر قوم) : ۳۰ ″ ″

(۱۲) قرآن کی بیان کردہ سائنس۔ انگریزی (″ ″ ″ ″) : ۲۰ ″ ″

(۱۳) قتل کرو .... (″ ″ ″ ″) : ۵۰ ″ ″

(۱۴) TWO SECTIOR OF THE AHMADIYYA MOV ۳۰ ″ ″

(۱۵) خوابوں اور الہاموں کے متعلق روحانی فلسفہ .. .. : ۱۰۰ ″ ″

(۱۶) حضرت امام الزمان (مسیح موعودؑ) کی فتح عظیم۔ از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ لاہور) ۱۰۰ ″ ″

(۱۷) محاصرہ مسیح اور اس کا معجزانہ طور پر اٹھایا جانا۔ (از حضرت مولینا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ لاہور) ۱۰۰ ″ ″

میزان .. .. .. : ۹۸۲

”مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے اموال کئے جائیں گے وہ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے

جناب مرتضیٰ خان حسن مرحوم ——— بسلسلہ تربیت شبان

حضرت ابوبکرؓ کی بے نفسی

عزیزو! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ جب آپؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے نہایت قیمتی نصیحتیں ارشاد فرمائیں اور اپنے کفن کے متعلق آپ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جو کپڑے میں نے پہنے ہوئے ہیں ان کو دھو کر ان میں ہی مجھے دفنا دینا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:۔

"والد محترم! یہ کپڑے جو آپ نے پہنے ہوئے ہیں بہت پُرانے اور پھٹے ہوئے ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان کا کفن بنایا جائے۔ آپ اجازت دیں تو ہم لوگ آپ کے لئے نیا کپڑا لے کر اس کا کفن آپ کو پہنا سکتے ہیں"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:—

"پیاری بیٹی! مُردوں کی نسبت زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ میرے لئے یہی پُرانے کپڑے ہی کافی ہوں گے"

حضرت صدیق اکبر کے یہ الفاظ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور ہمارے امراء اور بادشاہوں کو چاہیئے کہ ان کو اپنا دستورالعمل بنائیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور خلفاء کو دُنیا اور دُنیا کی زیب و زینت سے کچھ غرض نہ تھی۔ آپ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہم نے رئیسوں اور نوابوں کو دیکھا ہے، جب ان کا جنازہ اُٹھایا جاتا ہے تو سونے چاندی کا پلنگ بنوایا جاتا ہے۔ پھر بڑے بڑے قیمتی دوشالوں میں کفن لپیٹا جاتا ہے اور قبرستان لے جاتے ہوئے دوسرے لوگ اُن پر بڑے بڑے اعلےٰ کپڑے ڈالتے ہیں۔ اور بڑی شان و شوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ سب تکلّف کی باتیں ہیں۔ جن سے ہمارے نبیؐ اور ہمارے نبیؐ کے صحابہ رضؓ پرہیز کرتے تھے۔ کفن خواہ معمولی کپڑے کا ہو خواہ اعلےٰ کپڑے کا آخر خاک میں مل جاتا ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس قدر انسان تکلّف کرے۔

اصل میں ہمارے صحابہ رضؓ جس حقیقت کو سمجھے ہوئے تھے اس کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا ہر کام صدق اور راستی پر مبنی تھا۔ وہ انسانوں کے لئے بہترین نمونہ تھے۔ اے کاش لوگ ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہر طرح کی بلاؤں سے محفوظ رہیں۔

ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ رضؓ ستارے ہیں ان میں سے اگر کسی ایک کی تم پیروی کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ یعنے تمہاری دنیا بھی اچھی ہو جائے گی اور تم عقبےٰ میں بھی نیک نام اور سرخرو ہو گے۔

حضرت عُمرؓ کے انکسار کا ایک واقعہ

جن دنوں میں جنگِ قادسیہ ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ بڑی تشویش سے اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اور جنگ کی اطلاعات کے لئے بے چین رہتے تھے بلکہ ان دنوں کا آپ کا معمول یہ تھا کہ صبح ہی مدینہ منوّرہ سے باہر نکل جاتے اور دوپہر تک ہر آنے والے سے جنگ کے حالات دریافت فرماتے۔ ایک دفعہ آپؓ نے ایک شخص کو مدینہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا آپؓ نے اس سے پوچھا کدھر سے آئے ہو اس نے کہا حضرت سعد کی طرف سے امیرالمؤمنین کی خدمت میں فتح ایران کی خبر لے کر آیا ہوں۔ آپ اس کے ہمراہ ہو لئے اور پیدل ہی اس کے ساتھ اس کی رکاب تھامے دوڑتے چلے آئے - اور حالات دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچکر لوگوں نے امیرالمؤمنین امیرالمؤمنین کہہ کر السلام علیکم کہا۔ جب اس سوار کو معلوم ہوا کہ آپ ہی امیرالمؤمنین ہیں جو میرے اُونٹ کے ساتھ دوڑتے آئے ہیں تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور بڑے ادب سے کہنے لگا کہ اگر آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے تو مجھ سے یہ گستاخی نہ ہوتی آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں اصل مقصد تو جنگ کے حالات معلوم کرنا تھا۔ مدینہ پہنچکر آپ نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ایران کی فتح کی خوشخبری سنائی اور ایک بڑی مؤثر تقریر فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ تھے:—

مسلمانو! سنو! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بناؤں۔ میں خود تمہاری طرح خدا کا غلام ہوں۔ ہاں خلافت کا بوجھ میرے سر پر ڈالا گیا ہے۔ جس کا ہر گھڑی مجھے خیال رہتا ہے۔ اگر میں تمہاری خدمت کروں کہ تم اپنے گھروں میں آرام کی نیند سوؤ تو یہ میری نیک بختی ہے اور اگر خدا نخواستہ یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے کی حاضری دیا کرو تو میری بدبختی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں مگر محض لفظی نہیں بلکہ عملی طور پر۔"

جو کچھ آپ نے فرمایا سو فیصدی درست ہے۔ آپ کے دل میں ذرا خواہش نہ تھی کہ آپ بڑے بن کر لوگوں کو اپنا غلام بنائیں۔ بلکہ محض خدمتِ خلق آپ کا مقصد تھا۔ آپ اپنے عمل سے لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ہمارے آج کل کے واعظ خود تو عمل کرتے نہیں وعظوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ ایسے واعظوں کے وعظ کا اثر خاک بھی نہیں ہوتا۔ جب تک نمونہ نہ ہو لوگ اثر قبول نہیں کرتے۔ دوسروں کو زبانی وعظ و نصیحت کرنے کی بجائے انسان کو اپنا نمونہ اعلیٰ بنانا چاہیئے۔

والدین کی خدمت اور عزّت

مسلمان اپنے کافر ماں باپ کی بھی عزّت اور خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی جبر استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ جو مذہب پسند ہو اس کو قبول کرے۔ اگر ماں باپ مسلمان نہیں تو بھی وہ ماں باپ ہی ہے۔ اور مسلمان اولاد کے لئے ضروری ہے کہ ان کی عزّت و خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ یہ خوبی اب تک اسلامی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے مُلک کے بعض لوگ جنہیں اسلامی ممالک کی سیاحت کا اتفاق ہوا ہے کہتے ہیں کہ اگر کسی ترک کی ماں عیسائی ہے تو وہ اس کو اتوار کے دن خود گرجا چھوڑ آتا ہے تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت بجا لائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں۔ اس سے حضرت ابوہریرہ کو بہت دُکھ پہنچتا تھا مگر وہ بے بس تھے۔ اکثر اوقات حضرت ابوہریرہ نے ان کو دینِ اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہ کیا۔ چنانچہ ایک بار جب انہوں نے اپنی ماں کو تبلیغ کی تو اس نے حضرت نبی کریم صلعم کی شان میں کچھ گستاخی کے کلمات کہے۔ حضرت ابوہریرہؓ جیسے مسلمان کے لئے ایسے کلمات سُننا ناقابلِ برداشت تھا۔ لیکن انہوں نے تحمل سے کام لیا اور ماں کو درشت کلامی

۲۴

ص ۲۴ نہ کی۔ آپ بالکل خاموش رہے اور روتے روتے حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! دُعا فرمائیں کہ میری ماں کو خدا ہدایت دے"۔

اخبار ۔۔۔۔۔ و ۔۔۔۔۔ افکار

(ابو سلمان - ایم اے)

ملّی تعمیر میں نوجوانوں کا کردار پیغامِ صلح کے گذشتہ شمارے "بیّن الاحمدیّہ تربیتی کورس" کے انعقاد کے بارے میں اعلان پڑھ کر از حد خوشی ہوئی۔ اس کورس کا مقصد نوجوانانِ سلسلہ احمدیّہ کو حضرت بانیٔ تحریک احمدیت کے مشن سے روشناس کرانے اور ان کے اندر تحریک کے لئے صحیح جذب و عشق پیدا کرنا ہے۔ در اصل یہ کورس ان کورسز کی ایک کڑی ہے جو مذکورہ مقصد کے تحت ایبٹ آباد میں جاری ہوتے رہے ہیں۔

اس قسم کے تعلیمی، تربیتی اور تفریحی اجتماعات سے نئی نسل دین و ملّت کے تعمیری شعور سے بہرہ ور ہوتی اور دینِ عزیز کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتی ہے۔ نوجوان طبقہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، سب سے زیادہ متحرک اور فعال جزو ہوتا ہے۔ اگر اس کو ایک بیّن واضح تعمیری رُخ دے دیا جائے تو اس تحریک کے جملہ مقاصد کی تعمیل و تکمیل کا عظیم فریضہ بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔

مدینۃ المسیح کے نوجوان اگر اپنے کردار کو تشکیل دیتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ کے ارشادات اور اپنے بزرگان کے افکار کو پیشِ نظر رکھیں اور اس تحریک کے جو پاک ممبر لاہور میں موجود ہیں ان کی براہ راست تربیت سے متمتع ہوں تو وہ احمدیہ تحریک کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ احمدیہ تحریک میں نہ صرف اسلام کے شاندار ماضی کی بازگشت نظر آتی ہے بلکہ دین کے روشن مستقبل کی تصویر بھی نظر آتی ہے، یہ تحریک اسلام کے شاندار مستقبل کی نقیب ہے۔ اس نے اسلام کی فتح و نصرت کا باب کھول کر مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور اقوام ارضی کو بالخصوص اسلام ہاں زندہ اسلام کی زندہ حقیقتوں اور صداقتوں سے متعارف کرا دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ تحریک کی اس روایت کو نہ صرف زندہ اور تازہ رکھا جائے بلکہ اس باب میں مزید شاندار کام کا اضافہ کیا جائے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ نوجوان مثالی مسلمان کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں جن کا اندازِ فکر مثبت اور تعمیری ہو جائے اور جن کا عمل سلسلہ عالیہ احمدیہ کی صداقتوں کا مظہر ہو۔

اسلام کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا حال ہی میں دوحہ میں عرب کے رؤسا کا ایک تیسواں اجلاس منعقد ہوا ہے اس میں ایک قرارداد منظور ہوئی ہے کہ حضرت نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈا کا جواب دیا جائے۔

عرب علاقوں میں یہودیت، عیسائیت اور دیگر لادینی تحریکوں نے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر رکھی ہیں، جملہ وجوہات میں سے ایک غالب وجہ یہ ہے کہ ان باطل تحریکوں کے مدِمقابل کوئی مؤثر و فعال اسلامی تحریک ان علاقوں میں کام نہیں کر رہی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دجل و فریب عام ہو رہا ہے۔ خلاف اسلام پراپیگنڈے کا کوئی سدِ باب نہیں ہے۔ اس صورتِ حال سے اسلام کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

اس افسوسناک توجہ طلب صورتحال کے پیشِ نظر عرب رؤسا کی قرار داد لائقِ تحسین ہے، مگر ہمیں فکر ہے کہ یہ قرار داد صرف قرار داد بن کر رہ جائے گی۔ جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہاں مسلم مبشرین کا جال پھیلا دیا جائے جو اسلام کی سچی و صحیح تعلیمات سے علاقہ کے لوگوں

۴۵

مولانا مصطفٰے خان مرحوم

قابلِ ستائش لوگ

درد رکھتے ہیں وہ دینِ مصطفٰے کے واسطے

در حقیقت ہیں وہی لائقِ ثنا کے واسطے\
زندگی جو وقف کرتے ہیں خدا کے واسطے

دولتِ دنیا کو خاطر میں کبھی لاتے نہیں\
خاک میں ملتے ہیں شانِ کبریا کے واسطے

علم رکھتے ہیں مگر کرتے نہیں اس پر غرور\
رکھتے ہیں سجدے میں سر دائم دُعا کے واسطے

ان کے اوقاتِ گرامی کے ہیں مالک اور لوگ\
جیتے ہیں وہ اصل میں خلقِ خدا کے واسطے

اپنے بیماروں کی کرتے ہیں مسیحائی بھی وہ\
فکر رکھتے ہیں دوا کے اور شفا کے واسطے

ان کے دل میں ہے محبت ان کی باتوں میں خلوص\
رحمتِ حق ہیں وہ اخوان الصفا کے واسطے

سر جھکاتے ہیں قضا و قدر کے احکام پر\
رہتے ہیں تیار تسلیم و رضا کے واسطے

چشم پوشی کرتے ہیں احباب کے اعمال سے\
آنکھ ہے ان کی بنی گویا حیا کے واسطے

نام سے اُن کو غرض ہے اور نہ کچھ شہرت سے کام\
کام جو کرتے ہیں، کرتے ہیں خُدا کے واسطے

ولولہ ہے ان کے دِل میں خدمتِ اسلام کا\
درد رکھتے ہیں وہ دینِ مصطفٰے کے واسطے

بقیہ ...کو روشناس کرائیں اور اسلام کی حفاظت و مدافعت کے لئے علومِ ظاہری و باطنی کے ہتھیاروں سے مسلح ہوں، جو نہ صرف اسلام دُشمن قوتوں کی دلائل قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے سرکوبی کریں بلکہ اسلام کو ایک سچے اور کھرے دینِ فطرت کے طور پر آگے بڑھا سکیں۔ یہ کام صرف تحریکِ احمدیہ سے مختص ہے نہ کسی اور سے۔

اللہ تعالٰے ہی مسبّب الاسباب ہے ہم عاجز اس کے حضور اس کے دین کا واسطہ دے کر دُعا گو ہیں کہ اے حکیم و قادر اللہ! اسلام کی مدافعت و حفاظت کرنے والی اس آسمانی تحریک کے لئے اپنے فضل و کرم سے ایسے اسباب پیدا کر دے کہ وہ تیرے دینِ متین کی مدافعت اشاعت کے لئے سر [illegible] نکل کھڑے ہوں ٭

"میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے"۔

از حضرت مجددِ زمان علیہ السلام

"کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے۔ اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے ربّ سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا چیز ہے۔ جب تک فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر اُمید رکھنا طمع خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقوےٰ پہنچتی ہے۔ ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دِل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دُعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دُعا یہی ہے کہ خدا تعالےٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتوں اور کینوں کو ان کے دلوں سے اُٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دُعا کسی وقت قبول ہوگی اور خُدا میری دُعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں میں یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالےٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے اور جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خُدا ترسی اس کو حاصل ہو۔ تو اس کو اے قادر خُدا، میری طرف سے منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دِل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔

اللہ کو بہت یاد کرو۔

از حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

ہر وقت دُعا میں لگے رہو اور اپنی حالت کی تبدیلی کرنے کی کوشش کرو۔ تم اس وقت دوسری قوموں کے لئے نمونہ ہو۔ پس اپنے تئیں نیک نمونہ بناؤ۔ امام ابو حنیفہؒ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک لڑکے کو دیکھا جو کیچڑ میں دَوڑا دوڑا جا رہا ہے۔ آپ نے اُسے فرمایا کہ دیکھو میاں لڑکے کہیں پھسلتے ہو۔ لڑکے نے کہا آپ اپنا خیال رکھئے کیونکہ میں پھسل گیا تو خیر صرف مجھے تکلیف پہنچے گی۔ مگر آپ کے پھسلنے سے ایک جہان پھسلے گا۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اس سے بہتر کسی نصیحت نے مجھ پر اثر نہیں کیا۔ اور یہ بھی سچ ہے اذا فسد العالِمُ فسد العالَم۔ اسی طرح تمہاری لغزش کا اثر صرف تمہیں تک محدود نہیں بلکہ دُور تک جاتا ہے پس سوچ سوچ کر قدم اُٹھاؤ۔

(خطبہ جمعہ یکم جنوری ۱۹۰۹ء)

انقلاب پیدا کرنے والی دو باتیں۔

از حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

میں دو باتوں کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ ایک یہ کہ محمد رسول اللہ صلعم کی خوبیوں کو دوسروں پر ظاہر کرو اور دوسرے یہ کہ ان خوبیوں کو اپنے وجود سے ظاہر کرو۔ یہ دو باتیں اگر کر لو۔ تو تمہاری جماعت دنیا کی ہادی اور رہنما بن سکتی ہے۔ وجعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ رسول تمہارا امام ہو۔ اور اس کے نمونہ کو لے کر تم دنیا کے امام بن جاؤ۔ صرف آپ کی خوبیوں کو لے کر آپ دنیا کے امام بن سکتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو دُنیا کے سامنے محمد رسول اللہ صلعم کی خوبیوں کو ظاہر کرتے چلے جاؤ۔ صرف کافروں میں ہی نہیں اپنے دوستوں اور عزیزوں میں ظاہر کرو اپنی جماعت میں بھی ظاہر کرو۔ یہی ایک طریق ہے جس سے تم انقلاب پیدا کر سکتے ہو۔

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم

سچّے مذہب کی اصل غرض

مذہب کا مقصد وحید صرف یہ امر قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی بدولت ہمارا شعورِ انسانی، الٰہی شعور سے اتصال حاصل کر لے سے اتصال حاصل کر لے۔ اور یہی وہ نصب العین ہے جس کے لئے انسان بجا طور پر اپنی جان قربان کر سکتا ہے۔ یہ انقلاب جس کی رُو سے ادنےٰ اعلےٰ ہو جاتا ہے۔ یعنی نفس امّارہ، نفس مطمئنہ میں مبدّل ہو جائے، جادُو کے زور سے رونما نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بات تو مسلسل کوشش اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایسے ہادیٔ اعظم کی پیروی سے نصیب ہو سکتی ہے جو نفسیات انسانی کا ماہر ہو۔ اور خدا کے سچے نبی کا کام بھی یہی ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ بھی اور کوئی وجہ نزول مذہب کی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے بھی اپنی افتتاحی آیات میں اپنے نزول کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے۔ پس اگر آنحضرتؐ نے دنیا کو اور انسانوں کو وہ اصول بتائے۔ جن کی مدد سے ان کی بہیمیت، آدمیت میں مبدّل ہو جائے۔ تو کیا پھر آپ بہترین معلّم مذہب نہیں ہیں؟ آپؐ نے اس مسئلہ پر نہایت وضاحت کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ اور جذباتِ انسانی کے ہر پہلو پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔ اور ان پر قابو حاصل کرنے کے لئے ایسے ذرائع اور وسائل بیان فرما دیئے ہیں۔ کہ ہم ہر قسم کی بدی سے محترز رہ کر نیکی کی راہوں پر گامزن ہو سکتے۔ یہ تعلیم منظّم طور پر کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔

(نبوّت کا ظہور اتم)

والدین کی خدمت اور عزت ۔۔۔۔ بسلسلہ صفحہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جب تک ابوہریرہؓ کی ماں زندہ رہی وہ ان کی خدمت میں مشغول رہے اور فریضہ حج ادا کرنے کے لئے بھی نہیں گئے حالانکہ حج کرنا مسلمان کے لئے نہایت ضروری ہے۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ۔۔۔۔ مؤرخہ ۲۹ جون ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ۔۔۔۔ شمارہ نمبر ۲۶

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردھم علیہ السلام

تقوٰی اور اعمالِ صالحہ کی ضرورت

اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لئے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ تقوےٰ کی بابت نصیحت کی جائے۔ کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے۔ کہ بجز تقوےٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انّ اللّٰہ مع الّذین اتّقوا والّذین ھم محسنون۔ ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقوےٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلّق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلۂ بیعت میں ہیں۔ جس کا دعوےٰ ماموریت کا ہے۔ تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں۔ کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے۔ یا کیسے ہی رُو بدُنیا تھے۔ ان تمام آفات سے نجات پاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہے یا بڑی۔ اگر اس بیماری کے لئے دوا نہ کی جائے۔ اور علاج کے لئے دُکھ نہ اُٹھایا جاوے۔ بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ مُنہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے۔ کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کُل منہ کو کالا نہ کر دے۔ اسی طرح معصیت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھ کر آخر کار کل مُنہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے رحیم و کریم ہے۔ ویسا ہی قہار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو جب دیکھتا ہے۔ کہ ان کا دعوےٰ اور لاف گزاف تو کچھ اور ہے اور ان کی عملی حالت ایسی نہیں تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزا دہی کے لئے وہ کفار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مسلمان کافروں سے تہ تیغ کئے گئے۔ جیسے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے مسلمانوں کو تباہ کیا حالانکہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ جب اللہ تعالےٰ دیکھتا ہے کہ قوم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو پکارتی ہے لیکن اس کا دل کسی اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل رُو بدُنیا ہے تو پھر اس کا قہر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اس کا قول و فعل کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس کا قول و فعل برابر نہیں تو سمجھ لے کہ وہ مورد غضب الٰہی ہوگا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ اس کا قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں۔ اسی لئے کہ تخم ریزی کی جاوے۔ جس سے وہ پھل دار درخت ہو جاوے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے۔ اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے۔ اگر ہماری جماعت بھی خدا نخواستہ ایسی ہے کہ اس کی زبان پر کچھ اور ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے۔ محض زبانی دعوےٰ کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ اوّل)

جماعت احمدیہ کے واعظ کیسے ہونے چاہئیں

عملی حالت کا عمدہ ہونا سب سے بہترین وعظ ہے

"یہ امر بہت ضروری ہے۔ کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ تو وہ فضول ہے یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں۔ تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دوسروں پر پڑے"۔

(الحکم یکم اگست ۱۹۰۲ء)

تحریکِ احمدیت کے ایک جانباز خادم کی خود نوشت سوانح حیات پر تبصرہ

(از قلم جنت مکانی چوہدری محمد حسن صاحب چیمہ مرحوم و مغفور)

مکرم چوہدری فضل داد صاحب پنشنر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ایک سرگرم، فعال ممبر، عاشق احمدیت ۸۴ سالہ جانے پہچانے بزرگ ہیں۔ آپ کی ساری زندگی اشاعتِ اسلام، تبلیغ احمدیت، خدمتِ سلسلہ اور دیہاتیوں میں بد رسوم کے خلاف جہاد میں گذری ہے۔ آپ جوانی ہی سے نہایت دیندار نیک طبع، صالح اور اشاعتِ اسلام کے لئے دلی جوش اور ولولہ رکھتے ہیں۔ آپ دورانِ ملازمت جہاں بھی گئے اپنے حُسنِ عمل، اور جذبۂ خدمتِ خلق میں نام پیدا کیا اور بیشتر جگہ دو دو چار چار آدمی جماعت میں شامل کرائے۔ چک ۸۱ جنوبی (سرگودھا) کی مضبوط اور فعال جماعت بھی آپ ہی کی کوششوں کا ثمر ہے۔ مرکز کی جانب سے مالی قربانی کی جب بھی اپیل کی گئی۔ آپ نہ صرف خود شامل ہوئے بلکہ اپنے احباب کو بھی ہمیشہ مالی ایثار پر آمادہ کیا۔ آپ کی زندگی اولوالعزمانہ جدوجہد کی ایک شاندار اور ایمان افروز کہانی ہے جو بہت سے لوگوں کے لئے ہدایت اور نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔ محترم چیمہ صاحب مرحوم نے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ (نائب مدیر)

محترم چیمہ صاحب مرحوم، چوہدری فضل داد صاحب کو اپنے خط میں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

عزیزی۔ محبی۔ رفیقی۔ اسلام کے فدائی۔ قرآن کے شیدائی۔ دل کے رفیق حاجتمندوں کے شفیق۔ میرے نہایت ہی پیارے دوست۔ چوہدری فضل داد صاحب خدا اپنے خاص الخاص عنایات اور برکات کی بارش آپ پر کرتا رہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

"آپ کی لکھی ہوئی خود نوشت سوانح حیات مل گئی ہے۔ مَیں یہاں تنہائی میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر مجھے چارپائی سے اُٹھ کر باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ خود چلنے پھرنے سے گھبراتا ہوں۔ مسجد میں دو تین دفعہ فاروقی صاحب اپنی کار میں بٹھا کر لے گئے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔ لکھنے والا کوئی نہیں۔ خالد ہمہ وقت مصروف۔ میم اس کی غیر ملکی اور غیر مذہب کی علمبردار۔ احمد کبھی گیارہ بجے سے پہلے نہیں آیا اِلّا ماشاء اللہ۔ خود لکھنے سے گھبراتا ہوں۔ آپ کی کتاب میں نے جلد بنوا لی ہے پرسوں سے اسے پڑھنا شروع کیا۔ اور کل اُسے ختم کیا۔ تین چار موقعوں پر اس کتاب نے میری آنکھوں سے آنسو نکلوائے۔ کچھ تو آپ کے خاندان کی چند اموات کا ذکر تھا بڑے دردناک پیرایہ میں آپ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ چوہدری فتح محمد نے اپنے والد بزرگوار کی جو خدمت کی اس سے مَیں بہت متاثر ہُوا ہُوں۔ آپ کی بیوی کی موت کا صدمہ بھی آپ کو بہت ہوا۔ ان سے بڑھ کر آپ کی محبت جو آپ کو اپنی والدہ سے تھی اس کا اندازہ بھی آپ کے طرزِ عمل سے ہو جاتا ہے۔ جو ان کی ایامِ بیماری میں آپ نے کی۔ آپ "بہت خوش قسمت انسان" ہیں۔ کہ آپ نے اپنے والدین کی دِل کھول کر خدمت کی ہے۔ اور اپنی بیوی سے بھی حق وفاداری پُوری طرح ادا کیا ہے۔ آپ اپنے بھائیوں سے بے حد محبت کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ اس خاندان کے FOUNDER ہیں۔ اور اپنے بھائیوں سے آپ کا رویّہ پدرانہ ہے۔ اور وہ بھی آپ کی عزت ایسی ہی کرتے ہیں جیسے بیٹوں کو اپنے باپ کی کرنی چاہیئے۔ میں چونکہ آپ کے بھائیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں اس لئے ان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا اس کی لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً تصدیق کرتا ہُوں۔ آپ کو اپنی اولاد سے جو محبت ہے اس کا پتہ ان دُعاؤں سے لگتا ہے۔ جو آپ ان کے لئے کثرت سے کرتے رہے۔ دُعا تو آپ کی رُوحانی غذا ہے جس کے بغیر آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ہی دُعا آپ کو ان بلند درجات تک لے گئی۔ جس کا ذکر حضرت امیر قوم مرحوم و مغفور مولوی محمد علی نے اپنے مکتوب میں کیا ہے۔ جس کی نقل آپ نے سوانح حیات میں شامل کر دی ہے۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے تقوےٰ کے معنے خُوب کئے ہیں۔ جنگل میں چلنے والے مسافر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

جس طرح مسافر خاردار جھاڑیوں سے گذرتا ہے تو اپنے کپڑوں کو بچاتا ہوا سمٹتا ہوا، احتیاط سے راستے کی نشاندہی کرتا ہوا احتیاط سے گذرتا ہے اور صحیح سلامت اپنی مسافت طے کر لیتا ہے۔ یہی حال متقی کا ہے۔ وہ بھی نہایت احتیاط سے زندگی کے خاردار جنگل سے اپنے کپڑوں کو اور جسم کو بچاتا ہُوا گُذر جاتا ہے اور یہی تقویٰ ہے۔

الحمد للہ آپ کی ذات پر یہ مثال خُوب صادق آتی ہے۔

ویسے تو بڑے لوگوں کی سوانح عُمریاں معرکۃ الآراء واقعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مگر ایک عوامی آدمی کی زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے سامنے اس کے معاشرہ کے پیشِ نظر مشکل مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے کامیابی سے نپٹ کر نکل جانے والا انسان بھی دوسرے

اراکین معاشرہ کے لئے نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔

مَیں نے آج کئی سالوں کے بعد قلم ہاتھ میں لیا۔ میرے دماغ میں خیالات کا اس قدر ہجوم ہے کہ اگر چاہوں تو گھنٹوں اور دنوں تک لکھتا چلا جاؤں۔ مگر قلم چلنا اور خیالات کو روک کر ان کو لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ خیالات کی تیزی اور سُبک رفتاری کی وجہ سے قلم ساتھ نہیں دیتا۔ اس لئے یہ خط ہی لکھتا ہوں۔ آپ نے زندگی کو خلا کی نذر نہیں کیا۔ آپ مصروف رہے **اور خدمتِ خلق آپ کا طُرۂ امتیاز رہا۔**

دیوتہ ہائی سکول کا جہاد آپ کی زندگی کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے آپ نے ہمیشہ لوگوں اور دوستوں میں تبلیغ کی اور اشاعتِ اسلام کا خوب کام کیا۔ جس طرح "پیغام صلح" اور "لائٹ" کے خریدار بنائے وہ معمولی کارنامہ نہیں۔ آپ نے اپنے خاندان اور دوسرے حلقوں میں احمدیت کے نُور کو پھیلایا اور کئی قلوب کو منوّر کیا۔ آپ نے انجمن کی ارا ضیات میں تو کمال دیدہ کے ایثار۔ قربانی۔ شجاعت۔ استقلال اور تقوےٰ کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کیا کہ اس کا اجر آپ کو صرف اللہ تعالےٰ ہی دے سکتا ہے۔

انسان ان کارناموں کی اہمیت کو نہیں سمجھتا۔ میاں غُلام حیدر صاحب تمیم

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

حضرت امیر مرحوم کی طرف سے خراجِ تحسین

اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ترقیٔ اخبارات، کی توسیع اشاعت کے لئے حضور نے اپیل فرمائی۔ سب سے پہلے چوہدری فضل داد نے لبیک کہتے ہوئے دونوں اخبارات کے چند خریدار پیدا کئے اور ساتھ ہی ان کا چندہ بھجوا دیا۔ حضرت نے اس پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا: "اس وقت بھی **چوہدری فضل داد** جیسے احباب کئی ایک ہیں جو دو دو چار چار خریدار پیدا کر سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص یہی کر سکتا ہے صرف عزم کر لینے کی بات ہے۔" (پیغام صلح ۳ر اکتوبر ۱۹۳۴ء)۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۶ر جولائی ۱۹۷۷ء

فرقہ واریت کیسے ختم ہو

" نوائے وقت" کی ۲۰ر جون ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں ایک فکر انگیز مقالہ بعنوان " پاکستان اور نفاذِ اسلام کا نصب العین شائع ہوا ہے۔ فاضل مقالہ نگار جناب اعجاز قریشی صاحب نے مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب پر بڑے منطقیانہ انداز میں مدلل طور پر روشنی ڈالی ہے جس سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ آپ نے نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فرقہ واریت کا وہ مہلک زہر ہے جس نے جسدِ ملت اسلامیہ میں فساد پیدا کر کے اسے بے حس و حرکت بنا کر تباہی اور بربادی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے اور جب تک اس کے لئے کوئی تریاق تلاش کر کے اس سے نجات حاصل کرنے کی جد و جہد نہیں کی جائے گی ملت اسلامیہ کو روحانی۔ اخلاقی۔ سماجی۔ اقتصادی اور سیاسی استحکام ہرگز حاصل نہ ہو سکے گا۔

جماعت احمدیہ کو اگرچہ " فرقہ واریت" سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر "ملت اسلامیہ" کے دائرے سے بروئے آئین پاکستان خارج کر دیا گیا ہے لیکن پاکستانی ہونے کے ناطے سے جن کی ان گنت پشتیں اسی وطنِ عزیز کی سرزمین میں مدفون ہیں یہ حق ضرور حاصل ہے کہ ہم اس کے استحکام۔ بقاء اور ترقی کے لئے کوشش ہوں اور ہر اس تجویز اور نظریہ کی تائید کریں جو ان اغراض کے حصول کی خاطر پیش کیا جائے۔ اور ہر ایسے محرک کی مخالفت کریں جس سے پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔

اسلام وسعت فکر و نظر کا حامی ہے۔ ایک ملت میں فرقہ واریت تو کیا یہ ساری نسلِ انسانی میں بھی تفریق کا قائل نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا:-

" کہہ اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔" (۳: ۶۴)

یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے سابقہ رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا بھی لازمی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گذری جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ اسلام کا مقصد تمام نسلِ انسانی کو ایک نقطہ اور ایک مرکز یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر جمع کر کے وحدتِ نسلِ انسانی کا قیام تھا۔ اس لئے اسلام میں فرقہ واریت کی گنجائش نہیں۔ تفرقہ بازی کے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:" اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے"۔ جب انسان انسانوں کو اپنا رب بنا لیتے ہیں تو اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اور تفرقہ بازی کو ہوا ملتی ہے۔ جس کا نتیجہ جنگ و جدل۔ قتل و غارت اور فتنہ و فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ گروہی تعصبات عقل و شعور کو پابند سلاسل کر دیتے ہیں۔ کوئی انسان اپنے گروہی مفادات سے بلند ہو کر سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا اس طرح معاشرہ میں متصادم نظریات کی وجہ سے انحطاط اور زوال کو راہ ملتی ہے۔

قرآن کریم نے مکی دور میں ہی مسلمانوں کو اس کے اثرات اور نتائج کے متعلق ان الفاظ میں تنبیہہ کر دی تھی:-

" وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقے ہو گئے۔ تیرا ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا جو وہ کرتے تھے" (۶: ۱۵۹)

اور اس بارے میں یہاں تک احتیاط کی کہ:-

" جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں" (۴: ۹۴)

یہ بڑا خوف اور ڈر کا مقام ہے کہ لوگ فرقہ فرقہ ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان لوگوں کا آنحضرت صلعم سے کوئی تعلق نہیں۔ جب آپؐ سے تعلق ہی کٹ گیا تو پھر "اسلام" کیسا اور "مسلمان" کیسے۔ اس آیت کریمہ کے مدِ نظر کیا اس مرض میں مبتلا لوگوں اور ان کے قائدین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ آپؐ سے اپنا تعلق جتائیں اور " نظامِ مصطفےٰ" کے نفاذ کا مطالبہ کریں جبکہ وہ قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف " اربابًا من دون اللہ" کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے نام پر مال و دولت جمع کرتے ہیں؟۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب صاف ظاہر ہیں کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے اور فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ان کا آنحضرت صلعم سے کوئی تعلق نہ رہا اور اس طرح خدا سے بھی ان کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ جب ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہوا تو اس نے انہیں اس نافرمانی کی سزا دے کر بتا دیا کہ گروہوں میں بٹ جانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہماری آنکھیں بند ہیں اور ہم اسی ہلاکت کے راستے پر بڑی تیز رفتاری سے بھاگتے جا رہے ہیں۔

قرآن کریم اس کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ آپس میں بٹ جانے سے کسی قوم کی نفسیات پر کیا برا اثر پڑتا اور اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے:-

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو **ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو** تاکہ تم کامیاب رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اور **آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی**۔ اور صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (۸: ۴۵ و ۴۶)

آپس کے جھگڑے سے انسان ہمت ہار جاتا ہے اور اس کی ہوا جاتی رہتی ہے۔ وہ اپنے مقصد پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور اسے ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اختلاف رائے کو تنازعہ اور فتنہ و فساد کی حد تک لے جانے کے بجائے اسے صبر سے برداشت کرنا چاہیئے اور " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" کے تحت اسے مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

یہ جو آیات ہم نے قرآن کریم سے پیش کی ہیں ان میں ترغیب۔ تحریص اور تنبیہہ کا رنگ موجود ہے۔ لیکن قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر آیت کے پہلے حصے میں امر ہے اور دوسرے حصے میں نہی۔ دونوں کے ایک ہی آیت میں واقع ہونے سے ان میں ایک تاکیدی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ " **اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو**" (۳-۱۰۳) آگے چل کر اسی آیت میں اس کے ثمرات اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:-

" تم باہم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم

آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو اس نے
تم کو اس سے بچا لیا۔"

جب یہ قبائلی تعصبات میں ڈوبی ہوئی قوم اس پیغام اور حکم کے تحت ایک مرکز پر جمع ہوگئی تو اسے وہ بلندیاں اور عظمتیں عطا ہوئیں جن پر آج بھی اپنے عروج اور تہذیب پر فخر کرنے والی قومیں رشک کرتی ہیں۔ یہ مدنی سورۃ آل عمران کی آیت ہے۔ اس وقت مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ اسلامی حکومت کو استحکام تب ہی نصیب ہوگا جب اس کے افراد میں اخوت اور بھائی چارہ کی قدریں کسی تعصب۔ فرقہ بازی۔ افتراق اور انتشار کی نذر نہ ہونگی۔ اور ان سے اعراض کا جو انجام ہو سکتا ہے، وہ بھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ خدا کے حکم کی حکم عدولی اور وہ کام کرتے کا جس سے اس نے منع فرمایا ہے یہی نتیجہ ہو سکتا ہے جو آج ہمارے سامنے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ۔ کلمہ انسانوں کو اللہ تعالےٰ کی توحید اور آنحضرت صلعم کی رسالت پر متفق کرتا ہے۔ نماز روزہ اور حج اس میں روحانی اور اخلاقی اقدار پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اور زکوٰۃ اس کی معاشی زندگی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ خدا کی توحید اور آنحضرت صلعم کی رسالت پر یقین اور ایمان کی وجہ سے جب انسان میں اخلاقی اور روحانی اقدار جنم لیتی ہیں۔ تو وہ اپنی انفرادیت کھو کر اجتماعیت میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات گروہ یا قوم کے بارے میں نہیں بلکہ ساری نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود کے متعلق سوچتا ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان میں پیدا نہیں ہو سکی تو اس نے اسلام کے نقط کو تو اپنا لیا ہے مگر اس کی رُوح سے بیگانہ ہے اور نا آشنا ہے۔ اس لئے اس پر اعلےٰ قدروں کے بجائے حیوانی خود غرضی۔ حرص اور نفسانیت کا غلبہ رہتا ہے اور یہی بات اسے دوسروں سے جدا کرتی ہے۔

ہمارے دور کی مذہبی قیادت بدقسمتی سے اسلام کو ایک متحرک قوت سمجھنے کے بجائے ایک غیر متحرک اور جامد قوت تصور کرتی ہے جس میں زمانے کے نئے پیش آمدہ مسائل اور تقاضوں کا حل قرآن کریم کی روشنی میں تلاش نہیں کیا جا سکتا حالانکہ قرآن کریم نے اس مشکل کا حل بھی وہی پیش فرما دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ:۔

> وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اُتاری اس میں سے (کچھ) محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور متشابہ ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی من مانی تاویل کریں اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا **سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں**۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔" (۳:۷)

یعنی قرآن کریم میں:۔

(۱)۔ دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک **محکمات** جو ناقابل تغیّر اور اٹل اصول ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن کی تاویل اور مطلب و مفہوم معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اصولوں کے تحت رکھ کر۔

(۲)۔ ان کی تاویل اللہ اور الرّاسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۳)۔ ان کے علاوہ اگر کوئی تاویل کرے گا تو وہ من مانی تاویل ہوگی اور اس سے فتنہ پیدا ہوگا۔

گویا **متشابہات** کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ زمانہ تغیّر اور ترقی پذیر ہے۔ اس سے ہر دور میں نئے نئے مسائل پیدا ہوں گے۔ نئی نئی ضروریات سامنے آئیں گی اور نئے نئے سوالات پیش ہوں گے جنہیں حل کرنے کی ضرورت ہوگی۔ مگر ان کا حل اصولوں کے تحت رکھ کر کرنا ہوگا تاکہ دونوں میں تصادم کی بجائے ہم آہنگی اور توازن پیدا ہو سکے۔ لیکن ان کی تاویل اور حل پیش کرنا ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کا کام ہے اور ان کا جو **الرّاسخون فی العلم** ہیں۔ علم میں راسخ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہیں عقل کے ساتھ ساتھ آسمانی روشنی اور رہنمائی سے بھی حصہ ملا ہو کیونکہ عقل کسی مقام پر بھی ٹھوکر کھا کر فساد کا موجب ہو سکتی ہے۔ چونکہ تاویل اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے اس لئے وہ ایسے اہلِ علم لوگوں کی خود راہنمائی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق جو حل پیش ہوگا وہی صحیح اور غلطی سے پاک ہوگا۔ اسی کے تحت اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کے بعد مجدّدین کا سلسلہ قائم کیا۔ جس کا ذکر آپؐ کی اس حدیث میں ہے:۔

> "ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا"
>
> یعنی اللہ اس اُمت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد مبعوث کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔"

اس کا مطلب جیسا کہ من مانی تاویل کی وجہ سے سمجھ لیا گیا ہے ہرگز یہ نہیں کہ وہ کوئی نیا دین پیش کرے گا یا اسلام میں کوئی ردّ و بدل کرے گا بلکہ یہی ہے کہ اپنے دور میں جو مسائل اُسے پیش ہوں گے وہ اللہ تعالےٰ سے رہنمائی پا کر قرآن کریم کے محکم اصولوں کے مطابق ان کا حل پیش کرے گا۔

گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدّدین تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے اپنے زمانے کے مسائل حل کر کے دکھائے لیکن ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ ہر مجدّد کی مخالفت ہوئی اور اسے ماننے والوں کو ایک نیا فرقہ کہا گیا۔ مگر یہ کسی نے نہ سوچا کہ جو باتیں یہ شخص پیش کرتا ہے کیا وہ اسلام کی تعلیم کے مخالف پڑتی ہیں یا وہ عین قرآن کریم اور سنّتِ رسُول کے مطابق ہیں۔ اور اس نے دین میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا بلکہ اسے ایسے خوبصورت رنگ میں پیش کیا ہے جو زمانے کے تقاضوں کے مناسب حال ہے۔ اس نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ خدا ایک نہیں۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ محمد رسول اللہ صلعم **خاتم النبیین** نہیں۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ قرآن منسوخ ہے اور میں نئی کتاب لایا ہوں۔ اس نے ہرگز نہیں کہا کہ اب دین دینِ اسلام نہیں بلکہ وہ ہے جو میں پیش کرتا ہوں۔ اگر کچھ کہا ہے تو صرف اتنا کہ اس زمانے کے یہ مسائل ہیں اور ان کا حل جو مجھے خُدا نے بتایا ہے وہ یہ ہے۔ ان پر غور و فکر کر کے دیکھ لو۔ عقل کی کسوٹی پر پرکھ لو۔ اگر صحیح پاؤ تو مان لو اور میرا ساتھ دو تاکہ اسلام کا غلبہ ثابت کیا جا سکے۔ مگر کبھی ایسا نہ ہو سکا۔ ہر دین کے ٹھیکیدار نے یہی کہا کہ جو میں کہتا ہوں وہی درست ہے اور جو متقدمین سینکڑوں سال پہلے لکھ اور کہہ گئے ہیں ان میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ تمہارے یہ نئے نظریات کُفر ہیں۔ الحاد ہے اور دجل ہے۔ اسی طرح تفرقہ بازی پھلتی اور پھولتی رہی۔ مفاد پرستی کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں۔ اُمتِ مُسلمہ کمزور ہوتی رہی اور آج اس کا یکجا ہونا زمانہ قریب میں تو مشکل ہی نظر آتا ہے۔

یہ تفرقہ بازی قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کی سُنّت کی پیروی سے دُوری کی وجہ سے پیدا ہوئی اور یہ تب ہی ختم ہو سکتی ہے جب مسلمان پھر ان کی طرف لوٹ آئے اور ایک دوسرے سے اختلافات کو عزم و حوصلہ اور صبر سے برداشت کرنے کی ہمّت اور عزم پیدا کر لیں۔ اپنی تمام کمزوریوں

(باقی پر ص۱۱ کالم ۱)

نماز ـــــ حصولِ راحت و مسرّت کا بہترین ذریعہ

نماز کا حکم جو اسلام میں پانچ وقت کے لئے ہے یوں تو اس میں شبہ نہیں کہ بہت لوگوں کو یہ ایک مشکل بھی نظر آتی ہے اور قرآن میں اللہ تعالےٰ بھی فرماتا ہے:-

انّها لکبیرة الّا علی الخاشعین الّذین یظنّون انّهم ملٰقوا ربّهم - یہ نماز لوگوں کو ایک بڑا بوجھ معلوم ہوتا ہے سوائے ان کے جن کو یہ یقین ہو کہ وہ اپنے ربّ سے ملاقات کرنےوالے ہیں۔

گویا یوں کہنا چاہیئے کہ نماز اللہ تعالےٰ سے ملاقات کا ایک موقعہ ہے۔ فی الحقیقت اصل تو عبادت کا یہی بیان کیا ہے - اور حدیث میں آتا ہے:

أن تعبد اللّٰہ کانّك تراہ - چاہیئے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ دُنیا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ہے - اس کے بعد یہ بھی فرمایا:—

فان لم تکن تراہ فانه یراك - اگر ایسا نہ ہو سکے کہ تو اسے دیکھے تو پھر یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے-

اس سے بھی ایک قسم کا خضوع اور خشوع کی حالت پیدا ہوتی ہے - اور اگر وہ مقام حاصل ہو جائے کہ اللہ کو دیکھے تو اس میں جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا - اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نماز کے وقت خوشی کا اظہار فرماتے اور حضرت بلال سے فرمایا کرتے تھے ارحنا یا بلال - اے بلال ہمیں خوش کر - یعنے نماز کے لئے اذان دے - آخری خوشنودی بھی آپؐ کو نماز سے حاصل ہوئی -

جب آپؐ بیمار تھے آپؐ نے اپنے حجرہ کا پردہ اُٹھایا کیونکہ اس وقت دروازوں پر تختے نہ لگے ہوئے تھے تو آپ نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو صحابہؓ نماز پڑھ رہے تھے - آپؐ کا چہرہ متبسّم ہوگیا کہ وہ کام جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے - آپؐ کی غیر حاضری میں بھی ہو رہا ہے- اور لوگ خدا تعالےٰ کے حضور عجز و نیاز کے ساتھ کھڑے ہیں - اور اس سے وہ تعلق جوڑ رہے ہیں جو انسانیت کا سب سے بڑا مُدّعا ہے-

فی الحقیقت غور کر کے دیکھا جائے تو یہ سورة فاتحه ایک چھوٹی سی سورت ہے - لیکن ذرا اس کے مفہوم کو مدِّنظر رکھ کر پڑھا جائے تو ایک وقت کے لئے انسان دُنیا کے تمام غموں سے آزاد ہو جاتا ہے انسان کبھی خوشی کی حالت میں ہے کبھی غم میں اور کبھی اپنے کاروبار میں منہمک ہو جاتا ہے - ان تینوں حالتوں میں جب خدا کی طرف آئے گا تو اس کے منہ سے کیا نکلے گا الحمد للّٰہ ربّ العالمین - اس کے معنوں پر اگر غور کیا جائے اور معنوں کو سمجھتے ہوئے یہ الفاظ منہ سے نکلیں تو تمام رنج اور کُلفتیں، تمام ہموم و غموم اس ایک آیت سے دُور ہو جاتے ہیں - پھر فرماتا ہے الرّحمٰن الرّحیم - بڑا رحم والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے - انسان کے استحقاق کے بغیر بھی رحم کرتا ہے اور جب کوئی اچھا کام کرتا ہے اس وقت بھی رحم کرتا ہے مالك یوم الدّین - مالک ہونے کی حیثیت میں بھی رحم کرتا ہے جج ہو کر نہیں جو اپنے قانونِ عدل سے تجاوز نہیں کر سکتا، بلکہ مالک ہونے کی حیثیت میں عدل سے بڑھ کر دیتا اور رحم کرتا ہے -

ایّاك نعبد و ایّاك نستعین - یہ رُوح ہے سورة فاتحہ کی یعنے اے خُدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تمام مقاصد میں تیری ہی مدد مانگتے ہیں - بسا اوقات انسان مایوسی کی حالت میں ہوتا ہے اس وقت کس قدر راحت ہوتی ہے - اگر یہ خیال ہو کہ ایک دروازہ اب بھی مدد کے لئے کھُلا ہے - اسی لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں- اس وقت خدا کے آگے گرتا ہے اور ایّاك نستعین کہہ کر اس سے مدد طلب کرتا ہے - تو اس سے ایک بڑی عظیم الشان راحت قلب کو پہنچتی ہے-

پھر فرماتا ہے اهدنا الصراط المستقیم اے خُدا ہمیں سیدھا رستہ دکھا - صراط الّذین انعمت علیهم - ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کئے - وہ عظیم الشان انسان جو دُنیا میں گذرے ہیں - محمّد رسول اللہ صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ اور اولیاء یا ان سے پہلے موسےٰ اور عیسےٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں ان کی راہیں دکھا - غیر المغضوب علیهم ولا الضّالّین - ان لوگوں کی راہ نہ ہو جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کی جو صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے - جب انسان سچے دل سے یہ دُعا مانگتا ہے - تو یہ خیال ہی اس کو راحت پہنچانے کا موجب ہو جاتا ہے کہ میں خدا سے مانگتا ہوں - پھر ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بار بار مانگتا ہے تو بار بار وہ راحت اور سُرور حاصل ہوتا ہے، اور مایوسی اور غم دُور ہو جاتے ہیں - وہ چیز ہے جس کا دنیا کے تمام حالات میں میسّر آنا بہت مشکل ہے - کھیل اور تماشے جو لوگ کرتے ہیں تو اس سے ان کی غرض راحت حاصل کرنا ہوتی ہے - لیکن روز روز کھیل اور تماشے بھی نہیں ہو سکتے - انسان کی یہ حالت ہے کہ کتنا بھی کام کے اندر دل لگتا ہو لیکن محنت کے کام کرنے کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ وقفہ اسے ایسا ملے کہ اس کے دل سے کام کے متعلق تمام خیالات مٹ جائیں اور کچھ دیر کے لئے ایک سکون اور راحت اسے حاصل ہو - اگر ایسا وقفہ اسے مل جائے تو اس کی تمام کلفتیں دُور ہو جاتی ہیں -

تو انسان کو بڑی ضرورت ہے اس بات کی کہ کام کاج میں ایسے وقت اس پر آجائیں جب اس کا خیال دوسری طرف لگ جائے - تو نماز کے اندر انسان تمام کاروبار رنج و راحت چھوڑ کر ایک نئے عالم میں آجاتا ہے - جس وقت اس کی کیفیت کانّك تراہ کی ہو جائے اس وقت دنیا اور مافیہا ہیچ ہو جاتے ہیں اور انسان ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جہاں کوئی رنج و غم نہیں-

تو فی الحقیقت یہ نماز جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے راحت کا سامان ہے - اس کو اس رنگ میں لینا چاہیئے - ابتداء میں یہ بوجھ معلوم ہوتی ہے لیکن آہستہ آہستہ طبیعت ایسی جمتی ہے کہ اس سے دِل نہیں ہٹتا بشرطیکہ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے -

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بچّوں کو بھی نماز کی عادت ڈالو - سات سال کی عمر سے انہیں نماز میں لگاؤ - بارہ سال سے نماز کی عادت ڈالو اور چودہ سال سے پرسش کرو - اس لئے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں سب کے لئے اس کی ضرورت ہے - اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر انسان کے لئے خوشی کا سامان اور کوئی نہیں -

---

خوشخبری

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے - ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجّہ نہیں - وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں - ان کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پائیں - (الوصیت ص۹)

"کانا دجّال"

"عقائد ... تفسیر ... قرآن کریم کی روشنی میں"

امام مسجد نبویؐ پاکستان تشریف لائے تو آپ نے مختلف دینی درسگاہوں میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ دشمنِ اسلام کا حربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کو وساوس کے ذریعہ کمزور کیا جائے نیز یہ کہ ان میں پھوٹ ڈالی جائے۔ پس دشمن کے اس حملہ کے مقابلہ کیلئے مسلمان علماء و طلباء کو جہاد بالقلم کرنا چاہیئے۔ ان کے بیانات کے بعد پیغام صلح میں حضرت مسیح موعودؑ کا مسلک بالمقابل دے کر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یہی تو وہ اصولِ اسلام کا اصل احیاء ہے جو حضرت اقدسؑ نے کیا تھا جسے اب متعدد مسلمان امام مساجد بھی قبول کر رہے ہیں۔

اب قبولِ احمدیت کی جانب ایک اور قدم احباب ملاحظہ فرمائیں۔ اخبار "جنگ" کراچی نے اپنی دو اشاعتوں یعنی ۲۵ر اور ۲۷ر جون میں **کانا دجّال** اور "دجّال" کے موضوع کے تحت آخری زمانہ کی علامات جو احادیث میں آئی ہیں کے حوالہ جات دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ دجّال کی ان پیشگوئیوں کا اطلاق موجودہ مغربی اقوام پر ہوتا ہے۔ اگلی اشاعت میں ہم اپنے تاثرات کو بیان کریں گے کہ کس طرح یہ تمام امور بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے اس زمانہ میں سب سے پہلے منکشف کر دیئے تھے۔ "جنگ" کے اقتباس من و عن درج ذیل ہیں۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

"کانے دجّال کا تصوّر آج کے دَور میں بہت مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن خدا اور اس کے رسُول کی طرف سے کچھ نشانیاں دی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

حدیث نبویؐ (مختصر کر کے) مسلم ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد حاکم، کنز العمال و ابنِ عساکر (مفتی محمد شفیع صفحہ نمبر ۴۸)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صبح حضورؐ نے دجّال کا ذکر فرمایا اور اس کے (فتنہ) کے نشیب و فراز بتائے۔ جب شام کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کیفیت کو بھانپ لیا جو ہم پر طاری تھی اور پُوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نے دجّال کا ذکر فرمایا اور اس کے نشیب و فراز بتائے، حتیٰ کہ ہمیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ جیسے دجّال قریبی نخلستان میں موجود ہو۔ یہ سُن کر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر وہ میری زندگی میں نکلا تو تمہاری طرف سے اس کا مقابلہ کرنے والا میں موجود ہوں۔ اور اگر وہ اس زمانہ میں نکلا جب کہ مَیں تمہارے درمیان نہ ہوں گا تو ہر مرد اپنا دفاع خود کرے۔ تم میں سے جو **دجّال کو پائے وہ اس پر سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ دے۔** وہ فساد پھیلائے گا۔ اے اللہ کے بندو! تم اس وقت ثابت قدم رہنا۔ ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۃ کہف کی آخری آیات کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

کلام پاک: دجّالی فتنہ سے بچنے کے لئے حضورؐ نے سورہ کہف کی اگلی آیتوں یا آخری دس آیات یاد رکھنے کو فرمایا ہے۔ اب ہم کلام پاک کی ان آیتوں کا مطالعہ کریں۔ سب سے پہلے ایک اصول پر غور کریں کہ ہمیں کہا گیا ہے کہ رمضان کے مہینے کی آخری پانچ طاق راتوں میں ایک شب قدر تلاش کرو۔ یعنی پانچ میں ایک کا اصول۔ لہٰذا سورۃ کہف کی آخری دس آیتوں کو دیکھتے ہیں تو (۵) اور (۶) آیات بالکل وضاحت کرتی ہیں (۵) ترجمہ: "یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ وزن قائم نہیں کریں گے۔" تفسیر میں یوں آیا ہے "وہ آخرت کو مانتے نہ تھے تو اس کے واسطے کچھ کام نہ کیا پھر ایک پلڑا [illegible]

اور اس کے ثبوت میں (۱۰۰) مثالیں دے سکے گا۔ اس کے جواب میں حضورؐ کا فرمانا کہ اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوگا تو تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کا مقابلہ کروں گا۔ یعنی (۱۰۱) مثالیں دے کر ثابت کروں گا کہ **خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے** لیکن میرے بعد ظاہر ہو تو ہر مُسلمان اپنا دفاع خود کرے۔ یعنی ہر شخص اپنے ایمان کا دفاع خود کرے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے عقیدے اور ایمان کا خود مالک ہے لہٰذا جو راستہ وہ اختیار کرے گا ویسے اس کو بدلہ ملے گا۔ اگر اس نے کانے دجّال والا راستہ اختیار کیا تو **بظاہر اسے عیش و آرام، مال و دولت اور عزّت ملے گی (دُنیا میں) لیکن آخرت خراب ہوگی۔" اسی لئے حضورؐ نے فرمایا (ابن ماجہ احمد۔ حاکم) "جو اس کی جنّت میں جائے گا (دنیا میں) وہ درحقیقت آگ میں جائے گا (آخرت میں) اسی طرح جو اس کی آگ میں داخل ہوگا۔** (دُنیا میں) وہ درحقیقت ایک جنّت ہوگی (آخرت کی) حدیث میں ہے کہ "جو شخص اس پر ایمان لے آئے گا اس کا پچھلا کوئی نیک عمل نفع نہ دے گا اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا۔ اس کے پچھلے کسی عمل کی سزا نہ دی جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ (ابن ماجہ، ابوداؤد، مسند احمد، فتح الباری) **دجّال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخ انسانی میں اس سے بڑا** فتنہ نہ کبھی ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ **اسی لئے تمام انبیاء کرام اپنی اپنی اُمتوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔** ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ قرب قیامت میں فتنہ اندھیری رات کی طرح چھا جائے گا۔ ایک شخص صبح کو مومن ہوگا تو شام تک ایمان باقی نہ رہ سکے گا یا شام کے وقت مومن ہوگا تو مؤمن رہ کر صبح کرنی مشکل ہوگی۔ **رسُول وہ عظیم ہستی ہے جو سینکڑوں برس بعد میں ہونے والے واقعات کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم ہونے پر اس کی اطلاع بندوں تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے** کہ یہ سب کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

حضرت عیسٰیؑ[1] ہی کیوں دُنیا میں تشریف لائیں گے

اس بات کا جواب صرف ۱۰ سالوں کے اندر جتنا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ حالانکہ ۲۹ حدیثیں اس سلسلے میں موجود ہیں۔ ان باتوں کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کے معجزات کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہیں: (۱) مُردوں کو بحکم خدا زندہ کرنا (۲) برص کے بیمار کو شفا دینا (آلعمران) (۳) مادر زاد اندھے کو بحکم خدا شفا دینا (آلعمران) (۴) مٹی کی چڑیوں میں بحکم الٰہی جان ڈالنا (آلعمران) (۵) آدمیوں کے کھائے ہوئے کھانے کو بتلا دینا کہ کیا کھایا ہے (آلعمران) (۶) جو چیزیں لوگوں کے گھروں میں چھپی ہوئی رکھی ہیں ان کو بغیر دیکھے بتلا دینا (آلعمران) صرف ۱۰ سال ہوئے ہیں کہ انسان ان پر مکمل حاوی ہو گیا ہے۔ مثلاً (۱) **آپ نے دیکھا ہوگا کہ بلّی وغیرہ کو ۶ ماہ تک منجمد رکھنے کے بعد دوبارہ زندہ کر لیا گیا۔**

---

[1] حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دوبارہ آمد والے حصّہ پر آئندہ اشاعت میں تبصرہ کیا جائے گا۔

اسی طرح انسانوں کو بھی سال دو سال تک منجمد رکھنے کے بعد دوبارہ زندہ کر لیا جاتا ہے اور جو لمبی بیماری والے ہیں جیسے کینسر وغیرہ کے مریض ان کو ۵۰ سے ۱۰۰ سال تک منجمد رکھنے کے بعد زندہ کیا جا سکتا ہے۔ (۲) اندھوں کو اپریشن کے ذریعہ آنکھیں دیتے ہیں (۳) یرمن کا علاج معلوم کر لیا گیا ہے (۴) بے بی ٹیوب والا واقعہ بھی عام ہے اور (۵) اور (۶) کمپیوٹر وغیرہ سے اندرونی حال معلوم کر لیا جاتا ہے۔ خلاصہ: عنقریب انسان اپنی مشینوں اور دواؤں سے وہ چیزیں دکھلائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "زندہ بھی میں کرتا ہوں اور مارتا بھی میں ہی ہوں"۔ ان کاموں کو انسان کرنے لگا تو وہ ضرور خدا تعالیٰ کی قدرت پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوگا اور وہ ضرور ان راستوں کی طرف چلنے لگے گا جو کانے دجّال والا راستہ ہے یعنی صرف اسی دنیا کو پانے کا مرنے کے بعد والی دنیا کا تصوّر جاتا رہے گا۔ نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کوئی معجزہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ دکھلانا چاہتا ہے تو اس کے اسباب پہلے سے ہی دنیا میں مہیا کر دیئے ہیں۔ مثلاً قرآنی واقعہ کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادو کا زور تھا اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قسم کے معجزات کے ساتھ ان کو فرعون کے دربار میں بھیجا آج کا دَور ہمارے سامنے ہے یعنی سائنسی دَور لہٰذا صرف حضرت عیسٰیؑ ہی کی واپسی پر بات بنے گی۔ وہ اس طرح کہ تمام باتیں جو انہیں پہلے سے ہی حاصل ہیں جیسے مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ خود آ کر بغیر مشین کے مُردوں کو زندہ کریں گے۔ اسی طرح اور بے شمار معجزات دکھلائیں گے۔ اور جب لوگ انہیں دُنیا کے سب سے بڑے سائنسدان کی حیثیت سے تسلیم کریں گے تو وہ خود ہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلائیں گے۔ اس حدیث پاک کو آپ ضرور نوٹ فرمالیں (مسلم)، ابنِ ماجہ، مسند احمد، حاکم، ابنِ ابی شیبہ، معجم)

"کانا دجّال حضرت عیسٰیؑ کو دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب حق ظاہر ہوگا تو باطل خود ختم ہو جائے گا۔"

ساتھ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی سانس کی ہوا جس کافر کو لگے گی اسی وقت مر جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی وہیں تک آپ کا سانس بھی پہنچے گا۔"

مطلب بالکل صاف ہے کہ جہاں تک ان کی آواز یعنے سانس پہنچے گی وہاں تک وہ ختم ہوں گے۔

دجّال کے بارے میں نبی کریم حضرت محمدؐ کی احادیث کی صورت میں بیان کردہ نشانیاں

(۱) دجّال یہودی ہوگا۔ (صحیح بخاری شریف) (۲) جوان ہوگا۔ (مسلم ابنِ ماجہ (۳) اس کے بال پیچدار ہوں گے۔ (مسلم طبرانی) (۴) عوام میں اس کا لقب مسیح ہوگا (صحیح بخاری شریف) (۵) وہ ایک گدھے پر سواری کرے گا۔ جس کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہوگا اور اس کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی اور وہ تیزی سے پوری دنیا میں پھرے گا۔ (مسند احمد۔ مسلم۔ ابنِ ماجہ۔ حاکم) اور وہ مسلمانوں کو لڑائی کی دھمکیاں بھی دے گا۔ یہ تو آج کی باتیں ہیں اور کل کیا ہوگا اس کے متعلق احادیث میں یوں آیا ہے:۔

(۱) دجّال مشرق کی طرف کے لوگوں کو شکست دے گا۔ اور اس شہر میں سب سے پہلے آئے گا جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ واقع ہے اور جو شام کے نزدیک ہے (مسند احمد۔ ابن ابی شیبہ۔ حاکم طبرانی)

(۲) آخری دنوں میں دجّال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بیرونِ مدینہ پر اس کا غلبہ ہو جائے گا (حاکم)

(۳) اس کے پاس اشیائے خوردنی کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔ جس کو چاہے گا دے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا اس کے لئے اشیائے مذکورہ بند کر دے گا۔ اور اسی قسم کی بہت سی ایذائیں مسلمانوں کو پہنچائے گا۔ غرض یہ کہ دجّال کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب لوگ اس وقت مشقت میں ہوں گے۔ (بخاری۔ مسلم شریف)

(۴) دجّال کے خروج سے پہلے (تین بار) ایسا واقعہ پیش آ چکا کہ مسلمان گھبرا اُٹھیں گے۔ (مسند احمد)

(۵) دجّال کے اکثر پیرو یہودی ہوں گے۔ (مسند احمد)

(۶) دجّال کے خروج سے پیشتر دو سال تک زبردست قحط رہ چکا ہوگا اور تیسرے سال دورانِ قحط میں (پھر) اس کا ظہور ہوگا۔ (مسند احمد ابوداؤد)

(۷) پس دجّال ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا۔ وہ لوگ اس پر یقین لے آئیں گے اور اس کی بات مان لیں گے۔ پس دجّال بادلوں کو حکم دے گا تو بادل بارش برسائیں گے، زمین کو حکم دے گا تو وہ اُگائے گی۔

انسان اپنی مرضی سے بارش برسا سکے گا

امریکہ کے سائنسدان ایسے طریقوں کی دریافت میں لگے ہوئے ہیں جن سے کام لے کر بارش پر پوری طرح قابو پایا جا سکے۔ یعنی وہ جب اور جہاں چاہیے بارش کرا سکیں اور جس جگہ چاہیں بارش کر سکیں اور جس جگہ بارش کی ضرورت نہ ہو وہاں ہوتی ہوئی بارش کو بذریعہ سائنس روک سکیں۔ اب تک ان سائنسدانوں کو بڑی حد تک کامیابی ہو چکی ہے انہوں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اگرچہ کچھ کیمیاوی اجزا بادل پر چھڑک دیئے جائیں تو ان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حرارت کی وجہ سے ہوتی ہوئی بارش رُک جاتی ہے۔ اسی طرح ایسے اجزا بھی معلوم کر لئے گئے ہیں جن کے ذریعہ مصنوعی بادل بنائے جا سکتے ہیں اور ان سے بارش کرائی جا سکتی ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو اس کے ذریعہ بنجر علاقوں کو سرسبز کیا جا سکے گا اور ان علاقوں کی بارشوں کو روکا جا سکے گا جہاں بارشوں سے آئے دن سیلاب اور تباہیاں برپا ہوتی رہتی ہیں۔

پھر ایک قوم کے پاس آ کر ان کو بلائے گا وہ اسے رَدّ کر دیں گے تو دجّال وہاں سے چلا جائے گا۔ مگر یہ لوگ صبح کو اس حالت میں اُٹھیں گے کہ ان میں قحط پھیل چکا ہوگا۔ ان کے اموال میں سے ان کے پاس کچھ نہ بچے گا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مسند احمد، حاکم، کنز العمال و ابنِ عساکر) صفحہ ۵

امریکہ نے موسمی ہتھیار تیار کر لیا۔ دشمنوں کے خلاف بجلی کی کڑک طوفان اور بادل استعمال کئے جائیں گے۔ مصنوعی دھند سے فوجی نقل و حرکت کو روکا جا سکے گا۔

راولپنڈی ۱۰ر جولائی رُوسی کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ مسٹر برزنیف نے گذشتہ ماہ ایک تقریر میں عصرِ حاضر کے جس خطرناک ترین ہتھیار کا ذکر کیا تھا وہ امریکہ کا موسمی ہتھیار ہے۔ برنسٹن کے علاقوں میں مصنوعی بارش اور برفباری سے پہاڑی علاقوں میں آمد و رفت میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اس خوفناک ہتھیار میں زہریلی اشیاء شامل کر کے دشمن کی زرعی فصلوں کو بھی تباہ کیا جا سکے گا۔ نوٹ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا وجود میں آئی کوئی صدی ایسی نہیں گذری جس کے شروع میں کوئی اہم واقعہ نہ ہوا ہو، پس دجّال (بھی) اسی صدی کے آغاز پر نکلے گا (صفحہ ۱۱۴)

(باقی برصفحہ ۱۱ کالم ۱)

ملے بشکریہ روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ر جون ۱۹۷۷ء

اسلام اور مغرب

ہمارا ایمان ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور یہ سعادت اللہ تعالٰی نے حضرت مسیح موعودؑ اور ان کے ماننے والوں کے لئے مقدر فرما دی ہے۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ آج سے ایک صدی پیشتر اسلام و بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر عیسائی۔ ہنود۔ یہود اور دوسری لادینی تحریکیں کس طرح ناپاک الزامات لگا رہے تھے۔ اولاً مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جو ان کے الزامات کا حقیقی جواب دیتا اور اسلام کی صداقت کو ان کے سامنے پیش کرتا۔ اور اگر کسی نے انفرادی طور پر تھوڑی بہت سعی کی بھی! تو اس کی حیثیت "پیاسے کو قطرہ پانی" جیسی تھی۔

وہ پاک ہستی جس نے عیسائیت اور دوسرے حملہ آوروں کا زبردست دلائل، تعلیم۔ نمونہ اور شاندار اسلامی لٹریچر کے ساتھ مقابلہ کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں منوا لیا کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور کوئی ازم بھی اب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیانی ہی تھے۔ اس کی ایک شہادت، سینکڑوں شہادتوں میں سے اس زمانہ کے مشہور اسلامی اخبار "وکیل" امرتسر کی پیش کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے اسی لئے وہ ہرگز قلب سے نسیًا منسیًا نہیں ہو سکتی۔ .... اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا (نہ صرف) ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں بن کر اڑنے لگا.......

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے...... اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا یادگار لٹریچر چھوڑا جو اس وقت تک کہ (جب تک) مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون ہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہیگا اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے"

(اخبار "وکیل" امرتسر مئی ۱۹۰۸ء)

اسی اخبار نے حضرت مسیح موعود کو "فتح نصیب جرنیل" کا لقب دیا۔ اور یہ سب کچھ آپؑ کی رحلت کے بعد لکھا:-

کاش ہمارا آج کا مسلمان حضرت صاحب کا لٹریچر پڑھے پھر دیکھے کہ کتنی عظیم الشان ہستی! اس نادر گیتی میں خدا

اور ایک زندہ جماعت اشاعت اسلام کے لئے پیدا کی! اور آج مسلمانوں کا سلوک۔ افسوس صد افسوس۔ شکوہ صرف اس وجہ سے ہے

ع قومی ہموا قتلوا امیم اخی

اس کو چھوڑئیے۔ ع ہر ایک کا اپنا میدان ہوتا ہے۔ ہمارا کام یہ ہے۔ جیسا خدا تعالٰی نے فرمایا: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اسلام کی تبلیغ کریں۔ انشاءاللہ وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آئے گا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

یھلک اللہ فی زمنہ الملل کلھا الا الاسلام

مسیح موعود کے زمانہ میں سوائے اسلام کے سارے ادیان ختم ہو جائیں گے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:-

"میری امت کے آخر میں چار بڑے بڑے فتنے پیدا ہوں گے اور آخری فتنہ وہ ہوگا جب .... کہ ان کا امام کوئی نہیں ہوگا اور نہ ان کی کوئی مستقل جماعت ہوگی پھر ثم المسیح ثم طلوع الشمس من مغربھا

(کنز العمال۔)

ان فتنوں کے زمانہ میں مسیح موعود مبعوث ہوگا۔ اور سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔

اس کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ازالہ اوہام میں یوں فرماتے ہیں:-

"اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت وکفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے .... اور ان کے رنگ سفید تھے .... اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے .... اب خدا تعالٰی ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے۔"

خدا کا فضل شامل ہوا حضرت مسیح موعودؑ کی کتب، روحانی مال۔ اور آپ کے خدام مغرب میں پہنچے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہوئے لیکن ابھی بہت کام کرنا ہے۔ درمیانی روکیں، وقتی ابتلاء، مومن کے قدم کو روک نہیں سکتے وہ ان حالات میں اپنا قدم آگے سے تیز بڑھاتا ہے۔ غم کرنے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جس پاک مجدد کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ وہ کیا فرماتے ہیں:-

"خدا تعالٰی چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالٰی کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا

گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔"
(الوصیت)

غور فرمائیں۔ جب یہ تحریر لکھی گئی تھی اس وقت پادری اور منّاد بڑے زور سے اعلان کر رہے تھے:۔

"دنیا پر عیسائیت کا عروج آج اس درجہ زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ یہ درجہ اسے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا، ذرا ہماری ملکۂ عالیہ (وکٹوریہ) کو دیکھو جو ایک ایسی سلطنت کی سربراہ ہیں جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔"
(لیکچرز بیرونبر صد ۴۲ ۱۸۹۷ء)

اور حضرت مسیح موعودؑ عین اسی سال یعنی ۱۸۹۷ء میں کیا فرماتے ہیں:۔

"وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں میں رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا، اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔" (اشتہار ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

اور آپ فرماتے تھے کہ:۔

عیسائیت کی صف لپیٹ دی جاوے گی اسلام غالب آئے گا، یورپ میں سب ملتیں ہلاک ہو جائیں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک کہ دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔

انشاء اللہ وہ وقت قریب ہے کہ اہلِ مغرب کی آئندہ نسلیں اسلام قبول کریں گی۔

چنانچہ آپ اپنی کتاب "نور الحق" میں فرماتے ہیں:۔

"و انی اعلم انھم بیض الاسلام و ستخرج منھم افرخ ھٰذہ الملۃ و ستصرف وجوھھم الی دین اللہ انھم قوم یفتشون کل امر ولا یغضون الطرف من الحق الذی حصحص ولا یتعنّبون من قبول الحق و یطلبون ولا یلغبون ومن طلب فوجد ولو بعد حین۔
(نور الحق حصہ اول مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

ترجمہ:۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ (یعنی اہلِ یورپ) اسلام کے انڈے ہیں۔ اور عنقریب ان میں سے اس ملت کے بچے پیدا ہونگے اور ان کے منہ الٰہی دین کی طرف پھیر جائیں گے کیونکہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جو ہر ایک بات کی تفتیش کرتی ہے اور اس حق سے آنکھ بند نہیں کرتی جو کھل گیا ہو۔ اور حق کے قبول کرنے میں شرم نہیں کرتی۔ اور ڈھونڈتی ہے اور تھکتی نہیں اور جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا اگرچہ کچھ دیر کے بعد پاوے۔"

جس بات کا حضرت مسیح موعودؑ نے اعلان فرمایا تھا کہ ان کے بچے اسلام قبول کریں گے۔ اب صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے سامنے حق کو پیش کیا جاوے۔ آج ان کے بڑے بڑے مفکر، دانشور۔ اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ عیسائیت رو بہ زوال ہے اور اسلام خدا کے فضل سے ان کے قلوب پر اثر کر رہا ہے۔

اب مشرقی افریقہ کے ایک بہت بڑے پادری کی ایک تقریر ٹانگانیکا سٹینڈرڈ ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"چرچ کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ عیسائیت بڑی تیزی کے ساتھ تنزل کی طرف جا رہی ہے"

جب ہالینڈ کا ایک مشہور اخبار زیر عنوان "اسلامی ہلال یورپ کے اُفق پر" لکھتا ہے:۔

"یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے بیزار ہو رہا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام اتحاد کا علم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان ادھر مائل ہو رہے ہیں۔ اس میلان کو روکنے کے لئے اور تبلیغ کے اثرات کو دور کرنے کے لئے جس کا سب سے طاقتور انجمن جماعت احمدیہ ہے۔ ہمیں اس کی راہ میں ایک مضبوط ستون کاٹنا ہوگا۔"

پس اسے بھائیو! آج اسلام کی تبلیغ اور مغرب میں خاص طور پر کیونکہ یہ ایک رنگ میں ساری دنیا پر پورا پورا وسیع اثر رکھتا ہے۔ ہمارا یہی کام ہے۔ اور یہ کام خدائی تقدیریں کر رہی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو منتخب کیا ہے۔ آپؑ کا ایک الہام ہے:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس و افتخاراً للمؤمنین۔

یہ جماعت تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اور تم مومنوں کے لئے فخر کا باعث ہو۔

آؤ! خدا تعالیٰ سے سچے دل سے دعا کریں اور عہد کریں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اس مجدد اعظم کے دامن کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے کہ وہ ہمیں صحیح رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی توفیق دے۔

یہ وعدے دنیا کی نظر میں تعجب ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا تو ایمان ہے کہ یہ یقیناً پورے ہوں گے۔ اور ان کی ابتداء ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی بہت ضرورت ہے۔ خصوصاً اپنے اندر ایک انقلابِ عظیم پیدا کرنے کی۔ تب وہ نظارہ دیکھنے والے دیکھیں گے۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔"

"سوائے سُننے والو سُنو۔ ان باتوں کو یاد رکھو اور پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ کر لو۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہو کر رہے گا۔" (تذکرہ صد ۵۲۶)

ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح مجریہ ۲۹ر جون ۱۹۷۷ء کے صفحہ ۲ اور صفحہ ۳ پر مندرجہ رپورٹ میں سہو کتابت سے تین اغلاط رہ گئی ہیں۔ قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔

(۱) صفحہ ۲ کالم ۲۔ آخری سطر سے پہلی سطر میں والذین معہٗ پڑھا جائے۔

(۲) صفحہ ۳ کالم ۱۔ عند ربنا العالمین پڑھا جائے۔

(۳) ینادی فی قبرنا پڑھا جائے۔

ادارہ ان اغلاط پر قارئین کرام سے معذرت خواہ ہے۔
(ادارہ)

سیرت النبویؐ

حضور رحمۃ اللعالمین کی غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت

فقراء کو بشارت دو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہونگے۔

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولت مند اور فاقہ کش بھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ سب کے ساتھ ایک جیسا تھا بلکہ غریبوں کے ساتھ آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی۔

ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپؐ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پُرس ہوئی۔ مکہ کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند اکابرین قریش بیٹھے تھے۔ اور آپؐ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بن مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے اُدھر آنکلے۔ اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ سے باتیں کہنے لگے۔ رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار گذری۔ آپؐ نے ابن مکتوم کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اور اس اُمید پر ان سے باتیں کرتے رہے کہ شاید اشقیاء اسلام کی سعادت کو قبول کرلیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں۔ لیکن خُدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اُتری:۔

"عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمٰی۔ کلا انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ (عبس۔ ۸۰ ۔ ۳۰۔)

"پیغمبر نے ترشروئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی۔ لیکن جو بے پرواہی برتتا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تیرا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے اور تیرے پاس دوڑتا آتا ہے۔ اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تُو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اسے قبول کرے"

یہی غرباء اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جاں نثار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بے حیثیتی کو دیکھ کر استہزاءً کہتے تھے:۔

"اھٰؤلاء منّ اللہ علیھم من بیننا" یعنے یہی لوگ ہیں جن پر خُدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔ لیکن آپ ان کے استہزاء کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا:۔

"تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے۔"

حضرت اسامہؓ بن زید سے فرمایا:۔

"میں نے در جنت میں کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب مفلس لوگ ہی اس میں داخل ہیں۔"

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں آپؐ تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا:۔

"فقرائے مہاجرین کو بشارت دو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ:۔

"میں نے دیکھا کہ یہ سُن کر ان کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھے اور مجھے حیرت ہوئی کہ کاش میں اُن میں سے ہوتا"

ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اس اثناء میں ایک شخص سامنے سے گذرا آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں۔ خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے۔ اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے"۔

یہ سُن کر آپ خاموش ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ایک اور صاحب اس راہ سے گذرے آپؐ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ "اس کی نسبت کیا کہتے ہو"؟

"عرض کیا یا رسول اللہ یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اگر سفارش کرے تو رد کر دی جائے اگر کچھ کہنا چاہے تو سُنا نہ جائے۔"

ارشاد ہوا کہ:۔

"تمام رُوئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں فرمایا کرتے تھے:۔

"خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اُٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر"

حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں؟ حضور صلعم نے فرمایا:۔

"اس لئے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔" پھر فرمایا:۔

"اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔"

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آکر خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! امراء ہم سے درجہ اُخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ نماز روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ اور پھر تمہاری کوئی برابری نہ کر سکے"

عرض کی ہاں یا رسول اللہ بتائیے! ارشاد ہوا:۔

"ہر نماز کے بعد ۳۳ ۔ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔"

کچھ دنوں کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سُن لیا ہے اور پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ فرمایا:۔ "ذالك فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ یعنی یہ خُدا کی دین ہے جس کو چاہے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

بقیہ مقالہ — بسلسلہ صٓ

کی ذمہ داری ہم ہمیشہ غیر ملکی سازشوں پر ڈال دیتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ غیر ملکی مداخلت کو اسی لئے موقعہ ملا کہ مسلمانوں کی اپنی صفوں میں اتحاد نہیں ان میں سے بعض مفاد پرست انسانوں کو تھوڑی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے خواہ یہ مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت کے جذبات کو بھڑکا کر کیا جائے یا کوئی اور سبز باغ دکھا کر۔ علقمی اور ابو عبداللہ کی نفس پرستی نے بغداد اور سپین کو تباہ و برباد کرایا۔ میر صادق اور میر جعفر نے ہندوستان سے مسلمانوں کے آخری نقوش مٹانے میں مدد کی۔ ان کا اپنا انجام بھی بڑا حسرتناک ہوا لیکن ایک انسان کا یہ دردناک انجام قوم کی بربادی کا قصاص نہیں ہو سکتا دجلہ کا ایک ایک قطرہ آج بھی مسلمانوں کے خون کی سرخی اور علمی خزانہ کی سیاہی لئے ہوئے خلافتِ عباسیہ کے انجام پر آنسو بہا رہا ہے۔ اور قرطبہ اور الحمرا آج بھی زبانِ حال سے اپنی عظمتِ رفتہ کی داستان سنا رہے ہیں۔ اگر پاکستانی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے لئے یہ تاریخ دوہرائی نہیں جا سکتی تو یہ تاریخی واقعات اور ان کے اسباب سے آنکھیں پھیرنا ہے۔

"وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو گئی شیطان نے اسے ان کے لئے اچھا کر دکھایا اور انہیں (جھوٹی آرزوؤں کے) لمبے وعدے دیئے۔" (۴۷:۲۵)

"تو کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان کا انجام کیسا ہوا جو اُن سے پہلے تھے۔" (۴۷:۱۰)

خود جماعتِ احمدیہ کے لئے بھی اس میں لمحہ فکریہ ہے ⁂

کانا دجّال — بقیہ صٓ

یہاں ڈاکٹر ہنری کیسنگر کا کارٹون دیا گیا ہے۔

یہ کارٹون جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ امریکہ کے مشہور رسالے "نیوزویک" کا ہے۔ کارٹون میں یہ تصویر ڈاکٹر ہنری کیسنگر کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو عربوں کے علاوہ یہودی بھی دل سے چاہتے ہیں کیونکہ وہ پیدائشی یہودی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے گھنگریالے بالوں کا ایک خاص انداز ہے۔ ڈاکٹر ہنری کیسنگر ۱۹۷۳ء میں امریکہ کے وزیر خارجہ بنے تھے۔ اپنی وزارت کے دوران انہوں نے ۵۷ ملکوں کا دورہ کیا۔ اور ۵ لاکھ ۶ ہزار میل کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں میں اتنی شفابخشی تھی کہ جس کام کو بھی "مس" کرتے تھے وہ کام خود بخود پائے تکمیل تک پہنچ جاتا تھا مثلاً چین اور امریکہ کی ۲۵ سالہ دشمنی کو دوستی میں بدل دینا، ۱۸ سال پرانا ویت نام کا مسئلہ حل کر دینا مدت سے ایک دوسرے سے لڑنے والے مصر اور اسرائیل کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنا اور اسرائیل کو ۲۵۔ ارب روپیہ کا اسلحہ دلوانا جس میں ایٹمی اسلحہ بھی شامل ہے اور مصریوں کو اسرائیل سے ان کا کچھ علاقہ واپس دلوانا شامل ہے۔ یہی باتیں تھیں جس کی وجہ سے انہیں نوبل انعام ملا۔ ویسے ڈاکٹر صاحب نے اپنے دور میں جتنی دھمکیاں عربوں کو دی تھیں شاید ہی دنیا کے کسی ملک کے وزیر خارجہ نے دی ہوں۔ (اسرائیل کے علاوہ)

ایک جانباز خادم کی خودنوشت سوانح حیات بسلسلہ ۲

کی شخصیت بھی بہت قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے بسا اوقات آپ سے تعاون کیا اور آپ کے کارناموں کو سراہا۔ شیخ میاں محمد مرحوم و مغفور کی فراست کی داد دینی چاہیئے۔ جو معاملہ فہمی میں بے مثال تھے آپ کے لکھے ہوئے خطوط میں لکھے ہوئے واقعات سے وہاں کی ساری داستان سمجھ گئے اور آپ کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے بھی اپنے خط میں آپ سے کمال محبت اور الفت کا اظہار کیا۔ وہ بہت نیک اور ہمدرد انسان ہیں۔

آپ نے انجمن کے لئے پبلک کاموں میں انہماک سے کام لے کر اعلیٰ منصوبے تیار کئے وہ سب آپ کی یادگاریں ہیں۔

آپ نے جس محبت بھرے انداز میں میرے بھائی مرحوم کا ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ جب ان کے خطوط پڑھے تو الحمد للہ کہا کہ وہ واقعی آپ کی ستائش کے مستحق تھے۔ احسن صاحب مجھے بار بار یاد آ رہے ہیں۔ میں رو رہا ہوں۔ آنکھوں سے آنسو سیلاب بن کر نکل رہے ہیں۔ طبیعت مضمحل ہو رہی ہے۔ کاشکہ آپ کی پاک زندگی مجھے میسر آتی۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا ہتھیار دعا ہے۔ میں بھی اسی سے کام لیتا ہوں اور میرا اس پر ایمان ہے کاشکہ اس وقت میرے پاس کوئی لکھنے والا ہوتا تو میں اپنا دل چیر کر آپ کے سامنے رکھ دیتا۔ خود روتا۔ آپ کو رلاتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ رکھے۔

فقط آپ کا محمد حسن۔

بچّوں سے محبّت

جس طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچّوں سے بہت محبّت کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ فاروق اگرچہ فطرتاً سخت طبیعت کے بزرگ تھے مگر بچّوں کے لئے آپ کا سینہ جذباتِ محبّت سے خالی نہ تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ جنگ پر گئے ہوئے سپاہیوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے ان کے بچّوں سے پیار کرتے۔ ان کی ناز برداری فرماتے اور ان سے فرماتے یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا باپ باہر گیا ہوا ہے۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ رستہ جاتے بچّوں کو گھیر لیتے ان سے محبّت اور شفقت کی باتیں کرتے اور ان سے کہتے تم میرے حق میں دعا کرو۔

ایک دن کسی صوبے کا گورنر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین لیٹے ہوئے ہیں اور غرباء کے بچّے آپ کے اوپر کود رہے ہیں۔ آپ اُن سے پیار کرتے ہیں اور ان سے کھیل رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس گورنر نے کہا کہ امیرالمومنین! اس طرح بچّوں کے ساتھ کھیلنے سے ہیبت اُٹھ جاتی ہے۔ آپ خلیفہ ہیں۔ رعیّت کے بچّوں کو اس طرح بے تکلفی سے کودنے پھاندنے کی اجازت دینا اور ان کو اپنے سینے اور پیٹ پر بٹھانا شان خلافت کے شایاں نہیں۔ آپ ان کو ہٹاتے کیوں نہیں دیتے۔ جب آپ نے یہ سُنا آپ کے چہرہ کا رنگ متغیّر ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ کیا تم اپنی رعیّت کے بچّوں سے محبت نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمؤمنین! میں نہایت رُعب و داب سے رہتا ہوں۔ بچّوں کو مجھ تک رسائی کہاں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے بڑی غلطی کی کہ تم کو عامل مقرر کیا۔ مجھے خونخوار عاملوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسے عاملوں کی ضرورت ہے جو ہمارے نبیؐ کی اُمت پر شفیق اور مہربان ہوں۔ ہم نے تو اسلام کے باغ کو اپنے خون سے سینچا ہے اور تو چاہتا ہے کہ میں اس باغ کے پھولوں

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

(رپورٹ)

شبان الاحمدیہ کے افتتاحی اجلاس سے

حضرت امیر قوم مولٰنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایمان افروز خطاب

"ہر احمدی مرد اور عورت کو خصوصًا نوجوانوں کو میری ہدایت ہے کہ وہ اسوۂ رسولِ کریم صلعم کو اپنا شعار بنائیں۔ اور علمی و عملی ہر لحاظ سے ایک مثالی زندگی بسر کرنے کے لئے کوشاں رہیں۔ جس کا اثر دوسرے لوگ بھی محسوس کریں"

ان ارشادات کے ساتھ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے یکم جولائی ۱۹۷۷ء بروز جمعہ صبح ۸½ بجے جامع احمدیہ دارالسلام میں ہفت روزہ شبان الاحمدیہ تربیتی کورس کا باقاعدہ افتتاح فرمایا۔ اس موقعہ پر شرکائے کورس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ احیاء و تجدید دین کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک خاص مقام پر کھڑے کئے گئے تھے۔ حضرت صاحب نے براہین قاطعہ کے ذریعہ خدا کو ایک زندہ خدا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زندہ نبی اور اسلام کو ایک زندہ مذہب کے طور پر ثابت کر دکھایا اور تبلیغ و اشاعت اسلام کو اپنا مشن قرار دیا اور اس غرض کے لئے ایک جماعت قائم کی۔ جس نے حضور کے اس مشن کو آگے بڑھانے میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے اور اقوامِ مغرب کو اسلام کی دعوت دی اور بڑے بڑے اہل علم لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔"

اس موقعہ پر نگران شبان الاحمدیہ جناب نذیر رب چوہدری نے جملہ شرکائے کورس کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کورس کی غرض و غایت کے بیان میں فرمایا کہ موجودہ کورس جو یکم جولائی سے آٹھ جولائی تک جاری رہے گا۔ اس میں بزرگان سلسلہ درس قرآن و حدیث کے علاوہ مختلف دینی و جماعتی موضوعات پر اظہار خیال فرمائیں گے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ یہ کورس شبان الاحمدیہ کے مجوزہ پروگرام برائے سال ۱۹۷۷ء کا ایک اہم جزو ہے۔ جس میں نوجوانوں کی دینی، ذہنی اور روحانی تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعے ان کی سلسلۂ احمدیت سے وابستگی کو مستحکم تر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے علاوہ کورس کے اختتام پر "شبان الاحمدیہ کنونشن" کا انعقاد ایک خاص اہمیت کا حامل ہوگا۔ جس میں نوجوانوں کو مل بیٹھ کر باہمی ربط و ضبط بڑھانے کا موقعہ ملے گا۔

چوہدری صاحب موصوف کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سامعین کو اپنی گرانقدر نصائح سے نوازا۔ اور اس تربیتی

یہ تربیتی کورس بفضل خدا بڑی کامیابی کے ساتھ پروگرام کے مطابق جاری ہے۔ کورس کے آخری روز ۸ر جولائی ۱۹۷۷ء کو بروز جمعہ صبح ۸½ بجے "شبان الاحمدیہ کنونشن" ہوگا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ جماعتی زندگی کی بہتری کے لئے نوجوانوں کی ان کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کو سلسلہ احمدیہ کی زیادہ سے زیادہ خدمات کا موقعہ دے۔ آمین۔

وہ رہ جو ذاتِ عزّ و جل کو دکھاتی ہے + وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے
وہ رہ جو یارِ گمشدہ کو کھینچ لاتی ہے + وہ رہ جو جامِ پاکِ یقین کا پلاتی ہے
وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے + وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے

(حضرت مسیح موعودؑ)

سیرتِ نبویؐ — (بقیہ صفحہ ۱)

دے۔ مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کے متعلق حکم تھا کہ:—

تؤخذ من امرائهم و ترد الٰى فقرائهم

ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراء سے لے کر وہاں کے غرباء میں تقسیم کر دی جاتی۔

صحابہ کرام رضؓ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں سے ہوتا تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ "تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا" یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ بیمار پڑی تھی۔ اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مرجائے گی۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ اگر وہ مر جائے۔ تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا۔ تو اس کے بعد دفن کیا جائے۔ اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپؐ آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ رضؓ نے اس وقت آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا اور رات ہی کو دفن کر دیا۔ صبح کو آپؐ نے دریافت فرمایا۔ تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا۔ آپؐ یہ سُن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن .... ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک پورا قبیلہ مانزوار حاضر خدمت ہوا۔ ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا۔ برہنہ تن۔ برہنہ پا۔ کھالیں بدن سے بندھی ہوئی۔ تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ بیحد متاثر ہوئے۔ چہرہ مُبارک کا رنگ بدل گیا۔ اضطراب میں آپ اندر گئے باہر آئے۔ پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا۔ تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ کیا۔

(ماخوذ)

بچّوں سے محبّت — (بقیہ صفحہ ۱۱)

کو اپنے سینے سے نہ لگاؤں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ بچوّں کی فطرت اور ان کی عادت کو خوب سمجھتے تھے۔ اور جائز طور پر آپ کھیلنے کودنے سے نہیں روکتے تھے۔ ایک دفعہ سفرِ حج میں عبداللہ بن زبیر اپنے ہم عمر لڑکوں کے ہمراہ حنظل کے دانے اُچھالتے اور کھیلتے کودتے جاتے تھے۔ آپ نے اُن پر کچھ اعتراض نہ کیا اور اس قدر کہا کہ لڑکو! دیکھنا اونٹ بدک نہ جائے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۶ر جولائی ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر ۲۷

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۵ رجب ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء | نمبر ۲۸

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک وقت آپؐ اپنی فصیح البیانی سے عرب کو محو حیرت بنا رہے ہیں۔ تو دوسرے وقت تیر و تلوار کے میدان میں اپنی شجاعت کے ہنر دکھا رہے ہیں۔ سخی ایسے کہ گھر کا اثاث البیت بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ حلم کا یہ حال ہے کہ واجب القتل شخص کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ غرض آپؐ جمیع اخلاقِ حسنہ میں ایسے بے نظیر اور کامل نمونہ ہیں جس کی اللہ تعالےٰ نے بھی مندرجہ بالا آیت میں تعریف فرمائی ہے۔ اس کی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے۔ جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ اس کا پھل اس کا پھول اس کی چھال اور اس کے پتے غرضیکہ ہر ایک چیز مفید ہو۔ یہ مثال آنحضرتؐ کی ہے۔ جس کے سایہ کے نیچے کروڑہا مخلوق مرغی کے بچوں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر لڑتا تھا۔ کیونکہ آپؐ ہمیشہ خطرناک مقام پر جنگ فرمایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ آپؐ کی کیسی اعلےٰ شان ہے۔ اُحد کی جنگ پر غور کرو۔ کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ کہ صحابہ رضؓ برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر آپؐ ہیں کہ سینہ سپر ہو کر لڑ رہے ہیں۔ اس میں صحابہ رضؓ کا قصور نہ تھا بلکہ اس میں راز یہی تھا۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نمونہ دنیا کو دکھایا جائے۔ ایک موقع جہاں تلوار پر تلوار پڑتی تھی آپؐ لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں نبی اور محمد رسول اللہ ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں آپؐ کو ستر زخم لگے جو خفیف سے تھے۔ یہ تھا آپ کا خلق عظیم۔ پھر آپؐ پر ایک وقت ایسا آیا کہ آپؐ کے پاس اس کثرت سے بھیڑ بکریاں تھیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اتنی نہ ہوں۔ جن سب کو آپ نے راہِ للہ ایک سوالی کو دے دیا۔ اب اگر آپؐ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو سخاوت کیسے فرماتے۔ اور اگر حکومت کا رنگ نہ ہوتا تو یہ کس طرح ظاہر ہوتا کہ آپؐ ایسے حلیم ہیں۔ کہ ایک واجب القتل آدمی کو بھی باوجود مقدرت چھوڑ دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ بھی جب قیدی ہو کر آپؐ کے روبرو آئے تو آپؐ نے فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (پارہ ۱۳) میں نے آج تم کو بخش دیا۔ اگر آپؐ کو ایسا موقعہ میسر نہ آتا تو ایسے اخلاقِ فاضلہ کس طرح ظاہر ہوتے یہ صرف آپؐ ہی کی شان تھی۔ کوئی ایسا خلق نہ تھا۔ جو بدرجۂ غایت آپؐ میں موجود نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اخلاق مشاہدہ اور تجربہ کی محک پر کامل المعیار ثابت ہوئے۔ یہ صرف باتیں ہی نہیں بلکہ ان کی کامل صداقت کا ثبوت ہمارے ہاتھ میں ایسا ہی زبردست موجود ہے جیسے ہندسہ اور حساب کے اصول صحیح اور یقینی ہیں۔ اور ہم دو اور دو چار کی طرح ان کو ثابت کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی اور نبی کا متبع ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے آپ کی مثال ایک ایسے درخت کی دی گئی ہے جس کی جڑھ۔ چھال۔ پھل۔ پھول پتے غرضیکہ ہر ایک چیز مفید۔ راحت رساں اور سرور بخش ہو۔

(منظور الٰہی صفحہ ۱۰۷)

جماعت کی مدد دُعا کیساتھ کرو

میں نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں دُعا کیساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں دُعا کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دیکھو! صحابہ کے درمیان بھی جو لوگ دُعا کے زمانہ کے تھے یعنی مکی زندگی کے۔ جیسی ان کی شان تھی ویسی دوسروں کی نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ جب ایمان لائے تھے تو انہوں نے کیا دیکھا تھا۔ انہوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا لیکن وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اندرونی حالات سے واقف تھے۔ اسلئے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اسی طرح میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں رہا کریں۔ گہرا دوست اور پورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے (تقاریر حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۲۸)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء

اسلامی نظام اور اس کا نفاذ

(از قلم ڈاکٹر اللہ بخش)

(۱)

جمہوریت کی برقراری کے لئے افواج پاکستان کو میدان عمل میں آنا پڑا ہے لیکن اس سے بڑھ کر یہ امر باعث اطمینان ہے کہ پہلے ہی روز زمام حکومت سنبھالنے کے ساتھ ہی جنرل ضیاء الحق صاحب سربراہ افواج نے یہ وضاحت فرما دی کہ چونکہ یہ مملکت اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے اس لئے یہ اسلام کے نام ہی قائم رہے گی اور رہ سکتی ہے، مگر اس سے زیادہ مسرت انگیز یہ امر ہے کہ ایک مسلمان سپاہی کی مانند جنرل صاحب نے اپنے قول کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ پاکستان میں معاشرتی بدیوں کے برخلاف شرعی قوانین کے نفاذ کا فخر جنرل ضیاء الحق صاحب کو ہی حاصل ہوا۔ معاشرہ کے برخلاف لامتناہی بڑھتی ہوئی تباہ کن بدیوں پر شریعت اسلامیہ کے مطابق سزا دہی کا اعلان عام کیا گیا ہے، چوری، ڈکیتی، راہزنی، طبقۂ نسواں کی عزت و حرمت کو برباد کرنے والوں کو اب پاکستان میں موت، کوڑوں اور جائیدادوں کی ضبطی کی کڑی سزائیں دی جائیں گی۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین کی زندگیوں سے انکا جواز اور نفاذ ثابت ہے۔ زمانۂ حال کے بعض معترضین نے کہا ہے کہ اس بارہ میں نعوذ باللہ اسلام ایک وحشیانہ دین ہے مگر یہ مغرب زدہ اصحاب اس بات سے کلیتہً غافل ہیں کہ بعض دفعہ معاشرہ میں یہ بدیاں اس نقطہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ بجز سخت ترین سزاؤں کے بالخصوص بدنی سزا کے ان کا کوئی اور علاج کارگر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہماری بزعم خود اسلامی مملکت پاکستان کی حالت یہی ہو چکی ہے جس سے انکار کرنا حقیقت نفس الامری سے آنکھیں بند کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے بلا خوف لومۃ و لائم جو قدم اٹھایا ہے اور اس کے اعلیٰ نتائج جو رونما ہوں گے ان سے قرآنی سزاؤں کی صداقت ثابت ہو جائے گی۔ ہماری دلی آرزو ہے، سمگلنگ، رشوت ستانی، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری کے بارہ میں بھی اگر ایسی سخت سزائیں دینے کا اعلان کیا گیا تو بہت حد تک مہنگائی ختم ہو کر عوام سکھ کا سانس لینے لگیں گے۔ قرآن کریم ایک نہایت ہی پُر حکمت کتاب ہدایت ہے جس میں معاشرہ کی ایسی زبوں حالی کا نہ صرف علاج مقرر کیا گیا ہے بلکہ اس کی وجہ بھی بتلا دی گئی ہے۔ جب یہ فرمایا **افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسناً۔** کیا اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس کی حالت بدی کے اختیار کرنے میں اس حد تک گر چکی ہے کہ وہ اسے فخر و مباح کی بات یقین کر بیٹھا ہے۔ دنیا میں اس وقت عام طور پر اور پاکستان میں خاص طور پر بعض معاشرتی برائیوں پر فخر و ناز کیا جاتا ہے، جب تک بدی کو بدی سمجھ کر کیا جاتا ہے تو اس وقت تک اس کے مرتکب کی اصلاح پند و نصیحت سے ممکن ہے لیکن جب بدی کا مرتکب، نیک امر کی طرف توجہ دلانے کو تضحیک و تذلیل کا نشانہ بنائے تو ظاہر ہے کہ معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لئے سوائے بدنی اور کڑی سزا کے اور کوئی چارۂ کار رہ نہیں جاتا اگر کسی مملکت کے برخلاف بغاوت یا سازش ناقابلِ معافی جرم تسلیم کیا گیا ہے تو جو شخص یا طبقہ کسی قوم کے برخلاف انتہائی معاشرتی برائیوں میں مبتلا ہو کر اس کی تباہی و بربادی لانے کا موجب ہوتا ہے اسے سخت ترین سزا کو وحشیانہ قرار دینا اپنی جہالت و اندھے پن کا ثبوت دینا ہے۔

جہاں تک موجودہ حکومت وقت کا تعلق ہے اس نے شرعی قوانین نافذ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ دل سے اسلامی نظام کے نفاذ کی قائل ہے، دیگر حکومتوں کی مانند محض نمود و نمائش اور ہردلعزیزی کی خاطر اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اعلان کے مطابق عمل ہو اور ان برائیوں کے برخلاف جو اقدام شروع ہوا ہے وہ مستقل و دائمی ہو کیونکہ صدیوں سے رائج بدیاں چند دنوں یا مہینوں میں ختم نہیں ہو سکتیں۔ اس کے دوام کی صورت کیا ہوگی؟ اس کا جواب تو اہل اقتدار اصحاب ہی دے سکتے ہیں۔

علمائے اسلام کی مدتوں سے یہ خواہش تھی کہ اسلامی حکومت آئے اور شرعی احکام نافذ ہوں۔ اب یہ مستحسن اقدام تو افواج پاکستان نے بخوبی انجام دے دیا ہے اور ان کی دیرینہ آرزوئیں بر آگئی ہیں۔ انہیں جہاں افواج کو خراج تحسین ادا کرنا اور ان کے اس نیک اقدام میں معاونت اختیار کرنا لازم ہے وہاں انہیں معلوم ہے کہ نظامِ اسلام محض شرعی احکامات کے نفاذ تک محدود نہیں بلکہ **حقیقتاً اسلام کا نظام انسان کے باطن کی پاکیزگی سے متعلق ہے۔** بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام ایک ایسے باطنی نظام کا داعی ہے جس کی طہارت قلبِ انسانی سے شروع ہو کر اس کے جملہ جوارح اور بیرونی حرکات و سکنات، معاملات، تعلقات، قلبی احساسات اور تمناؤں پر محیط ہو جاتی ہے۔ **ایک پاک معاشرہ کے لئے ان پاک قلوب کی ضرورت ہے جن میں برائی اور بدی کا خیال بھی نہ آسکے۔** جن دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی ہر وقت بستی ہو اور اس کے عالی احکامات کے رُو برو سر تسلیم خم کرنے کو وہ اپنی نجات یقین کرتے ہوں، خدا کی خوشنودی کے سوا کوئی دیگر جذبہ موجزن نہ ہو۔ خلفاء راشدین کے عہدِ خلافت کو دیکھو وہاں کس فوج یا پولیس نے مداخلت کر کے شرعی قوانین کا نفاذ کیا تھا؟ تاریخ میں تو یہ مرقوم ہے کہ کفار کے مقابل جب قتال کے لئے بھرتی کی ضرورت پڑتی تو خلیفۂ وقت کی ایک اپیل پر ہزاروں مجاہد عوام میں سے لبیک کہہ کے میدانِ عمل میں آ کھڑے ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ محکمۂ قضیٰ جاری کئے گئے کہ مظلوم اپنی شکایات کا ازالہ تلاش کر سکیں، ان عدالتوں میں مساوات کا یہ عالم تھا کہ خلیفۂ وقت اور ایک عام رعایا کا درجہ ایک سا تھا، لکھا ہے جب ایک مرتبہ خلیفۂ وقت کسی جواب دہی کے لئے قاضی کے سامنے گئے تو اس نے از راہِ تکریم ان کو خاص عزت کا مقام دینا چاہا مگر خلیفۂ وقت نے نہ صرف اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ قاضی وقت کو اس ناانصافی اور عدم مساوات پر ملامت کی۔ غرضیکہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ میں نہ کوئی پولیس تھی نہ تیار شدہ فوج۔ بلکہ **بلکہ معاشرہ میں نیکی کا یقین و عمل ایسی سختی سے رائج ہو چکا تھا** کہ بجز استثنائی صورتوں کے ایک فرد کو اسلامی معاشرہ کے برخلاف جانے کی جرأت ہی نہ ہو سکتی تھی۔ اس وقت اسلامی نظام نہ صرف حکومت کے اعلانوں اور احکامات کے نفاذ پر مبنی تھا بلکہ احکامِ الٰہی اور خوشنودی رضائے مولا کا جذبہ دلوں پر اس قدر زبردست طور پر محیط ہو چکا تھا کہ کسی کو بدی کی طرف رغبت کا خیال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ **حکومتِ الٰہیہ نہ صرف حکومتِ وقت تک محدود تھی بلکہ ہر**

نزد خاص و عام کے قلوب و روح پر مستولی ہو چکی تھی۔ اس عجیب باطنی ایمانی و اخلاقی انقلاب کو جب غیر مسلم مؤرخین مطالعہ کرتے ہیں تو وہ بھی حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ولیم میور مؤرخ اسلام تحریر کرتے ہیں کہ حقیقتاً مکہ سے ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قوت قدسی نے جو تین سو اصحاب تربیت دیئے تھے ان کی باطنی اور ظاہری زندگیوں میں **نظامِ خداوندی رائج ہو چکا تھا** اور یہی نظام پاکیزگیٔ قلب و روح تھا جس نے بعد میں مدینہ پہنچ کر ظاہرا شرعی قوانین اور جہاد کی شکل اختیار کی۔ باطنی انقلاب چند مطہر زندگیوں میں پہلے جلوہ گر ہوا اور پھر اس نے بیرونی دنیا میں اپنا جلوہ دکھلایا۔

ع وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

حقیقت یہ ہو جسے غیر مسلم بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں تو ظاہر ہے علمائے کرام و مشائخِ عظام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے دعویدار ہیں ان کے اصل فرائض کیا ہونے چاہئیں۔ **افراد کی ایمانی و اخلاقی عملی اصلاح** جس سے بیرونی دنیا میں اسلامی نظام کے قیام کی خاطر خواہ صورت پیدا ہوتی ہے جیسے خلفائے راشدین کے وقتوں میں ہوا تھا۔ یہ ہے ہمارے علماء و مشائخ کا اصل کام اور ان کا عالی مقام۔ اب تک تو ہم نے قلوب میں اسلامی نظام کو قائم کرنے کی کوئی تحریک نہیں دیکھی لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ البتہ ڈاکٹر علامہ اقبال کے فرمودہ کے مطابق ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا
ہو تو وہ اس فرقہ میں ملے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے"

جماعت احمدیہ کی تشکیل و نظام کی حقیقی غرض و غایت یہی تھی کہ مسلمانوں کی انفرادی اور باطنی زندگیوں میں ایمانی و اخلاقی اقدار پر یقینِ حتمی کے باعث اسلامی نظام قائم و دائم ہو، تاکہ پھر سے دُنیا اسلامی نظام پر عامل ایک جماعت کے نمونہ سے اسلامی اصولوں کی افضلیت و افادیت کی قائل ہو جائے۔

ہم بصد ادب و احترام مسلمان علماء و مشائخ اور دیگر لیڈروں سے عرض کریں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بنیادی اس ضرورت کو محسوس کر کے کوئی ایسا اصلاحی اقدام و نظام قائم کریں جس کے مدِ نظر باطنی اصلاح قلب و روح ہو کیونکہ یہ انہی کا اصل فریضہ ہے جس کی بجا آوری سے ہی وہ عنداللہ خوشنودی و رضائے الٰہی کے مستحق بن سکتے ہیں۔

اخبارِ احمدیہ

— حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ بفضلہٖ تعالےٰ بخیریت ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت و سلامتی کی دُعا فرماتے رہیں۔

— مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح طویل علالت سے حال ہی میں صحت یاب ہوئے ہیں۔ ایک آنکھ کا اپریشن کرایا ہے لیکن ابھی پڑھنے لکھنے کے قابل نہیں ہیں انہیں احباب جماعت کی خاص دُعاؤں کی ضرورت ہے

درخواست دُعا

— مولوی عبدالرحمٰن صاحب امام مسجد، مسجد احمدیہ پشاور اطلاع دیتے ہیں کہ
"ہمارے بھائی عبدالحکیم صاحب مؤذن مسجد احمدیہ کا اپریشن ہوا ہے۔ موصوف بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ حضرت امیرِ قوم ایدہ اللہ۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور دیگر بزرگان جماعت سے دُعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے اس غریب بھائی کو اپنے فضل خاص سے شفا بخشے۔

الحاج عبدالرحیم جگو صاحب کی مانچسٹر میں آمد

(از سید ناصر احمد صاحب مقیم مانچسٹر)

مولانا عبدالرحیم جگو صاحب نے زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغی دوروں میں صرف کیا ہے۔ اب بھی دو بڑے آپریشن کروانے کے باوجود وہ ہالینڈ میں جماعت کی تنظیم کے سلسلہ میں انتھک کوشش کر رہے ہیں۔

گذشتہ سال کے دوران ہالینڈ کی جماعت کے دو مختلف گروپوں کو وہ برلن اور لندن کے مرکزوں میں لائے اور مالی معاملات اور تعاون کی مختلف صورتوں پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ اس مقصد کے پیش نظر اس دفعہ بھی وہ سرینام اور ہالینڈ کے دو بھائیوں کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ احمدیہ ہاؤس لندن میں قیام کے دوران انہوں نے شیخ محمد طفیل اور مسز جمیلہ خان، صدر جماعت سے الگ الگ ملاقاتیں کیں، اور سرینام اور ہالینڈ، برلن مسلم مشن اور لاہور احمدیہ مشن کے باہمی تعاون اور رابطہ کی مختلف تجاویز پر گفت و شنید کی۔ وہ کچھ عرصہ بعد دوبارہ تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مانچسٹر کے احباب مولانا جگو صاحب کی آمد کا عرصہ سے انتظار کر رہے تھے۔ اس دفعہ چونکہ وہ نہایت مختصر وقت کے لئے آئے اس لئے تمام احباب آپ سے نہ مل سکے۔ ۲۵ر جون کی شام کو اچانک اطلاع ملی کہ محترم مولانا جگو صاحب دو اور دوستوں کے ہمراہ اتوار کو بذریعہ ریل مانچسٹر پہنچ رہے ہیں۔ میں اس روز ایک ضروری کام سے بریڈ فورڈ گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے ڈاکٹر ظفر احمد صاحب جو آج کل نائیجیریا سے مانچسٹر میں اقبال احمد صاحب کی عیادت کے لئے آئے ہوئے ہیں موجود تھے۔ انہوں نے پیغام وصول کیا۔ چنانچہ وہ محترم جگو صاحب اور ان کے ساتھیوں کو ریلوے سٹیشن سے اقبال احمد صاحب کی رہائش گاہ پر لائے۔

کھانے کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ ظہر اور عصر کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں۔

وقت کی کمی کے باوجود محفل خاصی دلچسپ رہی۔ جو احباب اس موقعہ پر موجود تھے۔ ان میں سے ذیل کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ ڈاکٹر ظفر احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ڈاکٹر منیرہ احمد
۲۔ انیس احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور والدہ صاحبہ۔
۳۔ جناب سعید عزیز صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ۔
۴۔ جناب آصف گل صاحب۔

رات کے ۸ بجے کی ٹرین سے معزز مہمان واپس تشریف لے گئے انہیں الوداع کہنے کے لئے سٹیشن پر ڈاکٹر ظفر احمد صاحب، جناب سعید عزیز اور ان کی بیگم صاحبہ موجود تھے۔

محترم جگو صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ جب وہ آئیں گے تو کچھ وقت ضرور قیام کریں گے۔

پاکستان میں پہلی مرتبہ

معاشرتی جرائم پر قرآنی تعزیرات کا نفاذ کیا جا رہا ہے ہم اس جرأت مندانہ اقدام پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر میجر جنرل ضیاء الحق کی خدمتیں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔
(ادارہ)

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اخبار "لاہور" اپنے ۱۱ جولائی کے اداریہ میں یوں رقمطراز ہے:۔
"اصولاً تو مارشل لاء اسی دن واجب ہوگیا تھا جب اللہ تعالےٰ کے بیّن احکام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کے نام پر حاصل کئے جانیوالے ملک میں اسلام ہی کے نام پر چالیس لاکھ کلمہ گوؤں کو دائرۂ اسلام سے باہر دھکیلنے کی کربناک جسارت ہوئی تھی ....
.... ظاہر ہے جب خدا اور رسولؐ کے احکام کو پھلانگنے میں کوئی باک نہ رہے تو ملک کے عام شہریوں کے بنیادی حقوق کی طرف کون دیکھتا ہے .... بلکہ اس کے نتیجہ میں بدظنی و بے اعتمادی نے مستقل قسم کی نفرت و مغائرت کی صورت اختیار کرلی .... نفاق و افتراق کی جن راہوں پر ہم چل نکلے ہیں یہ راہیں ہمیں کہاں پہنچا کر دم لیں گی؟ ..."

ہمیں معاصر موصوف کے حرف حرف سے اتفاق ہے لیکن طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "چالیس لاکھ کلمہ گوؤں کو دائرۂ اسلام سے باہر دھکیلنے کی جسارت اللہ تعالےٰ کے بیّن احکام اور آنحضرت صلعم کے ارشادات کو بالائے طاق رکھنا ہے" تو پھر یہ فرمایا جائے کہ چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کو دائرہ اسلام سے باہر دھکیلنے کی جسارت کہاں تک اللہ تعالےٰ کے بیّن احکام اور حضرت نبی کریم صلعم کے ارشادات کے مطابق ہے؟

کاش! اب بھی ہر مسلم جماعت برملا اس واضح اعلان کی جرأت کرے کہ اس کے نزدیک جملہ دیگر کلمہ گو جماعتیں مسلمان اور دائرہ اسلام کے اندر ہیں۔ البتہ اصلاح کی گنجائش تو ضرور موجود ہے جس کے لئے باہمی نفرت و حقارت کی بجائے اخلاق عالیہ محبت و رواداری سے کام لینا، اسلام کا عالیشان نمونہ دکھلانے کا موجب ہوگا۔ اسلام کے تمام مسائل کی نوعیت دینی ہے نہ سیاسی پس مختلف جماعتیں باہمی اتحاد و اخوت کا مظاہرہ بربناء اصولِ دین کریں گی نہ سیاسی اغراض کے ماتحت، تو ہی اسلامی وحدت کا بلند نمونہ پیش ہوکر قابلِ فخر کارنامہ ہوگا۔ جو اسلامی اخوت اس دین کے ہر رُکن میں مرکوز ہے اس کا اظہار اس امر کا متقاضی ہے کہ جملہ مسلمان جماعتیں باہمی ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کریں۔ چنانچہ پاکستان کے مطالبہ کے وقت قائدِ اعظم رح کے نزدیک ہر کلمہ گو مسلم لیگ کا ممبر بنا تھا۔

حضرت اقدسؑ بانیٔ سلسلہ کے ارشاد بھی یہی ہیں:۔

گر کُنی تکفیر قومِ خود چہ کارے کردہ
ور اگر ہردے یہودے را بہ اسلام اندر آر
کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام اے اخی
گر تو داری غیرتِ حق روبیخ کفرِ خود بر آر

وقت ہے تمام مسلمان جماعتیں کلمۂ توحید پر متحد ہوکر کھڑی ہو جائیں۔ باہمی بدظنی و بد اعتمادی اور حقارت و نفرت کی بجائے جذباتِ مودت و مواخات سے باہم منسلک نظر آئیں۔ تکفیر کے مہلک نتائج تو سامنے ہیں، اب علی الاعلان کلمہ گوؤں کی وحدت اور مسلمان ہونے کے برملا اعلانوں کی حاجت پڑی ہے ÷

ہالینڈ مشن کی تبلیغی سرگرمیاں

مولینا عبدالرحیم جگو صاحب اپنے تازہ خط میں رقمطراز ہیں کہ ہالینڈ جرمنی اور انگلستان کے تبلیغی مشنوں کی ایک کانفرنس مدِّنظر ہے جو انشاءاللہ تعالےٰ مستقبل قریب میں منعقد کی جائے گی۔ اسی سلسلہ میں مولانا جگو صاحب جرمنی اور انگلستان کا دورہ کرچکے ہیں۔

آئندہ ستمبر میں وہ اپنے ہیگ سنٹر (DEN HAAG CENTRE) کے باقاعدہ افتتاح کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہاں ایک وسیع مکان تبلیغی مقاصد کے لئے خریدا گیا ہے۔ جو انشاءاللہ جماعت کی قوت اور اشاعت اسلام کی وسعت کا موجب ہوگا۔

مولانا جگو صاحب کو ہالینڈ کے شہر GRONINGEN میں اسلام کی تعلیمات پیش کرنے کی دعوت دی گئی اور آپ نے "اسلام" پر ایک مفصل لیکچر دیا۔ نیز اقتصادیات کے دفتر میں ان کا انٹرویو ریکارڈ ہوا جس میں انہوں نے اقتصادیات کے بارہ میں اسلامی نکتۂ نظر پیش کیا۔

گذشتہ ماہ تین ولندیزی باشندے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) M.M. JOL (۲) M.B. AALDERING اور (۳) M.L. LACHIN۔

انہیں ڈچ زبان میں کتب مہیّا کی جا رہی ہیں۔ احباب کرام ان کی استقامت اور ہالینڈ مشن کی مزید کامیابیوں کے لئے دعا فرمائیں۔

(سیکرٹری تبلیغ بلادِ غیر)

محترم جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع کی لاہور میں تشریف آوری

۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو آپ لاہور میں تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرمایا۔ ۲۰ جون کی صبح کو بعد نماز درس قرآن کریم دیا جو کئی دن تک جاری رہا۔ اس درس میں عجیب وغریب نکات بیان کئے گئے جو پہلے کبھی سننے یا پڑھنے میں نہیں آئے تھے۔ آپ نے زبور، توریت انجیل اور قرآن کریم کو مقابلتہً پیش کیا اور ایک سماں باندھ دیا۔

اس اثناء میں آپ نے دو خطباتِ جمعہ بھی ارشاد فرمائے۔ جن میں سے ایک خطبہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ بھی سامنے بیٹھے تھے اور بہت خوش ہوئے۔ محترم مرزا صاحب بیماروں اور بے کاروں کے گھروں میں بھی تشریف لے گئے اور اپنی گرہ سے ایک ہزار روپے سے اُوپر ان کی مالی امداد بھی کی۔

اس کے بعد آپ کوٹھی ۸۸ دارالسلام میں منتقل ہوگئے اور وہاں محترم این اے فاروقی صاحب کے درس قرآن کریم اور محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے درس حدیث سے مستفید ہوتے رہے اور پھر لائل پور واپس تشریف لے گئے۔

اللہ تعالےٰ ایسے نافع الناس وجود کو تادیر سلامت رکھے۔ آمین

(مرزا غازی محمود بیگ۔ فنانشل سیکرٹری جماعت۔ لائل پور)

تین چیزیں محبّت بڑھانے کا ذریعہ ہیں

* سلام کرنے میں پہل کرنا۔
* دوسروں کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرنا
* مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

(اقوال حضرت عمرؓ)

از قلم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

جماعتِ احمدیہ (لاہور) کیلئے ایک خوشخبری

پیغام صلح مؤرخہ ۲۳ ؍ جون ۱۹۷۶ء میں میرا مضمون بعنوان "کسرِ صلیب کا ایک اور ثبوت" چھپا تھا۔ جس میں میں نے امریکہ کے ایک مشہور عالم رسالے "ٹائم" کے اقتباسات درج کئے تھے کہ امریکہ میں رومن کیتھولک عیسائیوں میں جن کی تعداد قریباً ۵ کروڑ ہے مذہبی انتشار، بد دلی اور بیزاری پھیل رہی ہے۔ عیسائیوں میں اب تک رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ لوگوں سے زیادہ راسخ العقیدہ اور پکے عیسائی سمجھے جاتے تھے۔ ان کے عوام اگر عیسائیت سے پھسل جاتے تو وہ بھی اہم خبر تھی۔ مگر ان کے مذہبی پیشواؤں کے حال کا ذکر رسالہ مذکور یوں کرتا ہے:—

"رومن کیتھولک مذہب سے) ایک زبردست خروج ہوا ہے وہ قریباً ۲۵ ہزار ننوں اور دس ہزار پادریوں کا تھا جس میں ایک نہایت قابل بشپ بھی تھے۔ اُن سب نے اپنے اپنے مذہبی ادارے چھوڑ دیئے ہیں۔ بعض نے تو رومن کیتھولک مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض نے شادی کے ارادہ سے رہبانیت یا پادری کے عہدوں کو چھوڑ دیا ہے۔ (رومن کیتھولک مذہب میں پادری شادی نہیں کر سکتا۔ ناقل) اور بعض نے مایوس ہو کر علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ بعض نے اپنے اعتقادات پر قائم نہ رہنے کا اعلان کیا ہے۔ کچھ نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کی خدمت غیر مذہبی اداروں میں رہ کر کریں گے۔"

رسالہ مذکور نے لکھا ہے کہ امریکہ میں رومن کیتھولک مذہب کے مستقبل سے مایوسی کا اظہار خود اس مذہب کے بعض متکلمین نے کیا ہے تفصیل کے لئے میرے اس مضمون کو پڑھیں۔ مگر یہ تذکرہ عیسائی مرد و زن کے اپنے اپنے ردِ عمل کا تھا۔ لیکن حال ہی میں عیسائیت کے بنیادی عقائد کے متعلق ایک خبر آئی ہے جس نے مجھے یہ مضمون لکھنے کی تحریک کی ہے۔

اہم خبر

دنیا کی سب سے بڑی اور اہم خبر رساں ایجنسی رائٹر نے لندن سے ۲۹ ؍ جون ۱۹۷۷ء کو ایک سنسنی خیز خبر تمام دنیا میں مشتہر کی ہے جو لاہور کے انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز مؤرخہ ۳۰ ؍ جون میں اختصار سے اور لاہور کے انگریزی روزنامہ "دی سن" مؤرخہ ۳۰ ؍ جون ۱۹۷۷ء میں کسی قدر زیادہ تفصیل سے چھپی ہے۔ دونو خبروں کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:—

"مسیح کی خدائی کا فرضی افسانہ"

برطانیہ کے سات ممتاز پروٹسٹنٹ دینی علماء نے منگل (مؤرخہ ۲۸ ؍ جون ۱۹۷۷ء) کے روز ایک باہمی اشتراک سے لکھی ہوئی کتاب کا اعلان ایک پریس کانفرنس میں کیا جس میں مسیح کی خدائی کو چیلنج کیا گیا ہے یہ کتاب جمعہ یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو فروخت کے لئے دکانوں پر رکھی جائے گی۔ اس کتاب میں مضامین لکھنے والے افراد میں پروفیسر جان ہکس ہیں جو برمنگھم یونیورسٹی میں عیسائی مذہب کے پروفیسر ہیں اور مذہبی عالم مارس ویلیز ہیں جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور کرائسٹ چرچ کالج میں عیسائی مذہب پڑھاتے ہیں اور پہلے چرچ آف انگلینڈ کے مذہبی اعتقادات طے کرنے والی کمشن کے چیئرمین تھے۔ تیسرے مصنف ڈیونڈ فان کپٹ ہیں جو عمانوئیل کالج کیمبرج کے ڈین ہیں۔ اسی طرح باقی کے چار مصنفین اہم مذہبی علماء ہیں۔

ان عیسائی مذہب کے ماہروں نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ مسیح نے اپنی زندگی میں کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ انہیں بعد میں سورج پرست اور دوسرے توہم پرست لوگوں کے اعتقادات سے خدا کے بیٹے کا تصور لے کر خدائی کا درجہ دے دیا گیا۔ نہ ہی مسیح نے تثلیث کے عقیدے کی تعلیم دی۔ نہ وہ صلیب پر مرنے کے تین دن بعد جی اُٹھنے کے دعویدار تھے۔ ہاں وہ بہترین انسان تھے جنہیں خدا نے چُنا تھا۔ پچھلے سو سال کے بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح تو کرسچن نہ تھا (یعنے موجودہ عیسائیت سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا)

پروفیسر جان ہکس نے پریس کانفرنس میں کہا کہ اگر یسوع کو خدا کی بجائے خدا کا ایک منتخب انسان قبول کر لیا جائے تو اس کا دنیا کے دوسرے عظیم مذاہب (سوائے اسلام کے وہ کون ہو سکتا ہے کیونکہ یہودی تو حضرت عیسےٰؑ کو بالکل قبول نہیں کرتے۔ اور یہی حال دوسرے مذاہب کا ہے۔ ناقل) سے تعلقات پر اہم اثر پڑے گا۔

کتاب کے پبلشرز کا کہنا ہے کہ یہ کتاب پچھلے دس سال کی سب میں زیادہ لرزا دینے والی مذہبی کتابوں میں سے ہے۔ (انہوں نے لفظ EXPLOSIVE استعمال کیا ہے یعنی بارود سے پھٹنے والی اور اُڑا دینے والی کتاب)

اس خبر کا تجزیہ

اس اہم خبر میں مندرجہ ذیل پہلو نوٹ کرنے ضروری ہیں:—

(الف)۔ یہ کتاب لکھنے والے برطانیہ کے سات مذہبی عمائدین ہیں۔ ساتوں کے نام رائیٹر نے نہیں دیئے مگر جو تین نام دیئے ہیں وہ وہ عالم ہیں جو عیسائی مذہب پڑھاتے ہیں۔ جن کو پڑھاتے ہیں وہ بعد میں پادری اور بشپ اور آرچ بشپ یعنے کلیسا کے چوٹی کے عمائدین بنتے ہیں۔

(ب) اس کتاب نے عیسائیت کے تین بنیادی اعتقادات پر کلہاڑی ماری ہے۔ حضرت عیسےٰؑ خدا نہ تھے بلکہ خدا کے ایک منتخب انسان تھے (جو کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے)۔ انہوں نے تثلیث کے عقیدہ کی کبھی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ وہ صلیب پر مر کر دوبارہ زندہ ہوئے۔ تو جب حضرت عیسیٰؑ کی خدائی گئی، تثلیث کا عقیدہ گیا، ان کی صلیب پر موت کا عقیدہ یعنے مر کر جی اُٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کا عقیدہ گیا تو عیسائیت کا کیا باقی رہا؟

(ج) یہ نظریات صرف ان سات عیسائیت کے ممتاز علماء کے نہیں۔ بہت سے اور عیسائی علماء کے بھی دل میں یہ چور ہے مگر اُنہیں کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ جب یہ کتاب عام ہوئی تو عوام اور خواص یعنے عیسائی مذہبی پیشواؤں کے اعتقادات میں زلزلہ آنا لازمی ہے۔ ان سات ممتاز علماء کی جرأت سے اوروں کو بھی جرأت ہوگی اور عیسائیت افسوس کرتی ہوئی ہلاک ہو جائے گی جو کہ لفظ زھوقا کے معنی ہیں اُس آیت شریفہ میں جو میں نے سرِ عنوان لکھی ہے۔ ہلاکت کے معنی غلبہ یا طاقت کا کھویا جانا ہے۔ ورنہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک کچھ نہ کچھ عیسائی تو رہیں گے۔

قرآن کریم کی فتح

اس پاک کتاب نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ حضرت عیسےٰؑ نے ہرگز نہ تو خدائی کا دعوےٰ کیا نہ تثلیث کا سبق دیا اور وہ اور ان کی والدہ واقعہ صلیب کے بعد وادیٔ کشمیر میں چلے گئے تھے جس کا ذکر ان الفاظ میں ہے و اٰوینٰھما الٰی ربوۃٍ ذاتِ قرارٍ

ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ○ (المؤمنون ۲۳ - ۵۰) ترجمہ: اور ہم نے ان دونوں کو پناہ دی ایک سطح مرتفع میں جہاں پھل اور چشمے ہیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اللہ تعالےٰ سے خبر پاکر سب سے پہلے پتہ دیا کہ سرینگر میں محلہ خانیار میں جو یوز آسف نبی کی قبر کہلاتی ہے وہ حضرت عیسےٰؑ کی ہے اور آج یورپ کے کم سے کم ایک رسالے میں اسی بات کی تائید میں لکھا گیا ہے اور تجویز کیا گیا ہے کہ اس قبر کو اگر کھولا جائے تو یقیناً اس سے اہم انکشافات ہوں گے۔

جہاں تک حضرت عیسےٰؑ کے صحیح عقائد کا سوال ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔ ان میں سورۃ المائدۃ کے آخری رکوع میں یوں فرمایا گیا ہے:—

"اور جب اللہ نے کہا اے عیسےٰ ابنِ مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنا لو۔ (عیسےٰؑ نے) کہا تو پاک ہے مجھے کہاں شایاں تھا کہ میں وہ کہوں جس کا مجھے حق نہیں.......... میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا ربّ اور تمہارا ربّ ہے۔ اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔"

ان آیاتِ کریمہ سے مندرجہ ذیل باتیں نکلتی ہیں:—

(۱) حضرت عیسےٰؑ جب تک لوگوں میں رہے توحید کا سبق دیتے رہے اور عیسائیوں میں تثلیث یا شرک بعد میں آیا جس کا حضرت عیسےٰؑ کو ذاتی علم نہیں۔

(۲)۔ اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں اور دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے تو کیا تب انہیں اس شرک کا علم نہ ہوگا؟ تو پھر قیامت کے دن جیسا کہ عام طور پر اس سوال جواب کے وقت کو سمجھا جاتا ہے وہ کیسے اس شرک کے پیدا ہو جانے سے لاعلمی کا اظہار فرما سکتے ہیں یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں ان کی توحید پرستی کا گواہ تھا "جب تک میں ان میں تھا"۔

(۳)۔ اگلے لفظ "پھر جب تو نے مجھے وفات دی" جس کے بعد شرک پیدا ہوا صاف بتاتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ وفات پا گئے اور یہ سوال و جواب عالمِ برزخ کا ہے کیونکہ ان آیات کے بعد عیسائیوں کا اسی دنیا میں عذاب پانے کا اور ان کی اصلاح کیا جانے کا ذکر ہے۔

قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا یہ ایک زبردست ثبوت ہے کہ آج سے قریباً ۱۴۰۰ سو سال پہلے اس پاک کتاب نے یہ کہا کہ حضرت عیسےٰؑ نے تو خدائی کا اپنے لئے یا اپنی والدہ کے لئے (حال میں حضرت مریم کو بھی خدائی کا درجہ پوپ نے دے دیا ہے) ہرگز کچھ نہیں کہا اور یہ شرک بعد میں ان کی قوم میں پیدا ہوا۔ یاد رہے کہ جب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اس وقت تمام عیسائی دنیا میں یہ راسخ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسےٰؑ نے نعوذ باللہ خدا کا بیٹا (اور خود بھی خدا) ہونے کا دعوےٰ کیا اور تثلیث کی تعلیم دی۔ اُس وقت ایک عرب کے اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے یہ خبر دی گئی کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اور آج عیسائی محققین اور مذہبی عمائدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ کیا اس سے بڑھ کر قرآن پاک کے کلام اللہ ہونے اور رسول اللہ صلعم کے صادق ہونے کا کوئی ثبوت ہو سکتا ہے؟

قرآن پاک نے یہ بھی پیشگوئی فرمائی ہے کہ عیسائی اقوام بالآخر اسلام کو قبول کریں گی اور ان کے دل قرآن پاک کو سن کر کھلتے جائیں گے۔ مختلف حوالوں میں سے ایک سنئے جو سورۃ الجنّ ۷۲ کی آیات ۱تا ۴ میں سے ہے:—

"کہو میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ بھلائی کی طرف ہدایت کرتا ہے سو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اور یہ کہ ہمارے ربّ کی عظمت بہت بلند ہے اس نے نہ جورو بنائی اور نہ بیٹا۔ اور یہ کہ ہم میں سے نادان اللہ پر حق سے دور ہو کر جھوٹ بناتے تھے۔"

بدقسمتی سے لفظ جنّ سے ہمارے دماغوں میں الف لیلہ کے فرضی جنوں کی طرف خیال چلا جاتا ہے۔ ورنہ جنّ کے معنیٰ وہ مخلوق ہیں جو آنکھوں سے مخفی ہوں۔ اسی لئے عربی زبان میں ریگستان میں چھپے ہوئے بدوؤں اور پہاڑیوں میں چھپے ہوئے پہاڑی لوگوں کو جنّ کہا جاتا ہے۔ امیروں اور رؤساء کو بھی جنّ کہا جاتا ہے کہ وہ عوام کی نگاہوں سے اپنے محلات اور پہروں میں چھپے ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات کریمہ میں خدا کی جورو ہونے یا بیٹا ہونے کے جھوٹے عقائد کا ذکر روزِ روشن کی طرح بتاتا ہے کہ یہ عیسائیوں کا ذکر ہے۔ انہیں جنّ اس لئے کہا گیا ہے کہ جب یہ آیات اتریں تو یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام آنکھوں سے اوجھل تھیں۔ یہ آج کل کے واقعات کا ذکر ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے یہ کہلوایا گیا کہ مجھے وحی نے یہ خبر دی ہے۔ ورنہ حضور صلعم کی اپنی زندگی کا اور آپ کے اپنے تجربہ کا یہ کوئی واقعہ ہوتا تو یوں کیوں کہا جاتا کہ کہہ دو کہ مجھے وحی الٰہی سے یہ خبر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مستقبل کی خبر ہے۔

قرآن کی اشاعت

جماعتِ احمدیہ لاہور کو مبارک ہو کہ ان کے کئے ہوئے انگریزی اور جرمن تراجم قرآن آج دنیا میں مستند اور مقبول ہیں۔ وہ لاکھوں عیسائیوں کو امریکہ اور یورپ میں مسلمان کر چکے ہیں جیسا کہ بلالی مسلمانوں کے سربراہ آنریبل مسٹر والس محمد نے لاہور میں ہمارے اجلاس میں خود اقرار کیا تھا۔ انگلستان میں ہی آپ کا انگریزی ترجمہ و تفسیر چھپی اور کچھ پھیلی۔ مگر اب اس کا سٹاک قریب الاختتام ہے اور اس لئے اشد ضروری ہے کہ اسے دوبارہ چھپوایا جائے اور انگلستان میں ان لوگوں یعنی عیسائی دینی رہنماؤں کو خصوصاً دیا جائے جنہوں نے وہ اعلانِ حق کیا ہے جو اس مضمون کے شروع میں مندرج ہے۔ حضرت امیر مرحوم کی وصیت کو یاد رکھو کہ "ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔"

رسول اللہ صلعم کی صداقت:

ہزار ہزار درود اور سلام ہو اس مقدس انسان صلعم پر کہ جس کی ایک ایک بات پوری ہوئی۔ کتنی باتوں کو گنوں۔ آپ کی ہر بات پوری ہوئی۔ عیسائیت کا فتنہ دجال بھی ظاہر ہوا۔ اُس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ اسی زمانہ کے ساتھ حضور کی پیشگوئی تھی کہ مسیح موعود جو اسی اُمت میں سے ایک امام ہوگا ظاہر ہوگا۔ وہ کسرِ صلیب کرے گا۔ اور تاریخ اور لٹریچر کی شہادت کا کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ آپ نے اور آپ کی جماعت نے ایسے زبردست طریقہ پر عیسائیت کے عقائد کو توڑا ہے کہ دوست تو کیا خود عیسائی محققین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ غرض حضور صلعم کی سب کی سب پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ حضور صلعم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال (یعنے عیسائی مذہب کا فتنہ) بالآخر خود ہی پانی میں نمک کی طرح گھل کر ختم ہوگا۔ سو ہمارے ماں باپ حضور صلعم پر قربان ہوں

کہ کیسے آج عیسائی مذہبی عمائدین نے اپنے ہاتھوں سے عیسائی عقائد کو ختم کر دیا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا ونبیّنا محمّد وبارک وسلّم انّک حمید مجید۔

حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت

عیسائی عقائد کے بیخ کنی قلع قمع ہونے کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود نے بھی آج سے ۷۰-۸۰ سال پہلے اس وقت کی جبکہ عیسائیت بڑے زور شور سے اسلام پر حملہ آور تھی اور عیسائی لوگ اپنے عقائد اور اپنے مذہب کو بڑے دھڑلے سے واحد سچا مذہب اور نجات کا ذریعہ سمجھتے اور بتاتے تھے۔ عیسائیت کے اس عروج اور غلبہ کے زمانہ میں پیشگوئیاں کرنا کہ یہ عقائد غلط ثابت ہوں گے اور بالآخر یہ لوگ اسلام کی طرف آئیں گے یہ ایک گاؤں کے رہنے والے کے لئے ممکن ہی نہ تھا سوائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے علم غیب سے یہ باتیں ہونی ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئیاں اس بارہ میں اس قدر ہیں کہ سب لکھنے لگوں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ اس زمانہ میں جبکہ زمین پر دجالیت کا فتنہ زور و شور پر تھا آپ نے فرمایا ؎

آسمان پر دعوتِ حق کے لئے ایک شور ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار
آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

یہ یوسف اسلام کا عروج اور اقبال تھا۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

"عیسائیوں کے حملے اسلام پر اس صدی میں بہت تیزی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ ان کی زبان درازی اور چھیڑ چھاڑ بہت بڑھ گئی۔ اللہ تعالےٰ چاہتا تو ایک دم میں ان کی مخالفانہ کارروائیوں کا فیصلہ کر دیتا۔ مگر وہ اپنا فیصلہ روزِ روشن کی طرح دکھانا چاہتا ہے۔ **اب وقت آ گیا ہے کہ اس مذہب کی حقیقت دُنیا پر کھل جائے**...... میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے اس مُردہ پرستی کے دُور ہونے کے لئے کوئی تحریک نہ بھی ہوتی اور خدا تعالےٰ مجھے بھی نہ بھیجتا تب بھی اس مذہب کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ یہ خود بخود نمک کی طرح پگھل جاتا۔ میں خدا تعالےٰ کی تائیدوں اور نصرتوں کو دیکھ رہا ہوں جو وہ اسلام کے لئے ظاہر کر رہا ہے۔ **اور میں اس نظارہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو موت کا اس صلیبی مذہب پر آنے کو ہے**......... اب وقت آتا ہے کہ یکدم یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوگی اور وہ اس مُردہ پرستی کے مذہب سے بیزار ہو کر حقیقی مذہب اسلام کو اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں گے۔"

(الحکم مورخہ ۱۳ر مئی ۱۹۰۵ء)

ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

"بظاہر عیسائی مذہب کی اشاعت اور ترقی کے جو اسباب ہیں وہ اسباب پرست انسان کو کبھی یقین نہیں دلاتے کہ اس مذہب کا استیصال ہو جاوے گا لیکن ہم اپنے خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اور میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ میں دُنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دُوں۔ پس ہمارا فیصلہ کرنے والا یہی امر ہوگا۔ یہ باتیں لوگوں کی نظر میں عجیب ہیں مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ میرا خُدا قادر ہے۔" (الحکم مورخہ ۱۳ر مئی ۱۹۰۴ء)

ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

"دراصل اب عیسویت سے دستبرداری دنیا میں شروع ہو گئی ہے اور اس مذہب کو جلا دینے والی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ آگ کا دستور ہے کہ وہ اول ذرہ سی شروع ہو کر پھر آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہی حال اب عیسائیت کا ہوگا۔"

(البدر مورخہ یکم فروری ۱۹۰۲ء)

اپنی کتاب سراج منیر کے صفحہ پر آپ نے ۱۸۹۷ء میں لکھا:۔

"یاد رکھو کہ جھوٹے خدائی مسیح کی بہت جلد ختم ہونے والی ہے وہ دن آتے ہیں کہ عیسائیوں کے سعادت مند لڑکے سچے خُدا کو پہچان لیں گے اور پُرانے بچھڑے ہوئے وحدہٗ لاشریک کو روتے ہوئے آ ملیں گے۔ یہ وہ رُوح کہتی ہے جو میرے اندر ہے۔ جس قدر کوئی سچائی سے لڑ سکتا ہے لڑے پر یہ وعدے مبدّل نہیں ہوں گے"

احمدیوں کو مُبارک

قرآن کریم میں ان مومنوں کو جو خدا کے دین کی اشاعت اور باطل دینوں کے مقابلہ پر جہاد میں لگے ہوئے ہیں جہاں آخرت کے ابدی انعامات کے مسحور کن وعدوں کا ذکر ہے وہاں فرمایا واُخریٰ تحبّونہا نصرٌ من اللّٰہ وفتحٌ قریبٌ وبشّر المومنین۔ ۝ (سورۃ الصف ۶۱-۱۳) یعنے ایک اور خوشخبری جسے تم پسند کرتے ہو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نصرت اور فتح جو جلد آنے والی ہے اور مومنوں کو خوشخبری دے دو۔

ہمارے لئے سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ اسلام کی فتح کے دن قریب آ گئے۔ عیسائی مذہبی عمائدین نے اپنے ہاتھوں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دیا۔ اب اسلام کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ بلکہ ان عمائدین نے خود لکھا ہے کہ ہمارے ان انکشافات سے ہمارے تعلقات دوسرے عالمگیر مذاہب سے بہتر ہو جائیں گے اور وہ اسلام کے سوا کوئی نہیں بہر حال ہمیں اپنے قادر خُدا۔ اپنے نبیؐ مخبر صادق صلعم اور امام وقت کی پیشگوئیوں پر یقین کامل ہے خصوصاً اب جبکہ ہم ان پیشگوئیوں کے مشکل ترین حصّہ یعنے عیسائیت کے باطل عقائد کا خاتمہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ اعلان جو لنڈن میں ہوا ہے۔ اُدھر حضرت مسیح موعودؑ کا کشف ہے کہ آپ لنڈن میں ایک منبر پر اسلام کی حقانیت پر تقریر کر رہے ہیں اور آپ نے کچھ سفید پرندے جو تیتروں میں تھے پکڑے ہیں۔ اور آپ نے خود اس کی تعبیر فرمائی کہ آپ خود تو نہیں مگر آپ کی تحریرات مغرب میں جائیں گی اور وہاں کی سعید رُوحوں کو اسلام کی طرف لائیں گی۔

جماعت احمدیہ لاہور نے لنڈن میں جو مشن دو تین سال ہوئے کھولا تھا اس کی حال میں تنظیم نو کی گئی ہے۔ وہاں ابھی ابھی ایک نہایت مستعد اور مجاہد جماعت احمدی نوجوانوں کی تیار ہو گئی ہے۔ ہمارا قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر اور جرمن ترجمہ و تفسیر بعد ضروری اصلاحات کے عنقریب انشاءاللہ چھپنا شروع ہو جائیگا۔ ہماری تمنا اور دُعا ہے کہ ہماری اس چند روزہ زندگی ختم ہونے اور ہماری آنکھیں بند ہونے سے پہلے ہم مغرب میں خصوصاً انگلستان کے باشندوں میں جو اسلام کے مستقبل کے مبلغ اور علمبردار ہونے کی تمام مغربی اقوام سے بڑھ کر صلاحیت رکھتے ہیں اسلام کا جھنڈا بلند ہو جائے۔ بقول حضرت مرزا غلام احمد صاحب سہ

تمام انبیاء کے دین کا خلاصہ ــــ تعظیم لامر اللہ و شفقت علی خلق اللہ

(حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ)

انبیاء کے ماننے میں پچھلوں کے لئے تو بہت آسانی ہے کیونکہ ان کے پاس نمونہ موجود ہے۔ مگر پہلوں کے لئے بہت مشکل تھی۔ دیکھو جس قدر مشکل حضرت آدمؑ و نوح علیہ السلام کے وقت میں تھی۔ وہ نبی کریم صلعم کے وقت میں ہرگز نہ تھی۔ کیونکہ یہود دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے انبیاء جو لائے ہیں نبی کریم ان کے خلاف کچھ نہیں فرماتے۔ تعظیم لامر اللہ۔ شفقت علی خلق اللہ بھی تمام انبیاء کے دین کا خلاصہ ہے۔ پھر ہمارے لئے مسیح موعود کے ماننے میں تو بہت ہی آسانیاں ہیں۔ اولیاء میں جو کچھ بطور امر مشترک موجود تھا۔ وہ ہمارے امام میں بھی تھا۔ آپ جو تعلیم لائے اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں۔

کلمہ شہادت ہے اب اس کے ماننے میں کیسے عذر ہو سکتا ہے۔ پھر یہ اقرار کس شرع اسلام کے خلاف ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اور امر معروف میں بقدر امکان کوشش کروں گا۔ آپ کے کل وظیفے کسی کو معلوم نہیں مگر سبحان اللہ تو ان کی زبان سے سننے والے تو ہم میں بھی موجود ہیں۔ پھر مسیح کی وفات ہے۔ یہ بھی کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ جتنے رسول آئے سب ہی فوت ہوئے۔ کسی نے اپنے سے پہلے نبی کی حیات کا دعویٰ نہیں کیا۔ نبی کریم صلعم کی وفات پر یہ مسئلہ پیش آیا تو ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ سے ابوبکرؓ کی مشکل آسان ہو گئی۔ باوجود اس صاف اور سیدھی تعلیم کے پھر بھی کوئی نہ مانے اور کہے کہ ہم نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا۔ تو یہ لعنت کا نشان ہے۔ سب سے پہلے آدمؑ کے زمانہ میں مسئلہ خلافت پر بحث ہوئی۔ پھر داؤد کو خلیفہ بنایا گیا۔ پھر نبی کریم صلعم کے زمانہ میں بھی یہی مسئلہ پیش آیا مگر ہمیشہ خدا کا انتخاب غالب رہتا ہے۔ یہ عیب چینی کی راہ بہت ہی خطرناک راہ ہے۔ عیسائیوں نے اس راہ پر قدم مار نقصان اٹھایا۔ ایک نبی کی معصومیت کے ثبوت کے لئے سب کو گنہگار قرار دیا۔ پھر آریہ نے یہی طریق اختیار کیا۔ وہ بھی دوسرے مذاہب کو گالیاں دینا جانتے ہیں۔ پھر شیعہ ہیں وہ بھی خلفائے راشدین پر تبرہ بھیجنے کے گناہ میں پڑ گئے۔ ایک دفعہ امرتسر میں میں نے ایک شخص کو قرآن کی بہت ہی باتیں سنائیں۔ میرا آزار بند اتفاق سے ڈھیلا ہو گیا۔ آخر اس نے مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارا پاجامہ ٹخنوں سے کیوں نیچا ہے۔ میں نے کہا اتنے عرصہ سے جو تم میرے ساتھ ہو تمہیں کوئی بھلائی مجھ میں نظر نہیں آئی۔ سوائے اس عیب کے اور یہ عیب جو تم نے نکالا یہ بھی ٹھیک نہیں۔...... گویا اس طرح کہنا لا یعلم۔ لوگوں کا دستور ہے۔ عیب شماری کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا ٹھیک نہیں۔ کچھ اپنی اصلاح بھی چاہیئے۔ ہمیشہ کسی دوسرے کی عیب چینی سے پہلے اپنی گذشتہ عمر پر نگاہ ڈالو کہ ہم نے اتباع رسول پر کہاں تک قدم مارا اور اپنی زندگی میں کتنی تبدیلی کی ہے ایک عیب کی وجہ سے ہم کسی شخص کو برا کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم میں بھی کوئی عیب ہے یا نہیں۔ اور اگر اس کی بجائے ہم میں یہ عیب ہوتا اور ہماری کوئی اس طرح پر غیبت کرتا تو ہمیں برا معلوم ہوتا یا نہیں۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں کسی نے ایک شخص کو جھوٹا کہا اس پر وہ بہت جھنجھلایا کہ اوہ ہم جھوٹے ہیں! فرمایا کیا اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو اتنا ناراض ہو رہا ہے اسے چاہیئے تھا کہ اپنی پچھلی عمر کا مطالعہ کرتا اور دیکھتا کہ آخر کبھی تو میں نے جھوٹ بولا اور خدا نے ہمیشہ ستاری کی ہے پس اب کسی کے کہنے پر میں کیوں اتنا ناراض ہو رہا ہوں۔

لوگ من گھڑت اصول بنا لیتے ہیں اور پھر ان پر کسی کی صداقت کو پرکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم فلاں شخص کی پیٹھ کے پیچھے ہو کر درود پڑھیں گے۔ اگر ولی ہوا تو ضرور اپنی پیٹھ پھیر بیٹھے گا۔ حالانکہ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اس طرح تو کوئی ولی امام صلوٰۃ نہیں بن سکتا، بلکہ صف اول میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگ اس کی پیٹھ کے پیچھے درود پڑھیں گے۔

عیب شماری سے کوئی نیک نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کسی کا عیب بیان کیا اور اس نے سن لیا وہ بغض و کینہ میں اور بھی بڑھ گیا۔ پس کیا فائدہ ہوا۔ بعض لوگ بہت نیک ہوتے ہیں اور نیکی کے جوش میں سخت گیر ہو جاتے ہیں اور امر بالمعروف ایسی طرز میں کرتے ہیں کہ گناہ کرنے والا پہلے تو گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا تھا۔ پھر جھنجھلا کر کہہ دیتا ہے کہ جاؤ ہم یونہی کریں گے۔

تم لوگ جو یہاں باہر سے آئے ہو اگر کوئی نیک بات یہاں والوں میں دیکھتے ہو یا یہاں سے سنتے ہو تو اس کی باہر اشاعت کرو۔ اور اگر کوئی بری بات دیکھی ہے تو اس کے لئے دردِ دل سے دعائیں کرو۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

علم کی اصل غرض خشیۃ اللہ۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء علم پڑھو اس غرض کے لئے کہ لوگوں کو خشیۃ اللہ سکھاؤ مگر علم کی اصل غرض خشیۃ، تہذیب النفس تو مفقود ہو گئی۔ ادھر کتابوں کے حواشی پڑھنے میں سارا وقت خرچ کیا جا رہا ہے مگر ان کتابوں کے مضمون کا نفس پر اثر ہو۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں رام پور میں پڑھتا تھا وہ دیکھتا کہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں صبح کی نماز پڑھ لیتے اور ملاں کو نہ جگاتے کہ رات بھر مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ انہیں جگانے سے تکلیف ہوگی۔ علم تہذیب نفس کے لئے تھا۔ مگر لوگوں نے اسے تخریب نفس، کاہلی اور سستی میں لگا دیا۔ دوسروں کی اصلاح کے دعویدار ہیں مگر اپنی اصلاح سے بے خبر۔ بات کرتے۔ جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں مگر ساتھ ہی جھوٹوں پر لعنت بھی بھیجے جاتے ہیں۔ واعظوں کا بھی یہی حال ہے۔ میں اپنے اندر بھی ایک مصیبت دیکھتا ہوں میرے لئے بھی دعا کرو۔ اپنے لئے بھی، اگر کسی بھائی کا کوئی عیب دیکھو تو تھوڑی قربانی کرو۔ چالیس دن دعاؤں میں لگاؤ پھر کسی سے شکایت کرو۔ ...... خدا کو پانے کے لئے تقویٰ شرط ہے وہ ہمیں اپنے تک پہنچنے کا ایک طریق سکھاتا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کرو تقویٰ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ مدح و ثنا میں غلو کو چھوڑ دو۔ علم کو حاصل کرو مگر عمل کو مقدم رکھو۔

سکرم خان مرتضٰی نمان حسن ——— (بسلسلہ تربیت شبان)

ایک صحابیہ کا استقلال

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر شروع شروع میں بڑے بڑے ظلم وستم کئے گئے۔ لیکن انہوں نے ان تمام ظلموں پر بڑے صبر و استقلال کا اظہار کیا۔ جس قدر اُن پر زیادہ سختیاں کی جاتی تھیں اتنے ہی زیادہ وہ اپنے ایمان میں مضبوط اور ثابت قدم رہتے حضرت بلالؓ جب ایمان لائے تو ان کا آقا ان کو جنگل میں لے جاتا۔ تپتی ریت پر لٹاتا۔ ان کے سینہ پر گرم گرم پتھر رکھتا اور کہتا کہ تم محمدؐ کو چھوڑ دو۔ مگر یہ بہادر احد احد ہی پکارتا رہتے میں ایک خدا کو مانوں گا میں ایک خدا کو مانوں گا۔ اسی طرح دوسرے صحابہؓ پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے مگر وہ ثابت قدم رہے۔

یہ تو مردوں کی حالت تھی؟ عورتیں بھی استقلال اور استقامت میں کم نہ تھیں۔ جب حضرت اُمّ شارق ایمان لائیں تو ان کے رشتہ دار گھنٹوں ان کو کڑکتی دھوپ میں کھڑا رکھتے۔ وہ ان کو کھانے کو شہد دیتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کے استعمال سے بدن میں گرمی پیدا ہوگی۔ اور اس سے ان کو پیاس لگے گی وہ ان کو پانی نہیں دیں گے اور اس طرح بھوک اور پیاس سے تکلیف اُٹھا اُٹھا کر آخر تنگ آ جائے گی۔ اور محمد (صلعم) کا دامن چھوڑ دے گی۔ لیکن آفرین ہے ام شارقؓ کے استقلال پر۔ جس قدر زیادہ ان پر سختی کی گئی اتنا ہی زیادہ ان میں ایمان مضبوط ہوتا گیا۔ اور بالآخر انہوں نے نہایت صاف لفظوں میں اپنے دشمنوں سے کہلا دیا کہ:۔

"تم جو مرضی ہے کرلو۔ اور جس قدر مجھے ستانا ہے ستالو۔ میں خُدا کی قسم کھا کر کہتی ہُوں کہ میں دینِ اسلام کو نہیں چھوڑوں گی۔ اور ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔"

تم خود سوچ لو کہ جب عورتوں کا یہ حال تھا تو مردوں کا کیا حال ہوگا۔ انہوں نے جو صبر اور استقلال کا نمونہ دکھایا وہ بھی تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اصل میں صداقت میں ایک بے نظیر طاقت ہوتی ہے۔ صداقت کے لئے انسان طرح طرح کے دُکھ اُٹھانا اور تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے ان کے دلوں میں صداقت کی ایسی طاقت بھر دی تھی کہ جس کی وجہ سے وہ ہر دُکھ کو بڑی خوشی سے برداشت کرتے ہیں اور ان میں ان کو لطف آتا تھا۔ جب تم بڑے ہوگے اور تاریخ اسلام پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارے بزرگوں نے صداقت کے لئے کس قدر تکلیفیں اُٹھائیں۔ لوگوں نے ان پر کیسے ظلم ڈھائے مگر وہ ثابت قدم رہے۔

قاضی کی جُرأت

بایزید سُلطان ترکی کے عہد میں شمس الدین نامی ایک قاضی تھے جو اپنے عدل و انصاف، تقوےٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مقدمہ ان کی عدالت میں دائر کیا گیا جس میں سلطان کی گواہی تھی۔ جب سُلطان عدالت میں حاضر ہوا تو قاضی نے ان کی شہادت لینے سے انکار کر دیا۔ سُلطان نے پُوچھا آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میری شہادت لینے سے انکار کرتے ہیں۔ قاضی نے جواب دیا:۔ "چونکہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے اس لئے از رُوئے شریعت آپ کی گواہی قابلِ قبول نہیں"۔ اس پر سلطان خاموش رہا اور ایک لفظ بھی زبان سے بول نہ سکا۔

پہلے زمانہ کے قاضی بھی کس قدر جری اور دلیر تھے۔ کہ شریعت کے مقابلے میں بڑے بڑے شخص کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور بادشاہ بھی کس قدر سعید اور نیک سرشت تھے کہ سچائی کے سامنے گردن جھکا دینے میں انہیں کوئی عار نہ تھی۔

یہ وہ روایات ہیں جن پر اسلام کو ناز ہے سُلطان بایزید وقت کا بادشاہ تھا۔ قاضی اس کا مُلازم تھا۔ بادشاہ جو چاہتا اس سے سلوک روا رکھتا۔ مگر انصاف کے سامنے شریعت کے فیصلے کے سامنے اس کو سر جُھکانا پڑا۔ یہ وہ کلچر تھی جو اسلام نے ان کے اندر پیدا کی تھی۔ ایسی مثالیں کسی اور قوم میں نظر نہیں آتیں۔

صدہا سلام اور صلوٰۃ ہوں اسی بزرگ نبی پر جس نے ایسی

از محترمہ مسز صفیہ جاوید صاحبہ
(معاون سیکرٹری دستکاری)

خواتینِ سِلسلۂ احمدیہ کی خِدمت میں

تنظیم خواتین احمدیہ کی دستکاری کی انچارج محترمہ نامرہ ملک صاحبہ کی طویل علالت کے سبب بہنوں کی خدمت میں دستکاری کی نمائش کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی ذمہ داری اس سال پھر اس خاکسارہ پر آ پڑی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس سلسلے میں میری طرف سے توجہ دلانے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ مجھے اُمید ہے کہ سب بہنیں دستکاری تیار کر رہی ہوں گی۔ خصوصًا تعلیمی اداروں میں زیرِتعلیم بہنیں تو اس سال کی طویل تعطیلات سے ضرور فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ دستکاری تیار کریں گی تاکہ ان کی بنائی ہوئی دیدہ زیب دستکاری جلسۂ سالانہ کی رونق میں اضافہ کا باعث ہو۔

گذشتہ سال لاہور کی بہنوں کے بنائے ہوئے جانمازوں کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کے پیش نظر اس سال بھی تنظیم خواتین احمدیہ نے چھوٹے بڑے مختلف سائزوں کے جانماز تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس ضمن میں تمام بہنوں خاص طور پر لاہور میں مقیم بہنوں کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہے۔ تمام بہنیں رضاکارانہ طور پر اس کام میں حصہ لیں، اور جتنی جلدی ممکن ہو بہنیں اپنا نام پیش کریں تاکہ اس محنت طلب کام کو بروقت شروع کیا جا سکے۔

جو خواتین بوجہ مجبورئ صحت خود دستکاری نہ تیار کر سکتی ہوں وہ نقد عطیات بروقت ارسال کر دیں تاکہ یہ رقم جانمازوں کی تیاری میں صرف کی جا سکے۔

اس کے علاوہ اگر کسی بہن کے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی اور تجویز ہو تو ضرور روانہ کیجئے تاکہ اس پر عمل کر کے اس کام کو زیادہ احسن طریقے پر سرانجام دیا جا سکے

اپنی زکوٰۃ انجمن کے خزانہ میں بھجوائیے

جہاں قرآن کریم کے مقرر کردہ مستحقین کی امداد کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شروع ماہ رجب میں دفتر محاسب کی طرف سے فراہمی زکوٰۃ کی اپیل احباب جماعت کو بھیجی گئی تھی۔ اس اپیل کے جواب میں بیشتر احباب نے اپنی زکوٰۃ کی رقوم خزانۂ انجمن میں بھیجدی ہیں۔

ماہ رجب اب قریب الختم ہے۔ لہٰذا جو احباب ابھی تک زکوٰۃ کی رقم نہ بھیج سکے ہوں وہ براہِ مہربانی جلد از جلد اپنی زکوٰۃ کی رقوم خزانۂ انجمن میں بھیج کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (ادارہ)

حق اور حکمت

ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میت را

(۱)

قرآن کریم میں حضرت عیسٰے علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کی تعریف و توصیف میں جو کلمات بیان ہوئے ہیں۔ ان سے نہ صرف عیسائی حضرات نے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے بلکہ خود مسلمانوں نے بھی غلطی کھائی ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا حضرت عیسٰے ایسی تعریف میں منفرد نبی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے یہ دھوکہ کھایا کہ تعلیم فرقان کی رُو سے آپ کو جملہ انبیاء عالم پر فائق و ممتاز قرار دے دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسٰے اور مریم علیہما السلام پر مخالفوں کی طرف سے ایسے اعتراض کئے گئے جو دوسروں پر نہیں ہوئے۔ اس لئے خدا تعالےٰ کو ایسے اعتراضوں کے رَدّ میں خاص طور پر بریت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

اسی طرح حضرت عیسٰےؑ کے معجزات کا ذکر قرآن کریم نے ایسے رنگ میں کیا کہ اس شان و انداز سے کسی دوسرے نبی کے معجزات کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس میں بھی یہی حکمت پنہاں ہے کہ مخالفوں نے حضرت عیسٰےؑ کے کارناموں کو نہایت حقارت و ذلت کی نظر سے دیکھا اور آپ کے مشن کی کامیابی کو مشتبہ قرار دیا۔ خدا تعالےٰ نے اصل حقیقت کو نہایت موزوں و برجستہ الفاظ میں ظاہر فرمایا۔ دوسرے انبیاء کی نسبت عام طور پر ایسے سوالات و اعتراضات پیدا نہ ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے بارہ میں ایسی بریت کی حاجت پیش نہیں آئی۔ غرضیکہ قرآن کریم کے ایسے محکم و بلیغ طرزِ بیان سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ امرِ حق کے پیش کرنے میں حکمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ دو شخص ایک ہی مرتبہ و شان کے ہوں لیکن ان دونوں کے متعلق مختلف طرزِ بیان اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک صاحب مورد اعتراض و طعن و تشنیع ہو۔ مگر دوسرا نہ ہو۔ اکثر حالت یہ ہے کہ دوگونہ ٹھوکر کھائی جاتی ہے۔ وہ طرزِ کلام جو حکمت و مصلحت کے ماتحت ایک خاص ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اختیار کیا گیا اسے حقیقت کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ یا اس سے ہم رتبہ اشخاص کی توہین و تذلیل یا کمتری کا جواز نکال لیا جاتا ہے۔ یعنے حق کے راستہ سے انحراف کر کے ضلالت کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسٰے کے بارہ میں عیسائی اقوام نے کیا۔ عیسائیوں نے حضرت عیسٰے کی شان میں جو تعریفی کلمات بغرض تردید الزامات بیان کئے اُن سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا۔ بلکہ اسے عیسائیت کا اصُول قرار دے لیا۔ کہ گویا باقی انبیاء نعوذ باللہ معصوم نہ تھے بلکہ گناہوں میں ملوث تھے۔ اور یہ صرف حضرت عیسٰےؑ ہی ہیں جو عصمت کے بلند مقام پر کھڑے ہیں۔ یا یہ ٹھوکر کھائی جاتی ہے کہ حق کو پیش کرنے میں حکمت و مصلحت اور ضرورت وقت کا خیال رکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ یہ دونوں راہیں صحیح نہیں۔ امرِ حق کی خاطر حکمت کو نظر انداز کر دینا اور ضرورتِ وقت کو ملحوظ نہ رکھنا ویسی ہی غلطی ہے۔ جیسے یہ کہ وقت و حکمت کی ضرورتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر جس رنگ میں امرِ حق بیان کیا گیا ہے۔ اسے بگاڑ کر باطل اصول تراش لئے جائیں۔

انتہائی مقصد اور ذریعہ حصُول

بے شک یہ عیسائی حضرات کی کھلی ضلالت ہے۔ کہ اُنہوں نے حضرت عیسٰےؑ کو باقی انبیاء سے ایک علیحدہ مرتبہ و شان کا مالک بنا دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت عیسٰےؑ نے خود اپنے کلام میں یا قرآن کریم نے ان کی نسبت جو غیر معمولی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو یہ بے ضرورت بے محل بات تھی۔ بلکہ جہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کا اصل مقصد قیام توحید تھا۔ نہ کہ خدائی کو منوانا۔ وہاں یہ بھی تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ آپ نے اس مقصد کے حصُول کے لئے ضرورتِ وقت کے مناسبِ حال اپنے وجود کو پیش کرنے پر تحدّی اختیار کی۔ جملہ انبیاء عالم کی مانند اصل نصب العین لوگوں کو خدا تعالےٰ کی طرف متوجّہ کرنا تھا۔ مگر خُدائی علم کے ماتحت حضرت عیسٰےؑ کو اس امر پر بکُلی اِطلاع ہو چکی تھی۔ کہ قوم کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خدا تعالےٰ سے بہت دُور نکل جانے کے باعث اس کی طرف توجہ کرنے کے قابل نہیں رہی۔ جب تک کہ وہ خُدا کے کسی زبردست مظہر کو تسلیم نہ کرے۔ پس نہ تو یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسٰےؑ نے خدائی کا دعوٰی کیا۔ اور نہ ہی یہ درست ہے کہ اپنے آپ کو ایسے تحدّیانہ رنگ میں مظہرِ خُدا بیان کرنے میں انہوں نے غلطی کی۔ اگر توحید باری تعالےٰ انتہائی نصب العین تھا تو اپنے زمانہ کے لئے حضرت عیسٰے کا وجود اس مقصد کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا۔ مقصد اور ذریعہ میں وقتی طور پر کوئی فرق نہ رہ گیا تھا۔ اتصال تام تھا۔ جو نصب العین اور ذریعہ حصول میں ایک وقت کیلئے راہ پا گیا تھا۔

حضرت خاتم الانبیاء کی نیابت و خلافت کا مقام

مذکرہ بالا اصُول کے ماتحت ہی خلافت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ آتا ہے۔ ہر زمانہ میں نائب رسول مبعوث ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا اپنا وجود فنائیت کے مقام تک پہنچنے کے باعث علیحدہ روحانی ہستی کا حکم نہیں رکھتا۔ بلکہ آنحضرت صلعم سے فیض یاب ہونے کی وجہ سے وہ آپ کا پرتو ہی ہوتے ہیں۔ اور ان کی بعثت کا مقصد بھی آنحضرت صلعم کی نبوّت کا قیام ہوا کرتا ہے نہ کہ اپنے آپ کو منوانا اصل غرض و غایت۔ روحانی طور پر ہر نائب رسُول کا وجود حقیقتاً نفی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ غلطی کرتے ہیں جو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ خلیفۂ رسول کی بعثت کا مقصد اپنے وجود پر ایمان پیدا کرنا ہوا کرتا ہے۔ یعنے ان کا وجود مؤمن یہ ہوتا ہے اور وہ لوگ جو نائب رسول کے منکر ہوں وہ واقعی طور پر دین اسلام کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ جو شخص کسی دوسرے کی نیابت کا حق ادا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جن حقوق کا مالک ہوگا وہ تمام تر باعث اس کی نیابت یا خلافت ہی ہوگی نہ کہ اس کی اپنی ذات۔ اس لئے جو لوگ اصل بادشاہ کو تسلیم کر کے اس کی بادشاہت کے منکر نہیں۔ صرف نائب کے منکر ہیں۔ انہیں خطا کار قرار دیا جائیگا نہ کہ کافر۔ کیونکہ وہ بوجہ شناخت نہ کرنے کے نائب کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ نہ یہ کہ عمداً شناخت کر کے وہ بادشاہ کے حکم سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ تین بنیادی امور ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے سچے نائبوں میں فرق ظاہر ہے۔

(۱) اصل سرچشمہ فیض روحانیت حضرت خاتم الانبیاء کا وجود ہے۔ اور نائب جو کچھ حاصل کرتے ہیں۔ وہ سب کا سب اسی چشمہ سے حاصل کرتے ہیں۔

(۲) نیابت کے مقام و مرتبہ کو حاصل کر کے خلفاء کی بعثت کی اصل و انتہائی غرض و غایت آنحضرت صلعم کی نبوّت کی تصدیق و تائید اور اس کا دنیا میں قائم کرنا ہوا کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے وجود کو پیش کرتے ہیں۔ تو صرف بطور ذریعہ حصُول نہ اس لحاظ سے کہ ان پر خود ایمان لے آنا مقصود بالذات شئے ہے۔

(۳) نیابت ایک وقتی منصب ہے۔ در اصل رُوحانی بادشاہت ایک

مستقل و دائمی شئے ہے۔ نائب رسول اپنے وقت و زمانہ میں کیسا ہی عظیم الشان شخص ہو۔ لیکن اس کی عظمت اسی کے اپنے زمانہ تک محدود ہوتی ہے۔

ضلالت کی راہ

وہ لوگ یقیناً غلطی خوردہ ہیں جو بادشاہ اور نائب میں تمیز قائم نہیں کرتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ خلفاء اپنی ذات میں کسی خیر و خوبی کے مالک ہوتے ہیں یا یہ کہ ان کی اپنی ہستی پر ایمان لانا انتہائی مقصد ہے۔ اور یا یہ کہ ان کا زمانہ نیابت دائمی ہے۔ لیکن وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو یہ مسلک قائم کر لیتے ہیں۔ کہ چونکہ اصل مقصد و منتہائے نظر آنحضرت صلعم کی نبوت کی تصدیق و تائید ہے۔ اس لئے اس مقصد کا حصول خلیفۂ وقت کی اطاعت و متابعت کے بغیر ممکن ہے۔ حق یہی ہے کہ خلفاء اپنے وجود میں نفی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ لیکن حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ و وقت کے لئے ہر نائب رسول ایک خاص عظمت و شان کا مالک ہوتا ہے اور اس کی اس عظمت و شان کا معتقد ہوئے بغیر اس کے زمانہ میں دین اسلام کی تائید و نصرت ممکن نہیں۔

نائب جب اپنے بادشاہ کے مقابل کھڑا ہوگا۔ تو اس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ لیکن جب وہی نائب اپنے زمانہ کے لوگوں کے مقابل کھڑا ہوگا تو اس کا رتبہ و درجہ نہایت بلند ہوگا۔ اگر نائب کی محبت و عقیدت کا نتیجہ رسول متبوع کی محبت و عقیدت میں اضافہ کا باعث نہیں تو ایسی محبت و عقیدت ضلالت و گمراہی ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ نائب کے زمانہ میں بجز اس کی محبت و عقیدت کے واسطہ کے رسول سے سچی و اعلیٰ درجہ کی محبت و عقیدت کا پیوند لگانا ممکن ہے۔ جہاں نائب اپنے رسول کے مقابل سمندر میں صرف ایک قطرہ کا حکم رکھتا ہے۔ یا بے شمار پھلوں میں سے صرف ایک پھل ہے۔ وہاں وہی نائب اپنے زمانہ کے لئے دوسرے لوگوں کے بالمقابل ایک عظیم الشان رفیع الدرجات ہے اور بجائے خود ایک سمندر ہے۔

ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

سلامتی و حق نہ اس امر میں مرکوز ہے کہ نائب اور رسول کے امتیازی نشانوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور نہ ہی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ نائب کے رتبہ و مقام کو اس کے زمانہ کے لوگوں کے بالمقابل ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے۔ صراط مستقیم بال سے باریک راستہ ہے اور اس باریکی کو شناخت کرنے اور اسے ملحوظ رکھنے میں ہی کامیابی کی ساری کلید مضمر ہے۔ جو لوگ حُبّ نائب رسول میں فنا ہو کر اسی کو ماوٰی و ملجا قرار دے لیتے ہیں اور ان مقاصد کی تکمیل سے غافل و بے پروا ہو جاتے ہیں۔ جو حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہیں۔ انہوں نے نصب العین کو کھو دیا۔ لیکن ان کے بالمقابل اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کے اصل مقاصد کی تکمیل نائب رسول کے دامن سے سچی محبت و عقیدت کے تعلقات قائم کئے ہوئی ممکن ہے تو یہ بھی غلطی اور نظر کا فریب ہے۔ نائب کا مقصد بجز تائید رسول اور کچھ نہیں۔ اور تائید و نصرت رسول نائب کے زمانہ میں بجز اسی کے ذریعہ واسطہ کے کسی اور راہ سے ممکن نہیں۔ (ماخوذ)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرونی دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

شبان الاحمدیہ تربیتی کورس

(بسلسلہ صفحہ ۲)

کے ورثہ کے وارث بن سکیں۔"

اس موقعہ پر محترم میرزا مسعود بیگ صاحب نے مرکزی انجمن کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکائے کورس کو مبارک باد دی اور نصیحت فرمائی کہ:

"اپنے اپنے علاقے میں جا کر ان آٹھ دنوں میں سیکھی ہوئی باتوں کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیں ـــــ ان کو باقاعدگی سے جاری رکھیں ـــــ اور اپنی مرکزی تنظیم سے ضرور رابطہ رکھیں کیونکہ یہی کسی تنظیم کی روح ہے۔"

بعدہٗ نگران شبان الاحمدیہ جناب نذر ربّ چوہدری نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"یہ ہمارا اوّلین تجربہ تھا، یہ کہاں تک کامیاب رہا یہ آپ شرکائے کورس کی زبانی سُن ہی چکے ہیں۔ البتہ ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ اس کورس کو مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا، جس کا انشاء اللہ اگلے کورس کے وقت خیال رکھا جائے گا۔"

آپ نے مزید فرمایا کہ:۔

"اس کورس کی کامیابی کے لئے ہم جُملہ شرکائے کورس اور خصوصاً حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب۔ محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی۔ محترم مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری۔ محترم مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی۔ محترم مولانا عبدالمنان صاحب عمر۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔ محترم میرزا مسعود بیگ صاحب۔ محترم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد۔ محترم چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ اور جناب اعظم علوی کے فرداً فرداً شکر گذار ہیں کہ ان بزرگانِ سلسلہ اور فاضل مقررین نے نہ صرف خود نہایت معلومات افزاء اور عالمانہ ارشادات سے شرکائے کورس کو نوازا ـــــ بلکہ ہمارے اکثر اجلاس ہا میں بھی شریک ہو کر ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔"

تربیتی کورس کے اس الوداعی اجلاس کے آخر میں محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر جُملہ شرکائے کورس کی تواضع پُر تکلّف چائے سے کی اور اس طرح یہ آٹھ روزہ تربیتی کورس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ؏

خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے؟ اے سننے والو سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ (حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۲۸

چھٹ

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۹ شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۰

مَلفُوظات حضرت مجدّد صد چہاردہم علیہ السّلام

صِراطِ مُستَقیم

دل کو پاک صاف کرنے کیلئے ایک جہاد کی ضرورت ہے

بات یہ ہے کہ صلاح کی حالت میں انسان کو ضروری ہوتا ہے کہ ہر ایک قسم کے فساد سے خواہ وہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال کے متعلق، پاک ہو۔ جیسے اِنسان کا بدن صلاحیّت کی حالت اس وقت رکھتا ہے۔ جب سب اخلاط اعتدال کی حالت پر ہوں۔ اور کوئی کم زیادہ نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی خلط بھی بڑھ جائے تو جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر رُوح کی صلاحیّت کا مدار بھی اعتدال پر ہے۔ اسی کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں صِراطِ مُستقیم ہے۔ صلاح کی حالت میں انسان محض خدا تعالےٰ کا ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت تھی۔ اور رفتہ رفتہ صالح انسان ترقی کرتا ہُوا مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور یہاں ہی اس کا انشراح صدر ہوتا ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کرکے فرمایا الم نشرح لک صدرک ہم انشراح صدر کی کیفیّت کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے

یہ بات بحضور دِل یاد رکھو کہ جیسے بیت اللہ میں حجرِ اسود پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب سینہ میں پڑا ہوا ہے۔ بیت اللہ پر بھی ایک زمانہ آیا ہوا تھا۔ کہ کفّار نے وہاں بُت رکھ دیئے تھے۔ ممکن تھا کہ بیت اللہ پر یہ زمانہ نہ آتا۔ مگر نہیں اللہ تعالےٰ نے اس کو ایک نظیر کے طور پر رکھا۔ قلبِ انسانی بھی حجرِ اسود کی طرح ہے۔ اور اس کا سینہ بیت اللہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ماسوی اللہ کے خیالات وہ بُت ہیں جو اس کعبہ میں رکھے گئے ہیں۔ مکّہ معظّمہ کے بُتوں کا قلع قمع اس وقت ہُوا تھا۔ جب کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ وہاں جا پڑے تھے۔ اور مکّہ فتح ہو گیا تھا ان دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے۔ اور حقیقت میں اُن کی شان ملائکہ ہی کی سی تھی۔ انسانی قوٰے بھی ایک طرح پر ملائکہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جیسے ملائکہ کی یہ شان ہے کہ یفعلون ما یؤمرون اسی طرح پر انسانی قوٰے کا خاصہ ہے۔ کہ جو حکم ان کو دیا جائے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ایسا ہی تمام قوٰے اور جوارح حکم انسانی کے نیچے ہیں۔ پس ماسوی اللہ کے بتوں کی شکست اور استیصال کے لئے ضروری ہے کہ ان پر اسی طرح سے چڑھائی کی جائے یہ لشکر تزکیۂ نفس سے تیار ہوتا ہے۔ اور اسی کو فتح دی جاتی ہے۔ جو تزکیہ کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ قد افلح من زکّھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو کُل جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیسی سچّی بات ہے آنکھ۔ کان ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ جس قدر اعضاء ہیں۔ وہ دراصل قلب کے ہی فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ ایک خیال آتا ہے۔ پھر وہ جس اعضاء کے متعلق ہو وہ فوراً اس کی تعمیل کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ غرض اس خانہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے ایک جہاد کی ضرورت ہے اور اس جہاد کی راہ میں تمہیں بتاتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو ان بتوں کو توڑ ڈالو گے۔ اور یہ راہ میں اپنی خود تراشیدہ نہیں بتاتا بلکہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں بتاؤں اور وہ راہ کیا ہے؟ میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ یہ آواز نئی آواز نہیں ہے۔ مکّہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی کہا تھا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اسی طرح پر اگر تم میری پیروی کرو گے تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح پر سینہ کو جو طرح طرح کے بتوں سے بھرا پڑا ہے۔ پاک کرنے کے لائق ہو جاؤ گے۔ تزکیہ نفس کے لئے چلّہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ نے چلّہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ ارہ اور نفی و اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے۔ بلکہ ان کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں محو تھے۔

جناب شیخ اللہ بخش صاحب ــــــ سیکرٹری جماعت بدوملہی

شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کی تربیتی کلاس کے بارے میں میرے تاثرات

احمدیت ایک بیش قیمت میٹھا پھل ہے۔ اور اس کا مزہ چکھنے کیلئے ہمارے بزرگوں کو بڑی کٹھن منزلیں طے کرنا پڑیں۔

۱۹۷۳ء میں جنوبی امریکہ سے آمدہ وفد کے ایک معزز رکن نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے جلسہ میں شامل ہونے والے احباب میں پچاس سال سے کم عمر کے بہت کم سامعین دکھائی دیئے۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ نوجوان بڑی قلیل تعداد میں شامل ہوئے۔ ان کا یہ فرمانا بجا تھا اور ہماری توجہ کو اس امر کی طرف جسے ہم سالہا سال سے پسِ پشت ڈالتے آئے ہیں۔ مبذول کرنا تھا۔ کہ جو قومیں اور جماعتیں اپنے کاروبار اور معمولات میں اپنے نوجوانوں کو شریک کرنے سے غفلت برتتی اور انہیں مستقبل کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق کماحقہ تیار کرنے سے رُوگردانی اور چشم پوشی کرتی ہیں، تاریخ کا عمل ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہمارے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوا اور ۱۹۷۴ء کے روح فرسا واقعات نے بجز در پردہ رحمت تھے خوابِ گراں سے ہمیں بیدار کر کے ایک نئے دور میں نئی کروٹ لینے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہمارے نوجوانوں میں اپنی قوم کے مخدوش مستقبل کو سہارا دینے کے لئے احساسِ ذمہ داری پیدا کر دیا اور انہوں نے کُل پاکستان بنیاد پر اپنی ایک فعال تنظیم "شبان الاحمدیہ مرکزیہ" کے نام سے ترتیب دی۔ اس تنظیم کے نگرانِ اعلیٰ ہمارے جواں ہمت۔ مخلص اور غیرت مند سپوت جناب چوہدری نذر ربّ صاحب۔ صدر جناب شوکت حمید صاحب (لائل پور) سیکرٹری شاہد جنجوعہ اور سیکرٹری نشر و اشاعت زاہد جنجوعہ اور خزانچی انوار احمد صاحب ہیں۔ ان سارے نوجوانوں کی رگوں میں پُر جوش۔ صالح اور اپنی قوم کے لئے درد و جذبہ سے معمور خون گردش کرتا ہے۔ اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے چمنستانِ خزاں دیدہ میں اُمیدوں کی چند کلیاں کھلنا شروع ہوئی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ ہماری زندگی میں چٹک کر غنچے اور پھر پھول بنیں جن کی خوشبو سے فضائے وطن معطر ہو جائے۔ آمین۔

اس کی ابتداء اس تربیتی کورس سے ہوتی ہے جو شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے نوجوانوں کی تربیت کے لئے یکم جولائی ۱۹۷۷ء تا ۸ر جولائی ۱۹۷۷ء منعقد کیا۔ یہ دیکھ کر میری مایوسی اُمید میں بدل گئی اور مجھے راجہ محمد افضل صاحب کا وہ رؤیا یاد آتا ہے جس میں انہیں یہ دکھایا گیا تھا کہ "فضلِ الٰہی پہلے سے بھی بڑھ کر ہوگا" اور تذکرہ کے صفحہ ۱۹۹ کے یہ الفاظ بھی یاد آتے ہیں کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔

دارالسلام میں زندگی کیسے پیدا ہوئی؟ اگر اس کا بھی ایک مختصر سا خاکہ کھینچ دوں تو نا مناسب نہ ہوگا۔ ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو اپنے ہم وطن بھائیوں کے ہاتھوں جو ابتلاء پیش آیا وہ اپنے وطن کے ایک محسن انسانیت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو ایبٹ آباد سے اُٹھا کر دارالسلام میں لے آیا۔ یہاں پہنچ کر اُنہوں نے اپنے ماضی سے رشتہ بکلی منقطع کر کے سلسلۂ عالیہ احمدیہ کی خدمت کو اپنا شعار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ باقاعدہ نمازوں اور درس کا اہتمام کیا۔ شروع شروع میں اُنہوں نے دبی زبان میں شکایت کی ہم جب نماز پڑھتے اور درس دیتے ہیں تو ہمارے نوجوان باہر لان میں مصروفِ لہو و لعب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ اس لئے شاق گذرا کہ وہ جہاں بھی رہے انہوں نے اپنے اردگرد ایک ایسا حلقۂ احباب جمع کر لیا جو ان کے اشاروں پر چلنا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا۔ ان کی صبحیں۔ شامیں اور عشائیں نمازوں۔ دعاؤں اور درسوں میں بسر ہوتی تھیں۔ میں نے راجہ محمد افضل صاحب کو جو ان دنوں ہمارے ہاں مبلغ تھے دارالسلام میں بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی کیونکہ اگر مرکز زندہ ہو تو اس کی شاخوں کے ہرا بھرا ہونے کا انتظام بھی ہو جاتا ہے۔ راجہ صاحب کے یہاں

مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب شبان سے خطاب فرما رہے ہیں۔

آنے سے بچوں اور بچیوں میں دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ گرد و غبار میں لوٹ پوٹ ہونے میں گذرنے والا وقت اب نمازوں اور قرآن خوانی میں صرف ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ فضا بدلتی گئی اور آج ہمیں خدا کے فضل سے یہاں ایک صحیح احمدی ماحول نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو بیرونی جماعتوں مثلاً لندن۔ جرمنی۔ ہالینڈ۔ امریکہ ٹرینیڈ۔ گیانا اور سرینام کے دورہ کا بھی موقع ملا جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ اور اُن جماعتوں میں بھی ایک نئی زندگی لوٹ آئی ہے۔ دارالسلام میں تربیتی کورس کا انعقاد بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگر ابتداء نیک ارادوں اور اچھی نیتوں کے ساتھ کی جائے تو انتہاء بھی اچھی ہوتی ہے۔ اللہ ایسا ہی کرے۔

اس تربیتی کورس نے ہماری رُوحوں کو ایک تازگی شگفتگی اور جلا بخشی۔ ان آٹھ مبارک دنوں میں جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا نمازوں میں اپنے مخصوص ملکوتی انداز میں قرآن شریف پڑھنا اور سوز و گداز سے دعائیں کرنا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ جناب نصیر احمد صاحب فاروقی نے اپنے درسوں میں قرآن شریف کے معارف و نکات عام فہم اور سادہ پیرایہ میں

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء

اپنی کوتاہیوں کا الزام خدارا قائدِ اعظم کو مت دو

ابتدا ہی سے پاکستان جن مختلف بحرانوں کا شکار رہا ہے ان کے مجموعی اثر کا یہ قابلِ افسوس نتیجہ نکلا ہے کہ لوگ سنگین مایوسی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کے بعد تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم یا خاموش کردار ادا کیا اور اگست ۱۹۴۷ء کے اعلانِ آزادی پر گھی کے چراغ جلائے آج اس مایوسی کے عالم میں ان کی زبانیں بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہیں کہ پاکستان کا مطالبہ ہماری ایک بھول تھی۔ اور جو شروع سے ہی اس کے مخالف تھے وہ تو دل پر چرکے لگانے اور زخموں پر نمک چھڑکنے کے لئے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ یہ "دو قومی نظریہ" کی بنیاد پر یہ مطالبہ سیاسی لحاظ سے کسی طرح بھی بجا اور درست نہیں۔ اور اس سے بھی دو قدم اور آگے بڑھ کر وہ قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی شان میں دل دکھانے والے بڑے نازیبا اور گستاخانہ کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ پاکستان کی ساری مشکلات اور مصائب کی ذمہ داری آج قائدِ اعظمؒ کے نحیف و نزار کندھوں پر ڈالی جا رہی ہے۔ گلیوں، کوچوں، بازاروں، نجی محفلوں، بسوں اور ریل گاڑیوں میں بڑے زور و شور سے اس کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور وہ نوجوان نسل جس نے پاکستان بننے کے بعد آزادی کی فضا میں آنکھیں کھولیں اور تحریکِ پاکستان کا پس منظر اور اسباب اس کی آنکھوں سے جان بوجھ کر اور ارادتاً اوجھل رکھے گئے ہیں اس قسم کے پروپیگنڈا کے زہریلے اثرات سے بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ اور خطرہ یہ ہے کہ اگر اسی نسل کا جس نے آگے چل کر اس وطن کے نظم و نسق کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں اپنے ملک کی بقا پر اعتماد متزلزل ہو جائے تو اسے قائم رکھنے کے لئے نگاہِ امید کس طرف اٹھے گی۔

یہ اب کوئی سربستہ راز نہیں کہ ملک کو اس افسوسناک حالت تک لانے میں ان تخریب پسند اور مفاد پرست عناصر کا بہت بڑا دخل ہے جو پہلے دن سے ہی تحریکِ پاکستان اور اس کے رہنمائے اول حضرت قائداعظمؒ علیہ الرحمۃ کے اشد ترین مخالف تھے اور آپ سے اس حد تک متنفر تھے کہ آپ کو "کافرِ اعظم" تک کہہ ڈالا۔ مسلمانوں کی اس تحریکِ آزادی کی راہ میں ہر قدم پر کانٹے بچھائے۔ ان میں تفریق اور انتشار پیدا کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا، لیکن قائدِ اعظم کے بے لوث جذبۂ قومیت۔ عزم و حوصلہ۔ ہمت اور خدا داد سیاسی بصیرت اور قابلیت کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی مگر جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے انتقام لینے کی خاطر اپنی سرگرمیوں کا رُخ بدل ڈالا اور کرۂ ارض پر قائدِ اعظم کے اس یادگار کارنامے کو مٹانے کے لئے "یقینِ محکم۔ اتحاد اور تنظیم" کے نعرہ کی تہ میں تباہ کن بارود بھرنے کے لئے قوم میں طبقاتی اور مذہبی منافرت کے بیج بونے شروع کر دیئے۔ کیونکہ اس طرح جب قوم کی شیرازہ بندی درہم برہم ہو جائے گی تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ قوم ذہنی اور روحانی پریشانی اور اضطراب کا شکار ہو جائے گی اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ ایسی آزادی سے متنفر ہو کر غلامی کو ترجیح دینے لگے گی۔ اس کے ساتھ ہی نفرت کا یہ جذبہ قائدِ اعظم کی ذات کی طرف منتقل ہو جائے گا کہ وہی اس کے ذمہ دار تھے۔ یہاں تو یہ تک کہہ دیا گیا ہے کہ قائدین تحریکِ پاکستان "لا الٰہ الا اللہ" کا جو نعرہ لے کر اٹھے تھے وہ اسے عملی جامہ پہنانے میں مخلص نہ تھے۔

یہ کس قدر احسان فراموشی ہے کہ جس انسان نے برِصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی بارہ تیرہ کروڑ آبادی کو غلامی کے جوئے سے آزاد کر کے ایک علیحدہ وطن دلانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا آج ۳۰ سال بعد اسی کو اس ملک کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کے لئے الزام دیا جا رہا ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ بنانے والوں کی نیت میں ہی کچھ فتور تھا۔

موسمِ سرما کی سرد ہواؤں کو مخاطب کرتے ہوئے انگریزی کا ایک مشہور شاعر کہتا ہے:—

ترجمہ:— "موسمِ سرما کی یخ بستہ ہواؤ تم آزادی سے چلتی رہو تم
اتنی بے رحم نہیں۔ اور تمہارا میرے جسم کو تیر و نشتر کی طرح
چھید کر نکل جانا اذیت ناک نہیں" جتنی انسان کی احسان فراموشی"۔

آخر قائدِ اعظم کے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ دولت۔ عزت۔ شہرت سب کچھ انہیں حاصل تھا۔ ہندوستان کے روح فرسا سیاسی حالات اور مسلمانوں کی اندرونی حالت سے شکستہ خاطر ہو کر انہوں نے غریب الوطنی کی زندگی اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ مسلمانوں کی قیادت کا دعوے کرنے والے بڑے بڑے قائدین اور عمائدین یہاں موجود تھے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے بھی یہیں تھے۔ مسلمانوں کی لیڈر شپ کا بار اٹھانے کے لئے انہوں نے اپنے کندھوں کو کیوں ناتواں پایا اور قائدِ اعظم کو اتنی دور سے واپس بلانے کے لئے جد و جہد شروع کی۔ وہ جانتے تھے کہ سفید کاغذ پر خاکہ تیار کرنا اور بات ہے مگر رنگوں کے حسین امتزاج سے اس میں دلآویزی پیدا کرنے کے لئے ایک ماہر آرٹسٹ کی انگلیوں کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ مسلمان بھی اپنی لیڈرشپ کسی دوسرے کو سونپنے کے لئے کبھی تیار ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قائدِ اعظم کو بمنت سماجت یہاں بلایا گیا، کیونکہ یہ نام نہاد لیڈر بخوبی جانتے تھے کہ مخالف قوتوں کے دانتوں سے مسلمانوں کے لئے حقوق چھیننا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ اگر کوئی یہ کارنامہ سر انجام دے سکتا ہے تو وہ صرف محمد علیؒ جناح ہی ہے۔ بنیم قوم کی بے بسی "جناح" کو سمندر پار سے اس وقت کھینچ لائی جب آپ کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی اور آپ کی جسمانی توانائیاں زوال پذیر تھیں۔ مگر مقصد کی لگن نے آپ کی ضعیف رگوں میں ایک بجلی سی دوڑا دی۔ رات دن کی لگاتار اور ان تھک محنت نے قوم کو ایک جھنڈے کے نیچے آپ کے گرد جمع کر دیا۔ اس وقت کی مسلمان قوم نے آپ کو "قائدِ اعظم" اور "پاسبانِ ملت" کا خطاب دیا۔ مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آپ کی تشریف آوری پر سٹریچی ہال میں منعقدہ جلسہ کے دوران میں جو نظم پڑھی گئی اس کا ایک شعر آج بھی راقم الحروف کے کانوں میں بار بار گونجتا ہے۔ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے اگر اس میں کوئی تصرف ہو گیا ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں:—

اے قوم اپنے قائدِ اعظم پہ فخر کر
ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح

اس دور کی قوم نے اپنے "قائدِ اعظم" پر کتنا فخر کیا۔ کتنی جان چھڑکی اور کتنا ساتھ دیا یہ "آج" کی نسل نہیں جان سکتی۔ محض جذبات میں آ کر نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کا قائد اتنا بے لوث۔ بے غرض اور مخلص انسان تھا کہ گاندھی کو بھی یہ کہنا پڑا "جناح کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جا سکتا۔" ورنہ قائدِ اعظم اگر سمجھوتہ کر لیتے تو متحدہ ہندوستان کے وزیرِ اعظم ہوتے جو پاکستان کا گورنر جنرل بننے سے کہیں بلند تر عہدہ تھا۔ آج اپنی قوم کے قدر ناشناس انسانوں کی زبانی یہ سنا جا رہا ہے کہ قائدِ اعظم نے محض ایک ملک کا سربراہ اور گورنر جنرل ہونے کی خاطر یہ سب کچھ کیا۔ اس بدقسمتی سے نام اس جناح کے بارے میں لیا جا رہا ہے جس کی زندگی

کا آخری لمحہ بھی فائلوں کی ورق گردانی میں بسر ہوا۔ وہ سراپا ایثار و قربانی اور یہاں یہ بدگمانی۔ معاذاللہ۔ آپ کو مہلت ہی کتنی ملی کہ وہ اس ملک کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر جاتے۔ یہی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء تک جب آپ کی روح اس قفسِ عنصری سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئی۔ یہ ایک سال اور تقریباً ایک ماہ کا بھی وہ عرصہ ہے جب جان لیوا بیماری نے آپ کے جسدِ مبارک کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ آپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد ان پاکستان دشمنوں۔ مفاد پرستوں۔ اور بندگانِ ہوس کی بن آئی جنہیں آپ کے سامنے سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیل کانٹے سے لیس وہ اپنی زیرِ زمین پناہ گاہوں سے حشرات الارض کی طرح نکل آئے، اور جس میدان یا شعبۂ زندگی میں اپنی تخریبی قوتوں کو بروئے کار لانے کی گنجائش دیکھی اسی میں گھس گئے۔ جن آرزوؤں اور اُمنگوں کی تکمیل کے لئے پاکستان آگ و خون کے سیلاب سے گذر کر بنا تھا وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔ سر دولت و اقتدار کے لات و ہبل کے قدموں میں جھک گئے۔

تحریکِ پاکستان کی تاریخ کا ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کر ڈالئے۔ قائدِ اعظم کی تقریریں چھان ڈالئے آپ کو یہ کہیں نہیں ملے گا کہ آپ نے اپنی قوم کو لوٹ کھسوٹ۔ مار دھاڑ۔ قتل و غارت۔ غنڈہ گردی گھیراؤ جلاؤ۔ مذہبی اور طبقاتی منافرت۔ صوبہ پرستی۔ سمگلنگ۔ چور بازاری ذخیرہ اندوزی۔ بدپرستی۔ چوری۔ ڈاکہ۔ رشوت خوری۔ شراب خوری اور بدکاری کا سبق دیا ہو۔ یہ ساری بُرائیاں تو آپ کے بعد آپ کے گھاگ دُشمنوں کے اشاروں پر پھیلیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس معاشرہ میں ایسی خرابیاں جڑ پکڑ جائیں اسے ختم کرنے کے لئے بس ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا ہی کافی ہوتا ہے۔ بیرونی دشمنوں کا تو کچھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن دوست نما دشمنوں کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔ "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف سے آنکھیں بند کر کے جب ہم خود اس دلدل میں پھنس گئے ہیں تو اس میں قائدِ اعظم کا کیا قصور۔

اپنی ان غفلتوں اور کوتاہیوں کا ایک المناک سانحہ ہم "سقوطِ ڈھاکہ" اور "بنگلہ دیش" کی صورت میں دیکھ چکے ہیں۔ سُنا ہے جب نورالامین مرحوم سقوطِ ڈھاکہ کے بعد حضرت قائدِ اعظمؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور گھنٹوں بیٹھے روتے رہے کہ "ہم آپ کے پاکستان کی حفاظت نہ کر سکے" خیال تھا اس عبرتناک سزا کے بعد بچا کھچا پاکستان کچھ سبق حاصل کر کے سنبھلنے کی کوشش کرے گا، لیکن وہ اُمید بھی بر نہ آئی۔ یہاں پہلے سے بھی بڑھ کر اضطراب و انتشار کو ہوا ملی۔ لیکن سب کچھ قائدِ اعظمؒ کی مرضی۔ منشاء اور نظریاتِ مملکت کے خلاف ہوا ہے۔ اس لئے کہ خدا نخواستہ پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔

قائدِ اعظم کو اس کے لئے قصوروار ٹھہرانا کہ انہوں نے پاکستان کیوں بنایا سراسر ظلم۔ ناانصافی اور احسان فراموشی ہے۔ وہ "بابائے قوم" تھے۔ انہوں نے باپ کی طرح بچوں کے لئے اس نیت سے وراثت چھوڑی کہ ان کے بچے ان کے بعد آرام اور سُکھ کی زندگی گذاریں۔ اگر ہم نے ناخلف اولاد کی طرح اپنے "بابا" کی وراثت کو شراب و کباب میں اُڑا دیا ہے تو "بابا" کا کیا قصور۔

این دو فکرِ دین احمدؐ مغز جان ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملّت قلّتِ انصارِ دیں
کارو بار صادقاں ہرگز نماند ناتمام
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں
(حضرت مسیح موعودؑ)

مُرتضیٰ خان حسن مرحوم و مغفور

سچائی قبول کرنے میں مسلمان کسی سے نہیں ڈرتے تھے

پہلے زمانہ کے مسلمانوں کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سچائی قبول کرتے اور اس کے ظاہر کرنے میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اُن پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بڑے ظلم کئے جاتے تھے۔ پھر بھی وہ ثابت قدم رہتے تھے۔ اور بڑی بہادری سے مخالف کا مقابلہ کرتے تھے۔

جب حضرت ابو ذر غفاریؓ نے مکہ میں اسلام قبول کیا۔ ان دنوں میں مکہ کے کفار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر بڑے بڑے ظلم کئے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں حضور صلعم نے اس خیال سے کہ کہیں کفار حضرت ابو ذرؓ کو تکلیف نہ پہنچائیں ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے وطن میں چلے جائیں اور وہاں جا کر لوگوں کو تبلیغ کریں۔ لیکن حضرت ابو ذرؓ نے بڑے جوش سے کہا کہ گھر جانے سے پیشتر میں مکہ میں اپنے اسلام کا زور شور سے اعلان کروں گا۔ اور ہر تکلیف کو جو ان کے ہاتھوں سے پہنچے بڑی خوشی سے برداشت کروں گا۔

چنانچہ آپ حرم میں تشریف لے گئے اور بڑی بلند آواز سے اعلان کیا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ جب کافروں کے کان میں یہ آواز آئی تو وہ بھیڑیوں کی طرح حضرت ابوذر پر حملہ آور ہوئے۔ اُن پر پتھر پھینکے اور اس قدر پیٹا کہ بے چارے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ دشمن انہیں مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ جب آپ ہوش میں آئے تو آپ کا جسم زخموں سے چُور تھا اور خون بہہ رہا تھا لیکن آفرین ہے حضرت ابوذرؓ پر ذرا نہ پروا کی۔ گرتے پڑتے پھر آپ حرم میں پہنچے اور پھر باآوازِ بلند آپ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور بار بار کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ــــ الخ پڑھا۔ کفار نے آپ کو پھر پیٹا۔ مگر ان کے استقلال میں فرق نہ آیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ تم خواہ مجھے جان سے مار ڈالو میں نے جس دین کو سچا سمجھ کر قبول کیا ہے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ کفار ان کا یہ عزم اور استقلال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے دشمنوں سے جو دُکھ اُٹھائے ان سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ یہ بزرگ ان دُکھوں کو برداشت کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود جب ایمان لائے آپ نے ارادہ کیا کہ کعبہ میں جا کر قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ لوگوں نے ان کو روکا اور کہا کہ ایسا کرنے سے کافر تمہاری بوٹی بوٹی اُڑا دیں گے۔ لیکن انہوں نے ذرا پروا نہ کی کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور باآوازِ بلند قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ قریش اس وقت کعبہ میں جمع تھے۔ جب انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو قرآن مجید پڑھتے سُنا وہ ان پر پل پڑے۔ اور بہت بُری طرح ان کو پیٹا۔ جب وہاں سے واپس آئے تو تمام جسم سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور چہرہ پر کئی زخم تھے۔ جب ان کے دوستوں نے دیکھا تو ان سے کہا کہ اسی بات کا ہم کو ڈر تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ اس رستہ میں ہر دُکھ میرے لئے راحت کا باعث ہے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ قریش نے مجھے پیٹا اور زخمی کیا ہے ٭

اِسلامی نظام اور اس کا نفاذ

(از قلم ڈاکٹر اللہ بخش)

(۲)

اس مضمون کی پہلی قسط میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ شرعی قوانین کے نفاذ کا تعلق اسلام کے ظاہرا نظام سے ہے جبکہ اس دین کی رُوح کا تعلق انسان کے باطنی نظام پاکیزگی و طہارت نفس سے ہے۔ جس کے لئے ہر مسلمان خدا تعالےٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ لیکن موجودہ مُسلمان قوم کا تمام تر المیہ یہ ہے کہ ظاہر پرستی کے جذبہ کے تحت ظاہرا نظام پر ہی سارا دارو مدار رکھا جاتا ہے۔ باطنی نظام کی اصلاح سے بکلّی غفلت برت کر خُدا تعالےٰ کی زندہ ہستی اور جزا وسزاء اعمال کے یقین سے بے نیاز ہوکر معاملات میں بے راہ روی کا جواز نکال لیا گیا ہے۔ جہاں حکومت شرعی قوانین کے نفاذ کی ذِمّہ دار ہے وہاں اس سے بہت بڑی ذِمّہ داری عُلماء پر ہے کہ وہ اپنے عملی نمونہ اور نصائح سے قوم کے افراد میں اندرونی اصلاحی انقلاب لانے کا موجب بنیں۔ موجودہ قسط میں اس امر کی کسی قدر تفصیل کی گئی ہے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے یہ اعلان ہوا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم کیا گیا ہے اور اسلام کے نام پر ہی قائم رہے گا یہ ایک ایسا حقیقت پسندانہ و جُرأت مندانہ اعلان ہے جو کسی پہلی پاکستانی حکومت نے نہیں کیا تھا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بجُز نظامِ اسلام کسی دیگر نظام کو رائج نہیں کیا جائے گا اس واضح اعلان سے وہ تمام شکوک و شبہات دُور ہو جانا چاہئیں جو کثرت سے قلوب میں پھیل چُکے تھے کیونکہ کئی جانب سے یہ کہا جاتا رہا تھا کہ ہماری معیشت سوشلزم ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نکلتا تھا کہ معیشت کے بارہ میں نعوذ باللہ یا تو اسلام نامکمل ہے یا ناقابلِ عمل ہے حالانکہ کسی مسلمان کو اس سے ذرّہ بھر اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دِینِ اسلام **ایک مکمّل و محفوظ دِین** ہے اور اس وجہ سے انسان کے جُملہ **پیش آمدہ مسائل کا حل اس کے اندر موجود ہے مگر ضرورت تو اس امر کی ہے کہ اس مکمّل نظامِ اسلام پر عمل پیرائی ہو** نہ یہ کہ اس میں پیوند لگائے جائیں۔ دِینِ اسلام ان ادیان میں سے ہرگز نہیں جو محض عبادت کے لئے مساجد کے اندر محدود و قید ہو بلکہ انسان کے جملہ شعبہ ہائے زندگی پر یہ دِین حاوی و جاری ہے۔ البتہ اگر کمی و کوتاہی ہے تو یہ ہے کہ یا تو **احکامات و ارکان پر عمل نہیں بلکہ صرف زبانی جمع خرچ اور جھُوٹے دعاوی** ہیں یا یہ کہ ان کی اصل رُوح و حقیقت کا عِلم نہیں۔ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے مسلمانوں کو کسی بھی دوسرے "ازم" کا دست نگر ہونے کی قطعًا کوئی حاجت نہیں۔

گزشتہ واقعات شاہد ہیں کہ گزشتہ حکومت کے خلاف زبردست تحریک اُٹھی تو اس کی بنیادیں اسی پر استوار تھیں کہ وہ حکومت کلیتہً اسلامی نظام کی قائل نہیں۔ اسی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مارشل لاء حکومت نے ان شبہات و شکوک کا واضح الفاظ میں ازالہ کرکے پاکستانی قوم کی نہ صرف صحیح ترجمانی کی ہے بلکہ دِینِ اسلام پر پُختہ یقین و اعتماد کا برملا اظہار کیا ہے۔ اسی لئے ہم اسے قابلِ مبارک باد سمجھتے ہیں اور دستِ بدعا ہیں کہ آئندہ بھی جو حکومت برسرِ اقتدار آئے اس کا یہی نظریہ ہو۔

ھم یہ امر بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ نظامِ اسلامی اور اس کا نفاذ محض حکومت و قوانین و شریعت تک محدود نہیں بلکہ جیسے کہ بیان ہوا ہے تمام انسانی زندگی پر حاوی اور جاری و ساری ہے اور ہونا چاہیئے۔ **در اصل ایمان کا حقیقی تعلق قلبِ انسان** سے ہے۔ خُدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کی عالی صفات، انسان کے اعمال جزا وسزا یعنی **ایمان باللہ و بالآخرۃ** پر ایسا محکم یقین ہو کہ **ایک مسلمان کی زندگی کافر کی زندگی سے نمایاں طور پر مختلف نظر آتی ہو، یاایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانًا** جب تک مؤمنوں کی زندگیوں میں کفار کی زندگیوں کی بہ نسبت نمایاں فرق پیدا ہو جائے اس بناء پر کہ وہ تقوےٰ کے معیار پر پُورے اُترنے والے ہوں، تب تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام کی بنیادیں رکھی گئیں۔ گویا اسلام ہر مسلمان فرد پر اسلامی نظام کی ذِمّہ داری عائد کرتا ہے نہ کہ صرف اسلامی حکومت پر۔

پھر یہ امر بوضاحت ملحوظِ خاطر رہے کہ تقوےٰ کے معنی صرف اس قدر محدود نہیں کہ عبادات و ارکان اسلام کی ظاہرا پابندی کر لی جائے مگر باہم معاملات اور معاشرتی تعلقات میں اسلامی احکامات و اخلاق کہیں نظر ہی نہ آئیں۔ بدقسمتی سے عام مسلمان اس فاش غلطی کا شکار ہو گیا ہے کہ اگر اسنے ظاہرا عبادات و ارکان کو ادا کر لیا تو وہ قابلِ نجات ہو گیا۔ معاملات اور معاشرتی تعلقات میں چاہے جیسا ہو۔ حالانکہ **اعمال صالحہ** جن پر **اعلےٰ ثمرات مترتب ہوتے ہیں حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے** نہ ارکان و عبادت۔ اعتقادات و مسائل صحیحہ تو اسی لئے ہیں کہ اعمالِ صالحہ سرزد ہو سکیں نہ یہ کہ وہ خود مقصود بالذات ہیں۔

قرآن کریم نے ان نمازیوں پر بھی ویل کیا ہے جو اپنی نماز کے مقصد یعنی حُسنِ اخلاق و خدمتِ خلق سے غافل ہیں **فویل للمصلّین**۔ اسی طرح ہر رُکن و عبادت اسلامی کا منتہائے نظر تقوی اللہ قرار دیا ہے حتیٰ کہ انفاق مال کے بارہ میں بھی فرمایا **لاتبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء النّاس**۔ صدقات باطل ہو جاتے ہیں جب مدّعا رضائے الٰہی اور ہمدردئ خلق کی بجائے دکھلاوا ہو۔

قربانی کے بارہ میں بھی ارشاد ہوا **لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولٰکن ینالہ التقوٰی منکم**۔ گوشت اور خُون خُدا کے ہاں مقبول نہیں۔ قبولیت تو تقوےٰ یعنی باہمی معاملات میں صلاحیت کا نام ہے۔

قبلہ کی جانب رُخ کرکے نماز ادا کرنا ایک عظیم رُکنِ اسلام ہے مگر اس کی نسبت بھی فرمایا **لیس البرّ ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولٰکن البرّ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و اٰتی المال علیٰ حبّہ**............ الخ منہ ایک طرف کر لینے میں تو کوئی حقیقی نیکی نہیں، بلکہ اصل نیکی تو ایمان باللہ و ایمان بالآخر کے تحت معاشرتی اعمال صالحہ کے بجا لانے میں ہی ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے معاشرے کی باطنی اصلاح بمطابق قرآن و سنّت بجا لانے کی طرف اپنی تمام تر توجّہ مبذول کریں۔

اِسلامی معاشرہ کی زبوں حالی اس نچلے درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ

اس بارہ میں کوئی دو رائے نہیں ۔ ہر شخص کے سامنے روزانہ ان اعمالِ بد کا اعادہ بر ملا کیا جاتا ہے جو صریحاً ظالمانہ اور کافرانہ افعال ہیں، اسی طرح مسلمانوں اور کفار کی عملی زندگیوں میں کوئی تمیز باقی نہیں رہ گئی، ہم ہرگز یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ فی زمانہ مسلم معاشرہ حقیقی اسلامی معاشرہ کا نمونہ ہے ۔ اس کی اصلی بنا یہ ہے کہ ظاہرا اعمال شریعت و ارکانِ عبادات کو ہی اصل مقصود بالذات قرار دے لیا گیا ہے ۔ اور باطنی قلبی پاکیزگی کی روح جس کا حقیقی منبع زندہ ایمان باللہ و بالیوم الآخر ہے کی طرف قطعاً کوئی دھیان نہیں ۔

مثلاً علمائے دین نے عوام کو بتلا رکھا ہے کہ روزِ قیامت ایک میزان قائم ہوگی جس کے ایک پلڑے میں نیکیاں ہوں گی اور دوسرے میں بدیاں ۔ اور جو پلڑا بھاری ہو جائے گا اسی کے مطابق معاملہ ہوگا۔ پھر یہ سوال کہ نیکیاں کیا ہیں اور بدیاں کونسی؟ کے بارہ میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، درود و وظائف کے تمام تر ارکان نیکی کے پلڑا میں رکھے جائیں گے مگر ان کے مقابل دوسرے پلڑے میں جھوٹ بد دیانتی، دھوکہ دہی، بد عہدی، بے انصافی، بے ایمانی، حق تلفی، ظلم و زیادتی تولی جائیں گی ۔ اب ایک عام فرد اس سے یہ سمجھے ہوئے ہے کہ حقوق العباد کی تلافی حقوق اللہ یا عبادات سے کرلی جاسکتی ہے ۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح معاملات کی طرف چنداں توجہ نہیں دیتا بلکہ یہ یقین کر بیٹھا ہے کہ حقوق العباد کی کمی و کوتاہی عبادات و وظائف سے پورا کیا جا سکتا ہے ۔ پس یہ وہ بنیادی غلط تصور دینِ اسلام کی حقیقی روح سے روا رکھا جا رہا ہے جس کے باعث باطنی پاکیزگی اعمالِ صالحہ معاملات پیدا ہونے میں نہیں آتے کیونکہ اس کا بدل ظاہرا عبادات ارکان کی ادائیگی سے کر لیا جاتا ہے ۔ مگر معاملات کی ادائیگی کو مقصود قرار نہیں دیا جاتا ۔

محض ظاہرا ارکان و عبادات عبث اور بے ثمر ہیں

قرآن کریم نے اس مضمون کو جگہ جگہ جیسے چند مثالوں سے اوپر واضح کیا گیا ہے بیان کیا ہے کہ ظاہرا ارکان مقصود بالذات نہیں بلکہ عبث و بے کار ہیں جب تک ان کے اندر وہ روح کار فرما نہیں جو اصل مقصود بالذات شئے ہے، جب تک ایمان باللہ و بالیوم الآخرۃ کے ذریعہ معاملات میں تبدیلی حاصل نہیں ہو جاتی تب تک ظاہرا عبادات بے ثمر ہیں۔ مگر عام طور پر نتیجہ سے قطعی بے پروائی برت کر یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ ظاہرا ارکان کی ادائیگی ہی مقصود بالذات شئے ہے ۔

اس حقیقی نظریہ دین کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ زندہ ایمان باللہ و بالیوم الآخر کے نتیجے میں جو اوصافِ حمیدہ انسان کے اندر پیدا ہو جانا چاہئیں جب تک وہ پیدا نہیں ہو لیتے تب تک ارکانِ ظاہر کی علتِ غائی حاصل نہیں ہوتی ۔ صفاتِ حسنہ انسانیہ کا درجہ ارتقاء جب ایمان باللہ و بالیوم الآخر پر بناء ہو تو یہی وہ معیار ہے اس امر کا کہ عبادات کہاں تک مقبول ہوئیں اور ان کی ادائیگی سے کونسے ثمرات حاصل ہوئے ۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ اس میں خدائی صفات کی جھلک نظر آئے صبغۃ اللہ و من احسن اللہ صبغۃ ورنہ اپنے اندر خدائی صفات کی جھلک پیدا کرنے کی کوشش کے بغیر ظاہرا ارکان مردہ شئے بن کر رہ جاتے ہیں ۔

شریعت کے احکامات کی بناء ظاہرا اعمال پر قائم ہے کیونکہ انسان کی باطنی تحرکات کا علم نہ تو کوئی دوسرا حاصل کر سکتا ہے نہ ہی ان کا محاسبہ ۔ لہٰذا علمائے ظاہر ... کی نظر ظاہر تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، اور وہ اسی ظاہرا افعال کے مطابق فتوے دیتے ہیں لیکن جائے غور ہے کہ اصل حقیقت تو انسانی قلب و روح کی حالت و ہیئت پر ہے اور اس کا علم بجز خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ۔ لیکن نیت کا علم نتائج سے مل جایا کرتا ہے ۔

دینِ اسلام کا اصل المیہ ظاہر شریعت پر تمام تر دارومدار سمجھ لیا گیا ہے

یہ تو صحیح ہے کہ ایک انسان کو اس کے ظاہرا اعمال کی بناء پر قیاس کرنا ہی دوسرے انسان کے لئے واجب و سزاوار ہے چنانچہ شرعی سزاؤں کا دار و مدار ظاہر شہادت و فعل کے مطابق دیا جانا ہی صحیح امر ہے لیکن یہ بات بحضوری قلب یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اصل حقیقت کو ظاہر تک ہی محدود کر لینا قطعاً صحیح نہیں ایک دو مثالیں عرض ہیں ۔ جنگِ اُحد کا ذکر ہے، ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے کفار کی صفیں درہم برہم کر رہا تھا اور مسلمان اس کی شجاعت و دلاوری پر عش عش کر رہے تھے کہ آنحضور صلعم نے فرمایا یہ شخص جہنمی ہے جس پر لوگ ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے ۔ فرمایا یہ خدا کی خاطر جنگ کے جوہر نہیں دکھلا رہا تھا بلکہ اس کا مقصد تو اپنی ذاتی شہرت و ناموری کی داد حاصل کرنا ہے ۔ چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی ۔ ایسا ہی جناب ختم رسالتمآب کا وہ صادق مقولہ ہے جب ایک جنگ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو فرمایا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر ۔ یہ ظاہری جنگ تو چھوٹی قسم کا جہاد ہے جس سے ہم فارغ ہو کر بڑی قسم کے جہاد یعنی جہاد بالنفس کی جانب لوٹ رہے ہیں ۔ اب جائے غور ہے کہ خدا کی راہ میں جام شہادت نوش کرنا تو جہادِ اصغر ہے مگر اپنی نفسانی خواہشات سے نجات حاصل کرنا اس سے بھی اعلیٰ قسم کا جہاد ہے جاھدوا باھوائکم کما تجاھدون باعدائکم ۔ جس طرح دشمن کے مقابل سر دھڑ کی بازی لگاتے ہو بالکل اسی کی مانند اپنے نفسوں کو پاک کرنے کے جہاد کے لئے تیار کرو ۔ دین کا اصل مدعا و مقصد بھی باطنی طہارت و پاکیزگی کا حصول ہے، وہ چاہیئے خدا کی خوشنودی کا حصول ہو یا ہمدردی بنی نوع کی خاطر نفسانی خواہشات کو قربان کرنے کا نظریہ ہو ۔ اس سے ثابت ہے کہ دین کی اصل حقیقت کا انحصار قلبی تبدیلی اور روحانی پاکیزگی پر ہے نہ کہ محض ظاہرا افعال شریعت کی بجا آوری تک ۔ چنانچہ قرآن کریم کی ابتداء ہی میں مومنوں کی صفت ایمان بالغیب و الیوم الآخر لکھی گئی ہے ۔ انسان کی روح و قلب میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں جن کا نشو و نما ... ایمان باللہ و الیوم الآخر کو زندہ حقائق کے تسلیم کرنے پر قائم ہے ۔ اس لئے جہاں ایمان بالغیب کا ذکر کیا ہے وہاں مراد خدا تعالیٰ کی ذات عالم الغیب اور اعمال کی جزا و سزا پر نیز اپنی باطنی استعدادوں کی نشو و نما پر ایمان لانا مراد ہے ۔

اس دقیق ... کو واضح کرنے کے لئے کلام پاک میں ایمان کو بیج سے تشبیہہ دے کر مودع مخفی صلاحیتوں کے نشو و نما کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے روح و قلب انسانی زمین کی مانند ہے ۔ جس میں ایمان کا بیج جب بو کر اسے اعمال صالحہ کے پانی سے سینچا جاتا ہے تو یہی سفلی انسان ایک نئی آسمانی زندگی حاصل کر لیتا ہے، اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا ۔

فانظر الی اثر رحمۃ اللہ کیف یحی اللہ الارض

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہالینڈ کے ایک احمدی مرد اور ایک خاتون کی لاہور میں آمد کے موقعہ پر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے استقبالیہ

معزز مہمان نے اشاعت اسلام فنڈ میں ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا

(رپورٹ :- ابو سلیمان ایم۔ اے ۔ لاہور)

دارالسلام ۲۲ر جولائی ۱۹۷۷ء (بروز جمعہ) جماعت احمدیہ (لاہور برانچ) ہالینڈ کے ایک معزز احمدی جناب ایم۔ ایس۔ مرادین اور ان کی بیگم صاحبہ جہاں گیر نصیران نے مرکز میں ایک ہفتہ قیام کیا۔ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بزرگان اور احباب و خواتین سے ملاقات کی۔ وہ نجی دورے پر پاکستان تشریف لائے تھے۔ قیام لاہور کے دوران دونوں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے مہمان رہے اور دارالسلام کی جامع مسجد میں باجماعت نمازوں میں شرکت کی۔ جمعہ ۲۲ر جولائی کو جامعہ احمدیہ دارالسلام میں اُن کے اعزاز میں مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دامت برکاتہٗ نے تقریب کی صدارت فرمائی۔

انڈونیشیا کے تبلیغی کلاس کے نوجوان طالب علم مسٹر سکندر نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اسٹیج سیکرٹری مسٹر انوار احمد نے معزز مہمان کا تعارف کروایا۔ جناب ایم۔ ایس۔ مرادین نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ :-

"مجھے اپنے سلسلۂ احمدیہ کے مرکز کو دیکھنے کی ازحد خواہش تھی، الحمدللہ یہ تمنا پوری ہوئی۔ ہم احمدی بزرگوں اور خواتین سے مل کر ازحد خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ ہم کو یہاں مختلف دعوتی تقاریب میں شمولیت کرنے اور جماعتی سرگرمیوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے جس سے ہمارے ایمان میں تازگی آئی ہے، ہم نے یہاں کے قیام کے دوران اپنے آپ کو کسی طرح بھی اجنبی محسوس نہیں کیا، یہاں کے ماحول میں اپنائیت اور ہمدردی اور احمدی اخوت و محبت کا بھرپور اظہار ہے۔ ہم اپنے آپ کو اپنے بزرگوں اور بہن بھائیوں میں ہی محسوس کرتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم حالت سفر میں نہیں بلکہ اپنے ہی مُلک اور اپنے ہی گھر میں ہیں۔"

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہمارے عزیز مہمان ایمسٹرڈم (ہالینڈ) کے رہنے والے ہیں۔ ہالینڈ کے مختلف علاقوں میں ہماری چھوٹی بڑی جماعتیں ہیں۔ سب سے بڑی جماعت ہیگ میں ہے۔ بیشتر احباب سرینام سے منتقل ہو کر ہالینڈ میں آباد ہوئے اور اس ملک میں احمدی جماعتوں کا قیام عمل میں آیا۔ میں نے اس مُلک کا دَورہ کیا ہے۔ سات بڑے شہر ہیں جہاں ہماری فعال جماعتیں سرگرم عمل ہیں، ان جماعتوں کے احمدی حضرات و خواتین بڑے ہی پُرعزم، پُرجوش اور جماعتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے اور مالی قربانی کرنے والے ہیں۔ وہاں کے معزز احمدی حضرات میں سے ایک بزرگ نور سردار صاحب نے ایک موقعہ پر کہا کہ خُدا کے فضل سے ہم احمدی ہیں اور احمدی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے منظم جماعتیں کام کر رہی ہیں اور ترقی کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہیں اور لاہور مرکز سے باہر کی جماعتوں کو والہانہ تعلق ہے اور وہ بڑی محبت اور عشق کا اظہار کرتی ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ جو خالصتاً اسلام کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو اکناف عالم میں مقبول فرمائے اور اس سے اپنی رضا کے کام لے۔ ۱۹۷۴ء کے بعد بیرون ملک جماعتوں میں زندگی کے آثار نہایت حوصلہ افزا اور ایمان افزا ہیں۔ اس آزمائش اور ابتلاء نے جماعتوں کو زندہ اور بیدار کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ اس جماعت سے اپنے کام لے رہا ہے۔

اس موقعہ پر ہم اپنے پیارے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے اور ان کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان کو اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

جناب مکرم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے اس موقعہ پر فرمایا کہ ہمارے معزز مہمان اتنا دُور دراز کا سفر کر کے محض احمدیہ مرکز کو دیکھنے اور یہاں کے احباب و خواتین سے ملنے آئے ہیں اور کثیر مصارف برداشت کر کے آئے ہیں۔ حالتِ سفر میں ہیں۔ ایسی حالت میں انسان کو روپیہ پیسہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور بڑی کفایت مدّنظر ہوتی ہے لیکن ہمارے معزز مہمان نے اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپیہ انجمن کو عطیہ دیا ہے۔ جو مالی قربانی حضرت امامِ زمان نے اپنی جماعت میں پیدا کی ہے اس کے اظہار کا یہ ایک ایمان افروز نمونہ ہے۔ امریکہ کے ایک اور احمدی بھائی نے اشاعت قرآن کے لئے دو تولہ سونا بھیجا ہے یہ لوگ بڑی قدر کے لائق ہیں۔ آپ دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہماری جماعت میں ایسے ہی لائق اور قابل افراد کا اضافہ فرماتا رہے۔ جو للّٰہ فی اللہ جماعت کی خدمت کے لئے آگے بڑھتے رہیں اور قربانی کرتے رہیں۔

بعدازاں معزز مہمانوں کے اعزاز میں مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے ظہرانہ دیا جس میں مرکز کے بزرگان، خواتین اور شبان الاحمدیہ اور بنات الاحمدیہ کے اراکین نے بکثرت شرکت کی۔

معزز مہمان اگلے روز ہندوستان روانہ ہو گئے۔ جماعت کے معزز بزرگوں اور نوجوانوں نے انہیں الوداع کہا۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس دَورے کا مقصد برصغیر کی احمدی جماعتوں سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ ۱۲ر اگست تک وہ واپس روانہ ہو جائیں گے۔

جناب محمد شریف مرادین اس وقت چالیس سال کے پیٹے میں ہیں۔ وہ ملازمت بھی کرتے ہیں اور چاولوں کا کاروبار بھی کرتے ہیں ان کی اہلیہ جہاں گیر نصیران صاحبہ ایمسٹرڈم ہسپتال میں شعبۂ طب سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ ان کے مطابق وہ پیدائشی احمدی ہیں۔ چار سال پہلے سرینام سے ہالینڈ منتقل ہو گئے ہیں۔ مولانا نادر حسین صاحب مقامی مبلغ ہیں وہ نمازوں کی امامت کرتے اور دوسرے جماعتی کام کرتے ہیں۔ بچّوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک خاتون محترمہ کلثوم صاحبہ بھی اس کام میں مولانا کی مدد کرتی ہیں۔

معزز مہمان نے بتایا کہ ہماری مقامی جماعت کی تعداد ایک ہزار سے اُوپر ہے۔ ہالینڈ کے دوسرے مقامات بالخصوص اترِیک اور ڈہناک میں بڑی بڑی جماعتیں ہیں۔

اترِیک میں مولانا عبدالرحیم جگو ۱۵ صد سے زیادہ احمدی افراد کی رہنمائی کرتے ہیں اور آج کل ایک شاندار مسجد کی تعمیر کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ ڈہناک میں نور سردار صاحب نو صد احمدی مرد و خواتین کی دینی تربیت کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہالینڈ میں جماعتی

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

جناب مرزا محمد لطیف صاحب

مامور کی بعثت کی غرض!

یعلمھم الکتاب والحکمۃ......

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے اذ قال لہ ربّہ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ملا کہ آپ سب کچھ میرے راستہ میں قربان کر دیں۔ آپ نے بلا توقف فرمایا اسلمت لرب العٰلمین۔ دنیا میں انسان کو سب سے زیادہ پیار اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد ملتی ہے۔ اور آپ نے رؤیا کے نتیجے میں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ کیسی اعلیٰ تربیت کی تھی اولاد کی۔ کہ باپ بیٹا دونوں بشاشت قلب سے اس قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اصل میں قربانی بیت اللہ (مکہ) کو آباد کرنے کی تھی۔ جس میں باپ۔ ماں۔ بیٹا تینوں شامل ہیں۔ سب سے قیمتی جوہر ایمان ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت کمزور ہے۔ لیکن غور فرمائیں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مکہ جو اس وقت ایک بے آب و گیاہ۔ آبادی سے محروم۔ صرف ایک خدا کا گھر ہے۔ لیکن ایمان اتنا پختہ ہے کہ اپنے میاں حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں کہ اگر آپ ہم ماں۔ بیٹے کو خدا کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

اذاً لا یضیعنا اللہ تعالیٰ! یقیناً اللہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا! سبحان اللہ ما اعظم الایمان!

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء کو خدا سے خبر ملتی ہے کہ اب یہ سعادت آپ کے خاندان کو مل رہی ہے۔ اور پھر ایک وقت کے بعد ایک عظیم الشان نبی رحمۃ للعالمین عالمگیر شریعت لے کر اس مقدس سرزمین میں پیدا ہوں گے۔ فرماتے ہیں:۔

ربّنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔ انک انت العزیز الحکیم (البقرہ)

یہ ایک عظیم الشان رسول کے مبعوث ہونے کے لئے دعا کی جا رہی ہے۔ اور جس کے چار بڑے کام ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا سکھانا ہے۔ اس سے پہلے کتاب کا پڑھنا بیان فرمایا ہے اور کتاب کا سکھانا جدا بیان فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب کے معانی پر آگاہ کرتا ہے۔ یعنی اس نبی کے بڑے کاموں میں سے ایک کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب کے معانی سمجھائے گا۔ اس ٹکڑہ میں مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا علم و سبق ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ اس وقت کتنے مسلمان ہیں جن کو قرآن مجید کے معانی آتے ہیں۔ میرے خیال میں شاید پانچ فیصدی ہوں یا اس سے بھی کم انا للہ و انا الیہ راجعون!

لیکن میرے مخاطب نوجوان۔ معزز و محترمات خواتین ہیں جن کا تعلق سلسلۂ احمدیہ سے ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام اشاعت قرآن کا مشن لے کر آئے۔ آپ کے بارے میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یحیی الدین و یقیم الشریعۃ مسیح موعود دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ بغیر سیکھے شریعت کو دنیا میں نافذ اور جاری و ساری کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا نورالدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے بیعت کرنے والے تھے۔ خواتین میں درس دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر آپ کے کسی عزیز کا کسی ایسی زبان میں خط آ جائے جس کو تمہاری بستی میں کوئی نہیں جانتا پھر آپ کیا کریں گی؟ انہوں نے جواب دیا ہم دوسری بستی جائیں گی۔ تیسری جائیں گی۔ یہاں تک کہ اس زبان کے جاننے والے سے خط کا مضمون معلوم کر لیں گی۔ اس پر حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کا خط آپ کے نام آیا ہے اور زبان آپ نہیں جانتی۔ صرف لفظ پڑھ لیتی ہیں۔ یہ کافی نہیں ہے۔ اس کے معنے اور مفہوم و مضمون کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔

پھر صرف معانی ہی کافی نہیں۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے گھر میں ترجمہ والا قرآن مجید ہے ہم اسے پڑھ لیتے ہیں۔ نہیں وہ چار کام جو اللہ تعالیٰ کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک کام والحکمۃ فرمایا ہے۔ یعنی اب ترجمہ سیکھنے کے بعد تم یہ کوشش کرو کہ تم کو شریعت کی تمام تفاصیل کا بھی علم ہو جاوے تفصیل شریعت ایک وسیع مضمون ہے۔ ہر حکم کی حکمت۔ فلسفہ۔ غرض و غایت۔ حکم دینے کا مقصد۔ نوعیت۔ حصول اور کیفیت و اسرار اس میں شامل ہیں۔ یہ بات بہت ہی اہم ہے۔ معرفت کے بغیر انسان کے ایمان میں ترقی، چلا۔ نہیں پیدا ہوتی۔

قرآن مجید کا دعوےٰ ہے کہ اگر سمندروں کے پانی سیاہی کی شکل میں تبدیل ہو جاویں اور درختوں سے قلمیں بنائی جاویں۔ ان چیزوں کا جو بظاہر ہمیں غیر محدود نظر آتی ہیں ان کا ختم ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن قرآن مجید کے حقائق و معارف ختم نہیں ہو سکتے۔ فرمایا لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربّی!

کسی نے خوب کہا ہے:۔

؎ جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

ہم سب کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے لئے کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے دعوےٰ اور حضرت مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہونے کے نتیجہ میں اور پھر سب سے بڑھ کر قوا انفسکم و اھلیکم ناراً۔ اے مومنو خود بچو اور بچاؤ، اپنی اولاد کو آگ سے۔ یہ ظاہری آگ نہیں روحانی آگ ہے۔ جب قومیں اپنے مقصد کو بھول جاتی ہیں۔ حقیقت کی بجائے ظاہر داری اور صرفِ نظر جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہی آگ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے اور خاص طور پر اہل و عیال کے بارے میں!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے:۔

"الرحمٰن علم القرآن لتنذر قوماً ما انذر اباؤھم۔

"وہ خدا جس نے تجھے قرآن سکھلایا، یعنے اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی۔ تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے"۔ (نصرۃ الحق صـ ۶۶)

فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف کے معارف و حقائق میرے پر کھولے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الرحمٰن علم القرآن

(باقی بر صـ کالم ـ)

.... مجھ کو ما سوا اس کے (نشانات) علم قرآن دیا گیا اور احادیث کے صحیح معنے میرے پر کھولے گئے"

(براہین احمدیہ - صفحہ ۲۹۸)

آپ نے پھر فرمایا :-

" خدا تعالےٰ کی کشفی تجلّیات نے حقیقت اسلام اور نیز بہت سے مشکل مقامات قرآن شریف کے میرے پر کھول دیئے - ورنہ میری طاقت سے باہر تھا کہ میں ان دقائق عالیہ کو خود بخود معلوم کر سکتا۔ (براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۲۱۳)

موجودہ دور کے فتن اور وہ ذرائع جن سے قرآن مجید و اسلام نے دنیا میں غالب آنا ہے - اس کا علم اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کو دیا ہے - پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سلسلے میں خود اپنا جائزہ لیں - اور ان کے حصول کے لئے ایک حتمی و واضح پروگرام وضع کریں - حضرت مسیح موعودؑ کیا خوب فرماتے ہیں :-

؎ وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

حضرت مسیح موعودؑ کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے - آج دنیا جس تباہی کی طرف جا رہی ہے اس کا علاج صرف اور صرف قرآن مجید میں ہے اور قرآن کی وہ تفسیر لوگوں کو کامیاب کرے گی جو ان کا تعلق دنیا سے توڑ کر رحمان ، رحیم سے ملا دے گی وہ قرآن مجید اور اس کا حل ہے جو حضرت مرزا صاحب نے خدا تعالےٰ سے خبر پا کر بیان فرمایا ہے - آپ فرماتے ہیں :-

" جس علم کے ساتھ آسمانی نور نہیں وہ علم نہیں وہ جہل ہے وہ روشنی نہیں وہ ظلمت ہے - وہ مغز نہیں استخوان ہے - ہمارا دین آسمان سے آیا ہے اور وہی اس کو سمجھتا ہے جو وہ بھی آسمان سے ہی آیا ہو - کیا خدا نے نہیں فرمایا لا یمسّہ الا المطھرون - میں قبول نہیں کروں گا اور ہرگز نہیں مانوں گا کہ آسمانی علوم اور ان کے اندرونی بھید اور ان کے تہ در تہ چھپے ہوئے اسرار زمینی لوگوں کو خود بخود آ سکتے ہیں ۔ زمینی لوگ دابۃ الارض ہیں مسیح السماء نہیں مسیح السماء آسمان سے اترتا ہے اور اس کا خیال آسمان کو مسح کر کے آتا ہے اور روح القدس اس پر نازل ہوتا ہے اس لئے وہ آسمانی روشنی ساتھ رکھتا ہے -"

(ازالہ اوہام - صفحہ ۵۷۳)

مندرجہ عبارت کا غور سے مطالعہ فرمائیں :-

غرضیکہ ہمارے اوپر بہت بڑی ذمہ داری ہے - جس کے لئے ہر فرد و بشر - خورد و کلاں کو پوری مستعدی سے اس کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیئے -

گذشتہ دنوں مرکزی شبان الاحمدیہ نے ایک تربیتی کورس دارالسلام میں جاری کیا جو یعلمھم الکتاب والحکمۃ کا عملی نمونہ تھا - پاکستان کے مختلف مقامات سے نوجوان - خواتین - بزرگ اور بچے اس میں شامل ہوئے - مرکزی انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور نے شبان الاحمدیہ سے مکمل طور پر تعاون فرمایا - یہ پروگرام خدا کے فضل سے بڑا ہی کامیاب رہا - سارے کارکن ہی مبارکباد کے مستحق ہیں - اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے - لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے پروگراموں کو وسعت دی جائے اور ان میں تسلسل اور ہمہ گیری پیدا کی جائے - اور جماعت کے جملہ افراد کا فرض ہے کہ اپنی ساری مصروفیات اور دیگر کاموں پر ایسے پروگراموں میں شمولیت کو ترجیح دیں - اور ہمارا عہد " میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" اس بات کا تقاضا کرتا ہے -

وہ ہی اس پروگرام کی لذت اور حقیقت کو سمجھ سکتا ہے جو اس میں شامل ہوا ہو - اپنے ایک عزیز نوجوان جو کہ سفید ڈھیری پشاور کے رہنے والے تھے - اور آخری دن شرکاء کورس جب اپنے تاثرات بیان فرما رہے تھے - انہوں نے یہ فقرہ کہا ، کہ ہم نے یہاں کیا سیکھا — " میں اب یہاں سے ایک نیا انسان بن کر وطن جا رہا ہوں " واقعی ایسی ہی صورت تھی اور ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں اس طرح اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے -

خدا تعالےٰ ہم پر کرم فرما دے - اور ہمیں اپنے فرائض دیانتداری سے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرما دے - آمین -

ھالینڈ کے ایک احمدی مرد اور ایک خاتون کی لاہور میں آمد

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۷)

لٹریچر اکثر مرکز لاہور کی طرف سے جاتا ہے - تاہم اس کا ترجمہ بھی مقامی زبان میں کر کے شائع و تقسیم کیا جاتا ہے - جناب جگو صاحب اور حبیب صاحب اس کام کو بہت آگے لے جا رہے ہیں - ایک سوال کے جواب میں معزز مہمان نے بتایا کہ ۱۹۷۴ء کے اثرات وہاں بھی ہوئے ہیں - لیکن یہ اثرات منفی نہیں بلکہ جماعتوں کے افراد میں مزید جوش و جذبہ پیدا ہوا ہے - ان کے ایمان میں زیادہ پختگی آئی ہے - اور جماعتی تنظیم کو مزید استحکام ملا ہے - وہاں کے احباب جماعتی مقاصد میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں اور احمدی ہونے کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں - انہوں نے کہا کہ حکومت مذہبی معاملات میں بالکل مداخلت نہیں کرتی - ہالینڈ میں مختلف مذاہب کے لوگ بڑی رواداری کے ساتھ رہتے ہیں اور اپنی مذہبی رسومات و رواج پر آزادانہ عمل کرتے ہیں - حکومت بلا امتیاز مذہب و ملت سب اہل مذاہب کو معقول بجٹ اپنی مذہبی تقریبات کو ادا کرنے کے لئے دیتی ہے -

معزز مہمان نے اس فرمائش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرکز کو بیرونی جماعتوں کے افراد کی طرف مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے - احمدی لٹریچر کو مقامی زبان میں آسان صورت میں پیش کیا جائے اور اس کا معقول انتظام کیا جائے کہ مرکز سے بزرگانِ سلسلہ گاہے گاہے پہنچتے رہیں تاکہ ہم لوگ ان کو دیکھ کر اور ان کے مواعظ سن کر اپنے ایمان تازہ کرتے رہیں - علاوہ ازیں مرکز سے ہمہ وقتی مبلغ بھیجنے کی اشد ضرورت ہے جس کے اخراجات مقامی جماعت برداشت کرنے کے لئے تیار ہے - اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہالینڈ کی جماعتوں کے احباب صاحب ثروت ہیں ، صاحب زکوٰۃ ہیں - وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو زکوٰۃ کا محتاج ہو - اور باہمی روابط کو آگے بڑھانے کی عملی کوشش کرنے کی اشد ضرورت ہے -

درخواست دعا اور عطیہ

چیچہ وطنی (ملتان) سے محترم راجہ عبدالمجید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" اللہ تعالےٰ نے مولوی مراد علی صاحب کو نواسہ عطا فرمایا ہے - اس خوشی میں انہوں نے ۵/- روپے عطیہ اشاعت اسلام کے لئے دیئے ہیں ، احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ نومولود کی درازی عمر کے لئے دعا فرماویں اللہ تعالےٰ اسے صحت سے رکھے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد فرمائے - آمین -

مولوی محمد یوسف صاحب (ملتان) کا خط مدیر ہیغام صلح کے نام

مخدوم و مکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب، زیدت عنایاتہم

نامۂ کرم کل موصول ہوکر موجب منت ہوا۔ شکر گذار ہوں کہ آنمحترم نے میری اور اپنی حیثیت طے فرما دی۔ میرے پیرا ۲ سے آنجناب کے جذبات کو جو ٹھیس پہنچی اور "عوض معاوضہ گلہ نہ دارد" کے تحت آپ نے جس تلخ کامی کا اظہار فرمایا، مجھے اس کا بجا طور پر پہلے سے احساس تھا، مگر آپ کے عقائد پر بحث کرنے کے لئے یہ واضح کرنا ضروری تھا کہ میرے نزدیک جناب مرزا صاحب اور ان کے مخلصین کی شرعی حیثیت کیا ہے، اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنے اس دعوے پر دلائل پیش کردوں اور آپ میرے شبہات حل فرمائیں، چونکہ آپ اس موضوع سے ہی کبیدہ خاطر ہوتے ہیں اور میرے دلائل کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ نہیں اس لئے مجھے بھی اصرار نہیں، اسی بناء پر میں آنجناب کے خط کے اس حصہ کو جو پیرا ۲ کے ضمن میں ارقام فرمایا گیا ہے، یکسر چھوڑ رہا ہوں، بہر حال آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ آپ نے "عوض معاوضہ" کے ذریعہ دل کا غبار ہلکا کر لیا، اب ہم ٹھنڈے دل سے حیات و نزولِ عیسٰی علیہ السلام پر گفتگو کر سکیں گے، دست بدعا ہوں کہ حق تعالےٰ توفیق وہدایت سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ آج کی صحبت میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں، ردّ و قبول اور تنقید و تسلیم کے آپ مختار ہیں۔ واللہ الموفق۔

۱۔ کسی اسلامی عقیدے کا ثبوت تین میں سے کسی ایک ذریعہ سے ہو سکتا ہے، (۱) قرآن کریم (۲) حدیثِ متواتر (۳) اجماع اُمّت۔ حسنِ اتفاق سے ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں یہ اُصولِ ثلاثہ متفق ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، حدیثِ متواتر سے بھی، اور اکابر اُمّت کے اتفاق و اجماع سے بھی۔

قرآن مجید :۔

" هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله (پ ۲۸) یہ آیت جسمانی اور سیاستِ مُلکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے، اور جس غلبۂ کاملۂ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبۂ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا، اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی "پہلی زندگی" کا نمونہ ہے، اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہتِ تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے، یعنے حضرت مسیح مذکورہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے، اور یہ عاجز رُوحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۴۹۸ - ۴۹۹)

نوٹ :۔ جناب مرزا صاحب نے اس آیت کی یہ الہامی تفسیر فرمائی ہے، جیسا کہ ان کے خط کشیدہ الفاظ "اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے" سے ظاہر ہے، اور چونکہ ان کا الہام بھی ان کے نزدیک قطعی ہے اس لئے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے دُنیا میں دوبارہ تشریف لانے کی پیشگوئی ثبوت اور دلالت دونوں کے لحاظ سے قطعی ہے۔ پس اس پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا تعالےٰ کی پیشگوئی کے مطابق ضرور دوبارہ تشریف لائیں گے، اور انہی کے ہاتھ پر دینِ اسلام کو دوبارہ غلبۂ کاملہ ہوگا جس کا اس آیت میں وعدہ دیا گیا ہے

حدیث متواترہ :

" مسیح ابنِ مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کر لیا ہے، اور جس قدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیشگوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی، انجیل بھی اس کی مصدق ہے، اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالےٰ نے بصیرتِ دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بخرہ اور حصہ نہیں دیا، اور باعث اس کے کہ ان لوگوں کے دِلوں میں قال اللہ و قال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں۔"

"پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیشگوئیوں کو جو خیرالقرون میں ہی تمام ممالکِ اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلّمات میں سے سمجھی گئی تھیں بمد موضوعات داخل کر دیں۔"

(ازالہ اوہام ص ۵۵۸)

نوٹ :۔ قرآن کریم نے حضرت مسیح ابنِ مریم (علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے دوبارہ آنے کی جو قطعی اور اٹل پیشگوئی فرمائی ہے (جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے) احادیثِ متواترہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پیشگوئی کی ادنےٰ ادنےٰ جزئیات اور تفصیلات بیان فرمائی ہیں، اور خیرالقرون سے آج تک کے سب مسلمانوں نے اسے قبول کیا ہے۔ اور عہد نبویؐ سے آج تک اسی کو مسلّمات میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن و حدیث اور اسلامی لٹریچر میں "مسیح ابنِ مریمؑ" کے نام سے ایک ہی شخصیت متعارف ہے اور وہ ہیں سیّدنا عیسٰے بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پس ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ خدا و رسول کی اس قطعی و متواتر پیشگوئی پر لفظاً و معناً ایمان رکھے، اور سیّدنا عیسٰے علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا صدق دِل سے معتقد رہے۔

اجماع اُمّت :۔

" ایک دفعہ ہم دِلّی میں گئے تھے، ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ استعمال کیا کہ آنحضرتؐ کو مدفون اور حضرت عیسٰےؑ کو زندہ آسمان پر بٹھایا۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں وہ استعمال کرکے دیکھو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کو۔۔۔۔۔۔۔۔ وفات شدہ مان لو۔"

(ملفوظات مرزا صاحب جلد دہم ص ۳۰۰ مطبوعہ ربوہ)

نوٹ :۔ ادہر تیرہ سو سال سے (اور اب چودہ سو سال سے) حضرت عیسٰے بن مریمؑ کے دوبارہ دُنیا میں تشریف لانے کی قطعی اور متواتر پیشگوئی تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور اسے مسلّمات میں شمار کیا گیا تھا، اُدھر اسی وقت سے آج تک مسلمان حضرت عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے چلے آتے ہیں، پس جس طرح خیرالقرون سے لے کر تیرہ سو سال تک مسلمانوں کے خدا تعالیٰ اور رسولؐ کی پیشگوئی پر ایمان رکھا، اگر آج کے مسلمانوں کو بھی خیرالقرون کے اسلام کی ضرورت ہے تو انہیں بھی اسی طرح اس پیشگوئی پر ایمان رکھنا ہوگا۔

۲۔ جو امور خیرالقرون سے متواتر چلے آتے ہیں ان کا دینِ محمدی (علیٰ

صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں داخل ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، ان تمام اُمور کو ماننا اسلام ہے، اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے، اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص سارے قرآن کو مانے اور اس کی ایک آیت کو مشکوک سمجھے، ایسا شخص قرآن کریم کا منکر تصوّر کیا جائے گا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات و فرمودات جو تواتر سے منقول ہوں، اُن میں سے کسی ایک کا منکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکذّب ہے۔

۳۔ پھر انکار کی دو صورتیں ہیں (۱) متواتر الفاظ کا انکار (۲) متواتر معنیٰ و مفہوم کا انکار۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز کا سرے سے منکر ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ مَیں نماز کا قائل ہوں، نماز کا وہ مفہوم جو مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے، غلط ہے، یہ دونوں شخص نماز کے منکر تصوّر ہوں گے، یا مثلاً ایک شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی کتاب ہی نہیں مانتا، اور دوسرا مانتا ہے مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ قرآن کے معنیٰ وہ کتاب نہیں جس کو مسلمان چودہ سو سال سے خدا کی کتاب کہتے چلے آ رہے ہیں۔ پہلا شخص بھی قرآن کا منکر ہے اور دوسرا بھی۔ یہی حال تمام متواترات کا سمجھنا چاہیئے کہ اُمّتِ اسلامیہ نے جن الفاظ کو تواتر سے نقل کیا ان کا انکار بھی کُفر ہے، اور ان الفاظ کا جو متواتر معنیٰ و مفہوم نقل کیا ان کا انکار بھی کفر ہے۔

۴۔ چونکہ دِین کا مدار نقل پر ہے، اس لئے دِین پر اعتماد جبھی ہو سکتا ہے جبکہ ناقلین دِین پر اعتماد کیا جائے، صحابہ، تابعین اور گذشتہ صدیوں کے مجدّدین اور آئمہ دین (رضوان اللہ علیہم) ہمارے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے درمیان واسطہ ہیں، اگر ان اکابر کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو دِین اسلام کی ہر چیز مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر قرآن کا قرآن ہونا تک ثابت نہیں کیا جا سکتا، کجا کہ کسی اسلامی عقیدہ یا مسئلہ پر اعتماد کیا جا سکے۔ اسی لئے قرآن کریم کی ایسی تفسیر، جو کسی متواتر عقیدہ کے خلاف یا سلف صالحین کے مسلّمہ معنے و مفہوم کے خلاف ہو، "تفسیر بالرائے" کہلاتی ہے، جس کی ہمیں اجازت نہیں دی گئی۔

۵۔ یہ تو پیرا نمبر ا میں واضح کر چکا ہوں کہ سیّدنا عیسےٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کی پیشگوئی خود خدا تعالےٰ نے فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں، اور اوّل سے آخر تک اُمت اسلامیہ نے اسے اپنے معتقدات و مسلّمات میں شامل کیا ہے، اس کے بعد کسی منصفِ عاقل کو اس پیشگوئی کی صحت و صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا، (یا کم از کم بعد از علم نہیں رہنا چاہیئے) رہا یہ خیال کہ ان کے دوبارہ آنے سے ختم نبوّت کی مُہر ٹوٹ جاتی ہے، صحیح نہیں، کیونکہ خاتمیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی شخص کو منصب نبوّت پر فائز نہ کیا جائے، یہ نہیں کہ کوئی پہلا نبی، جسے پہلے سے نبوّت مل چکی ہے، زندہ نہ رہے، نویں صدی کے مجدّد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ میں فوجب حمل النفی علی انشاء النبوۃ لاحدٍ من الناس، لاعلیٰ نفی وجود نبیٍ قد نبیَّ قبل ذالک (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱ ص ۴۳۶)

۶۔ سیدنا عیسےٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی اور ہتک کا موجب نہیں بلکہ آپؐ کے شرف و فضیلت، سیادت و قیادت اور جلالت قدر کا مظہر ہے، کیونکہ آیت میثاق النبیّین (آل عمران: ۸۱) کے مطابق تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے اور آپؐ کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔ اب اس عہد کے ایفا کے لئے اگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ رکھا جاتا، اور وہ سب حضرات لواءِ محمدیؐ کے نیچے جمع ہو کر اصالتاً آپؐ کی نصرت کرتے تو ظاہر ہے کہ اس میں آپؐ کی تعظیم ہوتی نہ کہ تنقیص۔ آپ کی جلالت قدر کا ظہور ہوتا نہ کہ ہتک عزت کا۔ اب اگر حکمتِ الٰہیہ نے (ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے) تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسےٰ علیہ السلام کو منتخب کر لیا، اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالتہً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابتہً ایمان و نصرت کا وہ عہد پورا کر دکھایا تو اس کو آپ کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے۔ کیا کسی پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کے لئے کمربستہ ہونا اس کے حق میں تنقیص اور ہتک کہلاتا ہے؟ قرب قیامت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دِین کے خادم و ناصر کی حیثیت میں ہوگی، اور ان کے ایمان و نصرت سے نیابتہً تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق و نصرت ساری دنیا کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد متحقق ہو جائے گی۔ بعید نہیں کہ ارشاد نبوی: انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم فی الاولیٰ والاخرۃ (مشکوٰۃ ص ۵۰۹) میں اس مضمون کی جانب بھی اشارہ ہو۔ بہرحال کسی گذشتہ نبی کا آپؐ کی رعیت میں شامل ہو کر نصرت و حمایت بجا لانا آپؐ کے شرف و منزلت کو دوبالا کرتا ہے نہ کہ ہتک و تنقیص کا موجب ہے۔

۷۔ اور اسی سے یہ بھی واضح ہوا ہوگا کہ سیّدنا عیسےٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے دِینِ اسلام میں نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ اس کے شرف و فضیلت کا عملی اظہار ہے۔ کہ دورۂ محمدی (علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) میں ایک نہیں بلکہ سارے اولوالعزم رسُول بھی تشریف لائیں تو انہیں اپنی اپنی کتابیں اور شریعتیں لپیٹ کر رکھ دینی ہوں گی۔ اور ان کا منصب بھی دِینِ اسلام کے ناصرین اور خُدّام کا ہوگا، کیونکہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد انبیاءِ سابقین کی تمام کتابیں اور شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ ایک کسی کو آپؐ کی پیروی کے بغیر چارہ نہیں ہے، حدیث: لو کان موسیٰ حیًا لما وسعہ الا اتباعی (مشکوٰۃ ص ۳۰) کا یہی مفہوم ہے، اور سیدنا عیسےٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس ارشاد کی عملی تصدیق ہے۔

۸۔ احکام میں نسخ و تبدیلی ممکن بھی ہے اور واقع بھی، کہ حاکم جس وقت کے لئے جو حکم قرین مصلحت سمجھے دے سکتا ہے، مگر عقائد میں نسخ و تبدیل ممکن نہیں، کیونکہ جو خبر واقعہ کے مطابق ہو اس پر پُختہ یقین رکھنے کا نام عقیدہ ہے، اور اس کے مقابلہ میں خلافِ واقعہ خبر پر یقین جمانے کا نام جہلِ مرکب ہے، "عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں" یہ جملہ خبر ہے اگر واقعہ کے مطابق ہے تو اس کا یقین عقیدہ ہے، اور اگر واقعہ کے مطابق نہیں تو "جہل مرکب" ہے۔ "عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا پر اُتریں گے"، یہ خبر اگر واقعہ کے مطابق ہے تو عقیدہ ہے، اور اگر خلافِ واقعہ ہے تو اس کا اعتقاد "جہل مرکب" ہے۔

۹۔ چونکہ جناب مرزا صاحب کو اپنے الہامات پر قرآن کریم کی طرح ایمان تھا اور وہ ان سے انحراف کو کفر کے مرادف سمجھتے تھے اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر زیر بحث مسئلہ میں ان کا ایک الہام بھی تبرکاً درج کر دیا جائے، کیا بعید کہ کسی سعید روح کو اسی سے ہدایت و توفیق کی متاعِ بے بہا نصیب ہو جائے۔ وھو ھٰذا:-

"عسیٰ ربکم ان یرحم علیکم، وان عدتم عدنا وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا۔ خدا تعالےٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے، اور اگر تم نے گناہ اور

سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ہونے کا ظاہر اشارہ ہے۔ یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدائے تعالےٰ مجرمین کے لئے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائیں گا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے، اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس و خاشاک سے صاف کر دیں گے۔ اور کج اور ناراست کا نام و نشان نہ رہے گا۔ اور جلال الہیٰ گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست و نابود کر دے گا۔ اور یہ زمانہ اس زمانہ کے لئے بطور ارہاص کے واقع ہوا ہے، یعنی اُس وقت جلالی طور پر خدائے تعالےٰ اتمام حجت کرے گا۔ اب بجائے اس کے جمالی طور پر یعنی رفق اور احسان سے اتمام حجت کر رہا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۵۰۵)

۱۰۔ آنجناب کی ارشاد فرمودہ گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت ہی مختصر اشارات عرض کئے ہیں۔ جن میں اجمال کی حد تک اختصار کی رعایت کی ہے، چونکہ آپ عاقل و فہیم ہیں اس لئے مطلب سمجھنے میں امید ہے دقت نہیں ہوگی، ردّ و قبول اور تنقید و تسلیم کا آنجناب کو اختیار ہے، ان میں کوئی بات لائق قبول ہو تو زہے نصیب۔ اگر لائق ردّ ہو تو دلیل کے ساتھ ردّ فرمایئے، آئندہ صحبت میں آنجناب کے نقد کا بھی منتظر رہوں گا، اور جدید شبہات کا بھی، اگر کوئی شبہ ہو۔ نیز اصل مسئلہ پر مزید دلائل یا توضیح کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں، حق تعالےٰ شانہٗ ہمیں توفیق و ہدایت سے نوازے، حق و باطل کی تمیز نصیب فرمائے اور کجی و ناراستی سے بچائے۔ آمین۔ اُمید ہے مزاجِ سامی بعافیت ہوں گے۔ فقط والدعا۔

تاثرات

شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کی تربیتی کلاس سے (بقیہ ص۲)

بیان کرکے اس پُرحکمت کلامِ الہیٰ کے مخفی خزانوں تک ہماری رہنمائی کی۔ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے اپنے دلکش۔ دلنشین اور دلپذیر اور مخصوص اندازِ بیان میں جو انہی کا حصہ ہے یادِ رفتگان کو تازہ کرکے ہمارا رشتہ ماضی سے جوڑا۔ اور ہم پر یہ حقیقت منکشف کی کہ احمدیت ایک بیش قیمت میٹھا پھل ہے جسے حاصل کرنے اور اس کا مزہ چکھنے کے لئے ہمارے پیش رؤوں کو بڑی کٹھن منزلیں طے کرنا پڑیں۔ اور آج بھی اس کے ثمرات سے اسی راہ پر چل کر لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور جناب مرزا محمد لطیف شاہد نے جس طرح سلسلہ عالیہ احمدیہ اور تاریخِ احمدیت پر روشنی ڈالی وہ انہی کا حصہ ہے۔ جناب مرزا محمد لطیف صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے جو نشانات احادیث سے بیان کئے ہیں انہوں نے نوجوانوں اور بزرگوں کے دلوں کو نورِ یقین سے بھر دیا۔

اگر ایسے تربیتی اجتماعات کا سلسلہ جاری رہا تو انشاءاللہ تعالےٰ یہ جماعت زندہ ہو جائے گی اور ہم اطمینان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے رُوبرو حاضر ہو سکیں گے ۞

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں

کہ خدا کے حضور اس کی خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔ لیکن یہ گریہ و بکا نصیب نہیں ہوتا جب تک کہ **خدا کو خدا** اور اس کے رسول کو **رسول** اور اس کی سچی **کتاب** پر اطلاع نہ ہو۔ نہ صرف اطلاع بلکہ **ایمان**۔

اس بات کو کبھی اپنے دل سے محو نہ کرو کہ خدا تعالےٰ کے حضور اخلاص اور راستبازی کی قدر ہے۔ تکلف اور بناوٹ اس کے حضور کچھ کام نہیں دے سکتی۔ (تقاریر حضرت مسیح موعودؑ ص۲۱۳)

قربِ الہیٰ کے حصول کا ذریعہ } قربِ الہیٰ کے لئے یہ ضروری بات ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل ہو کیونکہ جب تک اللہ تعالےٰ کی صفات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر ان کی عزت نہ کرے گا۔ اور ان کا پرتو اپنی حالت اور اخلاق سے نہ دکھائے (دگا) وہ خدا کے حضور کیونکر جا سکتا ہے۔ (ارشادات حضرت مسیح موعودؑ ص۲۱۶)

اسلامی نظام اور اس کا نفاذ (بسلسلہ ص۷)

بعد موتھا کذلک یحی اللہ الموتیٰ ویریکم ایٰتہ جس طرح زمین مردگی کے بعد آسمانی بارش کے نزول سے تر و تازگی حاصل کرتی اور اس میں ڈالے ہوئے بیج باغ و بہار پیدا کرتے ہیں یقین جانو میں اسی طرح ہماری مردہ روحیں آسمانی کلام کی پیروی سے نئی زندگی پا کر اوصاف حمیدہ کے باغ و بہار سے رونق افروز ہو جاتی ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر وہ لوگ جو دیندار ہونے کے بھی مدعی ہوتے ہیں اس حقیقت الامری سے بکلی بے خبر رہتے ہیں، وہ صرف ظاہر اعمال و افعال کو ہی سب کچھ سمجھ کر اپنی جد و جہد کو ان تک محدود کرکے اپنی زندگی میں نئی حقیقتیں جلوہ گر کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ نہ تو اُن کی زندگیوں میں کوئی باطنی پاکیزگی اور بلندی نظر آتی ہے نہ ہم انکے پاس بیٹھنے اور جانے سے کسی دوسرے کی زندگی میں اعلیٰ تبدیلی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے نہ ہی ان کے نفوس سے وہ خوشبو و خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ باطنی نظام ان کے اندر جلوہ گر ہوتا ہی نہیں۔ البتہ اپنے سطحی نظریہ کے مطابق نمود و نمائش اور نفسانی ہوا و ہوس کی تسکین و ترقی کی جلوہ گری ضرور نمایاں جھلک مارتی ہے ۞

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور نمبر ۲ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۱

مَلفُوظاتِ حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

خُداکی باتوں سے بے لُطفی اور بے ذوقی کا علاج

استغفار، خُدا کے حضور رجوع، اپنے گناہوں کی مُعافی کے لئے دُعائیں اور اُن پر دوام

یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی پیدائش میں ایک رُوح کا حصہ ہے دوسرا نفس کا جو بہت پھیلا ہُوا ہے۔ اب آپ لوگ یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ جو چیز زیادہ ہوگی اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ رُوح کا جوش ایسا ہے جیسے کوئی غریب الوطن ناواقف لوگوں میں آ کر بسے۔ پس رُوح جو گمنام حالت میں ہوتی ہے اس پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ رُوح کے اثر کی علامت یہ ہے کہ جب ربّانی واعظ اور حقانی ریفارمر بولتا ہے تو وہ اپنے وعظ میں سامعین کو کالعدم سمجھتا ہے اور بیعلم رساں ہو کر باتیں پہنچاتا ہے ایسی صورت میں رُوح میں ایک گدازش پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پانی کے ایک آبشار کی طرح جو پہاڑ کے بلند کراڑے سے نشیب کی طرف گرتا ہے بے اختیار ہو کر گرتی ہے خدا تعالےٰ کی طرف بہتی ہے۔ اور اس بہاؤ میں وہ ایک ایسی لذّت اور سرور محسوس کرتی ہے جس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پس وہ اپنے بیان اور اپنی تقریر میں وجہ اللہ کو دیکھتا ہے۔ سامعین کی اسے پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ وہ سُن کر کیا کہیں گے۔ اس کو ایک الگ طرف سے ایک لذّت آتی ہے اور اندر ہی اندر خوش ہوتا ہے کہ میں اپنے مالک اور حکمران کے حکم اور پیغام کو پہنچا رہا ہوں اور اس پیغام رسانی میں جو مشکلات اور تکالیف اسے پیش آتی ہیں وہ بھی اس کے لئے محسوس اللذّت اور مدرک الحلاوت ہوتی ہیں۔

ایسے لوگ چونکہ بنی نوع کی ہمدردی میں محو ہوتے ہیں اس لئے رات دن سوچتے رہتے ہیں۔ اور اسی فکر میں کُڑھتے ہیں۔ کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح راہ پر آ جائیں اور ایک بار اس چشمہ سے ایک گھونٹ پی لیں۔ یہ ہمدردی یہ جوش ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں غایت درجہ کا تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی دوسرے میں ہو سکتا ہی نہیں چنانچہ آپ کی ہمدردی اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اس کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اس غم میں کہ یہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ اس آیت کی حقیقت آپ پورے طور پر سمجھ سکیں تو جُدا امر ہے۔ مگر میرے دل میں اس کی حقیقت یوں پھرتی ہے جیسے بدن میں خوں ؎

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبان حق
نے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ان حقانی واعظوں کو کس قسم کا جانگزا درد اصلاح خلق کا لگا ہوا ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ معلم جس رنگ اور طاقت کا ہو اس کا اثر اسی حیثیت سے حسب استعداد سُننے والوں پر ہوتا ہے بشرطیکہ استعداد میں قابلیت ہو۔ جو لوگ خدا تعالےٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور خوف اور خشیت رکھتے ہیں ان پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا نشان یہ ہے کہ رُوح تزکیہ نفس کے لئے دوڑتی ہے۔ اور بے اختیار ہو ہو کر خداٰ تعالےٰ کی طرف جاتی ہے۔ اگر نفس امارہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے اور اس کی حکومت کے نیچے ہے تو طبیعت میں ایک اضطراب اور قلق سا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ وہاں بیٹھنے اور سننے کو جی نہیں چاہتا۔ بلکہ گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اس قسم کی بے چینی اور بے لذّتی ایک حقانی واعظ کی باتوں سے اپنے دل میں پائے تو اس کو واجب ہے کہ وہ اپنی رُوح کی فکر کرے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے پر پہنچی ہوئی ہے۔ خدا کی باتوں سے بے لطفی اور بے ذوقی اس سے بڑھ کر دنیا میں ہلاک کرنے والی چیز کیا ہوگی۔ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا علاج استغفار خدا کے حضور رجوع اپنے گناہوں

اُسوۂ حسنۂ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونا فلاحِ دارین کا ضامن ہے

خطبہ جمعۃ المبارک مؤرخہ ۲۹ر جولائی ۱۹۷۷ء فرمودہ حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ — جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور

للہ ما فی السموات والارض و ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ - واللہ علیٰ کلّ شئ قدیر ...... علی القوم الکافرین ○ (سورۃ البقرہ - آخری رکوع)

تلاوت قرآن کریم کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سارا کی ساری کائنات پیدا کی ہے اور وہی اس کا مالک اور بادشاہ ہے اس کی بادشاہت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا - چونکہ وہ بادشاہ ہے اور تمام کائنات کا حقیقی مالک اور حاکم ہے - اس لئے اس کے سامنے ہی سجدہ کرنا چاہیئے - اس کے ماسوا کے سامنے جھکنا اس بادشاہ کی نافرمانی ہے جس کی سزا بڑی سخت ہے -

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فوقیت اور شرف عطا کیا ہے - اور یہ جملہ شجر و حجر - سورج - چاند - ستارے - بحر و بر سب انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یہ سب کے سب اس کے خادم ہیں - اس لئے اُن کے سامنے جھکنا اور سجدہ ریز ہونا انسان کی توہین ہے -

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ بقرہ کے اندر عورت مرد اور حاکم و محکوم آقا و غلام اور بادشاہ و رعایا - غرضیکہ انسان کے ہر پہلو کی ضرورت کے احکام صادر فرمائے ہیں - اور اُنکو کامیابی اور فلاح کی راہ دکھائی ہے - جس پر چل کر وہ اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے - یہ ایک مکمل اور جامع قانون ہے جو انسان کی پیدائش سے لے کر زندگی کے اختتام تک ہی نہیں بلکہ آخرت کے متعلق بھی آگاہی بخشتا ہے - دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہ عظیم اور جامع ہے - اور انسانی عظمت کو بلندی دینے کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے - اس لئے ہر مرد و عورت کو چاہیئے کہ وہ اس عظیم کتاب کے احکام پر عمل کرے - زندگی کو پاک بنائے تاکہ خدا کے انعامات کا حقدار ٹھہرے -

اللہ تعالیٰ کو انسان کا ظاہر اور پوشیدہ سب معلوم ہے - وہ دلوں کے پوشیدہ بھیدوں سے واقف ہے - انسان کی مجال نہیں کہ اس سے کچھ چھپا سکے - اس لئے صرف ظاہر کو ہی نہیں اپنے دل و دماغ کو بھی پاک اور صاف رکھو -

انبیاء علیہم السلام کا وجود انسانوں کو پاک و صاف کرنے کے لئے ہے - اللہ تعالیٰ نے ان پاک نفوس کو جملہ انسانوں کے لئے تزکیہ کے لئے مبعوث فرمایا وہ اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے ملک میں یقیناً عمدہ نمونہ تھے لیکن ان سب کے آخر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں - لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - حضورؐ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے - گھر میں بطور خاوند اہل خانہ سے بہترین سلوک کر کے - آپؐ نے فرمایا خیرکم خیرکم لاھلہ و انا خیرکم -

آپؐ بطور بادشاہ عظیم سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود بوریا اور چٹائی پر سوتے اور اپنے لئے محلات تعمیر نہیں کروائے اعلیٰ نہیں بنوایا اور نہ ہی آپ کی سادہ زندگی کے معمولات میں فرق آیا - اگر آپؐ کی راتیں یادِ الٰہی میں گزرتی تھیں تو دن کو خدا اور مخلوق خدا کے لئے کام کرتے - گویا آپ کے دن رات میں خدا کی یاد سے روشنی ہے -

سادہ خوراک - پاک صاف اور سادہ لباس غرضیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امراء و غرباء کے لئے یکساں بہترین نمونہ ہے - اگر کافروں سے جنگ کرنے کی ضرورت ہوئی تو حضورؐ ہمیشہ صفِ اوّل میں لڑتے اور جنگ میں صحابہؓ کی بہترین نمونہ سے رہنمائی فرمائی - غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضور صلعم کا بہترین نمونہ ہمیں میسر نہ ہو -

حضورؐ کے ساتھی بھی بے نظیر و بے مثال تھے - انہوں نے حضورؐ کے اُسوہ پر پورا پورا اعتماد کیا اور اپنی زندگیوں کو حضورؐ کی سیرت کے مطابق ڈھال کر دنیا اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کے مالک ہو گئے -

اسلام کی تعلیم میں اتنی وسعت ہے کہ وہ جملہ انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے اور اس طرح وہ ہمیں بتاتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام حق پرست اور حق آگاہ تھے اور اپنے وقت پر صحیح تعلیم لائے اور تمام لوگوں کی رہنمائی کی لیکن اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہترین رہنما اور نمونۂ حسنہ ہیں - اس لئے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا - اور مؤمن بلا جھجک و حجت حضورؐ کے بتائے ہوئے اُصولوں پر ایمان لاتے اور عملی زندگی کو سنوارتے ہیں -

ان آخری آیات میں مومن کے مذہب اور قلب کی وسعت بیان فرمائی ہے کہ اس کا دل کس قدر فراخ ہے کہ جملہ سابقہ انبیاء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھنا جزوِ ایمان یقین کرتا ہے اور اس سے صرفِ نظر کو کفر کو مستلزم یقین کرتا ہے - اور یہ بھی کہ وہ کبھی کفر اور باطل پر راضی نہیں ہوتا بلکہ کفر کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت طلب کرتا ہے - اور ان برائیوں سے بچنے کے لئے خدا کی حفاظت اور پناہ طلب کرتا ہے - اس لئے ہمیں تعلیم دی کہ ہمیشہ احکامِ الٰہی کو سامنے رکھو اور خدا تعالیٰ کے احکام پر مکمل احتیاط اور چستی سے عمل پیرا ہو جاؤ تاکہ خدا کی گرفت سے بچو اور خدا کی رحمت اور نصرت کے وارث ہو -

اگر مسلمان قوم چاہتی ہے کہ وہ ایک زندہ اور کامیاب قوم بنے تو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگیوں کا نقشہ جو قرآن پاک کا عکس ہے پر عمل پیرا ہوں -

ہمارے زمانے بھی چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے قرآ(ن) کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی جو خود بھی عمل کرتی اور دنیا کے سامنے قرآن پاک کی یہ اعلیٰ تعلیم پیش کرتی ہے کہ وہ تمام اس پاکیزہ قانون خداوندی پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کریں -

اللہ تعالیٰ اسی جماعت کے رجال اور خواتین کو توفیق دے کہ وہ مامور وقت کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم کو دُنیا بھر میں عام کر سکیں -

(مرتبہ: مولوی شفقت رسُول)

ہفت روزہ پیغام صلح ــــــ لاہور ــــــ مؤرخہ ۳ اگست ۱۹۷۷ء

عقیدہ الوہیت مسیح انجیل کی روشنی میں

دو تین روز ہوئے ہمیں "فلسفۂ وحدت الوجود" کے نام سے ایک کتابچہ ملا ہے۔ یہ کتابچہ جناب برکت اے خان صاحب۔ رکن بشارتی کمیٹی سیالکوٹ ڈایوسیس کونسل کی تصنیف ہے۔ اور اس مسیحی لٹریچر کا ایک اہم حصہ ہے جو احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد پاکستان میں کثرت سے شائع کیا اور ہر پڑھے لکھے پاکستانی مسلمان تک مختلف ذرائع سے پہنچایا جا رہا ہے۔ ہمارے مسیحی اہل وطن اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ احمدیوں کے اس میدان سے نکل جانے کے بعد مسلمان ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، ایک تو اس لئے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائیوں اور صداقتوں سے قطعاً کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور دوسرا اس لئے کہ مسلمان اور عیسائی دونوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لئے گئے اور دوبارہ آسمان ہی سے نازل ہوں گے۔ دونوں اب تک آسمان کی طرف اس انتظار میں آنکھیں لگائے ہوئے ہیں اور مسیح ابن مریم کے آنے کی خوشخبری سننے کے لئے گوش برآواز ہیں۔ ان کی یہ بے سود تمنا کب پوری ہوگی یہ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ انتظروا انا منتظرون۔

دنیا کی کسی قومی اسمبلی کو یہ اختیار حاصل نہیں اور نہ اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کو قرآن و سنت کے خلاف غیر مسلم قرار دے۔ کیونکہ دین کا معاملہ ایک فرد اور اس کے خدا کے درمیان ہے اور انسانوں کی منتخب شدہ اسمبلیاں صرف ایسے قوانین وضع کرنے کی مجاز ہیں جو فرد اور فرد کے درمیان اور فرد اور معاشرہ کے درمیان تعلقات کی نوعیت متعین کرتے ہوں۔ اس لئے ہمارا اب بھی یہ فرض ہے کہ اگر کسی جانب سے ہمارے خدا۔ ہمارے رسول صلعم اور ہمارے قرآن پر حملہ ہو تو ہم مسلمانوں کو ندامت سے بچانے کے لئے اس حملے کا معقول اور مدلل جواب دیں۔ کسی کے غیر مسلم کہنے سے ہم اپنے اس فرض سے تو سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اگر مسلمانوں کے پاس کوئی جواب ہوتا تو سراج الدین۔ عمادالدین اور عبداللہ آتھم وغیرہ اتنی آسانی سے عیسائیت کی گود میں پناہ لینے پر مجبور نہ ہوتے۔

"فلسفۂ وحدت الوجود" تناقضات اور تضادات کا مرقع اور مجموعہ ہے ہم اس کے بودے پن کا پول انشاءاللہ وقتاً فوقتاً کھولتے رہیں گے۔ ایک ہی نشست میں ان کا بخوبی احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس دفعہ ہم برکت اے خان صاحب کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے الوہیت مسیح ثابت کرنے کے لئے دیئے ہیں۔

"فلسفۂ وحدت الوجود (مسیحیت)" (یعنی وحدت الوجود کا تصور مسیحیت میں) کے عنوان سے صفحہ ۳۳ پر فرماتے ہیں:۔

> "وہ خدا ازلی ابدی ہے لیکن اس کی ساری مخلوقات اور صنعتکاری ازلی اور ابدی نہیں .... پس صانع اور صنعت کی حقیقت۔ خالق اور مخلوق کی ماہیت ہرگز ہرگز برابر نہیں اور نہ انسان کی ذات خدا کی ذات میں فنا فی اللہ اور مدغم ہو سکتی ہے کیونکہ .... خدا انسان نہیں اور انسان خدا نہیں ہاں خدا کی ذات ہی خدا کی ذات میں قائم بالذات رہ سکتی ہے۔"

ان الفاظ میں انہوں نے یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یسوع مسیح مخلوق نہیں اس لئے انسان نہیں۔ جب وہ انسان اور مخلوق نہیں تو لامحالہ وہ خدا ہیں اور اس حیثیت میں وہ خدا کی ذات میں قائم بالذات ہیں۔ لیکن انجیل مقدس اس کے بالکل برعکس کہتی ہے۔

متی کی انجیل میں مسیح کا شجرۂ نسب دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

> "اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا۔ جو مسیح کہلاتا ہے۔" (۱۶)

> "اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔" (۱۸)

مریم کیساتھ یوسف کی منگنی بھی ہو چکی ہے اور وہ اس کا شوہر بھی بن گیا ہے لیکن انجیل نے ان واقعات اور حالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جو میاں بیوی کے ملاپ میں حائل رہے۔ اللہ تعالےٰ کا فرشتہ اگر بعد میں یوسف سے ہمکلام ہو سکتا تھا تو اس کے ذریعے پہلے سے ہی اللہ تعالےٰ نے یہ کیوں نہ کہلوا دیا کہ تم اپنی بیوی کے پاس نہ جانا کیونکہ میں مریم کو روح القدس کے ذریعہ حاملہ کر کے مسیح کو معجزہ کے طور پر پیدا کر کے اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہوں۔ انسانی خون اس کی رگوں میں شامل ہونے سے اس کی الوہیت میں فرق پڑ جائے گا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تو بھی ان کی ماں مریم موجود تھی۔ مریم مخلوق تھیں۔ مخلوق کے پیٹ سے پیدا ہونے والا مخلوق ہوگا۔ اس لئے خدا خالق ہوا اور مسیح مخلوق۔ اور برکت اے خان صاحب فرما چکے ہیں کہ "خالق اور مخلوق کی ماہیت ہرگز ہرگز برابر نہیں" اور ساتھ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ "خدا انسان نہیں اور انسان خدا نہیں"۔ اس لئے عیسیٰؑ مخلوق اور انسان ہونے کی وجہ سے خدا نہیں ہو سکتے اور چونکہ وہ خدا نہیں اس لئے وہ خدا کی ذات میں مدغم نہیں ہو سکتے) اور نہ قائم بالذات رہ سکتے ہیں۔

حضرت مسیح کے انسان اور مخلوق ہونے پر انجیل نے اور بھی بہت سے مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً مصنف موصوف صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں:۔

> "کیونکہ ابن آدم (یعنی مسیح) لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے کے لئے آیا۔" (انجیل لوقا ۹:۵۶)

اور صفحہ ۳۲ پر یوں فرمایا ہے:۔

> "روز اول خدا تعالےٰ خالق کائنات نے ابوالبشر کو اپنی صورت شبیہہ کی مانند پیدا کیا۔"

سب جانتے ہیں کہ ابوالبشر حضرت آدم کو کہتے ہیں۔ اور مسیح ابن آدم بھی آدم کے بیٹے ہیں اس لئے اس حیثیت سے وہ بھی بشر ہیں۔ اور بشر کی تمام لوازمات ان کے ساتھ ہیں۔ وہ ایک کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور باتیں کرتے بشر یا انسان ہیں جیسا کہ انجیل متی اور لوقا ان کے متعلق بیان کرتی ہیں۔

> "کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ؟ اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ پھر یہ سب کچھ اس میں کہاں سے آیا؟" (متی ۱۳:۵۵)

> "کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں پس انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔" (مرقس ۶:۳)

ان کے کھانے پینے کا ذکر بھی کرتی ہے :۔

"وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں .... اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں" (مرقس ۲:۲۶)

"اور جب وہ گھر میں کھانا کھانے بیٹھا تھا تو ایسا ہوا کہ بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آ کر یسوع اور اس کے شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے - فریسیوں نے یہ دیکھ کر اس کے شاگردوں سے کہا تمہارا اُستاد محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے ؟" (متی ۹:۱۰-۱۱)

"دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اُسے بھوک لگی اور وہ دُور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا .... مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا" (مرقس ۱۱:۱۲-۱۳)

"ابنِ آدم (حضرت مسیح) کھاتا پیتا آیا" (متی ۱۱:۱۹)

اس کے علاوہ وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو نبی ہی جانتے ہیں۔

"یسوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا"

(مرقس ۶:۴)

"اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سُنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے - اور وہ اسے پکڑنے کی کوشش میں تھے لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے"

صاحب تصنیف خود لکھ آئے ہیں کہ :۔

"میرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں - آدم نوحؑ - ابراہیم - اسحاق یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان بلکہ تمام انبیاء کرام نے خدائے واحد کی تعلیم دی"

اور خود حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہی تعلیم دی ہے - فرماتے ہیں :۔

"اے بنی اسرائیل سُن - خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (مرقس ۱۲:۳۵)

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے" (متی ۲۳:۱۰)

طوالت کے خوف سے ہم صرف انہی چند حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہیں ان سے ہمارے قارئین کرام پر بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ حضرت مسیح ابن آدم بشر اور انسان ہیں - انہیں بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی - ان کی ماں بھی ہے (ہمارے نزدیک باپ بھی ہیں) بہن، بھائی، عزیز رشتہ دار بھی - ان کا اپنا ایک وطن اور گھر بھی ہے - وہ اپنے آپ کو نبی کہتے اور دوسرے ان کو نبی سمجھتے ہیں اور باقی تمام انبیاء کی طرح انہوں نے بھی "ایک ہی خداوند" اور "ایک ہی آسمانی باپ" کی تعلیم دی ہے - اس حیثیت میں وہ مخلوق اور انسان ہیں اس لئے وہ خدا نہیں کیونکہ "خدا انسان نہیں اور انسان خدا نہیں" (فلسفۂ وحدت الوجود - صفحہ ۳۳) اور "نہ انسان کی ذات خدا کی ذات میں فنافی اللہ اور مدغم ہو سکتی ہے" اس لئے حضرت مسیح بھی خدا کی ذات میں مدغم نہیں ہو سکتے - وہ خدا سے ایک علیحدہ شخصیت اور ذات ہیں - اس صورت میں اگر انہیں

لیکن اگر برکت اے خان صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ "خدا کی ذات ہی خدا کی ذات میں قائم بالذات رہ سکتی ہے" تو ہم انجیل ہی سے ان کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کا یہ نظریہ قطعًا غلط - بے بنیاد اور پُر فریب ہے - انجیل کہتی ہے :۔

"اور فریسی اسے آزمانے کو اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے ؟ اس نے جواب میں کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتدا ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے - پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں - اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جُدا نہ کرے"

کیا جناب برکت اے خان صاحب ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک جسم ہو گئے ہوں اور اپنی مرضی سے کبھی ایک جسم ہو جاتے ہوں اور کبھی علیحدہ علیحدہ ؟ باوجود اس کے کہ ان میں ایک ہی رُوح ہوتی ہے - ان کے جسم کا ایک ایک خلیہ (CELL) مشابہ ہوتا ہے سوائے ان خلیات کے جن کا تعلق توالد و تناسل سے ہوتا ہے ان کی ضروریات زندگی بھی ایک جیسی ہوتی ہیں - نفسیاتی طور پر بھی متشابہ الصفات اور متشابہ الجذبات ہوتے ہیں مثلاً دونوں میں پیار و محبت - ہمدردی - اخلاص - رحم - شفقت - حسد - کینہ - بغض - رنج غم اور خوشی - غصہ اور انتقام وغیرہ کے جذبات پائے جاتے ہیں ہم نے آج تک کسی بھی قوم میں دونوں میاں بیوی کو ایک ہی جسم ہوتے نہیں دیکھا بلکہ مسیحی دنیا میں تو آئے دن ہزاروں میاں بیوی متعدد بچوں کے ماں باپ ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے فوراً علیحدہ ہو جاتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ "خالق" (خدا) اور مخلوق (حضرت عیسیٰؑ) جن میں "کُلی مغائرت ہے" (ص۳۴) ایک جسم و جان ہو جائیں ؟ کیونکہ اس بات کا انکار ممکن نہیں کہ مخلوق (مریم) کے بطن سے پیدا ہونے والا (حضرت مسیح) خالق نہیں مخلوق ہی ہو گا۔

انجیل کے الفاظ "ایک جسم ہوں گے" کی تشریح اور توضیح اسے بغیر استعارہ کہنے کے ہو ہی نہیں سکتی - استعارہ کی صورت میں اس سے یہی مراد ہو گی کہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد میاں بیوی آپس میں محبت و پیار - اخلاص - ہمدردی اور رحم اور شفقت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں اور ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا کہ اس کی کسی حرکت سے دوسرے کے لطیف جذبات کو ٹھیس لگے - اور ان میں کسی قسم کی رنجش اور مغائرت پیدا ہو - وہ فارسی کے اس شعر کے مصداق ہو جاتے ہیں :۔

من تو شدم تو من شدی - من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ان کے جسم الگ ہوتے ہیں لیکن ان کی آرزوؤں اور تمناؤں - تصورات اور خیالات - سوچ اور فکر میں یک رنگی - یک جہتی - یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے - وہ ایک دوسرے سے مختلف سوچ ہی نہیں سکتے وہ اس جذبۂ محبت کی وجہ سے اپنے ماں باپ سے بھی علیحدہ ہو جاتے ہیں

اسی لطیف نکتے کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

"ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ سو اللہ تعالےٰ کی طرف دوڑو۔ میں اس کی طرف سے تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

(الذاریت۔ ۴۹ تا ۵۱)

وہاں تو یہ ہے کہ میاں بیوی آپس کی محبت اور کشش کی وجہ سے ماں باپ سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے یہاں یہ ہے کہ زوج کی کشش اور محبت کہیں خدا کی محبت پر غالب نہ آ جائے۔ اس سے بھی منہ موڑ کر تم خدا کی طرف بھاگو جو تمام محبتوں کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی ساری محبتوں رشتوں۔ تعلقات اور قربتوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت اور پیار ہو اور اس کی قربت حاصل کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا یہ تم اللہ کے رنگ میں رنگین اور تمہارے اندر خدا کے اخلاق اور صفات پیدا ہو جائیں گے۔ یہی مطلب ہے "صبغۃ اللہ" (البقرہ ۱۳۸) اور تخلقوا باخلاق اللہ" کا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات انسان کے اندر منعکس ہو جاتی ہیں اور وہ متشابہ الصفات) ہو جاتا ہے۔ اسکے متعلق مصنف خود فرماتے ہیں کہ :-

"خدا نے آدم کو اپنی صورت اور شبیہ کی مانند (خلیقہ) پیدا کیا تاکہ خدا تعالےٰ رب العٰلمین اپنے متشابہ صفات حضرت انسان کے ساتھ وقت ضرورت مکالمہ و مخاطبہ کر سکے، کیونکہ دو شخصیتوں کے مافی الضمیر کے باہمی اظہار و تفہیم کے لئے متشابہ الصفات ہونا ایک لازمی امر ہے"۔ (صفحہ ۳۲)

حضرت مسیح نے جب یہ فرمایا کہ "میں اور باپ (خدا) ایک ہیں" (انجیل یوحنا ۱۰:۳۰) یا یہ فرمایا کہ "میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں"۔ تو اس کا مطلب جسمانی طور پر ایک جیسا ہونا نہیں تھا بلکہ "متشابہ الصفات" ہونا تھا اور یہی وہ صورت ہے جسے "فنا فی اللہ" یا اللہ کی ذات میں "مدغم" ہونا کہتے ہیں۔

ہمارے ہم وطن مسیحی بھائی اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مسیح تمثیلات اور استعارات میں باتیں کرتے تھے جو تشریح طلب ہوتے ہیں کیونکہ وہ ظاہری معنوں پر محمول نہیں ہوتے۔ اگر انہیں لفظی معنوں پر محمول کر لیا جائے تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔ اس سے غلط تصورات۔ غلط خیالات اور غلط عقائد جنم لیتے ہیں۔

ہم حضرت مسیح ابن مریم کو اللہ تعالےٰ کا ایک برگزیدہ رسول اور اولوالعزم نبی سمجھتے اور ان کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ جب تک اُن پر ایمان نہ لائے، کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جب انہیں نبی اور رسول کے مقام پر رکھ کر دیکھا اور پرکھا جائے۔ تو وہ ایک عظیم الشان انسان نظر آتے ہیں لیکن معاف رکھئے جب آپ کے عقیدہ کے مطابق انہیں خدا کے مقام پر رکھا جائے تو وہ ایک بہت ہی کمزور ہستی نظر آتے ہیں۔ کیونکہ خدائی طاقتوں کے حامل انسان کی شان کے یہ شایاں نہیں کہ وہ چلّا کر "ایلی ایلی لما سبقتنی" (متی ۲۷:۴۶) کہے۔ کہ اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "وہ خدا میں اور خدا اُن میں نہیں" تھا کیونکہ وہ مدد کے لئے ایک دوسری اپنے سے علیحدہ ہستی کو پکار رہے تھے۔ اگر خدا ان میں ہوتا تو انہیں یہ دہائی دینے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہی یہودیوں کو یہ طاقت نصیب ہوتی کہ انہیں مصلوب کرا سکتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے صلیب پر نہیں چڑھے۔ خدا نے نعوذ باللہ زبردستی ان کو صلیب پر چڑھوا دیا اور یہ اس

کے رحم۔ شفقت۔ محبت اور عدل کی صفات کے بالکل خلاف ہے۔

اگر "یہ میرا پیارا بیٹا ہے" (متی ۳:۱۷) میں "بیٹا" کے لفظ سے حقیقتاً یا استعارہ کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ حضرت مسیح "خدا بیٹا" ہیں تو اس سے بھی ان کی اُلوہیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت مسیح فرماتے ہیں:-

"اور جب کبھی تم کھڑے ہوئے دُعا کرتے ہو اگر تمہیں کسی سے شکایت ہو تو اسے معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے (خُدا) تمہارے گناہ معاف کرے"۔

(مرقس ۱۱:۲۵)

اس میں تو مسیح خُدا کو اپنے مخاطبین کا "باپ" کہتے ہیں یعنے وہ سب بھی خُدا کے اسی طرح بیٹے ہیں جس طرح وہ خود اور یوں اگر مسیح خُدا کا بیٹا ہیں تو وہ سارے جن کو وہ مخاطب کرتے ہیں خُدا کے بیٹے ہیں پھر تو وہ بھی "خُدا بیٹے" ہوئے۔ حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

اخبار احمدیہ

—— خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ ۲۹ر جولائی کا خُطبہ جمعہ آپ نے ہی دیا۔ جو دوسری جگہ درج ہے) احباب کرام حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے دعائیں فرماتے رہیں۔

ولادت باسعادت } مکرم مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ :-

یہ خبر تمام جماعت میں خوشی و مسرت سے پڑھی جائے گی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے عزیز القدر محمد اسماعیل سعد صاحب کو لڑکا عطا فرمایا ہے۔ نو مولود مکرم مخدوم سعد اختر صاحب پرنسپل کا پوتا ہے۔ اس خوشی میں عزیزم محمد اسمٰعیل سعد صاحب نے انجمن کے لئے مبلغ پالیس روپیہ بمد صدقہ مرحمت فرمائے ہیں۔

جزاہ اللہ احسن الجزاء

دُعا ہے اللہ تعالیٰ نومولود کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی صالح عمر عطا فرمائے اور والدین و جملہ خاندان کے لئے برکت اور آنکھ کی ٹھنڈک کا باعث بنائے۔

—— عبدالرزاق سواتی اطلاع دیتے ہیں کہ :-

ماسٹر عبداللطیف صاحب آف شیخ محمدی وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنّت عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔

احباب کرام سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

—— عبدالحکیم صاحب خادم مسجد احمدیہ پشاور بیمار ہیں۔ وہ اپنی صحت کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے اور دیگر احباب جماعت سے درخواست دُعا کرتے ہیں۔

قبریں آوازیں دے رہی ہیں

"بہت سے لوگ ہیں جو دُور بیٹھے رہتے ہیں....... دین تو چاہتا ہے کہ مصاحبت ہو۔ پھر مصاحبت سے گریز ہو تو دینداری کے حصول کی اُمید کیوں رکھتا ہے۔ ہم نے بارہا اپنے دوستوں کو نصیحت کی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ وہ بار بار یہاں آ کر رہیں...... یاد رکھو قبریں آواز دے رہی ہیں۔ اور موت ہر وقت قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب [illegible]

اِسلامی نظام کا نفاذ

(از قلم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

(۳)

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اِسلامی نظام کا دائرہ عمل محض شرعی قوانین کے نفاذ تک محدود نہیں، نہ ہی یہ ظاہر ارکانِ شریعت کی پابندی پر ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ قلوب کی تبدیلی اور انسانی رُوح میں ایک انقلاب کا طالب ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی امر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ سینہ میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ صحیح و تندرست ہے تو انسان کا تمام جسم تندرست رہتا ہے اور جب وہ بیمار ہو جائے تو تمام جسم کو خراب کر دیتا ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے یوں ادا کیا ہے :—

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور حضرت مجددِ وقت علیہ السلام نے فرمایا :—

نورِ دل جاتا رہا اک رسمِ دیں کی رہ گئی
پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار؟

اِصلاحِ قلوب ہی وہ دین کی حقیقت ہے جسے پیدا کرنے کے لئے ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنی جانب سے مامور و مصلح مبعوث فرمایا کرتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت نہ ہوتی تو ظاہرا قوانینِ شریعت اور ظاہرا ارکانِ دین کی ادائیگی کا علم و محاسبہ کرنے کے لئے حکام و علماء موجود ہوتے ہیں، پھر ان کی موجودگی کے باوجود منجانب اللہ مصلحین کی بعثت کی کیا ضرورت پڑی تھی ؟

ایمانی و اخلاقی انقلاب، جب انسان کی ہستی پر اس درجہ وارد ہو جائے کہ اس کے جملہ جسمانی جوارح اور معاشرتی تعلقات پر محیط ہو جائے۔ انسان ایسی صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جائے کہ گویا اس میں خدائی صفات کی جھلک نظر آئے۔ ایک مومن کی زندگی اور کافرانہ نظریہ و طریق کار میں نمایاں فرق نظر آ جائے۔ جیسا کہ سورۃ فرقان کی آیات کریمہ میں مومنین کاملین کی زندگیوں کا نقشہ قرآنِ پاک میں کھینچ کر بتلایا گیا ہے اور ان کی صفاتِ عالیہ کے بیان کے بعد یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں فاولٰئك یبدل اللہ سیئاتھم حسنٰت۔ پس یہ وہ مومن لوگ ہیں جن کی زندگیوں میں ایسی عظیم تبدیلی آ جایا کرتی ہے کہ گویا خدا نے ان کی برائیوں کے بدلے نیکیاں رکھ دیں۔ خدا تعالےٰ کا اُن کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دینے کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے جو رُوحانی و اخلاقی جد و جہد کی تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے اُنہیں گویا دوسری قسم کی مخلوق بنا دیا۔ جد و جہد انسان بجا لاتا ہے تو اس پر ثمرات کا مترتب کرنا خدائی قانونِ ابدی کے نتیجہ میں ہوا کرتا ہے۔

اِنسان کے لئے خدائی قانون یہی رکھا گیا ہے کہ وہ ایمانی و اخلاقی امور میں جب صدقِ دل سے تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے تو خدا کا فضل اسے قبولیت بخش کر اس پر نتائج مترتب کرتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہُوا کرتا کہ انسان تو سچائی کی رُوح سے کسی قسم کی جد و جہد سے بے نیاز رہے مگر خدا تعالےٰ اس میں تبدیلی پیدا کر دے۔ ایک حدیث شریف میں بھی وضاحت سے بندہ کی مساعی پر خدائی فضل کا ذکر آتا ہے، جب فرمایا کہ اگر بندہ جب ایک قدم خدا کی طرف چل کر آئے تو خدا تعالےٰ دس قدم سے اس کی طرف آتا ہے وغیرہ۔ قرآنِ کریم میں انسانی جد و جہد کو جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس آیت سے ہو جانا چاہیئے جہاں فرمایا ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم۔ خدا تعالےٰ کسی قوم کی حالت کو تبدیل نہیں کیا کرتا جب وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی جد و جہد میں نہ لگ جائے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پاکستانی افواج کے سربراہ اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بھی کل رات (جمعرات ۲۸ر جولائی) کو جو بیان ٹی وی پر دیا اس میں آپ نے بھی اسی آیت شریفہ کے مضمون کی طرف قوم کی توجہ دلانے کی کوشش کی ہے کہ حکومت کوئی بھی ہو اپنی طرف سے کیسے خلوص و تندہی سے قوم کے اندر سے برائیاں دُور کرنے کی سعی کرے اس کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار اسی امر پر ہے کہ قوم کے عوام اس میں کس قدر تعاون و امداد کرتے ہیں۔ یہ آپ کا ارشاد عین اسی حقیقت الامری کی غمازی کرتا ہے کہ کسی قوم کی معاشرتی و معاشی برائیوں کا قلع قمع اسی صورت میں ہی ممکن العمل ہے جب دونوں حکام اور عوام یک دل و جان ہو کر اس کے لئے کوشاں ہوں۔ ظاہر ہے کہ صرف قوانین اور ان کا نفاذ نہ تو کسی قوم میں برائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینک سکتے ہیں، نہ ہی اندرونی طور پر کسی فرد یا قوم کو مطہر و مزکی بنا سکتے ہیں۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قوانین جس قدر سخت اور باریک بنا لئے جائیں، ان کی خلاف ورزی بجا لانے والا عنصر اسی نسبت سے زیادہ خفیہ و باریک طریقے دریافت کر لیتا ہے۔ معاشرہ کے عام افراد کو شرپسند طبقہ سے بچانے کے لئے بیشک محاسبہ اور قانون کی ضرورت سے قطعًا انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم اس حقیقت سے بھی انکار کرنا فطرت انسانیہ کے تقاضوں سے منکر ہونا ہے کہ صرف محاسبہ اور سزا سے دُنیا میں حقیقی نیکی قائم کی جا سکتی ہے۔ یہی تو وہ اصل باعث ہے جس سے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کی ضرورت متحقق ثابت ہوتی ہے۔ ایمان باللہ اور عمل صالحہ پر بناء ایک معاشرہ کی تشکیل کرنا حقیقتًا اسلامی نظام کی بنیادیں قائم کرنا ہوا کرتا ہے اور اسی لئے خدا تعالےٰ نے یہ سلسلہِ بعثت مامورین و مجددین اور صلحائے اُمت، مسلمان قوم میں ہمیشہ کے لئے جاری رکھا ہوا ہے اس سلسلۂ دعوت و ارشادِ الٰہیہ سے کیسے انکار کی جُرأت ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تیرہ سو سال سے اُمتِ مسلمہ میں تسلیم چلا آیا ہے؟ افسوس ہے اگر آج حضرت اقدس مجددِ اعظم علیہ السلام کی ذات سے دشمنی اور ان کے انکار کے جواز میں بعض موجودہ مسلمان علماء اور جماعتیں ایسے عظیم اور روحانی زندگی بخش سلسلہ سے منکر ہو رہے ہوں تو یہ ان کی خوش بختی کا موجب نہیں۔ بلکہ دینِ اسلام کی ابدی افضلیت اور تر و تازگی کا یہی تو ایک ذریعہ ہے کہ ایسے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور فیض روحانیہ سے تیار ہو کر کھڑے ہوتے رہیں جن کا یہ دعوےٰ ہو کہ ان کی بعثت کی غرض، مسلمانوں کی زندگیوں میں ان کے باطنی اسلامی نظام کو فروغ و نفاذ دینا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں حضرت مجددِ اعظم صد چہار دہم کی تحریرات میں سے کچھ اقتباسات اس غرض کے لئے قارئینِ کرام کی افادیت کے لئے نقل کرتے ہیں :—

جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت "یہ سلسلۂ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دُنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائجِ خیر کا موجب ہو۔ اور وہ برکت کلمۂ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آ سکیں۔ .... یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن

جائیں اور اسلامی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ اُن سے عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا پاک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صُورت میں بہتا ہُوا نظر آئے۔" (ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ)

ایمان باللہ اور عمل صالح پر مبنی ایک اِصلاح یافتہ جماعت } "میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو...... تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دُنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشا پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پُوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دُشمن پر غلبہ بھی پالیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔" تفہیمات احمدیہ)

آسمانی نُور کے اُترنے کی ضرورت } "جاننا چاہیئے کہ انتہائی غرض اس زندگی کی خدا تعالیٰ سے وہ سچّا اور یقینی پیوند حاصل کرنا ہے جو تعلّقاتِ نفسانیہ سے چھڑا کر نجات کے سرچشمہ تک پہنچاتا ہے۔ سو اس یقینِ کامل کی راہیں انسانی بناوٹوں اور تدبیروں سے ہرگز کھُل نہیں سکتیں۔ اور انسانوں کا گھڑا ہوا فلسفہ اس جگہ کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔ بلکہ یہ روشنی خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعے ظلمت کے وقت آسمان سے نازل کرتا ہے اور جو آسمان سے اُترا وہی آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ سو اے لوگو! جو ظلمت کے گڑھے میں دبے ہوئے اور شکوک و شبہات کے پنجہ میں اسیر اور نفسانی جذبات کے غلام ہو۔ صرف اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو۔"

اندرونی اصلاح } تو اپنی اندرونی حالت پر آپ ہی گواہ ہو سکتے ہو کہ بجائے خدا پرستی کے ہردم دُنیا پرستی کا ایک قوی ہیکل بُت تمہارے دِل کے سامنے ہے جس کو تم ایک ایک سیکنڈ میں ہزار ہزار سجدہ کر رہے ہو اور تمہارے تمام اوقاتِ عزیز دُنیا کی جق جق اور بک بک میں ایسے مستغرق ہو رہے ہیں کہ تمہیں دوسری طرف نظر اُٹھانے کی فرصت نہیں، کبھی تمہیں یاد بھی ہے کہ انجام اس ہستی کا کیا ہونا ہے تم میں انصاف اور امانت! کہاں ہے تم میں وہ راستبازی اور خدا ترسی اور دیانت داری اور فروتنی جس کی طرف تمہیں قرآن بلاتا ہے؟ تمہیں کبھی بھولے بسرے برسوں میں بھی تو یاد نہیں آتا کہ ہمارا کوئی خدا بھی ہے ...... لیکن خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت تمہیں شرمندہ کرتا ہے جبکہ وہ تمہیں جتلاتا ہے کہ ایماندادوں کی نشانیاں تم میں نہیں ...... تم دُنیا کی زندگی پر ایسے مطمئن بیٹھے ہو۔ جیسے کوئی شخص ایک چیز ہمیشہ رہنے والی پر مطمئن ہوتا ہے مگر وہ دوسرا عالم جس کی خوشیاں سچے اطمینان کے لائق اور دائمی ہیں وہ ساری عُمر میں ایک مرتبہ بھی تمہیں یاد نہیں آتا۔" (فتح اسلام)

دُنیا پرستی } "اکثر لوگ دُنیا ہی سے محبت کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں ورنہ وہ .... اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دُنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا بھاری بُت جو اس زمانہ میں پیدا ہُوا وہ حُبّ دنیا ہی ہے یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا۔"

صداقت و راستبازی نہیں رہی } "...... کیا ہی دین ہے اور خُدا تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے کہ تم مطلق العنان ہو جاؤ اور جھُوٹ کو شیرِ مادر سمجھ لو؟ خدا نے جھوٹ کو شرک کے ساتھ ملا کر ہر دو کی ایک ہی جگہ ممانعت فرمائی ہے۔"

دین میں کمال اور استقامت اختیار کرنا } "...... اگر ریا نہ ہو تو بہت لوگ تھوڑے دنوں میں ولی بن جائیں ۔ جو شخص خدا کا ہوتا ہے خُدا اس کا ہوتا ہے مگر جو شخص اپنے ناقص اعمال کے ساتھ خدا کو دھوکا دینا چاہتا ہے وہ خود دھوکے میں آتا ہے مگر ایسے افعال بد کی جڑ دنیا کی محبت .... سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت لوگوں کو دُنیا کا غم لگا ہوا ہے۔"

ایک نئی اصلاح یافتہ قوم کی ضرورت } "...... کہ میں ان سب غلطیوں کو دُور کر کے اصلی اسلام پھر دنیا میں قائم کروں۔ ....
ان کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی یہ مثل ایک خراب اور نکمّے باغ کے ہو گئے ان کے دل ناپاک ہیں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔ .... قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالمِ آخرت ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے ۔ اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دُنیا کی جاہ و مراتب پر رکھتا ہے، اور جیسا کہ اس کو بھروسہ دنیوی اسباب پر ہے یہ یقین اور یہ بھروسہ ہرگز اس کو خدا تعالیٰ اور عالمِ آخرت پر نہیں زبانوں پر بہت کچھ ہے مگر دلوں پر دُنیا کی محبت کا غلبہ ہے"

اسلام کی عظمت اور شوکت کو ظاہر کرنا } "میں بڑے زور سے اور پُورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹادے اور اسلام کو غلبہ اور قوت دے۔

محمد رسول اللہ کو زندہ رسول ثابت کرنا } "...... خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس بات کا ثبوت دُوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے، اور زندہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

محمد رسول اللہؐ کی نبوت کے لئے تمام دُنیا میں گواہی دینا } "میں نے یہ باتیں اپنی طرف سے نہیں کیں بلکہ وہ خُدا جو زمین و آسمان کا خالق ہے میرے پر ظاہر ہوا اور اس نے آخری زمانہ کے لئے مجھے مسیح موعودؑ کیا اس نے مجھے بتلایا کہ سچ یہی ہے کہ یسوع ابنِ مریمؑ نہ خُدا ہے نہ خُدا کا بیٹا ہے اور اسی نے میرے ساتھ ہم کلام ہو کر مجھے یہ بتلایا کہ وہ نبیؐ جس نے قرآن پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا وہ سچا نبی ہے اور وہی ہے جس کے قدموں کے نیچے نجات ہے اور بجز اس کی متابعت کے ہرگز کسی کو کوئی نور حاصل نہیں ہوگا اور جب میرے خُدا نے اس نبیؐ کی رفعت اور قدر اور عظمت میرے پر ظاہر کی تو میں کانپ گیا اور میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا"

(ملفوظات احمدیہ)

مامور وقت محض وعظ و تلقین کرنے نہیں آیا کرتے، بلکہ اسکے ساتھ انکے ذمہ اس باطنی نظام کو قائم کرنا ہوا کرتا ہے جس میں وہ صفاتِ عالیہ یعنی راست روی صدق شعاری، انصاف پرستی، حق گوئی، صاف باطنی اور یک رنگی نمایاں ہوں جب تک انکے نقشِ قدم پر آپ کے پیرو بھی ایسے ہی نظام کو قائم رکھتے ہیں تب تک وہ مامور وقت کے حقیقی نائب ہوتے ہیں لیکن جب یہ حالت بدل جائے اور باطنی نظام میں مکر و فریب، جھوٹ و ناراستی، چالبازی و دھوکہ دہی راہ پا جائے تو ایسی حالت میں مامور سے ظاہرا تعلق اس نظام کے قیام و ثبات کو کوئی مدد نہیں دے سکتا۔ حقیقتاً مامورِ وقت کی سچی نیابت کا تقاضا یہی ہے کہ ۲۴ ان کے نام سے منسوب شدہ نظام میں صداقت و انصاف پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہو تا اس نمونہ کی پیروی میں دنیا میں یہی صفات قائم ہو کر امن و سلامتی ـــ

کیا حضرت مسیح ابن مریم زندہ ہیں؟

بجواب مکتوب مولوی محمد یوسف صاحب مورخہ ۹ر جون ۱۹۷۷ء

مکرمی و محترمی مولوی محمد یوسف صاحب - زید مجدکم

آپ کا مکتوب گرامی مرقومہ ۹ر جون ۱۹۷۷ء ملا - میں آپ کا یہ خط اور اس پر اپنا تبصرہ پیغامِ صلح میں اشاعت کے لئے ارسال کر رہا ہوں - آپ بھی مناسب خیال فرمادیں تو اپنے کسی جریدہ میں یہ دونوں شائع فرما کر مشکور فرمادیں۔

(ا) میں نے اپنے خط مورخہ ۵/۳۰/۷۷ میں آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ (۱) میں سائل ہوں اور آپ مجیب (۲) میں نے بحیثیت سائل آپ سے درخواست کی ہے کہ بروئے قرآن حیاتِ مسیح ثابت کریں اور (۳) مجھے قرآنِ کریم سے باہر کوئی اصول موضوعہ یا دلیل منظور نہ ہوگی - لیکن آپ نے قرآن کریم کے ساتھ احادیث اور اجماعِ اُمت کو بھی لے لیا ہے۔ اس لئے میں اپنے اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی توجہ اور معروضات صرف قرآن کریم سے پیش کردہ آیات پر ہی مرکوز رکھوں گا - حدیث متواتر اور اجماع پر بحث قرآن کریم کے بعد آئے گی جیسا کہ میں نے آپ کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ میرے نزدیک کوئی ایسی حدیث جو قرآن کریم کے مخالف پڑتی ہو اور کسی شخص کا ایسا قول خواہ وہ حضرت مرزا صاحب ہی کیوں نہ ہوں جو قرآن کریم کے مخالف ہو ہرگز قابلِ قبول نہیں - البتہ اگر کوئی حدیث تاویل کے بعد قرآن کریم کے موافق نظر آئے تو وہ مانی جائے گی۔

(۲) قرآن کریم سے حیاتِ مسیح کا ثبوت

قرآن کریم سے حیاتِ مسیح ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین آیات پیش کی ہیں :-

ا : ھو الذی ارسل .... علی الدین کلہ - (الصف - ۹)

ب : آیت میثاق النبیین (آل عمران - ۸۱)

ج : " و ان عدتم ..... حصیرا " (بنی اسرائیل - ۸)

ا اور ج کے تحت درج شدہ آیات آپ نے اس لئے پیشِ سامنے رکھی ہیں کہ براہینِ احمدیہ حصہ چہارم کے صفحات ۴۹۸ - ۴۹۹ - اور ۵۰۵ پر آپ کو وہ تفسیر مل گئی ہے جو ان آیات کے بارے میں حضرت مرزا صاحب نے بیان کی ہے - لیکن آپ یہ بھول گئے ہیں کہ براہینِ احمدیہ کا حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا راز آپ پر ۱۸۹۰ء میں اس الہام کے ذریعے منکشف ہوا :-

" مسیح ابنِ مریم فوت ہوگیا ہے وجعلناک المسیح بن مریم "

اس کے مدِ نظر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دعوئ مسیح موعود تک قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے دی گئی اطلاع کو جانچا اور پرکھا - جب آپ کو یقین ہوگیا کہ قرآن کریم وفاتِ مسیح کی تصدیق کرتا ہے تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا اور اپنے وفاتِ مسیح کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم سے ۳۰ آیات پیش کیں جو ازالہ اوہام میں بالتفصیل درج ہیں - اس لئے آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ ۱۸۹۱ء کے بعد کی کوئی تفسیر

پیش کرتے جن میں سے حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ دربارہ حیاتِ مسیح مستنبط ہوسکتا۔

ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مامور ہونے کا دعوےٰ کرتا ہو اپنی طرف سے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کرسکتا جو اللہ تعالےٰ نے اس پر ظاہر کیا ہو - اور نہ ہی اس مقام پر مبعوث ہونے کا دعوےٰ کرسکتا ہے جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کا مدعی ہونے کا حکم نازل نہ ہو جائے - اس لئے ۱۸۸۴ء میں حضرت مرزا صاحب نے نہایت دیانت داری اور سچائی سے کام لیتے ہوئے وہی کچھ بتایا جو آپ پر ظاہر ہوچکا تھا یعنی :-

" اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی ہے " اور

" اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔"

اور ہاں تو یہ الفاظ بھی ہیں جو آپ نے .... اس طرح نقطے ڈال کر حذف کر دیئے ہیں :-

" گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔"

یہاں تو حضرت صاحب نے ایک فطرتی اور سائنسی اصول بیان کر دیا ہے ایک ہی درخت کے دو پھل یا سارے پھل شکل و شباہت - جسامت اور دوسری خصوصیات میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے ہیں اور ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑوں کیا سائنسی لحاظ سے سارے ہی ٹکڑوں بلکہ ان کے خورد بینی ذرات یا ایٹموں میں کبھی طبعی اور کیمیائی لحاظ سے مشابہت تامہ ہوتی ہے - اس سے تو جسمانی مشابہت بھی ظاہر ہوتی ہے - لیکن حضرت مرزا صاحب نے صرف وہی کچھ بیان فرمایا جو ان پر ظاہر کیا گیا تھا - اسی لئے " جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی " میں اپنے آپ کو شامل نہ کیا - یہ آپ کا اپنا اجتہاد اور خیال تھا جس میں غلطی لگنے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا - اور جب خدا نے آپ پر ظاہر کر دیا تو مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ واپس آنے کا آپ کا نظریہ غلط ثابت ہوگیا - اور تب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

جہاں تک " الصف کی آیت ۹ " کا تعلق ہے بعینہٖ الفاظ " الفتح ۲۸ " میں ہیں - " الصف " ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے اور " الفتح " ۶ھ کی نازل شدہ - اس سے اگلی آیت ۲۹ میں اس رسول کا نام لے کر یعنی " محمد رسول اللہ " کہکر بتا دیا ہے کہ یہ غلبۂ دینِ محمد صلعم کی رسالت سے ہی وابستہ ہے - اور اس سے آگے " والذین معہ " کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ یہ غلبۂ دین ان لوگوں کے ساتھ بھی وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت کا شرف حاصل ہے - یہ معیت محض قولی نہیں فعلی بھی ہے اور اس کی علامتیں یہ ہیں کہ کفار کے مقابلے پر قوی آپس میں رحم کرنے والے - رکوع اور سجود کرنے والے اور اپنے ربّ کا فضل چاہنے والے ہیں اور یہ نشانیاں ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں - یعنی آپ کی مکمل اطاعت اور اتباع کرنے والے لوگ ہیں - ورنہ زبان سے کہنے والے تو منافقین بھی تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں جیسا کہ " البقرہ - ۱۴ " میں فرمایا ہے :-

" اور جب انہیں ملتے ہیں جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اُن سے ہم صرف ہنسی کرتے ہیں۔"

اس لئے آپ کی معیت کا مطلب آپ کی کامل اطاعت اور اتباع ہے اور اس اطاعت اور اتباع کے ثمرات کا ذکر "(النساء ۶۹)" میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے :-

"اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا من النّبیّین والصّدّیقین والشّہداء والصّالحین۔ یعنے نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔"

یہ مقامات آپ کی زندگی تک محدود نہ تھے بلکہ "ومن یطع اللہ والرسول" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے یا کرے گا خواہ آپ کی زندگی میں ہو یا بعد میں وہ ان مقامات کو پا جائے گا۔ اس لئے اس میں عمومیت ہے اور اس بات پر کہ بعد میں آنے والے بھی آپ کی اطاعت سے یہ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ سورۃ الجمعہ کی آیات ۲ اور ۳ بڑی واضح اور غیر مبہم شہادت دیتی ہیں :—

(۱) "وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔"

(۲) "اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان کو نہیں ملے (بعد میں آنے والے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔"

(۳) بعد میں آنے والوں کے بھی آپ ہی معلم ہوں گے اور انہیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا۔ آپ ہی کے ذریعے وہ علم و حکمت سیکھیں گے اور ان کا تزکیہ بعد میں ہوگا جو ان کے لئے مذکورہ مراتب کے حصول کا موجب ہوگا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ اس اُمت میں آپ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہیں یہ رُتبہ ملا۔ اس گروہ میں "النّبیّین" کا ذکر بھی ہے اس کی تفسیر خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ "علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔

اِن تمام تفصیل سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں :-

۱— اظہارِ دین آنحضرت صلعم کی رسالت اور ان لوگوں سے وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت حاصل ہے۔

۲- یہ معیت صرف قولی نہیں بلکہ فعلی بھی ہے جس کا مطلب آپ کی مکمل اطاعت اور اتباع ہے۔

۳- ایسی اطاعت اور اتباع سے انسان کو انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔

۴- اس میں عمومیت ہے تخصیص نہیں۔ جو بھی آپ کے قدم پر قدم مارے گا وہ یہ مقامات حاصل کر سکتا ہے۔

۵- یہ بات آپ کے زمانۂ حیات تک محدود نہیں بلکہ آپ کے بعد آنے والے بھی اس سرچشمۂ ہدایت وحق سے سیراب ہو کر تزکیہ نفوس کرکے یہ مقامات پا سکتے ہیں۔ اس طرح آپ ہی ان کے معلم۔ ہادی۔ رہنما اور مقتدا ہوں گے۔

۶- تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ آپ کے بعد اس امت میں ایسے عظیم المرتبت انسان پیدا ہوئے جنہیں اولیاء اور مجدّد کہا جاتا ہے اور جن کے ذریعے اپنے اپنے زمانہ میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خرابیاں دُور ہوئیں اور نئے نئے مسائل کا حل پیش کیا گیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آنحضرت صلعم کے بعد آئیں گے اور "اٰخرین منہم" میں شامل ہوں گے اس طرح وہ بھی علم و حکمت کی باتیں آنحضرت صلعم سے سیکھیں گے اور آپ ہی کے ذریعہ ان کا تزکیہ نفس ہوگا۔ اور یوں وہ آپ کے تلامذہ میں شامل ہوں گے اور آپ کی اطاعت اور اِتباع سے ہی ان کو یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ یعنی آنحضرت صلعم مطاع ہوں گے اور حضرت عیسیٰ مطیع۔ لیکن جب میں قرآن کریم پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے وہاں یہ آیت نظر آتی ہے "وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ"۔ یعنی رسول مطاع ہوتا ہے نہ کہ مطیع۔ اس کی اطاعت کی جاتی ہے نہ کہ وہ کسی کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو بھی رسول آیا ہے وہ مطاع ہی ہوا ہے مطیع نہیں ہوا اسے تعلیم براہ راست اللہ تعالےٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ملتی رہی ہے جو وہ لوگوں تک پہنچاتا رہا ہے۔ اور وہ ایک کتاب کی صورت میں محفوظ رہی ہے۔ اور چاہیئے بھی یہی کیونکہ زمانہ ارتقاء پذیر رہا ہے اور ہر دور کے مسائل مختلف رہے ہیں۔ زمانہ کی ضروریات کے مطابق انبیاء تشریف لاتے رہے ہیں اور ہر نبی کو اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اللہ تعالےٰ کی طرف سے علم حاصل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اس تعلیم میں بتقاضائے زمانہ ردّ و بدل ہوتا رہا ہے۔ پہلی کتابوں میں جو باتیں زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہوتی تھیں وہ رکھی جاتیں اور دوسری باتوں کو ترک کرکے نئے احکام نازل کئے جاتے۔ اسی طرح شریعت میں ردّ و بدل ہوتا رہا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے :—

"ما ننسخ من اٰیۃٍ او ننسھا نأتِ بخیرٍ منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علےٰ کل شیءٍ قدیر"۔

حضرت عیسےٰ صاحب کتاب نبی اور رسول تھے۔ آپ مطاع تھے مطیع نہیں ہو سکتے۔ مجھے کہیں کوئی ایسی مثال قرآن کریم میں نہیں ملتی کہ کسی نبی کو دوسرے نبی کا مطیع اور شاگرد بنایا ہو۔ اس لئے وہ عیسیٰ جو بنی اسرائیل میں سے نبی تھے اور انہی کی طرف تھے "اٰخرین منہم" میں شامل نہیں ہو سکتے اس لئے وہ آ بھی نہیں سکتے اور زندہ بھی نہیں ہیں۔ اور پھر وہاں الفاظ "یزکیھم" بھی ہیں۔ اگر حضرت عیسےٰ ان میں شامل ہوں گے تو ان کا تزکیہ نفس بھی آنحضرت صلعم کے ذریعہ ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ جب وہ آئیں گے تو نعوذ باللہ گنہگاروں میں شامل ہوں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مقامِ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد وہ اس سے گر کر گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے اور کسی دوسرے نبی کے ذریعہ ان کے تزکیہ کی ضرورت پڑے اور اس تزکیہ کے بعد وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے پھر مبعوث کئے جائیں؟ کیا قرآن کریم سے کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ایسا نہ ہو کہ اسی نبی کی اُمت کا کوئی شخص جس کا تزکیہ نفس اسی نبی کے ذریعہ ہو چکا ہو اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے۔

میرے خیال میں "منہم" میں آنحضرت صلعم کی اُمت کے لوگ شامل ہیں اور اس طرح حضرت عیسےٰ اس سے باہر ہیں۔ اور کوئی نبی بیک وقت نبی بھی اور اُمتی بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسےٰ اُمتی اس لئے بھی نہیں ہو سکتے کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ :- "ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل"۔ اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا (آل عمران ۴۸) اس لئے آنحضرت صلعم سے سیکھنے اور ان کے شاگردوں میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لہٰذا یہ آیت جو آپ نے نقل کی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کی حیات پر دلیل دی ہے کسی طرح بھی یہ ثبوت بہم نہیں پہنچاتی کہ حضرت

عیسٰےؑ زندہ ہیں اور آنحضرت صلعم کے بعد اصلاحِ اُمّت کے لئے تشریف لائیں گے۔

آلِ عمران کی آیت ۸۱ سے ثبوت

یہ آیت کریمہ میثاق النبیین کے متعلق ہے جس کا ترجمہ میں اپنے قارئین کے لئے درج کر دیتا ہُوں:-

"اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعے عہد لیا کہ جو کچھ مَیں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اُس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور مَیں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں"۔

اس کی تشریح کرتے ہُوئے آپ فرماتے ہیں کہ "اگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ رکھا جاتا"۔ یعنی آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰےؑ سے پہلے جتنے انبیاء تھے وہ زندہ نہیں ہیں۔ فوت ہو چکے ہیں۔ اب اللہ تعالےٰ کے اس قانون سے جس کے تحت تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات واقع ہُوئی آپ حضرت عیسٰےؑ کو مستثنٰے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اگر حکمتِ الٰہیہ نے (ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے) تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسٰےؑ کو منتخب کر لیا اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالتہً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابتہً ایمان و نصرت کا وعدہ پُورا کر دکھایا تو اس کو آپ کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے"۔

آپ کی اس تشریح پر میرے یہ اعتراضات ہیں:-

(۱) کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایک ایسی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حکمتِ الٰہیہ نے ان مصالح کی بناء پر حضرت عیسٰےؑ کو انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لئے منتخب کیا؟ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ انسانوں کی فلاح وبہبود اور اصلاح نفوس کے لئے جو بات ضروری ہوتی ہے اس کو اس کی حکمت نے کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اپنے ایسے احکام کو وہ "ایاتٍ بیّنٰت" سے تعبیر کرتا اور ان "بیّنٰت" کے بعد ہی وہ منکرین کو کافر کا خطاب دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:-

"یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے اتارا ہے اور اس کے احکام کو ضروری ٹھہرایا اور اس میں کھلے کھلے حکم اُتارے (فیھا ایاتٍ بیّنٰت) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔ (النور- ۱)

اور پھر فرماتا ہے کہ:-

"یہ اس لئے ہوا کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے پر انہوں نے انکار کیا (فکفروا) سو اللہ تعالےٰ نے انہیں پکڑا اور وہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے"۔ (المؤمن- ۲۲)

اگر اللہ تعالےٰ کسی قوم کی حالت کے مطابق کھلی کھلی دلائل اور واضح احکام نازل نہ کرے اور نعوذ باللہ مصلحت آمیزی اور مصلحت کوشی سے کام لے تو اسے مخالفین حق کو سزا دینے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اگر حضرت عیسٰےؑ کو اصلاحِ اُمّتِ محمدیہ کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا تو اُسے کون روک سکتا تھا کہ قرآن میں ان کی زندگی کے متعلق صاف صاف بیان کر دیتا اور وہاں ایسی آیات نہ ہوتیں جن سے کہیں تو ان کی حیات ثابت ہوتی اور کہیں ممات۔ اور اس پر مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوتا۔

(۲) قرآن کریم میں نہ تو مجھے کوئی ایسی آیت ملی ہے جس میں ان مصالح کا ذکر ہو جن کے مدِّنظر حضرت عیسٰےؑ کو زندہ رکھا گیا اور نہ ہی کوئی ایسی آیت نظر آئی ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ نیابت انہیں سونپی ہو کہ وہ ان سب کی طرف سے اس عہد کو پورا کریں۔ کیونکہ عہد پُورا کرنا اسی نبی کا فرض ہے جس سے یہ عہد لیا گیا ہو۔ خدا ایک نبی سے عہد لیتا ہے۔ وہ خود اسے پُورا نہیں کرتا اور ذمّہ داری دوسرے کے سر ڈال دیتا ہے اس کی منطق مجھے سمجھ نہیں آئی۔ ایمان اسی نبی نے لانا ہے اور مدد اسی نبی نے کرنی ہے۔ اس میں کیا تُک ہوئی کہ وہ دوسرے کو کہے کہ بھئی میں تو نہ ایمان لاتا ہُوں اور نہ مدد کرتا ہُوں تم میری طرف سے ایمان بھی لے آؤ اور مدد بھی کرو۔ کیا یہ خدا کے حکم کی حکم عدولی اور عہد شکنی نہیں اور کیا کسی نبی سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے:-

"جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں (من بعد میثاقہٖ) اور اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی نقصان اُٹھانے والے ہیں"۔ (البقرہ- ۲۷)

کیا انبیاء اپنے لئے نقصان پسند کر سکتے ہیں؟

"الرعد" ۲۵ میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ ہیں:-

"اور وہ جو اللہ کے عہد کو پکّا کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ (ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہٖ) اور اسے کاٹتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لئے لعنت ہے اور جن کے لئے اس گھر کا بُرا انجام ہے"۔

کیا اللہ کے نبی بذاتِ خود اس پختہ عہد کو پُورا نہ کرکے اس کو توڑنے کے مرتکب نہیں ہوتے اور نعوذ باللہ اس سزا کے مستوجب نہیں ٹھہرتے اگر کسی نبی کی اُمّت کے لئے یہ سزا ہے تو وہ نبی جو اپنی اُمّت کا قائد اور رہنما ہے وہ اس سے کیسے بچ سکتا ہے۔ رسُول کریم صلعم کو اپنے بارے میں فرمانے کا یہ حکم ہوتا ہے:-

"کہہ اگر مَیں اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔ (الانعام- ۱۵)

جن کے بارے میں عہد لیا گیا اگر وہ یہ فرماتے ہیں تو باقی انبیاء کو اس سے بڑھ کر ڈرنا چاہیئے تھا کہ اگر ہم نے عہد پورا نہ کیا تو یہ معصیت الٰہی ہوگی اور ہم اللہ کی ناراضگی کے مورد ہو جائیں گے۔

(۳) بفرضِ محال اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر ہی لی جائے کہ حضرت عیسٰےؑ اپنی طرف سے اصالتہً اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے نیابتہً یہ عہد پُورا کرنے کے لئے زندہ رکھے گئے ہیں تو اس آیت کے الفاظ "لتؤمنن بہٖ ولتنصرنّہٗ" کے مطابق آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت حضرت عیسٰےؑ کو اللہ تعالےٰ سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اب وہ رسول مبعوث ہوگیا ہے اب مجھے نیچے اتاریئے کہ میں وہ میثاق پُورا کروں جو آپ نے سب انبیاء سے لیا اور انہوں نے یہ ذِمہ داری مجھے سونپی اور مَیں بذاتِ خود یہ شہادت دوں کہ یہ وہی رسول ہے جس کے متعلق مَیں نے کہا تھا اور بشارت دی تھی کہ "یاتی من بعدی اسمہٗ احمد"۔ آپ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا وہ وقت تھا جب کہ میں آپؐ اور

آپ کے ساتھیوں کو سخت سے سخت ایذائیں دی جا رہی تھیں انکی وجہ سے آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ مدینہ میں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ زندگی کے آخری سال تک جنگیں لڑنا پڑیں۔ اس وقت سلطنت روم عیسائیوں کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ آکر اپنی قوم سے ہی مدد دلوا دیتے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خدا جس نے خود ہی ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا اور حضرت عیسےٰؑ جنہیں نیابتہً اور اصالتہً یہ فرض ادا کرنا تھا دونوں خاموش تماشائی بن کر آنحضرت صلعم کی مصائب اور مشکلات کا تماشا دیکھتے رہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے عہد لے کر اس عہد کو پورا کرنے کے لئے حضرت عیسےٰؑ کو آپؐ کی مدد کے لئے نہ بھیجا۔ آخر کیوں؟

(۴) حضرت عیسےٰؑ نے اپنی پہلی بعثت کے وقت یہ فرما دیا کہ "ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" اپنا عہد اصالتہً اور نیابتہً پورا کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی توریت کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر توریت میں آنحضرت صلعم کا ذکر دیکھنا ہو تو "استثنا۔ ۱۸۔ ۱۸" دیکھ لیں اور انجیل میں دیکھنا ہو تو "یوحنا ۱۴۔ ۱۶" ۔ "یوحنا ۱۵۔ ۲۶" اور "یوحنا ۱۶۔ ۷ و ۱۳" دیکھ لیں۔

برناباس کی انجیل میں لکھا ہے:—

"یسوع نے کہا وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسول دنیا میں آئے گا۔ تم مجھے سچا مانو۔ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے سامنے عزت و حرمت کو پیش کیا۔ اس کو ہر نبی نے دیکھا ہے کیونکہ اللہ ان نبیوں کو اس کی رُوح بطور پیشگوئی عطا کرتا ہے اور جب میں نے اس کو دیکھا (رُوح کو) میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا۔ اے محمدؐ! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کر لوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس ہو جاؤں گا اور جب کہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ (باب ۴۴: ۱۹ تا ۳۲)

حضرت عیسیٰؑ کو بھی آپؐ کی رُوح بطور پیشگوئی عطا کی گئی تو آپ نے فرمایا:—

"ومبشراً برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد"۔

اب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کس مقصد کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا۔ توراۃ میں شہادت موجود ہے۔ انجیل میں شہادت موجود۔ یہودی اور عیسائی اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلعم کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے یہ ساری شہادتیں سچی ثابت ہو رہی تھیں لیکن انہوں نے انکار ہی کیا۔ اب حضرت عیسےٰؑ آکر اس سے بڑھ کر کیا شہادت دیں گے کہ سب مان جائیں گے حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے:—

"اور تیرے ماننے والوں کو تیرا انکار کرنے والوں پر قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے"

یہ خطاب حضرت عیسےٰؑ سے اُن کی بعثت اولیٰ کے وقت ہے جب آپ کو ماننے والے عیسائی اور انکار کرنے والے یہودی قیامت تک رہیں گے تو حضرت عیسےٰؑ آکر کیا کریں گے اگر ان دونوں قوموں کا اختلاف ویسے کا ویسا رہا تو حضرت عیسےٰؑ آکر کیا کارنامہ سر انجام دیں گے۔

(۵) مولانا آپ ذرا بھی غور فرماتے تو آپ کو "لما آتیتکم من کتٰب وحکمۃ" کے مدنظر عیسےٰؑ کو اس کام کے لئے زندہ رکھنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔ عہدنامے تحریری ہوتے ہیں۔ "میثاق مدینہ" بھی ایک تحریری دستاویز تھی اور صلحنامہ حُدیبیہ بھی۔ ان دونوں پر آنحضرت صلعم کے دستخط موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف آنحضرت صلعم اُکی پابندی کے لئے مکلف تھے۔ اس کی پابندی آپؐ کی اُمت پر بھی اتنی ہی لازمی تھی جتنی آپؐ پر۔ "کتاب" کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ جو عہد اللہ تعالےٰ نے لیا وہ اس نبی کی کتاب میں درج ہے نبی نے زندہ نہیں رہنا تھا۔ لیکن اس کی اُمت اور کتاب نے دوسرے نبی کے آنے تک آگے چلنا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے:—

"ہم نے موسےٰؑ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔" (۴۰۔ ۵۳)

نبی کے جانے کے بعد اس کی اُمت پر اس عہدنامے کی پابندی لازمی تھی۔ جب دوسرا نبی آیا تو اس نے اپنے سے پہلے نبی اور اس کی کتاب کی تصدیق کی اور اس طرح اس عہدنامے کی بھی تصدیق کی جو آنحضرت صلعم کے متعلق اس میں درج تھا اور یوں وہ اس پر ایمان لایا اور یہی عہدنامہ اس کی اپنی کتاب میں درج ہوا۔ اسی طرح ایک اُمت سے دوسری اُمت تک یہ عہدنامہ کتاب کے ذریعہ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ وہ موعود نبی یعنی آنحضرت صلعم تشریف لے آئے۔ اور اللہ نے آپؐ سے فرمایا:—

"کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں" ۔ اس میں تمام نسلِ انسانی جو اس وقت کرۂ ارض پر موجود اور جو بعد میں آنے والی تھی مخاطب تھی اور اس ساری نسل انسانی میں پہلے رسُولوں کی اُمتیں شامل تھیں۔ ہر رسول کو جو تعلیم ملی وہ اسی کی کتاب میں درج تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کو بھی جو تعلیم ملی وہ قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

"اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اُتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے اور اس پر نگہبان۔" (۵۔ ۴۸)

پھر اہلِ کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:—

"اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے (قرآن) اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے۔" (۴: ۴۷)

قرآن کریم نے تمام سابقہ کتب انبیاء علیہم السلام کی تصدیق حفاظت اور نگہبانی اس طرح فرمائی کہ ان کی تمام صحیح تعلیم کو اپنے اندر محفوظ کر لیا اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جو تحریف اور ردّ و بدل ہوتا رہا اس کی تصحیح کی۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی آمد کے متعلق جو پیشگوئیاں ان ساری مذہبی کتب میں درج ہیں وہ جُوں کی توں ہیں۔ ان میں کسی کو ردّ و بدل کی توفیق ہی نہیں ملی۔ اس کا مطالعہ کرنا ہو تو ہمارے مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف "میثاق النبیین" پڑھ لیجئے۔ آپ کا دل روشن ہو جائے گا۔

اس لئے یہ عہدنامہ یا "میثاق" نبیوں کے ذریعے ان کی اُمتوں سے لیا گیا تھا اور جو ان کی کتب میں متواتر درج ہوتا چلا

آیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے "انما اخذ اللہ میثاق النبیین علیٰ اممھم" یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا میثاق ان کی امتوں پر لیا۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل اور آپ کی امت کے ذریعے یہ میثاق پورا ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ آ کر حضرت عیسیٰؑ کو یہ شہادت دینے کی ضرورت نہیں کہ جس شخص محمد نامی نے مجھ سے پہلے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ سچا تھا۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی مدد کرتا ہوں۔ اس طرح تو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے گزرنے والے انبیاء میں سے کوئی بھی نہ آپؐ پر ایمان لایا اور نہ آپؐ کی مدد کی جو اللہ تعالیٰ کی نصیحت میں داخل ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا "اقررنا"۔ اور نہ ہی قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نظر آتی ہے جس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہو کہ انہوں نے یہ قرض حضرت عیسیٰؑ کو تفویض کر دیا تھا اور اگر یہ بھی تھا تو وہ رسول کریم صلعم کی زندگی میں اسے ادا کرنے کے لئے آسمان سے نیچے نہ آئے اور نہ اللہ نے انہیں بھیجنا مناسب سمجھا اور اس طرح خود ہی اس قرار کو خود ہی تڑوا دیا۔

۶۔ آپ کا فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آنحضرت صلعم کے بعد آ کر دوسرے انبیاء کی طرف سے "نیابۃً" اور اپنی طرف سے "اصالۃً" یہ میثاق پورا کریں گے یعنی آپؐ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپؐ کی مدد بھی کریں گے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل غور امر یہ ہے کہ وہاں الفاظ میثاق النبیین ہیں۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو ایک نبی کی حیثیت اور مستقل نبی کی حیثیت میں آ کر یہ میثاق پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ وہاں صاحب کتاب اور مستقل نبیوں کا ہی ذکر ہے جیسا کہ سابقہ ہی "لما اتیتکم من کتاب" کے الفاظ ہیں۔ جب آنحضرت صلعم کے بعد ایک صاحب کتاب نبی آئے گا تو ختم نبوت کی مہر کہاں ثابت رہے گی۔ ایک بار تو حضرت عیسیٰؑ پر انجیل اتر چکی ہے جس میں آنحضرت صلعم کے متعلق شہادت موجود ہے۔ اب ان پر کوئی دوسری کتاب اترنی چاہیئے جو بغیر وحی الٰہی یوساطت جبرائیل ممکن نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلعم کے بعد اجرائے نبوت اور وحی کا ایک نیا سلسلہ ماننا پڑتا ہے۔ جسے میں تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس لئے میں حضرت عیسیٰؑ کو زندہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس سے آنحضرت صلعم نہ خاتم النبیین رہتے ہیں۔ نہ قرآن خاتم الکتاب اور نہ اسلام ایک مکمل دین۔ اب خود ہی سوچ لیجئے اجرائے وحی اور نبوت کا قائل کون ہے اور ختم نبوت کا منکر کون۔ ہم یا آپ؟

مولانا جناب برکت اے خان کی طرف سے جو "بشارتی کمیٹی سیالکوٹ ڈایوسیس کونسل (عیسائی تنظیم) کے ایک معزز رکن ہیں ایک کتابچہ "فلسفۂ وحدت الوجود" شائع ہوئی ہے جو مجھے ابھی ابھی ملی ہے۔ میں آپ کی توجہ اس کے صفحہ ۲۸ پر ان سطور کیطرف مبذول کرنے کی اجازت چاہتا ہوں :۔

"چنانچہ خداوند یسوع مسیح خدائے کامل اور انسان کامل بھی ہے، وہ پیکر حق و صداقت، الٰہی سیرت، قدرت، اختیار آسمانی جلال اور الوہیت کی ساری معموری کے سبب اور بعد از مصلوب و مقتول تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنے کی قدرت اور زندہ بجسد عنصری صعود آسمانی کی بے مثل جلالی عظمت کے سبب "ابن اللہ" ہے اور کلمۃ اللہ ہے۔"

آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس آئیں گے اور امتِ مسلمہ کی اصلاح کریں گے۔ تو کیا جواب ہے آپ کے پاس عیسائیوں کے ان الفاظ کا کہ "ابن اللہ ہے"۔ "کلمۃ اللہ ہے"۔ "خدائے کامل اور انسان کامل" ہے۔ "پیکر حق و صداقت" "الٰہی سیرت۔ قدرت۔ اختیار" بھی اسے حاصل ہے۔ کہاں ہے آپ کی نگاہ میں۔ آنحضرت صلعم۔ خاتم النبیین کی وہ عظمت اور رفعت جب آپ کا اور عیسائیوں کا ایک ہی عقیدہ ہے تو کیا آپ خدا کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں؟ ذرا خدا کا خوف دل میں کھا کر ذرا ختمی المرتبت کی اس فضیلت کو جو آپ محض زبانوں سے انہیں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر دیتے ہیں سامنے رکھ کر۔ ضد اور تعصب کے جذبات سے اپنے دل کو خالی کر کے تنہائی اور فرصت کے لمحات میں اس پر غور فرمائیں کہ یثرب کے نبی معصوم کو جنہیں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ آپ مدینہ میں مدفون سمجھتے اور آپؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تمنا اور تڑپ دل میں لئے پھرتے ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ کو جنہیں انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں انہیں عرش پر زندہ سلامت سمجھے بیٹھے ہیں۔

"اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"

(متی باب ۱۵: ۲۴)

"اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ (الصف: ۶)

"و رسولاً الیٰ بنی اسرائیل" (آل عمران: ۴۹)

جواب کا منتظر

خلیل الرحمٰن۔ مدیر پیغام صلح

نوٹ: جہاں تک آپ کے اس خیال کا تعلق ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب کے "دعاوی" کے بارے میں آپ کے "دلائل" کا سامنا کرنے کے لئے "تیار نہیں" میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حیات و ممات مسیح کے مسئلہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں انشاء اللہ العزیز آپ کے ان "دلائل" کا بھی سامنا کروں گا اور یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ غلط آپ سمجھے بیٹھے ہیں یا ہم؟ ۔ گم کردہ راہ آپ ہیں یا ہم؟ اور حقیقی معنوں میں ختم نبوت کے قائل ہم ہیں یا آپ۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۳ر اگست ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۱

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۲

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

جو کام ہو اللہ کے لئے ہو اور جو بات ہو خدا کے واسطے ہو

سب صاحبان متوجہ ہو کر سنیں۔ میں اپنی جماعت اور خود اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے یہی چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ ظاہری قیل وقال جو لیکچروں میں ہوتی ہے۔ اس کو ہی پسند نہ کیا جاوے اور ساری غرض و غایت آکر اسی پر ہی نہ ٹھہر جائے کہ بولنے والا کیسی جادو بھری تقریر کر رہا ہے۔ الفاظ میں کیسا زور ہے۔ میں اس بات پر راضی نہیں ہوتا۔ میں تو یہی پسند کرتا ہوں اور نہ بناوٹ اور تکلف سے بلکہ میری طبیعت اور فطرت کا ہی یہ اقتضاء ہے کہ جو کام ہو اللہ کے لئے ہو جو بات ہو خدا کے واسطے ہو۔ اگر اللہ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل میرا مقصد نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے تقریر کرنی اور وعظ سنانا تو ایک طرف میں تو ہمیشہ خلوت ہی کو پسند کرتا ہوں اور تنہائی میں وہ لذت پاتا ہوں جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ مگر کیا کروں بنی نوع کی ہمدردی کھینچ کھینچ کر باہر لے آتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا حکم ہے جس نے مجھے تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ میں نے یہ بات کہ ظاہری قیل وقال ہی کو پسند نہ کیا جائے اس لئے بیان کی ہے کہ ہر خیر میں بھی شیطان کا حصہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پس جب انسان واعظ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت ہی عمدہ کام ہے۔ مگر اس منصب پر کھڑا ہونے والے کو ڈرنا چاہیئے کہ اس میں مخفی طور پر شیطان کا بھی حصہ ہے۔ کچھ تو واعظ کے بخرہ میں آتا ہے اور کچھ سننے والوں کے حصہ میں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب واعظ وعظ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو مقصد اور دلی تمنا صرف یہ ہوتی ہے کہ میں ایسی تقریر کر دوں کہ سامعین خوش ہو جائیں ایسے الفاظ اور فقرات بولوں کہ ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آئیں۔ میں اس قسم کی تقریر کرنے والوں کے مقاصد کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا جیسے بھڑ دے بقال۔ قوال گویئے یہی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے سننے والے ان کی تعریفیں کریں۔

پس جب ایک مجمع کثیر سننے والا ہو اور اس میں ہر ایک مذاق اور درجہ کے لوگ موجود ہوں تو خدا کی طرف کی آنکھ کھلی نہیں ہوتی إلّا ماشاءاللہ مقصود یہی ہوتا ہے کہ سننے والے واہ واہ کریں۔ تالیاں بجائیں اور چیئرز دیں۔ غرض یہ حصہ شیطان کا واعظ یا بولنے والے میں ہوتا ہے۔ اور سامعین میں شیطانی حصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بولنے والے کی فصاحت و بلاغت، زبان پر پوری حکومت اور قادر الکلامی۔ برمحل اشعار کہانیوں اور ہنسانے والے لطیفوں کو پسند کریں اور داد دیں۔ تاکہ سخن فہم ثابت ہوں۔ گویا ان کا مقصود بجائے خود خدا سے دور ہوتا ہے۔ اور بولنے والے کا الگ۔ وہ بولتا ہے مگر خدا کے لئے نہیں۔ اور یہ سنتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو دل میں جگہ نہیں دیتے۔ اس لئے کہ وہ خدا کے لئے نہیں سنتے۔ یہ کیوں ہوتا ہے صرف اس بات کے واسطے کہ ایک لذت حاصل کریں۔ یاد رکھو انسان دو قسم کی لذتوں کا مجموعہ ہے ایک روح کی لذت ہے دوسری نفس کی لذت ہے۔

روحانی لذت تو ایک باریک راز ہے۔ جس پر اگر کسی کو اطلاع مل جائے اور ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی جس کو یہ سرور اور ذوق مل جائے وہ اس سے سرشار اور مست ہو جائے۔ (تقریر ۲۸ دسمبر ۱۸۹۹ء الحکم جلد ۵ صفحہ ۹)

ایک ضروری تصحیح

حضرت علامہ شیخ عبدالرحمان مصری دام برکاتہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"میرے ٹریکٹ حضورؑ کی دعاؤں کے متعلق حتمی تاثیریں حصہ دوم کے صفحہ ۱۴ پر محمد ظہور الدین اکمل صاحب کی "صحت یابی کے ہیڈنگ کے ماتحت" سطر ۱۲ پر یہ شائع ہوا ہے کہ حضورؑ نے اُس کی عملی لیاقت کو دیکھ کر ان کے سپرد اخبار الفضل کی ادارت کر دی اس میں "حضور نے کے الفاظ غلط چھپ گئے ہیں حضورؑ نے نہیں بلکہ میاں محمود احمد صاحب نے الفضل کی ادارت ان کے سپرد کی تھی جن احباب کے پاس یہ ٹریکٹ پہنچے وہ اس کی تصحیح کر لیں۔"

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار
(حضرت مسیح موعودؑ)

مسیح خدا نہیں ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔
مسیح خانیار۔ سرینگر کشمیر میں مدفون ہیں (مغربی مفکرین)
علمائے اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ

نوٹ: نیو آرلینز (امریکہ) سے مقامی طور پر شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار کے ہمیں دو تراشے موصول ہوئے ہیں۔ ان دونوں کا مضمون مفہوم کے لحاظ سے قریب قریب ایک جیسا ہے۔ ایک طویل تراشہ میں ایک تبصرہ نگار وزلے جیکسن (WESLEY JACKSON) نے (KASHMIR, ESSENES AND SPACESHIPS") کے عنوان سے حال ہی میں شائع ہونے والی دو کتابوں "JESUS DIED IN KASHMIR" (یسوع کشمیر میں فوت ہوئے) اور "THE MYTH OF GOD IN KASHMIR" (مجسم خدا کا افسانہ) پر اپنا تبصرہ سپردِ قلم کیا ہے۔ قارئینِ پیغامِ صلح کی معلومات میں اضافہ اور دلچسپی کی خاطر ہم اس کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ترجمہ میں مضمون کی روح اور مفہوم کو حتی الوسع ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے بعض غیر متعلقہ اور غیر ضروری تفصیلات کو طوالت کے خوف سے ترک کرنا پڑا ہے۔ (ایڈیٹر)

"یسوع مسیح کی وفات صلیب پر واقع نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے زخموں سے صحتیاب ہونے کے بعد فلسطین کو خیرباد کہا اور اسرائیل کے گمشدہ قبیلوں کی تلاش میں کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ آپ کی والدہ مریم اور ایک پیروکار تھامس آپ کے ساتھ تھے۔ مریم کا راستہ میں ہی انتقال ہو گیا۔ یسوع نے کشمیر میں قیام کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ نے وہاں شادی کی جس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔ آپ نے ایک طویل عمر پائی اور وفات کے بعد آپ کو خانیار سرینگر میں جو کشمیر کا صدر مقام ہے دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر جوں کی توں ہے۔ اسے اب تک کھودا نہیں گیا۔"

یہ وہ خیالات ہیں جن کا اظہار ایک نئی کتاب "JESUS DIED IN KASHMIR" (یسوع کشمیر میں فوت ہوئے) میں کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف FABER KAISER ہیں جو ایک فلسفی اور مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کے عالم ہیں۔ اس کے ناشر GORDON & CREMONESI ہیں۔ اس امر کی تحقیق کے سلسلہ میں مصنف بذات خود کشمیر تشریف لے گئے اور وہاں ایک شخص صاحبزادہ بشارت سلیم صاحب سے گفتگو کی جن کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ یسوع مسیح کی اولاد میں سے ہے۔

مصنف فرماتے ہیں کہ یہ کتاب لکھنے سے ان کا مقصد قارئین کے ایک وسیع طبقہ کو حتی الامکان ان معلومات سے روشناس کرانا ہے جن سے وہ ابھی تک آگاہ نہیں لیکن یسوع کے متعلق مسیحی معتقدات پر وہ ایک اہم روشنی ڈالتی ہیں۔

گذشتہ چند ہفتوں میں شائع ہونے والی یہ دوسری کتاب ہے جس نے یسوع مسیح کے متعلق ایک ایسے نظریہ کا اظہار کیا ہے جو روایتی مسیحی معتقدات کے بالکل برعکس ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کتاب "THE MYTH OF GOD INCARNATE" (مجسم خدا کا افسانہ) ہے جو لندن میں طبع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۲۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں برطانیہ کے پروٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھنے والے سات لاٹ پادریوں نے جو مختلف یونیورسٹیوں میں پروفیسر کے عہدوں پر فائز ہیں مسیح کے عقیدہ الوہیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسیح نے خود کبھی خدائی کا دعوٰی نہیں کیا تھا بلکہ دورِ اوّل کے عیسائیوں نے منکرین خدا اور مذہب کے زیرِ اثر خود یہ دعوٰی ان کی طرف منسوب کر دیا۔ اس لئے مسیح کو معجزات دکھانے والی مافوق الفطرت ہستی اور مجسم خدا تسلیم کرنے کے بجائے انہیں خدا کی طرف سے تائید یافتہ ایک عظیم پیغمبر (TEACHER) مانا جائے جو ایک خاص کردار ادا کرنے کے لئے مبعوث کئے گئے۔ مصنفین نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ اگر مسیح کو ایک پیغمبر مان لیا جائے تو جدید سائنسی دور میں اس سے چرچ کو بڑا فائدہ ہوگا۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جو مسیح کی تعلیم کی تعریف تو کرتے ہیں لیکن اسے ایک مافوق الفطرت ہستی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ دوسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ مسیح سے متعلق الوہیت کا روایتی عقیدہ دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔

اس کے ایڈیٹر ریورنڈ جان ہک کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

" انسانی علم بڑی سُرعت سے ترقی کر رہا ہے جس کی وجہ سے عیسائیت پر آئے دن یہ دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ اپنے روایتی معتقدات میں لچک پیدا کرکے ایسی باتوں پر یقین رکھے جنہیں عقل و شعور کی سند حاصل ہو .... موجودہ علمی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کے مفروضہ غیر مبدل معتقدات کا مجموعہ ایک سراب یا فریبِ نظر کے سوا کچھ نہیں ہے"۔

قرآن کریم کی صداقت ملاحظہ ہو:—

" اور جو کافر ہیں ان کے اعمال صحرا میں ایک سراب کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے (حقیقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے) اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے" (النور۔ ۳۹)

فیبر قیصر نے اپنی کتاب میں پروفیسر حسنین کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جو کشمیر سٹیٹ گورنمنٹ کے زیرِ حفاظت تاریخی دستاویزات۔ لائبریریوں اور پرانی یادگاروں کے ڈائرکٹر ہیں۔ ماہر آثار قدیمہ اور علم الانسان کی حیثیت سے بعض فراہم شدہ شہادتوں کی بناء پر ڈاکٹر حسنین کا یہ یقین ہے کہ مسیح کشمیر میں مدفون ہیں۔ تاہم وہ کسی نئی قطعی شہادت کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر میں وہ واحد انسان ہیں جنہوں نے اس ضمن میں مبینہ شہادتوں کی ہر زاویہ نگاہ سے پوری چھان بین اور ان کا مطالعہ کیا ہے۔

فیبر قیصر نے تجویز پیش کی ہے کہ یسوع مسیحؑ کی موت اور دوبارہ جی اُٹھنے کے موضوع پر نئے سرے سے غور و خوض کرنے کے لئے بائبل کے علماء۔ ماہرین لسانیات۔ مستشرقین اور تاریخ اسلام کے ماہرین خصوصی پر مشتمل ایک عالمی کانفرنس بلائی جائے۔"

پیغامِ صلح:

ہماری دعا ہے فیبر قیصر کی یہ تجویز کامیاب ہو تاکہ حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی کے دعوٰئے مسیح موعودؑ کی صداقت پر ایک انمٹ مُہر لگ جائے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۷۷ء

برکت اے خان صاحب اپنی کتاب "فلسفۂ وحدت الوجود" میں فرماتے ہیں :—

"یاد رکھئے گا کہ جو کوئی ذاتِ الٰہی کی وحدانیت کو چھوڑ کر تین عددی خدا کی تثلیث کا قائل ہے وہ کثرتِ الٰہ کا ماننے والا ہے ایسا شخص از روئے بائبل مقدس ہرگز ہرگز مسیحی کہلانے کا حقدار نہیں۔ ...... اسلامی دنیا میں تثلیث کے جو معنی اور مفہوم پائے جاتے ہیں اُن کی مسیحی عقیدۂ توحید کے معنی اور مفہوم کے ساتھ کوئی موافقت نہیں ۔ اسلامی اصطلاح میں تثلیث کا مطلب ۱+۱+۱=۳ ہے ۔ لیکن از روئے انجیل مقدس مسیحی دُنیا کی اصطلاح میں تثلیث کا مطلب ۱×۱×۱=۱ ہے ۔ کیونکہ "خدا باپ" "خدا بیٹا" اور "خدا رُوح القدس" ایک دوسرے کی وحدت میں ایسے طور سے وابستہ ہیں کہ ان کو ۱+۱+۱=۳ کہنا سراسر بے علمی ہے کیونکہ حق تعالیٰ تعدّد کی رُو سے نہ واحد ہے اور نہ کثیر ۔ نہ زوج ۔ نہ فرد بلکہ اس کی وحدت ذات بے مثل ۔ لا محدود ۔ بلا شریک اور اس کی وحدت میں کثرت بحیثیت اقانیم باطنیہ کے ہے کیونکہ توحید الٰہی لامحدود اور غیر منقسم ہے۔" (صفحہ ۵۲)

برکت اے خان صاحب نے اپنے عقیدۂ تثلیث کو درست اور مسلمانوں کے تصوّر تثلیث کو جو وہ مسیحی دنیا کی طرف منسوب کرتے ہیں غلط ثابت کرنے کے لئے یہاں ریاضی کا سہارا لیا ہے۔ ہم یہاں ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ انجیل خود ۱+۱+۱=۳ کی قائل ہے ۔

(۱) متی ۲۸:۱۹ میں یوں آتا ہے :—

"پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو"

اس آیت میں باپ ، بیٹے ، رُوح القدس کے درمیان "اور" کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ ریاضی میں دو یا دو سے زیادہ اعداد کے درمیان جب "اور" کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ان کو جمع کرنا ہوتا ہے مثلاً ۲ اور ۲ سے مطلب ۴ ہے ۱ اور ۱ سے مطلب ۲ ہے اور ۱ اور ۱ اور ۱ سے مطلب ۳ ہے ۔ لیکن جمع صرف ایک ہی قسم یا نوع کی اشیاء کو کیا جا سکتا ہے ۔ مگر ان تینوں اقنوم میں لفظ "خدا" تو مشترک ہے لیکن "باپ" ۔ "بیٹا" اور "روح القدس" تین مختلف نوعیتیں رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو ریاضی کی رُو سے جمع کر کے ۳ ثابت کرنے میں مشکل پیش آنے کا امکان ہے ۔ مصنّف نے ہماری یہ مشکل بھی خود ہی دُور کر دی ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ :—

"خدا غیر مخلوق ہے اور اس کا اکلوتا بیٹا بھی غیر مخلوق ...... وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہے۔" (صفحہ ۷۴)

خدا کے متعلق یوحنا کی انجیل میں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں :—

"خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے پرستش کریں۔"

مصنّف نے بھی یہ حوالہ صفحہ ۴۲ پر درج کیا ہے (یوحنا ۴:۲۴) اس

(۲) اس کے علاوہ خدا کے ساتھ باپ ۔ بیٹا اور روح القدس کے الفاظ خود ہی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک نہیں بلکہ تین مختلف ہستیاں ہیں جنہیں مسیحی دُنیا نے خدائی صفات سے نواز کر تین خداؤں کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ عقل و شعور رکھنے والی دُنیا کو اس کا قائل نہیں کر سکے ۔

(۳) آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ :—

"خدا باپ" "خدا بیٹا" اور "خدا رُوح القدس" ایک دوسرے کی وحدت میں ایسے طور سے وابستہ ہیں کہ ان کو ۱+۱+۱=۳ کہنا سراسر بے علمی ہے۔"

اس سے ان کی ریاضی دانی کا بھرم بھی کھل جاتا ہے ۔ "۱" وہ بنیادی عدد ہے جس پر باقی اعداد کے تصوّر کا انحصار ہے ۔ جب ہم ۲ کہتے ہیں تو اس میں "۱" کا عدد دو دفعہ شامل ہوتا ہے یعنی ۱+۱ ۔ اور جب ۳ کہتے ہیں تو اس میں "۱" کا عدد تین دفعہ شامل ہوتا ہے یعنی ۱+۱+۱ ۔ وعلیٰ ہذا القیاس ۔ لیکن ان اعداد کی علامات ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں "۱" کا عدد کہیں نظر نہیں آتا ۔ مطلب یہ ہوا کہ "۳" کے عدد میں "۱" کا عدد تین دفعہ شامل ہے ۔ لیکن اس عدد میں اس کا وجود ہمیں علیحدہ علیحدہ نظر نہیں آتا ۔ مگر ریاضی کے حساب سے اسے ۱+۱+۱ سے ہی ظاہر کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے نزدیک آپ کے عقیدۂ تثلیث کا یہی مطلب ہے۔

اس الجھن سے نجات حاصل کرنے اور ایک میں تین اور تین میں ایک کو درست ثابت کرنے کے لئے برکت صاحب نے ضرب کا طریقہ اختیار کر لیا ہے کیونکہ اتفاق سے "۱" کے عدد کو اگر آپس میں کروڑ یا اس سے بھی زیادہ دفعہ ضرب دیا جائے تو جواب "۱" ہی ہوگا ۔ تین خداؤں کے تصوّر کو انہوں نے اس طرح پیش کیا ہے ۱×۱×۱=۱ ۔ لیکن ۱×۱×۱ کو ریاضی کے رُو سے $(۱)^{۳}$ بھی لکھا جاتا ہے ۔ انہوں نے اسے آپس میں تین دفعہ اس لئے ضرب دیا ہے کہ ان کے ذہن میں تین خداؤں کا نظریہ تو موجود ہے لیکن وہ دھوکہ دینے کے لئے اس کو ریاضی کے سہارے سے "۱" ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ورنہ $(۱)^{۲}$ بھی = ۱ ہی ہے ۔ اگر ۱×۱×۱ کو ہی لیا جائے تو اسے یوں بھی لکھتے ہیں $(۱)\times(۱)\times(۱) = (۱)^{۱+۱+۱} = (۱)^{۳}$ ۔ اس میں بھی پھر ۱+۱+۱=۳ ہی ہوتا ہے اور تین خدا تسلیم کرنے پڑتے ہیں ۔ انجیل میں اس ضرب ۔ جمع ۔ تقسیم کی کوئی مثال نہیں ملتی یہ عیسائی حضرات کے اپنے ہی دماغ کی اختراع ہے اور خود کردہ را علاج نیست

(۴) اعلیٰ ریاضی (HIGHER MATHS) میں اعداد کم اور حروفی علامات زیادہ استعمال ہوتی ہیں ۔ مثلاً الجبرا میں ا و ب و ج و د وغیرہ ۔ ان کے مدنظر "خدا باپ" و "خدا بیٹا" اور "خدا رُوح القدس" کو آپس میں ضرب دی جائے تو بات کچھ یوں ہوگی خدا باپ × خدا بیٹا × خدا روح القدس = $(\text{خدا})^{۳}$ باپ

بیٹا روح القدس ۔ جس طرح لالX لاب X لاج = لا۳ اب ج ۔ اب یہ گورکھ دھندا کس کی سمجھ میں آ سکتا ہے ۔ ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے ۔

تثلیث سائنس کے رُو سے

فاضل مصنف نے تثلیث کے ثبوت کے لئے سائنس کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرکے اپنی اعلیٰ علمی قابلیت کا اظہار کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :—

"مثال کے طور پر نمک میں سوڈیم اور کلورین دو چیزیں پائی جاتی ہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کی کمی سے نمک کھانے کے لائق نہیں رہتا .... اسی طرح پانی میں دو خاص ضروری چیزیں ہائیڈروجن اور آکسیجن پائی جاتی ہیں ۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کو خارج کر دیں تو پھر پانی پینے کے اور استعمال کے قابل نہیں رہتا .... اگر "خدا باپ" "خدا بیٹا" "خدا روح القدس" کے مسیحی تصور خدا میں سے کسی اقنوم کو خارج از توحید کر دیں تو خدا قابل قبول نہیں رہتا"

ہم اس دلیل کا باریک کیمیائی تجزیہ نہیں کریں گے تاکہ قارئین کے لئے اکتاہٹ کا باعث نہ بن جائے ۔ صرف سادہ اور عام فہم الفاظ میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ مصنف نے کس طرح اپنے عقیدۂ تثلیث کی جڑ پر تبر چلا کر اس خیال کو درست ثابت کر دیا جو مسلمان ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

(۱) وہ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ تین اقنوم = ۱ کے لیکن جن کیمیائی مرکبات کی انہوں نے یہاں مثال دی ہے یعنی نمک اور پانی ، ان سے ہر ایک میں صرف دو عناصر شامل ہیں ۔ نمک میں سوڈیم اور کلورین ، اور پانی میں ہائیڈروجن اور آکسیجن ، ان میں تیسرا عنصر کوئی نہیں ۔ اس لئے تیسرے عنصر کو شامل نہ کرکے انہوں نے ان تینوں اقنوم میں ایک کو ضرور خارج کر دیا ہے اور یوں خود ہی تثلیث کو ختم کر دیا ہے ۔

(۲) لکھتے ہیں کہ سوڈیم اور کلورین میں سے ایک کو نکال دیا جائے تو نمک کھانے کے قابل نہیں رہتا ۔ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ اگر ان میں سے ایک عنصر نہ ہوگا تو نمک بنے گا ہی نہیں تو کھانے کے قابل کیا رہے گا ۔ اور اگر ہائیڈروجن اور آکسیجن میں سے ایک نہ ہو تو پانی بنے گا ہی نہیں ۔ کوئی پیئے گا کیا ۔

(۳) کیمیا کا کوئی اُستاد اپنے شاگردوں کو جب پہاڑوں اور سمندروں میں پائے جانے والے یا لیبارٹری میں تیار کئے جانے والے نمک یا پانی کا قاعدہ کلیہ بتاتا ہے تو وہ اُسے یوں لکھتا ہے :—

سوڈیم + کلورین = نمک

ہائیڈروجن + آکسیجن = پانی

وہ کبھی یہ نہیں لکھے گا کہ سوڈیم X کلورین = نمک ۔ اور ہائیڈروجن X آکسیجن = پانی ۔

برکت صاحب نے تیسرا اقنوم شامل نہیں کیا ہم یہ بھی شامل کرکے بتا دیتے ہیں :—

سوڈیم + کلورین + آکسیجن = سوڈیم کلوریٹ

خدا باپ + خدا بیٹا + خدا رُوح القدس = ۳ خدا

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ سوڈیم X کلورین X آکسیجن = سوڈیم کلوریٹ ۔ اس لئے آپ کا فارمولا ۱X۱X۱ = ۱ غلط ہوا اور مسلمانوں کا فارمولا ۱+۱+۱ = ۳ درست ہوا کیونکہ سوڈیم کلوریٹ میں تینوں کا کیمیائی زبان میں فارمولا NACLO₃ ہے تینوں چیزیں موجود ہیں ۔ اور یہ تینوں کیمیائی تجزیہ کے ذریعہ علیحدہ علیحدہ کی جا سکتی ہیں ۔

(۴) دُنیا میں کوئی بھی کیمیائی مرکب ایسا نہیں جسے توڑ کر عناصر میں تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو ۔ اس طرح آپ کی مثال کے مطابق خدا کو بھی نعوذ باللہ توڑ کر تین خداؤں خدا باپ ۔ خدا بیٹا ۔ خدا رُوح القدس میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ اور یوں تین خداؤں کا عقیدہ اور خدا کے ساتھ شرک ثابت ہوتا ہے ۔

(۵) اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳ پر فرماتے ہیں :—

"پس صانع اور صنعت کی حقیقت ۔ خالق اور مخلوق کی ماہیت ہرگز ہرگز برابر نہیں اور نہ انسان کی ذات خدا کی ذات میں فنا فی اللہ اور مُدغم ہو سکتی ہے کیونکہ خُدا خُدا ہے اور انسان انسان ہے ۔ خدا انسان نہیں اور انسان خُدا نہیں ۔ ہاں خدا کی ذات ہی خدا کی ذات میں قائم بالذّات رہ سکتی ہے ۔"

اس سے قبل صفحہ ۳۲ پر آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ :—

"دو شخصوں کے مافی الضمیر کے باہمی اظہار و تفہیم کے لئے متشابہ الصفات ہونا ایک لازمی امر ہے ۔"

وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ خالق اور مخلوق ۔ صانع اور مصنوع ۔ خدا اور انسان مختلف الصفات ہیں اس لئے وہ ایک نہیں ہو سکتے ۔ چونکہ خدا باپ اور خدا بیٹا متشابہ الصفات ہیں اس لئے وہ ایک دوسرے میں مُدغم ہو سکتے ہیں اور اس طرح ایک ہو سکتے ہیں ۔ لیکن تین اقنوم کو ایک ثابت کرنے کے لئے کیمیا سے جو مثالیں دی ہیں ان میں دونوں عناصر طبعی اور کیمیائی لحاظ سے قطعاً مختلف الصفات ہیں ۔ سوڈیم اور کلورین ایک ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ۔ مگر اس کے باوجود وہ آپس میں مل کر ایک ایسا مرکب تیار کرتے ہیں جو اپنی کیمیائی خصوصیات میں اپنے ہر جزو سے مختلف ہوتا ہے ۔ نمک کی خصوصیات سوڈیم اور کلورین کی خصوصیات سے مختلف ہیں اور پانی کی خصوصیات ہائیڈروجن اور آکسیجن کی خصوصیات سے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا باپ اور خدا بیٹا دونوں مختلف خصوصیات کی حامل دو جُدا جُدا ہستیاں ہیں اس لئے متشابہ الصفات نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے میں مُدغم نہیں ہو سکتیں اور اس کے باوجود کوئی انہیں مدغم کرنے پر مصر ہے تو وہ ایک ایسا مرکب بنے گا جس میں نہ خدا باپ کی صفات ہوں گی اور نہ خدا بیٹا کی ۔ وہ کوئی نئی چیز ہی بنے گی جو نہ خدا ہوگا اور نہ اس کا بیٹا ۔ اس کی وضاحت برکت اے خان صاحب کے ذمہ ہی ہے ۔

اگر برکت اے خان صاحب ریاضی اور کیمیا پر مبنی دلائل پر ذرا بھی غور فرماتے تو ان پر بخوبی منکشف ہو جاتا کہ وہ مسلمانوں کے نظریہ ۱+۱+۱ = ۳ خدا کی خود تائید کر رہے ہیں اور تثلیث کو اسی صورت میں قبول کرتے ہیں مسلمانوں کو محض دھوکا اور فریب دے کر اس کا قائل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کبھی ۱X۱X۱ = ۱ کے فارمولا کے تحت توحید کو تسلیم کرتے ہیں ۔ جب ناواقف مسلمان اس دام فریب میں پھنس جائیں گے تو انہیں عیسائیت میں لانا آسان ہو جائے گا کیونکہ وہ مسیح ابنِ مریم کے زندہ بجسد عنصری آسمان پر اُٹھائے جانے اور ان کی آمدِ ثانی کے انہی کی طرح قائل ہیں ۔ لیکن ہمارے ہم وطن مسلمانوں نے ہمارے ساتھ جیسا بھی سلوک کیا ہم اپنے [illegible] ... مسلمانوں کو عیسائیت کی گود میں جاتا دیکھ سکیں گے ۔ ہمارے امام وقت کسرِ صلیب [illegible]

مکرم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب

جہنّم اور جنّت کا تصوّر

قرآن کریم سے ایک جھلک

یوم نقول لجھنّم ھل امتلئت و تقول ھل من مزید ○ و ازلفت الجنّة للمتقین غیر بعید ○ ھٰذا ما توعدون لکلّ اوّاب حفیظ ○ من خشی الرّحمٰن بالغیب و جآء بقلب منیب ○ ادخلوھا بسلٰم ذالك یوم الخلود ○ لھم ما یشاءون فیھا و لدینا مزید ○

ترجمہ: اس دن ہم جہنّم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ اور جنت نزدیک کر دی گئی ہے متقیوں کے لئے دُور تو نہیں؟ یہ وہ (جنّت) ہے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے ہر اس شخص سے جو بار بار (اللہ کی طرف) لوٹتا ہے، جو کہ رحمٰن سے غیب میں ڈرتا ہے اور ایک پشیمان دل لے کر (اس کی طرف) آتا ہے۔ سلامتی میں داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ ان کے لئے اُس میں جو وہ چاہیں گے ملے گا بلکہ ہمارے پاس تو مزید دینے کو ہے۔

(سورۃ قٓ ۵۰۔ آیات ۳۰ تا ۳۵)

نوٹ: یہ دراصل ایک خطبۂ جمعہ تھا جو مَیں نے چند روز ہوئے دارالسلام (لاہور) کی مسجد میں دیا تھا جسے ابو سلمان صاحب ایم اے نے لکھ لیا تھا۔ اس کا مسودہ مجھے دیکھنے کے لئے دیتے ہوئے پیغام صلح کے ادارہ نے ارشاد فرمایا کہ اسے مضمون کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے چنانچہ میں اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اسے پیش کرتا ہوں۔

جہنّم اور جنّت کا وعدہ ہر مذہب نے کیا ہے۔ ان کی الہامی کتابوں میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ مگر سرسری طور پر۔ اگر قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے تو یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ ہر دینی اور اخلاقی و رُوحانی نعمت پر قرآن کریم کامل اور بہترین ہدایت ہے جیسے چاہے قرآن پاک کو پڑھ کر دیکھ لے۔ مثلاً جہنّم اور جنّت کے مضمون پر جس شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہے اس نے آخرت کے نظاروں کو آنکھوں کے آگے لا کر رکھ دیا ہے...... ورنہ آخرت کو کس نے دیکھا ہے اور سوائے اللہ تعالےٰ کی وحی کے اور کونسا ذریعہ ہے جس سے آخرت کے رازوں پر سے پردہ اُٹھ سکتا تھا۔

آخرت

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور ایک بہتر اور ابدی زندگی میں داخل کئے جانے کی خوشخبری ایسی ہے کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر شخص اس پر ایمان لے آتا اور خوشی خوشی اسے قبول کرتا کیونکہ مرنا کون چاہتا ہے؟ زندہ رہنے کے لئے انسان دنیا کی سب نعمتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ساری دولت اور جائداد دے کر اگر موت سے بچ سکے تو راضی ہو جاتا ہے بلکہ قرض لے کر اپنا علاج معالجہ کراتا ہے کہ کہیں مرکر ختم نہ ہو جاؤں۔ تو حیات بعد الممات پر تو ہر انسان کو خوشی خوشی ایمان لانا چاہیئے تھا کہ دُنیا کے دُکھوں بیماریوں سے نجات پا کر ابدی اور بہتر زندگی میں داخل ہو جاؤں گا مگر یا للعجب کہ اکثر لوگ آخرت کے منکر ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ آخرت میں محاسبہ کا ذکر ہے۔ اور کوئی انسان نہیں چاہتا کہ اس کا محاسبہ کیا جائے یا سزا پائے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ مَیں جو چاہوں کروں اور مجھ سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو مجھے کوئی پکڑنے والا نہ ہو۔

اس دُنیا میں محاسبہ

تو قرآن کریم کا کمال ہے کہ وہ واحد کتاب ہے جس نے بتایا کہ جزا سزا اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اس لئے آخرت کا انکار کر کے یا آخرت کی طرف سے غفلت برت کر (جو ہم میں سے اکثر کرتے ہیں) ہم جزا سزا کے اٹل قانون سے باہر نہیں رہتے۔ حضرت امیر مرحوم کی تفسیر بیان القرآن میں مالك یوم الدین کے نیچے نوٹ پڑھ لیجئے کہ یوم الدین صرف آخرت نہیں بلکہ اس کی تیاری میں اس دنیا میں انسان کے ہر فعل ہر قول بلکہ ہر آن کی حالت سے (جس میں انسان کے دِل کے اندر کی حالت بھی شامل ہے) شروع ہو جاتی ہے۔

اِس دنیا میں جہنّم

اگر جزا سزا اس دنیا میں شروع ہو جاتی ہے تو کیا جنّت اور دوزخ بھی اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے؟ قرآن کریم کا یہ کمال ہے جو کسی اور الہامی کتاب میں نہیں پایا جاتا کہ وہ واحد کتاب ہے جس نے بتایا ہے کہ جہنّم اور جنت تو اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس عجیب و غریب کتاب نے کسی بات کو آخرت پر ... اُٹھا کر نہیں رکھا بلکہ اس کا مزہ یہیں چکھا دینے کا پتہ دیا تاکہ آخرت پر یقینِ کامل پیدا ہو۔ اسی لئے جہاں پہلے آخرت کا ذکر ہے فرمایا کہ و بالاٰخرة ھم یوقنون۔ یعنے جو اس کتاب کی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں انہیں آخرت پر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ کس قدر باریک معرفت کی بات فرمائی کہ انسان کی اصلاح تقوےٰ کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسے آخرت پر یقین کامل نہ ہو۔ ورنہ اسلام پر اور آخرت پر زبانی ایمان تو ہم سب کو ہے۔ مگر ہم میں سے اکثر میں تقوےٰ اور اعمال صالحہ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اسی لئے کہ آخرت پر یقین نہیں ہوتا۔ مگر اگر اسی دنیا میں جہنّم اور جنّت کا مزہ چکھا دیا تو پھر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

ھل من مزید

انسان کی ابتدائی حالت جو قرآن پاک نے واضح کی ہے وہ ہے نفسِ امّارہ کی حالت۔ (اس مضمون پر اعلےٰ ترین روشنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد و مسیح موعودؑ نے اپنی معرکۃ الآرا تقریر "اسلامی اصُول کی فلاسفی" میں ڈالی ہے جو مذاہب کانفرنس میں بالاتفاق بہترین تقریر قرار دی گئی تھی)۔ تو اس نفسِ امّارہ کی حالت میں جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے انسان کا نفس جو اسے امر یعنے حکم دے وہ انسان کر ڈالتا ہے۔ گویا انسان حیوان سے مشابہ ہوتا ہے کہ وہ بھی جو اس کا نفس کہے اس پر عمل کرتا ہے۔ چونکہ ہم میں سے اکثر اس حالت میں ہوتے بلکہ اس میں رہنے پر راضی ہوتے ہیں اس لئے اس نفس کا نقشہ جو آخرت میں ہویدا ہوگا اس کو قرآنِ پاک نے بر سرِ عنوان آیات میں یوں بیان کیا ہے:-

یوم نقول لجھنّم ھل امتلئت و تقول ھل من مزید۔ یعنی ہم اسی دن جہنّم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی یا تیرا پیٹ بھر گیا تو وہ کہے گی کہ اور کیا ہے وہ بھی دے دو۔ اب ظاہر ہے کہ جہنّم کے کان کہاں ہوں گے کہ وہ سُن سکے یا زبان کہاں ہوگی کہ وہ بول سکے۔ اس لئے یہ سچ مچ کا سوال جواب ہوگا یا نہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عربی میں لفظ قال صرف زبان سے بولنے پر ہی نہیں آتا بلکہ زبان حال سے کہنے یعنے اپنے حال سے کسی بات کو ظاہر کرنے پر بھی آتا ہے اور وہی معنی یہاں بہتر ہیں۔ فرمایا کہ جہنّم کی حالت ھل من مزید کی حالت ہوتی ہے۔

تو جو لوگ نفس امارہ یعنی حیوانی حالت میں ہوتے یا رہتے ہیں ان کے نفس کی پکار ھل من مزید کی ہر آن ہوتی ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کیا علم و معرفت بخشا ہے۔ دیکھ لیجئے کیا آج دنیا میں بیشتر لوگوں کی یہ حالت نہیں کہ وہ نفسانی خواہشات کی ھل من مزید کی آگ میں پڑے ہوئے ہیں۔

دولت کی تلاش

اکثر دنیا دن رات دولت کمانے کی تلاش میں لگی ہوئی ہے۔ قرآن پاک نے دولت کو اپنا فضل کہا ہے، مگر دولت کس طرح کماؤ کس طرح نہ کماؤ، کس طرح خرچ کرو کس طرح نہ خرچ کرو اس پر مکمل ہدایت اس عجیب و غریب کتاب میں موجود ہے اس لئے اسے ھدًی للمتقین فرمایا کہ جو بری باتوں بری عادات و خصلتوں اور نقصان دہ امور سے بچنا چاہیں (متقی کے معنی یہی ہیں) وہ اس میں مکمل ہدایت پائیں گے۔ قرآن کریم نے دولت کمانے یا دولت جمع کرنے یا دولت خرچ کرنے کے جو برے پہلو ہیں ان کو واضح کر کے ان سے ہمیں روکا ہے۔ ان بندشوں کو ہم میں سے اکثر پسند نہیں کرتے اور اسی لئے ان کی ہم پرواہ نہیں کرتے۔ یہ حال تو ہمارا ہے (الّا ما شاء اللہ) اور غیر مسلم دنیا تو خیر مذہب کو خیر باد کہہ ہی چکی ہے اس لئے دیکھ لیجئے کیا آج دولت کے پجاریوں کے دلوں کا حال ھل من مزید کا نہیں؟ سینکڑوں کمانے والا ہزاروں کمانا چاہتا ہے ہزاروں کمانے والا لاکھوں کمانے کی فکر میں ہے۔ لکھ پتی کروڑوں کی تلاش میں سرگرداں و حیران ہے۔ کروڑ پتی ارب پتی بننا چاہتا ہے اور اس طرح ھل من مزید کی کوئی انتہا ہے؟ جو لوگ جائز طریقوں سے بے شمار دولت کما رہے یا کما سکتے ہیں وہ ھل من مزید کی بھڑکتی ہوئی آگ کی وجہ سے ناجائز طریقوں سے کمانے سے گریز نہیں کرتے۔ کیا امریکہ جیسا امیر ملک کیا یورپ کیا ایشیا کیا باقی دنیا ہر جگہ یہی حال ہے۔ بلیک مارکیٹ سمگلنگ۔ ناواجب منافع خوری CARTELS یعنی دنیا کو لوٹنے کے لئے چند کمپنیوں یا افراد کے گٹھ جوڑ، رشوت ستانی، جھوٹ فریب وغیرہ یہ تو امیر کمپنیوں یا افراد کا حال ہے۔ اور چوری، ڈاکہ، رہزنی، قتل و غارت۔ جعل سازی۔ فریب، ٹھگی، جیب کترنا وغیرہ یہ غریبوں کا۔ غرض دولت کو زندگی کا مقصد بنانے والے ہر شخص کا دل ھل من مزید کی آگ میں مبتلا ہے۔

حکومت و سیاست

دولت کے بعد ہر نفس امارہ رکھنے والے کو حکومت، اقتدار دنیاوی بڑائی کی ہوس ہوتی ہے۔ زمانۂ حال تک فتوحات کے ذریعہ سے اس ہوس کو پورا کرنے والے بہت ہوئے مگر کیا اسکندر اعظم، کیا ہلاکو خاں، کیا نپولین، کیا مسولینی اور ہٹلر ہر ایک کے دل میں یہ آگ بھی جو کبھی ختم نہ ہوئی۔ سلطنتِ برطانیہ اسی آگ کے بھڑکانے سے ساری دنیا پہ چھا گئی۔ اب فوجی کارروائی کے ذریعہ نہیں تو تجارت اور اقتصادیات کے ذریعہ سے یا جو دنیا کے بڑے ممالک ہیں وہ اپنی دنیاوی طاقت کے بل بوتے پر دنیا کے کمزور ممالک سے من مانی کارروائیاں کرتے اور منافع اُٹھاتے ہیں۔

ہر ملک کے اندر دیکھ لیجئے کہ سیاسی اقتدار یا کرسی یا ممبری یا وزارت کے لئے کیا ھل من مزید کی دھن لگی ہوئی ہے اس کے لئے لوگ دولت خرچ کرتے وقت دیتے بھاگ دوڑ کرتے اور کیا کچھ نہیں کرتے الّا ما شاء اللہ۔ جائز طریقوں سے یہ ہوس پوری نہ ہو یا پوری ہو بھی جائے تو ھل من مزید ان سے پھر بھی ناجائز باتیں بھی کرا دیتا ہے۔

شہوات

آج یورپ اور امریکہ نے شہوت پرستی کو بے لگام کر کے ہمیں دکھا دیا ہے کہ ھل من مزید کی آگ اس جذبہ کی اتباع میں لگی ہوئی ہے۔ شروع شروع میں شیطان (جسے قرآن کریم نے الغرور یعنی بڑا دھوکہ باز بتا کر ہمیں متنبہ کر دیا تھا) عشق اور رومان کے دھوکے سے انسان کو ورغلاتا ہے۔ بعد میں یہ غلط فہمی اس آگ میں مبتلا لوگوں کو بالکل نہیں رہتی اور وہ کھلم کھلا ہوس کی آگ میں مبتلا نظر آتے ہیں اور کسی خاص عورت یا خاص مرد سے محبت یا رومان کا سوال نہیں رہتا صرف ہوس کا ھل من مزید ہوتا ہے۔ اور اب تو یورپ اور امریکہ میں فطرتی شہوت پرستی سے ہوس پوری نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ فطرت افعال کھلم کھلا کئے جا رہے ہیں۔ حکومتوں نے انہیں قانونی طور پر جائز قرار دے دیا ہے بلکہ ایک (کسی زمانہ کے قدامت پسند) ملک میں تو بشپوں یعنی بڑے پادریوں تک نے اس کے قانونی جواز کی تائید کی۔ (سوائے اس کے کہ خلافِ فطرت فعل زبردستی کیا جائے) اور ان خلاف فطرت افعال میں مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ اور دونوں بعض وقت جانوروں کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر ھل من مزید کا عبرتناک نظارہ ہو سکتا ہے؟

دوسری برائیاں

یہی حال دوسری بدیوں یا برائیوں کا ہے۔ مثلاً جھوٹ ایک بولو تو اسے چھپانے کے لئے دس اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور بعد میں تو انسان جھوٹ کے ھل من مزید کے چنگل سے نکل سکتا ہی نہیں۔ چوری، ڈاکہ، قتل و غارت، ٹھگ بازی ہر جگہ انسان ھل من مزید میں مبتلا نظر آتا ہے۔ غصّہ جسے رسول اللہ صلعم نے جہنم کی آگ کی لپٹ فرمایا ہے اس کی بھی یہی حالت ہے۔ انسان شروع شروع میں دبا لے تو دبا رہتا ورنہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی ہوئی یہ آگ غصّہ کرنے والے کی زندگی کو بھی جہنمی بنا دیتی ہے اور اس سے واسطہ پڑنے والوں کی بھی۔

دل کی آگ

قرآن حکیم نے اس بات کو کہ آخرت کے جہنم کی آگ اس دنیا میں انسان کے دل پر ظاہر ہو جاتی ہے شک میں رکھا ہی نہیں بلکہ فرمایا نار اللہ الموقدۃ ۝ التی تطلع علی الافئدۃ (الہمزہ ۱۰۴ - آیات ۶، ۷) یعنی جو آگ اللہ بھڑکاتا ہے وہ دلوں پر ظاہر ہوتی ہے انھا علیھم مؤصدۃ ۝ فی عمد ممددۃ۔ وہ ان پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی۔ حضرت امیر مرحوم نے لکھا ہے کہ خواہشات نفسانی کے تمام حدود سے آگے نکلنے کو لمبے لمبے ستونوں سے تشبیہ دی گئی ہے مگر یہ چیزیں جو اس دنیا میں باطن میں ہوتی ہیں مرنے کے بعد ظاہر میں نظر آنے لگیں گی۔ یا پھر ان لمبے لمبے ستونوں میں بمباری سے آگ کے ستونوں کے کھڑے ہونے خصوصاً ایٹم بموں یا ہائیڈروجن بموں کے آگ کے ستونوں کی طرف بھی اشارہ ہو کہ نفسانی خواہشات کے بے لگام ہونے سے ہی تمام جنگ و جدل آج کل پیدا ہو رہا ہے۔

اس دنیا میں جنّت

قرآن کریم کی رُو سے جہنم کی طرح جنّت بھی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ ولمن خاف مقام ربہ جنّتٰن (الرحمٰن ۵۵ - آیت ۴۶) یعنی جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر رکھتا ہے اس کے لئے دو جنّتیں ہیں جس کے عام معنے کئے گئے ہیں کہ اس دنیا کی جنّت اور آخرت کی جنّت۔ اس بات کو قرآن کریم نے خود واضح

کر دیا ہے جب جنّت کے سب سے پہلے ذکر میں فرمایا کلّما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقًا قالوا ھٰذا الّذی رزقنا من قبل و اُتوا بہٖ متشابھًا ۔ (البقرہ ۲ : ۲۵) یعنے جب کبھی ان کو ان (باغوں) میں سے کوئی پھل دیا جائے گا کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور انہیں ملتا جُلتا رزق دیا جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آخرت میں جو ظاہر میں متمثل ہو کر پھل ملیں گے اُن کو چکھ کر مؤمن یہ کہیں گے کہ یہ ذائقہ تو ہم نے پہلے بھی چکھا ہُوا ہے اس کے معنی سب مفسرین نے یہی کئے ہیں کہ اس دنیا میں نیک عمل سے جو روحانی لذّت حاصل ہوتی ہے وہ ہی بڑھ چڑھ کر آخرت میں جنّت کے ظاہری پھلوں کو کھانے سے ملے گی مگر دونوں ذائقوں میں مشابہت تو ہوگی پر آخرت کے پھلوں کی لذّت کا اندازہ اس دنیا کے پھلوں یا روحانی لذتوں سے نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بہت بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔

دُنیاوی جنّت کیسی ہوتی ہے؟

ظاہر ہے کہ مؤمن کو دنیا میں جو جنّت میں داخل کیا جاتا ہے تو وہ ظاہر کے باغوں یا نہروں یا محلات کے رنگ میں اکثر نہیں ہوتا۔ حضور سرورِ کائنات صلعم سے بڑھ کر کون اس جنّت کو پا سکتا تھا؟ پر آپ تو فاقہ کی زندگی بخوشی گذارتے رہے اور جھونپڑی میں زمین پر سوتے رہے مگر جو جنّت آپ کو ملی وہ دل کی جنّت تھی۔ آپ سے بڑھ کر کون مصائب تکالیف دُکھوں اور فتنوں کے علاوہ کام کاج کے بوجھوں اور گھر بار کے فکروں اور قوم اور مُلک کے دینی دنیوی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے بوجھل کاموں میں دبا ہُوا تھا۔ مگر حدیث شریف میں لکھا ہے کہ آپؐ کے چہرے پر ہر وقت ایک دلفریب مسکراہٹ رہتی تھی۔ آپؐ خود بھی خوش رہتے تھے اور دوسروں کو بھی خوش رہنے کی تعلیم دیتے تھے جس شخص کے دل سے الحمد للہ علیٰ کلّ حالٍ۔ یعنے ہر حال میں تمام تعریف اللہ کے لئے ہے کی آواز نکلی وہ دِل جنّت میں یقیناً تھا۔ سب سے خطرناک وقت جنگ میں ہوتا ہے خصوصاً جب حالات انسان کے خلاف ہوں۔ یاد رہے کہ کفارِ عرب کی تمام جنگیں حضور صلعم کی ذات کے خلاف تھیں۔ ان کا مقصد آپؐ کو نعوذ باللہ ہلاک کرنا تھا۔ مگر حالت کیا تھی؟ صحابہ رضہ فرماتے ہیں اذ اشتدّ الحرب اعتصمنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ یعنے جب جنگ شدّت پکڑ جاتی تھی تو ہم رسول اللہ صلعم کی پناہ لے لیا کرتے تھے۔

سُبحان اللہ! کیا آپؐ کا جنّتی دل تھا کہ جب سب کے دل خائف ہو کر ان کے قدموں کو اُکھیڑ دیتے تو آپؐ کے دل میں خوف کا شائبہ نہ ہوتا۔ اور آپؐ ایک مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑے رہتے۔ جنگِ اُحد میں صحابہ کفّار کے عقب سے حملہ پر تتّر بتّر ہو گئے تو حضور صلعم نے پکارا اِلَیَّ عباد اللہ۔ انا رسول اللہ۔ یعنے اے اللہ کے بندو! میری طرف آ جاؤ۔ میں اللہ کا رسُول ہُوں سلامتی میرے آس پاس ہے۔ جنگِ حنین میں مسلمانوں کی فوج بھاگ اُٹھی تو حضورؐ اکیلے آگے بڑھتے رہے اور یہ الفاظ آپؐ کی زبان پر تھے: —

انا النّبیّ لا کذب
انا ابن عبد المطلب

ترجمہ: میں ہُوں نبی اس میں کوئی جھُوٹ نہیں یعنے نبی میدان سے نہیں بھاگا کرتا۔ اور میں عبدالمطلب کا پوتا ہُوں۔ یعنے شریف خاندان کے لوگ کبھی میدان جنگ سے نہیں بھاگتے۔ اور آپؐ کے اس اعلیٰ بہادری کے نمونہ سے مسلمان لوٹ کر حضورؐ کے ساتھ آگے بڑھنے لگے اور فتح پائی۔ آپ کے قلب مبارک میں خوف یا حزن بالکل نہ ہونے کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے نہیں لکھتا۔ اور خوف یا حزن کا انسان میں نہ ہونا دل کی جنّت کی یقینی علامت ہے جیسا کہ میں ابھی قرآن کریم سے بتاتا ہوں۔

دِل کی جنّت آخرت کی جنّت کی خوشخبری دیتی ہے

قرآن کریم نے جو مومن کے دل میں جنّت پیدا ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے اس کو متعدد جگہ ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ حزن۔ خوف کسی بات سے قبل ہوتا ہے حُزن بعد میں۔ مثلاً کوئی بیمار ہو تو خوف یہ ہوتا ہے کہ وہ مر نہ جائے اور اگر وہ مر جائے تو دل میں حزن پیدا ہوتا ہے۔ دل کے دُکھوں کی بھی یہی دو حالتیں ہیں فرمایا کہ مؤمن کے دل کو ہم ان سے پاک کر دیتے ہیں۔ اور یہ حالت آخرت کی جنّت کی خوشخبری دیتی ہے۔ ایک ہی جگہ سے سُن لیجئے

انّ الذین قالوا ربّنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنّۃ الّتی کنتم توعدون ○
(حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۳۰)

یعنے جو لوگ اللہ کو اپنا ربّ قبول کرتے ہیں اور پھر استقامت دکھاتے ہیں اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور نہ حُزن اور خوشخبری لو اس جنّت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

دل کی حالت اصل چیز ہے

آج کل کے دنیا دار اور ظاہر پرست لوگ کہتے ہیں کہ دنیاوی ساز و سامان ہو دولت ہو حکومت ہو یہ ہو وہ ہو تو ہی اصل مزہ ہے یہ دل کی جنّت یا دوزخ کیا ہوتی ہے؟ یہ لوگ بدقسمتی سے دل کے اندھے ہیں ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ انسان کا اصل دُکھ یا سُکھ دل کی حالت سے ہے نہ کہ ظاہری ساز و سامان سے۔ یہ سامان سب بھی ہوں مگر انسان کا دِل دُکھی ہو یا جہنّم میں ہو تو انسان اسی دنیا میں جہنّم میں ہوتا ہے چاہے ظاہری سُکھ کے سامان اس کے چاروں طرف ہوں۔ اور اگر انسان کا دل خوف اور حزن سے پاک کیا جا چکا ہو اور سُکھی ہو تو ظاہری سامان نہ بھی ہوں تو وہ انسان جنّت میں ہوتا ہے۔ یہ میرا ساری عُمر کا تجربہ ہے۔ اور جن کی باطنی آنکھ کھلی ہو اُن سب کا یہ تجربہ ہے۔

باقی کا مضمون

اس مضمون کے شروع میں جو آیات میں نے لکھی ہیں اُن میں سے پہلی دو یعنے جہنّم کا ھل من مزید کا نعرہ لگانا (اس دُنیا میں اور آخرت میں) اور جنّت کا متقیوں کے لئے نزدیک ہونا اور دُور نہ ہونا یعنے آخرت کے دن سے قبل ہی اس دنیا میں انسان کا جنّت میں داخل ہونا بشرطیکہ وہ متقی ہو اور ان چیزوں سے بچے جو دل کے جذبات و خواہشات کی آگ کو بھڑکاتے ہیں اس کا کچھ ذکر آ گیا۔ مگر اسی ذکر میں مضمون اتنا لمبا ہو گیا کہ میں اسے یہیں ختم کرتا ہوں اور باقی آیات کی تشریح پھر کسی موقعہ کے لئے چھوڑتا ہوں ○

ایک ضروری تصحیح

پیغامِ صلح مجریہ ۳/۶/۷۷ صفحہ ۲ کے شروع میں سہوِ کتابت سے وما فی الارض کی بجائے والارض لکھا گیا ہے۔ احباب کرام تصحیح فرما لیں۔ ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

مکرم جناب چوہدری فضل داد صاحب گجرات۔

کل کے لئے کیا بھیجا؟

چونکہ انسان کا عمل پہلے سرزد ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بعد میں مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ظہور نتائج کے لئے "کل" یا "فردا" کی اصطلاح استعمال کی۔ سورۃ حشر میں ہے ولتنظر نفسٌ مّا قدّمت لغدٍ (۵۹ : ۱۸)

ہر شخص کو چاہیئے کہ یہ دیکھے کہ اس نے "کل" کے لئے کیا آگے بھیجا۔ آگے بھیجنے سے مراد ہی اعمال کے نتائج ہیں۔ یہ اصطلاح کئی ایک دیگر مقامات میں بھی آتی ہے۔ سورہ فجر میں اس کے ساتھ ایک اور لفظ کا اضافہ ہوا ہے۔ جس سے حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے۔ اہلِ جہنم اس تباہی کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھیں گے یٰلیتنی قدّمت لحیاتی۔ ۸۹/۲۴ ۔ اے کاش میں نے اپنی زندگی کے لئے کچھ پہلے بھیجدیا ہوتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی کی اگلی منزل عبارت ہوگی انسان کے اپنے اعمال کے نتائج سے۔ اس کے غلط اعمال کے نتائج سے اس دنیا میں بھی اس کی صلاحیتوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ جس سے وہ اُبھرنے ہی نہیں پاتیں ۸۳/۱۴ اور یہی نتائج اگلی زندگی میں اس کی صحیح زندگی کے راستے میں سنگ گراں بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔

اپنے اعمال کی فکر ہونی چاہیئے

سو جب یہ حقیقت ہے۔ کہ انسان کی زندگی اس کے اعمال ہی سے جنت اور جہنم بنتی ہے۔ تو انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ آپ کرتے رہنا چاہیئے۔ دوسروں کے اعمال کی ٹوہ میں لگے رہنے سے اس کا اپنا کیا سنور جائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مؤمنین کو بار بار تاکید کرتا ہے کہ مخالفین سے اس باب میں نہ اُلجھیں۔ بلکہ ان سے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیں کہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم ہمارے اعمال کے نتائج ہمارے لئے ہوں گے اور تمہارے اعمال کے تمہارے لئے۔

کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا

اس اصول کی وضاحت کے لئے قرآن کریم نے بار بار کہہ دیا کہ نتائج اعمال کے سلسلہ میں کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔

سورۃ بقرہ ۲/۴۸۔ تم ظہور نتائج کے اس دن سے ڈرو۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ اور نہ ہی کسی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ نہ کوئی کچھ دے دلا کر چھوٹ سکے گا۔ نہ ہی مجرموں کی کسی قسم کی مدد کی جا سکے گی۔

سورۃ الصف ۶۱ : ۱۰-۱۱-۱۲ - ترجمہ :-

"اے جماعتِ مومنین کیا میں تمہارے لئے ایک ایسی تجارت کی نشان دہی کر دوں جو تمہیں غلط زندگی کے پیدا کردہ عذاب الیم سے نجات دے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ تم خدا اور رسُول پر ایمان لا کر اپنی جان و مال سے اس کے رستہ میں جہاد کرو۔ تم اس کا نتیجہ دیکھو گے۔ کہ یہ مجاہدانہ زندگی اور تگ و دو تمہارے لئے کس قدر نفع بخش ثابت ہوتی ہے اس سے تمہاری چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کے نقصان رساں نتائج سے تمہیں حفاظت مل جائے گی۔ وہ تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے پانی جاری ہوگا۔ اور تمہارے لئے بڑے خوشگوار مساکن ہونگے یہ زندگی کی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اے بھائیو اور بہنو! خدا نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے۔ تا ہم اس الٰہی اخلاق کے مظہر ہوں، اور تا اس کی صفات کو اپنے اندر جذب کریں۔ جب تک ہم اس مقصد عظیم کو پُورا نہ کریں، ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہماری دنیاوی ترقیات کیا ہیں؟ یہ ایک مشغلہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔ یہ تمام ترقیات ہمارے کس کام کی، اگر ہم خدا کو اپنے پر ناراض کر لیتے ہیں، اور ابدی ترقیات کے راستے اپنے اُوپر بند کر لیتے ہیں۔ اگر ہم دنیا کے سب سے بڑے موجد بھی ہیں، لیکن اس علم کی طرف توجہ نہیں کرتے، جس کے ذریعہ سے ہم ابدی زندگی میں نور حاصل کر سکیں تو پھر فائدہ؟

یاد رکھیئے زندگی وہی ہے جو نہ ختم ہونے والی ہو۔ اور راحت وہی ہے۔ جو نہ مٹنے والی ہو۔ اور علم وہی ہے جو ہمیشہ بڑھتا رہے۔ پس ابدی زندگی اور دائمی راحت اور حقیقی علم کی طرف توجہ کرو تا دونوں جہان کا آرام پاؤ۔ اور اس طرح خدا تعالےٰ کو خوش کرو جس طرح کہ دُنیا کے لوگوں کو خوش کرنا چاہتے ہو، اور اس کے فضل کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ تا اس کی رحمت تم کو اپنی آغوش میں لے لے، اور اس کے فضل کی چادر تم کو اپنے اندر لپیٹ لے۔

احمدی جماعت میں ایک عظیم الشّان تبدیلی پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے جو عہد لیا تھا وہ

"دِین کو دنیا پر مقدّم کرنے کا عہد ہے"

مُبارک ہیں وہ جو اس پر عمل کریں، اور اپنی اُخروی زندگی کو حسین اور خوشگوار بنائیں۔

قرار داد تعزیت

شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کا ہنگامی اجلاس ۸/۷۷ ۵ محترم چوہدری اللہ دتہ صاحب موحّد (چندر کے منگولے) کی بہو اور چوہدری ناصر احمدؐ صاحب کی اہلیہ محترمہ کی اچانک اور بے وقت موت پر گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحومہ ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، اور باعمل احمدی خاتون تھیں۔ مرحومہ کا وجود ناصر احمدؐ صاحب کے لئے بے حد باعث تقویت تھا۔ مرحومہ احمدیت پر بڑی ثابت قدم تھیں اور جماعتی امور میں گہری دلچسپی رکھتی تھیں۔ اور موصوفہ کی تحریک پر ہی محترم ناصر احمد صاحب نے "شبان الاحمدیہ تربیتی کورس" میں بڑی سرگرمی اور باقاعدگی سے شمولیت فرمائی۔

ہم مرحومہ کے خاندان اور محترم چوہدری ناصر احمد صاحب کے عزیز و اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ مرحومہ کو اعلےٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو اس صدمہ کے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مرحومہ کے بے وقت انتقال سے ناصر احمدؐ صاحب کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے اپنے فضل سے پُر فرمائے۔ مرحومہ نے دو بچیاں جن کی عمر ۲½ سال اور ½۲ ماہ ہے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ہماری دُعا ہے اللہ تعالےٰ انہیں عمرِ دراز عطا فرمائے اور اپنی مرحومہ والدہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ان کی زندگی ناصر احمدؐ صاحب کے دکھ کا مداوا اور آپکے آرام اور راحت کا باعث بن سکے۔ آمین۔

نیز اجلاس میں فیصلہ ہُوا کہ اس تعزیتی قرارداد کی نقول محترم چودھری اللہ دتہ صاحب موحّد، چوہدری ناصر احمدؐ صاحب اور ایڈیٹر پیغام صلح کو بھجوائی جائیں۔

شاہد جاوید جنرل سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ۔ لاہور

جناب این اے فاروقی
ترجمہ: ابو سلمان ایم اے (آنز لائٹس)

حیات بعد الموت

(۱)

اس دنیا میں کوئی شخص بھی مرنا نہیں چاہتا۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہنے کی خواہش انسانی فطرت میں بدرجۂ اتم موجود ہے لہذا یہ فطری اور جائز خواہش ہے، فی الحقیقت یہ اس قدر شدید اور غالب ہے کہ کسی انسان کو زندہ رہنے کی خاطر اگر اپنا سب کچھ قربان کرنا پڑے تو وہ کر گزرتا ہے۔ وہ لوگ جو خودکشی کرتے ہیں اور اپنی موت آپ مر جاتے ہیں وہ قانون کی نظر میں جذبات و حالات سے متاثر ہو کر اپنے ہوش و حواس وقتی طور پر کھو بیٹھتے ہیں۔ بصورت دیگر عام حالات میں کوئی بھی ہوشمند شخص مرنے کا نام نہیں لیتا۔ اور نہ وہ مرنا ہی چاہتا ہے۔

اس فانی دنیا میں کوئی چیز اگر اٹل ہے تو وہ موت ہے۔ کیا اس وجہ سے انسان کو امید کا دامن اور دل کا ساتھ چھوڑ دینا چاہیئے؟ تو کیا اس دنیا کی زندگی بیکار محض ہے؟ کیا کائنات کی یہ نہایت ہی عجیب و غریب تجویز و ترتیب جس کے ارتقائی عمل میں کھربوں سال کا عرصہ لگا، اور جسے کائنات کی اشرف المخلوق ـــــ بنی نوع انسان ـــــ کی خدمت گذاری کے لئے بنایا جاتا ہے۔ محض انسان، فانی انسان کی چند عشرہ بے مقصد و بے معنی زندگی کے لئے تھی۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور اعلےٰ و ارفع مقصد نہ تھا؟ کیا بنی نوع انسان جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، وہ حیوان سے کسی بھی طرح بہتر نہیں؟ کہ اس کا کام صرف کھانا پینا اور افزائش نسل ہو، جو کتے کی طرح جان دیدے پھر گل سڑ جائے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ جائے؟! ظاہر ہے ایسا سوچنا اللہ تعالےٰ کی ساری کی ساری عجیب و غریب اور بامقصد تخلیق کا مذاق اڑانا ہے۔ کائنات کی یہ تخلیق بامقصد اور بامعنی ہے اور اعلےٰ و ارفع کام کی تعمیل و تکمیل کے لئے یہ کائنات بنائی گئی ہے۔

انسانی خواہشات کی تکمیل رحیم و کریم خدا نے اپنی مخلوق بالخصوص بنی نوع انسان کی تمام فطری خواہشات کو بڑی فیاضی اور دریا دلی سے پورا کیا ہے۔ اگر وہ کھانا چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے طرح طرح کی خوراک، لحمیات، پھل اور سبزی ترکاری وغیرہ پیدا کرتا ہے اگر وہ پینا چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ نہایت کڑوے کسیلے سمندروں میں سے تازہ میٹھا پانی مہیا فرماتا ہے جو بعد ازاں کوہساروں کی چوٹیوں پر بحالت برف ذخیرہ کیا جاتا ہے یا زیر زمین چشموں کی صورت میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ اس سے ندی نالے اور دریا بہتے ہیں۔ جو اس حیات آفرین ضرورت کی چیز کو انسان کے پاس جہاں کہیں بھی وہ ہوتا ہے، لے جاتے ہیں۔ اگر انسان عورت اور بیوی بچے چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو بہترین ساتھی عطا فرما دیتا ہے۔

اسی طرح اگر دوسری تمام فطری خواہشات پوری کی جاتی ہیں، تو "ہمیشہ زندہ رہنے" کی سب سے بڑی انسانی خواہش کیوں نہ پوری کی جائے؟ خدا نے کسی اور خواہش کی نسبت اس خواہش کو یقیناً زیادہ پورا کیا ہے۔ کیونکہ اس نے موت کے بعد زندگی عطا فرمائی ہے۔ ایسی زندگی جو دنیاوی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والاٰخرۃ خیرٌ و ابقیٰ (۸۷: ۱۶-۱۷) یعنی تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ قرآن کریم مزید فرماتا ہے کہ آخرت اتنی ہی یقینی ہے جتنی کہ خود موت۔

تمام مذاہب کی شہادت اصل میں، سارے کے سارے مذاہب، تمام کی تمام الہامی کتب، اللہ تعالیٰ کے کل مرسلینؑ اور تمام مقرب حضرات و خواتین نے حیات بعد الموت کی حقیقت اور تیقّن کی شہادت دی ہے۔ اس بارے میں ان کے اپنے یقین و ایمان کی پختگی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے اخروی زندگی کے حصول کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا اور اگر ضرورت پیش آئی تو اس راہ میں اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ ان راستباز بزرگوں اور عورتوں کی ایسی متفقہ شہادت کیونکر نظر انداز اور رد کی جا سکتی ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ انہوں نے آخرت کے حصول کی خاطر اپنی ہر شئے کو عملاً قربان کر کے اپنی باتوں کو برحق ثابت کر دکھایا۔ ہم تو صرف ایک ہی شخص پر، اگر وہ جھوٹا اور دغا باز نہیں ہے، اس حد تک اعتبار کر لیتے ہیں کہ اس کے کہنے پر دوائی استعمال کر کے اور اپریشن کروا کر اپنی جانیں خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔ اندریں صورت لاکھوں انبیاء کرامؑ کی تمام الہامی کتب و صحائف، اولیائے کرامؒ اور مقرب من اللہ بزرگوں اور تمام بنی نوع انسانوں کی ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے کی ہمہ گیر خواہش کی متفقہ شہادت کا ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں؟

آخرت پر عدم یقین انسان کو تو اس خبر پر خوش ہونا چاہیئے کہ طبعی موت واقع ہونے سے وہ اصل میں مرتا نہیں بلکہ وہ اپنی دوسری اور ابدی زندگی کی طرف چلا جاتا ہے، جہاں نہ کوئی بیماری ہے نہ کوئی غم یا دکھ درد، نہ کوئی فسق و فجور۔ بلکہ اس کے برعکس وہاں ابدی سعادت و مسرت اور آرام و راحت ہے۔ اگر امر واقعہ یہ ہے تو پھر انسان کیوں حیات بعد الموت کو نہیں مانتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو پھر آخرت میں یوم الحساب کی حقیقت کو بھی ماننا پڑتا ہے۔ انسان نہیں چاہتا کہ اس کا محاسبہ کیا جائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ جو کچھ کہتا کرتا یا اپنے دل میں سمجھتا رکھتا ہے، ان سب کی سختی سے سرزنش کی جائے۔ وہ تو چاہتا یہ ہے کہ اسے یونہی آزاد چھوڑ دیا جائے جو چاہے کرے جو چاہے کہے۔

دیکھا جائے تو انسان اپنی پسند کے مطابق قول و فعل میں آزاد ہے لیکن خالق کائنات چاہتا ہے کہ انسان اس حد بندی کا خیال رکھے جو نیکی اور بدی اور حق و باطل کے درمیان کی گئی ہے۔ تاکہ انسان کی زندگی اس دنیا میں خوشی و مسرت سے معمور ہو اور اس جنت میں جہاں ابدی زندگی انسان کا مقدر ہے، کسی برائی کا امکان نہ ہو۔

کیا یہ ضرورت ناجائز اور سخت ہے؟ کیا یہ انسان کے اپنے مفاد میں نہیں ہے، کیا یہ اس کی اپنی بھلائی کے لئے نہیں ہے اور جو امر اسکے لئے نقصان دہ ہے اس سے بچانے کے لئے نہیں ہے؟ لیکن انسان کے اندر کا حیوان، دیگر حیوانوں کی طرح لگام یا قیود اور پابندیاں پسند نہیں کرتا۔ عالم حیوانات کو مرضی و منشاء اختیار و ارادہ کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ حیوانات اپنی جبلت کے تابع ہوتے ہیں ان کی جبلت ان کو کسی ایسے کام کرنے سے، جو ان کے اپنے مفاد کے خلاف ہوتا ہے، روکے رکھتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حیوانات کی رہنمائی ان کی اپنی فطرت میں رکھدی ہے۔ اسی لئے ان کو، ان کی رہنمائی کے لئے، الہامی کتاب یا مرسلینؑ کی ضرورت نہیں ہے۔

آزادیٔ فکر و عمل جہاں تک بنی نوع انسان کا تعلق ہے وہ مخلوق بھر میں آزادیٔ فکر و عمل کا منفرد

مقام رکھتا ہے۔ ملائک کو بھی یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ ملائک کے بارے قرآن کریم میں مذکور ہے: یفعلون ما یؤمرون (۵۰:۱۶) کہ جو کچھ حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں۔ ارادہ و اختیار کی تمام تر آزادی اللہ تعالےٰ کو ہی حاصل ہے، چنانچہ فرمایا فعالٌ لما یرید (۸۵: ۱۶) یعنی کر گذرنے والا جو وہ چاہتا ہے۔ انّ اللہ یفعل ما یرید (۲۲: ۱۴) یعنی اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے۔ اس نے یہ آزادی اپنے خلیفہ علی الارض ــــ بنی نوع انسان ــــ کو ودیعت کر دی ہے۔ جو ذرائع اسے حاصل ہیں، ان کے مطابق وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ رحیم و کریم خدا نے، اس کی رہنمائی کے لئے اس کی اپنی فطرت اور اس کی فہم و فراست میں رشد و ہدایت کے سامان رکھ دیئے ہیں۔ مزید برآں وحی و الہام اور انبیاء و مرسلینؑ کے توسط سے بھی اس کی رہنمائی ہوتی ہے۔

بنی نوع انسان کے علاوہ باقی دوسری مخلوق اخلاقی ترقی کر سکتی ہے نہ روحانی۔ کہ اسے ارادہ و اختیار کی آزادی حاصل نہیں۔ وہ کام جو کسی پابندی سے یا بالجبر کئے جائیں، ان کی اخلاقی یا روحانی کوئی قیمت نہیں ہوتی ــ حیوان جس فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اسی پر قائم رہتا ہے۔ یہی حال ملائک کا ہے۔ لیکن انسان بڑی بڑی بلندیوں پر قدم مار سکتا اور یہاں تک کہ وہ صورتِ الٰہیہ بھی اپنا سکتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تخلقوا باخلاق اللہ کہ صفاتِ الٰہیہ کے مالک بنو۔ قرآن پاک خود بھی فرماتا ہے صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ و نحن لہ عٰبدون (۲: ۱۳۸) یعنی اللہ کا رنگ اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہے۔ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت ہی سے انسان صفات الٰہیہ حاصل کر سکتا ہے۔

بدی کیا ہے } ساری مخلوق میں اکیلے انسان کے اخلاقی اور روحانی بلندیوں کو پانے کا راز نہ صرف اس کو عطا کردہ ارادہ و اختیار کی آزادی میں ہے بلکہ پیشِ نظر نیکی و بدی کے درمیان فرق کرنے اور پھر نیکی کو اختیار کرنے میں ہے اگر دنیا میں کوئی بدی و برائی نہ ہوتی تو بنی نوع انسان میں کسی نیکی و اچھائی کی خوبی بھی نہ پائی جاتی۔ مثال کے طور پر اگر جھوٹ بولنے کا کوئی امکان نہ ہوتا تو سچائی کی صفت کوئی خوبی حاصل نہ کر پاتی۔ اگر ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کا کوئی امکان نہ ہوتا تو ایماندار بننا کوئی اخلاقی یا روحانی خوبی نہ ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ شیطان کو پیدا کرنے کی الٰہی حکمت یہی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو بدی کی تحریک کرتا رہے اور انسان ہر وقت شیطان سے دُور رہے۔ اور رحیم و کریم خدا نے وحی و الہام کے ذریعہ جو سیدھا راستہ دکھایا ہے اس پر چلتا رہے، اس طرح وہ اخلاقی اور روحانی طور پر بلند ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کیا ہے } لفظ تقویٰ قرآن کریم میں بار بار آیا ہے اس لئے اس کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے لفظی معنے ہیں ہر اس چیز سے بچنا جو انسان کے لئے نقصان دہ یا بُری ہو ــ اب ہر انسانی فعل کے اچھے یا بُرے امکانات ہوتے ہیں۔ کلام ہی کو لے لیجئے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کیلئے ایک منفرد عطیہ ہے۔ جو اس دنیا میں کسی اور مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ قرآن کریم خود فرماتا ہے۔ خلق الانسان علّمہ البیان۔ یعنی انسان کو پیدا کیا اسے بیان سکھایا (۵۵: ۳-۴) چنانچہ انسان سچ بول سکتا ہے، علم و دانائی کی باتیں کر سکتا ہے۔ روحانی اور اخلاقی گفتگو کر سکتا ہے، اور مہربانی، رحم اور ہمدردی کی باتیں کر سکتا ہے۔ یا پھر وہ جھوٹ بول سکتا اور بدکلامی کر سکتا ہے، غیبت و چغل خوری کر سکتا ہے یا لوگوں کو بُرائی کی تحریک کر سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تمام انسانی فعل، بشمول فکر و کلام، کے بُرے امکانات سے احتراز کا نام تقوےٰ ہے لہذا اس کو سمجھانا کہ وہ اپنی زندگی میں فلاں فلاں امر سے ممتنع رہے۔ کیا انسان کے لئے اس سے بڑھ کر ضروری ہدایت کی کوئی اور بات بھی ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم نے شروع میں ہی فرمایا ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ ھدی للمتقین (۲:۲) یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

انسانی کلام کی مندرجہ بالا مثال کو پیش نظر رکھیں۔ تو قرآن پاک مکمل رہنمائی کرتا ہے کہ انسان کیا بات کہے اور کیا نہ کہے اور کس طرح کہے۔ چنانچہ فرمایا:ــ

واغضض من صوتک۔ ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔ (۳۱: ۱۹)

یعنی اپنی آواز کو نیچا رکھے۔ یقیناً سب آوازوں سے بُری گدھوں کی آواز ہے۔

اچھائی اور بُرائی کے درمیان فرق سمجھنے اور اپنی فلاح و بہبود کے لئے نیکی اختیار کرنے سے ہی انسان اخلاقی اور روحانی درجات حاصل کرتا ہے۔

دنیاوی زندگی، سیکھنے سکھانے، گناہ سے بچ کر (سائنس بھی کہتا ہے کہ ہر عمل کا ایک مساوی اور مخالف ردِ عمل ہوتا ہے) اخلاقی اور روحانی درجات حاصل کرنے اور اللہ تبارک و تعالےٰ کی صفاتِ حسنہ سے جو قرآن کریم میں بہ تفصیل دی گئی ہیں متصف ہونے کی دنیا ہے۔ چنانچہ جنت کی نعمت و سعادت اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔

قرآن کریم پہلی آسمانی کتاب ہے جس میں اس جنت کا ذکر ملتا ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس جنت کا مزا نیک لوگوں نے دنیاوی زندگی میں بھی چکھا ہوگا۔ ارشاد باری ہے:ــ

"ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کے لئے (باغ) جنات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا۔ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا اور انہیں ملتا جلتا رزق دیا جائے گا" (۲:۲۵)

یہ حقیقت کہ وہ جنت اس زندگی سے شروع ہوتی اور انسان کے دل میں آباد ہوتی ہے قرآن کریم کی دوسری آیاتِ کریمہ سے مزید ظاہر ہوتی ہے۔ چند مقام درج ذیل ہیں:ــ

(ا) اس ارشاد کے بعد کہ "میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں" قرآن کریم آگے چل کر کہتا ہے:ــ

"اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بی بی جنت (باغ) میں رہو اور اس میں سے تم دونوں بافراغت کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔" (۲: ۳۵)

"لیکن شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا سو اس نے ان دونوں کو اس حالت سے نکال دیا۔" (۲: ۳۶)

لہذا اس دنیا میں جنت سے مراد فی الحقیقت انسانی قلب و ضمیر کی حالت ہے۔ دوسری زندگی میں یہ باطنی خوشی و مسرت سے معمور ایک خارجی حقیقت ہوگی۔ قرآن کریم میں بے شمار موقعوں پر اس کو وضاحت سے

بیان کیا گیا ہے - یہاں ہم ایک مقام کا ذکر کرتے ہیں جنتیوں کے بارے مذکور ہے :-

"یعنی اس سے خوش رہتے ہیں جو اللہ تعالٰے نے ان کو اپنے فضل سے دیا .... اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور کہ اللہ تعالٰے مؤمنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا -" (۳: ۱۶۹ - ۱۷۰)

(ب) ارشاد باری تعالٰے ہے :-

"جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر رکھتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں" (۵۵: ۴۶)

یعنی اس زندگی کی اور آخرت کی - اس زندگی میں بھی یہ روحانی مسرت کی حالت ہے جو انسان کے تمام اندرونی گناہ سے اجتناب اور اعمالِ صالحہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے - آخری زندگی میں یہ ایک خارجی حقیقت ہوگی جو (جیساکہ پہلے بھی کہا گیا ہے) باطنی خوشی اور روحانی سعادت سے معمور ہوگی -

(ج) ارشادِ الٰہی ہے :-

"اے اطمینان پانے والی جان - اپنے ربّ کی طرف لوٹ آ - تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی - سو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا -" (۸۹: ۲۷ - ۳۰)

جہنم } جنّت کی طرح جہنم بھی اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے اور وہ بھی انسان کے دل میں ہی ہوتی ہے - قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

"اللہ تعالٰے کی جلائی ہوئی آگ ہے جو انسانی دل پر اطلاع پا لیتی ہے" (۱۰۴: ۶ - ۷)

"جہنم کی یہ آگ بعد ازاں اُن پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی" (۱۰۴: ۸ - ۹)

خواہ وہ جنگوں کے بھڑکاتے ہوئے ستون ہوں یا آخرت میں جہنم کے شعلے - الغرض جہنم یا جنّت انسان کے اعمال سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم کے مندرجہ ذیل حوالوں سے پتہ چلتا ہے :-

"(۸۲: ۱۰ - ۱۵) (۸۳: ۷ - ۱۸) (۵۰: ۴ ~ ۱۸) - (۱۷: ۱۳ - ۱۴) (۴۵: ۲۸ - ۳۰) (۴۳: ۸۰) - (۲۱: ۹۴) اور (۱۳: ۱۱)"

نفس } قرآن کریم واحد آسمانی کتاب ہے جس نے انسانی تخلیق کے وہ تمام تر بھید جن کی انسانوں کو اس دنیا میں اپنی زندگی صحیح طرق پر گزارنے کی ضرورت ہے، بتلا دیئے ہیں - نہ صرف انسان کی مادی تخلیق مٹّی سے لے کر اس کی پوری جسمانی افزائش تک، تفصیل سے مذکور ہے، تاکہ انسان کو اپنی حیرت انگیز تخلیق میں قدرت الٰہیہ کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آئے، بلکہ اس کی روحانی ہستی پر بھی سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے - جب انسان جسمانی طور پر پیدا کیا جاتا ہے تو اللہ تعالٰے ان فرشتوں کو جن کا تعلق انسان کی دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے فرماتا ہے :-

"سو جب میں اس کی تکمیل کر دوں اور اپنی روح سے اس میں پھونکوں تو اس کے لئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر جاؤ -" (۱۵: ۲۹) (۳۸: ۷۲)

یہ روح جو انسان کے جسم میں ہوتی ہے، اپنی مختلف استعدادوں، مختلف اچھے بُرے عملوں اور مختلف حالات مثلاً صحت، بیماری، خوشی یا غمی، افلاس، امارت، وغیرہ کی وجہ سے دوسری ارواح سے مختلف ایک الگ شخصیت بن جاتی ہے - وہ انفرادیت یا شخصیت جو ہر انسان میں پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم کی رُو سے اسے نفس کہا جاتا ہے - یہی نفس ہے جو موت کے وقت انسان کے جسم سے دائماً نکال لیا جاتا ہے - قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالٰے نفسوں کو ان کی موت کے وقت دائماً اُٹھا لیتا ہے، جبکہ انسان کا ضعیف و بیمار اور لاغر و لاچار جسم اس مٹّی میں جہاں سے وہ آیا تھا، گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہونے کے لئے باقی رہ جاتا ہے اور خود نفس اپنے خالقِ حقیقی کے ہاں لوٹ جاتا ہے، اور انسان کے اعمال، اقوال اور افکار و نظریات اس کے نفس پر منقش ہو جاتے ہیں - قرآن کریم فرماتا ہے :-

"ہر انسان کے عملوں کو ہم نے اس کی گردن کا طوق بنا دیا ہے اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب نکال لیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا - اپنی کتاب پڑھ - آج تو تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے -" (۱۷: ۱۳ - ۱۴)

یوم حشر } انسان کی زندگی کا ہر لمحہ جو اس کے اندر محفوظ کر دیا گیا تھا انسان کو دوبارہ سُنا دیا جائے گا - ارشاد باری تعالٰے ہے :-

"اس دن لوگ الگ الگ ہو کر نکل پڑیں گے تاکہ انہیں ان کے عمل دکھائیں، تو جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرّہ کے برابر بدی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا -" (۹۹: ۶ - ۸)

اور فرمایا:- "جس دن راز ظاہر ہو جائیں تو اس کے لئے نہ قوّت ہوگی اور نہ کوئی مددگار" (۸۶: ۹ - ۱۰)

اور فرمایا:- "یعنی اس دن تم سامنے آ جاؤ گے تمہاری کوئی چھپی بات چھپی نہ رہے گی" (۶۹: ۱۸)

یہ ایک ضروری تنبیہ ہے اس شخص کو جو اپنے بُرے عملوں اور بُرے خیالات کو کسی عذر یا حیلے بہانے سے چھپاتا ہے -

مزید ارشاد ہے :-

"یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تیری جہالت تجھ سے دُور کر دی پس تیری نگاہ آج تیز ہے -" (۵۰: ۲۲)

قرآن کریم کی مزید آیات کا حوالہ دیئے بغیر میں آخرت میں یوم حشر کے بارے میں اس اقتباس کو ختم نہیں کر سکتا - چنانچہ فرمایا :-

"زمین اپنے ربّ کے نُور کے ساتھ چمک اُٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور نبی اور شہید بلائے جائیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا -" (۳۹: ۶۹)

اور فرمایا:- "جس دن تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھے گا ان کا نور ان کے آگے دَوڑ رہا ہوگا اور ان کے دائیں - آج تمہارے لئے خوشخبری ہے، باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں رہو گے یہی بھاری کامیابی ہے -" (۵۷: ۱۲)

آخرت میں ترقی } دوسری زندگی ناکارہ زندگی نہیں یا ایسی نہیں کہ جہاں لوگ کچھ بھی نہ کریں اور مزے لوٹیں یا جہاں انسانی ترقی ختم ہو کر رہ جائے گی - قرآن کریم میں سات آسمانوں کا حوالہ، آخرت میں ترقی کے سات درجات کی طرف اشارہ کرتا ہے - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معراج کے وقت لوگوں کو اپنی اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی کے درجہ کے مطابق سات آسمانوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا - چونکہ اللہ تعالٰی کی عظمت و کبریائی کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ غیر محدود کائنات تو عظمت الٰہی کی صرف ایک جھلک

ہی پیش کرتی ہے ، اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت و ادراک کے متعلق ایک مؤمن کی ترقی کی بھی کوئی انتہاء نہ ہوگی ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی کی کوئی حد نہیں ہے ۔

آخرت میں ترقی کی بعض حالتوں کے بارے میں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ :۔

"وہ لوگ جو اپنے ربّ کا تقوےٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے بلند مقامات ہیں ۔ ان کے اُوپر (ان کے لئے) اور بلند مقامات بنے ہوئے ہیں ۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے ۔ اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا ۔"

اور فرمایا :۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی طرف (ایسا) رجوع کرو جو خالص رجوع ہو ، امید ہے کہ تمہارا ربّ تم سے تمہاری برائیوں کو دُور کر دے اور تمہیں باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس دن اللہ نبی کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسُوا نہیں کرے گا ۔ ان کا نور اُن کے سامنے اور ان کے دائیں چلتا ہوگا ۔ کہیں گے اے ہمارے ربّ ہمارا نور ہمارے لئے کامل کر اور ہماری مغفرت فرما تو ہر چیز پر قادر ہے" ۔ (۶۶ : ۸)

مشہور مترجم و مفسّر قرآن حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر درج ذیل نوٹ لکھا ہے :۔

"یہاں وضاحت کر دی ہے کہ اصل غرض مؤمن کی تطہیر کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا یہ دُعا کرنا کہ اے ہمارے ربّ ہمارے نور کو کامل ہے اور ہماری مغفرت فرما صاف بتاتا ہے کہ مغفرت سے مراد ترقی درجات ہے اور بہشت میں اتمام نور اور ترقی درجات کی دُعا صاف بتاتی ہے کہ قرآن کریم ترقیات کو غیر متناہی قرار دیتا ہے جہاں ہمیشہ پاک انسانوں کے دلوں کے اندر اور زیادہ ترقی کی خواہش پیدا ہوتی رہے گی ــــــ یہ تعلیم کہ بہشت اعلےٰ سے اعلےٰ ترقیات کا مقام ہے اور کہ وہ ترقیات غیر متناہی ہیں صرف اسلام نے سکھائی ہیں ۔"

حیرت انگیز انکشافات

آخرت پر عام عدم ایمان کے اس دور میں یہ صرف اللہ تعالےٰ کی منشاء ہی ہے کہ بنی نوع انسان کو ان مریضوں کے ذریعہ سے ، جنہیں اس وقت مردہ قرار دے دیا گیا جبکہ ان کی حرکت قلب بند ہو چکی اور ان کی سانس اور نبض رُک گئی تھی ، لیکن ان کے دماغ حقیقت میں مرے نہیں تھے ، عالم آخرت کا ایک جلوہ دکھایا گیا ہے ۔ جب ان کو ہوش میں لانے کے جدید طریقوں کے ذریعہ بسا اوقات کامیاب ہو جاتے ہیں ہوش میں لایا گیا ، تو وہ آخرت کی جھلک پہلے ہی دیکھ چکے تھے ۔

ڈاکٹروں ، سائنسدانوں نیز پادریوں نے ایسے مریضوں کی سینکڑوں شہادتیں جمع کیں اور شائع کی ہیں ۔ لیکن ان حیرت انگیز انکشافات کی خاطر قاری کو اگلے شمارے تک انتظار کرنا پڑے گا ۔ (باقی ـــ باقی)

از : محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ ۔ لاہور

ہماری دو بیمار بہنیں آپکی دعاؤں کی محتاج ہیں

ہماری محترم و عزیز بہن ناصرہ ملک صاحبہ تقریباً چار ماہ پیشتر بغرض علاج امریکہ تشریف لے گئی تھیں ۔ وہاں پہنچتے ہی ان کی بیماری شدّت اختیار کر گئی اور ٹانگوں سے معذور ہو گئیں ۔ پے در پے چار اپریشن ہوئے ۔ بزرگوں کی دُعاؤں سے اس قدر افاقہ ہوا کہ اب کرچز سے چلنا شروع کر دیا تھا ۔ پھر اطلاع ملی کہ اچانک بینائی جاتی رہی ہے جس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی ۔ اس قدر ماہر معالج اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں جدید سائنسی و طبّی سہولتوں کی موجودگی میں انسان کی بے بسی کا شدید احساس ہوتا ہے ۔ ایسے میں اللہ تعالےٰ کی ذات باری کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ۔ وہ ہر مرتبہ دعاؤں کے لئے لکھتی تھیں ۔ واقعی جب دَوا کارگر نہ ہو تو دُعا سے ہی کام بنتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ کو تمام قدرت و طاقت ہے ۔ وہ بڑا ہی کارساز ہے ۔ وہ چاہے تو مُردوں میں جان ڈال سکتا ہے ۔ تمام بزرگوں اور بہنوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنی نیم شبی دعاؤں میں دردِ دل کے ساتھ ان کی شفایابی کے لئے دُعا فرمائیں ۔

موصوفہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ بلاشبہ وہ عظیم باپ (حضرت امیر مرحوم) کی عظیم بیٹی ہیں ۔ ۱۹۷۴ء کے ابتلاء کے دنوں میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ تو ان کی خوبیاں عیاں ہوئیں ۔ یہ وہ دور تھا جبکہ بڑی بڑی صاحب علم ہستیاں بھی اپنے کو احمدی ظاہر کرتے سے گھبراتی تھیں ۔ ایسے میں ہماری بہن نے اپنے مہمانوں کے کمرے کو احمدیت کے لٹریچر سے آراستہ کیا ۔ جماعتی کاموں میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھتے ہوئے ۔ ہمیشہ دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے پیش پیش رہیں ۔ انہوں نے سردی گرمی کی شدّت یا کسی بھی دنیاوی کام کو دین کے کام میں حائل نہ ہونے دیا ۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جہاں چائے کا سٹال لگاتیں وہاں دستکاری میں بھی پیچھے نہ رہتیں ۔ گذشتہ سالانہ جلسہ پر جائے نمازوں کی تیاری میں ان کی انگلیوں میں سُوئی کے کام سے چھید ہو گئے تھے ۔ نمازِ فجر میں غریب بہنوں کو بغیر گرم کپڑے کے دیکھا تو تنظیم خواتین کی توجہ ان کی طرف مبذول کرواتے ہوئے سردی میں راتوں رات گرم کپڑا خریدا اور کچھ اپنے گھر سے گرم چادریں اور بچّوں کے گرم کپڑے بھی مہیا کئے ۔

بزرگوارم محترم فاروقی صاحب نے انہیں کی خواہش پر لاہور میں درسِ قرآن کا آغاز کیا ۔

جہاں ان کا وجود اپنے خاندان کے لئے انتہائی قیمتی ہے ۔ وہاں پر جماعت احمدیہ اور تنظیم خواتین احمدیہ کے لئے بھی گرانقدر ہے ۔ پہلے ان کی دُوری کا احساس تھا اب ان کی جان پر دُکھوں کا ہجوم ہونے پر اذحد قلق ہوتا ہے ۔ دوبارہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور تمام بہنوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ خداوند کریم کے حضور خاص دردِ دل سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو صحت کاملہ عطا فرمائے ۔ اور دوبارہ اپنے فضل و کرم

(کالم اوّل کے نیچے)

سے بخیریت ہمارے پاس واپس لائے تاکہ وہ جماعتی کاموں اور تنظیم خواتین احمدیہ میں پھر سے بھرپور حصّہ لیں ۔ آمین ثم آمین ۔

ہماری بزرگ بہن محترمہ صالحہ ظہور احمد صاحبہ بھی تقریباً پندرہ بیس روز سے صاحب فراش ہیں ۔ ان کے لئے بھی دُعاؤں کی اشد ضرورت ہے ۔ ان کا وجود بھی انتہائی قیمتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفا عطا فرمائے آمین ۔ جملہ بزرگان سے اور بہنوں سے دُعا کی اپیل ہے ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان

فون نمبر ۵۳۷۳۷

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعود)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :۔ پندرہ
بیرونی ممالک سے :۔ ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۴	یوم چہارشنبہ یکم رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷ اگست سنہ ۱۹۷۷ء	نمبر ۳۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

تمہارے ہر کام میں خدا تعالےٰ کی رضا مقصود ہو

ضرورت ہے کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ تمہارے پیدا کرنے سے خدا تعالےٰ کی غرض یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ اور اس کے لئے بن جاؤ۔ دُنیا تمہاری مقصود بالذات نہ ہو۔ میں اس لئے بار بار اس ایک امر کو بیان کرتا ہُوں کہ میرے نزدیک یہی ایک بات ہے۔ جس کے لئے انسان آیا ہے۔ اور یہی بات ہے جس سے وہ دُور پڑا ہوا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم دُنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچوں سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں رکھتا۔ اور رہبانیت اسلام کا منشاء نہیں۔ اسلام تو انسان کو چُست اور ہوشیار اور مستعد بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے مَیں تو کہتا ہوں کہ تم اپنے کاروبار کو جد و جہد سے کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو اور وہ اس کا تردّد نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس سے یہ مراد لے کہ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو جائے۔ وہ غلطی کرتا ہے۔ نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو۔ اس میں دیکھ لو کہ خدا تعالےٰ کی رضا مقصود ہو اور اس کے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض اور جذبات کو مقدّم نہ کرو۔

پس اگر انسان کی زندگی کا مُدّعا یہ ہو جائے کہ وہ صرف تنعّم ہی میں زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہاء خورد و نوش اور لباس و خواب ہی ہو۔ اور خدا تعالےٰ کے لئے کوئی خانہ اس کے دل میں باقی نہ رہے۔ تو یہ یاد رکھو ایسا شخص فطرۃ اللہ کا مقلب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے قویٰ کو بے کار کر لے گا۔ یہ صاف بات ہے کہ جس مطلب کے لئے کوئی چیز ہم لیتے ہیں اگر وہ وہی کام نہ دے تو اسے بے کار قرار دیتے ہیں مثلاً ایک لکڑی کرسی یا میز بنانے کے واسطے لیں۔ اور اس کام کے ناقابل ثابت ہو۔ تو ہم اسے ایندھن ہی بنا لیں گے۔ اسی طرح پر انسان کی پیدائش کی اصل غرض تو عبادت الٰہی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی فطرت کو خارجی اسباب اور بیرونی تعلقات سے تبدیل کر کے بیکار کر لیتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کی پروا نہیں کرتا۔

غرض خدا تعالےٰ متقی کی زندگی کی پروا کرتا ہے اور اس کی بقاء کو عزیز رکھتا ہے اور جو اس کی مرضی کے برخلاف چلے وہ اس کی پروا نہیں کرتا اور اس کو جہنم میں ڈالتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنے نفس کو شیطان کی غلامی سے باہر کرے۔ جیسے کلوروفارم نیند لاتا ہے۔ اسی طرح پر شیطان انسان کو تباہ کرتا ہے۔ اور اسے غفلت کی نیند سُلاتا ہے۔ اور اسی میں اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (ملفوظات احمدیہ حصّہ اوّل۔ صفحہ ۳۵)

وجہ تسمیہ رمضان

فرمایا: رمضان سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذّتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے خدا تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ .... رمضان دُعا کا مہینہ ہے۔ صوفیوں نے اس مہینہ کو تنویر قلب کے لئے عُمدہ لکھا ہے۔ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلی قلب ہوتی ہے ...... اور تجلّی قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ جن سے مومن خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ ص ۱۷۵)

رمضان المبارک کا مجاہدہ ــــ گریۂ شب

ماہ رمضان میں دُعا کرو کہ دنیا اسلام اور خدائے اسلام کے آگے سر جھکائے

از حضرت امیر مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کے مجاہدہ کا مہینہ آگیا ہے۔ میں نے اپنے احباب سے سال گذشتہ بھی ایک اپیل کی تھی۔ اب پھر کرتا ہوں کہ کم سے کم رمضان کا مہینہ سب احمدی مرد، عورتیں، نوجوان سب کے سب تہجّد کی اگر زیادہ نہیں تو دو رکعت ہی پڑھیں۔ سحری کے لئے سب لوگ اُٹھتے ہیں، بلکہ جو کسی عذر کی بناء پر روزہ نہ رکھ سکتے ہوں ان کی بھی آنکھ کھُل جاتی ہے کیونکہ سارا گھر جاگا ہوا ہوتا ہے۔ سحری کے وقت سے زیادہ نہیں تو آدھ گھنٹہ پیشتر ہی اُٹھ کر وضو کر کے کم سے کم دو رکعت نمازِ تہجّد ضرور پڑھیں اور اس کے بعد سحری کھائیں۔ ان لوگوں کو جنہیں یہ عادت نہیں بے شک پہلے پہلے ذرا مشکل معلوم ہوگا لیکن دو چار دن میں جب عادت پڑ جائے گی تو اس میں راحت محسوس ہوگی۔

ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سینوں میں یہ درد ہونا چاہیئے کہ ان لوگوں کو کلمۂ حق پہنچایا جائے جو ابھی تک اس سے بے خبر ہیں۔ یہ وہ بات ہے کہ جس سے مسلمان انتہائی درجہ کی لاپرواہی برت رہے ہیں۔ یہی مسلمان قوم کی سب سے بڑی بیماری ہے اور دوسری طرف مغربی دُنیا کے مادہ پرست اور ان کی تقلید میں مشرقی غلام جو سیاسی طور پر بھی غلام ہیں۔ اور ذہنی طور پر بھی غلام، خدا سے بہت دُور جا رہے ہیں اور اپنی طاقت اور دولت کے نشہ میں سرشار خُدا کی طاقت سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں ان کو خدائے واحد کی طرف واپس لانا اور اس کے آستانہ پر جُھکانا یہ وہ عظیم الشان انقلاب ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے ہماری جماعت کھڑی ہوئی ہے مگر ایسے انقلاب منہ کے لفظوں سے پیدا نہیں ہوتے۔ تحریروں اور تقریروں سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ دِلوں کے درد اور سینوں کے غم سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی درد تھا جو آنحضرت صلعم کو بے تاب کر کے غارِ حرا میں لے جاتا تھا۔ جیسا کہ مجدّد وقت نے فرمایا ہے ؎

من نمیدانم چہ دردے بود واز وہ رغمے
کاندراں غارے درآوردش حزین و دلفگار

اور قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی فطرت کا خالق اللہ آپ کے نہاں در نہاں ارادوں کا واقف فرماتا ہے۔ لعلّك باخع نفسك الّا یکونوا مؤمنین۔ تو اس غم اور درد سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ لوگ اپنے مولا سے اتنے دُور کیوں جا پڑے ہیں اور کیوں وہ اس کے آستانے پر نہیں جُھکتے۔ یہی درد تھا جس نے آپ پر رات کی نیند حرام کر رکھی تھی اور جو آدھی آدھی رات اور دو تہائی رات آپ کو خدا کے حضور کھڑا رکھتا تھا۔ یہی درد تھا جس نے آخر دنیا پر وہ انقلابِ عظیم پیدا کیا کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اس رنگ کا انقلاب آج بھی دنیا میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہ انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہی درد پھر دوبارہ دنیا میں پیدا نہ ہو۔ اسی درد سے وافر حصہ اس صدی کے مجدّد کو ملا اور اسی آگ سے اس کے پاس بیٹھنے والوں کے سینوں میں بھی ایک ایک چنگاری پڑی۔ لیکن وہ چنگاری ان کے سینوں کو اور پھر وہاں سے نکل کر دنیا کو اسی وقت روشن کر سکتی ہے کہ غفلت کے خاکستر کے نیچے وہ بجھ نہ جائے اور اس کو روشن کرنے کے لئے ہم بھی محمد رسول اللہ صلعم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے راتوں کے اندھیرے میں اس کے روشن کرنے کا سامان کریں۔

پس رمضان کے اُنتیس ۲۹ یا تیس دن ہر ایک اس احمدی سے جو احمدیہ جماعت لاہور سے تعلق رکھتا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ نمازِ تہجّد کا التزام کرے اور اس نمازِ تہجّد میں بالخصوص جو تڑپ اس کے سینے کے اندر ہو جس چیز کے لئے وہ رو رو کر اللہ تعالےٰ سے دُعا کرے وہ یہی ہو کہ اے خُدا تو نے جو اس دنیا کو اس قدر ظاہری سامان زینت کے اور جسم کی تربیت کے دیتے ہیں تو اب اُن کی رُوح کی تربیت کی طرف بھی توجّہ فرما اور اپنے اس کلام پاک سے جو تو نے تمام جہان کی ربوبیت کے لئے نازل فرمایا تھا ان کی بھی ربوبیت فرما۔ تو ان کو محمد رسول اللہ صلعم کے امن کے جھنڈے کے نیچے لے آ۔ کیونکہ وہ دُنیا کی دولت کے پیچھے پڑ کر ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر جا پہنچے ہیں۔ بلکہ اس کے اندر دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔

بے شک اس درد سے جو محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک میں اصلاحِ عالم کے لئے تھا۔ فرداً فرداً ہمارے درد کو کوئی نسبت نہیں اس سمندر کا ایک قطرہ بھی نہیں لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ اگر پانچہزار قلوب کے اندر اتنا درد پیدا ہو جائے تو دنیا میں پھر ایک دفعہ یہی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور دُنیا اس عذابِ عظیم سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے جس میں اس وقت اس کے اپنے اعمال نے اسے ڈال رکھا ہے۔ پانچہزار میں اس لئے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو رؤیا میں یہی بتلایا گیا تھا کہ پانچہزار سپاہی دیا جائے گا۔ اس فوج کے سپاہی کا ہتھیار گریۂ شب ہے۔ آؤ ہم مل کر سال میں ایک مہینہ صرف انہی دُعاؤں کے لئے وقف کر دیں کہ دُنیا اسلام اور خدائے اسلام کے آگے سر جُھکا دے۔ اس بات میں ذرا بھی شک آپ کے دِلوں میں نہ ہو کہ اب دُنیا خدا کی طرف کس طرح واپس آ سکتی ہے۔ یہ خدائے صادق کا وعدہ ہے۔ یہ انسانوں میں سے صادق ترین انسان کا وعدہ ہے۔ سو خدا اور اس کے رسُول کا وعدہ پُورا ہو کر رہے گا۔ اللّٰھم انت الحق ووعدك الحق۔

تو دُعا کرو اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے اس مقصد میں جو امام وقت نے ہمارے سامنے رکھا ہے قرآن کریم کا دنیا میں پہنچانا اسلام کا دُنیا میں پھیلانا۔ اللہ تعالےٰ کا نام دنیا میں بلند کرنا، ان میں ہمیں کامیاب فرمائے اور ہمارے ہاتھوں سے اپنے دین کی تبلیغ کی وہ بُنیاد رکھوائے جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے۔ ہاں یہ بھی دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ہر قسم کے گناہوں سے دنیا کے لالچوں سے پاک کر کے اس قابل بنائے کہ ہم اس کا جھنڈا فوج کہلا سکیں اور یہ بھی دُعا کریں کہ جو لوگ ہم میں سے پیچھے رہتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے دلوں میں بھی وہ قوت پیدا کرے کہ ان کا قدم خدا کے رستے میں مضبوطی کے ساتھ اُٹھنے لگے۔ ہم تھوڑے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے یہ ارادہ الٰہی کے ماتحت ہے۔ لیکن اگر ہمارے دلوں میں درد تھوڑا ہو تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ سو اپنے درد کو زیادہ کرو تا وہ ہماری قلت کا علاج ہو جائے۔

حافظ قرآنِ پاک کی ضرورت

مرکزی مسجد جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں نماز تراویح کے لئے ایک حافظ قرآن کی ضرورت ہے۔ لہذا احباب جماعت میں سے جو حافظ صاحب اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہیں فوراً تشریف لے آئیں۔ ان کی مناسب خدمت کی جائیگی۔

جائنٹ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۷۷ء

موعودہ نبی اور انسانِ کامل

حضرت مسیح یا حضرت محمد صلعم

ہم جانتے ہیں کہ گذشتہ تیرہ چودہ صدیوں میں اس موضوع پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اس میں اور اضافہ کی گنجائش نہیں ۔ لیکن جب بھی ہماری نظر سے کوئی ایسی کتاب یا مضمون گذرے جس میں کسی مخالفِ اسلام کے قلم سے ایسے الفاظ درج ہوں جن سے بالواسطہ یا بلا واسطہ رسالتمآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت و رسالت کی تحقیر منظور ہو تو ہمارا دل بے اختیار چاہنے لگتا ہے کہ اس پر قلم اٹھایا جائے ورنہ قرآن کریم میں باری تعالےٰ کی اس ہدایت کے مطابق "لا نفرق بین احد من رسلہ" ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے ۔ کیونکہ وہ سب ایک ہی چشمہ سے سیراب ہوئے اور دنیا کو اپنے اپنے دور میں سیراب کرتے رہے ہیں ۔ حضرت مسیح بھی فرماتے ہیں کہ :—

"نبیوں کے صحیفوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ سب خدا سے تعلیم یافتہ ہوں گے" (یوحنا ۶ : ۴۵)

اس کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی ہے کہ جناب برکت اے خان صاحب اپنی کتاب "فلسفہ وحدت الوجود" میں حضرت مسیح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :—

"اندروئے انجیل مقدس مسیح خداوند کی زندگی ۔ طبیعت سیرت ۔ مزاج ۔ قدرت اور جلال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ ایک موعودہ نبی ، رسول اور بے عیب مقدس انسان کامل تھا بلکہ وہ الوہیت کی ساری مجموعی کے سبب ذاتِ الٰہی کا نقش ۔ ان دیکھے خدا کی صورت اور خدائے کامل ہے ۔" (ص ۳۸)

اس سے آگے چل کر ص ۵۷ پر فرماتے ہیں :—

"وہ الٰہی قدرت و اختیار ۔ حق و صداقت ۔ انسانی ہمدردی ۔ ایثار و قربانی ۔ محبت و خدمت ۔ صبر و تحمل سیرت و مزاج ، رحمدلی اور حلم مزاجی کے تمام جلالی کمالات میں خدائے کامل اور مظہر اتم ہے ۔"

ان اقتباسات کے الفاظ سے ہمارے قارئین نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کس طرح مصنف نے حضرت مسیح کی آنحضرت صلعم پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ حضرت مسیح کو "انسانِ کامل" سے بڑھا کر "خدائے کامل" تک کہہ دیا ہے ۔

پہلے تو یہی تضاد ملاحظہ فرما لیجئے کہ ایک طرف مسیح کو "انسان کامل" کہا جاتا ہے اور دوسری طرف "خدائے کامل" ۔ آپ خود ص ۵۹ پر فرماتے ہیں کہ :—

"انسان خدا نہیں اور خدا انسان نہیں .... ایک عاجز انسان کا لامحدود خدا بننا تو یقیناً محال مطلق ہے ۔"

انسان اگر کامل بھی ہو تو انسان ہی رہتا ہے اور محدود ۔ پھر اس منطق کے مطابق حضرت مسیح کیسے لا محدود خدا بن گئے ۔" جبکہ انسان خدا نہیں اور خدا انسان نہیں ۔"

"خدائے کامل" کی ترکیب پر بھی ذرا غور فرمائیں ۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقت میں خدا کے وجود اور صفات میں کچھ نقائص پائے جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتے کرتے درجہ کاملیت پر پہنچ جاتا ہے یعنی خدا تغیر پذیر ہے ۔ جس طرح درخت بیج کی حالت سے جسامت اور صفات میں ترقی کرتے کرتے ایک کامل درخت بن جاتا ہے اور انسان دو مختلف خوردبینی خلیات کے ملاپ کے بعد حالتِ عجز سے اسی طرح ترقی کرتے کرتے جسمانی طور پر ایک کامل انسان بن جاتا ہے ۔ یہی معاملہ خدا کے ساتھ بھی ہوتا ہے ۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ایک ایسی تغیر پذیر ہستی کی طرف سے بھیجے جانے والے انسان نقائص سے پاک اور معصوم ہو سکتے ہیں ۔ چونکہ برکت اے خان صاحب کے نظریہ کے مطابق خدا خود ایک تغیر پذیر ہستی ہے اس لئے اس کی طرف سے انسانیت کی نجات کے لئے بھیجے جانے والے مسیح بھی انسان کامل نہیں ہو سکتے ۔ "اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا اور انسانیت کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا" (لوقا ۲ : ۵۲)

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مصنف نے انسان کامل کا لفظ کن معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ آیا وجود کے لحاظ سے یا صفات کے لحاظ سے اس ضمن میں انسانی وجود ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی تشکیل ۔ ترکیب ۔ ترتیب ۔ اعضاء کے باہمی ربط و ضبط اور ان کے افعال مخصوصہ کی سر انجام دہی میں اللہ تعالےٰ نے انسان اور انسان کے درمیان کوئی تمیز روا نہیں رکھی ۔ رنگ ۔ زبان ۔ خد و خال اور قد کاٹھ یا جسامت میں تفرق ہمارے خیال میں بالکل اہم نہیں ۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ کسی انسان کی کاملیت ۔ افضلیت اور عظمت کا انحصار ان جمیع روحانی اور اخلاقی صفات حسنہ کے اظہار پر جو انسان کے تصور میں آ سکتی ہیں اور اس مقصد کی کماحقہ تکمیل پر ہے جس کے لئے وہ مبعوث کیا گیا ہو ۔ حضرت مسیح کے "انسانِ کامل" ہونے کو جب ہم انجیل کی روشنی میں اس معیار پر پرکھتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ بدن لہو لہان اور زخموں سے چور ہو لیکن زخم دینے والوں کے لئے زبان سے صرف یہی الفاظ نکلیں کہ میری نادان قوم میرے مقام کو نہیں جانتی ۔ دشمن سر پہ کھڑا ہو اور اپنے ساتھی کو یوں تسلی دی جائے "لا تحزن ان اللہ معنا" (غم کیوں کرتے ہو اللہ جو ہمارے ساتھ ہے) جرأت و عزیمت کا یہ حال ہو کہ چاروں طرف سے دشمن میں گھرے ہوئے ہوں مگر ہر خطرے سے بے نیاز اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے پکار رہے ہوں "الیّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ" (خدا کے بندو میری طرف واپس لوٹ آؤ میں اللہ کا رسول ہوں) اور زخمی حالت میں تنہا دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" (میں نبی ہوں ۔ میں جھوٹ نہیں کہتا ۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) تاکہ دشمن کو یہ شک بھی نہ رہے کہ کون پکار رہا ہے ۔ قتل کے ارادے سے آنے والے دشمن کے ہاتھ سے گری ہوئی تلوار ہاتھ میں آ جائے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیں "جاؤ ہم نے تمہیں معاف کیا" ۔ ساتھی ہوں تو ایسے کہ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو اور اپنے محبوب کی حفاظت کی خاطر خود تیر کھانے کے لئے اردگرد حلقہ بنا لیں ۔ فقر و غنا ۔ جود و سخا ۔ بے نفسی و بے لوثی اور عجز و انکسار کا یہ عالم ہو کہ ڈھیروں ڈھیر قیمتی مال لوگوں میں تقسیم کر کے پلو جھاڑ کر خالی ہاتھ واپس آ جائیں ۔ شہنشاہ عرب ہو کر کچے کوٹھڑوں میں ساری زندگی گذار دیں ۔ اور گھر میں ایک دینار تک رکھنے کے روادار نہ ہوں ۔ عفو و در گذر ۔ وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی ہو تو ایسی کہ مغلوب و مفتوح دشمن کو جو ساری عمر ان کو اور ان کے رشتی کو

مٹانے کی کوششوں میں مصروف رہا ہو۔ "لاتثریب علیکم الیوم" (آج کے دن ہم نہ تمہیں کوئی الزام دیتے ہیں اور نہ ہی کوئی شکوہ شکایت کرتے ہیں) کہکر معاف کر دیا ہو۔ عدل و انصاف کا وقت آئے تو اپنی بیٹی کا ہاتھ کاٹنے کے لئے تیار ہو جائے۔ رحم و شفقت اور خدمت خلق کا جذبہ ایسا ہو کہ یتیموں ۔ بیواؤں ۔ محتاجوں اور بے سہاروں کا سہارا بن جائے یہاں تک کہ عورتیں بھی پکار اُٹھیں کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ہمیں کوئی غم نہیں خواہ ہمارے خاوند۔ بھائی اور بیٹے مارے ہی کیوں نہ جائیں۔ مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی نیک سلوک کا حکم دیا ہو۔ اور اپنے غیرمسلم مہمان کی پلیدی ہاتھ سے دھوئی ہو۔ صبر اور استقامت اتنی عالی ہو کہ مشکل ترین وقت میں بھی "ایلی ایلی لما سبقتانی" زبان سے نہ نکلا ہو۔ قوت قدسی ایسی ہو کہ اس کے قدموں میں بیٹھنے والے مسیحا بن جائیں۔

تاریخ اگر کسی ایسی کامل شخصیت کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اس کے برعکس جب ہم انجیل کے پیش کردہ یسوع مسیح کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں (قرآن پاک نے جن مسیح ابن مریم کا ذکر کیا ہے وہ "وجیھا فی الدنیا والآخرۃ" ہیں اور ان کے حواری وہ ہیں جن سے جب پوچھا گیا من انصاری الی اللہ تو انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا نحن انصار اللہ) وہ "کامل خدا" تو کیا ایک "کامل انسان" بھی نظر نہیں آتے۔

وہ فریسیوں سے ایسے خوفزدہ نظر آتے ہیں کہ باوجود سب لوگوں کو اچھا کرنے کا معجزہ دکھانے کے "ان کو تاکید کی مجھے ظاہر نہ کرنا" (متی ۱۲:۱۶) "اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں" (متی ۱۶:۲۰)

انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ انجیر میں بے موسم پھل نہیں لگتے۔ یہ تو ایک عام انسان بھی جانتا ہے کہ کس موسم میں کیا کیا فصل اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ عجیب خدائی اور کاملیت ہے۔

"اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے اور انجیر کا درخت اسی وقت سوکھ گیا۔" (متی ۲۱: ۱۸-۱۹) قصور اپنا ہے اور جھنجھلا کر بد دعا درخت کو دیتے ہیں جس کا کوئی قصور نہیں۔

فقیہوں اور فریسیوں کو مخالفت کی وجہ سے گالیوں سے نوازتے ہیں:۔

"اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے" (متی ۲۳:۳۳)

جب ماں اور بھائی ملنے کو آتے ہیں تو انکار کر دیتے ہیں:۔

"کسی نے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟"

(متی ۱۲: ۴۶-۴۹)

وہ جوڑنے نہیں توڑنے کے لئے آئے ہیں:۔

"کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں" (متی ۱۰: ۳۵)

ہمدردی اور انسان دوستی کا یہ حال ہے کہ ایک کنعانی عورت چیختی چلاتی آتی ہے کہ میری بیٹی کو بد روح ستاتی ہے اسے نکال دے وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ:۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵: ۲۴)

وہ انہیں سجدہ کرتی ہے لیکن پھر بھی دل نرم نہیں ہوتا اور کہتے ہیں:۔

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں" (متی ۱۵:۲۶)

حضرت مسیح فرماتے ہیں:۔

"ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیونکہ جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے اور نہ جھڑبیری سے انگور" (لوقا ۶:۴۴)

اس تمثیل کے پیش نظر اگر حضرت مسیح کے حواریوں کی حالت کو جانچا جائے تو نہایت مایوسی ہوتی ہے کہ "انسان کامل" بلکہ "خدائے کامل" کے سارے ساتھی مصیبت کے وقت اسے چھوڑ چھاڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک اس ساتھی نے جسے آسمان پر باندھنے اور کھولنے کا اختیار اور بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں یہودیوں کے خوف اور ڈر سے ان پر تین بار لعنت کی اور ایک دوسرے یہوداہ اسکریوتی نے رشوت لے کر پکڑوا دیا۔ (مرقس ۱۴: ۶۶-۷۲)

"پطرس کو وہ بات جو یسوع نے اس سے کہی تھی یاد آئی کہ مرغ کے دو بار بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا اور اس پر غور کر کے وہ رو پڑا۔" (مرقس ۔ ۷۲)

"اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔"

(مرقس ۳: ۱۹)

اس کا ذکر متی ۔ مرقس ۔ لوقا اور یوحنا ساری انجیلوں میں ہے ۔ کیا حضرت محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ وہاں تو عورتوں نے اپنی جان دے دی اور حق سے انکار نہ کیا۔ بلکہ آپؐ کے غلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھیوں نے اپنی جان پیش کر دی اور اس سے انکار نہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود اور مجددِ زمان ہیں جو آپؐ کے ارشاد کے مطابق تشریف لائے ہیں۔

جن چراغوں سے یہ توقع تھی کہ وہ دُنیا کی راہیں روشن کریں گے انہوں نے "انسان کامل" اور "خدائے کامل" کے دامن کو ہی جلا کے رکھ دیا۔ ساری عُمر کی کمائی کُل ۱۲ حواری تھے وہ بھی مشکل میں ساتھ چھوڑ گئے۔ یہ قدرت کامل کا عجیب نمونہ ہے۔ ساتھیوں نے تو ساتھ چھوڑ ہی دیا تھا لیکن وہ صلیب پر موت کے خوف اور غم سے خدا سے بھی یہ شکوہ کرتے ہیں "ایلی ایلی لما سبقتانی" (متی ۲۷: ۴۶) ایک "کامل خدا" خدا سے یہ شکوہ کرے لیکن اپنے آپ کو نہ یہودیوں سے چھڑا سکے اور نہ صلیب پر مرنے سے بچا سکے یہ بڑا تعجب خیز امر ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح کے "بے عیب مقدس انسان کامل" ہونے کا تعلق ہے اس پر انجیل ہی کا فتوےٰ ہم پیش کرتے ہیں:۔

"پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸: ۱۸-۱۹)

"کوئی نیک نہیں" کہہ کر حضرت مسیح نے اپنے نیک نہ ہونے کا اعتراف کر لیا ہے۔ اور برکت صاحب سُست مُدعی کے چُست گواہ بن کر انجیل کی تعلیم کے خلاف انہیں "بے عیب مقدس انسان کامل" کہنے پر اصرار کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح اپنے آپ کو موعودہ نبی اور رسول بھی نہیں سمجھتے۔ اس پر بھی انجیل ہی کی شہادت نوٹ فرما لیجئے:۔

(۱) حضرت مسیح فرماتے ہیں:۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے

آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین مل نہ جائیں ایک نقطہ یا شعشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔"

(۲) توریت (استثنا ۱۸:۱۸) میں لکھا ہے:۔

"میں ان کے لئے (یعنی بنی اسرائیل کے لئے) ان کے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) تیری مانند (موسٰے) ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ سب کچھ اُن سے کہے گا۔

(۳) اللہ کی اس بات نے پُورا ہو کر رہنا تھا۔ اسی کے مطابق حضرت مسیح نے فرمایا:۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا اور میرا جلال ظاہر کرے گا۔" (یوحنا ۱۶: ۱۲ تا ۱۴)

(۴) پھر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اسے نہیں دیکھتی اور نہ اسے جانتی ہے۔"

(۵) اس رُوحِ حق کی شناخت بھی توریت اور انجیل نے خود کرا دی ہے:۔

"خداوند سینا سے آیا شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔" (استثنا ۳۳:۲)

حضرت یسوع مسیح انجیل میں فرماتے ہیں:۔

"وہ کیسا مُبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسول دُنیا میں آئے گا۔ تم مجھے سچا مانو۔ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے سامنے عزت و حُرمت کو پیش کیا جیسا کہ اس کو ہر نبی نے دیکھا ہے کیونکہ اللہ نبیوں کو اس کی رُوح بطور پیشگوئی عطا کرتا ہے اور جب میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا۔ اے محمد! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جُوتی کا تسمہ کھولوں کیونکہ اگر میں یہ یہ شرف حاصل کر لوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس ہو جاؤں گا۔ اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا" (برنباس ۴۴: ۱۹ تا ۳۲۔ بحوالہ "خداوند یسوع مسیح کی بشارت"۔ مرزا معصوم بیگ صاحب مرحوم)

(۶) ان تمام حوالہ جات پر یکجائی نظر ڈالنے سے ہم دیکھتے ہیں کہ اس "موعودہ نبی" اور "روح حق" کی شناخت کے لئے یہ نشانیاں بیان کی گئی ہیں:۔

ا۔ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں سے ہو گا۔ اور آنحضرت صلعم بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔

ب۔ "تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا"۔ دین کو مکمل کریگا۔

ج۔ "وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو سُنے گا وہی کہے گا"۔ اسے علم و حکمت بذریعہ وحی الٰہی سکھایا جائے گا اور وہ اس کی تبلیغ کرے گا۔

د۔ "وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔" اس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ وہ خاتم النبیّین ہو گا۔

ر۔ "وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"۔ "فاران" ان پہاڑوں کا پُرانا نام ہے جو مکّہ کے ارد گرد ہیں۔ اور فتح مکّہ کے وقت "دس ہزار قدوسی" صحابہؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔

س۔ اس سے بڑھ کر صاف صاف اور قطعی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپؐ کا نام نامی "محمد" بھی بتا دیا گیا۔

اس لئے "موعودہ نبی" اور "انسان کامل" ایک ہی انسان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی جوتی کا تسمہ کھولنے کو حضرت مسیح اپنے لئے باعثِ عزت و شرف سمجھتے اور اس کے ذریعے "بڑا نبی اور اللہ کا مقدس" بننے کی تمنا کرتے ہیں۔

بوکت اسے خان صاحب سُورج کو اپنی اُنگلی کے پیچھے چھُپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ سُورج چمک رہا ہو تو اس کی روشنی تہ بتہ گھنے بادلوں سے بھی چھن کر زمین تک پہنچ جاتی ہے۔ جب تک جماعتِ احمدیہ کا ایک بچہ بھی زندہ ہے وہ مسلمانوں کو حلقہ بگوش صلیب کرنے کی راہ میں ایک ناقابلِ شکست چٹان بن کر کھڑا رہے گا۔ مسلمان اسے چاہے کچھ ہی سمجھیں۔ کیونکہ "کسرِ صلیب" اور "قتلِ خنزیر" ہی حضرت مرزا صاحب کا سب سے بڑا مشن تھا۔

اخبارِ احمدیہ

المناک موت بدوملہی سے ممتاز احمد باجوہ صاحب نے اطلاع دی ہے کہ جماعت کے مخلص اور سرگرم رُکن چوہدری اللہ دتہ موحد صاحب کے صاحبزادہ ناصر احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ بعارضہ ہیضہ اچانک وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ دو کم عمر بچیاں (بعمر ۲ سال اور ڈھائی ماہ) روتی چھوڑ گئی ہے۔ یہ جواں سال خاتون پابند صوم و صلوٰۃ تھیں اور اس کا وجود نافع الناس تھا۔ محلہ کے بچوں کو روزانہ قرآن کریم پڑھاتیں اور اہل و عیال کو نیکی کی ترغیب دیتی تھیں۔ دعا ہے اللہ تعالےٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ احباب مرحومہ کا جنازۂ غائبانہ پڑھ کر دُعائے مغفرت فرمادیں۔

ساری جماعت چوہدری اللہ دتہ صاحب اور ناصر احمد صاحب کے غم میں برابر کی شریک ہے اور ان کے لئے دُعا گو ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں یہ دلدوز صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

سانحۂ ارتحال ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب یونیورسٹی ٹاؤن پشاور سے تحریر فرماتے ہیں:۔

جماعت کے ایک نہایت متقی بھائی صاحبزادہ فضل عالی صاحب آف بازید خیل طویل بیماری کے بعد ۲۴؍۷ کو انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کئی سال تک مسجد احمدیہ پشاور کے پیش امام رہے۔ مرحوم کی یادگار انکے صاحبزادگان صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب اور صاحبزادہ سید لطیف صاحب جماعت کے نہایت مخلص افراد ہیں۔ میں بوجہ علالت مرحوم کی نماز جنازہ میں شمولیت سے قاصر رہا ہوں۔ اس لئے معذرت خواہ ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اعلےٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

روزہ کا مقصد کردار کو بلند کرنا اور منکرات و فواحشات سے انسانوں کو بچانا ہے۔

روزہ رکھنے سے پرہیزگاری، رحمدلی اور خدا ترسی کے اوصاف پرورش پاتے ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۳)

(حضرت امیر قوم مولینا صدرالدین ایدہ اللہ کا ایک خطبہ جو آپ نے ۱۲ ستمبر ۱۹۷۵ء کو مرکزی مسجد احمدیہ لاہور میں دیا ——— ادارہ)

سورۃ بقرہ کی ۱۸۳ ویں آیت کا ترجمہ و تفسیر کرتے ہوئے بیان فرمایا:-

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ روزہ کیا ہے، اس کی ظاہری صورت تو یہ ہے کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک انسان کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے یعنی خدا کے حکم کی بجا آوری میں حلال اشیاء کا استعمال بھی بند کر دیتا ہے۔ یہ ایک ظاہری صورت روزہ کی ہے۔ لیکن روزہ کی باطنی صورت اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور وہ ہے اپنی زبان کو لغو باتوں سب و شتم، غیبت اور کذب سے بچانا اور کانوں کو ممنوع باتوں کے سننے سے روکنا۔ اگر روزہ کا یہ حقیقی مقصد کوئی شخص پورا نہیں کر سکتا تو اس کو اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ روزہ کی غرض انسان میں حقیقی تقویٰ اور طہارت پیدا کرنا ہے۔ صرف بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل۔ رمضان ہمیں نیکی و خدا خوفی، مخلوق سے ہمدردی اور تقوےٰ و طہارت کا سبق دینے آیا ہے۔ یہ بڑا مبارک مہینہ ہے۔ اس میں خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے۔ اس مبارک مہینہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا تھا۔

روزہ کے متعلق تمام انبیاء و صلحا کا تجربہ ہے کہ اس سے دل کو روشنی ملتی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ دنیا کی اور قوموں اور پیغمبروں نے بھی روزے رکھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ روزہ تمام انبیاء اور صلحاء کی تجربہ شدہ چیز ہے۔ دنیا کے تمام پیغمبروں اور صلحاء نے خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق روزے رکھے اور اس کو ہر لحاظ سے مفید پایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ روزے رکھے ہیں اور اس امت کے صلحاء نے بھی برابر روزے رکھے ہیں اور انہوں نے روزوں کا پھل پایا۔

اس زمانہ کے مجدد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک طویل عرصہ تک روزے رکھے ہیں۔ روزہ سے کردار بلند ہوتا ہے۔ صبر۔ بردباری اور برداشت کا سبق ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خود ہی روزہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے کہ لعلکم تتقون خدا تعالےٰ کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرو۔ تقوےٰ کا ماحصل یہ ہے کہ تم یقین کرو کہ خدا عزّ و جلّ ہر جگہ دیکھتا ہے۔ تقوےٰ دل سے تعلق رکھتا ہے۔ دل میں یہ تصوّر ہو کہ میرا آقا و مولا مجھے دیکھ رہا ہے وہ میرا نگرانِ اعلیٰ ہے۔ اس تصوّر سے انسان کی بدی کی طاقت دب جاتی ہے اور نیکی کی قوت ابھرتی ہے اور پروان چڑھتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہی بھی کی، مگر درویشی کے اس طریق سے غفلت نہیں برتی۔ آپ نے اپنا معیارِ زندگی وہی رکھا جو پہلے تھا۔ وہی پہنا اور وہی کھایا جو دوسرے تمام لوگوں کو ملتا تھا۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا بادشاہ پیدا نہیں ہوا جس کے دستر خوان پر حضور صلعم کے مانند روکھی سوکھی روٹی کھانے کے لئے رکھی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ بن کر بھی درویشی اور فقیری کا کامل نمونہ بنے رہے۔ انسانی معراج کا یہ بلند ترین مقام ہے۔

روزہ کے دن بڑے مبارک ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے پچاس کروڑ مسلمان روزہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے حضور صلعم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی۔ آج بھی وہ لوگ مبارک ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی میں قوم کی سربلندی کا راز ہے۔ دینِ اسلام ترکِ دنیا نہیں سکھاتا بلکہ وہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی کے معمولات کو جاری رکھ کر عبادت کرو۔ خدا کی خوشنودی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی پورا کرے۔ رمضان المبارک برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس میں آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ پس تم اس ماہ کی برکتوں سے حصہ لو۔

روزہ کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ حرام مال نہ کھاؤ۔ رزقِ حلال سے کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اخلاقی اور نفسیاتی تربیت کا یہ مہینہ ہے جس میں مسلمانوں کو صبر۔ حوصلہ۔ برداشت۔ تحمل۔ بردباری، اور دینداری کی ٹریننگ ملتی ہے نیز شرافت اور احسان و مروّت۔ خدا ترسی۔ رحمدلی کے اوصاف روزہ ہی سے پرورش پاتے ہیں غرباء کا احساس اور باہمی بھائی چارہ اور مساوات کا بھی روزہ سے سبق ملتا ہے۔ اس ماہ میں دیانت و امانت کا لحاظ رکھا جاتا ہے کیونکہ روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا، بد دیانتی کرنا، کسی کی حق تلفی کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

روزہ رکھنے سے پرہیزگاری کی مشق بھی ہو جاتی ہے اور ہر حالت میں شرافت و دیانت داری کا احساس پورا ماہ بیدار رہتا ہے۔ پس روزہ کا اصل اور حقیقی مقصد خدا اور رسول کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا اور احکامِ خداوندی کی پابندی کرنا ہے۔ پس تم پر یہ احساس ہر وقت حاوی رہنا چاہیئے کہ روزہ رکھ کر تم نے خدا تعالےٰ کے ہر حکم کی پابندی اور اس کی تابعداری کا عہد باندھ رکھا ہے۔ یہ احساس تمہیں ہر برائی سے ایک پہریدار کی طرح بچائے گا اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے تمہیں روکے گا۔ خدا تعالےٰ کے احکام کی اجتماعی تعمیل اور تابعداری سے ایک پاکیزہ معاشرہ بنتا ہے۔ ایسے معاشرہ کا ہر فرد تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔

قرونِ اولیٰ میں مسلمان یہی نمونہ لے کر جہاں کہیں بھی گئے دوسروں پر نیک اثر ڈالا۔ اس زمانہ میں مقررہ مبلغ نہ تھے بلکہ ہر مسلمان مبلغ تھا۔ وہ یورپ۔ چین۔ اسپین اور روس جہاں بھی گئے ان کے نیک نمونہ سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے گئے۔ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کے اچھے نمونہ سے لوگ متاثر نہ ہوئے ہوں۔ پس تم بھی کوشش کرو کہ تمہارے نیک نمونہ سے لوگ اچھا اثر لیں ؁

از قلم: جناب میرزا محمد لطیف صاحب لاہور

آلآیۃ: لو تقوّل علینا بعض الاقاویل .... اور گذشتہ مفسّرین

ایک عزیز نے جو مجلس شبان الاحمدیہ کے سرگرم رکن ہیں، تحریر فرمایا ہے کہ:—

"میں اپنے دوستوں میں احمدی ہونے سے متعارف ہوں، اور تبادلۂ خیالات بھی کرتا ہوں۔ پچھلے دنوں میرے دوست مجھے ایک مولوی صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر آیت لو تقوّل علینا .... پیش کی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ تمہارا یہ استدلال غلط ہے۔ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہوتا تو تیرہ سو سال میں بڑے بڑے علماء گذرے ہیں۔ اور سینکڑوں تفاسیر میں یہ جو دعوےٰ تم کرتے ہو کہ ان آیات میں مامور کی صداقت کا معیار بیان کیا گیا ہے۔ کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ براہِ کرم اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔"!

قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس بات پر صراحت سے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ پر افتراء کرے گا۔ تو اللہ اس کو ضرور ہلاک کر دے گا۔ اس سے انکار کرنا اس طرح ہے جس طرح ایک شخص دن کے وقت دن کے وجود سے انکار کرے۔

۱۔ سورۃ نحل میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون

جو لوگ اللہ تعالےٰ پر افتراء کرتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۲۔ سورۃ ھود۔ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامی وانا بریٓئ مّما تجرمون۔

اے رسول کہہ دے کہ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا ہاں میں تمہارے جرموں سے بیزار ہوں۔

اس آیت کی تفسیر کے نیچے رُوح المعانی جلد ۱۲۔ جو بہت مشہور تفسیر القرآن ہے لکھا ہے والاصل ان افتریتہ فعلیّ عقوبۃ افترائی۔ یعنی سچ یہ ہے کہ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو مجھے میرے افتراء کی سزا ملے گی۔

۳۔ سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

قال لھم موسیٰ ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب و قد خاب من افتریٰ۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان (ساحروں) سے کہا تم خدا تعالےٰ پر افترا نہ کرو ورنہ وہ تم کو عذاب سے ہلاک کر دے گا۔ اور مفتری یقیناً ناکام ہوتا ہے۔

ان ہر سہ آیات کا مضمون واضح ہے۔ ان پر غور فرمائیں۔ طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اب اپنے دوستوں کو بتائیں کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ مفتری جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ خدا ان پر رحم کرے کہ یہ کیوں دھوکہ دیتے ہیں۔ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے وہاں یہ کیا جواب دیں گے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب اربعین میں پانچصد روپے کا انعام اور چیلنج دیا۔ مگر کوئی مقابلہ پر مثال پیش نہ کر سکا۔ حضورؑ فرماتے ہیں:—

"مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سُنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے تیئیس ۲۳ برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والوں کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دے دے پانسو روپیہ نقد دے دوں گا۔" (اربعین)

کیا کوئی ہے جس نے ایسی نظیر پیش کی ہو، یا اب کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! دوسرا ان کا یہ کہنا کہ آیت لو تقوّل علینا .... معیارِ صداقت نہیں۔ اور کسی سابق مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ جھوٹا دعوےٰ کرنے والا ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کو پڑھ کر ان کی مولویت پر رونا آتا ہے۔ یا وہ اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے۔

ا۔ سورۃ الحاقہ، میں اللہ تعالےٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے:—

ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل۔

اور اگر وہ ہم پر بعض باتیں افتراء کے طور پر بنا لیتا۔

ب۔ لاخذنا منہ بالیمین۔ ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حٰجزین۔

تو ہم ضرور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی (بھی) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

انہی آیات پر غور کریں۔ اللہ تعالےٰ کفار کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم اس کی مخالفت کر کے کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو اگر یہ جھوٹا ہوتا۔ مفتری ہوتا تو ہم خود اس کو ختم کر دیتے۔ اور اگر کوئی اس کو ہمارے عذاب سے بچانا چاہتا تو کبھی نہ بچا سکتا۔

اصدق الصادقین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لئے جو معیار قرآن مجید نے مقرر فرمائے ہیں وہی معیار ہر مامور کی صداقت کے لئے کسوٹی ہیں۔ ان آیات کے ہوتے ہوئے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مطالبہ یہ ہے کہ کیا گذشتہ مفسرین میں سے کسی مفسّر نے بھی یہی معنے کئے ہیں جو آج جماعت احمدیہ لاہور قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیم کی روشنی میں کرتی ہے۔ یقیناً اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ آپ تفاسیر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مفسّرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں مفتری کی جلد ہلاکت و بربادی کا معیار مذکور ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کاذب مدعی الہام کو تیئیس ۲۳ سال تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتا!

سابق مفسّرین اور آیت لو تقوّل علینا ....

ا۔ علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں:—

"ھٰذا ذکرہ علی سبیل التمثیل بما یفعلہ الملوک بمن یکذب علیھم۔ فانھم لا یمھلونہ بل یضربون رقبتہ فی الحال۔

(تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۰۵)

"اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی ہے کہ اس سے وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو اُن پر جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور قتل کروا دیتے ہیں۔" (یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے)

حضرت علامہ فخرالدین اس مہلت نہ دینے اور جلد قتل کئے جانے پر عقلی و نقلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"هذا هو الواجب فی حکمة الله تعالٰی لئلّا یشتبه الصادق بالکاذب

اللہ تعالٰے کی حکمت کے تحت ایسا ہونا ضروری اور واجب ہے تاکہ صادق اور کاذب کے حالات مشتبہ نہ ہو جائیں۔"

۲۔ امام ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:—

ولو تقول علینا محمدٌ بعض الاقاویل الباطلة وتکذّب علینا لاخذنا منه بالیمین یقول لاخذنا منه بالقوة منّا والقدرة ثم لقطعنا منه نیاط القلب وانما یعنی بذالك انه کان یعاجله بالعقوبة ولا یؤخره بها۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۹)

ترجمہ: "اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر افترا باندھا ہوتا تو ہم اس سے سخت گرفت کرتے اور پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ یعنی اللہ تعالٰے آپ کو جلد سزا دیتا اور اتنی مہلت نہ دیتا۔"

۳۔ تفسیر "ابن کثیر" میں لکھا ہے:—

قال شیئًا من عندہ فنسبه الینا ولیس کذالك لعاجلناہ بالعقوبة۔

کہ اگر یہ رسول اپنے پاس سے ایک بات بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اس کو جلد سزا دیتے۔

(ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱ برحاشیہ فتح البیان)

۴۔ تفسیر "روح البیان" میں لکھا ہے:—

"فی الایة تنبیهٌ علٰی ان النّبی علیه السلام لو قال منه عند نفسه شیئًا اوزاد او نقص علٰی ما اوحی الیه لعاقبه الله وهو اکرم الناس علیه فما ظنّك بغیرہ"

(روح المعانی جلد ۴)

ترجمہ: "اس آیت (لو تقول علینا) میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی بات اپنے پاس سے کہہ دیتے یا وحی میں کمی بیشی کر دیتے تو اللہ تعالٰے ان کو سخت سزا دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ اللہ تعالٰے کے ہاں سب سے زیادہ اکرم ہیں۔ جب آپؐ کا یہ حال ہے تو دوسرا مفتری کیونکر بچ سکتا ہے۔"

خدا را تعصّب کی عینک اتار کر ان تفسیری حوالہ جات کا مطالعہ کریں۔ پھر کس طرح ایک بینا شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں مفتری کو جلد پکڑنے اور لو تقول علینا میں عبرتناک سزا کا ذکر نہیں ہے۔

۵۔ علامہ شہاب الدین لکھتے ہیں:—

هو تصویر لاهلاکه بافظع ما یفعله الملوك بمن یغضبون علیه وهو ان یاخذ القتال بیمینه ویکفحه بالسیف ویضرب به جیدہ (شهاب علی البیضاوی جلد ۸)

قطع الوتین سے ہلاکت مفتری کا وہ بھیانک ترین نقشہ کھینچا گیا ہے جو شاہانِ وقت ان کے لئے اختیار کرتے ہیں جن پر وہ ناراض ہوتے ہیں اور وہ یوں کہ جلّاد اس شخص یا مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑے گا اور تلوار سامنے سے چلا کر گردن اُڑا ڈالے گا۔

تفاسیر کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مفسّرین کے نزدیک اس آیت میں مفتری کی سزا کا ذکر ہے وہ جلد تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ نیست و نابود کر دیا جاتا ہے:—

ہمارا دعوٰے ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد کسی قسم کا نیا یا پرانا نبی نہیں آئے گا۔ ہاں خلفاء مجدّدین کی صورت میں ہر صدی میں تشریف لایا کریں گے۔ اس صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام مجدّدِ اعظم بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ تمام نشانات آپ کے وجود باجود میں پورے ہوئے۔ اور آپ نے ایک زندہ جماعت اشاعتِ اسلام و قرآن کے لئے قائم فرمائی۔ آپ نے اس آیت لو تقول علینا...... کو اپنی صداقت کے لئے پیش فرمایا۔ کیا خوب فرماتے ہیں:—

لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں
عزت نہیں ہے ذرّہ بھی اسکی جناب میں

غرضیکہ آیت لو تقول علینا فیصلہ کن معیار ہے۔ اس قانون سے حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ جس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ آپ دشمن کی تکلیفوں۔ ایذا رسانی۔ مخالفت دشمنی کو دیکھ کر ایک درد بھری دعا بھی خدا تعالٰے کی بارگاہ میں فرماتے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:—

اے قدیر و خالق ارض و سما + اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر + اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر + گر تو دیداستی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کُن منِ بدکار را + شاد کن این زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار + ہر مرادِ شاں بفضل خود برار
آتش افشاں بر در و دیوارِ من + دشمنم باش و تبہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی + قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ + کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کن + اندکے افشائے آں اسرار کن

(حقیقة المهدی)

ترجمہ: اے قادر۔ اور آسمان و زمین کے خالق اے رحیم، مہربان اور رہنمائی کرنے والے خدا! اے وہ ذات جو دلوں پر نظر رکھتی ہے۔ اے وہ ذات جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اگر تو دیکھتا ہے کہ مَیں فسق و شرارت سے پُر ہوں۔ اگر تیری نظر میں مَیں ایک بدگہر انسان ہوں تو تو مجھ بدکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان دشمنوں کے گروہ کو خوش کر دے۔ ان کے دلوں پر رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی سب مرادیں پوری کر دے اور میرے گھر بار پر آگ برسا دے۔ میرا دشمن ہو جا اور میرے کاروبار کو تباہ کر دے۔ لیکن اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ مَیں تیرے مخلص بندوں میں سے ہوں اور میرا قبلہ تیرا آستانہ ہے اور تو میرے دل میں اپنی محبت کو موجزن پاتا ہے۔ جو باقی جہان سے مخفی ہے تو پھر تو میرے ساتھ از روئے محبت سلوک کر اور اپنے ان رازوں کو تدرے ظاہر فرما۔

ان درد بھرے الفاظ کو پڑھو۔ غور کرو۔ کیا کبھی کوئی مفتری ایسی

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

جناب این اے فاروقی صاحب (بشکریہ لائٹ)
ترجمہ: ابو سلمان ایم اے

حیات بعد الموت

(۲)

اس موضوع پر اپنے گذشتہ مضمون میں مذہبی ثبوت اور منطقی دلائل دیتے ہوئے کہ دنیاوی موت کے بعد بھی زندگی ہے میں نے ذکر کیا تھا کہ حال ہی میں مغرب میں چند کتب شائع ہوئی ہیں، جن میں ان مریضوں کے "بعد الموت" واردات و مشاہدات جمع کئے گئے ہیں جو از روئے طبابت مر چکے تھے۔ یعنے ان کے دل، ان کا سانس اور دوران خون بند ہو چکا تھا (لیکن ابھی دماغ نہیں مرا تھا) ان کو دوبارہ زندہ کرنے کے جدید طریقوں کے ذریعہ ہوش میں لایا گیا۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام حیات بعد الحیات LIFE AFTER LIFE ہے۔ مقبول عام ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ "THE READERS DIGEST" کے مارچ ۱۹۷۷ء کے شمارے میں اسی کتاب کو اختصار سے درج کیا گیا ہے۔ اس کے اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:—

ڈاکٹر ریمانڈ موڈی ان لوگوں کے نرالے مطالعہ و تحقیق میں مصروف ہیں جو طبابتی موت "CLINICAL DEATH" سے دو چار ہوئے ہیں اور جن کو دوبارہ ہوش میں لایا گیا اور زندہ کیا گیا تاکہ ان سے پوچھا جائے کہ جب وہ مر گئے تھے تو ان کے ساتھ کیا گذری۔ ان لوگوں کے قریب المرگ مشاہدات و واردات، جو یہاں پر اصولی حریت فکر کے ساتھ شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں، وہ کسی عجوبے اور طرفہ سے کم نہیں ہیں۔ ڈاکٹر الزبتھ کوبلر روز لکھتی ہیں کہ:—

"میں کھلے دل سے ہر شخص کو اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتی ہوں"

ڈاکٹر روز نے کتاب موت اور مرنا "ON DEATH AND DYING" لکھی ہے اور وہ خود مرتے لوگوں کی نگرانی اور معرفت پر سند ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ:—

"میں ڈاکٹر موڈی کو اپنی تحقیقات شائع کرنے کی جرأت پر مبارک باد پیش کرتی ہوں"

گذشتہ بارہ سال کے دوران میں ان لوگوں کی کثیر تعداد سے ملا ہوں۔ جن کو قریب المرگ واردات میں مبتلا کیا گیا تھا۔ پہلا شخص جس سے میری ملاقات ۱۹۶۵ء میں ہوئی، جبکہ میں ورجینا یونیورسٹی میں فلاسفی کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہ سکول آف میڈیسن کے شعبۂ طب دماغ — (PSYCHIATRY) کا پروفیسر تھا، اور میں اس کی دلسوزی، گرمجوشی خوش طبعی اور رحم دلی سے متاثر تھا۔ بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ "مردہ" رہ چکے ہیں۔ اور حالت مرگ میں حیرت طرفہ مشاہدات ہوئے وہ میں نے اور خواہشمند طلباء نے سنے۔ اس وقت میں بڑا ہی متاثر ہوا۔ لیکن چونکہ مجھے ان مشاہدات کی جانچ پرکھ میں کچھ آگاہی نہ تھی۔ میں نے ان کی باتوں کو دل و دماغ میں اور ٹیپ ریکارڈنگ کی صورت میں محفوظ کر لیا۔

اگلے چند سالوں میں، فلاسفی میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد میں مشرق شمال کیرولینا کی یونیورسٹی میں پڑھا رہا تھا۔ ایک دن ایک طالب علم نے پوچھ لیا کہ کیا ہم حیاتِ ابدی کے بارہ میں بھی کچھ غور و فکر کر سکتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں اس لئے دلچسپی رکھتا تھا کیونکہ اسکی دادی اماں ایک اپریشن کے دوران "مر" گئی تھی اور اس کے بعد اس نے ایک عجیب واردات سنائی جو بالکل ویسی ہی تھی جیسی طب دماغی کے پروفیسر نے سالوں پہلے بیان کی تھی۔

انجام کار میں نے اپنے فلاسفی کے نصابوں میں اس موضوع کو شامل کرنا شروع کر دیا۔ خلاف توقع میں نے دیکھا کہ کم و بیش تیس طلباء کی تقریباً ہر جماعت میں سے کم از کم ایک طالب علم بعد میں میرے پاس آتا اور ذاتی "قریب المرگ" مشاہدہ بیان کرتا۔

۱۹۷۲ء میں میڈیکل ڈگری حاصل کرنے کے لئے میں کالج چلا گیا۔ اس وقت میں بے شمار ایسے مشاہدے، وارداتیں اور تجربے جمع کر چکا اور رسمی طور پر تحقیق و مطالعہ کر چکا تھا۔ اور میرے ایک دوست نے مجھے میڈیکل سوسائٹی کے سامنے ایک رپورٹ پیش کرنے کو کہا۔ عام لوگوں سے بھی اس موضوع پر گفت و شنید ہوئی۔ میں نے پھر دیکھا کہ ہر گفتگو کے بعد کوئی نہ کوئی شخص مجھے اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ بیان کرتا۔

میں اب اس عجیب و غریب مظہر کے تقریباً ۱۵۰ واقعات جانتا ہوں اور ان کو تین واضح زمروں میں رکھتا ہوں:—

(۱) ان لوگوں کے تجربات اور مشاہدات جن کے متعلق ان کے ڈاکٹروں نے غور کیا۔ فیصلہ دیا اور اعلان کیا کہ وہ از روئے طبابت (CLINICALLY) مر گئے ہیں پھر ان کو زندہ کیا گیا۔

(۲) ان لوگوں کے تجربات و مشاہدات جو کسی حادثہ، سخت چوٹ یا بیماری کے دوران جسمانی موت کے نہایت ہی قریب آ گئے۔

(۳) ان لوگوں کے تجربات و مشاہدات جنہوں نے یہ تجربات و مشاہدات اپنے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کو بیان کئے۔ بعد ازاں ان دوسرے لوگوں نے موت کے اس مشاہدہ و تجربہ سے مجھے مطلع کیا۔

ایک آدمی مر رہا ہے۔ جونہی وہ انتہائی جسمانی اذیت کے نقطہ پر پہنچتا ہے وہ بذات خود سنتا ہے کہ اس کے ڈاکٹر نے اس کو مردہ قرار دے دیا۔ اب وہ بے ہنگم شور، اونچی اونچی گونج و بھنبھناہٹ سنتا ہے اور اسی وقت وہ اپنے آپ کو ایک لمبی اندھیری سرنگ میں تیزی سے حرکت کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ بعد ازاں وہ اچانک اپنے آپ کو مادی جسم سے الگ تھلگ پاتا ہے اور وہ ایک تماشائی کی طرح دور سے اپنے جسم کو دیکھتا ہے وہ اس مقامِ تفوق دوبارہ زندہ کرنے کے عمل و کوشش کو بغور دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اب بھی اس کا ایک "جسم" ہے۔ لیکن وہ پیچھے چھوڑے ہوئے مادی جسم کے مقابلہ میں بہت مختلف قسم کا اور بہت مختلف قوتوں والا ہے۔

دوسرے لوگ فوراً اس کو ملنے اور مدد کرنے کے لئے آتے ہیں وہ اپنے وفات یافتہ عزیز و اقربا اور احباب کی ارواح کی جھلک دیکھتا ہے۔ ایک پیاری و ہمدرد روح — ایک نورانی چہرہ — اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے جو اس کو زبانی کہتا ہے کہ تم اپنی زندگی کی داستاں سناؤ اور وہ خود بھی اس کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات کو آنِ واحد میں دکھا دیتا ہے۔

ایک موڑ پر وہ اپنے آپ کو ایک جنگلے پر پاتا ہے۔ جو بظاہر دنیوی زندگی اور آخری زندگی کے درمیان ایک حدِ فاصل کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے زمین پر پھر واپس چلے جانا چاہیئے کیونکہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے۔ اس وقت وہ رکتا ہے — کیونکہ اب اس نے حیات بعد الموت کے مشاہدات کر لئے ہیں اور وہ واپس ہونا نہیں چاہتا، وہ موت، الفت اور سکون و سلامتی کے احساسات سے مخمور ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے باوجود وہ اپنے مادی جسم سے

پھر آ ملتا ہے اور زندہ ہو جاتا ہے۔
بعد ازاں وہ دوسرے لوگوں کو کچھ بتانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے تکلیف ہوتی ہے۔ ان غیر ارضی قصص کے بیان کے لئے وہ کوئی موزوں الفاظ نہیں پا سکتا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ دوسرے لوگ ہنسی مذاق کرتے ہیں، اس لئے وہ انہیں مزید کچھ بتانا بند کر دیتا ہے۔ مشاہدہ اب بھی اس کی زندگی کو بدرجہ غایت متاثر کرتا ہے۔

عجیب وغریب تاثرات

وقت کے وقت یا جب موت قریب ہوتی ہے اکثر صورتوں میں مختلف غیر معمولی سمعی اثرات کے بارے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات یہ بہت ہی ناخوشگوار ہوتے ہیں۔ ایک آدمی جو ایک پیٹ کے اپریشن کے دوران بیس منٹ تک "مرا" رہا، بتاتا ہے کہ:۔
"میرے سر کے اندر سے ایک بہت بڑا بھنبھناہٹ کا شور آ رہا تھا۔ اس سے میں بہت بے چین ہوا"
ایک دوسری عورت بتاتی ہے کہ:۔
"جب وہ بے شعور ہوگئی تو اس نے اونچی کھنکھناہٹ سنی۔ اس کو بھنبھناہٹ بھی نہیں کہا سکتا۔"
دوسرے معاملوں میں سمعی اثرات زیادہ خوشگوار غنائیہ شکل اختیار کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص جس کو مردہ قرار دے دیا گیا تھا جب اس کو ہسپتال لاکر دوبارہ زندہ کیا گیا تو وہ بتاتا ہے کہ اس کے موتی مشاہدہ کے دوران اس نے دور دور تک گھنٹی بجنے کی جھنجھناہٹ سنی۔
شور و غل کے ساتھ ساتھ لوگ بالعموم یہ بھی احساس رکھتے ہیں کہ انہیں کسی قسم کی اندھیر گھپ جگہ میں سے بڑی تیزی سے کھینچا جا رہا ہے۔ میں نے سنا کہ لوگ اس جگہ کو غار۔ کنواں۔ مورچہ۔ کھل نل دار رستہ۔ احاطہ۔ سرنگ۔ موری۔ یا وادی وغیرہ کہتے تھے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ لوگ جن کو یہ مشاہدہ ہوا تھا وہ تمام ایک ہی قسم کا خیال پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔
سرنگ میں سے گذرنے کے بعد ایک مردہ آدمی یا تو اپنے ہی مادی جسم کو کہیں دور سے دیکھتا ہوا محسوس کرتا ہے"۔ گویا کہ وہ کمرہ میں کوئی دوسرا شخص ہے"۔ یا وہ موجودہ صورت حال بغور دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ایک خاتون ایک واقعہ یوں سناتی ہے:۔
"ایک سال پہلے میں دل کی تکلیف کی وجہ سے ہسپتال میں داخل کر دی گئی۔ اگلی صبح بستر پر لیٹے ہوئے میری چھاتی میں بہت ہی سخت تکلیف شروع ہوئی۔ میں دراصل لیٹے لیٹے بالکل بے چین ہوگئی تھی اس لئے میں نے کروٹ لی۔ جونہی میں نے کروٹ لی سانس لینا چھوڑ دیا اور حرکت قلب بند ہوگئی۔ میں نے نرسوں کو اونچے اونچے "کوڈ پنک کوڈ پنک" کہتے سنا۔ جس وقت وہ یہ کہہ رہی تھی تو میں ایسا محسوس کر رہی تھی کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل رہی ہوں۔ اور بستر کے ایک طرف گدے اور ریل کے درمیان نیچے کی طرف آہستہ آہستہ سرک رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں ریل میں سے ہو کر فرش پر چلی گئی ہوں۔ پھر میں نے آہستہ آہستہ اوپر اونچا ہونا شروع کیا۔ پھر میں رک گئی۔ چھت کے نیچے ہوا میں تیر رہی تھی۔ مجھے تقریباً ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوں اور کسی نے مجھے پھونک مار کر چھت پر لٹکا دیا ہے۔
میں اوپر سے لوگوں کی دیکھا دیکھی کہ وہ مجھے دوبارہ زندہ کر رہے ہیں۔ میرا جسم وہاں بستر پر چت پڑا تھا۔ اور وہ سارے اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ میں نے ایک نرس کو کہتے سنا "وہ چلی گئی ہے"۔ دوسری نرس مجھے زندہ کرنے کے لئے جھکی۔ جب اس نے ایسا کیا تو میں اس کے سر کے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ اس وقت میں نے یہ مشین اندر لاتے دیکھا اور انہوں نے میرے سینے کو جھٹکے دیئے۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو میں نے دیکھا کہ میرا جسم چارپائی سے اچھل پڑا اور میں نے اپنے جسم میں ایک ایک ہڈی کو تڑقتے ہوئے سنا۔ یہ بہت ہی دہشتناک امر تھا۔
ایک انیس سالہ شخص نے دو سال قبل کے ایک حادثہ کا ذکر کیا جو اس کو اس وقت پیش آیا جبکہ وہ اپنے دوست کو اپنی کار میں گھر لئے جا رہا تھا وہ کہتا ہے میں رکا اور دونوں طرف بغور دیکھا، لیکن مجھے کوئی شے نظر نہ آئی۔ میں گاڑی آگے لے گیا۔ ایسا ہوا کہ میرے دوست نے زور سے چیخ ماری۔ میں نے ایک تیز رفتار کار کی روشنی دیکھی وہ ہماری طرف آ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک اندھیری گھپ جگہ سے گذر رہا ہوں۔ میں تیز تیز چل رہا ہوں۔ پھر میں کار سے تقریباً پانچ گز دور گلی کے اوپر تقریباً پانچ فٹ اونچا اڑ رہا تھا۔ میں نے لوگوں کو کار کے اردگرد جمع ہوتے ہوئے دیکھا، اور میں نے دیکھا کہ میرا دوست کار سے نکل آیا۔ وہ بہت خوفزدہ تھا۔ میں ان تمام لوگوں کے درمیان میں پڑے ہوئے ملبہ میں اپنے جسم کو دیکھ سکتا تھا۔ اور ان کی اس کو باہر نکالنے کی کوشش بھی دیکھ سکتا تھا۔ میری ٹانگیں سراسر ٹوٹ چکی تھیں، ادھر ادھر خون بہہ رہا تھا۔
جو مختلف قسم کے خیالات اور احساسات ان لوگوں کے ذہنوں میں ہوتے ہیں جن کو اس صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر شخص اس کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اگرچہ اس مشاہدہ سے دوچار ہو رہے ہوتے ہیں اس کے باوجود غیر محسوس طور پر اپنے جسموں سے الگ ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم پر موت واقع ہو چکی ہے۔ وہ حیران ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ اپنے آپ کو دور سے اچانک کیوں دیکھ سکتے ہیں۔ گویا کہ وہ تماشائی ہوں؟!
اسی عجیب کیفیت کے بارے میں جذباتی جوابات ملے ہیں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اوّل اوّل یہ شدید خواہش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے جسموں میں دوبارہ چلے جائیں، لیکن ان کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کریں دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم بہت ڈرتے اور دہشت زدہ تھے۔

روحانی جسم

اگرچہ بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں تاہم بیشتر حالات جو میرے مطالعہ میں آئے ہیں ان کے مطابق لوگ اپنے آپ کو اپنے مادی جسم سے الگ ہونے کے بعد ایک دوسرے جسم میں پاتے تھے۔ یہ نیا جسم موت کے واردات کے دو یا تین مرحلوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ جس کے بیان کرنے میں کوتاہی زبان و بیان زبردست روک بنی ہوئی ہے۔ جس کسی نے بھی مجھے اس جسم کے بارے میں بتایا انہوں نے اپنے آپ کو بے بس پایا اور کہا کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ تاہم اس لباس کی کیفیت ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہتیں رکھتی ہیں۔ اس لئے میں اس جسم کو اصطلاحاً روحانی جسم کا نام دوں گا۔ اس نام میں اس کی تمام خصوصیات و کیفیات آ جاتی ہیں۔ اور بیشتر لوگوں نے بھی اپنے بیان میں اسی جسم کے لئے یہی نام استعمال کیا۔
مرنے والے لوگ اپنی وسعت و استعداد کے مطابق پہلے پہل اپنے روحانی جسم سے مطلع ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے مادی جسم سے الگ ہوتے

ہیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ اگرچہ وہ اپنی اس کیفیت کے بارے میں دوسروں کو بتانے کے لئے ازحد کوشش کرتے ہیں، لیکن کوئی شخص بھی ان کی بات سنتا نظر نہیں آتا، دوسرے لوگ بھی ان کو دیکھ نہیں پاتے۔

لوگ ہر طرف سے اس جانے حادثہ پر آ رہے تھے۔ جب وہ نزدیک آتے تو محسوس نہ ہوتے کہ وہ مجھے بھی دیکھ رہے ہیں۔ وہ سیدھے منہ چلے جاتے۔ جونہی وہ میرے بالکل قریب آتے تو میں ان کے راستہ سے ایک طرف ہونے کی کوشش کرتا لیکن وہ میرے اندر سے گزر جایا کرتے۔

وہ تمام لوگ جن کو یہ تجربہ ہوا ہے اس پر متفق ہیں کہ روحانی جسم کچھ ہے ضرور لیکن یہ ناقابلِ بیان ہے۔ اس جسم کے بارے میں مختلف لوگوں نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں از قسم دھند۔ بادل۔ بخارات اور توانائی وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ روحانی جسم ایک شکل وصورت رکھتا ہے۔ اور اس کے حصے بھی بازوؤں، ٹانگوں اور سر وغیرہ سے مماثلت رکھتے ہیں۔

روحانی عالم میں سننا بھی صرف قیاسی طور پر کہا جا سکتا ہے۔ اور اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وہ فی الحقیقت جسمانی آواز و صدا کوئی نہیں سن پاتے۔ البتہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے گرد لوگوں کے خیالات اخذ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ایک عورت نے بیان کیا کہ میں اِدھر اُدھر تمام لوگوں کو دیکھ سکتی تھی اور جو کچھ وہ کہہ سن رہے تھے۔ وہ میں سمجھ سکتی تھی۔ تاہم جس طرح میں آپ کی باتیں سن رہی ہیں ویسے میں ان کو اپنے کانوں سے نہیں سن رہی تھی۔ جو کچھ وہ سوچ رہے تھے وہ میں جان رہی تھی۔ وہ بھی صرف اپنے دماغ میں نہ کہ ان کی اپنی زبان میں۔ بات کرنے کے لئے ان کے اپنے منہ کھلنے سے لمحہ بھر پہلے ہی میں ان کی بات پا لیتی تھی۔

یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ اس عالم میں ایک وقت گذارنے کے بعد تنہائی اور اکیلے پن کے شدید احساس پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عورت نے بیان کیا کہ وہ ہسپتال میں اپنے اردگرد ہر ایک شخص کو دیکھ سکتی تھی۔ لیکن وہ کسی سے رابطہ قائم نہ کر سکتی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بالکل اکیلی تھی۔ تاہم یہ احساس جلد ہی جاتا رہا کہ دوسرے لوگ اس کی مدد کو آ گئے، اور دورانِ سفر بھی دوسرے لوگ اسکے ساتھ ہو لئے۔

جب مجھے بچہ پیدا ہوا تو یہ تجربہ ہوا۔ پیدائش بڑی تکلیف دہ تھی اور میرا بیشتر خون ضائع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس نے میرے رشتہ داروں کو کہہ دیا وہ (میں) مرنے لگی ہوں۔ تاہم میں بالکل مستعد تھی اور میں یہ سب کچھ دیکھ سن رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ سارے کے سارے لوگ وہاں جمع ہیں بلکہ وہ بہت زیادہ تھے۔ وہ کمرہ کی چھت کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ میں ان تمام لوگوں کو جانتی پہچانتی تھی۔ لیکن وہ سب کے سب پہلے مر چکے تھے۔ میں نے اپنی دادی اماں کو پہچان لیا اور اس لڑکی کو بھی جو میرے ساتھ سکول پڑھتی تھی، اور دوسرے بہت سے رشتہ دار اور احباب کو بھی دیکھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں زیادہ تر ان کے چہرے بشرے دیکھ رہی ہوں اور ان کی موجودگی کو محسوس کرتی ہوں۔ وہ سارے کے سارے خوش باش نظر آتے تھے۔

یہ بڑا خوش کن منظر تھا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ میری حفاظت و رہنمائی کے لئے آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں اپنے گھر آ رہی ہوں اور وہ مجھے خوش آمدید کہہ رہے ہیں، یہ بڑا حسین اور شاندار لمحہ تھا۔

نورانی مخلوق میں نے جتنے بھی پیغامات کا مطالعہ و جائزہ لیا ہے۔ ان میں نہایت ہی حیرت انگیز مشترک امر افراد کا ایک نہایت ہی چمکتی ہوئی روشنی سے ملاپ ہے اور یقینی طور پر اس شئے نے ہر شخص پر بہت بڑا اثر چھوڑا ہے۔ بیان کے مطابق پہلے پہل یہ روشنی دھندلی ہوتی ہے لیکن یہ بڑی سرعت سے روشن تر ہو جاتی ہے۔ بالآخر یہ ایسی چمک بن جاتی ہے جو زمین پر کہیں دیکھنے میں نہیں آتی کسی ایک بھی شخص نے ایسی چمک اور روشنی کے مخلوق ہونے پر شک نہیں کیا۔ مزید برآں اس نور کی ایک خاص شکل وصورت ہوتی ہے۔ یہ ایک خاص ہستی ہوتی ہے۔ مرنے والے کے ساتھ اس کی محبت اور گرمجوشی کا جو اظہار ہوتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے اور وہ شخص محسوس کرتا ہے کہ اس نور نے اس کو گھیر لیا ہے بلکہ وہ اس کے اندر لے لیا گیا ہے۔

روحانی امور کے بارے میں یہ تفصیل و بیان ایک جیسا ہی ہے۔ لیکن اس مخلوق کی شناخت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ ایک فرد سے دوسرے فرد تک بدلتا جاتا ہے اور ہر شخص کے مذہبی پس منظر کے مطابق اس کی توضیح کی جاتی ہے۔ چنانچہ بیشتر عیسائیوں نے اس نور کو حضرت مسیح علیہ السلام قرار دیا ہے۔ ایک یہودی مرد عورت اسے فرشتہ کا نام دیتے ہیں۔ اور وہ شخص جو مذہبی اعتقادات نہیں رکھتا اور نہ مذہبی ماحول میں اس کی پرورش ہوئی ہے تو وہ اس شئے کو محض ایک "نورانی مخلوق" سمجھتا ہے۔

یہ نورانی شئے اپنے ظہور کے تھوڑی دیر بعد مرنے والے کے ساتھ قائم کرتی ہے۔ یہ تعلق و رابطہ براہ راست قسم کا ہوتا ہے۔ خیالات کا آزادانہ تبادلہ ہوتا ہے۔ کوئی مزاحمت درمیان میں نہیں ہوتی۔ عموماً جن لوگوں سے بھی میں نے بات کی ہے وہ خیالات کو سوال کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا۔ جو تراجم میرے سننے میں آئے ان میں سے یہ ہیں:—

"کیا تم مرنے کے لئے تیار ہو"

"تم نے مجھے حضور پیش کرنے کے لئے اپنی زندگی میں کیا کچھ کیا"

"اور تم نے اپنی اچھی خاصی زندگی کے ساتھ کیا کچھ کیا؟"

سارے کے سارے لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ سوال ان کو مجرم و گنہگار ٹھہرانے یا ان کو دھمکی دینے کے لئے ملامت کی صورت میں نہیں پوچھے جاتے۔ ان سوالوں کا ان کی طرف سے خواہ کوئی بھی جواب ہوتا مگر اس روشنی کی طرف سے کامل شفقت اور قبولیت کا اظہار محسوس کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سوچیں سمجھیں اور یہ کہ راہ حق پر چلنے میں انکی مدد کی جائے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکٹر کو کہتے سنا کہ میں مر چکا ہوں اور یہ وہ وقت تھا جبکہ میں نے محسوس کرنا شروع کیا، گویا کہ تنگ و تاریک مقام میں سے گرتے پڑتے اچھلتے تیرتے جا رہا ہوں۔ ہر شئے کالی سیاہ تھی، سوائے اس روشنی کے جو مجھ سے کہیں دور تھی۔ اور میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ یہ بہت ہی تیز چمکدار روشنی تھی۔ یہ روشنی پہلے تو اتنی زیادہ نہیں تھی، تاہم جوں جوں میں اس کے قریب تر ہوتا گیا یہ زیادہ سے زیادہ پھیلتی اور بڑھتی گئی۔

یہ کوئی خوفناک منظر نہ تھا۔ یہ کم و بیش خوش کن امر تھا۔ چونکہ میں عیسائی ہوں، اس لئے فوراً ہی میں نے اس روشنی کو حضرت مسیحؑ سے مماثلت دی جنہوں نے فرمایا ہے۔ کہ "میں دنیا کا نور ہوں"

ایک دوسرے شخص کا کہنا ہے کہ یہ بڑا خوبصورت اور بہت ہی روشن بہت ہی درخشاں تھا لیکن اس سے میری آنکھیں خراب نہ ہوئیں۔ یہ اس کی روشنی نہ تھی جو آپ دنیا میں دیکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ میں نے حقیقت میں اس روشنی میں کوئی شخص نہیں دیکھا۔ تاہم اس کی ایک خاص شناخت تھی۔ یہ کامل تفہیم اور بھرپور محبت و الفت

کی روشنی تھی۔

ایک اور شخص کہتا ہے کہ پہلے پہل جب روشنی آئی تو مجھے یقین نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن جب اس نے پوچھا کہ کیا میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔ تو مجھے اس نظریئے کے بارے میں کچھ سمجھ آئی۔ گویا کسی شخص سے بات کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ شخص وہاں نہ تھا۔ وہ روشنی مجھ سے جو باتیں کر رہی تھی وہ صرف آواز کے رنگ میں تھی مجھے صرف آواز ہی سنائی دیتی تھی۔ نہ کوئی بولتا نظر آتا تھا، نہ کوئی لکھی ہوئی چیز سامنے تھی۔

اس نوری مخلوق کا ابتدائی ظہور اور اس کے سوالات اس شدید خوفناک لمحے کا پیش خیمہ ہے جس کے دوران وہ شئے کسی شخص کو اس کی زندگی کا مسلسل منظر و خاکہ پیش کرتی ہے۔ بیشتر ظاہر یہی ہوتا ہے کہ وہ مخلوق ایک شخص کی تمام گذشتہ زندگی کو دیکھ سکتی ہے اور اسے کسی قسم کی آگاہی و اطلاع کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی منشا صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ خیال و تصور کو تازہ کرے۔

یہ منظر صرف یادداشت کی اصلاح میں ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا قریب ترین مظہر ہے۔ مگر یہ ایسی خصوصیات کا حامل ہے جو اسے یادداشت کی عمومی قسم سے جدا کرتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یادداشت غیر معمولی طور پر تیز تھی۔ ہر شئے فوراً ہی سامنے آجاتی اور لمحہ بھر میں ہی سب کچھ ذہن میں سما جاتا، تاہم اس کی سرعت و تیزی کے باوجود میرے ملاقاتی اس امر پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ منظر ناقابلِ یقین طور پر واضح اور گہرا ہوتا ہے اور جبکہ لوگ اس منظر کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ نورانی شئے زندگی میں دو باتوں کی اہمیت پر زور دیتی محسوس ہوتی ہے دوسرے لوگوں سے محبت کرنا سیکھنا اور علم حاصل کرنا۔

(باقی ــــ باقی)

آفتاب الدین احمد ہومیوپیتھک دار الشفاء

حسب معمول خدمت خلق میں مصروف ہے۔ مریضوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ آپ اپنے عطیات بھجوانے نہ بھولئے۔ دکھی انسانیت کی خدمت بڑے اجر کا موجب ہے۔

ڈیڑھ ہزار مریضوں کو ہر ماہ علاج معالجہ کی سہولت مفت مہیا کرنا آپ کے عطیات کی بدولت ہی ہے۔ اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اور ثواب دارین حاصل کریں۔ (مہتمم)

آفتاب الدین احمد ہومیوپیتھک دار الشفاء

احمدیہ بلڈنگس لاہور

الآیۃ لو تقول علینا بعض الاقاویل (بقیہ صفحہ ۸)

دعا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم (الجمعہ) جھوٹا مدعی کبھی موت کی خواہش نہیں کر سکتا۔ کیا پھر یہ کہو گے کہ حضرت مرزا صاحب صادق اور راستباز نہ تھے؟

انصاف! خشیت اللہ!! اور تقویٰ!!! کیا خوب حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

از:- زاھد جنجوعہ۔ سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ لاہور

انتخاب شبان الاحمدیہ لاہور زون

شبان الاحمدیہ لاہور کا ایک خصوصی اجلاس مورخہ ۱۱؍۸؍۷۷ بعد نماز جمعہ محترم جناب ملک اعزاز الٰہی صاحب قائد شبان الاحمدیہ لاہور زون کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ جس میں بشمول یونٹہا لاہور۔ بدوملہی۔ چندر کے منگولے وزیر آباد۔ سیالکوٹ۔ اوکاڑہ) لاہور یونٹ کے عہدہ داران اور حلقہ وار نمائندگان کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ انتخاب کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

صدر: چوہدری ناصر احمد صاحب۔
نائب صدر: محمد انور ملہی۔ اختر اقبال بھٹہ۔ میاں عارف مسعود۔
سیکرٹری: زاھد جاوید جنجوعہ۔
جائنٹ سیکرٹری: ارشد حسین۔
اسسٹنٹ سیکرٹری: منصور جاوید۔
خازن: عبد السلام۔

حلقہ وار نمائندگان

حلقہ	معتمد	معاونین
(۱) انجنیئرنگ یونیورسٹی ـ باغبان پورہ	محمد انور	چوہدری اشفاق احمد۔ چوہدری مبارک احمد
(۲) احمدیہ بلڈنگس ـ اندرون شہر	اسحاق اختر ملہی	ارشد حسین۔ شیخ طارق مسعود۔
" "	" "	طارق نذیر باجوہ۔
(۳) راوی روڈ ـ شاہدرہ	ـ	چوہدری ناصر احمد۔
(۴) سمن آباد	سجاد احمد	ہارون اقبال بھٹہ۔
(۵) وحدت روڈ ـ مسلم ٹاؤن	مرزا سلمان بیگ	منصور جاوید۔
(۶) احمد پارک ـ گارڈن ٹاؤن	چوہدری تنویر جاوید	ملک نعمان۔
(۷) دار السلام	میاں جاوید اقبال	میاں عارف مسعود۔
"	"	افتخار احمد۔
(۸) گلبرگ ـ چھاؤنی ـ ماڈل ٹاؤن	ملک اعزاز الٰہی	توقیر احمد شاہد۔ میاں شہریار۔

ضروری نوٹ

مذکورہ بالا مجلس انتظامیہ کا پہلا اجلاس مورخہ ۲۶؍اگست ۱۹۷۷ء بعد نماز جمعہ دار السلام لاہور میں ہونا طے پایا ہے۔ جملہ عہدیداران اور ممبرانِ مجلس انتظامیہ لاہور یونٹ سے گذارش ہے کہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لاتے وقت اپنے حلقہ کے شبان کی

ــ فہرست معہ مکمل کوائف، یعنی نام، ولدیت، عمر، تعلیم اور پیشہ وغیرہ۔
ــ اپنے حلقہ کی طرف سے تجاویز تحریری شکل میں اپنے ساتھ لائیے تاکہ ان کی روشنی میں آئندہ لائحۂ عمل ترتیب دیا جا سکے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۳

احمد سجاد آرٹ پریس پرنٹر دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان
• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (الہام حضرت مسیح موعود)
ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان
فون نمبر ۵۲۷۳۷
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن
دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)
سالانہ چندہ
پاک و ہند سے :— پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے :— ایک پونڈ
(علاوہ محصول ڈاک)
• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۸ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۴

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

تمہارا اصل شکر تقویٰ وطہارت ہی ہے

تقویٰ کا اثر اور رعب دوسروں پر بھی پڑتا ہے

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

مسلمان پوچھنے پر الحمد للہ کہہ دینا سچا سپاس اور شکر نہیں ہے۔ اگر تم نے حقیقی سپاس گذاری یعنی طہارت اور تقوےٰ کی راہیں اختیار کر لیں۔ تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم سرحد پر کھڑے ہو۔ کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک ہندو سررشتہ دار نے جس کا نام جگن ناتھ تھا اور جو ایک متعصب ہندو تھا۔ بتلایا کہ امرت سر یا کسی جگہ میں سررشتہ دار تھا۔ جہاں ایک ہندو اہلکار درپردہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ مگر بظاہر ہندو تھا۔ میں اور دیگر سارے ہندو اسے بہت برا جانتے تھے۔ اور ہم سب اہلکاروں نے مل کر ارادہ کر لیا کہ اس کو موقوف کرائیں۔ اور سب سے زیادہ شرارت میرے دل میں تھی۔ میں نے کئی بار شکایت کی کہ اس نے یہ غلطی کی ہے۔ اور یہ خلاف ورزی کی ہے۔ مگر اس پر کوئی التفات نہ ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے ارادہ کر لیا ہوا تھا۔ کہ اسے ضرور موقوف کرا دیں گے۔ اور اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہونے کے لئے بہت سی نکتہ چینیاں بھی جمع کر لی تھیں۔ اور میں وقتاً فوقتاً ان نکتہ چینیوں کو صاحب بہادر کے روبرو پیش کر دیا کرتا تھا۔ صاحب اگر بہت ہی غصہ ہو کر اس کو بلا بھی لیتا تھا۔ لیکن جونہی وہ سامنے آجاتا گویا آگ پر پانی پڑ جاتا۔ معمولی طور پر نہایت نرمی سے اسے فہمائش کر دیتا۔ گویا اس سے کوئی قصور سرزد ہی نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ تقوےٰ کا رعب دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ متقیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے۔ کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اکابر میں سے ہوئے ہیں۔ ان کا نفس بڑا مطہر تھا۔ ایک بار انہوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرا دل دنیا سے بہت برداشتہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی پیشوا تلاش کروں جو مجھے سکینت اور اطمینان کی راہیں دکھلائے۔ والدہ نے جب دیکھا کہ یہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا۔ تو ان کی بات کو مان لیا۔ اور کہا۔ کہ اچھا میں تجھے رخصت کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اندر گئی اور اسّی مہریں جو اس نے جمع کی ہوئی تھیں۔ اٹھا لائی۔ اور کہا کہ ان مہروں میں سے حصہ شرعی کے موافق چالیس مہریں تیری ہیں۔ اور چالیس تیرے بڑے بھائی کی۔ اس لئے چالیس مہریں تجھے حصہ رسدی دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چالیس مہریں ان کی بغل کے نیچے سی دیں۔ اور کہا کہ امن کی جگہ پہنچکر نکال لینا۔ اور عندالضرورت اپنے مصرف میں لانا۔ سید عبدالقادر صاحبؒ نے اپنی والدہ سے عرض کی مجھے کوئی نصیحت فرمادیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ اس سے بڑی برکت ہوگی۔ اتنا سن کر آپ رخصت ہوئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جنگل میں سے ہو کر آپ گذرے اس میں چند رہزن قزاق رہتے تھے۔ جو مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے دور سے سید عبدالقادر صاحبؒ پر بھی ان کی نظر پڑی۔ قریب آئے۔ تو انہوں نے ایک کمبل پوش فقیر سا دیکھا۔ ایک نے ہنسی سے دریافت کیا۔ کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ آپ ابھی اپنی والدہ سے تازہ نصیحت سن کر آئے تھے کہ جھوٹ نہ بولنا۔ فی الفور جواب دیا کہ ہاں چالیس مہریں میری بغل کے نیچے ہیں جو میری والدہ صاحبہ نے کیسہ کی طرح سی دی ہیں۔ اس قزاق نے سمجھا کہ یہ ٹھٹھا کرتا ہے۔ دوسرے قزاق نے جب پوچھا تو اس کو بھی یہی جواب دیا۔ الغرض ہر ایک چور کو یہی جواب دیا۔ وہ ان کو اپنے امیر قزاقاں کے پاس لے گئے۔ کہ بار بار یہی کہتا ہے۔ امیر نے جواب دیا کہ اچھا اس کا کپڑا دیکھو تو سہی۔ جب تلاشی لی گئی۔ تو واقعی چالیس مہریں برآمد ہوئیں۔ وہ حیران ہوئے کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ اور ہم نے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ امیر نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے تو نے اس طرح پر اپنے مال کا پتہ بتا دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا کے دین کی تلاش میں جاتا ہوں۔ روانگی پر والدہ صاحبہ نے نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ یہ پہلا امتحان تھا۔ میں جھوٹ کیوں بولتا۔ یہ سن کر امیر قزاقاں رو پڑا اور کہا کہ آہ میں نے ایک بار بھی خدا تعالیٰ کا حکم

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۱)

مکرم محمود احمد صاحب۔ صدر شبان الاحمدیہ بھدر واہ (کشمیر)
مکرم بشارت احمد صاحب سیکرٹری شبان الاحمدیہ

مکرم جناب عبدالرزاق صاحب آف بمبئی کی بھدّرواہ میں تشریف آوری

۱۸؍ ماہ جولائی ۱۹۷۷ء کو جناب مکرم عبدالرزاق صاحب نمائندہ صدر انجمن احمدیہ اشاعت اسلام مقیم بمبئی نے اپنی روانگی کشمیر کی پُرمسرت اطلاع نئی دہلی سے جماعت بھدّرواہ کو دی۔ چنانچہ جماعت بھدّرواہ کے مخلص صدر جناب چوہدری عبداللطیف (جزل مرچنٹ بھدّرواہ) موصوف نے جناب رزاق صاحب کی خدمت میں معرفت ترین سنڈیکیٹ سرینگر ایک تاکیدی دعوتی تار بھیجکر استدعا کی کہ وہ چند روز کی خاطر بھدّرواہ بھی آئیں۔ چنانچہ موصوف ۳۰؍ جولائی کو سری نگر سے روانہ ہو کر شام کے تقریباً سات بجے بھدّرواہ پہنچے۔ ان کی اسی روز تشریف آوری کی اطلاع جماعت بھدّرواہ کے ایک نوجوان بابو عبدالحی صاحب نے دی تھی۔ چنانچہ شبان الاحمدیہ تنظیم کے نوجوان ۶ بجے سے ہی بس سٹینڈ پر موصوف کے استقبال کے لئے جمع رہے۔ بہرحال جوں ہی موصوف اور ان کے ساتھی بھدّرواہ بس سٹینڈ پر پہنچے تو ان مخلص نوجوانوں نے انہیں خیر مقدم کہتے ہوئے ان کا سامان خود اُٹھایا، اُن کے ہمراہ رہ کر انہیں ماسٹر عبدالکریم صاحب کے مکان پر لائے۔ جہاں بہت رات گئے تک باقی احباب جماعت آکر ان سے ملتے رہے۔
۳۰ و ۳۱؍ جولائی کے دونوں دن جماعتی تنظیم۔ معاملات و حالات پر خوب بات چیت ہوتی رہی۔ یکم اگست کو شبان الاحمدیہ تنظیم نے ایک تربیتی اجلاس و جلسہ کا مسجد شریف پر اہتمام کیا۔ جملہ احباب بالخصوص نوجوان جمع ہو گئے۔ تلاوت قرآن کریم خادم غلام محمد صاحب نے کی اور مختصر افتتاحی تقریر راقم (بشارت احمد سیکرٹری شبان) نے کی۔ ازاں بعد مسٹر محمد ایوب نے اپنے مخصوص انداز میں ایک نعت (کروں کس زباں سے ثنائے محمدؐ) پیش کی۔ اس کے بعد اخبار پیغامِ صلح سے ایک مضمون مسٹر بشارت سلیم نے دلگداز و موثر رنگ میں پڑھا اور واضح کیا کہ خدا کی راہ میں ہمارے بھائی دنیا کے مختلف ممالک میں کس قدر قربانیاں دے رہے ہیں۔

اس مضمون کے بعد اور بھی احباب جناب عبدالشکور صاحب وکیل بھدّرواہ ماسٹر عبدالکریم صاحب ...... وغیرہ نے کچھ کہنا تھا۔ مگر حاضرین اور مقررین کے بے انتہاء اصرار پر صدر صاحب (جناب رزاق صاحب) سے سیکرٹری سٹیج مسٹر بشارت سلیم نے درخواست کی کہ وہ صدارتی تقریر کر کے احباب جماعت اور ممبران شبان الاحمدیہ کو اپنی مخلصانہ و مشفقانہ گراں قدر تجربات و نصائح سے نوازیں۔ چنانچہ صدر صاحب موصوف نے تقریباً ۴۵ منٹ مدلّل اور مفصّل تقریر کر کے احباب کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہم تم کو اب مرکز لاہور سے کسی مبلّغ یا معلّم یا مشنری کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے اس طرح ہماری قیمتی زندگی کا وقت ضائع ہوگا۔ ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر احمدی مرد۔ عورت۔ خواندہ ناخواندہ۔ جوان۔ بوڑھا بذات خود ایک مبلّغ بلکہ ایک مشن ہے، اور اسی سپرٹ اور جذبے سے کام کرتے چلو۔ جناب رزاق صاحب موصوف نے مقامی جماعت کے ایثار اور جماعت و تنظیم اور مجموعی احمدیہ تحریک کے ساتھ سچی عقیدت کا واضح الفاظ میں اظہار فرما کر مقامی اراکین بالخصوص جوانوں کے حوصلے بڑھائے۔ ازاں بعد ½ گھنٹہ کے لئے مسجد کے اسی ہال میں احباب جماعت اور جناب رزاق صاحب کی باہمی مخلوط مجلس لگ بھگ ½۱ گھنٹے کے بعد یہ ساری کارروائی ختم ہوئی اور احباب گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

آخر پر احباب نے فیصلہ کیا کہ آج یکم اگست بعد نماز مغرب جناب رزاق صاحب موصوف "مخالفین کا آخری انجام" کے عنوان سے تقریر کر کے تاریخ احمدیت کی باتیں سنائیں گے۔ بالخصوص سلسلہ احمدیہ کے معاند اور بدترین مخالف جس نے آج سے لگ بھگ چالیس برس پہلے بھدّرواہ میں بھی مخالفت کی تھی کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کے ذریعہ سے شکست فاش کھائی تھی، کی عبرتناک موت کے متعلق بھی سب کو سنائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
اس جلسہ کی کارروائی الگ مرتب ہوگی اور آئندہ رپورٹ کے ہمراہ روانہ مرکز ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تنظیم شبان الاحمدیہ بھدّرواہ (بھارت) کی تنظیمی اور تبلیغی سرگرمیاں

حسب معمول ماہ جولائی ۱۹۷۷ء کا دوسرا تربیتی اجلاس احمدیہ انجمن بھدّرواہ ۲۴؍ ماہ جولائی کو بعد نمازِ عصر مسجد احمدیہ کے زیریں وسیع ہال میں ہوا بالائی گیلری میں مستورات کے لئے انتظام تھا۔ انہوں نے بالائی گیلری سے پروگرام سے استفادہ کیا۔
اگرچہ اس مرتبہ جماعت کے بعض مرد اور مستورات بوجہ زراعتی کام کی مصروفیت شامل نہ ہو سکے تاہم حاضری بہت حد تک حوصلہ افزا تھی۔
اس اجلاس کی صدارت کے لئے جناب چوہدری عبدالرحمان صاحب کا نام پہلے ہی تجویز تھا۔ مگر وہ بوجہ کمزوری اور بیماری وقت پر نہ پہنچ سکے۔ لہٰذا مسندِ صدارت پر ماسٹر عبدالکریم صاحب نائب امیر دوئم (بھارت) کو بٹھایا گیا۔
(۱) تلاوتِ قرآن۔ خاکسار چوہدری بشارت احمد گنائی نے خوش الحانی سے پانچ منٹ تک کی۔
(۲) اس کے بعد مسٹر محمد ایوب صاحب متعلّم نے نعتیہ کلام (کروں کس زباں سے ثنائے محمدؐ) نہایت ذوق اور ترنم سے سنایا۔
(۳)۔ بشارت سلیم صاحب متعلم فسٹ ایر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند ملفوظات پڑھ کر سنائے
(۴) خاکسار مسٹر بشارت احمد گنائی نے اخبار پیغامِ صلح مسیح موعودؑ نمبر سے "عالم انسانیت پر اللہ تعالےٰ کے احسانات" حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب مؤثر طور پر سنایا۔
(۵) مسٹر اشتیاق احمد صاحب نے دُرِّثمین سے "جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے"۔ خوش الحانی اور جذبہ سے سنائی۔
(۶) ازاں بعد مسٹر بشارت سلیم متعلم فسٹ ایر نے "صداقت مسیح موعودؑ اور احمدی نوجوانوں کی ذمہ داریاں" کے عنوان سے مدلّل تقریر کی۔
(۷) آخر پر مسٹر ظفراللہ صاحب متعلم نے حضرت اقدسؑ کی نظم "اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تو خُدا کے سامنے" پورے جذبہ اور ذوق کے ساتھ سنائی۔
خدا کے فضل سے ہمارا پروگرام ۵ بجے سے ۷ بجے تک رہا اور حاضرین بے حد محظوظ ہوئے۔ لاؤڈ سپیکر بھی لگایا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے محلہ اور قصبہ میں دُور دور تک آواز پہنچی۔ اور بہتوں نے پروگرام سُنا اور سراہا۔ الحمد للہ۔
ازاں بعد چند منٹ کے وقفہ کی خاطر نوجوان منتشر ہو گئے اور اسی اثناء میں حسب معمول لاؤڈ سپیکر پر نمازِ مغرب کی اذان ہوئی اور سب نے مل کر نماز باجماعت ادا کی اور نماز شام کے بعد ماسٹر عبدالکریم صاحب نے حسب معمول قرآن کریم سے اولٰئک علیٰ ھدًی من ربّھم و اولٰئک ھم المفلحون آیت کا زائد از نصف گھنٹہ درس دیا اور درس میں ضمناً حضرت مسیح موعودؑ کی بعض پیشگوئیاں اور فوت شدہ بزرگانِ سلسلہ کی زندگی کے بعض اہم اور دلچسپ واقعات تبلیغ، ایثار اور باہمی محبت و نصرت پر مبنی سنائے۔ جس کا بے حد اثر رہا۔ دوران درس ماسٹر صاحب جماعت کو ثابت قدمی سے خدائی وعدوں پر یقین رکھنے کی ہدایت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کا ذکر کیا جو انہوں نے

(باقی پر صفحہ ۵ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۷۷ء

"نو (۹) گھنٹے کی دُعا"

امریکی رسالہ "گائیڈ پوسٹس" بابت ماہ مارچ ۱۹۷۷ء میں "نو گھنٹے کی دُعا" کے موضوع پر مسز شیرٹان گولڈ کا ایک مضمون شائع ہُوا ہے جس میں اُنہوں نے دُعا کی افادیت اور تاثیرات کے بارے میں اپنا تجربہ بیان کیا ہے - اس مضمون کی فوٹو سٹیٹ ہمیں ہمارے ایک دوست نے اس لئے بھیجی ہے کہ ہم اس کا ترجمہ "پیغام صلح" میں شائع کریں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ کس طرح امامِ وقت کے ارشادات آج کی مادی دنیا میں قبولیت کا شرف پا رہے ہیں اور عقل و شعور سے کام لینے والے لوگ کس طرح غیر محسوس طور پر مجدّدِ وقت کی پیش کردہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو رہے ہیں - جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوگا - راقمہ کا مقصد دراصل انجیل کی اس دُعا کی تبلیغ کرنا ہے جو متی ۷:۷ میں یوں درج ہے :-

> " مانگو تو تم کو دیا جائے گا - ڈھونڈو تو پاؤ گے -
> دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھولا جائے گا -"

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دُعا ہی ہر نبی اور مامور کا وہ آخری حربہ رہا ہے جسے اس نے ہر مشکل اور مصیبت کے وقت استعمال کیا اور جس کا یہ اثر ہُوا کہ جو بات بظاہر ناممکن دکھائی دیتی تھی وہ ممکن ہو گئی - دُعا سے ایسے ایسے محیرالعقول معجزے رونما ہوئے کہ عقل بھی دانتوں میں انگلی داب کر رہ گئی -

حضرت یحییٰؑ کی بشارت دیئے جانے پر حضرت زکریاؑ فرماتے ہیں:-

> "میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا - میری بیوی بانجھ
> ہے اور مَیں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں"

مگر جواب ملتا ہے یہ ہو کر رہے گا - یہ ہمارے لئے کوئی مشکل بات نہیں - حضرت مریم لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری سُن کر حیرت و استعجاب سے فرماتی ہیں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے نہ مجھے کسی مرد نے چھُوا ہے اور نہ ہی مَیں بدکار ہوں لیکن اس کے نتیجہ میں حضرت عیسٰیؑ تشریف لاتے ہیں - اجنبی مہمانوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کو ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دی تو آپ کی بیوی چیخ مار کر آگے بڑھیں اور اپنے منہ پر ہاتھ مار کر فرمایا میں تو بڑھیا اور بانجھ ہوں - میرے ہاں اولاد کا پیدا ہونا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں :-

> " اسی طرح تیرے رب نے کہا - وہ حکمت والا اور علم
> والا ہے -"

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے وقت جو دُعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر کی - اس کے جواب میں آنحضرت صلعم اس دنیا میں تشریف لائے اور اس مقام کو مرجعِ خلائق بنایا - اسی لئے آپؐ فرمایا کرتے تھے میں تو اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا کے جواب میں آیا ہوں - جس نے بھی اللہ تعالےٰ کو ظلمات میں پکارا وہ اس کی مدد کے لئے آیا اور اسے ان سے نجات دی - ظاہری اسباب پہ نظر رکھنے والوں کے لئے ایک بات انہونی ہے لیکن قادرِ مطلق اسے دُعا کے ذریعے ممکن الحصول بنا دیتا ہے - چاہے ظاہری حالات اور اسباب کیسے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں -

اس صدی کے مجدّد اور مسیح موعودؑ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دُعا کے فلسفہ کو قرآن کریم کی روشنی میں پھر سے زندہ کیا جبکہ سر سید احمد خان جیسے روشن خیال انسان بھی مغربی فلسفہ اور سائنس کے ملحدانہ افکار کی تاب نہ لا سکے اور کہہ گئے کہ تقدیر بدل نہیں سکتی - جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے - دُعا اسے ٹال نہیں سکتی - لیکن حضرت مرزا صاحب نے فرمایا :-

> "خدا تعالےٰ کی خدائی اس کی قدرتِ کاملہ سے وابستہ ہے اور قدرت اسی کا نام ہے کہ اس کے تصرفات اس کی مخلوقات پر ہر آن غیر محدود ہوں - بلاشبہ یہ سچ ہے کہ اگر اس مخلوقات کو اس نے پیدا کیا ہے تو اپنی غیر محدود ذات کی طرح غیر محدود تصرفات کی گنجائش بھی رکھ لی ہوگی تاکسی درجہ پر اس کی خدائی کا تعطل لازم نہ آوے .... ہمارا خداوند قادرِ مطلق .... تمام ذراتِ عالم اور ارواح اور جمیع مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے - اس کی قدرت کی نسبت اگر کوئی سوال کیا جائے تو بجُز ان خاص باتوں کے جو اس کی صفاتِ کاملہ اور مواعیدِ صادقہ کے منافی ہوں - باقی سب امُور پر وہ قادر ہے -" (برکات الدُعا صفحہ ۲۴ تا ۲۸)

مگر دُعا کی قبولیت کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں:-

> " دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خُدا کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے - پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالےٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے - سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے - پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ اُلوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں - تب اس کی رُوح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے - اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خُدا تعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلشانہٗ اس کام کو پُورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دُعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے - جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں .... جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے -" (برکات الدُعا صفحہ ۶ ، ۵)

> کرامت گرچہ بے نام و نشان است
> بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

یہ نری تحریر اور فلسفہ نہیں اس کے ثبوت میں وہ اپنے آپ کو دُنیا کے سامنے پیش کرتے اور چیلنج کرتے ہیں کہ اگر دُعا کی قبولیت کا معجزہ دیکھنا کسی کو منظور ہو تو آئے ہمارے مقابل پر دُعا کر کے دکھائے اور پھر دیکھے کہ دُعا کس کی قبول ہوتی ہے - لیکن کوئی بھی تو نہ آ سکا -

حضرت ذکریا کی دُعا قبول ہونے کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ :—

"وہ (دونوں میاں بیوی) نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں اُمید اور خوف سے پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔"
(الانبیاء - ۹۰)

نیکیوں میں جلدی کرنے۔ اُمید اور خوف سے پکارنے اور عاجزی کرنے میں وہ تمام شرائط آ جاتی ہیں جو ابھی ابھی ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں انجیل بھی یہی کہتی ہے :—

"ہم جانتے ہیں کہ خدا گنہگاروں کی نہیں سُنتا۔ لیکن اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پر چلے تو وہ اس کی سنتا ہے۔" (یوحنا ۳۱:۹)

حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں :—

"سب تعریف اللہ کے لئے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسمٰعیل اور اسحاق دیئے۔ یقیناً میرا ربّ دُعا کا سُننے والا ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ کی دُعا نے وہ سارے اسباب مہیا کر دیئے اور ساری رکاوٹیں دُور کر دیں۔ ورنہ "علی الکبر" کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی نظر میں ظاہری حالات ناموافق اور مایوس کن تھے لیکن اللہ تعالےٰ کو ان کے بدلنے پر پُورا تصرف اور قدرت حاصل تھی۔

مسز گولڈ کی "نو گھنٹے کی دُعا" کے سلسلہ میں بھی حالات پُر اُمید نہیں۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ استجابتِ دُعا کے لئے ساری شرائط بھی پُوری نہیں کرتیں لیکن پھر بھی ان کی دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ :—

"میرا چھ سالہ بیٹا اینڈی اپنے باپ مسٹر گولڈ کے ساتھ ہمارے گھر کے سامنے ایک قطعہ زمین میں سے لمبی لمبی خود رو اور جنگلی جڑی بوٹیاں ہٹانے میں مصروف تھا۔ اتفاقاً اس کی بائیں آنکھ میں کانٹا چبھنے سے آنکھ کے بیرونی سفید پردہ کے سامنے کے شفاف حصہ CORNEA میں چھوٹا سا سوراخ ہو گیا جس میں سے رطوبت نکل نکل کر اس کے بائیں رخسار پر بہہ رہی تھی۔ وہ یہ رطوبت پونچھتے ہوئے اندر داخل ہوا اور کہا کہ ماں میری آنکھ سے پانی بہہ رہا ہے۔ مجھے یہ احساس ہُوا کہ اس کی آنکھ بُری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً ماہر امراضِ اطفال کو فون کیا اور کہا کہ میرے بیٹے اینڈی کی آنکھ زخمی ہو گئی ہے آپ فوراً اس کا معاینہ کریں۔ جب ہم ہسپتال جا رہے تھے تو مجھے یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہُوا کہ اینڈی کی آنکھ کا نیلا پن اور روشنی جاتی رہی ہے اور وہ کچھ بیٹھ سی گئی ہے۔ اسے نظر بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ماہر امراضِ اطفال ڈاکٹر وڈین بڑی خوش خلقی سے پیش آئے۔ اُنہوں اینڈی کی آنکھ کو غور سے دیکھا اور ایک ماہر امراضِ چشم کو لانے کے لئے فوراً باہر نکل گئے۔ ماہر امراضِ چشم نے مشورہ دیا کہ شہر کے مشہور آنکھوں کے سرجن کو دکھانا چاہیے۔ ان کا نام جان ہیری کنگ ہے۔ ہم تینوں ڈاکٹر کنگ کے ہاں چلے گئے۔ اُنہوں نے آنکھ کا بغور معاینہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کی آنکھ میں کانٹا چبھنے سے CORNEA میں سوراخ ہو گیا ہے اور اس میں سے ساری رطوبت باہر بہہ رہی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس کے لئے کوئی اپریشن نہیں کر سکتے۔ میں نے بڑی مایوسی کے عالم میں سرجن سے پُوچھا کہ کیا اس کی آنکھ بچانے کی کوئی صورت ممکن ہے۔ اُنہوں نے ذرا توقف کے بعد محدود الفاظ میں کہا کہ ہاں مسز گولڈ ایک بہت مدھم اور بعید سا امکان ہے۔ ممکن ہے یہ سوراخ خود بخود مندمل ہو جائے اور رطوبت جو بہہ نکلی ہے پھر پیدا ہو جائے۔ لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کا امکان بہت ہی کم ہے اور طبّی لحاظ سے ایسا شاذ ہی ہوا ہے۔ بہر حال اینڈی کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ مجھے ہسپتال میں اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے پاس ٹھہرنا تھا اس لئے میں تھوڑا بہت سامان اور کچھ کتابیں لانے کے لئے گھر واپس گئی۔ میں نے ٹیلیفون پر بہت سے لوگوں سے اینڈی کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ اپنی کتابوں میں مجھے ایک دُعا مل گئی جسے میں کبھی کبھی یونہی بے مقصد پڑھ لیا کرتی تھی۔ لیکن اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ کبھی نہیں ملا تھا۔ اس دُعا کا نام "نو گھنٹے کی دُعا" ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :—

"مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ اے پیارے خُدا میں تجھ سے مانگتی ہوں۔ میں ڈھونڈتی ہوں اور میں تیرا دروازہ کھٹکھٹاتی ہُوں اور تجھ سے التجاء کرتی ہوں کہ میری یہ درخواست منظور کرے۔"

میں نے ہسپتال آ کر دُعا شروع کی۔ شام کے دھندلکے رات کی سیاہی میں ڈھل رہے تھے لیکن اینڈی ابھی سویا نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بھی یہ دعائیہ الفاظ میرے ساتھ ساتھ دہراتے جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر جلدی سے سو گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایک گھنٹہ کے بعد میں یہ دُعا دہراتی رہوں گی اور اس کے لئے میں نے خُدا سے توفیق اور مدد بھی طلب کی۔ اینڈی سویا ہوا تھا۔ میں اس کے بستر کے پاس دو زانو بیٹھ کر خوب روئی۔ میری زبان پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہوئے :—

"اے میرے پیارے مالک تو اپنے کرم سے اینڈی کی آنکھ کو اچھا کر دے۔ وہ کوئی جرم یا حماقت نہیں کر رہا تھا۔ وہ تو اپنے باپ کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس طرح اپنی چمکیلی اور روشن آنکھوں سے اپنے گھر کی ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے۔ وہ کس طرح ہمیں چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا دیتا ہے۔ وہ کس طرح اپنے چھوٹے بھائی کی دیکھ بھال میں ہمیں مدد دیتا ہے۔ اپنے رحم اور کرم سے اس کی آنکھ کو بہتر کر دے۔"

میں ایک ایک گھنٹہ کے بعد دُعا دہراتی رہی۔ جب صبح تین بجے میں نے چھٹی بار دُعا دُہرائی تو میں نے اپنے اندر ایک ایسی حرارت اور اطمینان محسوس کیا کہ جس کا زندگی بھر مجھے تجربہ نہیں ہُوا تھا۔ مجھے الفاظ میں ایک زندگی آتی ہوئی محسوس ہوئی اور یُوں لگا جیسے سچ مچ ان میں جان پڑ گئی ہے۔ میری آنکھیں جذبۂ تشکر سے اشکبار ہو گئیں۔ اگرچہ میں نے اپنے اندر سے کوئی آواز تو نہ سُنی لیکن میں نے محسوس کیا کہ خُدا مجھ سے باتیں کر رہا ہے اور مجھے یقین دلاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اینڈی کی [illegible] نے بے ساختہ کہا "اے مالک تیری طرف سے اس حفاظت اور اس مصیبت

کی گھڑی میں میرے اتنا قریب ہونے کے لئے بڑا شکریہ۔ میں اپنے اینڈی کی آنکھ کا معاملہ تیرے سپرد کرتی ہوں۔

میں نے صبح چھ بجے آخری دفعہ دعا کی۔ ڈاکٹر کنگ ساڑھے آٹھ بجے تشریف لائے۔ انہوں نے پٹی اتارنے سے پہلے اینڈی سے اِدھر اُدھر کی کچھ باتیں کیں۔ جب انہوں نے پٹی اتاری تو میں نے ان کے چہرے پر ایسے تاثرات دیکھے جیسے انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ پھر میں نے اینڈی کی طرف دیکھا۔ اس کی بائیں آنکھ اس کی دوسری آنکھ کی طرح گول۔ نیلی اور روشن ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا مسز گولڈ آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ میں نے انہیں دعا کے متعلق بتایا۔ یہ سن کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں بھی آنسو امڈ آئے اور بولے میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا ہے۔

آج بھی جب مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میں سمجھتی ہوں

کہ یہ ہماری اور دوسروں کی دعا ہی تھی بار بار کی دعا۔ متواتر دعا اور شدت جذبات سے لبریز دعا جو ہمیں اس مقام پر لے آئی کہ ہم نے یہ سارا معاملہ خدا کے ہی سپرد کر دیا۔

آج بھی اگر عالمی شہرت کے آئی سرجن ڈاکٹر کنگ سے اس کے متعلق پوچھیں تو وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ صرف دعا ہی تھی جس کی بدولت ایک بچے کی زخمی آنکھ کے اچھا ہونے کا عجیب و غریب واقعہ ظہور میں آیا جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔“

حالات بظاہر مایوس کن ہیں۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ لیکن بچے کے دکھ اور تکلیف پر ایک مضطرب ماں کی دلی تڑپ دعا کے ذریعے رحمتِ الٰہی کو جذب کر لائی اور طبی سائنس میں یہ معجزہ رونما ہوا۔

”بھلا کون بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔“ (النمل۔ ۶۲)

ملفوظات ——— بقیہ صفحہ اوّل

نہ مانا۔ چوروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کلمہ اور اس شخص کی استقامت نے میرا تو کام تمام کر دیا ہے۔ میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اور توبہ کرتا ہوں۔ اس کے کہنے کے ساتھ ہی باقی چوروں نے بھی توبہ کر لی۔ ”چوروں قطب بنایائی“ کی روایت کو اسی واقعہ کے متعلق سمجھتا ہوں۔ الغرض حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے بیعت کرنے والے چور ہی تھے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اصبروا۔ (پارہ ۴) صبر ایک نقطہ کی طرح پیدا ہوتا ہے اور پھر دائرہ کی شکل اختیار کر کے سب پر محیط ہو جاتا ہے۔ آخر بدمعاشوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان تقوے کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور تقوے کی راہوں پر مضبوطی سے قدم مارے۔ کیونکہ متقی کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اور اس کا رعب مخالفوں کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۶۸۔۶۹۔۷۰)

(مکرم جناب عبدالرزاق صاحب آف بمبئی کی بھدرواہ میں تشریف آوری از صفحہ ۲)

جماعت کے لئے کی ہیں۔ اس طرح یہ مجلس بھی بخیر و خوبی ختم ہوئی اور مسٹر محمد اقبال صاحب ہیڈ ماسٹر نے اپنی خدا داد سریلی و بلند آواز میں لاؤڈ سپیکر سے عشاء کی نماز کے لئے اذان دی۔ چنانچہ چند منٹ میں سب احباب آ کر صفوں میں کھڑے ہو گئے اور مسٹر عبدالشکور گنائی پلیڈر بھدرواہ نے نماز عشاء پڑھائی۔

ازاں بعد ممبران ”شبان الاحمدیہ“ نے اپنی تنظیم کو زیادہ مضبوط اور فعال بنانے کی غرض سے نیا انتخاب کیا جس کی تفصیل یہ ہے:—

(۱) سرپرست شبان الاحمدیہ ———— مسٹر بشارت سلیم
(۲) صدر 〃 〃 〃 ———— مسٹر محمود احمد صاحب
(۳) سیکرٹری 〃 〃 〃 ———— مسٹر بشارت احمد گنائی
(۴) نائب سیکرٹری 〃 〃 〃 ———— مسٹر نثار احمد صاحب
(۵) امین یا خزانچی 〃 〃 〃 ———— مسٹر نذیر احمد صاحب گنائی
(۶) آرگنائزر 〃 〃 〃 ———— مسٹر شوکت علی صاحب گنائی

نوٹ:۔ نئی تنظیم شبان الاحمدیہ نے مقامی انجمن سے مبلغ دو صد (-/۲۰۰) روپے قرضہ کی درخواست کی تاکہ وہ تعمیری اور دیگر لوازمات پر صرف کر کے مسجد کو زیادہ خوبصورت بنائیں۔ یہ رقم بطور قرض ان کو دے دی گئی۔ دو ماہ بعد وہ مقامی انجمن کو یہ رقم واپس کر دیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔ چنانچہ مجوزہ تعمیری کام جاری ہو چکا ہے۔ ایک ماہ تک سارا کام مکمل ہوگا۔ انشاءاللہ۔ پوری توقع ہے کہ آئندہ پروگرام میں طالبات بھی حصہ لینگی۔ والسلام

اکابرین و احباب جماعت ہند و پاک۔ سے درخواست

جماعت بھدرواہ ایک قدیم جماعت ہے۔ یہ جماعت ۱۹۰۴ء میں قائم ہوئی ہے۔ تب سے اب تک معاندین کے ظلم و ستم مقاطعہ وغیرہ حربوں کا شکار رہنے کے باوجود بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے اپنا وجود اور انفرادیت باقی قائم رکھنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اب اسے بچوں۔ بڑوں سب کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کی خاطر ایک احمدی معلّم و مربی کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم اعلان کرتے ہیں کہ معلّم مربی اور مبلّغ کو معقول تنخواہ کے علاوہ فری کھانا۔ رہائش۔ بستر وغیرہ کا انتظام کر دیں گے۔ انشاءاللہ۔ مگر معلّم صاحب کا احمدی ہونا اور احمدیہ عقائد و لٹریچر سے کسی حد تک واقف ہونا ضروری ہے۔ پس اگر ہمارے کسی بھائی کو ایسے بزرگ کا پتہ چلے یا خود ہی کوئی چاہے تو بھدرواہ پہنچ جائے۔

خاکسار: بشارت احمد بقلم خود
سیکرٹری۔ شبان الاحمدیہ بھدرواہ۔ کشمیر (بھارت)

کلام الامام

فروغِ نورِ [illegible] از بام و قصرِ ما روشن
مگر بیند کسے آنرا کہ میدارد بصیرت را
بلقاطی بسر کردند عمرِ خود بلا حاصل
دے از بہرِ معنی ہا نمے یابند فرصت را
مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را ندادند ایں فضیلت را
ہمہ عیسائیاں را از مقال خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میت را

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۵)

از مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

ارکان و عبادات اسلام میں رازِ حیات پنہاں ہیں۔

ماہ رمضان کے ذریعہ ادنیٰ جذبات پر قابو و قبضہ اور قربانی کا سبق دینا منظور ہے۔

کُتِبَ علیکم الصیام کے ارشادِ خداوندی کے تحت ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کے مسلمان ماہِ صیام منا رہے ہیں

موجودہ تہذیب کے بعض فریفتگان نے اس ماہ میں کھانے پینے کی ایسی پابندی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسلام نے بعض گذشتہ زمانہ کی توہم پرستانہ رسومات کو باقی رکھ کر زندگی کو مشقت آمیز بنا دیا ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ دینِ اسلام میں خدا تعالےٰ کی ذات کا تصوّر ایک بھیانک دیوتا کی مانند ہے کہ جو انسان پر تکالیف وارد کرکے خوش ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ رمضان میں کھانے پینے اور سونے کے اوقات میں تبدیلی کرکے مسلمانوں کے لئے ایک ریاضت کا سامان پیدا کیا ہے۔ لیکن موجودہ طبیّ سائنس کی تحقیق سے بھی یہی حقیقت عیاں ہوئی ہے کہ سہل انگاری، عافیت کوشی، تن آسانی اور خورد و نوش کی غلامی میں نہ تو صحت و توانائی مضمر ہے اور نہ ہی اعلےٰ صلاحیتوں اور قویٰ کی نشو و نما کا سامان ان میں ہے۔ جہاں تک انسان کو دُکھ میں ڈال کر خدا کے خوش ہونے کا توہم پرستانہ سوال ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم میں ایسا کوئی نظریہ حیات موجود نہیں۔ چنانچہ کئی آیات میں یہ ذکر آتا ہے کہ جو انسان خدا کا ذکر یا شکر بجا لاتا ہے یہ اس کے اپنے نفس کی بہتری کے لئے ہی ہے ان اللہ لغنی عن العٰلمین۔ و من جاھد فانما یجاھد لنفسہٖ جو کوئی بھی کوئی مجاہدہ یا ریاضت و مشقت بجا لائے تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا۔ کیونکہ خدا کی ذات غنی اور حمید ہے۔

قوّتِ برداشت کے مطابق مجاہدانہ زندگی کا خوگر ہونا اعلےٰ مقامات کے حصول کیلئے لازم پڑتا ہے روزہ میں یہی سبق انسان کو سکھانا منظور ہے، چنانچہ اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف جہاں توجہ دلائی ہے وہاں یہ بھی اجازت دی ہے کہ بیمار اور مسافر دوسرے ایام میں ان کو پورا کریں اور جو لوگ دائم المریض یا ضعیف ہوں وہ غرباء کو کھانا کھلانے کا فدیہ ادا کریں۔ یہ استثنائی صورتیں کس لئے جائز رکھیں؟ صرف اسی لئے کہ قوّتِ برداشت سے بڑھ کر آزمائش میں ڈالنا منظور نہیں۔ چنانچہ حدیث میں صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ سفر کی صورت میں ہم میں سے بعض روزہ رکھتے اور بعض نہ رکھتے تھے لیکن ایک دوسرے سے تعرض نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہے بیماری اور سفر میں روزہ کی صعوبت کو برداشت کرنے کو فرد کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ افراد کے قویٰ مختلف ہیں اور اس امر کا جانچنا کسی مفتی یا مولوی کے اختیار پر چھوڑنے کی بجائے فرد کی اپنی دیانتدارانہ فرض شناسی پر منحصر کیا گیا ہے۔ لیکن انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ وہ مشقت سے بچنے کے لئے بعض وقت خواہ مخواہ عذر تراش لیتا ہے۔ اسی لئے جہاں بیماری، سفر اور ناقابلِ برداشت صورتوں میں قرآن کریم نے رعایات دی ہیں اور جن کے جانچنے کو فرد کی اپنی صوابدید پر چھوڑا ہے وہاں ہی یہ بھی فرما دیا کہ دیکھو روزہ رکھنا افضل و بہتر ہے۔ و ان تصوموا خیرا لکم۔ مطلب یہ نکلا کہ رعایات سے ناجائز فائدہ اُٹھاؤ گے تو ہمارا کچھ نقصان نہیں، نقصان تمہارا اپنا ہی ہے کیونکہ روزہ رکھنے میں جُملہ قسم کے فوائد ہیں، نہ صرف اخلاقی و رُوحانی فوائد ہیں بلکہ جسمانی فوائد بھی ہیں۔ کاش تمہیں ان کا علم ہو۔ ان کنتم تعلمون۔

کھانا اور سونا قویٰ کی نشو و نما کے لیئے ہے نہ کہ بجائے خود مقصود بالذات جن اصحاب کا یہ نظریہ ہے کہ زندگی کی غرض کھانے اور سونے سے بڑھ کر اور کچھ نہیں، ان کے نزدیک ہماری زندگی حیوانات کی حیات کے مانند اور نے رہتی ہے، لیکن اہلِ علم و تجربہ احباب اس امر کو خوب جانتے ہیں کہ کھانا اور سونا مضمحل قویٰ کو از سرِ نو طاقت بخشنے کے طریق ہیں، تاکہ انسان پھر سے تازہ دم ہو کر زندگی کے اعلےٰ مشاغل کا حصول کر سکے۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ انسان کا اپنی حدِ استطاعت کے مطابق کھانے اور سونے پر قدرت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام کے نزدیک زندگی حظ و لذائذ اور آرام طلبی کا نام ہرگز نہیں جیسے کہ بعض مغرب زدہ لوگوں کا سوفسطیانہ نظریہ ہے بلکہ حیات تو اعلےٰ سے اعلےٰ مقاماتِ ترقی کے حصُول کا نام ہے۔ جس کے لئے سفلی و ادنےٰ جذبات پر قابو و قبضہ پانا نہ کہ ان کا مغلوب بن جانا لازم پڑتا ہے۔

موجودہ تہذیب کی بعض بڑھتی ہوئی امراض اس تہذیب کی بعض خصوصیات کے باعث آج کل بعض امراض کی کثرت ہے۔ مثلاً خوُن کے دباؤ کی زیادتی خوُن کی نالیوں کا سکڑنا اور ان وجوہ سے دل اور دماغ کی شدید امراض موٹاپا اور ذیابیطس۔ آج کی طبیّ سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یہ سب بڑھتی ہوئی امراض کھانے کی زیادتی اور حرکت کی کمی کے باعث واقع ہوتی ہیں۔ پھر جدید طبّ کے نزدیک کھانے کی مقدار کا معیار نہ تو لذّتِ دہن سے متعلق ہونا مناسب ہے اور نہ ہی بُھوک پر یا پیٹ بھر کر کھانے پر منحصر ہونا چاہیئے بلکہ کھانے کی مقدار اور قسم کا انحصار کام کی مقدار سے کرنا چاہیئے۔ جو لوگ کم حرکت کرتے ہوں ان کی غذا مقدار میں کم اور سادگی میں زیادتی کے معیار سے ہونی چاہیئے۔ آج کل کی تہذیب و تمدّن نے ان معیاروں کو یکسر تبدیل کرکے کھانے کی مقدار میں زیادتی اور سادگی میں کمی اور حرکتِ اعضاء کو قریباً مفقود کر دیا ہے۔ اس لئے ان امراض کی کثرت واقع ہو گئی ہے۔ اعضاء کے لئے تھکنے اور کمزور ہونے کی حالت میں آرام کا زیادہ کرنا تو ضروری ہے، کیونکہ ان کی

(باقی صفحہ ...)

صحت و توانائی ان کے فعل کرنے پر ہی منحصر ہے۔ اسی لئے معالج دِل، اور ذیا بیطس کے مریضوں کو ان کی حدِ برداشت کے اندر حرکت جاری رکھنے کی ہدایت دیتے ہیں، مگر یہ خیال قطعاً صحیح ثابت نہیں ہوا کہ کمزوری کا علاج کثرتِ غذا سے ممکن ہے۔

قرآن کریم نے جسمانی صحت کے اس اصول کو بھی ان الفاظ میں بیان فرما دیا ہے: لا یکلف اللّٰہ نفسًا الا وسعہا۔ کسی نفس پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالنا درست نہیں اور یہی بات مختلف اعضاء پر ان کی استطاعت کے مطابق بوجھ ڈالنے کے بارہ میں بھی صحیح ہے۔ علمِ طب میں جملہ پرہیزیں چاہیئے، وہ غذا سے متعلق ہوں یا حرکت سے، اسی عظیم اصول سے ثابت ہوتی ہیں۔

روزہ رکھنا افضل امر ہے

بیماری و سفر و معذوری میں رعایات کا جہاں ذکر فرمایا اور اور ان کی تفصیل بیان کرنے کی بجائے ان کا معیار، فرد کی اپنی صوابدید پر چھوڑا تو وہیں قرآن کریم نے یہ بھی ذکر فرما دیا کہ یہ رعایات تو ہم نے تمہیں ناروا مشقت و محنت سے بچنے کے لئے بے شک دی ہیں، لیکن اگر ان کے بہانہ سے تم روزوں سے بچنے کا جواز نکال لو تو یاد رکھو اس صورت میں نقصان تمہارا اپنا ہی ہے کیونکہ ایسی ریاضت سے ہماری ذات کو تو قطعاً کوئی فائدہ نہیں البتہ تم اپنا ہی نقصان کرنے والے ہوگے کیونکہ اپنی ادنےٰ خواہشات پر قابو نہ پاکر اور ان کی غلامی اختیار کرکے تمہاری جملہ اخلاقی اور روحانی، معاشرتی بلکہ جسمانی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی۔ تم ترقی کی منازل حاصل نہ کرسکوگے۔ پھر اگلی ہی آیت میں یہ ارشاد بھی فرمایا: یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ تم روزہ رکھنے کی مشقت سے گھبرانے اور بچنے کی کوشش کرتے ہو لیکن تمہارا یہ خیال کہ ہم تمہیں مصائب میں ڈالنا پسند کرتے ہیں صحیح نہیں بلکہ ہم تو تمہارے لئے آسانی کی راہ ہی پسند کرتے ہیں۔ مگر ترقی کی منازل طے کرنے کے لئے قانونِ خداوندی یہی واقع ہوا ہے کہ دِقّت و مشقت کی راہوں سے گذرا جائے۔ جب سفلی جذبات کا غلبہ ہو ان پر قبضہ و قابو نہ پایا جائے تو ظاہر ہے کہ اعلیٰ اخلاقی و روحانی درجات کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

رُوحانی و اخلاقی بلندیوں کے حصول کا روزہ سے تعلق

سورۃ بقرہ کے تئیسویں رکوع میں صیام کا ذکر ہے۔ اسی رکوع میں دو اور عظیم اسباق کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ہمدردیٔ بنی نوعِ انسان اور خدا سے تعلق۔ بھوک و پیاس کی شدت کو محسوس کرکے لازمًا اپنے کمزور غرباء کی مصائب کا احساس پیدا ہونا لازم ہے جس کے لئے فدیہ اور فطرانہ کی تحریکات رکھی گئی ہیں۔

رُوحانی ترقی کے لئے اسی رکوع میں رمضان میں قرآن کے نزول کی ابتداء بتلائی گئی ہے اور پھر بندہ سے خدا کے عالی تعلق کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:—

"و اذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔"

جب یہ سوال ہو کہ خدا کو کہاں تلاش کریں تو ہم تو انسان کے قریب ترین ہیں صرف ہمیں پکارنے کی یا ہماری طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے، ہم یقیناً پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔

ان قرآنی الفاظ پر وہ اصحاب غور کریں جو یہ کہتے ہیں کہ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ تکلّمِ الٰہی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ مگر خدا یہ فرماتا ہے کہ ہم تو بندہ کے اس قدر قریب ہیں کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔ کہاں یہ نظریہ کہ اب خدا کا بندوں سے کلام بند و ختم ہوگیا ہے اور کہاں قرآنی نظریہ کہ ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی پکار یا دعا کا جواب دینا ہمارے ذمہ ہے!

خُدا اور بندوں سے تعلقاتِ محبّت

اس قرآنی بیان سے عیاں ہے کہ روزوں کی عبادت و ریاضت کا اصل مقصد محبتِ الٰہی میں ترقی اور ہمدردیٔ خدمتِ مخلوق میں اضافہ کرنا مراد ہے۔ اگر نفس پرستی کے جذبہ کے باعث اموال، کھانے پینے، پہننے، آرائش و زیب و زینت کے طور و طریقوں سے سچی محبت لگا لی جائے تو اس کا لازمًا نتیجہ خدا کی محبت اور خدمتِ خلق میں کمی پر منتج ہوگا۔ لہٰذا مؤخر الذکر مقاصد میں ترقی کا تقاضا یہی ہے کہ نفسانی لذات میں کم سے کمتر دلچسپی کا اظہار و لگاؤ ہو۔ چنانچہ ماہِ صیام کی سالانہ مشق اسی سبق کی یاددہانی کے لئے ہے۔ دنیا سے کمتر مگر خدا اور مخلوق سے برتر تعلق قائم کرو۔ کھانے پینے کی لذات بلکہ جائز ضروریات سے کسی حد تک دستبرداری سے یہ سبق حاصل ہو کہ جب جائز و حلال سے فائدہ اُٹھانے پر پابندی اور ان سے حدِ امکان تک اجتناب ضروری ہے تو ناجائز اور حرام مال سے علیحدگی اور دستبرداری کس قدر ضروری و لازم پڑی ہے۔ چنانچہ روزوں کے ذکر کے خاتمہ پر اسی سبق کو قرآن کریم میں دوہرایا گیا جب یہ فرمایا کہ لاتاکلوا اموالکم بالباطل۔ حرام و ناجائز ذرائع سے ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ، کیونکہ تمہیں تو کسبِ حلال پر بھی قبضہ اور کنٹرول کی مشق کرائی گئی ہے۔ اسی طرح جس دل میں دنیا کی محبت یعنی حرص و طمع سرایت کر چکی ہو وہاں خُدا کی حقیقی محبت نہیں بس سکتی۔ اس لئے روزوں کے ذکر میں خدا سے سچے تعلق کا ذکر فرمایا کہ اگر میرے بندوں کو میری تلاش اور مدد کی حاجت ہو تو ان کے لئے میری ذات اس کے قریب ترین واقع ہوئی ہے بشرطیکہ سچی و صحیح تلاش و پکار ہو تو میں ضرور اس کا جواب دیتا ہوں۔ مگر ایسی پکار کے لئے یہ ضروری ہے کہ کھانے پینے اور سونے کی طرف سے کم ذہنی ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یکسوئی یک طرفہ ہوتی ہے۔ خدا کی جانب یکسوئی متقاضی ہے کہ توجہ و شکم پُری نہ ہو۔

روزہ داروں کی عملی حالت

اعلیٰ معتقدات اور عمدہ عبادات و ریاضات کے سچے فلسفے سے تو کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، مگر ان سے انکار اور ان پر بے یقینی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ اصحاب جو ظاہرا طور پر ان معتقدات و ارکان کو بجا لاتے ہیں ان کی زندگیوں میں ان کی رُوح مفقود نظر آتی ہے تو اس وقت ہماری قوم کی حالت بدقسمتی سے ایسی ہی واقع ہوئی ہے۔ ہر سال جوش و خروش سے ماہ صیام کی جملہ تقریبات احترام سے منائی جاتی ہیں یہ عمدہ بات ہے لیکن جہاں تک حرام مال کمانے کا سوال ہے وہاں ہم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح خُدا سے حقیقی محبت اور لو لگانے سے نہ صرف غفلت ہے بلکہ اس کا انکار کیا جا رہا ہے، ہر جگہ اصل مقصد حصُولِ اقتدار و حکومت ہے۔

ایک ضروری تصحیح: پیغامِ صلح مجریہ ۱۷ راگست ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۲ کے عنوان میں "لاہور زون" کے بجائے "لاہور یونٹ" پڑھا جائے۔ (ادارہ)

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا سفرِ بلادِ غیر
احبابِ جماعت سے الوداعی خطاب

(رپورٹ: از ابو سلمان ایم اے)

احباب سلسلہ کے لئے یہ خبر باعثِ مسرت ہوگی کہ محترم و مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دامت برکاتہٗ دینی مہمات کی انجام دہی کے سلسلہ میں ۲۰ راگست کو انگلستان تشریف لے گئے ہیں۔ احباب کی ایک کثیر تعداد نے آپ کو ایئر پورٹ پر الوداع کہا۔

انگلستان میں اپنے چند ہفتوں کے قیام کے دوران مکرم ڈاکٹر صاحب مغربی ممالک کی مختلف جماعتوں کا دورہ فرمائیں گے اور وہاں کی مقامی [illegible] کاموں کا تفصیلی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ تنظیمی اور اشاعتی پہلوؤں کی توسیع و ترقی کیلئے بھی اقدامات فرمائیں گے۔

مکرم ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس سفر کے موقعہ پر آج دارالسلام کی جامع مسجد میں قبل نماز جمعہ احباب سے خطاب فرمایا، جس میں اپنے سفر کی غرض و غایت بیان کی۔ اس تعلق سے اس خطاب کو اختصار سے ہدیۂ قارئین کرام کیا جاتا ہے۔

احبابِ سلسلہ سے دردمندانہ التماس ہے کہ وہ رمضان کے بابرکت مہینہ میں بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر دعائیں کریں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ تبلیغی سفر صحت و سلامتی کے ساتھ طے ہو۔ اللہ [illegible] ہر قدم قدم پر ان کا حامی و ناصر ہو۔ مقاصد سفر کی تعمیل و تکمیل میں الٰہی تائید و رہنمائی شامل حال رہے۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے [illegible] کامران و کامیاب واپس وطن ہوں۔ آمین ثم آمین

(ادارہ)

والعصر۔
ان الانسان [illegible]
[illegible] عملوا
وتواصوا بالحق
وتواصوا بالصبر۔
(سورۃ العصر)

فرمایا: میں نے سورۃ شریفہ العصر تلاوت کی ہے۔ یہ قرآن کریم کی بہت ہی چھوٹی سورۃ ہے یہ اس قدر مختصر ہے کہ چند الفاظ پر مشتمل ہے اور ایک ہی سطر میں لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے اندر جو مضمون اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس سورۃ شریفہ کے مضمون و مطالب [illegible] کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بزرگ [illegible]ی طرح جانتے سمجھتے تھے۔ اس کو بار بار پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ کہیں سفر پہ جاتے یا آتے تو وہ اس سورۃ شریفہ کو ایک دوسرے کو پڑھ کر سناتے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں کوئی اور سورۃ نازل نہ ہوتی اور صرف یہی نازل ہوئی ہوتی، تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی رہنمائی کے لئے یہی ایک سورۃ کافی ہوتی صحابہ کرامؓ کو اس کامل انسان کی براہِ راست شاگردی کا شرف حاصل تھا جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے یعلمھم الکتاب والحکمۃ جس نے ان کو قرآن کریم اور حکمت کی تعلیم دی تھی۔ وہ تعلیماتِ نبویؐ سے براہِ راست فیضیاب ہو رہے تھے، اس لئے شاگردانِ رشید کے لئے صرف ان الفاظ کو ہی دوہرا لینا کافی ہوتا تھا۔ وہ عارفین تھے، قرآنی حکمت کو سمجھتے تھے، ان کے معنی و مفہوم اور مطالب و مقاصد پر مطلع تھے۔ میں نے اسی مناسبت سے یہ سورۃ شریفہ پڑھی ہے۔

آپ حضرات کو علم ہے کہ میں انجمن کے حکم کی تعمیل و تکمیل کے لئے بیرون ملک دور دراز کے سفر پر جا رہا ہوں۔ میں نے آج آپ سے کچھ باتیں کہنا چاہی ہیں۔ صحابہ کرام کے طریق پر عمل کرتے ہوئے میں اس سورۃ شریفہ کے مضمون کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو تکرار طلب ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں تکرار سے پڑھا سنا جاتا ہے تاکہ بھول نہ جائیں۔ صحابہ کرامؓ کا عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سورۃ ہذا جس قدر سامنے رہے اسی قدر نیکی و خیر کی توفیق ملتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک سورۃ فاتحہ ہے، جو بار بار دوہرائی جاتی ہے، یہ تکرار اس سورۃ کے مضمون کی اہمیت و افادیت کی وجہ سے ہے۔

اس سورۃ — العصر — کا مضمون بار بار دوہرایا جانا بڑا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جو مضمون اس سورۃ میں مذکور ہے اس کا ہماری جماعت سے براہ راست تعلق ہے۔ وہ یہ کہ ہم حق و صداقت اسلام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔

اس سورۃ شریفہ سے پہلے ایک سورۃ — التکاثر — ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کی اکثریت مرض تکاثر میں مبتلا رہتی ہے تکاثر فی الاموال والاولاد۔ انسان کی یہ خواہش ہے کہ اس کا مال بڑھتا رہے۔ اس میں بھی اضافہ در اضافہ کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کو اولاد اور جتھے کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ ھل من مزید کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کثرت مال و دولت کی خواہش اور تڑپ انسان کو اصل مقصد زندگی سے غافل رکھتی ہے۔ تکاثر کا نتیجہ ھل من مزید ہے۔ انسان کے اندر حرص و ہوا کی آگ لگی ہوئی ہے جو فرو نہیں ہوتی۔

فرمایا: انسان کو چاہیئے کہ علم کے ذریعہ یہ بات سمجھ لیتا کہ تکاثر آگ اور جہنم ہے اور یہ تجربہ اور مشاہدہ اور واردات کی بات ہے

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد — کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

کہ تکاثر والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ علم الیقین سے کام لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کثرت مال و دولت کے پیچھے لگنا اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دینا ایک دوزخ اور جہنم ہے۔ آگے چل کر تو عین الیقین اس میں پڑ کر ہوگا ہی جس سے قرآن کریم نے بار بار ڈرایا ہے۔ فرمایا ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم۔ پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ کہ تم نے نعمتوں کے ساتھ کیا کیا۔ یہ عارضی زندگی ہے۔ یہاں خالی ہاتھ آیا ہے اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ دنیا سے اُٹھتا ہے تو ہاتھ جھاڑ کر اُٹھتا ہے۔

اللہ تعالے نے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا ہے۔ اس کو عزّ و شرف کا مقام بخشا ہے۔ اس کو ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ کیا کچھ نہیں جو نہ دیا گیا ہو۔ کائنات کی ہر شئے اس کے تابع کر دی ہے۔ سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض اگر کائنات کی پیدائش کی غرض انسان کی تابعداری ہے تو انسان کی اپنی پیدائش کی بھی کوئی غرض ہونی چاہیئے۔ اگر اس غرض پر توجہ نہیں تو نتیجہ ظاہر ہے، اس دنیا میں بھی نقصان اور خسارہ ہے اور آخرت میں بھی۔

فرمایا۔ والعصر۔ سب سے بڑی نعمت وقت کی نعمت ہے۔ یہ ایک ایسی دولت ہے جو جا کر واپس نہیں آتی۔ ہر چیز واپس جا کر آ سکتی ہے۔ لیکن وقت ہاتھ سے گیا پھر نہیں آتا۔ انسان جب مرنے لگتا ہے تو وہ ہر قسم کی خواہش بھول کر ایک ہی خواہش کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ تھوڑا سا وقت اور مل جائے۔ یہ ٹیسٹ ہے کہ مرتے وقت جو انسان کی خواہش ہوتی ہے وہ مہلت کا ملنا ہے۔ معلوم ہوا کہ سب سے بڑی دولت اور نعمت وقت ہے۔ فرمایا۔ وھدیناہ السبیل۔ اما شاکراً و اما کفوراً۔ حق ہم نے دے دیا۔ چاہے کوئی مانے چاہے کوئی نہ مانے۔ انسان حق کو پہچانتا ہے۔ حقیقت سے بے خبر نہیں ہے۔

تو فرمایا: والعصر۔ ان الانسان لفی خسراً۔ اس بات کی بڑی منادی کی ہے، کہ وقت جا کر واپس نہیں آتا۔ انسان کا جو وقت ضائع ہو جاتا ہے تو وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ اگر وقت اچھے کام میں صرف ہوا تو غنیمت ہے۔ وہ بھی واپس نہیں آتا۔ اور اگر وہ بُرے کام پر ضائع ہوا۔ لہو و لعب میں صرف ہوا وہ بھی بے کار گیا۔ یہ مستعار وقت ہے۔ اس کے خرچ کرنے میں انسان کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے فرمایا انسان گھاٹے میں ہے۔ کون وہ جو وقت کی قدر نہیں کرتا یقیناً وہ خسارہ میں رہا، جس نے اپنی زندگی کو بے جا طور پر ضائع کر کے اپنے لئے جہنم اور دوزخ تیار کر لیا۔

پہلے عمومیت کے رنگ میں فرمایا کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ بڑی فکر کی بات تھی۔ اس کا ازالہ ساتھ ہی کر دیا۔ فرمایا الا الذین اٰمنوا۔ ہاں ایک گروہ ایسا ہے جو میری منشا اور رضا کی راہوں پر چلتا ہے جو گھاٹے میں نہیں ہے۔ تو وہ لوگ جو دنیا میں بھی انعام الٰہی کے حقدار ہیں اور آخرت میں بھی ان کا انجام اچھا ہوگا، وہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالے پر ایمان لاتے ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد ایمان باللہ ہے۔ انسان کو اللہ تعالے نے صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالے کی ذات، اس کی حکمت اور اس کی قدرت کو پہچانے۔ ایمان صرف کسی عہد و پیمان اور عقیدہ کو مان لینے کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ تعالے کی معرفت اور عرفان کا نام ہے۔ وعملوا الصالحات۔ وہ لوگ بھی خسارہ میں نہیں ہیں جو اعمال صالحہ پر قائم ہیں۔ جب انسان کی زندگی نیکی کے کاموں میں گذرے۔ ان کے اعمال، اس کے اقوال، اس کے خیالات اللہ تعالے کی اطاعت میں

گذریں۔ صاف ستھری اور وہ بے عیب اور پاک زندگی گذاریں۔

آگے فرمایا: وتواصوا بالحق۔ یہی کافی نہیں کہ اللہ تعالے پر کامل ایمان رکھتا ہو اور صحیح صورت پر اسلام پر کاربند ہو، اور صالح امور اس سے صادر ہوں، اس کے فرائض میں سے ایک اور بھی یہ ہے کہ وہ حق کی اشاعت کرنے والا ہو، داعی الی الحق ہو اس کے دل میں تڑپ ہو کہ جس روشنی سے میں منوّر ہوا ہوں اس سے اور بھی فیضیاب ہوں۔

یہی دراصل جماعتی زندگی کا مقصد ہے۔ اپنے پختہ ایمان اور اور عقائد کی درستی اور صحت کے ساتھ ہمیں ہر دم اپنے سامنے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے شب و روز کیسے ہیں۔ ہماں کوئی فاسد بات نہیں کرنی چاہیئے، اپنے اعمال کو ٹٹولتے رہنا چاہیئے۔ ہر دن کو دیکھنا چاہیئے کہ رات کیسے گذری اور ہر رات کی تنہائی میں سوچنا چاہیئے کہ ہمارا دن کیسے گذرا۔ کوشش کریں کہ ہمارا آج گذشتہ کل سے اچھا ہو۔ ہر لمحے کی قدر کرنا چاہیئے۔ اعمالِ صالحہ سے زندگی کو معمور کرنا چاہیئے ہمارے دلوں کے اندر ایک آگ جلتی رہنا چاہیئے، کہ ہم خیر و خوبی کے لمحات بسر کرتے ہیں۔ ہم نے انسان کو چین و قرار اور آرام و سکون کا تحفہ دینا ہے۔ ہم نے اسلام کا پیغام اکناف عالم میں پہنچانا ہے۔ یہی آگ ہمارے بزرگوں کے دلوں کو لگی ہوئی تھی کہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس آگ کو نہ صرف روشن رکھیں بلکہ اس کو تیز تر کر دیں۔

میں نے اپنے جس تازہ سفر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میرے سامنے غرض سفر یہی ہے۔ انجمن نے حکم دیا ہے کہ میں مصالح دین کے لئے سفر کروں۔ میں دل و جان سے تیار ہو گیا ہوں۔

حضرت مامور الٰہی نے تلقین فرمائی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ ہماری جماعت میں یہ رنگ غالب ہے۔ الحمد للہ لیکن اس رنگ کو تیز تر کرنے کی ضرورت ہے۔

فرمایا۔ وتواصوا بالحق۔ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں کے اندر جذبہ ہو، تڑپ ہو، کہ ہم سب نے حق کو پہچانا ہے اور اس حق کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم جس جس مقام پر ہیں اور جو جو ہمارا حق ہے اس کو ادا کرتے رہیں۔ اپنی نیت سے، اپنے ارادے سے، اپنے خیالات سے، اور اپنے اقوال اور اعمال سے ہر طرح کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ ایک آدمی کام کرنے کے لئے میدان میں جاتا ہے۔ باقی دوسرے سب کے سب لوگ دعاؤں کے ساتھ اس کی تائید کرتے رہیں۔ اس کی ہمت بڑھاتے ہیں۔ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ فرمایا وتواصوا بالصبر ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

راہِ حق میں قدم مارنے سے جو ایک بات پیش آتی ہے، وہ ہے مشکل اور رکاوٹ۔ ایسے کاموں میں صبر کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا ذکر ہے۔ ان کی زندگیاں مشکلات و مصائب سے پُر ہیں۔ قدم قدم پر دشواریاں ہیں۔ لیکن انہوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ انجام کار وہ سرخرو ہوئے۔

مشکلات کا آنا لازم ہے۔ اس موقعہ پر صبر سے کام لینا انہیں ضروری ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ مجھے صبر کی تلقین کریں، اور میرا فرض ہے کہ میں مشکلات میں صبر سے کام لوں۔ آپ دعائیں کریں، میں بھی دعاؤں سے کام لوں گا۔ میرا یہ فرض ہے کہ آپ کو توجہ دلاؤں کہ ہمارے لئے بہت مشکلات ہیں۔ ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

جناب این اے فاروقی
ترجمہ: ابو سلمان ایم اے

حیات بعد الموت

سبق آموز مشاہدات

(بسلسلۂ اشاعت قسط ۲)

ان تمام لوگوں کو، جن سے میری ملاقات ہوئی ہے، اپنے مشاہدہ کے کسی موڑ پر واپس ہونا پڑا ہے۔ اس وقت عموماً ان کے طرزِ فکر میں ایک دلچسپ تغیّر رُونما ہو چکا ہوتا ہے۔ ذرا یاد کیجئے کہ وفات کے بعد چند لمحوں میں ان کے بالعموم مشترک احساسات میں سے جسم میں واپس چلے جانے کی شدید خواہش اور اپنے مرنے کا نہایت درجہ افسوس ہوتا ہے۔ تاہم ایک دفعہ جب مرنے والا اپنے مشاہدہ کی ایک خاص گہرائی میں چلا جاتا ہے تو وہ واپس آنا نہیں چاہتا۔ یہ معاملہ بالخصوص ان لوگوں کا ہے جو نوری شئے سے مل چکے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شخص نہایت زور سے اس کیفیت کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ میں اس نوری شئے کی حضوری کو ہرگز ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

جب لوگوں سے پوچھا گیا کہ جسمانی زندگی میں واپس آنے کا کیا ذریعہ اور ... تھا۔ تو بعض لوگوں نے جواب دیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس اندھیری سُرنگ جس میں سے اپنی موت کے ابتدائی لمحات میں وہ گذرے تھے، اسی میں سے اب ان کو تیزی کے ساتھ واپس لایا جا رہا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے بتایا کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم اپنے جسم میں فی الحقیقت ... واپس آ گئے ہیں۔ بیشتر لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے صرف یہی محسوس کیا کہ وہ سو گئے تھے یا بے ہوش ہو گئے تھے۔ اور پھر ... اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

وہ شخص جو اس قسم کے تجربے سے گذر چکا ہو وہ اس کی حقیقت و اہمیت میں ذرا بھر بھی شک نہیں کرتا۔ میں نے جو انٹرویو لئے ہیں۔ ان میں ہُو بہُو ایسے ہی خیالات و تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا بیان ہے یہ قربِ نظر کی کوئی بات نہ تھی۔ مجھے ایک دفعہ قربِ نظر ہُوا تھا۔ جبکہ مجھے ہسپتال میں خواب آور دوا دی گئی۔ لیکن یہ اُس حادثہ سے بہت پہلے کی بات ہے جس سے میں قریب قریب مر ہی چکا تھا، اور یہ تجربہ قربِ نظر کی طرح قطعاً نہ تھا۔

جن لوگوں سے میں نے انٹرویو لئے تھے وہ بڑے کامگار اور ذہین و متین تھے۔ انہوں نے اپنے مشاہدات کو اس طور بیان نہیں کیا کہ گویا وہ خواب دیکھ رہے تھے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ حقیقتیں ہیں اور یہ کیفیت فی الاصل ان پر وارد ہوئی ہے، اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ ہمارا موجودہ معاشرہ ایسا نہیں ہے جو اس قسم کی باتوں کو ہمدردی سے سُنے اور ان کو بغور سمجھے۔ بیشتر لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے سے ہی یہ بات جانتے ہیں کہ اگر ہم نے واقعات بعد الموت کا ذکر لوگوں سے کیا تو وہ ہمیں ذہنی طور پر بیمار سمجھیں گے۔ اور ... پاگل کہیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ اس موضوع پر بالکل خاموش رہتے ہیں کسی سے بات ہی نہیں کرتے یا پھر وہ اپنے یہ مشاہدات صرف اپنے نہایت ہی قریبی رشتہ دار کو بتاتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص کے ذاتی مشاہدہ کے بارے میں بہ تفصیل انٹرویو لینے کے بعد جب کبھی میں نے اس کو توجّہ دلائی کہ دوسرے لوگوں نے بھی بالکل یہی خیالات و حالات بیان کئے ہیں تو وہ یک گونہ طمانیت محسوس کرتا اور کہتا کہ مجھے یہ جان کر حقیقی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ دوسرا شخص بھی اس کیفیت سے گذرا ہے۔ اور اب میں سمجھ گیا کہ میں سودائی نہیں ہوں۔

وہ لوگ جو موت کے دو راہے پر گئے اور موت سے جو سبق لے کر آئے ان میں قابلِ ذکر اشتراک یہ ہے کہ تقریباً ہر شخص نے بڑا زور دیا ہے کہ اس دُنیا کی زندگی میں انسان کو دوسروں کے لئے محبت ــــ یگانہ اور عمیق قسم کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ایک شخص ... جس نے نُورانی شئے سے ملاپ کیا، کلیتہً محبت اور قبولیت محسوس کی۔ باوجود اس کے کہ اس کی ساری کی ساری زندگی کا منظر اس نورانی شئے کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس شخص نے محسوس کیا کہ سوال جو وہ نورانی شئے اس سے کر رہی تھی وہ یہ تھا کہ کیا وہ دوسروں سے محبت اسی طرح کر پاتا ہے۔ وہ شخص اب محسوس کرتا ہے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے اس کا یہ مقصد ہے کہ وہ دوسروں سے محبت و اُلفت کا سبق سیکھنے کی کوشش کرے۔

علاوہ ازیں بیشتر دیگر اشخاص نے علم حاصل کرنے کی اہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔ اپنے مشاہدات کے دوران انہیں یہ بتایا گیا کہ علم حاصل کرنا آخری زندگی میں ہی جاری رہتا ہے۔

ایک عورت نے اپنے انتقالی مشاہدہ کے بعد سے علم حاصل کرنے کی پُر اثر کوشش کی ہے، اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ایک دوسرے شخص نے نصیحت کی کہ کوئی مضائقہ نہیں کہ تم بوڑھے ہو گئے مگر علم سیکھنا مت چھوڑو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حیاتِ ابدی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ مشاہدہ اور تجربہ طبعی موت کے بارے میں انسان کے خیالات پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں پر جو قبل ازیں یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد کچھ واقع ہوگا۔ تقریباً ہر ایک شخص نے مجھ سے اس خیال کا اظہار کسی نہ کسی صورت میں کیا ہے۔ کہ اب وہ موت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ میں مرنے کی خواہش نہیں رکھتا یا اب میں مرنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں اس دنیا کو چھوڑتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ کیونکہ ... وہاں پہلے ہو آیا ہوں۔

کیونکہ بیشتر لوگوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ ایک اچھے خاصے وقت تک اپنے جسموں سے الگ رہے، اور اس وقفہ کے دوران مادی دُنیا میں حالات و واقعات کو بھی دیکھتے رہے ہیں۔ تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں سے کسی اِطلاع کی دوسرے حاضر لوگوں نے تصدیق کی ہے تو صرف چند ہی ایسی مثالیں ہیں جن میں کسی قدر حیران کُن جواب ملتا ہے کہ "ہاں" مثلاً بعض ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ ہم بالکل حیران تھے کہ وہ مریض جنہیں علمِ طب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، دوبارہ زندہ کرنے کی مساعی کے طریقِ کار کو وہ بڑی تفصیل اور بڑی صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ جبکہ یہ امور اس وقت طے ہوئے جبکہ ڈاکٹر جانتے تھے کہ یہ مریض مر چکے ہیں۔

لوگوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ اپنے جسم سے باہر تھے اور اس دوران جو حالات و واقعات سامنے آئے، جب انہوں نے اپنے ڈاکٹروں یا دوسرے لوگوں سے یہ سب کچھ بیان کیا تو وہ بڑے حیران ہوتے تھے۔ مثلاً جب وہ مر رہی تھی ایک لڑکی اس کے جسم سے باہر نکلی اور ہسپتال میں دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں اس نے اپنی بہن کو چیختے چلاّتے پایا اور وہ کہہ رہی تھی۔ او! کیتھی آپ نہ مریں۔ آپ نہ مریں۔ ازاں بعد کیتھی نے جب اپنی بہن کو جہاں جہاں وہ گئی اور اس دوران میں کیا کچھ کیا تھا سب کچھ بتایا تو اس کی بہن بڑی حیران و ششدر رہ گئی۔

مثالیں مرنے کے تجربہ کے مختلف درجے اور حالتیں بڑی عجیب و غریب اور انوکھی ... ہیں۔ مختلف تہذیب و تمدّن اور تاریخی ادوار کے لٹریچر میں اس قسم کی لاتعداد مثالیں دیکھ کر میں بڑا حیران ہوا۔ ہمارے

معاشرہ میں بائبل کثیر المطالعہ اور بحث و مناظرہ کی کتاب ہے، جو انسان کے روحانی پہلوؤں اور حیات بعد الموت وغیرہ امور کو بیان کرتی ہے۔ تاہم ایسے واقعات جو موت کے وقت ظاہر ہوتے ہیں یا عالم بعد الموت کی صحیح کیفیت کے بارے میں بائبل کچھ نہیں کہتی۔ بالخصوص زبور و توراۃ کہ ان میں ذکر تک نہیں ملتا۔

لیکن دوسرے لٹریچر میں قریبی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ فلسفی افلاطون نے ایسے واقعات لکھ چھوڑے ہیں جو ان واقعات سے بہت ہی ملتے جلتے اور قریب الموت حالتوں میں پیش آتے ہیں۔ "بک ایکس آف دی ری پبلک" تو ان تمام واقعات کی نہایت ہی موثر تمثیل ہے۔ وہاں افلاطون "ار" نامی ایک یونانی سپاہی کی جنگ میں موت کا ذکر کرتا ہے۔ اس سپاہی کی نعش جلنے کے لئے چتا میں رکھی گئی۔ کچھ دیر کے بعد اس کی نعش جی اُٹھی۔ اور سپاہی "ار" نے اپنے سفر آخرت میں، جبکہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل گئی تھی، جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ وہاں راستے تھے جو اس دُنیا سے عالمِ آخرت کو جاتے تھے۔ اس جگہ ایک مخلوق نے ارواح کو روک لیا اور ان کا امتحان لیا۔ "ار" نے اپنی دنیوی زندگی میں جو کچھ کیا کرایا تھا، وہ مخلوق اسے بصورت منظر دیکھ رہی تھی۔ اس مخلوق نے ار کو کہا کہ مادی دنیا میں انسانوں کو یہ بتانے کے لئے وہ ضرور جائے کہ دوسری دنیا کس طرح کی ہے، کیسی ہے کس سے مشابہ ہے، وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو چتا پر پایا۔

کوئی روح طبعی موت کے بعد جن مختلف حالتوں اور درجوں سے گذرتی ہے، ان کا ایک طویل بیان تبتن "بک آف دی ڈیڈ" میں درج ہے، جو صدیوں بھر کے بزرگ عارفوں اور عالموں اور صوفیوں کی ان تعلیمات پر مشتمل ہے، جو ابتدائی نسلوں سے سینہ بہ سینہ اور منہ زبانی چلی آ رہی ہیں۔ بالآخر یہ کتاب بظاہر ۱۸ ۔۔ء میں لکھی گئی۔ لیکن یہ پھر بھی اجنبیوں سے چھپا کر رکھی گئی۔

کتاب تبتن کے مطابق پہلے پہل مرنے والے کا شعور یا روح جسم سے جُدا ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک خالی جگہ پاتا ہے۔ وہ آندھی کی طرح کا شور، بادلوں کی گرج یا کچھ بجنے کی آوازیں سُنتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اپنے مادی جسم سے الگ پا کر حیران ہوتا ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دیکھتا اپنی میت پر ان کو روتے سُنتا اور میت کو تدفین کے لئے تیار ہوتے دیکھتا ہے اور اس حالت میں جب وہ ان سے ملنا یا بولنا چاہتا ہے تو وہ نہ تو اس کی بات سنتے اور نہ اس کو دیکھتے ہیں۔

وہ دیکھتا ہے کہ وہ اب بھی ایک جسم روشن جسم میں ہے جو کسی مادی شئے سے بنا ہوا نہیں، چنانچہ وہ چٹانوں، دیواروں، حتیٰ کہ پہاڑوں کے درمیان سے بغیر کسی رکاوٹ کے گذر سکتا ہے۔ جہاں کہیں وہ چاہتا ہے، آناً فاناً میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ ایک صاف یا ایک پاک روشنی سے مل سکتا ہے۔

تبتی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مرنے والا اپنے پکے ایمان اور انکساری کے باوصف اس روشنی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب مذکور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کی موت مرتا ہے تو اسے سکون و سلامتی اور آرام و اطمینان میسر آتا ہے۔ اور اس کتاب میں ایک ایسے آئینے کی قسم کا بھی ذکر ملتا ہے جس میں اس کی تمام زندگی، اس کے ہر دو بُرے بھلے اعمال مرنے والے کو اور ان ہستیوں کو صاف نظر آتے ہیں۔

اور دوسری دلچسپ مثال سویڈن برگ کی کتابوں میں ملتی ہے وہ ۱۶۸۸ء سے ۱۷۷۲ء تک زندہ رہا۔ اس کی پہلی کتب طبیعات، ریاضیات، تجزیہ و تحلیل اور علم نفسیات وغیرہ علوم پر مشتمل ہیں جنہیں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ زندگی کے آخری حصہ میں اس پر مذہبی حالت طاری ہو گئی اور وہ تجربات و مشاہدات جن میں زمان بالا کی روحانی ہستیوں سے ملنے ملانے کا ذکر ہوتا، رقم کرنا شروع کر دیئے۔

اس کی آخری تصانیف میں حیات بعد الموت کے بارے میں بڑی تفصیل ملتی ہے۔ اس میں وہ بتاتا ہے کہ آخری زندگی کیسی اور کس سے مشابہ ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اسے موت کے ابتدائی مراحل سے واسطہ پڑا ہے۔ اور اس نے اپنے جسم سے الگ ہو کر مشاہدات کئے ہیں۔ سویڈن برگ اور ارواح کے درمیان ملاپ ہوتا ہے۔ ان ارواح کو وہ فرشتوں کا نام دیتا ہے لیکن وہ دنیوی انسان کی طرح نہیں ہیں۔

یہ ایک قسم کا براہِ راست تبادلۂ خیالات ہے بقول سویڈن برگ ہر شخص اپنی موت کے فوراً بعد ہی کائناتی زبان میں آ جاتا ہے۔

مرنے والا انسان دوسری گذری ہوئی ان ارواح سے بھی مل پاتا ہے جن کو وہ اپنی زندگی میں جانتا پہچانتا تھا۔ اس کی گذشتہ زندگی اس کو ایک ہی نظر میں دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس کی ہر تفصیل یاد کرتا ہے۔ اور وہاں اس کے جھوٹ بولنے یا کوئی بات چھپانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ باطنی یادداشت اس قسم کی ہے کہ وہ تمام خاص باتیں اور چیزیں جو انسان نے اپنی زندگی میں اپنے آغاز سے لے کر آخری عمر تک کسی بھی وقت سوچیں، بولیں، کہیں اور کیں، اس کے اندر نقش ہیں۔ انسان جب دوسری زندگی میں آتا ہے تو وہ اپنے ساتھ ان تمام باتوں کی یادداشت بھی لاتا ہے۔

سویڈن برگ اس نورِ خدا کا بھی ذکر کرتا ہے جو دوسری زندگی میں سرایت کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا نور ہے یہ بے حد چمک والی روشنی ہوتی ہے جس کا سرسری جلوہ وہ خود بھی دیکھ چکا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ قریب المرگ مشاہدات و تجربات جو میں نے اکٹھے کئے ہیں وہ اس قسم کی تصانیف سے متاثر ہوں؟ جن لوگوں سے میں نے گفتگو کی ہے ان میں سے دو یا تین شخص ایسے تھے جو افلاطون کے نظریات کے بارے میں کچھ جانتے تھے۔ جہاں تک سویڈن برگ کی تصانیف یا تبتن "بک آف ڈیڈ" کا تعلق ہے، کوئی بھی ان سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا از خود سوچ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تبتی عارفوں کی بصیرت افلاطون کی دلچسپ دقتِ نظر اور سویڈن برگ کے روحانی انکشافات تمام کے تمام آپس میں بھی اچھی طرح مماثلت رکھیں اور پھر ان ہم عصر لوگوں کے بیانات سے بھی مطابقت رکھیں جنہوں نے موت کو نہ صرف قریب سے بلکہ اس کو پا کر اور اس میں ہو کر دیکھا ہے۔

سوالات

سوال: ایسے تجربات و مشاہدات کس قدر عام ہیں؟

جواب: میں اعتراف کرتا ہوں، کہ میں موضوع کی محدود حیثیت کی وجہ سے بالکل صحیح صحیح اعداد و شمار پیش کرنے کے قابل نہیں ہوں، تاہم ان کی عمومیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ جو محسوس کرتے ہیں کہ یہ خیال و نظریہ ہمارے سائینٹیفک زمانہ حال کے بجائے ہمارے اوہام پرست ماضی سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ ان میں سے بیشتر کے نزدیک حیات بعد الموت کا مسئلہ پرکھا ہوا ہی ایسا ہے۔ ایسے اندازِ فکر کے پیش نظر جن لوگوں کو ایسے ماورای ادراک تجربات پیش آئے ہیں وہ انہیں کھلے بندوں بیان کرنے

یں تامّل کرتے ہیں۔

سوال: آپ کیسے سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ سے جھوٹ نہیں بول رہے؟!

جواب: جنہوں نے دوسروں کو اپنے قریب المرگ تجربات بیان کرتے ہوئے از خود نہ سُنا اور دیکھا ہے، وہ لوگ تو بڑی آسانی سے عقلاً ہی مفروضہ رکھتے ہیں کہ یہ تمام کہانیاں جھوٹی ہیں۔ تاہم مَیں نے دیکھا ہے کہ پختہ اور جذباتی لحاظ سے غیر مذبذب بالغ لوگ اپنے تیس تیس سال پہلے کے واقعات مجھے سُناتے وقت رُک جاتے اور زار و قطار رونے لگتے ہیں۔ مَیں نے ان کی ہچکیوں میں وہ خلوص، وہ دِل سوزی اور وہ وجدانی یقین و جذبہ پایا ہے جو الفاظ میں کسی طرح بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ لہذا میرے نزدیک یہ نظریہ کہ یہ بیانات و واقعات جعلسازی بھی ہو سکتے ہیں، بالکل کمزور اور غلط ہے۔

میرے اپنے نظریہ کی وقعت کے علاوہ بعض اہم و قابلِ لحاظ امور ایسے بھی ہیں جو نظریہ جعلسازی کی نفی کرتے ہیں۔ نہایت صریحی عمل وہ مشکل صورت ہے جو بہت زیادہ واقعات کو ایک ہی طرح بیان کرنے [illegible] آتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بہت سے [illegible] ایک ہی طرح کا جھوٹ بولنے کے لئے میرے پاس آ جاتے ہوں۔

یہاں پر خفیہ سازش بھی ایک نظریاتی امکان رکھتی ہے۔ یہ یقیناً قابل فہم امر ہے کہ مشرقی شمال کیرولینا کی ایک معقول معمر خاتون، نیو جرسی کا ایک میڈیکل طالب علم، ایک جارجیہ کا کار آزمودہ بیطار اور دوسرے بہت سے لوگوں نے نخلستانوں پہلے اکٹھے ہو گئے ہیں [illegible] میرے خلاف ایک سوچا سمجھا فتویٰ دینے کے لئے سازش کر لی ہو۔ لیکن میرے نزدیک ایسا کوئی امکان نہیں ہے۔

سوال: کیا ایسے قریب المرگ مشاہدات آپ کی نظر سے گذرے جو خودکشی کا نتیجہ ہوں؟

جواب: جی ہاں! یہ تجربات بالاتفاق نا خوشگوار قسم کے ہیں۔ ایک آدمی اپنی بیوی کی وفات پر دل برداشتہ تھا، اس نے اپنے آپ کو گولی مار کر جان دے دی۔ اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو وہ بیان کرتا ہے کہ جہاں میری بیوی تھی میں وہاں نہیں گیا۔ میں ایک خوفناک جگہ چلا گیا فوراً ہی سوچا کہ میں نے کیسی غلطی کی ہے۔

دوسرے [illegible] جنہوں نے دوزخ کے اس مکروہ مقام کو دیکھا، کہتے ہیں کہ اس وقت ان کا یہ احساس تھا کہ ان کے لئے قانون شکنی کی سزا ہے۔ کیونکہ انہوں نے دراصل زندگی میں ایک خاص مقصد کو پورا کرنے کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو قبل از وقت آزاد کرنے کی کوشش کی تھی۔

خودکشی کے خلاف ایسے ہی خیالات و احساسات جو بیشتر مختلف بیانات میں مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بہت قدیم دینی و اخلاقی دلائل میں بھی ملتے ہیں۔ ایک دلیل کئی ایک صورتوں میں تھامس، جان لاک اور کینٹ وغیرہم مختلف مفکروں کی تحریروں میں بھی پائی جاتی ہے کینٹ کے نکتہ نظر میں خودکشی الٰہی مقصد کے برخلاف عمل کرنے کا نام ہے [illegible] ایسا اپنے خالق کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔

(باقی ــــــ باقی)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا سفر بلادِ غیر

احباب جماعت سے الوداعی خطاب

(بسلسلہ صفحہ ۹)

مشکلات ہیں۔ میں باہر جا رہا ہوں مجھے مشکلات کا اندازہ ہے۔ صبر کی تاکید کریں اور دعاؤں۔ مستجاب دُعاؤں۔ کے ذریعہ ان کا ازالہ کریں۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ کے لئے بڑی مشکلات ہیں۔ کئی قسم کی مشکلات ہیں۔ اس ملک میں مشکلات ہیں۔ لیکن حق، حق ہی ہوتا ہے۔ حق کہیں نہیں بدلتا۔ ایک دفعہ پتہ چل جائے کہ یہ حق ہے۔ اور یقین ہو جائے کہ حق، حق ہی ہے تو حق کا دامن پھر کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ آپ ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت کریں۔ اور کرتے رہیں ایک انسان دوسرے انسان کی حوصلہ افزائی کرے تو اس سے صبر آ جاتا ہے۔ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس لئے حق جہاں کہیں ہو اور جس شکل میں ہو۔ اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔

مَیں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ اس سورۃ شریفہ کی تفسیر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو پہلے سے اس کے مضمون سے باخبر نہیں وہ باخبر ہو جائیں اور جو باخبر ہیں انکے لئے تذکرہ ہو جائے۔ مجھے بھی فائدہ ہو اور آپ کو بھی فائدہ پہنچے۔

و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آپ سے درخواست ہے کہ میرے اس سفر میں میری رہنمائی اور تائید کے لئے دُعا فرمائیں۔ آج بھی اور آئندہ بھی، توقع ہے کہ آپ میرے لئے دُعا فرماتے رہیں گے۔

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم اور آپ کی دُعاؤں کی قبولیت سے مشکلات کے باوجود میں گذشتہ سفر میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ میری خطاؤں سے درگذر کرتے ہوئے اپنی رضا کی راہیں مجھ پر کھول دے اور جس مقصد کے لئے قوم نے مجھے بھیجا ہے اس میں کامیابی ہو۔ آپ نے اپنی تقریر کے آخر میں دُعا کی اپیل کی اور فرمایا میں آج خصوصیت سے آپ کو ایک دُعا کی تحریک کرتا ہوں، میرا ایک بیٹا ہے زاہد۔ وہ پچھلی دفعہ بیماری سے گذرا۔ مشکلات در مشکلات میں مبتلا ہوا۔ اس کے امتحان ایم بی بی ایس کے دو پرچے باقی ہیں۔ اس کے ذہن پر اثر ہے کہ نہ معلوم پاس ہوں گا یا نہیں۔ اس کا ایک پرچہ کل ہے۔ دوسرا ایک ہفتہ کے بعد۔ امتحان میں کامیابی کے لئے دُعا فرمائیں۔

بیگم ناصرہ ملک صاحبہ بڑی بیمار ہیں۔ انجمن خواتین کی سیکرٹری نسرین گل محمد علیل ہیں۔ اسی طرح بیگم رفیق بھی بیمار ہیں۔ ان سب کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مؤرخہ ۲۴ اگست ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۳۴

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۶

مَلفُوظات حضرت مُجدّد صد چہاردہم علیہ السّلام

استجابت دُعا کی حقیقت

ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق مجاذبہ

اَب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دُعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔۔۔ دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنے پہلے خدا تعالےٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالےٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواصِ عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی رُوح اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جلّشانہٗ اس کام کو پُورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی دُعا کا اثر اُن تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے بعد استجابت دُعا کے وہ اسبابِ طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بد دُعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دُعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے۔ اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دِلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔ کہ جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے۔ اور اکثر دُعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔

(باقی بر صفحہ ۴ کالم ۱)

ادارہ پیغام صلح کی طرف سے
قارئین کرام کی خدمت میں

عید مبارک

حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

دوستوں سے ایک ضروری بات

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی تعریف آئی ہے۔ اسی عشرہ میں لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ ان ایام کو سب دوست قرب الٰہی اور رضاء الٰہی کے حصول کے لئے استعمال کریں اور بڑی کثرت سے وہ دعائیں کریں جو قرآن کریم میں سکھائی گئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ خوب یاد رکھیں جو شخص قرب الٰہی حاصل کرتا ہے گویا وہ خدا کے وجود اور اسلام کی صداقت کا ایک ثبوت بن جاتا ہے۔ بے شک ان ایام میں دنیوی مقاصد کے لئے بھی دعائیں کرو۔ لیکن سب سے زیادہ رضاء الٰہی، قربِ الٰہی کے حصول اور غلبۂ اسلام کے سامانوں اور خدمتِ دین و اشاعتِ قرآن کی توفیق کے لئے دُعائیں مانگو۔

(۱۸ جون ۱۹۵۲ء)

دینِ الٰہی حیاتِ انسانی سے متعلق ابدی صداقتوں کا نام ہے نہ کہ کسی خاص قوم، ملک و نسل کے رسم و رواج کا

دن بدن دینی صداقتیں قبولیت حاصل کر رہی ہیں۔

(محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

قرآن کریم نے پیشگوئی کی ہے کہ لیظھرہ علی الدین کلہ۔ دینِ اسلام جملہ ادیان و نظریات پر غالب رہے گا۔ اس عظیم پیشگوئی کی صداقت اس لئے ظاہر و باہر ہے کہ قرآن کریم کا پیش کردہ دین ابدی حیات سے متعلق بعض عظیم اصولِ صداقت کا نام ہے نہ کہ کسی مختص قوم نسل یا گروہ کے رسم رواج کا نام اسی لئے ارشاد ہوا ان الدین عند اللہ الاسلام۔ مقبول دین خدا کے نزدیک ایسا اسلام ہے۔ نیز ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ ابدی صداقتوں کے برخلاف جو نظریات قائم کئے جائیں گے وہ غلط و باطل ہونے کی وجہ سے قبولیت حاصل نہ کر سکیں گے۔ یہی باعث ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور نے اس زمانہ میں یہ ندا بلند کی ہے کہ اصولِ اسلام یا اصولِ صداقتِ حقہ ابدیہ بالآخر غلبہ پا کر رہیں گے۔ اسی لئے اب زمانہ دینی صداقتوں کی جانب رُخ کرنے والا ہے۔ ع

چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اسے دل کے اندھو دیں کے گُن گانے کے دن

اس کا تازہ ثبوت اس عظیم انقلاب سے ملتا ہے جو اصول توحیدِ الٰہیہ کے بارہ میں تسلیم کیا جا رہا ہے۔ احبابِ کرام کی نظروں سے وہ مضامین گذر چکے ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ خود عیسائیوں کے اعلیٰ مذہبی پیشواؤں نے ایک کتاب[1] شائع کی ہے جس میں برملا یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت عیسےٰ[2] خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ وہ دیگر انبیاء و صُلحا کی مانند خدا تعالےٰ کے محبوب و مقرب تھے۔ نیز یہ کہ خدائی یا ابنیت کے عقائد خدا تعالیٰ کی عظمت اور انسانی شرف کے برخلاف ہیں، دیگر مذاہب کے پیروؤں کو برانگیختہ کرنے کا موجب ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ زمانہ کے مجدد نے جو یہ فرمایا تھا۔ ع

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا
دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

اور پھر فرمایا تھا کہ۔ ع

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

یہ قول آپ کے کیسے سادق و سچے ثابت ہوئے! وجہ ظاہر ہے کہ اصول توحید ایک ابدی صداقت ہے اور تثلیث و ابنیت کے عقائد بناوٹی باطل عقائد ہیں۔ لہذا اس زمانہ کی صحیح و سچی تحقیق و تفتیش کے مقابل باطل اصول چھوڑے جا رہے ہیں اور اصولِ حقہ مقبولیت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

دینِ اسلام کے صحیح اصولوں کی جانب نہ صرف غیر مسلم کشاں کشاں کھینچے چلے آ رہے ہیں جیسے پادر حضرات کا کلیسائی عقائد سے بیزار ہو کر اسلامی عقیدۂ توحید کو اختیار کرنا ظاہر کرتا ہے بلکہ خود مسلمان قوم بھی اصولِ صحیحہ قرآنیہ کی طرف رجوع کر رہے ہیں چنانچہ اس کے ثبوت میں حالیہ دو انقلابی نظریات قابلِ غور ہیں۔

وفاتِ مسیح کے عقیدہ کی قبولیت۔ حیاتِ مسیح اور آسمان سے مسیح ناصری کے نزول کے قائلین اب کہاں رہ گئے ہیں؟ پھر مغربی اقوام کو کانا دجّال کے نام سے موسوم کرکے ان پر تمام علامات بیان کردہ احادیث کو چسپاں کرنا حتّٰی کہ احادیث کے نشانات کو بیان کرکے نیچے امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ہنری کیسنجر کا کارٹون دینا جیسا کہ اخبار جنگ کراچی کے مضامین مؤرخہ ۲۵ و ۲۷ جون ۱۹۷۷ء کے اقتباسوں سے جو ہم نے اسی اخبار کے شیوع مؤرخہ ۶ جولائی ۱۹۷۷ء میں دیئے تھے ظاہر ہے۔

پھر گذشتہ برس شیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبوی کے بیان شائع ہوئے تھے جن میں برملا یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ دشمنِ اسلام یعنی دجّال کی اصل چال مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور ان کے ایمانوں کو وساوس کے ذریعہ کمزور کرنا ہے اور اس کا صحیح علاج توپ و تفنگ کی بجائے صحیح علم اور قلم کے ذریعہ مسلمانوں کو دینا واجب ہے۔ جس کا ذریعہ تبلیغ و اشاعتِ دینِ حقہ ہی ہے۔

اب کیا یہ وہی اصول نہیں جن کے اجاگر کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے ہیں اور جنہیں اب صرف انگریزی تعلیمیافتہ طبقہ ہی نہیں بلکہ علماء و امام مساجد بھی تسلیم کرتے اور ماننے پر مجبور ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ اصولِ حقہ ابدیہ کو بالآخر غلبہ حاصل ہے۔

---

[1] "THE MYTH OF GOD INCARNATE"
"انسانی شکل میں خدا کا ... یہ توہم پرستانہ عقیدہ ہے"
EDITED BY JOHN HICK (از جان ہک)

از جناب ایم رحیم بخش صاحب ایم اے - کراچی

دورِ حاضرہ میں نظامِ مصطفٰے کا نفاذ
اور
اس کا اوّلین داعی اور اولوالعزم علمبردار

پاکستان میں موجودہ انتخابات کے سلسلہ جن کی ابتداء مارچ ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ نظامِ مصطفٰے ایک سیاسی اصطلاح وضع کی گئی۔ جسے بطور منشور پیش کیا جا رہا ہے۔ اور جس سے مقصود سوائے نظامِ اسلام یا اسلامی نظام اور کچھ نہیں۔ اور سیاست کے میدان میں نظامِ مصطفٰے کا نعرہ اس طور سے بلند کیا جا رہا ہے۔ کہ گویا یہ ایک نئی تحریک ہے۔ حالانکہ پاکستان کا قیام ہی اس مقصد سے وابستہ ہے کہ یہ مملکت دین اسلام کے نظریہ پر قائم ہوئی اور اس کا دستور العمل اسلامی نظام ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے تیس سالہ دور میں حقیقی نظامِ اسلام کا نفاذ نہیں ہوا۔ اس لئے یہ نہایت مستحسن اور قابلِ ستائش امر ہے کہ آئندہ حکومت نظام مصطفٰے یعنے "نظامِ اسلام" پر صحیح طریق پر قائم کی جائے۔

باوجود اس کے نظامِ مصطفٰے کا منشور شد و مد سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ امور تا حال تشریح طلب ہیں کہ نظام مصطفٰے کیا ہے اور اس کا نفاذ کس طرح ہوگا۔ اور کس صورت میں اس پر عملدرآمد ہوگا۔ اس وقت یہ محض ایک سیاسی نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے جب تک نظامِ مصطفٰے کی صحیح حقیقت اور ماہیت سے روشناسی نہ ہو کہ اس کے نفاذ کی کیا صورت ہے۔ ایک سیاسی نعرہ کی حیثیت سے یہ امر لاحاصل ہے۔ البتہ یہ نعرہ دین کی آڑ میں سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ پس یہ ضرورت ہے کہ نظام مصطفٰے کا تجزیہ اسلامی تعلیمات اور ارشاداتِ قرآن کی رو سے اس کی تشریحات پوری تفصیل سے کی جائیں۔ اور اس پر عملدرآمد سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

قومی کردار، افراد کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے

درحقیقت ایک معاشرہ یا قوم۔ افراد اور نفوس کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور اس اجتماع کی تشکیل ان افراد کے انفرادی کردار اور اعمال پر منحصر ہے۔ اگر ایک قوم کا ہر فرد ایک اعلےٰ نصب العین پر یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ایک اعلےٰ اور مستحسن کردار کا حامل ہو۔ تو لازماً وہ معاشرہ اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی اور کامیابی اور فلاح سے ہمکنار ہوگی۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اور قوم کے افراد کی اخلاقی حالت پست ہو اور اس کا خود غرضی اور نفس پرستی کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو۔ تو وہ قوم حکومت کے بل پر اور قوانین کے وضع کرنے سے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہذا جب تک قوم اور معاشرے کا ہر فرد شعائرِ اسلام پر کاربند نہ ہو اور قرآنی احکاماتِ شریعت کا احترام نہ کرتا ہو۔ تو ایسی قوم پر نظامِ مصطفٰے کا نفاذ کیونکر ممکن ہے؟

یوں تو قرآن مجید ہر انسان کے لئے صحیح ایمان اور عمل صالح کی تلقین سے بھرا پڑا ہے اور تقوےٰ اور تزکیہ نفس پر بار بار اصرار کرتا ہے اور اسی لئے قرآن نے اپنے لئے "تذکرۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنے بار بار تقوےٰ اور اعمال صالح کی یاددہانی کراتا ہے۔ "انّ ھٰذہٖ تذکرۃ۔ فمن شاء اتخذ الیٰ ربّہٖ سبیلاً" (سورۃ دھر: ۲۹) لیکن سورۃ مؤمنون۔ سورۃ فرقان اور سورۃ بنی اسرائیل میں مؤمنین یعنی اسلام پر ایمان لانے والوں کی نمایاں خصوصیات اور فضائل بیان کئے گئے ہیں اور ارشاد فرمایا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے فلاح پائی اور جن کو عباد الرحمان سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان خصائل کا بیان قرآن حکیم کے الفاظ سے بہتر کسی طور پر نہیں ہو سکتا۔ اور ان آیات کی تلاوت قرأت کے ترنم سے کی جائے تو ایک روحانی وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ تو سنئے:-

ایک مسلمان فرد کی قرآنی خصوصیات

سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں ارشاد ہے:-

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خٰشعون۔

وہ مؤمن لوگ یقیناً کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں

والذین ھم عن اللغو معرضون۔

اور جو لوگ لغویات سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

والذین ھم للزکوٰۃ فٰعلون

اور جو پاکیزگی کے لئے سب کام کرتے ہیں۔

والذین ھم لفروجھم حٰفظون۔

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

والذین ھم لامٰنٰتھم وعھدھم راعون۔

اور جو اپنی امانتوں اور عہد کی پابندی کرتے ہیں۔

والذین ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون۔

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں

پھر سورۃ فرقان میں ارشاد ہے:-

"وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً و اذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلٰماً"

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے تو وہ سلام کہتے ہیں۔

"والذین یبیتون لربھم سجّداً و قیاماً"

اور وہ جو رات گذارتے ہیں اپنے ربّ کو سجدہ ریز ہو کر۔

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذالک قواماً"

اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ بر موقع تنگی کرتے ہیں۔

"والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرّم اللہ الّا بالحق ولا یزنون"

اور وہ جو اللہ کے سوا دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ انصاف چاہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

"والذین لا یشھدون الزور۔ واذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً۔"

اور وہ جو جھوٹ گواہی نہیں دیتے اور جب لغویات سے گذرتے ہیں تو باوقار نکل جاتے ہیں۔

"والذین اذا ذکروا بآیات ربھم۔ لم یخرّوا علیھا صمّاً و عمیاناً"

اور وہ کہ جب ان کے ربّ کے حکموں سے نصیحت کی جاتی ہے تو

تو ان پر بہرے اور گونگے ہو کر نہیں گرتے۔

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔"

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد سے ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

اور اب چند آیات سورۃ بنی اسرائیل کی ملاحظہ فرمائیں:-

" وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً۔"

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو۔

" اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلٰھما فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً"

اگر تیرے سامنے دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف (تک) نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر۔

......" وآت ذاالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً۔"

......اور قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو (بھی) اور بے جا خرچ کر کے (مال کو) نہ اُڑا۔

" ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین۔

مال اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

" وکان الشیطٰن لربہٖ کفوراً۔"

اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگذار ہے۔

" ولا تجعل یدک مغلولۃً الیٰ عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا اور ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

" ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق، نحن نرزقھم وایاکم، ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔"

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو، ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں (بھی) ان کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔

" ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃً، وساء سبیلاً۔"

اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کی بات ہے اور بری بات ہے۔

" ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق، ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہٖ سلطٰناً فلا یسرف فی القتل، انہ کان منصوراً۔

اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے مگر وہ قتل میں زیادتی نہ کرے اس لئے کہ اسے مدد دی گئی ہے۔

" ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتیٰ یبلغ اشدہ، واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً۔"

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس (طریق) سے جو نہایت عمدہ ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (ہر) عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

" واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذالک خیر واحسن تاویلاً۔"

اور جب تم ماپو تو ماپ کو پورا کرو اور سیدھی ترازو سے تولو یہ بہتر اور انجام کار بہت خوبی کی بات ہے۔

" ولا تقف ما لیس لک بہٖ علم، ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولاً۔"

اور اس کے پیچھے نہ لگ، جس کا تجھے علم نہیں، کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

" ولا تمش فی الارض مرحاً، انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً۔"

اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل، کیونکہ نہ تو تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچے گا۔

" کل ذالک کان سیئہ عند ربک مکروھاً۔"

ان سب کی برائی تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

مندرجہ بالا اقتباساتِ قرآن حمید سے ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کو کن صفات اور خصائل کا حامل ہونا چاہیئے۔ نیز وہ کیا احکاماتِ خداوندی ہیں جن کی بجا آوری سے ایک اسلامی معاشرہ تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ جب معاشرہ کا ہر فرد ان خطوط پر کاربند ہوگا۔ تو وہ معاشرہ اور قوم از خود اسلامی ڈھانچہ میں تشکیل پائے گا، اور نظامِ مصطفٰے کا اطلاق اس پر عائد ہو سکے گا۔ لیکن اگر قوم ان خصائلِ عالیہ سے بکلی عاری ہے۔ اور وہ اپنے کردار میں ان تعلیماتِ قرآنی کی علانیہ خلاف ورزی میں مصروفِ کار ہے۔ تو اس قوم پر "نظامِ مصطفٰے" کا نفاذ لاحاصل۔

ختمِ نبوت اور اصلاحِ اُمّت

درحقیقت معاشرے کی اصلاح اور قوم میں اعلےٰ اخلاق پیدا کرنے کا کام ابتدائے بنی آدم سے ایسے مقدس اور مطہر نفوس کے سپرد ہوتا ہے جن کو اللہ تعالےٰ اس کام کے لئے مبعوث کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام قوموں میں ان کی اصلاح کے لئے انبیاء کرام کا سلسلہ قائم کیا۔ اور وقتاً فوقتاً ہر قوم میں ان پاکیزہ اور برگزیدہ نفوس کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام سرانجام پاتا رہا۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اسلام ایک دین کامل کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اور تمام عالمِ انسانیت کے لئے تاقیامت اصلاح کا کام حضور سرورِ کائنات کے سپرد ہوا۔ اس وجہ سے سلسلہ نبوت آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات پر منقطع ہوا اور اس طرح حضور رسالت مآب خاتم الانبیاء قرار پائے۔ لیکن اصلاحِ اُمّت کا کام بتقاضائے فطرتِ انسانی پھر بھی باقی رہا۔ جو بامرِ الٰہی اُمّت کے اولیاء اللہ اور مجددین اور محدثین کے سپرد ہوا۔ چنانچہ ایسے پاک وجود سلسلہ وار صدی بصدی اصلاحِ اُمّت تجدیدِ دین کے لئے وقتاً فوقتاً اللہ تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے رہے اور اس مسلمہ حدیث قدسی "ان اللہ یبعث علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" کی تصدیق کرتے چلے آئے۔

تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ اصلاحِ اُمّت اور اشاعت اسلام اور نظامِ مصطفٰے کے نفاذ کا کام ان برگزیدہ نفوس قدسیہ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا رہا ہے۔ یہ کام محض حکومت یا قانون سازی سے وابستہ نہیں۔ بلکہ یہی نفوس پاک تھے جنہوں نے اُمتِ مسلمہ میں تطہیر معاشرہ اور تبلیغ دین کا کام بحکم الٰہی اپنے عہد میں سرانجام دیا۔ اور جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل انبیاء علیہم السلام سرانجام دیتے رہے۔ وہ کام اولیاء اللہ اور مجددین ملتِ اسلامیہ کے ذریعہ باحسن سرانجام پایا اور اسی لئے وہ اس حدیث قدسیہ کے مصداق ٹھہرے کہ "علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل"، یہ اس لئے مقدر ہوا۔ کہ اللہ تعالےٰ ایسے پاک

پاکیزہ نفوس کو ایک مقناطیسی قوّت عطا فرماتا ہے۔ جس سے یہ مرکزِ ثقل کی مانند مرجع خلائق ہو جاتے ہیں اور اپنی قوّتِ قدسیہ سے جو لوگ ان کے گرد پروانہ وار جمع ہو جاتے ہیں ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ انہیں خدا داد صلاحیتوں کے باعث یہ برگزیدہ ہستیاں اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کی زندگیوں میں ایک روحانی انقلاب برپا کرتے ہیں۔ یہی وہ مردِ مؤمن ہیں جن کے متعلق علّامہ اقبال نے کہا کہ ان کی ایک نظر سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

قوم اور معاشرہ کی اصلاح کا کام یہی خدا رسیدہ بندگان ہی بخیر و خوبی سر انجام دے سکتے ہیں۔ نظامِ اسلام یا سیاست کی اصطلاح میں "نظامِ مصطفٰے" کے نفاذ کا انحصار محض نہ حکومت پر ہے اور نہ ہی قانون سازی پر۔

اُمّتِ مسلمہ میں بعثتِ مجدّدین تسلیم شدہ حقیقت ہے

سنّتِ الٰہیہ کے مطابق ہر صدی میں سلسلۂ مجدّدین کی بعثت ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ اور حدیث نبوی "ان اللّٰہ یبعث علیٰ رأس ...." کی حقانیت پر تاریخ اسلام مہرِ تصدیق ثبت کر چکی ہے۔ تو پھر کیا چودھویں صدی ہجری بمطابق اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کسی مجدّد کے ظہور سے خالی رہی اور اب یہ سلسلہ بعثت مجدّدین منقطع ہو کر رہ گیا؟ لیکن ایسا نہیں۔ اس دَورِ جدید میں بھی ایک عظیم مجدّد مبعوث ہوا۔ اس دَور میں یہ صرف ایک شخص تھا جس نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ تجدید دین اور اصلاح اُمّت کے لئے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر پا کر مجدّدیت کے مقام عالی پر کھڑا کیا ہے۔ گو اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس مقدس ہستی کو۔ جو ان کی اصلاح و بہبود کے لئے بھیجی گئی تھی، گوشۂ فراموشی میں ڈال دیا۔ لیکن احیاء اور غلبۂ دین اسلام کا کام اور ایک روحانی انقلاب کا جو اس نے اپنے حلقہ عقیدت میں پیدا کیا، اس کا ایک عالم معترف ہے اس کی خدمات دین اسلام کے دفاع اور اس کی سربلندی کے لئے دَورِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق بےمثل اور بے نظیر ہیں اس نے نہ صرف مخالفین اور دشمنانِ دین میں عیسائی اور آریہ سماج پیش پیش تھے کے زہریلے پروپیگنڈا کا قلع قمع کیا بلکہ ان ادیانِ باطلہ کا ایسا پردہ چاک کیا کہ اس مردِ مجاہد کے مقابلہ میں سب باطل قوتیں بھاگ کھڑی ہوئیں۔ دوسری طرف اس مردِ مؤمن نے اسلام کی صداقت اور ایمان بالغیب کو اس حد تک اُجاگر کیا کہ حدیث نبوی کے وہ الفاظ کہ آخری زمانہ کا مجدّد ایمان کو ثریا سے واپس لائے گا" اس نے اپنی جماعت کی اس طرح تشکیل کی کہ اس میں ایمان باللہ۔ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّتِ کاملہ کے بارہ میں ایسی رُوح پھونکی اور تبلیغ دین کا ایسا زبردست جذبہ پیدا کیا کہ اس کے پیرو چاردانگِ عالم میں نکل پڑے اور اسلام کا جھنڈا مغربی ممالک تک میں گاڑ دیا۔ اور علّامہ اقبال کے اس شعر کا اطلاق اس زمانہ میں ثابت کر دیا کہ

"مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری"

اس جماعت کے ہر فرد کا کردار مثالی ہو گیا اور "نظام مصطفٰے" کا عملی نمونہ بن گیا۔ اس نے اپنی جماعت کو صحیح اسلامی ڈھانچہ میں ایسا ڈھال دیا کہ دُنیا حیران رہ گئی کہ اس زمانہ میں بھی وہ زمین پر فرشتے چلتے پھرتے نظر آئے۔ علّامہ اقبال اس نظارہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ اگر اس دَور میں صحابہ کرام رضؓ کا نمونہ دیکھنا ہو تو قادیان جا کر دیکھ لو۔

جماعتِ احمدیہ، ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ

یعنی وہ خطۂ زمین اللہ کے نُور یعنے دینِ اسلام سے چمک اُٹھی اور اللہ کا امر اس طرح پُورا ہُوا جس کا ذکر سورۃ جمعہ کے شروع میں ہے "واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم" کہ آخری زمانہ میں ایک مزکّی جماعت ہوگی۔ جو صحابہ کرامؓ کے نقشِ پا پر چل کر ان کا نمونہ ہوں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اس مردِ مؤمن کا ہمنشین ہوا اور جو کوئی اس کی صحبت اور تعلیم سے مستفیض ہوا اس کی کایا پلٹ دی گئی اور اس کا تزکیہ نفس اس کمال سے ہُوا۔ کہ اس جماعت کے ہر فرد کا تقوٰے۔ طہارت۔ سچائی۔ دیانت۔ ایفائے عہد اور حق گوئی ایک ضرب المثل بن گئی۔ حتیٰ کہ سرکاری عدالتوں میں جب یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی گواہ احمدی ہے تو اس کی گواہی قابل توثیق سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح ان کی پابندئ صوم و صلوٰۃ۔ تہجّد گزاری اور نمازوں میں خشوع و خضوع قابلِ دید اور قابلِ ستائش خوبیاں تھیں۔ اور ہیں۔

یہ تھا مجدّد صدی چہاردھم جس نے مسلمانانِ عالم کو اس وقت "نظام مصطفٰے" کی طرف بلایا۔ جب کہ اس کا ذکر تک بھی سوسائٹی میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور جس کا چرچا اس وقت پاکستان میں اس شدّ و مد سے کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں یہ سیاسی نعرے محض سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ ایک تحفظ ختم نبوّت، اور دوسرا موجودہ نعرہ "نظام مصطفٰے"۔ ان دونوں امور کے بارہ میں جو اعلان چودھویں صدی کے مجدّد نے کیا وہ ان کے چند اشعار سے نہایت بیّن طور پر واضح ہے۔ ختم نبوّت پر اس کے پُختہ عقیدہ تھا جس پر ذیل کے دو شعر شاہد ہیں :-

"ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دِل سے ہیں خدام ختم المرسلیں

ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوّت را بر وشد اختتام

"نظامِ مصطفٰے" کی دعوت اس نے یوں کی :-

ما مُسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا

اس مجدّد اعظم صدی چہاردہم نے کس طرح نظام مصطفٰے کا نفاذ اپنی جماعت پر وارد کیا اور کس طریق پر اس نے مسلمانانِ عالم کو نظام مصطفٰے پر عمل درآمد کے لئے دعوت دی۔ یہ اس کی دس شرائط بیعت سے اظہر من الشمس ہے۔

اپنے دعوئے مجددیّت کے کچھ عرصہ بعد اپنی جماعت کے قیام کے لئے اس نے ایک سلسلۂ بیعت جاری کیا۔ جس سے بیعت کنندہ اسلامی تعلیم پر مکمل طور پر چلنے کا عہد کرتا ہے۔ ان شرائط بیعت سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا کوئی دعوئ نبوّت نہ تھا۔ ورنہ نبی اپنی نبوّت کا اقرار لیتا ہے۔ اور اپنی اطاعت کو واجب کرتا ہے لیکن ان دس شرائط بیعت میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں بلکہ یہ شرائط شریعت محمدیہ کی پابندی اور قرآن کریم کی حاکمیت اور اطاعت پر ایک اقرار اور عہد نامہ ہے۔ اس مضمون کے شروع میں چند آیاتِ قرآنی کو پیش کیا گیا ہے۔ جو قرآن کی رُو سے مؤمنوں کی خصوصیات اور ان کے خصائل حسنہ بیان کرتی ہیں۔ ان آیات کے بالمقابل ان دس شرائط بیعت کو رکھا جائے تو ان میں کس قدر شدید مطابقت پائی جاتی ہے۔ گویا مجدّدِ وقت کی تشخیص میں جو روحانی اور اخلاقی بیماریاں مسلمانوں میں پائی جاتی اور مروج ہو چکی تھیں، ان کا ازالہ ان شرائط بیعت سے

مقصود تھا - انہی اخلاقی اور رُوحانی بیماریوں میں اَب بھی دنیائے اسلام ملوث ہے اور ہر طرف ان بُرائیوں کے علاج کی پکار ہے کیونکہ یہی علائق اور عوارض ہیں جو مسلمانانِ عالم کی پستی کا باعث ہیں -

یہ دس شرائط بیعت ملاحظہ ہوں

(۱) بیعت کنندہ سچّے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ ... اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہ ہوگا - اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے بموجب ابتدائی آیات سورۃ مؤمنون منقولہ بالا قرآن اور بیتی اسرائیل -

(۳) یہ کہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجّد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اس کی حمد و تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا - بموجب آیات سورۃ فرقان و سورۃ بنی اسرائیل منقولہ بالا -

(۴) یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنی نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا - زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے -

(۵) یہ کہ بہرحال ہر رنج اور راحت اور عسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حال راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا - اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا -

(۶) یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا - قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے اُوپر قبول کرے گا اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستورالعمل قرار دے گا -

(۷) یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا - بموجب آیت قرآن وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونًا و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلٰمًا -

(۸) یہ کہ دین اور دِین کی عزّت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنی عزت اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے ہر عزیز سے زیادہ عزیز سمجھے گا -

(۹) یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خُدا داد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا -

(۱۰) اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غُلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ) سے عقد اخوّت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوّت میں ایسا اعلےٰ درجہ کا ہوگا کہ اس نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو -

یہ ہیں وہ دس شرائط بیعت جن کی بناء پر مجدّد وقت نے اصلاحِ اُمّت کا بیڑا اُٹھایا یہی ہیں وہ اُصول جس پر اس نے "نظامِ مصطفےٰ" کی بنیادیں استوار کیں - اور قرآن کی حاکمیت کو ہر مسلمان کو اپنے پر وارد کرنے کی تلقین کی - ایک قلیل جماعت - بہت قلیل نے اس کے دامن کو پکڑا اور ان رُوحانی برکات سے مستفیض ہوئے اور قلیلاً ما تشکرون ...

تمام دنیا میں بلند کرنے میں کوشاں رہا - اس پر دعوٰے نبوت کا الزام لگایا گیا - حالانکہ اس نے ہر مُدعی نبوت بعد از رسالت مآب خاتم الانبیاء پر لعنت بھیجی - اس کو کذّاب اور مفتری کہا گیا حالانکہ وہ صدق و صفا کا مرقع تھا - اس پر تنسیخ جہاد کا بہتان لگایا گیا - حالانکہ اس نے بالفاظ حدیث نبوی - جہاد اکبر بذریعہ تزکیہ نفس و تبلیغ اسلام کی تلقین کی - اس کی تضحیک کی گئی مگر وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عزم امور کے مقام پر قائم رہا - اس کے انکار اور اس کی مخالفت سے اس کا تو کچھ نہ بگڑا - مگر اس کو ٹھکرانے سے مخالفین مورد آلام اور مصائب ٹھہرے - ذرا غور کا مقام ہے کہ پاکستان کا موجودہ بحران کیا اس مصلح ملت کو مسترد کرنے کے نتیجہ میں تو نہیں ؟

نظامِ مصطفےٰ، قرآنی احکامات پر عملدرآمد سے وجود میں آتا ہے

اور کیا یہ بحران جس سے پاکستان کی سالمیت بلکہ اس کے وجود کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے - اسی پاداش میں تو نہیں تھا - اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہی درپیش ہے کہ پاکستان میں ایک صحتمند اور ترقی پذیر معاشرہ صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب ہر مسلمان فرد وہ تزکیہ نفس حاصل کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا - جیسا کہ سُورۃ جمعہ میں ارشاد ہے :-

"هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة -"

مجدّد زمان نے اسی تزکیہ نفس کے سبق کو یاد دلایا اور جس پر عملدرآمد کے لئے اس نے عمر بھر تلقین اور تدریس کی - یہی وہ قرآنی فیوض اور برکات تھیں جن کو وہ ساتھ لے کر آیا - مگر یہ آواز مسلمانوں کے لئے صدا بصحرا ٹھہری - مسلمان قوم نے اس سے منہ پھیر کر ان فیوض اور برکات سے بے بہرہ رہنے میں اپنی کامیابی سمجھی اور بقول حضرت اقبالؒ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا - اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا -
مجدّد وقت نے اس درد کو اپنے سادہ الفاظ میں یوں بیان کیا :-

یارو خودی سے بھی باز آؤگے یا نہیں ؟
خو اپنی پاک و صاف بناؤگے یا نہیں ؟

غرض دورِ حاضرہ میں نظامِ اسلام، یا سیاست کی اصطلاح میں "نظامِ مصطفےٰ" کا اوّلیں داعی اور اولوالعزم علمبردار صدی چہاردہم کا مجدّد و امامِ زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ تھا - اور جن دس شرائط پر اُس نے "نظامِ مصطفےٰ" کو اپنی جماعت پر قائم کیا - انہی اصولوں پر عملدرآمد سے اب بھی پاکستان میں "نظامِ مصطفےٰ" کا نفاذ ممکن ہے - آج بھی جب سب مسلمان ان دس شرائط بیعت کو اپنا لیں - تو تمام سماجی برائیاں یکدم دُور ہو جائیں گی اور ہر قسم کے فسق و فجور سے معاشرہ پاک ہو جائے گا - ان شرائط بیعت جو

سراسر قرآنی احکام اور تعلیم پر مبنی ہیں۔ کی پیروی سے وہ تزکیۂ نفس حاصل ہو سکتا ہے جس پر "نظامِ مصطفےٰ" کا نفاذ منحصر ہے۔ اسی راہ کو دکھانے اور اس پر گامزن ہونے کے لئے ہی مجدّدِ زمان مبعوث ہُوا۔ اور اسی کے دامن سے وابستگی پر اُمّتِ مسلمہ کی فلاح اور بہبود مضمر ہے دینِ اسلام کی برکات اور اس کے محاسن پر اس نے گرانبہا اور بے مثل لٹریچر پیدا کیا۔ اور اس کو وہ نورٌ بتایا جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" اور اسکی طرف دُنیا کو یوں دعوت دی:

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور - اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے
مصطفےٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
جس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح اور فلاح کی خاطر جو سلسلہ مجدّدین مشیّت ایزدی سے جاری ہوا اس کی ابتداء خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور اس کی چودھویں کڑی پر اعلیٰ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رحمۃ اللہ علیہ کی بعثت اسی حدیثِ نبویؐ کی تصدیق و توثیق میں ہُوئی۔ یہ سب صالحین و مصلحین اُمّتِ مسلمہ کے لئے باعث انوار و برکاتِ الٰہیہ ہوتے ہیں، اور ان سے مستفید ہونے سے ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ اور ان مبارک ہستیوں کے انکار اور مخالفت سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ مگر ان کے مخالفین خود خسران میں رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس روحانی اور باطنی پاکیزگی اور طہارت سے محروم رہتے ہیں۔ ۔ البتہ یہ مصلحین اپنی قوم کو ان خطرات سے متنبہ کر دیتے ہیں جو ان کے مخالفین کو درپیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ مجدّد دوران نے اپنی قوم کو یوں انذار کیا:

"دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا
لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں
سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

اس انذار کے مدِّنظر سوچنا پڑتا ہے۔ کہ کیا یہ موجودہ سیاسی بحران جس سے پاکستان اس وقت دو چار ہے۔ اور جس سے اس کی ہستی کو خطرات پیدا ہو گئے ہیں کیا یہ ان زور آور حملوں کی نشاندہی تو تو نہیں کرتے؟۔ یہ قہر خداوندی سے ڈرنے کا مقام ہے۔

ہماری تو دُعا ہے کہ پاکستان اس المیہ سے صحیح سالم نکلے اور ایک متحدہ پاکستان کی صورت میں ایک عظیم مملکت بن کر اُبھرے۔ اور یہ مملکت پاکستان اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے قائم و دائم رہے۔ آمین۔

چودھویں صدی کے مجدّد کے انکار کا نتیجہ کیا نکلا؟

بہرحال یہ مقدس اور پُر انوار ہستیاں زمرۂ اولیاء اللہ سے بطور مجدّدین مبعوث ہوتی ہیں۔ اور ملّتِ اسلامیہ کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دَور میں چمنِ اسلام کی آبیاری کریں اور اس گلشن کو ہر دم تر و تازہ اور شاداب رکھیں رحمۃ اللہ علیہ اجمعین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

بالآخر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ متحدہ پاکستان کا قیام لازماً اتحادِ اسلام سے وابستہ ہے جس کے لئے کلمۂ توحید "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" ایک اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ملّتِ اسلامیہ میں مختلف فرقوں کی آپس میں تکفیر سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے اس سے اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ تمام مسلمانانِ عالم اور خاصکر پاکستان کے مسلمان صرف کلمہ طیبّہ کی بناء پر متحد رہ سکتے ہیں۔ موجودہ بحران کے حل کی صورت بہت حد تک اسی سے نکل سکتی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آئین پاکستان میں ایک دفعہ شامل کی جائے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے لیکن جو کسی کلمہ گو کو کافر قرار دیتا ہے، اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔ مسلمان، کی اس تعریف سے فرقہ بندی ختم ہو جائے گی اور تکفیر بازی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ جس سے اتحادِ اسلام ایک ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گا۔

یہ اصول بموجب حدیث نبوی صلعم بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا قائم کردہ ہے۔ اور جماعتِ احمدیہ (لاہور) پچھلے ساٹھ برس سے اسی اصول پر قائم اور اسکی علمبردار رہی ہے اور اس کو پیش کرنے میں پیش پیش رہی ہے لیکن کیا ستم ظریفی ہے کہ ایسی صلح کُل اور قرآن و حدیث کے اُصولوں پر مبنی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ازالہ بھی مجوزہ مسلمان کی تعریف سے ہو سکتا ہے۔

ملفوظات ـــــ بسلسلۂ صفحہ اوّل

کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فنافی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللّٰھم صلّ وسلّم و بارک علیہ و اٰلہ بعدد ھمّہ و غمّہ وحزنہ لھٰذہ الاُمّۃ و انزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔ (برکات الدعا)

یہ بھی تقوٰی کی ایک شاخ ہے

ہماری جماعت یہ غم کل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگائیں کہ ان میں تقوےٰ ہے یا نہیں۔ اہلِ تقوےٰ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرے۔ یہ تقوےٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لئے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ عُجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی کبھی خود غضب عجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا، جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں۔ (منظور الٰہی ص۴۲)

فطرانۂ عید

اس سال اڑھائی روپیہ فی کس ہوگا

عیدالفطر کے دن نمازِ عید سے پیشتر گھر کے ہر فرد کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس دفعہ اڑھائی روپیہ فی کس فطرانہ مقرر کیا گیا ہے۔ تمام احباب اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری اور محاسب صاحبان کو عید سے پہلے مقررہ شرح کے مطابق فطرانہ ادا کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

(افسر تحصیل)

جناب این اے فاروقی صاحب
ترجمہ: ابو سلمان ایم۔اے } ــــ بشکریہ "لائٹ" ــــ

حیات بعد الموت

(قسط نمبر ۳)

جیسا کہ میرے پچھلے مضمون میں بیان کیا گیا ہے۔ مغربی دُنیا میں کچھ عرصہ سے کتابیں اور مضامین شائع ہو رہے ہیں، جن میں ان لوگوں کے تجربات اور مشاہدات درج ہیں، جو از رُوئے کلینک مر چکے تھے یعنے ان کی حرکت قلب بند ہو چکی تھی، اور اسی طرح ان کا سانس اور دورانِ خون بند ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی ان کا ذہن و شعور نہیں مرا تھا کہ دوبارہ زندہ کرنے کے جدید ذرائع سے کام لے کر ان کو ہوش میں لایا گیا۔

ایسا ہونا ممکن ہے اور ایسا ہوگا اس بارے میں قرآن کریم میں تقریباً چودہ سو سال پہلے حیرت انگیز طور پیش گوئی کی گئی ہے، ارشاد ہے:۔

" ولو اننا نزّلنا الیھم الملائکۃ و کلّمھم الموتیٰ
وحشرنا علیھم کل شئ قبلا مّا کانوا لیؤمنوا
الّا ان یشاء اللہ ولٰکن اکثرھم یجھلون۔
(سورۃ الانعام ۶: ۱۱۲)

اور اگر ہم اُن پر فرشتے نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور سب چیزوں کو ان کے سامنے لا اکٹھا کرتے اور وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے سوائے اس کے کہ اللہ چاہے لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔

جیسا کہ میرے پچھلے مضمون میں ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ عرصہ سے مُردوں سے باتیں کروائی گئی ہیں تو ان کے مطابق انہوں نے من جملہ اور سب چیزوں کے فرشتوں اور دوسری چیزوں کو دیکھا "جو ان کے سامنے لا اکٹھی کی گئیں"۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جن تمام مناظر کے بارے میں انہوں نے بالاتفاق "اپنی کلینیکل موت" کے مختصر عرصہ کے دوران اتنا کچھ دیکھ نہ سکتے تھے جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کی حقیقت و قطعیت پر ان کے ایمان سے اور جو ڈاکٹر اور معالجہ دماغی کے ماہرین و محققین ان کے پاس موجود تھے یا ان کا انٹرویو لے رہے تھے، ان حضرات کی طرف سے مرنے والوں کے یقین کُلّی اور بیّن صداقت کی تصدیق سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ کافر لوگ اب حیات بعد الموت پر ایمان لے آئیں۔

جب موت سے آمنا سامنا ہوگا

{ شہرۂ عالم جریدہ ــــ ریڈرز ڈائجسٹ کے نومبر ۱۹۷۶ء کے شمارے میں عنوان بالا پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں اس موضوع کی معروف و مستند ڈاکٹر الزبتھ کیبلر روز سے چند سوالات کئے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ موت کے بعد کوئی زندگی ہے؟

جواب: از رُوئے کلینک موت وارد ہونے کے کم و بیش ایک منٹ بعد میں نے ہمیشہ کوئی نہ کوئی اہم بات ہوتے محسوس کی ہے۔ میرے بیشتر مریض، حتیٰ کہ وہ بھی جن کو نہایت اذیّت ناک موت آئی تھی، ان کے چہرے بشرے بھی عجیب طور پر پُرسکون و پُراطمینان ہوتے تھے۔

سوال: اپنی پہلی مثبت شہادت کے بارے میں آپ کیا بیان کرنا چاہیں گے؟

جواب: تقریباً سات سال ہوئے کہ ایک مریضہ جس کو آخری لمحہ تک دوبارہ زندہ کرنے کی ہر قسم کی بہترین ممکنہ مساعی کے باوجود مردہ قرار دے دیا گیا تھا۔ وہ ساڑھے تین گھنٹے کے بعد از خود زندہ ہوگئی۔ اس نے اپنے محسوسات کے بارے مجھے بتایا کہ وہ اپنے مادی جسم سے باہر نکل کر ہوا میں معلق ہوگئی تھی اور وہ اپنی لاش پر عمل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہوش میں لانے والی ٹیم کے بارے میں بہ تفصیل بیان کیا کہ کون کون وہاں موجود تھے، کون کون مایوس ہو کر کہتا کہ چھوڑ دیا جائے، اب کوشش عبث ہے، اور کون کون تھا جو کہتا تھا کہ نہیں ہمیں کوشش جاری رکھنا چاہیئے۔ اور وہ کون تھا جس نے تھکاوٹ و ہیجان کو ختم کرنے کے لئے ہنسی مذاق کیا تھا۔ اس نے مجھے میرا پہلا سراغ دیا۔

اس کے بعد میں نے دُنیا بھر بیسیوں موت کے حادثات کی تحقیقات کی ہے جن میں مذہبی لوگ بھی تھے اور غیر مذہبی بھی۔ ایک شخص تو ساڑھے بارہ گھنٹے تک مُردہ رہا۔ ان سب کا ایسا ہی بنیادی تجربہ تھا۔

سوال: یہ لوگ آخری وقت کی واردات کو کیسے بیان کرتے ہیں۔؟

جواب: وہ اپنے مادی جسموں کو فی الواقع چھوڑ دیتے ہیں جس طرح تتلی اپنے کوئے سے باہر نکل آتی ہے۔ وہ سکون و اطمینان کے احساس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو نہ کوئی دُکھ درد ہوتا ہے نہ تردّد و پریشانی وہ مکمّل اور سراسر صحیح و سالم ہوتے ہیں۔ ایک شخص جس کی ٹانگ موٹر گاڑی کے حادثہ میں کٹ گئی تھی وہ جائے حادثہ پر ہوا میں معلق ہوا اور بچاؤ کی کوشش بغور دیکھی۔ وہ بڑے آسودہ خاطر اور مطمئن تھے اور دوبارہ زندہ کرنے کی مساعی سے بعض اوقات وہ بڑے ہی آزردہ ہوئے۔ کیونکہ وہ ایک خوفناک وجود، ناسوری جسموں، کٹے پھٹے ہاتھ پاؤں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی دوبارہ مرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔

سوال: آپ کے اس نتیجہ نے، کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے۔ آپ میں کوئی تبدیلی پیدا کی؟

جواب: اگر مجھے یہ گھر اور اس میں کی ہر شئے چھوڑنا پڑتی تو میں کوئی پرواہ نہ کرتی۔ مرتے مریضوں کے ساتھ اپنے کام کی وجہ سے میں جانتی ہوں کہ غروب آفتاب کو دیکھنا یا سبزہ زار پر تیتر کے بچوں کو دیکھنا زیادہ اہم ہے۔ اگر تم مرتے مریضوں کو کہتے ہوئے سُنتے ہو "کاش مجھے اپنے بچوں کا پتہ چل جائے۔ کاش......" تو تم اپنی زندگی پر غور کرنا شروع کر دیتے۔

۲۳ مارچ کو جب میں اپنی بیوی کے ساتھ دس منٹ کی سیر و تفریح کے لئے گھر سے نکلا تو مجھے معلوم نہ تھا کہ میں دو ہفتے کے لئے چلا جاؤں گا۔ میری یہ وہ سیر تھی جو کہ آخر کار ہم سب نے کرنا ہے۔ جہاں سے صرف چند لوگ ہی واپس ہوتے ہیں۔

یہ ہفتہ کی حسین صبح تھی۔ ہم سیر و تفریح کر چکے تھے اور بوسٹن پوسٹ روڈ کے ساتھ ساتھ مماروننک نیویارک میں گھر کی طرف کار میں واپس آ رہے تھے۔ صبح کے دس بجکر ۵۲ منٹ ہوئے تھے۔ میں ایک گیلس سٹیشن کے بالمقابل سُرخ بتّی پر ٹھہرا ہی تھا، میرا طویل عجیب و غریب سفر شروع ہونے کو تھا۔ اگلے چند منٹوں میں کیا ہوا، یہ سب کچھ میں اپنی بیوی کی زبانی سناتا ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ میں ایک بالکل متحیّر انسان کی طرح فوراً جان گئی کہ وہ نہ تو میری آواز سُن سکتا اور نہ مجھے دیکھ سکتا تھا۔

میں نے ایمرجنسی بریک اُوپر کھینچ لیا۔ میں نے اس کو آسرا رکھنے کی پُرزور استدعا کی اور مدد کے لئے چیخی چلّائی۔ بتّی تبدیل ہوگئی اور میری کار کے ارد گرد ٹریفک شروع ہوگئی۔ کسی نے مجھ پر توجّہ نہ کی۔ میرے خاوند کا رنگ اب بھورا زرد ہو چکا تھا۔ اس کا منہ نکل گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں بظاہر ایک حیران کن منظر کو دیکھ رہی ہیں میں نے

اضطراری حالت میں اس کو دوسری سیٹ پر کھینچ لانے کی کوشش کی تاکہ اسے ہسپتال لے جا سکوں۔ پھر میرے وا ویلے سے گیس اسٹیشن کا مالک فرینک متوجہ ہُوا جس نے پولیس کو فون کیا۔

اب دس بج کر ۵۵ منٹ ہوئے تھے۔ میری حرکت قلب کو بند ہوئے تین منٹ گذر چکے تھے ابتدائی طبّی امداد کے کتابچہ کے مطابق :-

"جب سانس اور دل کی دھڑکن بند ہوجائے اور ان کو کسی مصنوعی طریقہ سے شروع نہ کیا جائے تو موت یقینی ہوتی ہے اس لئے مصنوعی طور پر زندہ کرنا فوراً شروع کر دینا چاہیئے۔" سانس گنے جائیں۔

وقت گذر رہا تھا۔ اگلے ۶۰ سکنڈ میں میرے دماغ کے خلیئے مرنا شروع ہو سکتے تھے۔

پہلا اتفاق یہ ہوا کہ پیشتر اس کے کہ پولیس ہیڈ کوارٹرز ایمرجنسی کال کرتے۔ جیمز ڈونیلان نامی آفیسر بوسٹن پوسٹ روڈ کے ساتھ گشت کرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہماری کار ٹھہرائی گئی تھی۔ اس نے میری نبض اور سانس دیکھا۔ کچھ نہ پا کر اس نے مجھے مسٹر کولن جیلاٹی کی مدد سے باہر نکالا اور فوراً ہی قلب و پھیپھڑے کو دوبارہ متحرک کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

اسی اثنا میں پولیس مخبر ایک آفیسر میپن سینا کے پاس پہنچا، جو اتفاق سے اس جائے وقوع سے صرف آدھ میل کے فاصلہ پر گشت کر رہا تھا۔ وہ آدھ منٹ سے بھی کم وقفہ میں میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اپنی کار سے ایک آکسیجن ٹینک اور وہ آلہ جھٹکے کے ساتھ باہر نکالا جو پھیپھڑوں میں ہوا داخل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے چند ہی سیکنڈ میں اس نے نقاب میرے منہ پر ڈال دیا۔ ڈونیلان نے میرے دل کی ہلکی ہلکی مالش شروع کر دی۔

پولیس ہیڈ کوارٹرز نے ہنگامی حفاظتی عملہ کو بھی ریڈیو سگنل کے ذریعہ ہوشیار کر دیا تھا۔ جب اس کا سگنل بند ہوا تو مائیکل جو رضاکار فائر مین اور تربیت یافتہ ایمرجنسی میڈیکل ٹیکنیشن تھا وہ اس وقت معائنہ کر رہا تھا اس نے اُوپر دیکھا تو کم و بیش پچاس گز کے فاصلے پر ڈونیلان اور سینا کو لاش پر عمل کرتے دیکھا۔ میکل نے سیدھا ہوا دوڑ لگائی اور الارم کی آواز سننے کے بعد محض دس سیکنڈ میں وہ موقع پر پہنچ گیا۔

دس بج کر چھپّن منٹ ہوئے تھے، میکل جن کا وزن ۲۷۰ پونڈ تھا اس نے بڑی نرمی سے دل کی مالش کی۔

درست اوقات { عجیب و غریب اتفاقات شروع ہوئے۔ ہنگامی اعلان ٹھیک لمحہ ختم ہُوا جبکہ پیٹر رونالڈ۔ جیپ اور رچرڈ اور پال فائر ہاؤس میں شفٹ تبدیل کرنے کے لئے اکٹھے ہو رہے تھے بعد از لمحہ وہ چلے گئے ہوتے۔ امبولینس وہاں موجود تھی وہ اس میں بیٹھ گئے۔ اس میں پانچ تربیت یافتہ ابتدائی طبّی امداد کے ماہر تھے۔ ایمبولینس تین منٹ بعد پہنچی۔ دس بج کر ۵۹ منٹ ہو چکے تھے۔

(باقی ـــــ باقی)

جناب این اے فاروقی صاحب }
ترجمہ: ابو سلمان ایم اے } ـــــــ (بشکریہ لائٹ)

حیات بعد الموت

(بسلسلہ اشاعت ۲۴ اگست ۱۹۷۷ء ـــــ (قسط نمبر ۲)

توضیحات

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریب المرگ مشاہدات محض تکمیل خواہش کے خواب، ذہنی انتشار یا فریب نظر ہیں۔ جو مختلف اسباب کی بناء پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان اسباب میں حادثہ کے وقت دی گئی ادویا، آکسیجن کی کمی یا مختلف جسمانی عارضہ وغیرہ شامل ہیں

اس طرح وہ قریب المرگ مشاہدات کو دھوکہ، فریب، خام خیالی، اور وسوسہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیگر اسباب میں اعصابی اور نفسیاتی خرابی بھی شامل ہے جو فریبِ نظر کی موجب ہوتی ہے۔

میرے نزدیک مختلف عوامل ان توضیحات کے خلاف جاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ متعدد امور ان خیالات کی تردید کر دیتے ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ بیانات کے مضمون اور سلسلہ میں بڑی گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ حقیقت ہے کہ وہ لوگ جن سے میری ملاقات ہوئی ہے وہ کسی دماغی یا دوسری قسم کے عوارض کا شکار نہ تھے۔ وہ کاروباری تھے، اہم و مقتدر عہدوں پر فائز تھے اور اپنے فرائض منصبی کو بڑی ذمہ داری سے ادا کرتے تھے۔ وہ کامیاب شادی شدہ تھے، اور اپنے بال بچوں عزیز و اقربا اور احباب کے ساتھ پُر مُسرت زندگی گذار رہے تھے جن لوگوں سے میں ملا ہوں، ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی زندگی کے دوران صرف ایک پُر اسرار یا مافوق الفطرت واقعہ سے زیادہ پیش نہ آیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ اطلاع دہندگان ایسے تھے جو خوابوں اور مشاہدات در بیداری میں واضح تمیز کر سکتے تھے۔ تاہم اپنے بیانات کے دوران انہوں نے تقریباً ہمیشہ مجھے یہی یقین دلایا کہ ان کے یہ تجربات خواب نہیں ہیں بلکہ وہ قطعی اور یقیناً حقیقت ہے۔

میں نے نفسیاتی اور اعصابی طور پر فریب نظر میں مبتلا کی گئی متعدد مثالوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات قریب المرگ مشاہدات کی کیفیتیں دوبارہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن مرتے وقت کے مشاہدات و تجربات کے مقابلہ میں وہ نہ تو اتنی مکمل ہوتی ہیں نہ حقیقی ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی کسی طرح متاثر کُن ہوتی ہیں۔

میرا یہ مضمون نا تمام ہے۔ اس کے اندر کوئی شہادت اور ثبوت نہیں۔ تاہم کچھ احساسات ہیں، سوالات ہیں، قیاسات ہیں، تمثیلات اور حیران کُن امور ہیں جو وضاحت طلب ہیں۔ تاہم میرا یقین ہے کہ موت کی حقیقت پر کسی قسم کی تحقیق و تدقیق اچھا کام ہے۔ موت کے بارے میں جو کچھ بھی ہم سمجھ سکیں اس سے ہماری زندگیوں میں نمایاں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اگر اس قسم کے مشاہدات جو میں نے بیان کئے ہیں حقیقی ہیں تو یہ ہماری زندگی میں گہرے نتائج کے حامل ہیں اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہم جب تک عالم ماورئی کی کوئی جھلک نہیں پا لیتے اس وقت تک ہم اس دنیا کی زندگی کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے

قرآن کریم کو تمام الہامی کتابوں پر سبقت حاصل ہے کہ اس میں حیات بعد الموت کے بارے میں سیر حاصل تفصیل پائی

(باقی کالم اول کے نیچے)

بقیہ از کالم نمبر (۲)

جاتی ہے تاکہ اس کی روشنی میں انسان ابدی زندگی کے حصول کے لئے اپنے آپ کو اچھی طرح کر لے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:- دُنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ تم اس میں بوؤ گے وہی کچھ آخرت میں کاٹو گے۔

عِیدُ الفِطر کے مسائِل

۱۔ عیدالفطر کے دن صبح سویرے اُٹھ کر غُسل کرنا، صاف کپڑے پہننا خوشبو لگانا، عیدگاہ کو جانے سے قبل ناشتہ کرنا سنت ہے۔

۲۔ عیدگاہ کو جاتے ہُوئے تکبیر و تہلیل و ذکرِ الٰہی کرتے جانا افضل ہے

۳۔ **عید سے قبل صدقہ فطر ادا کر دینا چاہیئے۔** جو صدقہ عید کے بعد ادا کیا جائے گا وہ معمولی صدقہ شمار ہوگا اسے صدقہ عیدالفطر نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ عیدالفطر روزوں کے ایّام میں بعض کمزوریوں کے سرزد ہونے کی تلافی کے لئے ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ غرباء و مساکین کی مدد ہو جاتی ہے جس سے وہ بھی اپنی عید منا سکتے ہیں۔ گویا ساری قوم کو عید میں شمولیت کا موقع مل جاتا ہے۔ **مساکین محروم نہیں رہتے۔** صدقہ عیدالفطر ہر ایک فرد پر واجب ہے۔ خواہ وہ عید کی صبح ہی پیدا ہوا ہے۔ عورتوں، بچوں اور ملازموں کا صدقہ فطر ان کے شوہروں، والدین اور سرپرستوں کے ذمّہ ہے۔ جو ان کے رزق کے کفیل ہیں۔ امسال **صدقۂ فطر دو روپے پچاس پیسے** فی کس مقرر کیا گیا ہے۔

۴۔ عید کی نماز دو رکعت ہوتی ہے۔ اس میں اذان، تکبیر و اقامت کوئی نہیں۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ سے قبل سات تکبیریں ہیں اور پھر اسی طرح دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ سے قبل ۵ تکبیریں ہیں۔ تکبیروں کے درمیان ہاتھ کھلے چھوڑ دینے چاہئیں۔ قرأت جہری ہوتی ہے۔

۵۔ **نماز کے بعد خطبہ مسنون ہے۔** چونکہ یہاں کی زبان اُردو ہے اس لئے قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اُردو ہی میں مسائل اور مہماتِ ضروریہ پر تقریر کرنی چاہیئے۔ سامعین کو خطبہ غور سے سُننا چاہیئے۔ خطبہ کے دوران آپس میں باتیں کرنا و معانقہ کرنا وغیرہ خطبہ کے آداب کے خلاف ہے۔ خطبہ مختصر ہونا چاہیئے تاکہ لوگوں پر بارِ خاطر نہ ہو۔

۶۔ **خُطبہ کے درمیان بیٹھنا نہیں چاہیئے** کیونکہ یہ خطبہ عید خطبۂ جمعہ کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی خطبہ ہے۔

۷۔ خطبہ کے اختتام پر واپسی کے وقت جماعت کی شکل میں چلنا افضل ہے۔ کہ اس سے اسلام کی شوکت و دبدبہ کا اظہار ہوتا ہے اس لئے جس راستہ سے آئیں، اس راستہ کے بجائے کسی دوسرے راستہ سے واپس ہونا بھی مستحسن اور مسنون ہے۔

۸۔ عید کے دن آپس میں مِلنا جُلنا اور ایک دوسرے کو ہدایا اور تحائف دینا یا طعام میں شریک کرنا تمدّن کے لیے نہایت ہی مستحسن چیز ہے۔ عیدگاہ سے واپسی پر گھر میں گھس کر دن کاٹ دینا قومی مردگی کی علامت ہوتی ہے۔

۹۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ سے احمدی جماعت افراد صدقۂ فطر کا کل حصّہ یا اکثر حصّہ انجمن کے بیت المال میں بھیجدیتے ہیں۔ اس لئے سب احباب کو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور نماز عید سے قبل اپنا **فطرانہ** جماعت کو ادا کر دینا چاہیئے۔

۱۰۔ **صدقۂ عیدالفطر** کے علاوہ ایک روپیہ فی کس **عید فنڈ** بھی مقرر ہے۔ کیونکہ اس خوشی کے دن اسلام کا بھی کچھ حق ہے۔

عیدالفطر کیا ہے؟ اداریہ

رمضان المُبارک کے مجاہدہ کے بعد عیدُ الفِطر ایک انتہائی رُوحانی انبساط اور خوشی کا دن ہے۔ اسلامی نکتہ نگاہ سے حقیقی خوشی وہی ہے جو کہ انسان مشکلات کا مقابلہ کرکے حاصل کرے۔ اس میں سبق ہے کہ کہ دُنیا میں وہی قوم بامِ عروج تک پہنچتی ہے۔ جو صعوبت کش ہو اور دشواریوں کو دعوت مقابلہ دے۔ اور ناز نعمت میں رہنا جس کا شیوہ نہ ہو۔ .... یہ صالح قوم جب انتہائی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد اپنے دینی اور دُنیوی معراج کو حاصل کر لیتی ہے تو اس وقت اس کے اپنے قلب کے اندر جو خوشی کے جذبات ہوتے ہیں وہ حقیقی خوشی کے آئینہ دار ہیں اور وہ حقیقی خوشی ہی درحقیقت عید ہے۔ سو عیدالفطر درحقیقت مردِ مؤمن کے قلب کی اس کیفیت کو واضح اور واشگاف کرتی ہے جو اسے مجاہدہ کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

عید مسلمان کے لئے روزہ کے بعد وہ مقام ہے جہاں وہ خدا اور عالمِ روحانی کو خود ایک زندہ حقیقت کی طرح محسوس کرتا ہے۔ رمضان اور عیدالفطر میں ایک زبردست تمثیل بیان کی گئی ہے۔ اور ایک فلسفۂ حیات پیش کیا گیا ہے جس کے بغیر انسان کبھی منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ کبھی رستگاری حاصل کر سکتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ ابھی مجاہدہ کے دور میں ہے۔ وہ نہایت جفاکشی کے ساتھ اشاعتِ اسلام کر رہی ہے اور اس راستہ میں ہر قسم کا ایثار کر رہی ہے۔ لیکن اس کی **عید** اس وقت ہوگی جبکہ دنیا میں غلبۂ اسلام ہوگا۔ اور دُنیا کے ایک کنارہ سے لے کر دوسرے کنارہ تک خدا اور خدا کے رسول کا نام گونج رہا ہوگا۔ مادیت اور قومیت کے بُت پاش پاش ہو جائیں گے اور دنیا ایک رُوحانی معیار اور فلسفہ حیات کو اختیار کر لے گی۔ اور گذشتہ نظامِ حیات کو خیرباد کہہ دے گی۔ جس کی وجہ سے دُنیا میں اس قدر تباہی اور بربادی ہو رہی ہے۔

سو اس **رمضان المبارک** اور **عید** میں غلبۂ اسلام اور اس کے لئے مجاہدات کو متشکل کرکے دکھایا گیا ہے۔ یعنے اس وقت دُنیا میں غلبۂ اسلام نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس راستہ میں ہم پسینہ کی جگہ خون نہ بہائیں اور روپیہ کو خدا تعالےٰ کی راہ میں بے دریغ خرچ نہ کریں۔

عید ہمیں اس دن کی یاد دلاتی ہے جب کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشی کا دن ہوگا۔ سو ہمیں عید کو مناتے ہوئے اس عید کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے جو کہ ایک احمدی کا حقیقی نصب العین ہے۔

ایسے خوشی کے موقع پر

ہمیں جماعت کی ان تحریکات کو نہ بھولنا چاہیئے جو اس دن کے لئے مخصوص ہیں ۔

پیغامِ صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں (مینیجر)

۴۵ ہے۔ احباب کو اس فنڈ کی طرف بھی خاص توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ اور تمام رقوم جمع کرکے انجمن کے بیت المال میں بھیج دینی چاہیئے۔ یہ ایک مالی جہاد ہے۔ لہٰذا اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دُعاؤں اور حصولِ قربِ الٰہی کا مہینہ

احبابِ سلسلہ کی خدمت میں التماس

ذیل کا مضمون حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے رمضان شریف کی برکات اور اس میں قبولیتِ دُعا کے نمونہ کے طور پر جون ۱۹۵۲ء میں رقم فرمایا تھا۔ یہ اپنے موضوع اور اپنی افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ احباب کی خدمت میں اسے دوبارہ پیش کیا جائے (ادارہ)

رمضان المبارک کا مہینہ دعاؤں اور خدا کا قرب حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ ہر جگہ تمام جماعتوں میں اس کی تاکید کی جائے کہ اس ماہ مبارک میں کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔

احباب سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور دینِ اسلام کی ترقی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کی کامیابی اور اپنی رُوحانی فلاح کے لئے دُعائیں مانگیں ترتیب دُعا کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سب سے پہلے دینِ اسلام کی اشاعت محمد رسول اللہ صلعم کی قبولیت۔ سلسلہ عالیہ کی ترقی۔ جماعت کے حاجت مند۔ بیمار اور ابتلاؤں میں مبتلا دوستوں کی شفا اور ان کی مشکل کشائی کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور عاجزی سے دُعا کی جائے۔ جو لوگ آپ کے زیرِ تبلیغ ہوں خواہ وہ کیسے ہی مخالف اور دشمن کیوں نہ ہوں ان کے شرح صدر کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی جائے آپ کے دل کے اندر ان کی انتہائی ہمدردی کا جذبہ موجود رہنا چاہیئے۔

اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیا جائے کہ جو دوسروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور صمیم قلب سے دُعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کا کفیل ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا کہ ہسپتال میں وہی مریض جلد شفایاب ہوا جو دوسروں کے لئے دُعا کرتا ہے۔

انفرادی اور ذاتی مشکلات کو دُور کرنے کے لئے یہ دُعا مؤثر ہے

اے میرے محسن و اے میرے خدا
اک ہوں ناکارہ میں بندہ ترا
پُر گناہوں سے ہوں اور غفلت سے
سر ہوا اُٹھ نہ سکے خجلت سے
کیا ظلم پہ ظلم میں نے سدا
انعام پہ انعام تو نے کیا
دیکھا عصیاں پہ ہے عصیاں تو نے
کیا احساں پہ ہے احساں تو نے
پردہ پوشی کی ہمیشہ میری
انتہا ہے نہ رحمت کی تیری
ہوئی جس قدر مجھ سے بے باکی
ناسپاسی ہوئی مجھ سے جتنی
فضل سے اپنے کر تو معاف اے مولا
تیرے سوا نہیں کوئی دوسرا
رحم کر آپ بھی تو اس نالائق پہ
تیرا بندہ ہوں میں عاجز مضطر
دے رہائی میرے غم سے مجھے
چارہ گر ہے نہ کوئی جز تیرے

اگر آپ کسی انتہائی دُکھ اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو دُعا کے مذکورہ کے ساتھ ہی روزہ رکھتے ہوئے حسب توفیق صدقہ و خیرات بھی کریں۔ اگر اس کی توفیق نہ ہو تو اپنی کسی بد عادت، کسی امر میں سستی اور غفلت کو کلّی طور پر ترک کرنے کا مضبوط عہد کریں۔ کسی نیک عادت کو اختیار کرنے تبلیغ اسلام کے لئے اپنے اوقات وقف کرنے یا دین کی خدمت کے لئے کسی کتاب کے لکھنے، اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے کوئی رقم وقف کرنے کی نیت کریں۔ یہ حل مشکلات کا نہایت ہی مجرب طریق ہے۔

ہمارے اس ملک میں پہلی مرتبہ جب انفلوئنزا کا حملہ ہوا اور بڑی بڑی قیمتی ہستیاں ہم سے جُدا ہو گئیں۔ میں اور میری اہلیہ دونوں اس بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ میری اہلیہ تو ایک ہفتہ اندر اپنے مولا سے جا ملی مگر میں اس بیماری میں لٹک کر رہ گیا۔ حالانکہ دونوں کی بیماری کے علامات ایک جیسے تھے۔ میری یہ خطرناک بیماری ایک ماہ تک طوالت پکڑ گئی۔ سلسلہ کے چھ ڈاکٹر میرا علاج کر رہے تھے۔ مگر بیماری کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی چلی گئی بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک روز میں بخار اور سر درد کی شدت کی وجہ سے اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اس بے چارگی کے عالم میں میں نے یہ دُعا کی :—

"اے اللہ میں نے سنسکرت زبان، ہندو دھرم اور دیگر مذاہب کے مطالعہ سے اسلام کی صداقت پر اطمینان حاصل کیا ہے مگر مجھے ابھی کام کا موقعہ نہیں ملا۔ موت ہر شخص کے لئے ناگزیر ہے۔ مجھے اپنے مرنے کا کوئی افسوس نہ ہوگا اگر میں اپنی جماعت میں دو تین آدمی بھی ایسے دیکھ لوں جو غیر مذاہب کے بالمقابل اسلام کی صداقت ثابت کرنے والے ہوں۔"

اس دُعا کے بعد میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں، تو اس عالمِ اضطراب میں مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہ نسخہ القا کیا گیا خوب کلاں۔ اسپغول۔ شربت بزوری۔ کیوڑا اور بید مشک۔

جب یہ کیفیت جاتی رہی تو میں نے ڈاکٹر صاحبان کی دوائیں زمین پر انڈیل دیں اور آہستہ آہستہ بازار گیا اور یہ دوائیاں لے آیا۔ اللہ تعالیٰ کا کس قدر فضل و احسان تھا کہ اس دوائی کی ایک ہی خوراک سے بخار اپنا وقت چھوڑ گیا۔ سر درد میں تخفیف ہو گئی۔ دوسرے دن دو خوراک اور استعمال کی گئیں تو بخار بالکل دُور ہو کر میں شفایاب ہو گیا ✽

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔
(چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مؤرخہ ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۳۶

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

دعا کی فلاسفی

اللہ تعالےٰ ہر ایک کی سنتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کی طرح سے ہے۔ اور یہ بات ہمارے روز مرہ کے تجربہ میں آتی ہے۔ کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً انگلی میں ہی درد ہو، تو سارا جسم بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح اور ہر آن میں اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں۔ کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام اور آسائش سے رہیں۔ یہ ہمدردی کسی تکلف اور بناوٹ کی رو سے نہیں۔ بلکہ جس طرح والدہ [illegible] بچوں میں سے ہر ایک آرام اور آسائش کے فکر میں مستغرق رہتی ہے [illegible] وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح للّٰہی دلسوزی اور غمخواری [illegible] ل میں اپنے دوستوں کے لئے پاتا ہوں۔ اور یہ ہمدردی کچھ ایسی اضطراری حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا خط کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے تو طبیعت میں ایک بیکلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک غم شامل حال ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے۔ اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شامل حال نہ ہو۔ کیونکہ اس قدر کثیر التعداد احباب میں سے کوئی نہ کوئی اور کسی نہ کسی غم اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اطلاع پر میرے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ کس قدر اوقات غموں میں گذرتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے [illegible] اس لئے میں ہمیشہ دعا میں لگا رہتا ہوں۔ اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ [illegible] کیونکہ مجھے

[illegible] کے ہی افکار اور رنج، غم میں ڈالتے ہیں۔ پھر دعا مجموعی ہیئت سے کی جاتی ہے۔ کہ اگر کسی کو کوئی رنج اور تکلیف پہنچی ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے اسے نجات دے۔ ساری سرگرمی اور پورا جوش یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے دعا کروں۔

دعا کی قبولیت میں بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ بلکہ میرے ساتھ میرے مولا کریم کا صاف وعدہ ہے کہ اجیب کل دعائک۔ مگر میں خوب سمجھتا ہوں کہ کل سے مراد یہ ہے کہ جن کے سننے سے ضرر پہنچ جاتا ہے لیکن اگر اللہ تعالےٰ تربیت اور اصلاح چاہتا ہے تو رد کرنا ہی اجابت ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان کسی دعا میں ناکام رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے دعا رد کر دی۔ حالانکہ خدا تعالےٰ اس کی دعا کو سن لیتا ہے۔ اور اس کی اجابت بصورت رد ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے در پردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اس کے رد میں ہی ہوتی ہے۔ انسان چونکہ کوتاہ بین اور دور اندیش نہیں بلکہ ظاہر پرست ہے۔ اس لئے اس کو مناسب ہے کہ جب اللہ تعالےٰ سے کوئی معمولی دعا کرے اور وہ بظاہر اس کے مفید مطلب نتیجہ خیز نہ ہو تو خدا پر بدظن نہ ہو جائے۔ کہ اس نے میری [illegible] نہیں سنی۔ وہ تو ہر ایک دعا سنتا ہے۔ ادعونی استجب لکم (پارہ [illegible]) فرماتا ہے۔ راز اور بھید یہی ہوتا ہے کہ داعی کے لئے خیر اور بھلائی [illegible] دعا میں ہوتی ہے۔ دعا کا اصول یہی ہے۔ اللہ تعالےٰ قبولِ دعا میں [illegible] خواہشات کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ دیکھو بچے کس قدر اپنی ماؤں کے [illegible] پیارے ہوتے ہیں۔ اور وہ چاہتی ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن اگر بچے بے ہودہ طور پر اصرار کریں اور رو رو کر تیز چاقو یا [illegible] آگ کا روشن چمکتا ہوا چنگارا مانگیں تو کیا ماں [illegible] سچی محبت اور [illegible] دلسوزی سے کبھی گوارا کرے گی کہ [illegible] کا انگارہ لے [illegible] ہاتھ جلا لے۔ یا چاقو کی تیز [illegible]

[illegible] میں خود کس [illegible] تو [illegible] دعا [illegible] غم [illegible]

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

دعا کی فلاسفی

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کی طرح سے ہے۔ اور یہ بات ہمارے روز مرہ کے تجربہ میں آتی ہے۔ کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً انگلی میں ہی درد ہو، تو سارا جسم بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح اور ہر آن میں اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں۔ کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام اور آسائش سے رہیں۔ یہ ہمدردی کسی تکلف اور بناوٹ کی رو سے نہیں۔ بلکہ جس طرح والدہ [illegible] بچوں میں سے ہر ایک آرام اور آسائش کے فکر میں مستغرق رہتی ہے [illegible] وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح للّٰہی دلسوزی اور غمخواری [illegible] دل میں اپنے دوستوں کے لئے پاتا ہوں۔ اور یہ ہمدردی کچھ ایسی اضطراری حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا خط کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے تو طبیعت میں ایک بیکلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک غم شامل حال ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے۔ اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شامل حال نہ ہو۔ کیونکہ اس قدر کثیر التعداد احباب میں سے کوئی نہ کوئی اور کسی نہ کسی غم اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اطلاع پر میرے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نہیں بتلا سکتا کہ کس قدر اوقات غموں میں گذرتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے نجات [illegible] دے۔ اس لئے میں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں۔ اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ مجھے تو ان کے ہی افکار اور رنج، غم میں ڈالتے ہیں۔ پھر دعا مجموعی ہیئت سے کی جاتی ہے۔ کہ اگر کسی کو کوئی رنج اور تکلیف پہنچی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اسے نجات دے۔ ساری سرگرمی اور پورا جوش یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں۔

دعا کی قبولیت میں بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ بلکہ میرے ساتھ میرے مولا کریم کا صاف وعدہ ہے کہ اجیب کل دعائک۔ مگر میں خوب سمجھتا ہوں کہ کل سے مراد یہ ہے کہ جن کے سننے سے ضرر پہنچ جاتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ تربیت اور اصلاح چاہتا ہے تو رد کرنا ہی اجابت ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان کسی دعا میں ناکام ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دعا رد کر دی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اس کی دعا کو سن لیتا ہے۔ اور اس کی اجابت بصورت رد ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے درپردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اس کے رد میں ہی ہوتی ہے۔ انسان چونکہ کوتاہ بین اور دور اندیش نہیں بلکہ ظاہر پرست ہے۔ اس لئے اس کو مناسب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی معمولی دعا کرے اور وہ بظاہر اس کے مفید مطلب نتیجہ خیز نہ ہو تو خدا پر بدظن نہ ہو جائے۔ کہ اس نے میری دعا نہیں سنی۔ وہ تو ہر ایک دعا سنتا ہے۔ ادعونی استجب لکم (پارہ [illegible]) فرماتا ہے۔ راز اور بھید یہی ہوتا ہے کہ داعی کے لئے خیر اور بھلائی [illegible] دعا میں ہوتی ہے۔ دعا کا اصول یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول دعا میں [illegible] خواہشات کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ دیکھو بچے کس قدر اپنی ماؤں کو پیارے ہوتے ہیں۔ اور وہ چاہتی ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن اگر بچے بے ہودہ طور پر اصرار کریں اور رو رو کر تیز چاقو یا روشن آگ کا روشن چمکتا ہوا چنگارا مانگیں تو کیا ماں باوجود سچی محبت اور حقیقی دلسوزی کے کبھی گوارا کرے گی کہ اس کا بچہ آگ کا انگارہ [illegible] کر اپنا ہاتھ جلا لے۔ یا چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ مار [illegible] اپنا ہاتھ کاٹ [illegible] نفس۔ اسی اصول سے اجابت دعا [illegible] ہیں میں خود [illegible] رکھتا ہوں۔ کہ جب دعا میں [illegible] ہوتا ہے تو وہ [illegible] نہیں ہوتی۔ یہ بات خوب سمجھ [illegible] ہمارا علم یقینی [illegible]

(ملفوظات [illegible] جلد [illegible] صفحہ ۳۰ [illegible])

نظامِ کائنات پر غور و خوض کرنا خدا تعالےٰ کی توحید کی طرف رہنمائی کرتا ہے

اور راہِ خدا میں مصائب پر صبر اور دُعا بلندیٔ درجات کا موجب ہے

خُطبہ جمعہ مؤرخہ ۹ ستمبر ۱۹۷۷ء مطابق ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ فرمودہ حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ بمقام جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار .... لآیٰت لقوم یعقلون ۔

سورۃ البقرہ ۔ ۱۶۴ ۔

(مرتبہ :- مولوی شفقت رسول)

فرمایا کہ خدا تعالےٰ کی ذات کے متعلق اگر علم حاصل کرنا چاہو تو اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر غور و خوض کرو ۔ کوئی آدمی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس طرح مخلوقاتِ سماوی و ارضی پیدا کر سکے اور اتنا شاندار نظامِ عالم قائم کر سکے ۔ اور خدا کے سوا کون ہے جو اس طرح دن کو روشن کرے ۔ اور اس روشن دن کے بعد رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے جو انسان کی دن بھر کی کلفت و مشقت کو راحت اور آرام و سکون میں بدل دیتی ہے ۔ یہ سب چیزیں ایک ہی خُدا کی بنائی ہیں ۔ میں نے بائبل کی تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے ، لیکن نکتہ چینی کی غرض سے نہیں بلکہ اچھی باتوں کی تلاش کے لئے مطالعہ کیا ہے ۔ قرآن پاک نے انجیل و تورات کی سچائیوں کو تسلیم کیا ہے ۔ اگرچہ قرآن پاک جملہ اچھائیوں اور سچائیوں کا خزینہ ہے ۔ جس طرح کوئی پی ۔ ایچ ۔ ڈی (Ph.D.) کی ڈگری پانے والا پرائمری اور بنیادی تعلیم کو غلط قرار نہیں دے سکتا اسی طرح قرآن پاک جو مکمل سچائیوں اور جامع تعلیم کا حامل ہے تورات و انجیل کو غلط قرار نہیں دیتا کیونکہ یہ کتابیں اس وقت نازل ہوئیں جب انسان کے دماغ میں اس قدر بلندی اور بالیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انسانی شعور پختہ ہو چکا تھا ۔ اور اس لئے انسانی شعور کی ضرورت کے مطابق مکمل اور جامع کتاب نازل فرمائی گئی ۔

قرآن پاک ہدایت کا سرچشمہ ہے اور بیّنات من الھدیٰ کا حامل ہے ۔ قرآن پاک کو اس لئے قرآن کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب پڑھی جاتی ہے پڑھی جاتی رہی ہے اور آئندہ بھی یہ کتاب کثرت سے پڑھی جائے گی اور سمجھی جاتی رہے گی ۔ کیونکہ اس کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے اور عربی زندہ و پائندہ زبان ہے ۔ وسیع اور آسان زبان ہے ۔ اور ہر زمانے میں اس کے مادہ جات عام فہم آسان رہے ہیں ۔ اسی طرح وید کی کتاب پڑھی نہیں جاتی کیونکہ اس کی زبان سنسکرت ہے جو متروک ہے ۔ یہ کہیں بولی اور سمجھی نہیں جاتی ۔ بڑے بڑے پنڈت بھی معترف ہیں کہ ہم ہندی وغیرہ بھاشاؤں کے تحصیل کے باوجود ہم ویدوں کے پڑھنے کے اہل نہیں ۔ اسی طرح تورات و انجیل بھی نہیں پڑھی جاتیں ۔ کیونکہ ان کے نزول کی زبان اور تھی ، اور اب یہ اور زبانوں میں منتقل ہو گئی ہیں ۔ صرف قرآن پاک ہی ایسی کتاب ہے جو تمام زمانوں اور مکانوں میں پڑھی جاتی ہے اور سمجھی جاتی ہے ۔ اس کی تعلیم میں فراخی اور وسعت ہے اور وہ اس پر ایمان رکھنے والوں پر واضح کرتی ہے کہ سابقہ کتب تورات و انجیل بھی خدا کی طرف سے نازل کردہ تھیں اب تمہارے لئے قرآن پاک کی رہنمائی ہی کافی ہے کیونکہ یہ دل و دماغ کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے ۔ عرب کے لفظ کے معانی عربی زبان بھی ہے اور اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ پُر از فصاحت زبان ہے جس میں یہ پُرحکمت کتاب نازل ہوئی ۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۔ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو ۔ کیونکہ صبر و تحمل اور استقلال کے ساتھ خُدا تعالےٰ کی مدد طلب کرنے کے لئے دعاؤں میں لگ جانا خدا تعالیٰ کی مدد کو جذب کرتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جو لوگ صبر و استقامت سے نماز روزہ اور دیگر فرائض ادا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہوگا ۔ اور جن کو خدا تعالےٰ کی حمایت و نصرت حاصل ہوگی وہ ہر میدان میں غالب رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ مؤمن کو ہر میدان میں غلبہ عطا کیا جاتا ہے ۔ یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین ۔ اگر ہم خدا کو یاد رکھیں تو وہ ہمیشہ یاد رکھے گا اور ہماری نصرت فرمائے گا اور ہماری پکار اور دُعا کو سُنے گا ۔ اور اس کو قبولیت بخشے گا ۔ خُدا یقیناً ان کی مدد کرتا ہے جو اس کو صبر و استقلال سے پکارتے ہیں ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح جو اور امن پسند انسان تھے انہوں نے تمام اہلِ جہان کو امن اور آشتی کا درس دیا ۔ آپ نے دُنیا کے اندر فسادی اور شرپسند لوگوں کے شر اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ کے حکم سے جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ۔ ایسے لوگ جو اس کارِ خیر میں اپنے خدا کی راہ میں حقیقتی سے جاتے ۔ فرمایا وہ زندہ جاوید ہو گئے ۔ ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون ۔ یعنی اللہ کی راہ میں تکالیف اُٹھانے والے اور مرنے والے مردہ نہیں زندہ ہیں لیکن تمہارا شعور ان کی حیات کو سمجھنے سے قاصر ہے ۔ یہ جملہ کائنات زمین و آسمان بحر و بر ۔ کشتیاں ۔ جہاز ۔ ہواؤں کا چلنا ، بادلوں کا بارش برسانا ، غرضیکہ عالم کا ہر نظام اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق خدائے واحد ہے ۔ اگر یہ ایک ہی خدا کی تخلیق نہ ہوتی تو یقیناً اس کا وجود اس خیر و خوبی کے ساتھ باقی نہ رہتا ۔

اللہ تعالےٰ نے آیت مندرجہ بالا میں اسی طرف دھیان دلوایا ہے کہ یہ کائنات اس بات کی کھلی کھلی دلیل اور روشن شہادت ہے کہ خدا واحد ہے اور اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ۔ آسمان و زمین کی بناوٹ دن اور رات کا ردّ و بدل اور کشتیوں کا سمندر کی سطح پر چلنا اور ان سب چیزوں سے انسان کا نفع اندوز ہونا ، اور آسمان سے زمین پر بارش کا برسنا جس سے مردہ زمین میں زندگی پیدا ہوتا اور اس زمین میں اس پانی کے نزول کی برکت سے ہر قسم کے جانوروں کا زندہ رہنا اور ہواؤں کے چکر اور آسمان و زمین کے درمیان معلق بادل اہلِ عقل کے لئے خدا کی وحدانیت کا یقین ثبوت ہیں ۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا جو درس دیا ہے دنیا کی کسی مذہب میں موجود نہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بھی روشن ترین راستہ ہے جس پر چل کر انسان اپنے خُدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ہم تم کو خوف ، بھوک ، مال اور اولاد کے اندر نقصان سے آزمائیں گے اور ثابت قدم اور پائیداری دکھانے والے اور خدا تعالےٰ سے کامل تعلق ثابت کرنے والے اللہ تعالےٰ ......

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء

یہ انتظار کب تک؟

"راول ڈیم پر ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے علامہ احمد حسین نوری نے کہا ہے کہ پوری دنیا اس وقت ظلم و جور کا شکار ہے اور ظلم اپنی انتہاء پر ہے۔ چونکہ کائنات کی فطرت میں ہے کہ چیز اپنے کمال کو پہنچنے کے بعد ضرور زوال پذیر ہوتی ہے لہذا ظلم و استبداد کے حلقۂ زنجیر کی آخری کڑی ٹوٹے گی تو خداوند امام مہدی علیہ السلام کے ذریعے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا" (روزنامہ جنگ ۔ ۸/۲۲)

مسلمانوں میں کسی مہدی کے آنے کا انتظار عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے جب بھی ان پر سیاسی ادبار و نکبت کا دور آیا انہوں نے ہمیشہ ہی کسی ایسے انسان کے نازل ہونے کی امید لگا رکھی جو آکر انہیں ان کی مشکلات اور مصائب سے نجات دے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے مسلمانوں کی عظمت کے نشان قرطبہ اور الحمرا تباہ ہوئے ۔ مستعصم باللہ کے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ۔ ہندوستان غیر ملکی تسلط کے نیچے تڑپتا اور کراہتا رہا ۔ ایران کی سلطنت پر تباہی کے بادل چھا گئے اور وہاں شیخ الاسلام کو شہید کر دیا گیا ۔ طرابلس کے مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنے ۔ مراکش کی بادشاہت پامال ہوگئی ۔ اور سلطنت عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اس جور و استبداد کے دور میں کسی منتظر مہدی نے آکر مسلمانوں کو سنبھالا نہ دیا ۔ تو اب اس امید موہوم پر کیسے جئیں کہ وہ آکر دنیا کو انصاف و عدل سے بھر دے گا ۔ اب تو مسلمانوں کی سیاسی زنجیریں کٹ چکی ہیں ۔ لاکھوں کی آبادی والی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی نو آبادیاتی نظام سے آزاد ہو رہی ہیں اور سلطانیٔ جمہور کا دور دورہ ہے ۔ یہ امام مہدی اب آکر کیا کارنامہ سر انجام دیں گے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس ایٹمی دور میں غیر قوموں کے خلاف جنگ کرکے انہیں تلوار کے ذریعے زبردستی اسلام میں داخل کرینگے اور جو انکار کرے گا اس کی گردن اڑا دیں گے ۔

آج سے تقریباً ساٹھ ستر سال قبل لاہور کے معروف اخبار "وطن" کے ایڈیٹر جناب انشاءاللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی اندرونی اور بیرونی خرابیوں اور ان کی اصلاح کے لئے انجمنوں اور کمیٹیوں کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"ان سب باتوں پر غور کرنے سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت تمام عالم اسلام خواہ وہ کسی فرقے اور حیثیت کا ہو ایک سچے رہبر کی (مہدی) ضرورت محسوس کرتا ہے اور اس کی تلاش میں ہے۔"

ان کے علاوہ وہ مہدی نہ آنا تھا اور نہ آیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۔ حضرت مجدد الف ثانی ۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ۔ حکیم محمد حسن صاحب امروہی ۔ حافظ برخوردار چٹی سیالکوٹ ۔ قاضی ارتضا علی خاں صاحب ۔ شیخ محمد حسین بٹالوی ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب ۔ سب ہی نے اپنی تصانیف میں اپنے علم کی روشنی میں یہی لکھا کہ مہدی کی آمد کا زمانہ چودھویں صدی کے لگ بھگ ہے ۔ حضرت ولی نعمت اللہ تو یہاں تک فرما گئے ہیں :-

ا ح م و دال سے خوانم
نام آں نامدار سے بینم

لیکن جس نے ان تمام علامات کے مطابق آکر دعوےٰ مہدی معہود کیا اور جس کے نام میں "ا ح م اور دال" بھی ہیں ۔ ۔ ۔ ود اتنے شدید انتظار کے دنیا نے قبول نہ کیا۔

علامہ نوری صاحب نے بھی ایک علامت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ :-

"ظلم و استبداد کے حلقۂ زنجیر کی آخری کڑی جب ٹوٹے گی تو خداوند تعالےٰ امام مہدی علیہ السلام کے ذریعے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔"

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب ظلم و استبداد کے حلقۂ زنجیر کی آخری کڑی بھی ٹوٹ جاوے گی یعنی ظلم و استبداد ختم ہو جائے گا تو پھر مہدی کے آنے کی کیا ضرورت باقی رہ جائیگی قرآن کریم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء اور مامورین اسی وقت تشریف لائے جب ظلم و ستم اور جور و استبداد اپنی انتہا کو پہنچ گئے اور اپنی قوموں کو ان سے نجات دی ۔ حضرت موسےٰؑ اس وقت تشریف لائے جب بنی اسرائیل فرعون کے خونین پنجۂ استبداد میں گرفتار تھے ۔ اور آپ کے مثیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مبعوث ہوئے جب خشکی اور تری میں چاروں فساد ہی فساد تھا ۔ اور خود عرب کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالت ناگفتہ بہ تھی ۔ روحانی اور اخلاقی اقدار نام کو بھی نہ تھیں ۔ مہدی اگر ظلم و ستم مٹ جانے کے بعد آیا بھی تو کیا ۔

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

جہاں تک احادیث میں امام مہدی کے ذکر کا تعلق ہے ۔ ان میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے ۔ اس اختلاف کو دور کرنے اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ان پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے ۔ بہت سی حدیث کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ موضوع اور من گھڑت ہیں اور اس کے ثبوت میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کی کتاب موطا میں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نزولِ مہدی کا کوئی باب نہیں البتہ حضرت عیسےٰؑ کا ذکر ان میں متعدد بار آیا ہے ۔ اس سے صحیح الفکر علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امام مہدی جس کا ذکر کہیں سے چل پڑا ہے کوئی علیحدہ شخصیت نہیں اور ایک حدیث کے رو سے ان کا یہی خیال اور عقیدہ ہے کہ آنے والا مسیح اور مہدی ایک ہی انسان ہیں :-

ترجمہ: "امام احمد حنبلؒ نے روایت کی ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ ان کے پاس ان کے باپ نے ان کے پاس محمدؒ بن جعفر نے ان کے پاس ہشام بن حسان نے ان کے پاس محمدؒ نے ان کے پاس ابوہریرہؓ نے انہوں نے رسول اللہ صلعم سے بیان کرتے سنا کہ قریب ہے کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ عیسےٰ ابنِ مریم سے جو امام مہدی اور حکم و عدل ہوگا ملاقات کرے گا اور وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور جزیہ موقوف کر دے گا ۔ اور جنگوں کو روک دے گا۔"

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ۔ صفحہ ۴۱۱ ۔ بحوالہ عسل مصفیٰ حصہ دوم صفحہ ۱۱۷)

ایسی ہی مختلف روایات کے مدِنظر مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے کوئی ۴۵ آدمی مہدی ہونے کا دعوےٰ کر چکے ہیں ۔ ان میں سے بعض نے اپنے آپ کو مسیح بھی کہا ہے ۔ قطع نظر اس سے ہمارا یہ

خیال ہے کہ ہر مجدد اور ولی اپنے اپنے زمانے کا مہدی ہوا ہے۔ کیونکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتا تھا اور دوسروں کو ہدایت کے راستہ کی طرف دعوت دیتا تھا لیکن جس مہدی کا اس شدت سے انتظار تھا اور جو اپنے اندر مسیح کی شان بھی لئے ہوئے تھا وہ ایک بالکل علیحدہ منفرد شخصیت کا حامل تھا۔ اس کے آنے کی علامات انجیل میں بھی درج ہیں۔ قرآن اور احادیث میں بھی۔

انجیل میں ہے:۔

یسوع نے یروشلم کے ہیکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔" (متی ۲۴:۲)

یہ یروشلم کی تباہی کی طرف بھی اشارہ ہوگا لیکن ہمارا خیال ہے کہ گری ہوئی عمارتیں پھر کھڑی کر دی جاتی ہیں لیکن جن اُصولوں پر کسی مذہب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اگر وہی جھوٹے اور کھوکھلے ثابت ہو جائیں تو اس کی عمارت تباہ ہونے کے بعد پھر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ آج خود عیسائی علماء اس عمارت کو گرا رہے ہیں اور اسی کا نام کسرِ صلیب ہے۔

پھر اپنے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت مسیح فرماتے ہیں:۔

"اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبردار گھبرا نہ جانا کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے لیکن اس وقت خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ **قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور ہر جگہ کال پڑیں گے** اور بھونچال آئیں گے۔" (متی ۲۴: ۶ تا ۷)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا، **اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا**۔ اور ستارے آسمان سے گریں گے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ اور اس وقت ابنِ آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابنِ آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گے اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے۔" (متی ۲۴: ۲۶ تا ۳۱)

تیرھویں چودھویں صدی ہجری اور انیسویں بیسویں صدی عیسوی میں قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت نے چڑھائی بھی کی۔ کال پڑے اور بھونچال بھی آئے۔ سورج چاند اور ستاروں نے آسمان پر گواہی بھی دی، مسیح اور مہدی کے آنے کا غلغلہ بھی بلند ہوا۔ زمین کے کناروں تک اس کی تبلیغ بھی پہنچی لیکن افسوس اس کی قوم اسے پہچان نہ سکی اور آج تک اس کے انتظار میں آسمانوں کی طرف نظریں جمائے بیٹھی ہے کہ کب آئے اور انہیں گردابِ بلا سے نکال کر ساحلِ مراد سے ہمکنار کر دے۔

جس زمانہ میں اس مسیح اور مہدی نے آنا تھا اس کی تقریباً ایک سو چھ علامات ہماری نظر سے گذری ہیں جو ہمارے خیال میں سب کی سب ایک ایک کرکے پوری ہو چکی ہیں اور لاکھوں انسانوں کی گواہی اس پر موجود ہے مگر نہ جانے یہ مسیح اور مہدی کہاں چلا گیا اور کیوں چھپا بیٹھا رہا۔ دنیا اسے ہاتھوں ہاتھ لینے کی منتظر ہے۔ لیکن وہ ہے کہ نہ آنے پر اَڑا بیٹھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مخلوقِ خدا ظلم و جور کی چکی میں پستی رہے اور وہ کہیں دور بیٹھا تماشا کرتا اور انسانوں کے کرب و اضطراب کے منظر سے اپنا جی بہلاتا رہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ جب سے انسان نے اس سطحِ ارضی پر قدم رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ اسے تاریکیوں اور ظلمتوں میں کبھی بھٹکنے نہیں دیا۔ وہ نسلِ انسانی کی ترقی کی راہیں ہمیشہ چراغِ ہدایت سے روشن کرتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ یہ انسان کی اپنی 'بدنصیبی' شومئی قسمت اور کوتاہ نظری ہے کہ وہ اس چراغ کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ اسے بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ رات کو جب شمع روشن کی جاتی ہے تو بیسیوں پتنگے اور پروانے اس کی روشنی پر جمع ہو جاتے ہیں۔ در اصل یہ تاریکی کے فرزند ہوتے ہیں۔ وہ روشنی پسند نہیں کرتے۔ وہ اس لَو کو بجھانے کی کوشش میں خود جل مرتے اور اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ القارعۃ میں کالفراش المبثوث میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ لیکن واللہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون۔ اللہ اپنے نور کو بجھنے نہیں دیتا وہ اسے پورا کرکے ہی رہتا ہے خواہ مخالفین حق کتنا ہی بُرا کیوں نہ منائیں اور اسے مٹانے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور نہ لگائیں۔

توریت۔ انجیل اور قرآن کریم بھی اس پر گواہ ہیں اور احادیثِ رسول بھی اس پر شاہد ہیں، علماء اور اولیاء اللہ کی شہادتیں بھی موجود ہیں کہ مسیح اور مہدی کو چودھویں صدی میں آنا چاہیئے اور وہ حضرت **مرزا غلام احمد قادیانی** کی صورت میں آکر چلا بھی گیا لاکھوں انسانوں نے اندرون اور بیرون برصغیر اس کے ذریعے اسلام کی روشنی بھی پائی۔ صلیب بھی ٹوٹی اور خنزیر بھی قتل ہوا۔ لوگوں کو زبردستی اسلام میں لانے کے لئے جنگیں بھی ملتوی ہوئیں اور جزیہ بھی ختم ہوا لیکن ہمارے ہم وطن ابھی تک اس انتظار میں ہیں کہ مہدی اور مسیح آئیں گے جس کا انجام سوائے مایوسی اور ناامیدی کے کوئی نہیں۔ اب کوئی نہیں کوئی نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا۔ اس انتظار میں وقت مت گنوائیے۔ تھوڑی سی فکر کی ضرورت ہے۔ اور ابھی وقت ہے کہ آپ اپنی مایوسی کو اُمید میں بدل سکتے ہیں۔ اور اگر انتظار ہی کرنا ہے تو

"انتظروا انا منتظرون"

کوئی سچا مؤمن نہیں ہوسکتا

"جب تک اس کا دل نرم نہ ہو۔ جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری شیخیاں دور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے۔

اور غریبوں سے نرم ہوکر اور جھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونے کی علامت ہے۔ اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا **سعادت** کے آثار ہیں۔ اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں ہماری جماعت کے بعض دوستوں میں نہیں۔"

(شہادت القرآن)

بقیہ صـ۱۱

ضروریات و احتیاجات کی عمارت کے نیچے دبا ہوا پاتا تھا۔ یہ "میں" ذات، خودی یا انا سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ یہ مکمل، غیر متغیر، غیر منقسم و لا فانی خالص روح تھی۔ انگوٹھے کے نشان کی طرح یہ مکمل طور پر منفرد اور یکتا تھا۔ اور اس کے

توسیع و استحکام جماعت کے لئے اعلیٰ عملی نمونہ کی ضرورت

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بعثت کی اصل غرض

اگر اسلامی تعلیمات پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اندر اجتماعی زندگی کو اصل چیز قرار دیا ہے اور انفرادی زندگی کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ جماعت اور قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے اور اس طرح جماعت کی تشکیل بھی قوم کے افراد کا آئینہ ہوگی۔ لیکن مقصود بالذات افراد کی فلاح و بہبود نہیں بلکہ جماعت اور قوم کی اصلاح و ترقی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک عظیم الشان اور خوبصورت عمارت کی تکمیل۔ یہ درست ہے کہ اس عمارت کے اندر جس قدر مضبوط اور خوبصورت اینٹیں لگائی جائیں گی اسی قدر مضبوط اور خوبصورت اور عمدہ عمارت بھی ہوگی۔ لیکن اصل غرض و غایت مضبوط اور خوبصورت اینٹیں یا پتھر نہیں بلکہ وہ عظیم الشان عمارت ہے جو ان سے بنے گی۔ پتھروں اور اینٹوں کی حیثیت ثانوی ہے۔ اصل چیز اور مقصود بالذات وہ عمارت ہے جو ان سے تعمیر کی جاتی ہے۔ اوامر و نواہی صیغۂ واحد میں نہیں بلکہ جمع میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان جب بالکل تنہائی اور علیحدگی میں نمازِ تہجد ادا کرتا ہے تو اس وقت بھی اس کے مدِ نظر اس کی اپنی اصلاح اور بہبود نہیں ہوتی بلکہ تمام جماعت اور قوم کی۔ یہی حال تمام ارکانِ اسلام کا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کوئی نبی آتا ہے، تو وہ ایک جماعت۔ ایک اُمّت بناتا ہے۔ اس اُمّت کے سامنے اس نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ تا پھر اس اُمّت کے نمونہ سے دُنیا اصلاح اور ہدایت پائے۔ اُمّتِ محمدیہ میں چونکہ بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء ہونے کے نبیوں کا آنا بند ہوگیا لہٰذا اللہ تعالےٰ نے احیائے اسلام اور تجدیدِ دین کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری کیا، تاکہ جب دُنیا میں فسق و فجور، بدعملی اور بدکاری کا دَور دَورہ ہو تو آنحضرت صلعم کے انفاسِ طیبہ سے ایسے کامل انسان پیدا ہوں جو انبیاء تو نہ ہوں لیکن انبیاء کا سا نمونہ دکھلائیں۔ تا ان کی علمی اور عملی کارناموں سے ایک جماعت پیدا ہو اور اس کے علم و عمل سے دُنیا پھر راہِ ہدایت پر آجائے۔ حضرت مجددِ زمان کا بھی یہی کام تھا۔ اور اسی غرض سے آپ نے ایک جماعت تیار کی۔ اسلام کا نظام یہ چاہتا ہے کہ ایک ایسی سوسائٹی پیدا کی جائے جو احکاماتِ الٰہی کو اپنے اُوپر وارد کرے۔ بالفاظ دیگر جو قرآن کی حکومت کو تسلیم کرکے ایک ایسا نظام اور ماحول پیدا کردے جس کو دیکھ کر مسلمان اور غیر مسلم اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ جن کی عملی زندگیوں میں اسلام کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے۔ اور تمام بنی نوعِ انسان کے لئے کشش کا موجب ہو۔ حضرت مسیح الزمانؑ کے زمانہ میں یہی بات تھی جس نے مسلمان تو مسلمان، غیر مسلموں کو بھی اسلام کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ حضرت صاحب کا حسنِ سلوک۔ آپ کی زندگی کا طرزِ عمل۔ ایسی چیزیں تھیں جو غیر بلکہ دشمنوں پر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ اور ان تمام اعمالِ صالحہ کی جڑ آپ کا تعلق باللہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر زندہ ایمان یہی وہ چیز تھی جس کو آپ نے پھر از سرِ نو پیدا کیا۔ اور اسی لئے حدیث شریف لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنا له رجلٌ من فارس۔ کے آپ حقیقی مصداق ٹھہرے۔ اور یہ حدیث آپ کے وجودِ مبارک میں ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طاقتوں اور قدرتوں پر آپ کا ایمان ایسا زبردست تھا کہ بارہا فرماتے کہ کسی کو مال و دولت کی کثرت سے خوشی ہوگی کسی کو اولاد سے خوشی ہوگی، کسی کو حکومت اور سلطنت سے خوشی ہوگی۔ مگر ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ ہمارا خُدا علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قدیر ہے۔ اور خُدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے جو بات بڑی زبردست آپ نے پیش کی وہ زندہ خُدا پر ایمان تھا۔ یعنی وہ خُدا آج بھی حیّ و قیوّم موجود ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا اور ان کو جواب دیتا ہے۔ جو اگلے زمانہ میں نبیوں اور ولیوں سے بولا کرتا تھا۔ خُدا پر ایمان فقط اگلے لوگوں کا فسانہ نہیں بلکہ وہ خُدا آج بھی زندہ حیّ و قیوّم اپنی تمام ازلی و ابدی صفات کے ساتھ موجود ہے اور انا الموجود کے الفاظ سے اپنی زندگی اور ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ آج اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جب مشاہدہ اور تجربہ پر تمام علوم کا دار و مدار ہے محض قیل و قال سے انسان قائل نہیں ہوسکتا۔ اور دل میں یقین اور تسلّی پیدا نہیں کرسکتا جب تک کوئی صاحبِ مشاہدہ و تجربہ اُٹھ کر اپنے آپ کو اہلِ حال پیش نہ کرے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے بے شمار پیشگوئیوں اور الہامات کے ذریعہ نہ صرف اپنا سچا ہونا ثابت کر دیا بلکہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایک زندہ ثبوت پیش کیا جس کے ذریعہ ہزاروں مردہ قلوب میں اسلام کی صداقت کی لہر دوڑ گئی اور وہ یقین اور ایمان پیدا ہوگیا جس کے سامنے تمام طاقتیں ہیچ ہوگئیں۔ اور وہ دیوانہ وار صداقتِ قرآن اور اشاعتِ اسلام کے کام کے پیچھے لگ گئے اور اس کام کو اپنی زندگیوں کا نصب العین قرار دے دیا۔ میں سمجھتا ہوں حضرت صاحب کی بعثت کی اصلی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ ایک ایسی جماعت پیدا ہو جس کے نمونہ سے دُنیا ہدایت پائے۔ چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں:—

"چند دن سے ایک خیال میرے دل میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اس نے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے جس کا ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہوگا کہ میں اس کی بات سُن رہا ہوں مگر میں اپنے اس خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض ان دنوں میں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ پر غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی، وہ خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مؤمن اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اُسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقویٰ کے راستہ پر چلے۔ اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعے دُنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشا پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل اور براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھائے جا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب آ رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔" (ماخوذ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شانِ مہمان نوازی

بروایت چوہدری محمد اسماعیل صاحبؓ :-

ایک دفعہ قادیان میں حضرت امیر جماعت مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ گیا۔ میں اسلامیہ کالج میں پڑھا کرتا تھا اور مولانا ہمارے پروفیسر تھے۔ ریاضی پڑھایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ چوہدری غلام احمد صاحب مرحوم جو چوہدری بشیر احمد صاحب کنٹرولر سپلائی کے والد تھے، بھی تشریف لے گئے۔ چوہدری صاحب بھی اس وقت طالب علمی کی حالت میں تھے اور وہ بھی حضرت مولانا کے شاگردوں میں سے تھے۔

سردی کا موسم تھا۔ اس وقت مکان کم تھے۔ مہمان خانہ میں بھی کوئی زیادہ وسعت نہ تھی۔ مولانا نے ہمارے لئے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مکان کے ایک کمرہ میں ٹھہرنے کا انتظام فرمایا۔ مولانا تو ہماری طرف سے بے فکر ہو کر کسی اور جگہ جا ٹھہرے۔ بعد میں ایک اور صاحب نے جو ہمارے کمرے کے ملحقہ کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے اور بمع مستورات فروکش تھے۔ ہماری چارپائیاں مکان سے اٹھوا دیں کیونکہ وہ پردہ کے سخت پابند تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ مستورات کی آواز بھی کسی غیر محرم کے کانوں تک پہنچے۔

چوہدری غلام احمد صاحب مرحوم اور میں سراسیمگی کی حالت میں تھے کہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ حضرت صاحب یاد فرماتے ہیں۔ ہم کو وہ شخص اس چوبارہ میں لے گیا جہاں حضرت اقدس تشریف رکھا کرتے تھے۔

ہم وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت صاحب ایک تہ بند اور کرتہ پہنے لکڑی کے ایک تخت پوش پر تشریف رکھتے ہیں۔ وہ تخت پوش بہت کم اونچا تھا۔ پاس ہی ایک چارپائی تھی۔ حضرت صاحب نے ہمیں حکم دیا کہ چارپائی پر بیٹھ جائیں۔ ہم نے ہرچند عذر کیا کہ حضور نیچے تشریف رکھتے ہیں۔ اور ہم اونچی جگہ پر کس طرح بیٹھ سکتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا میرا فرض ہے کہ جو شخص یہاں آئے اس کی خدمت کروں آپ اگرچہ لڑکے ہیں اور کم عمر ہیں مگر میرے مہمانِ محترم ہیں۔ ہم نے پھر بھی عذر کیا۔ فرمایا اچھا الامر فوق الادب کے ماتحت ہی بیٹھ جائیں۔ ہم بیٹھ گئے۔ حضرت کے پاس ایک لوٹا اور گلاس تھا۔ لوٹے میں سے دودھ گلاس میں ڈال کر ہم کو پلایا اور پھر فرمایا آپ لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ اور مجھے آپ کی تکلیف کی وجہ سے صدمہ ہوا۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں ابھی اخلاق کے اس درجہ پر نہیں پہنچے جس درجہ پر میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ اس واسطے ان کے سلوک سے بعض اشخاص کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ خدا کے راستہ میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کے لئے ثواب ملتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ایسے مقامات پر تکلیف پہنچے۔

اس کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالات اور صحابہؓ کی تکالیف کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر ایک اور چارپائی منگوائی۔ ہمارے بستر بچھوائے اور تشریف لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہی وہ چارپائی تھی جس پر خود حضرت اقدس سونے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ مگر ہماری داستان سن کر وہ چارپائی ہمارے لئے خالی کر دی اور مکان کے کسی دوسرے حصہ میں اپنے لئے انتظام کیا۔ اور ایک اور چارپائی وہاں منگوائی اور جب معلوم ہو گیا کہ ہمارا انتظام خاطر خواہ ہے۔ اور کافی عذر خواہی کے بعد، جس کو ہم نے اس وقت بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک رحمت سمجھا اور اب بھی اس کو خدا کا فضل خیال کرتا ہوں حضور واپس تشریف لے گئے۔ (منقول از پیغام صلح مجریہ ۱۷ $\frac{7}{42}$)

اجلاس اطفال الاحمدیہ

تنظیم شبان الاحمدیہ کے شعبہ اطفال کا اجلاس ۲۳ ستمبر ۱۹۷۷ء بعد از نماز جمعہ، جامعہ احمدیہ دارالسّلام میں منعقد ہو رہا ہے۔ جس کی صدارت مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے صدر محترم ڈاکٹر وحید احمد صاحب فرمائیں گے۔ اس اجلاس میں محترم راجہ محمد افضل صاحب کے زیر تربیت بچے اور بچیاں اپنی تربیت یعنی تلاوت، نماز با ترجمہ، دعاؤں، نظموں اور تقریروں وغیرہ کا عملی نمونہ پیش کریں گے۔

ان کی حوصلہ افزائی
ہمارا فرض ہے

لہٰذا جملہ والدین سے استدعا ہے کہ وہ اس موقعہ پر اپنے بچوں کے ہمراہ تشریف لا کر زیر تربیت بچوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ —— اس مختصر اجلاس کی کارروائی آپ اور آپ کے بچوں کے لئے یقیناً بڑی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

— آپ کی شرکت کا متمنی :—

(چوہدری) نذر ربّ
نگران شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور

انتقال پُرملال نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ جناب چوہدری خدا بخش صاحب آف چک ۱۲۷ د-ب، بہلول پور ایک مختصر سی علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ (مرحوم محترم جناب چوہدری شکراللہ خان صاحب منصور ایڈووکیٹ کے بڑے بھائی تھے) مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

ہمیں اس سانحہ پر مرحوم کے خاندان اور جملہ پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کے جنّت میں درجات بلند کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

احباب جماعت سے غائبانہ نماز جنازہ کی درخواست ہے۔ ان کے گھر کا پتہ حسب ذیل ہے :—

چک نمبر ۱۲۷ د-ب۔ بہلول پور براستہ سالار والا۔ ضلع لائل پور (شاہ فیصل آباد۔)

ایک ضروری اعلان

پریس کی مشینوں میں مسلسل کسی فنی خرابی کے باعث پیغام صلح کے کئی شمارے تاخیر سے شائع ہوئے ہیں۔ ہم اس بے جری تاخیر پر قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح
خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔ (ادارہ)

مکرم جناب شیخ غلام قادر (مرحوم و مغفور)

کامیابی کی اصل راہ ــــ تقویٰ

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہٖ
ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں مومن کی زندگی کا ایک صحیح اور مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے۔ چونکہ انسان مدنی الطبع تخلیق کیا گیا ہے لہٰذا تمدن و معاشرت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسے تمام جسمانی اور روحانی قوےٰ بخشے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق لہ جن چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے ان کے حصول کے لئے اللہ تعالےٰ نے تمام اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔

بادشاہ سے لے کر ادنےٰ ملازم تک اور بڑے بڑے تاجروں سے لے کر معمولی دکانداروں تک، بڑے بڑے زمینداروں سے لے کر معمولی کاشتکاروں تک اور بڑے بڑے جرنیلوں سے لے کر ادنےٰ سپاہیوں تک۔ غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی رہنمائی کے لئے یہ آیت ایک لائٹ ہوس روشنی کا مینار اور سنگِ میل ہے۔

میرے دوستو! اللہ تعالےٰ مومن سے چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہر حالت میں تقوےٰ اللہ کو ملحوظ رکھے۔ کسی صحابی رضؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تقوےٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان تنگ پگڈنڈی سے گذرتے ہو تو کیا طریق اختیار کرتے ہو، سائل نے جواباً عرض کیا کہ ہمیں اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر گذرنا پڑتا ہے تاکہ وہ کہیں اِرد گرد کی جھاڑیوں کے کانٹوں میں نہ اُلجھ جائیں۔ آپ نے فرمایا یہی تقوےٰ ہے۔

پس انسانی زندگی کا راستہ خاردار جھاڑیوں یعنے دُنیا کی آلائشوں اور حرص و ہَوا میں سے گذرتا ہے، یہ اس قدر تنگ ہے کہ ایک سیکنڈ کی غفلت اس کے دامن دل کو کانٹوں میں اُلجھا کر چاک چاک کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سے چاہتا ہے کہ اس دار فانی کے آخری لمحوں تک تقوےٰ پر گامزن رہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم پھٹے ہوئے کپڑے لے کر اللہ تعالےٰ کے حضور پیش کئے جائیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جب مسلمانوں کی حالت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تو وہ پکار اُٹھے ؎

تقوےٰ کے جتنے جامے تھے سب چاک ہو گئے
جتنے خیال دِل میں تھے ناپاک ہو گئے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں: ؎

سنگ پُر کردی تو دامن از جہاں
ہم ز سنگ سیم و زر چوں کودکاں
آں خیالِ سیم و زر چوں زر نبود
دامن صدقت بریدہ غم فزود

(۱) تو نے اپنا دامن پتھروں سے بھر لیا ہے یعنی بچوں کی طرح سونے اور چاندی کے پتھروں سے۔

(۲) سونے اور چاندی کا خیال سونا اور چاندی نہیں ہوتا صرف تیرے دامنِ صدق کو پھاڑتا ہے۔ اور غم زیادہ کرتا ہے۔

معزز دوستو! تقوےٰ کی راہ بہت تنگ ہے اور اس راستے کے نشیب و فراز نظری ہیں جو ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے جب تک کہ ہم چشم بصیرت کو وا نہ کریں۔ اچھے کردار جو بظاہر نفع بخش ہوتے ہیں اور قربانی و ایثار کا نمونہ پیش کرتے ہیں اکثر نفس کی باریک در باریک چالبازیوں سے جہنم کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں۔ یہاں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی وہ حدیث سناتا ہوں جس کے بیان کرنے سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضؓ پر خشیت الٰہی سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ شقیا اصبحی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سوال کرنے پر لوگوں نے بتایا یہ صاحب ابو ہریرہ ہیں۔ چنانچہ یہ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ جب مجمع ہلکا ہوا اور لوگ چلے گئے تو اصبحی نے ابو ہریرہ سے عرض کیا کوئی حدیث سنایئے جسے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہو، سمجھا ہو، اور جانا ہو، ابوھریرہ بولے ایسی حدیث بیان کروں گا جو حضور پُر نور نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی۔ اور اس وقت میرے اور آپؐ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اتنا کہکر پھر زور سے چلائے اور بے ہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپؐ کے سوا کوئی تھا۔ اتنا جملہ منہ سے نکلا کہ چیخ مار کر غشی کی حالت میں منہ کے بَل گر پڑے۔ شقیا اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رکھا۔ ہوش آیا تو کہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب اللہ تبارک و تعالےٰ بندوں کے فیصلہ کے لئے اُترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کئے جائیں گے، عالم قرآن، راہِ خدا میں مقتول اور دولت مند۔ پھر اللہ تعالیٰ عالم سے سوال کرے گا کہ کیا میں نے تجھے قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا ہاں خدایا، اللہ تعالےٰ فرمائے گا تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا، اللہ تعالےٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے (یعنی عمل کرنے کے لئے پڑھتا پڑھاتا نہیں تھا) تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کا خطاب دیں۔ چنانچہ تو نے یہ خطاب حاصل کیا۔ پھر دولت مند سے خطاب کرے گا کہ کیا میں نے تجھے صاحب مقدرت کرکے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں الٰہی۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا تو نے اس نعمت کی کیسی قدر کی، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا۔ صدقہ دیتا تھا۔ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے۔ بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے۔ اور تو لوگوں میں اسی طرح مشہور ہو گیا۔ پھر وہ شخص جس کو اللہ کی راہ میں شہید ہونے کا دعوےٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہو گا کہ تو کیوں مار ڈالا گیا؟ وہ کہے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے۔ تو یہ کہا جا چکا یہ حدیث بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابوہریرہ سب سے پہلے انہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ یہ حدیث ترمذی سے ابواب الزھد میں مروی ہے۔

پس اے معزز دوستو! جب بھی آپ کوئی نیک کام کرنے کے لئے قدم اُٹھاؤ تو پہلے ہی قدم پر اپنے نفس کو ٹٹولو کہ کہیں اس کام میں اس کی باریک در باریک ملونی تو نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ــــ

نفسِ خود را پاک کُن از ہر فضول + ترک خود کن تا کند رحمت نزول

پھر درد بھرے دل سے ہاں اس دل سے جو قوم کی زبوں حالی سے سوزِ غم میں جلا جا رہا ہے جسے اپنے اِرد گرد قحط الرجالی دکھائی دیتی ہے فرماتے ہیں ؎

در حقیقت مردم معنی کم اند
گو ہمہ از روئے صورت مردم اند

حقیقی توبہ کا دن بہت ہی مُبارک اور تمام ایّام سے افضل ہے

سب صاحب یاد رکھیں کہ اللہ تعالےٰ نے اسلام میں بعض ایسے دن مقرر کئے ہیں کہ وہ دن بڑے خوشی کے دن سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان میں اللہ تعالےٰ نے عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔ منجملہ ان دنوں کے ایک دن جمعہ کا ہے۔ یہ دن بھی بڑا مبارک ہے۔ لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ ہی کو پیدا کیا اور اسی دن ان کی توبہ منظور ہوئی تھی۔ اور بھی بہت سی برکات اور خوبیاں اسی دن کی ماثور ہیں۔ ایسا ہی اسلام میں دو عیدیں ہیں ان دونوں دنوں کو بھی بڑی خوشی کے دن مانا گیا ہے اور ان میں بھی عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔ لیکن یاد رکھو یہ دن بے شک اپنی اپنی جگہ مُبارک اور خوشی کے دن ہیں۔ لیکن ایک دن ان سب سے بڑھ کر مُبارک اور خوشی کا دن ہے۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نہ تو اس دن کا انتظار کرتے ہیں اور نہ اس کی تلاش، ورنہ اگر اس کی برکات اور خوبیوں سے لوگوں کو اطلاع ہوتی یا وہ اس کی پرواہ کرتے تو حقیقت میں وہ دن ان کے لئے بڑا ہی مبارک اور خوش قسمتی کا دن ثابت ہوتا اور لوگ اسے غنیمت سمجھتے۔

وہ دن کونسا دن ہے؟ جو جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مُبارک دن ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ دن انسان کی توبہ کا دن ہے، جو ان سب سے بہتر اور ہر عید سے بڑھ کر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس دن وہ بد اعمالنامہ جو انسان کو جہنم کے قریب لے جاتا ہے، اور اندر ہی اندر غضب الٰہی کے نیچے اسے لا رہا تھا دھویا جاتا ہے۔ اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت میں اس سے بڑھ کر انسان کے لئے اور کونسا خوشی اور عید کا دن ہوگا جو اسے بدی اور غضب الٰہی سے نجات دیدے۔ توبہ کرنے والا گنہگار جو پہلے خدا تعالےٰ سے دور اور اس کے غضب کا نشانہ بنا ہوا تھا اب اسکے فضل سے اسکے قریب ہوتا اور جہنم اور عذاب اس سے دور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ان اللّٰہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ ۲/۱۲ بے شک اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے۔

اس آیت سے نہ صرف یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت شرط ہے، ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے الگ ہونا ضروری ہے ورنہ نری توبہ اور لفظوں کے تکرار سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پس جو دن ایسا مُبارک دن ہو کہ انسان اپنی بدکرتوتوں سے توبہ کرے، اللہ تعالےٰ کے ساتھ سچا عہد صلح باندھے اور اس کے احکام کے لئے اپنا سر خم کر دے تو کیا شک ہے کہ وہ اس عذاب سے جو پوشیدہ طور پر اس کے بدعملوں کی پاداش میں تیار ہو رہا تھا، بچایا جاوے گا اور اس طرح پر وہ، وہ چیز پا لیتا ہے جس کی گویا اسے توقع اور امید ہی نہ رہی تھی۔

تم خود قیاس کر سکتے ہو کہ ایک شخص جب کسی چیز کے حاصل کرنے سے مایوس ہو گیا ہے وہ ایسی نا اُمیدی اور یاس کی حالت میں اگر اپنے مقصود کو پا لے تو اسے کس قدر خوشی حاصل ہوگی۔ اس کا دل ایک تازہ زندگی پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ احادیث اور کُتُب سابقہ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ جب انسان گناہ کی موت سے توبہ کے ذریعہ سے نئی زندگی پاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی زندگی سے خوش ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ خوشی کی بات تو ہے ہی کہ انسان گناہوں کے نیچے دبا ہُوا ہو اور موت ہر طرح اس کے قریب ہو عذاب الٰہی اس کے کھا جانے کے لئے تیار ہو کہ وہ یکایک ان بدیوں اور بدکاریوں سے جو اس بُعد اور ہجر کا موجب تھیں توبہ کر کے خدا تعالےٰ کی طرف آ جاوے۔ وہ وقت خدا کی خوشی کا ہوتا ہے اور آسمان پر ملائکہ بھی خوشی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ تباہ اور ہلاک ہو، وہ تو چاہتا ہے کہ اگر اس کے بندہ سے کوئی غلطی اور کمزوری بھی ظاہر ہوئی ہے تو پھر بھی وہ توبہ کر کے امن میں داخل ہو۔

پس یاد رکھو کہ وہ دن جب انسان اپنے گناہوں [illegible] سے توبہ کرتا ہے بہت ہی مُبارک دن ہے اور سب ایّام سے افضل ہے کیونکہ وہ نئی زندگی پاتا ہے اور خدا تعالےٰ کے قریب کیا جاتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے یہ دن جس میں تم میں سے بہتوں نے اقرار کیا ہے کہ میں آج اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتا رہوں گا یوم توبہ ہے اور اللہ تعالےٰ کے وعدہ کے موافق میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شخص کے جس نے سچے دل سے توبہ کی ہے پچھلے گُناہ بخش دیئے گئے اور وہ

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ

کے نیچے آگیا ہے۔ گویا کہہ سکتے ہیں کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی پاکیزگی اور سچی طہارت کی طرف قدم بڑھایا جاوے اور یہ توبہ نری توبہ ہی نہ ہو بلکہ عمل کے نیچے آ جاوے یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ کسی کے گُناہ بخش دیئے جاویں۔ بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے

دیکھو انسانوں میں اگر کوئی کسی کا قصور اور خطا کرے تو بعض اوقات اس کا کینہ پشتوں تک چلا جاتا ہے۔ وہ شخص نسلاً بعد نسل تلاش حریف میں رہتا ہے کہ کوئی موقعہ ملے تو بدلہ لیا جاوے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم وکریم ہے۔ انسان کی طرح سخت دِل نہیں جو ایک گناہ کے بدلے میں کئی نسلوں تک پیچھا نہیں چھوڑتا اور تباہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ رحیم کریم خُدا ستّر برس کے گُناہوں کو ایک کلمہ سے ایک لحظہ میں بخش دیتا ہے۔ یہ مت خیال کریں کہ وہ بخشنا ایسا ہے کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں، نہیں وہ بخشنا حقیقت میں فائدہ رساں اور نفع بخش ہے۔ اور اس کو وہ لوگ خوب محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی ہو۔

(تقریر حضرت مسیح موعودؑ۔ ۲۸ اگست ۱۹۰۲ء)

شُکریۂ تعزیت

محترم بزرگانِ سلسلہ۔ ممبرانِ جماعتِ احمدیہ اور شبان الاحمدیہ کی طرف سے بذریعہ خطوط و اخبار پیغام صلح بندہ کی بہو (عزیزم ناصر احمد صاحب کی اہلیہ) کے متعلق تعزیتی قرار دادیں موصول ہوئی ہیں۔ آپ احباب نے میرے غم میں شریک ہو کر جس قدر میری دلجوئی کی ہے اور میرا حوصلہ بڑھایا اور ایمان تازہ کیا ہے۔ اس کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

فرداً فرداً ہر ایک خط کا جواب دینا مشکل ہے۔ لہذا بذریعہ اخبار پیغام صلح جملہ احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ ہماری اس چھوٹی سی رُوحانی جماعت کو اپنی رحمتوں سے نوازے (آمین) اور ہمیں تبلیغ اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

(غمزدہ: اللہ دِتّہ موحد۔ از چندر کے منگولے)

احکاماتِ ربّانی ۔ ارشاداتِ نبوی

● مومن صرف وہی ہیں - کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور جب اُن پر اُس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں - جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور اُس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راہِ خُدا میں خرچ کرتے ہیں - یہی سچے مومن ہیں - ان کے لئے ان کے ربّ کے ہاں بڑے درجے اور بخشش اور عزّت والا رزق ہے - (الانفال)

● وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور مدد دی یہ ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں -

● جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے ہاں عظیم ترین مرتبہ رکھتے ہیں اور وہی بامراد ہوں گے - ان کا ربّ ان کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے - ان کے لئے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی - انہیں میں ہمیشہ رہیں گے - بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے -

ارشاداتِ نبوی :-

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

● جب تم میں سے کوئی نماز کی جماعت کا امام ہو - تو اسے تھوڑا پڑھنا چاہیئے کیونکہ جماعت میں ضعیف، بیمار اور کام کاج والے ہوں گے - اور اکیلے پڑھو تو بے شک جتنا جی چاہے پڑھو -

● تم میں سے ہر ایک کو اپنی ساری حاجتیں اپنے ربّ سے مانگنی چاہئیں یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگو -

● اللہ کی پناہ مانگو ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو - ایسی دُعا سے جو سُنی نہ جائے - ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو -

● دُنیا کی محبّت سب گناہوں کی سردار ہے - اور ایک ہی چیز کی محبّت تمہیں اندھا، بہرا اور گونگا کر دیتی ہے -

● ملعون ہے وہ جس کا اعتماد اپنے جیسی مخلوق پر ہو -

● جس شخص کے دل میں ذرّہ بھر ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکالا جائے گا -

● ایماندار آدمی کا ہر کام اُس کے لئے اچھا ہے اسے جب خوشی حاصل ہوتی ہے وہ شکر کرتا ہے - اگر اسے دُکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں اچھی ہیں -

● ایمان دار وہ شخص ہے جس سے لوگ اپنے مال اور جان کو محفوظ سمجھیں -

● کوئی شخص تم میں سے ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے -

● تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے - تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے - پس روزہ بھی رکھو مگر کھانا بھی کھاؤ - نماز پڑھو مگر سوؤ بھی -

اقوال حضرت عمرؓ :-

● ایمان اسی کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکم شرع پر عمل کرے -

● خشوع و خضوع کا تعلق دِل سے ہے نہ ظاہری حرکات سے -

● مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا چاہیئے تاکہ دعوےٰ کرنے والا دیر کے سبب سے کہیں اپنے دعوےٰ سے مجبوراً دستبردار نہ ہو جائے -

● خدا اُس شخص پر رحمت فرمادے جو میرے عیوب سے مجھے مطلع کرتا ہے -

● جب عالم کو لغزش ہوتی ہے تو ایک عالم لغزش میں پڑجاتا ہے - ایک دن ایک شخص نے آپ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا - کہ کیا تو مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرنا چاہتا ہے -

● میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا مگر اُس کے ساتھ اللہ کو دیکھتا ہوں -

● طالبِ دنیا کو علم پڑھانا راہزن کے ہاتھ میں تلوار بیچنا ہے -

● کسی کے خُلق پر اعتماد کرنا تا وقتیکہ اسے غصّہ کی حالت میں نہ دیکھ لیوے اور کسی کی دینداری پر اعتماد کرنا تا وقتیکہ طمع کے وقت اسے نہ آزما لیوے - (غلطی ہے)

صدقہ جاریہ -

حضرت مجدّد زمان نے فرمایا :-

● ہر ایک عمل انسان کا جو اُس کے مرنے کے بعد اس کے آثار دنیا میں قائم رہیں وہ اس کے واسطے موجب ثواب ہوتا ہے - مثلاً انسان کا بیٹا ہو اور وہ اسے دین سکھلائے اور دین کا خادم بنائے تو یہ اس کے واسطے صدقہ جاریہ ہے - جس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا اعمال نیت پر موقوف ہیں ہر ایک عمل جو نیک نیتی کے ساتھ ایسے طور سے کیا جاوے کہ اس کے بعد قائم رہے وہ اس کے واسطے صدقہ جاریہ ہے - (بدر - ۴ راپریل ۱۹۰۷ء)

دِلوں میں مال کی محبّت کم کرو - (حضرت امیر مرحوم)

● اسلام کی تاریخ میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ قرآن کے ذریعہ دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا خدا سے تعلق بہت بلند تھا اور جن کے دل پاک تھے - .... اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسان کا دل اس وقت پاک ہوتا ہے جب خُدا کی محبّت کے سوا دل سے ساری محبّتیں دُور ہو جائیں - سب سے بڑی محبت مال کی ہے - اور کوئی اتنا بڑا بُت نہیں جس کے سامنے لوگ جھکتے ہیں - جتنا کہ مال کی محبّت کا بُت ہے - اس بُت کو دل سے نکال کر خُدا کی محبّت کو پیدا کرنا فی الحقیقت پہلی چیز ہے جو انسان کے دل کو پاک کرتی ہے - بڑے صاف الفاظ میں آنحضرت صلعم کو ہوتا ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا، ان کے مالوں سے صدقہ لے - اس سے تو انہیں پاک کرے گا - یہی چیز اس زمانہ کے امام سے ہم کو ملی .... دلوں کو پاک کرنے والی یہی چیز ہے - سو مال کی محبّت کو کم کرو تاکہ خدا تعالےٰ کے ساتھ تمہارا تعلق قائم ہو" (اقتباس از خطبہ جمعہ ۳۰-۱/۷۵)

بسلسلۂ تربیت شبان

تیمار داری کا حق ادا کر دیا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت اور ان کی خدمت خود بھی کرتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ اس پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے۔ اُمت کے دوسرے بزرگ بھی حضرت نبی کریم صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

ملک ایران کے ایک قصبہ میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام معروفؒ تھا۔ ایک دفعہ اُن کے ہاں ایک مہمان آیا۔ اس سے ان کا کوئی زیادہ تعارف تو نہ تھا۔ لیکن انہوں نے بڑی آؤ بھگت سے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی ہر طرح سے خدمت کی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری نے طول پکڑا اور خطرناک حالت ہو گئی۔ نہ دن کو آرام تھا اور نہ رات کو۔ گھر میں خدمت کے لئے کوئی نہ تھا۔ اس بزرگ کو سب کام کاج اپنے ہاتھ سے ہی کرنا پڑتا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ مہمان طبعی طور پر بھی بدمزاج واقع ہوا تھا۔ اس پر بیماری کا حملہ۔ ایک کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ ذرا ذرا سی بات پر لال پیلا ہو جاتا۔ اور اپنے میزبان جو بڑے خلوص سے اس کی خدمت کرتا تھا، بُرا بھلا کہتا اور سخت سُست الفاظ استعمال کرتا۔ بیچارے معروف کو نہ دن کو آرام نہ رات کو سونا نصیب ہوتا تھا۔ وقت پر کھانا کھانے کی فرصت نہ تھی۔ کئی راتیں تیمار داری میں گذار دیں۔ بے خوابی کی وجہ سے ان کی طبیعت نڈھال ہو رہی تھی۔ اور اس وجہ سے باوجود جاگنے کی کوشش کے اتفاقاً ایک رات تھوڑی دیر کے لئے ان کی آنکھ لگ گئی۔ بس پھر کیا تھا بیمار کے طیش کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ بڑی سختی سے ان کو جگایا اور بڑے سخت الفاظ ان کے حق میں کہے۔ لیکن حضرت معروف علیہ الرحمۃ ان سب نازیبا الفاظ کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیا بلکہ معذرت کی اور فرمایا کہ غلطی سے آنکھ لگ گئی ارادہ تو نہیں تھا۔ جو خدمت آپ فرماتے ہیں میں حاضر ہوں۔ اس رات بیمار نے اس قدر شور وغل برپا کیا کہ پڑوسیوں کی نیند کو بھی خراب کیا۔ چنانچہ صبح کے وقت اور اس مریض سے کہنے لگے کہ بندۂ خدا! تم کو خیال نہیں آتا کہ ایک شخص دن رات تمہاری خدمت کرتا ہے اور کئی رات سو نہیں سکا اور اگر اس سے [illegible] طور پر کوئی کمی رہ گئی ہے تو اس قدر شور وغل مچاتا اور گالی گلوچ [illegible] آپ کس قدر ناشکر گذاری ہے۔ ہم تعجب کر رہے ہیں کہ تیرے جیسے نالائق اور ناشکر گذار شخص کو انہوں نے نکال کیوں نہیں دیا۔" جناب معروف علیہ الرحمۃ نے ان کی بات سن کر کہا کہ برادران! آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ میرا مہمان مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا ہے اس کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے آپ لوگوں کو اس سے ہمدردی کرنی چاہیئے میں آپ کی اس نوازش کا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ لوگ میرے معاملہ میں اس قدر دلچسپی لیتے اور مجھ سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ لیکن آپ مجھے میرے حال پر ہی چھوڑ دیں۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنے بیمار مہمان کی ہر طرح سے خدمت کروں اور یہ خدا اور خدا کے رسولؐ کا حکم ہے۔ اگر ان کی طرف سے کوئی سختی بھی ہوگی تو وہ بھی میں برداشت کروں گا۔ اس سے مجھے زیادہ ثواب ملے گا۔

بزرگ کی یہ بات سُن کر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور کہتے تھے کہ اس شخص کے تحمل اور بُردباری کا کچھ ٹھکانا نہیں اور یہ شخص خدا کے خاص بندوں میں سے ہے۔

دیانت

ایک مسلمان کے لئے دیانت دار ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ اس کے ایمان کی کسوٹی ہے۔ جس میں دیانت نہیں اس کا ایمان نہیں۔ دنیا کے کاروبار دیانت کے بغیر چل نہیں سکتے۔ کوئی قوم دیانت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ دیانت نہ ہونے سے باہمی اعتبار قائم نہیں رہ سکتا۔ اور جب ایک دوسرے کا اعتبار نہیں ہوگا تو دُنیا کے کام کاج بھی چل نہیں سکیں گے۔ اس راز کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خوب سمجھتے تھے۔ جہاں ان کے اندر اور سینکڑوں اور ہزاروں خوبیاں تھیں وہ حد درجہ کے دیانت دار تھے اور یہ سب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا۔

ایک صحابی حضرت ابن کعب کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انہیں رستے میں گری پڑی تھیلی ملی جس میں پوری سو اشرفیاں تھیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو چپکے سے اپنے گھر لے جاتا اور خوب مزے سے عیش کرتا۔ لیکن حضرت ابن کعب تھیلی لے کر فوراً آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اشرفیوں کی یہ تھیلی مجھے رستہ میں گری پڑی ملی ہے۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ کس کی ہے۔ اس کا کیا کیا جائے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ تم اس کے مالک کی تلاش کرو۔ اور ڈھنڈورا دے کر دریافت کرو کہ کس کی تھیلی ہے۔ اور اگر مالک نہ ملے تو کم از کم ایک سال تک برابر تلاش میں لگے رہو اور اسے اپنے پاس بطور امانت رکھو۔ حضرت ابن کعبؓ نے حضور صلعم کے حکم کے مطابق مالک کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور پورا ایک سال تلاش میں لگے رہے، لیکن مالک نہ ملا۔ ایک سال گذرنے کے بعد پھر حضور صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! باوجود میری تلاش کے اشرفیوں کا مالک نہیں ملا، اب کیا کیا جائے۔ حضور صلعم نے جواب دیا کہ ایک سال اور تلاش کرو۔ دوسرے سال کے ختم ہونے پر پھر وہ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس سال بھی مالک نہیں ملا، اب کیا کیا جائے۔ حضور صلعم نے جواب دیا کہ ایک سال اور انتظار کرو۔ اگر اس عرصہ کے اندر مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے کہ ان کو تم اپنے استعمال میں لے آؤ۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے کا بیان کیا جاتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان بن عبد اللہ رضؓ کو ایک گری پڑی تھیلی ملی جس میں کچھ روپے تھے۔ وہ اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لائے اور عرض کی" امیر المومنین! یہ تھیلی گری پڑی مجھے ملی ہے۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ایک سال تک اس کو محفوظ رکھو اور مالک کی تلاش کرو۔ اگر ایک سال تک مالک نہ ملے تو پھر تم خود اس کو استعمال کرنے کے حقدار ہو۔ ایک سال گذر گیا، مگر مالک نہ ملا۔ حضرت سفیان پھر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المومنین! باوجود تلاش کرنے کے مالک نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا اب تم خود اس کو استعمال کر سکتے ہو۔ لیکن حضرت سفیان کی راستبازی اور دیانت داری دیکھئے کہ آپ نے فوراً کہا کہ مجھے تو اس کی ضرورت نہیں۔ اللہ! اللہ!! صحابہ کی سیر چشمی اور مال دنیا سے بے رغبتی کا بھی عجب عالم تھا۔ خلیفۂ وقت اجازت دیتا ہے کہ یہ روپیہ تم استعمال کر لو۔ مگر جواب ملتا ہے کہ ضرورت نہیں۔ روپے کی کس کو ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے صحابہ اپنے گذارہ سے زیادہ لینا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ طبیعت میں لالچ ذرا نہ تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے وہ روپیہ بیت المال میں جمع کرا دیا (خان مرتضیٰ خان حسن مرحوم)

جناب این اے فاروقی صاحب
ترجمہ: ابو سلمان ایم اے۔ ———— (بشکریہ لائٹ)

حیات بعد الموت

(بقیہ قسط نمبر ۳۔ بسلسلہ ۷ ستمبر ۱۹۷۷ء)

جب مجھے ایمبولینس میں لے جایا جا رہا تھا تو پورٹ چیسٹر کے پرائیویٹ ہسپتال کو جو چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ بذریعہ وائرلیس اطلاع دی گئی۔ ہسپتال نے اپنے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ کوڈ "۹۹" پر ایمرجنسی روم میں موجود تمام اشخاص کو باخبر کر دیا۔ ایمرجنسی روم میں قابل ماہرین موجود تھے۔ جب میں پہنچا تو دو انٹرنیسٹ دو سرجن، شعبہ امراض دماغی کے دو ماہر دو شعبۂ تنفس کے ماہر اور چار نرسیں انتظار میں تھیں۔

گیارہ بجکر دس منٹ ہوئے تھے۔ کارڈیک مانیٹر لگا دیا گیا۔ آکسیجن مہیا کرنے والی ٹیوب میری سانس کی نالی میں رکھ دی گئی۔ انٹراوینس ٹیکے لگانا شروع کر دیئے گئے۔ پھر ایک بجلی جھٹکے دینے والا آلہ میری چھاتی سے لگایا گیا۔

گیارہ بج کر ۱۵ منٹ ہوئے تھے۔ ہر شخص یہ دیکھ حیران رہ گیا کہ میں سیدھا اٹھ بیٹھا اور میز سے اترنے لگا۔ لیکن مجھے روک لیا گیا۔

اس دن سے بتدریج تیزی کے ساتھ افاقہ ہوتا گیا۔ آٹھ دن بعد میں ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔

سوالات اب میرے بیوی بچے، دوست احباب اور اجنبی پوچھنے لگے کہ موت کیسی ہے اور ان ۲۲ منٹوں کے دوران جبکہ میرا دل اور سانس بند تھا، جو کچھ ہوا یا کیا گیا وہ سب کچھ یاد کر سکتا ہوں۔

جیسا کہ دوسرے لوگوں نے بیان کیا ہے میرے لئے "اپنے سامنے اپنی تمام زندگی دیکھنے" کا کوئی موقعہ نہ تھا۔

میں ابھی ابھی ایک راحت بخش ڈیڑھ میل کی ہلکی پھلکی سیر کے بعد لوٹا ہوں۔ میں اپنے باغ میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں۔ سر کے اوپر جنوبی ہوا میں ایک پرندہ محو پرواز ہے۔ دو چھوٹے بچے ہاتھ میں ہاتھ لئے اپنی دنیا میں مگن گلی میں چلے جا رہے ہیں۔ ابھی تو میں اس دنیا سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ دنیا مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔

ذاتی تجربہ جریدہ ریڈرز ڈائجسٹ نے اپنا "پہلا پرسنل ایوارڈ" مندرجہ ذیل مضمون پر دیا، جو امریکہ ایک فلم پروڈیوسر سٹروتھرز ڈی شاہ نے لکھا ہے۔ ایک بڑے قلبی حملہ کے بعد اپنی موت اور دوسرے کلینک کے دوران اس نے جو کچھ دیکھا اس مضمون میں درج کیا ہے۔

اس نے بیان کیا کہ کچھ دیر کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میری آنکھیں کھلی ہیں۔ لیکن ابھی تک میں دوسری دنیا کا حصہ تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اتفاقاً مجھے یہ انسانی جسم دیا گیا ہے اور یہ پہننا مشکل تھا۔ ڈاکٹر رودتھ نے بعد میں بتایا کہ:

"میں تمہیں دوبارہ دیکھنے آیا تو تم بالکل ہوش میں تھے میں نے تم سے پوچھا کہ تم کیسے محسوس کر رہے ہو تو تم نے جواب دیا "میں ایسے محسوس کرتا ہوں گویا میں وہاں رہتا تھا اور واپس آ گیا ہوں"۔ "یہ سچ تھا تم وہاں تھے اور اب تم واپس آ گئے ہو"۔

ایک مشکل وقت آیا۔ میں اپنے ارد گرد کی دنیا سے رابطہ قائم نہ کر سکا۔ کیا میں فی الحقیقت اب یہاں تھا، یا کیا یہ ایک وہم و فریب۔ کیا وہ دوسری کیفیت جس کا میں نے ذاتی طور پر مشاہدہ کیا تھا۔ وہ ایک حقیقت تھی یا کیا وہ فریب نظر تھا۔ میں وہاں لیٹا رہا اور اپنے جسم کو شبہ و تعجب سے دیکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی اپنی قوتِ ارادی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور میں اس میں صرف ایک تماشائی کے طور پر ہوں۔ میں یہ دیکھ کر متعجب ہوتا کہ میرے ہاتھ کوئی چیز پکڑنے کھانے پینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ لوگوں کو سوتے خواب دیکھتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یہ سب کچھ پس پردہ دیکھ رہا ہوں۔

ان پہلے چند دنوں کے دوران میں دو آدمی۔ میری بے ہوشی اور ماحول سے لاتعلقی نے ڈاکٹروں کو پس و پیش میں ڈال دیا۔ تمام دماغ بالکل ہی ختم ہو چکا تھا۔

چھٹے دن اچانک تبدیلی آئی کہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ارد گرد کی دنیا کوئی نرالی دکھائی نہ دی۔ میرے اندر کسی چیز نے واپسی سفر کی تکمیل کا فیصلہ کیا۔ اس دن کے بعد سے میں بسرعت صحت یاب ہوتا گیا۔ آٹھ دن کے بعد مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔

سوالات

اب اہل و عیال، عزیز و اقارب اور ملاقاتیوں نے پوچھنا شروع کیا کہ موت کیسی ہوتی ہے۔ کیا مجھے یاد ہے کہ ان ۲۲ منٹوں میں جب میرا سانس اور دل بند تھا مجھ پر کیا گذری۔ میں نے محسوس کیا کہ اس دوران میں نے جو مشاہدہ کیا، وہ آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

جب میں نے اپنے جسم کو چھوڑا تو میں نے ان تمام حیاتی انسانی لوازمات کو بھی پیچھے چھوڑ دیا جن کے ذریعہ سے ہم دنیا کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ اب میں اس ہماری دنیا میں اپنے مقام و مرتبہ اور آخری حقیقت سے تعلق و رابطہ سے متعلق نئی و خاص باتیں جان گیا ہوں۔

میرا یہ علم دماغ کے ذریعہ سے نہیں لیکن میرے ایک دوسرے حصہ کے توسط سے تھا جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔

زندگی سے موت کی طرف منتقل ہونے کا لمحہ خواہ اسے کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ بہرحال میرے لئے آسان تھا، نہ خوف و خطرہ کا عالم تھا نہ دکھ درد اور نہ فکر و تردد کا جیسا کہ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے اپنی تمام زندگی اپنے سامنے دیکھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا آخری تاثر مختصر سے لمحہ میں ہی ختم ہو گیا۔ میں بڑی تیز رفتار کے ساتھ بڑی روشنی کے جال کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔ ایک جنگلہ رکاوٹ کے طور پر ظاہر ہوا جو آگے بڑھنے سے روکتا تھا۔ میں جنگلے میں گذرنا نہیں چاہتا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میری رفتار سست پڑ گئی۔ پھر میں ایک جنگلے میں تھا، جونہی میں اس میں گیا تو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تیز روشنی اس وقت مجھ میں سما گئی۔ کوئی دکھ درد نہ ہوا۔ احساس پر کوئی اثر نہ ہوا نہ اچھا نہ برا۔ ہر شئے کی کیفیت بدل چکی تھی۔ اس صورتِ حال کو الفاظ میں بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔

یہ جنگلا ایک ٹرانسفارم اور توانائی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والی مشین کی طرح تھا۔ جس نے زمان و مکان سے ماورا مجھے ہست سے بے ہستی میں بدل دیا۔ اب نہ تو میں کوئی مقام رکھتا تھا نہ کوئی حجم و رتبہ۔ تاہم ایک وجود تھا۔ یہ "میں" وہ "میں" نہیں تھا جس تھا جس کو میں جانتا تھا۔ بلکہ (۲) کا ایک مظہر و مصفیٰ خلاصہ تھا۔ جس کو میں کچھ جانتا پہچانتا تھا۔ جس کو میں ذاتی خوف و خطرات، امیدوں، خواہشات آرزوؤں اور

(باقی بر صفحہ ۲ کالم ۲)

رپورٹ :- زاہد جنجوعہ ۔ سیکرٹری شبان الاحمدیہ لاہور یونٹ ۔

جُمعۃُ الوداع کی تقریب

شبان الاحمدیہ لاہور کی جانب سے مؤرخہ ۹ ستمبر ۱۹۷۷ء بموقعہ جمعۃ الوداع مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں ایک خصوصی اجلاس کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت یونٹ ہذا کے صدر چوہدری ناصر احمد صاحب نے فرمائی۔ اس اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز جناب شاہد جاوید جنجوعہ نے تلاوت قرآن پاک سے کیا اور ارشد حبیان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔

اس موقعہ پر اس اجلاس کے فاضل مقرر محترم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ماہِ رمضان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس مبارک مہینہ میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ ماہِ صیام جملہ مسلمانان عالم کے لئے نفسانی خواہشات کے خلاف ایک مجاہدہ کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اس مہینہ کے دوران روزہ کے ذریعے یہ مجاہدہ روحانی ترقی کے لئے شرطِ اوّل ہے۔ جو کہ دینِ اسلام کی اصل روح ہے۔

فاضل مقرر نے فرمایا کہ مجدد زمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں ہر وقت تڑپ تھی۔ یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کے غلاموں میں بھی یہی تڑپ کام کرتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولینا نورالدین رح نے درس قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور آپ کے بعد حضرت صاحب کے ایک اور رشید شاگرد حضرت مولینا محمد علی صاحب رح نے آپ کی اس خواہش کو قرآن کریم کو تفسیر رنگ میں عملی شکل دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور حضرت امیر مرحوم کی یہ وصیت ہمارے پیش نظر ہے کہ

> " ہمارا کام قرآن کو دُنیا میں
> پہنچا دینا ہے۔ آگے قرآن اپنا
> کام خود کرے گا"

فاضل مقرر نے اس بات پر زور دیا کہ جہاد بالقرآن ہماری جماعت کا طرۂ امتیاز ہے اور حرمتِ قرآن کریم کے قیام کے سلسلے میں تحریک احمدیت کا کردار منفرد اور مثالی رہا ہے آج بھی عامۃ المسلمین میں ایسے حلقے موجود ہیں جو کہ قرآن کریم کو مجمل اور حدیث کو مفصّل کتاب سمجھتے ہیں اور اہلِ حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ :-

الحدیث قاضیۃ علیٰ کتاب اللہ

بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت نے ناسخ و منسوخ کے چکر میں پڑ کر قرآن کریم کو ناقابلِ عمل کتاب بنا دیا ہے جبکہ ہمارے امام نے فرمایا کہ :-

> " قرآن کریم کا ایک نقطہ یا شعشہ بھی نہ ناسخ ہے نہ منسوخ "

ہمارے امام کے نزدیک قرآن کے لئے اس قدر عزت ہے کہ ان کا ارشاد ہے کہ :-

> " اگر کوئی حدیث قرآنی مطالب سے مطابقت نہ رکھے تو اسے چھوڑ دیا جائے "

اس برِ صغیر میں جماعتِ احمدیہ نے سب سے پہلے درسِ قرآن کریم کا اجرا کیا تھا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر جگہ درس قرآن کریم کا اہتمام کریں۔ معارف قرآن کریم سیکھنے کے لئے توجہ اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے روزانہ اوقات میں سے اس مقصد کی خاطر مناسب وقت نکالیں۔ فاضل مقرر نے خصوصًا نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں حضرت امیر مرحوم و مغفور کا یہ ارشاد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

> " اے میرے نوجوانو! احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اور بزرگوں کے وجود کو دفن غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے علمی خزانوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہیں اور اس کے ساتھ ہی سب نوجوانوں کو چاہیئے کہ اس تنظیم شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کے تعمیری پروگراموں میں بھرپور حصہ لیں اور عملی تعاون کریں۔

خوشی کی بات ہے کہ گذشتہ "شبان الاحمدیہ تربیتی کورس" کے انعقاد کو کثرت سے احباب سلسلہ نے سراہا ہے اور اس بات کی خواہش ظاہر کی ہے کہ ایسے تربیتی کورس سال میں مناسب وقفے سے لازمی ہونے چاہئیں تاکہ جذبہ برقرار رہے۔

اپنی تقریر کے آخر میں فاضل مقرر نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

> " اب ہماری زندگی کا سارا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم سختی سے احمدیت پر کاربند ہو جائیں۔"

آپ نے کہا کہ :-

> " حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت شک و شبہ سے بالا اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس لئے دامنِ مسیح موعود سے وابستگی مستحکم تر کرنے کی ضرورت ہے۔"

اس بصیرت افروز خطاب کے بعد حضرت امیر قوم مولنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے دُعا پر یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــ مؤرخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۳۷

احمدیہ ... لاہور میں باہتمام احمد برنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش۔

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۶ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۳۸

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

قبولِ دُعا کے متعلق چند شرائط

قبولِ دُعا کے لئے بھی چند شرائط ہوتی ہیں - ان میں سے بعض تو دُعا کرنے والے کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض دُعا کرانے والے کے متعلق - دُعا کرانے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے خوف اور خشیت کو مدِ نظر رکھے - اور اس کے غناء ذاتی سے ہر وقت ڈرتا رہے اور صلحکاری اور خدا پرستی اپنا شعار بنا لے - تقوےٰ اور راستبازی سے خدا تعالےٰ کو خوش کرے - تو ایسی صورت میں دُعا کی قبولیت کے لئے باب استجابت کھولا جاتا ہے - اور اگر وہ اللہ تعالےٰ کو ناراض کرتا ہے اور اس سے بگاڑ اور جنگ قائم کرتا ہے، تو اس کی شرارتیں اور غلط کاریاں دُعا کی قبولیت کی راہ میں ایک سد اور چٹان ہو جاتی ہیں اور استجابت کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جاتا ہے - پس ہمارے دوستوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہماری دُعاؤں کو ضائع ہونے سے بچاویں - اور ان کی راہ میں کوئی روک نہ ڈال دیں - جو ان کی ناشائستہ حرکات سے پیدا ہو سکتی ہے - ان کو چاہیئے کہ وہ تقوےٰ کی راہ اختیار کریں - کیونکہ تقوےٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو شریعت کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں - اور اگر شریعت کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں - تو مغز شریعت تقوےٰ ہی ہو سکتا ہے - تقوےٰ کے مدارج اور مراتب بہت سے ہیں - لیکن اگر طالب صادق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل کو استقلال اور خلوص سے طے کرے تو وہ اس راستی اور طلبِ صدق کی وجہ سے اعلےٰ مدارج کو پا لیتا ہے - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (پارہ ۶) گویا اللہ تعالےٰ متقیوں کی دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے - یہ اس کا وعدہ ہے - اور اس کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا - جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (پارہ ۳) پس جس حال میں تقوےٰ کی شرط قبولیت دُعا کے لئے ایک غیر منفک شرط ہے - تو ایک انسان غافل اور بے راہ ہو کر اگر قبولیت دُعا چاہے - تو کیا وہ احمق اور نادان نہیں ہے - لہٰذا ہماری جماعت کو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان میں سے ہر ایک تقوےٰ کی راہوں پر قدم مارے - تاکہ قبولیت دُعا کا سرور اور حظ حاصل کرے اور زیادتی ایمان کا حصہ لے۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں - ایک امّارہ دوسری لوّامہ تیسری مطمئنہ - نفسِ امارہ کی حالت میں انسان گویا شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کی طرف بہت جھکتا ہے - لیکن نفس لوامہ کی حالت میں وہ اپنی خطا کاریوں پر نادم ہوتا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف جھکتا ہے - مگر اس حالت میں بھی ایک جنگ رہتی ہے - کبھی شیطان کی طرف جھکتا ہے اور کبھی رحمان کی طرف - مگر نفسِ مطمئنہ کی حالت میں وہ عباد الرحمٰن کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے - اور یہ گویا ارتفاعی نقطہ ہے - جس کے بالمقابل نیچے کی طرف امّارہ ہے - اس میزان کے بیچ میں لوامہ ہے جو ترازو کی زبان کی طرح ہے - انخفاضی نقطہ کی طرف اگر زیادہ جھکتا ہے تو حیوانات سے بھی بدتر اور ارذل ہو جاتا ہے - اور اگر ارتفاعی نقطہ کی طرف رجوع کرتا ہے - تو اسی قدر اللہ تعالےٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے - اور سفلی اور ارضی حالت سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان سے حصہ لیتا ہے۔

یہ بات بھی خوب یاد رکھنی چاہیئے - ہر بات میں منافع ہوتا ہے دنیا میں دیکھ لو - اعلےٰ درجہ کی نباتات سے لے کر کیڑوں اور چوہوں تک بھی کوئی چیز ایسی نہیں جو انسان کے لئے منفعت اور فائدہ سے خالی ہو - یہ تمام اشیاء خواہ وہ ارضی ہیں یا سماوی، اللہ تعالےٰ کی صفات کے اظلال اور آثار ہیں - اور جب صفات میں نفع ہی نفع ہے - تو بتلاؤ ذات میں کس قدر نفع اور سود ہوگا - اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جیسے ان اشیاء سے ہم کسی وقت نقصان اٹھاتے ہیں تو اپنی غلطی اور نافہمی کی وجہ سے - نہ اس لئے کہ نفس الامر میں ان اشیاء میں مضرت تھی - نہیں - بلکہ اپنی غلطی اور خطا کاری سے - اسی طرح ہم اللہ تعالےٰ کی بعض صفات کا علم نہ رکھنے کی وجہ تکلیف اور مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں - ورنہ خدا تعالےٰ تو ہمہ رحم اور کرم ہے - (منظور الٰہی - صفحہ ۸۹)

ایمان اور عمل کا تطابق ضروری ہے

عقیدہ خواہ کتنا ہی صحیح ہو۔ عمل کے بغیر بے معنی ہے

انسان بڑا عاجز ہے۔ اس کا علم ناقص اس کی نگاہ نہایت ہی محدود، تاہم اگر اللہ تعالےٰ کے ساتھ اس کا تعلق ہو جائے تو انسان کے جوارح ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ وغیرہ ان کے ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام پر جب انسان پہنچتا ہے تو خدائی صفات اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں۔ اس وقت ساری کائنات کی طاقتیں انسان کی مٹھی میں ہوتی ہیں۔ اس کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ آتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ تمام دُنیا کی طاقتیں اکٹھی ہو کر اس کے ساتھ ٹکراتی ہیں۔ اور اس طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ جیسے ایک بہت بڑی لہر چٹان سے ٹکرا کر جھاگ کی شکل میں ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص اس عالی مقام کی طرف جتنا بڑھتا ہے اتنا ہی اس کے مزاج میں عاجزی۔ انکساری۔ مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ، محبت، وفا بڑھتی جاتی ہے۔

انبیاء، اولیاء، صلحاء کی سوانح حیات پر نگاہ ڈالیئے بات واضح ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ کے عشاق سب سے بڑھ کر خود دار ہوتے ہیں۔ باعزت ہوتے ہیں۔ باوقار ہوتے ہیں۔ وہ بیک وقت خاکسار اور باوقار ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے شیر مرد ان خاکی فرش پر بیٹھنے اور لیٹنے والوں کے سامنے ان کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔

ایمان اور عمل کا جتنا تطابق بڑھے گا اتنا ہی انسان کا قدم اس بلند مقام کی طرف اُٹھتا جائے گا۔ اور جتنے زیادہ مصنوعی یا اپنے تجویز کردہ طریقے اپنا وقار یا رُعب و دبدبہ قائم کرنے کے لئے کوئی شخص اختیار کریگا اتنی ہی ذلت اور رُسوائی اس پر وارد ہوگی۔ اس بات کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ واقعات روزِ روشن کی طرح اس امر کو ثابت کرتے ہیں۔ جو وقار اور عزت تقوےٰ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس میں ثبات ہے۔ جہاں ان کی بنیاد کسی اور تدبیر پر ہے وہاں یہ بڑائی وقتی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایسی حالت میں ظلم کا ہاتھ اسے سہارا دے رہا ہوتا ہے۔ ذرا سی اس میں کمزوری آئی اور تھوڑے ہی وقت میں سب کچھ خاک میں مل گیا۔ جن لوگوں نے پاکیزہ جدّ و جہد سے عزت حاصل کی، انہیں اس دُنیا سے گذرے ہوئے صدیاں گذر جائیں ان کی عزت قائم رہے گی۔ عزت کا بھوکا واہ واہ کا پیاسا لاکھ اپنے اپنے ذرا منہ موڑا ایک منٹ پہلے جو لوگ اس کو آسمان کا درخشندہ ستارہ کہہ رہے تھے اس پر لعنت برساتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس کے حکم یا اشارہ کے منتظر کھڑے رہنے والے وقت آنے پر اسے حقارت سے ٹھکرا دیں گے۔ پرائمری جماعت کی اُردو کتاب میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ ایک امیر آدمی جب کوئی نیا ملازم رکھتا ایک شرائط نامہ پر دستخط کرا کر ایک نقل اپنے پاس رکھتا اور ایک اس ملازم کو دے دیتا کہ وہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھے اور پھر بات بات پر ملازمین کی توجہ ان شرائط کی طرف منعطف کراتا کہ تم یُوں پابند ہو، اور کہاں شرائط میں لکھا ہُوا ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ پُورا کیا جائے گا۔

ایک روز وہ رئیس منہ زور گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑا بدک گیا۔ رئیس صاحب زین سے نیچے کی طرف علیحدہ ہو گئے۔ اور ان کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ گھوڑا ڈر کر بھاگ رہا تھا اور وہ ایک طرف لٹکے ہوئے جان بچانے کی فکر میں تھے۔ سامنے سائیس نظر پڑا اسے مدد کے لئے پُکارا۔ سائیس نے بڑے اطمینان سے شرائط نامہ کی نقل جیب سے نکالی اور کہا بتایئے یہاں لکھا ہے کہ آپ کا پاؤں رکاب سے نکالا جائے۔ اگر اس رئیس کے دل میں صحیح ایمان ہوتا اور عمل اس کے مطابق ہوتا تو اس موقعہ پر خود ملازمین گھوڑے کی لپیٹ میں آ کر آقا کے ساتھ ہی اپنا قیمہ تک کروا دیتے۔ اِنسان کس قدر غافل ہے کہ ایمان کے خلاف عمل عزت کی خاطر کرتا ہے اور اس طرح ایک لشکر اپنے خلاف کھڑا کر لیتا ہے۔

مظالم اور بڑے خوفناک مظالم باعمل لوگوں پر بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ مگر ان مظالم نے ہمیشہ ان کی عزت کو چار چاند لگائے۔ لوگ اب تک یاد کر کے روتے ہیں۔ دل میں اُبال اُٹھتا ہے کہ اس وقت اس مرد خدا کے ساتھ ہوتے تو اس کے پسینہ کی جگہ خُون گراتے، دشمن کا دل بھی عزت کرتا ہے ان کے وقار کو تسلیم کرتا ہے۔

خدا تعالےٰ کو جو ایمان یا عقیدہ پسند ہے وہ قرآن میں بیان ہوا ہے اس کا نقشہ انسان کے ذہن میں یا اس کی زبان پر کیسا ہی صحیح کیوں نہ ہو۔ جب تک اس کے مطابق عمل نہیں وہ کچھ بھی نہیں۔ ایک سچا واقعہ عرض کرتا ہوں میں ایک بہت بڑے وسیع مجمع میں موجود تھا۔ ایک بہت بڑے پیر صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ آپ ریڈیو پر جو گانے ہوتے ہیں ان کے سننے سے منع فرمانے لگے کہ یہ بے حیائی ہے۔ انسان کے حیوانی جذبات اُبھرتے ہیں۔ طہارت کے مقام سے انسان گر جاتا ہے۔ یہ سب باتیں صحیح تھیں۔ پیر صاحب یک دم ایک سیکنڈ کے لئے رُکے اور بڑی متانت کے ساتھ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمانے لگے:۔

دیکھو ہمارے گھر سے بھی کبھی کبھی ریڈیو کے گانے کی آواز آ جاتی ہے، یہ خیال نہ کرنا کہ ہم خود ریڈیو پر گانے سُنتے ہیں، بلکہ یُوں ہوتا ہے کہ ریڈیو پر کوئی اور پروگرام ہے جسے چھوڑ کر مجھے مثلاً رفع حاجت کے لئے جانا پڑتا ہے، ریڈیو چل رہا ہے۔ پروگرام ختم ہوا اور گانے شروع ہو گئے۔ پیر صاحب کی پہلے بھی اکثر باتیں دل پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ اس بیان نے خدا گواہ ہے مجھے ان کی عقیدت کی حدود سے کوسوں دُور پھینک دیا۔

ایمان کا اس طرح سے بیان اور عمل سراسر اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ایمان کے ساتھ مذاق اور کیا ہوگا۔ اس طریقے سے پارسائی کو کب تک سہارا ملے گا۔ لیکن پارسائی ہے ہی کہاں جو سہارے کا سوال پیدا ہو۔ یہ تو صریحاً ریاکاری ہے۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ والی کیفیت ہے۔ اس طرح کے وعظ اور اسی قسم کی دوسری تدابیر خرچ و اخراجات وغیرہ عزت و وقار دھوکے اور فریب میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں مگر اس عزت میں ذلت پنہاں ہوتی ہے۔ جو وقت پر نظر آ جائے تو کوئی بھی ان طریقوں سے بڑائی اور بزرگی حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہو۔

کلام الٰہی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اکثر و بیشتر بد نتائج کو دیکھتے ہوئے بھی وہ کارروائیاں عمل میں آتی ہیں جو ذلتوں اور رسوائیوں کے وارد ہونے کا باعث بنتی ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں حالت اس قدر خطرناک ہو جاتی ہے کہ بڑی بلند آواز بھی ان کو صحیح ایمان کے مخالف روش اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔

ایمان کو عمل میں نہ لانا یا ایمان کے خلاف عمل کرنا آہستہ آہستہ انسان کو ایسے گند میں پھینک دیتا ہے کہ اس کی انسانیت کا احیاء ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان الذین کفروا سوآءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ کس قدر خوفناک کیفیت ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کو اپنے خاص دستِ کرم سے سہارا دے۔ آمین۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وصیت ہم کی طرف سے روح القدس جب تک کوئی خدا تعالیٰ پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔ (الوصیت ص۶)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء

"غلط گاڑی کا انتخاب ہم نے نہیں آپ نے کیا ہے"

قومی اسمبلی کے فیصلہ کے خلاف ہماری طرف سے یہ کہنے پر کہ :-

"ہم نمازیں پڑھتے ہیں - قرآنِ عزیز کی تلاوت کرتے ہیں صدقات و خیرات دیتے ہیں دین کی تبلیغ اور قرآن و حدیث کی اشاعت کو ہم وظیفہ بنائے ہوئے ہیں - ہم اس کارِ عظیم کے لئے بیرون ملک سفر کرتے ہیں - اپنی اولادوں کو بھجواتے ہیں ـــــ ان تمام اعمال و اقدامات کے باوجود ہمیں کافر کہا جا رہا ہے - ہمیں ملتِ اسلامیہ سے خارج قرار دیا جا رہا ہے - ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے قلم سے اپنے آپ کو غیر مسلم لکھیں .... اور ہمیں اس پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنا رشتہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑ لیں"

ہمارے ایک سدا کے مہربان ہم پہ ترس کھاتے اور اپنی دلسوزی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے فی الواقعہ یہ کفر و ارتداد کی وادیٔ ہلاکت ہی تک پہنچانے والا راستہ ہے اور آپ کے نیک جذبات کا انجام بجنسہٖ وہی ہونے والا ہے جو اس مسافر کے غلط تصورات اور مقصد سے متضاد عمل کا ہوتا ہے جو مشرق کی سمت اپنے آبائی شہر کا تصور ذہن میں رکھتے انتہائے مغرب کے شہر کی جانب رواں ہونے والی گاڑی میں سوار ہو جائے .... اگر وہ کہیں بھی اپنی غلطی سے مطلع ہو کر اس گاڑی سے نہ اترا تو لازماً اپنے گھر سے محروم ہوگا"

یعنی وہ اپنی منزل مقصود کو کبھی نہ پا سکے گا۔

ہمارے ان دیرینہ مہربان کو ہماری حالت پر رحم آتا ہے اور ہمیں ان کی عقل و دانش پر رونا آتا ہے - کیونکہ ہمیں غلط راہ پر تصور کرنے کے لئے جو گاڑی والی مثال انہوں نے یہاں پیش کی ہے وہ یہاں صادق نہیں آتی - کیونکہ اس روشنی کے دور میں کوئی بھی ایسا مسافر نہیں ملتا جو محض اپنے "غلط تصور" اور "مقصد سے متضاد عمل کے نتیجہ" میں کسی منزل مقصود سے دور لے جانے والی گاڑی میں سوار ہو جائے - ہر مسافر کو اپنے آبائی گاؤں - شہر - گھر اور گلی کوچے کا علم ہوتا ہے - ایک ان پڑھ دیہاتی بھی اگر اپنے آبائی شہر یا گاؤں سے باہر سفر پر نکلے تو وہ ہمیشہ دوسروں سے پوچھ گچھ کے ذریعے اسی بس یا گاڑی کا ٹکٹ لے گا جو اسے اپنے گھر کی طرف لے جانے والی ہو - ہاں اگر ہمارے مہربان کی طرح کوئی اسے بہکا کر غلط گاڑی پر سوار ہونے کا مشورہ دے تو وہ ضرور اپنی منزل سے میلوں دور چلا جائے گا۔

جماعت احمدیہ میں تو خدا کے فضل سے پڑھے لکھے لوگوں کی اتنی کثرت ہے کہ وہ اپنے کم علم بھائیوں کو بھی کبھی غلط گاڑی پر سوار نہیں ہونے دیں گے - [illegible]

نمبر بھی پڑھ سکتے ہیں - جہاں سے اس بس کا ٹکٹ ملتا ہے اس کھڑکی سے بھی خوب آشنا ہیں اور اپنی نشست کا نمبر بھی جانتے ہیں - ان کے آبائی شہر کو جانے والی ٹرین جس پلیٹ فارم پر کھڑی ہوتی ہے اس کا نمبر بھی پڑھ سکتے ہیں - اور جہاں اترنا ہو اس سٹیشن کا نام بھی جانتے ہیں اور وہیں کا ٹکٹ بھی خرید سکتے ہیں - ہمارے محسن کا یہ اپنا تصور غلط ہے کہ ہم ٹکٹ تو اپنے آبائی گاؤں کا لیں اور گاڑی بھی اسی میں سوار ہوں جو وہاں جا رہی ہو لیکن پہنچ کہیں اور جائیں - البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ ہمارے دوست پسنجر ٹرین میں سوار ہیں اور ہم تیز رفتار میل میں جو جلدی مقام مطلوب پر پہنچانے والی اور اس پسنجر کو سینکڑوں میل پیچھے چھوڑ جانے والی ہے۔

ہماری منزل اور مقام کونسا ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے ہم نے کونسا راستہ اپنایا ہے وہ ہم قرآن کریم کے الفاظ میں ہی بتائے دیتے ہیں :-

"یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں - متقیوں کے لئے ہدایت ہے - جو غیب پر ایمان لاتے ہیں - اور نماز قائم کرتے ہیں - اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں" (البقرہ ۱ تا ۵)

اور یہ فلاح اور کامیابی کیا ہے اس کا ذکر سورۃ المومنون میں اس طرح آتا ہے :-

"قد افلح المومنون - "مومن یقیناً کامیاب ہیں" - اور مومن کون ہیں وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے - لغویات سے منہ پھیرتے - پاکیزگی کے کام کرتے بدکاری کی راہوں سے بچتے - اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں - یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں اور وہ اسی میں رہیں گے"

(سورۃ المومنون - ۱ تا ۱۱)

ہم اپنے ان محسن کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصود فردوس بھی نہیں ہمارا مقصود اللہ تعالٰے کی رضا - اس کی خوشنودی اور اس کی محبت اور پیار ہے - اور یہ باتیں کیسے حاصل ہوتی ہیں اور ان بلندیوں پر کون پرواز کر سکتا ہے وہ بھی سن لیجئے :-

"اور انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالٰے کی عبادت کریں - اس کے لئے فرمانبرداری کو خالص کرتے رہتے - راست رو ہوں - اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی ٹھیک دین ہے - جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں - وہ بہترین مخلوق ہیں - ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں - ہمیشہ انہی میں رہیں گے - اللہ تعالٰے ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے - یہ اسی کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے"

(البینہ ۵ - ۷، ۸)

یہ فردوس اور خلد بریں - یہ جنت اور اس کے نیچے بہتی ہوئی نہریں اگر اسی کی رضا کا ہی دوسرا نام ہے تو یہی ہماری وہ منزل ہے جس پر ہم پہنچنا چاہتے ہیں - اور قرآن کریم ہی وہ گاڑی ہے جس کے [illegible] اور یہی اس طرف

رہنمائی کرنے والی اللہ تعالےٰ کی آخری ہدایت اور کتاب ہے۔
آئیے دیکھیں آنحضرت صلعم اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں:—

"عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ۔ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج وصوم رمضان۔"

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔"

(بخاری کتاب الایمان)

ہمارے مونس و غمخوار کو بھی یہ تسلیم ہے کہ احمدی ان پانچوں باتوں پر عمل کرنے کے مدعی ہیں اگر انہیں یہ یقین نہ ہوتا تو وہ یہ دہائی ہرگز نہ دیتے کہ انہیں ارکانِ اسلام پر عمل کرنے سے قانوناً منع کیا جائے تو پھر یہ بتائیں کہ ہم کونسی غلط گاڑی پر سوار ہیں جو ہمیں بڑی تیز رفتاری سے اپنے شہر اور گاؤں سے سمت مخالف میں لے جا رہی ہے اگر ان کا یہی خیال ہے تو پھر انہی باتوں پر ایمان لانے اور بزعم خویش ان پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ بھی اسی گاڑی میں سوار ہیں جس میں کہ ہم۔ اور وہ بھی ہمارے ساتھ اسی سمت میں جا رہے ہیں جس میں کہ ہم۔ اس طرح تو مطلوب و مقصود سے دُوری ہم دونوں کا مقدر بن چکی ہے۔ ہاں اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا انکار کر کے صحیح سمت میں جا رہے ہیں اور ہم اقرار کر کے غلط طرف قدم اُٹھا چکے ہیں تو انہیں اپنی آنکھوں اور دل پر پڑے ہوئے پردے چاک کر کے یہ سوچنا اور تحقیق کرنا چاہیئے کہ آخر حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں اور ان کا یہ کہنا آیا کسی طرح بھی خلاف اسلام اور ایمان ہے۔

آپ فرماتے ہیں:—

"آمنت باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والبعث بعد الموت و آمنت بکتاب اللہ العظیم القرآن الکریم واتبعت افضل رسل اللہ وخاتم الانبیاء اللہ محمدن المصطفٰے وانا من المسلمین وانت تعلم ما فی نفسی ولا یعلم غیرک وانت خیر الشاھدین۔"

(اشتہار۔ مؤرخہ ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء)

ترجمہ: میں اللہ۔ اس کے ملائکہ۔ اس کی کتابوں۔ اس کے رسولوں اور موت کے بعد جی اُٹھنے پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اللہ کی عظیم کتاب قرآن کریم پر ایمان لاتا ہوں اور میں آنحضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب رسولوں سے افضل اور خاتم انبیاء ہیں کی پیروی کرتا ہوں۔ اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اور تو (اللہ) جانتا ہے جو میرے دل میں ہے۔ اور تیرے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا اور تو ہی بہترین گواہ ہے۔

یاد رکھیئے یہ اشتہار مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کرنے کے بعد کا ہے

"میری تمام جماعت جو اس جگہ حاضر ہیں یا اپنے مقامات میں بود و باش رکھتے ہیں اس وصیت کو توجہ سے سُنیں کہ وہ جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے ساتھ تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں (یہاں یہ نہیں کہا کہ جو مجھے نبی مانتے ہیں۔ ناقل) اس سے غرض یہ ہے کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی اور تقوےٰ کے اعلےٰ درجہ تک پہنچ جائیں اور کوئی فساد اور شرارت اور بدچلنی ان کے نزدیک نہ آ سکے۔ **وہ پنج وقت نماز جماعت کے پابند ہوں وہ جھوٹ نہ بولیں اور کسی کو زبان سے ایذا نہ دیں۔ وہ کسی قسم کی بدکاری کے مرتکب نہ ہوں اور کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال دل میں نہ لاویں۔** غرض ہر ایک قسم کے معاصی اور جرائم اور نہ کردنی اور ناگفتنی اور تمام نفسانی جذبات اور بے جا حرکات سے مجتنب رہیں اور خدا تعالےٰ کے حضور میں غریب دل اور بے شر اور غریب مزاج بندے ہو جائیں اور کوئی زہریلا خمیر ان کے وجود میں نہ رہے۔...
.... اور تمہارے ہاتھ ظلم سے بری اور تمہاری آنکھیں بدی سے منزہ ہوں اور تمہارے اندر بجز راستی اور ہمدردیٔ خلائق کے اور کچھ نہ ہو.........
میں نہیں چاہتا کہ اس نیک جماعت میں کبھی کوئی ایسا آدمی مل کر رہے جس کے حالات مشتبہ ہوں یا جس کے چال چلن پر کسی قسم کا اعتراض ہو سکے یا اس کی طبیعت میں کسی قسم کی مفسدہ پردازی ہو یا کسی اور قسم کی ناپاکی اس میں پائی جائے۔ لہٰذا ہم پر یہ واجب اور فرض ہوگا کہ اگر ہم کسی کی نسبت کوئی شکایت سُنیں گے کہ وہ خدا تعالےٰ کے فرائض کو عمداً ضائع کرتا ہے یا کسی ٹھٹھے اور بیہودگی کی مجلس میں بیٹھتا ہے یا کسی اور قسم کی بدچلنی اس میں ہے تو وہ فی الفور اپنی جماعت سے الگ کر دیا جائے گا اور پھر وہ ہمارے ساتھ اور ہمارے دوستوں کے ساتھ نہیں رہ سکے گا۔" (اشتہار ۲۹ر مئی ۱۸۹۸ء)

میرے مہربان دوست یہ وہ گاڑی ہے جس پر ہم سوار ہیں۔ قرآن اور حدیث کی کسوٹی پر اسے پرکھ لیجئے مگر تعصب اور ضد کی رنگین عینک اُتار کر۔ یہ گاڑی یقیناً ہمیں اس سے اُتار کر اس گاڑی پر سوار کرنا چاہتے ہیں جو فسق و فجور سے بھرپور ہے تو آپ کی یہ کوشش رائیگاں جائے گی کیونکہ یہ ایسی گاڑی ہے جس میں عامۃ الناس سوار ہیں اور یہ انہیں ہلاکت اور تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ "آپ کے غلط تصورات اور مقصد سے متضاد عمل کا نتیجہ" ہے کہ "مشرق کی سمت اپنے آبائی شہر کا تصور ذہن میں رکھتے انتہائے مغرب کے شہر کی جانب رواں ہونے والی گاڑی میں سوار" ہیں اور اگر "کہیں بھی اپنی غلطی سے مطلع ہو کر اس گاڑی سے نہ اترے" تو لازماً اپنے گھر سے محروم" ہو جائیں گے۔ اور اپنی منزلِ مقصود کو کبھی نہ پا سکیں گے۔

ہائے وہ تقویٰ جو کہتے تھے کہاں مخفی ہوئی + ساربانِ نفسِ دُوں نے کس طرف پھیری مہار

رمضان المبارک اور جہاد بالقرآن

تقریر مکرّم میرزا محمد لطیف صاحب شاہد بتقریب جمعۃ الوداع

جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا :-

اس مبارک مہینہ کا قرآن مجید کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے - یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا - ان ایام میں قرآن مجید کی تلاوت - ان پر غور و فکر - امر و نہی کے ذریعہ انسان کے لئے محاسبہ کرنے کا عمدہ موقع ہے - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جبرئیل ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتا ہے اور جس سال آپ نے اللہ کے پاس تشریف لے جانا تھا اس سال دو مرتبہ جبرئیل نے آپ کے ساتھ قرآن مجید دوہرایا -

قرآن مجید نے فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (سورۃ فتح) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دو زمانوں پر مشتمل ہے - جیسا کہ علمائے امت نے لکھا ہے - شریعت کی تکمیل آپ کے وجود باجود کے ذریعہ ہوگی اور اشاعت قرآن و اسلام حضرت امام مہدی کے زمانہ کے ساتھ وابستہ ہے -

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا کہ میری تین صدیاں خیر و برکت والی ہیں ، اس کے بعد مسلمانوں کے اندر بگاڑ پیدا ہو جائے گا - خلافت کی جگہ ملوکیت قائم ہو جاوے گی - بڑا تاریک دور ہوگا - مختلف قسم کے فتنے پیدا ہو جاویں گے - آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ بعض واقعات پڑھ کر حیران رہ جائیں گے -

جب تین صدیوں کا زمانہ روحانی طور پر کمزوری کی طرف مائل ہو رہا تھا - اس وقت مسلمانوں کے سیاسی رنگ میں دو مرکز تھے - ایک بغداد دوسرا سپین - اور وہ مسلمان جن کی بنیاد انما المؤمنون اخوۃ (حجرات) اور المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ لا یظلمہ ولا یسلمہ (حدیث) مسلمان آپس میں بھائی ہیں - ایک مسلمان کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رہنا چاہیئے - کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کرے - اور نہ اس کو دشمن کے سپرد کرے - اور اب یہ دور آ گیا تھا - بغداد کے حکمران جو کہ مسلمان ہیں اپنی دشمنی میں - جو ان کو سپین کے مسلمانوں سے ہے - پوپ سے معاہدہ کرتے ہیں کہ ہماری مدد کرو - ہم مسلمانانِ سپین پر حملہ کرنا چاہتے ہیں - اور اُدھر سپین والے قیصر روم سے معاہدہ کرتے ہیں کہ ہماری مدد کرو - ہم بغداد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں - اناللہ وانا الیہ راجعون -

یہ دور قریباً ایک ہزار سال تک چلتا رہا - آج ہم جن مصائب سے دوچار ہیں - اور ایسے مسائل ہمارے عقائد میں داخل کر دیئے گئے ہیں جو سراسر شرکیہ اور قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہیں ، وہ اس زمانہ کی پیداوار ہیں - اللہ نے بھی فرمایا تھا یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (السجدۃ)

اس دور میں عیسائیت نے اسلام پر بڑے زبردست حملے کئے یاجوج ماجوج یعنے دجالیت پورے عروج پر تھی - برصغیر میں ایک قوم ہندو بستی ہے - جو کہ روحانی لحاظ سے بالکل مردہ ہے - ان کے مروّجہ عقائد [illegible] کا لوجنا اور سراسر شرک میں ملوث ہونا -

انہوں نے بھی انگڑائی لی اور اسلام پر حملے کرنے شروع کر دیئے - اور آج کا طالب علم جب تاریخ میں ان واقعات کو پڑھتا ہے کہ مسلمانوں نے عیسائی اور ہندو دھرم اختیار کر رہے تھے - تو کچھ دیر کے لئے تو اس پر رعشہ کی صورت والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے - یا الہٰی یہ کیا ماجرا تھا - لیکن یہ مقدر تھا - رسول خدا صلعم کی زبان سے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے -

"یا ربّ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً"
( )

اے میرے مولٰے میری قوم نے قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے -

اور دوسری طرف مسلمان علماء - ان کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی - وہ عقائد جو سراسر منافی تعلیم قرآن تھے ان کے ساتھ یہ مضبوطی سے چمٹے ہوئے تھے - یہ بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں - ان کو وہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے -

بجائے اس کے کہ اسلام کا دفاع کرتے - جہاد بالقرآن کرتے وہ اپنے فروعی مسائل میں اُلجھ گئے - اس حالت سے غیر مسلموں خصوصاً عیسائیت نے بہت فائدہ اُٹھایا - اور ساتھ ہی دہریت کا سیلاب آ گیا - جس کے سامنے ایک مضبوط بند باندھنے کی ضرورت تھی - لیکن اس وقت مسلمان تو ریت کے ذرّوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے - کوئی ان کا والی وارث نہ تھا - اس زمانہ کا نقشہ - اور حالت پر مولانا حالیؒ نے خوب مرثیہ لکھا ہے :-

رہا دین باقی نہ اسلام باقی + اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

حضرت مسیح موعود نے بھی اس زمانہ کا نقشہ اپنی تحریرات نظم و نثر میں خوب کھینچا ہے - فرماتے ہیں :

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں
بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں
ہر طرف کفر است جوشاں ، ہمچو افواج یزید
دینِ حق بیمار و بے کس ، ہمچو زین العابدیں
ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملت قلّتِ انصارِ دیں

اس وقت خصوصاً عیسائیت تو یہ کہہ رہی تھی کہ اب وقت قریب آ رہا ہے ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات (نعوذ باللہ) مکّہ و مدینہ پر قبضہ کریں گے اور وہاں سے ربّنا المسیح ، ربّنا المسیح کی ندا بلند کی جاوے گی - اور ان کی ظاہری سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا - کوئی شخص یا ملک ان سے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا -

خدا تعالےٰ کی سنّت ہے :-

"اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا (۵۷/۱۷)
جان لو کہ اللہ تعالےٰ جب زمین مر جاتی ہے - پھر اس کو زندہ فرماتا ہے -"

یہاں ارض سے مراد اہلِ ارض تھے - رحمت خداوندی جوش میں آئی جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا -

لو کان الایمان معلّقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس -

ایک وقت مسلمان پر آنے والا ہے - جب ایمان صحف دنیا سے پرواز کر جائے گا - ثریا کا لفظ اس واسطے استعمال فرمایا - کہ بیدینی کا غلبہ ہوگا - حقیقی دین مفقود ہو جائے گا - اس وقت ایک رجلِ فارس مبعوث ہوگا - وہ پھر اسلام کو زندہ کرے گا - اور لم یبق

من الاسلام الا اسمه ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمه- اسلام کا صرف نام رہ جائے گا- اور قرآن مجید کے صرف حروف رہ جائیں گے- وہ موعود فارسی قرآن مجید کو دوبارہ دنیا میں قائم کرے گا-

عین پیشگوئیوں کے مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ قادیان میں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے گھر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تولد ہوئے- آپ پیدائش کے زمانہ اور ابتدائی زمانہ سے کچھ عرصہ پہلے پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں نے بڑے سخت مظالم توڑے تھے- غرضیکہ ہر طرح سے دین اسلام پر نہایت شدت سے حملے ہو رہے تھے- اور آپ نے ان حالات میں آنکھ کھولی- آپ نے بچپن- جوانی کا زمانہ نہایت پاکیزگی کا گذارا

آپ جب مذہبی دنیا کے حالات- مسلمانوں کے حالات- مذاہب باطلہ کے اسلام پر حملے- مسلمان علماء کی نفسا نفسی! اور زبوں حالی کو دیکھتے تھے- تو اس موقع پر آپ خدا تعالےٰ ہی سے فریاد کرتے تھے- اور جب آپ نے جوانی کی سرحدوں کو عبور کیا تو آپکے دل میں بڑا جوش پیدا ہوا- آپ نے ایک عظیم عزم کے ساتھ غیر مسلموں کے اعتراضات کو قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ توڑنا شروع کیا- اور آپ نے ایک عظیم الشان کتاب "براھین احمدیہ" تصنیف فرمانی شروع فرمائی- اس کتاب کا مقصد قرآن مجید کی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کو زبردست عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ ثابت فرمایا- اور ساری دنیا کو- جملہ مذاہب کو چیلنج دیا کہ میں نے اسلام کی صداقت کے تین صد دلائل دیئے ہیں اگر کوئی ایک بھی دلیل کو توڑ دے تو اسے میں دس ہزار روپیہ نقد انعام دوں گا- دیدہ باید! جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً-

۱۸۸۵ء میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو مجدد وقت کے مقام پر فائز فرمایا! پھر تو آپ ایک جری پہلوان کی طرح میدان میں خدا کے حکم کے ماتحت نکل آئے- اور اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی یورپ و امریکہ کو بھی کوئی منظم تبلیغ اسلام کا پیغام پہنچائیگا! بلکہ جب آپ نے یہ کام شروع فرمایا تو بڑے بڑے جہاندیدہ علماء بھی حیران رہ گئے کہ ممالکِ غربیہ میں کس طرح اسلام پھیلے گا! اور کیا وہ لوگ اسلام قبول کریں گے- لیکن وہ پاک ہستیاں جن کو خدا کی تائید حاصل ہوتی ہے وہ اپنے ایمان و ایقان میں ایک چٹان کی طرح اپنے عزم و ارادہ پر قائم ہوتے ہیں یہ انہیں کا کام ہوتا ہے- آپ نے جو کارنامے سرانجام دیئے ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-

۱- قرآن مجید کی عظمت- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ثابت فرمایا-

۲- تبلیغ اسلام کا ایک مربوط نظام ممالکِ غربیہ کے لئے قائم فرمایا-

۳- غیر مسلموں کے اعتراضات کا مفصل، جامع و مانع جوابات بذریعہ رسائل- کتب- اخبارات دیئے گئے-

۴- ایک زندہ جماعت قائم فرمائی- جس کے قیام کا مقصد یحی الدین ویقیم الشریعۃ کے ماٹو پر قائم فرمایا-

۵- مسلمانوں کے اندر جو غلط فہمیاں تھیں اور ان کے غلط عقائد جیسے اسلام تلوار کے ذریعہ دنیا میں پھیلا ہے کا زبردست دلائل سے ازالہ فرمایا- قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ- ملائکہ کے بارے میں غلط خیالات کو دور فرمایا- وحی و الہام- انبیاء- جنت و دوزخ- معراج- بعث بعد الموت وغیرہ اور دوسرے جتنے مسائل اس وقت لاینحل سمجھے جاتے تھے- اس عمدگی کے ساتھ صاف چہرہ پیش کیا- کہ دل سے دشمن بھی معترف ہوا-

۶- مسلمانوں بہت سارا شرک داخل ہو چکا ہوا تھا- جیسے حیات المسیح- خلق طیور وغیرہ- ان سب کا صحیح مفہوم آپ نے بیان فرمایا-

- اور دوسری طرف عیسائیت کا مقابلہ کیا- تحریری- تقریری- اور ان پر ثابت کر دیا کہ اسلام سچا مذہب ہے- ہندو دھرم- سکھ ازم ان کا تحریری- تقریری مقابلہ کیا- اور اسلام کی حقانیت کو ثابت فرمایا-

- مسلمان غلطی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اب اللہ اپنے بندوں سے ہمکلام نہیں ہوتا- آپ نے عقلی و نقلی طور پر اسکو ثابت فرمایا-

- اور وہ لوگ جو منکر تھے ان کے لئے انعامات مقرر فرمائے- اپنے ہاں ان کو آنے کی دعوت دی! ان کے سارے اخراجات کی پیشکش کی- لیکن کوئی مقابلہ میں نہ آیا-

ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

اور اس صدی میں سب سے بڑا کام آپ نے یہ فرمایا- کہ آپ نے قرآن مجید کی عظمت کو قائم فرمایا— ایک نظام کے ماتحت قرآن مجید کی اشاعت- تفسیر اور عملی طور پر آپ نے اور آپ کی جماعت نے درس قرآن کریم کا اہتمام فرمایا! جب کہ لوگ قرآن مجید صرف طاقچوں میں رکھتے تھے- اور کبھی کسی خوشی یا غمی کی تقریب میں ہاتھ لگاتے تھے- آپ نے بطور حرزِ جان! قرآن مجید پر عمل پیرا ایک جماعت کی تشکیل فرمائی- اور ہر مسئلہ کے سوال کا حل آپ نے قرآن مجید سے پیش فرمایا-

حضرت مسیح موعودؑ ایک مبا عرصہ جو ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک ممتد ہے، ایک حیرت انگیز فعال حیاتِ طیبہ گذار کر مولائے حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے-

آپ کے کارناموں کا آپ کے مخالفوں کو بھی اعتراف تھا- اور کلمۂ حق کہنے والے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے آپ فتح نصیب جرنیل کے لقب سے نوازا-

پس آج جماعت احمدی کے افراد کا فرض ہے کہ اس مقدس مہینہ میں یہ عہد کریں کہ ہم اسی لگن- تڑپ- شوق- جوش- ایثار اور اخلاص کے ساتھ اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کا کام جاری رکھیں گے جس کی بنیاد ۱۸۸۵ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے اجر پا کر رکھی ہے-

اے میرے مولیٰ! آپ ہماری نصرت فرمائیں! اور توفیق دیں کہ ہم اس جہادِ کبیر کو ہمیشہ جاری رکھ سکیں!

اے اللہ! ہمیں یہ بھی توفیق دے کہ جو ہم میں سے کمزور ہیں، وہ کمزوری دور کر کے قدم آگے بڑھائیں— تیز کریں— اس ذریعہ اللہ تعالےٰ ہم سے راضی ہو- اور اس کا فضل ہم پر نازل ہو-

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم-

این دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جان ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں
کار و بارِ صادقاں ہرگز نماند ناتمام
صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں
(حضرت مسیح موعودؑ)

بسلسلہ تربیت شبان۔

مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم

حضرت عمرؓ کا انکسار اور فروتنی

پیارے عزیزو! تم نے سُنا ہوگا کہ عرب قوم بڑی مغرور اور اکھڑ تھی۔ انہیں اپنی قومیت پر بڑا ناز اور فخر تھا۔ کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ دنیا کی دوسری قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ اور افضل سمجھتے تھے۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلعم کی تعلیم نے ان میں انکسار اور فروتنی کے جوہر پیدا کر دیئے۔ اور تکبّر۔ غرور اور فخر کے جذبات ان کے دماغوں سے نکال دیئے۔ وہ بہادر تھے مگر متکبّر نہ تھے۔ وہ دلیر اور جری تھے مگر ظالم نہ تھے۔

دُشمن کے مقابلہ میں وہ پہاڑ کی طرح کھڑے ہو جاتے اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرتے مگر اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور شفقت کا سلوک کرتے۔ اور ان سے انکسار اور فروتنی سے پیش آتے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ جیسا کہ تم کو معلوم ہے بہت بڑے فاتح اور بہت بڑے بادشاہ تھے۔ لیکن جو چیز انہیں سکندرِ اعظم اور نپولین پر فوقیت دیتی ہے وہ ان کی فروتنی اور انکساری ہے۔

خلافت کے عظیم الشان فرائض ادا کرتے ہوئے آپ اپنی غریب رعایا کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ مشکیزہ کندھوں پر ڈالتے اور غریب عورتوں کے گھر پانی بھر آتے۔ اپنے سپاہیوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے ان کی ضروریات ان سے دریافت کرتے اور بازار سے ان کو چیزیں لا دیتے۔ ان کے بچّوں سے پیار کرتے اور فرماتے یہ نہ خیال کرنا کہ تمہارا باپ گھر سے باہر ہے اور تمہیں پوچھنے والا کوئی نہیں، میں تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ میدانِ جنگ سے سپاہیوں کے جو خطوط آتے وہ خود ان کے گھروں میں لے کر جاتے، انہیں پڑھ کر سُناتے اور اگر وہ جواب کے لئے کہتے تو خود ہی جواب بھی لکھ دیتے۔

آپ بہت بڑے بادشاہ تھے مگر انکسار کا یہ عالم تھا کہ جب سارا دن کام کرتے کرتے تھک جاتے تو مسجد کے فرش پر خاک پر ہی آرام کے لئے لیٹ جاتے۔

ایک دفعہ آپ مدینہ کا چکّر لگاتے لگاتے جب تھک گئے آپ نے ایک غلام کو دراز گوش پر سوار دیکھ کر اس سے درخواست کی مجھے بھی اس پر بٹھا لو۔ غلام کے لئے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی تھی کہ وہ خلیفۂ وقت کی خدمت بجا لا سکے۔ فوراً اپنے دراز گوش سے نیچے اُتر پڑا اور عرض کی کہ حضور سوار ہو جائیں۔ لیکن حضرت نے فرمایا میں تمہیں اس قدر تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ تم خود پیدل چلو اور میں سوار ہو جاؤں۔ تم سوار ہو جاؤ میں بھی تمہارے پیچھے سوار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اسی حالت میں کہ غلام آگے سوار تھا، اور خلیفۂ وقت پیچھے آپ مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ کے انکسار اور فروتنی کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

انکسار اور فروتنی کی ایک اور مثال بھی ہم تم کو سناتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی تھے۔ یہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ کی گورنری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ تھے تو گورنر مگر نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لباس اس قدر معمولی اور سادہ ہوتا تھا کہ کسی اجنبی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حضرت گورنر ہیں ایک دفعہ آپ بازار میں سے گذر رہے تھے۔ کسی شخص نے گھاس کا گٹھڑ خرید کر ان کے سر پر رکھ دیا اور کہا کہ ہمارے مکان تک لے لو۔ آپ نے بخوشی وہ گٹھڑ اُٹھایا اور بڑی مسکینی سے چل دیئے۔

جب تھوڑی دُور گئے تو ایک شخص ملا اس نے یہ منظر دیکھ کر اس شخص سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم خود تو بڑے آرام سے جا رہے ہو اور گورنر کے سر پر گھاس کا گٹھڑ اُٹھوایا ہوا ہے۔ یہ سلمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، ان سے بار برداری کا کام لینا کس قدر ظلم ہے۔

جب اس شخص کو یہ معلوم ہوا تو وہ شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا اور بڑی منت سماجت سے معافی مانگنے لگا اور آپ کے سر سے گھاس کا گٹھڑ اتارنا چاہا مگر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ میں خوشی سے یہ گٹھڑ تمہارے گھر تک پہنچا دوں گا اور مجھے اس سے راحت ہوگی کہ میں نے ایک بھائی کی خدمت کا کام سرانجام دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی دیانت

ایک دفعہ آپ (حضرت عمرؓ) مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کی ایک چھوٹی صاحبزادی کھیلتی کھیلتی باہر نکل آئی اور اشرفیوں کے ڈھیر میں سے ایک اشرفی منہ میں ڈال کر دوڑ گئی۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے۔ اس کو پکڑ کر اشرفی اس کے منہ سے نکالی اور مالِ غنیمت میں ملا دی۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ بیت المال کی صفائی کر رہے تھے کہ دو درہم مٹّی میں ملے ہوئے پائے گئے۔ انہوں نے یہ دو درہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچّے کو دے دیئے۔ وہ گھر لے گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ بچّے نے کہا کہ ابو موسیٰ نے دیئے ہیں۔ آپ نے ابو موسیٰ سے دریافت فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ درہم صفائی کرتے ہوئے مٹی میں ملے ہوئے مجھے ملے ہیں۔ میں نے اُٹھا کر بچّے کو دے دیئے کہ یہ خوش ہو جائے۔ آپ نے وہ دو درہم لے کر بیت المال میں داخل کرا دیئے۔ اور ابو موسیٰ سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ قیامت کے دن مسلمانوں کا مقروض بن کر اُٹھایا جاؤں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلعم کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا امیرالمؤمنین! اس میں میرا حق مجھے عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا جانِ پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے۔ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔ وہ بچاری خفیف ہو کر اُٹھ گئیں۔

شام کی فتح کے بعد قیصرِ روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ اُم کلثوم (زوجہ حضرت عمرؓ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفے کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا گو عطر ہمارا تھا۔ لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا۔ اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات بیت المال میں داخل کرا

دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ نے چارسو درہم قرض مانگے۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین! آپ بیت مال سے لے لیں جب آپ کے پاس آ جائیں آپ واپس کر دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :—

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میری وفات ہو جائے تو آپ اور دوسرے اصحاب کہیں گے کہ یہ روپیہ عمرؓ کو معاف کردو۔ اس لئے میں پسند نہیں کرتا کہ بیت المال سے لوں۔

چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی آپ دیانت کا خیال رکھتے تھے۔ انتقال کے وقت جب آپ نے اپنے بیٹے کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں مزار نبویؐ کے پاس دفن ہونے کی درخواست کی تو فرمایا:—

میرا ان کی خدمت میں السلام علیکم عرض کرنا اور یہ نہ کہنا کہ امیرالمؤمنین نے مجھے بھیجا ہے۔ بلکہ صرف یہ کہنا کہ عمرؓ نے بھیجا ہے کیونکہ آج میں مؤمنین کا امیر نہیں ہوں۔

ماں کی خدمت کا جذبہ

عزیزو! ہمارے نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔ ماں کی عزت اور خدمت ہر ایک پر فرض ہے۔

حضرت بایزید بسطامی ایک بہت بڑے ولی گذرے ہیں۔ ان کو یہ مرتبہ ماں کی خدمت کی وجہ سے ہی خدا نے دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کا حکم مانتے تھے۔

ایک رات ان کی ماں نے پانی مانگا۔ پانی گھر میں موجود نہ تھا۔ یہ بھاگے بھاگے گئے اور نہر سے جو قریب ہی بہتی تھی پانی لے آئے۔ مگر جب آئے تو ان کی ماں سو گئی تھی۔ یہ پانی کا پیالہ لئے کھڑے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ کب ماں جاگے اور پانی پیش کریں۔

ماں دیر تک سوتی رہی۔ آخر جاگی اور پانی مانگا۔ بایزید نے جب پانی دینا چاہا تو معلوم ہوا کہ پانی سردی کی وجہ سے جم گیا ہے۔ اور ان کا ہاتھ ٹھٹھر کر پیالے کے دستے کے ساتھ چمٹ گیا ہے۔ ماں نے جب یہ حالت دیکھی تو کہنے لگی :—

"بیٹا! تم نے یہ پیالہ نیچے کیوں نہ رکھ دیا۔ ہاتھ میں پکڑ رکھنے کی کیا ضرورت تھی"

سعادت مند بچے نے جواب دیا کہ :—

"مادرِ مہربان! میں نے زمین پر پیالہ اس خیال سے نہیں رکھا تھا کہ جب آپ پانی مانگیں گی مجھے دینے میں دیر لگے گی۔"

ماں بے انتہا خوش ہوئی کہ بیٹے کو اس کا اس قدر خیال ہے۔ اس نے دعائیں دیں اور خدا سے ان کے لئے برکت مانگی۔

کہتے ہیں کہ اسی رات خدا نے بایزید بسطامی پر اپنے معرفت کے دروازے کھول دیئے اور ان کو ولایت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ تمام دنیا حضرت بسطامیؒ کی بے انتہا عزت کرتی ہے اور آپ کو بہت بڑا ولی مانتی ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں تو حضورؐ کے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں، لیکن آپ کی رضاعی ماں جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا وہ زندہ تھیں۔ نبوت کے زمانہ میں جب وہ ایک دفعہ تشریف لائیں آپ "میری ماں میری ماں" فرماتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔ اور ان کی بہت خاطر تواضع کی۔ صرف رضاعی[1] صلعم بڑی عزت کرتے تھے۔

عزیزو! اگر تم اپنے نبی کے سچے فرمانبردار ہو تو اپنی ماں کی خدمت اور فرمانبرداری کو اپنا فرض عین سمجھو۔ اس کی کبھی گستاخی نہ کرو۔ اس سے کبھی سختی سے بات نہ کرو۔ ماں کا دل دکھانے سے خدا تعالےٰ ناراض ہوتا ہے۔ وہ بچہ بڑا بدنصیب ہے جس کی ماں اس سے خوش نہیں۔ ہمیشہ اپنی ماں کی خوشنودی کو مدنظر رکھو۔ اور اس کی دعائیں لو۔ اس سے تمہاری دنیا بھی اچھی ہوگی اور اگلے جہان میں بھی تم اس کا اجر پاؤ گے۔

---

[1] دودھ پلانے والی ماں کے بچے رضاعی بہن بھائی کہلاتے ہیں۔

اخبار احمدیہ

جنوبی افریقہ سے دو معزز مہمانوں کی تشریف آوری

ڈاکٹر اے آر طیب صاحب بمع اپنی اہلیہ محترمہ جنوبی افریقہ سے چند روز کے لئے پاکستان تشریف لائے تو کچھ ایام آپ نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا اور مختلف احباب بالخصوص حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب سے تعارف اور ملاقات کی۔ ایک روز حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ نیز جماعت کی جملہ تصانیف اپنے مخلصانہ مطالعہ کے لئے ساتھ لے گئے۔ آپ کے دل میں مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا بہت درد ہے اور چاہتے ہیں کہ قوم کی ایمانی و اخلاقی اصلاح ترقی پذیر ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے ملک میں خدمتِ اسلام کا موقعہ عنایت فرمائے۔ گذشتہ عید کے موقعہ پر جہاں آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ نے نماز مرکزی مسجد میں ادا کی وہاں جملہ احباب جماعت کے تعارف کے لئے آپ نے خطبۂ عید کے بعد مختصر سی تقریر میں اپنے حالات بتلائے۔ عید کے دوسرے روز آپ بمع اہلیہ خود جنوبی افریقہ واپس تشریف لے گئے۔

— حکیم عبدالوہاب عمر صاحب تحریر فرماتے ہیں:—

"طارق عمر ابنِ حکیم عبدالوہاب عمر جودھامل بلڈنگ لاہور۔ انجنیئر اعلےٰ تعلیم کے لئے آج ۱۳-۹-۷۷ امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر اسامہ عمر پی ایچ ڈی۔ ایم۔ ڈی جو تھوڑے عرصہ کے لئے جرمنی سے پاکستان تشریف لائے تھے۔ واپس جرمنی تشریف لے گئے ہیں۔

— مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب۔ امام برلن مسجد تحریر فرماتے ہیں کہ:—

"ہمارے ہاں ماہ رمضان ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء سے شروع ہوا ہے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء تک رہے گا۔ ۱۵ ستمبر کو انشاءاللہ تعالےٰ عیدالفطر منائی جائے گی۔

۱۱ ستمبر کو لَیْلَةُ الْقَدْر کا اجتماع ہوگا۔ پروگرام یوں ہے:—

افطار : ۶ بج کر ۳۳ منٹ
تلاوت قرآن کریم : ۷ بجے شام
صلوٰت : ۷ بجکر ۱۰ منٹ
لیکچر امام : ۷ بجکر ۲۰ منٹ

مفصل پروگرام جرمن زبان میں ہے جو موصول ہوا ہے)

"جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے"

"اگر کوئی میرے نقشِ قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہو جائے"

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

صادق تو ابتلاؤں کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ آخر خدا ہمارا ہی حامی ہوگا، اور یہ عاجز اگرچہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے کہ اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے، اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنی اپنی راہ لیں۔ تب بھی مجھے کوئی خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالےٰ میرے ساتھ ہے۔ اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی میں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا۔ جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا تعالےٰ نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا؟ جو مجھے ہلاک کرے گا؟ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو۔ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا، کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اسی کا جلال چمکے

فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہو۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آنم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پرخار بادیہ درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں سے اور آزمائشوں سے۔ اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور ان کا پچھلا حال ان کے پہلے حال سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے کہ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں۔ تو اس جھکنے کی عند اللہ ایسی عزت نہیں ہوگی۔ جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے۔

تقویٰ اختیار کرو

تقویٰ سے بڑی بڑی مرادیں حاصل ہوتی ہیں

اللہ کو اپنا بناؤ۔ جب وہ ہمارا ہو جائے گا۔ تو سب ہمارا ہی ہے اور وہ تقویٰ سے اپنا بنتا ہے۔ اسی لئے اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہارا ہو جائے۔ تو تم تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ایسی دولت ہے کہ اس سے بڑی بڑی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو اور وہ عظیم الشان ہو جو اس سے محبت کرے۔

اور اللہ تعالےٰ متقی سے محبت کرتا ہے

جیسا کہ فرمایا یحب المتقین۔ جو اللہ کا محبوب ہو جاتا اسے کسی اور کی حاجت کیا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے ارشاداتِ عالیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ تکفیر و تفسیق سے منع فرمایا ہے

ایک بڑا اور خطرناک فتنہ

(بشکریہ "رفتارِ زمانہ" مجریہ جولائی و اگست ۱۹۶۷ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعتِ اسلامی نے فرمایا ہے کہ ہے:—

"مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں جہاں اور بہت سے فتنے پیدا ہوئے وہاں ایک بڑا خطرناک فتنہ ایک دوسرے کو کافر اور فاسق ٹھہرانے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا بھی ہے۔ لوگوں نے اسلام کے سیدھے سادے عقائد میں موشگافیاں کیں اور قیاس و تاویل سے ان کے اندر بہت سے ایسے فروع اور جزئیات پیدا کر لئے جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد تھے اور جس کی کوئی تصریح کتاب و سنت میں نہ تھی یا اگر تھی بھی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی اہمیت نہ دی۔ پھر ان اللہ کے بندوں نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) اپنے وضع کردہ فروعی مسائل کے ساتھ اتنا اہتمام کیا کہ انہی پر ایمان کا مدار ٹھہرایا۔ ان کی بنیاد پر اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بیسیوں فرقے بنا دیئے۔ ہر فرقے نے دوسرے کو کافر، فاسق، گمراہ، دوزخی، اور خدا جانے کیا کیا کہہ ڈالا۔ حالانکہ کفر و اسلام کے درمیان اللہ تعالےٰ نے کتابِ مبین میں ایک واضح خطِ امتیاز کھینچ دیا تھا، کسی کو یہ حق نہ تھا کہ اپنے اختیار سے جس چیز کو چاہے اور جسے چاہے اسلام ٹھہرا دے۔ اس فتنے کی تحریک خواہ تنگ نظری ہو نیک نیتی کے ساتھ یا خود غرضی اور حسد اور نفسانیت ہو بدنیتی کے ساتھ، بہر حال اس نے مسلمانوں کی جماعت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا۔"

جہاں تک کسی شخص کے درحقیقت مومن یا غیر مومن ہونے کا تعلق ہے اس کا فیصلہ کرنا تو کسی انسان کا کام ہی نہیں — یہ معاملہ تو براہِ راست خدا سے تعلق رکھتا ہے اور وہی اس کا فیصلہ قیامت کے روز فرمائے گا۔ رہے بندے تو ان کے فیصلہ کرنے کی چیز اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے ملتِ اسلام کے جو امتیازی نشانات بتائے ہیں ان کے لحاظ سے کون شخص سرحدِ اسلام کے اندر ہے اور کون اس سے باہر نکل گیا ہے۔ اس غرض کے لئے جو چیزیں ہم کو بنائے اسلام کی حیثیت بتائی گئی ہیں وہ یہ ہیں:—

مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں یہ حدیث موجود ہے کہ:—

"اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے۔ اگر وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔"

یہ ہیں اسلامی سوسائٹی کے سرحدی نشانات۔ جو لوگ ان سرحدوں کے اندر ہیں ہم کو حکم ہے کہ ان کے ساتھ مسلمان کا سا معاملہ کریں۔ انہیں ملت سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں اور جو لوگ ان سرحدوں سے باہر نکل گئے ہیں ان کے ساتھ ہم کو وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو حق الاسلام کے لحاظ سے واجبی ہو۔ دونوں صورتوں میں ہم باطن کا حساب لگانے کے مجاز نہیں ہیں — ہمارا کام صرف ظاہر کو دیکھنا ہے اور ہم کیا اس معاملے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ظاہر ہی کو دیکھا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ:—

"ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے یمن سے کچھ رقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی اور حضورؐ نے وہ چار آدمیوں میں تقسیم کر دی اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بول اٹھا۔

یا رسول اللہ! خدا سے ڈریئے —

حضورؐ نے فرمایا! افسوس تیرے حال پر روئے زمین کے بسنے والوں میں کیا مجھ سے زیادہ کس کو سزاوار ہے کہ خدا سے ڈرے؟

حضرت خالدؓ اس موقع پر موجود تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟

فرمایا: نہیں، شاید کہ وہ نماز پڑھتا ہو —

انہوں نے عرض کیا: کتنے ہی نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔

حضور اکرم صلعم نے فرمایا! مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل کھول کر اور پیٹ چاک کر کے دیکھوں۔

امام شافعیؒ اور احمدؒ نے اپنی مسندوں میں اور امام مالکؒ نے مؤطا میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انصار میں سے ایک صاحب ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راز میں یہ بات کر رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ نے بآواز بلند فرمایا:—

"کیا وہ شخص لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتا؟"

انصاری نے عرض کیا! جی ہاں یا رسول اللہ! مگر اس کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں"۔

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

"ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے اللہ تعالےٰ نے مجھے منع فرمایا ہے"۔

اب یہ کتنی بڑی زیادتی کی بات ہے کہ جو مسلمان خدا اور رسول کے بتائے ہوئے ایمانیات پر اعتقاد کا اقرار کرتا ہو، اور مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق اسلام کی سرحدوں کے اندر ہو، ایسے کوئی شخص خارج از ملت قرار دے بیٹھے۔

یہ جسارت بندوں کے مقابلہ میں نہیں۔ خدا کے مقابلہ میں ہے۔

درحقیقت یہ خدا ہی سے معارضہ ہے کہ جس کے حق میں خدا کا قانون مسلمان ہونے کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے تکفیر و تفسیق سے منع فرمایا ہے اور یہاں تک فرما دیا ہے کہ:—

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

اسلام نے ایک مسلم شہری پر کیا فرائض عائد کئے ہیں

ایک حق اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ ہر ایک آدمی محنت کرکے کھائے اور سست نہ بیٹھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی سے مہیا کرے۔ اور فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی عادت تھی کہ وہ ہاتھ کی محنت سے اپنا رزق پیدا کرتے تھے۔

ایک فرض مسلم شہری کا اسلام نے یہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ **سوال** نہ کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے متعلق خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ سوال سے لوگوں کو منع کرتے رہتے تھے حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال صرف تین شخصوں کو جائز ہے۔ ایک اس شخص کو جو فقر سے نکلنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ مگر اسے کوئی کام ہی نہیں ملتا یا وہ بالکل کام کر ہی نہیں سکتا۔ دوسرے وہ شخص جس پر کوئی ایسی چٹی پڑ گئی جو اس کے خیال و گمان سے باہر تھی۔ پس ایسے شخص کے لئے چندہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور تیسرے ان لوگوں کے لئے سوال جائز ہے کہ جن پر کوئی قومی جرمانہ آپڑا ہو یعنی کسی شخص نے کوئی خون وغیرہ کر دیا ہو اور قوم پر تاوان پڑ گیا ہو تو وہ لوگ سوال کر سکتے ہیں۔

ایک فرض مسلم شہری کا یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے سے آئے اسے **السلام علیکم** کہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تم پر سلامتی ہو۔ گویا ہر وقت تعلقات فی مابین کی درستی کی کوشش کرتا رہے۔ پھر جو شخص آتا ہوا ملے اور وہ واقف اور دوست ہو تو مسلم شہری کا فرض یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کرے۔

اسی طرح مسلم شہریوں کے یہ فرائض مقرر کئے گئے ہیں کہ جو لوگ اپنے محلہ کے یا دوسرے واقفوں میں سے بیمار ہوں ان کی عیادت کے لئے جائیں اور ان کی تسلی اور تشفی کریں۔ گھر میں گھسیں تو پہلے اجازت لے لیں۔ پہلے السلام علیکم کہیں۔ اگر گھر میں کوئی ہو اور جواب دے کہ اس وقت نہیں مل سکتے۔ تو بلا ملال کے واپس چلے جائیں۔ اگر نہ ہو تو بھی واپس چلے جائیں۔ اگر ان کے سامنے کوئی شخص ایسی بات کہدے جو کسی دوسرے شخص کے خلاف ہو تو اس کو دبا دیں اور اس شخص تک نہ پہنچائیں جس کو کہی گئی ہے۔ ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بات اسی نے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کہنے والے کی مثال تو ایسی تھی کہ اس نے تیر مارا اور لگا نہیں۔ اور جس نے اس شخص کو وہ پہنچا دی جس کے حق میں کہی گئی تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے تیر اٹھا کر اس شخص کے سینے میں چبھو دیا۔

اسی طرح مسلم شہریوں کا فرض ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اس کے جنازے کی تیاری میں مدد دیں اور قبر تک لے جاویں، اور دفنائیں۔ اس فرض کی ادائیگی کا مسلمان اس قدر خیال رکھتے تھے کہ صحابہ رضہ کے زمانہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں تک کے جنازوں کے ساتھ مسلمان جاتے تھے۔

اسی طرح مسلم شہریوں کا فرض ہے کہ ایسی باتیں جو وقار کے خلاف ہوں اور لوگوں کو تکلیف دینے والی ہوں نہ کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مسلمان بازاروں اور گلیوں میں وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو دیکھا کہ ایک جوتی پہنے ہوئے چل رہا ہے تو آپ نے اسے منع فرمایا، اور فرمایا کہ یا آدمی دونوں جوتیاں پہنے یا ایک بھی نہ پہنے۔

مسلم شہریوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ راستوں یا لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں میں کوئی غلاظت نہ پھینکیں اور ان کو گندہ نہ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص پر خدا کی ناراضگی نازل ہوتی ہے جو راستوں میں پاخانہ کرتا ہے یا درختوں کے نیچے جہاں لوگ آکر بیٹھتے ہیں۔

اسی طرح مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ راستوں اور پبلک جگہوں کو صاف رکھنے کی کوشش کریں اور جس قدر مدد ان کے صاف کرنے میں دے سکتا ہے دے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص راستہ میں سے ایذا دینے والی چیزیں ہٹاتا ہے اس پر خدا کا فضل نازل ہوتا ہے۔

مسلم شہری کا ایک یہ بھی فرض ہے کہ اگر وہ چیزیں فروخت کرے تو ضرر رساں چیزوں کو فروخت نہ کرے۔ مثلاً سڑی ہوئی یا موسم کے لحاظ سے بیماریاں پیدا کرنے والی چیزوں کو۔ اس کے لئے یہ کہنا کافی نہیں کہ لوگ جان کر اور سوچ سمجھ کر ان چیزوں کو لیتے ہیں۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ خود لوگوں کی صحت کا خیال رکھے اور ایسی چیزوں کو فروخت ہی نہ کرے۔

مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ پبلک جگہوں پر بلند آواز سے لڑے اور جھگڑے نہیں اور لوگوں کے امن اور آرام میں خلل نہ ڈالے۔ اور اس کا یہ بھی فرض ہے کہ ایسی جگہیں کہ جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں ان کو گندہ نہ کرے۔ مثلاً کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ یا اور کوئی غلاظت ان میں نہ پھینکے۔ اور اس کا یہ بھی فرض ہے کہ گندہ کلام منہ پر نہ لائے اور نہ پبلک جگہوں پر کوئی ایسا فعل کرے جو لوگوں کو ایذا دیتا ہو۔ مثلاً ننگا نہ پھرے یا اور ایسی ہی کوئی حرکت نہ کرے۔

پھر **اسلام** ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ ایک مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اچھی باتیں سکھاتا رہے اور بد باتوں سے روکتا رہے مگر نرمی سے اور محبت سے سکھائے تا لوگ جوش میں آکر حق سے اور بھی دور نہ ہو جائیں۔

مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو علم سکھائے اور جو کچھ اسے معلوم ہے اسے چھپائے نہیں بلکہ لوگوں تک اس کا فائدہ عام کرے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی علم کو چھپاتا ہے اور باوجود لوگوں کے پوچھنے کے ظاہر نہیں کرتا، اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ہوگی۔

مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بہادر بنے۔ لیکن ظالم نہ ہو۔ وہ نہ کمزوروں پر نہ عورتوں پر نہ بچوں پر اور نہ کسی پر ظلم کرے۔ بلکہ وہ جانوروں تک پر ظلم نہ کرے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ عبداللہ رضہ جو حضرت عمر رضہ خلیفۂ ثانی کے لڑکے تھے، انہوں نے ایک دفعہ چند نوجوانوں کو دیکھا کہ زندہ جانوروں پر نشانہ لگا رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے آپکو دیکھا تو بھاگ گئے۔ آپؓ نے فرمایا۔ خدا ان پر ناراض ہوا۔ جنہوں نے یہ کام کیا۔ خدا ان پر ناراض ہوا جنہوں نے یہ کام کیا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا اس پر ناراض ہوا جس نے کسی جاندار چیز کو نشانہ بنایا۔ یعنی باندھ کر یا پر وغیرہ توڑ کر۔ ورنہ یوں شکار اسلام میں منع نہیں۔

اسلام کا یہ حکم کیسا لطیف ہے اپنے تیرہ سو سال سے وہ تعلیم دی ہے۔

ہے ابھی بعض متمدن ممالک کے ذہنوں میں داخل نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا بعض مغربی ممالک میں زندہ کبوتروں پر نشانے لگائے جانے کی ایک لہر چلی تھی اور بعض جگہ اسے جبراً روکنا پڑا تھا۔

اسی طرح لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس کے منہ پر داغ دیا ہوا تھا۔ آپ نے اسے نہایت ہی ناپسند فرمایا۔ اور فرمایا کہ منہ پر جانور کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ آئندہ داغ ران پر دیا جائے۔ اور آپؐ کے اس حکم سے ہی ران پر داغ دینے کا رواج چلا۔ اسی طرح آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ کسی نے قمری کے بچّوں کو پکڑ لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح اسے اس کے بچّوں کی وجہ سے تکلیف نہ دو۔ فوراً بچّے اُڑا دو۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ جانوروں پر رحم کرنے اور بھوک میں کھلانے اور پیاس میں پلانے پر بھی خدا تعالےٰ رحم کرتا ہے۔

پھر مُسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالے۔ چنانچہ رسول کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس علاقہ میں کوئی وبائی بیماری ہو وہاں کے لوگ دوسرے شہروں میں نہ جائیں اور دوسرے لوگ اس علاقہ میں نہ آئیں۔ کیا ہی لطیف حکم ہے۔ جسے کہ آج قرنطینہ کے نام سے ایک نئی ایجاد قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ اس حکم کی ابتداء شروع اسلام سے شروع ہوئی ہے۔ اگر اس حکم پر لوگ عمل کریں تو نہ قرنطینہ کے قیام کی ضرورت رہتی نہ سرکاری نگرانیوں کی خود بخود ہی وبائیں دب سکتی ہیں۔

مُسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ جس وقت وہ اپنے ہمسایہ کو مصیبت میں اور مشکل میں دیکھے اور اس کے پاس ہو تو وہ اپنے مال سے اسے بقدر ضرورت قرض دے اور اس وقت جبکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہے اس سے یہ حساب نہ کرنے بیٹھے کہ تو مجھے اس کے بدلہ میں کیا دے گا۔ کیونکہ اس کے اخلاق وسیع اور اس کا حوصلہ بلند ہونا چاہیئے۔ تکلیف اور دُکھ کے اوقات میں لوگوں کا مددگار ہونا چاہیئے۔ اور اپنے بھائیوں کی مدد اسے اپنا فرض سمجھنا چاہیئے۔ اسے محنت سے اپنی روزی کمانی چاہیئے۔ نہ کہ صرف روپیہ قرض دے کر اور لوگوں کو ان کی تکلیف کے وقت اپنے قبضہ میں لاکر یا اسراف و ظلم وستم کی عادت پیدا کرے۔

مُسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ قومی اور مُلکی فرائض کے لئے قربانی کرنے کے لئے تیار رہے۔ اور اپنی ذمّہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی کو ہلاک ہوتا دیکھے تو بچائے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو کہا گیا ہے کہ اس پر سخت عذاب اور خدا تعالےٰ کی ناراضگی نازل ہوگی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قتل کرتا ہوا دیکھتا ہے اور خاموش کھڑا رہتا ہے اور اس کے بچانے کے لئے کوشش نہیں کرتا وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہے۔ پس ڈوبتوں کو بچانا۔ آگوں کو بجھانا۔ زلزلوں۔ کانوں کے پھٹنے۔ مکانوں کے گرنے ریلوں کے ٹکرانے اور بجلیوں کے گرنے کے وقت لوگوں کی مدد کرنی اور ہر ایک مصیبت میں جس میں اس کی مدد لوگوں کی جان بچا سکتی ہے۔ ان کی جان کو بچانا ایک مسلم کا فرض ہے۔ ورنہ وہ خدا کے حضور میں جوابدہ ہوگا اور وہ خُدا کے فضل کو کبھی حاصل نہیں کرے گا۔

اسی طرح ایک مُسلم شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرف ہنسی کے ساتھ بھی ہتھیار کا منہ نہ کرے۔ یہ حکم رسول کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے لوہے کے ہتھیاروں کے متعلق دیا ہے۔ پس بارُود سے چلنے والے ہتھیاروں کے متعلق تو اور بھی سختی سے یہ حکم چسپاں ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس حکم پر عمل نہ کرنے کے سبب سے سینکڑوں آدمیوں کی محض غلطی سے جانیں جاتی رہتی ہیں۔

پھر مسلم شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کبھی ہمّت نہ ہارے اور مایوس نہ ہو۔ بلکہ مصائب اور تکالیف میں ایک پہاڑ کی طرح کھڑا رہے۔ حوادث کی آندھیاں چلیں اور آفت کی موجیں اُٹھ اٹھ کر اسے ٹکرائیں۔ مگر وہ مقابلہ سے نہ گھبرائے بلکہ ان کو دبانے کی کوشش کرے۔ یہاں تک کہ اسے موت آ جائے یا وہ ان مشکلات کو زیر کرکے اپنے لئے کامیابی کا راستہ کھول لے۔ وہ بُزدلی سے اپنی ذمّہ داریوں سے بچنے کے لئے خُودکشی نہیں کرتا کیونکہ اس کا مذہب اسے اس بُزدلی سے روکتا ہے اور اسے نڈر اور بہادر بننے کی تعلیم دیتا ہے ؎

(ماخوذ)

مَولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ارشاداتِ عالیہ

(بسلسلہ صفحہ ۱۰)

" جو شخص کسی کو کافر کہے گا درآں حالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو وہ کُفر کا فتویٰ خود تکفیر کرنے والے کی طرف پلٹ آئے گا۔" (بخاری)

" جو شخص اپنے کسی مُسلمان بھائی کو کافر کہے گا تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔" (بخاری)

" جب کبھی ایک شخص دوسرے شخص پر فسق یا کُفر کی تہمت لگائے گا تو وہ تہمت اسی پر پلٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔" (بخاری)

" جس شخص نے کسی کو کافر یا دشمن خُدا کہدیا درآں حالیکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پلٹ جائے گا۔" (مسلم)

" جس نے کسی مؤمن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی مؤمن پر کُفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔" (بخاری)

اس طرح کی تکفیر و تفسیق محض ایک فرد کے حق پر دست درازی نہیں ہے بلکہ ایک اجتماعی جُرم بھی ہے۔ یہ پوری اسلامی سوسائٹی کے خلاف ایک زیادتی ہے اور اس سے مسلمانوں کو بحیثیت قومی سخت نقصان پہنچتا ہے ؎

فروغِ نورِ عشقِ او ز بام و قصرِ ما روشن
مگر بیند کسے آنرا کہ میدارد بصیرت را
بلقاطی بسر کردند عمرِ خود بلا حاصل
دے از بہر معنیٰ ہا نے یابند فرصت را
مسیحِ ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نہ دادند ایں فضیلت را
ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را (آئینہ کمالاتِ اسلام صہ ۵۵)

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ——— مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ ——— شمارہ نمبر ۳۸

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۰

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اپنے اندر قوتِ جاذبہ پیدا کرو اور تقویٰ عبادت اور ایمانی حالت میں ترقی کرو

" قوتِ جاذبہ اس وقت پیدا ہوگی جب تم صادق مومن بنو گے اور تم صادق نہیں تو تمہاری نصیحت ایسی ہے جیسے پرنالہ کا پانی موجب فساد ہوتا ہے۔ پس صادق کے واسطے ورزش کی اشد ضرورت ہے۔ جیسے ایک پہلوان کے سامنے تمہاری کیا ہستی ہے کہ مقابلہ کر سکو اگرچہ وہ بھی تمہارے جیسا آدمی تھا۔ جسمانی نشوونما میں اس نے ترقی اور ورزش کر کے یہ طاقت حاصل کی۔ پس تم روحانی قویٰ میں ورزش کر کے روحانی پہلوان یعنی صادق مومن بنو۔ جو شخص اپنا نشوونما نہیں کرتا وہ تو اپنے کنبہ کو بھی درست نہیں کر سکتا۔ پس قوتِ روحانی پیدا کرو۔ دیکھو نبی، رسول، سب ایک ایک ہو کر ہی آئے ہیں مگر وہ صادق اور جاذب تھے۔ مال کی غریبی اور کمزوری جدا چیز ہے۔ روحانی قوت ہونی چاہیئے۔ ہاں کشش میں بھی وہی سعادت مند ہوتے ہیں جن کو کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً انجن سرد ہے تو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ہے۔ اگر خوب گرم ہے تو موٹر گاڑی بھی لے جاویگا پس گرم اور پُرتاثیر مومن بنو۔ اس ہماری جماعت کے واسطے خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ دنیا میں پھیلے گی۔ پھر اگر طاقت والے اور اس کے پھیلانے والے اور لوگ ہوں گے تو تم نے کیا حاصل کیا۔

اب سوال یہ ہوگا کہ طاقت کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صادق اور پکا بندہ بن جاوے۔ تاکہ کسی زلزلہ سے برگشتہ اور منہ پھیرنے والا نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ سارے ہی باخدا اور عاقل تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑھ کر ایسے وفادار تھے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے آپ کو سانپوں اور درندوں اور خار دار کانٹوں والا جنگل، اس کے درندے، حیوانات انسانی شکل میں دکھلائے گئے۔ پھر ملک بھی ایسا ان کے سپرد کیا کہ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شریر النفس نہیں تھا۔ پھر آئے ایسے وقت پر کہ تمام مردہ اور فساد کی جڑھ تھے۔ جیسے فرمایا ظھر الفساد فی البر و البحر اور گئے ایسے وقت پر کہ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ الآیہ۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح الآیہ۔ اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبت الٰہی اور قوتِ جاذبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تھی۔ پس خدا تعالےٰ کے خاص بندوں اور غیروں میں اتنا فرق ہوتا ہے۔ کہ قوتِ ایمانی اور استقامت ایسی ہو کہ کسی رکاوٹ شدید سے باز نہ رہے۔ اس صفت سے جس کو جتنا حصہ ملا ہے اتنا ہی وہ برکت کا موجب ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تبدیلی کے واسطے تین باتیں یاد رکھو۔

(۱) نفس اَمّارہ کے مقابل پر تدابیر اور جدوجہد سے کام لو۔
(۲) دعاؤں سے کام لو۔
(۳) سست اور کاہل نہ ہو، اور تھکو نہیں۔

ہماری جماعت بھی اگر بیج کا بیج ہی رہے گی تو کچھ فائدہ نہ ہوگا جو ردی رہتے ہیں خدا تعالےٰ اُن کو بڑھاتا نہیں۔ پس تقوےٰ، عبادت اور ایمانی حالت میں ترقی کرو۔ اگر کوئی شخص مجھے دجال اور کافر وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے تو تم اس بات کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ جب خدا تعالےٰ میرے ساتھ ہے تو مجھے ان کے ایسے بد کلمات اور گالیوں کا کیا ڈر ہے۔"

(ملفوظات احمدیہ صفحہ ۱۳۲-۲۳۳)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وصیت جب تک کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

(الوصیت ص۶)

مکرم جناب میرزا محمد لطیف صاحب لاہور

ہم! اور ہمارے مقاصد

اس وقت دُنیا میں اخلاقی اور رُوحانی رنگ میں ایک انحطاطِ عظیم برپا ہے ۔ جدھر نگاہ اُٹھاؤ بے چینی ۔ بے راہ روی کا دَور دَورہ ہے۔ آج سے کچھ عرصہ قبل پڑھا اور سُنا جاتا تھا ۔ کہ اہلِ مغرب ایسے ہیں ۔ لیکن اَب تو حالات ایسے رونما ہو رہے ہیں کہ جب اہلِ مغرب اور ان سے اہلِ مشرق کا مقابلہ کیا جاتا ہے ۔ کسی ایک رنگ میں بھی ان سے کم نہیں بلکہ ان بیماریوں میں بڑھ کر ہیں ۔

آج کل پاکستان میں بھی یہ بیماریاں اسی شدت اور تیزی سے پھیل گئی ہیں کہ ہر ذی شعور انسان جب ان واقعات کو دیکھتا ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہے کہ پھر ہمارا کیا بنے گا!

عموماً عوام حکمرانوں کا اثر لیتے ہیں ۔ ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان کا نقشہ آپ کے سامنے ہے ۔ وہ قومی اموال کے امین تھے لیکن جو ان کا عمل ہے ۔ جس رنگ میں امانت کو ادا کرتے ہیں اور فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں ۔ وہ ایسا ہے کہ خائن تو لفظ نسبتاً ہلکا ہے اس سے بڑھ کر ان کے بارے میں کیا کہا جائے؟

دوسرے نمبر پر علماء، فقیہہ آتے ہیں ۔ یہ اس لئے کہ اس ملک کی بنیاد اس کے حصول کا نعرہ ہی تھا ۔ کہ یہاں پر اسلام کی حکمرانی ہوگی ۔ اور ہم ایسا خطہ چاہتے ہیں جس میں ہم لوگ آزادی سے اسلامی معاشرہ کی بنیاد قائم کر سکیں ۔ اب ان خطوط کی نشاندہی اور معاشرہ کا مالہٗ و ماعلیہ جس کا منبع قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۔ اس کو صحیح رنگ میں بیان کرنا ۔ موجودہ حالات جیسا کہ صنعت و حرفت میں ترقی کی وجہ سے کئی مسائل جو پیچیدہ ہیں پیدا ہو چکے ہیں ان کا حل کرنا ۔ صحیح رہنمائی کرنا ان کا کام تھا ۔ ان کا نمونہ بھی تو آپ کے سامنے ہے ۔ اور ایک شخص بجا طور پر ان سے سوال کر سکتا ہے کہ آپ قال اللہ اور قال الرسول کی تفسیر بیان کرنے کے مدعی ہیں اور آپ کا عمل کیا ہے ۔ ہر ایک فرد کو حق ہے کہ آپ کا جائزہ لے ۔ جب ان کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہیں ان کے قول و فعل میں تضاد اور ان کے خطبات ۔ تقاریر، جب ان کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو ان میں اور دوسرے سیاسی لوگوں کے اعمال میں ذرہ بھر بھی تضاد نظر نہیں آتا ۔ بلکہ سب سے بڑھ کر جب ہم قرآن مجید میں یہ پڑھتے ہیں کہ ولا تفرقوا! ان کی فرقہ بندی دوسروں سے خود کو فروتر سمجھنا اور مختلف حلقوں میں بٹا ہونا ۔

پھر جو اس ارشاد باری تعالےٰ پر نظر پڑتی ہے ۔

و قال الرسول ۔ یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجوراً ۔

رسول پکار اُٹھا ۔ کہ اے میرے ربّ ۔ میری قوم نے قرآن کو پشت کے پیچھے ناقابلِ عمل سمجھ کر رکھ دیا ہے ۔

تیسری طرف دانشور ۔ اساتذہ کرام ۔ اور طلبہ آتے ہیں ان کی حالت بھی سب پر ظاہر ہے ۔ کہ ہماری درسگاہوں سے کس قسم کے طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکل رہے ہیں ۔ اور اُستاد جس کا درجہ اسلامی نقطہ نگاہ سے بہت اونچا ہے ۔ وہ اپنے فرائض کو کس طرح سرانجام دے رہے ہیں ۔ تعلیم کا معیار بہت پست ہو چکا ہے ۔ اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے ۔ وہ درسگاہیں جو کہ رشد و سعادت کا منبع کہلانی چاہئیں ان میں سے ایسے ایسے فتنے اُجاگر ہو رہے ہیں ان کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے ۔

یہ بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی کہ سرکاری اہلکار عالم ۔ دانشور ۔ اساتذہ ۔ طلبہ ۔ بلکہ آپ سیاسی زعماء کو دیکھیں یہ جب باہر آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سانس سے زیادہ مرتبہ عوام کا نام لیتے ہیں ۔ لیکن ان کے نامۂ اعمال میں عوام سے محبت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا ۔

اگر عوام کی حالت دیکھیں ۔ بازار میں جائیں ۔ تاجر کو دیکھیں جھوٹ بولنا ۔ کم ماپنا ۔ کم تولنا ۔ ناقص مال دینا ۔ اصل قیمت سے زیادہ منافع کی کوشش کرنا ۔ گاہک کی سادگی سے ناجائز فائدہ اُٹھانا ۔ اور دوسری طرف گاہک بھی کم نہیں ۔ الا ماشاء اللہ ۔

غرضیکہ کس کس کا رونا رویا جائے ۔ جدھر دیکھو تاریکی ہی تاریکی ہے ۔ کوئی اہلکار اپنا کام دیانت داری سے نہیں کرتا الا ماشاء اللہ ۔ رشوت ۔ خیانت ۔ فرائض میں کوتاہی لاعلاج مرض کی لعنتوں سے بچنا چاہتا ہے تو اس کو اس کا حق نہیں ملتا ۔ اب بحالتِ اضطراری حالت کے اس کے پاس بھی چارہ نہیں رہتا ۔ وہ بھی وہی حربہ اختیار کرتا ہے جو دوسرے کر رہے ہیں ۔ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ اپنے ملک کے بڑے بڑے اداروں کو دیکھ لیں ۔ جہاں پر لاکھ انسان کام کر رہے ہیں ۔ جب آپ کو نتیجہ ملے گا ۔ آپ فریاد کریں گے ۔ کس کے پاس ۔ وہ لوگ جو ان مناصب پر فائز ہیں ۔ اکثریت اس پیشہ کی ابجد سے نابلد ہے ۔ رشوت یا سفارش کی وجہ سے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں ۔

رشوت کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الراشی و المرتشی کلاهما فی النار ۔ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں ۔ رشوت وہی دیتا ہے جو کسی کا حق مارتا ہے یا اپنے حق سے زیادہ لینا چاہتا ہے ۔ اور پھر رشوت دینے والے کے اندر انصاف ۔ سچائی ۔ حسن کارکردگی کا فقدان ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنی ڈیوٹی کو بھول جاتا ہے ۔ وہ ان راہوں کی تلاش میں رہتا ہے ۔ ایسے حالات و اسباب پیدا کرتا ہے جس سے اس کو یہ مالِ حرام ملنا شروع ہو جاوے ۔ اور ایک دَور تھا کہ ایسے شخص کو سوسائٹی میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ وہ بھی چھُپ کر لیتا تھا ۔ اور یہ بھی کوشش کرتا تھا کہ جن کے لئے وہ یہ حرام مال لے رہا ہے ان کو خبر تک نہ ہو ۔ لیکن اَب تو یہ ساری دیواریں ٹوٹ چکی ہیں ۔ آپ بتائیں ۔ بھلا ایسے اسباب پر جو عمارت تیار ہوگی وہ کیسے ہوگی ۔

سفارش کے بارے میں حکم تھا: من یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منه ۔ ناجائز سفارش کرنے والا یہ نہ سمجھے ۔ کہ اس کا کام صرف سفارش کرنا تھا ۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دیکھے کہ سفارش جائز بھی ہے یا ناجائز ۔ بلکہ اگر اس نے غلط سفارش کی ہے تو جس طرح جس شخص کے بارے میں سفارش کی گئی ہے ۔ اس کو سزا ملے گی ۔ ویسے ہی ایسی سفارش کرنے والے کو بھی سزا ملے گی ! اس کا اگر دروازہ کھول دیا جائے تو انصاف کی جگہ عدم انصاف، ظلم اور جور کا راستہ کھل جائے گا ۔

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۵ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

سیاست و طاقت — صداقت و شرافت اور حقیقی اسلامی معاشرہ کی تشکیل

(ڈاکٹر اللہ بخش)

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی جماعت کو سیاست سے الگ رہنے کی جو تلقین فرمائی، اس حقیقت کی صداقت جس طرح آج کے پاکستان کے سیاسی حالات سے نمایاں ہوئی ہے پہلے کبھی ایسی نمایاں طرح ظاہر نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام کی بنیادیں صداقت، راست گوئی اور راست روی اور بے نفسی پر قائم ہیں۔ لیکن اس زمانہ کی سیاست کی بناء دروغ گوئی، نفسانیت اور منافقت پر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوتی ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے ارشادِ الٰہیہ کی تعمیل میں جب اسلام کو دیگر تمام نظریات و ادیان پر غالب کرنے کی تحریک قائم کی تو اس کی بنیادیں دو اصولوں پر رکھیں۔ اوّلاً یہ کہ اس زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو از روئے دلائل و علم افضل ثابت کرکے دکھلانا ہے دوئم یہ کہ جماعتِ احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی جد و جہد کے پیش نظر اسے سیاست کے تنازعات سے الگ رہنا ضروری ہے، قومیت، وطنیت، سیاست اور "ترقی پسندی" کے رائج الوقت مفہوم، دینِ اسلام کے عالمگیر اور بین الاقوامی تقاضوں کے صریحاً متضاد واقع ہوئے ہیں بلکہ ان تحریکوں نے مغربی تہذیب کے نقشِ قدم پر اس زمانہ کے مفاسد و مفاتن اور مہلک امراض کی شکل اختیار کرلی ہے جن کا حقیقی علاج دینِ اسلام کی قبولیت ہی میں مضمر ہے۔ اگر ذرا تعمق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کا ایک کاری حربہ دجالی تہذیب کے نزدیک یہ ہے کہ اس دین کے عالی اصولوں کو بگاڑ کر اس کی حقانیت کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ چنانچہ ان وساوس میں سب سے بڑا اعتراض یہ گھڑا گیا ہے کہ یہ دین نعوذ باللہ حکومت و طاقت اور جبر و تشدد پر قائم کیا گیا تھا، نیز اب بھی اپنی ترقی و فروغ کی خاطر بہ انہی ذرائع کا محتاج ہے۔

یہ اعتراض قطعاً صحیح نہیں لیکن چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کے آخری برسوں میں مُلکِ عرب کا تخت و تاج میسر آیا نیز آپؐ کو حفاظتِ دین کے لئے مدافعانہ جنگیں لڑنا پڑ گئیں اس لئے ان کو بگاڑ کر اس رنگ میں پیش کر دیا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ غیروں نے تو از راہِ دشمنی اور زک پہنچانے کی غرض سے یہ وساوس تراشے مگر بعض سادہ لوح اور اصلیت سے ناواقف اپنوں نے بھی اسے قبول کرلیا حتیٰ کہ عام طور پر یہ غلط عقیدہ مسلمانوں میں رائج ہوگیا کہ ہمارا دین طاقت و جبر اور سیاست و سلطنت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔

دینِ اسلام کا مرکزی و محوری نقطہ روحانی و اخلاقی نظام پر قائم ہے نہ کہ مادی قوت اور جبر پر۔ البتہ اس صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی کلام نہیں کہ جب روحانی و اخلاقی طاقتیں اپنے کمال پر حیاتِ انسانیہ میں ترقی پذیر ہو جائیں تو مادی قوتیں انکے آگے سرنگوں ہو جایا کرتی ہیں، اور یہ وہ حقیقت الامری ہے جسے نہ سمجھ کر عوام بلکہ بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسلام کی ابتداء اور دینی تحریکوں کی نشو و نما، روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کے ارتقاء پر منحصر ہے۔ البتہ جب مؤخر الذکر قوتیں اپنے کمال پر پہنچ جائیں تو مادی طاقتیں مغلوب ہو جایا کرتی ہیں۔ کبھی یہ غلبہ جلد حاصل ہو جاتا ہے جیسے آنحضرت صلعم اور صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں میں حاصل ہوا اور کبھی دیر کے بعد جیسے حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کے بارہ میں بالآخر مقدر تھا۔ اس لئے تقدیم و ترجیح انہی کو حاصل ہے نہ کہ مادی اسباب و ذرائع کو۔ جس طرح کسب مال کے دو ذرائع ہیں جائز اور ناجائز، اسی طرح حکومت و سیاست بھی دو قسم کی ہے، ایک قسم وہ ہے جو از راہ ظلم و تعدّی اور جھوٹ و منافقت حاصل کی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا حصول نیکی و راستبازی کا متقاضی ہے۔ موجودہ زمانہ میں دجالی تہذیب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جارحانہ اور ظالمانہ طریق کار سے قبضہ کرنا جائز سمجھتی ہے۔ مادی منافع اور ہوسِ زر و اقتدار نے ذہنوں پر ایسا غلبہ پا لیا ہے کہ زندگی کے کاروبار یا سلطنت و طاقت کے حصول اور اس کے کاروبار کے انصرام میں ہر روحانی و اخلاقی قدر کو پسِ پشت پھینکا جا چکا ہے۔ اس وقت جملہ ممالک اور اقوام میں دجالی طریقِ کار رائج ہو چکا ہے۔ اس لئے مسلمانوں میں خواص و عوام بھی اپنی نجات اسی میں یقین کر بیٹھے ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ دیگر تہذیبوں و نظریات کی اتباع میں مسلمان بھی کسی قدر کامیابی حاصل کرلیں لیکن اسے دینِ اسلام کی نشأۃ کسی صورت میں قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دیکھنا یہ چاہیئے کہ حکومت کے حصول کا نصب العین آنحضرت صلعم کے سامنے ہرگز نہ تھا بلکہ اصل مُدعا و غرض تو اپنے عالی نمونہ اور اخلاقِ فاضلہ نیز اپنے سچے متبعین کے اجتماعی اسوۂ حسنہ کے ذریعہ، دنیا میں ایک اصلاحی معاشرہ کی تعمیر تھی۔ تو پھر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آنحضورؐ و صحابہ کرامؓ نے سلطنت و حکومت کیوں لی؟ اس کا باعث یہ امر ہوا کہ یہ خدائی سنت مستمرہ ہے کہ اگر نیکی و راستبازی اور خدمتِ خلق کی قوتیں اس قدر

قوی اور وسیع ہو جائیں کہ وہ اپنے ماحول و معاشرہ میں ایک ایمانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دیں، تو ایسی طاقتوں کے آگے جسمانی و مادی طاقتیں بھی مغلوب و محکوم

ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لئے کہ روح مادہ پر غالب ہے۔

غرضیکہ حکومت و طاقت کا حصول نہ آنحضورؐ کے مدِنظر تھا نہ ہی آنحضورؐ اس کے لئے کوشاں ہوئے، بلکہ یہ مادی طاقتیں اس لئے آپؐ کے سامنے سرنگوں ہو گئیں کہ آنحضور صلعم ایک ایمانی و اخلاقی برتر معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں کما حقہٗ کامیاب ہو گئے تھے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و علیٰ آلِ محمّد۔

مملکتِ پاکستان کی بناء اس ایمان پر بے شک پڑی کہ اسلام ایک زندہ اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ از روئے انصاف اس مُلک میں اپنی حکومت قائم کریں۔ نہ صرف مسلمانوں کی اکثریت نے یہ منصفانہ مطالبہ کیا بلکہ حضرت قائدِ اعظمؒ نے اس مطالبہ کی تائید میں انہیں متحد و منظم بھی کر دکھلایا۔ پس صحیح امر تو یہ ہے کہ پاکستان کا مطالبہ چونکہ ایمانی و اخلاقی اور اتحاد و اخوت کے عالی اصولوں پر قائم تھا اس لئے اسے بارگاہِ ربّ العزت میں قبولیت حاصل ہوئی۔

تقسیم برصغیر کے بعد جو عظیم قربانیاں مسلمانوں کو دینا پڑیں

وہ یہ امر مجبوری دینا پڑیں نہ کہ معاشرۂ اسلامیہ کی تعمیر و تشکیل کے لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا جائز مطالبہ تو تسلیم کر لیا گیا مگر قوم میں وہ ایمانی و اخلاقی صفات پیدا نہ ہو سکیں جن کا پیدا کرنا اس دین کی اصل غرض و غایت ہے۔ اس پر مزید یہ المیہ ہوا کہ مغربی دجالی تہذیب و تعلیم کے زیرِ اثر جو "ترقی یافتہ" طبقہ پاکستان میں ہے اس کے مدِ نظر مادی ترقی کا نصب العین اس شدت سے فروغ پایا کہ جملہ ایمانی و اخلاقی اقدار قریباً مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ غرضیکہ پاکستان بن جانے کے بعد جس اصل غرض کے لئے یہ سلطنت لینے کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کی طرف کوئی ادنیٰ توجہ نہ تو حکومتوں نے کی، نہ ہی علماء اور لیڈرانِ قوم نے کی۔ بلکہ ساری کی ساری قوم (اِلّا ما شاء اللہ) مادی نصب العین کے حصول اور حکومت و اقتدار کی ہوس کی دوڑ میں غرق ہو گئی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا باعث بھی حقیقتاً ہمارے اپنے غیر اسلامی افعال ہی ہوئے۔ اور اب جو پارٹیاں سیاست کے میدان میں ہیں ان کے پیشِ نظر بھی حصولِ حکومت و اقتدار ہی ہے۔ اگرچہ دعاوی کچھ ہی ہوں۔ جو اصحاب یہ دعوے کرتے ہیں کہ حکومت لینے کے بعد وہ اسلامی نظام نافذ کریں گے وہ اپنے اس دعویٰ میں صادق سمجھے جاتے اگر ان کی گزشتہ مساعی یہ ثابت کریں کہ ان کی جد و جہد فی الواقع ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں صرف ہوتی رہی ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کے لئے حکومت پر قابض ہونا ضروری و لازم نہیں بلکہ اس غرض کے حصول کے لئے ایمان و عمل کی پختگی اور عزم راسخ کی ضرورت اور لیڈروں کے عملی نمونہ کی حاجت لازمی ہوتی ہے۔ حکومتوں کے فرائض زیادہ سے زیادہ ملک میں امن و امان اور انصاف کا قیام اور رعایا کی خوشحالی یا اس کی تعلیم و صحت ہوتے ہیں۔ ایمان اور حُسنِ اخلاق کا پیدا کرنا عام طور پر سلطنت اور قوانین ملکی کے احاطۂ عمل سے باہر ہیں۔ یہ مقاصد تو علماء کرام اور صلحاءِ عظام نیز لیڈران و بہی خواہان قوم کے دائرہ عمل کی باتیں ہیں۔ بلکہ سیاست اور سلطنت کے حصول سے عوام میں ایمان و اخلاق کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ ساری تاریخ انسانی کا مطالعہ کر لیا جائے۔ یہی نظر آتا ہے کہ مادی اغراض کا حصول اور اقتدار و حکومت کی تمنائیں ہمیشہ سے ایمان و اخلاق میں اضافے کی بجائے ان میں کمزوری و انحطاط پیدا کرنے کا موجب ہی بنی ہیں۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی پاک تعلیم نے ترک دنیا یا رہبانیت کے نظریہ کی نفی کی ہے اور انسانی حیات کو مجاہدانہ نوعیت دی ہے۔ مگر اس ضمن میں ہم یہ امر یکسر بھول جاتے ہیں کہ اگر اسلامی نظریہ حیات فرار کی راہ نہیں تو یہ راستہ پیار کا بھی ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقی طور پر مجاہدانہ صراطِ مستقیم ہے۔ جہاں ایک مؤمن کی زندگی کی حقیقی عِلّت غائی اس کے اندر مودع ربانی صفات عالیہ کا اظہار ہے۔ پس مغربی نظریہ کی ناشِش غلطی بکلی آشکارا کرنے کی ضرورت ہے

۴۵ کو عملاً

کہ دولت و ثروت اور اقتدار و حکومت سے نیکی و راستبازی یا صدق و صفا اور ایثار و قربانی کی ملکوتی صفات پیدا نہیں ہو جایا کرتیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو خدا تعالیٰ مصلحین عالم صرف بادشاہوں، حاکموں، یا دولتمندوں میں ہی مبعوث کیا کرتا، تا کہ منکرین کو یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوتی لولا نزل ھٰذا القرآن علیٰ رجلٍ من القریتین عظیم۔ اس قرآن کا نزول کیوں کسی عظیم ہستی پر نہیں ہوا یا یہ کہ نحن اولوا قوۃ و اولوا بأس شدید۔ ہم تو طاقت و قوت کے مالک ہیں ہم پر عذاب کیونکر آ سکتا ہے اور وہ مامور و مصلح وقت کو یہ بھی نہ کہہ سکتے کہ ہم تو تیرے پیروؤں کو رذیل و کمتر ہی دیکھتے ہیں ہم آپ پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں؟ پھر قرآن کریم نے مخالفین کے اس وسوسہ کو بھی ہیچ قرار دیا ہے کہ نہ تیرے پاس سونے چاندی کے ڈھیر ہیں نہ ہی باغات و نباتات ہیں نہ تو علم غیب رکھتا ہے، نہ ہی فرشتہ ہے۔ اصلاح معاشرہ و نظام اسلام کے عملی نفاذ کے لئے نہ تو کسی حکومت و طاقت کی ضرورت لاحق ہے، نہ کوئی قانون اور جبر صحیح معنوں میں قلب کی طہارت اور نفس ہی کی پاکیزگی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے تو مضبوط ایمان اور راسخ عزم و عمل اور عالی نمونہ کی حاجت بکار ہے۔ پاکستان کے قیام اور بعد کے واقعات نے اس سنّت اللہ کو پھر سے ہمارے سامنے ثابت کر دکھلایا ہے۔ اس مملکت کے عام مسلمانوں میں اگر نظام اسلام کو فروغ دینا مقصود خاطر ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ خواص اپنی زندگیوں کو اسلامی نظریہ حیات کے سانچہ میں ڈھالیں۔ سیاست اور سیاست کے تنازعات اور مغربی تہذیب کے تاثرات سے علیحدہ ہو کر صدق و راست گوئی۔ عدل و انصاف، رواداری و ایثار، خدمت خلق و قوم کی عالی تحریکیں قوم میں قائم کرنے کا موجب بنیں۔ کیونکہ اب ہمارا یہ اپنا تجربہ ہو چکا ہے کہ حکومت و طاقت کا نشہ انسان کو بگاڑ دیتا ہے مگر اُسے سنوارتا ہرگز نہیں۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تاریخ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

(جاری ہے)

مولانا محمد علیؒ نمبر

احبابِ کرام مطلع رہیں کہ حسب سابق یہ خاص ڈبل نمبر بتقریب یومِ حضرت امیر مرحوم بتاریخ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۷۷ء شائع ہو رہا ہے اس لئے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔

مضمون نگار

دوستوں کی خدمت میں التماس ہے کہ اس نمبر کی کتابت شروع ہو چکی ہے از راہِ کرم جلد از جلد اس کے لئے مضامین ارسال فرمادیں جو اکتوبر کے وسط تک بہر حال یہاں پہنچ جائیں

(ادارہ)

سیرتِ عمرؓ کے چند پہلو
درویشی اور بادشاہی کا مرقع

(مکرم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب۔ ایم اے)

والسابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجری تحتها الانهار خالدین فیها ابدا۔ ذالک الفوز العظیم (القرآن)

لقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک من امتی احد منهم فعمر۔ (صحیح بخاری)

جہاں ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے وہ نرالی شان بخشی کہ دُنیا کے کسی اور انسان کو وہ شان نصیب نہ ہوئی وہاں آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل و خصائل بھی ایسے عدیم المثال تھے کہ دنیا کی تاریخ میں ان کی نظیر ڈھونڈنا بے سُود ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے کون مسلمان واقف نہیں؟ آپ کے کارہائے نمایاں نے کس مسلمان کو قوتِ ایمان نہیں بخشی؟ آپکے عدل و انصاف، ایمان و اخلاص۔ تدبر و حکمت اور عقل و ذہانت نے کس بڑے سے بڑے دشمن سے خراج تحسین وصُول نہیں کیا؟ اور آپ کے زمانہ کی تاریخ لکھتے ہوئے کونسا مؤرخ ایسا ہے مسلم یا غیرمسلم منصف یا متعصب جس نے آپ کے تذکرہ کو سیاہی نہ بنایا ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، اور دین محمدی کی شان کو ایسا بلند کیا کہ ہم قیامت تک نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ان کی نظیر لا سکتے ہیں۔ وہ ایسی خدمات تھیں کہ اگر دنیا میں ایک اور عمرؓ پیدا ہو جاتا تو اس وقت صفحۂ ہستی پر اسلام ہی ایک مذہب ہوتا اور مسلمان ہی ایک قوم۔

سیرت عمرؓ کی داستان کے متحمل اخبار کے چند اوراق نہیں ہو سکتے کہ اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ہم صرف حضرت فاروقِ اعظمؓ کی سیرت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ اور وہ بھی بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی زندگی کے چار پہلو قارئین کرام کو دکھائیں گے:—

(۱) عمرؓ بحیثیت ناظم مُلک
(۲) عمرؓ بحیثیت کمانڈر انچیف یا سالارِ اعظم۔
(۳) عمرؓ بحیثیت امیرالمؤمنین۔
(۴) عمرؓ بحیثیت ایک مسلمان۔

ملکی انتظام

خلافت عمرؓ فاروقؓ میں مسلمان اتنی وسیع مملکت کے مالک ہو چکے تھے کہ اس کا انتظام بڑی طاقت اور قابلیت کا محتاج تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نہ صرف اس وسیع سلطنت کے انتظام کو احسن طریقہ پر انجام دیا بلکہ ایسی ایسی باتیں ایجاد کیں اور انتظام کے سلسلہ میں ایسی تجاویز کو رواج دیا جس سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیرمسلم حکومتیں بھی اس سے قبل نا آشنا تھیں خلافتِ ثانیہ میں جو باتیں اور نئی اصلاحات مختلف صیغوں میں رائج ہوئیں۔ مؤرخین کے نزدیک اولیت سے تعبیر کی جاتی ہیں اور اس اولیت اور قابلیت کا سہرا حضرت فاروقؓ کے سر ہے۔ ذیل میں ان تمام باتوں کو نقل کیا جاتا ہے جو حضرت عمرؓ نے رائج کیں:

ممالک مقبوضہ کی صوبوں میں تقسیم۔ بیت المال یا مرکزی خزانہ کا قیام۔ عدالتوں اور قاضیوں کا تقرر۔ فوجی دفتر کی باقاعدہ ترتیب والنٹیئر کور یعنی ٹیریٹوریل فورس کا قیام۔ زمین کی پیمائش کرانا۔ مردم شماری۔ نہریں کھدوانا۔ نئے شہروں کا آباد کرنا۔ صیغۂ محاصل اور دفتر مال کا قیام۔ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ یا نظارتِ نافعہ کا قائم کرنا پولیس کا قیام اور صیغۂ تعلیم اور صیغۂ مذہبی امور کا قیام۔

افسرانِ ملکی

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا یعنی مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ فلسطین اور مصر۔ ایران کی سلطنت پہلے ہی تین صوبوں میں تقسیم تھی یعنی فارس خراسان اور آذربائیجان۔ چنانچہ یہ تقسیم بحال رہی۔ ملک کے انتظام کے لئے حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ کے اندر جو افسران مقرر کئے ان کی تفصیل یہ ہے (۱) والی یا گورنر (۲) کاتب یا میر منشی۔ (۳) کاتب دیوان یا فوجی دفتر کا میر منشی (۴) صاحب الخراج یا کلکٹر جس کے ماتحت ہر پرگنہ میں تحصیلدار وغیرہ کام کرتے تھے۔ (۵) صاحب الاحداث یا انسپکٹر جنرل پولیس (۶) صاحب بیت المال یا افسر خزانہ (۷) اور صدر الصدور۔ قاضی۔ منصف وغیرہ۔

افسروں اور عاملوں کو ہدایت

اس بات کی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہر طرف امن امان تھا۔ رعایا خوشحال تھی تہذیب و تمدن میں دن بدن ترقی ہو رہی تھی۔ اس تمام ترقی و خوشحالی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ایسے افسر مقرر فرماتے تھے جنہیں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو۔ جو عادل اور منصف مزاج ہوں۔ اور جنہیں اس بات پر یقین ہو کہ اس سے ان کے افعال کی باز پرس ہوگی۔ حضرت عمرؓ کسی عامل یا افسر کے خلاف شکایت سُن پاتے تو فوراً اس کی تحقیق کرتے اور اگر افسر مجرم ہوتا تو اس کو قرار واقعی سزا دیتے۔ حضرت عمرؓ کا عاملین پر اس قدر رعب تھا کہ

"یاد رکھو کہ میں نے تم کو امیر اور سخت گیر کر کے نہیں بھیجا بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زدو کوب نہ کرو ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو۔ کہ زبردست کمزور کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم ہے۔" (الفاروق جلد دوم صفحہ ۲۰)

اس کے علاوہ ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑا نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اور اہل حاجت کی ہمیشہ حاجت روائی کرے گا۔ تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے موقعہ پر حاضر ہوں۔ حج کی تقریب پر تمام اطراف سے مسلمان اکٹھے ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ وہاں اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو اپنے عمال کے خلاف شکایت ہو تو وہ پیش کرے۔ اور پھر لوگوں کی شکایت پر عمال سے باز پرس کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص اُٹھا اور کہنے لگا کہ فلاں عامل نے مجھے بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فاروق اعظمؓ سے عرض کیا کہ یہ بات عاملوں پر گراں گذرے گی۔ لیکن عدل فاروقی کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ اور بالآخر عمرو بن العاص نے اس شخص کو دو سو دینار دیے کہ اس عامل کا قصور معاف کرایا۔ عیاض بن غنم گورنر مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتا

ہے اور دروازہ پر دربان بٹھاتا ہے۔ آپ نے ایک شخص کو تحقیق کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر یہ باتیں صحیح ہوں تو عیاض کو میرے سامنے پکڑ لاؤ۔ چنانچہ عیاض پکڑے ہوئے مدینہ حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کرتا اتروا کر اونٹ کے بالوں کا چوغہ پہنا دیا اور کچھ بکریاں منگا کر اس کے حوالے کیں کہ جاؤ جنگل میں جا کر انہیں چراؤ کہ یہی تمہارے باپ اور دادا کا پیشہ تھا۔ حضرت سعید بن ابی وقاص کی نسبت جب معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ میں اپنے مکان کے آگے ڈیوڑھی بنوائی ہے تو ایک مسلمان کو لکھ بھیجا کہ سعد سے پوچھے بغیر اس کی ڈیوڑھی جلا دو۔ چنانچہ ڈیوڑھی جلا دی گئی۔ اور سعدؓ نے اُف تک نہ کی۔

مُلکی انتظام اور مجلس شوریٰ

اس امر کے باوجود کہ حضرت عمرؓ کو اللہ تعالےٰ نے معاملہ فہمی اور مردم شناسی کا خاص جوہر عطا کیا تھا اور وہ ایسے صائب الرائے تھے کہ بسا اوقات ان کی رائے کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ آپ سلطنت کے تمام ضروری امور میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے اور مجلس شوریٰ اتفاق رائے سے جو بات طے کرتی اس کو اختیار فرماتے۔ جس روز کوئی مشورہ طلب امر سامنے آجاتا تو آپ نقیب کو منادی کا حکم دیتے۔ وہ الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرتا۔ لوگ نماز کے لئے جمع ہونے کے بعد امر مشورہ طلب پر بحث و تمحیص ہوتی۔ اور کثرت رائے سے جو فیصلہ خواہ حضرت عمرؓ کی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا اختیار کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ کو رعب اور وجاہت کے باوجود آپ نے لوگوں میں آزادی رائے کا مادہ اس قدر پیدا کیا تھا کہ ایک معمولی سے معمولی شخص بھی آپ کی تردید کر سکتا تھا بلکہ سخت سست الفاظ بھی کہہ لیتا اور آپ برداشت کر لیتے۔

حضرت عمرؓ بحیثیت کمانڈر انچیف

گو اپنے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ بہ نفس نفیس کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ لیکن آپ نے افواج کے انتظام میں ایسی قابلیت کا ثبوت دیا کہ آج تک باوجود تہذیب و تمدن کی ترقی کے اس سے بہتر فوجی نظام کسی حکومت نے قائم نہیں کیا۔ حکومت اسلامی کے قیام سے قبل دو بڑی سلطنتیں موجود تھیں جن کی طاقت کا دُور تک اثر تھا۔ ایک رومن ایمپائر اور دوسری پرشین ایمپائر۔ رومۃ الکبریٰ کا فوجی نظام یہ تھا کہ بڑے بڑے اُمراء اور رؤسا کو جاگیریں دی جاتی تھیں اور اس کے عوض میں بوقت ضرورت اُن سے فوجی سپاہی لئے جاتے تھے۔ یہ طریق فیوڈل سسٹم کہلاتا ہے۔ اور آج سے چند صدیاں قبل یورپ میں یہی رائج تھا۔ لیکن اس کے نقصان اور خرابیوں کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر یورپین اقوام کو یہ طریق ترک کرنا پڑا اور حضرت عمرؓ کا جاری کردہ طریق اختیار کیا گیا۔

ایران میں بھی اسی قسم کا طریق رائج تھا کہ بڑے بڑے زمیندار جو مرزبان اور دہکان کہلاتے تھے حصول اراضی کے عوض حکومت کی سپاہیوں سے امداد کیا کرتے تھے۔ یہ طریق جس میں ہمیشہ بغاوت کا خطرہ رہتا تھا اور طرح طرح کی خرابیاں تھیں، حضرت عمرؓ نے شروع ہی سے اختیار نہیں کیا۔ آپ نے باقاعدہ فوج کی بھرتی کا طریق اختیار کیا اور ایک رجسٹر یا دیوان تیار کیا جس میں تمام فوجیوں کے نام اور ان کی تنخواہوں وغیرہ کا حساب ہوتا تھا۔ تمام افواج براہِ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتیں ان کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتیں اور مالِ غنیمت سے بھی حصہ ملتا۔ سپاہیوں کو رسد وغیرہ بھی حکومت کی طرف سے ملتی اور لباس بھی سرکاری ہوتا تھا۔ سپاہیوں کو خوش رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے انہیں طرح طرح کی سہولتیں دے رکھی تھیں۔ ہر سپاہی کو سال میں دو مرتبہ رخصت دی جاتی تھی۔ ان کی شکایات کو بغور سنا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی جرنیل یا کمانڈر سختی اور تشدد کرتا ہوا پایا جاتا تو اسے سزا دے کر سپاہیوں کی شکایات کو رفع کیا جاتا اور مسلمان سپاہی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ اور ان کے افسر اور جرنیل آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرت عمرؓ کی ذہانت اور فوجی قابلیت

خلافت کے بار اور کثیر الاشغال ہونے کے باعث حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر تشریف نہیں لے جا سکتے تھے۔ لیکن مدینہ کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی آپ ایسی عمدہ تجاویز اپنے جرنیلوں کو لکھا کرتے تھے۔ کہ ان پر عمل کرنے سے ہمیشہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ حالت کشف میں آپ نے ساریہ کو شام کی سرحد پر لڑتے دیکھا اور ساریہ کی پوزیشن کو کمزور دیکھتے ہوئے آواز بلند پکارا کہ "پہاڑ کی پناہ لو"۔ لکھا ہے کہ مدینہ کی فضا سے گونجتی ہوئی یہ آواز ساریہ کے کانوں تک جا پہنچی اور فاروقِ اعظمؓ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اس نے فتح پائی۔

جرنیلوں کے تقرر۔ افواج کی نقل و حرکت، سرحدوں کی مضبوطی طریقِ جنگ۔ قلعوں کے محاصرے اور اس قسم کے تمام امور میں حضرت عمرؓ کی رائے بہترین رائے ثابت ہوتی۔ اور آپ کی تجویز پر عمل کرنے کے باعث مسلمانوں نے کبھی ہزیمت نہیں اُٹھائی۔

افواج کی رہائش کے لئے حضرت عمرؓ نے موزوں مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ نئے شہر آباد کئے۔ جیسے کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط وغیرہ۔ انہی سرحدوں کو مضبوط کیا اور ہر طرح سلطنتِ اسلامیہ کو مستحکم فرمایا۔

مفتوح رعایا سے سلوک

اس جگہ یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ آپ نے مفتوح رعایا کو جو ذمّی کہلاتے تھے ہر طرح کی مذہبی آزاد اور مراعات بخشیں۔ یہود و نصاریٰ یکساں طور پر مسلمانوں کے زیر سایہ محفوظ ہونے کے علاوہ اپنے مذہبی امور میں بالکل آزاد تھے۔ اور ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی فتوحات اس سُرعت سے پھیل رہی تھیں۔ ۴۴

دو اہم تقریبات

مقامی جماعت احمدیہ لاہور ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق دو اہم تقریبات کا اہتمام کر رہی ہے۔

یوم محمد علیؒ

جس میں مقررین امیرِ مرحوم حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کی زندگی اور کارہائے نمایاں کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں گے۔ جملہ احباب جماعت کے لئے دعوت عام ہے۔

انتخابات

سال ۷۸-۱۹۷۷ء کے لئے مقامی عہدیداران و ارکانِ انتظامیہ کا سالانہ انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ چناؤ میں صرف مقامی احباب لاہور ہی حصہ لے سکیں گے۔

پروگرام

تقریب یوم محمد علیؒ ______ ۹ تا ۱۱ بجے صبح
انتخابات برائے ۷۸-۱۹۷۷ء ______ ۱۱ تا ۱۲ بجے دوپہر
کھانا ______ ۱۲ تا ۱ بجے 〃

جملہ احباب جماعت سے گذارش ہے کہ وہ نماز جمعہ دارالسلام میں ہی ادا کریں اور اس اجلاس میں شریک ہو کر اپنے محبوب امیر مرحوم کو شایانِ شان ہدیۂ عقیدت پیش کریں۔

آپ کی شرکت کا متمنی ڈاکٹر وحید احمد۔ صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

عبداللہ بن سبا

(از جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد)

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"اور لوگوں میں بعض ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں۔ وہ اللہ کو اور ان کو جو ایمان لائے دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ اور سوائے اپنے آپ کے (کسی کو) دھوکا نہیں دیتے مگر وہ سمجھتے نہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے سو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھایا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یقیناً یہ خود فساد کرنے والے ہیں۔ پر سمجھتے نہیں۔"

(سورۃ البقرہ آیات ۸ تا ۱۱)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مُلکِ عرب کے اطراف میں کئی ایک جگہ فتنۂ ارتداد اُٹھ کھڑا ہوا اور بدؤوں کے کئی ایک قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ چند ایک جھوٹے مدعی نبوت بھی پیدا ہو گئے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایسی ہمت اور استقلال اور غیرت دینی عطا فرمائی کہ آپ نے صحابۂ کرام کی مدد سے ان فتنوں کو نہ صرف دُور کر دیا۔ بلکہ دین اسلام کو از سرِ نو قائم اور دائم کیا۔ اس کے بعد ملکِ ایران اور مُلک رُوم سے سرحدی جھڑپیں شروع ہو گئیں اور پھر خلیفۂ دوئم حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں تو اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ خلیفۂ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وسط ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا اور ساتھ کے ساتھ اسلامی پرچم اور مذہب اسلام بھی ان ممالک میں پھیلتا گیا۔

ان اسلامی فتوحات سے نہ صرف عیسائی اور یہودی ناخوش تھے بلکہ مُلک عراق اور ایران میں مجوسی اور دیگر غیر مُسلم اقوام بھی دل ہی دل میں کڑھتی اور غم و غصّہ میں مبتلا تھیں۔ ان شکست یافتہ اقوام نے ظاہرا تو مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر ان میں سے منافقین نے جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے مگر دلوں میں کینہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے خفیہ سوسائٹیاں بنا لیں اور اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف وہ سازشیں کرنے لگے، اور موقعہ ملنے پر قتل و غارت اور بدامنی پھیلانے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ خطرناک وہ اشخاص تھے جو مسلمانوں میں مسلمان بن کر ان کے بہی خواہ اور معتمد بن کر مسلمانوں میں غلط افواہیں پھیلاتے تھے۔ تفرقہ بازی کرتے تھے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ساتھ کے ساتھ دشمنوں کے ایجنٹ اور جاسوس بن کر ان کو مسلمانوں کے ارادوں اور عملی کاروائیوں سے خبردار رکھتے تھے۔ یہ وہ **دوست نما دشمن** تھے جو سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ دغا اور مکاری سے کام لیتے ہیں اور بے خبری میں سخت نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان ان لوگوں سے پہنچا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت

{یہ ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی دو صاحبزادیاں}

رقیہ اور اُم کلثوم یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔ بڑے باحیا اور سخی تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لئے انہوں نے بہت دریا دلی سے خرچ کیا۔ خدا نے ان کو فراخئ مال کے ساتھ ساتھ فراخئ دل بھی عطا فرمائی تھی۔ یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی وہ دس صحابی جن کے جنتی ہونے کی خوشخبری اس دنیا میں ہی دے دی گئی تھی۔

حضرت نبی کریم صلعم نے ایک دفعہ اُن کو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک خرقہ (لباسِ خلافت مراد ہے) پہنائے گا۔ مگر اُسے کو اتارنا نہیں اگرچہ بعض لوگ تم سے ایسا کرنے کو کہیں گے۔ نبی کریم صلعم کو آئندہ آنے والے فتنوں کی خبر جنابِ الہیٰ سے پہلے دے دی گئی تھی اور یہ امر بھی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے جائیں گے۔

حضرت **عثمان**ؓ کی خلافت اور واقعات اور ان کی وجوہات بہت طویل اور متنازعہ فیہ ہیں میں ان میں نہیں پڑتا۔ مگر بعض لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت عثمانؓ بلا روک ٹوک اقربا پروری کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کے متعلق شکایت موصول ہو تو اس معاملہ میں سختی نہیں برتتے یا تفتیش میں جلدی نہیں کرتے یا پھر اگر سزا دیتے بھی ہیں تو وہ نرم ہوتی ہے۔ اور اگر معزول کرنا چاہیئے تو نہیں کرتے۔

بہر حال ان معاملات میں اختلاف رائے ہے۔ مگر ان شکایات کرنے والوں کے تین گروہ تھے۔ ایک تو خود شہر مدینہ میں۔ دوسرے شہر کوفہ اور تیسرے ملک مصر میں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں منافقین اور دشمنان اسلام کو شرارت اور خفیہ سازشیں کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اس کے کیا بدنتائج نکلے اس کو آگے پڑھیئے۔

عبداللہ بن سبا۔ {(سب سے بڑھ کر خطرناک) دوست نما دشمن مسلمین)}

[نوٹ: مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی مرحوم و مغفور ایک اسلامی مؤرخ کہلاتے ہیں وہ احمدی تھے اور جب راقم الحروف قادیان میں (۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء) مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں زیر تعلیم تھا تو وہ اس کے اُستاد اور ہیڈ ماسٹر بھی تھے ان کی مشہور کتاب "تاریخ اسلام" میں سے عبداللہ بن سبا کے متعلق کچھ اقتباسات لے رہا ہوں۔]

عبداللہ بن سبا المعروف ابن السوداء شہر صنعا کا رہنے والا ایک **یہودی** تھا۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کو دولت خوب حاصل ہوتی ہے اور اب یہی دنیا میں سب سے بڑی فاتح قوم بن گئے ہیں مدینہ میں آیا اور بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے مدینے میں رہ کر مسلمانوں کی اندرونی اور داخلی کمزوریوں کو خوب جانچا اور مخالفتِ اسلام تدابیر کو خوب سوچا۔ ایک اور بظاہر مسلمان شخص حکیم بن جبلہ بصرہ میں رہتا تھا۔ اُسے ذمیّوں (غیر مسلم رعایا) کے اموال لوٹ لینے کے جُرم میں گورنر بصرہ نے شہر بصرہ کے اندر نظر بند کر دیا تھا۔ تاکہ شہر سے باہر نہ جاسکے۔

عبداللہ بن سبا یہ خبر سُن کر بصرہ پہنچا اور خفیہ طور پر حکیم بن جبلہ اور اس کے ہم خیال لوگوں سے مراسم پیدا کر کے، پھر اپنے آپ کو مسلمان اور حامی و **خیر خواہ آلِ رسُول** ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنے منصوبے کے موافق فساد انگیز خیالات و عقائد پیدا کرنے لگا۔ کبھی کہتا کہ مسلمان اس بات کے تو قائل ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ لیکن اس بات کو نہیں مانتے کہ نبی کریم صلعم بھی دنیا میں ضرور آئیں گے۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کی غلط تفسیر سُنا سُنا کر اس

عقیدہ پر قائم کرنا شروع کیا کہ آنحضرت صلعم دوبارہ دُنیا میں ضرور آئیں گے۔

بہت سے احمق اور سادہ لوح مُسلمان اس فریب میں آ گئے۔ پھر اس نے ان احمقوں کو اس عقیدے پر قائم کرنا شروع کیا کہ پیغمبر کا ایک خلیفہ اور وصی ہوا کرتا ہے اور نبی کریم صلعم کے وصی حضرت علی رض ہیں۔ پھر اس نے علانیہ یہ کہنا شروع کیا کہ لوگوں نے آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا کر بڑی حق تلفی کی ہے۔ اس لئے حضرت علیؓ کی مدد کر کے ان کو فی الفور خلیفہ بنا دیا جائے۔

اس پر گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر پُوچھ گچھ کی اور اس پر مُسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا الزام عائد کیا۔ اس پر عبداللہ بن سبا اپنی جماعت کو بصرہ میں چھوڑ کر دوسرے اسلامی دُنیا کے فوجی مرکز کوفہ میں آیا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک جماعت حضرت عثمانؓ اور ان کے عامل کی دشمن موجود تھی۔ سو عبداللہ بن سبا کو یہاں اپنی شرارتوں کو کامیاب کرنے کا اور بھی بہتر موقع مل گیا۔ اور اپنے زہد و اتقا کا لوگوں کے دِلوں میں سکّہ بٹھایا اور اندر ہی اندر اپنے باغیانہ خیالات کو پھیلاتا رہا۔ جب چرچا زیادہ ہُوا تو کوفہ کے گورنر سعید بن العاص اور دیگر شریف لوگوں نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر ڈانٹا۔ بالآخر کوفہ میں ایک اپنی مضبوط جماعت چھوڑ کر (جس میں مالک اشتر جیسے لوگ شامل تھے جو بعد میں حضرت علیؓ کی حضرت معاویہ کے ساتھ لڑائیوں میں حضرت علیؓ کی افواج میں ایک کمانڈر کی حیثیت حاصل کر کے بڑی بہادری اور جانفشانی سے لڑا) عبداللہ بن سبا مُلک شام کو روانہ ہوگیا۔ وہاں اس کی دال زیادہ نہ گلی۔ سو وہ وہاں سے سیدھا مُلک مِصر پہنچا۔ اور یہاں اس نے عبداللہ بن سعد گورنر مصر کے بر خلاف خفیہ سوسائٹی کا مکمّل نظام مرتب کیا۔ اور محبّ اہلِ بیت کو اور حمایت علی رض کے اظہار کو خاص الخاص ذریعہ کامیابی بنایا۔

مِصر سے عبداللہ بن سبا نے کوفہ اور بصرہ کی اپنی جماعتوں سے نامہ و پیام رکھا اور ان سب مقاموں سے (یعنی مِصر، کوفہ، بصرہ اور دمشق سے) وہاں کے گورنروں کے خلاف شکایات مدینہ میں آنی شروع ہوگئیں اور ظاہر کیا کہ گویا حضرت عثمان ان ظالم گورنروں کو معزول نہیں کر رہے اور رعایا تنگ آگئی ہے۔

حضرت عُثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو مِصر کی جانب اور محمد بن مُسلمہ کو کوفہ کی جانب روانہ کیا کہ وہاں کے حالات دیکھ کر آئیں اور صحیح اطلاع دربارِ خلافت میں پہنچائیں۔ مِصر پہنچنے پر عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے پہل کر کے غلط رپورٹیں دے کر عمار بن یاسر کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور مدینہ واپس جانے سے روک دیا۔ محمد بن مسلمہ نے کوفہ سے حضرت عثمان کو اطلاع دی کہ یہاں کے عوام بھی اور بعض شرفا بھی علانیہ زبان درازی اور طعن و تشنیع پر زبان کھولنے اور غدر و بغاوت کے علامات کا اظہار کر رہے ہیں۔

یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ قِصّہ کوتاہ یہ کہ باغی (مالک اُشتر کی ماتحتی میں کوفہ پر بالآخر قابض ہوگئے۔ اُدھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دوسرے عاملوں کے نام بھی فرامین جاری کئے کہ اس مرتبہ بعد حج سب مدینہ منوّرہ میں ان کے شریک مشورہ ہوں۔ چنانچہ یہ لوگ حسب ہدایات جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ مدینہ کے اہل الرائے اصحاب کو بھی شامل مشورہ کر لیا گیا۔ عاملوں نے مختلف مشورے دیئے۔ کوئی کہتا تھا کہ لوگوں کو جہاد پر لگا دو۔ کوئی کہتا تھا کہ ان کے سرغنوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ فسادی لوگوں پر سختی کی جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نرم دل تھے۔ کسی مسلمان کو قتل کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے خلاف ہر ایک فتنے کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کا عزم کر چکے تھے۔

اس اثنا میں سبائیوں نے پھر مختلف عاملوں کے برخلاف جھوٹی شکایات کا طومار باندھ دیا۔ حضرت عثمان اپنے عاملوں کو بے خطا پاتے تھے اس لئے کوئی خاص کارروائی نہ کر پاتے تھے۔ اس اثنا میں عبداللہ بن سبا کے ایجنٹ تمام ممالک اسلامیہ اور تمام بڑے بڑے شہروں میں پہنچ چکے تھے اور پروپیگنڈا (برخلاف خلیفۂ وقت) کر رہے تھے۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔

اب پھر حج کا موسم آگیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے خاص طور پر تمام اطراف میں اس قسم کا مضمون بھیجا کہ اس دفعہ حج کے موقعہ پر میرے عامل بھی آئیں گے اور وہ لوگ بھی آئیں جن کو ان سے شکایات ہیں تاکہ رُو در رُو تحقیقات اور جواب و سوال کر سکیں اور انصاف کیا جا سکے۔

عبداللہ بن سبا کی تجویز کے موافق لوگ ہر ایک صوبے اور ہر ایک مرکز سے روانہ ہوئے مگر وہ بجائے مکّہ معظمہ جانے کے مدینہ منوّرہ میں آ کر جمع ہو گئے۔ حج سے فارغ ہو کر خلیفۂ وقت مدینہ منوّرہ میں آئے۔ یہاں انہوں نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس جس کو کسی عامل سے شکایت ہے وہ سامنے آئے اور بیان کرے۔ مگر کوئی شخص کسی عامل کی شکایت لے کر نہ آیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے سب اکابر صحابہؓ اور باہر کی جماعتوں کے اکابرین کو ایک جلسہ میں طلب کیا اور اس میں افہام و تفہیم کی کوشش کی گئی۔ کچھ اعتراضات بھی پیش ہوئے اور ان کے جوابات بھی دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے نرمی سے کام لیا۔ اس کے بعد تمام عامل رخصت ہونے شروع ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کی کہ حالات خراب ہیں۔ آپ میرے ہمراہ کچھ عرصہ کے لئے دمشق چلے چلیں۔ یا پھر میں آپ کی حفاظت کے لئے ایک لشکر یہاں تعیّنات کر دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مدینہ منوّرہ کو وہ چھوڑنے کو تیار نہیں اور لشکر کا آنا اہلِ مدینہ کے لئے باعث تشویش ہوگا۔ حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھے بیٹھے تمام انتظامات خفیہ طور پر مکمّل کر لئے تھے۔ بظاہر اس نے حبّ علیؓ اور حبّ اہلِ بیت کو خلافتِ عثمانی کے درہم برہم کرنے کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ چنانچہ اس نے حج کے موقعہ پر اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک ہزار کا قافلہ روانہ کیا۔ ایک ہزار کا قافلہ (اس کے ہم خیال لوگوں کا) کوفہ سے مالک اُشتر کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ اسی طرح ایک ہزار کا قافلہ بصرہ سے روانہ ہوا۔ سب نے کہا کہ یہ حج کرنے جا رہے ہیں۔ مگر سب نے آپس میں یہ تجویز پختہ کر لی تھی کہ اس مرتبہ حضرت حضرت امیرالمومنین عثمان غنیؓ کو ضرور معزول یا قتل کریں گے۔ یہ لوگ مدینہ کے باہر آن کر خیمہ زن ہو گئے اور مدینہ کے اندر حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ فساد کرنا ٹھیک نہیں اور واپس چلے جائیں۔ باغیوں نے عبداللہ بن سعد مِصر کے عامل کو معزول کرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے کہنے پر حضرت عثمانؓ نے اُن کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو (جو حضرت علی رض کا طرفدار تھا) پروانہ امارت دے دیا۔ مگر باغیوں کی نیت میں فساد تھا اور وہ پھر بہانہ بنا کر واپس مدینہ میں داخل ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور حضرت عثمانؓ کا گھر سے نکلنا اور گھر میں پانی کا جانا بند کر دیا۔ وہ مسجد میں بھی نہیں جا سکتے تھے اور وہاں باغیوں نے اپنا امام الصلوٰۃ مقرر کر لیا تھا۔ محاصرہ کی مُدت چالیس روز تک رہی۔ اس اثنا میں حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے بلوائیوں کو

سمجھانے کی بھی کوشش کی - مگر حضرت عثمانؓ نے میر منشی مروان بن الحکم (جو ان کا چچازاد بھائی بھی تھا) اپنی دریدہ دہنی اور بد نگاہی نے سب کام خراب کر دیا -

بالآخر باغی ایک متصلہ مکان کی چھت پر سے ہو کر حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور ان کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے شہید کر دیا - اور بعد میں گھر کا سامان بھی لوٹ لیا - حضرت عثمانؓ کی نعش مبارک بے گور و کفن تین دن تک پڑی رہی - بعد میں حضرت علیؓ کی کوشش سے نماز جنازہ کے بعد بغیر غسل کے انہیں کپڑوں میں جو پہنے ہوئے تھے جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کر دیئے گئے - انا للہ و انا الیہ راجعون -

انہیں ایام شورش میں اپنی خفیہ سازشوں کو کامیاب ہوتا دیکھ کر عبداللہ بن سبا بھی غیر مشہور اور غیر معلوم طریقہ سے مدینہ میں داخل ہو کر اپنے ایجنٹوں اور دوستوں میں شامل ہو گیا - پھر اس نے یہ شرارت کی کہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ مدینہ میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ اہل مدینہ ہی خلیفہ انتخاب آئندہ دو دن میں کر دیں - ورنہ باغی حضرت علیؓ - حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو قتل کر ڈالیں - اس اعلان کو سن کر مدینہ والے جمع ہو کر حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان کو خلیفہ بننے پر رضا مند کر لیا اور سب باغیوں اور دوسرے لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی -

قاتلان عثمانؓ سے حضرت علیؓ نے کوئی قصاص نہیں لیا - ان میں سے کچھ تو مارے گئے ہیں - کچھ مالک اشتر جیسے لیڈر حضرت علیؓ کی فوج میں کمانڈر کی حیثیت رکھتے تھے - کیوں قصاص نہ لیا گیا؟ اس کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں - اس بحث میں پڑنا یہاں پر غیر ضروری ہے - البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض صحابہ کرامؓ نے اس وجہ سے بعد میں حضرت علیؓ سے جنگ جمل بھی لڑی - البتہ سبائی گروہ نے بعد میں جب دیکھا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت کر کے اسلام کو مزید نقصان پہنچایا جا سکتا ہے تو وہ خوارج کے گروہ کی شکل میں پردۂ تاریخ پر ظاہر ہوئے اور حضرت علیؓ کی اُن سے کئی لڑائیاں بھی ہوئیں بعد میں یہی سبائی گروہ عباسیوں اور علویوں کی سازش پر خلاف بنو اُمیہ اور بنو عباسیہ میں مصروف رہا - اور بعد میں انہیں میں سے فدائی اسمٰعیلیہ گروہ بنا - قدم قدم پر ان شیطانی چیلوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا - اب بھی کسی نہ کسی شکل میں یہودی صفت مسلمان تخریبی کاموں میں مشغول ہیں - اللہ تعالیٰ ان سے امن میں رکھے ٭

"دبستانِ آزاد"

جودھ پور [بھارت] سے ایک خط

جناب ابوالاسرار رمزی صاحب ایم اے - جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں رقمطراز ہیں :-

" ایک نادیدہ مشتاق زیارت کا سلام مسنون قبول ہو، مجھے جماعت کے لٹریچر کا شوق ہے - محترمی عزیز کاشمیری (ایڈیٹر روشنی سرینگر) سلمہ تعالیٰ نے راہ نمائی فرمائی اور آپ کا پتہ دیا - کیا میں اُمید کروں کہ آپ احمدیہ جماعت کا تازہ ترین لٹریچر خواہ کسی زبان میں ہو، دیئے ہوئے پتہ پر روانہ فرمائیں گے -

میرے پڑوس میں ایک دارالعلوم ہے اور شہر میں کُل پانچ دارالعلوم ہیں، ان کے مولوی صاحبان سے نزولِ عیسٰیؑ اور وفاتِ عیسٰیؑ پر

ص۴

اَخبارِ اَحمدیہ

---- مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت بدوملہی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" امسال عیدالفطر کے موقع پر پہلے سے زیادہ رونق رہی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رمضان المبارک میں فرشتوں نے لوگوں کے دلوں پر القا کیا ہے کہ یہ جماعت حق پر ہے -

امسال عید پر مختلف مدات میں حسب ذیل رقم جمع ہوئی ہے جو سالہائے ماسبق سے کافی زیادہ ہے - فطرانہ، عید فنڈ مسجد فنڈ میں تقریباً ساڑھے پانچ صد روپیہ جمع ہوا ہے - اور اکثر احباب جماعت نے اپنے چندوں کی رقم بھی بڑھا دی ہے - جزاہم اللہ احسن الجزاء -"

اللہ تعالیٰ جماعت بدوملہی کی مساعی میں برکت ڈالے اور انہیں اپنے نیک عزائم میں کامیاب فرمائے -

دُعائے صحت { مکرم عبدالحکیم صاحب خادم مسجد پشاور تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" میں تقریباً ایک ماہ سے صاحب فراش ہوں - اپریشن ہوا ہے - مگر ابھی تک صحت یاب نہیں ہوا - محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت پشاور کے زیرِ علاج ہوں جو بڑی شفقت اور توجہ کے ساتھ میرا مفت علاج کر رہے ہیں - نیز خود کمزور ہونے کے باوجود مجھے دیکھنے کے لئے بار بار تشریف لاتے ہیں - جزاہ اللہ احسن الجزاء نیز مرکزی انجمن اور احباب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس مشکل وقت میں میری امداد فرمائی -

---- محترم پروفیسر عبدالستار صاحب بھی قریباً ایک ماہ سے بعارضہ فالج بیمار ہیں -

---- مکرم جناب محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور بھی بیمار ہیں - احباب کرام ان سب بھائیوں کے لئے درد دل سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے - آمین -

---

ص۴ گفتگو ہوتی ہے تو بجائے دلیل دینے کے غصّہ کرتے ہیں - بڑا افسوس ہے کہ جن لوگوں نے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا وہ کافر قرار دیئے جاتے ہیں اور جو کافر بنا رہے ہیں وہ اعلیٰ درجے کے مسلمان سمجھے جاتے ہیں - انا للہ و انا الیہ راجعون -

کہتے ہیں کہ وہ (حضرت مرزا غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ) خود کو نبی بتاتے تھے - میں نے کہا ان کا کلمہ، شریعت، قرآن، نماز، درود، ارکانِ اسلام سب وہی تھے جو تمہارے ہیں - بریلوی عقائد کے لوگ رسولؐ کو حاضر ناظر - عالم الغیب بتاتے ہیں - یہ تو خدا بنانا ہوا - یہ کھلا ہوا شرک نہیں ہے، پھر کس لئے ان کو مسلمان کہا جاتا ہے افلا تبصرون -

ہندوستان جدید میں بسنے والے مسلمان زیادہ تر ہندی لکھنے لگے ہیں پوری نسل تیس سال کے اندر ہندی خواں ہو گئی - اس لئے ضرورت ہے کہ ہندی زبان میں بھی لٹریچر شائع ہو، امیر جماعت کو توجہ دلائیں -

حضرت مولانا صدر الدین صاحب اور مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو

• سلام مسنون - "

نوٹ : جناب رمزی صاحب کو لٹریچر بھجوا کر خط کا جواب بھی دے دیا گیا ہے ٭

(بقیہ صلہ)

اب ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا ہے ۔ جو یوں ہے دی کا نہ تھا ہے ۔ مُلک و قوم ایسے دوراہے پر آ پہنچے ہیں کہ ہر شخص ان حالات کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتا ہے کہ اب ہمارا کیا بنے گا! ہم کیا تھے ۔ دعوے کیا کرتے تھے ۔ اب ہمارا وجود اپنے اُوپر بوجھ ثابت ہو رہا ہے ۔ جن کو کبھی طعنہ دیا کرتے تھے ۔ اب وہ ہم سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں ۔ کیا یہ ہے اسلامی معاشرہ جس کے لئے تم نے یہ خطّہ لیا تھا ۔ اور پھر وہ طعنہ دیتے ہیں ۔ کہ یہ اسلام ہے ۔

اب تو یہ بھی سوچنے والی بات ہے کہ کیا ہمارا شعور و احساس زندہ ہے یا نہیں ! اگر ہم غور کریں ۔ تو تاریخ ایسی مثال قربانی کی پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ جو اہلِ پاکستان نے اس بٹوارے ۱۹۴۷ء کے موقعہ پر دی ۔ جانی ۔ مالی ۔ عزّت و ناموس ۔ تفصیل میں جائیں تو جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے ۔ کہ ہم نے کیا پایا ۔

ان تمام بیماریوں کا حل واقعی اسلام میں ہے ۔ اور اگر ہم یومنون بالغیب ۔ ایمان باللہ اپنے اندر حقیقی رنگ میں پیدا کر لیں ۔ تاریخ شاہد ہے ۔ کہ اللہ کی ہستی ۔ ذات ۔ صفات پر کامل ایمان پیدا کرنے کے نتیجہ میں دُنیا میں کیسے کیسے انقلاب پیدا ہوئے ۔ ہم اللہ کے وعدوں پر کامل یقین پیدا کریں ۔ جن باتوں پر خدا تعالےٰ عمل کرنے کا حکم دے ۔ ان پر عمل کریں ۔ جن باتوں سے روکے ۔ رُک جائیں ۔

اس جہان میں اپنے وجود ۔ جوارح ۔ زندگی ۔ عزیز و اقارب ۔ مال و منال ۔ جائداد ان سب کو اللہ کی امانت سمجھیں ۔ یہ دنیا دارالعمل ہے ۔ دارالجزاء ۔ یوم یقوم الحساب ۔ جس کے بارے میں ارشاد ہے وبالآخرۃ ھم یوقنون ۔ ہم کامل یقین رکھیں اس دن کو نہ بھولیں ۔ وہ حساب کا دن ہر ایک کے لئے مقرر ہے اگر یہ دو چیزیں کامل طور پر ہمارے اندر پیدا ہو جائیں کہ خدا تعالیٰ ہمارا خالق و مالک و رازق و قادر ہے ۔ ہر چیز اس کی طرف سے ہی عطا کردہ ہے ۔ اور دنیا میں کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں اور کوئی جگہ بھی ۔ فرماتا ہے یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ۔ بعض انسانوں کو عادت ہوتی ہے کہ وہ آنکھ کے اشارے سے اپنا مطلب بیان کرتے ہیں ۔ اسلام اسے روکتا ہے ۔

اللہ تعالےٰ اس کو بھی جانتا ہے ۔ کوئی شخص کسی دل (اندر) کے حال کو نہیں جان سکتا ۔ ۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میں اس کے بارے میں آپ کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ کہ آپ آنکھ کے اشارے سے بتا دیں ۔ انّ عین الانبیاء لا تومض ۔ کہ خدا کے مُرسل کبھی آنکھ کے اشارے سے بات نہیں کرتے ۔

اگر اللہ کی ہستی پر کامل ایمان پیدا ہو جاوے اور دوسرے نمبر پر یہ یقین پیدا ہو جاوے کہ پتہ نہیں کب وہ گھڑی آ جاوے ۔ کوئی انسان ایک لمحہ کی ضمانت نہیں دے سکتا ۔ کہ کتنے دن ۔ دن نہیں ساعتیں وہ دنیا میں ہے پھر یوم الحساب ہے ۔ پھر علیم ۔ بصیر ۔ خبیر ۔ اللہ کے سامنے جواب دینا ہے ، تو پھر کبھی کوئی شخص قوم افراد مُلک ۔ خواہ اہلکار ہوں ۔ سیاست دان ہوں یا دانشور ہوں ۔ علماء ہوں یا عوام ہوں ۔ اور تاجر ہوں یا خریدار ۔ مرد ہوں یا خواتین ۔ کبھی وہ کام نہ کریں جو آج اکثریت کر رہی ہے ۔

حُسنِ سلوک ۔ صلہ رحمی ۔ چشم پوشی ۔ انصاف ۔ قربانی ۔ ایثار وغیرہ کا جنازہ نکل گیا ہے ۔

چلے سب جاتے رہے اک حضرت تواب ہے

اب ایک ہی راستہ ہے ایمان باللہ وعملوا الصالحات والیوم الآخر ۔

خدا کرے کہ ہم آنکھیں کھولیں ۔ اور اہلِ نینوا کی طرح اپنے اُوپر موت وارد کریں ۔ ورنہ تباہی اور بربادی کے آثار نظر آ رہے ہیں ۔

لیکن میرا مخاطب میرا نفس اور وہ لوگ ہیں ۔ اوّلاً ۔ جن کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ مجدّد زمان ۔ امام مہدی ۔ جن کی بعثت کی غرض یحی الدین ویقیم الشریعۃ ہے ۔ کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ کہ ہم اپنے اعمال ۔ افکار ۔ کردار کا جائزہ لیں ۔ کیا ہم امانت دار ہیں ؟ راست باز ہیں ؟ دین کو دنیا پر مقدّم رکھتے ہیں ؟ قول سدید پر عمل پیرا ہیں ۔ یا ہمارے اندر بھی وہی جرائیم سرایت کر رہے ہیں ۔

ہم جس ہستی کو مانتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں :-

” سچ کہو ۔ جھوٹ نہ بولو ۔ بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرو ۔ اور اپنے فعل یا قول سے کسی کو نقصان مت پہنچاؤ ۔ اپنی زندگی کو پاک رکھو ۔ غیبت نہ کرو ۔ اور کسی پر بہتان مت لگاؤ ۔ نفسانی شہوات اپنے پر غالب نہ ہونے دو کینہ اور حسد سے پرہیز کرو ۔ بغض سے اپنا دل صاف رکھو ۔ اپنے دشمنوں سے بھی وہ معاملہ نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ۔ ایسی نصیحتیں دوسروں کو مت کرو جن کے تم پابند نہیں ۔ معرفت کی ترقی میں لگے رہو جہل سے دل کو پاک کرو ۔ جلدی سے کسی پر اعتراض مت کرو ۔ نفرت کرنے سے نفرت رفع نہیں ہوتی ۔ بلکہ اور بھی بڑھتی ہے ۔ محبّت نفرت کو ٹھنڈا کر کے رفع کر دیتی ہے “

پھر جماعت کو نصائح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(ا) ” جو بدی کا بدی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔ اپنے تئیں شریر کے حملہ سے بچاؤ ۔ مگر خود شریرانہ مقابلہ مت کرو ۔ مگر جو اس غرض سے کسی کو تلخ دوا دیتا ہے کہ وہ اچھا ہو جائے ۔ وہ اس سے نیکی کرتا ہے ہم نہیں کہتے کہ اس نے بدی کا بدی سے مقابلہ کیا ۔ “

(ب) ” ایمان مصائب سے نجات دے گا ۔ خدا سے ڈرو ۔ غافلوں کے ساتھ اور جو موت بھلا چکے ہیں مت بیٹھو ۔ انقطاع الی اللہ اختیار کرو ۔ اسباب ترک کرو تا تمہارے لئے اسباب پیدا کئے جائیں ۔ مر جاؤ تا دوبارہ زندہ ہو ۔ “

اور غور فرمائیں ۔ کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہینِ احمدیہ کے بعد سب سے پہلی کتاب فتحِ اسلام تصنیف فرمائی ۔ اور اس میں پانچ شاخوں پر اس سلسلہ کی بنیاد رکھی ۔ پانچویں شاخ ۔

” مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے ۔ تو اس طوفان کے وقت کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے بچایا جائے گا اور جو انکار میں ※

اُٹھالوں گا مگر تیرے سچے متبعین اور محبین قیامت کے دن تک رہیں گے “ یہ پاکیزہ عبارت کسی تشریح کی محتاج نہیں ۔ ہاں ہم محتاج فکر ہیں ! ÷

اسلام کا نظام سیاست

مندرجہ بالا عنوان سے میاں عبدالرشید صاحب کا ایک قابل قدر مضمون "نوائے وقت" میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سے جستہ جستہ اقتباسات قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے دیئے جاتے ہیں:—

"اب جب پاکستان میں نظریہ پاکستان اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا جرم قرار دیا جا چکا ہے، ایک سے زیادہ سیاسی پارٹیوں کا جواز ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مختلف لوگ اپنی انانیت کی تسکین چاہتے ہوں۔ جب ہر سیاسی پارٹی کا مقصد پاکستان کا استحکام اور یہاں مثالی اسلامی مملکت کا قیام ہے، تو پھر وہ مل کر کیوں کام نہ کریں۔ اب یہاں من مانی کرنے کی تو گنجائش نہیں یہاں معاشی نظام بھی وہی ہوگا، جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ قانون بھی وہی بنے گا جو قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ نہ یہاں کی پارلیمنٹ خود مختار ہے، نہ صدر یا وزیر اعظم سب اللہ تعالیٰ کے احکام اور جناب رسول پاک کے ارشادات اور آنجناب صلعم کے قائم کردہ نظائر و روایات کے پابند ہیں۔ آزادی ہے تو انہی کے اندر رہ کر اجتہاد کرنے کی۔ اس سے باہر جانے کی بالکل آزادی نہیں

الیکشن کے دوران بڑے بڑے جلسوں اور جلوسوں کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ ان سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ گالی گلوچ کی عادت پڑتی ہے۔ ایک دوسرے پر غلاظت پھینکی جاتی ہے نوجوان اور بچے ہائے ہائے، مردہ باد، فلاں کتا کہتے ہوئے چھاتی پیٹتے سڑکوں پر آوارہ پھرنا سیکھتے ہیں۔ وقت کے علاوہ بے اندازہ روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ قوم میں سے ڈسپلن ختم ہوتا ہے۔ پیشہ ور بدمعاشوں سے اجرت پر کام لیا جاتا ہے جس سے بدمعاشی کے پیشہ کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ امیدواروں کو صرف پمفلٹوں، محلہ دار چھوٹے جلسوں یا ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے لوگوں کو اپنے خیالات اور پروگرام سے آگاہ کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے تاکہ قوم کے اندر متانت اور ڈسپلن برقرار رہے

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ سیاست سے منافع بازی کا عنصر خارج کیا جائے۔ اسمبلیوں کے ممبران کی تنخواہیں اور الاؤنس کم کئے جائیں۔ اور ان کی ناجائز مراعات ختم کی جائیں۔ ناجائز سفارش کرنے والوں کی رکنیت ختم کر دینے کا قانون بنایا جائے۔ انہیں پرمٹ اور لائسنس بالکل نہ دیئے جائیں۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ یہاں اپنا کام اپنی توانائی صرف کرنی پڑتی ہے لیکن دنیوی فائدہ کوئی نہیں تو پھر ان میں سے بیشتر یہ راہ چھوڑ جائیں گے صرف وہی لوگ میدان میں آئیں گے جن کے اندر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کرنے کا جذبہ ہو اور جو اپنے کام کا معاوضہ شہرت یا دولت کی صورت میں وصول کرنے کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔......... اس دور میں مثالی اسلامی مملکت قائم کرنے کے لئے ہمیں پرانی بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کرنی ہوگی۔ یعنی قرآن پاک کے احکام، جناب رسالتمآبؐ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین کے قائم کردہ نظائر پر مبنی ایسا نظام قائم کرنا ہوگا، جو اس دور کے تقاضوں اور ہماری اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہو۔ بالفاظ دیگر ہم نے سیاست، معیشت اور تعلیم کے میدانوں میں ایسے راستے ڈھونڈنے ہیں جن کی بنیادیں پرانے راہنما اصولوں پر ہوں گی، مگر جو اس دور میں نئے متصور ہوں گے۔

جہاں تک اسلام کے سیاسی نظام کا تعلق ہے، نہ یہ بادشاہت ہے اور نہ آمریت۔ کیونکہ بادشاہت کی بنیاد نسل یا خاندان کی برتری کے تصور پر ہے۔ اور ایک بادشاہ کے بعد اس کا بھائی یا بیٹا بادشاہ بنتا ہے۔ آمر اپنی طاقت سے حکومت سنبھالتا ہے اور پھر اپنی مرضی سے اُسے چلاتا ہے۔ علاوہ ازیں بادشاہ اور آمر دونوں مطلق انسان ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں صدر حکومت کے لئے تین شرائط ہیں (۱) وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور جناب رسول پاک کا نائب ہو۔ (۲) اور وہ شوریٰ سے حکومت کا کام چلائے۔ گویا نہ وہ مطلق العنان ہے نہ خاندان کی بنیاد پر اختیارات سنبھالتا ہے اور نہ حکومت کا کام اپنی مرضی سے بغیر کسی کے مشورہ کے چلاتا ہے۔

سورۃ النساء میں فرمایا:— "اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو اولی الامر ہوں ان کی" (آیہ ۹۲) قابل غور بات یہ ہے کہ اولی الامر سے پہلے "اطیعوا" کا لفظ نہیں آئے، جیسے "رسول" سے پہلے لائے ہیں۔ گویا اولی الامر کی اطاعت جناب رسول پاک کی اطاعت کے تابع ہے۔ جبکہ رسالتمآبؐ کی اطاعت اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات سورۃ النساء کی اس آیہ سے بھی ثابت ہے "جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی" (آیہ ۸۰) سورۃ شوریٰ میں فرمایا" اور وہ اپنے امور (باہمی) مشورہ سے (طے) کرتے ہیں۔"

ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلامی مملکت میں صدر حکومت لوگوں میں سے لیا جائے گا۔ کسی خاندانی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس بنیاد پر کہ وہ کس حد تک اللہ تعالیٰ کا اطاعت گذار اور جناب رسول پاک کے اسوہ حسنہ پر چلنے والا ہے۔ وہ حکومت کا کام چلانے میں مطلق العنان نہیں ہوگا، بلکہ احکام الٰہی اور سنت رسول مقبول کے مطابق چلائے گا۔ یعنی وہ حضور کا نائب یا خلیفۃ الرسول ہوگا۔ اس کی ایک مجلس مشاورت ہوگی۔ اور وہ اہم امور میں سے ان سے مشورہ لے گا۔.... .... جو لوگ اخلاقی جرائم میں سزا یافتہ ہوں، ان کے نام ووٹروں کی فہرست سے کاٹ دیئے جائیں۔ جو لوگ کھلم کھلا بے راہ روی کی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے نام ووٹروں کی فہرست میں درج نہ کئے جائیں۔ در اصل سارا مسئلہ اس سوال کے گرد گھومتا ہے کہ ووٹ دینے والے لوگ اعلیٰ اقدار حیات کے حامل ہوں اور چونکہ انہی میں سے شوریٰ، صدارت یا وزارت کے اراکین منتخب ہوں گے۔ اس لئے اگر ایسا ہو جائے تو پھر حکومت کا معیار خود بخود بہتر ہو جائے گا۔ پچھلے سو برس سے ہمارے ہاں مغربی، بالخصوص برطانوی طرز جمہوریت کا اتنا پروپیگنڈا ہوا ہے کہ بیشتر لوگ اسے آسمان سے نازل شدہ۔ مقدس نظام حکومت سمجھنے لگے ہیں۔ اور وطنیت کی طرح جمہوریت کے بت کی بھی پرستش شروع ہو گئی ہے۔ ہم لوگوں نے حکومت کے اصل مقصد—— عدل و انصاف

عزت و آبرو اور جان و مال کے تحفظ، سب کے لئے آگے بڑھنے کے ایک جیسے مواقع اور ہر شہری کی بنیادی ضروریات کے انتظام کو تو فراموش کر دیا ہے محض طرز حکومت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے اور اسی پر لڑتے مرتے رہتے ہیں وقت آ گیا ہے کہ ہم ان معاملات پر تعصب سے بالا تر ہو کر غور فکر کریں:-

۱- کیا یہ انصاف یا عقلمندی ہے کہ سمجھدار اور بے وقوف، دیانتدار اور بد دیانت، شریف اور بدمعاش، مملکت کے وفادار اور غدار کو ایک جیسا سمجھا جائے۔ یعنی ہر ایک کو نظامِ حکومت چلانے کے معاملہ میں ایک جیسی رائے دینے کا مستحق سمجھا جائے۔ کیا حکومت چلانا بچوں کا کھیل ہے یا کوئی سنجیدہ معاملہ ہے؟

۲- جس شخص نے بالغ حق رائے دہندگی کے مطابق ووٹ لینے ہیں، کیا وہ عوام کی اکثریت کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکتا ہے؟ مثال کے طور پر سمن آباد کے بیشتر مکینوں نے اپنے اپنے مکانوں کے سامنے چار پانچ فٹ سڑک پر باڑ لگا کر اور اپنے صحن کی دیوار گرا کر سڑک کا رقبہ اپنے مکانوں میں شامل کر لیا ہے۔ کیا اس علاقہ سے صوبائی یا قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے والا کوئی شخص اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا ہے؟ ایسا شخص عوام کا دُم چھلا تو ہو سکتا ہے، ان کا لیڈر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حکومت کا مقصد حق و انصاف قائم کرنا ہے، تو ایسا شخص کبھی حق و انصاف کی بات نہیں کر سکتا۔

(۳) آج کل ہر شخص جو صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑتا ہے کم از کم پچاس ہزار روپیہ اور جو قومی اسمبلی کا انتخاب لڑتا ہے کم از کم ایک لاکھ روپیہ اس کام پر خرچ کرتا ہے۔ حق حلال کی کمائی سے تو کوئی شخص اتنا روپیہ بچا نہیں سکتا۔ اگر بچا لے تو وہ اسے اس طرح ضائع نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ الیکشن میں وہی حصہ لے سکتا ہے، جس کے ذرائع آمدنی مشکوک ہوں۔ گویا بسم اللہ ہی غلط ہے۔ اسی لئے عام طور سے پیشہ ور سیاستدان الیکشن میں حصہ لیتے ہیں۔ اور الیکشن پر خرچ کو کاروبار میں روپیہ لگانے کے مترادف کہتے ہیں اور الیکشن جیتنے کے بعد پھر کمائی کے پیچھے بھاگتے ہیں حکومت کو ان کے ووٹ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ انہیں لائسنس، پرمٹ یا دیگر مراعات سے خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چار صوبائی اسمبلیوں اور دونوں مرکزی ایوانوں کے جملہ اراکین ملکی خزانہ کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کرا دیتے ہیں۔ جو دفتر باہر بیٹھے جاتے ہیں ان میں بھی کام کرنے والے اشخاص کی بجائے منظورِ نظر نالائق لوگوں کی بھرمار رہتی ہے۔ ملکی کام پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ لیکن ملکی خزانہ خالی ہوتا جاتا ہے۔

(۴) رائج جمہوریت کا ایک اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق پر زور دیتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کی بات کوئی نہیں کرتا۔ نہ کسی کو ان کا احساس رہ جاتا ہے۔ اور یہ حقوق بھی بالعموم خود ساختہ ہوتے ہیں۔ نہ ملک کے کوئی حقوق ہیں۔ نہ معاشرے کے حقوق ہیں نہ مملکت کے حقوق ہیں۔ نہ اسلام کے حقوق ہیں۔ اگر حقوق ہیں تو صرف افراد کے اور وہ بھی گھٹیا ذاتی مفادات کے گرد گھومتے ہیں۔ مثلاً مزدور یہ کہتے ہیں کہ انہیں کام کرنے کے لئے نہ کہا جائے۔ انہیں کسی ڈسپلن کا پابند نہ کیا جائے کارخانہ دار یہ کہتے ہیں کہ ان سے پورا انکم ٹیکس نہ لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

۵- مغربی جمہوریت کی ایک خصوصیت شور مچانے کی کھلی چھٹی ہے۔ جو منہ میں آئے کہو۔ ایوانوں کے اندر بھی اور ایوانوں سے باہر بھی۔ اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان کے جملہ اخراجات کا حساب کیا جائے تو اجلاس کے دنوں میں فی منٹ اگر کئی ہزار نہیں تو کم از کم کئی سو روپے ضرور خرچ ہوتے ملیں گے اور اس کے مقابلہ میں تقریروں کا معیار دیکھا جائے تو وہ بالکل صفر نکلے گا۔ یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ بالعموم بے مطلب باتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ تقریر برائے تقریر کی جاتی ہے۔ برائے مقصد نہیں کی جاتی۔ جو بات پانچ منٹ میں کہی جا سکتی ہے اسے گھنٹوں پر پھیلا دیا جاتا ہے۔

۶- مغربی جمہوریت میں جو پارٹی سسٹم ہے اسکے مطابق ہر پارٹی کے رکن سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ایوان میں اپنے ضمیر کے مطابق بات نہ کرے، بلکہ پارٹی کے حکم کے مطابق تقریر کرے اور ووٹ دے۔ ایک موقع پر دن یونٹ اسمبلی میں جب قائد ایوان نے قائد حزبِ مخالف سے کہا کہ وہ زیرِ بحث قرارداد کی مخالفت کیوں کرتے ہیں، یہ تو بہت اچھی تجویز ہے اور ملک و ملت کے مفاد میں ہے تو قائد حزبِ مخالف نے جواب میں چرچل کا ایک فقرہ پڑھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں تو حزبِ مخالف میں ہوں اس لئے میں نے ہر حکومتی تجویز کی مخالفت کرنی ہے اسلام ایسے طرز عمل کی اجازت نہیں دیتا قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔ اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

۷- اب مغربی جمہوریت میں منتخب شدہ اراکین کی نمائندہ حیثیت کو لیں۔ جو شخص اکیاون فی صد ووٹ حاصل کر لے وہ منتخب قرار دیا جاتا ہے۔ عام طور سے ساٹھ فیصد ووٹر ووٹ ڈالنے آتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے ووٹ بنے ہوتے ہیں، وہ عموماً کل آبادی کا ساٹھ فیصد ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے دیکھا جائے تو منتخب ہونے والا شخص کل آبادی کے بیس بائیس فیصد ووٹ حاصل کرتا ہے اور پارلیمانی طرزِ جمہوریت میں ایک حلقہ میں سے بائیس فیصد ووٹ حاصل کرنے والا شخص پورے ملک کا وزیر اعظم بن جاتا ہے، حالانکہ پورے ملک کا حساب لگایا جائے تو شاید اسے پورے ملک کی آبادی سے ایک فی لاکھ ووٹ بھی حاصل نہ ہوں۔ اس کے باوجود اس طرزِ حکومت کے بعض دلدادگان صدارتی نظام کو ڈکٹیٹر شپ کہتے ہیں

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۵ راکتوبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۴۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا
خصوصی ترجمان
ہفت روزہ

پیغام صلح لاہور

زرِ مبادلہ
سالانہ پندرہ پندرہ روپے
بیرونی ممالک سے ایک پونڈ
علاوہ محصول ڈاک

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
فون نمبر ۵۲۷۳۷
تار کا پتہ تبلیغ لاہور

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔

لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں میں تیرے خالص محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔"
(الہامات حضرت مسیح موعودؑ)

محمد علی نمبر

حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کا مذہب

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
آں کتاب حق کہ قرآن نام اوست
بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است و خسران و تباب

جماعت احمدیہ لاہور کی تعلیمی خصوصیات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ نیا نہ پرانا
۲۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
۳۔ کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
۴۔ سب صلحا اور ائمہ قابل احترام ہیں
۵۔ سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے
۶۔ اسلام تمام دنیا پر غالب آئیگا۔

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۵ ذیقعد ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۲/۱۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۱-۴۲

تجدید اور نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کا منصوبہ ساز

(رؤیا حضرت اقدس)

حضرت مسیح موعودؑ کے کشف میں جن کو مجدد الدین کا خطاب دیا گیا۔

"ایک دردمند اور پُر امید دل"

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

(دیکتھال)
(رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

"مستند صحیح انگریزی ترجمہ مع اسناد"

"اگرچہ مولوی محمد علیؒ کی تصنیفات ایک لائبریری کا درجہ رکھتی ہیں، تاہم ان کی شاہکار تصنیف انگریزی ترجمۃ القرآن ہے جس سے آپ نے خود کو زندہ جاوید بنا لیا ہے...... کسی شخص کو یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کے کوئی نئے معانی کئے ہیں، جہاں جہاں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے ان کا ترجمہ یا تو صحیح و درست ہے یا انہوں نے اپنے ترجمہ کی تائید میں اسناد پیش کی ہیں۔" (حافظ غلام سرور صاحب دیباچہ ترجمہ قرآن انگریزی)

روضۂ ملت ازو سیراب شد + باغِ دینِ مصطفےٰ شاداب شد

حضرت مولانا محمد علیؒ کی انقلاب آفرین خدمات اسلام کا

(مرتبہ ... مورخہ ۱۲ر اکتوبر سنہ ... بمقام جامعہ احمدیہ - دارالسلام - لاہور -)

قال اللہ تعالیٰ :-

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا - ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون -

(سورۃ ابراہیم - آیات ۲۴ - ۲۵)

ترجمہ : کیا آپ نے غور کیا - اللہ تعالیٰ ایک عمدہ کلمہ کو ایک عمدہ درخت سے تشبیہ دیتا ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے قائم ہوں اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں - وہ ہر وقت خدا کے اذن سے اپنے پھل لاتا ہے - اس طرح خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان کا ذکر کریں -

---

خواتین و حضرات و عزیزانِ سلسلہ !

آج کے بابرکت اجتماع کی غرض یہ ہے کہ حضرت امیر قوم مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کی سوانح و سیرت بیان کی جائے - اور حضرات مقررین نے اس موضوع پر بہت کچھ بیان کیا ، تفصیل کے ساتھ بیان کیا - عمدہ طریق پر موثر انداز میں بیان کیا اور ہر پہلو پر روشنی ڈالی ، جزاھم اللہ تعالیٰ -

میں آپ کی خدمت میں چند ایک معروضات پیش کروں گا - اُمید ہے آپ ان پر غور فرمائیں گے - آپ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ کسی شخص کی قدر و منزلت اور اس کی قیمت و عظمت اس کے کام کی وجہ سے ہوتی ہے نام سے نہیں - پھر دیکھنا یہ ضروری ہے کہ کسی شخص نے کوئی کام کیا تو کس قدر کیا - تھوڑا کیا یا زیادہ کیا ؟ اس کام کی اہمیت و نوعیت کیا تھی ، وہ کام کس چیز سے متعلق تھا ، اس کام کی ضرورت تھی بھی یا نہیں ، پھر اس کام کا اثر عوام و خواص پر کیا ہوا - آیا اس کام کو پذیرائی حاصل ہوئی یا نہیں ؟ اس کام نے دُنیا میں کیا اثرات چھوڑے ؟

یہ وہ پہلو ہیں جن پر تفصیلی گفتگو سے کسی انسان کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے - لیکن قلتِ وقت کے پیش نظر میں ان تمام امور پر تفصیلی محاکمہ آپ کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہوں - تاہم اجمالی خاکہ پیش کرتا ہوں -

حضرت امیر مرحوم کی شخصیت کیا تھی ، کیسی تھی ؟ عالم انسانیت کے کس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے - عالم اسلام میں ان کا کیا درجہ و مرتبہ تھا ؟ آپ نے قوم کو کیا دیا - اسلام کی کس طرح خدمت کی ، عالم انسانیت کو کیا دیا ؟ ان تمام پہلوؤں پر مسلم اور غیر مسلم علماء اور مفکرین نے بہت کچھ لکھا اور بیان کیا ہے - اور اس بارے ایک تفصیلی ریکارڈ موجود ہے - جس میں آپ کی خدماتِ جلیلہ و عظیمہ کو بیان کرکے آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے -

میں ان جملہ مشاہیر عالم میں سے صرف تین حضرات کا اس وقت ذکر کروں گا - کہ انہوں نے حضرت امیر مرحوم کے بارے میں کیا سمجھا اور لکھا ہے -

میں نے ایک چھوٹا سا کتابچہ مرتب کیا تھا - وہ چھپ چکا ہے اور انجمن کے دفتر سے مطالعہ کے لئے مفت مل سکتا ہے - آپ اس کو حاصل کریں اور پڑھیں بڑے کام کی چیز ہے - اس کتابچہ کا نام "**شہادتِ حقہ**" ہے - اس کے تین حصے ہیں - پہلے حصے میں حضرت مسیح موعودؑ کے بارے میں مسلم اکابرین کی آراء درج ہیں - دوسرے حصہ میں وہ آراء شامل ہیں جو مسلم اکابرین نے جماعت احمدیہ لاہور کے بارے میں دی ہیں اور تیسرے حصے میں اُن اکابرین کی آراء درج ہیں ، جو انہوں نے حضرت امیر مرحوم اور جماعت احمدیہ لاہور کے بارے میں پیش کی ہیں -

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا - مجھے چار آراء پیش کرنا ہے ان میں سے تین آراء تو ان حضرات کی ہیں - جنہوں نے قرآن کریم کا خود بھی ترجمہ و تفسیر انگریزی زبان میں کیا ہے - یعنے مسٹر مارما ڈیوک پکتھال ، حافظ غلام سرور اور مولنا عبدالماجد دریا بادی -

ان آراء کی روشنی میں آپ غور فرمائیں کہ جو الہام اور کشوف اور رؤیاء اور جو ارشادات و تحریرات حضرت امیر مرحوم کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کی ہیں ، ان کی صداقت کس طرح روزِ روشن کی طرح ظاہر و واضح ہے -

مسٹر پکتھال ایک انگریز نو مُسلم تھے - معروف ادیب تھے ، نظام دکن کی طرف سے ایک ادبی رسالہ نکالتے تھے - انہوں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا - جو بڑا مقبول ہوا - وہ عربی زبان بھی جانتے تھے - حضرت امیر مرحوم کی انگریزی کتاب "ریلیجن آف اسلام" جب شائع ہوئی تو انہوں نے اس پر تبصرہ کیا ہے -

کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" کی تصنیف

حضرت مسیح موعودؑ نے یورپ و امریکہ میں اسلام پھیلانے کے لئے علاوہ رسالہ کے اجراء کے دو خواہشیں کی تھیں ، ایک قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر کرکے ان لوگوں تک پہنچانا اور دوسرے اسلامی مسائل پر ایک مفصل کتاب لکھ کر اس کا پھیلانا - آپ نے ایک مقام پر تحریر فرمایا :-

" میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم اسلام کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا انگریزی میں ترجمہ کریں - اس کتاب کے تین حصے ہوں گے ایک یہ کہ اللہ کے حضور میں

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء

تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ادارہ "پیغام صلح" ہر سال اکتوبر کے مہینہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجددِ وقت اور مسیح موعودؑ کے محبوب ساتھی اور جماعت احمدیہ لاہور کے امیر حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک حقیر نذرانہ عقیدت کے طور پر اپنے قارئین کرام کی خدمت میں "پیغام صلح" کا "محمد علی نمبر" پیش کیا کرتا ہے۔ اس سال بھی ہم حسب معمول یہ سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا اندازہ تو قارئین ہی لگا سکیں گے۔ لیکن ہمیں اپنی تمام کوتاہیوں اور دیگر ذرائع کی قلت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس بات کا اقرار ہے اور اظہار کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ ہم قلمی معاونت سے محرومی کا بڑے شدید طور پر شکار ہیں۔ تقریباً ایک ماہ پہلے اطلاع دینے کے باوجود اس سلسلہ میں منتیں کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو اپنی بے بسی پہ رونا آتا ہے۔ جو بھی ہم پیش کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ہم اپنے معاونین کے بہت ممنون ہیں۔ اس سارے شمارے میں سے اگر کوئی ایک فقرہ یا لفظ ہی ہمارے کسی قاری کے دل پر اثر کر جائے تو ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

اس قسم کی اشاعت خاص کی غرض و غایت کسی کے کارناموں کو اُجاگر کرنا یا محض تعریف و توصیف اور شخصیت پرستی نہیں بلکہ ماضی اور حال کا تجزیہ ہوتی ہے۔ تاکہ ان اسباب کی نشاندہی ہو سکے جو کسی جماعت یا فرد کی کامیابی یا ناکامی کا موجب بنے۔ اور اس موازنہ کی روشنی میں آئندہ تعمیر و ترقی کے لئے صحیح خطوط پر منصوبہ بندی ہو سکے۔ ہر قوم کی زندگی میں کچھ ایسے دن آتے ہیں جنہیں ایام اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کے فضل۔ رحمتوں اور نعمتوں کے دن ہوتے ہیں۔ "اور ہم نے موسےٰؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال اور ان کو اللہ (کی نعمتوں) کے دن یاد دلا یقیناً اس میں ہر **ایک صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے نشان ہے**" (ابراہیم: ۵)

ذہنی اور جسمانی طور پر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مظلوم قوم اندھیروں میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی نجات کا سامان پیدا کر دیا۔ اور یہی دن اس کے لئے "ایام اللہ" بن گئے۔ اسے یہ دن اس لئے یاد دلانے کو کہا گیا ہے کہ کہیں وہ کفرانِ نعمت سے پھر نہ ان بلاؤں میں گرفتار ہو جائے جن سے اس نے مخلصی حاصل کی۔

کون نہیں جانتا کہ جماعت احمدیہ پر بھی ایک ایسے ہی دور کی ابتداء ہونے والی تھی۔ مصائب کے کچھ مہیب سائے اس پر منڈلا رہے تھے۔ اس کے ذہنی قوٰی اور علمی صلاحیتوں کو مفلوج کرنے کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ سیلاب بلا سر پہ آن پہنچا تھا۔ جس میں خس و خاشاک کے ساتھ قیمتی اثاثہ کے بہہ جانے کا خطرہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ کہ حضرت مولانا محمد علیؒ کے نحیف و نزار ہاتھوں نے بڑی بے سرو سامانی کی حالت میں اس کے خلاف بند باندھنے کے لئے پکارا۔ آپ کی آواز میں چند ایک حق پرست آوازیں شامل ہوئیں۔ لیکن اس نقار خانے میں طوطی کی آواز بے اثر ثابت ہوئی۔ اس کے چند تنکوں کے آشیانے پہ بجلیاں گرانے کی کوششیں کی گئیں۔ یہی مقام صبر و عزیمت کہلاتا ہے اور اسی میں "ہر ایک صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے نشان ہوتا ہے"۔ اگر ہم کہیں کہ اسی نقطہ سے احیاء اور تجدید احمدیت کا آغاز ہوا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ اور ہم یہ بھی بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ بطور "نشان" اس لئے ہے کہ ایسے واقعات رونما نہ ہونے کی صورت میں نہ تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی صحیح پوزیشن واضح ہوتی اور نہ ہی وہ بے مثل و بے نظیر لٹریچر جو درحقیقت مجدد وقت کے نظریات کی ہی روشن تفسیر ہے وجود میں آتا۔ [illegible] یاد تازہ کرنے کے لئے ہم یہ خاص نمبر اپنے احباب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اعترافِ حقیقت کے طور پر ہمارا سر اپنے اس محسن کی بیش بہا خدمات کے سامنے جھک جانا چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ناقص کاغذ کے چند زرد ٹکڑوں پر تعریفی کلمات کے ذریعے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا آپ کی عظمت کا حقیقی اعتراف نہیں۔ اگرچہ ہم یہ بھی آپ کی شان کے شایاں نہیں کر سکتے۔

کوئی مانے یا نہ مانے ہمارے نزدیک حضرت مولانا محمد علی رح اپنے وجود میں ایک تحریک تھے۔ مقصد کی لگن اور تڑپ میں آپ کی زندگی ایک جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم سے عبارت تھی۔ جمال ہمنشیں کی ضوفشانیوں کی آرزو آپ کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اس مرکزی نقطہ سے آپ کا تصور کبھی کسی اور طرف بھٹک نہ سکا۔ تحریر و تقریر ہو یا نجی محفلیں۔ جو وسیلہ بھی میسر آیا اس سے اس مقصد کے لئے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اس میں زندگی کا کوئی لمحہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ اسلامی ادب کی دنیا میں آپ کی تصنیفات کو جو مقام ملا اور شہرت حاصل ہوئی ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا یہ کہنا خود اپنے منہ اپنی تعریف کرنے کے مترادف ہوگا۔ لیکن صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ آج اسلام سے متعلق اندرون یا بیرون ملک جو لٹریچر بھی شائع ہو رہا ہے۔ اس کا بغور مطالعہ کرنے سے جگہ جگہ آپ کے پیش کردہ نکات کی جھلکیاں ضرور نظر آ جاتی ہیں۔ بعض اوقات نام لینا اس لئے گوارا نہیں کیا جاتا کہ آپ مجددِ وقت کے دامن سے وابستہ تھے۔ حالانکہ یہی وہ بات ہے جس کا اقرار آپ نے خود یہ کہہ کر کیا ہے:—

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آپ کے رشحاتِ قلم کی یہ پذیرائی "انما یتقبل اللہ من المتقین" کے ذیل میں آتی ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب قلب و نظر میں وہ صفائی اور گہرائی ہو کہ حقائق بلا کاوش منکشف ہوتے جائیں۔ مرحوم ان صفات سے بھی متصف تھے۔ آپ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپ کو کتنے صبر آزما لمحات اور حوصلہ شکن حالات سے گذرنا پڑا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ لیکن اپنے مشن کی تکمیل کے لئے آپ نے یہ سب کچھ کبھی مسکرا کر اور کبھی اپنے دل پہ پتھر رکھ کر برداشت کر لیا۔ کیونکہ آپ کے پیر و مرشد نے ہی یہ فرمایا ہے —

ز مشکلات رہِ راستی چہ شرح دہم + کہ شرطِ ہر قدمے گریہ و بکا باشد
(مسیح موعودؑ)

اس زندگی کی مشکلات کی کیا شرح بیان کروں اس کے ہر قدم پر گریہ و بکا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن جو اس شرط پر پورے اُترتے ہیں وہ اپنی زندگی کا مقصد پا جاتے ہیں۔

کلاہ فتح و ظفر ہیچ سر نمی یابد
مگر کہ بیشتر فدائے دین خدا باشد (مسیح موعودؑ)

کامیابی کا سہرا صرف اسی سر پہ بندھتا ہے جو اپنے آپ کو دین کی حفاظت کے لئے قربان کر دے۔

یہ کیسا رنگ وفا اور تسلیم و رضا تھا جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے قریب آنے والوں پر چڑھا دیا۔ خواہشِ مراتب دُنیا ایسی بجھ گئی جیسے دہکتے ہوئے انگاروں پر پانی پڑ جائے۔ اور اک نئی آگ ان کے سینوں میں روشن کر دی۔ جس کی حرارت نے زندگی کی نئی راہیں روشن کر دیں۔ ان کی منزل کے ہر سنگِ میل پر نئے چراغ جلائے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم آخری چراغ سے آگے نئی قندیلیں روشن کرتے۔ لیکن ہمیں نہایت دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اور یہی ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی ابتداء ۱۹۱۴ء میں کس بے سر و سامانی کی حالت میں ہوئی اور ۱۹۵۱ء تک اس کا کیا مقام تھا۔ یہ حضرت مولانا محمد علی مرحوم اور آپ کے چند ایک مخلص ساتھیوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ اس چند ہزار نفوس پر مشتمل مختصر سی جماعت نے اپنی خدمات کا لوہا منوایا۔ ابھی دُنیا دل کے تاروں سے نکلے ہوئے کچھ اور نغمے سُننے کے لئے بے تاب تھی کہ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں اس انجمن کی شمع محفل گُل ہو گئی۔ اور رونق بزم ماند پڑ گئی۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہیں۔ عاشقانِ راہِ وفا تو زخموں کو سینے سے لگا کر آگے بڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد جماعت کو سنگین بحرانوں کا سامنا ہُوا۔ مگر زندگی اسی سے عبارت ہے کہ ایسے بحرانوں سے صبر ہمت اور حوصلہ کے ساتھ گذرا جائے۔ اور قوم کے رہنما یہی سبق دینے کیلئے آتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتے۔ بلکہ نشانِ راہ بتانے کے لئے آتے ہیں۔ وہ بیج بو کر اس کی آبیاری اپنے بعد آنے والوں کے سپُرد کر جاتے ہیں۔ فرض ان کا ہوتا ہے کہ وہ اس نرم و نازک کونپل کو ہر آفت سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی پوری قوت اور استعداد سے کام لیں۔ اور اسے ایک بار آور درخت میں تبدیل ہوتا دیکھیں۔ ہمارا مقصد تو بڑا بلند ہے۔

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

اس موقعہ پر ہم اپنے قارئین کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے وہ الفاظ یاد دلانے کی اجازت چاہتے ہیں جو آپ نے آنحضرت صلعم کی وفات پر فرمائے تھے۔ آپ نے فرمایا :-

"یا ایھا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من کان یعبد اللہ تعالیٰ فان اللہ حیّ لا یموت"

اے لوگو جو کوئی محمد (صلعم) کی عبادت کرتا تھا تو محمد (صلعم) فوت ہو گئے اور جو کوئی اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالےٰ ہمیشہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔"

لیڈر مذہبی ہوں یا سیاسی، وہ ایک مقصد لے کر آتے ہیں۔ وہ خود رخصت ہو جاتے ہیں لیکن مقصد زندہ رہتا ہے۔ ہمارے قائدین بھی یکے بعد دیگرے ہم سے رخصت ہو گئے۔ لیکن جو مشن وہ ہمارے سامنے چھوڑ گئے ہیں وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اور وہ ہے اللہ تعالےٰ کا نام دُنیا میں بلند کرنا اور دنیا کو آنحضرت صلعم کی عظمت کے سامنے جُھکانا۔ اس کو آگے بڑھانے کے لئے ہم اپنے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔

ہم اپنے احباب جماعت کی خدمت میں نہایت دردِ دل سے اپیل کرتے ہیں کہ آیئے ہم سب مل کر ایک نئے عزم و ولولہ کے ساتھ اُٹھیں اور اس مقدس مِشن کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کے لئے کندھے سے کندھا ملا کر چلیں۔ یہی حضرت مولانا محمدؐ علی رحمۃ اللہ اور آپ کے ساتھیوں کی خدمت میں خراجِ عقیدت ہوگا۔

اللہ تعالےٰ ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی مصروفیات

(از محترم سیکرٹری صاحب تبلیغ بلادِ غیر)

ہمارے محترم بزرگ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نائب صدر انجمن و چیئرمین کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر جو ان دِنوں انگلستان میں مقیم ہیں بفضلہٖ تعالےٰ خیر و عافیت سے ہیں اور جماعت کی توسیع و استحکام کے لئے مسلسل سعی فرما رہے ہیں۔

عیدالفطر سے قبل آپ نے مانچسٹر کا دَورہ فرمایا اور ممبرانِ جماعت سے ملاقات کی۔ لندن میں بھی ممبرانِ جماعت طویل فاصلوں پر رہتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے حتی الوسع سب سے مُلاقات فرمائی ہے۔ عیدالفطر پر ایک کثیر جماعت نے انکی اقتدا میں نماز ادا کی۔

سان فرانسسکو (امریکہ) میں ہماری جماعت کے ممبران نے ایک نہایت موزوں اور با موقعہ بلڈنگ خرید لی ہے جو جماعت کے مرکز کے طور پر استعمال ہوگی۔ اس جماعت نے باصرار حضرت ڈاکٹر صاحب سے سان فرانسسکو تشریف لے جانے اور نئے مرکز کا افتتاح فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف شروع اکتوبر میں آٹھ دس روز کے لئے سان فرانسسکو تشریف لے گئے ہیں اور وسط اکتوبر تک انشاء اللہ تعالےٰ واپس انگلستان تشریف لے آویں گے۔ ابھی آپ جرمنی اور ہالینڈ تشریف نہیں لے جا سکے۔ اور مناسب وقت کے منتظر ہیں۔

جملہ احباب حضرت ڈاکٹر صاحب کی بخیریت مراجعت اور بلادِ غیر میں جماعت کی ترقی و استحکام اور اسلام کی سربلندی کے لئے مسلسل دعائیں جاری رکھیں۔

از قلم جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی

کچھ یادیں

حضرت امیر مرحوم سے ہم میں سے اکثر کم و بیش وابستہ رہے ہیں اور ان کے متعلق تھوڑا بہت جانتے بھی ہیں۔ پھر ان کی خوبیوں، حالاتِ زندگی اور بیش بہا خدماتِ دینی کا ذکر ان کی سوانح عمری "مجاہدِ کبیر" اور رسالوں اور اخبارات کے خاص نمبروں میں اس قدر آ چکا ہے کہ میری اس بار کوشش یہ ہوگی کہ کچھ ایسے واقعات اور یادیں لکھوں جو شاید پہلے تحریر میں نہیں آئیں۔

خطباتِ جمعہ

میں حضرت امیر مرحوم کی زندگی کے تقریباً آخری بیس سال تعلیم اور ملازمت کے سلسلہ میں لاہور سے باہر رہا۔ اس لئے مرکز سے میرا واسطہ زیادہ تر اخبار پیغام صلح کے ذریعہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ اس اخبار کا بھلا کرے کہ وہ ہر ہفتہ حضرت امیر مرحوم کے خطبۂ جمعہ کو چھاپا تھا جو میرے جیسے دُور دراز مُلک میں پڑے ہوئے انسان کے لئے رُوحانیت اور عرفان کے رُوح پرور جام ہوتے تھے۔ انہی خطبات سے متاثر ہو کر میری بیوی اور خوشدامن صاحبہ برضا و رغبت بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہوئیں۔ اور میں سارا ہفتہ ان رُوح کو گرمانے والے خطبات کا انتظار کرتا تھا۔

مگر جب حضرت مرحوم گرمیوں میں پہاڑ تشریف لے جاتے تو یہ سلسلہ بند ہو جاتا۔ یہاں میں یہ بھی ذکر کر دوں کہ حضرت مرحوم کا پہاڑ جانا بھی مشیتِ ایزدی سے تھا۔ ہُوا یوں کہ ابھی جماعت کے دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے اور حضرت مرحوم قادیان میں حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف تھے تو گرمی کا موسم آنے پر حضرت مرحوم (مولانا محمد علی صاحب) کو بخار اور اسہال کا مرض ایسا چمٹا کہ علاج معالجہ سے بھی ٹھیک نہ ہوتا تھا۔ تو حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب مرحوم جو نہایت حاذق طبیب ہونے کے علاوہ روشن دماغ بھی تھے انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کو تبدیلِ آب و ہوا کے لئے پہاڑ پر جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس تبدیلیٔ آب و ہوا سے افاقہ ہو گیا۔ اگلے سال حضرت مولانا محمد علی صاحب پھر گرمیوں میں قادیان میں ہی ٹھہرے رہے تو پھر وہی مرض آن چمٹا۔ الغرض آپ کی طبیعت میں مشیتِ ایزدی نے یہ کمزوری پیدا کر کے آپ کو پہاڑ پہ جانے پر مجبور کر دیا۔ اور اس کا زبردست فائدہ یہ ہُوا کہ پہاڑ کی فرصت میں حضرت مرحوم نے وہ بیش بہا تصانیف لکھ پائیں جو قادیان یا بعد میں لاہور کی مصروفیات میں ناممکن تھیں۔

مگر جہاں تک خطباتِ جمعہ کا تعلق ہے وہ ان دنوں اخبار پیغام صلح میں نہ آتے تھے۔ تو میرے جیسے رُوحانی پیاسے کے لئے یہ تعطل ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ میں نے جنرل سیکرٹری صاحب کو لکھا کہ حضرت امیر مرحوم کے ساتھ کسی ایسے صاحب کو بھیجا کریں جو خطباتِ جمعہ قلمبند کر کے اخبار پیغام صلح کے لئے مہیا کر دیا کریں۔ سیکرٹری صاحب نے میرا خط حضرت امیر مرحوم کی خدمت میں پیش کیا۔ تو ایسے آدمی کے مہیا نہ ہونے یا شاید انجمن پر مالی بوجھ نہ ڈالنے کی نیت سے حضرت امیر مرحوم نے میری تجویز کا جواب براہِ راست مجھے یُوں دیا کہ وہ ہر ہفتہ اخبار پیغام صلح میں احباب کے نام مراسلہ لکھ کر بھیجا کریں گے جو خطبہ جمعہ کا کام دے دیا کرے گا۔ چنانچہ ایسے مراسلات چھپنے لگے۔ مگر چند مراسلات کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ ان میں وہ رُوح کو پگھلا دینے والی بات نہ ہوتی تھی جو خطباتِ جمعہ میں ہوتی تھی۔ میں نے اپنی نوجوانی کی بیوقوفی میں حضرت امیر مرحوم کی خدمت میں گستاخی کی کہ انہیں لکھا کہ آپ کے مراسلات میں "وہ روحانیت نہیں ہوتی جو کہ آپ کے خطباتِ جمعہ میں ہوتی ہے"۔ کوئی دوسرا روحانی پیشوا ہوتا تو وہ اس گستاخی پر ناراض ہو کر میری خبر لیتا۔ مگر حضرت امیر مرحوم ایسی بے نفس ہستی تھے اور میرے جیسے نالائقوں پر ان کی بے ادبیوں اور نالائقیوں کے باوجود اس قدر شفقت اور محبت کرتے تھے کہ مجھے اپنی نالائقیاں یاد آتی ہیں اور حضرت مرحوم کا ان کو بُرا نہ منانا بلکہ بدی کا بدلہ نیکی سے دینا یاد آتا ہے تو سخت پریشانی ہوتی ہے۔

حضرت نے مجھے جواب میں لکھا کہ "آپ نے ٹھیک لکھا ہے۔ خطباتِ جمعہ میں میری اپنی روحانیت کس قدر اثر انداز ہوتی ہے اس کا تو مجھے پتہ نہیں مگر سامعین کی روحانیت مل کر ضرور اثر انداز ہوتی ہوگی۔" اللہ اللہ! کیا انسان تھا۔

گم ہونے کا واقعہ

۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء کا گرمی کا موسم تھا۔ حضرت امیر مرحوم مال ہاؤس ڈلہوزی میں بمع اہل و عیال قیام پذیر تھے۔ میں بھی کالج سے گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو حضرت کا مہمان ہُوا۔ میرے علاوہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور بھی ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ساتھ مال کاٹیج میں حضرت میاں غلام رسول صاحب مرحوم و مغفور اپنے صاحبزادے میاں غلام عباس کو لے کر جو بیمار تھے ٹھہرے ہوئے تھے۔ نمازیں اور دینی محفلیں تو اکٹھی ہوتی ہی تھیں، شام کو سیر بھی یہ سب بزرگ اکٹھے ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت میاں غلام رسول صاحب مرحوم مغفور جو نہایت جفاکش اور چُست جسم کے مالک تھے ڈلہوزی کی ہموار سڑکوں پر تو کیا کسی سڑک پر بھی چلنے کو ورزش نہیں سمجھتے تھے۔ وہ پہاڑ پر سیدھا چڑھنے کے قائل تھے۔ چنانچہ تقریباً ہر شام یہی ہوتا کہ سڑک کو چھوڑ کر میاں صاحب مرحوم پہاڑ پر سیدھا چڑھنا شروع کر دیتے اور دوسروں کو بھی دعوت دیتے بلکہ اصرار کرتے کہ اُن کے پیچھے آئیں۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اس طرح پگڈنڈیوں پر یا سیدھا پہاڑ پر چڑھنے کے عادی نہ تھے چنانچہ وہ چڑھتے تو تھے مگر نہایت ڈرتے ڈرتے رُکتے رُکتے۔ میں نوجوان ہونے کے باوجود انہی کی طرح رُک رُک کر ڈرتا ہوا چڑھتا۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ حضرت امیر مرحوم باوجود اس وقت بھی عمر رسیدہ ہونے اور جسم ذرا بھاری رکھنے کے نہایت جرأت اور آسانی سے میاں صاحب مرحوم کے پیچھے بلکہ ساتھ چڑھتے جاتے تھے۔

ڈلہوزی سے تقریباً ۹ میل دُور ڈائن کنڈ نامی ایک پُرفضا پہاڑ تھا۔ ایک دفعہ وہاں پِک نِک کرنے کا فیصلہ ہُوا۔ ڈائن کنڈ کو باقاعدہ سڑک بھی جاتی تھی اور مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے عقلمندی کی کہ کھانا اُٹھا کر لے جانے والے مزدور کے ساتھ سڑک کے راستے گئے۔ میاں غلام رسول صاحب مرحوم نے ورزش اور جفاکشی کی خاطر پنج پُلہ نامی چشمہ تھا وہاں سے سیدھا پہاڑ پر چڑھنے کا پروگرام بنایا۔ انہوں نے کہیں سُن پایا کہ دودھ والے جو اپنی بھینسیں لے کر ڈائن کنڈ پہاڑ کے سبزہ زار پر چرانے جاتے تھے۔ اس راستہ ۹ میل کی بجائے دو میل ہی طے کر کے روز آتے جاتے تھے۔ چنانچہ باقی سب جن میں حضرت امیر مرحوم بھی تھے اس کٹھن راستے سے پگڈنڈیوں سے بلکہ بعض جگہ بلا کسی پگڈنڈی کے چڑھنے لگے۔

کچھ راستہ تو خیر گزری۔ ایک جگہ پگڈنڈی دو ہو کر ایک حصہ اُوپر کی

طرف جا رہا تھا دوسرا ذرا نیچے۔ میاں صاحب مرحوم نے جو راستہ دکھاتے تھے نچلی پگ ڈنڈی اختیار کی۔ حضرت امیر مرحوم کی رائے تھی کہ اُوپر والی پگڈنڈی بہتر ہے۔ ان کے کہنے کے باوجود میاں صاحب تو ہم سب کو لے کر نچلی پگ ڈنڈی پر چل پڑے اور حضرت امیر مرحوم اکیلے اُوپر والی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ مگر آمنے سامنے دونوں فریق جا رہے تھے ذرا آگے جا کر ہماری پگ ڈنڈی تو قریباً ختم ہو گئی اور ہمیں بکریوں کی طرح پہاڑ پر سیدھا چڑھنا پڑا۔ ہر شخص کو اپنی اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور کافی وقت تک ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی مصیبت میں پڑ گیا۔ کسی کو خیال نہ رہا کہ حضرت امیر مرحوم کہاں گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب ہمیں ذرہ ہوش آیا تو احساس ہُوا کہ حضرت امیر مرحوم نظر نہیں آ رہے۔ مگر چُونکہ دونوں فریق ایک ہی طرف جا رہے تھے اس لئے خیال ہُوا کہ آگے جا کر ملاقات ہو جائے گی، اور ہم اپنی منزل کی طرف چلتے رہے۔ مگر پہاڑ پر ایک دفعہ جُدا ہو جاؤ تو پھر ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔

جب بڑی مشکل سے ہم پنج پُلہ کے پہاڑ پر چڑھے تو سامنے دُور **ڈائن کُنڈ** کا پہاڑ نظر آتا تھا۔ اَب ایک سڑک سی اُدھر جاتی نظر آئی۔ مگر حضرت امیر مرحوم وہاں نظر نہ آئے تو ہم سب کو خیال ہوا کہ وہ ہم سے پہلے اس مقام پر پہنچ کر آگے نکل گئے ہیں کیونکہ جو راستہ انہوں اختیار کیا تھا وہ آسان تر تھا۔ چنانچہ ہم ڈائن کُنڈ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مرزا یعقوب بیگ صاحب تو بمع کھانے پینے کے سامان کے موجود ہیں، مگر حضرت امیر مرحوم وہاں بھی نہیں ہیں۔ اَب یہ خیال ہوا کہ پیچھے آتے ہوں گے۔ اور ان کا انتظار شروع ہو گیا۔

جب دن کا ایک بج گیا اور حضرت امیر نہ پہنچے تو فکر شروع ہوا۔ فیصلہ ہُوا کہ کھانا کھا لیں اور واپس چلیں۔ کیونکہ سب کو خیال ہُوا کہ ہم سب کو کھو کر یا ڈائن کنڈ کا رستہ نہ پا کر وہ گھر واپس چلے گئے ہوں گے۔ جلدی جلدی کھانا کھایا مگر ہمارے گلے میں پھنستا تھا۔ کھانا کھاتے ہی سامان باندھا اور واپس سیدھی سڑک سے چل دیئے۔ کوئی شام کے چار بجے کے قریب گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت امیر وہاں بھی نہیں پہنچے۔ اَب تو سب کو سخت فکر دامنگیر ہوا۔ صبح دس بجے کے گھرے ہوئے اگر دو بجے تک ڈائن کنڈ نہیں پہنچے اور شام چار بجے تک واپس گھر بھی نہیں پہنچے تو کدھر گئے؟ ہم سب کے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہونا شروع ہوئے۔ اول تو اس جنگل میں جس سے ہم گزرتے تھے جنگلی ریچھ کی بھی خبر تھی۔ اور ذرہ موسم سرد ہو تو چیتا تک کبھی کبھی دیکھا گیا۔

یہ بھی ڈر ہوا کہ کہیں خدانخواستہ پَیر نہ پھسل گیا ہو کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر انسان کی خیر نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت میاں غلام رسول صاحب سب میں زیادہ پریشان نظر آتے تھے۔ کیونکہ انہیں کی تجویز پر اس پُر کٹھن راستہ سے گئے تھے۔ مگر وہ نہایت منتظم اور پولیس کے لمبے تجربے کی وجہ سے گم شدہ کی تلاش میں ماہر تھے۔ چونکہ شام پڑ رہی تھی اس لئے میاں صاحب کے کہنے پر لالٹینیں لی گئیں۔ میاں صاحب اور ان کے ایک پولیس کے اردلی (اغلباً ان کا نام امام دین تھا) نے تو جو کوئی ہتھیار تھا وہ بھی لے لیا۔ ہم سب نے لمبے ڈنڈے لئے اور ہم تیز رفتاری سے پنج پُلہ کے چشمہ کی طرف گئے جہاں سے صبح چڑھے تھے تاکہ دوبارہ اسی راستہ سے چڑھیں اور حضرت امیر کی تلاش کریں۔

مگر جنگل اور پہاڑ سامنے تھا اور رات کی آمد آمد تھی۔ پھر رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ اگر حضرت امیر ابھی تک واپس نہیں آئے تو کہیں کسی جنگلی جانور نے ان پر حملہ نہ کیا ہو یا خدانخواستہ پَیر پھسل کر وہ کہیں گر نہ پڑے ہوں۔ انہیں خطرات میں متفکر اور پریشان ہم پنج پُلہ چشمہ پر پہنچے تو دُور سے نظر پڑا کہ ایک شخص ایک بڑی چٹان پر نماز میں مصروف ہے۔ ہم سب لپکے اور قریب جا کر دیکھا تو حضرت امیر تھے۔ جان میں جان آئی۔ جب حضرت امیر نماز سے فارغ ہوئے تو ہمیں جو اس اُونچی چٹان کے نیچے کھڑے تھے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ کوئی ناراضگی یا خفگی کا اظہار کرتے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر ہم لوگ کہاں گئے تھے تو حق بجانب ہوتے۔ مگر وہاں تو اُلٹا ہنس ہنس کر ہم کو بلایا جا رہا تھا۔ ہم میں سب میں آگے حضرت میاں غلام رسول صاحب تھے۔ وہ تو آگے بڑھنے یا چٹان پر چڑھنے سے صاف انکاری تھے۔ حضرت امیر ان کو بار بار بُلا رہے تھے مگر وہ نہایت ندامت اور پشیمان آواز میں جواب دیتے:۔

"نہیں قبلہ۔ میں نے تو آگے نہیں جانا۔ میں اتنا شرمندہ اور پریشان ہوں کہ میں اپنے آپ کو عمر بھر نہیں بخشوں گا"

آخر حضرت امیرؒ کے اصرار پر میاں صاحب موصوف آگے گئے تو حضرت امیرؒ نے ہنستے ہوئے اُن کو گلے لگا لیا اور دیر تک سینہ سے بھینچے رہے۔ ہم یہ نظارہ دیکھ رہے تھے اور جہاں خوشی سے ہمارے دل سرور تھے وہاں ان دونوں بزرگوں کے اخلاق سے ہمارے دل رقت سے بھر گئے۔

شام پڑ چکی تھی اس لئے ہم فوراً واپس چل پڑے اور رستہ میں حضرت امیر سے سُنا کہ پہاڑ کی اوٹ میں جب ہم غائب ہوئے تھے تو ان کو بھی یہ خیال ہوا کہ اگلے موڑ پر پھر آمنے سامنے ہو جائیں گے۔ مگر ہم کہیں کے کہیں نکل گئے اور حضرت امیر کہیں اور۔ جب وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو انہیں ڈائن کنڈ نظر نہ آیا تو وہ اندازاً چل پڑے۔ مگر عرصہ تک چلتے رہنے کے باوجود جب ڈائن کنڈ نظر نہ پڑا تو وہ سمجھ گئے کہ غلط راستہ پر نکل گئے ہیں۔ گھڑی کو دیکھا تو دن کے دو بجے تھے۔ انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ اُلٹے پَیر واپس ہو جائیں۔ وہاں کوئی آدم نہ آدم زاد تھا کہ جس سے وہ ڈائن کنڈ کا راستہ پُوچھ سکتے۔ واپسی پر جب وہ پنج پُلہ پہاڑ پر واپس آئے تو دودھ والے گوالے گوجر دُودھ لیکر ڈلہوزی جا رہے تھے۔ اس خیال سے کہ پھر نہ گُم ہو جاؤں حضرت امیر نے گوجروں کو کہا کہ ساتھ چلنا۔ کچھ دیر تو ساتھ ساتھ اُترتے رہے۔ پھر اُن گوجروں نے کہا ہمیں تو دیر ہوتی ہے۔ اور یہ کہکر وہ لوگ یہ جا وہ جا نظروں سے غائب ہو گئے۔

حضرت امیر نے کہا کہ وہ لوگ تو دشوار گذار جگہوں پر بندروں کی طرح چھلانگ مار کر پار ہو جاتے تھے اور حضرت امیر سے توقع رکھتے تھے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ بہتیری کوشش کی مگر حضرت امیر ان کے ساتھ نہ رہ سکے۔ جاتے جاتے گوجر یہ بھی کہہ گئے کہ ذرہ احتیاط کرنا اس جنگل میں ریچھ پڑتا ہے۔

اَب اکیلے ہی حضرت امیر بمشکل پہاڑ سے اُترے۔ پنج پُلہ کے چشمہ تک پہنچے تو شام ہو رہی تھی خدا کا شکر کیا کہ ڈلہوزی کی سڑک سے آن ملے۔ صبح کے بھوکے پیاسے تھے۔ پانی پیا اور وضو کیا اور نماز پڑھ رہے تھے کہ ہم لوگ پہنچ گئے۔ ہم ان کو لے کر واپس گھر پہنچے تو رات پڑ گئی تھی۔ پھر بھی دن کے واقعات اس قدر کہنے سننے والے تھے کہ چائے منگوائی گئی کیونکہ ہم سب نے شام کی چائے نہ پی تھی اور حضرت امیر تو صبح کے بھوکے تھے۔ ہم سب تھک کر چُور ہو چکے تھے پھر بھی انجام بخیر کی خوشی میں بیٹھ کر چائے پینے لگے تو حضرت امیر کی اس وقت جو سب میں چھوٹی بچی تھی وہ باہر

آئی اور نہایت معصومیت سے سب کے سامنے حضرت امیر کو کہنے لگی :۔ "اباجی اب آپ کبھی میاں غلام رسول صاحب کے پیچھے نہ لگنا"۔ اس پر جہاں سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے، حضرت میاں غلام رسول صاحب نے کہا "بیٹی تم نے بالکل سچ کہا۔ میری اب توبہ ہے"۔ کیا لوگ تھے!

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک لطیفہ

حضرت امیر مرحوم سے یہ لطیفہ میں نے ایک سے زیادہ دفعہ سُنا۔ قوم کے لوگوں کی کاہلی اور سست الوجودی کے سلسلہ میں حضرت صاحب لطیفہ سناتے تھے کہ :۔

"کسی نے ایک گدھے سے جو درخت کے نیچے بیٹھا اونگھتا رہتا تھا پوچھا (پنجابی میں دراصل اس بات کا لطف تھا) کوئی کام بھی کبھی کرتے ہو" تو گدھے نے کہا "ہاں کان ہلا لیا کرتے ہیں"

حضرت امیر مرحوم کا ایک لطیفہ

حضرت امیر جب بچہ تھے اور کپورتھلہ میں اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب کے ساتھ سکول میں داخل تھے تو ان کے والد نے ایک خادم نوردین ان کے کھانے پکانے اور دوسرے کاموں کے لئے رکھ دیا تھا۔ (یہ بابا نوردین عرصہ دراز تک بعد میں بھی حضرت امیر کی ملازمت میں احمدیہ بلڈنگس میں ہوتا تھا) بہرحال کپورتھلہ کا واقعہ ہے کہ یہ دونوں بھائی صرف صبح شام کھانا کھایا کرتے تھے جو بابا نوردین پکاتا اور کھلاتا تھا۔ ایک دن صبح بابا نوردین نے رکابیاں ان کے آگے لاکر رکھیں تو ان پر رات کے سالن کا بقایا لگا ہوا تھا۔ انہوں نے نوردین کو توجہ دلائی تو وہ پنجابی میں کہنے لگا :۔

"تمہیں نے یہ کھانا کھایا تھا۔ کُتّے نے تو نہیں یہ برتن چاٹے تھے۔"

چودھری سر شہاب الدین مرحوم

چودھری صاحب مرحوم حضرت امیر کے ساتھ لاء کالج میں پڑھتے تھے بلکہ کچھ عرصہ دونوں ایک ہی مکان میں رہے۔ بعد میں ڈلہوزی میں ایک شام سیر کے وقت حضرت امیر مرحوم اور چودھری صاحب سڑک پر مل گئے۔ تو دونوں اکٹھے چل پڑے۔ ساتھ کئی لوگ تھے جن میں میں بھی تھا۔ تو چودھری صاحب لاء کالج کے دنوں کے واقعات سنانے لگے۔ کہنے لگے :۔

"امتحان کا وقت آیا تو یہ (محمد علی) بہت محنت سے تیاری کر رہا تھا۔ میں رات کھانے کے بعد پلنگ پر لیٹ کر حقہ پیتا رہتا اور محمد علی کو کہتا (پنجابی میں) ذرہ اُونچا اونچا پڑھ" کہنے لگے امتحان کا نتیجہ نکلا تو یہ فرسٹ آیا مگر میں بھی "دھڑدک گھسیٹ کر" اس کی سُنی سنائی پڑھائی کی برکت سے پاس ہو گیا۔

بیٹی کی تیمارداری

میری بڑی ہمشیرہ سے حضرت امیر مرحوم کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام عطیہ تھا۔ وہ بچپن میں ہی بیمار ہو گئی اور بعد میں فوت ہو گئی مگر سالہا سال جب وہ بیمار تھی تو حضرت امیر مرحوم کا یہ دستور تھا کہ اپنی گوناگون مصروفیات کے دوران گھڑی پر نگاہ رکھتے اور جب اس کی دوائی کا وقت ہوتا تو تحریر یا تصنیف کا کام چھوڑ کر نچلی منزل سے اُوپر آتے اور دوائی اپنے ہاتھ سے پلاتے۔ اسی طرح مرحومہ چونکہ رات میں خصوصاً پچھلی گھڑیوں میں بے چین رہتی تھی۔ اس لئے حضرت امیر مرحوم تہجد کی نماز اس کے پلنگ کے پاس جانماز بچھا کر پڑھتے تاکہ ضرورت ہو تو اس کی خبر گیری کر سکیں اور اس کے لئے دُعاؤں میں درد بھی پیدا ہو۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو اُٹھا لیا تو یہ مردِ مجاہد پھر اپنی دینی مصروفیات میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔

حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت امیرؒ

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اس بات کے راوی ہیں کہ ان کے ایک بزرگ نے حضرت مسیح موعودؑ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے "جو فرشتہ میرے اندر بولتا ہے وہی مولوی محمد علی صاحب کے اندر بولتا ہے" اور اس کا ثبوت دونوں کی تحریروں اور تقریروں میں نظر آتا ہے۔

آسمانی قلم

حضرت مسیح موعودؑ کا مشہور کشف جس میں ایک آسمانی قلم مولوی محمد علیؒ صاحب کو دیا گیا سب کو معلوم ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس میں ایک خرگوش کا قلم کے پیچھے لگا ہونا مذکور ہے اور عیسائیوں کے لارڈ بشپ کا ویسی ہی قلم استعمال کرنے کا بھی ذکر ہے۔ مَیں اس کے بارہ میں کچھ نکات عرض کرنا چاہتا ہوں :۔

(۱) میں نے سالہا سال حضرت امیر مرحوم کے ساتھ رہتے ہوئے یہ نظارہ دیکھا کہ آپ جہاں کاغذ پر قلم رکھتے تو وہ تیزی سے چلنے لگتا تھا اور میں اس پر حیرت کرتا تھا کیونکہ مَیں کاغذ قلم لے کر بیٹھوں تو سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ کیا لکھوں اور کیونکر لکھوں۔ حضرت امیر مرحوم کا قلم واقعی خرگوش کی طرح زقند لگاتا ہوا چلتا تھا۔

(۲) خرگوش کثیرالاولاد ہوتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ سال میں دو دفعہ بچے دیتا ہے۔ اس طرح حضرت امیر مرحوم کی قلم سے بکثرت تصانیف۔ مضامین۔ رسالے۔ پمفلٹ اور بڑی بڑی مستند تصانیف پیدا ہوئیں۔

(۳) حضرت امیر مرحوم کی تنقید اور مسائل کا تجزیہ بالکل مغربی طرز کا تھا (لارڈ بشپ کے الفاظ میں یہی اشارہ معلوم دیتا ہے)

قرآن کریم سے عشق

اس کے بہت سے واقعات لکھے گئے ہیں۔ کراچی میں حضرت امیر مرحوم میرے ہاں قیام پذیر تھے کہ دل کا وہ حملہ ہوا جو ڈیڑھ سال بعد ان کی وفات پر ختم ہُوا۔ پہلی رات ڈاکٹر نے مارفیا کا ٹیکہ لگا کر بے ہوش کر دیا۔ مگر عشق قرآن کا جنون اس ٹیکہ پر غالب آیا۔ رات کے دو بجے اُٹھ گئے۔ نرس نے کچھ پڑھنے سے روک دیا تو مجھے بلوایا اور فرمانے لگے "مجھے قرآن کریم سناؤ" نرس اصرار کرتی تھی کہ بتی نہیں جلانی۔ اس لئے میں ٹارچ جلا کر قرآن کریم پڑھنے لگا۔ اپنی کم علمی کے باعث اور کچھ ٹارچ کے جلنے بجھنے میں بعض جگہ غلطی کر جاتا تو اس نیم بے ہوشی کے عالم میں میری اصلاح فرما دیتے۔ مارفیا بھی قرآن کی یاد نہ بُھلا سکا۔

کیا لکھوں کتنا لکھوں۔ آپ تھک گئے ہوں گے۔ اس لئے بس کرتا ہوں۔

اظہارِ خوشنودی } حضرت حکیم الامت رح نے مولانا محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا :۔ "تمہارا روز کا دیکھنا میری رُوح کی غذا ہے۔ مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو ایک کام کا ہتھیار ملا ہے، علم ہی علم ہے، تمہارا نفل ہے"۔ (۱۰ فروری ۱۹۱۴ء)

مکرم جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ (چھاؤنی)

حضرت امیر مرحوم و مغفور کی یاد میں

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند
مرد را باقی و پائندہ کند

خدا کی راہ میں جانفشانی سے کام کرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اور ان کے کارہائے نمایاں بھی ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں یہ خصوصیت غیر معمولی طور پر نمایاں ہے۔ ایسے عظیم بزرگوں کی زندگی بھی کامیاب اور رحلت بھی کامیاب ہوتی ہے۔ ایمان کی مثال ایسے باغ کی طرح ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یعنی ایمان کا عمل کے ساتھ ہے۔ کوئی باغ پانی کے بغیر سرسبز نہیں رہ سکتا۔ ایمان بھی اعمال صالحہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ عمل کے بغیر ایمان کھوکھلا ہے۔ یعنی ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو یہ دیا کاری ہے کیونکہ جس دین نے اس طرف راہنمائی کی اس کو قبول نہ کیا۔ یہ بزرگ عالم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ان کی تاثیر سے زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دی۔ اور خدمت اسلام کی وہ توفیق ملی کہ شاید و باید۔

یہی وہ چشمہ تھا جس سے نئی زندگی ملی تھی اور روحانی قوتیں خدا سے پیوند پکڑ گئیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے:-

"بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ تو ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے آتی ہے اور ہم پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اسی حالت کا نام قرآن شریف کی رو سے اسلام ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاء الٰہی ہے۔ یعنی خدا کا دیدار۔ انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کو قوت دی جاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں۔ اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے۔ خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں خدا تعالیٰ بہت قریب دکھائی دیتا ہے جیسے ارشاد ہوا: نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔"

حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کاوشوں پر نظر دوڑائیے ان کے لئے سرکاری ملازمت میں اچھے عہدے پر فائز ہونا اور پھر ترقی کی منازل طے کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی اور آپ نے جمعہ کے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اگر وہ اس کی خواہش کرتے تو جج کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوتے۔ لیکن آپ نے ایک ادنیٰ و اعلیٰ کام کا انتخاب کر کے عالمگیر شہرت پائی اور زندہ جاوید ہو گئے۔ اور انکساری کا یہ عالم کہ مقبولِ عالم تفسیر قرآن کے دیباچہ میں آپ نے لکھا۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد ✦ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسی نے سیاہ تاثیر دکھائی کہ پیچ ہے پھر سامنے با اولیا یہ از عبادت صد سالہ بے ریا

پھر یہ اثر اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ عظیم لوگ اپنے چہرے روشن کر جاتے ہیں کہ ان سے دوسرے ماند روشن ہوتے ہیں۔ کیونکہ وعلم انصار قرین ارشاد خداوندی ہے۔ راستبازوں کا ساتھ اور صحبت بھی نیکی کو زیادہ کرتا ہے اور جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر ان کی پرکھ اور ستارے ابھرے اور چمکے۔ جنہوں نے دنیاوی عہدوں اور درخشاں مستقبل کو خیرباد کہا اور آپ کے پاس بیٹھنے کو ترجیح دی اور اعتراف کیا کہ اس بڑے خادم اسلام اور عالم دین سے بہت کچھ سیکھا ہے اور قرآن و حدیث کے درس و تدریس سے ان کے علم میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ اور اسلامی جذبہ کی ایسی روح ان کے اندر پیدا ہو گئی کہ ان کا قدم خدمتِ اسلام کے لئے زندگی وقف کرنے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یہ بھی اثر آپ کے فاضلانہ اور روح پرور خطبات کی۔ یہ ہے عمل اور نمونہ جو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک ✦ نقشہا بینی بروں از آب و خاک
صاحبِ دل آئینۂ شش رو بود ✦ حق بدو از شش جہت ناظر شود

حضرت امیر مرحوم اپنے احباب کے پاس بھی قیام پذیر ہوا کرتے تھے۔ وزیر آباد میں میرے والد شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کو بھی یہ شرف حاصل تھا۔ ضمناً اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا مرحوم و مغفور تہجد کے لئے اٹھتے تو غسل فرماتے اور رات کو کہہ دیتے کہ مجھے تین بجے غسل کے لئے پانی چاہیئے۔ میں اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ اس سے نہایت حضوری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

مجالس میں گفتگو کے دوران کئی قسم کے سوالات ہوتے۔ ایک جوان نے کہا کہ اگر آخرت کی جوابدہی محض ایک خیال ہی ہے تو ان نمازوں اور پابندیوں کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا فرض کیا کہ آخرت نہیں ہے تو پھر بھی عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ نیک اور با اخلاق زندگی گزارنا کوئی قابلِ اعتراض بات تو نہیں۔ نیکی اور امن کی زندگی بہر حال قابلِ عزت اور مستحسن ہے۔ اور اگر آخرت نہیں تو پھر ان پابندیوں سے آزاد زندگی گزارنے والے تو بہت گھاٹے میں رہے۔ اب دیکھ لیں کہ ان دونوں میں سے کس کو آپ نے منتخب کرنا ہے۔ تو آپ ہر رنگ میں نہایت اطمینان بخش جواب دیتے جس کا سننے والے پر اثر ہوتا۔

دل بیاد آمد زگفتار صواب ✦ آنچنانکہ تشنہ آرامد ز آب

اللہ تعالیٰ ان پر ہزار ہزار رحمتیں نازل کرے۔ انکی کوششیں تو بار آور ہوئیں۔ خداوند کریم آخرین کو توفیق دے کہ وہ خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار ہوں اور اس ورثہ کو قائم و دائم رکھیں تاکہ جماعت اپنے مقاصد کو سامنے رکھ کر ترقی کرتی جائے۔ آمین

ارشادات حضرت امیر مرحوم

— ہمارا کام ہے قرآن کریم کو دُنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام خود کرلے گا۔

— اِسلام کی روشنی کو جس قدر ہو سکے پھیلائیں۔

— میرے لئے وہ موت آسان ہے جو کام کی حالت میں آئے۔

— کسی کو خدا نے مال دیا ہے تو اسے خدا کی راہ میں اس طرح بہا دے کہ ایک دُنیا اس سے سیراب ہو جائے۔

— کسی کو خُدا نے مرتبہ دیا ہے تو اس بارگہ عالی میں مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائے جس کا دیا ہُوا مرتبہ ہمیشہ رہتا ہے۔

— ایک دوسرے سے نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ غفلت اور لاپرواہی اور نکتہ چینی میں سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو۔

— اپنی نمازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز بنانے کی کوشش کرو۔ جہاں مسجد میں امام کی آواز پر ہم سجدے میں گرے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ گھر کی نماز میں اسی کے در پر اس طرح گرو کہ تمہارا سر نہ اُٹھ سکے۔

— یہ خدا کا وعدہ ہے کہ نسلِ انسانی کو بچایا جائے گا۔ یہ خدا کا وعدہ ہے کہ قرآن اور محمّد رسول اللہ صلعم کے نور سے ساری دُنیا روشن ہو جائے گی اور اسلام دُنیا پر غالب آجائے گا۔ تم جس کو ناممکن سمجھتے ہو۔ تمہارا خُدا کہتا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔

— دُعا کی طرف توجہ کریں۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے راستبازوں نے [illegible] قلب کی۔ مگر یاد رکھو جس دُعا کے ساتھ جد و جہد نہ ہو وہ قبولیت کے مقام پر نہیں پہنچتی۔

— جد و جہد کے ساتھ دُعا اور دُعا کے ساتھ جد و جہد لازم وملزوم ہیں۔

— خدا کا دروازہ۔ یہ دروازہ کبھی کسی نے نہیں کھٹکھٹایا کہ اس کے لئے نہ کھولا گیا ہو۔ مگر یہ زبان کے لفظوں سے نہیں کھٹکھٹایا جاتا۔ یہ دل کی تڑپ سے کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ ان آہوں سے کھٹکھٹایا جاتا ہے جو دل سے اُٹھتی ہیں۔ رات کو اُٹھیں یا دن کو۔ جو رات کو نہیں اُٹھ سکتے۔ وہ دن کی نمازوں کو درست کریں۔

— کبھی تنہائی میں موقعہ مل جائے اور دل میں انشراح ہو تو ذکرِ الٰہی کو لمبا کر دیں۔

— دنیا کے سب سے بڑے کام انسان اپنی خداداد طاقتوں کے ذریعہ کر لیتا ہے۔ ہواؤں، پانیوں، اور بجلیوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ مگر انسانی قلوب کو بدلنا، یہ اپنی قوت سے نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ایک اور قوت کی ضرورت ہے۔ جو خدا کے آگے گرنے سے ملتی ہے۔ خُدا کے حضور گر کر طاقت کا ملنا یہ لفظ ہی نہیں۔ یہ سب سے بڑی سچائی ہے۔ دُنیا کا سب سے بڑا واقعہ ہے کہ جو شخص خُدا کے آگے گِرا، دُنیا اس کے آگے گر جاتی ہے۔ پس جو جماعت دعوت الی اللہ کے کام میں لگی ہے، اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ خُدا کے آگے گرے اور اس سرچشمہ سے قوت حاصل کرے۔

— جس دن یہ جماعت راتوں کو اُٹھ کر گریہ و زاری کرے گی، اس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔

— اپنے دِلوں کو خُدا کا محل بناؤ۔

— مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس جماعت کو گرا نہیں سکتا جب تک ایسے لوگ اس جماعت میں موجود ہوں جن کے آنسو رات کو بہتے ہیں۔

— قرآن کریم کا صحیح مقام انسانوں کی زبانیں نہیں انسانوں کے دل ہیں اس کو اس طرح پڑھو گویا یہ تمہارے قلب پر اُتر رہا ہے۔

— میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کام بہت عظیم الشان کام ہے — اِسلام کو دُنیا میں پہنچانا۔ قرآن اور نبی کریم صلعم کے نور سے دُنیا کی ظلمتوں کو دُور کرنا ہے۔

— اسلام کی نشأۃِ ثانیہ شروع ہو چکی ہے اور اس کا اقرار اب غیر بھی کر رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں، جس کو حضرت مرزا صاحب نے آپ کے سپرد کیا ہے۔ اس کی اہمیت کو ہر وقت سامنے رکھیے اور اس کے کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو جایئے۔

— ایک مرتبہ مجھے ایک بہت بڑے شخص یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا کہ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں۔ لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے صرف مرزا غُلام احمد صاحب ہیں۔

— میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمتِ قرآن کا شوق پیدا کیا وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ اُستاذی المکرم حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحُوم ہیں۔

— آپ کے (حضرت مرزا صاحب) زبردست اندرونی جذبات کا کوئی حِصّہ کسی نے لیا اور کوئی کسی نے۔ میرے مردہ دِل کو آپ کا جذبۂ تبلیغ زندہ کر گیا۔

— ہر ایک ضرورت سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں۔ اس کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے درس جاری کریں۔ دوسروں کو سنائیں۔ اس کی آیات پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالیں۔ خود مختلف عُلوم پڑھیں اور اُن کو قرآن کریم کا خادم بنائیں۔

— ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہو جائیں۔ اور ہمارا تعلق خدا سے ہو جائے۔

— مَیں آپ سے ایک چیز مانگتا ہوں، وہ ہے دِلوں کی تڑپ۔

— تم خدا سے اس قدر محبّت اور تعلّق پیدا کرو گویا اسی کی طرف بھاگے جا رہے ہو۔ یہ تمہاری کامیابی اور فتح کا ذریعہ ہے۔

— میں اپنے احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دُنیا کی مشکلات کا حل قرآن کریم سے کرنے کی کوشش کریں۔ ان مشکلات پر غور کرو اور پھر قرآن کریم پر غور کرو۔ بطور اصول اس بات کو مدنظر رکھو کہ دنیا کی مشکلات کا حل خدا پر ایمان میں ہے، اور خدا پر ایمان جس قدر قرآن کریم سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتا۔

— آپ لوگ قرآن کریم کو پڑھیں، سوچ کر اور غور سے پڑھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کسی کو وہ علم دیدے جس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۳۰۷)

مسٹر شوکت علی صاحب آف فجی کی واپسی

مسٹر شوکت علی آف فجی ۱۷ر اکتوبر کی شام کو اپنے وطن واپس روانہ ہو گئے۔ جماعت کے احباب سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی اور آپ کے اعزاز میں ضیافتیں دی گئیں۔ بالآخر مرکز کی طرف سے دارالسلام میں معزز مہمانوں کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔ احباب و خواتین سے

حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ورضی اللہ عنہ ورضی عنہ

از: میاں غلام حیدر صاحب تمیم جھنگ۔ ریٹائرڈ ڈی آئی جی پولیس

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

یہ مرد مومن جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔ امام وقت کے فیض سے کندن بن کر چکا اور جن کی صحبت اور معیت نے اسے اولیاء اللہ کے زمرہ میں لا کھڑا کیا۔ ہم سے جدا ہوئے عرصہ ۲۷ سال کا گذر چکا ہے۔ مگر جوں جوں ان کی وفات کا عرصہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ان کی یاد بھی ہمارے دلوں میں زیادہ ہی ہوتی جاتی ہے۔ جماعت کو جب بھی کسی مشکل کا سامنا پڑا۔ حضرت امیر مرحوم کی یاد پھر تازہ ہوگئی۔ اور اب جو حال میں جماعت پر افتاد پڑی ہے۔ شب و روز حضرت امیر مرحوم کی یاد دل و دماغ پر چھائی رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ بلکہ ایمان ہے۔ کہ اگر آج امیر مرحوم ہم میں موجود ہوتے۔ تو اول تو یہ افتاد ہی نہ پڑتی۔ اور اگر پڑتی۔ تو ہماری جماعت کا یہ حشر نہ ہوتا۔ جو آج ہوا ہے۔ کیونکہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ کہ جس جماعت کا "ختم نبوت" یعنے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونے پر اتنا مستحکم ایمان ہو۔ جو اور کسی مسلمان فرقہ کا ایسا ایمان نہ ہو۔ آج اس جماعت کو منکرین ختم نبوت قرار دے کر غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

ہمیں مجبوراً یہ سمجھنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارا موقف صحیح طریقہ سے پیش نہ کیا گیا جس کی وجہ سے ہمارے اعتقادات اور جماعت ربوہ کے اعتقادات میں ٹریبونل کو کوئی تفاوت نظر نہ آیا۔ اور ہمیں گھن کی طرح آٹے میں پیس دیا گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ حضرت امیر مرحوم کی رہنمائی اور قیادت سے ہمیں امید تھی۔ کہ وہ ہمیں اس ظلم کا شکار نہ ہونے دیتے۔

انہوں نے پہلے بھی اپنی جماعت کو جلتی ہوئی آگ سے نکال کر صحیح راستہ پر گامزن کیا۔ اور آج ان کی وجہ سے ہی جماعت لاہور حضرت مسیح موعود کے صحیح مسلک پر قائم و دائم ہے ورنہ آج حضرت مسیح موعودؑ کے صحیح دعاوی بیان کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ جماعت ان کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حضرت امیر مرحوم نے جماعت کو جن عقائد پر کھڑا کیا۔ وہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صحیح مسلک تھا۔ اس وجہ سے ان عقائد میں بھی ایک شوشہ کے تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور نہ ہی جماعت کو ان کی وجہ سے کبھی سبکی ہی اٹھانی پڑی۔

دوسری طرف جماعت قادیان حال ربوہ کو دیکھئے۔ جس کی قیادت بقول ان کے مصلح موعود کے ہاتھ میں تھی۔ کو قدم قدم پر اپنے موقف اور اعتقادات میں تبدیلی کرنا پڑی۔ چونکہ ان کے اعتقادات کی بنیاد ہی غلط تھی۔ اس لئے ان کو ہمیشہ اپنے اعتقادات میں حسب ضرورت اور موقعہ درستگی کرنی پڑی۔ چنانچہ منیر ٹریبونل میں شہادت کے دوران اپنے ایسے معتقدات بیان کئے جن کی بابت مخالفوں نے بھی کہا کہ یہ عقائد تو جماعت لاہور کے ہیں

خشت اول چوں نہد معمار کج　＋　تا ثریا مے رود دیوار کج

لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود جو ان کا حشر ہوا۔ وہ ہمارے سامنے ہے اس طوفان میں یہ قلیل جماعت بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی۔ اس مرد مومن نے کافی پہلے اغلباً ۱۹ء میں دیکھ لیا تھا۔ کہ جماعت ربوہ یا قادیان کا ان کے عقائد کی وجہ سے کیا حشر ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا۔ کہ جماعت ربوہ کو اپنے اعتقادات سے یا تو منحرف ہونا پڑے گا۔ ورنہ وہ اسلام سے کٹ جاویں گے۔ اور انہیں اپنا ایک الگ مذہب بنانا پڑے گا۔ آج ہم اس حشر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ حضرت امیر مرحوم کی فراست تھی۔ جنہوں نے بہت پہلے ہی انتباہ کر دیا تھا۔ جماعت ربوہ گو اپنے عقائد میں وقتاً فوقتاً لچک پیدا کرتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے غلو کا خمیازہ بھگتنا پڑا اختلاف سلسلہ کی ابتداء میں الفضل میں حضرت مرزا صاحب کے خاندان کو خاندان نبوت تحریر کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ پاکستان کے بننے تک جاری رہا۔ اس کے بعد پھر حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود ہی پیش کرنے پر اکتفا کرنے لگے۔ اور اب مرزا صاحب کے دعوے مہدی زمان اور امام وقت کو ہی زیادہ تر پیش کیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی مجدد بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

ابتداء اختلاف میں یعنے ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک جماعت ربوہ ہر غیر احمدی مسلمان کو خواہ اس نے مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی نہ سنا ہو۔ صرف کافر ہی نہیں بلکہ دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد تھا کہ :-

"ہر شخص جو موسٰے کو مانتا ہے۔ مگر عیسٰے کو نہیں مانتا یا محمدؐ کو مانتا ہے مگر مسیح موعودؑ کو نہیں مانتا۔ وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

۱۹۳۵ء میں جب احرار کی شورش اٹھی تو قائد جماعت ربوہ نے پہلا پینترا بدلا۔ اور ایک ٹریکٹ کے ذریعہ حضرت مسیح موعودؑ کے منکرین کو "کفر دون کفر" کے مطابق کافر قرار دیا۔ ۱۹۵۲ء میں تحریک ختم نبوت چلی۔ تو انہوں نے کمیشن کے روبرو اقرار کر لیا کہ حضرت مرزا صاحب کا منکر کافر نہیں ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا تھا۔ کہ ایک مسلمان کو مسلمان نہ کہا جاوے۔

اس طرح حالات سے مجبور ہو کر ان کو وقتاً فوقتاً اپنے عقائد میں تبدیلی کرنی پڑی۔ اسی طرح مسئلہ اسمہ احمد میں بھی انہیں کلی طور اپنے سابقہ عقیدہ سے رجوع کرنا پڑا۔ یہ حضرت امیر مرحوم کا ہی شاندار کارنامہ ہے۔ کہ جن عقائد کو جو حضرت مسیح موعود کا صحیح مسلک تھا جماعت میں پیش کیا۔ ان میں آج تک کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ حضرت امیر مرحوم کے اس احسان کو بھی جماعت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

عقیدہ ختم نبوت اور کتاب "النبوۃ فی الاسلام"

حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ نے جماعتی اختلافات کے مسائل پر ناقابلِ تردید لٹریچر شائع کیا ہے۔ ختم نبوت پر النبوۃ فی الاسلام تصنیف فرمائی۔ جو اس مسئلہ پر حرف آخر ہے۔ اس مسئلہ پر ایسی جامع اور مدلل بحث کی جو کسی اور اسلامی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ مخالفین سلسلہ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا۔ حضرت امیر مرحوم نے اسلام کی جو خدمت کی۔ اور اسلام کی حمایت میں جو لٹریچر پیدا کیا۔ اس کی مثال ۱۳۰۰ سال میں کہیں نظر نہیں آتی۔ حضرت امیر مرحوم حضرت مسیح موعود کے حقیقی علمی اور روحانی جانشین تھے اس لئے

اللہ تعالیٰ نے ان کی تحریروں میں خاص برکت ڈالی تھی۔ اور ان کو خاص قبولیت بخشی تھی۔ ان کے ان عظیم کاموں میں خدا تعالیٰ کی نصرت اور فضل نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضرت امیر مرحوم کو "مجدد الدین" کے رتبہ پر فائز کیا تھا۔ ان کا رتبہ حضرت مسیح موعودؑ کو کشف میں بتلا دیا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی خداوند تعالیٰ کی طرف سے کشف میں ایک قلم بھی ملی تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ انہوں نے مذہبی دُنیا میں اپنے اعلیٰ اور علمی مضامین سے تہلکہ مچا دیا اور مذہبی دُنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ جس سے ان کا نام رہتی دُنیا تک زندہ اور پائندہ رہے گا۔

یوں تو قرآن شریف کے بیسیوں ترجمے ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ لیکن جو قبولیت حضرت امیرؒ کے ترجمہ نے پائی ہے۔ وہ شاید ہی کوئی اور ترجمہ پا سکے۔ یہ "علی کی تفسیر" خدا کے ہاں بھی مقبول ہو چکی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی مقبولیت دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اور اتنی مانگ ہے جس کا پورا کرنا ہماری بساط سے باہر ہے۔

انگریزی ترجمہ کے علاوہ حضرت امیرؒ نے قرآن شریف کا اُردو ترجمہ اور تفسیر بھی ایک عظیم کام ہے۔ یہ مسلمانوں پر اتنا بڑا احسان ہے کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ اس نے کتنے ہی بے راہ رَو انسانوں کو سیدھا راستہ دکھلایا۔ اس تفسیر کی اشاعت جماعت تک محدود نہ رہی بلکہ غیر از جماعت لوگوں نے زیادہ فائدہ اُٹھایا۔

یوں تو بڑی بڑی تفسیریں شائع ہوئیں۔ اور ان تفاسیر پہ بڑا ناز اور فخر کیا گیا۔ لیکن ان کی شہرت محدود حلقہ میں ہی رہ کر ختم ہو گئی۔ اور جماعت کے باہر ان کا کوئی نام ہی نہیں لیتا۔

دینِ اسلام پر ایک جامع کتاب "دی ریلیجن آف اسلام"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی خواہش تھی۔ کہ اسلام پر ایک جامع انگریزی کتاب لکھی جائے۔ جس میں اسلام کے ہر اُصول اور عقیدہ پر سیر حاصل بحث ہو۔ اس خواہش کا اظہار حضور نے اپنی کتابوں اور تقاریر میں کئی بار کیا۔ یہ کام بھی حضور نے حضرت امیر مرحوم کے سپرد کیا۔ کیونکہ ان سے بہتر جماعت میں اور کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ حضرت امیر نے اپنے پیر و مرشد کے ارشاد اور خواہش کی تکمیل میں معرکۃ الآرا کتاب "ریلیجن آف اسلام" تحریر کی۔ جس میں اسلام کے تمام امور پر بے نظیر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ جو جامع اور دقیق معلومات سے لبریز ہے۔

اس کتاب کو بے نظیر ریسرچ قرار دیا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا ذکر کرنا تو سُورج کو چراغ دکھلانے والی بات ہے۔ یہ تصنیف حضور کی اس قدر مقبول ہوگئی کہ آج اس کتاب کا ترجمہ اہلِ مصر نے عربی میں۔ ترکوں نے ترکی میں اور ایران نے فارسی ترجمہ کر لیا ہے۔ اور اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں اپنے نصاب میں شامل کیا تھا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت ان کی دیگر تصانیف کی ہے جو لاتعداد ہیں۔

حضرت امیرؒ کی تمام زندگی ہی اسلام کی خدمت اور حمایت میں صرف ہوئی۔ اسلام اور سلسلہ کے خلاف کوئی اعتراض کسی طرف سے اور کسی جگہ سے ہوتا۔ وہ جب تک اس کا جواب نہ دے لیتے۔ انہیں چین نہ آتا۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں کہ حضور کی تصنیفات نے دینِ اسلام کے بارہ میں یورپ اور امریکہ کی کایا پلٹ دی ہے۔ ان ممالک میں اسلام کے متعلق بہت بُرا امپریشن تھا۔ اور اسلام سے ان لوگوں کو سخت نفرت تھی۔ آج ان ممالک میں اسلام کے لئے وہ تعصب ختم ہو گیا ہے۔ اور اس کے لئے اچھے خیالات جگہ لے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ برنارڈ شا نے تو یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ یورپ کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ یہ حضرت امیر مرحوم کی تصنیفات کا ہی نتیجہ ہے۔ آج یورپ اور امریکہ بڑے بڑے پادریوں اور بشپس نے حضرت مسیح کی خدائی سے انکار کر دیا ہے اور ان کا آسمان پر زندہ رہنے کو بھی غلط قرار دے دیا ہے۔ یہ تمام تغیر اس مردِ مجاہد کا ہی مرہونِ منت ہے۔

حقیقت میں عیسائیت ختم ہو چکی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک اور روشن نشان دنیا کے سامنے آگیا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ عنقریب عیسائی مذہب ختم ہو جاوے گا۔ اور یہ مذہب ہم اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتے دیکھ رہے ہیں الحمد للہ۔

احادیث نبویؐ میں مہدی کے خروج کے متعلق جو احادیث ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا۔ جب وہ فوت ہوگا۔ تو لوگ قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ اور فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ مہدی کے خاندان سے خلیفہ بنائیں گے۔ جس کے عہد میں خیر سے زیادہ شر ہوگا۔ اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا جس کا نام منصور ہوگا۔ یہ منصور حضرت امیر مرحوم تھے جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کے لڑکے مرزا محمود احمد صاحب کے فتنہ سے خروج کیا۔ اس منصور کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کُتب میں بھی کیا ہے جن سے یہ عیاں ہوتا ہے۔ کہ منصور کا لقب اس جرنیل کے لئے ہے۔ جس کے پاس پانچ ہزار فوج ہے۔ جو اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کی تائید میں ان کو پیش کر دی۔ یہ آپ کی جماعت ہے۔ جس کی تعداد تقریباً اتنی ہی ہے۔ اور لاکھوں کی فوج رکھنے والا جرنیل ("قائد جماعت ربوہ") نے حضرت مسیح موعودؑ کی ندا پر لبیک کہنے سے انکار کیا۔ حضرت امیر مرحوم نے ہی اپنی جماعت جن کی تعداد تھوڑی تھی۔ سے حضرت مسیح موعود کے مسلک کا جھنڈا بلند رکھا۔ اور آج تک بلند رکھا ہوا ہے۔

قرآن کریم سے عشق

حضرت امیرؒ کو قرآن سے عشق تھا۔ اور اسے حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت اور حضرت حکیم نورالدین صاحب کی معیت نے پروان چڑھایا تھا۔ رات کو تہجد کی نماز میں قرآن شریف کی طویل تلاوت کرتے۔ روز صبح سیر کو جاتے ہوئے ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا قرآن کریم دیکھا جاتا تھا۔ جس پر کبھی پنسل سے کچھ نوٹ کرتے جاتے تھے۔ جماعت پر بڑا زور دیتے کہ قرآن شریف کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دو۔ آگے یہ اپنا خود کام کرے گا۔ ہم اپنی آنکھوں سے قرآن شریف کے یہ اعجاز دیکھ رہے ہیں۔ قرآن شریف کی خدمت جو انہوں نے ترجمہ اور تفاسیر سے کی ہے۔ دنیا اس سے بخوبی واقف ہے۔ غیروں نے بھی ان کی اس خدمت کا اعتراف کیا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری دن تک بلکہ آخری لمحہ تک وہ قرآن شریف کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قرآن شریف کے عاشق تھے۔ انہوں نے ہی قرآن شریف کو موجودہ حالت میں تحریر کروایا۔ اور اسے ترتیب دیا۔ وہ بھی اپنے آخری لمحوں میں قرآن شریف ہی کی تلاوت کر رہے تھے اور اسی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ حضرت امیر مرحوم بھی اپنے انگریزی ترجمہ پر نظر کر رہے تھے۔ اور اپنی شدید بیماری میں اُسے مرنے سے پہلے مکمل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آخری لمحوں تک انہوں نے ترجمہ کے پروف دیکھتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ اور اس طرح سے شہید کا رتبہ حاصل کیا۔

اے خُدا بر تربت اُو بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

مکرم جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی۔ اسلام آباد

حضرت مسیح موعودؑ کا مولوی محمد علی صاحبؒ کے نام ایک خط۔ اور ایک عزم کا اظہار

حضرت مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور اور ان کے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب مرحوم و مغفور ۱۸۹۰ء میں جب کپور تھلہ سکول میں پڑھتے تھے۔ تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے نام اور مشن سے آگاہ ہو گئے تھے۔ اور انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد جب گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے تو ایک دوست نے اُن کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب "ازالہ اوہام" پڑھنے کو دی۔ جس کو پڑھ کر یہ دونوں بھائی حضرت صاحب کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ اور بعد میں ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی ان کی لاہور میں تشریف آوری پر زیارت بھی کر چکے تھے۔ مگر بیعت مارچ ۱۸۹۷ء میں کی جب کہ وہ اپنے دوست خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ قادیان تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت صاحب کے فرمان پر متعدد اشتہاروں اور ٹریکٹوں کا انگریزی میں ترجمہ وغیرہ کرنا شروع کیا اور ان کی طباعت میں بھی مدد دیتے رہے۔ حضرت مسیح موعود کی مومنانہ فراست نے اپنے اس پیارے مرید کو پرکھ لیا اور آپ نے تحریر فرمایا:-

"مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف اللہ تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا کر۔ آمین ثم آمین"

(تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۶۸)

مولوی محمد علی صاحب کا ارادہ شروع میں گورداسپور میں وکالت کرنے کا تھا۔ مگر حضرت صاحب کی خواہش تھی کہ آپ قادیان میں رہ کر خدمت دین اور اشاعت اسلام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ حضرت صاحب کا عندیہ معلوم کر کے مولوی محمد علی صاحب نے زیادہ کمائی پر لات ماری اور دین کو دنیا پر ترجیح دی۔ اسی موقع پر حضرت مسیح موعود کا ایک خط آپ کے نام آیا (جو خط رد صفحہ ۱۳ [illegible]) اس کا مضمون یہ ہے:-

"محبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے آپ کے لئے قادیان میں رہنے کے لئے تقریب پیدا کر دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جلشانہ نے آپ کے لئے بہت کچھ فضل اور رحمت کا ارادہ فرمایا ہے کہ یہ تقریب قائم ہوئی۔ میرے نزدیک تو بہتر ہے کہ تمام گرمی کے دن اکتوبر کے مہینے تک آپ اسی جگہ قادیان میں رہیں اور جوانمردی سے دینی امور سرانجام دیں اور اس عرصہ میں مولوی صاحب (مولانا نورالدین صاحبؓ) سے قرآن شریف بھی سنیں۔ پھر اکتوبر جو ابتداء سردی کا ہوتا ہے آپ کو اختیار ہوگا کہ اپنے کام میں مشغول ہوں۔ یہ مدت آپ کے لئے انشاء اللہ دینی امور کی تکمیل کے لئے اکسیر کا کام دے گی۔ مجھے آپ پر نیک ظن ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ اس عرصہ میں بہت ترقیات کر لیں گے۔ میرا مدت سے ارادہ ہے کہ اپنی جماعت کو دو گروہوں میں تقسیم کروں۔ ایک وہ گروہ جو کچھ دنیا کے ہیں اور کچھ دین کے۔ اور بڑے بڑے امتحانوں کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور دین میں بڑے کام نہیں کر سکتے۔ دوسرا گروہ جو پورے صدق اور پوری وفاداری سے اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور درحقیقت اپنے تئیں اس راہ میں بیچتے ہیں۔

سو میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دوسرے گروہ میں سے کرے۔ آپ ۱۹/مئی ۱۸۹۹ء کے گزرنے کے بعد اس لمبی رہائش کے ارادہ سے تشریف لے آویں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بہت ثواب ہوگا۔ اس عرصہ میں اگر کسی اور امتحان کا ارادہ ہوگا۔ تو اس گوشہ تنہائی میں وہ ارادہ بھی پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وقت بہت ملے گا۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں کہ بہت مبارک ہوگا۔ مگر اس عزم کو دل میں پختہ کر لیں کہ آپ بہرحال اکتوبر تک قادیان میں رہیں گے۔ زیادہ خیریت۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ۔ ۸/مئی ۱۸۹۹ء"

حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ آپ کی جماعت میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ وہ کچھ دُنیا کے ہیں اور کچھ دین کے، یعنی خالصتاً دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والے نہیں ہیں۔ ایسے لوگ خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور دُنیا کی وجاہت اور دولت حاصل کرنے کے لئے دین کو ایک ہتھیار بنا لیتے ہیں۔ اور خدائی سلسلہ کے کاموں میں روڑا اٹکاتے ہیں۔ خدا خوفی ان کے دماغ سے نکل جاتی ہے۔

آخر مولانا نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانے سے ہی اندرونی سازشیں اور آئندہ خلافت کے لئے جوڑ توڑ۔ اور بہتان طرازی شروع ہو گئی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے فرمان کو صدر انجمن (احمدیہ) "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے" کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ اور بالآخر جماعت احمدیہ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور سلسلہ احمدیہ کے متعلق عوام الناس میں حسن ظنی اور اشاعت اسلام اور احمدیت کے مواقع قریباً قریباً ختم ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو نوازا اور اس سے خدمت دین اور اشاعت اسلام کا معتدبہ کام لیا۔ مگر جس گروہ کا حضرت مسیح موعودؑ نے خطرہ محسوس کیا تھا۔ اسی قسم کے لوگ جماعت احمدیہ لاہور میں بھی پیدا ہو گئے۔ اور حضرت مولوی محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کو ان کی زندگی کے آخری سالوں میں کافی پریشانی اور دُکھ کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی وفات کے بعد پھر جماعت میں پھوٹ پڑی۔ یہاں تک کہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب کو ایک پمفلٹ میں لکھنا پڑا ؎

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد
ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد

کسی مردِ خُدا کے دِل کو دکھانے کا نتیجہ قوم کی رسوائی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر خُدا نے ہاتھ دھر لیا۔ مگر وہ پہلے وقتوں کی یگانگت ہمدردی اور اخوت اور قربانی کا مادہ حاصل نہ ہوا۔ ہم لوگ اپنی لاپرواہی اور عدم توجہی کی وجہ سے ووکنگ (انگلستان) کی مسجد اور مشن کو دشمنانِ سلسلہ سے نہ بچا سکے۔ اور اس پر مخالفین کا قبضہ ہو گیا۔ اب نئے مسلم احمدیہ مشن لندن کے قیام میں قدم قدم پر مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ ۱۹۸۴ء

(باقی بر صفحہ ۱۹ کالم ۲)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چدکسی (ملتان)

حضرت مسیح موعودؑ کی قوتِ قدسی کا معجزہ
مولانا محمدؐ علی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ فتح الدین صاحب ریاست کپورتھلہ موضع مراد کے نمبردار اور علاقہ کے ذیلدار تھے۔ اپنی انصاف پسندی، نیک نامی، غریب پروری اور نماز روزہ کی پابندی اور پرہیزگاری کی وجہ سے سارے علاقہ میں ہر دل عزیز تھے۔ حکومت بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اکثر دیوانی اور پیچیدہ مقدمات میں ان کو ثالث مقرر کیا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ اکثر لوگ خود بخود اپنے جھگڑے فیصلہ کرانے کے لئے ان کے پاس لاتے تھے۔ انہوں نے اپنی ایک مسجد بھی گاؤں میں بنائی ہوئی تھی۔ جس میں امامت کے فرائض بھی خود ان ہی کے ذمہ تھے۔ مسجد میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گاؤں کے بچے بھی ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کے ساتھ ان کو عشق تھا۔ ہر وقت تلاوت کرتے رہتے تھے۔

قرآن کریم اور نماز روزہ کے ساتھ جو آپ کو محبت اور عشق تھا دنیاوی ترکے کے ساتھ ورثہ میں وہ بھی اپنے چھ بیٹوں اور ایک بیٹی کو دے گئے۔ عاشقِ قرآن **مولوی محمد علی صاحب** ان کے پانچویں بیٹے تھے۔ وہ خود اور ان کی ساری اولاد نمازی پرہیزگار اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو اور ان کی ساری اولاد کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

مولوی محمد علی صاحبؒ کی پیدائش ۱۸۷۴ء کے دسمبر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دیال پور اینگلو ورنیکلر سکول میں حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۳ء میں رندھیر ہائی سکول کپورتھلہ میں داخلہ لیا۔ میٹرک کا امتحان ۱۸۹۰ء میں پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے ۱۸۹۴ء میں ۱۹ سال کی عمر میں بی اے کا امتحان ریاضی میں پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔اے کی تعلیم جاری رکھی اور ساتھ ہی اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر ہوئے۔

۱۸۹۶ء میں ایم اے انگریزی میں پاس کیا۔ ملازمت بھی جاری رکھی اور ساتھ ایل ایل بی کی کلاسوں میں داخلہ لے لیا۔ اس کے تینوں یونیورسٹی امتحانوں میں اول، دوم اور سوم آئے۔ ۱۸۹۷ء میں اسلامیہ کالج کی ملازمت ترک کرکے اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت کر لی۔

طالب علمی کے زمانہ میں کیا سکول اور کیا کالج آپ کی قابلیت، نیکی اور دینداری میں مشہور تھے۔ اس لئے اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کرنے کے بعد دو سال تک ہر ہفتہ کی شام کو لاہور سے قادیان جاتے اور اتوار کی شام کو واپس آتے۔ تعطیلات بھی قادیان میں گذارتے اور وہاں حضرت صاحب کی تحریرات اور کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرتے۔

ایل ایل بی کا امتحان ۱۸۹۹ء میں پاس کرنے کے بعد حضرت صاحب کی دعوت پر ۱۸ر مئی ۱۸۹۹ء کو قادیان میں اکتوبر ۱۸۹۹ء تک رہنے کے لئے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رہائش کے لئے حضرت صاحب نے اپنے خاص گھر میں جگہ دی۔ اس عارضی قیام کے دوران حضرت صاحب نے مولوی صاحب کو ظاہری نظر اور پوشیدہ طور پر تجسس کرنے کے بعد دین داری اور شرافت کے ہر پہلو سے نہایت عمدہ انسان غریب طبع۔ باحیا۔ نیک اندرون۔ پرہیزگار۔ جوان صالح۔ خدا کی راہ میں ترقی کرنے والا۔ تقوےٰ اور محبت دین میں ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلانے والا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں پایا اور یہ بھی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی کہ مولوی صاحب، محنت اور کوشش محض خالصۃً للہ، جوش و اخلاص سے کرتے ہیں اور یہ بھی واضح طور پر دیکھ لیا کہ وہ مریدوں کے دوسرے گروہ میں ہیں جو صدق دل اور پوری وفاداری سے بیعت میں داخل ہوتے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے اپنے آپ کو اس راہ میں بیچ دیا ہوتا ہے۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا:۔

"آپ قادیان میں رہ کر یہ خدمتِ دین کریں تو بہت خوب ہو۔"

آپ نے اس کو سعادت سمجھا اور فوراً لبیک کہکر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ اور عرض کی:۔

آپ کا غلام ہوں۔ آپ کے قدموں میں ہوں۔ آپ میرے لئے دُعا کریں۔ کہ خدا تعالےٰ اس وعدہ پر تا دم زیست قائم رہنے کی توفیق دے۔ "میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا" کے یہی معنے ہیں کہ بیعت کنندہ اپنے آپ کو مع تمام قوٰے کے مرسل من اللہ کے حوالے کر دے۔

تب حضرت صاحب نے اپنی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک عملی قدم اُٹھایا لکھتے ہیں:۔

"یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم اور پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دینِ اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی رُوح کو ہمیشہ اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ ان سے مُلک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائدار گھر سے گذر جاویں۔ ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے آخری سفر حسرت کا سفر نہ ہو۔ اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے۔ ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جاوے۔"

ساتھ ہی حضرت صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ رسالہ کے متعلق اعلان کرکے جب احباب قادیان میں جمع ہوئے تو فیصلہ کیا کہ رسالہ چندہ کے ذریعہ سے چلایا جاوے۔ اور چندہ کی رقم اور رسالہ کے انتظام کے لئے ایک انجمن بنائی جس کا نام "انجمن اشاعت اسلام" رکھا اور اس کے سرپرست خود آپ، صدر حضرت مولٰنا نورالدین صاحب نائب صدر مولوی عبدالکریم صاحب۔ سیکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری و ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب کو مقرر فرما کر ان کی تنخواہ یکم اپریل ۱۹۰۱ء سے ساٹھ روپیہ مقرر کر دی۔ پھر ۱۹۰۲ء جنوری میں سو روپیہ ماہوار کر دی۔ اور یوں مولوی صاحب کا عارضی قیام قادیان مستقل قیام میں تبدیل ہو گیا۔ اور ساتھ ہی مولوی صاحب کا دنیاوی روشن مستقبل جس کی آس ان کے والدین لگائے بیٹھے تھے۔ ختم ہوا۔ اور مولوی صاحب ایک نئے دَور میں داخل ہو گئے۔ حضرت صاحب نے رسالہ کی ایڈیٹری کے لئے مولوی صاحب کے

انتخاب کا بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے علم سے ہی کیا تھا حالانکہ مولوی محمد علی صاحب سے پہلے بے شمار انگریزی دان ایم۔ اے اور بی اے حضرت صاحب کی بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے رسالہ ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۰۲ء سے شائع ہونا شروع ہوا اور جلد ہی اپنے اعلیٰ مقاصد اور مضامین کے باعث مسلم اور غیر مسلم پبلک میں مقبول ہوا۔ عیسائیوں نے جو کچھ اسلام کے خلاف لکھا تھا۔ اس کی تردید اس قدر پُر زور دلائل اور سلسلۂ مضامین سے کی گئی۔ کہ مسیحی دُنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اور بہت سے انگریزوں نے الزام لگایا کہ محمد علی کے فرضی نام سے کوئی انگریز اس رسالہ کی ایڈیٹری کرتا ہے۔ اس رسالہ نے دلائل قاطع سے اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر دکھایا کہ مسلم اور غیر مسلم اہلِ علم حیرت میں پڑ گئے۔ سینکڑوں انگریزی دان مسلم نوجوان جو پادریوں اور دہریوں کے زیرِ اثر تھے دوبارہ اسلام میں آن داخل ہوئے۔

اس رسالہ کے اجراء سے اسلام کا غلبہ دلائل سے تمام ادیان پر ایک حقیقت نظر آنے لگا۔ اس رسالہ کا انگریزوں پر بڑا اثر پڑا پادریوں کے گھروں میں تو گویا ماتم برپا ہو گیا۔ دو واقعات ذیل میں درج ملاحظہ ہوں:—

(۱) ضلع سرگودھا کے ایک احمدی زمیندار چودھری حاکم علی مرحوم نے یہ رسالہ مسٹر میلکم ہیلی مہتمم آبادی (جو بعد میں گورنر پنجاب ہو گئے تھے) کے نام جاری کروا دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد چودھری صاحب ہیلی صاحب سے ملے تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ رسالہ جاری کروا کر مجھے تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ جب اس کو پڑھتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اس فکر میں مجھے راتوں نیند نہیں آتی۔

(۲) فقیر افتخار الدین صاحب نائب مہتمم بندوبست راولپنڈی نے بتلایا کہ ایک انگریز افسر جس کے نام یہ رسالہ مفت آتا تھا۔ کہا۔ کہ آپ یہ رسالہ بند کرا دیں۔ کیونکہ بغیر پڑھے رہا بھی نہیں جاتا اور جب پڑھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ میں دین حق قبول نہ کرنے کی وجہ سے خدا کا مجرم نہ بن جاؤں۔

(۳) اخبار بدر مؤرخہ $\frac{11}{4}$ ۱۵، ریویو آف ریلیجنز کا ذکر تھا۔ ایک صاحب نے تعریف کی کہ اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا:—

”اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایک لائق و فاضل آدمی ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں اور اس کے ساتھ دینی مناسبت رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل درجہ پر پاس ہوتے رہے ہیں۔ اور ای اے سی میں ان کا نام درج تھا۔ مگر سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ **خدا تعالیٰ نے ان کی تحریروں میں برکت ڈالی ہے۔**“

حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنی پہلی خواہش جو آپکی بعثت کا اصل مقصد تھا۔ مولوی محمد علی صاحبؒ کے ذریعہ پورا ہوتا دیکھ لیا تھا۔ یہ رسالہ ۱۹۱۴ء تک بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا۔ اس وقت تک اس کے ایڈیٹر مولوی صاحب تھے۔ حضرت صاحب کی دوسری خواہش فرماتے ہیں:—

”سو میری صلاح ہے کہ بجائے واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جاویں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جاوے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہ ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور مجھ میں داخل ہے“۔

حضرت صاحب کی یہ دوسری خواہش بھی مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ پوری ہوئی۔ بلکہ حضرت صاحب کی دو پیشگوئیاں بھی اس تفسیر کے ذریعہ سے پوری ہوئیں۔

حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب رح خلیفہ اوّل نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ آپ انگریزی ترجمہ اور تفسیر شروع کریں۔ تو مولوی صاحب نے انجمن کے کاموں کے علاوہ ۱۹۰۹ء میں اپنے فارغ وقت میں ترجمہ اور تفسیر شروع کی اور ۱۹۱۴ء تک قادیان میں۔ اس کے بعد لاہور میں ۱۹۱۷ء تک اس پر محنت کی اور ۱۹۱۷ء میں یہ ترجمہ اور تفسیر شائع ہو کر اشاعت کے لئے تبلیغی میدان میں آئی۔ تو دُنیا کے بڑے بڑے مفسروں اور مصنفوں۔ اخباروں اور مدبروں اور ادیبوں کے علاوہ پادریوں نے بھی تسلیم کیا کہ دنیا میں اس وقت تک اس کے مقابلہ کی کوئی تفسیر اور ترجمہ نہیں۔ یوں اس تفسیر سے حضرت صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی ”کہ **ایسا ہرگز کسی سے نہ ہوگا جیسا مجھ سے یا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے**“۔

قادیان والوں کے لئے سوچ کا مقام ہے کہ اس تفسیر کے مقابلہ کی دُنیا میں کسی تفسیر کا نہ ہونا مولوی محمد علی صاحب کو حضرت صاحب میں داخل کرتا ہے۔ یعنی دونوں ایک ہیں اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو حضرت صاحب کی شاخ ثابت کرتا ہے اور جماعت قادیان کو ”دوسرے“ ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ ان سے قرآن کریم کی انگریزی تفسیر آج تک نہ ہو سکی۔ اس لئے قادیانی جماعت ”دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا“ کے تحت آتی ہے۔ قادیانی حضرات کے لئے میں چند آراء جو اس تفسیر اور ترجمہ کے متعلق ہیں پیش کرتا ہوں:—

(۱) حافظ غلام سرور صاحب جنہوں نے خود قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے فرماتے ہیں:—

”انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر ایسی نہیں جو مولانا محمد علی کی اس معرکۃ الآراء تصنیف کا مقابلہ کر سکے“

(۲) اخبار ایڈووکیٹ لکھنؤ:—

”ہم مولانا محمد علی کو مبارک باد دیتے ہیں۔ کہ ان کا یہ ترجمہ سب تراجم سے بڑھ چڑھ کر ہے“

(۳) اخبار مدراس میل:—

”مولانا محمد علی کا نام ہی اس ترجمہ کی عمدگی کا ضامن ہے۔ شاید ہی کوئی ترجمہ اس اعلیٰ پایہ کا ہوگا“

(۴) پادری زویمر اپنے رسالہ مسیحی ”مسلم ورلڈ“ جولائی ۱۹۳۱ء میں لکھتے ہیں:—

”میں مولانا محمد علی صاحب۔ مسٹر پکتھال اور حافظ غلام سرور کے تراجم کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھتا ہوں۔ کہ مؤخرالذکر دونوں اصحاب اکثر مولوی محمد علی کے ترجمہ کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ اور معمولی الفاظ کا فرق رہ جاتا ہے اور یہ کہ اس ترجمہ سے دونوں اصحاب نے کثیر استفادہ حاصل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ترجمہ ایک وسیع مطالعہ اور دقیق ریسرچ پر مبنی ہے۔ اس رنگ میں باقی تراجم (ORIGINAL) نہیں کہلا سکتے“۔

مولوی محمد علی صاحب کی یہ تفسیر اور ترجمہ بہت سے ممالک

(باقی بر صفحہ ۱۹ کالم نمبر ۲)

حضرت مولانا محمد علیؒ لاہوری امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تفسیر قرآن پر ایک نظر

کیا یہ تفسیر سرسیّد احمد خاں کے خیالات سے متاثر ہے؟!

ایک تحقیقی اور علمی جائزہ

(از: ابو سلمان ایم اے)

برّصغیر پاک و ہند کی مردم خیز سرزمین کو اہلِ اسلام میں سے جو مشاہیر پیدا کرنے کا شرف حاصل ہوا، ان کی تعداد اگرچہ کم نہیں، لیکن ان میں ایسے بلاشبہ کم ملیں گے جنہیں اپنی زندگی میں ہی ہم عصر علماء و فضلاء کی اکثریت کی طرف سے اعتراف عظمت کا افتخار حاصل ہو۔ بلاشبہ حضرت مولانا محمد علی مرحوم امیر جماعت احمدیہ لاہور انہی چند عظیم القدر شخصیات میں شامل ہیں جنہیں یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف و محامد میں سب سے اوّل نظر آتی ہے۔ وہ قرآن پاک کے مترجم ہیں۔ مفسّر ہیں۔ اس کے علوم و حکم کے شارح ہیں، اس کے شکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہیں۔ ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کم ہی کوئی مذہبی ضرورت ہوگی جس کی مدد حضرت مولانا نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمائی۔ اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا کی تصانیف کی تعداد جس میں چھوٹے۔ بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب شامل ہیں۔ ایک طویل فہرست پر حاوی ہے۔ علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے۔ امام ابنِ جریر طبری۔ حافظ خطیب بغدادی۔ امام فخرالدین رازی۔ حافظ ابنِ جوزی۔ حافظ جلال الدین سیوطی وغیرہ کے متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کا نام حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا ہے۔

اِسلام میں عِلم کا سب سے پہلا سرچشمہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک۔ مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے۔ اگر ہم حضرت مولانا کی [illegible] تالیفات پر نظر ڈالیں اور پھر اُنیسویں صدی کے نصف [illegible] کے ان حالات و مشکلات کو سامنے رکھیں جن میں آپ نے کام کیا تو ہمیں مولانا کے بارے صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے اسلام کے مذہبی، علمی، ادبی اور تاریخی لٹریچر کو کیا دیا اور اس کی تاریخ اصلاح و تجدید میں کونسا کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مولانا اس دَور سے تعلق رکھتے ہیں جو اسلام اور عالم اسلام کے لئے ہزار مصائب [illegible] کا دور تھا۔ اس دَور میں اسلام دشمن تحریکات اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اسلام اور ملّتِ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے مصروفِ عمل تھیں۔ مغرب اور وہاں کے مستشرقین نے بالعموم اور برّصغیر پاک و ہند کے اعدائے اسلام نے بالخصوص اپنی طاغوتی سرگرمیوں کو تیز تر کر رکھا تھا۔ انگریز کی دجّالیت اور اس کی سحر آفرین تہذیب نے فکر و نظر کو پژمردہ اور رُوح کو للّٰہیت و معرفت الٰہی سے عاری کر دیا۔

تہذیب و معاشرت میں دہریت، الحاد، نفس پروری اور مادہ پرستی کے زہریلے جراثیم سرایت کر چکے تھے۔ جس طرح یونان کے علوم و فنون نے ارسطو، جالینوس، افلاطون اور بقراط کے فلسفہ نے زندگی، عقائد اور اخلاق پر حملہ کیا، بالکل اسی طرح اس دَور میں فرنگی علوم و فنون نے ان کے فلسفے اور نظریئے، کانٹ اور ہیگل نے، نٹشے اور برکلے نے آئن سٹائن، فرائڈ اور یونگ نے زندگی، عقائد اور اخلاق پر حملہ کر رکھا تھا۔ اور اور ایک طرف تو اسلام دشمن تحریکوں کی سرگرمیاں تیز تر تھیں، دوسری طرف عالمِ اسلام اپنے ایمان و عمل کی کمزوریوں اور روحانی و مادی پستیوں کے باوصف اسلام کی حقانیت و صداقت کی نمائندگی و ترجمانی کرنے سے معذور و مجبور تھا۔ چنانچہ مادہ پرست تہذیب کے اثرات سے ملّتِ اِسلامیہ میں دین و مذہب کے بارے میں ایک خطرناک حد تک فکری و نظری انتشار اور افسوسناک زوال رونما ہو چکا تھا۔

جدید تعلیمیافتہ طبقہ شریعت اسلام، تاریخ اسلام اور اپنے روشن ماضی سے بے خبر اور اسلام کے تابناک مستقبل سے مایوس تھا۔ اسلامی علوم رو بہ زوال اور قدیم تعلیمی مراکز عالم نزع میں تھے۔ اس وقت اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کے لئے ہمہ گیر قسم کے مسائل پیدا ہو گئے، جن کو صرف اسلام پر غیر متزلزل ایمان، راسخ عقیدہ، عمیق علم، غیر مشکوک اعتماد ہی سے حل کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت ایک علمی اور رُوحانی بیداری کی ضرورت تھی جو عالمِ اسلام میں اتحاد پیدا کرے۔ ان کے فکر و نظر میں استقامت و سلامتی پیدا کرے۔ ان میں ایمانی قوتیں اور صلاحیتیں بحال کرے۔ تاکہ اسلام کے ابدی اور عالمگیر پیغام اور عصرِ حاضر کی مضطر رُوح کے درمیان مصالحت و رفاقت پیدا ہو جائے۔ جو اسلام کی صحیح نمائندگی و ترجمانی کرے جو غیر اسلامی قوتوں کا استیصال کرے، جو پوری وضاحت کے ساتھ توحید و رسالت کی دعوت دے۔ اور جو "الا للہ الدین الخالص" کا نعرہ بلند کرے۔ ایک طرف تو معترضین کا منہ بند کرے اور دوسری طرف ملّتِ اسلامیہ میں دینی لحاظ سے فکری اور نظری شعور اور اطمینان پیدا کرے۔ اور دِینِ اسلام کی صداقت و حقانیت پر تازہ ایمان پیدا کر دے۔

ان پریشان کُن اور فکر مند حالات میں عالمِ اسلام کے مختلف طبقوں اور حلقوں سے جو مختلف شخصیتیں مدافعتِ اسلام اور حفاظتِ ملّتِ اسلامیہ کے پیشِ نظر میدانِ عمل میں آئیں، ان میں ایک مولانا بھی ہیں جنہوں نے اپنی تمام تر علمی و روحانی صلاحیتیں اور بھرپُور قلمی طاقتیں اس راہ میں صرف کر دیں۔ اور اسلام پر ایسا لٹریچر پیدا کیا جو ضخیم و کثیر ہی نہیں بلکہ فکری اور انقلابی بھی ہے۔ اس لٹریچر میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و اُردو ترجمہ و تفسیر اوّل نمبر پر ہے، جس کی داد پاک و ہند، ممالکِ اسلامیہ اور یورپ کے مشاہیر علماء دے چکے ہیں۔

حضرت مولانا نے یہ تالیف محض برکت و سعادت کے لئے نہیں بلکہ

ضرورت وقت، تقاضائے حالات اور واضح مقصد کے پیشِ نظر کی تھی۔ اس وقت اسلام کی صحیح ترجمانی اور حقیقی نمائندگی اور معترضین اسلام کے اعتراضات کا معقول و مدلل اور مسکت جواب دینے کے لئے ایک مستند ترجمہ و تفسیر کی اشد ضرورت تھی اور اس ضرورت کا اظہار بالعموم مسلم طبقوں سے کیا جا رہا تھا۔ حضرت مولانا نے تن تنہا اس کارِ عظیم کو نہایت نامساعد حالات میں اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ سالہا سال کی شبانہ روز عرق ریزی دیدہ کاوی اور جگر سوزی کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

حضرت مولانا نے اس تالیف میں جن امور و اصول کو سامنے رکھا وہ نقد و تبصرہ کے بڑے ریشنل اور سائنٹیفک اصول ہیں، اور تعلیم و تفہیم قرآن کے لئے علوم و معرفت کے جن ذرائع سے کام لیا، آپ کے عالمانہ، محققانہ اور صالح انتخاب کے نمائندہ ہیں۔

آپ نے ایک طرف سلف صالحین کی مستند و معتبر اور معروف متداول تالیفات کو سامنے رکھا۔ دوسری طرف زمانے کے دو بڑے مذہبی مفکروں —— حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور حضرت مولانا نورالدین اعظم —— سے اکتساب علم کیا۔ کلام الٰہی کی ترجمانی اعلےٰ علمی استعدادوں کی متقاضی ہے۔ لیکن اس راہ میں تقویٰ و طہارت بھی درکار ہوتی ہے، جسے علم کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا تقوےٰ و طہارت کے بلند مقام پر فائز تھے۔

اس تالیف کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا نے متن کے لفظی اتباع کو قائم رکھا ہے اور حواشی میں مقامات قرآنی سے متعلق تمام پہلوؤں پر شرح و بسط سے قلم اٹھائی ہے۔ تفسیر کے مقامات پر متشابہ آیات کا مفہوم متعین کرنے کے لئے محکمات کو سامنے رکھا ہے متشابہات کو محکمات کے تابع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور "ان القرآن یفسر بعضه بعضًا" کے اصول کے تحت غور و فکر کیا ہے۔ اسماء الٰہیہ اور الٰہی تقدیس و تنزیہ کے خلاف کسی لفظ کے معنے نہیں کئے ہیں، نہ سُننِ الٰہیہ سابقہ اور نورِ قلب کے خلاف تفسیر کی ہے معروف سے باہر نہیں گئے۔ مقاصد قرآنی کو پیشِ نظر رکھا۔ اندازِ فہم اور تعبیر قرآن سے مولانا کے انگریزی اور عربی ذوق کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کہ سلف صالحین کی تفاسیر و تراجم سے گہری واقفیت اور صحائفِ آسمانی سے گہری واقفیت حاصل ہے۔ تواریخ اقوام، مذاہب عالم اور تحریکات عالم پر گہری نظر ہے۔ طہارت نفس، دعا و مجاہدہ، تعلق باللہ کی لگن اور اشاعتِ اسلام کا جذبہ اس پر مستزاد۔ یہی وہ صفات ہیں، جن کی وجہ سے انہیں خدمتِ اسلام کی اس رنگ میں فائق قدر و توفیق میسر آئی۔

حضرت مولانا نے اپنی ساری تالیف میں اس امر کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کسی مسئلہ میں بھی اختلافات نہیں ہے، قرآن مجید کے قصص و حکایات اور اسلاف و اُممِ ماضیہ کے سوانح کے متعلق بحث کرتے ہوئے علمی تاریخی اور تحقیقی پہلوؤں کو سامنے رکھا، اور باطل روایات اور اسرائیلیات سے اجتناب برتا۔ اسلامی عقائد کا اثبات، ملحدین و مذاہب عالم باطلہ کی تردید، معترضین کے اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب۔ جدید مغربی فلسفہ کی تغلیط و تکذیب، اس کے مقابلہ میں صداقت و حقانیت اسلام کو علمی اور عقلی طور پر ثابت کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مغرب کے روشناس اور اس کی فطرت و مزاج کے رازدان تھے۔ علوم مغربی کے ماہر تھے۔ جس وقتِ نظر سے انہوں نے علوم اسلامیہ پر عبور حاصل کیا تھا۔ اسی ژرف نگاہی سے آپ نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی۔

حضرت مولانا کی تفسیر قرآن میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو دیگر تفاسیر میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً الفاظ کی لغوی اور نحوی ترکیب پر بڑی محنت کی ہے۔ زبان کا محاورہ۔ اسباب نزول۔ تفسیر بالقرآن۔ احادیث صحیحہ، اقوال مفسرین و آئمہ، آیات پر مستند ترین کتب سے اشارے اور حوالے بڑے اختصار اور سلیقہ سے نقل کر دیئے ہیں۔ جو لوگ مبسوط کتابوں کو نہیں دیکھ سکتے وہ مختلف مفسرین کی بصیرت افروز آراء ان حاشیوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ ترجمہ اور تفسیر کی زبان عام فہم ہے۔ رواں اور آسان ہے۔ یہ کسی محدود نقطہ نظر سے نہیں لکھی گئی بلکہ علوم قرآن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

اس تالیف میں آئمہ اربعہ کے مسالک کا احکام کے بارے میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ استنباط احکام کے معاملہ میں بڑی احتیاط برتی گئی ہے۔ علمی فقہی، تاریخی، اعتقادی اختلافات پر بڑی مجتہدانہ بحث کی گئی ہے۔ فقہی اختلافات کے موقعہ پر مختلف مذاہب کی تفصیل دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا نے سرسید احمد مرحوم کے تتبع میں تجدد پسندی اور دور از کار سقیم تاویلات سے کام لیا ہے۔ اور متقدمین کی تفاسیر کو اہمیت نہیں دی ہے۔ تفسیر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا یہ جہاد کوئی کم اہمیت نہیں رکھتا کہ جب سرسید احمد خان مرحوم قرآنی اصول و تعلیمات کو سائنس و فلسفہ کے تابع کرتے جدت پسندی کا ثبوت دے رہے تھے، سائنس و فلسفہ کے آگے اس سجدہ ریزی کے دور میں حضرت مولانا نے قرآنی عقائد و تعلیمات کو حقائق کے طور پر پیش کیا اور اس تجدد پسندی کا بیکنی پوری غیرتِ ایمانی کے ساتھ کی۔ چنانچہ حضرت مولانا اور سرسید احمد خان مرحوم کی تفسیر قرآن کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا پر ان کا کوئی اثر نہ تھا۔ ان دونوں تفاسیر میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا سرسید مرحوم کے نیچری معتقدات کی تائید نہیں کرتے۔

سرسید نے بھی اسلام کے مسائل کو معقول رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی۔ اور حضرت مولانا نے بھی ان مسائل کا معقول رنگ پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان ہر دو کی سوچ کی راہیں ایک ہی ہیں۔ جہاں تک عقائد اسلامی کے بارے میں انداز فکر کا تعلق ہے یہاں دونوں کی راہیں جُدا جُدا ہیں۔ سرسید غیبی حقائق اور خارق عادت واقعات کو قبول نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے سائنس اور علوم جدیدہ کی تحقیقات یا مشہور نظریات و مسائل کو مسلمات و بدیہات کے طور پر تسلیم کر کے ان کو ہی مسئلہ و بیان کے رد و قبول کے لئے معیار و میزان سمجھ لیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی تفسیر میں یورپی خیالات کی غلامی کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت مولانا کی تفسیر میں اسلامی تعلیمات کی صداقت و حقانیت کا رنگ نمایاں ہے۔

سرسید نے بھی اسلام کو بچانے کی فکر کی مگر اس فکر میں مغرب کے سائنس و فلسفہ سے دب کر صلح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علامہ شبلی مرحوم جو سرسید کے مداحوں میں سے تھے۔ اپنی کتاب علم الکلام کے صفحہ ۹ پر سرسید کے علم الکلام کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:—

"یہ نیا علم الکلام دو قسم کا ہے یا تو وہی فرسودہ اور دُور از کار مسائل اور دلائل ہیں جو متاخرین اشاعرہ نے ایجاد کئے تھے یا یہ کیا ہے کہ یورپ کے ہر قسم کے معتقدات اور خیالات کو حق کا معیار قرار دیا ہے اور پھر قرآن و حدیث کو زبردستی کھینچ تان کر ان سے ملا دیا ہے۔"

اس تجزیہ کی رُو سے اگر سرسید کے خیالات کی وجہ سے قرآن کریم کو یورپ کے سامنے جھکانا پڑتا ہے تو حضرت مولانا کے ترجمہ و تفسیر قرآن سے یورپ کو قرآن کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ سرسید نے جو ناتمام تفسیر لکھی ہے جس کے متعلق حضرت مولانا کے امام و رہنما حضرت مرزا

غلام احمد قادیانی کی رائے ہے :۔

"جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خدا وند تعالیٰ کے علم میں تھیں، نہ [illegible] اس کے رسول کے علم میں، نہ صحابہ کے علم میں، نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں اور نہ ان پر دلالت النص، وہ سید صاحب کو سوجھیں۔"

حضرت مرزا صاحب نے "برکات الدعا" نامی کتاب میں سرسید احمد خان کے رسالہ "الدعا والاستجابة" اور رسالہ تحریر فی اصول التفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے مذہبی خیالات و افکار کا ابطال کیا [illegible] وہ ایسے [illegible] قرار دیتے تھے اور [illegible] نہیں سمجھتے [illegible] اس کی برکات و تاثیرات [illegible] قرار دیتے [illegible] ان کے نزدیک [illegible] اس میں اللہ تعالیٰ [illegible] کا واسطہ نہیں سمجھتے [illegible] خدا و حکیم کے تصرفوں اور [illegible] سے بے نیاز ہے۔ اور وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت کاملہ سے وابستہ ہے۔ اور قدرت اس کا نام ہے کہ اس کے تصرفات اس کی مخلوقات پر ہر آن غیر محدود ہیں سرسید خارق عادت معجزات سے، جن کو انگریزی میں سُپر نیچرل کہتے ہیں۔ انکاری ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے نزدیک خلاف قانون قدرت ہیں اور یہی رنگ اس کی ساری تفسیر میں نظر آتا ہے۔

جہاں تک مولانا کا تعلق ہے، ان کے معتقدات اہل سُنت کے معروف معتقدات کے مطابق ہیں۔ وہ وحی کو خارجی شئے نہیں قرار دیتے۔ ملائکہ کو مخلوق سمجھتے۔ نبوت کو اکتسابی نہیں وہبی گردانتے ہیں۔ اور قرآن کو وحی متلو یقین کرتے ہیں۔ استجابت و قبولیت دُعا اور اس کی برکات و تاثیرات کے قائل ہیں، مولانا نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے ضخیم دکثیر لٹریچر میں سرسید احمد خان صاحب کے ان معتقدات پر معترضانہ پہلو اختیار کیا ہے۔ مولانا خارق عادت معجزات کے بارے میں کہتے ہیں :

"معجزات عموماً خدا تعالیٰ کی طاقتوں اور اس کے اقتدار کے مظاہر ہوتے ہیں۔" (دین اسلام صفحہ ٢٣٤)

سورہ شریفہ الانعام کی آیت کریمہ — واقسموا باللہ جهد ایمانهم ...... الخ ٢٠١ کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت مولانا لکھتے ہیں :۔

"الفاظ انما الایات عند اللہ — اور اس کے بعد الفاظ صفائی سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس امر کی شہادت کے لئے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا مشن خدا کی طرف سے ہے غیر معمولی نشانات دکھائے جائیں گے۔ تعجب ہے کہ بعض معترضین کو اس آیت میں معجزات سے انکار نظر آتا ہے"

(دین اسلام صفحہ ٢٣٢)

مزید لکھتے ہیں :۔

"معجزات کے معاملہ میں ایک دوسری مُشکل عموماً اس امر میں پیش آتی ہے کہ خواہ ایک معجزہ، کتنا ہی عجیب و غریب کیوں نہ ہو، اس کی علمی رنگ میں توجیہہ ہو سکتی ہے۔

معجزہ کے بارے میں مولانا کا یہ موقف ان کے ان مقامات قرآن پر تفسیری حواشی میں جہاں خارق عادت امور کا ذکر و بیان ہے۔ بالکل واضح ہے۔

یہ امر کہ حضرت مولانا نے وہ معانی و مطالب نہیں کئے جو متقدمین نے کئے ہیں، قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اعتراض کی صورت تو تب ہوتی کہ مولانا نے الفاظ کے معنی کی مناسبت میں زمانہ نزول قرآن میں ان کے استعمال و معنی۔ عربیت کے اصول و قواعد۔ آیات کے سیاق و سباق اور قرآن و حدیث سے صرف نظر کیا ہوتا۔ اور نص قرآنی کو پس پشت ڈال کر قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا ہوتا۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں قصص و معجزات انبیاءؑ کا بیان ہے عموماً وہاں بھی حضرت مولانا نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ معجزات کا بحیثیت معجزات انکار نہیں کیا بلکہ فی الواقع ان کے معجزات ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور متعلقہ تفسیری روایات کو اسرائیلیات، قصص نصاریٰ اور بے سر و پا کہانیاں قرار دیا ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے وہ اصول تفسیر، زبان و ادب کے قواعد، صرف و استعمال، قدیم کلام کی سند و حجت قرآن کے مخاطبین اولین، اہل زبان کے فہم اور متقدمین کی مستند تفاسیر کی روشنی میں لکھا ہے۔ جہاں تک روایات کا تعلق ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد :۔ "غیر مسلم اقوام کے قصص و روایات اوّل دن سے پھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے اور وہ برابر جسم تفسیر میں پیوست رہے ایک طرف تو صحابہ و سلف کی روایات سے تغافل ہوا۔ دوسری طرف روایات تفسیر کے غیر محتاط جامعوں نے الگ آفت بپا کر دی۔ اور ہر تفسیر جس کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا۔ سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔"

(ترجمان القرآن۔ صفحہ ١٣-١٤)

پھر لکھتے ہیں :۔

"ہر شخص جو تفسیر کے لئے قدم اُٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا۔ اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چلتا رہتا تھا —— کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لئے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔" (ترجمان القرآن۔ صفحہ ١٥)

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں :—

"امت کے بڑے بڑے محققین بھی غیر معصوم ہوتے ہیں کسی ایک کے بھی ہر قول کی تقلید ہر حال میں آنکھ بند کئے کرتے رہنا اور دلیل صریح کے باوجود بھی کئے جانا ہرگز طریق ثواب نہیں"

یہ اقوال حضرت مولانا کے اس انداز فکر کی غمازی کرتے ہیں کہ انہوں نے حقیقت و اصلیت کی چھان بین کے لئے قصص و روایات پر تحقیقی و ناقدانہ نظر رکھی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا اجتہاد کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک کسی قوم کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے اصول دیئے جائیں، لیکن اگر ان کے ساتھ ساتھ اس کی ترقی کا کوئی سامان نہ ہو تو وہ اعلیٰ اُصول بھی آخر کار بے کار ہو جاتے ہیں۔ اصول بمنزلہ ایک جڑ کے ہیں اور فروعات بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔ اگر ایک درخت میں یہ استعداد موجود ہے کہ اس کی شاخیں دُور دُور تک پھیلتی چلی جائیں تو اس کی مضبوط جڑیں بھی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ اسلام میں اصول کی مضبوطی کے ساتھ اس کے اندر ترقی کا سامان اس میں اجتہاد کے دروازے کا کھلا رہنا ہے۔ اجتہاد اصل میں کوشش کرنے یا اپنی عقل کو کام میں لانے کا نام ہے۔ اور مسائل شریعت میں اسلام نے دروازہ کھلا رکھا ہے کہ جن امور کے لئے قرآن و حدیث میں صراحت نہ ہو۔ وہاں مسلمان خود اپنے قوائے ذہنی کو کام میں لا کر استدلال کے ذریعہ سے نئے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ اس اجتہاد کی سہولت سے فائدہ اُٹھا کر حضرت مولانا نے قرآن کریم کے تدبر سے بعض نئے مسائل و انکشافات کی طرف بھی نشان دہی کر ڈالی ہے۔ خلائی پرواز اور ایٹمی جنگ جو سورہ الرحمٰن اور سورۃ دخان میں مذکور ہے۔ قرآنی مقامات پر ایسے تدبر و

(باقی بر صفحہ ١٩ کالم نمبر ٢)

جماعت ہائے احمدیہ فیجی بڑی فعال اور سرگرم ہیں۔

احبابِ سلسلہ مقاصدِ تعلیم و تبلیغِ اسلام کو بڑے خلوص و ایثار کے ساتھ پورے کر رہے ہیں۔

الہام: ”میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دوں گا۔“ کا ایمان افروز نظارہ

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) جزائر فیجی کے سیکرٹری جنرل جناب شوکت علی کی لاہور میں آمد۔

(رپورٹ از: ابو سلمان ایم اے)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے بلاد غیر میں جو مشہور و معروف مشنز تبلیغ دین و اشاعت اسلام کے لئے کھولے، ان میں ایک فیجی مشن بھی ہے۔ یہ مشن اپریل ۱۹۳۴ء میں فیجی کے مسلمانوں کی استدعا پر کھولا گیا۔ جہاں محترم مکرم مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع مبلغ اسلام کو انچارج مشن بنا کر بھیجا گیا۔ فیجی کی سر زمین دنیا کے آخری کونے پر ہزاروں میل چھوٹے چھوٹے تقریباً تین صد جزائر پر مشتمل ہے۔ برطانیہ نے اپنے دور تسلط میں دوسرے برّاعظموں کے لوگوں کو ان جزائر میں آباد کیا۔ برصغیر پاک و ہند کے بیشتر خاندان یہاں آباد ہیں۔ اور ہندوستانی زبانیں بالخصوص اردو زبان عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ آج کل یہ ملک آزاد ہے۔

قیام مشن کے وقت ان جزائر میں آریہ سماج اور عیسائیت کا بہت زور تھا اور وہاں کی مسلمان آبادی مذہبی طور پر پست اور مغلوب حالت میں تھی۔ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع کے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد گویا یہ نقشہ ہی بدل گیا۔ ہر میدان میں آریہ سماج اور عیسائیت کو شکست ہونے لگی۔ اور آپ کی مساعی سے جزائر فیجی میں ایک نہایت باعمل اور طاقتور شاخ اس جماعت کی قائم ہو گئی۔ اور وہاں کے تعلیمیافتہ طبقہ نے اس تحریک کو لبیک کہا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا تصنیف کردہ لٹریچر کثرت سے وہاں پھیلا اور مقامی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔

جزائر فیجی میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے دوسرے مبلغ جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب تھے۔ انہوں نے جماعت احمدیہ کی تعلیم و تربیت کی طرف زور دیا۔ تنظیم قائم کی۔ سکول کو ترقی دی بعد ازاں محترم جناب مولانا احمد یار صاحب ایم اے، ایم او ایل وہاں پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں تعلیم و تبلیغ اسلام کے کام کو بڑی کامیابی سے چلایا۔ جماعتیں قائم کیں۔ مساجد کی بنیاد رکھی اور جماعتی نظام کو مستحکم کیا۔ آپ کی واپسی کے بعد محترم مولانا حافظ شیر محمد صاحب خوشابی خدماتِ دینیہ کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ اور آج تک وہیں سرگرم عمل ہیں۔ آپ نہایت مخلص کارکن ہیں۔ فیجی جماعت کو مستحکم کرنے میں ان کی مساعی جمیلہ کا بڑا حصہ ہے۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ یہ جماعت بڑی فعال اور سرگرم ہے، اور زندہ ہے۔ وہاں کے اراکین جماعت بڑے ایثار اور خدمت و قربانی سے کام لے رہے ہیں اور مقاصد تبلیغ اسلام کو حتی المقدور پورا کر رہے ہیں۔

جزائر فیجی کے احباب و خواتین جماعت اپنے مرکز لاہور کو دیکھنے اور بزرگان سلسلہ کی زیارت سے مشرف ہونے اور احباب و خواتین سے میل ملاقات کے لئے وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے ہیں

اور اس ہفتہ جزائر فیجی کے ایک نہایت معزز مہمان جناب شوکت علی صاحب جنرل سیکرٹری جماعت جزائر فیجی اپنی اہلیہ اور دو ننھے منّے بچوں کے ساتھ تشریف لائے۔ احمدیہ بلڈنگس میں ایک روزہ قیام کے بعد جمعہ مؤرخہ ۱۴ر اکتوبر کو دارالسلام لاہور تشریف لے آئے اور تقریب سوم وصال حضرت امیر مرحوم اور نماز جمعہ میں شرکت فرمائی، اور خواتین و احباب سلسلہ سے خطاب فرمایا جس میں آپ نے فیجی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کیا اور مرکز لاہور سے جو جزائر فیجی کے احباب سلسلہ کی روحانی سرپرستی ہو رہی ہے۔ اس پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اور استدعا کی کہ وہاں کے لوگوں کی روحانی تشنگی کے لئے مبلغین اور لٹریچر کی صورت میں زیادہ سے زیادہ مدد کی جائے۔

سہ روزہ قیام پاکستان کے بعد آپ اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔ آپ ان دنوں ورلڈ ٹور پر ہیں۔ اس دوران وہ مشنز کے بلاد غیر میں گئے۔ اور وہاں کے احباب سے ملاقات کی۔

سہ روزہ پروگرام میں بزرگان سلسلہ سے میل ملاقات اور جماعتی تنظیم و توسیع کی تجاویز اور متعلقہ سرگرمیوں کے بارے میں تبادلۂ خیالات اور باہمی دلچسپی کے موضوع شامل ہیں۔ پیر کی شام کو واپس وطن روانہ ہو رہے ہیں۔

معزز مہمان مسٹر شوکت علی نے راقم الحروف کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ آپ کے آباؤ اجداد ہندوستان کے علاقہ حیدرآباد دکن سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ سرکاری ملازم ہیں اور جماعت کی خدمات آنریری طور پر سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کا تعلق نانڈی انٹرنیشنل ائیرپورٹ سے ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ زہرہ بیگم علی ایک لائبریری سے وابستہ ہیں۔

ان کے جزائر فجی کے علاقوں میں سُوا، لٹوکہ، مارد، نسوری تینو، نانڈی میں مساجد موجود ہیں، جہاں تعلیم و تدریس کا کام ہوتا ہے اور سُوا ہیڈ کوارٹر ہے جہاں ایک عالی شان مسجد کی تعمیر کا منصوبہ جاری ہے۔ باقی مقامات پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

ہیڈ کوارٹر سے تین سال سے ایک رسالہ ”پیغام حق“ اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ جس میں اسلام کے بارے میں مضامین درج ہوتے ہیں۔ اس کے ایڈیٹر جناب نظام الدین صاحب ہیں۔ لاہور سنٹر سے لٹریچر مہیا ہوتا ہے اور وہ تقسیم ہوتا ہے اور زیر مطالعہ آتا ہے۔

مسٹر علی نے بتایا کہ جب سے حافظ شیر محمد صاحب خوشابی تشریف لے گئے ہیں۔ انہوں نے ضرورت کے مطابق مختلف موضوعات پر کتابچے شائع کئے ہیں۔ جو بڑے مفید مطلب ہیں۔ اور تبلیغ اسلام کا مؤثر ذریعہ ہیں۔

اُنہوں نے بتایا کہ حافظ صاحب جماعتوں کے دورے بڑی باقاعدگی سے کرتے ہیں، اور سالانہ اجلاس یکے بعد دیگرے ہر مقام پر منعقد کئے جاتے ہیں۔

گذشتہ چھ ماہ سے خواتین کی تنظیم بھی قائم کی ہے۔ اور حلقہ خواتین میں مناسب حال کام کر رہی ہے۔ مقامی فیجی زبان میں خصوصًا امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، اس پر نظرِ ثانی کی جا رہی ہے۔

مسٹر علی نے بتایا کہ ہماری جماعت اپنا لٹریچر اب مقامی زبان میں ترجمہ کرنے کا پروگرام رکھتی ہے تاکہ وہاں کی مقامی قدیم باشندوں کو ان کی اپنی زبان میں اسلام کی تعلیم پیش کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ جماعت میں خدا کے فضل و کرم سے مخلص اور ایثار پیشہ احباب کی کمی نہیں وہ نہ صرف مالی تعاون کرتے بلکہ مختلف پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔

مسٹر اور مسز شوکت علی نے اپنے قیامِ لاہور کے بارے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ:—

ہمیں مرکز میں آ کر بے حد رُوحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بزرگان اور احباب و خواتین سے تعارف حاصل ہوا ہے۔ نمازوں میں شریک ہو کر دُعائیں کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ یہاں ہمیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے ہی گھر میں اور اپنے عزیزوں کے ساتھ بیٹھے ہیں یہاں کے احباب نے جس حُسنِ سلوک اور شفقت کا برتاؤ کیا ہے وہ ہمیں نہیں بھول سکے گا۔ ہم ایک تازہ ایمان اور تازہ جوش لے کر جا رہے ہیں۔ یہاں آ کر ہم نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ پایا۔ ہم اپنے وطن جا کر اپنے پروگراموں کو یہاں کا رنگ دینا شروع کریں گے۔ مثلاً مختلف قسم کی ایسوسی ایشنز قائم کریں گے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بالخصوص انتظام کریں گے، اور تقریبات میں بھی اضافہ کریں گے۔ تربیتی کورسوں کا بھی آغاز کریں گے، وغیرہ وغیرہ۔

مسٹر اور مسز علی نے کہا کہ:—

ہمیں جس بات کی سب سے زیادہ خوشی حاصل ہوئی ہے وہ یہ کہ یہاں پر ایک الگ تھلگ احمدیہ بستی ہے جہاں ایک خاص احمدی ماحول ہے۔ اور یہاں پر اجتماعی احمدی رنگ نظر آتا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ:—

ہم بزرگان و خواتین و احباب کے انتہائی شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ روایتی احمدی سلوک کیا ہے اور تین دن کے قیام میں ہماری ہر سہولت مدِّنظر رکھی۔ اور ہماری فلاح و بہبود کے لئے دعائیں کیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا سالانہ جلسہ

بمقام قلمدان پورہ سرینگر

بتاریخ ۲۱ر تا ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار، منعقد ہوگا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کی طرف سے قیام و طعام کا مفت انتظام ہوگا۔ ہندوستان کے تمام علاقوں سے احمدی مندوبین کی شمولیت کی توقع ہے ؛

حضرت مسیح موعودؑ کا مولوی محمد علی صاحب کے نام ایک خط — بقیہ صفحہ ۱۲

بقیہ صفحہ ۱۲

کے سلسلہ احمدیہ کے برخلاف فسادات میں احمدیوں کی املاک اور مساجد تک کو جلا دیا گیا۔ اب تک مسجد احمدیہ کوہ مری کے دروازے پر مسجد احمدیہ والا پتھر موجود ہے۔ مگر مسجد مجلس تحفظِ ختمِ نبوت والوں کے ناجائز قبضہ میں ہے۔ قانونی کارروائی کے ذریعہ وہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ انجمن کے معاملات شوریٰ کے ذریعے کثرتِ رائے سے فیصلہ کئے جائیں اور ان پر عمل ہو۔ مگر کیا ہم سب اس پر عمل کرتے ہیں؟ یا قانونی ایچا پیچیوں میں پڑ جاتے ہیں۔

مجھے یاد آیا حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں مسجد مُبارک میں آنے کا راستہ ایک ایسے ٹکڑہ زمین سے ہو کر گذرتا تھا جو کہ حضرت صاحب اور ان کے مخالف رشتہ داروں کا مشترکہ تھا۔ مگر اُن شریر لوگوں نے ایک دفعہ اس زمین پر ایک دیوار کھڑی کر دی۔ اور مسجد میں نمازیوں کے آنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور احمدیوں کو بہت تکلیف پہنچی۔ مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ کئی ماہ گذر گئے اور نمازی تکلیف اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود نے قادیان چھوڑ کر کسی اور جگہ اپنا ہیڈ کوارٹر بنانے کا خیال ظاہر فرمایا۔ مگر الٰہی مدد وقت پر آ گئی۔ مقدمہ حضرت صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اور بعد میں حضرت صاحب نے اپنے مخالف رشتہ داروں پر جو تاوان لگا تھا۔ وہ ان کی درخواست پر معاف کر دیا گیا۔

نتیجہ کیا ہُوا — سلسلہ عالیہ احمدیہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ اور حضرت صاحب کے مخالف رشتہ داروں کا نام و نشان مٹ گیا۔ آج کل مخالف علماء بھی اس سلسلہ کو مٹانے کی فکر میں ہیں۔ غیر مسلم اقلیت تو بنا ہی دیا ہے۔ مگر سو سُنار کی ایک لوہار کی۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو اور اسکے علم الکلام کو تا قیامت زندہ اور بالا رکھے گا۔ مبارک وہ جو اس سلسلہ کے قیام اور خدمتِ دین میں سچّے دل سے کام کریں اور عنداللہ ماجُور ہوں ورنہ جو اس سلسلہ کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلیل کرے گا۔ یہ خدائی وعدہ ہے

حضرت مسیح موعودؑ کی قوّت قدسی کا معجزہ — بقیہ صفحہ ۱۴

بقیہ صفحہ ۱۴

کی اپنی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو کر دنیا کے ہر حصّہ میں پہنچ چکا ہے۔ اور یوں اس ترجمہ کی وجہ سے حضرت صاحب کا نام دُنیا کے کناروں تک پہنچ چُکا ہے۔ یعنی مولانا محمد علی کی تفسیر کو اللہ تعالےٰ نے اس پیشگوئی "میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دوں گا" کو پُورا کرنے کا ذریعہ بنا کر مولانا کو حضرت صاحب میں داخل کر دیا۔ قادیانی جماعت کے بس کی اب یہ بات نہیں رہی۔ کہ وہ حضرت مولانا کو حضرت صاحب سے جُدا کر دکھائیں۔ (باقی — باقی)

حضرت مولنا محمد علی لاہوری امیر جماعت احمدیہ کی تفسیر قرآن — بقیہ صفحہ ۱۷

بقیہ صفحہ ۱۷

تفکر کا اثر مولنا عبدالماجد کی تفسیر میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ "لیکن (قرآن نے) اشارے ایسے بھی رکھے ہیں کہ بعض کی نسلیں اور ہر دور کے مخاطبین اپنی اپنی فہم و استعداد کے ماتحت اس سے روشنی حاصل کر سکیں۔"

(دیباچہ تفسیر صفحہ نمبر ۱)

(باقی — باقی)

حضرت امیر مرحوم مشاہیر عالم کی نظر میں

مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مرحوم

"مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کرکے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت سر انجام دی ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور حیرت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا، میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ اسلام کے ان چند مخلص ترین فرزندوں میں سے ہیں جو سالہا سال سے اسلام کی نہایت گرانقدر خدمات میں مصروف ہیں۔"

(اخبار سچ۔ ۲۵ر جون ۱۹۴۲ء)

مولانا محمد علی جوہر مرحوم

حضرت امیر مرحوم سے بغلگیر ہو کر فرمایا:۔

"مولانا میں آپ کے نام سے بڑا فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ جہاں کہیں اندرون ہند یا بیرون ہند جاتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ہی محمد علی ہوں۔ جس نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ جو علمی دنیا میں بین الاقوامی شہرت کا شاہکار بن گیا ہے۔"

(مجاہد کبیر۔ صفحہ ۳۸۸)

حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ

حضرت امیر مرحوم کی طرف سے دی گئی ایک دعوت کے موقعہ پر حضرت قائد اعظمؒ نے فرمایا:۔

"آپ کی انجمن (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) بہت اعلیٰ کام کر رہی ہے۔ آپ کا "لائٹ" میرے پاس آتا ہے۔ میں ایک سیاسی آدمی ہوں اور سیاسی مضامین کے لئے یہ اخبار پڑھتا ہوں۔ میرے پاس بیرون ملک سے بھی اسلام کے متعلق خطوط آتے ہیں۔ باہر لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں، اس لئے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے لکھتے ہیں۔ میں ایسے خطوط مناسب جواب کے لئے آپ کی انجمن کے پاس بھیج دیتا ہوں۔" (مجاہد کبیر۔ ص ۳۸۹)

مولانا ظفر علی مرحوم

"جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں، جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں رہا۔ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلمبند کرکے شائع فرمائے ہیں۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے۔"

(زمیندار۔ ۱۵ر اپریل ۱۹۱۵ء)

ڈاکٹر شیخ محمد عبد اللہ مرحوم

"مجھے یہاں یورپ میں تبلیغ اسلام کا کام کرتے ہوئے بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ بسا اوقات حضرت مرحوم کی تصانیف کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ اس انسان نے جس نے یورپ یعنی عیسائیت کا مرکز تک نہیں دیکھا کس طرح ہماری تبلیغ کے لئے اس قدر مواد بہم پہنچایا ہے کہ کوئی موضوع و مضمون ایسا نہیں جس پر انہوں نے اپنا قلم نہ اٹھایا ہو۔ کوئی مسئلہ نہیں جس پر روشنی نہ ڈالی ہو اور اس کا حل قرآن و حدیث سے پیش نہ کیا ہو۔

آپ کی کتابوں کے اندر نہ صرف علم کا بے بہا خزانہ محفوظ ہے، اور علمی لحاظ سے اس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ حضرت ممدوح ایک معمولی عالم نہ تھے بلکہ روحانی مصلح کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف نے نہ صرف غیر مسلموں کو راہ ہدایت دکھائی بلکہ خود مسلمان کفر و الحاد سے بچ کر مبلغ اسلام بن گئے۔" (مجاہد کبیر۔ ص ۳۶۹)

روزنامہ "ڈان" کراچی

"مولانا محمد علی صاحب ــــ نے اس نصف صدی میں اسلامی افکار پر اتنا کام کیا ہے کہ شاید ہی کسی اور فرد نے کیا ہو، وہ علمی مسائل میں گہرے ہوئے محققانہ ذہن کے مالک مگر صرف کتابی ہی نہ تھے بلکہ ایک ایسے مبلغ تھے جنہوں نے اس ماحول میں دعوت بلند کی جب کہ ہند و پاکستان میں اسلام مغربی مشنریوں اور ہندوؤں کی احیائی تحریکات کے بے پناہ حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔"

آنریبل خان بہادر شیخ عبد القادر۔ ممبر انڈیا کونسل۔ لنڈن

"احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ایک عرصہ سے اشاعتِ اسلام کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے۔ اس کے سب سے بڑے رکن اور صدر جناب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت ہیں۔ جنہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کرکے انگریزی خواں دنیا کو ممنون احسان کیا ہے۔ آپ ایک ایسے بزرگ ہیں جنہیں اسلام سے سچی محبت ہے۔ اور اہلِ اسلام بلا لحاظ فرقہ و ملت ان کی بے لاگ خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔"

ملک عبد القیوم بار ایٹ لاء پرنسپل لاء کالج لاہور

"مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کی مسلسل کوششوں اور قربانیوں کی مثال پاکستان تو خیر زمانہ حال میں بر اعظم ایشیا میں بھی مشکل سے ملے گی ـــــ آپ کا شمار ان مشاہیر اسلام میں ہے جو خدمتِ اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اس جوئے میں جان بحق ہوئے

آپ ایسے بزرگ ہیں جن کے لئے قرآنی ارشاد ہوتا ہے اولٰئک المقربون فی جنت النعیم۔

نواب بہادر یار جنگ حیدر آباد دکن۔

لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن مجید کی جو خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں سب سے زیادہ میں ان کی انگریزی تصنیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا۔ میں اس کتاب کو مولانا کا ملت اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور ناواقفان مذہب اسلام کے لئے نہایت باثر پیام تصور کرتا ہوں۔

محمد مارماڈیوک پکتھال۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے ——— یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں ہیں۔" (رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

محمد عمر رضا عزل۔ ترکی ادیب۔

"ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور پر آپ نے ہماری رہنمائی کی۔ اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارف اسلام کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے بخوبی واقف تھے۔"

(رسالہ اسلامک ریویو مئی ۱۹۵۲ء)

علامہ اقبال۔

علامہ اقبال کتاب ریلیجن آف اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نہایت مفید کتاب ہے اور مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔

جسٹس سر عبدالرشید۔

"یہ کتاب وسیع معلومات سے پُر ہے۔ بے نظیر ریسرچ کا کام کیا گیا ہے اور ہر اخلاقی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے۔"

چیف جسٹس سر ایس۔ ایم سلیمان

"یہ کتاب نہایت جامع اور دقیق معلومات سے پُر ہے۔ اس میں اسلامی فلسفہ، فقہ، معرفت الٰہی اور شریعت اسلامیہ پر نہایت مفصل اور عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب مصنف کی اعلیٰ قابلیت وسیع معلومات اور انتہائی محنت کا نتیجہ ہے۔

الحاج حافظ غلام سرور مفسر قرآن۔

"پچھلے تیس سال سے مولانا محمد علی نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف کا مقابلہ کر سکے ——— میں نے دس سال تک اس ترجمہ کو اپنے آپ سے جدا نہیں کیا۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں گیا ہوں اسے اپنے ساتھ رکھا ہے۔ مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر یہ میرے ساتھ تھا۔ ۱۹۲۴ء میں مذاہب کی لنڈن کانفرنس میں میرے ساتھ تھا۔"

عبدالمجید سالک مرحوم۔

"مولانا نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے مغرب کو بھی اسلام کا پیغام دیتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے اس پیغام کو پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ صرف عالم دین ہی نہ تھے بلکہ ایک عالی پایہ مفسر و مجتہد بھی تھے ——— مغربی ممالک کے صدہا طالبان حق مولانا محمد علی کے مقالات اور کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے اور یہ مولانا محمد علی کی ہی مساعی کی برکت ہے کہ آج ممالک مغرب میں اسلام کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔

ہفت روزہ الاعتصام۔

"اس سے انکار نہیں کہ گذشتہ سال کی علمی و تصنیفی مساعی میں مولانا محمد علی صاحب کا ایک مقام ہے" (۱۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

ماہنامہ آواز

"مولنا محمد علی صاحب اپنی اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں ہی میں مشہور ہیں بلکہ مغربی ممالک میں بھی خاص شہرت رکھتے ہیں۔" (آواز ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)

معاصر روشنی سرینگر۔

"مولنا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور وہ عظیم الشان ہستی ہیں جو عالم اسلام میں ایک درخشندہ ستارہ کی طرح چمک رہے ہیں۔" (۱۴ر جون ۱۹۴۶ء)

شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب بنگال

"مولنا محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن انگریزی اور اردو میں اور نیز دیگر کتب کی وجہ سے انسان کے دل میں اسلام کی عزت اور توقیر قائم ہو جاتی ہے۔" (بحوالہ پیغام صلح ۱۷ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

مسٹر اے جے خلیل ایڈوکیٹ ہائی کورٹ میسور

"مولانا محمد علی صاحب اسلام کے حقیقی مجاہد تھے۔ جس نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھا دیا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے .... دنیا نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا۔ جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ آپ اس صدی کے حقیقی مجاہد اعظم تھے.......... اس قسم کے انسان قیامت کے دن تک شاذ و نادر ہی پیدا ہوں گے۔ اور مسلمان قوم اس جگہ کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی جو اس خادم اسلام نے خالی کی ہے۔"

(مجاہد کبیر۔ صفحہ ۳۵۳)

ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع انسان کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔"

(منظور الٰہی صفحہ نمبر ۱۸۸)

۱۲ر فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت اقدسؑ نے بُلا کر فرمایا کہ :-

"ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آج کل ان مُلکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا......... اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ...... ان لوگوں کا حق ہے کہ **ان کو حقیقی اسلام دکھایا جائے جو خدا تعالےٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں۔** وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں ...... ان سب باتوں کو جمع کیا جائے جن کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ ہے۔"

(بدر مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء)

غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے تالیفات کے سلسلہ کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا انتخاب فرمایا اور حضرت امیر مرحوم نے لکھا ہے کہ :-

"حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وفات سے قبل ۱۹۰۷ء میں ایک خواہش ظاہر فرمائی تھی اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اسلامی مسائل کے متعلق انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی جائے .... ۱۹۲۸ء میں ایک دوست نے ایک پادری کی لکھی ہوئی کتاب مجھے دی جس میں اسلامی تعلیم کو بگاڑ کر دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے خود اسلامی مسائل کے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کر دی۔"

(پیغام صلح ۷ر فروری ۱۹۳۶ء)

قریباً ۸ سو صفحات کی اس ضخیم کتاب کے تین حصے ہیں۔ اس کتاب نے مشاہیر عالم سے زبردست خراج عقیدت وصول کیا۔ چنانچہ جیسے میں نے بیان کیا مسٹر محمد مارما ڈیوک پکتھال اکتوبر ۱۹۳۲ء کے رسالہ "اسلامک کلچر" میں لکھتے ہیں :-

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور سے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

حضرات! آپ غور فرمائیں یہ ایک انگریز نومسلم کی رائے ہے انگریز کی خوبی ایک یہ بھی ہے کہ وہ عموماً جھوٹ نہیں بولتا۔ سوائے پادریوں اور مشنریوں کے کہ وہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں اور اس کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرتے۔ یہ شخص احمدی بھی نہیں۔ نہ ہی کسی احمدی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔ بلکہ از خود تحقیق کرنے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ کس طرح حقیقت کو بیان کر رہا ہے۔

ایک اور مقام پر ان کا کہنا ہے کہ ان دو اصحاب (حضرت امیر مرحوم اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ) کی خدمات سے جماعت احمدیہ کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ "ریلیجن آف اسلام" کے بارے تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ ان کا شاہکار ہے۔

حضرات! میں کہتا ہوں کہ شاید صدیوں تک ایسا شخص پیدا نہ ہو۔ آپ نے تجدید اسلام بھی کی اور قرآن و سنّت سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا۔ قرآن و سُنّت کے تقاضوں کے مطابق نئی فقہ بنائی جانے کی ضرورت اگر زمانہ کو ہوئی تو آپ دیکھیں گے کہ اس راستہ سے بہتر کوئی اور راستہ نہیں جو مولانا نے دکھایا ہے۔

دوسرے صاحب حافظ غلام سرور صاحب مفسر قرآن ہیں۔ اپنے ترجمہ و تفسیر کے دیباچہ میں حضرت امیر مرحوم کے ترجمہ و تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"پچھلے تیس سال سے مولانا محمد علی صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن صرف ایک ہی کتاب نہیں ہے جو انہوں نے لکھی ہو۔ ان کی وجہ سے ان کا نام قرآن کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۱۹۱۷ء سے جب سے یہ ترجمہ چھپا ہے، اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

پھر لکھتے ہیں :-

"انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسا نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی اس معرکۃ الآراء تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

غور فرمائیں! کہتے ہیں کہ "ان کا نام قرآن کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا" مُردہ کس طرح زندہ ہوا اور کس طرح زندہ ہے؟ مُردوں کو زندہ کرنا حضرت مسیح ناصری کا کام تھا۔ اس زمانہ کے مسیح نے بھی مُردہ کو زندہ کیا بلکہ زندہ جاوید بنا دیا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ زندہ ہو گئے حضرت امیر مرحوم خود لکھتے ہیں کہ :-

"میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں .... میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

(دیباچہ بیان القرآن)

انگریزی ترجمہ و تفسیر کے دیباچہ میں بھی آپ اس حقیقت کا یوں اعتراف کرتے ہیں :-

"اگرچہ میں نے سلف صالحین کی خدمت سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر قرآن کریم کی محبت ... اور خدمت کا شوق میرے دل میں اس زمانہ کے مجدد و امام بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پیدا کیا۔ میں نے آپ کے رُوحانی فیوض و برکات کے بہائے ہوئے چشمہ سے سیراب ہو کر پیا ہے۔" (انگریزی دیباچہ قرآن)

حافظ غلام سرور صاحب مزید لکھتے ہیں کہ :-

"یہ خیال نہ کیا جائے کہ مولانا نے کوئی نئے معنی قرآن کریم میں داخل کر دیئے ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ جو معانی آپ نے پیش کئے ہیں یا تو وہی صحیح ہیں۔ یا پھر اپنی رائے کی تائید میں بھاری اسناد پیش کی ہیں۔"

حافظ صاحب مزید کہتے ہیں کہ مولانا نے جو دیباچہ لکھا ہے اس میں

(باقی بر صفحہ ۲۲ کالم ۱)

بیگم صاحبہ حضرت امیرِ مرحوم و مغفور کا انتقالِ پُرملال

یہ خبر جماعت کے تمام حلقوں میں دلی غم و اندوہ کے ساتھ سُنی جائے گی کہ محترمہ بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ (والدہ صاحبہ میاں محمد احمد صاحب و میاں حامد فاروق صاحب) بروز یکشنبہ مؤرخہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۷۷ء بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب انتقال فرما گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ابھی دو روز پہلے ان کے شوہر نامدار حضرت مولانا محمد علی صاحب کا چھبیسواں یوم وفات منایا گیا اور جماعت احمدیہ لاہور کے ایک کثیر مجمع میں انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

مرحومہ موصوفہ عمر بھر تنظیم خواتین احمدیہ اور مسلمان خواتین کی علمی، سماجی اور دینی فلاح و بہبود کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتی رہیں اور قومی امور کی سرانجام دہی میں حضرت امیر مرحوم و مغفور کا ہاتھ بٹاتی رہیں۔

گذشتہ چند سالوں سے وہ دمہ کے عارضہ سے بیمار تھیں اور کئی دیگر عوارض بھی لاحق تھے۔ لیکن اس تمام عرصہ میں انہوں نے بڑے صبر و شکر اور اطمینان قلب سے ہر تکلیف کا مقابلہ کیا اور کبھی شکوہ زبان پر نہیں آیا۔ اس پیرانہ سالی اور کمزوری کے باوجود سالانہ جلسہ یا کسی اور اہم تقریب میں ضرور شامل ہوا کرتی تھیں، اور سماجی کاموں میں بھی دلچسپی لیتی تھیں۔

مرحومہ نے اپنے قدسی نفس شوہر کی وفات کے چھبیس سال اور تین دن بعد اکاسی سال کی عمر میں اس عالمِ فانی سے کوچ کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی رُوح پر اپنی برکات نازل کرے اور اعلیٰ علیین میں انہیں جگہ عنایت فرمائے آمین۔ مرحومہ کو قبرستان میانی صاحب میں حضرت امیر مرحوم کے مزار کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ جملہ احباب سے اور جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ (مرزا مسعود بیگ جنرل سیکرٹری)

عظیم الشان تحقیق سے کام لیا گیا ہے وہ ایک ریسرچ ورک ہے اس میں آپ نے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر حافظ صاحب بیان کرتے کہ حضرت مولانا کی یادداشت بڑی تیز تھی۔ ان کا دماغ بہ یک وقت باریکیوں پر بھی جاتا تھا، اور مسائل پر بھی وسیع النظر بھی تھا۔

تیسرے صاحب مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی مشہور عالمِ دین ہیں۔ انگریزی میں مترجم قرآن ہیں۔ وہ اخبار نکالتے تھے۔ جس کا نام "سچ" پھر "صدق" اور پھر "صدق جدید" ہوا۔ حضرت امیر مرحوم کے ترجمۃ القرآن کے بارے لکھتے ہیں:۔

"مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت سرانجام دی ہے، اس کی تبلیغی افادیت کا اعتراف نہ کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی، بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائی میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔"

(اخبار سچ ۲۵/ جون ۱۹۴۲ء)

ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:۔

"مرحوم کی خدمات اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود کا انکار کرنا ہے۔ آج سے ۳۱ سال قبل جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد میں غرق تھا مرحوم کے انگریزی ترجمۂ قرآن نے ہی دستگیری کی ورنہ خدا معلوم کتنی اور مدت میں بھٹکتا رہتا اور میری طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمعِ ہدایت ثابت ہوا ہوگا۔"

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۲ ذیقعد ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو

......" مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبۃ النصوح کر کے پھر بھی ویسے کج دل ہیں...... اور انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے اور گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا ہوتے ہیں.......... کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑوں کی طرح دیکھتے ہیں۔ وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کہتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آویں........

........" اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ دو سو سے زیادہ ہی ہیں۔ جن پر خدا تعالےٰ کا فضل ہے۔ جو نصیحتوں کو خوش کر روتے اور عاقبت کو مقدّم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہے لیکن میں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے؟ یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے؟ نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہے؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدّم نہ ٹھہراوے.......... کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری شیخیاں دُور نہ ہو جاویں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبولِ الٰہی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصّہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں.........

.... میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے ربّ سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا چیز ہے؟ جب تک فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر اُمید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتی ہے۔ ایسا ہی جسمانی رکوع اور سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اسی کی طرف جھکے اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دُعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے، کئے جاؤں گا اور دُعا یہی ہے کہ خُدا تعالےٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتوں اور کینوں کو ان کے دلوں سے اُٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کرے۔" (شہادت القرآن۔ بعنوان التوائے جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء)

رپورٹ جلسہ یومِ وصال

منعقدہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۷ء جامع احمدیہ دارالسلام لاہور

(از جناب چوہدری نذر ربّ صاحب صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور)

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی سال بھر کی مختلف تقریبات میں دو اہم تقریبات خصوصیت کی حامل ہیں۔ ایک تقریب یوم محمد علیؒ دوسری مقامی انتخابات۔ چنانچہ مقامی جماعت نے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد دارالسلام لاہور میں ان دو تقریبات کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں جماعتِ احمدیہ کے احباب و خواتین اور دیگر ذیلی تنظیموں کے عہدیداروں اور ممبران نے کثرت سے شرکت کی۔ اور اپنے محبوب امیر مرحوم کو شایانِ شان ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

یومِ محمد علیؒ کی تقریب

۱۴ر اکتوبر، ۹ بجے صبح جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کی زیر صدارت تقریب یوم محمد علیؒ کا آغاز ہوا۔ جس میں مختلف مقررین نے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کی اسلامی خدمات کے بارے میں اظہار خیال فرمایا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مقامی جماعت کے سیکرٹری محترم ماسٹر عبدالسلام صاحب نے انجام دیئے۔

کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ انڈونیشیا کے مسٹر سکندر طالب علم تبلیغی کلاس نے تلاوت کی۔ مدیحہ رسُول اور شاہدہ جنجوعہ نے "تڑپا رہی ہے دل کو محمد علی کی یاد" ترنم سے نظم پڑھ کر حضرت امیر مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ فاضل مبلغ مرزا محمد لطیف شاہد نے "مولانا محمد علی حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں" کے عنوان پر مدلل تقریر فرمائی۔ جس میں حضرت مسیح موعود کے کشوف و الہامات اور آپ کے ارشادات و تحریرات کی روشنی میں حضرت امیر مرحوم کا مقام و مرتبہ بیان کیا اور خود حضرت امیر مرحوم کی خدمات دینیہ اور تالیفات و تصنیفات اسلامیہ پر ایمان افروز روشنی ڈالی۔

محترم محمد اعظم علوی صاحب نے اپنا منظوم کلام پیش کیا، دو شعر ملاحظہ ہوں:

آسودۂ منزل کس سے کہوں کیا گذری دین کے ماتوں پر
جو نور کے تڑکے جاگے تھے کس طور سے انکی شام ہوئی
جب تیری یادیں روشن تھیں سب راہیں روشن روشن تھیں
پھر تیری یاد دھندلائیں تدبیر جو کی ناکام ہوئی

بعد ازاں محترم مسعود اختر ایڈوکیٹ صاحب نے "تحریک احمدیت میں حضرت مولانا محمد علیؒ کا مقام" پر ایک محققانہ تقریر کی۔ جس میں آپ نے شواہد و واقعات سے ثابت فرمایا کہ آپ کو سلسلہ احمدیہ میں ایک خصوصی اور ممتاز انفرادی مقام حاصل ہے۔ آپ نے جو لٹریچر تیار کیا اور اس سے جو عالم انسانیت مستفید اور مستفیض ہو رہی ہے اس نے حضرت مولانا کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اور تجدید احمدیت کے رنگ میں، اور عقائد کی اصلاح کی صورت میں جو آپ نے علمی جہاد کیا ہے وہ نہایت شاندار کارنامہ ہے جو احمدیہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

چوہدری صاحب موصوف کے بعد مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری انجمن احمدیہ لاہور نے "حضرت امیر مرحوم کا پیغام احمدی نوجوانوں کے نام" کے موضوع پر ایک سبق آموز اور یقین افروز تقریر فرمائی حضرت امیر مرحوم نے احمدی نوجوانوں سے کس قسم کی توقعات رکھیں اور ان کو کس مقام و رتبہ پر حضور دیکھنا چاہتے تھے۔ ان امور پر تفصیلاً ذکر فرمایا (آپ کی تقریر اس اشوع میں دوسری جگہ شائع ہو رہی ہے)

بعد ازاں محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ایڈیٹر "لائٹ" نے "حضرت امیر مرحوم اور مشاہیر عالم" کے موضوع پر تقریر فرمائی، جس میں بعض مفکرین اسلام کی آراء کی روشنی میں حضرت امیر مرحوم کے مقام و مرتبہ اور آپ کی خدماتِ عظیمہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا (آپ کی یہ تقریر پیغام صلح کے گذشتہ شمارہ میں شائع ہو چکی ہے) دیگر فاضل مقررین کی تقاریر کا مکمل متن موصول ہونے پر پیغام صلح کی کسی اگلی اشاعت میں ہدیہ قارئین کرام کیا جائے گا۔

محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کی صدارتی تقریر اور دعائے خیر کے بعد اس اجلاس کا اختتام ہوا۔

مقامی انتخابات

آج کے پروگرام کا دوسرا اجلاس محترم ڈاکٹر وحید احمد صاحب صدر مقامی جماعت کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ سیکرٹری جماعت لاہور نے سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جس میں گذشتہ سال بھر کی تقریبات اور کارگذاری بیان کی گئی تھی۔ ازاں بعد ۷۷ — ۷۸ کے لئے مقامی عہدیداران و مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں آیا جس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

انتخابات کے بعد مقامی جماعت لاہور کے نئے صدر محترم نذر ربّ (چوہدری) کی صدارت میں باقی پروگرام جاری رہا۔ نئے سال کے لئے بجٹ پیش کیا گیا۔ جس کو چند ترمیمات کے بعد پاس کر دیا گیا۔

اختتام کارروائی پر مقامی جماعت کی طرف سے حاضرین کو سالانہ دعوت طعام دی گئی۔ جس میں احباب و خواتین نے شرکت کی۔

مجلسِ انتظامیہ مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور برائے سال ۷۸-۱۹۷۷ء

عہدیداران:-

صدر: (چوہدری) نذر ربّ صاحب
نائب صدر اول: چوہدری عبداللطیف صاحب
" " دوم: ملک اعزاز الٰہی صاحب
سیکرٹری: ماسٹر عبدالسلام صاحب
نائب سیکرٹری: چوہدری ناصر احمد صاحب
محاسب: چوہدری غفور احمد ملہی صاحب

ممبران:-

(۱) میاں فضل احمد صاحب
(۲) ڈاکٹر وحید احمد صاحب
(۳) ڈاکٹر مبارک احمد صاحب
(۴) چوہدری منصور احمد صاحب
(۵) چوہدری خالد احمد صاحب
(۶) ماسٹر محمد عبداللہ صاحب
(۷) شیخ عبدالرحمٰن جموی صاحب
(۸) ضیاء الرحمٰن صاحب
(۹) مولوی عبدالرؤف کھوکھر
(۱۰) نمائندہ شبان الاحمدیہ
(۱۱) نمائندہ انجمن خواتین احمدیہ
(۱۲) عبدالغنی بٹ صاحب بحیثیت محصّل

نذر ربّ (چوہدری) صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

نفاذِ شریعت

ابتداء سے ہی مختلف حلقوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ چونکہ پاکستان ایک نظریاتی مُلک ہے کیونکہ اس کے حصُول کے لئے لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ بلند کیا گیا تھا اور برصغیر کے مسلمان اسی نعرہ کی کشش کی وجہ سے مُسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں فوری طور پر اسلامی نظام نافذ کیا جائے۔ اس نظام کے نفاذ میں تاخیر نے عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ اور اب تو یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ :۔

"ہم صرف قائدِ اعظم ہی کے نہیں بلکہ اس پُوری قیادت کے خلاف تھے جو تحریکِ پاکستان کو چلا رہی تھی، کیونکہ یہ لوگ سچے مسلمان معلوم نہیں ہوتے تھے۔"

(روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی۔ ۹ر ستمبر ۱۹۷۷ء ص۷)

سائنس کی دنیا میں اگر کوئی "اخلاص پیما" ایجاد ہو جاتا تو تحریکِ پاکستان کی قیادت کی سچائی۔ صداقت۔ خلوص۔ نیت اور ارادوں کی پیمائش کی جا سکتی تھی جو حصول پاکستان کی جدوجہد کے پیچھے کارفرما تھے۔ لیکن اللہ تعالےٰ ہی علیم بذات الصدور ہے۔ اگر کوئی انسان یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ بھی سینوں کی باتوں سے واقف ہے تو وہ آپ کو اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اگر واقعات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ہر انصاف پسند انسان یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گا کہ تحریکِ پاکستان کے قائدین کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار اور انہیں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے مطعون کرنا صریح نا انصافی اور ظلم ہے اور ان کی نیک نیتی پر شُبہ کرنا بہت بڑا ستم ہے۔

اس تحریک کے قائدِ اعظم قیام پاکستان کے بعد صرف ایک سال اور چند دن زندہ رہے۔ یہ عرصہ بھی ایک جان لیوا بیماری کے ساتھ کشمکش میں گذرا۔ اس کے سیکرٹری جنرل اور پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم چار سال بعد اپنے سینے پر گولیوں کی بوچھاڑ سہتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اسی دستے میں مولٰنا شبیر احمد عثمانی مرحوم بھی شامل تھے۔ کیا وہ بھی سچے مسلمان معلوم نہ ہوتے تھے۔ ایک نوزائیدہ مملکت کی زندگی میں چار سال کی مُدّت کو کتنی اہمیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلامی نظام تو ان اسلامی ریاستوں میں بھی قائم نہ ہو سکا جو صدیوں سے وجود میں آئیں۔ یہاں چار سال کے عرصہ میں کیا کچھ ہو سکتا تھا۔

ہمارے پڑوسی ممالک میں جو قریب قریب ہمارے ساتھ ہی آزاد ہوئے تھے ایک طرف "نہرو خاندان کو یہ سعادت حاصل" رہی کہ وہ تیس سال تک [illegible] خود دس سال تک زندہ رہے اور اس عرصہ میں وہ اپنے مُلک کے سیاسی [illegible] کو ٹھوس بُنیادوں پر قائم کر گئے۔ ان کے بعد آنے والوں نے کم و بیش انہی [illegible] اُصولوں پر اپنے مُلک کو چلانے کی کوشش کی اور ہر میدان میں وہ پاکستان سے بہت آگے بڑھ گئے۔

دوسری طرف چین ۱۹۴۹ء میں آزاد ہُوا۔ ماؤزے تنگ اور چو این لائی کو چھبیس ستائیس برس کی مدت میسر آئی اور انہوں نے اپنے عوام کے تعاون اور ان تھک محنت سے عوامی جمہوریہ چین کے سیاسی اور معاشی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ قوم کا مزاج [illegible] سانچے میں ڈھل گیا۔ اب یہ قوم سُپر پاورز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کے قابل ہو گئی ہے اور وہ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہو گئی ہیں۔

جو سچے مسلمان نہ تھے انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کو عملی شکل و صُورت دینے کے لئے ایسے نامساعد اور ناموافق حالات میں جب ہندو۔ انگریز اور خود "سچے مسلمان" ان کے شدید مخالف تھے ایک ملک تو حاصل کر لیا، لیکن یہ "سچے مسلمان" تیس سال کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی نظامِ اسلام کی کوئی قابلِ عمل صورت پیش نہ کر سکے۔ اس کے برعکس ان کی اپنی ایسی تحریریں موجود ہیں جن میں نفاذِ شریعت کو اس بناء پر ناقابلِ عمل قرار دیا گیا ہے کہ مُسلمان مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی تعریف پر بھی متفق نہیں ہو سکتے۔

منیر کمیشن کی رپورٹ نے اس معاملہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جو علماء بھی کمیشن کے سامنے پیش ہوئے انہوں نے مُسلمان کی ایسی تعریف کرنا چاہی کہ ان کے مکتبۂ فکر اور فرقے سے تعلق رکھنے والے تو مُسلمان قرار پائیں اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان اس تعریف کے نیچے نہ آ سکیں۔ اور سب کی یہی کوشش رہی کہ کوئی ایسی تعریف کی جائے جس کے رُو سے احمدی مسلمانوں میں شامل نہ ہو سکیں۔ جب حالت یہ ہو تو شریعت اور اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ البتہ احمدیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے پر سب متفق تھے۔

ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ جدید سائنسی اور تکنیکی دَور میں پیش آمدہ مسائل کی اگر ایسی توجیہہ اور تشریح کی جائے جو قرآن و سنت کے بُنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ اسلام آج بھی ایسا ہی قابلِ عمل ہے جیسا آج سے چودہ سو سال قبل تھا۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدین کے دَور میں ہمیں ایسی نظیریں ملتی ہیں جو اس بات کا پختہ ثبوت ہیں کہ انہوں نے انسانوں کے مسائل حل کرنے کے لئے تدبّر اور غور و فکر سے کام لیا اور بعض معاملات میں ایسے فیصلے دیئے جو آج کل کے علماء کے نظریہ کے مطابق قرآن کریم کے بظاہر خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ آنحضرت صلعم کی ایک حدیث ہے کہ پھَل کی چوری کے لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ابوداؤد ۷۱-۳-۱۳) اسی حدیث کے تحت مروان نے مدینہ کی گورنری کے دوران میں ایک غلام کو کسی کے کھجور کے باغ سے پودے چرانے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی بلکہ کوڑے لگوائے۔ (ابوداؤد ۱۳-۲۷)

اسی طرح ابو داؤد۔ ترمذی اور نسائیؔ میں ایک حدیث اس طرح نقل کی گئی ہے کہ سفر میں چوری کے لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

"سچے مسلمانوں" کی طرف سے ایک خاص طبقہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے لیکن ان کا یہ کہنا قرآن کریم کے صریحاً مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے :۔

" ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنو ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ یغفرلھم ولا لیھدیھم سبیلا"

(النساء۔ ۱۳۷)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے۔ پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کُفر میں بڑھ گئے تو اللہ یہ نہیں کہ ان کی مغفرت کرے اور نہ یہ کہ ان کو راہ پر سیدھا چلائے۔

اگر ایک شخص ایمان لایا اور پھر کافر ہو گیا تو اسے قتل کر دینا چاہیئے تھا۔ اب اس کے لیے یہ موقعہ کہاں رہ جاتا ہے کہ پھر ایمان لاتا اور

اور پھر کافر ہوتا۔ بار بار ایمان لانا اور بار بار کفر میں لوٹنے کی اجازت دینا تو ان "سچے مسلمانوں" کے عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔ لیکن قرآن کے عین مطابق، کیونکہ قرآن کریم انسان کے آزادی رائے اور آزادیٔ ضمیر کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:—

"و من یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئك حبطت اعمالهم فی الدنیا والاخرة ج و اولئك اصحاب النار هم فیها خالدون" (البقرہ—۲۱۷)

"اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھرے پھر مر جائے حالانکہ وہ کافر ہی ہو۔ سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے۔ اور یہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔"

اس آیت کریمہ میں "فیمت" استعمال ہوا ہے یعنی طبعی موت مر جائے۔ طبعی موت قتل کی موت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہاں کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے معنی قتل لئے جائیں۔

"النحل: ۱۰۶" میں ایمان کے بعد اللہ تعالے کے انکار کی دو صورتیں ہمارے سامنے رکھی گئی ہیں:—

"من کفر بالله من بعد ایمانه الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیهم غضب من الله ولهم عذاب عظیم۔"

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرتا ہے مگر وہ نہیں جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے تو اُن پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ایک وہ انسان ہے جسے ایمان کے بعد انکار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جو انکار کے بعد کفر پر راضی ہو جاتا ہے۔ زبان سے دونوں ہی انکار کرتے ہیں اس لئے ان کے زبانی انکار کے مطابق دونوں مرتد ہیں اور دونوں کو قتل کر دینا چاہیئے، لیکن یہاں صرف اللہ کے غضب اور عذاب کا ذکر ہے اور وہ بھی ان کے لئے جو کفر پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور جس نے زبانی انکار کیا ہے مگر اس کے دل نے انکار نہیں کیا اس کے لئے یہ سزا بھی نہیں اور قتل کا یہاں دونوں کے لئے کوئی ذکر نہیں۔ ایسی ہی اور کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

اختلاف رائے خواہ مذہبی امور میں ہو یا دنیوی امور میں ایک قدرتی امر ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں اختلاف رائے باعثِ رحمت ہے۔ لیکن مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے اس کو عداوت اور دشمنی کی حد تک بڑھا کر باعثِ زحمت بنا دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم اس میں بھی ہماری رہنمائی فرماتا ہے:—

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہو یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔" (۴: ۵۹)

اگر اس اصول پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے باہمی اختلافات کو قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کے عمل کی روشنی میں آپس میں بھائیوں کی طرح بیٹھ کر حل کر لیا جاتا تو مسلمانوں میں آج یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بے شمار فرقے نہ ہوتے۔ اور بفرضِ محال بحث و تمحیص کے بعد بھی اتفاق رائے کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو تو یہ مدِنظر رکھتے ہوئے کہ قرآن کریم اور احادیث سے، بیان کردہ بنیادی اُصولوں میں کوئی تنازع نہیں تو ایک دوسرے کے اختلافی نقطۂ نظر کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے اسلامی اخوت کو نفسانی خواہشات پر قربان نہ کیا جاتا۔ اور ملتِ اسلامیہ کو افراتفری انتشار اور لاقانونیت کے راستہ پر نہ ڈالا جاتا۔ جس کے سنگین نتائج اور خطرات آج ہمارے سامنے ہیں اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے ساری دُنیا کے مسلمان سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔

اسی سورۃ الفاتحہ میں ہی ہمیں ان الفاظ میں خبردار کر دیا گیا تھا:—

"تو ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اُن لوگوں کے رستے پر جن پر تو نے انعام کیا نہ اُن کے جن پر غضب ہوا۔ (یہودی) اور نہ گمراہوں کے (عیسائی)"

کیونکہ یہودیوں اور عیسائیوں میں اسی طرح فرقہ بندی کو راہ ملی جیسا کہ فرمایا گیا ہے:—

"انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہوا ہے اور مسیح ابنِ مریم کو اور ان کو سوائے اس کے کچھ حکم نہ دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔" (التوبہ: ۳۱)

یعنی اُنہوں نے خدا کے احکام کو ترک کر کے وہ راستہ اختیار کر لیا جس پر ان کے عالموں اور راہبوں نے ان کو چلایا۔ خدا کے حکم کی حکم عدولی کی اور انسانوں کے حکم کو اس پر ترجیح دینا عملاً شرک ہے زبان سے خواہ اقرار ہی کرتا رہے۔

اور مؤمنوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان احبار اور رہبان کے کردار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:—

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"

(التوبہ: ۳۴)

مؤمنوں کو مخاطب کر کے کہنے کا مطلب یہی ہے کہ تم میں بھی ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہو جائیں گے جو اپنی دُکان چمکانے کے لئے تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے کی تدابیر کریں گے۔ کیونکہ اگر مؤمن قرآن و سنت کی تعلیم سے واقف ہو جائیں گے تو ان کے فریب اور جھانسے میں آنا ممکن نہ ہوگا۔ اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ من مانی تفسیروں کے ذریعے ایسی تاویلیں کریں گے جن کا قرآن اور سنت کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن عوام الناس حقیقت سے ناآشنا ہونے کی بناء پر ان کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور انہیں "اربابا من دون الله" کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ جب کثرت ایسے احبار اور رہبان کی ہوگی تو ان علماء ربانی کی جو لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے کچھ پیش نہ جائے گی بلکہ ان کی ایسی شدید مخالفت ہوگی کہ عوام الناس ان کی طرف رُخ کرنا بھی گناہ سمجھیں گے۔ تکفیر بازی اور فرقہ بندی کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔

زمانہ جامد نہیں متحرک اور ترقی پذیر ہے۔ ہر دَور میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے اولیاء، آئمہ اور مجددین نے قرآن اور سُنت کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اپنے دَور کے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ جن لوگوں کے مفاد پر ایسے حل سے زد پڑتی تھی انہوں نے ان کے خلاف ہنگامے کھڑے کئے اور عوام کو ان کا نقطۂ نظر سمجھنے سے روکنے کے لئے ان پر کفر کے

فتوے لگائے۔ اور نہ جانے کن کن خلافِ تہذیب و شائستگی ناموں سے اُنہیں پُکارا۔ ستم یہ ہوا کہ ان آئمہ اور مجددین کے پیرو کاروں نے آگے چل کر اپنے نظریات سے اختلاف رکھنے والے دوسرے آئمہ اور مجددین کے ساتھیوں کو کافر کہا کیونکہ اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ جو کچھ کوئی پہلا امام اور مجدد کہہ گیا ہے وہ حرفِ آخر ہے اور اس میں کسی بھی کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں خواہ یہ زمانہ کے تقاضوں کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یوں "اربابًا من دون اللہ" کی تقلید کی بنیاد پڑی اور ملتِ اسلامیہ بہتر تہتر فرقوں میں تقسیم ہو کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ مخالف قوتوں نے اس سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ خود ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں رکھا۔

تمام فرقوں کے ایک دوسرے کے خلاف فتاویٰ کُفر کے انبار کے انبار موجود ہیں۔ اس کی انتہا یہ ہوئی کہ لاکھوں انسانوں کو جو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے ہیں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین میں ترمیم کے ذریعہ غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ وہ آج بھی بڑی پابندی سے ارکانِ اسلام پر عمل کرتے ہیں۔

ہمیں ان گذارشات کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیلِ نو کے بعد اسے ایسی سفارشات پیش کرنے کو کہا ہے جس کی روشنی میں مروجہ قوانین کو قرآن اور سُنت کے مطابق بنایا جا سکے۔ چونکہ ایسے قوانین کا اطلاق مسلمانوں پر ہوگا اس لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے قرآن اور سُنت کے مطابق "مُسلمان" کی تعریف کی جائے۔ کیونکہ شرعی قوانین کا نفاذ پاکستان میں بسنے والی غیر مُسلم اقلیتوں پر نہیں ہوگا۔ ان کے لئے قوانین یا تو ان کی مذہبی کتابوں کے مطابق بنانے ہوں گے یا مروجہ قوانین کو جُوں کا تُوں رکھنا ہوگا۔ اس لئے جن لوگوں کو شرعی قوانین کے مطابق بسر کرنے کا پابند کرنا ہوگا۔ ان کی تعریف بھی ضروری ہوگی۔ قرآن اور احادیث میں یہ تعریف بڑے واضح الفاظ میں موجود ہے۔ قرآن کریم نے مومن اور کافر کے درمیان فرق ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:—

"رسُول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اُتارا گیا اور مُومن بھی۔ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسُولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسُولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے ہم نے سُنا اور فرمانبرداری کی اے ہمارے رب تیری حفاظت چاہیئے اور تیری طرف ہی انجام کار پہنچنا ہے۔" (البقرہ: ۲۸۵)

کافروں کو مومنوں سے تمیز کرنے کے لئے فرماتا ہے:—

"وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسُولوں کے درمیان فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ نکالیں وہ سچ مچ کافر ہیں (اولٰئک هم الکٰفرون حقًا) اور ہم کافروں کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے" (النّساء: ۱۵۰-۱۵۱)

چونکہ ایمان کا تعلق دِل سے ہے اس لئے مومن یا مسلمان کی شناخت کے لئے بھی کوئی ایسا کلمہ ضرور ہونا چاہیئے ہیں جس سے وہ پہچانا جا سکے وہ کلمہ یہ ہے:—

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں" (النّساء: ۹۴)

حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ تین باتیں اپنے اندر جمع کر لیں اس نے ایمان کو جمع کر لیا۔ اپنا انصاف اپنے دل میں کرنا۔ اور سب کو سلام کہنا اور تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔ اسی کے متعلق ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو باوجود السّلام علیکم کہنے کے قتل کر دیا گیا۔ آنحضرت صلعم کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ آپ کے استفسار پر جب آپؐ کو یہ بتایا گیا کہ اس نے محض موت کے ڈر سے السلام علیکم کہا تھا تو آپؐ نے قاتل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا هلا شققت قلبه۔ کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا؟ یعنی جو اس نے زبان سے کہہ دیا تھا اسے ہی کافی سمجھ لیا جاتا کہ کہنے والا مُسلمان ہے۔

بخاری شریف میں کتاب الایمان کے تحت یہ حدیث حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:—

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا"

پھر ایک اور حدیث میں آنحضرت صلعم نے مسلمان کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے۔

"یہ جو کوئی ہماری نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے۔ اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھاتا ہے تو یہی مسلمان ہے۔ اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔"

قرآن کریم اور احادیث میں بیان کردہ مؤمن اور مسلمان کی اس تعریف کے بعد کہ وہ اللہ۔ اس کے رسُول۔ اس کی طرف اتاری گئی کتاب یعنی قرآن کریم۔ آپؐ کے پہلے تمام رسُولوں ان کی کتابوں۔ ملائکہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے والا۔ اور یہ شہادت دینے والا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ صلعم اس کے رسُول ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے فرائض ادا کرنے والا مُسلمانوں کی طرح نماز پڑھنے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے اور مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے والا اور السّلام علیکم کہنے والا مؤمن اور مُسلمان ہے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم۔ فقیہہ۔ مجتہد۔ امام۔ ولی۔ مجدد یا اسمبلی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے مؤمن یا مسلمان کی من مانی تعریف کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ مسلمانوں میں تفرقہ اور فتنہ و فساد پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور چونکہ فتنہ قتل سے بڑھ کر سخت ہے کیونکہ اس سے معاشرہ کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے ایسے شخص کے لئے بھی کم از کم وہی سزا ہونی چاہیئے جو قاتل کے لئے ہے۔ ایسی من مانی تعریف سے تکفیر اور تفرقہ بازی کو پنپنے کا موقعہ ملا ہے اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔

یہ ساری باتیں سمٹ کر ان چند الفاظ میں آ جاتی ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس لئے جو انسان بھی یہ کلمہ پڑھتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔ نہ ہی قرآن کریم اور احادیث نے کسی کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جسے چاہے مسلمان کہے اور جسے چاہے کافر بنا دے۔ کسی کو مُومن یا کافر ٹھہرانے کا اختیار اللہ تعالےٰ کے پاس ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی کافروں کو کافر کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ یہ اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی جسارت کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے: "کہہ ہر ایک اپنے طریق پر عمل کرتا ہے۔ سو تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو سب سے بڑھ کر سیدھی راہ پر ہے۔" (بنی اسرائیل: ۸۴)

(اور) یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہیں ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ کون سیدھی راہ پر ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

حضرت امیر مرحوم کا پیغام

احمدی نوجوانوں کے نام

تقریر محترم میرزا مسعود بیگ صاحب

(بر موقعہ یومِ وصال حضرت امیر مرحوم۔ مؤرخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء)
(بمقام دارالسلام)

خواتین و حضرات!

میرا موضوع ہے "حضرت امیر مرحوم کا پیغام احمدی نوجوانوں کے نام"۔ پیغام دینے کے کئی طریقے ہوتے ہیں، ایک پیغام زبانی دیا جاتا ہے۔ ایک پیغام تحریری دیا جاتا ہے اور ایک پیغام عملی ہوتا ہے جو اپنے عمل اور نمونہ سے پیش۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوے فرمایا تو آپؐ نے جہاں زبانی پیغام دیا۔ وہاں اپنی زندگی کو بھی پیش کیا کہ میں نے اتنا عرصہ تمہارے درمیان بسر کیا ہے اور تم میری زندگی کے ہر پہلو سے بخوبی واقف ہو۔

چنانچہ حضرت امیر مرحوم کا عملی پیغام یہ ہے کہ آپ نے عالم شباب میں ۲۳ سال کی عمر میں حضرت مسیح موعودؑ کے دامن سے وابستگی اختیار کی۔ چڑھتی جوانی تھی اور اُمیدوں بھری زندگی سامنے تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ۲۳ سال ہی کی عمر میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے بھی حضرت صاحب کی بیعت کی تھی۔ یہ ہر دو بزرگ اس عمر میں اپنے مرشد کے ایک اشارے پر قربان ہو گئے۔ یہ بڑا مشکل مقام ہے۔

حضرت امیر مرحوم اپنے زمانۂ طالب علمی میں اوّل درجہ کے طالبعلموں میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی کلاسوں میں ہمیشہ اوّل، دوم، سوم، رہتے۔ بی اے اور ایم اے کے بعد ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ اسلامیہ کالج میں پروفیسری بھی کی۔ ای اے سی، کے امتحانِ مقابلہ میں بھی آپ کا نام آ گیا۔ جب وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا پروگرام بنایا تو گورداسپور کو منتخب کیا، اس لئے کہ قادیان قریب ہے اور حضرت صاحب کا قربِ حاصل رہے گا۔ آپ نے مکان کرایہ پر لے لیا، دفتر بنا لیا۔ کتابیں خرید لیں اور منشی کا انتظام کر لیا۔ یہ سب کرنے کے بعد حضرت صاحب کی ملاقات کے لئے قادیان تشریف لے گئے حضرت صاحب نے اس ملاقات میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ قادیان میں آ جائیں اور خدمتِ دین میں میرا ہاتھ بٹائیں، تو حضرت امیر مرحوم نے کسی پس و پیش کے بغیر آپ کے حکم کی تعمیل کی اور وکالت کا پروگرام ختم کر کے قادیان میں قیام اختیار کر لیا۔ یہ بھی ایک پیغام ہے اور یہ بڑا مشکل پیغام ہے۔ میں حضرت امیر مرحوم کے لکھے ہوئے پیغام بھی آپ کو پڑھ کر سناؤں گا۔ عمر بھر آپ نے تحریر، تقریر، اور فعل و عمل سے بھی مؤثر رنگ میں پیغام دیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ احمدی نوجوانوں سے کیا توقعات رکھتے تھے۔

یہ محض اللہ تبارک وتعالے کا فضل و کرم ہے کہ مجھ خاکسار کو تینتیس (۳۳) سال تک حضرت امیر مرحوم کا قربِ حاصل رہا اور میں ان کے وجود کے فیوض و برکات سے مستفید ہوا۔ ان کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا۔ اور ان کے زیر ہدایت کام کرنے کے مواقع میسر آئے۔ میں چوتھی جماعت کا بچہ تھا جب ۱۹۱۸ء میں لاہور آیا اور پھر ۱۹۱۸ء سے ۱۹۵۱ء تک مجھے مسلسل حضرت امیر مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ سوائے سال کے تین چار مہینوں کے جب آپ موسم گرما میں پہاڑ پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ باقی عرصہ میں مسلسل ان کی برکات حاصل رہتیں۔ اپنی جماعت خصوصًا نوجوانوں کو صحیح رنگ میں رنگنے کے لئے آپ نے کئی قسم کے تربیتی اقدامات کئے۔ اس سلسلہ میں نمازوں میں، درس قرآن میں، خطبہ جمعہ میں، میل جول کی تقریبات میں آپ نوجوانوں کی عملی تربیت کے لئے خاص توجہ سے تاکید فرماتے تھے۔

میں اپنی زندگی کے حوالہ سے کچھ باتیں نوجوانوں کو سنانا چاہتا ہوں۔ بعض باتیں بظاہر بہت معمولی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے اثرات بڑے دیر پا ہوتے آٹھ سال کی عمر سے چودہ پندرہ سال کے بچوں کی صحیح تربیت بڑا مشکل کام ہے اور نہایت اہم بھی ہے۔ اس وقت اگر بچے کی صحیح رہنمائی نہ کی جائے تو عمر بھر پچھتانا پڑتا ہے۔ اگر اس وقت بعض غلطیوں کی اصلاح نہ کی جائے، تو زندگی بھر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس کی میں ایک بڑی معمولی مثال سناتا ہوں۔ میں کسی زمانہ میں یونیورسٹی میں پڑھایا کرتا تھا۔ ایک ایم اے کا طالب علم اپنا نام غلط لکھتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اپنا نام درست نہیں لکھتے۔ صحیح لفظ اِلطاف نہیں اَلطاف ہے۔ اس نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آج تک نہ تو میرے ماں باپ نے اس بات کی طرف توجہ دی نہ میرے کسی استاد صاحب نے خیال کیا۔ اور مجھے بتایا کہ آپ کا نام غلط ہے۔ اب اگر درستی کی گئی تو مجھے اپنے تمام سرٹیفکیٹس بدلنا پڑیں گے۔ آج کل تعلیم کا یہی حال ہے۔ نہ صحیح انگریزی لکھی اور بولی جاتی ہے اور نہ صحیح اُردو۔ مثلاً آپ نے سنا ہوگا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے فلاں نے ریزائن دے دیا حالانکہ ریزائن کر دیا درست ہے۔ اور ریزائن کو بطور اسم استعمال کرنا صحیح نہیں۔

حضرت امیر مرحوم و مغفور کئی سطحوں پر درس قرآن کریم دیتے تھے۔ عوام کے لئے جو درس تھا اس سے بچے بھی استفادہ کرتے تھے ۱۹۲۰ء کی بات ہے میں ان دنوں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک دن آپ نے عملاً بتایا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے۔ اور ایک کامل اُستاد کی طرح ساری نماز پڑھ کر دکھائی۔ ہم میں سے ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں اب تک نماز کے آداب اور جسمانی حرکات سے صحیح واقفیت نہیں۔ میں آج آپ کے سامنے یہ عمل کر کے دکھاتا ہوں۔ (مکرم مرزا صاحب نے حاضرین کے سامنے نماز میں قیام۔ رکوع اور سجدہ وغیرہ کے طریق عملاً کر کے دکھائے) اور فرمایا کہ میں نے حضرت امیر مرحوم و مغفور سے نماز پڑھنے کا یہ طریق ۱۹۲۰ء میں سیکھا تھا۔ اور اب تک ویسے ہی نماز ادا کرتا ہوں۔ کوئی خیال کرے گا کہ حضرت امیر مرحوم نے اس وقت نماز پڑھوا کر دکھانے میں وقت ضائع کیا تھا۔ تو یہ بات نہیں ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے یہ عمل کیا، جس کے نتیجہ میں آج تک ہماری نمازیں درست ہیں۔ جو غلط پڑھتے ہیں ان کو کسی نے سکھلایا ہی نہیں۔ درسِ قرآن میں نوجوانوں کو پیشِ نظر رکھ کر آپ بہت سی باتیں بیان فرماتے تھے۔ قرآن مجید سب کے لئے ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ آسان بنایا گیا ہے ان کے لئے جو اس کو سیکھنا چاہتے ہیں۔

کل حضرت امیر مرحوم کی وفات کا دن تھا۔ کل اُن کو ہم سے جُدا ہوئے چھبیس (۲۶) سال بیت گئے۔ آج ستائیسواں سال شروع ہے۔ بچوں کے درس کا آپ امتحان لیا کرتے تھے، اور ان کو شاباش دیا کرتے تھے۔ درس قرآن آپ نے کئی رنگ میں دیا اور اس کے کئی دَور ہوئے۔ ایک درس چار سال میں ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک مکمل کیا۔ ایک چار مہینہ کا درس تھا۔ اس درس کے لئے اعلان کیا گیا کہ جو لوگ چھٹی لے کر اس درس میں شریک ہو سکتے ہیں وہ آئیں، یہ درس مبلغوں کے لئے تھا۔ اور جماعت کے کئی لوگ چھٹی لے کر آ گئے۔ اور پورے قرآن کریم کا درس سُنا۔ ایک درس ایک مہینے کا تھا جو رمضان میں ظہر کی نماز سے شروع ہو کر افطار تک جاری رہتا۔ اور ایک درس ایسا بھی تھا جس میں ہر شخص ایک ایک رکوع پڑھتا جاتا تھا اور اس کا ترجمہ بھی کرتا جس کی آپ حسبِ ضرورت اصلاح بھی فرماتے۔ اس طرح درس قرآن کریم میں شامل ہونے کے لئے لوگ تیاری کر کے آتے۔

اپنے خطبات و خطابات میں حضرت امیر مرحوم ہمیشہ نوجوان طبقہ

کو یہ احساس دلاتے تھے کہ تم قوم کا قیمتی حصّہ ہو، اس احساس سے اُن میں بلندی پیدا ہوتی تھی۔ ۱۹۲۷ء کے سالانہ جلسہ کے پروگرام میں ایک پوری نشست "ہماری آئندہ نسل" پر مذاکرہ کے لئے مختص فرمائی۔ جس میں بزرگانِ سلسلہ مبلغین اور واعظین نے بیان فرمایا کہ ہماری آئندہ نسل کیسی ہونی چاہیئے اور اس ضمن میں بزرگوں کے فرائض کیا ہیں۔ جماعت کے فرائض کیا ہیں۔ اور نوجوانوں کے اپنے فرائض کیا ہیں۔ اس مذاکرہ میں دو نوجوانوں کو بھی نمائندگی دی گئی۔ ان میں ایک میں تھا اور دوسرے میرے مرحوم دوست چوہدری محمد سعید چھٹہ صاحب۔ چھٹہ صاحب مرحوم بڑے جوشیلے نوجوان تھے۔ چنانچہ ہم نے بھی نوجوانوں کی طرف سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔

حضرات! اس امر سے آپ اندازہ لگا لیں کہ حضرت امیر مرحوم کو اپنی قوم کے نوجوانوں کی تربیت دینی کا کس قدر احساس تھا۔ اور ان کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت تھی۔ اس جلسہ کے صدر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم تھے، وہ بھی بے نظیر انسان تھے۔

تو حضرت امیر مرحوم کی زندگی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نوجوانوں کی تربیت کے لئے سامان کرتے تھے۔ نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لاتے تھے۔ پہاڑ پر جاتے تو وہاں بھی مبلغوں کو اپنے پاس بلا لیتے۔

اب میں ایک تحریری پیغام بھی آپ کو سناتا ہوں جو عیدالفطر مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء کے خطبہ کا اقتباس ہے۔ آپ کے خطباتِ جمعہ اور عیدین بڑے مؤثر ہوتے تھے اور ان میں عملی پیغام بھی ہوتا تھا۔ عیدالاضحٰی کے موقعہ پر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آج اپنی کوئی بری عادت ذبح کرو۔ نماز میں بالعموم سورۂ قٓ کی تلاوت فرمایا کرتے۔ اسی طرح عیدالفطر کے موقعہ پر رمضان شریف میں جو سبق حاصل ہوتا ہے اس کو دوہرایا کرتے تھے اس خطبہ میں نوجوانانِ جماعت سے آپ نے یوں خطاب فرمایا ہے:۔

"آخر پر میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دُنیا میں پھیلانے اور قرآن کریم کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزّت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔ یہ وہ ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحا کو کھڑا کرتا رہتا تھا۔ دنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔ سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں نے تبلیغ دین کے کام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اللہ تعالےٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چُن لیا ہے۔ جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے کہ جس کام کے لئے اللہ تعالےٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چُنا تھا اس کے لئے اس زمانہ میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقعہ دیا ہے، سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اُترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو سنو، اس پر غور کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔ اے میرے نوجوان دوستو میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔" (پیغام صلح ۱۰ دسمبر ۱۹۳۸ء)

یہ ہے ایک مختصر پیغام جس کے ایک ایک لفظ میں آپ کی زندگی کی تفسیر ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عمل ساری عمر جاری رہا۔ بعض لوگ زندگی میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد پچھتاتے ہیں۔ لیکن حضرت امیر مرحوم کبھی نہیں پچھتائے۔ ان کو طمانیت و سکونِ خاطر حاصل رہا۔ بڑی بڑی تکالیف میں بھی نہایت شاکر اور قانع رہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں مسیح موعودؑ کے حکم پر قادیان نہ جاتا اور اپنی وکالت کی پریکٹس جاری رکھتا یا ای اے سی ہو جاتا تو آج میں فنانشل کمشنر ہو جاتا یا کسی ہائی کورٹ کا جج بن جاتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے دین کی خدمت کا جو کام مجھ سے لیا ہے یہ سعادت کبھی نصیب نہ ہوتی۔

گذشتہ سال اسلام آباد میں ایک سیمنار ہوا۔ ایک انگریز پروفیسر نے اعتراف کیا کہ ہم اسلام سے بڑی نا انصافی کر رہے ہیں اور مغربی مفکرین نے اسلام کو غلط رنگ میں دیکھا اور پیش کیا اور تعصّب کی عینک لگائے رکھی۔ اب ضرورت ہے کہ نئے سرے سے صحیح رنگ میں ہم اسلام کا مطالعہ کریں اور مسلمانوں سے انصاف کریں۔ مغربی مفکرین اور مستشرقین کے نقطۂ نظر میں یہ تبدیلی کس طرح آئی؟ یہ احمدیہ جماعت کی خدمات کی وجہ سے اور حضرت امیر مرحوم کے لٹریچر کی وجہ سے آئی۔

تو حضرت امیر مرحوم کا نوجوانوں کے نام پیغام یہ ہے کہ ہم وہی نمونہ اختیار کریں جو ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا۔ ہمیں ایسے جوانوں کی ضرورت ہے۔ جن میں دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی لگن ہو۔ آپ اپنے عزیزوں بچوں اور نوجوانوں میں دینِ اسلام کی محبت پیدا کریں۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے جس کے لئے آپ کی جماعت بنائی گئی ہے۔ اور جو کام اس کے سپرد ہوا ہے یہ بہت اہم کام ہے۔ اسی کام کے لئے مامورِ زمانہ نے یہ جماعت بنائی تھی۔

حضرت امیر مرحوم، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوان تھے۔ یہ ۲۳ سال کی عمر میں جماعت میں شامل ہوئے اور اس وقت سے تا دمِ مرگ اس کام میں لگے رہے۔ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم بیس سال کے تھے جب حضرت اقدسؑ کے دامن سے وابستہ ہوئے، اور تمام عمر انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ یہ باتیں ہمارے نوجوانوں کے سوچنے کی ہیں۔ ہمارے نوجوان بے شک دنیاوی علوم حاصل کریں۔ ڈاکٹر بنیں۔ انجنیئر بنیں۔ فوجی افسر بنیں اور تاجر بنیں۔ سب کچھ بنیں لیکن یہ امر انہیں ہمیشہ مدِّ نظر رکھنا چاہیئے کہ ہم نے اسلام کو دُنیا میں پھیلانا ہے۔ دین کی خدمت کرنا ہے اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کا پروگرام بنائیں۔ ارکان اسلام کی پابندی کریں۔ قرآن کو پڑھیں۔ اس کے معنی و مطالب سیکھیں۔ ان پر غور کریں۔

آج میں آپ کو ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔ ہماری تبلیغی مساعی کے پھل دُور دُور سے آ کر ہمارے دامن میں گرتے ہیں جس سے ہمیں بے حد خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہمارا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ کل ہمارے ایک دوست مسٹر شوکت علی اپنی اہلیہ اور دو بچوں کے ساتھ لاہور آئے۔ وہ بڑے دُور دراز علاقہ یعنی جزائر فجی سے ہمیں ملنے آئے ہیں۔ وہاں بڑی مضبوط، مستحکم اور مخلص جماعت ہے۔ مسٹر شوکت علی فجی جماعت کے آنریری جنرل سیکرٹری ہیں۔ کل وہ احمدیہ بلڈنگس میں ٹھہرے تاکہ وہاں حضرت امیر قوم سے اور دیگر احباب سے ملاقات کر سکیں۔ ابھی ابھی وہ دارالسلام پہنچے ہیں، اور اس مجلس میں شامل ہیں اور اس تقریب اور جمعہ کی نماز کے بعد ہم ان سے فجی جماعت کے حالات سُنیں گے۔

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی (مُلتان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسی کا معجزہ

مولٰنا محمّد علی رحمۃ اللہ علیہ

(بسلسلہ اشاعتِ گذشتہ)

حضرت صاحب کی تیسری خواہش ۔ مولوی صاحب کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ :۔

"ہم چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی میں لکھی جاوے۔ یہ کام آپ کا ہے .... ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جاوے جو خدا تعالٰے نے ہم پر ظاہر کیا ہے ۔ اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالٰے نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں .... ان سب باتوں کو جمع کیا جاوے جن کے ساتھ اسلام کی عزّت اس زمانہ میں وابستہ ہے"

یہ خواہش بھی مولانا محمد علی صاحب کی کتاب (دی ریلیجن آف اسلام) کے ذریعہ پوری ہوئی ۔

دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کی آراء ملاحظہ فرمائیں :۔

(۱) سر ایس ایم سلیمان چیف جسٹس :۔

"اس میں اسلامی فلسفہ ۔ فقہ ۔ معرفت الٰہی اور شریعت اسلامیہ پر نہایت مفصّل اور عالمانہ بحث کی گئی ہے ۔ یہ کتاب کی اعلٰے قابلیت اور وسیع معلومات اور انتہائی معلومات کا نتیجہ ہے ۔"

(۲) سر شفاعت احمد خان صاحب :۔

"اسلام کے متعلق یہ ایک مستند اور بے نظیر کتاب ہے"

(۳) ڈاکٹر سر محمد اقبال :۔

"نہایت مفید کتاب ہے اور مذہب کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے از بس ضروری ہے"

(۴) چودھری شہاب الدین :۔

"کوئی لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ہونی چاہیئے ۔"

(۵) جسٹس سر عبدالرشید :۔

"یہ کتاب وسیع معلومات سے پُر ہے ۔ بے نظیر ریسرچ کا کام ہے اور ہر اخلاقی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے ۔"

(۶) اخبار ایسٹرن ٹائمز لاہور مؤرخہ ۲۸ ۔ ۱۱ ۔ ۲۸ :۔

"مصنف نے اوّل سے آخر تک قرآن کریم اور حدیث اور دیگر مستند کتب سے بکثرت حوالہ جات درج کرتے ہیں غیر معمولی محنت کی ہے ۔ **اور اس طرح یہ کتاب گویا اسلام کا انسائیکلو پیڈیا ہے"**

(۷) نواب یار جنگ بہادر :۔

"میں اس کتاب کو مولانا کا ملّتِ اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور نا واقفانِ اسلام کی تجدّد کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب نے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام دی ہیں .... میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے ۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن کریم اور سُنّت سے خوب واقف ہے

(۸) مسٹر محمد مارما ڈیوک پکتھال، رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر: "کسی زندہ انسان نے اسلام کے لئے ... مذہب کے لئے نہایت با اثر پیغام تصور کرتا ہوں"

اور جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں سے اسلام کے انحطاط کا درد ہے ۔ اور جس کے دِل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے ۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں ۔"

قرآن کریم کی تفسیر و ترجمہ اور کتاب دینِ اسلام کے علاوہ مولوی صاحب نے ۸۵ کتابیں اسلام کا صاف ستھرا چہرہ غیر مذاہب والوں کو دکھانے کے لئے لکھی ہیں ۔ جن میں سے ۲۵ کا ترجمہ بیشتر مُلکوں کی زبانوں میں شائع ہوکر دُنیا میں اشاعت ہو رہی ہے ۔ اور یہ محنت مولوی محمد علی صاحب نے حضرت صاحب کے فرمان کے مطابق کی ہے ۔ اور اس طرح حضرت صاحب کے مشن کی تکمیل ہوئی ۔ مولوی صاحب نے اس سارے کام کو اپنا نہیں حضرت صاحب کا کام کہا ہے ۔ فرمایا :۔

(۱) "میں کہتا ہوں یہ ترجمہ جو ہوا یہ بھی مسیح موعودؑ کا ہی کام ہے اور آپ کی قوّتِ قدسی سے ہُوا ہے .... جس نے اس کام پر آمادہ کیا ۔ یہ اسی کا کام ہے ۔ آپ خوب یاد رکھیں کہ یہ نہ جماعت کا کام ہے نہ میرا ہے ۔ یہ کام یقیناً حضرت مرزا صاحب کا ہے ہم تو ذریعہ بن گئے ۔"

(۲) انگریزی تفسیر کی تمہید میں لکھا ہے :۔

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی راہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئیں ۔ میں نے سیر ہو کر اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلحِ عظیم، مہدی و مجدّد صدی چہاردہم بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے ۔"

(۳) حضرت صاحب نے خود بھی اپنے ایک کشف کی یوں تعبیر کی ہے :۔

"عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہیں ۔ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ **اللہ تعالٰے مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ مخالفین کی ردّ میں اعلٰے مضامین لکھیں ۔"**

(۴) ایک اور کشف میں جو مولوی محمد علی صاحب کی بیعت سے پہلے کا ہے حضرت نے ابو داؤد کی صحیح حدیث جس میں حارث نامی ایک شخص کا ذکر ہے جو ، ثمرقند کی طرف سے نکلے گا ۔ کو اپنے اُوپر لگایا ہے ۔ اور اس میں جو منصور کا ذکر ہے اس کی بھی تشریح خود فرمائی ہے ۔ اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کی جماعت کے دو گروہ ہو جاویں گے ۔ منصور جس کا حدیث میں ذکر ہے پانچہزاری گروہ کا سردار ہوگا ۔ جو آسمان کی طرف چھت پر بیٹھا ہے ۔ اس کی تصدیق ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۴۲/۴۴۳ پر نقل کی ہے ۔

"مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا ۔ جب وہ فوت ہوگا تو قرآن لوگوں کے سینے سے اُٹھ جاوے گا ۔ اور لوگ فتنہ میں پڑ جاویں گے ۔ اور لوگ اس کی اہل بیت میں سے ایک آدمی کو اپنا خلیفہ بنائیں گے ۔ جس کا شر خیر سے زیادہ ہوگا ۔ اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا ۔ جس کا لقب منصور ہوگا ۔"

مولانا نورالدین صاحبؓ مہدی کے اوّل جانشین تھے ۔ ان کی وفات پر فتنہ پڑا ۔ اہل خاندان نے میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب کو خلیفہ بنا لیا ۔ ان کے عقائد کے خلاف مولوی محمد علی صاحب نے خروج کیا ۔ جن کو اپنے کشف میں حضرت صاحب نے آسمان کی طرف چھت پر بیٹھا پانچہزاری

گروہ کا سردار دیکھا تھا۔

یہ بھی خدا کے حکم سے تھا

نیز حضرت صاحب کا ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کے لئے مولوی محمد علی صاحب کے انتخاب اور قرآن کریم کی تفسیر اور اسلام پر کتابیں لکھنے کے لئے مولانا کا نامزد کرنا بھی خُدا کے حکم سے تھا اور اس کی بنیاد وہ کشوف اور رؤیا ہیں جو حضرت کو مولوی صاحب کے متعلق دکھائے جاتے تھے۔ یہی تو حضرت صاحب نے اپنا آخری سفر لاہور کے لئے اختیار کرنے سے پہلے اپنی زندگی میں ہی سب کاروبار انجمن اور نظام مہمان خانہ ان کے کلی طور پر سپرد کر دیا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب نے بھی حضرت صاحب کے بعد سب انتظام اسی طرح مولوی محمد علی کے ذمہ ہی رہنے دیا۔ مولانا نورالدین صاحب کی رائے بھی۔ مولانا محمد علی صاحب کے متعلق بڑی اونچی تھی۔ ایک دفعہ فرمایا:—

"تمہارا روز کا دیکھنا بھی میری رُوح کی غذا ہے......
مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو۔ ایک کام کا ہتھیار ملا ہے (یعنی مولوی محمد علی صاحب) علم ہی علم ہے۔ تمہارا فضل ہے" (مجاہد کبیر)

میر ناصر نواب صاحب نے ایک اُردو ترجمہ کی بنیاد ڈالنی چاہی اور اس کے لئے کچھ چندہ بھی جمع کر لیا۔ مگر مولانا نورالدین صاحب نے روک دیا اور کہا کہ "ہماری جماعت کی طرف سے اُردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا جو محمد علی انگریزی ترجمہ کے بعد کرے گا"۔ ان سب واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت صاحب اور مولانا نورالدین صاحب کا علمی ورثہ تو مولوی محمد علی صاحب کو ملا اور دُنیاوی ورثہ کی مالک ان کی اولاد ہوئی۔ اور ایسا ہی حضرت صاحب کو کشوف میں اللہ تعالےٰ نے دکھلا دیا تھا۔ یوں مولوی صاحب نے دنیا پر لات مار کر اور اپنا شاندار دنیاوی مستقبل چھوڑ چھاڑ کر حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر تبلیغ اسلام۔ اشاعت قرآن کریم کی۔ اور یوں غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے حضرت صاحب کی خواہشات اور منشا کے مطابق بیش بہا لٹریچر اس قلم سے پیدا کیا جو حضرت صاحب کو مولوی عبدالکریم صاحب کی معرفت دکھلائی گئی تھی۔ حضرت کی ساری خواہشات ان ہی کتب سے پوری ہوئیں۔ اور یہی لٹریچر دُنیا میں کامیاب اور مقبول ہوا اور بے شمار لوگوں کو راہ راست پر لانے کا ذریعہ ہُوا اور غیر ممالک اور عرب ممالک کے لوگوں نے بڑے شوق سے مولوی صاحب کی تفسیر اور کُتب کے اپنی زبانوں میں تراجم کرا کر شائع کر کے ان کے اعلیٰ اور ارفع ہونے کی گواہی دی اس کی چند مثالیں قادیانی جماعت کے لئے دی جاتی ہیں تاکہ اس پر غور کریں۔ اور اس لٹریچر کو پھیلانے کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ساتھ دیں۔ مندرجہ ذیل مثالیں مجاہد کبیر مصنفہ میاں ممتاز احمد فاروقی سے لی گئی ہیں۔

کراچی میں ایک عالمی کانفرنس فروری ۱۹۵۱ء میں منعقد ہوئی اس کے بہت سے مندوبین لاہور آئے اور وہاں مولوی محمد علی صاحب سے ان کی مُلاقاتیں ہوئیں:—

(۱) ترکی کے وفد کے رئیس مسٹر عمر رضا دوغرل جو ایک مشہور ادیب اور پارلیمنٹ کے ممبر تھے اپنی مُلاقات کے تاثرات اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۵۲ء میں اس طرح لکھتے ہیں:—

"...... ترکی میں تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور میں آپ نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے خوب واقف ہیں۔"

انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ آپ کی بہت سی کتب کے ترکی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور وہ کوشش میں ہیں کہ باقی کُتب کے بھی ترجمے جلد ہو جائیں۔"

حضرت امیر مرحوم کی متعدد کُتب کے غیر ملکی زبانوں میں تراجم

(۲) تھائی لینڈ کے مندوب مسٹر ابراہیم قریشی دو دفعہ ملنے آئے اور تھائی زبان میں طبع شدہ خوبصورت کتابیں دکھلائیں جو آپ کی کُتب کے تراجم تھے۔ اور بتلایا کہ وہ تھائی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ آپ کے ترجموں سے اس طرح کر رہے ہیں کہ لغت کا حصہ بیان القرآن سے اور حواشی اور تفسیری نوٹوں کا حصہ انگریزی ترجمہ سے۔

(۳) چین کے ڈیلی گیٹ نے بتلایا کہ آپ کی کُتب کے چینی تراجم ہو چکے ہیں۔

(۴) ایک معزز عہدیدار عرب کا خط مصر سے آیا۔ اس کا نام محمد سعید احمد تھا۔ اور وہ مصر کی وزارت کے ریلوے، تار اور ٹیلیفون کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ریلیجن آف اسلام کا عربی ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ جو آپ نے خوشی سے دے دی۔

(۵) ۱۷؍اپریل ۱۹۵۱ء کو مصر کے سفیر متعینہ پاکستان مسٹر عبدالوہاب عزام (جو کہ بعد میں عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل بھی رہے) ریلیجن آف اسلام کے عربی ترجمہ کے متعلق انہوں نے مزید کوائف دیں۔

(۶) جناب لیاقت علی خان۔ وزیر اعظم پاکستان امریکہ کا دورہ کر رہے تھے۔ تو انہیں مسٹر ولیم اہر برگ کی طرف سے جو اقوام متحدہ کے نیو یارک ہیڈ کوارٹر میں مذہبی برانچ کے سیکرٹری تھے کا ایک تار ملا یہ تار حسب ذیل ہے:—

"میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس احسن کام کو عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو آپ کے وطن میں مولوی محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے لئے انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کُتب کی اشاعت کر کے کر رہے ہیں۔ پاکستان اور یو ایس اے کے درمیان بہتر افہام و تفہیم کے لئے —— آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دیں کہ وہ ایک شاخ نیو یارک شہر مرکزِ اقوامِ متحدہ میں کھولیں۔ یہ شاخ آپ کے (یعنی پاکستان کے) وفد اقوام متحدہ کا ایک حصہ ہو یا خود مختار ہو۔ اس سے انہیں بین الاقوامی پریس۔ ریڈیو وغیرہ کی اور سہولتیں میسر آ سکتی ہیں۔"

(۷) ۱۹۵۰ء میں ایک ترک جرنلسٹ خاتون مس کترمان جو کہ مشہور ترکی اخبار "اولوس" کی نامہ نگار ہیں پاکستان آئیں۔ لاہور آ کر انہوں نے اخبار نویسوں کی مجلس سے دریافت کیا کہ مولانا محمد علی کہاں رہتے ہیں۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر نے ملاقات کا وقت مقرر کروایا۔ مولانا نے ان کو شام کی چائے کی دعوت دی۔ اس خاتون نے کہا میری ماں مذہبی خاتون تھیں۔ اور انہوں نے مجھے قرآن کریم پڑھایا۔ مگر قرآن کریم میرے لئے ہمیشہ ایک بند کتاب رہی اور دین و مذہب سے متنفر اور بیگانہ رہی۔ کچھ عرصہ بعد میرے اخبار نے مجھے لندن کے دفتر میں چیف رپورٹر بنا کر بھیجا۔ وہاں اتفاق سے مجھے آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن ملا۔ جب میں نے اُسے پڑھا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد اور کُتب پڑھیں اور دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ میں پاکستان جا کر اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ ضرور دوں گی۔ جس نے قرآن کریم اور

اور مذہب سے دلچسپی کا دروازہ میرے لئے کھول دیا۔ سو خدا کا شکر ہے کہ آج مجھے یہ فخر نصیب ہوا۔

(۸) لبنان کی ایک ادیبہ خاتون اور مجلس خواتین لبنان کی صدر محترمہ جمیلہ شعبان یکن لکھتی ہیں:۔

"آپ کی کتاب محمد اینڈ کرائسٹ پڑھنے کے بعد میں نے اس کتاب کو چوما اور بار بار سینہ سے لگایا کہ اس نے مجھے ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات بخشی"۔

اس خاتون نے آپ کی متعدد کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کر کے بیروت میں خود چھپوائے ہیں۔

(۹) لاہور کی ایک معزز خاتون نے امریکہ کے سفر کے بعد واپسی پر بتلایا کہ انہیں مولوی محمد علی صاحب کی قدر و عزت کا پاکستان سے باہر جا کر صحیح طور پر پتہ چلا۔ امریکہ میں ایک جگہ نو مسلم مرد کھڑے تھے اور عورتوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ خاتون لاہور سے آئی ہیں تو انہوں نے نہایت شوق سے پوچھا کہ آپ لاہور شہر سے آئی ہیں۔ جب لاہور کا نام سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہمیں مولانا محمد علی کے حالات بتلائیں۔ وہ کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ان کا انگریزی ترجمہ قرآن اور دوسری کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

اسی طرح ایک اور حبشی مسلمانوں کا مجمع تھا۔ انہوں نے ان سے مولانا محمد علی کے حالات پوچھے اور کہا آپ خوش قسمت ہیں کہ ایک ایسے شہر میں رہتی ہیں جہاں ایک عالم بزرگ رہائش رکھتا ہے۔

انگریزی ترجمہ و تفسیر کی اثر انگیزی

(۱۰) مسٹر یوسف ہارون وزیر اعلیٰ سندھ جو بعد میں آسٹریلیا کے ہائی کمشنر تھے انہوں نے بتلایا کہ میں آسٹریلیا میں ایک معمولی قصبہ میں دورے پر گیا تو ایک آسٹریلین مجھے ملنے آیا۔ اور پوچھنے لگا کہ آپ کے ہاں ایک لاہور شہر ہے اس میں کوئی مصنف محمد علی ہے جس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر کی ہے۔ اسے پڑھ کر میں اور میرا خاندان مسلمان ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے چند اسلامی مسائل پوچھنے آیا ہوں۔

(۱۱) اسلام کلب چوپاٹی۔ بمبئی میں سر نور محمد کے زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں بمبئی کے سر کریم بھائی بیرونٹ اٹھے اور کہنے لگے کہ جنگ عظیم کے زمانہ میں میں لنڈن میں مقیم تھا۔ دن رات بمباری ہوتی تھی۔ سخت پریشانی اور تفکرات کے دن تھے۔ لنڈن کے کسی کلب میں ایک معزز انگریز نے ان سے کہا۔ ایسے حالات میں آپ متفکر اور پریشان نظر نہیں آتے اس کی وجہ کیا ہے۔ سر کریم بھائی نے کہا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے وہ میں روز صبح پڑھ لیتا ہوں۔ اس سے میرے دل کو چین آ جاتا ہے۔ وہ انگریز کہنے لگا مجھے بھی وہ کتاب دکھاؤ۔ وہ کتاب حضرت مولانا کا انگریزی ترجمہ تھا۔ چنانچہ وہ ترجمہ اس انگریز کو پڑھنے کو دیا۔ پندرہ بیس روز بعد ان کے پاس آیا اور کہا:۔

"میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا"

انہوں نے اسے کلمہ پڑھوایا اور مسلمان کیا۔

(۱۲) کراچی میں سید میراں شاہ جو سالہا سال سندھ اسمبلی کے سپیکر رہے ہیں۔ ان کے ہاں ایک پارٹی جس میں مسٹر این۔ اے فاروقی صاحب مدعو تھے۔ ان کے ساتھ مولانا بھی تھے۔ انہوں نے مولانا کا تعارف کرایا۔ تھوڑی دیر بعد سید میراں شاہ اٹھ کر ان کے پاس آئے اور کہا مولانا کا تعارف ٹھیک طرح کیوں نہ کروایا۔ اپنا بہنوئی کہتے رہے یہ نہ بتایا کہ یہ مشہور مصنف اور مترجم ہیں۔ ارے بھائی ان کا انگریزی ترجمہ قرآن اگر میرے ہاتھ میں کالج کے ایام میں اتفاقیہ نہ پہنچ جاتا تو میں یا دہریہ ہو جاتا یا عیسائی۔

ان باتوں سے جماعت ربوہ کو معلوم ہو جاوے گا کہ مولوی صاحب کس قدر بیش قیمت لٹریچر اور کتنی اچھی تصویر اسلام کی اپنی تصانیف میں دنیا میں دکھلا گئے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے پڑھنے والا خود بخود بغیر کسی واعظ کے اسلام کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور اس لٹریچر کو لیکر جو کوئی بھی خدمت دین اور اشاعت اسلام کے لئے نکلے گا وہی کامیاب ہوگا۔ اور یہ مولوی صاحب کی رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

اس لٹریچر کے بغیر اسلام کی تبلیغ ناممکن ہے۔ ان کتب اور تفسیر اور ترجمہ میں اسلام کی وہی تصویر دکھلائی گئی ہے۔ جو رسول کریم صلعم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دکھلائی تھی اور مجدد صدی چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس کی تجدید کی اور اپنے الہامات، رؤیا اور کشوف کے تحت مولوی محمد علی صاحب کو اپنے مشن کے تکمیل کے لئے منتخب کیا۔ اور مولوی صاحب اس انتخاب میں اس طرح پورے اترے کہ ساری دنیا سے خراج تحسین وصول کیا اور اپنے مرشد کی پیشگوئی کو پورا کر دکھایا اور اللہ تعالے سے جو عہد اپنے مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر کے "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ کو سچ کر دکھایا۔ اور دنیا نے اس کی گواہی دی۔

حضرت امیر مرحوم کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی رائے

آپؑ فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ یہ درست ہے کہ ان (مولوی محمد علی) کی فطرت میں پہلے ہی سے ایک مادہ رشد اور سعادت کا مخفی تھا۔ مگر کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوا۔ جب تک انہوں نے بیعت نہیں کی"

اور جب بیعت کی تو ایک کشف کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مولوی محمد علی کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دی کہ مخالفین کی رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں"

اور پھر فرمایا:۔

"مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ خدا کے فضل سے تقوےٰ اور محبت دین میں ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین"

پس قادیانی جماعت کے لئے یہ سوچ اور بچار کا مقام ہے۔ کہ جس شخص کے بارے میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانئ سلسلہ فرما گئے ہیں کہ:۔

"جوان موصوف (مولوی محمد علی) خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے تقویٰ اور خدمت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا کہ ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے"

اور زبان نبوتؐ سے منصور کا خطاب پانے والا بھی اسی کو بتا گئے۔ اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنے الہامات بنا پر

بتلا گئے کہ "ہمارے پاک ممبر لاہور میں موجود ہیں" یعنے خواجہ کمال الدین صاحبؒ۔ شیخ رحمت اللہ صاحبؒ۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؒ اور ڈاکٹر محمد حسین صاحبؒ اور ان سب کو اپنی بنائی ہوئی مجلس معتمدین کے ممبر خود نامزد کرکے ان کے متقی اور پرہیزگار ہونے پر خود ہی اپنی مہر ثبت کر دی۔ اور حضرت مولانا نورالدینؓ نے بھی امام وقت کے ان ممبروں کے متقی اور پرہیزگار ہونے کی تائید اس طرح کر دی کہ ان سب کو اپنے وقت میں بھی مجلس معتمدین کا ممبر رہنے دیا۔ اور یہ سب ۱۳-۳-۱۹۱۴ء تک مجلس معتمدین کے ممبر تھے جو خلیفہ اول کی وفات کی تاریخ ہے۔ اور وفات سے دوسرے دن ۱۴-۳-۱۹۱۴ء کو یہ سب منافق اور فاجر قرار دے دیئے گئے۔ (باقی ــــ باقی)

اطفال الاحمدیہ

مورخہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۷۷ء بعد از نماز جمعہ جامعہ مسجد احمدیہ بلڈنگس میں اطفال الاحمدیہ کا ایک اجلاس منعقد ہو رہا ہے جس میں بچے اپنی دینی تربیت کا عملی نمونہ پیش کریں گے۔ جملہ احباب سے گذارش ہے کہ وہ اس موقعہ پر شمولیت فرما کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ والسلام

نذر ربّ (چوہدری) صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

(بقیہ) دوست عبدالحکیم صاحب جو ایک عرصہ سے بیمار تھے۔ اب افاقہ ہے۔ کی درخواست ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور جملہ احباب ان کی مکمل شفایابی کے لئے دعائیں فرمائیں۔

مولوی دوست محمد صاحب کو صدمہ } یہ خبر احباب کے لئے انتہائی دکھ کا موجب ہوگی کہ اس پیرانہ سالی میں مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح کو پھر ایک دلدوز صدمہ سے دو چار ہونا پڑا ہے، ان کے داماد ملک محمد اشفاق خان صاحب دو ماہ بیمار رہ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ملک صاحب اگرچہ جماعت سے باقاعدہ تعلق نہ رکھتے تھے تاہم ہماری سرگرمیوں کے قائل تھے۔ مولانا دوست محمد صاحب سے انہیں بے حد محبت تھی۔ ان کی وفات سے مولانا صاحب کو بے حد صدمہ ہوا ہے۔

احباب ان کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ (ادارہ پیغام صلح، مولانا کے اس غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دعاگو ہے)

ــــ شیخ عبدالحمید صاحب سیالکوٹ کے ہونہار صاحبزادے زاہد حمید سلمہ نے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے۔ اس خوشی میں شیخ صاحب موصوف نے -/25 روپے بطور شکرانہ بھجوائے ہیں۔ احباب کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ زاہد حمید سلمہ کو دین و دنیا میں مزید کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے۔

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ سیاہ + کس چہ دانستے جمالِ شاہد گلفام را
روشنی را قدر از تاریکی است و تیرگی + در جہالت ہاست عزو قدر عقلِ تام را
(حضرت مسیح موعودؑ)

اخبار احمدیہ

نمایاں کامیابی } عزیزی اعجاز احمد سلمہٗ خلف الرشید ماسٹر محمد اصغر علی صاحب نے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے، اور ماسٹر صاحب نے -/20 روپے بطور شکرانہ انجمن کو دیئے ہیں۔ احباب عزیز موصوف کے لئے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اسے آئندہ بھی کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ماسٹر صاحب کو صالح، نیک اور ہونہار اولاد عطا فرمائی ہے جو دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم اور جماعتی سرگرمیوں میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ ہم ماسٹر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کو اولاد کی اعلیٰ تربیت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ــــ گذشتہ اشاعت میں پروفیسر عبدالستار صاحب کی بیماری کی خبر شائع ہو چکی ہے۔ اب اپنے تازہ خط میں مولانا عبدالرحمان صاحب امام مسجد احمدیہ پشاور رقمطراز ہیں:-

"موصوف حیات شہید ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں زیر علاج ہیں، میں ان کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے بڑی دھیمی آواز میں دعا کی درخواست کی۔ جملہ احباب سے جمعہ کے اجتماع میں اجتماعی دعاؤں کی استدعا ہے، اور انفرادی طور بھی احباب نماز تہجد میں بالخصوص اس مخلص بھائی کی صحتیابی کے لئے دعا فرمائیں۔

(۲) ــــ مکرم جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت پشاور کسی طبی مشن پر بھارت جا رہے ہیں، ان کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سفر و حضر میں ان کا حافظ و مددگار ہو۔ آمین

دعائے صحت } محترم مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع مبلغ اسلام آجکل صاحب فراش ہیں، احباب کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس مرد جلیل کو اپنی نیم شبی دعاؤں اور نمازوں کے اجتماعات میں ضرور یاد رکھیں اور ان کی صحتیابی کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں۔

ــــ جھنگ صدر سے مکرم میاں غلام حیدر تمیم صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"میں نہایت افسوس سے اطلاع دے رہا ہوں کہ ملک لنگر حیات صاحب سکنہ شیہانوالہ موضع اوڑہ جھنگ بقضائے الٰہی کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ملک صاحب نے ۱۹۱۹ء میں حضرت قبلہ میاں صاحب (خانبہادر میاں غلام رسول صاحب مرحوم و مغفور) کی تبلیغ سے احمدیت قبول کرکے بیعت کی تھی اور اب تک نامساعد حالات کا بڑے صبر اور شکر سے مقابلہ کرتے ہوئے احمدیت پر قائم رہے۔ ملک صاحب اخلاص اور شرافت کے پتلے تھے اور انہیں حضرت قبلہ میاں صاحب (خانبہادر میاں غلام رسول صاحب مرحوم و مغفور) سے والہانہ محبت تھی اور میاں صاحب بھی ہمیشہ ان سے اپنے بیٹوں کی طرح محبت اور پیار کرتے تھے بہت ہی خوبیوں کے مالک تھے......تمام احباب سے استدعا ہے کہ مرحوم کے لئے جنازہ غائبانہ پڑھ کر ان کے لئے دعا کریں۔

پسماندگان میں مرحوم نے بیٹیوں کے علاوہ ایک صاحبزادہ کو سوگوار چھوڑا ہے جو فوج میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔

درخواست دعا } مولانا احمد گل صاحب مسلم ٹاؤن اطلاع دیتے ہیں کہ: ہمارے پشاور کے

(باقی کالم اول کے نیچے)

حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تفسیر قرآن پر ایک نظر

کیا یہ تفسیر سر سید احمد خان صاحب کے خیالات سے متاثر ہے؟

ایک تحقیقی اور علمی جائزہ

(از ابو سلمان (ایم اے) — گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت مولانا نے قرآن کریم پر تفکر و تدبر کرتے وقت بعض مقامات پر تاویل و اجتہاد سے کام لیا ہے اور تشریحات میں کہیں کہیں متقدمین سے اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ تاویل، اجتہاد اور اختلاف عقائد و اعمال، اوامر و نواہی، اخلاق و آداب اور دین کے کسی بنیادی مسئلہ میں نہیں۔ بلکہ واقعات اور حقائق و دقائق اور احکام و قوانین کی تعبیر میں نظر آتا ہے۔ اور یہاں بھی مولانا نے لغت اور محاورہ سے تجاوز نہیں کیا۔

اگر حضرت مولانا نے اضرب بعصاک الحجر (بقرہ: ۶۰) سے جماعت کو پہاڑ پر لے جانے کا مفہوم سمجھا۔ طیر (آل عمران ۴۹) سے مراد وہ مزکی نفوس ہیں جو زمین اور زمین کی چیزوں سے بلند ہو کر اللہ تعالےٰ کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ منطق الطیر (النمل ۱۶) سے مراد نامہ بر کبوتر ہیں۔ اور وادی النمل سے مراد کسی قبیلہ کی بستی ہے۔ ھُد ھُد (النمل ۲۰) سے مراد حضرت سلیمان کے محکمہ خبر رسانی کا افسر اعلیٰ ہے۔ سورہ جنّ میں جن سے مراد یہودی اور آئندہ آنے والی اقوام مراد لی ہیں۔ اور سورہ [illegible] میں عیسائی اقوام مراد ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور متقدمین نے ان آیات اور الفاظ پر غور نہیں کیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ متقدمین کم علم اور کم فہم تھے یا پھر مولانا تجدد پسند ہیں یا مولانا نے دور از کار تشریحات و تاویلات سے کام لیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی حقائق و معارف [illegible] اپنے وقت پر ضرورت و حالات کے مطابق کھلتے ہیں اور یہ قرآن کے معجزہ ہونے کا ثبوت ہے۔ یہاں یہ بحث نہیں کہ [illegible] ہیں یا نہیں۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ مولانا نے جو معانی کئے ہیں ان کی لغت، زبان اور محاورہ اجازت دیتا ہے یا نہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:-

"میرا دل اس خوف کو بھی محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے [illegible] بتقاضائے بشریت یا میری بے بضاعتی سے ہو گئی ہو وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ قرآن کا ہر ایک لفظ ہر مسلمان کے لئے نور اور حجت ہے۔ ترجمہ و تفسیر میں میں نے اپنے آپ کو کلام خدا۔ حدیث رسول۔ لغت عرب سے جہاں تک میری سمجھ تھی پابند کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر پھر بھی وہ میری سمجھ ہے۔ وہ کسی کے لئے حجت نہیں۔ سوائے اس کے کہ خدا کے کلام اور رسول اللہ کی صریح حدیث کے مطابق ہو۔" (پیغام صلح ۷ راپریل ۱۹۲۳ء)

مطالعہ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کی راہ میں تقلید کی بندش روک نہیں نہ ہی ماحول اثر انداز ہوا۔ اور کسی میدان میں تحقیق کی تشنگی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ حضرت مولانا کی یہ تفسیر اسلام کو سمجھنے کے لئے ایک کھلا باب ہے اور نئے دور کا آغاز۔ اہل علم مسلمانوں میں مغربی علوم کے زیر اثر جو ایمان و عقیدہ کا انحطاط شروع ہوا اور فلسفیانہ افکار سے شکوک ابھرنے شروع ہوئے اس ترجمہ و تفسیر نے اس کا سیلاب تھام لیا۔ مغرب زدہ طبقہ کے لئے آب حیات کا کام کیا۔ یہ تفسیر ان تمام امراض کا علاج ہے جو مغرب کے پیدا کردہ ہیں۔ مغربی علمی حلقوں میں اس کا اثر اس رنگ میں ظاہر ہوا کہ وہاں اب اسلام کے متعلق نقطۂ نظر ہی بدل گیا ہے۔ اور اب جو لٹریچر وہاں پیدا ہو رہا ہے اس کے لہجے کی تلخی میں خوشگوار تبدیلی آگئی ہے۔

انگریزی ترجمہ و تفسیر کا بنیادی مقصد مولانا کے پیش نظر مغربی ذہنوں کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرنا اور ان احمقانہ اور ظالمانہ افکار سے صاف کرنا تھا جو اسلام کے متعلق صدیوں سے پیش اور تسلیم کئے جا رہے تھے۔ اس تاریخی پس منظر میں مولانا کی تفسیر منظر عام پر آئی

یہ اسلام کی تاریخ میں ایک مسلمان کے قلم سے کسی یورپی زبان میں پہلا ترجمۃ القرآن تھا جس میں علم و فضل کا مغربی معیار نمایاں تھا۔ اس وقت سے تفہیم اسلام کے سلسلہ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ اور غلط تصورات کی جگہ صحیح تفہیم بلکہ تعریف و ستائش نے لے لی۔

اس تالیف میں حضرت مولانا نے سالہا سال تک عرقریزی کی قرآنی آیات اور الفاظ کے مطالب کے لئے جو تحقیقی کام کیا۔ اور سورتوں کے مفہوم اور ان کے باہمی ربط پر جو جگر کاوی کی اور اس طرح جو ثابت کیا کہ قرآن کریم کے مطالب سلک مربوط اور منسلک ہیں۔ سالوں کی تن تنہا اس جانکاہ شبانہ روز محنت کے تصور سے انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ تالیف منظر عام پر آئی تو مشرق و مغرب کے علمی حلقے مولانا کے علم و فضل کے معترف ہوئے۔

حضرت مولانا نے ترجمہ و تفسیر کے میدان میں ایک انوکھی اور جدید مثال قائم کی اور بعد ازاں تمام مسلم مترجمین و مفسرین قرآن نے آپ کی پیروی کی۔

نفاذ شریعت — بقیہ مقالہ از صفحہ ۵

اس لئے ہماری گذارش ہے کہ دین کے ان خود ساختہ ٹھیکیداروں سے یہ اختیار چھین لیا جائے۔ اور یہ قانون بنایا جائے کہ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا اور قرآن کریم اور احادیث کی مقرر کردہ حدود کے اندر آتا اور انہیں تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ ایسے انسان کو کافر کہنے والے کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی جائے۔ کیونکہ وہ اپنے اس مذموم فعل سے مسلمانوں کی جماعت کو ختم کر کے انہیں کمزور کرنے اور دشمن کے لئے انہیں تر نوالہ بنانے کی وجہ سے غداری کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول سے غداری اور بے وفائی کے مترادف ہے۔

ہمیں امید ہے اسلامی نظریاتی کونسل اپنی سفارشات مرتب کرتے وقت اس اہم معاملہ پر ضرور غور فرمائیگی۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۶ راکتوبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۴۳

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۹ ذیقعد ۱۳۹۷ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۴

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

حصول فضل کے ۲ دو راہ

خدا تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرو

"یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ہیں۔ ایک تو زہد نفس کشی اور مجاہدات کا ہے اور دوسرا قضا و قدر کا ہے۔ لیکن مجاہدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خستہ کرنا پڑتا ہے۔ عام طبائع بہت کم اس پر قادر ہوتی ہیں کہ وہ دیدہ دانستہ تکلیف جھیلیں۔ لیکن قضا و قدر کی طرف سے جو واقعات اور حادثات آ کر انسان پر پڑتے ہیں وہ ناگہانی ہوتے ہیں اور جب آ پڑتے ہیں تو قہر درویش بر جانِ درویش ان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ جو کہ اس کے تزکیہ نفس کا باعث ہو جاتا ہے جیسے شہداء کو دیکھو کہ جنگ کے بیچ میں لڑتے لڑتے جب مارے جاتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے نزدیک کس قدر اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ درجاتِ قرب بھی ان کو قضا و قدر سے ہی ملتے ہیں۔ ورنہ اگر تنہائی میں ان کو اپنی گردنیں کاٹنی پڑیں تو شاید بہت تھوڑے ایسے نکلیں جو شہید ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ غرباء کو بشارت دیتا ہے ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ قضا و قدر کی طرف سے ان کو ہر ایک قسم کے نقصان پہنچتے ہیں اور پھر وہ صبر کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں کیونکہ تلخ زندگی کا حصہ ان کو بہت ملتا ہے۔ لیکن امراء کو یہ کہاں نصیب۔ امیروں کا تو یہ حال ہے کہ پنکھا چل رہا ہے۔ آرام سے بیٹھے ہیں۔ خدمتگار چائے لایا ہے۔ اگر اس میں ذرا سا قصور بھی ہے۔ خواہ میٹھا ہی کم یا زیادہ ہے تو غصہ سے بھر جاتے ہیں۔ خدمت گار پر ناراض ہوتے ہیں۔ بہت غصہ ہو تو مارنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقام شکر ہے کہ ان کو ہل جوتنا نہیں پڑا۔ کاشتکاری کے مصائب برداشت نہیں کئے۔ چولھے کے آگے بیٹھ کر آگ کے سامنے تپش کی شدت برداشت نہیں کی اور پکی پکائی شے محض خدا تعالےٰ کے فضل سے سامنے آ گئی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ خدا تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کر کے رطب اللسان ہوتے۔ لیکن اس کے سارے احسانوں کو بھول کر ایک ذرا سی بات پر سارا کیا کرایا رائیگاں کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جیسے وہ خدمتگار انسان ہے اور اس سے غلطی اور بھول ہو سکتی ہے ویسے ہی وہ (امیر) بھی تو انسان ہے۔ اگر اس خدمت گار کی جگہ خود یہ کام کرتا ہوتا تو کیا یہ غلطی نہ کرتا؟ پھر اگر ماتحت آگے سے جواب دے تو اس کی اور شامت آتی ہے اور آقا کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا ہے کہ یہ ہمارے سامنے کیوں بولتا ہے اور اسی لئے وہ خدمت گار کی ذلت کے درپے ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کے لئے زبان کشائی کرے۔ اس پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے کہ سلطان محمود کی (یا ہارون الرشید کی) ایک کنیز تھی۔ اس نے ایک دن بادشاہ کا بستر جو کیا تو اسے گدگدا اور ملائم اور پھولوں کی خوشبو سے بسا ہوا پا کر اس کے دل میں آیا کہ میں بھی لیٹ کر دیکھوں تو سہی اس میں کیا آرام حاصل ہوتا ہے وہ لیٹی تو اسے نیند آ گئی۔ جب بادشاہ آیا تو اسے سوتا پا کر ناراض ہوا۔ تازیانہ کی سزا دی۔ وہ کنیز روتی بھی جاتی اور ہنستی بھی جاتی۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ روتی تو اس لئے ہوں کہ ضربوں سے درد ہوتی ہے اور ہنستی اس لئے ہوں کہ میں چند لمحہ اس پر سوئی تو مجھے یہ سزا ملی اور جو اس پر ہمیشہ سوتے ہیں ان کو خدا معلوم کس قدر عذاب بھگتنا پڑے گا۔ پس غریبوں کو ہرگز بے دل نہ ہونا چاہیئے ان کا قدم آگے ہی ہے۔ لیکن وہ کوشش کریں کہ تھوڑی بہت جو کسر ہے وہ نکال دیویں۔"

(ملفوظات۔ جلد ہفتم ۷ راگست ۱۹۰۴ء)

نئی مقامی انتظامیہ باہمی روابط کو گہرے اور مضبوط کرنے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے گی۔

(چوہدری) نذیر رب صاحب

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے زیرِ اہتمام اطفال الاحمدیہ کی ایک تقریب

(رپورٹر)

" ان بچوں کو آج قرآن کریم ، سورتیں ، نماز اور مسنون دُعائیں باترجمہ پڑھتے دیکھ کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ بھی بہت عمدہ ، روح پرور اور بڑے ۔بوڑھوں کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے نہایت مناسب تھیں" ان خیالات کا اظہار محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے ۲۸ر اکتوبر ۱۹۷۷ء بعد از نماز جمعہ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں اطفال الاحمدیہ کے اجلاس کے موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس تقریب کا اہتمام مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت امیرِ قوم حضرت مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ نے فرمائی۔

پروگرام کے مطابق اطفال الاحمدیہ کے اس اجلاس کی دو نشستیں ہوئیں ۔ پہلی نشست یوم محمد علیؒ کے سلسلہ میں" جس میں بچوں نے اپنے محبوب امیر مرحوم کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا اور دوسری نشست۔ بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے عملی پہلو کے مظاہرہ کے لئے مخصوص تھی جس میں بچوں نے قرآن کریم ، سورتیں ، نماز و مسنون دُعائیں ترجمہ کے ساتھ حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنائیں ۔ محترم ماسٹر عبدالسلام صاحب سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے اس اجلاس کی غرض و غایت بیان کرنے کے بعد سٹیج سیکرٹری کے فرائض مدیحہ رسول ، سیکرٹری اطفال الاحمدیہ کے سپرد کر دیئے اور اس طرح کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

پہلی نشست ۔ یوم محمد علیؒ

تلاوتِ قرآن کریم کے بعد سب سے پہلے مدیحہ رسول نے حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں منظوم ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ بعد ازاں اقبال احمد نے اپنی تقریر میں حضرت مولانا مرحوم کے بچپن کے حالات اور بچوں کے ساتھ آپ کے پیار و شفقت کے بارے میں تذکرہ کیا۔ زاہدہ بشیر نے "حضرت امیر مرحوم کا پیغام جماعت کے نام" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا کا یہ پیغام سنایا کہ دوسروں کی عیب چینی اور دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ کر ہمیں اپنی ساری توجہ کو اپنے آپ کو زیادہ مفید بنانے پر لگا دینا چاہیئے۔ تاکہ دوسرے ہمارے نمونے سے اچھا سبق لیں ۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے اس تقریر کو بہت سراہا اور اس بچی کے حق میں اجتماعی دُعا کروائی ۔

اس کے بعد عابدہ بشیر نے حضرت امیر مرحوم کے چند اقوال پڑھ کر سنائے جن میں مرحوم نے احبابِ سلسلہ کو عشقِ قرآن ، تبلیغ اسلام ، جماعتی استحکام اور خضوع و خشوع سے دُعائیں کرنے کی تلقین فرمائی تھی —— بعدہٗ مدیحہ رسول نے حضرت مولانا مرحوم کی سوانح و سیرت کو اختصار سے بیان کرتے ہوئے آپ کی دینی و ملی خدماتِ عظیمہ پر روشنی ڈالی ۔

دوسری نشست ۔ نمونہ عملی تربیت

اطفال الاحمدیہ کے اجلاس کی اس نشست میں بچوں نے تلاوت قرآن کریم ، چند سورتوں ، مکمل نماز اور بعض مسنون دعاؤں کو با ترجمہ ادا کر کے سنایا ۔ اس پروگرام میں جن بچوں نے حصہ لیا، ان میں مدیحہ رسول زاہدہ بشیر، عابدہ بشیر، اقبال احمد، عطاء الرحمٰن، مظہر رسول، اظہر رسول سلیمان حفیظ ، نعمان حفیظ ، عمران حفیظ اور فواد نذیر شامل ہیں۔ ان بچوں نے نہایت عمدہ طریق سے بڑے خوش کن انداز میں اپنے اپنے اسباق سنائے جس پر جملہ حاضرین نے دلی خوشی کا اظہار کیا اور بعض احباب کی طرف سے بچوں کو نقد انعامات بھی پیش کئے گئے ۔ ان بچوں کے نگران محترم راجہ محمد افضل صاحب جنجوعہ ہمارے دلی شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زیر ہدایت ، دارالسلام میں اطفال کی بڑی باقاعدگی اور محنت و محبت کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا کام بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں جو کہ ہمارے دیگر مبلغین حضرات کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے ۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء ۔

اس موقعہ پر محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے جماعتی زندگی کو مزید فعال مؤثر بنانے کے سلسلہ میں اپنی تجاویز پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا بچوں کا یہ پروگرام نہایت عمدہ رہا لیکن کوشش ہونی چاہیئے کہ بچوں اور نوجوانوں کے اس قسم کے پروگراموں کا دائرہ کار ایک واضح لائحہ عمل کے ذریعہ وسیع تر کیا جائے اور ایسے اجتماعات بار بار ہوں ۔ اس سلسلہ میں مقامی انتظامیہ مناسب سہولتیں فراہم کرکے اور رابطہ قائم کرکے زیادہ سے زیادہ تعداد میں خواتین و حضرات (مع بچوں) کو ان اجتماعات میں شرکت کے لئے آمادہ کرے ۔ آپ نے فرمایا ، ہمیں جماعتی نظریات و روایات کے تحفظ اور احیاء کے لئے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینا ہوگی ۔

محترم چوہدری نذیر رب صاحب ، صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے اختتامی تقریر میں حاضرین مجلس کا شکریہ ادا کیا کہ اس تقریب کی مکمل کارروائی کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ سُننے اور دیکھنے کے علاوہ انہوں نے نقد انعامات کے ذریعہ بچوں کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ۔ اس موقعہ پر صدر موصوف نے بتایا کہ حالیہ سالانہ مقامی انتخابات کے بعد مقامی جماعت کی نئی انتظامیہ سالِ رواں میں بعض دُور رس نتائج کے حامل اقدامات کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اپنے قریبی اجلاس میں ایسے منصوبوں پر بھی غور کر رہی ہے جو محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تجاویز سے متعلق ہیں ۔ چنانچہ جماعتی تنظیم و استحکام کے بارے میں مسائل زیرِ بحث آئیں گے ، نیز باہمی رابطہ پر خصوصی توجہ دی جائے گی اور دینی ، تعلیمی ، تربیتی اور تنظیمی تقریبات زیادہ سے زیادہ منعقد کرکے احباب جماعت کو میل ملاپ کے بکثرت مواقع فراہم کئے جائیں گے اور یہ کہ ان تقریبات میں شمولیت کے لئے احباب کو قبل از وقت اطلاع فراہم کرنے اور ان کیلئے آمد و رفت کی مناسب سہولتیں مہیا کرنے کے خصوصی اقدامات کئے جائیں گے ۔ اس کے علاوہ پروگرام کے مطابق دارالسلام میں تعلیمی و تربیتی سلسلہ کی طرز پر مسلم ٹاؤن اور احمدیہ بلڈنگس میں بھی دو مرکز قائم کرنے کا معاملہ زیرِ غور لائے گا تاکہ قرب و نواح کے احمدی بچے دینی تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں ۔ نیز بچوں کی دلچسپی اور حوصلہ افزائی کے لئے انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا ۔ چوہدری صاحب نے مزید کہا کہ مقامی جماعت کے پروگرام اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب تمام مقامی احباب کا ہمیں تعاون حاصل ہو ۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جملہ والدین بھی ان مجوزہ پروگراموں میں دلچسپی کا مظاہرہ کریں اور اپنے بچوں کے اس تربیتی پہلو کو نظر انداز نہ کریں ۔ اجلاس کے آخر میں حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعتی ترقی اور حصہ لینے والے بچوں کی دین و دُنیا میں کامیابی کے لئے دُعا فرمائی اور اس طرح اطفال الاحمدیہ کا یہ روح پرور اور دلچسپ اجلاس بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۲ر نومبر ۱۹۷۷ء

اداریہ

[illegible]

سے اسے سیاسی اور معاشی استحکام حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کی ذمہ داری افراد پر عائد ہوتی ہے یا سیاسی نظامِ حکومت پر؟ اس بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مغرب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم نے جس صدارتی یا پارلیمانی نظامِ حکومت کا یہاں تجربہ کیا ہے وہ ناکام ثابت ہوا ہے۔ بعض حلقوں کی طرف سے ان دونوں نظاموں کی خوبیاں اور خرابیاں بیان کرنے کے بعد یہ کہا جا رہا ہے کہ چونکہ پاکستان دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے جب تک یہاں یہی نظام رائج نہ کیا جائے گا اس ملک کی سالمیت۔ بقا اور استحکام ہمیشہ خطرے میں رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہاں نظامِ خلافت قائم کیا جائے جو صحیح اسلامی جمہوری نظام ہے اور اس سے خائف نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم اس سائنسی اور ٹیکنیکل دور میں آج سے چودہ سو سال پہلے کے نظامِ حکومت کے قیام کی کوششوں میں لگے مصروف ہیں۔ لیکن ہمارا نظریہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ نظام کوئی بھی ہو اس کے چلانے والے افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی نظام بنیادی طور پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر اسے چلانے والے افراد اعلےٰ صلاحیتوں اور استعدادوں سے محروم ہوں تو ان کے ہاتھوں میں یہ نظام بد تر بن کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے برعکس اچھے انسان ایک برے نظام کو بھی ایسے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں کہ وہ معاشرہ کی فلاح و بہبود اور ترقی کا موجب ہو جاتا ہے۔

انگلستان میں یہی پارلیمانی نظام روایات کی بناء پر قائم ہے۔ اس کا دستور کسی تحریر کی صورت میں موجود نہیں لیکن سینکڑوں سال سے بڑی کامیابی کے ساتھ اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اسی طرح امریکہ کا صدارتی نظام بھی ایک مدت سے کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ حالانکہ ضرورت زمانہ کے مطابق اس میں بھی ترامیم ہوتی رہی ہیں۔ لیکن وہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کا مقصد کسی ایک شخص یا طبقہ کے مفادات کا تحفظ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی ملک و قوم کا مفاد مدِنظر ہوتا ہے۔ حکومتیں وہاں بھی بدلتی رہی ہیں لیکن وہاں کسی حکومت کے حق میں یا اس کے خلاف کبھی ایسی تحریک نہیں چلی جس میں قومی املاک کو تباہ و برباد کیا گیا ہو یا انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی ہو۔ اقتدار ہمیشہ پُر امن طور پر منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ خرابی نظام کی ہے ہمارے خیال میں درست نہیں۔ جہاں قومی اور ملکی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دی جائے گی وہاں ایک اچھے نظام کی موجودگی میں بھی فتنہ و فساد کو سر اٹھانے کا موقعہ ملتا رہے گا اور ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق رہے گا۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پاکستان میں نظامِ خلافت رائج کر دیا جائے تو ملک کی ساری مشکلات حل ہو جائیں گی کیونکہ اس میں جمہوری نظامِ حکومت کی ساری خوبیاں موجود ہیں ہم ان کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ ہمارے سامنے خلافتِ راشدہ کا دورِ حکومت ایک مثالی دور ہے۔ لیکن اسے آج کی زبان میں جمہوری کہنا درست نہیں۔ کیونکہ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو آنحضرت صلعم نے نامزد کیا کیونکہ جب آپ نے اپنی زندگی میں ہی نماز کی امامت انہیں سونپ دی تو صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھ لیا کہ آپؐ کے بعد زمامِ حکومت حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ

بھی آئے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے بعد خلافت کے لئے حضرت عمر رضؓ کو نامزد کر دیا۔ لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی اور آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو مستثنٰی کرتے ہوئے کوئی آٹھ [illegible]

سب کچھ صرف مدینہ میں ہوتا رہا اور مدینہ کے لوگوں نے ہی خلفاء کے تقرر میں حصہ لیا۔ حالانکہ اسلامی سلطنت اس وقت بڑی وسعت اختیار کر چکی تھی مدینہ سے باہر کسی مسلمان یا غیر مسلم رعایا سے اس بارے میں کبھی کوئی رائے نہ لی گئی۔

لیکن جو انسان بھی خلفاء مقرر ہوئے چاہے مدینہ کی چار دیواری میں ہی ہوئے وہ اپنے زمانہ کے بہترین انسان تھے۔ اور ساری اسلامی سلطنت میں ان کے مقابل پر کوئی دوسرا انسان کسی لحاظ سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور یہی وہ انسان تھے جنہوں نے عجز کی حالت میں اسلام کے لئے وہ خدمات سرانجام دیں جن کی مثال کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اور پھر خلیفہ مقرر ہو جانے کے بعد اپنی زندگی کا عملی طور پر جو نمونہ انہوں اور دوسری قوموں کے سامنے پیش کیا وہ جمہوری طور پر منتخب ہونے والا کوئی صدر یا وزیرِ اعظم آج تک پیش نہیں کر سکا۔ وہاں مدینہ کی تو محدود آبادی میں سے چار ایسے بیش قیمت جواہر پارے میسّر آگئے جو دنیا میں اندازِ فرمانروائی کی مثال قائم کر گئے لیکن آج ساری اسلامی دنیا پر نظر ڈال کر دیکھئے تو کوئی ایسا نظر نہیں آئے گا جو حضرت ابوبکر رضؓ کی طرح یہ کہہ سکے کہ اگر میں سیدھا چلوں تو میری اطاعت کرنا اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کر دینا اور سامنے ایسی قوم ہو جو بلا خوف و خطر یہ کہہ دے کہ اگر تم نے کجی اختیار کی تو ہم تمہیں نیزے کی انی سے سیدھا کریں گے۔ اور آپؓ کی طرح ہزاروں لاکھوں کا کاروبار کرنے والا جب سلطنت کا بوجھ اپنے نحیف و کمزور کندھوں پر اٹھائے تو بیت المال کے چند ٹکوں پر قناعت کر بیٹھے۔ جو حضرت عمر رضؓ کی طرح اپنے لباس پر پیوند لگائے پھرے۔ مفلسوں کی حاجت روائی کے لئے اپنی پیٹھ پر بوریاں اٹھا کر لے جائے اور بھرے مجمع میں بڑے صبر و تحمل سے اپنے اوپر اعتراض سنے اور معترض کی تسلی کرے۔ حضرت عثمان رضؓ کی طرح اپنی دولت عوام کی بھلائی اور فلاح و بہبود پر صرف کر دے۔ حضرت علی رضؓ کی طرح فقر و غنا کا پیکر ہو اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ کی طرح سرکاری کام کے لئے سرکاری چراغ اور نجی کام کے لئے اپنے گھر کا چراغ جلائے اور اس کے بچے وظیفہ نہ ملنے کی وجہ سے پرانے کپڑوں میں ہی عید گذار دیں۔

ان کی زندگی تو ایک کھلی ہوئی کتاب تھی۔ جو چاہتا پڑھ لیتا۔ آج کوئی ایسے مردِ مومن کی نشاندہی تو کر دے۔ جو اس معیار کے عشرِ عشیر پر بھی پورا اترتا ہو تاکہ لوگ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور خلافت کا نظام قائم کریں۔ اللہ کی حاکمیت دنیا میں قائم کرنے کے لئے اللہ کے رنگ میں رنگین لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظامِ خلافت بھی اسی لئے کامیاب ہوا کہ جو لوگ برسرِ اقتدار تھے ان کی تربیت آنحضرت صلعم کی آنکھوں کے سامنے ہوئی اور ان پر اللہ کا رنگ چڑھ گیا۔ وہ بوقت ضرورت اہل الرائے سے امورِ سلطنت میں مشورہ ضرور کرتے تھے لیکن آج کی طرح وہاں نہ کوئی اسمبلیاں تھیں اور نہ سینیٹ۔ نہ ایوانِ بالا تھا اور نہ ایوانِ زیریں اور نہ ہی کوئی مستقل مجلسِ مشاورت تھی۔ جس معاملہ سے متعلق رائے لینی ہوتی تھی جن سے مناسب سمجھتے مشورہ کر لیتے۔ اور نہ ہی وہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تمام صحابہ کرام کے مشورہ کے برخلاف بڑے نازک حالات میں لشکر مدینہ سے باہر بھیج دیا

اور جب آپ سے کہا گیا کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے ان کے خلاف لشکر کشی نہ کی جائے۔ تو آپ نے ایک نہ سُنی۔ جن لوگوں سے مشورہ لیا جاتا تھا وہ بھی اپنی اس ذمہ داری سے پوری طرح باخبر ہوتے کہ ان پر قومی معاملات میں اعتماد کیا گیا ہے۔ اس لئے مشورہ دیتے وقت ان کے مدِّ نظر صرف قومی مفاد ہوتا تھا۔ ان کا نفس درمیان سے اُٹھ جاتا تھا۔ اور محض اللہ تعالےٰ کا تقویٰ مدِّ نظر ہوتا تھا۔ ایسے حالات تھے اور ایسی قوم تھی جس کی وجہ سے نظامِ خلافت ایک مثالی نظام بن گیا تھا۔ محض طاقت کے بل بوتے پر یہ نظام کامیاب نہیں ہُوا تھا۔ خلیفہ کو یہ معلوم تھا کہ میرے سامنے میری قوم کیسی ہے اور وہ کیا چاہتی ہے اور قوم کو یہ معلوم تھا کہ حاکم کو کیسے چلنا ہوگا۔ حاکم و محکوم دونوں ایک دوسرے کے مزاج سے بخوبی واقف تھے اور دونوں کے سامنے قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کا نمونہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ نظام تیس سال تک چل سکا اور اس دوران میں بھی قوم کو جن مصائب اور فتنوں کا سامنا ہوا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس کے بعد اس نظام کی ایک ہلکی سی جھلک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دو اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں نظر آتی ہے لیکن زمانہ اس قدر بدل چکا تھا کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا اور اپنوں کے ہاتھوں ہی آپ کی زندگی کا چراغ بجھا دیا گیا۔ بعد میں تو یہی نظر آتا ہے کہ قرآن و سُنّت کے معیار کے مطابق جنہیں مسندِ خلافت پر متمکن ہونا چاہیے تھا ان کے یا تو سر اُڑا دیئے گئے اور یا قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے اور جن کے ساتھ یہ سلوک ہونا چاہیئے تھا وہ کرسی اقتدار پر رونق افروز رہے۔ قرآن و سُنّت کی جگہ جنگل کے قانون نے لے لی۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی آئی وہ محکوم انسانوں کو بھیڑوں کی طرح ہانکتا رہا۔ اور آج تک یہی چلا آ رہا ہے۔ جب اپنے پاکستانی معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہاں اپنے آپکو مسلمان کہنے والے تو ہیں لیکن اسلام نہیں۔ ایسی صورت میں نظامِ خلافت کیسے رائج کیا جا سکتا ہے خاص کر جب اس قوم کا مقابلہ اس قوم سے کیا جائے جس میں یہ نظام قائم کیا گیا۔ تو یہ صورت اور بھی ناممکن دکھائی دیتی ہے۔

اس نظام کے دوبارہ رائج کرنے کے لئے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ حاکمیت اللہ تعالےٰ کی ہے اور وہی قوّت کا سرچشمہ ہے۔ اس کے برعکس مغربی طرز کی حکومتوں میں خالق کی نہیں بلکہ مخلوق کی مطلق العنانی کا تصوّر ہے۔ اس لئے نظامِ خلافت ہی اسلامی نظامِ حکومت کی رُوح کے مطابق ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حاکمِ اعلےٰ اور ساری قوّت کا سرچشمہ اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ لیکن اس زمین پر انسان بستے ہیں اور اللہ تعالیٰ ابتداء سے ہی انسانوں کے رُوحانی اور دُنیوی اُمور کی سرانجام دہی کے لئے انسانوں کو ہی مبعوث فرماتا رہا ہے۔ انسانوں کے سارے معاملات انسانوں کے ذریعے ہی طے پاتے رہے ہیں۔ نہ وہ خود کسی صورت میں اس زمین پر آیا اور نہ ہی اس نے فرشتوں کو اس کام کے لئے بھیجا، کیونکہ وہ رسولوں کے متعلق اس اعتراض کے جواب میں کہ:۔

" کیا اللہ نے ایک انسان کو رسُول بنا کر بھیجا ہے۔"

فرماتا ہے کہ:۔

" اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسُول بنا کر بھیجتے۔" (بنی اسرائیل: ۹۵)

یہ اس لئے کہ انسانوں کے لئے ایک مثال اور نمونہ قائم کر سکتے ہیں۔ وہ مالک الملک ہے۔ جسے چاہتا ہے مُلک عطا کرتا اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

"زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔" (الاعراف - ۱۲۸)

لیکن اس کا وارث بنانے کے لئے اس نے ایک بھاری شرط بھی عائد کی ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

" زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔" (الانبیاء - ۱۰۵)

یہاں صالح بندوں سے مراد یہ نہیں کہ جو اپنے منہ اپنے آپ کو دُنیا کے سامنے صالح پیش کر کے حکومت اور اقتدار پر اپنا حق جتاتے ہوں بلکہ وہ جو اللہ کی نگاہ میں صالح کہلائیں۔ اس کے نزدیک اس کے صالح بندے :۔

" وہ ہیں۔ جو زمین پر انکساری سے چلتے۔ جہالت سے کنارہ کشی کرتے۔ راتوں کو اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔ ہر حالت میں اعتدال پر قائم رہتے۔ صرف اللہ کو ہی اپنا معبود جانتے نہ کسی کی ناحق جان لیتے اور نہ بدکاری کا رُخ کرتے۔ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ لغویات سے پرہیز کرتے اپنے ربّ کے احکام اور نصائح پر کان دھرتے۔ اپنی بیویوں اور اولادوں کے لئے تقویٰ کے ایسے مقام پر کھڑا ہونے کی خواہش کرتے ہیں کہ وہ اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں اور اپنے لئے متقیوں کا امام بننے کی اُمید کرتے ہیں یعنی اپنے آپ کو تقویٰ کے ایسے مقام پر دیکھنے کی آرزو کرتے ہیں کہ دوسروں سے سبقت لے جائیں۔" (الفرقان۔ آخری رکوع)

اور ایسے ہی لوگ جن کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے کہ:۔

" جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے۔ اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن پیدا کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔" (النور - ۵۵)

جب عنانِ حکومت ان صفات سے متصف انسانوں کے ہاتھ میں ہو تو مطلق العنانی کا تصوّر بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مطلق العنانی تب جنم لیتی ہے جب انسان اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لے اور اس کی خواہشات کے طوفان میں بہہ جائے اسی لئے یہاں پر ذکر کیا ہے کہ: جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہے۔" اور نافرمانوں یا فاسقوں کو منافق کہا گیا ہے " منافق ہی نافرمان ہیں" (التوبہ - ۶۷) کیونکہ:۔

"وہ بُرے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا سو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا (التوبہ - ۶۷)

اور جب اللہ چھوڑ دے :۔

" تو کیا سوائے نافرمان لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائیگا؟"

اللہ تعالےٰ کے احکام اور نصائح سے پھرنا اور نفس کو معبود بنا لینا اس کی نافرمانی ہے اور نافرمانی منافقت اور اس کا انجام ہلاکت ہے۔ کیا یہ آج کے پاکستانی معاشرہ کی ہوبہو تصویر نہیں۔ اخبارات اُٹھا کر دیکھیں تو بدکاری۔ قتل۔ اغوا۔ شراب خوری۔ قمار بازی۔ چور بازاری۔ رشوت ستانی۔ سمگلنگ۔ جیب تراشی۔ چوری۔ ڈاکہ زنی۔ دھوکہ دہی اور سرعام فحش حرکات کی خبریں ہی پڑھنے میں آئیں گی۔ خلافت کا وعدہ تو ایمان لانے اور صالح اعمال بجا لانے والوں کے ساتھ ہے نہ کہ ایسے نافرمانوں کے ساتھ۔ ان کے لئے تو ہلاکت کا وعید ہے۔ اس معاشرے میں نظامِ خلافت قائم کرنے کی کونسی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ جو نظام آج سے چودہ سو سال قبل مدینہ میں قائم ہُوا وہ ایسے معاشرہ میں قائم ہوا جو آج

ہے پاکستانی معاشرہ کے بالکل برعکس تھا۔ وہاں ایمان اور عمل صالح کی شرط پوری تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ نظام قائم ہو جائے تو اصلاح ہو سکتی ہے تو یہ بھی واقعات کے خلاف ہوگا کیونکہ وہاں اصلاح پہلے ہوئی اور نظام بعد میں قائم ہوا۔ آخر مکہ میں یہ نظام کیوں قائم نہ ہو سکا۔ آنحضرت صلعم کو حکومت دینے کے لئے تو وہ لوگ تیار تھے۔

کسی نظام کو رائج کرنے اور اسے مقبول عام بنانے کے لئے عوام کے ذہنوں اور دلوں میں ایک پاک انقلاب اور تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی نہ کوئی صدر پیدا کر سکتا ہے اور نہ وزیر اعظم اور نہ ہی کوئی اور نظام حکومت بلکہ یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس کام پر مامور کرتا ہے اور ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ جو لوگ یہ تصور قائم کئے بیٹھے ہیں کہ خلافت محض حکومت قائم کرنے کا نام ہے تو وہ خلافت کے وسیع مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ آیت استخلاف محولہ بالا میں "من قبلھم" کی تشریح خود آنحضرت صلعم نے اپنی زبان مبارک سے یوں فرما دی ہے:

"کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء۔ یعنی بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلفاء ہوں گے۔"

سلسلہ بنی اسرائیل میں بادشاہت بھی تھی اور نبوت بھی لیکن چونکہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ کے بعد بھی ایک سلسلہ ایسا ہونا چاہئے جس میں بادشاہت بھی ہو اور نبوت کی جگہ ولایت بھی۔ اگر خلافت سے مراد محض حکومت ہی لی جائے تو یہ سلسلۂ خلفاء آپ کے ۳۰ سال بعد ختم ہو جاتا ہے جبکہ اُمتِ محمدیہ قیامت تک رہے گی اور یہاں یہ تعین نہیں کیا گیا کہ یہ خلافت صرف ۳۰ سال تک رہے گی۔ اس میں خلفاء قیامت تک آتے رہیں گے جو آپ کے روحانی کمالات کے وارث ہوں گے اور لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے رہیں گے۔ اس نظام خلافت کا قیام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے انسانوں کے ہاتھ میں نہیں ہاں ایسے آسمانی انسانوں کے دامن سے وابستہ ہو کر ہی ایسا نظام قائم کیا جا سکتا ہے جو خلافت راشدہ کا نمونہ ہو۔ ورنہ یہ محض خواب بے تعبیر ہوگا۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم ہو لیکن اپنی پوری شرائط کے ساتھ۔ اور وہ لوگ جو یہ نظام پاکستان میں رائج کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں سب کے سب اپنے اندر جھانک کر دیکھ لیں کہ کیا وہ اپنی حالت کے پیش نظر یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں اور کیا ان کی زندگیاں ویسی ہی ہیں جیسی یہ نظام قائم کرنے والوں کی تھیں؟ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لما تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون"

جس بات پر ہمارا عمل نہیں ہمیں وہ زبان سے نہیں نکالنی چاہئے کیونکہ اس کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ امریکہ اور برطانیہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے دستور تو مطلق العنانی پیدا نہ کر سکے اور ایک عرصہ دراز سے کامیابی سے چل رہے ہیں مگر یہاں ۳۰ سال کے عرصہ میں ہم تجربات ہی کرتے رہے ہیں اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ان کے دساتیر کی کامیابی کا انحصار صرف ایک بات پر ہے کہ وہاں ذاتی نہیں ملکی اور قومی مفاد کو ترجیح دی جاتی ہے اور رائے عامہ کی قدر کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں اس کے برعکس ہے۔ نفس کا بت اگر پاش پاش کر دیا جائے تو نظام حکومت کوئی بھی ہو کامیاب ہو سکتا ہے۔

اخبار احمدیہ

تقریب شادی مکرم جناب راجہ عبدالمجید صاحب (چھکسی) نے اپنی دختر محترمہ نسیم اختر کی شادی کی خوشی میں مبلغ یک صد روپیہ بطور عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ اور جناب چوہدری عبدالحق صاحب نے بھی اپنے صاحبزادہ ... کی شادی کے اس پُرمسرت موقعہ پر مبلغ یک صد روپیہ انجمن میں عطیہ بھیجا ہے (دونوں عطیات موصول ہو چکے ہیں)

پیغام صلح:۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو جانبین کے لئے بابرکت اور مثمر بہ ثمرات حسنہ بنائے۔

جلسہ اطفال الاحمدیہ مؤرخہ ۱۸ر اکتوبر، بعد از نماز جمعہ، جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور میں جلسہ اطفال الاحمدیہ زیر صدارت حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ منعقد ہوا۔ جس میں اطفال نے اپنی حاصل کردہ دینی تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے بچوں کی تقریریں، نماز با ترجمہ اور قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور بعض مسنون دعاؤں کو زبانی یا ترجمہ سن کر بچوں اور ان کے معلّم کی کارکردگی پر اظہار خوشنودی فرمایا اور انہیں مبارکباد دی۔ محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے خوش ہو کر بچوں کو مبلغ پچاس روپیہ اپنی جیب سے انعام عطا فرمایا اور بچوں کی بہترین تربیت پر ان کے معلّم محترم راجہ محمد افضل جنجوعہ (دارالسلام) کو خراج تحسین پیش کیا۔ احباب سلسلہ ان ہونہار بچوں کی درازئ عمر اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے دعا فرمائیں۔ (مقبول بوصی)

بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم کی وفات پر جماعت راولپنڈی کی تعزیتی قرارداد محترم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی تحریر فرماتے ہیں:۔

مؤرخہ ۲۱ بروز جمعہ، بعد از نماز جمعہ مکرم میاں شریف احمد صاحب کی زیر صدارت جماعت راولپنڈی کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔

"یہ جماعت بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر انتہائی رنج و افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ ایک نہایت ہی پارسا اور پاکباز خاتون تھیں، انہیں سلسلہ کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت تھی، اور دینی فلاح و بہبود کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔

جماعت راولپنڈی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ مولا کریم مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے روحانی درجات بلند سے بلند تر اور ان کی روح پر اپنے انوار رحمت کی ابدی بارش نازل فرمائے اور ان کے اعزہ و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

رحلت مکرم حافظ محمد ادریس صاحب گجرات سے یہ افسوسناک اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

"برادرم سردار علی شاہ صاحب بازار صرافاں گجرات کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

حافظ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے۔ کچھ عرصہ سے میاں بیوی دونوں ربوہ جماعت سے نکل کر جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہو گئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے عاشق اور حضرت امیر مرحوم کے لٹریچر کے دلدادہ تھے اور جماعت کے لئے تقویت کا موجب تھے۔

قارئین کرام اور احباب سلسلہ سے مرحوم کے جنازہ غائبانہ کی استدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں جگہ دے اپنے قرب سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نظریۂ پاکستان کا تقاضا!

ہم سب کو اپنی بداعمالیوں سے تائب ہونا چاہیئے

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے ہم پاکستان میں منافقت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کا جھگڑا گاندھی سے کیا تھا؟ گاندھی یہ کہتا تھا کہ قومیت کی بنیاد خطۂ زمین ہے جو ہندوستان کا باشندہ ہے، وہ ہندوستانی ہے۔ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کہتے تھے کہ ہم خاک اور نسل کی بنیادوں پر قومیت کے قائل نہیں ہیں۔ ہم تو اپنا ایک نظریۂ حیات رکھتے ہیں اور اسی کی بنیادوں پر قومیت کا ڈھانچہ استوار کرتے ہیں۔ جھگڑا ہوا۔ قائدِ اعظمؒ جیت گئے۔ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور اس کا نام اسلامک ریپبلک رکھا گیا۔

ہم نے دُنیا جہان کی ناپاکیاں۔ ارتکازِ دولت، علاقائیت پرستی، رشوت ستانی ذخیرہ اندوزی، اقربا نوازی، کنبہ پروری، جُوا، شراب، سُود اس خطۂ زمین پر اکٹھی کیں اور اس کا نام پاکستان رکھ دیا۔ کسی بتکدے کی دیواروں پر حرم کا لفظ کندہ کر دینے سے کوئی بتکدہ بیت اللہ تو نہیں بن سکتا۔ ہم نے جس نظریۂ حیات کو اپنانے کی خاطر اور جن قدروں کو پروان چڑھانے کی خاطر عظیم قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ ہم نے اس ملک میں ان قدروں کو نہایت بے دردی سے پامال کیا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی غرض سے ہر حکومت یہ اعلان کرتی رہی ہے کہ ہمارا آئین قرآن و سُنّت کے منافی نہیں ہوگا۔ فقرے کے تیور دیکھئے کس قدر منافقانہ ہیں؟ اگر جی میں کھوٹ نہ ہوتا تو اعلان کے الفاظ یوں ہوتے کہ:۔

"ہمارا آئین کتاب و سنت کے عین مطابق ہوگا!"

پچیس سال کی مسلسل اور پیہم بداعمالیوں کی پاداش میں آدھا ملک ہم سے چھن گیا۔ جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا تو اس وقت ہم نے اپنے آپ کو اور عوام کو دھوکا دیا۔ ہمارے ذرائعِ ابلاغ ریڈیو ٹیلیویژن نے کہا کہ یہ غزوہ اُحد ہوا ہے۔ یہ غزوہ حنین ہوا ہے۔ یاد رکھیئے کہ آزمائش کا تعلق مؤمنین قانتین سے ہے جنہیں عارضی طور پر بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ کُندن ہو کر نکلیں۔ قرآن مجید ابتلاء کا لفظ ان نفوسِ قدسیہ کے لئے بولتا ہے جنہوں نے معاشرے کی تطہیر کی تھی۔ ابتلاء کا تعلق قرآنی نقطۂ نظر سے ان لوگوں سے ہے جو نماز قائم کرتے ہیں جو زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرتے ہیں۔ جو شراب خواری زناکاری، سُود خواری، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ اور تمام اجتماعی برائیوں کا استیصال کرتے ہیں۔ چوری زنا اور دوسری بداعمالیوں کی سزا احکامِ قرآنی کے مطابق دیتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ انبیاء اور ان کے پیروؤں کی ہزاروں برس کی تاریخ اس بات کو جھٹلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو کبھی یوں بین الاقوامی طور پر ذلیل کیا ہو کہ بیک وقت پوری کائنات کے ذرائعِ ابلاغ سے اس قوم کی ذلت و رسوائی کا اعلان کیا گیا ہو۔ آدھا ملک چھن جائے اور ۹۰ ہزار افراد کافروں اور بت پرستوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور ہم کہیں، یہ غزوۂ اُحد ہوا ہے۔

ہمارے ہاں عرصے سے اسلام خدا، رسول، جہاد ان سب لفظوں کو ایکسپلائیٹ کیا جا رہا ہے۔ ہماری نئی پود نے اسلام کی بات یا تو حکمرانوں کی زبان سے سُنی یا اپنے محلے کے نیم خواندہ مولوی سے سُنی۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے نوجوان یا تو "ہاف ایجوکیٹڈ" ہونے کا نام ہے یا ایکسپلائٹیشن کا نام ہے۔ میں اس بارے میں نئی پود کو معذور سمجھتا ہوں، مجرم ہم ہیں کہ اسلامی نظریۂ حیات کے صحیح خط و خال ان کے سامنے اُجاگر نہ کر سکے۔ ہر حادثہ جو اس کائنات میں رونما ہوتا ہے ایک طالب علم کی حیثیت سے ہم قرآن مجید لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور آیاتِ الٰہی کی روشنی میں اس کی تعبیر ڈھونڈتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے سقوط پر جو آیتیں منطبق ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں۔ ہم یہ آیت کیوں نہیں پڑھتے:۔

ترجمہ: "ان کی وعدہ شکنی کی پاداش میں ہم نے اس دنیا میں ان پر لعنتیں بھیجیں اور ہم نے ان کے دِلوں کو کٹھور بنا دیا۔" (المائدہ: ۱۳)

قرآن کہتا ہے بعض قومیں ایسی ہیں جو کہتی ہیں اے اللہ! تو ہمیں ایک خطۂ زمین عطا کر ہم اس میں تیرے نظریۂ حیات کو نافذ کریں گے اور جب ہم انہیں خطۂ زمین عطا کر دیتے ہیں تو وہ ہم سے وعدہ شکنی کرتے ہیں اور آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ خدا کہتا ہے: (ترجمہ) ان کی وعدہ شکنی کی پاداش میں ہم نے اس دُنیا میں ان پر لعنتیں بھیجیں۔ اور ہم نے ان کے دِلوں کو کٹھور بنا دیا۔ خیر اور شر میں تمیز کی صلاحیت ہی ان سے اُچک لی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سقوطِ مشرقی پاکستان ایک عظیم المیہ ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ اس دھچکے کے بعد بھی ہم منافقت کے روگ سے شفایاب نہ ہو سکے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ روگ ہماری ہڈیوں میں سما گیا ہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان پر ہمارے صحافیوں نے لکھا کہ:۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

تم اس امام الشہدا کا ذکر کرتے ہو جس کے سامعہ سے اس کی پیاسی اور بلکتی ہوئی بچیوں کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں مگر اس نے ہتھیار نہ ڈالے وہ جس نے اپنے چھ مہینے کے شیر خوار بچے کو اپنے آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے دیکھا مگر ہتھیار نہ ڈالے۔ وہ جس نے اپنے پُورے گھرانے کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا وہ عزم و ہمّت کا پیکر، وہ صبر و استقامت کا ہمالہ، وہ عزّت و ناموس کا سراپا۔ جو دشمنوں کے نرغے میں تنہا رہ گیا تھا۔ مگر اس کے عزم اور ہمّت کا دامن بے داغ رہا۔ ہاں! ان کی بھی ناکہ بندی ہو گئی تھی۔ ہاں وہ بھی دشمنوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔ وہ دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

غزوۂ اُحد اور حنین کا ذکر بے محل ہے۔ عاد و ثمود کی قوموں کے عذاب کا ذکر کیوں نہیں کرتے جیسے ایک اناڑی وکیل تعزیرات کی غلط دفعہ لگاتا ہے تعا ریڈیو اور ٹیلیویژن پر آنے والے علماء نے بے محل آیتیں پڑھیں۔ یہ آیت نہ پڑھی: (ترجمہ) خدا کہتا ہے کہ تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ قرآن کا جو حصہ تمہیں آسان نظر آتا ہے اس پر عمل کرتے ہو اور جو مشکل نظر آتا ہے اس سے تم عملاً انکار کرتے ہو جو قوم ایسا کرے گی وہ کیا سمجھتی ہے کہ میں اسے صلہ کیا دوں گا۔ میں اسی دنیا کی زندگی میں ان کو ذلیل و رُسوا کروں گا۔" (البقرہ: ۸۵)

ملک کا نام اسلامک ری پبلک رکھنا آسان کام تھا۔ اس نے اس کے کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوا۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ احکام قرآن پر عمل کیجئے تو اس وقت بغلیں جھانکی جاتی ہیں۔

قرآن نے اس بارے میں واشگاف لفظوں میں دو ٹوک بات کہی:۔

جو "وحی الٰہی کے مطابق آئین نہیں بناتے یہی لوگ فاسق ہیں" (المائدہ: ۴۷)

"جو وحی الٰہی کے مطابق فیصلے نہیں کرتے یہی لوگ ظالم ہیں۔" (المائدہ: ۴۵)

"جو لوگ وحی الٰہی کے مطابق حکومت نہیں چلاتے یہی لوگ کافر ہیں (گو زبانی ہزار دعوے کریں)" (المائدہ: ۴۴)

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ مختلف قوموں کو جب ان کی بداعمالیوں پر ہم جھنجھوڑتے ہیں تو بعض قومیں چونک اُٹھتی ہیں اور وہ اپنی تمام توانائی کو خیر اور بھلائی کی راہ میں کھپا دیتی ہیں اور بعض قومیں ایسی ہیں کہ جب ہم نے انہیں جھنجھوڑا (ترجمہ) تو انہوں نے کہا قوموں کو کبھی شکست ہو جاتی ہے کبھی فتح ہو جاتی ہے۔ اس میں عذاب کی کیا بات ہوئی؟ یہ تو توہمات کی باتیں ہیں آج بھی جب ہم اس مُلک کے دانشوروں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ عذاب الٰہی ہے

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲)

مکرّم جناب ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب پشاور

اچھّی بیوی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :—
" خیر المتاع المرأۃ الصالحۃ (مسلم)
یعنی "بہترین متاع (دولت) نیک بیوی ہے "

جب حضورؐ سے پوچھا گیا کہ اچھی بیوی کون ہے ؟ حضورؐ نے فرمایا:—
" التی تسرّہ اذا نظر و تطیعہ اذا امر
و لا تخالفہ فی نفسھا و لا مالھا بما یکرہ۔
(ابو داؤد)
اچھی بیوی وہ ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو
وہ اسے خوش کر دے۔ اور جب وہ کسی بات کا حکم
دے تو مان لے، اور اپنی جان و مال کے متعلق کوئی
ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔"

اس فرمان نبویؐ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عورت اپنی انفرادیت (INDIVIDUALITY) کا گلا گھونٹ دے اور مرد کی ہاتھ بندھی لونڈی بن جائے۔ جو مرد اس فرمان سے ایسا نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ فاش غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے :—
" ھنّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لھنّ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۷)
وہ (یعنی عورتیں) تم مردوں کے لئے لباس ہیں۔ اور تم
(مرد) ان کے لئے لباس ہو"

لفظ "لباسٌ" کے بارے میں مفسّرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جو اپنی جگہ بجا اور درست ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ لباس کا کام انسان کو گرمی یا سردی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ سردی میں گرم اور گرمی میں سرد لباس ہی صحت بخش ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں مرد اور عورت دونوں کو لباس قرار دیا ہے۔ یعنی اگر مرد کسی وجہ سے طیش میں آ کر گرمی کا مظاہرہ کرنے لگے تو بیوی کو فوراً نرم رویہ اختیار کر کے مرد کے لئے سرد لباس بن جانا چاہیئے۔ بعینہٖ یہی فرض شوہر پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر مسلمان جوڑے اسی ایک آیت بلند پایہ کو سامنے رکھیں تو ان کے گھر مثل جنّت بن جائیں گے۔

اسلام میں شادی کا تصوّر

اس سے قبل کہ ہم اصل موضوع بیان کریں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تصوّرِ نکاح واضح کر دیں کیونکہ یہ بات ہمارے آئندہ کے مضمون کے لئے بطور بنیادی اینٹ ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے :—
" و من آیاتہٖ ان خلق لکم من انفسکم
ازواجاً لتسکنوا الیھا و جعل بینکم
مودّۃً و رحمۃً (الروم — ۲۱)
"اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہارے
نفسوں سے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم ان سے تسکین
پاؤ اور تمہارے درمیان محبّت اور رحم پیدا کیا"
(حضرت مولانا محمد علیؒ)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم رقمطراز ہیں :—

" سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں۔ مطلب
یہ ہوا کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا
ہو جائے کہ زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں اسے ہلا نہ سکیں"
مودّت سے مقصود محبّت ہے۔ قرآن کہتا ہے ازدواجی زندگی
کی تمام تر بنیاد محبّت پر ہے۔ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے اس لئے رشتہ جوڑتی ہے تا کہ ان کی ملی جلی زندگی کی ساری تاریکیاں محبت کی روشنی سے منوّر ہو جائیں۔

لیکن محبّت کا یہ رشتہ پائیدار نہیں ہو سکتا۔ اگر رحمت کا سورج دلوں پر نہ چمکے۔ رحمت سے مقصود ہے کہ شوہر اور بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبّت کریں بلکہ ایک دوسرے کی غلطیاں اور خطائیں بخش دینے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں نظر انداز کر دینے کے لئے اپنے دلوں کو تیار رکھیں۔ رحمت کا جذبہ خود غرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت کی شکل دے دیتا ہے۔ ایک خود غرض محبت کرنے والا اپنی ہستی کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ لیکن رحیمانہ محبت کرنے والا اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے۔ اور دوسرے کی ہستی کو مقدم رکھتا ہے۔ رحمت ہمیشہ اس سے تقاضا کرے گی کہ دوسرے کی کمزوریوں پر رحم کرے، غلطیاں اور خطائیں بخش دے۔ غصّہ، غضب اور انتقام کی پرچھائیں بھی اپنے دل پر نہ پڑنے دے۔"

(تبرکات آزاد از غلام رسول مہر ناشر ادبی دنیا اُردو بازار دہلی طبع اوّل - صفحہ ۱۴۷)

اچھّی بیوی کے بنیادی فرائض

ہر بیوی کے کم از کم یہ تین بنیادی فرائض ہیں :—

(۱) اللہ تعالےٰ کے حقوق۔
(۲) شوہر کے حقوق۔
(۳) اولاد کے حقوق۔

اللہ تعالےٰ کے حقوق

قرآن پاک عورت کی ذمہ داریاں بیان کرتے فرماتا ہے :—

انّ المسلمین والمسلمات والمؤمنین
والمؤمنات والقٰنتین والقانتات
والصادقین والصٰدقات والصّابرین
والصّابرات والخاشعین والخاشعات
والمتصدّقین والمتصدّقات والصائمین
والصائمات والحافظین فروجھم والحافظات
والذّاکرین اللہ کثیراً وّ الذّاکرات اعدّ اللہ لھم
مغفرۃً و اجراً عظیماً۔
(الاحزاب ۳۳-آیت ۳۵)

"مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار مرد اور اللہ تعالےٰ کی فرمانبردار عورتیں۔ اور اللہ کی راہ میں صدق دکھانے والے مرد اور (اللہ کی راہ میں) صدق دکھانے والی عورتیں اور (ابتلاء و مشکلات میں) صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور (نماز میں) فروتنی کرنے والے مرد اور (نماز میں) فروتنی کرنے والی عورتیں (اللہ کی راہ میں) خیرات کرنے والے مرد اور (اللہ کی راہ میں) خیرات کرنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اور اللہ کو بہت

یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔"

اپنی شہرۂ آفاق بلند پایہ تفسیر میں حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

"یہاں ان تمام اعلیٰ صفات میں جو اللہ کے نزدیک مردوں کو بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہیں۔ عورتوں کو شریک کر کے یہ بتایا ہے کہ عورتیں اللہ کے ہاں مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں۔ یہی لئے آخر پر مغفرت اور اجرِ عظیم کا ذکر کیا ہے" اور مغفرت سے مراد یہاں حفاظتِ الٰہی ہی ہے۔"
(بیان القرآن جلد سوم۔ نوٹ نمبر ۲۶۵۴)

شوہر کے حقوق } جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اسلام میں رشتۂ ازدواج کی سب سے بڑی غرض "لتسکنوا الیھا" ہے۔ یعنی مرد عورت کے لئے اور عورت مرد کے لئے باعثِ سکون بنے۔ گویا شادی شدہ جوڑے کی زندگی ہر لحاظ سے پُرسکون ہو۔ یہ سکون حاصل کرنے کے لئے اسلام نے بہت سارے اصول بتلائے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

شوہر کی رضا جوئی } قرآن پاک فرماتا ہے:۔ "فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ۔ (النساء ۴-آیت ۳۴)

"پس نیک بیبیاں ہیں اپنے شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے (ان کی عزت و ناموس، اولاد اور کمائی کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے جو اللہ نے (ان کی حفاظت کی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا ہے:۔

"ایما امرأۃ ماتت و زوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ" (ترمذی)

"جس عورت نے بھی اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔"

سلیقہ شعاری } اچھی بیوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سلیقہ شعار ہو، اس کا گھر، گھر کا سامان صاف ستھرا اور قرینہ سے سجا سجایا ہو، وہ اپنی، اپنے شوہر، اپنے بچوں اور دیگر افرادِ کنبہ کی صحت و صفائی کا خاص خیال رکھے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:۔

"والرجز فاھجر" (المدثر ۷۴-آیت ۵)

"اور ہر طرح کی ناپاکی سے اپنے آپ کو دُور رکھو"

دوسری جگہ آیا ہے:۔

"ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین" (البقرہ-۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہیں اور اللہ ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو ہر طرح کی پاکی و صفائی برقرار رکھتے ہیں۔"

بناؤ سنگار } آرائش اور بناؤ سنگار ہر عورت کا فطری حق ہے لیکن یہ شوہر کی خاطر ہے۔ غیروں کے لئے نہیں، قرآن پاک میں صاف حکم ہے:۔

"ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن ...... الخ
(سورۃ النور ۲۴- آیت ۳۱)

"(مؤمن عورتیں) اپنی زینت (بناؤ سنگار) کو (غیروں پر) ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو عادتاً کھلا رہتا ہے (یعنی ہاتھ اور منہ (حدیث)) اور چاہیئے کہ (گھر سے باہر نکلتے وقت) اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ (تاکہ بناؤ سنگار غیر مردوں سے چھپ جائے۔ مؤمن بیبیاں اپنی زینت کو سوائے اپنے خاوندوں کے (اور کسی کے سامنے) ظاہر نہ کریں۔"

تاریخ سے ثابت ہے کہ قرونِ اولیٰ کی صحابی عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے ہمیشہ صاف ستھری رہتی اور بن سنور کر آتی تھیں۔ بعض احادیث میں حضور صلعم نے اس بارے میں خاص طور پر تاکید بھی کی ہے۔ حضورؐ کی یہ تلقین میاں بیوی کے مابین تعلقات کو پُر امن اور پُرکیف بنانے کے لئے واقعی بے نظیر نسخہ ہے۔ آئے دن کے واقعات سے ثابت ہے کہ اکثر مرد ازدواجی زندگی کی صحیح ڈگر سے صرف اس لئے بھٹک جاتے ہیں کہ اُن کی بیویاں اپنے نسوانی فرائض میں تغافل برتتی ہیں۔

خرچ مطابق آمدن } اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ "لینفق ذو سعۃ من سعتہ، ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتٰہ اللہ (الطلاق ۶۵-آیت ۷)

"چاہیئے کہ فراخی والا اپنی فراخی کے مطابق خرچ کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہے وہ بھی اپنی آمدن کے مطابق خرچ کرے۔"

فضول خرچی، حرص یا بخل اسلام میں قطعاً جائز نہیں۔ مسلمان ہمیشہ میانہ رو ہوتا ہے۔ پس اچھی بیوی بے جا فرمائشوں سے اپنے شوہروں کو تنگ نہیں کرتی۔

مرد کا ہاتھ بٹانا } قرآن پاک فرماتا ہے:۔

"والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض" (توبہ ۹- آیت ۷۱)

"مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ساتھی بن کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

پس اگر ضرورت پڑے تو بیوی بھی مرد کے شانہ بشانہ کام کر سکتی ہے۔ جو لوگ بیوی کی جائز کمائی (محنت و مشقت و مزدوری سے) کو حرام ٹھہراتے ہیں وہ جاہل اور بے علم ہیں۔ اسلام کی پہلی مسلمان عورت (حضرت خدیجہؓ) تاجر ہی تھیں۔ آنحضرت صلعم اکثر فرمایا کرتے کہ جس قدر فائدہ مجھے خدیجہؓ کے مال سے پہنچا کسی اور مال سے نہیں پہنچا۔

نیکی میں سبقت } قرآن پاک میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں ہر دو کی ایک خاص صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

"یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر" (سورۃ توبہ آیت ۷۱)

"(مومن مرد اور مومن عورتیں) دونوں ہی ایک دوسرے کو اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور وہ (ایک دوسرے کو) بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔"

قرآنِ پاک میں دو نیک میاں بیوی حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ کا ذکرِ خیر ان الفاظ میں ملتا ہے :—

"انھم کانوا یسارعون فی الخیرات۔"
(الانبیاء ۲۱- آیت ۹۰)

"وہ نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔"

ثابت ہوا کہ اچھی بیوی نیکوکاری میں بھی اپنے شوہر سے پیش پیش رہنے کی پوری پوری کوشش کرتی ہے۔

اولاد کے حقوق } بچّہ کی اوّلین درسگاہ ماں کی گود ہے۔ بچپن کی عادتیں مرنے تک ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ اسی لئے نبی کریم صلعم فرماتے ہیں :—

"نعم النساء نساء القریش احناھنّ علی الولد و ارعاھن علی الزوج۔" (بخاری۔ مسلم)

"قریش کی عورتیں کیا ہی اچھی ہیں ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ بچوں پر سب سے زیادہ مہربان ہوتی ہیں اور ایک یہ کہ شوہر کے گھر بار کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں"

اس بارے میں قرآن پاک کا ایک واضح حکم یہ ہے :—

"یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً" (التحریم ۶۶- آیت ۶)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے افرادِ کنبہ کو (صحیح تعلیم و تربیت سے) ایسا بنا دو کہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ۔"

عموماً مرد کا زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گذرتا ہے۔ لہٰذا اولاد کی تربیت و تعلیم میں وہ زیادہ حصّہ نہیں لے سکتا۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمّہ داری آ جا کے ماں پر ہی آن ٹھہرتی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوتاہی برتے تو اولاد کے خراب اور مُلک و ملّت کے بدنام ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اور پھر قیامت کے دن اس تغافل پر سنگین باز پُرس ہونا بھی لازمی ہے۔ پس ایک اچھی بیوی کو اس فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

تکملہ } ہمیں پورا احساس ہے کہ باوجود کوشش کے ہمارا مضمون ہنوز تشنہ ہی ہے۔ لہٰذا حضرت سلطان القلم مجدد العصر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمتہ کی مشہور و معروف تصنیف لطیف "کشتی نوحؑ" کا یہ اقتباس بطور **تکملہ** نقل کیا جاتا ہے۔ اس اقتباس میں حضرت مجدد العصرؑ نے قرآنی تعلیمات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ وھو ھٰذا :—

"سو تم اے عورتو! .... خدا کی نافرمانی کرکے موردِ قہرِ الٰہی مت بنو، ہر ایک اپنے کام سے پوچھا جائے گا۔ اگر تم خدا تعالےٰ کی نظر میں نیک بنو تو تمہارا خاوند بھی نیک کیا جاوے گا.......... تقویٰ اختیار کرو، دُنیا سے اور اس کی زینت سے بہت دل مت لگاؤ۔ قومی فخر مت کرو۔ کسی عورت سے ٹھٹھا ہنسی مت کرو۔ خاوندوں سے وہ تقاضے مت کرو جو ان کی حیثیت سے باہر ہیں۔ کوشش کرو تا تم معصوم اور پاک دامن ہونے کی حالت میں قبروں میں داخل ہو۔ خدا کے فرائض نماز، زکوٰۃ، وغیرہ میں سُستی مت کرو۔ اپنے خاوندوں کی دل و جان سے مطیع رہو۔ بہت سا حصّہ ان کی عزت کا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ سو تم اپنی ذمّہ داری کو ایسی عمدگی سے ادا کرو کہ خُدا کے نزدیک صالحات قانتات میں گنی جاؤ۔ اسراف نہ کرو اور خاوندوں کے مالوں کو بیجا طور پر خرچ نہ کرو۔ خیانت نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ گلہ نہ کرو۔ ایک عورت دوسری عورت یا مرد پر بہتان نہ لگاوے۔"

(عورتوں کو کچھ نصیحت۔ مندرجہ کشتیٔ نوحؑ صفحہ ۲۷ طبع اوّل)

نظریۂ پاکستان کا تقاضا

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۶)

ہوش میں آؤ تو وہ طنزاً مسکراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قوموں کو کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست ہو جاتی ہے۔ اس کا عذاب سے کیا تعلق؟ خدا یہ کہتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کسی قوم پر یہ حالت طاری ہوئی کہ وہ عذاب کو عذاب ماننے کے لئے تیار نہیں اور عذاب کو توہمات قرار دیتی ہے تو ہم ایسی قوم کو ایک دوسرا تھپیڑ رسید کرتے ہیں اور اس کے قومی وجود کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ ہماری پکڑ یکایک ہوتی ہے ہم انہیں سوچنے کا بھی موقع نہیں دیتے۔ کہ ان پر کیا بیت گئی ہے میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ مُلک کا یہ بچا کھچا حصہ جو باقی رہ گیا ہے اللہ کا عذاب اس پر منڈلا رہا ہے۔ وہ عذاب جو عوام اور خواص کو یکساں تہس نہس نہیں کرتا ہے۔ وہ عذاب جس کی زد میں بڑے بڑے ذاکر اور صوفی بھی آ جاتے ہیں۔ خدا فرشتوں کہتا ہے کہ ان کو بھی پیسو ان کے آس پاس ملک میں آگ لگی ہوئی تھی اور یہ مسجدوں اور گھروں میں آرام سے بیٹھے ذکر و فکر کی لذتیں اُٹھا رہے تھے

قرآن نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ جب صورت حال ایسی ہو تو اس وقت عذاب سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟ اس ہمہ گیر عذاب سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو خیر اور بھلائی کے سانچے میں اپنی زندگیاں ڈھال کر عوام اور حکام کو امر بالمعروف کرتے ہیں — جو نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے :—

"جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے ہُود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ اور یہ ہماری رحمت کا تقاضا تھا۔"
(ہود - ۸۵)

"جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔" (ہود - ۶۶)

وقت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم سب فعال بن جائیں۔ ہم سب کو چاہیئے کہ اپنا دامن لیں اور کمرِ ہمت باندھیں اور اپنا وقت اپنی توانائی اپنا مال، اپنا جسم اپنی جان سب کچھ اللہ کی راہ میں کھپا دیں۔ (بشکریہ نوائے وقت ۱۰ ۲/۷۷)

ایک ضروری تصحیح

حضرت امیر مرحوم نمبر میں صفحہ اوّل پر سہو کتابت سے مجید الدّین کے بجائے مجدّد الدین چھپ گیا ہے۔ قارئین کرام تصحیح فرمالیں۔

اس غلطی پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب۔ پھکی (ملتان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسی کا معجزہ

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

بسلسلہ اشاعت گذشتہ

اور یہ بات احمدیت کی تاریخ پڑھنے والوں کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اور حضرت صاحب کو ایسے تاریخ پڑھنے والے شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ کیا یہ بات قادیانی جماعت کے لئے غور کرنے کی نہیں۔ کہ حضرت صاحب کے وہ مرید جن کے متعلق خدا تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ بتلایا تھا کہ "ہمارے پاک ممبر ہیں" سب کے سب قادیان سے علیحدہ کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے کفر اور اسلام کے مسئلہ میں میاں محمود احمد صاحب مرحوم کا ساتھ نہ دیا اور قادیان میں جو مرید رہ گئے ان کے بنائے ہوئے خلیفہ ثانی کو حضرت صاحب نے اپنے کشف میں زمین پر بیٹھے دیکھا تھا اور حضرت صاحب نے ایک لاکھ سپاہی ان سے مانگا تو انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ تب حضرت صاحب نے دوسرے گروہ کے سردار (یعنی پاک ممبروں کی لاہوری جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے امیر مولوی محمد علیؒ تھے) سے جو پانچہزاری گروہ کے سردار اور آسمان کی طرف چھت پر بیٹھا تھا، رجوع کیا تو اس نے کہا ایک لاکھ نہیں پانچہزار سپاہی دیا جاوے گا۔

نعوذ باللہ اگر یہ سب الہامی ممبر بقول قادیانی جماعت منافق اور فاسق ہیں۔ تو حضرت صاحب کس زمرہ میں آویں گے جنہوں نے اللہ تعالےٰ سے الہام پاکر ان سب کو پاک ممبر بلکہ اپنی سچائی کا نشان بھی بتلایا ہے۔ ان کو منافق اور فاسق کہنے سے زد خدا تعالےٰ پر بھی پڑی کیونکہ ان ممبران کو پاک کہنے والا اوّل خدا تعالےٰ ہی ہے۔ قادیانی جماعت، کو اسی خدا سے دنیا میں ہی ڈرنا چاہیئے۔ اور اس مالک حقیقی کی گرفت سے بچنے کے لئے دنیا میں ہی توبہ تائب کرنی چاہیئے تاکہ عاقبت میں خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے پاک ممبروں کو فاسق اور منافق کہنے کی وجہ سے پکڑے نہ جاویں۔

لاہور میں حضرت مجدد زمان کے پاک محب

حضرت صاحب نے جب مجددیت کا دعوےٰ کیا اس وقت سے لے کر ان کی زندگی تک یہی وہ پانچ چھ مرید ہیں جو احمدیت کی تاریخ میں حضرت صاحب کی خدمت موافق اور ناموافق حالات میں ہمیشہ حضرت صاحب کے ساتھ ہر وقت دیکھے جاتے تھے۔ اور یہی پانچ چھ مرید ہی حضرت صاحب کی زندگی میں اور مولانا نورالدینؒ کی زندگی میں جماعت میں معزز گنے جاتے تھے۔ ساری جماعت ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

مولوی نورالدین صاحب اپنی شاہی نوکری چھوڑ کر قادیان میں حضرت صاحب کے پاس آ گئے۔ مولانا کے متعلق حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے:

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نورالدین بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

خواجہ کمال الدین صاحب حضرت صاحب کے مقدموں کی پیروی کے لئے اپنی چلتی وکالت چھوڑ کر قادیان اور بعد میں لاہور آ گئے۔ حضرت صاحب کو ان کے متعلق الہام ہوا:۔ "حسن بیان"۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اللہ تعالےٰ نے ان کو بڑا مال دیا تھا۔ آپ نے دین کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ آپ دونوں ہمیشہ تقریباً ہر ہفتہ حضرت صاحب اور ان کے بعد حکیم الامت کی خدمت میں قادیان حاضر ہوتے تھے۔ حضرت صاحب کمال درجہ کی محبت ان دونوں سے رکھتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے بھی مال بھی خرچ کیا اور جب مولوی عبدالکریم صاحب بیمار ہوئے تو ایک لمبی رخصت لے کر ان کی خدمت کے لئے قادیان میں رہے۔ جس سے حضرت صاحب کے بہت زیادہ قریب ہو گئے۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی اپنی نوکری کی قربانی کر کے حضور کے قدموں میں آن پڑے۔ حضرت صاحب کو الہام ہوا ؎

از برائش محمد احسن را
تارک روزگار مے بینم

حضرت صاحب کی وفات کے بعد ہی اپنے وطن واپس چلے گئے۔ مولوی محمد علی صاحب جب ۱۹۱۴ء میں عقائد کے اختلاف کی وجہ سے قادیان چھوڑ کر لاہور آئے تو لاہور کے پاک ممبروں نے ان کا ساتھ دیا۔ اور حضرت صاحب کی جانشین ایک انجمن (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) بنائی۔ اب جہاں احمدیہ بلڈنگس واقع ہے اس میں جو عالی شان مسجد۔ مہمان خانہ۔ حضرت امیرؒ کا مکان۔ انجمن کے دفاتر، یہ سب کے سب پاک ممبروں کی یادگار ہیں۔ جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کر کے یہ جگہ انجمن کے نام کرا دی۔

جب حضرت صاحب نے قادیان میں انجمن بنائی اور چودہ ممبر مجلس معتمدین کے نامزد کئے۔ اس وقت حضرت صاحب کی نظر انتخاب لاہور کے چاروں پاک ممبروں پر پڑی۔ جب حضرت حکیم الامۃ کی وفات کے بعد ۱۹۱۴ء میں فتنہ پڑا لاہور میں انجمن اشاعت اسلام بنائی گئی تو اس کو تھوڑے ہی عرصہ میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گئی۔ بقول مولوی محمد علیؒ صاحب:۔

"ہم قادیان سے کبھی علیحدہ نہ ہوتے اگر خاتم النبیین کے بعد ایک نبوت قائم کرنے اور چالیس کروڑ مسلمان کلمہ گوؤں کو کافر قرار دینے کا فیصلہ نہ کر لیا جاتا۔ پھر وہاں سے علیحدگی کے بعد ہمارا نصب العین وہی رہا جو حضرت صاحب نے ہمارے سامنے رکھا تھا........ اسے اس قدر ترقی ہوئی۔ کہ آج اس عمارت کے بلند مینار دور دور ملکوں میں نظر آ رہے ہیں۔ اور ہماری چھوٹی سی جماعت جو تعداد کے لحاظ سے کسی شمار میں آنے کے قابل نہیں اپنے کام سے ایک عظیم الشان قوم بن گئی۔"

وفات

مولوی محمد علی صاحبؒ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۵۱ء اپنی وفات تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے امیر رہے۔ انہوں نے اس عرصہ میں انجمن کو کیا دیا اور کیا لیا پر ایک نظر:۔

مولانا صاحب نے حضرت صاحب کے حکم کے مطابق اسلام کا غیر ممالک اور ہندوستان کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے اور حقیقی اسلام دکھانے کے لئے، اور وہ امتیازی باتیں اللہ تعالےٰ نے جو اس سلسلہ میں رکھی ہیں، جن کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ ہے، ظاہر کرنے کے لئے ۸۵ کتابیں بمعہ انگریزی تفسیر اور ۸۷ ٹریکٹ اور رسالہ جات لکھے ہیں جو سب کے سب دنیا میں مقبول ہو چکے ہیں۔

ان میں سے ۲۵ کتابیں ۱۴ ٹریکٹ اور رسالے بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ دنیا کے ستر ملکوں کی زبانوں میں تراجم ہو کر شائع ہو چکے ہیں ان سب تصنیفات کو انجمن چھاپتی اور فروخت کرتی ہے۔ ان تصانیف میں جو علم کا خزانہ ہے وہ حضرت مرزا صاحب کے سینہ سے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے سینہ میں منتقل ہوا۔

حضرت صاحب نے جو علم کا دریا بہایا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کو ریکارڈ کر کے اپنی تصنیفات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر کے انجمن کو دیا۔ جس سے فائدہ اٹھانا انجمن کا کام ہے۔ ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۹ء یعنی انجمن کے قیام کے بعد پانچ سال تک مولوی صاحب نے نہ تو کوئی تنخواہ اور نہ ہی کوئی وظیفہ اپنے گذارے کے لئے لیا۔ اور نہ ہی آپ کی کتب کے چھپنے اور فروخت کرنے میں کوئی حصہ آپ کا تھا۔ حالانکہ ۱۹۱۹ء تک قرآن کریم کی پہلی ایڈیشن بھی تقریباً فروخت ہو چکی تھی۔

جب مولوی صاحب نے ۱۹۱۹ء چند ممبران انجمن کے پاس بیان القرآن خود چھپوانے کا ارادہ ظاہر کیا تو انجمن نے بذریعہ ریزولیوشن ۱۹۱ مؤرخہ ۳۰/۷/۱۹ حق تصنیف دیئے جانے کا فیصلہ کیا۔ جس کو مولوی صاحب نے منظور کر لیا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں خواجہ کمال الدینؒ نے انجمن کو لکھا کہ قرآن کریم کا حساب کتاب دیکھتے وقت مجھے پتہ چلا ہے کہ حق تصنیف جو مولوی صاحب کو دیا گیا وہ ناکافی ہے۔ اس پر انہوں نے ایک اور ریزولیوشن پاس کیا جس میں جملہ کتب کی قیمت فروخت پر ۲۵ فی صد حق تصنیف دینا منظور کیا۔ پھر خواجہ نذیر احمد مرحوم کی تجویز پر ۱۹۴۸ء میں بذریعہ ریزولیوشن ۵ حق تصنیف کی شرح $33\frac{1}{3}$ فی صد کر دی گئی۔ جس پر مولوی صاحب کی وفات تک عمل ہوتا رہا۔ مولوی صاحب نے کبھی بھی کوئی مطالبہ نہ ہی انجمن سے نہ ہی حضرت صاحب سے اور نہ ہی مولانا نور الدینؒ سے کیا۔ بلکہ جو وہ دیتے رہے وہی وہ لیتے رہے اور اسی پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ ساری عمر یہ نہیں کہا کہ یہ تھوڑا ہے یا بہت۔ انجمن نے جب حق تصنیف دے دیا یا مقرر کیا تو اپنے مفاد کی خاطر کیا۔ اگر مفاد نہ ہوتا تو مولوی صاحب کو بیان القرآن چھپوا لینے دیتی اس کی بجائے از خود حق تصنیف مقرر کرنے کا مطلب صرف یہی ہے کہ انجمن کو مولوی صاحب کی کتب چھپوانے میں فائدہ اور منافع نظر آتا تھا۔ انجمن کے سارے ممبر متقی اور پرہیزگار تھے۔ انہوں نے دیانت داری سے انجمن کو فائدہ پہنچایا اور مولوی صاحب کو گھاٹے میں رکھا اور اس گھاٹے کو مولوی صاحب نے بغیر کسی چون و چرا کے قبول کر لیا۔ دیگر صورت میں اگر مولوی صاحب کسی انگریزی فرم کو چھپوانے کے لئے اپنی کتب دیتے تو انجمن گھاٹے میں رہتی اور مولوی صاحب اگر ایسا کرتے تو دنیاوی فائدہ کے علاوہ ہر قسم کے اعتراض سے بچ جاتے۔ لیکن مولوی صاحب نے "دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کرتے ہوئے جو انجمن دیتی رہی وہی لیتے رہے اور کبھی کوئی مطالبہ نہ کیا۔

آخری گذارش

ضرورت ہے کہ حضرت امیر مرحوم کی کتب کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک معقول رقم مختص کی جائے اور ان کتب کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے۔ کیونکہ دنیا اس عظیم انسان کے علم کی پیاسی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ حضور کے پیدا کردہ علم کلام کو عام کیا جائے تاکہ دنیا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

(ختم شد)

مولانا مرتضٰی خان حسن مرحوم

بسلسلہ تربیت شبان

دین کو دنیا پر مقدم رکھا

نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے بعد نواب وقار الملک علی گڑھ کالج کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ یہ بڑے دیندار اور پرہیزگار بزرگ تھے ابتداء میں یہ کچہری میں ایک ڈپٹی کمشنر کے ریڈر کے طور پر ملازم ہوئے تھے جو کہ ایک انگریز تھا۔ نواب صاحب موصوف نماز کے بہت پابند تھے۔ اور بڑے اہتمام کے ساتھ وقت پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ظہر کے وقت نواب صاحب کچہری کا کام کاج چھوڑ کر عین وقت مقررہ پر نماز ادا کرتے تھے اور اس کے لئے وہ ڈپٹی کمشنر کی اجازت بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ انگریز ڈپٹی کمشنر بھی ایک سمجھدار اور زیرک انسان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وقار الملک ایک فرض شناس اور قابل ریڈر ہے۔ جو شخص خدا کے فرض کو نہیں بھولتا وہ اپنے فرض منصبی کو کیونکر بھول سکتا ہے۔ اس لئے اس نے کبھی اعتراض نہ کیا اور نواب صاحب باقاعدہ ظہر کی نماز اوقات کچہری ہی میں ادا کرتے تھے۔ لیکن آخر وہ ڈپٹی کمشنر تبدیل ہو گیا اور ایک نئے صاحب ان کی جگہ آ گئے جو کافی تیز مزاج اور کم ظرف تھے۔ پہلے ہی دن نواب صاحب سے بگڑ گئے۔ نواب صاحب حسب معمول عدالت چھوڑ کر نماز کے لئے چلے گئے اور آدھ گھنٹہ کے بعد تشریف لائے۔ نئے ڈپٹی کمشنر صاحب کے غیظ و غضب کا پارہ چڑھ گیا۔ اور ان سے کڑک کر پوچھا کہ آپ کہاں چلے گئے تھے انہوں نے نہایت شستہ الفاظ میں جواب دیا کہ جناب عالی! میں حسب معمول نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ نماز وقت پر ادا کرنے کا ہم کو حکم ہے۔ اس لئے اس میں پس و پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے کام تو ایک آدھ گھنٹہ آگے پیچھے ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں۔ نماز خدا کا حکم ہے اور جو وقت خدا نے مقرر کیا ہے اس سے آگے پیچھے ہونا گناہ ہے۔ صاحب بہادر یہ جواب سن کر بجائے اس کے کہ نواب صاحب کے اس جذبہ کی قدر کرتے غصّہ سے لال پیلے ہو گئے اور بڑے تکبّر سے بولے کہ ہم سرکاری کام میں بے ضابطگی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

نواب صاحب نے ان کو پھر سمجھایا کہ نماز کا وقت مقرر ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ بہرحال وقت پر ہی پڑھی جائے گی۔ جہاں تک دفتر کے کام کا سوال ہے اس میں خدا کے فضل سے سرمو فرق نہیں آئے گا۔ اور آپ دیکھیں گے کہ کوئی کام ادھورا نہیں رہ جائے گا۔ لیکن وہ صاحب کچھ ایسی اُلٹی کھوپڑی کے مالک تھے کہ نہ مانے اور یہی رٹ لگاتے رہے کہ ہرگز نہیں۔ دفتر کے کام میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔

جب نواب صاحب نے دیکھا کہ یہ شخص باوجود سمجھانے کے نہیں سمجھتا آپ نے کاغذ لے کر فوراً استعفا لکھ کر صاحب بہادر کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جس نوکری سے خدا کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے اور نماز جیسے فریضہ کو چھوڑنا پڑے مجھے ہرگز منظور نہیں۔ جب کچہری کے دوسرے احباب کو نواب صاحب کے استعفا کا علم ہوا تو وہ ڈپٹی کمشنر کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ نواب صاحب بہت بڑے قابل شخص ہیں۔ ان کے استعفا دینے سے آپ کے دفتر کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اور ان کی جگہ پُر کرنے والا آپ کو کوئی نہیں ملے گا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر نے نواب صاحب سے کہا کہ آپ اپنا استعفا واپس لے لیں مگر نواب صاحب نے نہ مانا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے سرکاری ملازمت کو خیرباد کہہ دیا۔ نواب صاحب کو خدا نے وہ عزت اور شہرت دی کہ وہ ایک تاریخی ۔۔۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں (مینیجر)

عقلِ انسانی کے تین روشن رفیق

تجربہ - تاریخ اور الہام الٰہی

سچ ہے کہ عقل بھی خُدا نے انسان کو ایک چراغ عطا کیا ہے۔ کہ جس کی روشنی اس کو حق اور راستی کی طرف کھینچتی ہے اور کئی طرح کے شکوک اور شبہات سے بچاتی ہے اور انواع و اقسام کے بے بنیاد خیالوں اور بے جا وساوس کو دُور کرتی ہے۔ نہایت مفید ہے بہت ضروری ہے بڑی نعمت ہے مگر پھر بھی باوجود ان سب باتوں اور ان تمام صفتوں کے اس میں یہ نقصان ہے کہ صرف وہی اکیلی معرفت حقائق اشیاء میں مرتبۂ یقین کامل تک نہیں پہنچا سکتی کیونکہ مرتبہ یقین کامل کا یہ ہے کہ جیسا کہ حقائق اشیا کے واقعہ میں موجود ہیں انسان کو بھی ان پر ایسا ہی یقین آ جائے کہ ہاں حقیقت میں موجود ہیں۔ مگر مجرد عقل اس کو اعلےٰ درجہ یقین کا مالک نہیں بنا سکتی، کیونکہ غایت درجہ حکم عقل یہ ہے کہ وہ کسی شئے کے موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرے جیسا کسی چیز کی نسبت یہ حکم دے کہ اس چیز کا ہونا ضروری ہے یا یہ چیز ہونی چاہیئے۔ مگر ایسا حکم ہرگز نہیں دے سکتی کہ واقعہ میں یہ چیز ہے بھی اور یہ پایہ یقین کامل کا، علم انسان کا کسی امر کی نسبت ہونا چاہیئے کے مرتبہ سے ترقی کر کے ہے کے مرتبہ تک پہنچ جائے تب حاصل ہوتا ہے کہ جب عقل کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا رفیق مل جاتا ہے کہ جو اس کی قیاسی وجوہات کو تصدیق کر کے واقعاتِ مشہودہ کا لباس پہناتا ہے۔ یعنے جس امر کی نسبت عقل کہتی ہے کہ ہونا چاہیئے وہ رفیق اس امر کی نسبت یہ خبر دے دیتا ہے کہ واقعہ میں وہ امر موجود بھی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں عقل صرف ضرورت شئے کو ثابت کرتی ہے خود شئے کو ثابت نہیں کر سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ کسی شئے کی ضرورت کا ثابت ہونا امرِ دیگر ہے۔ اور خود اس شئے کا ثابت ہو جانا امرِ دیگر۔

بہرحال عقل کے لئے ایک رفیق کی حاجت ہوئی۔ کہ تا وہ رفیق عقل کے اس قیاسی اور ناقص قول کا جو ہونا چاہیئے کے لفظ سے بولا جاتا ہے، مشہودی اور کامل قول سے جو ہے کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبر نقصان کرے اور واقعات سے جیسا کہ وہ نفس الامر میں واقعہ ہیں آگاہی بخشے۔ سو خدا نے جو بڑا ہی رحیم اور کریم ہے اور انسان کو مراتب قصوی یقین تک پہنچانا چاہتا ہے اس حاجت کو پوری کیا ہے۔ اور عقل کے لئے کئی رفیق مقرر کر کے راستہ یقین کامل کا اس پر کھول دیا ہے۔ تا نفس انسان کا کہ جس کی ساری سعادت اور نجات یقین کامل پر موقوف ہے اپنی سعادت مطلوبہ سے محروم نہ رہے اور ہوتا چاہیئے کہ نازک اور پُرخطر پُل سے عقل نے شکوک اور شبہات کے دریا پر باندھا ہے بہت جلد آگے عبور کر کے ہے کے قصرِ عالی میں جو دار الامن والاطمینان ہے داخل ہو جائے اور وہ رفیق عقل کے جو اس کے یار اور مددگار ہیں ہر مقام اور موقعہ میں الگ الگ ہیں۔ لیکن از روئے حصر عقل کے تین سے زیادہ نہیں۔ اور ان تینوں کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اگر حکم عقل کا دنیا کے محسوسات اور مشہودات سے متعلق ہو جو ہر روز دیکھے جاتے یا سنے جاتے یا سونگھے جاتے یا ٹٹولے جاتے ہیں تو اس وقت رفیق اس کا جو اس حکم کو یقین کامل تک پہنچا دے مشاہدہ صحیحہ ہے کہ جس کا نام تجربہ ہے اور اگر حکم عقل کا ان حوادث اور واقعات سے متعلق ہو جو مختلف ازمنہ اور امکنہ میں صدور پاتے رہے یا صدور پاتے ہیں تو اس وقت اس کا ایک ایسا رفیق بنتا ہے کہ جس کا نام تواریخ اور اخبار اور خطوط اور مراسلات ہے اور وہ بھی تجربہ کی طرح عقل کی دود آمیز روشنی کو مصفےٰ کر دیتا ہے کہ پھر اس میں شک کرنا ایک حمق اور جنون اور سودا ہوتا ہے اور اگر حکم عقل کا ان واقعات سے متعلق ہو جو ماوراء المحسوسات ہیں جن کو ہم نہ آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ کان سے سُن سکتے ہیں اور نہ ہاتھ سے ٹٹول سکتے ہیں اور نہ اس دنیا کی تواریخ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ تو اس وقت اس کا ایک تیسرا رفیق بنتا ہے۔ کہ جس کا نام الہام اور وحی اور قانون قدرت بھی یہی چاہتا ہے کہ جیسے پہلے دو مواضع میں عقلِ ناتمام کو دو رفیق میسّر آ گئے ہیں۔ تیسرے موضع میں بھی میسّر آیا ہو۔ کیونکہ قوانین فطرتیہ میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ دنیا کے علوم اور فنون میں کہ جن کے نقصان اور سہو اور خطا میں چنداں حرج بھی نہیں انسان کو ناقص رکھنا چاہا۔ تو اس صورت میں خدا کی نسبت یہ بڑی بدگمانی ہوگی جو ایسا خیال کیا جائے جو اُس نے ان امور کی معرفت تامہ کے بارے میں کہ جن پر کامل یقین رکھنا نجات اُخروی کا شرط ہے اور جن کی نسبت شک رکھنے سے جہنم ابدی طیار ہے انسان کو ناقص رکھنا چاہا ہے۔ اور اس کے علم اُخروی کو صرف ایسے ایسے ناقص خیالات پر ختم کر دیا ہے کہ جن کی محض اٹکلوں پر ہی ساری بنیاد ہے۔ اور ایسا ذریعہ اس کے لئے کوئی بھی مقرر نہیں کیا کہ جو شہادتِ واقعہ دے کہ اس کے دل کو یہ تسلّی اور تشفی بخشے۔ کہ وہ اصول نجات کہ جن کا ہونا عقل بطور قیاس اور اٹکل کے تجویز کرتی ہے وہ حقیقت میں موجود ہی ہیں۔ اور جس ضرورت کو عقل قائم کرتی ہے وہ فرضی ضرورت نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ضرورت ہے۔ اب جب کہ یہ ثابت ہُوا کہ الٰہیات میں یقین کامل صرف الہام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور انسان کو اپنی نجات کے لئے یقینِ کامل کی ضرورت ہے۔ اور خود بغیر یقینِ کامل کے ایمان سلامت لے جانا مشکل ہے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ انسان کو الہام کی ضرورت ہے۔

(براھین احمدیہ)

حضرت امیر مرحوم نے فرمایا:-

"جو شخص مغفرت کا خواہاں ہے۔ اس کی مغفرت کی خواہش باطل ہے اگر وہ خدا کے بندوں کی مغفرت نہیں کرتا یہی تخلق باخلاق اللہ کا سبق ہے۔ جو سکھایا ہے۔" (خطبہ جمعہ ۲/۲۸-۱۶ بحوالہ مجاہد کبیر صفحہ ۲۹۷)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۴۴

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۲۶ ذیقعد ۱۳۹۷ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۵

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے

اخلاقِ فاضلہ کا حصول اور جماعتی ترقی کا راز

اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوقِ خدا کے ہمدرد بن جاؤ تا تم قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر ہی سے بھیڑیئے ہیں بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ ان کی تحقیر، اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل، اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر، ہلاکت کی راہوں سے ڈرو خدا سے ڈرتے رہو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو۔ اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو۔ اور اسی کے ہو جاؤ۔ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اسی کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو۔ کیونکہ وہ پاک ہے چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں۔ بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی اور جس پر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخکنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے کیا تم اس کو دھوکا دے سکتے ہو۔ پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی۔ اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ شریر ہے وہ انسان جو کہ اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ .... تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ خائن اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا اور ہر ایک جو اس کے نام کے لئے غیرت مند نہیں اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا وہ جو دنیا پر کتوں اور چیونٹیوں یا گِدوں کی طرح گرتے ہیں دنیا سے آرام یافتہ ہیں وہ اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے۔ ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اس کے لئے آگ میں ہے نجات دیا جائے گا۔ وہ جو اس کے لئے روتا ہے وہ ہنسے گا۔ وہ جو اس کے لئے

خدا تعالیٰ کی ہستی کا اصل ثبوت انسانی زندگیوں میں اعلیٰ تبدیلی سے ملتا ہے

اسلام کا عملی نمونہ پیش کرو۔ تاکہ خدا اور رسول کی صداقت پر تمہارا وجود گواہ ہو

خطبۂ جمعہ مورخہ ۱۴/۱۱/۷۷ فرمودہ حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس .... لاٰیٰت لقوم یعقلون ٥ (البقرہ - ۱۶۴)

(مرتبہ: مولوی شفقت رسول)

فرمایا کہ آسمان و زمین - رات دن - سمندروں پر چلنے والی کشتیوں وغیرہ کی پیدائش پر غور کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہی خدا ہے - اللہ تعالےٰ نے موجودات عالم پر سوچنے اور گہری نظر کرنے پر زور دیا ہے تاکہ انسان یقین کر لے کہ جس ہستی نے یہ نظام برپا کیا ہے اور یہ ایسا نظام ہے جو انسان کے احیاء اور بقا کے لئے نہایت ضروری ہے - وہ ہستی ہی اس قابل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے ہی سر جھکایا جائے - یہ قرآن پاک کی نہایت اعلیٰ تعلیم ہے یہ تعلیم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور یہ تعلیم تمام قوموں کے لئے ہے - حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی کیونکہ وہ رسول الیٰ بنی اسرائیل تھے - اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی گلہ بانی کے لئے تشریف لائے تھے - ان کی تعلیم تمام قوموں کے لئے نہیں ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں اور انبیاء سابقین کی نبوت میں یہی واضح فرق ہے کہ وہ وقتی اور قومی انبیاء تھے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام اور زمانوں کے لئے نبی ہیں- حضورؐ نے خدا سے وحی کے ذریعہ علم پا کر یہ بتایا کہ آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا ایک ہی خدا ہے - زمین پر سمندر بنایا - حیوانات - پرند - چرند اور درندے پیدا کئے اور ان کی ضروریات و خوراک کو مہیا فرمایا- صرف وہی ایک ذات ہے جس نے یہ سب اشیاء پیدا کیں - اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے جو یہ اشیاء پیدا کر سکے -اس کائنات کی حکومت اور بادشاہت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

سیارے اور ستارے - سورج - چاند، اور جملہ موجودات اسی کی پیدا کردہ ہے - ان سب میں خدا کی مخلوق موجود ہے - جن کو وہ پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے - مشرق کی مخلوق ہو یا مغرب کی مخلوق سب سب اسی کی پیدا کردہ ہے - مشرق اور مغرب کا ذکر کیا ہے - کیونکہ مغربی قومیں خیال کرتی ہیں کہ وہ اعلیٰ رنگ و روغن کی حامل ہیں اس لئے وہ حاکم قومیں ہیں- اس کی تردید کی اور فرمایا کہ مشرق اور مغرب کی سب قوموں کو اللہ تعالےٰ ہی نے پیدا کیا اور وہی ان کا حقیقی حاکم ہے - جہاز جو سمندروں کی سطحوں پر باوجود اپنے بھاری بوجھ کے نہایت آسانی سے چلتے ہیں اور انسانی منافع اور فوائد کے ساز و سامان کی نقل و حمل کرتے ہیں - خدا ہی نے پانی کے اندر یہ قوت پیدا کی ہے کہ وہ ان کا ہزاروں ٹن کا وزن برداشت کرتا ہے - اور ان کے نقل و حمل میں انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی رحمت اور احسان ہے - جس سے انسانوں کی صحیح رہنمائی ہوتی ہے - اللہ تعالےٰ نے جہاں انسانوں کی جسمانی زندگی کے لئے وسعت کے ساتھ ساز و سامان حیات پیدا کیا ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوتا - اسی طرح اللہ تعالےٰ نے انسان کی روحانی زندگی کے بقاء کے لئے قرآن پاک جیسی نعمت عطا کی ہے جو دائمی ہے - ہمیں اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہیئے۔

خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا جو انسان کے قریب ادھر ادھر موجود ہیں اور جن پر انسان کی ہر آن نظر پڑتی ہے - کہ انسان ان اشیاء پر غور کر کے نتیجہ اخذ کرے کہ اس کی عبادت کا حقدار صرف خدا ہی ہے اور اسی کے احکام قابلِ عمل اور انسان کی بہتری میں ہیں -

دلائل کا یہ انداز صرف قرآن پاک کا ہی حصہ ہے - یہ کتاب جامع تعلیم کی حامل ہے - جو انسان کا تعلق خدا سے پیدا کرتی ہے - یہ کتاب روشن کتاب ہے اور اس کی روشنی کس قدر دلیلِ راہ ہے کہ انسان اس پر عمل کرے تو خدا تعالےٰ کا قرب اور عظمت حاصل کر لیتا ہے۔

خدا تعالےٰ وقتاً فوقتاً انبیاء پیدا کرتا رہتا ہے جو خدا کی جانب سے روشنی لاتے ہیں اور بھٹکے ہوئے انسان کی رہنمائی کرتے ہیں اور اس کو خدا کی جانب مائل اور متوجہ کرتے ہیں اور عرفان بخشتے ہیں جس سے انسان اپنے خدا کو پہچان لیتا ہے - قرآن پاک عرفانِ الٰہی کی روشن قندیل ہے جو انسان کو منزلِ مقصود یعنی صراطِ مستقیم پر آگہی بخشتی ہے - اور انسان کو خدا سے ملاتی ہے - آئیے اس روشنی کی جانب پوری توجہ کریں اور زندگی کی ہر راہ پر اس سے نور و ضیا حاصل کریں اور خدا کی معرفت اور عرفان اور پہچان حاصل کر کے قربِ خداوندی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں، ہمیں اللہ تعالےٰ ہی سے اس کی توفیق طلب کرنی چاہیئے۔

تعزیتی قرارداد

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور نے ۲۶/۱۰ کو ایک غیر معمولی اجلاس طلب کر کے حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا۔

"یہ اجلاس محترمہ بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی امیر مرحوم و مغفور کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے - مرحومہ جماعت احمدیہ کی ایک نیک دل اور مخلص خاتون تھیں اور جماعت احمدیہ لاہور کا ایک قیمتی اثاثہ تھیں - ان کی وفات سے جماعت احمدیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے - دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کی روح پر اپنے انعامات نازل کرے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے - آمین-

یہ اجلاس اُن کے عیال اور جملہ لواحقین سے گہرے تاسف کا اظہار کرتا ہے اور اس صدمہ میں ہم سب ان کے ساتھ شریک ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اس صدمہ کے برداشت کی توفیق دے اور صبر جمیل عطا فرمائے - آمین"

مذکیہ اقبال - سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۹ر نومبر ۱۹۷۷ء

کسی مجدّد نے یہ نہیں کہا کہ نبیؐ کو چھوڑ کر میری اُمّت میں شامل ہو جاؤ

ایک صاحب سورۃ آلِ عمران کی آیت ۷۹ کے ترجمہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:۔

" جیسے کسی نبی کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندوں سے کہے کہ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اسی طرح نبی کے کسی اُمّتی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے اُمتیوں سے کہے کہ نبی کو چھوڑ کر میرے اُمّتی بن جاؤ۔ کوئی ولی۔ کوئی مجتہد کوئی مجدّد یا کوئی عالم ایسا کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ نجات کے لئے مجھ پر ایمان لانا یا میرے بتائے ہوئے راستہ کو اختیار کرنا ضروری ہے اور جو میرا بتایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کرتا وہ فلاح نہیں پا سکتا.... ......کئی لوگوں نے کوشش کی کہ حضورؐ کے اُمتیوں کو حضورؐ سے کاٹ کر اپنی طرف لے جائیں .... یہ لوگ اپنے کام کی ابتداء اسلام کی خدمت سے کرتے ہیں۔ جب لوگوں پر اپنی "خدمتِ اسلام" کا سکّہ بٹھا لیتے ہیں پھر ان کے دلوں سے حضورؐ کی عظمت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی شان کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" (نوائے وقت ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء)

اس سے قبل کہ ہم ان ارشادات پر اپنے خیالات کا اظہار کریں اس آیت کریمہ کا ترجمہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں:۔

"کسی بشر کے لئے (شایان) نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکم اور نبوّت دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن (وہ کہتا ہے) تم ربّانی ہو جاؤ اس لئے کہ تم کتاب سکھاتے تھے اور اس لئے کہ تم اسے پڑھتے تھے۔"

ہمارے قارئین اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اس آیت میں دراصل عیسائیوں کی ایک عظیم الشان تحریف کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسےٰؑ کی طرف ایسے کلمات منسوب کئے جن سے یہ معنی اخذ کئے گئے گویا وہ اپنے آپ کو خدا منوانا چاہتے تھے اور یہ تعلیم دیتے تھے کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ جو وحدہٗ لاشریک ہے کو چھوڑ کر میری الوہیت پر ایمان لاؤ اور اسی سے کفارہ کا عقیدہ بھی پیدا ہوا۔ اس آیت میں "بشر" کا لفظ لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ ایک بشر تھے اور اس لحاظ سے مخلوق۔ اور کوئی مخلوق خالق کے ساتھ اس کی ذات اور صفات میں شریک نہیں ہو سکتی۔ اور خاص کر ایسا بشر جسے اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعے اپنی ذات کا علم عطا کیا ہو، اور اسے اس کی معرفت نصیب ہوئی ہو وہ کس طرح یہ جرأت کر سکتا ہے کہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے اور اپنی عبادت کرنے کی تبلیغ کرتا پھرے۔ اور اس طرح خدا کا شریک بننے اور شریک بنوانے کا مرتکب ہو۔ بلکہ اس کا مشن یہ ہے کہ جو معرفت اُسے نصیب ہوئی ہے اس کے حصول کے لئے لوگوں کو راستہ بتائے اور اس پر اپنی ذات کو بطور شہادت پیش کرے کیونکہ انبیاء اور مامورین کا مقصد ہی صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو وہ راستہ دکھانا ہوتا ہے جس پر چل کر وہ خدا تک پہنچ سکیں اور اس طرح فلاح و نجات پا سکیں ان کا مقصد اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک کر کے اپنی ذات کو منوانا نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں توحید کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ آج تک کسی نبی اور مامور من اللہ نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو اور عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مان کر انہیں خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ لیکن ان کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی۔ اس لئے ان کے ماننے والوں نے ایسا کیا تو اپنی طرف سے کیا اور اسی کی نفی اس آیت میں کی گئی ہے۔

صاحب تحریر کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مطابق نبیوں کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ" اور ان کو ماننے سے "نجات حاصل کرنا" دونوں ہم معنی ہیں اگر ایسا ہی ہو تو پھر نجات کے لئے انبیاء پر ایمان لانا بھی شرک میں شامل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا اپنے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے کا حکم دینے کے کوئی معنے نہیں رہتے۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ تصوّر غلط ہے اور بڑے غیر مفید اور دُور رس نتائج کا حامل ہے۔ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر رسولوں کے بندے بن جانے میں شرک ہے۔ لیکن نجات کے لئے رسولوں کی اتباع اور پیروی لازم ہے ورنہ نہ تو اللہ تعالےٰ کی جو نہاں در نہاں ہستی ہے کوئی پہچان حاصل ہو سکتی ہے اور نہ انسان گناہوں، کمزوریوں اور خطیئات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ راستہ انبیاء کے وجود اور ان کی اتباع سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے جگہ جگہ قرآن کریم میں اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کے الفاظ آئے ہیں اور فرمایا ہے:۔ کہ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو"۔
(محمدؐ : ۳۳)

رسولؐ کی اطاعت نہ کرنے سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور نجات کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ایسے الفاظ آئے جن میں عبادت اور توحید کا مفہوم پایا جاتا ہے وہاں رسول کو ساتھ شامل نہیں کیا وہاں صرف "اعبدوا اللہ" کے الفاظ ہیں کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسری مخلوق کی عبادت کا حکم نہیں۔ خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّدِ وقت اور مسیح موعودؑ اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

" اور اگر خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام نبی یہی سکھلاتے آئے ہیں کہ خدا کو واحد اور لاشریک مانو اور ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ اسی وجہ سے اسلامی تعلیم کا ان دو فقروں میں خلاصہ تمام اُمّت کو سکھلایا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اگر یہ مقدس لوگ دُنیا میں نہ آتے تو صراطِ مستقیم

کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔"
(حقیقۃ الوحی ص ۱۱۱)

اسی لئے قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ :-

"کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اس لئے خدا کی محبت کو پانے کے لئے رسول کی اتباع شرطِ اوّل ہے۔ ورنہ اس کی معرفت سے محروم وہ کو اس دنیا سے اندھا ہی اُٹھ جاتا ہے اور اس کی رحمتوں سے محروم رہتا ہے۔ "کونوا عباداً لی" اور "اتبعونی" کہنے میں بڑا فرق ہے۔ ایک میں شرک لازم آتا ہے اور دوسرے میں اپنے نقشِ قدم پر چل کر خدا کو پانے اور اس سے رشتہ اور تعلق قائم کرنے کی دعوت ہے۔ جو نجات دنیوی اور اُخروی کا واحد ذریعہ ہے۔

اس سلسلہ میں جو دوسری بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے علم میں آج تک کوئی ولی، مجتہد، مجدد یا عالم ایسا نہیں آیا جس نے یہ کہا ہو کہ تم اُمتِ محمدیہ سے کٹ کر میری اُمت میں شامل ہو جاؤ یا نبی کو چھوڑ کر میرے اُمتی بن جاؤ۔ ہاں اگر کسی نے امامِ وقت ہونے کی وجہ سے کوئی جماعت بنائی تو یہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے ماتحت ہی ہو سکتا ہے کہ :-

"چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت (اُمّۃ) ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔"
(آلِ عمران : ۱۰۴)

یہاں تو اُمت میں سے ہی ایک اُمت بنانے کا ذکر ہے۔ اور اگر کوئی ان کاموں کے لئے ایک جماعت بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس نے ایسا کر کے اپنی گردن آنحضرت صلعم کی غلامی کے جُوئے سے آزاد کر لی۔ "ولتکن" میں ایک تاکیدی حکم ہے کیونکہ اگر ایسی جماعت نہ ہو تو بدی کو پھلنے پھولنے کا وسیع موقعہ ملنے کا امکان ہے اور اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو قومِ یہود کا ہوا کیونکہ :-

"جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کُفر کیا اُن پر داؤدؑ اور عیسٰےؑ ابنِ مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے وہ ایک دوسرے کو بُرے کام سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے کیا ہی بُرا ہے جو وہ کرتے تھے۔"
(المائدہ : ۷۹)

اور یہ وہ قوم ہے جسے مغضوب علیہ کہا گیا ہے اور اس کے نقشِ قدم پر نہ چلنے کے لئے مسلمانوں کو دُعا سکھائی گئی ہے۔ ان مُجدّدین میں سے اگر کسی نے ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے اپنے وقت میں کوئی جماعت بنائی تو اس نے خدمتِ اسلام کی آڑ لیکر نہ تو حضورؐ کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی شان کم کرنے کی کوشش کی۔

ان مجدّدین میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم پر مخالفین کی طرف سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے نبوت کا دعوےٰ کر کے خدمتِ اسلام کا سہارا لے کر ایک الگ اُمت بنائی۔ اور اسی بے بنیاد اور مفتریانہ الزام کی بدولت آپ کی جماعت کو خارج از اُمتِ محمدیہ قرار دیا گیا۔ لیکن ہم انہی کے الفاظ نقل کر کے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، افترا ہے، بہتان ہے اور الزام ہے۔ اور ایسا کہنے والے کو ایک نہ ایک دن اللہ تعالےٰ کے رُوبرو اس کے لئے جوابدہ ہونا ہوگا کہ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے لاکھوں انسانوں کو کیوں غیر مُسلم قرار دیا۔

آپ فرماتے ہیں :-

"پس مَیں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہُوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قُدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گُم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع انسان کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خُدا نے جو اس کے دِل کے راز کا واقف تھا، اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی .... وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کے کسی فضیلت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریّتِ شیطان ہے .... ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی ہے اور زندہ خُدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نُور سے ملی ہے اور خُدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی : ۱۱۵-۱۱۶)

پھر فرماتے ہیں :-

"نجات دو امر پر موقوف ہے" :-

(۱) ایک یہ کہ یقین کامل کے ساتھ خدا تعالےٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہٗ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالےٰ کی اطاعت میں اس کی راحتِ جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اس کی محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے یہی توحید حقیقی ہے کہ بجز متابعت ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔"
(حقیقۃ الوحی : ۱۱۶-۱۱۷)

ان تحریرات کی روشنی میں کون منصف مزاج انسان کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ :-

"نجات کے لئے مجھ پر ایمان لانا یا میرے بتائے ہوئے راستہ کو اختیار کرنا ضروری ہے اور جو میرا بتایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کرتا وہ فلاح نہیں پا سکتا"

یا کس طرح انہوں نے آنحضرت صلعم کے اُمتیوں کو کاٹ کر اپنی اُمت میں شامل کیا جبکہ وہ خود اُمتی ہیں اور کیسے انہوں نے صحابہ کرامؓ کی شان کم کر کے دکھائی جنہوں نے اللہ تعالےٰ سے یہ سرٹیفکیٹ پایا کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۲)

مکتوب بمبئی

محترم عبدالرزاق صاحب (بمبئی) کی تبلیغی سرگرمیاں اور جماعتہائے کشمیر کا دورہ

جناب عبدالرزاق صاحب ۲۱ر ستمبر اور ۴ر اکتوبر کے خطوط میں رقمطراز ہیں:۔

سرینگر (کشمیر) کے جناب نثار احمد صاحب جو دل کے مریض تھے اور اپریشن کی غرض سے بمبئی تشریف لائے تھے اللہ تعالےٰ کے فضل اور بزرگانِ سلسلہ کی دُعاؤں سے کامیاب اپریشن کے بعد صحتیاب ہوکر ۳ر اکتوبر کو واپس تشریف لے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے بھائی اور چچا کے ساتھ میرے غریب خانہ پر قیام کیا اور مجھے خدمت کا موقعہ دیا۔ جناب نثار صاحب اور ان کے جملہ عزیزان ان تمام دوستوں کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنی دُعاؤں میں ان کو یاد رکھا۔

دَورۂ کشمیر } صدر جماعت جناب شیخ عبدالصمد صاحب اور ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب و چوہدری غلام مصطفٰے صاحب کو بذریعہ تار اطلاع دے کر ۲۱ر جولائی کو سری نگر پہنچا اور وہاں پہنچکر پتہ چلا کہ شیخ عبدالصمد صاحب ہارٹ اٹیک کی وجہ سے صاحب فراش ہیں، ڈاکٹر ترین صاحب سری نگر سے باہر گئے ہوئے تھے اور چوہدری غلام مصطفٰے صاحب سخت بارش کے سبب سٹیشن پر نہ پہنچ سکے۔

۲۷ر جولائی کو نماز جمعہ مسجد احمدیہ قلمدان پورہ میں ادا کی اور دوستوں سے تعارف ہوا اور مسجد میں کافی دیر تک احباب سے تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ کشمیر میں میرے دورہ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ تبلیغی لٹریچر جو ہمیں مرکز لاہور سے منگوانے میں مشکلات ہیں اس کی طباعت کا اہتمام ہندوستان میں ہی کیا جائے۔

چنانچہ احباب کشمیر کو توجہ دلائی کہ سری نگر میں قریباً پانچ سو احمدی ہیں، اگر ہر احمدی ایک پمفلٹ اور حسب گنجائش ایک کتاب چھاپنے کی ذمہ داری لے تو تبلیغ و اشاعت کا کام وسیع تر ہو سکتا ہے اور کتب کی فروخت سے بھی جماعتی زندگی کو تقویت پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح چندہ کی باقاعدگی پر زور دیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ چندہ کی ادائیگی کے بعد ایک احمدی خود کو جماعت سے منسلک سمجھتا ہے۔ نیز انہیں اخوت، اتحاد اور تنظیم سے جماعت کی آبیاری پر آمادہ کیا۔ معمولی اختلافات سے بڑے مقصد کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور مجھے مسرت ہوئی کہ جملہ دوستوں نے آئندہ کے لئے جماعت کے تبلیغی پروگرام کو یکجہتی اور متحد ہو کر آگے بڑھانے کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور کامیاب و کامران فرمائے۔

بھدرواہ پہنچے تو ماسٹر عبدالکریم صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ یہاں پر ہر فرد جماعت چھوٹا بڑا احمدیت کے رنگ میں رنگین اور پُر جوش نظر آیا۔ ایک دن مسجد میں **شبان الاحمدیہ** کی میٹنگ سے خطاب کرنے کا موقعہ میسّر آیا، توجہ دلانے پر نوجوانوں نے **اسلامی اصول کی فلاسفی** اپنے اخراجات پر طبع کروانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ البتہ انہیں شکایت ہے کہ جو بزرگ کبھی دورہ پر آتے ہیں وہ بھدرواہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں، اور صرف سری نگر تک پہنچ کر واپس ہو جاتے ہیں۔ جماعت بھدرواہ کی اس سے دل شکنی ہوتی ہے۔

جموں میں بھدرواہ سے دس خاندان جاکر آباد ہوئے ہیں اس سے مسجد جموں کی رونق بڑھ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ایک ہمہ وقتی مبلغ متعین کیا جائے جو پونچھ، چار کوٹ وغیرہ علاقوں کا بھی دورہ کرے۔ غلام مصطفٰے صاحب اس کے لئے موزون ترین شخص ہیں۔ انجمن ان کے بارہ میں فیصلہ فرمائے۔ صدر جماعت بھدرواہ جناب چوہدری عبداللطیف صاحب نے مبلغ کی نصف تنخواہ اپنی جیب سے ادا کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔

اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور مستقل مبلغ رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے جس کے کُل اخراجات جماعت بھدرواہ برداشت کرے گی۔ جماعت جموں میں جناب عبدالحمید گنائی صاحب ڈویلپمنٹ آفیسر کا نیک سلوک خوش خلقی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ اللہ تعالےٰ انہیں اور ان کے اہل و عیال کو دین اور دُنیا میں بامراد اور کامیاب فرمائے۔ آمین۔

جناب شیخ عبدالصمد صاحب کے لئے احباب بہت دُعائیں فرمائیں نہایت قیمتی بزرگ ہیں۔ عبدالعزیز صاحب شورہ، پروفیسر نورالدین زاہد صاحب، ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب، محمد یوسف تاثر صاحب جماعت کے رُوح رواں ہیں اور احباب کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔

نثار احمد صاحب کے والد محترم جناب محمد علی صاحب نے نثار احمد صاحب کے کامیاب اپریشن اور صحت یابی پر -/400 روپے مفت تقسیم قرآن مجید کے لئے بطور شکرانہ مرحمت فرمائے ہیں۔ احباب انہیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

کتاب "شہادت حقّا" کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ عنقریب طبع ہو جائے گی۔ آئندہ "دین اسلام" ہر سہ جلد کی طباعت کا کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے۔ آمین۔

کسی مجدد نے یہ نہیں کہا کہ نبی کو چھوڑ کر میری اُمت میں شامل ہو جاؤ۔ انصار

ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ جس اسمبلی نے ہمارے خلاف فیصلہ صادر فرمانے کی سعادت حاصل کی اگر وہ بند کمرے کے بجائے ہمیں ٹی۔ وی پر علمائے اسلام کے روبرو بیٹھ کر اپنے موقف کی وضاحت کا موقعہ دیتی اور ہم اپنی وضاحت کی ابتداء حضرت عیسیٰؑ کی وفات سے کرتے تو دُنیا جان لیتی کہ اپنے علم و فضیلت کے پردے میں ہم پر ختم نبوت کے انکار کا الزام لگانے والے اس میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ عوام کے سامنے ایسے حوالے لائے جاتے جن سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا کہ سابقہ اولیاء کرام اور مجددین کے مقابلے میں تو حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔

جتنی طاقت۔ قوت اور روپیہ مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے اس کا عشر عشیر بھی اگر کافروں کو مسلمان بنانے پر خرچ کیا جاتا تو عالم اسلام اس وقت اتنے بحرانوں سے دوچار نہ ہوتا۔ اور مسلمان آج بھی دُنیا کی ایک عظیم ترین طاقت ہوتے لیکن جن کا یہ فرض تھا کہ وہ سیاسی اور مذہبی میدان میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں ان کی ساری قوتیں مسلمانوں میں نفاق اور انتشار پیدا کرنے میں صرف ہو گئیں۔ اپنی آنکھوں سے ان کارگزاریوں کے نتائج دیکھنے کے بعد بھی دلوں میں خدا کا خوف اور تقوےٰ پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر حالت یہی رہی تو اس سے زیادہ خوفناک اور سنگین نتائج کا سامنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "انجام متقیوں کیلئے ہے" (ہود: ۴۹) اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتا ہے "تو دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا" اور "تو دیکھ مجرموں کا انجام کیسا ہوا" اور "تو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا"۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"۔

مکرم جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد

معجزات و نشانات

اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں :۔

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں۔ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"

(آلعمران۔ آیت ۱۹۱)

مندرجہ بالا آیت میں مؤمنوں کی دو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو وہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے وہ آسمانوں اور زمین کی خلق میں فکر کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں کام ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ عیسائیت کی تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب شروع شروع میں عیسائیوں نے صرف مذہب کی طرف زیادہ توجہ دی تو رہبانیت اختیار کر لی۔ اور علوم دُنیا اور سائنس کی معلومات کو کفر قرار دیا۔ مگر جب بعد میں دنیاوی امور پر توجہ مرکوز کر دی تو مذہب سے غافل ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کو مذہبی اور دنیاوی امور میں توازن قائم رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے

مُعجزات

ایک "معجزہ" کی یہ تعریف عام طور پر کی جاتی ہے کہ :۔

"ایسا فعل یا امر جو ظاہرا طور پر معلوم شدہ قوانین قدرت سے مطابقت نہ کھائے اور اس کا سبب یا جواز عقلِ انسانی سمجھ نہ سکے۔ اور اس لئے اسے کسی عظیم الشان طاقت یعنی خدا تعالےٰ کی قدرت کا کرشمہ سمجھا جائے۔"

اس اوپر والی تعریف میں لفظ "معلوم شدہ" بہت اہمیت کا مالک ہے سائنس اور انسانی معلومات دن بدن ترقی کرتی جاتی ہیں۔ ایک امر جو آج سے سو سال پہلے معجزہ کہلا سکتا تھا۔ وہ آج عام انسانی شواہد میں آتا ہے اور اس کو انسان پیدا کرنے کا علم رکھتا ہے۔ مثلاً فی زمانہ بھی دُنیا کے دور اُفتادہ ۔ الگ تھلگ حصوں میں ایسے بوڑھے عُمر رسیدہ لوگ موجود ہوں گے۔ جن کو اگر مہذب دُنیا میں لاکر ٹیلی ویژن کی تصاویر میں ایسے شخصوں کی تصاویر اور آوازیں سنائی جائیں جو کہ فوت ہو چکے ہیں تو وہ بوڑھا کہے گا کہ یہ جادو ہے یا ایک معجزہ ہے۔ اس زمانے بھی جب امریکن خلا باز، چند سال ہوئے پہلی دفعہ چاند تک پہنچے اور اُس پر اُترے اور اس کی خبریں دُنیا بھر میں شائع ہوئیں۔ تو میں نے اخبار میں پڑھا کہ ہنوں کے ایک مُلاّ نے مسجد میں خطبہ میں کہا کہ یہ سب بکواس ہے اور خلافِ احکامِ قرآنی ہے اور جو کوئی اس خبر کو تسلیم کریگا وہ خارج از اسلام ہے اور اس کی بیوی پر طلاق وارد ہو جائے گی"۔

یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالےٰ غیر معمولی طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ خلق اسباب کرتا ہے۔ خواہ ہم کو اُن اسباب پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات بھی خارج از اسباب نہیں بلکہ وہ بھی بعض مخفی در مخفی اسباب کے نتائج ہیں اور سچے اور حقیقی سائنس پر مبنی ہیں۔ کوتاہ اندیش اور تاریک فلسفہ کے دلدادہ اُسے نہیں سمجھ سکتے۔ عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔ رب العالمین خدا بڑا طاقتور ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کی طاقتوں پر اعتراض کرے۔ انبیاء کے معجزات کو انسانی تجارب کے محدود اور نامکمل ہونے کی وجہ سے ہر ظاہر بین انسان شناخت نہیں کر سکتا۔ اور جب انسان اُن خارق عادت امور کو دیکھتا ہے تو ایک تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ لیکن اگر اپنی عقل کا ادّعا کرنے اور تفہیم الٰہی کے کوچے میں قدم نہ رکھے تو دونوں طرف سے راہ بند ہو جاتی ہے۔ اور جب ان معجزات کا حل فلاسفی ذہنی عقل اور سطحی خیالات پر نہیں کھُل سکتا تو انسان انکار کی طرف رجُوع کرتا ہے اور نبوّت کے نفس کا ہی منکر ہو جاتا ہے۔

تصرّف الٰہی کے ماتحت کس طرح قوانین قدرت کام کرتے ہیں جن کا وقتی طور پر انسان کو علم بھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال حضرت یوشع بن نون جو حضرت موسےٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں نبی ہوئے اور جنہوں نے بنی اسرائیل کی قیادت کر کے فلسطین کا علاقہ فتح کیا۔ ان کے محاصرۂ جیریکو (JERICHO) میں نظر آتی ہے۔ یوشع بن نون اور بنی اسرائیل کی فوج نے جیریکو شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس کا ذکر بائبل کی کتاب یوشع (JOSHUA) باب ۶ میں آتا ہے :۔

محاصرہ کے ساتویں دن یوشع نے سات پادریوں کو حکم دیا کہ وہ سات ناقوس (جانور کے سینگ سے بنایا ہُوا بگل) یکدم زور سے بجائیں اور فوج کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا وہ ایک نعرہ بلند کریں جس کے ساتھ ہی جیریکو شہر کی فصیل کی دیوار شکستہ ہو کر گر پڑی اور بنی اسرائیل کی فوج نے حملہ کر کے شہر فتح کر لیا۔ اور لُوٹ مار کر کے اس کو بعد میں تباہ کر دیا۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ صدیوں بعد آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے اس شہر کے کھنڈرات کا معائنہ کیا تو تحقیقات کے بعد معلوم ہُوا کہ کسی بڑے زلزلہ نے نہ صرف شہر کی فصیل کو ہی گرا دیا تھا بلکہ مکانات کو بھی اور زمین میں سُوراخ اور دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ یوشع کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم ملنے پر ناقوس بجائے گئے اور نعرہ بلند کیا گیا مگر ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے زلزلہ سے فصیل اور شہر مسمار کر دیا۔ معجزہ یہ ہے کہ زلزلہ عین اس وقت تصرّفِ الٰہی کے ماتحت آیا جبکہ یوشع نے ناقوس بجوائے اور نعرے بلند کئے۔ گویا یہ نشان عین اس وقت ظاہر ہُوا اور بنی اسرائیل کی فتح اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہُوا۔

آنحضرت صلعم کے مُعجزات

نبی کریم صلعم کو ہر ایک قسم کے خوارق اور معجزات حاصل تھے۔ تین اقسام کے معجزات کا آپ مجموعہ تھے۔

(۱) ظاہری خوارق۔ مثلاً شق القمر وغیرہ۔ اس کے علاوہ دیگر معجزات ہیں جن کی تعداد تین ہزار سے بھی زائد ہے۔

(۲) معارف اور حقائق کے معجزات سے تو سارا قرآن کریم لبریز ہے جو ہر وقت تازہ اور نئے ہیں۔ اور

(۳) بلحاظ اخلاقی معجزات کے خود آپ کا وجود مقدس انك لعلى خلق عظیم (پ ۲۹) کا مصداق ہے۔

مشرکین اور مخالفینِ اسلام جو آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر تھے ان کا ایمان لانا معجزات پر منحصر نہ تھا۔ اور نہ معجزات اور خوارق ان کی تسلی کا باعث تھے۔ بلکہ وہ لوگ آنحضرت صلعم کے اخلاقِ فاضلہ کو ہی دیکھ کر آپؐ کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ اخلاقی مُعجزات وہ کام کر سکتے ہیں جو اقتداری معجزات نہیں کر سکتے۔ اَلْاِسْتِقَامَتُ فَوْقَ الْکَرَامَتْ کا یہی مفہوم ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم ایک درخت کے سایہ تلے سوئے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک شور کی وجہ سے آپؐ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک جنگلی اعرابی تلوار کھینچ کر حضور کے پاس کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے "اے محمدؐ بتا اس وقت میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے پورے

اطمینان اور دلیری سے فرمایا کہ "اللّٰہ" - اس سے اس اعرابی پر رُعب طاری ہو گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی - آپؐ نے وہی تلوار اُٹھا کر اعرابی سے کہا کہ اب بتلا میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے - وہ بھلا کس کا نام بتلا سکتا تھا، وہ حضور کی منت کرنے لگا - آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا - اس مروّت اور شجاعت اور اخلاقِ فاضلہ کا اس اعرابی پر ایسا اثر ہُوا کہ وہ مسلمان ہو گیا -

سُورۃ الحجرات پڑھئے - اس میں آنحضرت صلعم کی حیا اور لوگوں سے با مروّت سلوک اور خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانے کا ذکر آتا ہے - یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کو لوگوں کو انتباہ کرنا پڑتا ہے کہ آدابِ مجلس اور حسنِ معاشرت کا خیال رکھیں اور نبی کریم صلعم کو تکلیف میں نہ ڈالیں - فتح مکّہ کے موقع پر اسلام کے دُشمنوں کو (جو قدرتاً خائف تھے مگر رحم کے ملتجی تھے) حضور نبی کریم صلعم نے لا تثریب علیکم الیوم کہکر معاف کر دیا -

زندہ رسُول ابدالآباد کے لئے صرف محمد صلعم ہی ہو سکتے ہیں جن کے انفاسِ طیبہ اور قوتِ قدسیہ کے طفیل سے ہر زمانہ میں ایک مردِ خدا - خدا نمائی کا ثبوت دیتا رہتا ہے - چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلعم کی اتباع میں بہترین اخلاق فاضلہ کا مظاہرہ کیا - ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے تھے تو ایک مجلس میں ایک غلطی خوردہ مسلمان شخص آ داخل ہوا اور حضور کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا - حضور چُپ ہو کر سنتے رہے اور دوستوں کو منع کیا کہ اس سے سختی نہ برتیں - ایک دفعہ وہ دم لینے کے لئے چُپ ہوا تو حضور نے فرمایا :- "بھائی کچھ اور بھی کہنا ہو تو کہہ لو" اس پر وہ شخص سخت نادم ہوا اور حضور کے آگے معافی کا طالب ہُوا - اور آپ نے معاف کر دیا - اس مجلس میں ایک ہندو صاحب بھی بیٹھے تھے وہ کہنے لگے کہ "حضرت عیسےٰؑ کی نرمی کی تعلیم کہ اگر ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال بھی سامنے کر دو - کو ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے - مگر آج مسیح موعود (محمدی) کی نرمی اور اخلاق فاضلہ کا مشاہدہ اپنے کانوں اور آنکھوں سے کر لیا" اُس نے کہا کہ یہ شخص اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے گا" سو ایسا ہی ہوا -

قرآن کریم نے بھی مومنین سے فرمایا کہ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الفرقان) جب جاہل لوگ تمہیں خطاب کریں تو ان سے اعراض کر لو یعنی ان کی گالیوں کا جواب گالیوں سے مت دو - خود حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو نصیحت کی کہ مخالفین کے سبّ و شتم کے جواب میں تم سچے ہو کر بھی جھوٹوں سا تذلّل اختیار کرو - ہاں جب اسلام اور نبیٔ کریم صلعم یا سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق کوئی غلط پروپیگنڈا کرے تو اس کا مناسب اور ساکت جواب ضرور دو - اور ساتھ ہی خود - سب مل کر خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کا کام کرتے رہو اور دین کو دُنیا پر ترجیح دو ؎

اے خُدا اے مالکِ ارض و سما + اے پناہِ حزبِ خود در ہر بلا
اے رحیم و دستگیر و رہنما + ایکہ در دستِ تو فضل ہست و قضا
سخت شورے اوفتاد اندر زمیں + رحم کُن بر خلق اے جان آفریں

(حضرت مسیح موعودؑ)

مندرجہ ذیل ٹریکٹ تقسیم کئے گئے

نمبر شمار	نام ٹریکٹ	تعداد
۱	چھوٹے بڑے کئے جائیں گے اور بڑے چھوٹے کئے جائیں گے کا صحیح مفہوم	۴ عدد
۲	مسیح اور مہدی کے زمانے کی علامات	۴ عدد
۳	سیدنا حضرت مرزا صاحب کس نام پانے سے مخصوص ہیں؟	۴ عدد
۴	حضور کے خلاف مقدمات کے دائر ہونے کے متعلق پیشگوئیاں اور ان سے بری ہونے کی بشارتیں	۱۰ عدد
۵	ضرورت فرقان اور اُمت کو اس کے ملنے کی بشارت، اور اس کے نمونے	۱۰ عدد
۶	رسول اور زمین اور آسمان پر تصرفِ الٰہی کا ثبوت	۳ عدد
۷	ایک غلطی کا ازالہ کے متعلق حضرت مسیح موعود حکم عدل کا فیصلہ	۳ عدد
۸	خدا تعالےٰ کی طرف سے اجل مسمّٰی کا دیا جانا	۱۰ عدد
۹	انجیلی تعلیم پر قرآنی تعلیم کی برتری	۱ عدد
۱۰	اجلِ مسمّٰی کا علم کس کو ہے	۱۰ عدد
۱۱	مسیح اور مہدی کے زمانے کی علامات	۳ عدد
۱۲	کیا عید الاضحیٰ کی قربانی کا بدل نقد روپیہ ہو سکتا ہے	۴ عدد
۱۳	وحی اور انسان	۴ عدد
۱۴	حقیقت اسلام اور طریق شناختِ خدا اور فطرتِ انسانی کی حقیقت	۴ عدد
۱۵	اکابرین جماعت کا مذہب اور میری شہادت کی حقیقت	۴ عدد
۱۶	دعاوی قرآن اور سیدنا حضرت مرزا صاحب قادیانی	۴ عدد
۱۷	جماعت ربوہ سے تعلق رکھنے والے بھائیوں کے بنیادی عقائد کی حقیقت	۴ عدد
۱۸	قرآن کریم اور سورۃ النجم کے پہلے رکوع کی تشریح	۴ عدد
۱۹	حضرت المسیح الموعود پر تحریف فی القرآن کا بے بنیاد الزام	۴ عدد
۲۰	حضور کی دعاؤں کے متعلق حتمی تاثیریں	۱۰ عدد
۲۱	وحی اور عقل میں باہمی تعلق	۱۰ عدد
۲۲	امام الزمان اور مسیح دوراں کی اسلام اور حضرت نبی کریم کے حضرت کا قابلِ تقلید اسوہ	۱۰ عدد
۲۳	پرانی تحریریں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی	ایک عدد
۲۴	دعوےٰ نبوّت سے انکار اور دعوےٰ ولایت کا اقرار	۱۰ عدد
۲۵	مولانا محمد علی حضرت امیر مرحوم و مغفور - اللہ تعالیٰ اور حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں	۱۰ عدد
۲۶	اولیاء اُمت میں حضرت مسیح موعودؑ کی امتیازی حیثیت	۲۰ عدد

خاکسار - فضل داد پنشنر - مکان $\frac{۲}{553}$ مسلم آباد گجرات

مناجات

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما + اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے تو مرہم بخش جانِ ریشِ ما + اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
از کرم بر داشتی ہر بارِ ما + واز تو ہر بار و برِ اشجارِ ما

حافظ و ستّاری از جود و کرم
بے کساں را یاری از لطفِ اتم

(حضرت مسیح موعودؑ)

مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح

احمدیہ جماعت کیلئے لمحۂ فکریہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ارشاد ہے :۔

"اللہ تعالےٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی، آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی اور اختلافات کو چھوڑ دو ہر ایک ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالےٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو۔ اور اس کی اطاعت میں واپس آ جاؤ۔ اللہ تعالےٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالےٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا۔ اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لاویں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں ان کی مالک پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی مویشی ان کو آ کر کھا جائے یا کوئی لکڑ ہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالےٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالےٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالےٰ کو کسی کی پرواہ نہیں ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں پر ان پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جائے تو اتنی باز پرس ہوتی ہے سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیئے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تا کہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان سے اٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنےٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔" (الحکم۔ ۲۴ مئی ۱۸۹۸ء)

یہ وہ الفاظ ہیں جو مامور الٰہی مسیح موعود، مہدی معہود، مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے ہیں۔ جس راہ کی طرف ہمیں ان الفاظ میں بلایا گیا ہے، غور کر کے دیکھا جائے تو فی الحقیقت وہی ایک فلاح و بہبود کی راہ ہے جو دنیا و آخرت میں ہمیں کامیاب اور سرخرو بنا سکتی ہے۔ یہ وہ لائحہ عمل ہے جس کو جماعت احمدیہ نے اپنے ابتدائی ایام میں اپنا نصب العین بنایا اور دُنیا اس جماعت کے تقوےٰ اور دیانت و امانت سے ایسی مرعوب ہوئی کہ شدید سے شدید دشمن بھی اس جماعت کے افراد کو عزت و وقار کی نظروں سے دیکھتا اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

یہی حضرت مسیح موعودؑ کی مجددیت کا ایک زندہ ثبوت تھا۔ لیکن کیا آج بھی ہم ایسا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟ کیا آج بھی ہم اپنے اخلاق و کردار سے دنیا کو یہ بتا سکتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جو جماعت پیدا کی، وہ ان کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے؟ کیا آج بھی ہم اپنے تقوے، دیانت و امانت اور تعلق باللہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب فی الواقعہ مجدد تھے، اور ان کی مجددیت ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ ایسی پاکباز جماعت دُنیا میں موجود ہے اس میں شک نہیں کہ دین کی اشاعت کے لئے ہم نے بہت سی قربانیاں کیں اور اسلام کی عزت و عظمت کو بلند کرنے کے لئے قیمتی اسلامی لٹریچر بھی دُنیا میں شائع کیا۔ جس سے اچھے نتائج پیدا ہوئے جو ہر طرح لائق تحسین ہیں اور فی الحقیقت یہ بھی حضرت مجددِ وقت کی صداقت ہی کا ثبوت ہے کہ وہ کام جس کی توفیق دنیا کی کسی اصلاحی جماعت، کسی بڑی سے بڑی مسلمان سلطنت کو نہیں ملی، اس کو چھوٹی سی جماعت کر رہی ہے، لیکن یہ ایک پہلو ہے اور اس پہلو میں بھی سوائے اس کے کہ وہ دوسروں کو اسلام کا کلمہ پڑھاتے اور اس کی صداقت کا قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جہاں تک اخلاقی اور عملی اصلاح کا کام ہے اس کی طرف بہت کم توجہ ہے حالانکہ یہی ایک چیز تھی جو حضرت مجددِ وقت کی بعثت کا حقیقی مدعا ہے۔ آپ نے تو بحث و مناظرات یا دلائل سے دوسروں کو قائل کرنا اور عملی اصلاح سے تغافل اختیار کرنا اپنی بعثت کے منافی قرار دیا اور صاف فرمایا ہے کہ :۔

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جاوے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقوےٰ کے راستہ پر چلے اور صدق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا کہ اس جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوئی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے اپنے دشمن پر غلبہ پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو ایسی فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہیں ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔"

یہی وہ چیز ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعودؑ نے اس ارشاد میں بھی توجہ دلائی ہے جو ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں۔ اس ارشاد کو پڑھیئے اور پھر پڑھیئے اور بار بار اس کا مطالعہ کیجئے اور اس بات پر غور کیجئے کہ ہماری زندگیاں کہاں تک اس کے مطابق ہیں۔ کہاں تک ہم صالح بندوں کی طرح آپس میں اخوت و محبت پیدا کرتے اور درندگی اور اختلافات کو چھوڑ کر ہزل اور تمسخر سے کنارہ کش ہوتے ہیں، کہاں تک ہم ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آتے اور اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا ہم نے دوسروں پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور خدا سے سچی صلح کر لی ہے؟ دیکھئے خدا کا مامور کہتا ہے کہ جس طرح کسان عمدہ پودوں کے لئے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے جس طرح ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں ہر روز ذبح ہوتی ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح :۔

"اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا چاہیئے کہ خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ تا کہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے کیونکہ کوئی بات اللہ تعالےٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان سے اٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنےٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔"

کاش ان الفاظ کو ہر احمدی آویزہ گوش بنا لے اور ان کو اپنا لائحہ عمل بنا کر وہ نمونہ

احمدیہ خواتین لاہور کا اجلاس

تنظیمِ خواتین کا خصوصی اجلاس ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز بدھ دارالسلام میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بیگم صاحبہ امیر مرحوم مغفور کی وفات پر تعزیتی ریزولیوشن پیش کیا گیا اور ان کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی۔

جلسے کا افتتاح زاہدہ جنجوعہ صاحبہ نے قرآنِ پاک کی تلاوت سے کیا۔ اس کے بعد محترمہ بشارت نذر صاحبہ نے تعزیتی ریزولیوشن پیش کیا۔ ریزولیوشن کی ایک کاپی اُن کے صاحبزادوں، صاحبزادیوں اور ایک کاپی برائے اشاعت پیغام صلح روانہ کر دی گئی ہے۔

محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ نے بیگم صاحبہ مرحومہ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آج میں ایک ایسی ہستی کا ذکر کر رہی ہوں جن کے ساتھ میرا لگاؤ بچپن سے رہا ہے۔ ہمارے گھر قریب قریب تھے اور ایک ہی جماعت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپس میں گہرے مراسم تھے۔ مرحومہ بلند کردار کی مالک اور اولوالعزم خاتون تھیں۔

اُنہوں نے جماعت کے لئے بہت دلچسپی سے کام کیا۔ کیونکہ ان کے مراسم لاہور کے تعلیم یافتہ اور معزز گھرانوں سے تھے اور وہ خود بھی کئی اداروں کی ممبر تھیں۔ اس لئے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بیگم شاہنواز۔ بیگم گیتی آرا۔ بیگم شفیع اور بہت سی معزز غیر احمدی خواتین ہمارے جلسوں میں شریک ہوتیں اور چندہ بھی دیتیں تھیں۔

مرحومہ دستکاری کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی تھیں خود بھی دستکاری کی چیزیں بناتیں اور باقی بہنوں کو بھی بنانے کی تلقین کرتیں۔ جماعت کی بہنوں کے ساتھ مل جُل کر کام کرتیں۔

پچھلے چند سالوں سے بیمار ہونے کے باوجود وہ ہماری میٹنگز میں شریک ہوتیں اور اپنی قیمتی رائے دیتیں۔ انہیں تعلیم کا بہت شوق تھا یہاں تک کہ شادی کے بعد انگریزی سیکھنے کے لئے ایک معلمہ رکھی اور مصروفیت کے باوجود اپنی تعلیم جاری رکھی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا۔ جماعت کے کاموں میں اپنی صاحبزادیوں کو ہمیشہ ہمراہ رکھتی تھیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ کہ ان کی طرح ان کی اولاد بھی جماعت کے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی ہے۔ انہوں نے حضرت امیر مرحوم کی وفات کے بعد بلند حوصلگی کا ثبوت دیا اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہیں۔ ہمیں ان کی زندگی کے حالات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انکی مغفرت کرے اور جنت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اس کے بعد سلیمہ فاروقی صاحبہ نے اپنی تقریر میں کہا میں بہت آزردہ ہوں کہ ایک ایسی عظیم ہستی کا ساتھ ہم سے چھٹ گیا جو بہت سی خوبیوں کی مالک تھیں۔ مجھے یاد ہے جس وقت برلن مسجد کے لئے چندہ کی اپیل ہوئی تو باجی جان نے اپنا تمام زیور چندہ میں دیدیا۔ اُن کا یہ ایثار اور قربانی دیکھ کر میرے دل میں اُن کی عزت بہت بڑھی۔ نند بھاوج کا رشتہ ہونے کی حیثیت سے مجھے ان کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق ہوا۔ موسم گرما میں وہ اور امیر مرحوم ہمیشہ گرمی گذارنے میرے پاس کراچی تشریف لاتے اس دوران میں اُنہوں نے کبھی میرے گھریلو معاملات میں دخل اندازی نہیں کی اور نہ ہی کبھی کوئی شکوہ کیا۔

مرحومہ بہت فراخ دل تھیں۔ میری والدہ کے ساتھ انہیں بہت محبت تھی۔ آپس میں سہیلیوں کی طرح رہتیں۔ میری والدہ کی بیماری کے دوران خود بیمار ہونے کے باوجود باقاعدگی سے ان کی مزاج پُرسی کو آتیں اور میری والدہ کی دلجوئی کرتیں۔ وہ بہت خوش قسمت تھیں۔ ان کی اولاد ہمیشہ ان کی فرمانبردار رہی۔

والد کی وفات کے بعد والدہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی اور گھر کا سلسلہ اسی طرح رکھا۔ ان کے بڑے صاحبزادے محمد احمد صاحب گھنٹوں اپنی والدہ کے پاس آکر بیٹھے رہتے۔ صاحبزادیوں نے بھی والدہ کی بہت خدمت کی، یہ ان کی نیکی اور اخلاق کا نتیجہ تھا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں جنت میں اعلےٰ مقام دے۔ آمین۔

محترمہ ذکیہ شیخ صاحبہ جو مرحومہ کی صاحبزادی ہیں، نے بیمار اور غم زدہ ہونے کے باوجود ایک مختصر سی تقریر کی۔ اُنہوں نے کہا کہ میری والدہ مرحومہ نے احمدی خواتین میں ہمیشہ اخوت اور اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دینی کاموں میں ہماری والدہ ہم سب بہنوں کو اپنے ہمراہ رکھتیں۔ اس طرح سے انہوں نے ہمیں عملی ٹریننگ دی۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر وہ بہت مصروف ہو جاتیں گھر گھر جاکر دستکاری بنانے کی اپیل کرتیں۔ جماعت کی سب بہنوں کے ساتھ مل کر کام کرتیں۔ ہر ایک سے رابطہ قائم رکھتیں۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر لاہور کی بہت سی غیر احمدی خواتین ہمارے جلسوں میں شریک ہوتیں تقاریر کرتیں اور چندہ دیتیں۔ اصل یادداشت تو یہ ہے کہ جو پودا ہمارے بزرگوں نے لگایا تھا ہم سب مل کر اُسے پروان چڑھانے کی کوشش کریں۔ جس طرح ہمارے بزرگوں نے جذبہ اور دل و جان سے دین کی خدمت کی ہم بھی اسی طرح کریں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے کئے ہوئے عہد کو نبھائیں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ مرحومہ بڑی عظیم خاتون تھیں۔ اُن کا وقت انجمن کی خدمات کا ایک سنہری دور تھا۔ وہ بہت نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ ہر ایک کی مدد کرتیں۔ حال ہی میں مجھے خانیوال کے ایک ایسے خاندان سے ملنے کا اتفاق ہوا، جن کے مالی حالات ایک وقت میں بہت خراب ہو گئے تھے۔ خالہ مرحومہ کی سفارش اور کوشش سے آج وہ خاندان خاصہ خوشحال ہے۔ مرحومہ کی موت کی خبر سن کر وہ لوگ میرے پاس آئے اور ان کی نیکی اور اخلاق کو سراہا اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

اسی طرح انہوں نے اور بہت سے غریب خاندانوں کی امداد کی۔ یہی عظیم کارنامے ہیں جو انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ ان کا کردار بہت بلند تھا۔ انہوں نے اپنوں اور غیروں میں سب جگہ عزت کا مقام حاصل کیا۔ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور دین کی خدمت کرنی چاہیئے۔

جلسہ کے اختتام پر رضیہ مددعلی صاحبہ نے مرحومہ کی مغفرت کے لئے سب بہنوں کے ساتھ مل کر دُعا کی۔

ذکیہ اقبال۔ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دُعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

(الوصیت)

برائے معلومات شبان الاحمدیہ۔
مکرم میرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت
اور
آپ کا مشن

سب سے پہلے آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے پہلے جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ:۔

"اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اور قرآن مجید میں سے صرف اس کے حروف باقی رہ جائیں گے۔ اور اس قرآن کو سمجھنے والے اور عمل کرنے والے ختم ہو جائیں گے۔"

اور پھر ایک دوسری حدیث میں فرمایا:۔

"ایک وقت آنے والا ہے کہ ایمان ثریا پر چلا جائے گا۔"

اس کا مطلب بھی واضح ہے کہ اس وقت سچے مومن دنیا میں نہیں ہونگے اور پھر فرمایا:۔

"مسجدیں ظاہری طور پر تو بڑی آباد ہوں گی مگر دینی اعتبار سے ویران ہوں گی۔"

اور مسلمانوں کی اعتقادی حالت یہ ہوگی کہ فرمایا تفترق امتی علٰی ثلاث وسبعین فرقۃ۔ مسلمان تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اب جب مسلمان اتنے فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے، تو کیا ان میں محبت، اخلاص، دینداری، بھائی چارہ جس کی تعلیم قرآن مجید نے انما المومنون اخوۃ (حجرات) مسلمان سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدیہ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے دوسرے مسلمان ہر طرح سے محفوظ رہیں۔ رہ سکتا ہے۔ جب مسلمان ۷۳ فرقوں میں بٹے ہوں گے۔ بھائی چارہ محبت ہو سکتی ہے، ناممکن!

دوسری طرف آپ نے فرمایا تھا کہ اس وقت عیسائی اور دوسرے باطل مذاہب اسلام پر بڑے زبردست حملے کر رہے ہوں۔ خدا تعالےٰ کی قدرت دیکھیں وہ جانتا ہے کہ کس جگہ سب سے زیادہ بیماری ہے۔ اور کہاں سب سے زیادہ حملے ہو رہے ہیں وہ اپنا مامور بھیجتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس صدی سے دو صدی پیشتر ایک طرف مسلمان سخت کمزور تھے، ان میں شدید اختلافات تھے۔ اور دوسری طرف غیر مذاہب والے ان پر سب سے زیادہ برصغیر پر حملے کر رہے تھے بظاہر وہ ایک حد تک اپنے حملوں میں کامیاب بھی ہوئے۔ لاکھوں مسلمان غیر مذاہب میں اپنوں کی کمزوری کی وجہ سے ان میں شامل ہو گئے۔ اور بعض خدا تعالےٰ کی ہستی کے منکر ہو گئے۔ اور مادی و سیاسی طور پر سب سے زیادہ مظالم بھی مسلمانوں پر برصغیر میں ہو رہے تھے۔ اسی واسطے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسیح موعود آئے گا۔ فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر (بخاری) وہ صلیب کا زبردست دلائل سے توڑ کرے گا اور دوسرے مذاہب باطلہ جو اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہوں گے ان کا مقابلہ کرے گا۔ دین اسلام کو زندہ کرے گا، اور شریعت کو قائم کرے گا (یحیی) الدین و یقیم الشریعۃ۔

عجیب بات ہے۔ جب تفاصیل تاریخ میں دیکھتے ہیں تو ایک حد تک تو پریشانی کی وجہ سے سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔ کہ کروڑوں کی تعداد میں اس وقت بھی ہندوستان میں مسلمان تھے۔ اور کئی صدیاں ملک ہند میں مختلف مسلمان بادشاہ حکمرانی کرتے رہے۔ لیکن مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ دوسرے مذاہب والے کس طرح ان پر حملے کر رہے ہیں۔ حوالے سنئے:۔

۱۔ "سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بے پناہ تھا۔ مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ ان کے گاؤں بالکل تباہ کر دیئے گئے۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی، اور ہزاروں مسجدیں گرا دی گئیں۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف سکھ لٹریچر صفحہ ۱۱۲۷)

۲۔ "ابتداء میں سکھوں کا طریق غارت گری اور لوٹ مار کا تھا جو ہاتھ آتا تھا لوٹ کر اپنی جماعت میں تقسیم کر دیا کرتے تھے مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی۔ اذان یعنی بانگ کی آواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے۔"

(شیر پنجاب مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

پڑھ کر خون کھول اٹھتا ہے۔ مزید حوالے اگلی قسط میں درج کروں گا۔ واقعی یہی حالات تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو ابھی تک وہ زمانہ نہیں بھولتا جبکہ وہ سکھوں کے ہاتھوں ایک دہکتے ہوئے تنور میں مبتلا تھے۔ اور ان کے دست تعدی سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا ہی تباہ تھی بلکہ ان کے دین کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ دینی فرائض کا ادا کرنا تو درکنار بعض اذان کے کہنے پر جان سے مار دیئے جاتے تھے۔" (اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۹۰۰ء)

اندازہ لگا لیں ان حالات میں مسلمانوں کی کیا حالت ہوگی۔ اور پھر کیا ہوا۔ انگریز حکمران ہیں۔ اب وہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کمزور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ چنانچہ پنجاب میں عیسائیت کا آغاز لدھیانہ سے ہوا۔ ۵ر نومبر ۱۸۳۴ء کو پادری جے۔ سی۔ لوری نے ابتداء کی اور لدھیانہ میں پنجاب کا پہلا گرجا گھر ۱۸۳۷ء میں تعمیر ہوا۔ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۴۹ء تک کے عرصہ میں انگریزی حکومت نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عیسائیت کی تبلیغ سارے ملک میں بڑے زور شور سے شروع ہو گئی۔ ۱۸۵۲ء میں امرت سر میں پہلا مشن قائم ہوا، اور آخر دسمبر ۱۸۵۳ء میں پشاور میں مشن کھولا گیا۔ اور ۱۸۶۶ء میں بٹالہ میں عیسائیت کا پرچار شروع ہو گیا اور سارے ملک میں عیسائی حکومت کے غلبہ اور پادریوں کے حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔

شبان الاحمدیہ کے ارکان ان تاریخی حوالہ جات کو یاد کریں مزید حوالے اگلی اقساط میں درج ہوں گے۔

یہ تھی مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی حالت۔ اور جو حملے ہو رہے تھے۔ ان کا اندازہ ارتداد اختیار کرنے والوں سے لگالیں۔ جیسا اوپر درج ہے۔ کہ ان ہی حالات کا مقابلہ کرنے، مسلمانوں کی خدمت کرنے کے لئے مسیح موعودؑ نے آنا تھا۔ سو عین پیشگوئیوں کے مطابق جہاں سب سے زیادہ اسلام پر حملے ہو رہے تھے۔ ۱۳ر فروری ۱۹۳۵ء کو قادیان میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی پیدائش ہوئی۔ گویا آپ سے پہلے صدی یعنی تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد بریلوی کی شہادت کے چار پانچ سال بعد آپ پیدا ہوئے۔ اور آپ کی عمر تیرہ چودہ سال تھی جب انگریزوں نے پنجاب کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ آپ کی عمر ۲۳/۲۴ سال کی تھی کہ ۱۸۵۷ء کی عظیم جنگ آزادی کی بنیاد رکھی گئی۔ ان دنوں ہندوستان اور خصوصاً پنجاب میں عیسائیت کا پرچار شروع ہو گیا تھا۔

اور سارے ملک میں عیسائی حکومت کے غلبہ اور پادریوں کے حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم تھی۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ یہ اللہ کا ہی کا کام ہے جب ضرورت ہوتی ہے وہ کسی کو مامور فرماتا ہے اور بموجب حدیث مجدد ۱۸۸۵ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے خدا سے خبر پاکر دعویٰ فرمایا۔ اور آپ نے حسب ذیل اعلان فرمائے۔ کہ یہ میری بعثت کے اغراض ومقاصد ہیں:۔

"سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی
اور روشنی کا دن آئے گا، جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے۔"
(فتح اسلام صفحہ ۱۵۔ ۱۸۹۱ء)

آپ نے اوپر مطالعہ کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ حضرت امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو آپ دین کو زندہ کریں گے اور شریعت کو قائم کریں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس صدی کے شروع میں جب کہ دشمن حملے کر رہے ہیں اور اپنے مفکر۔ عالم۔ مصلح مرثئے پڑھ رہے ہیں:۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی
جس دین کی حُجّت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ان حالات میں حضرت مسیح موعودؑ اپنے ایک عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں:۔

"یا ربّ احمد یا الٰہ محمّد
اعصم عبادک من سموم دخانھم
یا ربّ سحقھم کسحقک طاغیًا
و انزل بساحتھم لھدم مکانھم
یا ربّ أرنی یوم کسر صلیبھم
یا ربّ سلطنی علی جدرانھم

اے میرے اللہ! جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہے۔ بڑا سخت تاریک دور آ گیا ہے۔ ان عیسائیوں نے ہوا کو زہریلا بنا دیا ہے۔
اے میرے اللہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر۔ اور جس طرح سرکش لوگوں کو سزا دی جاتی ہے۔ اسی طرح ان کو سزا دے۔
اے میرے اللہ مجھے وہ دن دکھا کہ ان کی صلیب ٹوٹ جائے۔ اور یہ ناکام و نامراد ہوں۔"

پادری آپکے زبردست دلائل کے مقابلہ سے عاجز آ گئے اور میدان سے بھاگ گئے۔ بلکہ امتناعیہ کر دی کہ اب تم نے احمدیوں سے مقابلہ نہیں کرنا۔

اور دوسری طرف اپنے علماء کو جو سادگی اور ناواقفیت کی وجہ سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے تھے۔ انکو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

"کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی دو۔ کب تک اس کو حیّ لا یموت کہتے جاؤ گے کچھ انتہا بھی ہے"
(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۴۶۹ طبع اوّل)

آپ رات دن اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں:۔

یا ربّ أرنی یوم کسر صلیبھم۔ اے میرے ربّ مجھے ان عیسائیوں کی صلیب کے ٹوٹنے کا دن دکھا۔ اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔

اور تاریخ کے صفحات انکار نہیں کر سکتے۔ اس وقت انگریز کی کیا حالت تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ اور اس زمانہ میں سب سے زیادہ اُونچا۔ اعلیٰ مقام عیسائیوں میں ملکہ وکٹوریہ کو تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں، کون؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنہوں نے اس کو بھی اسلام کی تبلیغ فرمائی!

ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے ملکہ توبہ کر! اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آ جا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ شریک ....
اے زمین کی ملکہ اسلام کو قبول کر، تا تو بچ جائے۔ آ مسلمان ہو جا۔"
(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ صفحہ ۵۳۲-۵۳۴)

دوم: مسلمانوں کو بیدار فرماتے ہیں، اور انہیں مایوسی سے نکالنے اور ان کو بشارت دیتے ہیں:۔

"اے مسلمانو! اگر تم سچے دل سے خداوند تعالےٰ اور اس کے مقدس رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو اور نصرتِ الٰہی کے منتظر ہو تو یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آ گیا۔"
(ازالہ اوہام۔ ط اوّل صفحہ ۴۹۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور آپ کے مشن کا ایک حصہ دین کو زندہ کرنا اور شریعت اسلامیہ کو حقیقی رنگ میں قائم کرنا اور اسلام کو دوسرے ادیان پر زبردست اسلامی دلائل کے ساتھ غالب فرمانا ہے۔

اخبار احمدیہ

انتقال پُرملال بیگم صاحبہ شیخ محمد جان مرحوم ومغفور وزیر آبادی مختصر علالت کے بعد ۲۲/۱/۷۷ کو ۸۰ سال کی عمر پاکر وفات پا گئیں۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

آپ شیخ عبدالرحمان ناظر مرحوم اور شیخ محمد عبداللہ، شیخ ممتاز احمد صاحب کی والدہ تھی اور آپ کے والد میاں علی بخش صاحب مرحوم، حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائی مریدوں میں سے تھے۔ مرحومہ انتہائی خوش خلق، ملنسار اور خیر خاتون تھیں، ان کی نماز جنازہ میں جماعت کے احباب اور رشتہ داروں کے علاوہ غیر از جماعت دوستوں نے بھی شامل ہوکر دعائے مغفرت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ احباب جنازہ غائبانہ پڑھ کر مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ایصال ثواب کے لئے مدّ اشاعت اسلام میں -/50 روپے داخل خزانہ انجمن کرائے ہیں۔

صاحبزادگان کے پتے:۔

(۱) شیخ محمد عبداللہ صاحب محلہ شیخاں مغربی۔ وزیر آباد (گوجرانوالہ)
(۲) شیخ ممتاز احمد صاحب۔ ایس۔ اے۔ ایس۔ ایم، کالونی ٹیکسٹائل ملز۔ اسماعیل کوٹ نوشہرہ (ضلع پشاور)

مکرم چوہدری فضل داد صاحب پنشنر گجرات سے لکھتے ہیں:۔

سیّد سردار علی شاہ کی وفات کی خبر گذشتہ پرچہ میں شائع ہو چکی ہے مرحوم سید سردار علی شاہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ میری تحریک پر جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہوئے۔ اخبار پیغام صلح ان کے نام جاری ہے۔

سیّد صاحب کے تین لڑکے ہیں۔ ایک گورنمنٹ نارمل سکول گجرات میں ہیڈ ماسٹر۔ دوسرا سیّد خورشید احمد صاحب زیدی لائن سپرنٹنڈنٹ واپڈا گجرات۔ ان کا تیسرا لڑکا واہ فیکٹری میں ملازم ہے۔

ان کا پتہ:۔ سید خورشید احمد زیدی۔ لائن سپرنٹنڈنٹ واپڈا۔ مکان 7/257 حویلی سیّداں۔ بازار صرافاں گجرات۔

ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور چوہدری مسعود اختر صاحب کا

لندن میں ورود

اور اُن کی پہلی تبلیغی رپورٹ

ہم لوگ ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز ہفتہ لندن پہنچے تھے۔ اس طرح ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو لندن میں ہمارا پہلا جمعہ کا دن تھا۔ شیخ محمد طفیل صاحب منگل کے روز ایک میٹنگ میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے تھے اور جاتے جاتے اطلاع دے گئے تھے کہ وہ جمعہ کے لئے تشریف نہ لا سکیں گے اور یہ کہ جمعہ کے روز چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے بمشکل دو چار صاحبان ہی جمعہ کے لئے تشریف لا سکتے ہیں۔ بہرحال جمعرات کے دن بعض احباب نے فون پر نماز جمعہ کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو ان کو اطلاع دے دی گئی کہ احمدیہ ہاؤس اب بفضلہ تعالےٰ باقاعدہ نماز جمعہ کے لئے کھلا ہے اور پنجوقتہ نماز بھی ہوتی ہے۔

جُمعہ کے دن مکرم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور چوہدری محمد حیات صاحب ممبر مجلس معتمدین ۱۱ بجے کے قریب ہی تشریف لے آئے جمعہ کے وقت کل چودہ (۱۴) صاحبان تشریف لا چکے تھے۔ اس امر کے پیش نظر کہ جمعہ کے لئے ان اصحاب نے خاص طور پر اپنے اپنے کام سے چھٹی لے رکھی تھی اور اپنی ایک دن کی آمدن کی قربانی دی تھی۔ دیگر اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس سے پہلے اتنی تعداد میں لوگ نماز جمعہ کے لئے جمع نہ ہوتے تھے یہ قلیل تعداد بھی حوصلہ افزا تھی۔ U-K کے مسلمان گورنمنٹ سے جمعہ کے روز مسلمانوں کے لئے نماز جمعہ کے اوقات میں چھٹی کے لئے اپیلیں کر رہے ہیں۔ اگر گورنمنٹ نے ایسا کوئی فیصلہ کر لیا تو یقیناً احباب کی ایک کثیر تعداد نماز جمعہ میں شمولیت کے لئے آ سکے گی۔

جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب امام لندن مشن نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز جمعہ کی امامت کے فرائض بھی سر انجام دیئے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سورۃ الانعام کی آیات قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین ہ لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ کی تلاوت اور ترجمہ کے بعد فرمایا کہ امن اس وقت افراد اور اقوام کی سطح پر عالم انسانی کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور جتنی اشد ضرورت امن کی ہے اسی قدر امن مفقود ہے۔ ان آیات میں وہ سبق مضمر ہے جو امن کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اگر افراد مکمل طور پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے اپنی عبادات، اپنی قربانیاں، اپنی زندگیاں اور اپنی موت صرف اور صرف اللہ کی راہ میں دینے والے بن جائیں تو یہ مُسلمین یعنی امن یافتہ ہوں گے۔ اور ایسے افراد سے جو معاشرہ اور اقوام ترتیب پائیں گی وہ یقیناً عالم انسانی کو امن کی ضمانت مہیا کر سکیں گی۔

بعد از نماز یو۔کے جماعت کی صدر مسز جمیلہ خان نے حاضرین کی تواضع مٹھائی سے کی جو وہ خاص طور پر ساتھ لائی تھیں۔ یہ بہت قربانیاں دینے والی خاتون ہیں۔ اپنا وقت اپنا پیسہ اپنا علم سب دین کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایک تمنا دل میں ابھرتی ہے کہ ایک ایسی خاتون پاکستان کی جماعت میں بھی ہوتیں تو پاکستان کی احمدی خواتین ایک متحرک و فعال تنظیم بن سکتیں۔

ہمارے لئے تو چودہ حاضرین کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی لیکن یہاں کے حاضرین اس تعداد سے خاصے متاثر نظر آتے تھے اور بار بار کہتے رہے کہ اتنی تعداد میں لوگ اس سے پیشتر جمعہ کی نماز کے لئے نہیں آتے۔ اور انہوں نے کئی گروپ فوٹو بنائے۔ اس کے بعد چوہدری مسعود اختر صاحب اسسٹنٹ امام یو۔کے مشن نے مسز جمیلہ خان اور

سپاسِ تعزیت

والدہ صاحبہ محترمہ (بیگم مولانا محمد علیؒ صاحب) کی وفات حسرت آیات پر بہت سے احباب نے بذریعہ تار و خطوط ہمارے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے اور بعض جماعتوں نے تعزیت کی قرار دادیں منظور کر کے ارسال فرمائی ہیں۔ ہم ان تمام احباب اور جماعتہائے کے بصمیم قلب شکر گذار ہیں۔ ان کے پیغامات سے ہمیں بہت ڈھارس ملی ہے اور ہم ان سب سے مستدعی ہیں کہ وہ ہمیں بدستور اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور والدہ صاحبہ مرحومہ کی بلندی درجات کے لئے بھی دُعا فرماتے رہا کریں۔

ان احباب کو فرداً فرداً جواب نہ دے سکنے پر معذرت خواہ ہیں اور بذریعہ اخبار ان کے سپاس گذار ہیں۔ والسلام۔

(میاں) محمدؐ احمد۔ (میاں) حامد فاروق و ہمشیرگان

۱۲ حسین سٹریٹ مسلم ٹاؤن لاہور

بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم کی وفات پر احباب جماعت کا رنج واندوہ

جماعتِ پشاور کی قرارداد تعزیت

احباب جماعتِ پشاور کو پیغامِ صلح مجریہ ۱۹/۱۱ اکتوبر کے ذریعہ بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم کی وفات کی افسوسناک خبر ملی۔ مورخہ ۲۸/۱۰ بعد از نماز جمعہ ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل تعزیتی قرارداد پاس کی گئی۔ "احباب جماعت پشاور کو بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم کی وفات کی خبر سے دلی صدمہ پہنچا ہے۔ اور وہ اس پر اپنے گہرے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور جماعت پشاور مرحومہ کی دینی و جماعتی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ مولا کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلےٰ سے اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔" آمین۔

مرسلہ محمد الرحمٰن صاحب۔ سیکرٹری جماعت پشاور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۴۵

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور پاکستان

مدیر اعزازی خلیل الرحمٰن

فون نمبر: ۵۳۷۳۰۰

جلد ۶۴ — یوم چہارشنبہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء — نمبر ۴۶

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردھم علیہ السلام

خدا تعالیٰ کی تجلیات اور رحمتوں کے ظہور کے لئے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے

اس لئے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی مت تھکو

اصلاح نفس کے لئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے نیکیوں کی توفیق پانے کے واسطے دوسرا پہلو دُعا کا ہے۔ اس میں جس قدر توکّل اور یقین اللہ تعالےٰ پر کرے گا۔ اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اسی قدر عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ تمام مشکلات دُور ہو جائیں گی اور دُعا کرنے والا تقویٰ کے اعلےٰ محل پر پہنچ جائے گا۔ یہ بالکل سچّی بات ہے کہ جب تک خدا تعالےٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا نفسانی جذبات پر محض خدا تعالےٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طاقت صرف دُعا ہی سے ملتی ہے۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں اور بالخصوص ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دُعا تو ہے جس پر مسلمانوں کو ناز کرنا چاہیئے۔

دُعا خدا تعالےٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہہ دو کہ وہ بہت ہی قریب ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دُعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رؤیا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف و الہام کے واسطے سے۔ اور علاوہ بریں دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ غرض دُعا بڑی دولت ہے اور قرآن شریف میں جابجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچّا ذریعہ یہی دُعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دُعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خدا تعالےٰ کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹)

جلسہ سالانہ ۱۹۷۷ء کی تاریخیں

۲۲، ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء (جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار) مقرر ہوئی ہیں۔ اس لئے جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے

ا۔ آپ ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

ب۔ جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد سے مطلع فرمادیں۔

ج۔ خواتین کو نمائش دستکاری میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کریں اور سامانِ دستکاری جلد بھجوا دیا جائے۔

د۔ موسم کے لحاظ سے اپنے بستر ہمراہ لائیں۔

ﮦ۔ غیر از جماعت دوستوں کو اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت دیں۔

افسر جلسہ سالانہ

مسائل عید الاضحیٰ

قربانی کا خون اور گوشت خدا کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ دلوں کا تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے۔ پس قربانی کرتے وقت اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دراصل وہ خدا کے حکم کے آگے اپنی حیوانیت کو ذبح کر رہا ہے۔ یعنی اپنے تمام حیوانی جذبات کو خدا کی رضا کے آگے قربان کرنے کا اقرار کر رہا ہے۔ (حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم)

۱۔ خدا کی راہ میں جو قربانی ہو وہ جس قدر اعلےٰ درجہ کی ہو اتنی ہی افضل ہے۔ نکمی یا ناقص قربانی قابلِ قدر نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے بکرا یا بھیڑ یا دُنبہ عمدہ اور تندرست ہونا چاہیئے۔ کوئی عیب نہ ہو۔ یعنی لُولا۔ لنگڑا۔ کانا یا سینگ جڑ سے ٹوٹا ہُوا نہ ہونا چاہیئے۔ خصّی ہونے کا کوئی حرج نہیں۔ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ بکرے کی عُمر ۲ سال کی ہونی چاہیئے یا اس سے زیادہ دوندا جس کے ۲ دانت سامنے کے بڑے ہوتے ہیں۔ موزوں ہوا کرتا ہے۔ بھیڑ یا دُنبہ چھ ماہ کا فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۲۔ قربانی کا وقت ۱۰ر تاریخ ذی الحجہ یعنی عید کے دن نماز عید و خُطبہ کے بعد سے ۱۲ر ذی الحجہ کی عصر کے وقت تک ہے۔ ایک کنبہ کی طرف سے ایک بکرا یا بھیڑ کافی ہے۔

۳۔ قُربانی کرتے وقت خدا کا نام لینا اور تکبیر کہنا چاہیئے۔ بعض قصاب غیر اللہ کا نام لیا کرتے ہیں جس سے بچنے کا اہتمام پہلے ہی کرنا چاہیئے۔

۴۔ قُربانی کا خون اور گوشت خدا کو نہیں پہنچتا بلکہ دلوں کا تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے۔ پس قربانی کرتے وقت اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دراصل وہ خدا کے حکم کے آگے اپنی حیوانیت کو ذبح کر رہا ہے یعنی اپنے تمام حیوانی جذبات کو خدا کی رضا کے آگے قربان کرنے کا اقرار کر رہا ہے۔ جب تک یہ تقویٰ نظر نہ ہو قربانی کے مقبول ہونے کی صُورت نظر نہیں آتی۔

۵۔ عید کے دن نہانا۔ صاف کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا۔ نمازِ عید پڑھنا۔ خُطبہ سُننا مسنون ہے۔ عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانا سنت ہے لیکن عید الاضحےٰ میں نماز عید کے بعد کھانا سنت ہے۔

۶۔ عید کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ یاد رہے دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ سے قبل یہ تکبیریں کہی جاتی ہیں اور تکبیروں کے درمیان ہاتھ کھلے چھوڑنے چاہئیں۔ قرأت جہری ہوتی ہے۔ اور نماز کے بعد خطبہ ہوتا ہے۔ جس کے درمیان امام نہیں بیٹھتا۔ خطبہ سننا نہایت ضروری چیز ہے۔ خُطبہ کے درمیان [illegible] اور [illegible] شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں۔

۷۔ نمازِ عید کے لئے ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا مسنون ہے۔ نماز سے [illegible] جماعت کی شکل میں راستوں [illegible] کی شوکت کا [illegible] ہے۔

۸۔ [illegible] کے گوشت [illegible] حصوں میں تقسیم کرنا مسنون ہے۔ [illegible] خود کھائے اور [illegible] کھائیں۔ دوسرا حصہ دوستوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کرے۔ تیسرا حصہ مساکین و یتامیٰ کو دے۔

[illegible] کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنے کا حکم ہے اور وہ تکبیر یہ ہے:—

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

ان کلمات کے تین مرتبہ کہنے کا حکم ہے۔

مالی قربانی کی ایک قابل قدر مثال

جناب شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت بدوملہی تحریر فرماتے ہیں کہ:—

موضع [illegible] والا، میں احمدیہ احباب جماعت اور غیر از جماعت احباب میں وجہ نزاع بنی ہوئی تھی۔ جناب ملک محمد صدیق صاحب کو میں ساتھ لے کر وہاں گیا تو ملک صاحب موصوف نے بیس ہزار اینٹ مالیتی چھ ہزار روپیہ اپنی گرہ سے دے کر غیر از جماعت دوستوں کو اپنا الگ مسجد کی تعمیر کرنے پر رضامند کر لیا۔ زرپرستی کے اس زمانہ میں مالی قُربانی کی یہ قابلِ قدر مثال قائم کر کے جناب ملک صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل سے جماعت ابھی زندہ ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ وہ پہلے ۲۴ روپے سالانہ چندہ دیتے تھے۔ جسے بڑھا کر اب اُنہوں نے دو صد روپے سالانہ کر دیا ہے۔ احباب ایسے مخلص، مخیر اور صاحب دل دوستوں کے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے نفوس و اموال میں برکت ڈالے اور ان پر اپنے فضلوں کی بارش کرے۔ آمین۔

ادارہ پیغام صلح کی طرف سے

تمام بزرگان و احباب جماعت اور قارئین کرام کی خدمت میں

عید مبارک

اوقات نماز عید الاضحیٰ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نماز عید کے درج ذیل اوقات مقرر ہوئے ہیں:—

(۱) جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور: اجتماع ۸ بجے صبح۔ قیام نماز ۸½ بجے صبح

(۲) جامع احمدیہ دار السلام ۵ عثمان بلاک۔ لاہور } اجتماع ۸½ بجے۔ قیام نماز ۹ بجے

احباب وقت کی پابندی کر کے مشکور فرمائیں—

(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مؤرخہ ۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء

علامہ اقبال مرحوم حضرت مسیح موعودؑ اور تحریک احمدیت سے کس قدر متاثر ہوئے

ہو چکا اس دین کی شان جلالی کا ظہور + ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور (علامہ اقبال مرحوم)

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام + چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون (علامہ اقبال مرحوم)

((مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب))

محمد جعفر خاں ایڈووکیٹ مصنف کتاب "احمدیہ تحریک" کی شہادت

"علامہ اقبال جیسی شخصیت ایک وقت احمدیت سے متاثر رہ چکی ہے۔ اگر اس بات کی ناقابل تردید شہادت موجود نہ ہوتی۔ اور خود علامہ اقبال کا اپنا اعتراف نہ ہوتا تو میں (مصنف "احمدیہ تحریک") کبھی باور نہ کرتا"۔ (احمدیہ تحریک ص۳۵)

اس وقت علامہ اقبال مرحوم کی صد سالہ برسی کے موقعہ پہ اخبارات کے خاص نمبر نکالے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ہم قارئین کرام کی خدمت میں علامہ اقبال کی زندگی سے متعلق چند واقعات پیش کرتے ہیں۔ نیز آپ کے بعض اشعار بھی درج کئے جا رہے ہیں جن سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اپنی ابتدائی زندگی میں علامہ صاحب نے حضرت اقدس میرزا صاحبؑ اور تحریک احمدیہ لاہور سے کتنا زبردست تاثر و یقین حاصل کیا تھا۔ (ادارہ)

۱۔ اخبار "نوائے وقت" ۱۵ دسمبر ۱۹۵۳ء میں مولوی غلام محی الدین قصوری کے حوالہ سے یہ امر شائع کیا گیا کہ ۱۸۹۷ء میں علامہ اقبال مرحوم نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی یاد رہے کہ علامہ صاحب کے والد صاحب اور برادر اکبر جماعت احمدیہ میں شامل تھے۔ نیز علامہ صاحب کے استاد شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب کی رائے حضرت اقدسؑ کے بارہ میں یہ تھی کہ حضرت میرزا صاحبؑ ان بزرگ لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور جو دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔

۲۔ رسالہ "انڈین کومیری" ستمبر ۱۹۰۰ء میں علامہ صاحب کا یہ قول درج ہے:۔
"موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں"۔

۳۔ ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا:۔

جماعت احمدیہ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر کی ذات نے ڈالا ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں"۔
(ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ص۱۵ مطبوعہ مرغوب ایجنسی)

۴۔ حضرت اقدسؑ عاشق قرآن تھے

علامہ اقبال نے حضرت مولانا محمد علی رح کے روبرو جس امر کا اعتراف کیا جب مؤخر الذکر علامہ صاحب کی عیادت کے لئے ان کے پاس گئے۔ اس کا ذکر حضرت مولانا نے اپنے بیان میں یوں کیا ہے:۔
"ایک مرتبہ مجھے ایک بہت بڑے شخص یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے صرف مرزا غلام احمد صاحب ہیں"۔ (بیان حضرت مولانا محمد علی صاحب)

علامہ صاحب کا اعتراف کہ ان کی مخالفت کا سبب بعد کے بگڑے ہوئے قادیانی عقائد و اعمال ہوئے تھے نہ کہ حضرت اقدسؑ اور جماعت احمدیہ لاہور کے معتقدات۔

۱۹۳۵ء میں جب علامہ صاحب نے جماعت قادیان کی مخالفت کی اور آپ سے اس تقریر کی بابت دریافت کیا گیا تو علامہ صاحب نے اپنی اس تقریر کو صحیح تسلیم کیا مگر اپنی رائے میں تبدیلی کے جو جواز بتلائے وہ آپ کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس نہ وہ تقریر اصل انگریزی میں محفوظ ہے اور نہ اس کا اردو ترجمہ جو مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تقریر ۱۹۱۱ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اب سے ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی۔ لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانیٔ تحریک احمدیت کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب ایک نئی نبوت بانیٔ اسلام کی نبوت سے اعلےٰ تر نبوت کا دعوےٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی"
(حرف اقبال ص۱۲۲)

"میں سر محمد اقبالؒ کو اس واقعہ کا حوالہ دوں گا جو انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے بیان کیا۔ جب میں اکتوبر ۱۹۳۳ء میں ان کی عیادت کے لئے گیا آپ نے فرمایا کہ بانیٔ تحریک احمدیت

کہ وہ مرزا صاحب کی طرف جا رہے ہیں۔ تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ بانیٔ تحریک سے گفتگو کے دوران میں میاں سر فضل حسین صاحب نے سوال کیا کہ آپ ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان نہیں لاتے کافر سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب فی الفور بول اُٹھے کہ ہرگز نہیں" (سر محمد اقبال کا بیان دربارہ اہل قادیان۔ از مولانا محمد علیؒ) ــــ (مولانا محمد یعقوب خان صاحب کی شہادت):ــ

"مولانا سید نذیر نیازی صاحب سے میری گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو میں اُنہوں نے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی میرے حوالہ کا ذکر کیا تھا جس پر علامہ موصوف نے فرمایا کہ بے شک انہوں نے مرزا صاحب سے اسی طرح سُنا کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہزاروں کے مجمع میں یہ شہادت دینے کو تیار ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو بیان اخبارات میں شائع فرمایا وہ موجودہ قادیانی کشمکش کے سلسلہ میں تھا جو قادیانی جماعت اور عامۃ المسلمین میں جاری ہے جماعت لاہور کی طرف اس کا رُوئے سخن ہی نہیں تھا اور نہ ہی مرزا صاحب کے معتقدات پر تبصرہ منظور تھا اس سے قبل ہمارے معزز دوست راجہ حسن اختر صاحب نے بھی مجھ سے یہی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال سے انہوں نے گفتگو فرمائی اور علامہ فرمانے لگے کہ ان کے بیان کا جماعت لاہور سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کی شخصیت سے اور ان کے سامنے وہ احمدیت تھی جس کا نقشہ آج کل قادیانیت کی شکل میں دُنیا میں پیش ہو رہا ہے"

(بیان مولانا محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر لائٹ ۔ پیغام صلح ۱۶ر نومبر ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبال مرحوم کے منظوم کلام کا نمونہ

موجودہ مغربی اقوام یاجوج ماجوج کی مصدق ہیں۔ نیز مغربی مادی اور دجالی تہذیب تباہ کن ہے۔

امر مسلمہ ہے کہ اس زمانہ میں مغربی اقوام کو دجال اور یاجوج ماجوج اگر کسی نے سب سے پہلے قرار دیا تو وہ حضرت اقدسؑ مرزا صاحبؒ ہی تھے مگر اس امر کا اعتراف علامہ صاحب بھی یوں فرماتے ہیں:ــــ

کھُل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مُسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلون

قرآن کریم میں یہ آیت آئی ہے حتّٰی اذا فتحت یاجوج و ماجوج و ھم من کل حدب ینسلون۔ یعنی یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ تمام بلندیوں سے باہر نکل پڑیں گے حرفِ ینسلوں جو علامہ اقبال نے اپنے مندرجہ شعر میں استعمال کیا ہے کا اشارہ اسی آیت قرآنی کی طرف ہے۔

مغربی مادی تہذیب کے انجام کا ذکر علامہ صاحب اپنے اشعار میں یوں کرتے ہیں:ــــ

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مغربی مادی تہذیب کی انجام کار بربادی و تباہی سے اس زمانہ میں اگر کسی نے

آپ کو کافر نہیں کہا تھا؟ پھر علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم میں یاجوج ماجوج کے ذکر کی اصل مصداق یہی اقوام مغرب ہی ہیں اور ان کی مادی تہذیب کا انجام کار حشر تباہی ہے، کس بندہ خدا کی صدائے بازگشت ہے!

۲۔ احیاء اسلام اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کا آغاز

مغربی مادی تہذیب کی ناکامی اور بربادی کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و تعلیم کا احیاء ہونے والا ہے۔ اسلام پھر سے دوبارہ دُنیا میں غلبہ و فتح حاصل کریگا یہ نظریات بھی مسلمہ طور پر اس زمانہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے دنیا کو دیئے۔ چنانچہ یہ امور صرف نظریات و تصورات تک ہی محدود نہ رہے بلکہ حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی تصنیفات اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ کے انگلینڈ میں اسلامی مشن کے قیام کے ذریعہ اسلام اور قرآن کے بارہ میں ایک عالمگیر انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ علامہ صاحب اسی حقیقت کو اس طرح ادا کرتے ہیں:ــ

سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے رُوما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے قُدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے قدسیوں سے یہ سُنا ہے کہ اسلام کا سویا ہُوا شیر اب پھر ہوشیار ہونے والا ہے۔ یہ کونسے قدوسی ہیں جن سے علامہ صاحب نے غلبہ و فتح اسلام کا پیغام پھر سے سُنا؟ کیا حضرت اقدسؑ اور جماعتِ احمدیہ کے بغیر کوئی اور تحریک اس زمانہ میں اُٹھی جس نے نہ صرف غلبہ و فتح دین کا یقین اپنے پیروؤں میں پیدا کیا بلکہ انہی کی مساعی سے دُنیا میں عالمگیر سطح پر فتح اسلام کے دروازے کھول کر رکھ دیئے گئے؟

۳۔ فتح و غلبۂ اسلام کا یقین اور اسکا صحیح طریقِ کار

حضرت اقدسؑ اور آپ کی جماعت نے فتح و غلبہ کا یقین قلوب میں جاگزین کر دیا۔ جیسے کہ مسٹر فری لینڈ ایبٹ صاحب نے اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں اس کا اعتراف کیا ہے:ــــ

"جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے بارے میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کے شدید ترین مخالفوں نے اُنہیں بہ تمام و کمال قبول کر لیا ہے۔ اپنے تبلیغی جوش اور عیسائیت کے خلاف پے درپے اور کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے۔ گو یہ امر درست ہے کہ جمہور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد کے ذاتی دعاوی نے مقبولیت حاصل نہیں کی اور آپ کی تحریک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تاہم اس تحریک نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ یقین و ایمان پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں، اور دنیا کا سچّا دین صرف اسلام ہے۔ اس تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر کس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک کی ہر دو شاخوں نے دوسرے مذاہب کے مقابل دینِ اسلام کی حفاظت و توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے پاک و ہند کے مسلمان سب سے زیادہ اسی جماعت کے خلاف صف آراء ہیں۔"

نہ صرف قلوب میں از سرِ نو یقین پیدا کیا بلکہ اس کا صحیح طریقِ کار بھی واضح کر دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ یہ زمانہ اب اسلام کا

کا جمالی زمانہ ہے نہ کہ جلالی اور جس طرح پہلے زمانہ میں دینِ اسلام اپنی ظاہری طاقت اور شان و شوکت ظاہر کر چکا ہے یہ زمانہ اس کی تعلیم کے حسن و خوبصورتی اور جمال و کشش کے اظہار کا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت اقدس مرزا صاحبؑ اسلام میں مثیلِ مسیح کے لقب سے ملقب ہوئے اور آپ کی جماعت کا نام بھی اسی مناسبت کی رو سے احمدی رکھا گیا۔

علامہ اقبال مرحوم نہ صرف مغربی تہذیب کو دجالی تہذیب اور اس کے مقابل دینِ اسلام کے دوبارہ احیاء پر یقین کا اظہار کرتے ہیں بلکہ جمالی طریقِ کار کو ہی اب کامیاب بتلا رہے ہیں، چنانچہ آپ کا شعر ملاحظہ ہو:—

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

یہ شانِ جلالی اور شانِ جمالی کے ظہور کی اصطلاحیں کیا تحریک احمدیت سے مخصوص نہیں؟ ظاہر پرست علماء تو اس امر کے ماننے سے ہی انکاری تھے کہ اسلام بغیر ظاہری طاقت کے کامیاب طور پر اشاعت پذیر ہو سکتا ہے وہ تو کہتے تھے کہ امام مہدی و مسیح ناصری آکر تلوار اور جبر کے زور سے ہی اسلام پھیلائیں گے۔ یہ سب لوگ حضرت اقدسؑ اور جماعت احمدیہ کے اس نظریہ سے کہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار اور اخلاقی قوت کا ہے سے سراسر منکر ہو رہے تھے۔ پھر جائے غور ہے کہ علامہ اقبال نے اسلام اور ملت کی شانِ جلالی کی بجائے شانِ جمالی کے ظہور کا نظریہ و یقین کہاں سے لیا؟

۴۔ سیاست، وطنیت اور علاقائی قومی عصبیت کی بجائے دین و مذہب، عالمگیر اخوتِ اسلامیہ کے راگ

ان امور پر تو علامہ صاحب نے پوری وضاحت سے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:—

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اِک ثمر
نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گذر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر

اکثر مسلم اقوام اب تک رنگ و نسل، زبان و ثقافت پر اپنی اپنی علیحدہ قومیت کی بنیاد رکھ رہی ہیں۔ اس کی وجہ مغربی تصور قومیت ہے نہ کہ اسلامی نظریہ۔ علامہ اقبال مسلمانوں کی اس غلطی کو کیسے دلنشین انداز میں بیان فرماتے ہیں:—

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

دین کو سیاست، قومیت اور وطنیت پر ہر حال میں مقدم کرنے اور ایک عالمگیر اخوتِ اسلامیہ کی تعمیر کرنے میں اصل اسلام کی روح مضمر ہے۔ چنانچہ اس کا تلخ تجربہ پاکستان کی وحدت کی جدائی یعنی مغربی و مشرقی حصوں کی علیحدگی میں ہم کر چکے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد علماء اور لیڈرانِ قوم نے حقیقی دین اور اس کے تقاضوں کو مقدم کرنے کی بجائے سیاست، ہوسِ دولت اور اقتدار کو ترجیح دے دی۔ اس سے پاکستان کی حکومت دو ٹکڑے ہو گئی۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اسی لئے اپنے پیرؤوں سے یہ عہد لیا تھا کہ

"میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"

اسی کی روشنی میں علامہ اقبالؒ نے بھی اس قسم کے ترانے گائے ہیں:—

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
یہ بت کہ تراشیدہ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

علامہ صاحب نے ان اور ایسے دیگر اشعار میں دنیا پرستی کی بجائے دین کی راہوں کو مقدم کرنے کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں خالصتاً دینی تحریک کیا بجز حقیقی تحریک احمدیت کے کوئی اور بھی ہے؟ کیا اس زمانہ میں رجوع الی القرآن والسنۃ المحمدیہ کی ندا سوائے حضرت اقدس کے کسی اور نے دی؟ اگر یہ ایک ہی صدا ہے جو اس زمانہ میں ساری دنیا میں سننے میں آئی ہے، اگر یہ صرف تحریک احمدیہ اپنی اصل شکل میں ہے جس نے مسلمان قوم کو از سرِ نو کلمہ و کعبہ کے مراکزِ اسلامیہ پر جمع و منظم کرنے کی سعی کی، تو کیا یہ کہنا صحیح نہیں کہ علامہ اقبال مرحوم کے یہ اشعار حضرت اقدسؑ اور آپ کی تحریک کی صدائے بازگشت ہی ہیں؟

۵۔ حضرت اقدسؑ مسیح موعودؑ اور آپ کی تحریک احمدیت کا موقف ہی یہ ہے کہ جب تک قلوب میں خدا، قرآن، رسولِ خدا اور دینِ اسلام کی صداقت پر حتمی یقین پیدا نہیں ہوتا تب تک احیاء و نشاۃِ ثانیہ اسلامیہ کی تحریک پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اس حتمی یقین پیدا کرنے کے لئے نہ صرف اصول اسلام کو حضرت اقدسؑ نے نہایت مدلل و معقول پیرایوں میں پیش کیا بلکہ اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ اور تعلق باللہ کو بھی اس ضمن میں شہادت میں فرمایا۔ ایسے ہی ایمان و یقین کے بنیادی طور پر قلوب میں راسخ ہو جانے کے لئے علامہ مرحوم نے بھی اپنے اشعار میں ندا بلند کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:—

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علمِ اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ان اشعار پر اگر ذرا غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ تحریکِ احمدیت نے تمام ملی قوت کے سرچشمہ کو ایمان و عمل اور اخلاق و تنظیم سے جو وابستہ کرنے کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے تو یہ سب احمدیت کے نور کے پرتو کا نتیجہ ہی ہے کہ اقبال مرحوم اس کی روشنی سے منور ہو کر اپنے منظوم کلام میں جان ڈالنے کا موجب ہوئے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت اقدسؑ اور آپ کی منجانب اللہ سچی تحریکِ احمدیت وجود میں نہ آئی ہوتی اور اس نے حقیقی اسلامی روح کا انکشاف نہ کیا ہوتا تو پھر بھی اس کی غیر موجودگی میں علامہ اقبال اس قسم کا منظوم کلام کہنے کے قابل ہوتے؟ کیونکہ آپ کے بچپن کا احمدی گھریلو ماحول، آپ کے لڑکپن کی مولانا میر حسن صاحب کی شاگردی اور آپ کا [illegible]

مہ تو بی دہ نیز متفرقہ انداز شعور سب ہمیں یہ ماننے پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ کے دین و ایمان، یقین و اتحاد، یاجوج ماجوج اور احیاء اسلام، شانِ جمالی کے ظہور، اسلام

فلاح و بہبود

براد رانِ محترم :-

افراد کی فلاح و بہبود پر گہری نظر رکھنا جماعتی زندگی کا اہم تقاضہ ہے، اور فعّال قومیں اسے کسی مرحلہ پر بھی نظر انداز نہیں کرتیں، ہماری جماعت جو خُدا کے فضل سے امامِ وقت کی جانشین انجمن ہے اس پر بطورِ خاص یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنے افراد کو جو اس دَور کی مناسبت سے زندگی کے میدان میں کسی وجہ سے قدم آگے بڑھانے میں مُشکلات سے دوچار ہوں ان کی پوری دلجوئی اور رہنمائی کرے -

مقامی جماعت نے اس عاجز کو فلاح و بہبود کمیٹی کا صدر منتخب کیا ہے - یعنی ”احباب جماعت خصُوصًا نوجوانوں کے مسائل مثلاً تعلیم - ملازمت وغیرہ کے حل کے لئے عملی اقدامات کرنا“ کی ذمّہ داری سونپی ہے - مَیں آپ سے عرض کرتا ہُوں کہ ہمارے کسی بھائی یا بہن کو ایسا کوئی بھی مسئلہ اگر حل طلب پیش ہو تو میرے ساتھ رابطہ قائم کریں - وہ مجھے ہر خدمت کے لئے وقف پائیں گے - میری خواہش ہے کہ ۳۰ر نومبر سے قبل مجھے اپنی ضروریات سے تحریری طور پر آگاہ کریں - تاکہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں اپنی رپورٹ تیار کر کے مقامی انتظامیہ کے سامنے پیش کر سکوں اور مناسب فیصلہ ہو جائے - از راہِ کرم مجھے لکھتے وقت مکمل کوائف بھجوائے جائیں - میں از خود ان کوائف کو دیکھ کر آپ سے رابطہ پیدا کروں گا اور مزید معلومات جو درکار ہونگی حاصل کرونگا - مقامی جماعت نے یہ قدم بہت سوچ کے بعد اُٹھایا ہے - اور ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنے بہن بھائیوں کی جائز ضروریات پُوری کرنے میں مددگار بنیں - اور جن مُشکلات سے احباب دوچار ہوں اُن کا حسب توفیق ازالہ کر سکیں - لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ آپ سب کا تعاون حاصل ہو - مَیں اُمید کرتا ہُوں کہ آپ ضرور مجھ سے رابطہ قائم کریں گے - مَیں آپ کو یقین دلاتا ہُوں کہ یہ کوائف اور تحریریں صیغۂ راز میں رہیں گی - اور ان کی اِطلاع مجھ تک ہی محدود ہوگی -

خادم - (میاں) فضل احمد —— صدر شعبہ فلاح و بہبود
دفتر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

سلسلہ تربیت نوجوانان

مُسلمان کی اخلاقی حِسّ

مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحُوم

مسلمان کا دِل آئینہ کی طرح صاف ہوتا ہے - جس میں بُغض یا کینہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا - مسلمان کی اخلاقی حِس بہت تیز ہوتی ہے - اور اس کی ضمیر نہایت پاک ہوتی ہے -

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ایک معاملہ میں بحث ہو گئی - اثنائے بحث میں حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے ایک آدھ سخت کلمہ نکل گیا - اس پر آپ کو بہت پریشانی ہوئی اور آپ نے حضرت عمرؓ سے معافی مانگی مگر حضرت عمرؓ معافی پر رضامند نہ ہوئے - جس سے حضرت ابوبکرؓ کو اور بھی قلق ہوا - اب وہ حیران تھے کہ کیا کروں - بالآخر آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے اپنے دُکھ کا اظہار کیا - حضُور صلعم نے فرمایا :-

”ابوبکرؓ! غم نہ کر خدا تجھے معاف کرے گا“

اسی اثنا میں حضرت عمرؓ کا دل بھی پگھل گیا - آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے تاکہ ان سے اپنی صفائی دِل کا اظہار کریں - لیکن وہ گھر پر نہ تھے آپ بھی سیدھے حضرت نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے - اس وقت حضرت صلعم کے چہرہ مُبارک پر کچھ ملال کے نشان ظاہر ہوئے - اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلعم کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ! زیادتی تو میری ہے (یعنے آپ حضرت عمرؓ سے ناراض کیوں ہوتے ہیں) قصور تو میرا ہے عمرؓ کا نہیں ہے - اس طرح سے یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا - لیکن اس واقعہ کے اندر ایک بہت بڑا سبق ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ ایک دوسرے کے لئے کس قدر رحمت اور شفقت اپنے دِل میں رکھتے تھے - اگر اُن سے زیادتی بھی ہو جاتی تو فوراً اسکی تلافی کی کوشش کرتے تھے

حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ بازار میں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ساتھ ہم کلام ہوتے دیکھا - آپ نے اس کو دھمکایا اور ایک کوڑا رسید کیا اس پر اس نے کہا :- ”امیرالمومنین ! یہ تو میری بیوی ہے“ آپ بہت پشیمان ہوئے - اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس جا کر ان سے کہا کہ مجھ سے کس قدر غلطی ہوئی کہ مَیں نے ایک بے گناہ کو مارا - انہوں نے کہا کہ آپ کیوں اس قدر محسوس کرتے ہیں آپ کی نیّت تو ٹھیک تھی - اگر غلطی سے کوڑا لگ گیا تو حرج نہیں - مگر آپ کو اطمینان نہ ہوا - آپ اس شخص کے پاس پہنچے اور کوڑا اس کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ ”لو اپنا بدلہ لے لو“ - اس نے کہا ”امیرالمومنین، غلطی تو میری ہے کہ میں نے بر سرِ عام اپنی بیوی سے کلام کی جس سے آپ کو شبہ ہوا - آپ نے بجا طور پر مجھے تنبیہہ فرمائی ہے آپ کا کچھ قصور نہیں - اور اگر ہے تو بھی میں آپ کو معاف کرتا ہوں -

اسی طرح ایک دن غلطی سے آپ کے دُرّے کا سرا ابنِ سلمٰی کے لگ گیا - آپ کو اس پر بہت افسوس ہوا اور اس کی تلافی کی یہ تجویز کی کہ کچھ درہم لے کر اس کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ ایک دن غلطی سے میرے دُرّے کا سرا آپ کو لگ گیا تھا اس کی معافی چاہتا ہوں - اور درہم پیش کئے - اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین مجھے تو یاد بھی نہیں - آپ نے فرمایا مجھے تو یاد ہے - میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھ سے باز پرس نہ ہو -

ایک دفعہ ایک شخص پاؤں دراز کئے مسجد میں سو رہا تھا - اتفاق سے حضرت عمرؓ کا پاؤں اس پر پڑ گیا وہ بلبلا اُٹھا اور بڑے جوش سے کہنے لگا ”کیا تو اندھا ہے“ - آپ نے کمال تحمّل سے جواب دیا ”اے بھائی! میں اندھا تو نہیں ہوں - غلطی سے میرا پاؤں تم پر پڑ گیا ہے جس کا مجھے بہت افسوس ہے - اور

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

غلبۂ اسلام پر یقین اور کلمہ گوؤں کی وحدت
پاکستان کے دو بنیادی ستون

[علامہ اقبال کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں بہت کچھ تحریر ہو رہا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ وہ خطبۂ صدارت ہے جو آپ نے جلسۂ مسلم لیگ ١٩٣٠ء کے موقعہ پر دیا جس میں پاکستان کی الگ مملکت کا تصور پیش کیا تھا۔ پاکستان کی مملکت کی بنا در اصل دو ستونوں پر قائم ہوئی غلبۂ اسلام کا یقین اور کلمہ گوؤں کی وحدت۔ برصغیر میں چودھویں صدی میں ان دو عظیم تحریکات کا باعث کونسی جماعت ہوئی مفصلہ ذیل مضمون میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔] (ادارہ)

مملکت پاکستان کا وجود میں آ جانا اپنے اندر ایک اعجازی رنگ رکھتا ہے۔ اور اس عطیہ پر ہم جس قدر سجداتِ شکر بارگاہ الہٰی میں بجا لاویں کم ہوں گے۔ تاہم ان میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس اعجاز کی تہہ میں بعض خاص عناصر نے کام کیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کی دنیا میں یہ بالکل نئی بات ہے کہ کسی گروہ نے مذہبی رشتہ کی وحدت کی بناء پر اپنے سیاسی حقوق کی علیحدگی کا دعوےٰ کیا ہو اور پھر ایسی تحریک پروان بھی چڑھ گئی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف گذشتہ صدی کی تاریخ ہم پر یہ امر روشن کر رہی ہے کہ اسلامی ممالک میں بھی مغربی وطنیت کا نظریہ گھر کرتا چلا جا رہا تھا اور صدیوں سے متحدہ سلطنتیں محض وطنی یا لسانی و قومی بناء پر علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں منقسم ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کیوں ہوئے۔ کیا مصر۔ مصریوں کے لئے۔ عرب عربی النسل اقوام کے لئے۔ ترک ترکوں کے لئے۔ یہ ندائیں مغرب کے وطنی نظریہ کی صدائے بازگشت نہیں ہیں۔ جس سے عالمِ اسلام کی وحدت پاش پاش ہو رہی تھی؟ پس یہ معجزہ کہ پاکستان کی سلطنت وجود میں آ گئی اس لئے رُو نما ہُوا کہ مغربی نظریہ کے بالکل برخلاف ملکِ ہند میں اسلامی نظریہ مقبول عام ہو گیا۔ جہاں اور تمام لوگ اس اصول کے قائل ہو رہے تھے کہ قوموں کی بنائے وحدت وطنی پر قائم ہے۔ وہاں مسلمانانِ ہند نے قرآنی تعلیم کے مطابق اپنا نظریہ یہ تسلیم کیا کہ کم از کم ان کی قوم کا شیرازہ دینی وحدت و مذہبی اشتراک پر قائم ہے نہ کہ وطنی و نسلی یا قومی و لسانی اشتراک پر۔ پس جب قرآن کریم کے اس بے مثل اصول پر مسلمانانِ ہندوستان نے متفقہ و متحدہ طور پر سیاسی مطالبہ کیا تو خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ان کے اس اقدام دینی پر نوازش فرمائی۔ کیا یہ اس حدیث شریف کی عملی تفسیر نہیں کہ جب بندہ ایک قدم چل کر خدا کی طرف آتا ہے تو خدا تعالیٰ دس قدم سے اس کی طرف مسابقت کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان کا قیام معجزہ سے کم نہیں کہ ایسے زمانہ میں جب تمام اسلامی ممالک دنیاوی و دجالی نظریوں کا شکار ہو رہے ہوں ایک خطۂ ارض کے مسلمان قرآنی تعلیم کے ایک اعلےٰ اصول وحدت پر قائم ہو کر کفّار کے مقابل متحد و منظم ہو جائیں۔ اِنّ اللہ لایغیّر مابقوم حتّی یغیّروا ما بانفسھم کا مطلب بھی یہی ہے نہ کچھ اور۔ کہ جب کوئی قوم خدا کے مقرر کردہ اصولوں کی طرف قدم اٹھاتی ہے تو خدا تعالےٰ بھی یقیناً اس کی خاطر خاص اعجاز دکھلاتا ہے۔

کلمہ گوؤں کی وحدت کفّار کے مقابلہ میں

دوسرا عالمگیر اسلامی اصول جس پر قیام کے باعث مسلمانوں کو خدا تعالےٰ نے آزاد حکومت عطا کر دی، یہ ہے کہ ہر کلمہ گو خواہ وہ کیسا ہی کمزور و گنہگار ہو اس عالمگیر برادری کا فرد ہے جس کی بنا دین و مذہب کے مشترکہ اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ اور یہ دونوں اصول باہم لازم ملزوم ہیں۔ اگر دنیاوی رشتوں سے بالاتر روحانی و اخلاقی اصولوں کی وحدت پر کسی قوم کا شیرازہ قائم کرنا مدِنظر ہو تو پھر اس قوم کا ممبر بننے کے لئے بجز اس کے اور کونسی شرط ہو سکتی ہے کہ جو شخص ان روحانی و اخلاقی اصولوں پر ایمان لانے کا اقرار کرے اسے قوم کا فرد سمجھنے میں تامّل نہ کیا جائے۔ مثل اور امور کے اس اصول کے بارہ میں بھی افراط و تفریط کی گئی ہے۔ چنانچہ اگر بعض اصحاب نے یہ غلطی کی کہ اقرار کلمہ پر حصر کر کے عملی اصلاح کی طرف سے غفلت برتی تو دوسری طرف وہ لوگ تھے جو ایسے اقرار کے باوجود دائرہ اخوت سے نکالنے کے درپے ہو رہے تھے حالانکہ بات تو نہایت واضح و سیدھی ہے کہ باہمی تعلق و معاملہ کے بارہ میں وہ تمام افراد جو مشترکہ روحانی و اخلاقی نظریوں کے قائل ہونے کے مقر ہوں یکساں حقوق رکھنے والے ہوں گے۔ کسی فرد کو اس لئے سلسلۂ اخوت سے باہر نہیں کیا جائے گا کہ اس میں عملی کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں۔ اس لئے اگر عملی حالت پر اخوت کی بنیاد قائم کی جائے تو اوّلاً تو اس امر کا محاکمہ محاسبہ انسانی اختیار سے بالاتر ہے۔ دِل کی پاکیزگی اور نیات کی طہارت کو بجز خدا تعالےٰ کے اور کون جان سکتا ہے اور دین میں قلبی طہارت ہی اصل شئے ہے۔ اور دوئم یہ کہ اگر یہ ممکن بھی ہو سکے تو بھی کس کس بات کو وجہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس معیار پر کون پُورا اترے گا اور یہ قومی اخوت کیسے تعمیر ہوگی؟ غرضیکہ ادنے تدبّر سے یہ واضح ہے کہ ایسی قوم کی بنیادیں جو روحانی اور اخلاقی معیاروں پر قائم کی گئی، وہ ایمان کے اقرار پر ہی قائم کی جا سکتی ہیں۔ عملی حالت پر نہیں اور اسی لئے کلمہ کا اقرار دائرہ اُمت مسلمہ میں داخل ہونے کا حق عطا کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب کبھی نہ سمجھ لینا چاہیئے جیسے کہ دوسری طرف کی انتہاء پر جانے والے اصحاب نے عقیدہ بنا لیا ہے کہ افراد کو عملی جد و جہد و اصلاح زندگی کی ضرورت لاحق نہیں۔ بس کلمہ کا اقرار کر لیا اور رخصت ہو گئی۔ کیونکہ گو کلمہ کا اقرار دائرہ اخوت میں تو داخل کر دے گا اور ان تمام تعلقات کا حقدار بنا دے گا جو ایسی قوم کے فرد کو حاصل ہیں مگر اصل نجات تو زندگی کی عملی اصلاح سے ہی ہے نہ کہ محض اقرار ایمان کے دعوےٰ سے۔

عالمگیر اخوتِ اسلامیہ کی زندہ تحریک

پاکستان کے معرض وجود میں آ جانے کا اصل سبب مسلمانانِ ہند کا متحدہ محاذ ہے جو انہوں نے اپنے دین و مذہب کی وحدت کی بناء پر کفر کے مقابل قائم کر کے دکھایا ہے۔ لیکن یہ امر یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ اخوتِ اسلامی کی یہ لہر عالمگیر وسعت اختیار کرنے کو ہے۔ اس مُلک میں دینی وحدت و اشتراک کی بناء پر جو کچھ معجزانہ نتائج رُونما ہوئے ہیں اس کے تاثرات نظر آ رہے ہیں۔ جملہ ممالکِ اسلامیہ میں ایک ایسی وحدت و اخوت کی لہر آج سرایت کرتی نظر آ رہی ہے کہ اس سے قبل باوجود جد و جہد کے بھی یہ بات کبھی میسر نہیں آئی۔ اگر یہ ایک معجزہ ہے کہ جہاں مغربی وطنیت کے نظریہ میں جملہ ممالکِ اسلامیہ اندھا دُھند بہتے چلے جا رہے تھے اور اس لئے صدیوں کی متحدہ اسلامی مملکتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وطنی اور قومی دائروں میں منقسم ہوتی چلی جا رہی تھیں وہاں مُلک ہند میں اس کے عین برخلاف محض دینی اشتراک، دینی وحدت کی بناء پر مسلمانوں کے اتحاد نے ایک نئی اور سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد ڈال دی تو یہ معجزہ بھی اس سے کم تر نہیں کہ جملہ ممالکِ اسلامیہ اب اپنے باہمی رشتۂ اخوت کو زندہ طور پر محسوس کر کے وطنی و قومی رشتوں سے بالاتر اُٹھ رہے ہیں۔ اور مختلف ممالک محض دینی وحدت کی بناء پر ایک دوسرے

سے جذبات ہمدردی سے وابستہ اور ایک دوسرے کے نزدیک تر ہوتے چلے جا رہے ہیں - اور اس وقت مسلمانانِ عالم میں لادینی نظریہ کی بجائے قرآنی اصول سرایت کرتا جا رہا ہے - کیا یہ جائے تعجب ہوگا - اگر یہ دینی وحدت اشتراک کا جذبہ اور زیادہ شدت پکڑ کے یہ صورت اختیار کرے کہ جملہ عالم اسلام یعنی مختلف اسلامی مملکتیں بوجہ ہم مذہب ہونے کے ایک ایسے اعلیٰ درجہ کے اتحاد و اخوت میں باہم منسلک ہو جائیں کہ جب ان میں سے کسی ایک پر ظلم و تعدی ہو تو باقی تمام نہ صرف ہمدردی کے زبانی دعووں پر ہی اکتفا کرنے والے ہوں بلکہ عملاً ظلم و کفر کے مقابل سب یکجا اٹھ کھڑے ہوں -

قرآنی اصول کی طرف رجوع

پاکستان میں کلمہ گوؤں کی وحدت محض اس لئے عمل میں نہیں آئی کہ غیروں نے انہیں اتحاد پر مجبور کر دیا - گو اس میں کچھ شک نہیں کہ کفر کی یکساں مخالفت نے ان کی آنکھیں کھول دیں مگر اس کے علاوہ بھی عام طور پر مسلمان عوام میں قرآنی اصول کی جانب رجوع کا ایک خاص میلان پایا جاتا ہے اور ہر طرف سے یہی صدا بلند ہو رہی ہے کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ضروری و لازم ہے - یہ قرآنی تعلیم کی طرف صریح رجحان ہے - جو اس ملک میں پایا جاتا ہے - برخلاف اس کے بعض دیگر اسلامی ممالک میں جب آزادی حاصل ہوئی - تو وہاں ہمیں خاص طور پر قرآن کی طرف رجوع کا پتہ نہیں ملتا - بلکہ جہاں جہاں ملکی ترقی کی تحریکوں نے زور پکڑا تو ان سب کا رُخ مغربی تہذیب کی پوری تقلید کی طرف تھا - کہیں مغربی لباس کو ایسی اہمیت اور وقعت دی گئی کہ یہ کہا گیا کہ ملکی و قومی ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں - کہیں عورتوں کی بے جا مغربی؟ رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط کو جاری اور سوئس کوڈ کا نفاذ کیا گیا - مگر یہ خوش قسمتی صرف اس ملک کے حصہ میں آئی کہ اولاً تو آزادی کی بنیاد ہی دینی وحدت و اخوت کے اصول پر قائم ہوئی دوم یہ کہ اب عوام میں اس امر کی سچی خواہش اور بیداری پائی جاتی ہے کہ قرآنی تعلیم اور شرعی احکام کا نفاذ کیا جائے ورنہ اسلامی سلطنت کے معنے کچھ نہیں - تعلیم قرآن کی طرف یہ صریح رجحان و رجوع اگر عملی صورت اختیار کر لے تو اس کے صاف معنے احیاء الاسلام کے ہوں گے - اور جس طرح پاکستان کے بعد دیگر ممالکِ اسلامیہ عالمگیر اخوتِ اسلامی کے اصول سے متاثر ہوئے ہیں اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ پاکستان میں صحیح قرآنی تعلیم کے نفاذ سے دیگر ممالکِ اسلامیہ بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے - اور جب جملہ مسلمانانِ عالم میں قرآنِ مجید کی تعلیم کی جانب سچا رجوع پیدا ہو گیا تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ احیاء اسلام کے دن نزدیک ہیں -

علمائے ربانی و مجددین کی بعثت

یہ امر ضرور غور کے قابل ہے کہ آخر اس بات کی کیا وجہ ہے کہ جس وقت خود ممالک عربیہ مصر شام وغیرہ مغربی تہذیب کی تقلید میں تیزی سے بہے چلے جا رہے ہوں - اس وقت ملکِ ہند میں خالص اسلامی اصولوں کی طرف رجوع ہوا - کیا اس کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ جہاں دیگر اسلامی ممالک گذشتہ صدیوں میں مجددین کی بعثت سے محروم رہے ہیں وہاں اس ملک میں پے درپے تین چار صدیوں سے مصلحین امت آتے رہے جنہوں نے صحیح اسلامی تعلیم کے احیاء اور قرآنی تعلیم کی طرف رجوع کرانے کا بیڑا اٹھایا تھا؟ آخر غور کرو کہ قرآن مجید کی تعلیم کو پھیلانے اور اسے عام کرنے میں ملک ہند میں جو غلغلہ اور چرچا گذشتہ نصف صدی سے جاری ہے - یہ تحریک کہاں سے اور کس کے پاک وجود سے شروع ہوئی - مسلمانوں کی باہمی تکفیر بازی کی مہلک مرض پر مسلسل و کاری ضرب کس جانب سے لگائی گئی جب کہ ہر ملک کے مولوی و ملا قرآن کا مغربی زبانوں میں ترجمہ کرنا گناہ کبیرہ قرار دے کر مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس کلام کے اعلیٰ معانی سے محروم کر کے انہیں دہریت کی طرف دھکیل رہے تھے - اس وقت وہ کونسی طاقت تھی اور اس کا منبع کہاں تھا جس نے علوم قرآنی سے مغرب زدہ مسلمانوں کو روشناس کرا کے ان کے اندر اس پر سچا ایمان پیدا کیا اس قوت و زور کا مخرج کہاں تھا جس نے مفتوح و مایوس مسلمانوں کو کفرستانوں میں غیروں پر فاتح کر دکھلایا - جبکہ مسلمان خود اپنی جگہ پر اس بات سے مایوس و ناامید ہو رہے تھے - کہ وہ کفر و مغربی فلسفہ کے سیلاب کا مقابلہ کر سکنے کے قابل ہیں - اس وقت وہ کیا معجزنما یقین تھا جس کے باعث مادی فاتحین کے قلوب کو قرآنی تعلیم کے جادو اثر نے مسخر کر دکھلایا؟ دینی احیاء اور قرآنی تعلیم کی طرف رجوع کی یہ ٹھنڈی ہوائیں کیا اسی ملک سے نہیں اٹھیں جس کی نسبت اس دور کے اسلامی شاعر کی زبان سے بھی یہ جاری ہو گیا۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

کلام اللہ پر یقین کی وجہ

صرف یہی امر غور کے قابل نہیں کہ اس ملک میں قرآنی اصولوں کا احیاء کیونکر ہوا جبکہ دوسرے ممالک مادیت و دہریت کی تیز رَو مغربی دھار میں بہتے چلے جا رہے تھے بلکہ یہ امر بھی سوچنے کے لائق ہے کہ مادی فلسفہ زندگی اور سائنس کے انتہائی عروج کے وقتوں میں قوم کا ایمان اس بات پر کیسے پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ کی صفت مکالمہ مخاطبہ الہیہ واقعی ایک حقیقت و صداقت ہے جس کے ماتحت فرقانِ حمید کا نزول ہوا - کسی کتاب کو منجانب اللہ تسلیم کرنا تو دوسرا مرتبہ ہے - پہلے تو اس عام اصول کا جاننا ضروری ہے - کہ کیا کوئی ہستی خدا تعالےٰ کی ایسی موجود ہے جس کا تعلق اپنے بندوں سے براہ راست اس کے خارجی کلام کی نزول کی صورت میں ممکن ہے - بھلا خدا تعالےٰ کے وجود کے انکار کے زمانہ میں اور ایسے دور میں جبکہ کلام الہیٰ کے خارجی نزول کے خود بعض مسلمان بھی فلسفۂ سائنس کی زد سے عاجز آ کر منکر ہو چکے ہیں - یہ کیسے ممکن ہے - کہ قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے پر یقین اور اس لئے اس کی سچی تعلیم کی طرف رجوع کا خیال پیدا ہو - کیا مادیت و فلسفہ و سائنس کے عروج کے وقت قلوب کسی روحانی صداقت کے معترف ہو سکتے ہیں، بجز اس کے کہ ایسی صداقت کا کوئی زندہ شاہد و داعی آ کھڑا ہوا ہو - اور وہ اپنے وجود سے ہی صداقت کلام الہیٰ ثابت کر رہا ہو؟

اسلام بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے

کیا ہی عجیب نظارہ ہے - آج سے نصف صدی قبل اسلامی سلطنتیں مٹتی چلی جا رہی تھیں اور یا اب نئی حکومتیں وجود میں آنے لگی ہیں - آج سے پچاس برس پہلے قرآن کی تعلیم کو مسلمان نہ صرف بھلا چکے تھے بلکہ ان میں سے تعلیم یافتہ - ترقی پسند طبقہ اسے موجودہ زمانہ کے لئے ناکافی یا نامناسب یقین کرتا تھا - مگر اب یہ وقت ہے کہ بیقراری ہے کہ کب اور کس وقت قرآنی تعلیم کو حکومتِ وقت رائج کرتی ہے حکومت بھی اس زبردست دباؤ سے بے خبر نہیں اور وہ مجبور ہے کہ جلد یا بدیر اس طرف قدم اٹھائے - یا تو آج نصف صدی قبل وہ وقت تھا کہ مسلمان اسلام کے دین کو ترک کر رہے تھے نہ کسی مجبوری و معذوری کے تحت بلکہ محض اس لئے کہ اصولِ حقہ سے بے خبر تھے - اور یا آج یہ انقلاب رونما ہو چکا ہے کہ ساری قوم کو تباہی و بربادی منظور ہے حتیٰ کہ جان دینا بھی گوارا ہے لیکن ایمان سے انکار نہیں - یا تو وہ وقت تھا کہ مغربی نظریئے و اصول مادیت جاذب نظر بن چکے تھے اور ان کی کشش دلوں میں اترتی چلی جا رہی تھی اور یا اب یہ وقت آ پہنچا ہے کہ مادیت کا سنہری بُت خدا تعالےٰ کے زبردست حملوں سے پاش پاش ہو چکا ہے اور ہر زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ مادہ پرستی اور سائنس نے عالم کے امن و عافیت کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے - کہاں وہ مغربی وطنیت و قومیت کے نظریئے کہ جن سے عالمگیر اسلامی اخوت پاش پاش ہو رہی تھی اور کہاں اب یہ بدلا ہوا رُخ کہ اسلامی حکومتیں باہم دینی اخوت کے رشتہ

خلافتِ ربوہ کی حقیقت

کیا ربوی خلافت مجدد کے مقام سے بھی عظیم تر ہے؟

"ربوی خلافت کی مشابہت پاپائیت سے" کا اعتراف

(از جناب میاں غلام حیدر تمیم صاحب۔ ریٹائرڈ ڈی آئی جی پولیس جھنگ)

کچھ عرصہ سے احباب جماعت ربوہ ہر سال خلافت اور برکاتِ خلافت کی تقریب کے ایام کا انعقاد کیا کرتے ہیں۔ مرکز سے ان ایام کے منانے کے لئے خاص ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔ اور باہر کی جماعتیں بھی مقامی جلسے کر کے ان ایام میں برکاتِ خلافت بیان کیا کرتی ہیں۔ سلسلہ کے اخبارات اور رسائل میں اس موضوع پر کثرت سے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ جن میں خلافت کی ضرورت اور برکات کو اُجاگر کرتے ہیں ایک دوسرے سے بڑھ کر زورِ قلم کے جوہر دکھلا جاتے ہیں۔ جس سے زیادہ تر مدعا قصرِ خلافت کی خوشنودی حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک مضمون بعنوان "مقامِ خلافت کی عظمت و بزرگی" مؤرخہ ۱۷ راگست ۱۹۷۷ء کے الفضل میں شائع ہوا ہے۔ جس میں اس امر پر زور دیا گیا ہے۔ کہ خلیفۂ وقت (مراد خلیفہ ربوہ) اپنے زمانہ کا مجدد ہوتا ہے اور **خلافت کا مقام مجدد کے مقام سے بھی بلند ہوتا ہے** نیز خلافت کی موجودگی میں جو دائمی اور غیر منقطع ہے اب اور کوئی مجدد یا امام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:۔

ربوی خلافت دائمی و غیر منقطع، اور مقام مجددسے بڑھکر ذی عظمت ہے؟

(۱) "جماعتِ احمدیہ میں **نظام خلافت دائمی و غیر منقطع ہے** اور اب اس جماعت میں کوئی اور نظام نہیں چل سکتا۔ اور نہ ہی خلیفۂ وقت کے ہوتے ہوئے **جماعت میں کوئی اور امام اور مجدد ہو سکتا ہے**۔ کیونکہ خلیفہ کہتے ہی اس ذات والاصفات کو ہیں۔ **جو اپنے زمانہ کے سب اماموں اور مجددوں سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے**۔"

(۲) "خلیفۂ وقت کا مقام اور کام ایک مجدد سے بڑھ کر ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں مسلمانوں میں کوئی الگ مجدد اور امام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلیفہ وقت کو وہ عظمت اور بزرگی کا مقام حاصل ہے۔ کہ خدا تعالےٰ علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے و **من کفر بعد ذالك فاولٰئك هم الفاسقون۔ کہ اب جو کوئی بھی ہمارے خلیفہ کی اطاعت کے حلقہ سے باہر چلا جائے گا۔ وہ فاسق ہوگا۔ خواہ وہ کوئی ہی ہو**۔"

خلیفہ ربوہ کے نہ ماننے والے تمام مسلمان اور جماعتِ لاہور سے منسلک تمام احمدی[۲] فاسق ہیں۔ حالانکہ جس مجددِ اعظم کے یہ خلیفہ ہیں انہوں نے اپنے نہ ماننے والوں کو بھی فاسق قرار نہیں دیا تھا۔ اگر یہ خلافت دائمی اور غیر منقطع ہے تو معلوم نہیں۔ کہ حضرت صاحب (مسیح موعودؑ) کی پیشگوئی کے مطابق اس شخص کا کیا بنے گا۔ جو مامور ہوگا اور رُوح القدس پا کر کھڑا ہوگا۔ مضمون نگار صاحب اگر لگے ہاتھ یہ پیشگوئی بھی کر دیتے کہ دائمی اور غیر منقطع خلافت یہ اب حضرت مرزا صاحب کا ہی خاندان قائم رہے گا تو یہ پیشگوئی بالکل صحیح ثابت ہوتی۔

(۳) "ہمیں ماننا پڑے گا کہ **خلافت کا مقام مجدد کے مقام** سے بہت ارفع اور اعلےٰ مقام ہے۔ کیونکہ خلیفہ خدا کی قدرت کا مظہر ہوتا ہے۔"

اس منطق کو کون سمجھے کہ خلیفہ ربوہ، جس مجدد کی نیابت کر رہے ہیں کا مقام اس مجدد سے بھی ارفع اور اعلےٰ ہے۔ گویا نیابت یا خلافت کرنے والا اپنے مطاع سے بھی بڑا بن جاتا ہے۔ **انّا للہ و انّا الیہ راجعون**۔

انبیاء کی خلافت اور عام خلافتِ انسانیہ

پہلے دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ یہ کونسی خلافت ہے کہ جس کے خلیفہ نے اپنے پیر و مرشد سے بھی بلند رتبہ حاصل کر لیا ہے۔ اور کیا اس خلافت کا کوئی نشان قرآن شریف اور احادیث سے بھی ملتا ہے۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن کے یہ خلیفہ بنے بیٹھے ہیں، نے بھی اس خلافت کی کہیں نشاندہی کی ہے۔ یا محض **خلیفہ کا نام اختیار کر کے خلافتِ اسلامیہ کے حق دار بن گئے ہیں**۔ آخر اس ربوی خلافت کی کیا نوعیت ہے کہ جس کا منکر ہر مسلمان فاسق ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف میں تین قسم کی خلافتوں کا ذکر ہے:۔

اوّل: **و اذ قال ربك للملٰئكة انی جاعلٌ فی الارض خليفةً۔**

اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا۔ کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے ارادہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔ یہ انبیاء کی خلافت ہے۔ جس کے غالباً خلیفہ ربوہ دعویدار نہیں ہیں۔ دوسرے اس خلافت میں حضرت آدمؑ کی ذرّیت یعنی انسان کو بھی خلیفہ قرار دیا ہے۔ اس آیت کے اگلے الفاظ:۔

قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها و يسفك الدّماء

انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسی مخلوق بنائے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے۔ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خلافت میں تمام نسلِ انسانی بھی شامل ہے کیونکہ فساد ڈالنا اور خون بہانا انبیاء کا کام نہیں۔ نسل انسان کو قرآن شریف میں اور بھی کئی جگہ خلیفہ کہا ہے۔ انسان کے خلیفہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کے علم اور قدرت سے حصّہ ملے گا۔ اس خلافت میں تمام نسلِ انسانی حصّہ دار ہے۔ اور اس میں خلیفہ ربوہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ کہ اس کے نہ ماننے والا فاسق قرار دیا جائے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خلافت

خلافت کا تیسرا ذکر قرآن شریف کی مشہور آیت استخلاف میں آیا ہے:۔

"وعد الله الذين آمنوا منكم و عملوا الصّٰلحٰت ليستخلفنّهم فی الارض كما استخلف الذين من قبلهم و ليمكّننّ لهم دينهم الذی ارتضٰی لهم و ليبدّلنّهم من بعد خوفهم امنًا۔ يعبدوننی لا يشركون بی شيئًا۔ و من كفر بعد ذالك فاولٰئك هم الفٰسقون ۝

اللہ تعالےٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں، وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفے بنائے گا۔ جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ اور وہ ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کی حالت کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

تو جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں۔"

اس امر کو چھوڑ کر کہ یہ آیت مسلمہ طور پر خلفائے راشدین کی خلافتوں کی مصدق ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ان کی اُمت کو یہ وعدہ دیا ہے کہ ایمان لانے والے اور اچھے عمل کرنے والوں کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ یعنی وہ آنحضرت صلعم کی نیابت کریں گے۔ نیابت سے مراد ہے کہ جو کچھ رسول کو دیا گیا ہے۔ وہ ان کی اُمت کے نیک آدمیوں کو بھی دیا جائے گا۔ آنحضرت صلعم کے پاس بادشاہت بھی تھی اور نبوت بھی۔ چونکہ نبوت ختم ہوگئی۔ اور ولایت ہی اس اُمت کیلئے باقی رہ گئی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کو بادشاہت بھی ملی، اور ولایت بھی اور وہ خلیفۃ الرسول کہلائے۔ خلفائے راشدین کی خلافت ملکی اور روحانی دونوں پر مشتمل تھی۔ یہ سلسلہ خلفائے راشدین تک جاری رہا۔ اس کے بعد خلفاء میں بادشاہت رہ گئی اور روحانیت کے وارث اولیاء کرام ہو گئے۔ جو آنحضرت صلعم کے روحانی خلیفہ ہوئے۔ جس کی تائید احادیث سے ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"خلافت میرے بعد تیس برس رہیگی۔ پھر بادشاہت ہوگی جس میں لوگوں پر ظلم بھی ہوگا۔"

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ:۔

"بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کیا کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا، دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ صرف خلفاء ہوں گے۔"

علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل یا اُمتِ محمدیہ میں نبوت کی بجائے رسول اللہ صلعم کی خلافت

یہ خلفاء، مجددین اور اولیائے کرام ہیں، جو آنحضرت صلعم کی نیابت کرتے ہیں۔ حدیثِ مجدد بھی اسی موقف کی مؤید ہے کہ آنحضرت صلعم کی نیابت اس آیت کے ماتحت اولیائے کرام اور مجددین کریں گے۔ اور وہی آنحضرت صلعم کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے دعویٰ مجددیت کا اسی آیت استخلاف سے استدلال کیا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے آپ کو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ بھی تحریر کرتے رہے۔ اور انہیں خاتم الخلفاء کا لقب بھی الہاماً عطا ہوا۔ غرضیکہ آیت استخلاف میں جس خلافت کا ذکر ہے، اس کے وارث اس اُمت میں مجددین اور اولیاء کرام ہی ہیں نہ کوئی اور۔

آیت استخلاف کی خلافت کی خصوصیات اور ربوی خلافت

ویسے بھی آیت استخلاف کے الفاظ پر بھی غور کی جاوے تو خلفائے ربانی کی دو اہم خصوصیات کا ذکر ہے:۔

اوّل یہ کہ خلیفہ ان کو دین پر قائم کر دے گا۔ اور دوسرے خوف کو بدل کر امن کی حالت کر دے گا۔ ان دونوں خصوصیات کا خلفائے ربوہ میں فقدان ہے۔ جماعت ربوہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم نہ رہی۔ انہیں آئے دن اپنے عقائد میں تبدیلی کرنا پڑی۔ دوسری صورت تو بالکل ہی اُلٹ ہے۔ خلفائے ربوہ سے پہلے تو امن تھا۔ اور ان کے دورانِ خلافت میں تو فساد ہی فساد برپا رہا ہے۔ اور امن کی بجائے خوف نے جگہ لے لی ہوئی ہے۔ یہ دونوں صورتیں بھی خلافتِ ربوہ میں پوری نہیں ہوئیں اس لئے بھی یہ خلافت آیت استخلاف کے تحت نہیں آتی۔

حضرت مسیح موعودؑ اس آیت استخلاف کے تحت حضرت رسولِ کریم صلعم کے خلیفہ تھے۔ آپ چونکہ نبی نہ تھے اس لئے آپ کے بعد خلافت کی ضرورت بھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے وصیت میں کسی خلافت کا ذکر تک نہیں کیا۔ الوصیت جو چند صفحوں کی کتاب ہے، کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جائیے۔ کسی خلیفہ کا ذکر تو بجائے خود وہ اس کے متعلق کوئی اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے۔ جماعت ربوہ حضرت مسیح موعود کے ایک لفظ "قدرتِ ثانیہ" سے خلافت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ اس قدرتِ ثانیہ سے اپنی جماعت کے لئے نصرت الٰہی مراد لا ہے۔ جو مؤمنین کی جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوتا۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی اس "قدرتِ ثانیہ" سے مراد خلافت ہوتی، تو الوصیت میں کہیں تو خلیفہ کا ذکر ہوتا، اور کوئی فرض تو وہ خلیفہ کے سپرد کرتے۔ اور اس کے ذمہ کوئی تو کام چھوڑتے۔ کم از کم سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے بیعت کا کام ہی خلیفہ کے حوالے کرتے۔ انجمن سے ناپسندیدہ شخص کو نکالنے کے لئے اختیارات ہی خلیفہ کو تفویض کرتے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنا جانشین کسی فرد یا خلیفہ کو نہیں بنایا تھا بلکہ انجمن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جیسا وہ فرماتے ہیں:۔

"انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔"

پھر مزید فرمایا:۔

"اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو۔ سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

کسی ایک شخص کو یا کسی خلیفہ کو مطاع نہیں بنایا بلکہ انجمن کے فیصلوں پر ہی جماعت کو عمل کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے اس پر عمل ہونا چاہیئے:۔

"جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے .... بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔"

ناپسندیدہ ممبر انجمن کو انجمن سے نکالنے کا فرض بھی انجمن کو ہے نہ کہ کسی ایک فرد یا خلیفہ کو۔ غرضیکہ جماعت احمدیہ سے متعلق جملہ امور کی انجام دہی کو انجمن کے سپرد کیا:۔

"انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے، یا یہ کہ وہ دیانت دار نہیں۔ یا یہ کہ وہ چالباز ہے۔ اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔"

سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے بیعت بھی کسی خلیفہ کے سپرد نہیں کی بلکہ فرمایا:۔

"اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہوں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔"

جماعتِ احمدیہ سے متعلق جملہ اختیارات اور فرائض انجمن کے سپرد کئے۔

غرضیکہ حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنے بعد کسی خلیفہ کے تقرر کا کہیں اشارہ تک نہیں کیا اور نہ ہی اپنے بعد کوئی سلسلۂ خلفاء ہی قائم کیا۔ کسی شخص واحد کو مطاع نہیں بنایا بلکہ ساری جماعت کی مطاع اس انجمن کو قرار دیا اور تمام اختیارات اس انجمن کے حوالے کئے۔ اگر "قدرتِ ثانیہ" سے مراد خلیفہ ہوتا تو اس کے کسی فرض یا اختیار کا ہی کہیں ذکر ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ خلافت ربوہ حضرت مسیح موعودؑ کے منشاء

اور حکم کے خلاف ہے۔ جس مرد مومن نے تمام عمر گدیوں اور گدی نشینوں کے خلاف جہاد کیا۔ وہ اپنے بعد کس طرح سے اپنی گدی کے قیام کے امکان کو بھی برداشت کرتا اس لئے سلسلہ کا تمام کاروبار انجمن کے حوالے کر دیا۔ خلافت ربوہ کا وجود نہ ہی قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ ہی حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے بعد کوئی ایسی خلافت قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اپنا جانشین انجمن کو بنایا ہے۔ تو پھر یہ کونسی اسلامی خلافت ہے۔ جس کے گن گائے جائیں؟ البتہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنے آخری ایام میں ایک ٹریکٹ میں ربوی خلافت کو پاپائیت سے مشابہت دی تھی اور جماعت کو ہدایت کی کہ آپ کے بعد انتخاب خلافت اسلامی طرز پر نہ کیا جائے کیونکہ وہ ناقص ہے جو صرف چار خلافتوں تک چل سکا بلکہ خلیفہ کا انتخاب عیسائیت کے پاپائی نظام کے مطابق کیا جائے۔ چنانچہ موجودہ خلیفہ ربوی کا انتخاب اس کے مطابق اسلامی خلافت کے طرز پر نہیں بلکہ پاپائیت کے طرز انتخاب پر بموجب ہدایت مرزا محمود احمد صاحب کیا گیا۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت مرزا صاحب مثیل مسیح تھے۔ اس زمانہ کے لئے میں مثیل مسیح ہوں۔ "حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میں اشارتاً مثیل مسیح ہونے کی خبر دی ہے۔" اس عاجز کا دعوے مجدد اور مثیل مسیح ہونے کا ہے۔" حضرت مسیح موعودؑ نے کثرت سے اپنی تصانیف میں اپنی مماثلت حضرت مسیح ناصری سے ثابت کی ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی ہر رنگ میں مماثلت ثابت ہو رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نبی تھے۔ اُن کے پیروؤں نے انہیں خدا بنا دیا۔ حضرت مسیح موعود مجدد تھے۔ ان کے پیروؤں نے اُن کو نبی بنا دیا۔ حضرت مسیح نے دعویٰ خدائی سے انکار کیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے دعوے نبوت کو افتراء اور جھوٹ قرار دیا۔ انہوں نے قسمیں اٹھائیں مسجدوں میں کھڑے ہو کر مؤکد بعذاب اپنی نبوت سے انکار کیا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت صاحب پر فتوے کفر اس طرح سے لگایا گیا۔ جس طرح مسیح ناصری کی طرف غلط دعوے خدائی لگایا گیا۔ حضرت مسیح ناصری کے انکار کے باوجود اسے سینٹ میں پیش کیا گیا۔ اور ان پر غلط دعاوی کا الزام لگا کر ان کو صلیب پر لٹکا دیا گیا۔

حضرت مرزا صاحب نے ساری عمر نبوت کے دعوے سے انکار کیا۔ لیکن اس کے باوجود ان کی جماعت (یعنی لاہور جماعت) کو بھی سینٹ میں ہی اس وجہ سے پیش ہونا پڑا۔ کہ حضرت صاحبؑ نے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ باوجودیکہ ہم نے حضرت صاحبؑ پر اس الزام کی تردید کی۔ لیکن ہمارے موقف کو غلط قرار دے کر ہمیں بھی غیر مسلم قرار دے کر ایک طرح سے قتل کر دیا۔ حضرت مسیح ناصری کی وفات کے بعد ان کے کثیر پیروؤں نے انہیں خدا ہی تسلیم کر لیا۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی جماعت کے کثیر حصہ نے انہیں نبی بنا دیا۔ مگر جماعت کا قلیل حصہ حضرت صاحبؑ کے صحیح مسلک پر قائم رہا۔ غرضیکہ حضرت صاحبؑ کی مسیح ناصری سے جس کے وہ مثیل تھے قدم قدم پر ان کی مماثلت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اُن کا کوئی سلسلہ خلافت قائم نہ ہوا تھا۔ ان کے ۱۲ حواری ہی ان کی وفات کے بعد ان کی نیابت کرتے رہے۔ اور یہی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانشین تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے بعد کوئی سلسلہ خلافت قائم نہ کیا۔ اور ان کے ۱۴ حواری جو ممبران انجمن تھے۔ ان کے جانشین بنے۔ اس واسطے بھی خلافت ربوی حضرت مسیح موعودؑ کی مسیح ناصری سے مماثلت ثابت کرتی ہے۔ اور خود ساختہ ہے۔ البتہ عیسائیت کی پاپائیت سے مشابہت کا خود اقراری ہے۔

مقام مجدد سے بڑھ اور کوئی مقام اُمت میں موجود نہیں

احباب ربوہ اپنی نام نہاد خلافت کی شان کو وہ جتنا چاہیں بڑھائیں اور بلند کریں یہ ان کا اپنا فعل ہے۔ لیکن خدارا مجدد کے رتبہ کی افادیت اور اہمیت کو کم نہ کریں۔ حضرت مرزا صاحبؑ کا اصل دعوے ہی مجدد تھا اور اس پر ان کے دوسرے دعاوی کا انحصار تھا۔ اس کی اہمیت کو کم کرنے سے ان کے باقی دعاوی بھی متاثر ہوں گے۔ حضور کو جب بھی اپنے دعویٰ کی صداقت ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئی حضورؑ نے ہمیشہ دعویٰ مجددیت ہی پیش کیا۔ جیسے :۔

"اس عاجز کے دعویٰ مجدد مثیل مسیح ہونے اور دعویٰ ہمکلام الٰہی ہونے پر اب بفضلِ تعالےٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔"
(نشانِ آسمانی صفحہ نمبر ۳)

"پہلا نشان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (رواہ ابو داؤد۔) یعنے خدا ہر ایک صدی کے سر پر اس اُمت کے لئے ایک شخص (مجدد) مبعوث فرمائے گا۔ جو اس کے دین کو تازہ کرے گا۔........
میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس نے صدی کے شروع ہونے سے پہلے دعوے کیا.......... اور میں ہی وہ شخص ہوں جس کے دعوے پر پچیس برس گذر گئے۔ اور اب تک زندہ ہوں۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۳)

مسیح موعود ہونیکا دعویٰ بھی مجددیت کے دعویٰ سے کوئی بڑا دعویٰ نہیں

حضرت مرزا صاحبؑ کا اصل دعوے مجدد ہونے کا تھا۔ اس لئے حضرت اپنے اس دعوے کو ہی اپنی صداقت کے لئے آخری دنوں تک پیش کرتے رہے چودھویں صدی کا مجدد ہی اس اُمت کا مسیح موعود ہے۔ لیکن مسیح موعود کا رتبہ مجدد سے اونچا نہیں چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں :۔

"اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسیح موعود کا دعوے ملہم من اللہ اور مجدد دین کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں"
(آئینہ کمالات اسلام۔ صفحہ ۴۰)

چودھویں صدی کے مجدد کو احادیث اور حضور کے الہاموں میں مسیح موعودؑ کہا گیا اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں :۔

"وہ بعض اولیاء کو بعض انبیاء کے قدم پر بھیجتا ہے۔ پس جو شخص کسی نبی کے قدم پر بھیجا جاتا ہے ملاء اعلیٰ میں اس نبی کا نام اسے دیا جاتا ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۷۵)

"اور جس مجدد کی کاروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کاروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں۔ وہ عنداللہ اس رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔" (شہادت القرآن صفحہ ۵)

چودھویں صدی کا مجدد مثیل مسیح تھا۔ اس لئے اسے مسیح موعود کا نام دیا گیا۔ حضرت مرزا صاحبؑ کا اصل دعوے مجدد کا ہی تھا۔ اور اسی دعوے کو اپنی صداقت میں پیش کرتے تھے۔ اس اُمت میں مجددیت یا ولایت سے کوئی اونچا مقام نہیں۔ اس لئے حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی میں فرمایا :۔

"یہی ولایت ہے جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔"

مضمون نگار صاحب نے خلافت ربوہ کو ارفع و اعلیٰ ثابت کرتے ہوئے اس امر کو بھی نظر انداز کر دیا ہے کہ سلسلہ مجددیت ہی سلسلہ نبوت کا اس اُمت میں قائم مقام ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ اگر سلسلہ نبوت بند نہ ہوتا۔ تو یہ لوگ ہی نبی ہوتے۔ احادیث سے

اور فکر لاحق ہوئی کہ ان کی اُمّت کی اصلاح کس طرح سے ہوگی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُنہیں سلسلۂ مجدّدیت کی بشارت دی۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے اس واقعہ کو یُوں بیان کیا ہے:۔

"جب حضرت محمد مصطفےٰ صلعم دنیا میں ظہور پذیر ہوئے۔ اور خُدا نے انہیں (نبی کریم کو) خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ تو بوجہ ختم نبوّت آنحضرت صلعم کے دل میں یہ ہم و غم رہتا تھا۔ کہ مجھ سے پہلے دین کو قائم رکھنے کے لئے ہزارہا نبیوں کی ضرورت ہوئی اور تیرے بعد کوئی نبی نہیں جس سے روحانی طور پر تسلّی ہوتی اور اس اُمّت میں بھی فسادات کا اندیشہ ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے اس بارہ میں دعائیں کیں۔ تب خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر دین کی تجدید کے لئے **ایک مجدّد پیدا** ہوتا رہے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ جو کمالات نبوّت پاکر ...... راہ راست کی طرف لوگوں کو ہدایت کریں گے۔"

(الحکم ۳۱ر مئی سنہ ۱۹۰۱ء)

مجدّدین کمالاتِ نبوّت سے مزیّن ہوتے ہیں۔ اور ان کو ہی اس اُمّت میں وارث رُسل اور اس اُمّت کا مصلح قرار دیا ہے۔ حضرت نے مجدّد کے بلند مقام کی مزید تشریح یوں بھی فرمائی ہے:۔

مجدّدین نبی کے حقیقی جانشین اور انکے رنگ میں رنگین ہوتے ہیں

"جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مجددیّت کی قوّت پاتے ہیں وہ نِرے استخوان فروش نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ واقعی طور پر نائب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور رُوحانی طور پر آنجناب کے خلیفہ ہوتے ہیں خدا تعالےٰ انہیں ان تمام نعمتوں کا وارث بناتا ہے۔ جو نبیوں اور رسُولوں کو دی جاتی ہیں۔" (فتح اسلام۔ صلا)

"ہر ایک صدی کے سر پر اور خاص کر ایسی صدی کے سر پر جو ایمان اور دیانت سے دُور پڑ گئی اور بہت سی تاریکیاں اپنے اندر رکھتی ہے **ایک قائم مقام نبی پیدا کر دیتا ہے**۔ جس کے آئینۂ فطرت میں نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھلاتا ہے۔"

مجدّد نبی کا قائم مقام ہوتا ہے اور تمام کمالات نبوّت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسے وحی ولایت ہوتی ہے۔ اور اسے کثرت سے مکالمہ مخاطبہ سے سرفراز کیا جاتا ہے حدیث مجدّد کے لفظ "یبعث" سے صاف عیاں ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے۔ مامور ہوتا ہے۔ اور اسے اپنی بعثت کا اعلان کرنا ہوتا ہے۔ مجدّد بعض انبیاء سے جزوی فضیلت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ مجدّد اس اُمّت میں سب سے اعلےٰ اور ارفع مقام رکھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں خلیفہ ربوہ جس کی خلافت نہ شرعی ہے اور نہ اسلامی کو مجدّد سے اعلےٰ مقام دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ کاش جماعت ربوہ کے احباب موجودہ حالات سے کچھ سبق حاصل کرتے اور اس طرح کی لایعنی باتوں سے اَب تو پرہیز کرتے۔ اس اُمّت میں مجدّد کا ہی رتبہ بہت بلند اور عظیم ہے۔ مگر اس کی افادیت اور اہمیّت کو کم کرکے آپ حضرت مسیح موعودؑ کے دیگر دعاوی کو بھی متاثر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ بصیرت عطا کرے۔

عید قربان کا پیغام

(از حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقعہ پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے۔ اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن کو اپنی اپنی جگہ خطیب مدِنظر رکھیں۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا تعالےٰ کو یاد رکھو۔ عید کے دن ساری دُنیا میں ایک ہی وقت میں اَللّٰہُ اَکْبَر کی آوازیں اس زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دُنیا کی فضاء اس گونج سے بھر جاتی ہے مگر قابلِ غور یہ ہے کہ جو گونج فضاء میں پیدا ہوتی ہے کیا وہ ہمارے دِل اور رُوح میں بھی پیدا ہوتی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔ یہی اصل پیغام مذہب کا ہے۔

عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو بالخصوص غرباء کو۔ عیدالفطر میں ۲ تو عیدالاضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے۔ مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟

عیدالاضحیٰ کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ ہر قریہ ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھُریاں رکھ دی جاتی ہیں۔ مگر کس لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے و بشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم۔ تاکہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں اسی طرح ہم بھی کسی کے محکوم ہیں۔ تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالمِ اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے۔ کیا جانور کی قربانی کے ساتھ یہ سوچ قربانی کرنے والے کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ اگر نہیں تو نہیں۔ انما یتقبل اللہ من المتقین اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دِل کے اندر قربانی کی رُوح پیدا نہیں ہوئی وہ متقی نہیں نہ ہی اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ یہ غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالمِ اسلامی میں ہیں جن کی قربانیاں قرآن کریم کے اس صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہیں؟

کسی بُری عادت کو ذبح کرو کسی نیک عادت کو اختیار کرو۔

(۳ر مارچ ۱۹۳۴ء)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۴۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۴ | یوم چہار شنبہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۴۷

ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

منعم علیہ کے زمرہ میں شامل ہونے کیلئے نیک صالح اور نافع الناس ہونا ضروری ہے

وہ جماعت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمالِ صالحہ کئے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے) صرف ترک بدی ہی سے نہ بنی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا۔ تب جا کر وہ ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آگئی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسبِ خیر تو بڑی بات ہے اور وہی اصل مقصد ہے لیکن وہ تو ترکِ بدی میں بھی سست نظر آتے ہیں اور ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا جو صلحاء کے کام ہیں۔

پس تمہیں چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو۔ ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو۔ اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے سعی اور مجاہدہ سے کام لو اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل دُعا سے مانگو۔ جب تک انسان ان دونوں صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا۔ مؤمن کامل ہی کی تعریف میں تو انعمت علیھم فرمایا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری رہزنی نہیں کرتے تھے کچھ بڑھ کر مُراد ہے؟ نہیں۔ انعمت علیھم میں تو وہ اعلےٰ درجہ کے انعامات رکھے گئے ہیں جو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیہ کہلاتے ہیں۔

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو انعمت علیھم کی دُعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے، بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شئی ہے جب تک انسان اسے حاصل نہیں کرتا اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مؤمن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے۔ کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو۔ جس طرح پر کافور میں یہ خاصا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے اسی لئے اسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے اور وہ موادِ ردیہ جو اٹھ کر انسان کی رُوح کو ہلاک کرتے ہیں ان کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دوسرا شربت زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لئے ایک قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پس اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے۔ اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کافوری شربت ہے۔"

(ملفوظات جلد ہفتم۔ ص ۲۲۱-۲۲۲)

اللہ تعالےٰ سے پیار کی شرط

اللہ تعالےٰ نے اپنا کسی کے ساتھ پیار کرنا اس بات سے مشروط کیا ہے کہ ایسا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ چنانچہ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپؐ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا کا پیارا بنا دیتا ہے۔ اس طرح پر کہ خود اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی ایک سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ تب ایسا شخص ہر ایک چیز سے دل برداشتہ ہو کر خدا کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور اس کا انس و شوق صرف خدا تعالےٰ سے باقی رہ جاتا ہے۔ تب محبت الٰہی کی ایک خاص تجلی اس پر پڑتی ہے اور اس پر ایک پورا رنگ عشق اور محبت کا دے کر قوی جذبہ کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ تب جذباتِ نفسانیہ پر وہ غالب آ جاتا ہے اور اس کی تائید اور نصرت میں ہر ایک پہلو سے خدا تعالےٰ کے خارق عادت افعال نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

(حضرت مسیح موعودؑ) حقیقۃ الوحی ص۶۵

کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام:-

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بروشد اختتام

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست
بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست

قرآن کریم کے پڑھنے سے انسان کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے

حضرت امیر مرحوم نے فرمایا:-

"مگر اس کا انحصار اس توجہ پر ہے جس سے انسان اس خدا کے کلام کو پڑھتا ہے...... قرآن کریم کے بے بہا علوم کے خزانے قیامت تک جاری رہیں گے۔ یہ ایسا سمندر ہے جس کا دروازہ کسی انسان کے لئے بند نہیں۔ مگر اس کے اندر سے قیمتی اشیاء کو حاصل کرنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم کس قدر جدوجہد ان کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔

میں اپنے احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا کی مشکلات کا حل قرآن کریم سے کرنے کی کوشش کریں۔ ان مشکلات پر غور کرو اور پھر قرآن کریم پر غور کرو۔ بطور اصول اس بات کو مدِنظر رکھو کہ دنیا کی مشکلات کا حل خدا پر ایمان میں ہے۔ اور خدا پر ایمان جس قدر قرآن کریم سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتا......

قرآن کا صحیح علم اس وقت خصوصیت سے آپ کی جماعت پر کھولا گیا ہے ___ اور یہ برکت درحقیقت اس وجود کی ہے جس کے قدموں میں بیٹھ کر یہ قرآن کا علم ہمیں حاصل ہوا۔ اس نے ہمیں صحیح راستہ پر ڈالا۔ صحیح علم کے لئے دماغی توازن ضروری ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس جماعت کا دماغی توازن قائم ہے۔ اور اسی لئے حضرت صاحب کا علمی ورثہ اس چھوٹی سی جماعت میں ہے۔ اور ایک بڑی جماعت نے ایک طرف تو غلو کیا اور دوسری طرف پیری مریدی کے باعث اس کا دماغی توازن قائم نہ رہا اور یہ شکایت خود ان کے قائد کو ہے کہ ان کی جماعت کا دماغی توازن درست نہیں......

لوگ قرآن کریم کو پڑھیں۔ سوچ کر اور غور سے پڑھیں۔ خدا تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کسی کو وہ علم دے دے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے......

دوسرا کام قرآن کریم کو پہنچانا ہے۔ جس میں تم میں سے ہر ایک چھوٹا ہو یا بڑا شامل ہو سکتا ہے۔ کام جو چاہو کرو۔ مگر زندگی کی غرض یہی ٹھہراؤ۔

(مجاہد کبیر۔ صفحہ ۳۰۷)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۷۷ء

کیا آئین کی تنسیخ ہم چاہتے ہیں؟

"اردو ڈائجسٹ" کے فاضل مدیر نے پاکستان کے موجودہ سیاسی بحران پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھنا بھی مناسب سمجھا ہے کہ اس وقت دو گروہ پاکستان کے آئین کی تنسیخ چاہتے ہیں ایک وہ جو استحکام پاکستان کا مخالف ہے اور دوسرا قادیانی گروہ - قادیانی سے ان کی مراد ہر وہ شخص ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مجدد اور مسیح موعود تسلیم کرتا ہے۔ اپنے تبصرہ میں "قادیانیوں" کو شامل کرنے سے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ اس آئین میں اس جماعت کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دیا گیا ہے اس لئے ان کی یہ خواہش ہوگی کہ یہ آئین منسوخ ہو جائے اور وہ دوبارہ مسلمانوں میں شامل ہو جائیں - ان کے ایسا سوچنے اور کہنے میں کہاں تک صداقت ہے یہ یا تو احمدی جانتے ہیں اور یا خدا لیکن مضمون نگار ان سیاسی نظریات کے پرچارک ہیں جن کے مطابق اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے اور اسے وہ "دروغ مصلحت آمیز" کا نام دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ من گھڑت عقیدہ قرآن و سنت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو - کیونکہ قرآن کریم میں ہے "اور جھوٹ بات سے بچو" (الحج ۳۰) اس معاملے میں ان سیاسی معتقدات کے حامی اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کے لئے نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام پر بھی جھوٹ بولنے کا الزام لگانے سے احتراز نہیں کرتے - انہیں اپنے مخالفین پر کیچڑ اچھالنے میں قرآن کریم کے یہ الفاظ بھی یاد نہیں رہتے کہ :-

"جو شخص خود قصور یا گناہ کرے پھر ایک بے گناہ پر اس کی تہمت لگائے یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے۔" (النساء ۱۱۲)

مدیر موصوف بھی ہم پر تہمت اور الزام لگانے کے مرتکب ہوئے ہیں ان کا بوجھ انہی پر ہے - اور یہ بڑا بھاری بوجھ ہے، اگر ان کا ضمیر اسے محسوس کرے تو -

دنیا میں صرف ایک ہی آئین ایسا ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا اور وہ ہے قرآن کریم - خدا کے اس آئین کے تحت جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے - لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے - اسے انسانوں کا مرتب کردہ کوئی آئین بھی دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا حق نہیں رکھتا اور جو لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا بنایا ہوا آئین خدا اور اس کے بندے کے درمیان تعلقات پر بھی اثر انداز ہو سکتا اور پابندیاں عائد کر سکتا ہے وہ بہاء اللہ کی طرح قرآن کریم کو منسوخ کرکے اپنی شریعت جاری کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے اس کے انکار سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور رسالتِ محمدیہ کی نفی لازم آتی ہے - دوسروں کو الزام دے کر کافر کہنے والے اپنے مسلمان ہونے کے حق میں بھی کوئی دلیل نہیں لا سکتے - جو دلائل بھی وہ قرآن و حدیث سے اپنے حق میں پیش کریں گے ہم بھی وہی پیش کریں گے - ان کے مطابق اگر ہم مسلمان نہیں تو انکے لحاظ میں ان کے اسلام کا بھی کوئی ثبوت نہیں رہتا - رہ گیا حضرت مرزا صاحب کو مجدد اور مسیح موعود ماننا، تو اس کے لئے بھی ہم سینکڑوں دلائل دے سکتے ہیں کہ جن کا آج تک ان کے پاس کوئی جواب نہیں -

جن لوگوں کے دل خدا کے خوف سے خالی ہو جاتے ہیں اور وہ خدا کے بجائے اس دنیا کو ہی مطلوب و مقصود سمجھ کر اس کے حصول کے لئے ظلم و ستم کو اپنا لیتے اور ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے ہیں ان سے ہر اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے جو اخلاقی حدود کی پابندیوں سے آزاد ہوتی ہے - ایسے ہی انسانوں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

"پس اگر تم حاکم بن جاؤ تو قریب ہے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رحموں کو قطع کرو" (محمد - ۲۲)

یعنی نسلِ انسانی کے لئے بجائے رحمت کے زحمت بن جاؤ - اگر ظالم برسرِ اقتدار آ بھی جائیں تو ان کی یہ حکمرانی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی کیونکہ انه لا يفلح الظالمون (الانعام - ۲۱) وہ ظالموں کو کبھی کامیاب اور بامراد نہیں کرتا -

خدا کا عائد کردہ مستقل آئین جب ہمیں مسلمان سمجھتا ہے تو ہمیں کسی آئین کے باقی رہنے یا منسوخ ہونے کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جس میں ترمیم کرکے ہمیں غیر مسلم قرار دینے والوں کو اس کارنامے پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے "نوائے وقت" نے لکھا تھا :-

کام اُٹھا نہ اس فرقہِ زہاد سے کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

ہمیں تو عقل و دانش کے ان مدعیوں پر ہنسی آتی ہے کہ "رندانِ قدح خوار" کے مرتب کردہ آئین کے ذریعے قرآن کریم کو منسوخ قرار دیتے ہیں - اور آج یہی ثواب دارین حاصل کرنے والے مجاہدین ان کے طعن و تشنیع، تمسخر، استہزا اور الزام تراشیوں کا نشانہ ہیں -

کہاں تو یہ کہا جا رہا تھا کہ اگر بھٹو احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دے تو ہم اسے قومی ہیرو تسلیم کریں گے لیکن جب بھٹو نے ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے یہ خوبصورت پر اپنے کلاہِ اقتدار میں سجا لیا تو اُلٹا اس کے دشمن ہو گئے - دل میں کچھ اور پوشیدہ تھا اور زبان کچھ اور کہہ رہی تھی - قول و فعل کا یہی تضاد آج تیس سال سے استحکام پاکستان کے راستے میں ناقابلِ عبور چٹان کی طرح حائل ہے - اس تضاد کا دوسرا نام نفاق ہے - جن کے دل نفاق سے معمور ہوں ان کے لئے خدا کے ہاں سے کامیابی کبھی مقدر نہیں ہوتی - پاکستان کی گزشتہ تیس سالہ سیاسی زندگی پر نظر ڈالنے سے یہی دکھائی دیتا ہے کہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے بعض سیاسی جماعتوں نے جو در اصل تخلیق پاکستان کی اشد ترین مخالف تھیں ہزار جتن کئے - لاکھوں تدبیریں کیں - کروڑوں حیلے اختیار کئے - حتیٰ کہ اس اسلامی ریاست کا آئین بنانے کے لئے ایک غیر مسلم کے تقرر پر بھی رضامند ہو گئیں - مگر انہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا - یہ حسرت حسرت اور یہ آرزو ایک ناکام آرزو ہی رہی :-

"تو کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟" (محمد - ۲۴)

"ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں - ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں - اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ - یہی بے خبر ہیں۔"

ہمارا یہ یقین اور ایمان ہے کہ اگر ان کے دل میں اسلام کے نفاذ کے لئے سچی تڑپ اور پاکستان سے محبت ہوتی تو خدا تعالیٰ ان کے راستے سے تمام مشکلات کو مٹی کے ذروں کی طرح اڑا دیتا اور تمام رکاوٹیں خس و خاشاک کی طرح ان کے جذبۂ صداقت کے طوفان میں بہہ جاتیں - پاکستان آج ایک مثالی اور قابلِ تقلید ملک ہوتا - ہر چار پانچ سال کے بعد مارشل لاء کے نفاذ کی نوبت نہ آتی - اور عوام اسے زحمت نہ سمجھتے

اور نہ آئین منسوخ ہونے کی نوبت آتی۔

ہم مدیر محترم "اُردو ڈائجسٹ" سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ۱۹۵۶ء کا آئین احمدیوں کے کہنے پر منسوخ ہوا۔ اور ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء انہی کی تجویز پر نافذ کیا گیا۔ اور کیا ۱۹۶۲ء کا آئین احمدیوں نے منسوخ کرایا۔ ان میں تو کوئی بات احمدیوں کے خلاف نہ تھی۔ پھر وہ کیوں منسوخ ہوئے۔ وہ اپنے دل میں جھانک کر بتائیں کہ کیا مشرقی پاکستان میں نفرت کی چنگاریوں کو ہم نے ہوا دکھائی یا ان کے نظریات کے حامیوں نے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہماری وجہ سے ہوئی یا اُن کے بھائیوں کی زیر زمین سرگرمیوں کی وجہ سے۔ آپ ہی نے ایک بار لکھا تھا کہ مشرقی پاکستان میں محبت کا زمزم بہہ رہا ہے۔ پھر کیا ہوا کہ چند ہی ماہ بعد یہ زمزم سمِّ قاتل کی صورت میں بہہ نکلا اور لاکھوں بے گناہ انسانوں کو لقمۂ اجل بنا گیا۔ کیا یہ بھی احمدیوں نے کیا۔ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈلوانے اور ڈالنے والے احمدی نہ تھے۔ اس کے برعکس ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں احمدی کمانڈروں کے کارنامے تاریخ پاکستان کا ایک زرّیں باب بن چکے ہیں۔ اب اگر آپ کی "مساعی جمیلہ" انہیں مٹانے اور لوگوں کے ذہنوں سے محو کرنے کی سعئ ناکام میں مصروف ہوں تو سچ کو جھوٹ کے پردوں میں چھپایا نہیں جا سکتا۔

یاد رکھیئے انسانوں کے ارادوں اور ذہنوں کے مطابق تخلیق شدہ آئین آسمانی وحی نہیں ہوتے، وہ بنتے اور منسوخ ہوتے رہتے ہیں۔ پاکستان کا موجودہ آئین بھی انسانوں کا مرتب کردہ آئین ہے۔ یہ آسمانی وحی نہیں۔ اس کا باقی رہنا یا منسوخ ہونا بھی امکان سے باہر نہیں۔ فیصلے پہلے آسمان پر ہوتے ہیں اور پھر زمین پر۔ اللہ تعالےٰ اپنے آخری اور مکمل آئین کے مقابلے میں کسی ایسے آئین کو زمین پر باقی نہیں رہنے دیگا جو اس کے بندوں پر ظلم وستم روا رکھنے کا مؤید ہو۔ اور اس کے بندوں کو اس کی۔ اس کے رسول صلعم اور اس کی کتاب کی اطاعت سے روکے اور محروم رکھے۔

"اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصلی کتاب ہے۔"

(الرعد : ۳۹)

قرآن کریم کے نزول سے قبل جو کتب وقتاً فوقتاً انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئیں جب وہ زمانے کی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں تو اللہ تعالےٰ انہیں منسوخ کرتا اور ان کی جگہ دوسری کتابیں نازل کرتا رہا حتیٰ کہ آخری مکمل کتاب نازل فرمائی اور جس کا ایک حرف نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ ان کے مقابل میں انسانی ذہن کی اختراعات کی کیا حیثیت ہے کہ وہ انہیں باقی رکھے گا خواہ وہ اس کے بندوں کے لئے نافع ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اللہ تعالےٰ کا یہ فیصلہ ہوا کہ یہ آئین باقی رہے تو قادیانی اپنی ساری قوت صرف کر دیں اسے کوئی منسوخ نہیں کر سکے گا اور اگر اس کا منسوخ ہونا اللہ تعالےٰ کے ارادے میں ٹھہر گیا ہے تو سارے پاکستانی اپنی ساری کوششیں بروئے کار لے آئیں اسے وہ باقی نہیں رکھ سکیں گے۔

یہ باقی رہ جائے تو "قادیانیوں" کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ دل و دماغ میں اللہ تعالےٰ۔ رسول کریم صلعم اور قرآن کریم کا جو مقام ہے اُسے کوئی آئین نکال نہیں سکتا اور اگر منسوخ ہو جائے تو انہیں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ آپ پہلے بھی انہیں کہاں مسلمان سمجھتے تھے کہ اب سمجھنے لگ جائیں گے۔ اور آپ کی آستینوں میں جاسوسہ کوئی نہ کوئی خنجر ان کے برگزیدہ سینوں میں [illegible] کے لئے چھپا رہتا ہے اور سادہ لوح عوام کو بھڑکا کر ان کے خلاف ہنگامہ کھڑا کرانا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔

دوسروں کے سر الزام دھرنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لینا چاہیئے کیونکہ "ان اللّٰہ علیم بذات الصدور" (آل عمران - ۱۱۸) اللہ تعالےٰ تو سینوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے آپ نے یہ کہکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آئین کی تنسیخ قادیانی چاہتے ہیں ہم نہیں چاہتے۔ آپ اگر آئین کو باقی رکھنے کے حق میں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آئین اب بھی بحال ہے اور اس صورت میں بھٹو صاحب کی حکومت آئینی حکومت ہونے کی وجہ سے اب بھی باقی ہے اور اسی طرح مارشل لاء غیر آئینی ہے۔ کچھ تو سوچیئے آپ سوچتے کیا ہیں۔ کہتے کیا ہیں اور لکھتے کیا ہیں۔ آپ یقین رکھیں کہ قادیانیوں کے متعلق آئین میں ترمیم کی موجودگی میں کوئی بھی حکمران آئین منسوخ کر کے عوام کی ناراضگی مول لینے کی جرأت نہیں کرے گا۔

اس کے لئے دنیا کے سُود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسے کامل ایمان اور یقین کی ضرورت ہے جیسے دن کے وقت انسان سُورج کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد کی حاجت ہے کہ عزت و ذلت بھی خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ ملک بھی اسی کا ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے لے لے۔ جو طاقت کا سرچشمہ عوام کو بجائے خدا کو سمجھے۔ کیونکہ عوام کی دی ہوئی حیثیت عارضی ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا کردہ عزت قائم و دائم۔ جو آپکے اپنے دل کی خواہش ہے اسے دوسروں کی خواہش بنا کر مت پیش کیجئے۔

ہم مانتے ہیں کہ آپ ادیب ہیں۔ صحافی ہیں اور آپ کے پاس الفاظ کا بے بہا ذخیرہ ہے۔ جس کی ترکیب و ترتیب سے آپ مکھی کو پھانسنے کے لئے مکڑی کا جالا بُن سکتے ہیں۔ لیکن قرآن اس کے بارے میں فرماتا ہے:۔

"وہ ایک گھر بناتی ہے اور یقیناً سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے۔"

آپ اگر اپنی ان صلاحیتوں کو لوگوں کے دل توڑنے کے بجائے جوڑنے کے لئے استعمال کریں تو اس میں قوم کا بھی بھلا ہوگا اور ملک کا بھی۔ جس متاعِ حیات کی خاطر آپ ان کے ضیاع میں مشغول ہیں وہ ایک دھوکا سراب اور فریبِ نظر ہے اور گھاٹے کا سودا ہے۔

جلسہ سالانہ ۱۹۷۷ء کی تاریخیں

۲۲، ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار۔ مقرر ہوئی ہیں۔

اس لئے جلسہ میں شمولیت کیلئے

ا۔ آپ ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔
ب۔ جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد سے مطلع فرمادیں۔
ج۔ خواتین کو نمائش دستکاری میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کریں اور سامان دستکاری جلد بھجوا دیا جائے
د۔ موسم کے لحاظ سے اپنا بستر ہمراہ لائیں۔
ہ۔ غیر از جماعت دوستوں کو اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت دیں۔

مہتمم افسر جلسہ سالانہ

علیۂ اسلام پر یقین اور مسلمانوں کی وحدت
پاکستان کے دو بنیادی ستون
(گذشتہ سے پیوستہ)

کیا اب بھی اس میں کوئی شک ہے کہ اسلام اپنی نیند سے بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کا دور ہم پر وارد ہو چکا ہے۔ ؏

سُنا ہے میں نے یہ قدوسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

یہ سب انقلاب کس چیز کے بدلے وقوع میں آ رہا ہے۔ اس بڑھتے ہوئے ایمان کے صدقے کہ اصول اسلام سچے و راست ہیں۔ اس صادق یقین کے نتیجہ میں کہ قرآنی تعلیم واقعی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ ہر زمانہ اور ہر ملک کی ضروریات کے لئے مکتفی ہے بلکہ یہ کہ جس قدر اس کی ضرورت دنیا کو آج اس کی نجات کے واسطے لاحق ہے۔ پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ عدل و انصاف اس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ ظلم و تعدّی سے رہائی نہیں ہو سکتی۔ امن و صلح کی بنیاد ہی استوار نہیں کی جا سکتی جب تک اس تعلیم کی مقبولیت نہ ہو۔

یہ ہے وہ یقین و ایمان جو مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ ایمان جو دل کی گہرائیوں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ یقین جو ابتداء میں عوام کے لئے نتیجہ خیز دکھائی نہیں دیتا۔ وہ عرفان جس کے اثر سے دنیاوی آنکھ بے خبر ہوتی ہے آج مادی دنیا میں انقلاب انگیزیاں کر رہا ہے۔ جس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ کیا خوب کہا ہے:۔

؏ ولایت پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

یہ تڑپا پڑ گیا ہوا ایمان جس کی بدولت اسلامی دنیا میں انقلاب رونما ہو رہا ہے کس وجود کی برکت سے آج کے زمانہ میں مسلم قلوب میں گھر کرنا شروع ہوا؟ شاعر، فلسفی، لیڈر، ادیب ان میں سے کبھی کوئی بھی یقیناً ایمان پیدا نہیں کر سکے نہ ان کی غرض و غایت یہ ہوا کرتی ہے۔ نہ خود انہیں اس دولت ایمان کا پتہ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سب لوگ تو خود اس کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ مسلمانو! کیوں تم توجہ نہیں کرتے کہ یہ تمہاری بیداری کا دور جو محض ایمان کے ذریعہ دوبارہ قائم ہو جانے کے باعث ہے۔ کس صاحب بصیرت و ایمان و عرفان کے نزول کا پتہ دے رہا ہے؟

صداقتِ اصولِ حقّہ پر یقین

بہت سے لوگ یہ بھی اعتراض کرنے کے عادی ہیں کہ جب تک کوئی لیڈر مسلمانوں کو حکومت و سلطنت نہ دلا دے تب تک اس کی طرف انقلاب منسوب کرنا بے معنی ہے۔ اگر وہ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان قوم کا شیرازہ دیگر اقوام سے بکلی مختلف ہے۔ جہاں دیگر اقوام کی بناء ان کا وطنی یا لسانی اشتراک ہے۔ وہاں مسلم قوم کی وحدت کی بناء اس امر پر منحصر ہے کہ ان کے قلوب صداقت اصولِ حقّہ سے کس قدر لبریز ہیں۔ جس قدر قلوب میں یہ یقین زیادہ ہوگا اسی قدر ان کا باہمی رشتۂ اخوت مضبوط و مربوط ہوگا۔

مسلم قوم کے شیرازہ کی بنیادیں اور اس کی قومیت کے اتحاد کی مضبوطی یا کمزوری کا دار و مدار قرآنی تعلیم پر درجہ یقین سے وابستہ ہے۔ جب اور کوئی متسلک کرنے والی شئے ہے نہیں۔ تو انہی صداقت کے اصولوں پر ایمان اور اس کی مضبوطی پر قومیت کی بنیادیں استوار ہیں۔ پس جو شخص قرآنی صداقت کو قلوب میں گاڑنے کا موجب ہوگا وہی حقیقتاً مسلم قومیت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے والا ہوگا۔

اب جائے غور ہے کہ چودھویں صدی میں کس خادم اسلام نے صداقتِ اسلام پر تمام دنیا کو للکارا اور کس نے ببانگ دہل قرآنی تعلیم کی افضلیت پر غیروں کو چیلنج پہ چیلنج دیئے جس سے نہ صرف اپنوں کے پست حوصلے بلند ہو گئے بلکہ قلوب میں صداقت گھر کر گئی اور اس طرح باہمی قومیت کی رسّی مضبوط ہو گئی۔

؏ آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

کسی ملک کے لوگوں کا یہ دعوےٰ کہ ہم سب مسلمان ہونے کے باعث دوسروں سے علیحدہ حیثیت و قومیت رکھتے ہیں اور اس دعوے پر غیروں کے مقابل متحدہ قیام و ثبات ایمان ایک دعوےٰ ہے جس کی بناء پر خدا تعالےٰ کی یہ معجزانہ عطا ہے کہ ایک سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وجود عالم شہود میں آ گیا۔

پاکستان کا وجود میں آ جانا ایک شئے ہے لیکن اس کا مضبوط طور پر قائم و دائم ہو جانا اور صحیح و سچے معنوں میں اسلامی سلطنت بن جانا ایک دیگر امر ہے۔ جہاں خدا تعالےٰ کی اس نعمت و برکت پر ہمیں سجداتِ شکر بجا لانے کا موقع ہے، وہاں اس سے زیادہ توجہ اس امر کی طرف دینی ضروری ہے کہ یہ ایمان کا دعوےٰ سچا کیونکر ثابت کر دکھلایا جائے۔ کیونکہ سچائی کے بغیر ثبات و قیام ممکن نہیں۔ جہاں قرآن کریم نے یہ ارشاد فرمایا ہے تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء .... و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ یعنی سلطنت کی عطا ایک ربی عزت ہے وہاں قرآن پاک نے خلافت کی یہ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں:۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض۔ یعنے ہمارا وعدہ خلافت ان لوگوں سے متحقق ہوا کرتا ہے جن میں صفاتِ ایمان اور عمل صالح موجود ہوں۔ اور دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ طیبہ میں ادا کیا ہے:۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ہم نے زبور میں یہ ذکر کر دیا ہے کہ زمین کی وراثت صالح بندوں کی ملکیت ہوگی، قابلیت و صلاحیت کسی فرائض و عہدہ کو سنبھالنے کے لئے ضروری و لازم قرآنی شرائط ہیں۔ جو کتاب خود یہ حکم دیتی ہو ان تؤدوا الامانات الی اھلھا کہ امانتوں و فرائض کو ایسے لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے ادا کرنے کے واقعی اہل و قابل ہوں۔ تو ایسی کتاب کے نزدیک سلطنت و حکومت کبھی ایسے ہاتھوں میں رہ سکتی ممکن ہے جو اس کے اہل نہ ہوں اور جو ایسی بھاری خدائی امانت کو دیانت سے ادا نہ کر سکتے ہوں؟

کسی فرد یا قوم کی قابلیت کا اصل پتہ اس وقت لگتا ہے جب اس پر زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جائے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو مسلمان اس سے قبل حکومت کی رٹ لگا رہے تھے وہ بھی آج

حکومت مل جانے پر معترف ہیں کہ ہماری قوم میں بھی ابھی تک وہ صلاحیت موجود نہیں جس سے یہ قوم سلطنت سنبھالنے کی اہل کہلا سکے کثرت ایسے اصحاب کی تھی جو اس اصول سے متفق نہ ہوتے تھے کہ پہلے کسی قوم میں وہ صفات موجود ہونی چاہئیں جو سلطنت چلانے کے لئے ضروری ہیں۔ اور پھر ایسی قوم کو حکومت عطاء ہونی چاہیئے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ پہلے حکومت مل جائے تو پھر اس کے بعد اعلیٰ صفات کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن آج واقعات سے اس اصول کی صداقت بھی روزِ روشن کی مانند ظاہر ہوگئی ہے کہ اہل اور مشکل پیشتر تو صلاحیت کا پیدا کرنا ہے نہ کہ حکومت لے لینا۔ اگر حکومت حاصل ہو بھی جائے تو بھی اس کی وجہ سے لازماً صلاحیت کا پیدا ہو جانا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اکثر دفعہ تو حکومت و سلطنت پیدا شدہ اوصاف کو گنوا دینے کا براہِ راست موجب ہو جایا کرتی ہے۔

پاکستان میں مساوات و اخوت کا عملی رنگ

یہاں اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ مسلمان قوم نے اپنے ایمان کے بدلے ہر شئے قربان کر دی مگر کفر پر اسلام کو ترجیح دی دلہن تصویر کا دوسرا رُخ بھی موجود ہے کہ زندگی کے عملی میدان میں عملوا الصّٰلحٰت کا نمونہ پیش کرنے سے من حیث القوم وہ عاجز رہی ہے۔ جن اصحاب نے محض اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کے لئے ہند سے ہجرت کرکے پاکستان میں پناہ لی۔ ان کے ساتھ مجموعی طور پر یہاں کے باشندوں نے کیسا سلوک کیا؟ مساوات و اخوت کے اسلامی نمونے کہاں تک دکھلائے گئے؟

ہمدردی و ایثار سے قطع نظر اگر صرف عدل و انصاف ہی کو مدِّنظر رکھا جاتا تو غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی املاک و اموال کا صحیح حق دار کون تھا؟ اس کو ہی دیکھا جاتا تو آج یقیناً قوم کی حالت کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ یہاں انفرادی حالت کا سوال نہیں۔ کیونکہ افراد میں سے بہتوں نے اپنی ہمت و استطاعت سے بڑھ کر خدمت کی بلکہ یہاں قوم کی مجموعی حالت اور کثرت کا ذکر ہے۔ بعض واقعات تو ایسے بھی ہیں کہ وہ لوگ جو ہندوستان سے اپنے اموال و عزت لٹا کر پاکستان میں سر چھپانے آئے ان کے مالوں اور عزتوں پر یہاں بھی ڈاکہ ڈالا گیا۔ حکومت کی طرف سے جو اخراجات مہاجرین کی امداد کے لئے منظور کئے گئے انہیں ذاتی تصرف سے خورد برد کیا گیا۔ اور اس وقت جبکہ اپنی حکومت قائم ہو چکی ہے اپنے گھر کا کیا نقشہ ہے؟ کیا کافر اور غیر کی حکومت کی مشینری سے زیادہ تنا ہی زیادہ مستعدی اور قابلیت سے ہماری اپنی حکومت اپنے کاموں کو سرانجام دے رہی ہے؟ کیا بے ایمانی۔ رشوت ستانی۔ چور بازاری۔ شراب خوری۔ تعیش پسندی۔ غرباء و محتاجوں کی حالت سے قطعی بے پرواہی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے یا کم؟

بعض لوگ کہتے ہیں ابھی ابتداء ہے۔ مشکلات درپیش ہیں۔ آہستہ آہستہ حکومت اور قوانین اسلامی کے نفاذ سے سب کچھ درست ہو جائے گا۔ اگر قوم میں مجموعی طور پر یہ زبردست خواہش موجود ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اسلامی اخلاق و احکام کو رائج کرے تب تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ حکومت کی امداد کا ہاتھ کچھ کام کر سکے گا۔ لیکن اگر قوم میں سے اپنی عملی زندگی کو تبدیل کرنے کی خواہش مر چکی ہے تو حکومت اور اس کے قوانین کیا کر سکیں گے؟ حکومت کے افراد کہاں سے آتے ہیں۔ قوم کا جزو ہی ہوتے ہیں اور اگر قوم کی کثرت نا اہل و قومی کردار سے نابلد ہے تو حکومت کہاں سے اہل و قابل بن جائے گی۔ حکومت تو قوم کے اخلاق کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جب تک خود قوم میں تبدیلی و اصلاح کی تڑپ پیدا نہ ہوگی حکومت اور اس کے قوانین بے کار محض ہیں۔

آج یہ صداقت ہر کس و ناکس پر منکشف ہو چکی ہے بلکہ بعض لوگ تو مایوس ہو رہے ہیں کہ قوم کی موجودہ حالت واقعی زبوں حالی کی ہے لیکن ایسا کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ عام طور پر قوم میں اپنی کمزوریوں کا احساس پیدا ہو چکا ہے۔ اور وہ اپنی اصلاح و تبدیلی کی خواہاں ہے مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ صلاحیت مقدم و لازم شئے ہے اور اس کی عدم موجودگی میں حکومت بھی بے کار و بے بس ہے۔

سچے اور کامل ایمان کا لابدی نتیجہ اور عملی اِصلاح کی ضرورت

آج کون دل یہ محسوس نہیں کرتا کہ کاش ہماری قوم اصلاح یافتہ ہوتی تو ہمیں کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ کاش ہماری قوم اعلےٰ سیرت اور عمدہ اخلاقی کردار کے مضبوط اور نا مسخر ہتھیاروں سے مسلح ہوتی تو ہمیں غداروں اور خود غرضوں سے سامنا ہوتا نہ ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تشویش۔ جو قوم اپنے عزمِ راسخ پر قائم ہو، باہم متحد و منظم۔ ایثار و بے نفسی کا مجسم ہو۔ عدل و انصاف، ہمدردی و خیر خواہی بنی نوع انسان کی علمبردار ہو اُسے کونسی طاقت دنیا سے نیست و نابود کر سکتی ہے اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ ظالم قوت کب تک رہ سکتی ہے۔ کیا یہی قرآن کریم کا بھولا ہوا سبق نہیں تھا جو مسلمان قوم کو ان کے ایک حقیقی مصلح و خیر خواہ نے آج سے نصف صدی قبل یاد دلایا؟ کیا اس کی یہی پکار نہ تھی کہ تمہارا غیر اقوام کی آزادی سے قبل اپنے نفسوں کی حکومت سے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے؟ کیا اس کی مسیحائی تعلیم کا لُب لباب یہی نہ تھا کہ تم شیطان کی حکومت سے اپنے نفسوں کو چھڑا لو قبل اس کے کہ تم الٰہی حکومت کو دنیا پر قائم کر سکنے کے قابل ہو؟ اس وقت تم نے اس بات کو در خورِ اعتناء نہ سمجھا لیکن آج واقعات نے تمہیں یقین دلا دیا کہ اسلامی سیرت و کردار سے اپنے آپ کو مزین کرنا اور اپنے باطن پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لینا ہی وہ اوّلین اصلاح ہے جس کے بغیر دنیا کا تخت و تاج حاصل کر لینا اور قوانین و قواعد پر قبضہ پا لینا بے سود و بے کار ہیں۔ ابھی عالم میں اس وقت ہر طرف امن و امان کا دَور دَورہ دائم تھا کہ اس نے تمہیں جگانے کی کوشش کی کہ دیکھو دنیا پرستی سے قلوب کا امن کھویا جا چکا ہے اور یہ باطنی فساد و بے امنی اپنا رنگ بیرونی دنیا میں لانے کو ہے۔ خبردار ہو جاؤ! ہوس و حرص کی جو آگ دلوں میں بھڑکائی جا چکی ہے۔ قریب ہے کہ وہ مادی شکل میں منتقل ہو کر تمہیں بھسم کر دے۔ ظاہریت پر قناعت نہ کرو۔ دنیا کی دل فریبی و کشش سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ اپنے باطن اور نفس کی جانب دھیان کرو کہ اگر اس میں پاکیزگی و خیر خواہی امن و عافیت موجود نہیں تو ظاہرا قوانین اور مادی نظام اسے کیونکر نجات دلا سکتے ہیں؟ یہ تمام باتیں اس نے تمہیں بتلائیں، دنیا کو عام طور پر اور مسلمان قوم کو خاص کر اس نے بیدار کرنے کی کوشش کی۔

تم تو ہو آرام میں پر اپنا قصّہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانے کے دن

اس وقت ان باتوں کو شاید کسی مجذوب کی بڑ یا کسی خود غرض کی دھمکی خیال کیا گیا۔ لیکن آج وہی امور ہمارے سامنے حقیقت کا جامہ پہن کر آ کھڑے ہیں۔ جیسے کہ اوپر واقعات کی شہادت سے عرض کیا جا چکا ہے۔ مسلمان قوم نے اس ملک میں اپنے ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کی طرف جب توجہ کی اور اصولِ حقّہ کو تسلیم کرکے اُن پر

ثبات و قیام دکھلایا تو اس کے لازم نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے انہیں ایک نئی حکومت عطا کر دی۔ لیکن انہوں نے عمل کے میدان کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اب وہ اس کی سخت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

پاکستان کے قیام سے جس ایک امر کو مسلمان قوم نے بشدت محسوس کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی نجات اور ہماری حکومت کا بقا متقاضی ہے کہ ایک اصلاح یافتہ جماعت مسلمانوں میں سے کھڑی ہو جو . . . . جو اپنے وعظ و تلقین اور . . . . . . اپنے خوبصورت علم کلام سے لیکن سب سے بڑھ کر اپنے عمل سے اور زندگی کی روز مرہ اقتداد سے عوام میں تبدیلی و اصلاح پیدا کرنے والی ہو۔ عمل کی اصلاح عمل سے ہی ممکن ہے باتوں سے ممکن نہیں اور ساری قوم کی سچی تبدیلی کے لئے ایک متحدہ و منظم جماعتی نظام کی حاجت در پیش ہے جن کی نہ صرف انفرادی زندگیاں اسلام کے باطنی و روحانی نظام کی آئینہ دار ہوں بلکہ جن کا اجتماعی اقدام اور باہمی برتاؤ و سلوک بھی خدا پرستی کے اصولوں کے مطابق ہو جن میں باہمی اسلامی اخوت و مساوات کا رنگ دکھلائی دے اور جو آپس میں محبت و ہمدردی اور حسن ظنی و ایثار میں قابل رشک نمونہ پیش کر رہے ہوں۔

اگر یہ سچ ہے کہ مسلمان قوم کی موجودہ اخلاقی حالت و کردار اور سیرت میں تبدیلی اور اصلاح کی محتاج ہے۔ جس تغیر میں ہی نہ صرف اسلام کے مذہب کا احیاء و اشاعت بلکہ خود ہی اپنی قوم کا سنوارنا اور حکومت کا استحکام مضمر ہے تو یہ بات بھی اسی قدر سچی ہے کہ اعلیٰ و ارفع مقصد صرف ایک اصلاح یافتہ جماعت کے قیام اور اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ پر ہی منحصر ہے۔ اور دوسری کسی طرح یہ ممکن الحصول نہیں۔

ایمان اور اخلاقِ عالیہ پر قائم ایک جماعتی نظام اور اندرونی پاکیزگی و طہارت و صفائے باطنی کا ایک مرکز ہی مسلمان کی موجودہ مصائب کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ جو ان کے روحانی احیاء و اخلاقی ترقی کے لئے از بس ضروری و لازم پڑا ہے۔ بجز اس کے ممکن نہیں اور مسلمان قوم کی اخلاقی تبدیلی کے باعث ہی اصول اسلام کا غیروں کی دنیا میں بول بالا جلد از جلد وقوع میں آ جانا ممکن ہے۔

ہم اپنا فرض اسے دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

اخلاقی میدان میں قومی تعلیم و تربیت کا اعلےٰ مقصد

جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ زندہ عمل نوازی سے کسی قوم میں عملی اصلاح اور اخلاقی تربیت پیدا ہوا کرتی ہے۔ اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے پاک شدہ کامل لوگ اس امت میں اصلاح کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ ورنہ تعلیم کا کمال تو قرآن مجید پر ختم ہو چکا ہے۔ پھر ایسے کامل اور بلند مرتبت اشخاص کے اٹھ جانے کے بعد ان کی جماعت من حیث القوم ان کی وارث ہوا کرتی ہے۔

جہاں مجددین کی اپنی ذاتی و انفرادی زندگیاں مذہب اسلام کی صداقت پر ایک دلیل و برہان ہوا کرتی ہیں وہاں ان کے بعد ان کی جماعتیں اپنی مجموعی حیثیت سے اسلامی نظامِ حیات کے نقشہ کو اپنی جماعتی زندگی میں پیش کیا کرتی ہیں اور ان تمام اخلاق عالیہ اور صفاتِ محمودہ کی حامی ہوا کرتی ہیں جس کا دنیا میں پیدا کر دکھلانا

ہی ساری تبلیغ و اشاعت کی غرض و غایت ہوا کرتا ہے اور جس کے فقدان سے ہی دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی بلند پایہ جماعت کے اخلاقِ حسنہ اور نظامِ اسلامیہ کا اثر ہوا کرتا ہے۔ کہ پھر اس سے ساری قوم متاثر ہوتی ہے۔ کسی شخص کے کرتے ہوئے ایمان کو دوسرے شخص کا مضبوط ایمان یا دلائل و براہین قائم کرنے موجب تو بن سکتے ہیں مگر کسی کی زندگی کو عملوا الصّٰلحٰت کا مصداق بنانے کے لئے ایک عمل صالح پر قائم گروہ کا وجود ضروری لازم پڑا ہے۔ ایمان سے ایمان اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ اور قومی کردار میں تبدیلی و اصلاح کے لئے ایک تبدیل شدہ جماعتی نظام کی ضرورت از بس لابدی ہے۔

جب تک مسلمان قوم کی اخلاقی تربیت کا سامان ایک بلند پایہ جماعتی نظام مرکزی اخلاقی طاقت سے نہ کیا جائے گا تب تک پاکستان کا قیام حقیقی معنوں میں وجود میں نہ آسکے گا اور نہ ہی غیروں میں اشاعت و تبلیغِ اسلام کی تحریک کسی تیز رفتاری اور سرعت سے جاری کی جا سکے گی۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی قوم کی اخلاقی و دینی تعلیم و تربیت کے لئے کسی مرکزی نظام اور جماعتی وجود کو تلاش کریں کیونکہ یہی وہ ایک شئے ہے جس سے ان کی سچی قومی زندگی اور حکومتِ الٰہیہ کا قیام وابستہ ہے۔

از عمل ثابت کُن آں نورے کہ در ایمانِ تُست
دل چو دادی یوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

بیگم صاحبہ شیخ محمد جان مرحوم و مغفور وزیرآبادی کی وفات پر جماعت راولپنڈی کی تعزیتی قرارداد

مورخہ ۱۱/۷ بعد از نماز جمعہ زیر صدارت محترم میاں شریف احمد صاحب جماعتِ راولپنڈی کا ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی گئی:—

یہ جماعت محترمہ بیگم صاحبہ شیخ محمد جان مرحوم و مغفور کی وفات پر انتہائی رنج و الم کا اظہار کرتی ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ جماعتِ احمدیہ کی ایک نیک دل اور مخلص خاتون تھیں۔ اور جماعت وزیرآباد کا ایک قیمتی وجود تھیں۔ ان کی وفات سے جماعتِ احمدیہ کو بالعموم اور جماعت وزیرآباد کو بالخصوص ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

جماعت اللہ تعالےٰ سے دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انکے روحانی درجات ہر آن بلند تر فرماتا رہے اور ان کے اعزہ و اقارب کو یہ نقصان برداشت کرنے اور صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ اجلاس ان کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور ان کو مرحومہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مرحومہ کے اعزہ کے پتہ جات حسب ذیل ہیں:—

۱۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب۔ محلہ شیخاں مغربی۔ وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ۔
۲۔ شیخ محمد ممتاز صاحب ایس۔ اے۔ ایس۔ ایم کالونی ٹیکسٹائل ملز اسماعیل کوٹ نوشہرہ ضلع پشاور۔

مرسلہ: خواجہ محمد نصیراللہ
آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

از جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد

تجدیدِ عہد

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے آجکل اخبارات میں ایک اپیل شائع کی گئی ہے۔ کہ اس عیدالاضحیٰ کو ملک (پاکستان) بھر میں اللہ تعالےٰ سے تجدید عہد کا دن منایا جائے اور عید کے موقع پر لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگیں اور اپنی زندگیوں کو بُرے کاموں میں ملوث نہ ہونے دیں۔ اور مزید مسجدیں بنائی جائیں۔ اور نمازوں کے اوقات میں کاروبار بند کرکے سب لوگ یہ فریضہ ادا کریں۔

پھر رشوت۔ چور بازاری، اور سماجی بُرائیوں سے اجتناب کریں۔ پھر یہ بھی اپیل کی گئی ہے کہ بضرورت مندوں کی امداد کے لئے زکوٰۃ فنڈ قائم کیا جائے۔ مگر کسی کو اس طرف خیال نہیں گیا کہ عیدالفطر کے موقع پر فطرانہ کا کروڑوں روپیہ اکثر غیر مستحق لوگوں اور مشٹنڈ فقیروں پر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ وہی روپیہ اگر کسی تنظیم کے ماتحت محتاجوں اور مستحقین پر خرچ کیا جائے تو ملک سے گداگری کا انسداد ہو جائے۔ بہر حال یہ اپیل اور تجدید عہد ایک اچھا خیال ہے۔ مگر صرف اخباروں میں اپیل شائع کر دینے یا منبروں اور پلیٹ فارموں سے اعلان کر دینے سے واہ واہ تو ہو جائے گی۔ مگر دیرپا اثر اور فائدہ نہیں پہنچے گا۔

اِصلاح کے لئے اعلےٰ نمونے کی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانے کے ساتھ ساتھ انسانی دلوں میں دنیا داری اور دین کی طرف سے غفلت آجاتی ہے۔ اور اس کے متعلق خود جناب الٰہی نے سورۃ والعصر میں فرمایا کہ۔ زمانہ گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ اس لئے اس گھاٹے سے بچنے کے لئے ہدایت ہے کہ انسان نہ صرف سچے دل سے ایمان لائے بلکہ اعمال صالحہ بجا لائے۔ اور نہ صرف خود ہی اعمال بجا لائے۔ بلکہ دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرے اور اس اشاعتِ دین کی وجہ سے اگر مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے تو ہمت اور صبر کرے اور خدا سے مدد چاہے۔

ان مُبارک کاموں کے لئے اعلےٰ نمونہ اور سربراہی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ نیکی اُوپر سے نیچے کو آتی ہے۔ اگر قوم کے بڑے افراد نیک نمونہ دکھلائیں تو نچلے لوگ بھی اس طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور اگر اُوپر کے لوگوں میں گند ہو تو نچلے لوگ بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جناب الٰہی نے بھی اُمت مُسلمہ کی ہدایت کے لئے ایک مجددین سلسلہ قائم کیا اور جیسا کہ سُنن ابو داؤد کی صحیح اور محقق حدیث کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی ہجری کے آغاز میں اس اُمتِ مُسلمہ کی تجدید دین کے لئے مجدد اور مامور بھیجتا رہے گا۔

تاریخ اسلام بتلاتی ہے کہ ایسا ہوتا رہا اور ان میں مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندیؒ) اسی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ سلسلہ مجددین حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ سے شروع ہوا اور چودہویں صدی ہجری (جو کہ ختم ہونے کو ہے) میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب تک پہنچا ہے۔ الٰہی تجدید دین اور انسانی تجدید عہد میں دو نمایاں فرق نظر آرہے ہیں۔

(۱) مجددین کا کام نہ صرف تبلیغ دین ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے نیک نمونہ اور قوت قدسی سے دوسروں کو نیک [illegible] کی طرف کھینچتے ہیں۔ اور [illegible] میں جو بدعات شامل ہو جاتی ہیں ان [illegible] یہ کرتے ہیں۔

(۲) ان کا کام نہ صرف مُسلمانوں کو مسلمان بنانا ہوتا ہے۔ بلکہ وہ غیر مُسلموں کو اسلام میں داخل کرتے ہیں۔ اسلام دُنیا میں انہیں بزرگوں کے انفاسِ طیبہ اور قوت قدسی سے پھیلا اور پھلا پھولا۔

اب انسانی تجدید عہد کو لیجئے۔ اس میں تبلیغِ دین کی طرف کوئی ترغیب نظر نہیں آتی میرا مطلب اشاعتِ اسلام اور اسلام اور نبی کریم صلعم کی ذات پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کا مسکت جواب دینے کا بھی ہے۔ مگر اس مُلک میں تو اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے والے اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے والے اور حضور نبی کریم صلعم کو آخری اور بہترین نبی ماننے والے بھی تکفیر بازی کا شکار ہو گئے ہیں۔

ع گر کُنی تکفیر قوم خود چہ کارے کردۂ
رَو اگر مردی یہودے را بہ اسلام اندر آر

ہماری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور پچھلے ساٹھ سال سے زائد عرصہ سے تکفیر اہلِ قبلہ سے اجتناب اور نبی کریم صلعم کی ختم نبوت کا پرچار کرتی رہی ہے۔ اور خود بانئ سلسلہ احمدیہ کے فرمان کے بموجب آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنے والے کو خارج از اسلام سمجھتی رہی ہے۔ مگر ہمیں بھی بعض عُلمائے سُوء کے غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر پولیٹیکل وجوہ پر غیر مُسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ ہماری اپیل تو خدائی عدالت میں دائر ہے۔

ہم پر حج تو بند کر دیا گیا۔ ہماری مساجد پر ناجائز قبضہ کر لیا گیا۔ مسجد احمدیہ کوہ مری اس کی گواہ ہے۔ جہاں غاصبانہ قبضہ کرکے انجمن تحفظ ختم نبوت والے براجمان ہیں۔ اس ظلم کی کوئی داد فریاد نہیں۔ ہماری مسجدوں کو مسجد کہنے سے روکا جاتا ہے۔ حال ہی میں لاہور ہائی کورٹ نے ڈیرہ غازی خاں میں احمدیوں کی ایک مسجد پر غاصبانہ قبضے کے متعلق ایک تاریخی فیصلہ دیا ہے۔ اور نچلی عدالت کے فیصلہ کو منسوخ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیونکہ یہ مذہبی معاملات ہیں اور قانون کی عدالتیں مداخلت نہیں کر سکتیں اس لئے غیر احمدی مسلمانوں کا دعوےٰ خارج کیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی حکم امتناعی منسوخ کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح مسجد احمدیہ واگذار ہو گئی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی توجہ اس طرف بھی منعطف کرانی ضروری ہے کہ پہلے تو "مُسلمان" کی نہ صرف مذہبی بلکہ قانونی تعریف کریں۔ اور دوسرے اگر اس تعریف کے ماتحت کوئی "مسلمان" کہلائے تو اس کی تکفیر کرنا اور اس کو خارج از اسلام قرار دینا قابل سزا ہو اور ممنوع ہو۔ کیونکہ مکفّر المؤمن کافرٌ۔ کی حدیث کے ماتحت ایک مومن مسلمان کو کافر کہنے والا خود کُفر کے نیچے آجاتا ہے اور حکم قرآنی ہے۔ لاتقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا۔ جو شخص خود کو مسلمان سمجھتے ہوئے تم کو مسلمان سمجھ کر السلام علیک کہتا ہے اس کو کافر مت کہو۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر آنحضرت نے فرمایا تھا کہ تم نے اس کے دل کو پھاڑ کر دیکھ لیا ہے کہ وہ واقعی مسلمان تھا یا کافر اس کے اقرار مسلمانی پر یقین کرو۔ اور اس سے مسلمانوں کا سا سلوک کرو۔ خدا ہماری قوم کو ہدایت دے۔ آمین۔

> اگر یاراں کنوں بر غربتِ اسلام رحم آید
> باصحابِ نبی نزدِ خدا نسبت شود پیدا
>
> (حضرت مسیح موعودؑ)

صلح حدیبیہ ـــ بیعت الرضوان

جنگ احزاب پر قریباً ایک سال کی مدت گذر گئی۔ موسم حج قریب آیا۔ نبی کریم صلعم نے رویا میں دیکھا کہ آپؐ اپنے صحابہ سمیت خانہ کعبہ کا حج کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اب قریش اور قبائل عرب اپنا پورا زور صرف کر کے دیکھ چکے ہیں کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے اس لئے صداقت اسلام ضرور ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہوگی۔ دوسری طرف خانہ کعبہ کا حج ایک ایسا امر تھا کہ جس سے کبھی خطرناک سے خطرناک دشمن کو بھی نہ روکا گیا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کفار حج کرنے میں آپ کے مزاحم ہوں۔ سو آپ تیرہ چودہ سو کے درمیان صحابہ کے ساتھ ذیقعد سنہ ۶ ہجری میں عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ مزید احتیاط کے لئے آپ نے حکم دیا کہ جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لیا جائے۔ تاکہ قریش کے دلوں میں کسی قسم کی تشویش پیدا نہ ہو اور مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنا لیں۔ صرف تلوار اور وہ بھی نیام میں ساتھ رہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو عرب کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے عمرہ کا احرام آپؐ نے اور آپ کے ساتھیوں نے باندھ لیا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ قبیلہ خزاعہ اسلام نہ لایا تھا مگر اسلام کے حامیوں میں سے تھا۔ اس کے رئیس بدیل نے آنحضرت صلعم کو قریش مکہ کے ارادہ سے خبر دی آپؐ نے اسے قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادہ سے آئے ہیں اور بہتر ہے کہ قریش ایک مدت کے لئے ہمارے ساتھ صلح کر لیں اور خود حدیبیہ کے مقام پر جہاں ایک کنواں تھا نزول فرمایا یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

بدیل نے آنحضرت صلعم کا پیغام قریش کو پہنچایا تو تجربہ کار لوگوں کو جو دیکھ چکے تھے کہ ان کی ساری طاقت بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکی یہ تحریک پسند آئی کیونکہ خود ان کی تجارت ملک شام سے بھی رکی ہوئی تھی۔ عروہ نے کہا مجھے جا کر محمد صلعم سے گفتگو کر لینے دو چنانچہ اس نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے کچھ بات چیت کی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپؐ کوئی مصیبت پڑی تو یہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہیں گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ کو یہ سن کر غصہ آیا اور آپ نے اس کو سختی سے جواب دیا۔ اتفاق سے نماز کا وقت آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہؓ کے عشق کی یہ حالت تھی کہ آپ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عروہ اس عشق کی حالت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی۔ مگر اس اثر کو عروہ ساتھ لے گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر جو جان نثار محمد رسول اللہ صلعم کو ملے ہیں اس کی نظیر میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ایک روز قاصد قریش کے پاس بھیجا مگر اس کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک کیا کہ اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا۔ اور ایک دستہ فوج کا مسلمانوں پر ناگہاں حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ مگر خود گرفتار ہو گیا۔ آپ کی غرض چونکہ جنگ نہ تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ بالآخر حضرت عثمان رضؓ کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ جن کا مکہ میں اچھا اثر و رسوخ تھا۔ مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ مارے گئے۔ اب آنحضرت صلعم نے سمجھا کہ کفار جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ہتھیار اور سامان جنگ ساتھ نہیں۔ قریش اپنے گھر میں ہیں۔ آپؐ کے ہمراہ جمعیت بھی تھوڑی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر اس قدر یقین تھا کہ جب بار بار صلح کے پیغاموں کی پروا قریش نے نہ کی تو آخر آپؐ نے صحابہؓ سے یہ عہد لیا کہ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں گے۔ پیٹھ دکھانا مسلمانوں کا شیوہ نہ تھا۔ ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ جو بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سب لوگوں نے عہد کیا کہ اگر کفار نے جنگ کی تو ہم اپنی جانوں کو فدا کر دیں گے۔ مگر باوجود رسول اللہ صلعم پر اس قدر جان نثاری کے توحید کا اس قدر غلبہ خیالات پر تھا کہ بعد کے زمانہ میں جب لوگوں نے اس درخت کی زیارت شروع کر دی جہاں ایسا اہم واقعہ پیش آیا تھا، تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

قریش مسلمانوں کے ہاتھ تو بارہا دیکھ چکے تھے۔ ان کو جب یہ پتہ لگا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہیں تو صلح کے شرائط طے کرنے کے لئے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر ساتھ یہ قید لگا دی کہ اس سال ہم قطعاً حج کی اجازت نہ دیں گے۔ سہیل نے یہاں آ کر چند شرائط طے کیں۔ جن میں مسلمانوں کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت دی گئی۔ یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا۔ اور بڑی شرائط یہ تھیں:-

۱- مسلمان اس سال بغیر حج کئے واپس چلے جائیں۔

۲- اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔

۳- مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۴- مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو واپس کر دیں۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

۵- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں۔

معاہدہ لکھنا شروع ہوا تو اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر اعتراض ہوا کہ ہم باسمک اللّٰھم جو عرب میں مروج چلا آتا تھا لکھیں گے۔ آنحضرت صلعم نے اس کو منظور کر لیا۔ پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ مابین محمد رسول اللہ اور فلاں کے ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو یہ لڑائیاں کیوں ہوتیں۔ حضرت علیؓ نے جو معاہدہ لکھ رہے تھے عرض کیا کہ میں رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا۔ تو آنحضرت صلعم نے جگہ بتانے پر خود اس کو مٹا دیا۔ اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گذریں۔ مگر بےبس اور خاموش تھے۔ اتنے میں ابو جندل جو سہیل کے فرزند تھے اور مکہ میں اسلام لا چکے تھے اور بوجہ مسلمان ہونے کے سخت اذیت ان کو دی جاتی تھی آ پہنچے اور اپنی حالت زار رسول اللہ صلعم کو دکھائی۔ آنحضرت صلعم نے بہتیرا چاہا کہ کسی طرح ابو جندل معاہدہ سے مستثنیٰ ہوں۔ مگر سہیل نے ایک نہ مانی اور آخر آنحضرت صلعم کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابو جندل قریش کے قبضہ میں رہے۔ مگر مسلمانوں سے ابو جندل کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ ایک طرف پابندی عہد اور دوسری طرف ایک مسلمان کی ظلم و ستم سے حالت۔ آخر حضرت عمرؓ نہ رہ سکے اور

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۱)

سلسلہ مضمون مندرجہ پیغام صلح ۱۱/۲ صفحہ ۶

بسلسلہ تربیتِ شبان

سکندر لودھی بادشاہ نے

شریعت کے سامنے سر جھکا دیا

ایک دفعہ سکندر لودھی سے کسی نے کہا کہ تھانیسر کے مقام پر ایک بہت بڑا مندر ہے جہاں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ چونکہ سکندر اسلامی تعلیمات سے نا واقف تھا اس نے خیال کیا کہ ایسے مندر کو تباہ کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہوگا۔

جب دربار کے ایک عالم کو بادشاہ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے عرض کیا:۔

"اے بادشاہ! سن! ہمارا مذہب ہمیں غیر اقوام کے معابد تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے آپ ایسا ارادہ ترک کر دیں"

جب بادشاہ نے یہ سنا وہ ناراض ہوا اور بڑے غصے کے لہجہ میں اس عالم سے کہا کہ تم ایک مسلمان عالم ہو کر بتوں کی حمایت کرتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو قرآن شریف سے یا حدیث سے اس کی سند پیش کرو۔

اس عالم نے کہا حضور عالی! آپ کو صرف دوسروں کی عبادتگاہوں کو تباہ کرنے سے ہی روکا نہیں گیا بلکہ ان کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اس لحاظ سے ایک مسجد ایک مندر ایک گرجا ایک ہی حکم میں ہیں۔ بحیثیت ایک مسلمان کے آپ کو دوسرے مذاہب کے حیات کی عزت ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی عالم موصوف نے قرآن شریف سے وہ آیت پڑھ کر سنائی جس میں غیر اقوام کے معابد کی حفاظت کا حکم ہے۔ نیک دل بادشاہ یہ حکم سن کر خاموش ہو گیا اور مندر کے تباہ کرنے کا خیال بالکل چھوڑ دیا۔

مسلمان بادشاہوں پر غیر اقوام کے لوگ الزام لگاتے رہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے مندر گرائے۔ مثلاً اورنگ زیب عالمگیر پر یہی الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے فلاں مندر گرایا، یہ سب غلط باتیں ہیں جو متعصب لوگوں نے مشہور کر رکھی ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر بہت بڑا عالم دین تھا اس کو خوب معلوم تھا کہ غیر اقوام کے معابد کی حفاظت ایسی ہی ضروری ہے جیسی مساجد کی۔ اس لئے اس پر جو الزام لگایا جاتا ہے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ مغل بادشاہوں نے ہندوستان میں تین سو سال تک حکومت کی ہے۔ انہوں نے اپنی ہندو رعایا سے جو نیک سلوک کئے ہیں ان کی تاریخ گواہ ہے۔

مسلمانوں کی رواداری ایک تاریخی چیز ہے

لیکن جو لوگ متعصب ہیں اور مسلمانوں سے دشمنی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، ان کا کیا علاج۔

شاہانِ اسلام کی عدل گستری

الحکم، شاہ سپین اور ایک بیوہ

الحکم، سپین کے مقتدر خلفاء میں سے تھا۔ اس نے اپنا ایک محل تعمیر کروانا چاہا۔ اس غرض کے لئے اس نے ایک جگہ منتخب کی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس جگہ ایک بیوہ بڑھیا نے اپنی جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ خلیفہ نے بڑھیا سے کہا کہ یہ جگہ قیمتاً دے دو اور اصل قیمت سے جس قدر زیادہ مانگو گی دی جائے گی۔ مگر بڑھیا اس قسم کی ضدی واقع ہوئی تھی کہ باوجود خلیفہ کے اصرار کے نہ مانی۔ بالآخر خلیفہ نے زبردستی وہ جگہ لے لی۔ اور اس پر اپنا محل تعمیر کروانا شروع کر دیا۔

بڑھیا بہت سٹ پٹائی۔ وہ جانتی تھی کہ عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلامی عدالت اس سے بے انصافی نہیں کرے گی۔ وہ قاضی کے پاس گئی اور اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ اور انصاف چاہا۔ قاضی نے اس کی ساری داستان سنی اور اسے یقین دلایا کہ جہاں تک ہو سکے گا وہ اس کا حق اس کو واپس دلوانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن وہ خلیفہ کی طبیعت سے بھی واقف تھا۔ اس نے سوچا کہ انصاف کا کوئی ایسا طریق اختیار کیا جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

ایک دن جبکہ خلیفہ محل کی تعمیر کا کام ملاحظہ کر رہا تھا۔ قاضی ایک گدھا لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اور خلیفہ سے عرض کیا کہ حضور اس گدھے کے بوجھ کی مٹی یہاں سے لینے کی اجازت دیں۔ خلیفہ نے فوراً اجازت دے دی۔ جب قاضی نے مٹی سے بورا بھر لیا تو خلیفہ سے کہا کہ ذرا میرے ساتھ مل کر یہ بورا گدھے پر رکھوا دیجئے۔

بادشاہ پہلے ہی حیران ہو رہا تھا کہ قاضی صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ خود مٹی کا بورا لینے کے لئے یہاں آئے۔ جب قاضی نے مٹی کا بورا گدھے کی پیٹھ پر رکھوانے کے لئے کہا تو وہ اور بھی متعجب ہوا مگر پھر بھی آگے بڑھا اور بورے کو گدھے پر رکھوانے میں قاضی کی مدد کی۔ بورا اس قدر بھاری تھا کہ باوجود دونوں کی کوشش کے گدھے پر رکھا نہ گیا۔ جب خلیفہ تھک کر بیٹھ گیا تو قاضی نے سوچا کہ اب بات کرنے کا موقعہ ہے۔ اس نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"آپ نے دیکھا کہ مٹی کا یہ بورا دوسرے کی مدد کے ساتھ بھی آپ نہیں اٹھا سکے۔ یہ اس زمین کا ایک نہایت ہی تھوڑا سا حصہ ہے اب آپ فرمائیں کہ اس دن آپ اس قدر زمین کا بوجھ کیونکر اٹھا سکیں گے جس میں خدا خود عدل گستری پر بیٹھے گا اور سب کی حق رسی کریگا اس دن کسی کے رتبہ، کسی کی شان کا لحاظ نہ کیا جائیگا"

خلیفہ کے دل پر قاضی کی اس بات سے ایسی چوٹ لگی کہ وہ سارا محل اس بڑھیا کے حوالے کر دیا۔ اور وہ تمام باغات وغیرہ بھی اس کو دے دیئے جو محل کے ساتھ ملحق تھے۔

اظہارِ تعزیت

محترمہ بیگم صاحبہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سن کر جماعت احمدیہ شہر سیالکوٹ میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کی رحلت سے احمدی طبقۂ نسواں میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ایسی بزرگ ہستیوں کا ظہور کبھی کبھار ہوا کرتا ہے۔ قوم کو ان کی وفات سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو فردوس بریں میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(مرسلہ: برکت اللہ راٹھور۔ سیالکوٹ)

قرآن پاک تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے لائحہ عمل ہے۔

تقوے اور خدا خوفی سے زندگی بسر کرنا خدا کا مقبول بنا دیتا ہے

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۱۸ر نومبر ۱۹۷۷ء ۔ فرمودہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ ۔ مسجد جامع احمدیہ ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون .... وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ٥ (سورۃ بقرہ: ۲۱ تا ۲۳)

اللہ تعالےٰ نے ان قرآنی آیات میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے ۔ چونکہ وہ زمین و آسمانوں کا مالک ہے اس لئے اس نے تمام انسانوں کو پکارا ہے، اور قرآنِ پاک تمام لوگوں کے لئے ہے۔ خواہ وہ مشرق میں بستے ہوں خواہ مغرب میں سکونت پذیر ہوں ۔ کیونکہ یہ مشرق و مغرب بھی خدا کی ہی ملکیت ہے للہ المشرق والمغرب قرآن سب کے لئے ایک نعمت ہے۔

انسان کا وجود سب مخلوق سے اشرف و افضل پیدا کیا گیا ہے ۔ اس کے وجود کی بقاء اور احیاء کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ تمام نظام برپا کیا ہے۔ زمین و آسمان کے نظام کے باہمی ربط و ضبط سے انسان کی خوراک لباس، آرام و آسائش مہیا کیا گیا ہے ۔ اور انسانی کی روحانی اور اخلاقی نشو و نما و بالیدگی کے لئے قرآن پاک جیسی نعمت عطا کی ہے تاکہ انسان اپنے مراتب اخلاق کو بلند کر سکے اور خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کر سکے، اور قرآنی قواعد و ضوابط پر عمل پیرا ہو کر تقوی اللہ کا مقام حاصل کر سکے ۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالےٰ کے تقوے کو اپنے دل و دماغ میں پروان چڑھائے ۔ جب اللہ کا تقویٰ انسان کے قلب میں جاگزین ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو حاصل کر کے خدا کا مقبول بن جاتا ہے ۔

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے احکام کے مطابق ایک قوم پیدا کی جو تقوی کی راہوں پر گامزن ہو کر خدا کی رضا حاصل کرنے والی بن گئی اور خدا تعالیٰ نے انہیں رضی اللہ عنھم و رضو عنہ کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔

تقویٰ کیا ہے ۔ یہ کہ جس طرح ساری مخلوق خدا تعالےٰ کے احسانوں سے مستفید ہو رہی ہے تم بھی اس صفتِ الٰہی کو اپنا کر کمزوروں پر احسان کرو ۔ اور تمہارے احسان سے یعنی خبر گیری اور مدد سے کوئی جاندار بھی محروم نہ رہے ۔ حدیث میں ہے الخلق عیال اللہ ۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے ۔ اور تمہارے باہمی ایک دوسرے پر حقوق ہیں ۔ لہذا حقوق کو ادا کرو ۔ اور مخلوق کی ہمدردی کا حق بھی ادا کرو ۔ تاکہ تم خدا کے انعامات کے وارث ٹھہرو اور خدا سے ہر لحمہ ڈرتے رہو ۔ اور خدا سے ڈر کر زندگی بسر کرنا ہی خدا کے فضل اور رحمت کو جذب کرتا ہے ۔

حضرت مجدد صد چھاردھم علیہ السلام نے بھی خشیۃ اللہ پر زور دیا ہے کہ اس سے انسان خدا کا پیارا بن جاتا ہے اور مقبول بارگاہ ہو جاتا ہے ۔

صفات الٰہی کا رنگ پکڑو ۔ تمہاری کمائی میں غریبوں کا حق ہونا چاہیئے ۔ جس طرح خدا اپنے بندوں کا قصور معاف کرتا ہے اپنے اندر معاف کر دینے کا جذبہ پیدا کرو ۔ یہ بات خدا خوفی کے بر خلاف ہے کہ تمہارے دلوں میں کدورتیں ہوں ۔ کینہ پروری کے جذباتِ رذیلہ موجود ہوں ۔ خدا کو تمہارے حج، روزہ، نماز، قربانی، زکوٰۃ و خیرات کی کی حاجت نہیں اور نہ وہ تمہاری عبادت کا محتاج ہے ۔ یہ چیزیں تو اخلاق فاضلہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں ۔

اگر ان اعمال کے باوجود تم میں اعلےٰ اخلاق پیدا نہیں ہوتے تو وہ اعمال عبث اور بے سود ہیں ۔ چاہیئے کہ ان اعمال سے تمہارے اندر اعلےٰ اخلاق پیدا ہوں اور ان اعلیٰ و ارفع اخلاق سے تم مخلوق کے لئے ایک رحمت و رافت کے مجسمے بن جاؤ ۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اسی غرض یعنی انسانوں کو اعلیٰ اخلاق سکھانے کے لئے مبعوث ہوا تھا ۔ اس لئے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل طور پر اختیار کر کے اعلےٰ اخلاق اور تقوے کے حامل بن جاؤ۔

حضرت مجدد مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نبی اکرم صلعم کی کامل پیروی و اتباع انسان کے باخدا بننے کے لئے نہایت ضروری ہے ۔ اور اس پیروی سے انسان باخدا بن جاتا ہے ۔ اور اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر انسان اخلاق و اعمال میں ترقی حاصل نہیں کر سکتا۔

نبیٔ اکرم صلعم کا وجود مینارۂ نور ہے جس کی روشنی ظلمت و کفر اور شرک و بدعات کو بھگا دینے والی ہے ۔ اور انسان گناہ کی تاریکیوں سے نکل کر انوار و تجلیاتِ ربانی سے بہرہ ور ہو جاتا ہے ۔ پس تم باخدا بننے کی کوشش کرو ۔ اور اس بلند مقصد اور اعلیٰ نصب العین کے مطابق اپنے عمل میں بہتری اور کیریکٹر میں بلندی پیدا کرو۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی خدائی صفات کا اظہار ہے انسان خلیفۃ اللہ ہے ۔ اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرو ۔ جس پر نفس غالب آگیا وہ نامراد رہ گیا اور جس نے اس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب و بامراد ہو گیا ۔

تم اپنے پروردگار کی صدق دل سے عبادت کرو ۔ اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کرو ۔ فانزلہ من السماء ماءً ۔ کیا وجہ ہے کہ پانی تو پیتے جاؤ ۔ مگر اس پانی کے اتارنے والے کو بھول جاؤ ۔ قسما قسم کے پھل اور میوے ۔ ترکاریاں اور غلہ کھاتے رہو اور اس کا شکریہ ادا نہ کرو ۔ تم ان سب نعماء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس محسنِ حقیقی کو ضرور یاد رکھو ۔ جس کے بے پایاں احسانات نے تمہیں یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے ۔

اے میرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بے نظیر
جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار
(حضرت مسیح موعودؑ)

دینِ اسلام کا فتح نصیب مناظر پہلوان

حضرت مولنا عبدالحق ودیارتھی کی وفات حسرت آیات

آپ کی یادگار میں قرآنی ریسرچ اکیڈیمی کا قیام

جماعت احمدیہ لاہور کی بنیادی ضرورت

"لوگ کہتے ہیں کہ جماعت نے کچھ کام نہیں کیا!
میں کہتا ہوں جماعت نے عبدالحق پیدا کیا"۔

یہ الفاظ حضرت امیر مرحوم نے حضرت مولنا عبدالحق صاحب ودیارتھی کی خدماتِ جلیلہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمائے تھے گویا جماعتِ لاہور کی عالم اسلام کیلئے اعلیٰ خدمات خواہ وہ بذریعہ بلندپایہ تصنیفات ہوں یا بذریعہ مبلغینِ جماعت۔ اپنی جگہ قابلِ تحسین سہی مگر وہ کارنامہ جو دوسری تمام سرگرمیوں سے بلند تر ہے وہ ایک ایسی شخصیت کا اس جماعت کا ہونا ہے جس کی مثل کوئی جماعت پیش نہیں کر سکتی اور آج ہم کس دل سے اور کس زبان سے یہ خبر آپ کو سنائیں کہ وہ متاعِ عزیز گنجِ گرانمایہ، مخزنِ علم و فضل عالم بے بدل، یکتائے روزگار مناظرِ اسلام ۱۸ نومبر کی شب کو نو بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر ہم سے رخصت ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ نہ صرف چوٹی کے کامیاب مناظر اسلام تھے جن کے مقابل کوئی آریہ اور نہ کوئی عیسائی مناظرہ کرنے کی جسارت رکھتا تھا بلکہ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے قرآنی علوم کے "ریسرچ ورکر" محقق بھی تھے۔ آپ نے ساہا سال کی عرقریزی اور تحقیق سے ایک نادر کتاب اردو اور انگریزی میں تصنیف فرمائی جس کا نام "میثاق النبیین" ہے اور جس میں تمام دیگر ادیان کی کتب مقدسہ کے حوالوں سے یہ ثابت کر دکھلایا کہ دیگر تمام ادیان کے بانیوں نے آنحضرت صلعم کی نسبت پیشگوئیاں کی تھیں اور جنہوں نے جو علامات اس نبیٔ عالم کی بابت کی تھیں وہ کس طرح آنحضرت صلعم کی ذات کے واقعات میں پوری ہوئیں۔ یہ ایک ایسا نادر تحقیقی کا[illegible] ہے جس سے مولانا صاحب مرحوم کا نام [illegible] یادگار رہے گا۔ جماعت احمدیہ لاہور کا نظام بھی اگر دائمی زندگی برقرا[illegible] چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآنی علوم کی تحقیق و تدقیق کے لئے اعلیٰ پیمانہ کی ریسرچ انسٹیٹیوٹ قائم کرے۔

صلح حدیبیہ ——— بقیہ صفحہ ۹

مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی بارگاہ نبویؐ میں کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ رسول برحق نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا بے شک ہیں۔ عرض کیا پھر دین میں ہم پر ایسی ذلت کیوں ڈالی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ پھر عرض کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم حج کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ یہی باتیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کیں اور وہی جواب حضرت ابوبکرؓ نے دیا کہ رسول اللہ صلعم جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

حضرت ابو جندل کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہم عہد کی پابندی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کافروں کے ساتھ عہد کی عزت ہے۔ آپؐ نے ابو جندل کو سمجھایا کہ اللہ تعالےٰ تمہارے لئے بھی کوئی راہ کھول دے گا لیکن ہم شرائط کے خلاف نہیں کر سکتے۔

واپسی پر رسول اللہ صلعم پر سورۃ فتح نازل ہوئی جس کی شروع کی آیات کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: کہ ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے جس کو مسلمان ذلت کی صلح سمجھ رہے ہیں۔ اس کو اللہ تعالےٰ اسلام کی کھلی فتح قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو یاد فرمایا آپ ڈرتے ہوئے گئے کہ بارگاہِ نبویؐ میں گستاخی کی سے کوئی عتاب نہ نازل ہوا ہو۔ مگر وہاں مژدہ تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا یہی صلح فتح مبین ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر کون مسلمان تھا جو اس کو فتح یقین نہ کرتا۔ سب لوگ یا تو اس کو اپنی سخت ذلت

بیگم صاحبہ حضرت مولنا محمد علیؒ کے سانحۂ ارتحال سے متاثر ہو کر

——— محمد صالح نور

نقوشِ رفتگاں اب رفتہ رفتہ مٹتے جاتے ہیں
نشانِ منزل کا دے دے کر وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں

چراغوں میں تھی جن کے دم قدم سے روشنی اب تک
ہمیں وہ کیوں اندھیروں کے حوالے کرتے جاتے ہیں

جنہوں نے اک زماں تک انجمن کو روشنی بخشی
وہ شمعیں بجھتی جاتی ہیں وہ ساقی اٹھتے جاتے ہیں

کدھر کو چل دیا کوئی چمن کی رونقیں لے کر
عصافیرِ گلستاں نوحہ خوانی کرتے جاتے ہیں

خدایا فضل سے غمگیں دلوں کو آسرا دینا
دکھوں سے گھٹتے جاتے ہیں غموں سے بجھتے جاتے ہیں

چراغوں سے چراغوں کو جلا کر روشنی رکھ لو
وگرنہ جانے والے شہر خالی کرتے جاتے ہیں

ابھی تو ہم ضرورت مند تھے اس ٹھنڈی چھاؤں کے
کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں بدل ہم ایسی ماؤں کے

هفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۴۷

احمد سعید [illegible] پریس [illegible] باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ٦٤ | یوم چہارشنبہ ۳ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۵۰

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد

جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے ذیل کا اعلان شائع کیا تھا جس کی طرف ہر فرد جماعت کو خاص توجہ کرنا اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنا ضروری ہے :—

" تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولا کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے - اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو - لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے - تا اگر خدا تعالےٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے - سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ یہ توفیق بخشے - اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے - کیونکہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ، ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی - اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے - چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کے لئے بڑی تکلیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے اوپر روا رکھ سکیں - لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جن میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت وعدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں - سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد........ آئندہ اگر ہماری زندگی میں آ جاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہیگا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی - اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتۂ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا - اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ ربّ العزت جلشانہٗ میں کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ہوتے رہیں گے ـ"

(ایک اعلان ۳۰ دسمبر ۱۸۹۰ء)

اجتماعی رُوحانیت بڑی مفید چیز ہے

ہمارا سالانہ جلسہ ایک امرِ جامع ہے

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم و مغفور کا ایک دلکش مضمون

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں سے ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے مبدّل ہو جاتی ہے۔ کسی جماعت پر اگر چور یا ڈاکو حملہ کریں۔ تو طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی رُوحانیت کا انسان نہ ہو اس کی تنہائی اس کی رُوحانیت کے لئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سُستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد[4] میں ہونا چاہیئے۔

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے ربّ کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حِصّہ باجماعت کر دیا تاکہ ربّ کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اُٹھا سکے اور اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا مانگتے وقت برگزیدگانِ الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دُعا بھی شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپ سب خُدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتیں۔ آپ کے ایک بھتیجے تھے انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ سب کچھ خُدا کی راہ میں دے دیتی ہیں۔ ہمارے لئے پیچھے تو کیا چھوڑیں گی۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت رنج ہوا اور اپنے بھتیجے کی اس حُبِ دُنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھُسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی۔ لیکن چونکہ مکان میں داخلہ ہی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی جب اس نے آنا چاہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھُسو۔ اس نے بعض صحابہؓ سے عرض کی۔ انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ ان میں وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت اندر آنے کی دے دی اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہ رض نے سفارش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ ردّ کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالےٰ کے حضور میں جو جماعت کھڑی ہوتی ہے۔ اس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ ان نیکوں کی دُعا کے ساتھ بدوں کی دُعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ دُعا ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دُعا ہوتی ہے۔ اس کو شیخ سعدی صاحب نے اس طرح فرمایا ہے ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم + بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرفِ باریابی پا جاتے ہیں۔ جس طرح خُدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھُولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں رُوڑی پر بھی برس جاتی ہے۔ اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز۔ جماعت کی دُعا۔ جماعت کے ساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں جو فضلِ ربّی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے۔ تو چھوٹے اور بڑے، نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت زور سے اپنی جماعت کے لئے سالانہ جلسہ کی بنیاد رکھی۔ اور ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو ایک اعلان کے ذریعے اس جلسہ کی اہمیت کو اپنے دوستوں کے ذہن نشین کرنا چاہا۔ فرماتے ہیں:—

" اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف یا کمی مقدرت یا بُعدِ مسافت یہ میسّر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کے لئے آوے لہذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جاویں۔ جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں...... حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربّانی باتوں کے سننے کے لئے اور دُعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزّت جلشانہ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے......"

حضرت اقدسؑ کی زندگی میں تو اس روحانی جلسہ کی اہمیت جو کچھ تھی وہ حضرت کے اس اعلان سے ظاہر ہے۔ وہ کمی جو حضرت اقدس کی صحبت میں بار بار حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے جماعت کے بعض افراد میں رہ جانے کا احتمال تھا اس کی اس روحانی جلسہ کے ذریعہ آپ نے تلافی کرنی چاہی تھی۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی صحبت کا فیض جب جماعت سے بکلی منقطع ہو چکا تو ظاہر ہے کہ اس جلسۂ روحانی کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تاکہ احباب باہم ملنے سے ایک دوسرے کی رُوحانیت اور صحبت سے فائدہ اُٹھائیں۔

مولانا نورالدین مرحوم اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ میں کچھ عرصہ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا کئی دن کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ کبھی قصائی کی دکان پر گئے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر اسی سوال کو دُہرایا اور بار بار دُہرایا۔ میں حیران رہ گیا۔ تنہائی میں میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس سوال سے حضور کا مقصد کیا ہے؟ فرمانے لگے کہ قصائی کی دکان پر اگر گئے ہو تو دیکھا ہوگا کہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی چھریوں کو ایک دوسرے سے رگڑ لیتا ہے تاکہ جو زنگ ان پر چڑھ جاتا ہے آپس کی رگڑ سے دُور ہو جائے۔ اسی طرح مومن کے قلب پر ہمہ وقت غفلت اور کسل اور طرح طرح کے وساوس شیطانی کا زنگ چڑھتا رہتا ہے

[4] مومنین کے آپس میں ملتے رہنے سے ان کی رُوحانیت کی باہمی رگڑ سے وہ زنگ اُتر جاتا ہے اس لئے ایک مومن کو دوسرے مومن سے بار بار اور جلد جلد ملتے رہنا

دینِ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی سب سے بڑی ضرورت

قرآنی تعلیم اور سنّت رسول پر عمل پیرا ایک جماعتی تنظیم

جماعتی وحدت کا راز

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۹؍۱۲؍۷۷ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بمقام جامع دار السلام لاہور

(مرتبہ: ابوسلمان۔ ایم اے)

قال اللہ تعالیٰ: الحق من ربك فلا تكونن من الممترين ولكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات۔ اين ما تكونوا يأت بكم الله جميعاً۔ ان الله على كل شئ قدير۔ (البقرہ)

میں نے یہ دو آیتیں قرآن کریم کی سورت شریفہ البقرہ سے تلاوت کی ہیں۔ فرمایا کہ قرآن کریم کی آیات تیرے ربّ کی طرف سے صداقت ہیں تو ان میں شک کرنے والا نہ ہو۔ ہر فرد۔ معاشرہ اور قوم و جماعت کا کوئی نہ کوئی مقصد اور نصب العین ہوتا ہے۔ چنانچہ اے مسلمانو تمہارا بھی ایک مقصد اور نصب العین ہے اور وہ ہے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنا۔ جہاں کہیں بھی تم ہوگے، خدا تمہارے اندر وحدت پیدا کر دے گا۔ کیونکہ خدا کی ذات ہر شئے پر قدرت رکھتی ہے۔

میں آج اس موقعہ پر آپ کی توجہ دو باتوں کی طرف مبذول کراؤں گا۔ پہلی بات تو آیت تلاوت کردہ کے بارے میں ہے۔ کہ ہر فرد۔ جماعت اور قوم کا کوئی نہ کوئی مقصد اور نصب العین ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ تمہارا مقصد ایک دوسرے سے نیکیوں میں بڑھنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اندر وحدت پیدا ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کا ازلی اور ابدی قانون ہے۔

دوسری بات بالخصوص ان بچوں کو سنانے کے لئے ہے جو یہاں موجود ہیں۔ اس کا تعلق حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت کے چند واقعات سے ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک تحریک جاری کی۔ اس زمانہ میں اس تحریک کے اجرا کا مقصد یہ تھا جو میں نے آیت تلاوت کردہ میں بیان کیا ہے۔ یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنا۔ آپ کو بڑا لطف آئیگا اگر مقابلہ کریں کہ جب نیکیوں میں سبقت لے جانے کی رَو پیدا ہو جائے تو باہمی محبت و وحدت اور الفت و مودت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور اس سے باہمی اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب مقصد یہ ہو جو آج کل نئی تہذیب نے دیا ہے، اور یہ تہذیب جو اب میرے نزدیک پرانی اور لایعنی ہوتی جا رہی ہے یا ہو جائے گی کہ دولت و اقتدار پر قبضہ کرنا ہے۔ تعیش پسندی اور عیش کوشی اختیار کرنی ہے تو ایسی صورت میں تنازعہ، فساد، جھگڑا اور حسد و بغض اور جلن اور کڑھن پیدا ہوتی ہیں۔ دشمنی اور عداوت جنم لیتی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قوموں اور ملکوں میں اس وقت جو فساد اور تنازعہ ہے اس کی بنیادی وجہ اور جڑھ یہی امر ہے اور افراد میں بھی آپس میں جو تنازعہ اور شکر رنجی پیدا ہوتی ہے اس کا سبب بھی یہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ دنیاوی فائدہ مجھے حاصل ہو، اور اقتدار میرے ہاتھ میں آئے جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ دولت و اقتدار مجھے حاصل ہو۔ تو مادی تہذیب کے اندر ہی فساد اور جھگڑا مضمر ہے۔ تنازعہ پوشیدہ ہے۔ اور دوسری تہذیب جس کو میں سچی اسلامی تہذیب کہتا ہوں اس نے نیکیوں میں سبقت کو رواج دیا ہے۔ جس کا نتیجہ لازماً باہمی اتحاد و محبت ہے۔ تو یہ حرص اور ہوس جو پیدا ہوتی ہے اس کا لازمی نتیجہ باہمی شکر رنجی، عداوت اور دشمنی کا پیدا ہونا ہے۔ اس کے برعکس اگر نیکی مقصد ہو، ایک دوسرے کی خیر خواہی مطلوب ہو، اخلاق عالیہ کو رواج دینا ہو، اور رضاء الٰہی کا حصول مدِ نظر ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ محبت اور مودّت ہے۔ اس سے حسد پیدا نہیں ہوتا۔ حسد تو ایک برائی ہے۔ اگر میں اپنے بھائی سے نیکیوں میں سبقت کی رَو میں مقابلہ کروں تو اس مقابلہ اور مسابقت میں حسد نہیں آ سکتا جیسا کہ مادی تہذیب کی جد و جہد میں حسد پیدا ہونا لازمی ہے۔

جب کوئی ایک شخص مال و دولت میں بڑھ جاتا ہے تو ایک طرف تو حرص بڑھتی جاتی ہے اور دوسری طرف حسد و انتقام جنم لیتا ہے۔ لیکن نیکیوں کی دوڑ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ کا قصہ میں آپ کو اس امر کی وضاحت کرنے کے لئے بیان کرتا ہوں۔ ان بزرگ کے چند شاگرد تھے۔ ان میں سے بعض تو رات کو عبادت الٰہی میں مصروف رہے جبکہ دوسرے سوتے رہے۔ اگلی صبح ان بزرگ کو نماز میں مشغول اصحاب نے بتایا کہ ہم تو رات کو نماز پڑھتے رہے اور وہ لوگ سوتے رہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ان بزرگ نے جو جواب دیا اس کے اندر ایک کمال کی بات نظر آتی ہے۔ فرمایا کہ رات کو نماز اور عبادت کرنے کی وجہ سے تم افضل تھے مگر اب وہ تم سے افضل ہیں۔ تو نیکیوں کے اظہار کے اندر بھی تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ضائع اور زائل ہو جاتی ہیں۔ یہ قصہ کس قدر حکمت کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ فرمایا فلا تكونن من الممترين۔ شک نہیں کرنا یہ یقینی، قطعی اور سچی باتیں ہیں۔ لاریب فیہ۔ ان میں کوئی شک نہیں ہے۔

قطعیت اور یقین کلی پیدا کرنا قرآن کریم کی تعلیمی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ ترقی اور کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اس لئے قرآن کریم کے آغاز میں ہی فرمایا ذالك الكتاب لاريب فيه۔ یہ کتاب اس صداقت اور ہدایت پر مشتمل ہے کہ اس کی کسی بات میں شک نہیں ہے۔ آج کا آدمی کہے گا کہ قرآن تو انسان کو اندھا اور مقلد بنانا چاہتا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اس کی بات پر عمل کئے جاؤ۔ یہ بات ایسے نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم جو کچھ کہتا ہے اس کے دلائل اور براہین بھی ساتھ ساتھ دیتا ہے۔ بالکل آنکھ بند کر کے یقین پیدا کرنا قرآن کا مقصد نہیں ہے تاہم کیفیت یہ پیدا ہونی چاہیئے، کہ ایک مسلمان کو قرآنی تعلیمات اور فرمودات پر کسی قسم کا شک نہ ہو۔

قرآن کریم میں جو ہدایت کی باتیں ہیں وہ آخرت کے متعلق ہیں، اعمال کے نتائج کے بارے میں ہیں، اگر ان کے بارے میں کسی قسم کا شک ہے تو ان پر کسی صورت میں عمل ممکن نہیں ہے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم شک کرتے ہیں کہ اگلا جہان ہوگا بھی یا نہیں۔ وہاں کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا وغیرہ۔ اس سے عمل کی بنیاد اور استعداد ختم ہو جاتی ہے۔

مادی و نفسانی مقاصد باعثِ فتنہ و فساد ہوتے اور للّٰہی اغراض باعث اتحاد ہوتی ہیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو جماعت تیار کی اس کا مقصد ہی یہی تھا کہ ایک دوسرے سے نیکیوں میں بڑھو اور یہ ٹھیٹھ اسلامی تہذیب تھی اور یہ مادی تہذیب کے بالکل مخالف تھی اور قرآنی تعلیم کے عین مطابق تھی۔ لیکن ہم نے عملاً مادی تہذیب کو سہارا دیا اور اس کو اختیار کیا ہوا ہے۔ میں وضاحت کے لئے اپنی حالت کے متعلق تھوڑا سا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت ایسی ہونی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو سلطنت ملی۔ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اس کا کیا ردّ عمل ہوا؟ انگریزی حکومت میں ہمارے جو بچے کھچے اسلامی اخلاق تھے اب وہ بھی ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہم گلے پھاڑ پھاڑ کر پکارتے یہی رہے کہ اسلامی

حکومت قائم ہوگئی ہے اَب قرآن اور اسلام کی حکمرانی ہے لیکن ہمارے قلب و نظر میں اسلام اور قرآن نہ سمایا - ہماری نیات وہی رہیں ہمارا مطمح زندگی وہی مادی رہا کہ ہم نے مال و اسباب میں ایک دوسرے سے بڑھنا ہے - اقتدار اور اختیار میں آگے نکلنا ہے - پاکستان کی مختصر تاریخ میں جو آپ نے سیاسی کشمکش کے کئی دور دیکھے ہیں یہ اسی مطمح نظر کا نتیجہ ہے :-

زباں سے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

گزشتہ مارچ میں الیکشن ہوئے - اس سے قوم میں اطمینان پیدا نہ ہوا - تو سیاسی پارٹیوں نے مذاکرات کی صورت پیدا کی - یہ مذاکرات ناکام ہوگئے - یہ کیوں ناکام ہوگئے ؟ آپ غور کریں کیا اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ قوم کو خوشحال بنایا جائے اور غریب طبقہ کی حالت سدھاری جائے - تو پھر صلح کیوں نہ ہوئی : صرف اختیار و اقتدار پر قبضہ میں اختلاف تھا - ایک پارٹی چاہتی تھی کہ اختیار و اقتدار ... ہم بلاشرکت غیرے قابض ہوں - جبکہ دوسری پارٹی چاہتی تھی کہ ... ہوتا ہے اختیار و اقتدار ... فلاں کو ... وغیرہ - دیکھا آپ نے اصل متنازعہ ... اختیار کا ... اقتدار اور اختیار کے پس منظر میں زر اور زور کی کار... ہوتی ہے ... بھی ایک نشہ ہے - اقتدار بھی ایک نشہ ہے اس ... ہے - آپ نے اشتہارات میں پڑھا کہ ... اقتدار ... کے حصول کے لئے کیا کیا ذرائع اور وسائل سے کام لیا ... - اور ... لئے کیا کیا روک اور رکاوٹ کھڑی کرتی ہیں - ان سے جان و مال کے لئے کیا کیا خطرات کھڑے کر دیئے جاتے ہیں -

لیکن کیا ہم نے بھی اس غرض کو جس کے لئے جماعت احمدیہ قائم ہوئی شعوری طور پر اختیار کیا اور اس کو پورا کیا ؟ ! جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے قیام جماعت کی غرض یہی تھی کہ نیکیوں میں مسابقت ... لیکن مجھے معاف کیا جائے اس حقیقت کے اظہار سے کہ ہمارے نظام نے اس غرض کو شعوری طور پر اختیار نہیں کیا اور ہمارے سامنے اور مقاصد رہے - میں نہیں کہتا کہ وہ مقاصد اچھے نہ تھے - لیکن ان مقاصد سے وہ کامیابی مقدر نہ تھی اور نہ وہ کامیابی حاصل ہوئی - جو غرض قیام کو سامنے رکھ کر حاصل ہو سکتی تھی -

میرے پاس اگر وقت ہوتا تو میں حضرت صاحب کے بیشتر حوالوں سے بیان سے بتاتا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے قیام جماعت کا مقصد اوّل ایک دوسرے سے نیکیوں میں بڑھنا ہے - حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ جب تک جماعت ایمان و عمل میں ایک دوسرے پر سبقت کرتی رہے گی تب تک ٹھیک رہے گی لیکن اگر اس مقصد کو بھلا دیا گیا، یا یہ مقصد ہمارے سامنے نہ رہا تو

ایک صداقت پسند و پاکباز معاشرہ کی حاجت -

حضرت صاحبؑ کے فرمودات سے میں آپ کو چند سطور سناتا ہوں - آپ فرماتے ہیں :-

" میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو - اور خدا پر حقیقی ایمان لائے اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشاء پورا ہو - پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں - کیونکہ ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا - مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے - لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے - پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا "

(ملفوظات - ماخوذ از تفہیمات احمدیہ - صفحہ ...)

زندگی کا عملی نمونہ باعث اصلاح بنتا ہے نہ کہ محض تقاریر و تحریر -

حضرات! آپ نے توجہ فرمائی کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دشمن کے مقابلہ کے لئے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک دلائل و براہین کا اور دوسرے جماعت کے نمونہ کا تا کہ اس نمونہ سے دوسرے لوگ ہدایت پائیں - ہم دلائل پہ دلائل اور براہین پہ براہین تو دیتے چلے گئے - لیکن جماعت بندی پر توجہ نہ دی - ایسی جماعت کے قیام پر جس کا مقصد مسابقت فی الخیر ہو -

میرے محترم بزرگو! یہ اندازِ فکر منفی ہے - یہ طریق عمل ناقص ہے اور نقصان دہ ہے - باہر کی مخالفتیں کچھ نہیں کر سکتیں - اندر کی مخالفتیں بڑی خطرناک بیماری ہیں - جو فرد اور قوم کو گھن کی طرح چاٹ چاٹ کر ختم کرتی رہتی ہیں - قرآن کریم نے فرمایا

اگر تمہارا قدم ہدایت پر ہے تو پھر تمہیں باہر کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی - تمہارے اپنے قدم صحیح ہونا چاہئیں - فرمایا علیکم انفسکم ہمیں تو فکر یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارا اپنا قدم کدھر جا رہا ہے -

میں عرض کرتا ہوں کہ جماعت احمدیہ نے نیکی کے بہت سے کام کئے ہیں اور کر رہی ہے - لیکن نیکی کا سب سے بڑھ کر بنیادی کام یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جو نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے والی ہو - جیسے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں قائم ہوئی تھی - حضرت مسیح موعودؑ کا نصب العین یہ تھا اور اس میں وہ کماحقہٗ کامیاب ہوئے - لیکن آپ کے بعد کیا حالت ہوئی آپ سب جانتے اور دیکھتے ہیں - ظاہر ہے وہ مقصود اور نصب العین ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا حالانکہ ہمارا نصب العین ہی اوّل و آخر یہی ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ غیر شعوری طور پر ہی نیکی کرنا ہے بلکہ نیکی میں قدم مارنا ہے اور اس راہ میں آگے بڑھنا ہے -

اس موقعہ پر میں آپ کو علامہ اقبالؒ کے ایک بیان کا حوالہ دیتا ہوں - انہوں نے ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک علمی اجتماع میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ :-

" اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا

ہو تو اس فرقہ کی شکل میں ملے گا جو قادیان میں پیدا ہوا۔"

یہ نمونہ بعد میں تو قائم نہ رہا۔ میری یہ تلخ نوائی ہے جس کے لئے مجھے معاف کیا جائے۔ اگر جماعت مخلص اسلامی تہذیب کا نمونہ بنی رہتی اور نیکیوں میں سبقت کرتی رہتی تو اس کی ترقی میں کوئی بھی امر سدِ راہ نہ ہو سکتا تھا۔ فرمایا کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جاؤ۔ تم جہاں کہیں ہوگے ہم تم میں اتحاد و مودّت کا رشتہ باندھ دیں گے۔ تم ایک جگہ جمع ہو جاؤ گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی میں ایک مرکز قائم کیا اور یہ جماعت قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی مصداق ٹھہری۔

افسوس کہ جماعتِ ربوہ نے نظام تو بڑا قائم کیا، اور اتحاد کا رستہ تلاش یہ کیا کہ کوئی خلیفہ سے اختلاف نہیں کر سکتا اگر کرے تو اس کو جماعت سے نکال دو۔ چنانچہ ایسے شخصوں کو طرح طرح سے ستایا گیا تنگ کیا گیا۔ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کیا گیا۔ ان کے اموال تلف کر دئے گئے۔ ان کی جائدادیں اور مال و اسباب جلائے گئے۔ ان پر روزی کے دروازے بند کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ واقعات ہیں۔ میں مبالغہ سے کام نہیں لے رہا۔ تو جس غرض کو سامنے رکھ یہ جماعت بنائی گئی تھی وہ غرض تو ختم ہو گئی۔ آپ غور کریں کہ جو جماعت حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے لوگوں نے اس جماعت کے مقاصد کو سراہا۔ اور عملی طور پر ان کے مقاصد کو ثمر لگے۔ اور جماعت کی نیکی کی آسمان پر دھاک بیٹھ گئی۔ وہ سب کچھ کیا ہوا؟ کہاں گیا؟ رونا یہی ہے کہ بعد میں ایسے لوگ سامنے آ گئے جن کا سارا کام قیل و قال پر رہا۔ اچھی اچھی تقریریں کر دیں۔ اچھی اچھی تحریریں رقم کر دیں۔ مگر اخلاق و اعمال کی طرف سے آنکھ بند کر لی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ جب تک کسی کام کی پوری طرح تکمیل نہ کی جائے۔ اس وقت تک کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ؎

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

حضرت نیکی کے اختیار کرنے میں کس طرح پیش پیش تھے۔ میں آپ کو حضورؑ کی سیرت کے دو واقعے سناتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم اس نمونہ کی اقتداء کرتے ہیں یا اقتداء کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ سے کسی نے پوچھا کہ احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے۔ اس موضوع پر حضرت مسیح موعودؑ کا ایک لیکچر ہے جو پمفلٹ کی صورت میں شائع شدہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ میں صرف چند اعتقادی غلطیوں کی اصلاح کے لئے آیا ہوں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ میرا اصل مقصد ایک ایسی جماعت کی تعمیر ہے جو عملی طور پر اصلاح یافتہ ہو۔

شہادت حقہ کے واقعات اور ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین کی عملی تفسیر

آپ نے فرمایا:۔

"ہم پر ڈاک خانہ کی جانب سے مقدمہ کھڑا کیا گیا وکیل نے ہمیں مشورہ دیا کہ عدالت میں آپ بیان دیں کہ میں نے خط پیکٹ میں نہیں رکھا مگر ہم نے کہا کہ خط تو ہم نے ہی رکھا تھا۔ اس پر وکیل نے کہا کہ آپ خود ہی اگر اقبالِ جرم کر لیں گے تو آپ کو کون چھڑا سکتا ہے۔ اس صورت میں آپ نے ہمیں وکیل کیوں مقرر کیا؟"

آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اپنے وکیل کو کہا کہ کچھ بھی ہو ہم تو صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور وکیل تو ہم نے خدا کے حکم کی تعمیل میں کیا ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ جائز ذرائع مخلصی اختیار کرو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وکیل ہمیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے کا مشورہ دے تو ہم وہ بھی قبول کریں۔"

چنانچہ جب آپ عدالت میں گئے تو مجسٹریٹ نے دریافت کیا کہ یہ خط آپ کا ہے اور آپ نے ہی اسے پیکٹ میں رکھا تھا؟ تو حضرت اقدسؑ نے برملا کہہ دیا کہ:۔

"یہ خط میرا ہی ہے اور میں نے ہی اسے پیکٹ میں رکھا تھا مگر اس میں کوئی نج کی بات نہیں بلکہ طبع کے بارہ میں ہدایات دی ہیں۔"

حضرت اقدس لکھتے ہیں:۔

"میرا یہ کہنا تھا کہ مجسٹریٹ نے میری بات کو بلا چون و چرا قبول کر کے مجھے بری کر دیا حالانکہ افسر ڈاک خانہ جات نے جو مجسٹریٹ کا ہم قوم و ہم مذہب تھا بہت سے دلائل سے قائل کرنا چاہا مگر اس کی ہر تقریر کے بعد مجسٹریٹ نو نو کہہ کر اس کی تردید کر دیتا۔"

تو آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"آجکل حالت تو یہ ہے کہ لوگ کچہریوں میں چار چار آنے کے لئے جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں جھوٹ کے بغیر کام نہیں نکلتا مگر ہم نے تو سچ بولا اور خدا نے ہمیں سچ بولنے کے عوض نجات دی۔"

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ سچ کے اظہار میں حضرت مسیح موعودؑ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ جب اسلام کا سوال ہو، صداقت کا سوال ہو، حقیقت کا سوال ہو تو نہ باپ کی پرواہ ہے نہ بیٹے کی نہ بیوی کی، نہ رشتہ داروں کی۔

سکھوں کی تائید میں سچی گواہی

ایک اور واقعہ حضرت مسیح موعودؑ کے والد صاحب کی زندگی میں پیش آیا۔ آپ کے والد صاحب کی اراضی کے ساتھ سکھوں کی بھی اراضی تھی۔ درمیانی بند پر درخت تھے۔ ان کے بارے میں تنازعہ کھڑا ہو گیا کہ یہ درخت کس کی زمین پر ہیں؟ آپ کے والد صاحب کی یا سکھوں کی؟ تنازعہ نے مقدمہ کی صورت اختیار کر لی۔

عدالت میں مقدمہ چلا۔ سکھوں نے اپنی تائید میں حضرت مرزا صاحب کو اپنے والد صاحب کے برخلاف بطور شہادت عدالت میں بلوایا۔ اور آپ نے اپنے والد صاحب کے برخلاف گواہی دی۔ آپ نے بیان دیا کہ یہ زمین سکھوں کی ہے۔ عدالت نے پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس طرح علم ہے کہ ایک دفعہ میرے اباجان اور میں سیر کو نکلے۔ والد صاحب نے اس دوران فرمایا تھا کہ یہ زمین سکھوں کی ہے اور اس طرح مجھے علم ہوا۔

حضرات آپ غور کریں آج کوئی شخص اپنے باپ کے خلاف گواہی دیتا ہے؟! آج کوئی ایسا کرتا ہے؟ کسی پر اعتبار ہے کہ وہ شخص اپنے خلاف اپنے رشتہ داروں کے خلاف یا اپنی پارٹی کے خلاف کوئی گواہی دے؟ کیا یہ واقعہ قرآن کی اس آیت کی عملی تفسیر پیش نہیں کرتا۔

کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین و الاقربین۔

گواہی خدا کے لئے انصاف کی دو چاہے آپ کے اپنے یا اپنے والدین و اقرباء کے برخلاف ہی کیوں نہ پڑے۔

سنا ہے ایک دفعہ آپکے ایک صاحبزادہ پر الزام لگا۔ جو آپ اس بارے میں جانتے ہی ہیں۔ میں نام نہیں لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ واقعہ کی تحقیق کی جائے۔ صحیح ثابت ہونے پر میں اسے عاق کر دوں گا۔ یہ کام کون کرتا ہے؟ جب خاندانوں میں جھگڑے ہوتے ہیں تو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ لڑکے والے

لاہور آئیے

جلسہ سالانہ تین دن کا چلہ
ہے، جو تزکیۂ نفس اور خدا نمائی کے
لئے مجددِ وقت نے تجویز کیا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلّی کا بنایا ہم نے

جلسہ سالانہ

کے انعقاد میں صرف چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ غالباً یہ آخری پرچہ ہے۔ جو جلسہ سے پہلے بیرونی احباب کو مل سکے گا۔ اس لئے ہم اپنے بھائیوں، دوستوں، اور بزرگوں کو جلسہ میں شمولیت کی پُر زور دعوت دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ تمام دوست ۲۲ دسمبر ۱۹۷۷ء سے پہلے لاہور تشریف لا کر اس قومی اجتماع میں شامل ہوں گے جو ہر سال حضرت مسیح موعودؑ کے حکم کے ماتحت اسلام کی ترقی و اشاعت کی تجاویز سوچنے اور باہمی محبت و ارتباط اور جذبۂ اخوت کو بڑھانے کے لئے منعقد کیا جاتا ہے ——— (ادارہ)

کہتے ہیں ہم صحیح ہیں اور لڑکی والے کہتے ہیں ہم ہی صحیح ہیں۔ وہ خود سمجھتے ہیں کہ بات غلط ہے لیکن جنبہ داری اختیار کی جاتی ہے اور پارٹی بازی میں جھوٹ بولنا جائز سمجھا جاتا ہے۔

تو حضرات! یہ مضمون بڑا لمبا ہے۔ آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آخری بار آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمیں جماعت کے بنیادی نصب العین کی طرف بڑی سنجیدگی سے توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کو سامنے رکھیں۔ جماعتی نصب العین کی بنیاد فاستبقوا الخیرات کی قرآنی آیت پر ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے نیکیوں میں بڑھیں۔ اگر آپ نے انتشار کو ختم کرنا ہے، بے اتفاقی کو ختم کرنا ہے۔ تنازعہ اور جھگڑے کو ختم کرنا ہے تو جانب داری کو ختم کریں۔ اتحاد پیدا ہوگا۔ محبت و مودّت پیدا کرنا ہے تو صرف اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے فاستبقوا الخیرات — حضرت مسیح موعودؑ کے نمونہ کو سامنے رکھیں۔ صداقت کے بیان میں کوئی بات رکاوٹ نہ بنے۔ دوسرا کوئی اس کا قائل ہو یا نہ ہو۔ تمہیں کوئی گالیاں دے یا برا بھلا کہے تمہارے مدنظر یہی مقصد ہو کہ نیکی کرنا ہے اور ایک دوسرے سے نیکی میں قدم آگے بڑھانا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ اشاعت اسلام کے راستہ میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو مسلمانوں کا اپنا غلط نمونہ ہے کیونکہ اصول اسلام کو تو تمام اقوام قبول کرتی جا رہی ہیں عیسائی بھی اور ہندو بھی۔ مگر قبول اسلام میں اگر روک ہے تو مسلمانوں کا نمونہ روک ہے۔ پس خدا اب چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو نیکی کے پھل لانے والی ہو۔ تو صحیح جماعتی نمونہ اصل چیز ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس مقام پر پہنچنے کے لئے ہم فرشتے بن جائیں گے لیکن کم از کم ہمارے سامنے نصب العین تو یہی ہو، ہمارے جماعتی نظام کے پیشِ نظر مقصد تو یہی ہونا چاہیئے۔

چوہدری ظہور احمد صاحب کی وفات حسرت آیات

ہماری جماعت کے ایک نہایت مخلص اور بزرگ رکن چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم و مغفور ۱۴ دسمبر ۱۹۷۷ء کو طلوع فجر سے قبل اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چوہدری صاحب موصوف سالہا سال تک ہماری انجمن کے جائنٹ سیکرٹری اور سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ وہ ایک نہایت مدبر، معاملہ فہم، سلیم الطبع، سنجیدہ مزاج اور انتھک کارکن تھے اور جس کام کو ہاتھ میں لیتے اسے بڑی خوبی اور کامیابی سے انجام تک پہنچاتے۔ وہ خود بھی ایک خوشحال اور صاحب جائیداد زمیندار تھے اور زمینوں کے کاروبار سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے حضرت امیر مرحوم و مغفور کی زیر ہدایت سالہا سال تک انجمن کے لئے مسلم ٹاؤن کے قریب ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین خریدی اور جب یہ زمین وحدت کالونی اور یونیورسٹی کیمپس کی تعمیر کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو کئی سال حکومت اور امپرومنٹ ٹرسٹ سے مقدمات کی پیروی کی اور بالآخر ہماری ضبط شدہ اراضی کے عوض حکومت نے ہمیں وہ زمین عطا کی جہاں اس وقت "دارالسلام" کالونی بن رہی ہے۔ اس قیمتی جائیداد کے حصول میں سب سے زیادہ چوہدری صاحب مرحوم کی مساعی کا دخل ہے۔ اور جب تک یہ کالونی قائم رہے گی چوہدری صاحب مرحوم کا نام زندہ رہے گا۔ احمد پارک کے علاقہ کی زمین چوہدری صاحب موصوف کی ذاتی ملکیت تھی۔ انہوں نے ایک سکیم کے ماتحت اس علاقہ کو آباد کیا اور ایک خوبصورت کالونی معرض وجود میں آ گئی جو ان کی شبانہ روز محنت، حسنِ اخلاق اور ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔

چوہدری صاحب مرحوم و مغفور ایک نہایت سادہ طبیعت انسان تھے، صاحب حیثیت ہونے کے باوجود عام آدمیوں کی طرح پٹواریوں کے پیچھے پھرتے، پیدل یا بس میں سفر کرتے اور مسلسل کچہریوں اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے چکر لگاتے اور کبھی تھکن کا اظہار نہ کرتے۔ گذشتہ کئی سال سے ان کی صحت خاطر خواہ نہ تھی لیکن ان کے روزانہ معمول میں کوئی فرق نہ آیا اور موت سے ایک روز قبل بھی وہ کچہری سے پھر کر آئے تھے۔ چوہدری صاحب عمر بھر دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ لیکن گذشتہ دو تین سال سے انہیں توشۂ آخرت کی فراہمی کا بہت خیال تھا۔ ایک سال قبل انہوں نے دو صد کاپیاں انگریزی ترجمۃ القرآن کی امریکہ کے بلالی مسلمانوں کے مراکز میں اپنے خرچ پر ارسال فرمائیں۔ امسال رواں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر انگریزی زبان میں دو بہترین کتابیں محمد دی پرافٹ اور لونگ تھاٹس کی دو صد کاپیاں انگلستان میں غیر مسلمین میں تقسیم کرنے کے لئے ارسال فرمائیں۔ "دارالسلام" میں ایک عمدہ لائبریری کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ دینے کا اعلان فرمایا اور نصف سے زائد رقم ادا کر دی۔ اللہ تعالے ان کی یہ قربانیاں قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

چوہدری صاحب موصوف کی زندگی کے بہت سے پہلو تفصیلی روشنی کے محتاج ہیں جن پر انشاء اللہ حسب فرصت روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ صرف ان کی فوتیدگی کی رنجیدہ اطلاع ہے۔

اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے۔ اور انکے پسماندگان اور اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جملہ احباب سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

مسعود بیگ
جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

دائمی نفع بخش تجارت

(از مکرم جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد)

(نوٹ:۔ قارئین کرام سے میری یہ درخواست ہے کہ مضمون کو تمام و کمال پڑھیں۔ یہ مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ)

ہر قسم کی تجارت میں جہاں نفع ہوتا ہے وہاں نقصان کا ڈر بھی لگا رہتا ہے اور راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اور فکر اور غم سے صحت الگ برباد ہو جاتی ہے۔ مگر ایک ایسی تجارت ہے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ مگر اس کے لئے چند اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جناب الٰہی فرماتے ہیں:۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیں تمہیں ایسی تجارت بتاتا ہوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ تعالےٰ کے رستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ تمہارے گناہوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مدد اور نزدیک فتح اور مومنوں کو خوشخبری دے۔" (سورۃ الصف۔ ۱۰ تا ۱۳)

فی زمانہ ہمارے لئے جس جہاد کی ضرورت ہے اس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے خود ہدایت دی ہے:۔

وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً (الفرقان)

"اور اس (قرآن) کے ساتھ اُن سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد ہے۔"

اسلام کی اشاعت

اسلام کی اشاعت اور قرآنی تعلیم کی تبلیغ کے لئے نبی کریم صلعم اور ان کے اصحاب اور دیگر سلف صالحین نے بڑا جہاد کیا اور قربانیاں دیں۔ نبی کریم صلعم کی زبردست خواہش اور تبلیغ دین کے لئے بے چینی کا ذکر خود اللہ تعالےٰ نے کیا ہے:۔

"فلعلّك باخعٌ نفسك علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا (سورۃ الکھف)

تو کیا تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دے گا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔"

یہاں خصوصًا عیسائی دنیا میں تبلیغ اسلام کی طرف اشارہ ہے۔

اس چودھویں صدی کے مجددِ اعظم اور مسیح موعود (حضرت مرزا غلام احمد صاحب) کو خصوصًا کسرِ صلیب پر مامور کیا گیا اور آپ نے بدرجہ اتم وفات مسیح کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا۔ اور چونکہ اس دنیا سے گذر جانے کے بعد کوئی بھی واپس نہیں آ سکتا (کہ قانونِ الٰہی اٹل طور پر یہی ہے) اس لئے اُمتِ محمدیہ میں سے ہی ایک مجدد کو مسیح موعود اور مہدی کا رتبہ دیا گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کس طرح کسرِ صلیب کی اور مخالفین اسلام کے منہ بند کر دیئے وہ ایک تاریخی امر ہے۔

آپ کو خصوصًا عیسائی ممالک میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا فکر تھا۔ کیونکہ حدیث نبویؐ کے مطابق آخری زمانے میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا حقیقت میں اسلام کا اُن مغربی ممالک میں پھیلنا تھا۔ حضور نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اس مغرب میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں پہلی تاریخ کے باریک چاند کی طرح کی ایک جھلک مجھے دکھا دی گئی ہے۔ اب یہ چاند بڑھ کر کبھی چودھویں کا چاند ہو جائے گا۔ مگر حضور کو اس بات کا احساس تھا کہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام بڑی محنت اور جانی اور مالی قربانیوں کو چاہتا ہے۔ نسبتًا بہت کم لوگ مسلمانوں میں سے آپ کے ہم خیال اور ہم سفر ہوئے تھے۔ اور ان میں سے بھی بہت کم ایسے تھے جنہوں نے حقیقی معنوں میں دین کو دُنیا پر ترجیح دی تھی۔ پھر ان تبلیغی کاموں کے لئے اخراجات کا ایک پہاڑ سامنے کھڑا تھا۔ اور اس اثناء میں دشمنانِ اسلام ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ حضور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالےٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے تھے:۔

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں پہ ہم پر رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بے قرار

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

پھر اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔

کیا مجھے تم چھوڑتے ہو جاہِ دُنیا کے لئے
جاہِ دُنیا کب تلک دُنیا ہے خود ناپائدار

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

پھر وعدۂ خداوندی پر اتنا اعتبار اور ایمان ہے کہ فرماتے ہیں:۔

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک شور ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

جماعت احمدیہ کی حالت

حضرت مسیح موعودؑ تو اپنا کام کر کے اور ایک سلسلہ احمدیہ (یعنی مسلم فرقۂ احمدیہ) کی بنیاد رکھ کر اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے مخلص مریدین نے حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے ماتحت سلسلہ کے کاموں اور تبلیغ دین و اشاعتِ اسلام کا کام جاری رکھا۔ اور سلسلۂ احمدیہ کے متعلق ایسا حسنِ ظن عام مسلمانوں میں پیدا ہو رہا تھا۔ کہ ایک تقریر میں علیگڑھ میں ڈاکٹر محمد اقبال (شاعر مشرق) کو کہنا پڑا کہ:۔

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ اس فرقہ کی شکل میں ملے گا جو قادیان میں پیدا ہوا ہے۔"

مگر وائے بدقسمتی کہ مسیح عیسوی کی مسیح محمدی سے مماثلت ہونی مقدر تھی۔ حضرت عیسٰے کو ان کے متبعین نے ایک انسانی رسول سے خدائی کا درجہ دے دیا۔ اور یہاں حضرت مسیح موعودؑ کو ان کے فرزند میاں بشیرالدین محمود احمد اور ان کے ہمنواؤں کے ہاتھوں ایک مجدد اور محدث سے ایک حقیقی نبی بنا دیا گیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کو اس آنے والے فتنہ سے پہلے سے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بھی کہ ان کا بیٹا اس میں ملوث ہوگا اور

فتنہ قادیان میں اُٹھے گا۔ آپ کو اس کا کرب تھا اور حضرت عیسےٰؑ کے صلیب پر چڑھنے کے بعد کی مضطرب دُعا ایلی ایلی۔ لما سبقتنی (اے خدا۔ اے خُدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) آپ کی زبان سے بھی نکلی۔ مگر خدا کے آگے سرِ تسلیم خم تھا۔ (اس کی تفصیل کتاب "فتح حق" میں پڑھی جا سکتی ہے)۔

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا قیام

حضرت مسیح موعودؑ کے چند مخلص مریدوں نے (جن میں جماعت احمدیہ لاہور کے "پاک ممبر" پیش پیش تھے) مولانا محمد علی صاحبؒ کی سرکردگی میں ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ اور خدا تعالےٰ نے اس انجمن کے ممبران کی تعداد میں۔ اور اس کے اموال میں اور اس کے تبلیغی کاموں میں برکت ڈالی۔ مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ دین کو دُنیا پر ترجیح دینے کا جذبہ بھی آہستہ آہستہ سرد پڑتا گیا۔ اور حُبِّ دُنیا۔ دولت اور اقتدار کا نشہ اور حسد اور خود غرضی بھی نمودار ہونے لگی۔ اور قسوت قلوبھم کا نظارہ ظاہر ہونے لگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مشیتِ خداوندی نے ہر صدی (ہجری) کے سر پر ایک مجدد بھیجنے کا انتظام کیا ہے۔ اور اس چودھویں صدی کے چند سال ہی باقی رہ گئے ہیں۔ مگر ہماری کس قدر بدقسمتی ہوگی کہ الٰہی قانون کے ماتحت ہماری وہ حالت ہو:—

"دیکھو تم وہ لوگ ہو جو بلائے جاتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ پس تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمہارے سوائے کسی اور قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"

(سورۃ محمد۔ آیت ۲۸)

چند حالات و واقعات

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ جب کبھی جلسہ سالانہ پر چندے کی اپیل کرتے تھے اور جماعتِ احمدیہ کے آگے ایک لائحہ عمل رکھتے تھے۔ تو جہاں اکثر حاضرینِ جلسہ میں سے جو اکثر غرباء ہی ہوتے تھے۔ بڑی دریا دلی سے مالی مدد دی جاتی تھی۔ وہاں کئی ایک متمول حضرات تو اپیل سے پہلے ہی غائب غلہ ہو جاتے تھے اور بعد میں تھوڑا بہت اپنی حیثیت سے بہت کم چندہ دے کر پیچھا چھڑا لیتے تھے۔ اور بعض تو وعدے کر کے ان کا ایفاء کرنا بھول ہی جاتے تھے۔ اس جگہ میں ایک واقعہ عبرت پکڑنے کے لئے درج کرتا ہوں۔ جماعت کے ایک بزرگ فوت ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی اہلیہ نے حضرت حکیم مولوی محمد یحییٰ صاحب (والد بزرگوار ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب) سے استدعا کی کہ مرحوم کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیں۔ محمد یحییٰ صاحب (جو صاحب کشف و الہام تھے) نے دُعا فرمائی انکو رویاء میں وہ مرحوم بزرگ نظر آئے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ وہ مرحوم بولے "ویسے تو اچھا ہوں مگر ایک چھانگلیا (ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی) میں ذرا درد سا رہتا ہے۔ اور پھر کہنے لگے میں نے ایک دفعہ سو روپے چندہ دینے کا وعدہ لکھوایا تھا۔ مگر اس کو پورا نہ کر سکا۔ میری بیوی سے کہہ دیجئے گا کہ وہ یہ رقم ادا کر دیں۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرحوم کی بیوی سے اس کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے دریافت کیا تو واقعی وہ رقم واجب الادا تھی۔ چنانچہ وہ رقم انہوں نے ادا کر دی۔ اس کے بعد ایک دفعہ وہ مرحوم بزرگ پھر حکیم صاحب کو رؤیا میں نظر آئے۔ تو ان کی مزاج پرسی پر خوش ہو کر کہنے لگے کہ اَب اُنگلی میں درد ہٹ گیا ہے۔

اس واقعہ سے ہمارے ان دوستوں کو سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو کہ وقتاً فوقتاً مختلف دینی کاموں کے لئے ہزاروں میں چندے لکھواتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ یا تو یہ فعل ریاکاری کے ضمن میں آئے گا یا مال کی محبت اور دل کی تنگی کا مظہر ہے۔ اللہ اُن پر رحم کرے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق بخشے۔

جماعت کی مستورات

دینی امور اور جزا سزا میں اسلام میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں ہماری مستورات ماشاءاللہ دینی خدمت میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ آخر برلن (جرمنی) کی مسجد کے مینار انہیں کی خاص مدد سے ہی بنے تھے۔ بعض تو ان میں سے اس قدر اونچے دینی مقام پر ہیں کہ ان کے خاوند ان کے پاسنگ بھی نہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خوش اخلاق بھی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان گھروں پر خدا کی برکات ان کے دم سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ایک مقولہ ہے۔ ؎

قدم درویشاں ردّ بلا

اس لئے ہماری مستورات کو بھی مستعد اور منظم ہو کر خدمتِ دین میں حصہ لینا چاہیئے۔ اور اپنے بچوں کی صحیح اسلامی طور پر (جماعت احمدیہ کے صحیح اغراض و مقاصد کے ساتھ) تربیت کرنی چاہیئے۔ کیا خبر ان بچوں میں سے کوئی مردِ خدا نکل آئے۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

یاد رکھیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں"

(سورۃ حٰمٓ السجدہ۔ آیت ۳۳)

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین۔ (تمام شد)

جلسہ سالانہ کی اغراض

(از حضرت مسیح موعودؑ)

"اس جلسہ کی اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے۔ اور ان کے معلومات وسیع ہوں۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا۔ اور اس جماعت کے تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں ..... سو بھائیو! یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالےٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی خدا تعالےٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں۔ جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی۔ ....

.... بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالےٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے۔ اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دُور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے۔ اور ان کی مُرادات کی راہیں ان پر کھول دیوے۔ اور روزِ آخرت میں اپنے بندوں کے ساتھ ان کو اُٹھاوے جن پر ان کا فضل و رحم ہے۔ اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا۔ اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مُشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین۔"

(اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسہ سالانہ کے لئے احباب کو دعوت

(از حضرت امیر مرحوم)

ہمارے بعض احباب سالانہ جلسہ کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے حضرت مسیح موعودؑ نے سالانہ جلسہ کو ہمارے دینی جہاد کے لئے ایک محور کے طور پر قرار دیا ہے۔ اور آپ کا دعوے۔ آپ کی یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ اور ایک سالانہ جلسہ کی ضرورت کو محسوس کرنا یہ تینوں باتیں ایک ہی وقت کی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں جب آپ کا مسیح موعود ہونے کا دعوے ازالہ اوہام میں شائع ہوا۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کتاب میں یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کی بنیاد رکھی گئی اور بات بھی صاف تھی۔ جب آپکو یہ علم دیا گیا کہ دجّال اور یاجوج ماجوج کے متعلق جو ذکر قرآن شریف اور احادیث میں ہے اس کی مصداق یورپ اور امریکہ کی قومیں ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھتے۔ آپ نے فوراً دعویٰ کے ساتھ ہی ایک جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور اسی سال ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو آپ نے کچھ احباب کو مشورہ کے لئے طلب کیا اور ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو یہ فیصلہ کرنے کا اعلان کیا کہ ایک جلسہ ہر سال ایام دسمبر میں ہوا کرے گا۔ جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ (مجموعہ اشتہارات ۲۵)

۱۸۹۲ء میں سب سے پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس جلسہ کی دعوت دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا "چونکہ سال گذشتہ میں بمشورہ اکثر احباب یہ بات قرار پائی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں بہ نیّت استفادہ ضروریاتِ دینی و مشورہ اعلائے کلمۃ اسلام و شرع متین اس عاجز سے ملاقات کریں" اس اعلان کے نکلنے پر بعض تنگ نظر علماء نے ایسے جلسے کو ایک بدعت قرار دیا۔ اس فتویٰ کا خلاصہ حضرت مسیح موعودؑ نے الفاظ ذیل میں دیا ہے :- "ایسے جلسہ پر جانا بدعت ہے اور ایسے جلسوں کا تجویز کرنا محدثات میں سے ہے جس کے لئے کتاب و سُنّت میں کوئی شہادت نہیں اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردُود ہے۔" اس کے بعد آپ نے احادیث سے اس کا جواز ثابت کرتے ہوئے اسے دینی جہاد قرار دیا ہے اور اس آیت قرآنی کو نقل کیا ہے :- واعدوا لهم ما استطعتم من قوة۔ ابتدائی اشتہار میں آپ نے اس کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس میں حاضری کو تمام احباب کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ اور یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں "حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل وجان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آ جائیں جن میں سفر کرنا اپنی حد اختیار سے باہر ہو جائے" اس لئے میں اس وقت اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا۔ بس حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ کوئی دوست جس کی طاقت میں حضرت مسیح موعودؑ کے اس

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن لاہور

جلسہ سالانہ کی برکات

دنیا میں اکٹھا ہونے کی کئی رنگ کی تقریبات ہوتی ہیں۔ کبھی لوگ خوشی کے لئے جمع ہوتے اور کبھی تکلیف کے موقع پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ مذہبی رنگ میں بھی کئی اجتماع ہوتے ہیں اور جب آپ عموماً ان دینی نام کی مجالس کا نظارہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان کا صرف نام ہی دینی ہوتا ہے۔

لیکن خدا کے فضل سے ہمارا سالانہ جلسہ ان تمام سے نرالا جُدا صفات کا حامل ہے۔ تمام پروگرام کا محور قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہوتا ہے۔ آج سے چھیانوے سال قبل ۱۸۹۱ء میں حضرت مجدد زمان مسیح موعود علیہ السلام نے اس جلسہ کی بنیاد رکھی۔ اور پہلے جلسہ میں جو ۷۵ احباب شامل ہوئے ان خوش قسمت احباب کے نام تاریخ سلسلہ میں محفوظ ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں۔ اور بیعت کنندگان ارشدہ بھی شمولیت کی بڑی تاکید فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں :-

"حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف سنانے کا شغل جاری رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے۔"

آپ اس عبارت کا غور سے مطالعہ فرمائیں۔ اس جلسہ کا مقصد ربانی باتیں سننے اور دعائیں کرنے کا ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ ماحمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور حتی الوسع کوشش کرتی ہے۔ کہ جلسہ کا تمام پروگرام دین کی باتیں سننے اور سنانے پر مشتمل ہو۔ اور پھر جو لوگ اس جلسہ میں شامل ہوں ان کے اندر ایک نمایاں تبدیلی بھی پیدا ہو۔ چنانچہ یہ تاریخی بات ہے کہ جب ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ محسوس فرمایا کہ جیسی تبدیلی افکار۔ اقوال۔ کردار میں ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہو رہی۔ تو آپ نے ایک سال کا جلسہ منسوخ فرما دیا۔

اس سے ہم سب کو سبق لینا چاہیئے۔ کہ جس غرض کے لئے ہم لوگ جلسہ میں آتے ہیں اس کو پورے طور پر ملحوظ رکھیں۔ خدا کے فضل سے حالات کا جائزہ لے کر نہایت عمدہ پروگرام تجویز کیا گیا ہے ہم سب کا فرض ہے کہ جلسہ کے اوقات میں سوائے اشد مجبوری کے باہر نہ جائیں، اوقات کی پوری پوری پابندی کریں۔ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لائیں۔ تاکہ ابھی سے نیک باتیں ان پر اپنا اثر شروع کر دیں۔ موجودہ مادی اور روحانی اعتبار سے باہر کے تاریک دور کے ناخوشگوار اثر کو زائل کرنے کا ایک بہترین موقعہ جلسہ سالانہ ہے۔ ہماری بہنیں اس میں بڑا حصہ ادا فرما سکتی ہیں۔ باقاعدہ باجماعت نمازوں میں شامل ہوں۔ اور فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید کے درس میں باقاعدہ شامل ہوں۔ نوجوانوں کے شبینہ اجلاس میں بھی شوق سے حصہ لیں۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے! آمین۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جلسہ سالانہ کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

"مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں۔ جو عنقریب اس میں آ ملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"

حضرت صاحب کی تحریر پر غور فرمائیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ جلسہ سالانہ کتنی برکتیں لے کر آتا ہے۔ اور اس میں شامل ہونا کتنا ثواب رکھتا ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں یا محض سستی کی وجہ سے اس مبارک اجتماع میں شامل نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح موعود نے ان لوگوں کے لئے جو اس جلسہ میں شامل ہوتے ہیں بڑی بڑی دعائیں فرمائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"میں دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالےٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دُور فرمائے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہ ان پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھائے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا! ذو المجد والعطا اور رحیم اور مشکلکشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت و طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین۔"

پس مبارک ہیں وہ لوگ جو حضرت مجدد زمان کے ارشاد۔ تڑپ اور جس سوز سے آپ نے جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والوں کے لئے دعائیں فرمائی ہیں۔ اس نیت کے ساتھ گھر سے روانہ ہوتے ہیں کہ ہم ایک عظیم مقصد کے لئے یہ سفر اختیار کر رہے ہیں تا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ ان پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمائے :-

وہی قوم یا جماعت زندہ ہونے کا دعوےٰ کر سکتی ہے جو اپنی روایات کو زندہ رکھے اور اس پر عمل کرے۔ اور جو افراد اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں وہ اصل سے بہت دُور ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنی جماعت کو کیا دیکھنا چاہتے تھے اور ان سے آپ کو کیا کیا اُمیدیں تھیں —— ایک جلسہ سالانہ میں جب ہمارے بزرگ فارغ ہو کر گھروں کو واپس روانہ ہو رہے تھے تو آپ ان کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں اُن کو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی امر کا

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲)

پروگرام

تریسٹھواں جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

بتاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء (بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار)

بمقام مسجد احمدیہ "دار السلام" (نزد یونیورسٹی کیمپس) ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

جمعرات ۲۲ دسمبر ۱۹۷۷ء

۱۰ بجے صبح تا ۲-۳۰ : جلسہ خواتین، نمائش دستکاری، نماز ظہر و عصر

جمعہ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۷ء

پہلا اجلاس

زیر صدارت: الحاج میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب

- ۹-۳۰ تا ۹-۴۰ — تلاوت قرآن کریم : جناب مولانا شفقت رسول صاحب
- ۹-۴۰ تا ۹-۵۰ — کلام مسیح موعودؑ : جناب چوہدری محمد حیات صاحب
- ۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰ — ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : مولانا محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازیخان
- ۱۰-۰۰ تا ۱۰-۲۰ — افتتاحی تقریر : حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ
- ۱۰-۲۰ تا ۱۰-۵۰ — تحریک احمدیت کی افادیت : جناب قاضی عبدالرشید صاحب ایڈووکیٹ
- ۱۰-۵۰ تا ۱۱-۳۰ — حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی مرحوم و مغفور : جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے بی ٹی
- ۱۱-۳۰ تا ۱۲-۰۰ — احیاء الاسلام اور تحقیق جدید : جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب ایم ایڈ
- ۱۲-۰۰ تا ۲-۳۰ — طعام و نماز جمعہ و عصر

دوسرا اجلاس

زیر صدارت: جناب میاں غلام حیدر صاحب تمیم

- ۲-۳۰ تا ۲-۴۰ — تلاوت قرآن کریم : جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبلغ پشاور
- ۲-۴۰ تا ۳-۱۰ — تقریر : جناب شیخ میاں ظہور احمد صاحب
- ۳-۱۰ تا ۴-۰۰ — جہاد فی الاسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام : جناب مولانا مرزا محمد لطیف صاحب شاہد
- ۴-۰۰ تا ۴-۳۰ — تقریر : مولانا بشیر احمد منو صاحب ایم اے مبلغ راولپنڈی

نماز مغرب و عشاء کے بعد رات کا کھانا

۷ بجے شام: اجلاس شبان الاحمدیہ مرکزیہ

بروز ہفتہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۷ء

پہلا اجلاس

زیر صدارت: جناب شیخ میاں نشاط احمد صاحب

- ۹-۳۰ تا ۹-۴۰ — تلاوت قرآن کریم : جناب سردین صاحب طالبعلم انڈونیشیا
- ۹-۴۰ تا ۹-۵۰ — منظوم کلام حضرت مسیح موعودؑ : جناب عبدالسلام صاحب۔ دیگراں
- ۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰ — ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : جناب شاہد جنجوعہ صاحب
- ۱۰-۰۰ تا ۱۰-۳۵ — مقام مسیح موعودؑ : جناب مولانا عبدالمنان عمر صاحب
- ۱۰-۳۵ تا ۱۱-۰۰ — سالانہ رپورٹ : جناب جنرل سیکرٹری صاحب
- ۱۱-۵ تا ۱۲-۳۰ — راہ حق کی مشکلات اور کچھ اپنے تازہ سفر کے بارہ میں : حضرت جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب
- ۱۲-۳۰ تا ۲-۳۰ — طعام و نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

زیر صدارت: جناب صاحبزادہ محمد احمد خان صاحب (سرائے نورنگ)

- ۲-۳۰ تا ۲-۴۰ — تلاوت قرآن کریم : مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبلغ پشاور
- ۲-۴۰ تا ۳-۳۰ — قدرت الٰہی کے چند تازہ نشانات : جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب
- ۳-۳۰ تا ۴-۰۰ — تقریر : جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب

نماز مغرب و عشاء کے بعد کھانا

بروز اتوار ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

زیر صدارت: جناب شیخ میاں ظہور احمد صاحب

- ۹-۳۰ تا ۹-۴۰ — تلاوت کلام پاک : مولانا شفقت رسول صاحب
- ۹-۴۰ تا ۹-۵۰ — منظوم کلام حضرت مسیح موعودؑ : عبدالسلام صاحب دیگراں
- ۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰ — ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : جناب مولوی کریم بخش زند صاحب مبلغ ملتان
- ۱۰-۰۰ تا ۱۰-۱۵ — تقریر : جناب سردین طالبعلم انڈونیشیا
- ۱۰-۱۵ تا ۱۰-۳۰ — تقریر : جناب اسکندر " "
- ۱۰-۳۰ تا ۱۱-۰۰ — روح عبادت : جناب محترم شیخ نثار احمد صاحب
- ۱۱-۰۰ تا ۱۱-۵۰ — والعصر : جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب
- ۱۱-۵۰ تا ۱۲-۱۰ — ہالینڈ میں تبلیغ اسلام : جناب مولانا عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ ہالینڈ
- ۱۲-۱۰ تا ۱۲-۳۰ — اختتامی تقریر و دعا : حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ

میاں فضل احمد - افسر جلسہ سالانہ

اخبار احمدیہ

مکتوبِ راولپنڈی

ششماہی رپورٹ فری لٹریچر جو بذریعہ بک پوسٹ اور دستی تقسیم کیا گیا۔ از جنوری ۱۹۷۷ء تا ۱۳-۶-۷۷

نمبر	عنوان	عدد
۱	کیا عید الاضحیٰ کی قربانی کا بدل نقد روپیہ ہو سکتا ہے	۲۵
۲	مقابلہ مابین علماء زمانہ و سیدنا حضرت مرزا صاحب (مسیح موعودؑ)	۲۵
۳	بعض اہم استفسارات کا جواب	۶۵
۴	تفسیر سورۃ فاتحہ۔	۵۰
۵	تفاوت کا مسئلہ	۲۷
۶	اسلامی مساوات اور حالاتِ حاضرہ	۷۰
۷	مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا فہم القرآن۔ حصہ اول۔	۴۹
۸	تذکرہ	۳۰۰
۹	کیا خدا آسمان میں رہتا ہے	۳۰
۱۰	پاکستان قومی اسمبلی میں مسلم کی تعریف کا مطالبہ	۳۰
۱۱	جہاد فی الاسلام اور علماء و زعماء پاکستان	۱۶۰
۱۲	ہمارے عقائد۔	۱۴۵
۱۳	آئین پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ۔	۱۴
۱۴	ختم نبوت اور غلام احمد پرویز۔	۱۳۵
۱۵	MUHAMMD THE MODERN PROPHET	۱۸۰
۱۶	THE FOUNDER OF THE AHMADIYYAH MOVEMENT AND HIS BELIEFS-	۱۰
۱۷	THE AHMADIYYAH MOVEMENT LAHORE	۲۷۰
۱۸	DISTINGUISHING FEATURES OF THE AHMADIYYAH MOVEMENT LAHORE	۲۰
۱۹	محترم ممبران قومی اسمبلی کی خدمت میں خدا اور اس کے رسول صلعم کے نام پر اپیل ..	۱۰۰
۲۰	جاہلانہ خیال؟ کس کا؟ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے منجانب اللہ ہونے کے چند خدائی نشانات ..	۲۶
۲۱	انجیلی تعلیم پر قرآنی تعلیم کی برتری اور قرآنی تعلیم کا خدا نما ہونا ..	۱۰
۲۲	انجیل کا مسیح اور قرآن کا مسیح	۵
۲۳	کونسے معتقدات صحیح ہیں؟ جماعت ربوہ کے نئے خلیفہ صاحب سے استدعا۔	۸۱
۲۴	وہ شخص غلطی کرتا ہے جو میرے الہام میں "لفظ نبی سے" حقیقی نبوت اور رسالت مراد لیتا ہے (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ) مندرجہ اخبار الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹۔ مورخہ ۱۷ر اگست ۱۸۹۹ء۔	۱۰۰
۲۵	حضرت مرزا صاحب قادیانی کی دعویٰ نبوت کی کہانی جناب خلیفہ صاحب مرحوم ربوہ کی زبانی۔ ..	۲۵
۲۶	احباب جماعت ربوہ کے لئے لمحہ فکریہ۔	۱۵۰
۲۷	علماء ربوہ کے مزید چار کھوکھلے سہارے۔	۱۰۰
۲۸	اُمتمعا میں کشف و الہام کا مقام	۱۰۰
۲۹	مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا مباہلہ سے گریز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فتح مبین۔	۱۰۰
۳۰	قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (اردو)	۸۰
۳۱	قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (انگریزی)	۷۰
۳۲	شہادت حقہ۔	۲۰
۳۳	تسلسل وحی ولایت حصہ اول	۵۰
۳۴	ردِ تکفیر اہل قبلہ	۵۰
۳۵	کلمہ شہادت۔ خزینۃ المعارف۔ حقیقت توحید اور اسکے فوائد۔	۱۰۰
۳۶	اسلامی اصول کی فلاسفی۔	۱۰
۳۷	کسرِ صلیب۔	۱۰
۳۸	TWO SECTION OF THE AHMADIYYA MOVEMENT	۳۰
۳۹	خوابوں اور الہاموں کے متعلق روحانی فلسفہ۔	۱۰۰
۴۰	حضرت امام الزمان (مسیح موعودؑ) کی فتح عظیم۔	۱۰۰
۴۱	محاصرہ مسیح اور اس کا معجزانہ طور پر اٹھایا جانا۔	۱۰۰
۴۲	جو لٹریچر دستی تقسیم کیا گیا۔	۲۴۲
	میزان	۳۳۵۴

(خواجہ محمد نصیر اللہ۔ آنریری سیکرٹری۔ راولپنڈی)

خواتین سلسلہ!

تشکیل و تعمیر ملت، خواتین کی توجہ۔ محنت اور مسلسل سعی کی محتاج ہے جب خواتین میں ملت کی ترقی اور استحکام کا جذبہ کام کرنے لگتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کی ترقی کو روک نہیں سکتی۔ ہماری خواتین خدا کے فضل سے زندہ ہیں، اور وہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ہر دینی تحریک میں مردوں سے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے کر اپنی زندگی کا ثبوت دیتی ہیں۔۔ یقین ہے کہ امسال بھی ہماری باہمت بہنیں اور بیٹیاں اپنی ان روشن روایات کو قائم رکھیں گی۔

(ادارہ)

جلسہ سالانہ کی برکات

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۱)

اشارہ ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے تیار"

(جلسہ الوداع ۱۸۹۹ء)

پس ہم سب کو اپنا جائزہ لینا چاہیئے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے اعلان ہو چکا ہے کہ ۲۲ر تا ۲۵ر دسمبر جلسہ سالانہ کی تاریخیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ پس اب آپ کا فرض ہے کہ آپ حضرت صاحب کے ارشاد و توقعات کی روشنی میں نہایت تیزی، جوش اور کوشش سے اس مبارک اجتماع میں شامل ہوں۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو اس اجتماع سے کماحقہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۷ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۵۰

جلد ۶۴ | یوم چہارشنبہ ۱۰ محرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۷۷ء | نمبر ۵۱

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اللہ تعالٰے ہی کو مقدم کرو اور دین کو دنیا پر ترجیح دو

سچی خوشی اور اطمینان اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے عطا ہوتا ہے

نمازوں کے نتائج اور اثر تو تب پیدا ہوں۔ جب نمازوں کو سمجھ کر پڑھو۔ بجز کلامِ الٰہی اور ادعیہ ماثورہ کے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اور پھر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو۔ یہی ایک امر ہے جس کی بار بار تاکید کرتا ہوں کہ تھکو اور گھبراؤ نہیں۔ اگر استقلال اور صبر سے اس راہ کو اختیار کرو گے تو انشاء اللہ یقیناً ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالٰے ہی کو مقدم کرو اور دین کو دنیا پر ترجیح دو۔ جب تک انسان اپنے اندر دنیا کا کوئی حصہ بھی پاتا ہے وہ یاد رکھے کہ ابھی وہ اس قابل نہیں کہ دین کا نام بھی لے۔ یہ بھی ایک غلطی لوگوں کو لگی ہوئی ہے کہ دنیا کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں آتے ہیں۔ کیا انہوں نے دنیا کے لئے سعی اور مجاہدہ کیا ہے یا دین کے لئے؟ اور باوجود اس کے کہ ان کی ساری توجہ اور کوشش دین ہی کے لئے ہوتی ہے۔ پھر کیا وہ دنیا میں نامراد رہے ہیں۔ کبھی نہیں۔ دنیا خود ان کے قدموں پر آ کر گری ہے۔ یہ یقیناً سمجھو کہ انہوں نے دنیا کو گویا طلاق دے دی تھی۔ لیکن یہ ایک عام قانونِ قدرت ہے کہ جو لوگ خدا تعالٰے کی طرف سے آتے ہیں وہ دنیا کو ترک کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مقصود اور غایت نہیں ٹھہراتے اور دنیا ان کی خادم اور غلام ہو جاتی ہے۔ جو لوگ برخلاف اس کے دنیا کو اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں خواہ وہ دنیا کو کسی قدر بھی حاصل کر لیں مگر آخر ذلیل ہوتے ہیں۔ سچی خوشی اور اطمینان اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے عطا ہوتا ہے۔ یہ مجرد دنیا کے حصول پر منحصر نہیں ہے۔ اس لئے ضروری امر ہے کہ ان اشیاء کو اپنا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالٰے پر ایمان لاؤ اور اسی کو یگانہ و یکتا معبود سمجھو۔ جب تک انسان ایمان نہیں لاتا کچھ نہیں اور ایسا ہی نماز روزہ میں اگر دنیا کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ نماز روزہ اسے منزلِ مقصود تک نہیں لے جا سکتا۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہو جاوے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا سچا مصداق ہو تب مسلمان کہلاتے گا۔ ابراہیمؑ کی طرح صادق اور وفادار ہونا چاہیئے۔ جس طرح وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا اسی طرح انسان ساری دنیا کی خواہشوں اور آرزوؤں کو جب تک قربان نہیں کر دیتا کچھ نہیں بنتا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جب انسان اللہ تعالٰے پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالٰے کی طرف اس کو ایک جذبہ پیدا ہو جاوے۔ اس وقت اللہ تعالٰے خود اس کا متکفل اور کارساز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰے پر کبھی بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر نقص اور خرابی ہوگی تو ہم میں ہوگی۔

پس یاد رکھو کہ جب تک انسان خدا تعالٰے کا نہ ہو جاوے بات نہیں بنتی اور جو شخص اللہ تعالٰے کے لئے ہو جاتا ہے۔ اس میں شتابکاری نہیں رہتی۔ (الحکم جلد ۹ صفحہ ۹ و ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

صحبتِ صادقین

> حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:—
> تیسرا پہلو جو قرآن سے ثابت ہے۔ — وہ صحبت صادقین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کونوا مع الصادقین۔ یعنی صادقوں کے ساتھ رہو۔ صادقوں کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ ان کا نورِ صدق و استقلال دوسروں پر اثر ڈالتا ہے۔ اور ان کی کمزوریاں دُور کرنے میں مدد دیتا ہے۔۔

ارشادِ الٰہی ہے: کونوا مع الصادقین۔ صادقوں کون ہیں جن کی معیت اختیار کرنی چاہیئے۔ تو اصدق الصادقین یعنی سب سے بڑا صادق تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت یہ ہے کہ اس کے ذکر و اذکار اور اس کی تسبیح و تحمید و تمجید میں وقت گذر جائے۔ اس کی عبادت و ریاضت کی جائے۔ اس کے اوامر و نواہی پر عمل درآمد ہو۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذکروا اللّٰہ لعلکم تفلحون۔ ذکرِ الٰہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے اور فرمایا اذکرونی اذکرکم۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا یہ نسخہ بہت سادہ ہے۔ اس پر ہر کوئی عمل کر سکتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ دعائیں کی جائیں۔ احادیث نبویؐ میں بہت سی دعائیں مذکور ہیں۔ دن رات کے اوقات میں اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے۔ کھاتے پیتے۔ سوتے جاگتے۔ ہر لحہ اور ہر وقت کے لئے مخصوص دعائیں ہیں۔ میں نوجوانوں کو بالخصوص توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ مسنون دعاؤں کو یاد کریں۔ اور حسب موقعہ ان کو پڑھیں۔

دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کی معیت کا یہ ہے کہ نمازیں بالاستیعاب اور بالالتزام پڑھی جائیں۔ نمازوں میں اہم نماز تہجد کی نماز ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے اس وقت سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ جب وہ سجدے میں ہوتا ہے۔ پھر سب سے بڑا صادق انسان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی معیت یہ ہے کہ آپؐ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ اور کثرت سے درود و صلوٰۃ آپؐ پر پڑھی جائے۔ یہ انسان کے نفس کو پاک کرنے کا بڑا اعلیٰ نسخہ ہے۔

پھر قرآن کریم بھی صادقوں میں سے ہے۔ اس کی معیت اختیار کی جائے اس کا کثرت سے مطالعہ کیا جائے۔ اس کی تلاوت کی جائے۔ جس کو زیادہ توفیق ہو وہ اس کو حفظ کرے۔ اس کا ترجمہ سیکھے اور جس کو اس سے زیادہ توفیق میسّر ہو وہ اس کے مطالب و معنی اور تفسیر و تشریح پر غور و فکر کرے۔ عورتیں توجہ کریں کہ ان کے بچے قرآن سیکھیں۔

مامور و مجددین کی صحبت

پھر مامور و مجددین بھی صادقین میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی معیت اختیار کرنا یہ بھی کونوا مع الصادقین کے ارشادِ الٰہی کی تعمیل و تکمیل ہے۔ ان کی معیت کا ڈھنگ یہ ہے کہ ان کی تعلیمات و ارشادات پر عمل کیا جائے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ امام مقرر ہوئے ہیں۔ آپ نے بڑی اعلیٰ قسم کی کتب لکھی ہیں۔ ان کتب کا کثرت سے مطالعہ کیا جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے پاک لوگوں کی جماعت تیار کی ہے۔ اس جماعت میں شمولیت اختیار کرنا اور اس کی ترقی و مضبوطی کے لئے کوشش کرنا یہ بھی کونوا مع الصادقین پر عمل میں سے ایک عمل ہے۔

پھر اُمّتِ مُسلمہ میں جو بڑے بڑے پاک لوگ گذرے ہیں، ان کی پاک زندگیوں کے حالات کا مطالعہ کرنا اور ان کی نیکیوں اور خوبیوں سے اپنی زندگیوں کی راہوں کو روشن کرنا چاہیئے۔ کُتب انسان کے قلب و نظر پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ تحریر انسان کے افکار و نظریات، افعال و اعمال کی آئینہ ہوتی ہے۔

مرزا رجب علی بیگ ناول نگار تھے۔ انہوں نے ایک ناول لکھا۔ حضرت مولانا نورالدین اعظم رضؓ نے ایک ملاقات کے وقت مرزا صاحب سے پُوچھا کہ آپ شیعہ سے سُنی کب ہوئے۔ مرزا رجب علی بیگ یہ سُن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے آپ کو کیسے پتہ چلا۔ میں نے تو کسی سے اظہار نہیں کیا اور سوائے اللہ کی ذات کے اور کسی کو خبر نہیں تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے آپ کی فلاں کتاب پڑھی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہُوا کہ آپ کے عقائد بدل گئے ہیں۔ تو پاک لوگوں کی کتابوں کے اندر پاکی اور طہارت موجود ہوتی ہے۔ ان کے مطالعہ سے قلب و نفس میں پاکی اور طہارت پیدا ہوتی ہے۔

یہ نوجوان بچے گھٹیا قسم کے مخرب الاخلاق ناول و افسانوں وغیرہ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہ عمل کونوا مع الصادقین کے خلاف ہے۔ اس سے بچیئے۔ عورتیں گھروں میں نگرانی کریں کہ بچے اس قسم کی کتابیں تو اپنے زیر مطالعہ نہیں رکھتے وقت گھنٹوں کے لئے جو فلم بینی کی جاتی ہے یہ بھی کونوا مع الصادقین کے خلاف ہے

اگر آپ اپنے نفس کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اپنے خالقِ مالک کی رضا کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنا چاہتے ہیں اور اگر آپ حضرت مسیح موعود کی جماعت میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو:—

کونوا مع الصادقین

کے ارشاد الٰہی کی تعمیل و تکمیل کے لئے ان نسخوں پر عمل کریں جو مَیں نے بیان کئے ہیں۔ تو آپ کونوا مع الصادقین کے شیریں پھل چکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے ۔ (بشکریہ روح اسلام)

الہام ایک ضرورت حقہ ہے — بسلسلہ صفحہ ۹

۔۔۔۔۔۔ اس امر پر مبنی ہے کہ انسان شریعت یا قانون پر عمل نہیں کر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسا دعوےٰ ہمارے کیریکٹر کی نہایت زبردست توہین ہے کیونکہ اگر گناہ ہماری فطرت میں داخل ہے تو ہم بالطبع بدکار اور مجرم ہیں، اندریں حالات مسیحی ممالک میں ضوابط قانون کا پایا جانا کس قدر بوالعجبی کی بات ہے! لیکن اگر تجربہ اس کے خلاف شہادت دے اور یہ معلوم ہو کہ ہم میں سے بہت سے اتباع قانون دنیوی کر سکتے ہیں۔ تو پھر کلیسا کا قول کس طرح لائق قبول ہے کہ ہم اتباع قانون دینی نہیں کر سکتے ؟ کیونکہ احکام شریعت تو صرف دس ہی ہیں۔

اسلامی دنیا کا طرزِ عمل شاہد ہے۔ کہ وہ موحد کامل ہے۔ ہم میں سے اکثر دوسروں کی دولت اور ازواج کا احترام کرتے ہیں۔ اکثر اپنے والدین کے مطیع ہیں۔ اسی طرح دیگر قوانین پر بھی مسلمان عمل کرتے ہیں اندریں صورت یہ دعوےٰ کس قدر غلط ہے کہ ہم فطری طور پر گنہگار ہیں اور قانون کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ مسیحی ممالک میں جو صدیوں تک ترقی رُکی رہی وہ اسی وجہ سے اور جب کلیسائی عقائد کا طلسم ٹوٹ گیا تو ترقی کا دَور شروع ہوگیا۔

ہفت روزہ پیغام صلح ــــ لاہور ــــ مؤرخہ ۲۱ر دسمبر

دینِ اسلام کا رُوحانی و اخلاقی نظام

(ڈاکٹر اللہ بخش)

لادینی نظامِ معاشرت و معیشت کے برخلاف جب پاکستان میں ردِ عمل ہوا تو اس کا محوری نقطہ لازماً دینی یا روحانی نظام ہی قرار پایا جانا تھا۔ چنانچہ حالیہ دور میں جس نعرہ نے سیاست کے میدان میں مقبولیت حاصل کی ہے وہ یہی اسلامی یا مصطفوی نظام کی آواز کا بلند ہونا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بنیادی اقدام صحتمندانہ اور دینی ہے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قرآنِ حمید اور سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق جو اہم تقاضے اس بنیادی نظام کے مضمر ہیں، ان سے نہ صرف عوام بلکہ خواص علماء اور لیڈر صاحبان بھی بے خبر ہیں۔

اسلامی نظام حقیقتاً ایک رُوحانی نظام ہے

اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ جس نظام انسانی کا رائج کرنا قرآن و سنت کا نصب العین ہے اس کا حقیقی و سچا رشتہ انسان کی رُوح و اخلاق سے قائم ہے نہ کہ وہ محض اس کے بدن اور جسم تک محدود ہے۔ انسانی رُوح کا سچا تعلق خدا تعالےٰ سے قائم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا فاذا سویتہٗ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین۔ جب میں اس کے جسمانی اور ذہنی قویٰ کو تکمیل دیدوں اور پھر اس کے بعد اس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سر بسجدہ ہو جاؤ۔

اسی طرح دوسری آیت شریفہ میں فرمایا ثم انشانٰہ خلقاً اٰخر فتبٰرک اللہ احسن الخالقین۔ جب ہم انسان کے جسمانی و ذہنی قویٰ کی تکمیل کر چکتے ہیں تو پھر اسے ایک نئی پیدائش عطا کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس امر کو نئی خِلقت کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے وہ صاف طور پر انسان کے روحانی و اخلاقی کمالات ہیں کیونکہ انسان حقیقتاً دوسرے حیوانات سے اپنی جسمانی و ذہنی کمالات کے علاوہ اپنے رُوحانی و اخلاقی اوصاف سے ہی ممیز کیا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر یوں وضاحت کی ثم سوّاہ و نفخ فیہ من روحہٖ و جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلاً ما تشکرون۔ پس اس کی خِلقت کی تکمیل کی پھر اس میں اپنی رُوح کو پھونکا اور اسے سماعت و بصارت کے قویٰ عطا کئے اور قلب رشد و ہدایت کے لئے دیا۔

انسانی رُوح اور اس کے جُملہ اوصاف کا منبع خدا تعالےٰ کی رُوح سے وابستہ ہیں اور یہی رُوح اس فانی حیات کے بعد خدا تعالےٰ سے جا ملتی ہے۔ جسے لقاء اللہ بھی کہا گیا ہے۔ البتہ ترقی یافتہ و کامل رُوحیں اسی دنیاوی زندگی میں خدا سے ملاقی ہو جایا کرتی ہیں۔ روحانی زندگی کا یہ تسلسلِ حیات ہے۔

اب جب یہ بات واضح ہو گئی کہ انسانی خِلقت کی اصل غرض و غایت ایسے نظریہ حیات اور اعمال و اخلاق سے متعلق ہے جس سے انسان کے رُوحانی کمالات ترقی پذیر ہوں تو پھر اس صورت میں اس میں کوئی بھی شک و شبہ باقی نہ رہ گیا کہ دینِ اسلام کے نظام کی حقیقی غرض انسانی رُوح کو اس کے کمالات کا ترقی دلانا مقصود ہے۔ لیکن یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو اصحاب اسلام کے حقیقی و رُوحانی نظام کے قیام کے مدعی ہوں ان کے تمام اقدامات اور جد و جہد و سعی، انسان کے جسمانی افعال تک محدود ہو کر رہ جائیں! انہیں اس سے کچھ غرض نہ ہو کہ ان کے مجاہدانہ اقدامات نے انسانوں کے یا مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی زندگی میں کیا تغیر و تبدیلی پیدا کی!! جسمانی و ظاہری ارکان و عبادات سے مقصد بھی رُوحانی و اخلاقی تبدیلی ہی ہے۔

قرآن کریم اور سیرت نبوی صلعم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ ظاہراً جسمانی ارکان بھی شریعتِ حقہ کا جزو ہیں مگر یہ یہ افعال بجائے خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ان کا مُدعا بھی قلب و رُوح میں انقلاب لانا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یقیناً خدا تعالےٰ اپنی پاک کتاب میں یہ نہ فرماتے کہ افسوس ہے ان نمازیوں پر جو نماز کے مقصد سے سراسر غافل ہیں اور یہ ارشاد باری تعالےٰ نہ ہوتا کہ تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون خدا کے ہاں مقبول نہیں، جب تک ان سے تمہاری رُوحیں تقوے کی جانب ترقی پذیر نہ ہوں۔

صدقات ایسی نیکی جس سے مخلوق کی مدد ہوتی ہے کے بارہ میں بھی فرما دیا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ کالذی ینفق مالہٗ رئاء الناس۔ دیکھو خبردار ہو جاؤ کہیں تمہارے صدقات باطل نہ ہو جائیں کیونکہ اگر مقصد ان کا محض دکھلاوا و ریاء ہوا تو وہ رائیگاں جائیں گے۔

خانہ کعبہ کی جانب قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنا جہاں فرض قرار دیا وہاں ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولٰکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر۔ تمہارے قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کرنے میں تو فی الحقیقت کوئی نیکی نہیں کیونکہ خدا تو ہر طرف موجود ہے مگر اصل نیکی تو ایمان باللہ اور حسنِ اعمال و اخلاق اور فی سبیل اللہ اموال کے انفاق میں مضمر ہے۔ اگر یہ حال نہ ہوئے تو جملہ ارکان کی ادائیگی رائیگاں گئی۔ ان تشریحات سے قطعاً کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ دینِ اسلام کے سچے نظام کی حقیقت کا اصل تعلق رُوح و قلب کی کیفیت اور اس کی سچی تبدیلی میں مضمر قرار دیا گیا ہے۔

خود خدا تعالےٰ کی ذات کوئی جسمانی حقیقت نہیں بلکہ وہ سراسر رُوحانی قوت و طاقت اور اوصافِ حمیدہ کی مجموعی ذات ستودہ صفات ہے۔ پس اس سے انسانی تعلق و رشتہ کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہ نکلا کہ انسان اپنے آپ کو ان اوصافِ حمیدہ سے متصف کرنے کی سعی میں مصروف کار ہے جو اسے خدا سے قریب کرنے کا موجب ہوں۔

صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ و نحن لہٗ عٰبدون۔ خدا تعالےٰ کے رنگ میں اپنے آپ کو مصطبغ دینے سے بہتر اور کوئی نصب العین نہیں اور عبودیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ دُنیا، عبدِ کامل کی سیرت کو دیکھ کر بلا اختیار یہ کہہ اُٹھے کہ یہ انسان خدائی نور کی جھلک یا جلوہ نمائی کر رہا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی سیرت کا منصفانہ مطالعہ جن مخالفین نے بھی کیا ہے وہ بھی کہہ اُٹھے ہیں کہ

یہ انسانِ کامل خدائی صفات کا حامل نظر آتا ہے۔ و سنتِ نبوی کی متابعت کی علتِ غائی بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی محبت و اطاعت کے باعث انسان کے اعمال و اخلاق اور تعلقاتِ سیرت و کردار، آنحضور صلعم کا کسی قدر نمونہ یا جھلک پیش کرنے والے ہوں۔

مگر تعجب تو ان خواص علماء کی حالت پر ہے جن کی زندگی کی ساری جد و جہد و سعی اس بات میں صرف ہو جاتی ہے کہ ان کے متبعین شریعت کے صرف ظاہرا ارکان ادا کرنے والے بن جائیں لیکن ان کی باطنی نیات، ان کے قلب و رُوح کی کیفیات - ان کے اخلاق و کردار، ان کے معاملات و تعلقات میں کچھ تبدیلی واقع نہ ہو۔

رُوحانی و قلبی تبدیلی کے بغیر نظامِ اسلامی نہیں بن سکتا۔

کاش یہ اصحاب غور کرتے کہ یہ ان کے ایسے نظریہ و نصب العین کا باعث ہی ہے کہ ان کے پیرو اپنے باطن میں تبدیلی کرنے کی کوئی سعی نہیں کرتے کیونکہ انہیں تعلیم ہی یہی دی جاتی ہے کہ نجات کا دار و مدار صرف ظاہرا ارکان و عبادات کی ادائیگی و پابندی پر ہے جس میں سچی روحانی تبدیلی اور حقیقی باطنی انقلاب نیات و اطوار اور اخلاق و حسنِ معاشرت کو کچھ تعلق نہیں۔

غور کرو! کیا یہ دیکام بھی غلط نظریہ نہیں کہ جس نے ظاہرا ارکان کو ادا کر لیا اور لفظی طور پر ایمانیات کا زبان سے اقرار کر لیا وہ نجات پا گیا؟ کیا یہی اس تمام خرابی کا موجب نہیں بن رہا۔ کہ مسلمان قوم اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف سے بکلی غافل و بے پروا پڑی ہے؟ قرآن کریم نے اپنی پاک تعلیم میں جس قدر اہمیت اعمالِ حسنہ و حسنِ اخلاق کو دی ہے اور جس طرح یہ وضاحت فرمائی ہے کہ محض زبانی اقرار چاہے وہ کیسے صدق دل سے ہی کیوں نہ ہو، محض مخلصانہ نیات اور نیک ارادے تب تک قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتے جب تک وہ اعمالِ زندگی پر اپنا اثر پیدا نہ کریں۔ کیا ہمارے علماء نے کبھی عوام پر یہ حقیقت اپنے مواعیظ اور نمونہ کے ذریعہ واضح کی؟

لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون - آپ ان امور کی تلقین کرتے ہو جو تم خود کرتے نہیں - یہ کیسا ناپسندیدہ (امر) خدا کے نزدیک ہے جو تم اختیار کرتے ہو؟ کبھی فرمایا لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتٰب من یعمل سوء یجز به - نیات خواہ تمہاری ہوں یعنی کیسی ہی نیک ہوں یا اہل کتب کے ارادے ہوں، اگر ان سے اعمال تبدیل نہیں ہوتے تو یاد رکھو بُرے عملوں کا بدلہ ضرور بھگتنا ہی پڑے گا اور اس ابدی قانونِ الٰہیہ میں قطعًا کوئی تخلف نہیں - یہ آیت کیسی قطعیت سے اس امر پر دال ہے کہ صرف اعمال ثمردار ہوا کرتے ہیں محض اعتقادات و تعلیم بلکہ نیک نیات بھی کوئی پھل نہیں لاتیں۔ اور اس معاملہ میں ایک مسلم و غیرمسلم میں بالکل کوئی تمیز و فرق نہیں - علماء اور لیڈروں کا قومی اعمال و افعال اور سیرت و کردار کے تبدیل کرنے کی طرف سے غفلت و لاپرواہی برتنا مگر یہ توقع رکھنا کہ کوئی اسلامی حکومت اپنے قواعد و قانون اور طاقت کے بل بوتے پر اصل اسلامی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی - کس قدر باطل و غلط نظریہ ہے۔ دینِ اسلام ایک سچے دین کی مانند دراصل ایک باطنی نظام کی تبدیلی کا خواہاں ہے، ایک ایمانی انقلاب کا داعی ہے، کردار و سیرت کی روش کی کایا پلٹ کرنا اس کا اصل مقصد ہے۔ مسلمانوں کی باطنی اور سچی نیات اور قلبی خواہشات کو بدل دینے کا طالب ہے کہ جس سے ان کے اخلاق و اعمال اور ان کی سیرت و کردار کفار کے اخلاق و اعمال کے بالمقابل نمایاں طور پر ممیز ہو کر نظر آ جائیں۔ یاایھا الذین امنوا ان تتقوا الله یجعل لکم فرقانا جب تک یہ فرقان قائم نہیں ہوتا تب تک اسلامی نظام کا دعویٰ محض ہیچ و بے ثمر ہوگا۔ پس لازم ہے کہ پہلے علماء و لیڈر صاحبان اپنے اعمال و سیرت میں کوئی نمایاں انقلاب پیدا کر دکھلائیں اور پھر اپنے ایسے ذاتی انقلاب کے باعث عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے والے ہوں۔ جب عوام کی زندگیوں میں بھی ایسا باطنی انقلاب رونما ہوگا تب وہ منزل آئے گی کہ ہم یہ کہہ سکنے کے قابل ہوں کہ سچا اسلامی نظام قائم ہو گیا۔ دانشمندو! غور کرو!!

کیا قوانینِ حکومت اور ظاہرا شرعی احکام کا نفاذ کبھی قلوب میں ایمانی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں؟

ایسی سچی تبدیلی تو یقینِ تام کے مرتبہ پر پہنچ جانے سے ہی میسر آتی ہے جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی کیفیات پیدا ہونے سے۔

یہ مقاصد ایسی صورت میں جب کہ قوم کی مجموعی حالت اس درجہ انحطاط پر پہنچ گئی ہو جیسے کہ آج ہر ایک کو مسلّم ہے، ایسا حتمی یقین کہ دنیاوی لذائذ اور کششوں سے دل برداشتہ ہو کر ایمانی و اخلاقی بلندیوں کی جانب رغبت پیدا ہو، ایسا حتمی یقین تو صرف وہی انسان پیدا کر سکتا ہے جو خود خدا تک پہنچ گیا ہو، جس نے از راہِ بصیرت و معرفت خدا تعالیٰ کے وجود پر اطلاع پائی ہو۔ جو اُخروی حیات کے حقائق پر کماحقہٗ مطلع ہو چکا ہو۔ ایسے شخص سے حقیقی تعلق دامن وابستہ کرنا ہی اس یقینِ تام کے مرتبہ تک پہنچا سکتا ہے جس سے اندرونی انقلاب اور بیرونی کایا پلٹ معرضِ وجود میں آتی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ ایمانی و اخلاقی حالتیں کیا اس امر پر قطعی شہادت نہیں دیتیں کہ اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت ایسے ربانی مصلح کی بعثت ہے جو اپنی ندا بلند کر چکا ہو، یہ وہی عظیم انسان ہے جسے چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے - کیا قوم کے خاص و عام اس کی صدائے یقینِ تام کی طرف توجہ دیں گے!

ع

یارو - جو مرد آنے کو تھا وہ تو آ چکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

اخبارِ احمدیہ

—— مرزا محمود بیگ لائل پور سے اطلاع دیتے ہیں کہ:—— مقامی جماعت احمدیہ لائل پور کے درج ذیل نئے عہدیدار برائے ۱۹۷۸ء منتخب ہوئے ہیں:—

(۱) سرپرست اعلیٰ ———— جناب مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب
(۲) صدر ———— جناب میاں محمود احمد صاحب
(۳) نائب صدر ———— جناب میاں حمید احمد صاحب
(۴) سیکرٹری ———— میرزا محمود بیگ

مرسلہ: مرزا محمود بیگ - لائل پور

اپنے اپنے نفسوں کا مطالعہ کر کے اپنی اصلاح کرو

کوثر میں مجددِ وقت کا وجود شامل ہے

(حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ)

انا اعطینک الکوثر ۝ فصل لربک وانحر ۝ ان شانئک ھو الابتر۔

یہ ایک سورۃ شریف ہے۔ بہت ہی مختصر۔ لفظ اتنے کم کہ سننے والے کو کوئی ملال طوالت کا نہیں۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی ایک دن میں اسے یاد کر لے۔ مگر ان کے مطالب اور معنی دیکھو تو حیرت انگیز۔ ان کو بیان کرنے سے پہلے میں ایک ضروری بات سنانا چاہتا ہوں۔

واعظوں اور سامعین کے اقسام

وہ یہ کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں، واعظوں اور سننے والوں کے دو اقسام پاتا ہوں۔ ایک وہ واعظ جو دنیا کے لئے وعظ کرنے والے ہیں۔ دنیا کے لئے وعظ کرنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے وعظ سے اپنی ذات کا فائدہ چاہتے ہیں۔ یعنی کچھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ خود روپیہ حاصل کریں۔ مگر یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ سننے والوں کو ایسے طریقے اور اسباب بتائیں جس سے وہ روپیہ کما سکیں مادی ترقی کرنے والے بنیں۔ دنیا کے لئے وعظ کرنے والوں میں اس قسم کے واعظوں کے اغراض ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں ــ کوئی قوموں کو جوش دلاتا ہے۔ ان میں مستعدی اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لئے تحریک کرتا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ کے لئے چست چالاک ہو جائیں ــ کوئی امور خانہ داری کے متعلق، کوئی تجارت اور حرفہ کے لئے!

مختصر یہ کہ ان کی اغراض انتظامی امور یا عامہ اصلاح ہوتی ہے۔ جو دوسرے الفاظ میں سیاسی یا پولیٹکل، تمدنی یا سوشل اصلاح ہوتی ہے اور وہ لوگ جو دین کے لئے وعظ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں۔ اور امر بالمعروف کا جو فرض انہیں ملا ہے اس کو ادا کریں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں۔ اور اپنے آپ کو اس خیر امت میں داخل کرنے کی فکر کریں۔ جس کا ذکر یوں ہوتا ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو۔ امر بالمعروف کرتے ہو اور نہی عن المنکر۔

اور ایک وہ ہوتے ہیں جن کی غرض دنیا کمانا بھی نہیں ہوتی۔ مگر یہ غرض بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ صرف حاضرین کو خوش کرنا چاہتے ہیں کہ یا ان کی واہ واہ کے خواہش مند کہ کیسا خوش تقریر یا مؤثر واعظ ہے۔

خدا کے دین اور نیکیاں پھیلانے والے واعظ

دینی واعظوں میں سے پہلی قسم کے واعظ بھی فتوحات ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر ملکی فتوحات سے ان کی فتوحات نرالی ہوتی ہیں۔ ان کی فتوحات یہ ہوتی ہیں کہ برائیوں پر فتح حاصل کریں۔ نیکی کی حکومت کو وسیع کریں۔

جیسی واعظوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایسی ہی سننے والوں کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اللہ کے لئے سنتے ہیں کہ اس کو سن کر اپنی اصلاح کریں۔ دوسرے وہ جو اس لحاظ سے سنتے ہیں کہ واعظ ان کا دوست ہے یا کوئی ایسے ہی تعلق رکھتا ہے یعنی واعظ کی خاطر داری سے۔ اب تم دیکھ لو کہ تمہارا واعظ کیسا ہے اور تم سننے والے کیسے؟ تمہارا دل تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا فیصلہ تم کر لو۔ میں جس نیت اور غرض سے کھڑا ہوا ہوں، میں خوب جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ دل کے ساتھ خدا کے لئے ہی کھڑا ہوا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تقسیم فرمائی ہے کہ واعظ یا مامور ہوتا ہے یا امیر یا متکبر۔ امیر وہ ہوتا ہے جس کو براہِ راست اس کام کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ اور مامور وہ ہوتا ہے جس کو امیر کہے کہ تم لوگوں کو وعظ سنا دو، اور متکبر وہ جو محض ذاتی بڑائی اور نمود کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ پس یہ اقسام واعظوں کی ہیں۔

اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس بات پر غور کرو کہ تمہیں وعظ کہنے والا کیسا ہے اور تم کیسا دل لے کر بیٹھے ہو؟ میرا دل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ناظر ہے جو بات میری سمجھ میں مضبوط آئی ہے اسے سنانا چاہتا ہوں اور خدا کے لئے۔ پھر مجھے حکم ہوا کہ تم مسجد میں جا کر نماز پڑھا دو اور اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور سناتا ہوں۔

دینی واعظ کی صفات

میں دنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں۔ کیونکہ ان کی اغراض محدود، ان کے حوصلے چھوٹے اور ان کے خیالات پست ہوتے ہیں۔ جس واعظ کی اغراض دینی ہوں وہ ایک زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دنیوی واعظ سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے۔ ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بری بات سے روکنے والا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ نے مُھَیْمِن فرمایا۔ یہ جامع کتاب ہے جس میں جیسے ایک ملٹری (فوجی) واعظ کو فتوحات کے طریقوں اور قواعد جنگ کی ہدایت ہے ویسے ہی تنظام ممالکت اور سیاست مدن کے اصول اعلیٰ درجہ کے بتائے گئے ہیں۔ غرض ہر رنگ اور طرز کی اصلاح اور بہتری کے یہ اصول بتاتا ہے۔

پس میں قرآن کریم جیسی کتاب کا واعظ ہوں۔ جو تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے اور جو سکھ اور تمام کامیابی کی راہوں کی بیان کرنے والی ہے اور اس کتاب میں سے یہ چھوٹی سی سورت میں نے پڑھی ہے۔

قرآن کا طرزِ بیان، ہم اور میں

میں اس سورت کے مطالب بیان کرنے سے پہلے یہ بات بھی

تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف کا طرزِ بیان دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ بعض جگہ تو اللہ تعالےٰ ایک فعل کو واحد متکلم یعنی "میں" کے لفظ کے ساتھ بیان فرماتا ہے اور بعض جگہ جمع متکلم یعنی "ہم" کے ساتھ۔ ان دونوں الفاظ کے بیان کا یہ سِر ہے کہ جہاں میں کا لفظ ہوتا ہے وہاں کسی دوسرے کا تعلق ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں "ہم" ہوتا ہے وہاں اللہ تعالےٰ کی ذات، اس کے فرشتے اور اس کی مخلوق بھی اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ پس اس بات کو یاد رکھو، یہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انّا اعطینٰك الکوثر۔ بے ریب ہم نے تجھ کو دیا ہے الکوثر۔ ہر ایک چیز میں بہت کچھ۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے ہم کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا کلام ہے جیسے اس میں آپ فضل کیا ہے فرشتوں اور مخلوق کو بھی لگایا ہے۔

بہت کچھ کے معنی مختلف حالتوں میں

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس بہت کچھ کی کیا مقدار ہے۔ تم میں سے بہت سے لوگ شہروں میں رہنے والے ہیں۔ جنہوں نے امیروں کو دیکھا ہے۔ بہت سے دیہات کے رہنے والے ہیں جنہوں نے غریبوں کو دیکھا ہے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے محض اپنے فضل سے ایسا موقع دیا ہے کہ میں نے غریبوں، امیروں کے علاوہ بادشاہوں کو بھی دیکھا ہے۔ اور ان تینوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ان کی ہر چیز میں، ہر بات میں علیٰ قدر مراتب امتیاز ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کسی غریب کے گھر جا کر سوال کرے تو وہ اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دے دیتا ہے۔ اس کی طاقت اتنی ہی ہے۔ لیکن اب ایک امیر کے گھر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کو کچھ دے دو تو اس سے مراد تین چار روٹیاں ہوتی ہیں۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بادشاہ کہتا ہے کہ کچھ دے دو تو اس کے کچھ سے مراد دس بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ اس سے عجیب بات پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی کا حوصلہ ہوتا ہے، اسی کے موافق اس کی عطا ہوتی ہے اب اس پر قیاس کر لو۔ یہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دے دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات کی کبریائی، اس کی عظمت و جبروت پر نگاہ کرو۔ اور پھر اس کے عطیہ کا تصوّر کرو۔ دیکھو ایک چھوٹی سی شمع سورج اس نے بنایا۔ اس کی روشنی کیسی ہے۔ عالمگیر ہے۔ ایک چھوٹی سی لالٹین چاند ہے۔ اس کی روشنی کو دیکھو کس قدر ہے۔ کنوؤں سے پانی نکالنے میں کس قدر جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی عطا پر دیکھو کہ جب وہ بارش برساتا ہے پھر کس قدر دیتا ہے۔

خدا کی عطا کے معنے

غرض یہ سیدھی سادی بات ہے اور ایک مضبوط اصل ہے جس قدر کسی کا حوصلہ ہو اسی قدر وہ دیتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کی عظمت کے لحاظ سے اب اس لفظ کے معنی پر غور کرو کہ ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔ خدا کا بہت کچھ دینا وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا اور پھر اس کا اندازہ میری کھوپڑی کرے۔ یہ احمقانہ حرکت ہوگی اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اس وقت کوئی کوشش کرے کہ پانی کے قطرات کو شمار کرنے لگے جو آسمان سے برس رہے ہیں (ایڈیٹر۔ جس وقت آپ یہ خطاب فرما رہے تھے تو آسمان سے نزول بارانِ رحمت ہو رہا تھا)۔ ہاں یہ بے شک انسانی طاقت کے اندر ہرگز نہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیا گیا ہے اس کو سمجھ سکے۔ چونکہ مجھے اللہ تعالےٰ کے محض فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت ہے اور آپؐ کی عظمت کا مجھے علم دیا گیا ہے۔ اس لئے میں اندازہ تو ان عطیات کا نہیں کر سکتا لیکن ان کو یوں سمجھ سکتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ انتقال کر گیا۔ اور چلنے ہی لگے تھے کہ ماں کا انتقال ہوا۔ کوئی حقیقی بھائی آپؐ کا تھا ہی نہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق فرمایا: الم یجدك یتیمًا ہم نے تجھے یتیم پایا تھا۔!

اس یتیم کو جسے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دے دیا۔ خاتم الانبیاء۔ خاتم المرسل، سارے علوم کا مالک ساری سلطنتوں کا بادشاہ بنا دیا۔ آپؐ کی عادت شریف تھی کہ کبھی جو بے انتہا روپیہ مالیہ کا آیا ہے تو مسجد میں ہی خرچ کر دیا۔

غرض غور کرو کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دیا۔ کس قدر خیر کثیر آپؐ کو دی گئی ہے۔ آپ کا دامن نبوت دیکھو تو قیامت تک وسیع ہے کہ اب کوئی نبی نیا ہو یا پرانا آ ہی نہیں سکتا۔ کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں۔ یہ کثرت تو بلحاظ زمان ہوئی اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ میں فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں۔ یہ کوثر بلحاظ مکان کے عطا ہوئی ہے۔ کوئی آدمی نہیں جو کہ یہ کہدے کہ مجھے احکام الٰہی میں اتباع رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی، کوئی بالغ مرد، بالغ عورت، کوئی ہو، اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ اب وہ کوئی خضر نہیں جو لن تستطیع معی صبرًا بول اُٹھے۔ یہ وہ موسیٰ ہے جس سے کوئی الگ نہیں ہو سکتا۔ کوئی آدمی مقرب نہیں ہو سکتا جب تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچی اتباع نہ کرے۔

کوثر سے مراد

تعلیم اور کتاب میں وہ کاملیت اور جامعیت اور کثرت عطا فرمائی کہ فیھا کتب قیمۃ۔ کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور ساری صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر کہ جب کہ یہ سچی بات ہے الدال علی الخیر کفاعلہ۔ پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو کہ جب کہ اُن کے دال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں تو ان کے جزائے نیک آپ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔

اعمال میں دیکھو، اتباع، فتوحات، علوم اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائی ہیں۔ آدمی وہ بخشے جن کے نام لے کر عقل حیران ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ عباسیوں اور مرزائیوں جیسے کیا انتخاب سے ایسے آدمی مل سکتے ہیں کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پانی گرانے کا حکم کریں تو خون گرانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ملک وہ بخشے کہ ایران، توران، مصر، شام، ہند تمہارا ہی ہے۔ اور وہ ہیبت اور جبروت آپؐ کو عطا فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کسی طرف کا ارادہ کرتے تو ایک مہینہ کی دُور راہ کے بادشاہوں کے دل کانپ جاتے۔ اللہ جب دیتا ہے تو اس طرح دیتا ہے۔

یہ بڑا لمبا مضمون ہے جو اس تھوڑے وقت میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختلف شاخوں اور شعبوں میں جو کوثر آپؐ کو عطا ہوئی۔ ایک مستقل کتاب اس پر لکھی جا سکتی ہے۔ (ماخوذ از تفہیمات احمدیہ)

اگر خواہی رہِ مولیٰ زلافِ علم خالی شو
کہ رہ ندہند۔ در کوئش اسیرِ کبر و نخوت را

حضرت مسیح موعودؑ

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم

الہام ایک ضرورتِ حقّہ ہے

(بسلسلہ اشاعت ۳۰ ۱۱/۷۷ - از صفحہ ۸)

قرآن مجید لازمۂ ابدی ہے

جناب مسیحؑ سے پہلے تو جو کچھ حالت تھی اس سے سردست ہمیں کوئی سروکار نہیں - لیکن ان کے زمانہ کے بعد ہی تاریکی کا دَور شروع ہو گیا - اور ایسا معلوم ہوتا تھا - گویا دنیا انتظار ہی میں تھی کہ کب جناب مسیحؑ اس دنیا سے رخصت ہوں اور کب یہاں تاریکی کا دَور دَورہ شروع ہو؟ وہ شمع ربّانی جو انہوں نے لوگوں کے سینوں میں جلائی تھی بجھنے لگی - اور دنیا کے دوسرے حصوں میں تو بیچ پچ بجھ گئی تھی - مذہب ہر جگہ رو بہ زوال تھا - اور اس کی جگہ محض رسم پرستی رائج ہو گئی تھی - اور اس کی وجہ سے ایک تباہ کُن الٰہیات لوگوں کے دماغوں پر مستولی ہو گئی تھی - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مادی ترقی کلیۃً مفقود ہو گئی - اگر ایک طرف مغرب میں کلیسا لوگوں کو یہ سکھا رہی تھی کہ انسان اس دنیا میں ایک بدکار مخلوق الٰہی ہے اور دُنیا کی ہر چیز نفسانیت کو ترقی دینے اور روحانیت کو فنا کر دینے کے لئے ہے تو مشرق میں بدھ مذہب تعلیم دے رہا تھا - کہ انسان میں کوئی ذاتی خوبی نہیں ہے - اور نہ وہ کسی ذاتی خوبی کا اہل ہے - اس کی نجات کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو علائق دنیوی سے یکسر منقطع کرے - اور جنگل میں مجردانہ زندگی بسر کرے - ظاہر ہے کہ اس فلسفہ اور اس الٰہیات کا تمدّن اور تہذیب کے حق میں نہایت بُرا اثر ہوگا - غرضیکہ دنیا پر روحانی، اخلاقی اور مادی ہر قسم کی موت طاری تھی - اور بدکاری اور جہالت کے بادل اُفق عالم پہ نمودار تھے - ایسے تاریک ترین زمانہ میں روشنی کی کرن عرب سے نمودار ہوئی اور ایک جوان بدوی کو جو غارِ حرا میں بیٹھا ہوا دنیا والوں کی جہالت اور پستی پر غور کر رہا تھا - ایک آواز سنائی دی - جو کہ رعد سے مشابہ تھی - یہ آواز دراصل خدا کی طرف سے ایک پیغام تھا - اور یہ پیغام اپنی نوعیت میں بے نظیر تھا - اس سے پہلے جس قدر ربانی الہام نازل ہوئے وہ یا تو کسی خاص قوم سے مختص تھے یا کسی خاص شخص پہ نوازش کا رنگ رکھتے تھے - مثلاً توریت کا پیغام کہ ایک قبیلہ سے مخصوص تھا - اور ویدوں کا الہام کہ بعض افراد کو منتخب کر کے انہیں مخصوص طور پر مخاطب کرتا ہے - یا پھر اس میں ذاتی اور شخصی مہربانی کا مذکور ہوتا تھا - جیسا کہ دریائے یردن کے کنارے ظہور پذیر ہوا تھا - لیکن ان باتوں کے بالمقابل جو الہام غارِ حرا میں نازل ہوا وہ تمام بنی نوع آدم کے لئے پیغامِ حیات تھا - اور اس امر کا مظہر کہ اب ادنیٰ طبقہ کے افراد (اور اس زمانہ کے لوگ ادنیٰ درجہ ہی میں تھے) اعلیٰ درجہ کے افراد بن جائیں گے - الہامی الفاظ کا منشا یہ تھا کہ خدائے کریم کی مرضی یہ ہے کہ انسان ترقی کرے - اور خدا اس کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچانا چاہتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات بن جائے - اور اس الہام نے یہ طریقہ بھی بتا دیا جس کی وجہ سے انسان اس مرتبۂ عالیہ پہ فائز ہو سکتا ہے - اور پستی کی حالت سے نکلنے کا طریق جو الہام نے تجویز فرمایا یہ تھا کہ انسان علومِ جدید کا اکتساب کرے -

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ آنحضرت صلعم کی قوّتِ متخیلہ کا کرشمہ تھا؟ یا اللہ تعالےٰ کی طرف سے فی الواقعہ آپؐ کو وعدہ دیا گیا یا یہ معاملہ ایسا تھا - کہ آئندہ تاریخی واقعات نے اس کی صداقت پر مُہر لگائی - بہرحال یہ الہام اپنی عظمت اور شان کے لحاظ سے بے نظیر ضرور تھا - اور اس سے پہلے کوئی الہام اس قسم کا نازل نہیں ہُوا لیکن یہ الہام ابتداءً چھ ماہ کے لئے رُک گیا تھا - اور اس کے بعد آپؐ کو دوبارہ حکم نازل ہوا کہ کمر باندھ کر اُٹھیں اور اپنی جاہل قوم میں اصلاح کا کام شروع کریں - یہ لوگ اس قدر جاہل تھے - کہ اپنے آپ کو جاہل کہلانا پسند کرتے تھے - بہت سے الہامات نازل ہوئے بلکہ وحی الہام کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن کلی زمانہ تبلیغ کے آخر میں جا کر سورۃ نحل نازل ہوئی - اس میں عظمتِ موعودہ کا خاکہ بیان کیا گیا - اس میں یہ بھی اعلان تھا کہ خدا کی بادشاہت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللّٰہ علی الارض کے فرائض انجام دے گا اور یہ وہ حالت ہے جس کے لئے حضرت مسیح نے نہایت خلوص کے ساتھ جناب باری میں دُعا کی تھی اور وہ دُعا آج بھی ہر مسیحی کے منہ سے نکلتی ہوئی سنائی دیتی ہے - بہرحال اس سورت سے پہلے تین رکوعات میں آسمانی بادشاہت کے خصائص بیان کئے ہیں -

پہلے رکوع میں ان حیوانات کا ذکر ہے جو اس وقت انسان کے حیطۂ اقتدار میں تھے - اور دوسرے میں عالم فطرت کے بعض حیرت انگیز مظاہر کا ذکر کیا گیا ہے - بتایا گیا ہے کہ پانی جو بادلوں سے حاصل ہوتا ہے اور درختوں - پودوں اور جھاڑیوں کو اُگاتا ہے - وہ دراصل انسان کے فائدے کے لئے ہے -

دن - رات - سورج اور چاند اور دیگر سیارے جو آسمان میں دکھائی دیتے ہیں سب انسان کے فائدے کے لئے بنائے گئے ہیں - بڑے سمندروں پہاڑوں - دریاؤں اور شاہراؤں کا ذکر کرنے کے بعد تمام مسئلہ کو بطور ایجاز بیان کر دیا گیا ہے - یعنی یہ کہ دنیا نعماء سے مالا مال ہے جو تمامتر انسان کے لئے ہیں - اور ہنوز اس کی گرفت میں نہیں آئی ہیں - بے شک یہ تو ایک حیرت انگیز خوشخبری تھی - جو قرآن کی معرفت اہلِ عالم کو دی گئی -

انسان کو جس نے صدیوں سے اپنے آپ کو ایسا ذلیل و خوار کر لیا تھا - کہ ہر شئے کو جو کائنات میں اسے نظر آتی تھی وہ اپنا معبود بنا لینے کو تیار تھا - یہ پیغام یا اعلان یقیناً ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوتی ہوگی - کہ وہ ان تمام مظاہرِ قدرت کا حاکم و مخدوم ہے نہ کہ خادم اور محکوم حتیٰ کہ یہ نیرِ اعظم بھی جسے اس نے صدیوں تک اپنا معبود قرار دیا - اور اس کے سامنے سر جھکایا وہ بھی اس کا ادنیٰ خادم ہے - اور انسان تمام اجرامِ فلکی پہ حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے -

دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے ان تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جن کو انسان نے اپنا معبود بنا لیا ہے - اور ان سب کے متعلق صاف طور پر بتا دیا کہ یہ انسان کے خادم ہیں نہ کہ مخدوم - مختصر یہ کہ جو چیزیں کل تک اس کی معبود تھیں قرآنی اعلان کی رُو سے اس کی خادم قرار پا گئیں -

یہ پیغام ایسے شخص کے پاس آیا جو ایسی قوم کا فرد تھا - جو کہ ہر طرح ادنیٰ تھی - لیکن خدا تعالےٰ نے اس حیرت انگیز کام کی تکمیل کے لئے اسے انتخاب فرمایا - اب اربابِ فکر اور صاحبانِ ہوش اس امر پر غور کریں اور تاریخ کی روشنی میں یہ سوال کریں - کہ انسان کی اس عظمت کا تخیل آنحضرت صلعم سے پہلے کسی فرد کے دماغ میں موجزن ہُوا تھا؟ یہ واہمہ نہ تھا بلکہ ایک حقیقت تھی اگرچہ اس کا بہت سا حصّہ ابھی تک پورے طور پر ہمارے سامنے ظاہر نہیں ہُوا ہے ابھی ہمیں اس دن کا انتظار باقی ہے جبکہ قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق حکمت جدیدہ کی مدد سے ہم آفتاب

کو اپنا خادم بنا لیں گے۔ اور وہ ہمارے باورچی خانوں میں مثل خادمہ کے کام کیا کرے گا۔

اسی رکوع میں ان امور سے مطلع کیا گیا ہے جن کی وجہ سے انسان پستی کی حالت میں تھا۔ اور جن کو دُور کر دینے سے وہ اوجِ ترقی پر فائز ہو سکتا ہے ہماری موجودہ عظمت اس بات پر منحصر ہے۔ کہ ہم نے فطرت کو اپنا خادم بنا لیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کے مختلف عناصر کو بمنزلہ خُدا تصوّر کیا ہے اور عابد اپنے معبود سے خدمت نہیں لے سکتا۔ جب تک ہم اپنے اندر کامل اور خالص توحید کا عقیدہ پیدا نہ کریں اس وقت تک کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔

الکتاب نے ہمیں ایک فوق العادت بات کے حصول کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کائنات پر ملائکہ کے ذریعہ حکومت ہو رہی ہے۔ اور اگر ہم ضروری علم حاصل کر لیں تو یہ کارکن ہمارے تابع ہو جائیں گے۔ اور قرآن شریف نے اس علم کے متعلق ہمیں کسی تاریکی میں نہیں رکھا۔ ملائکہ پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے علم کی نوعیت سے خبردار ہونا پہلی شرط تھی لیکن اس کے علاوہ ہمیں کائنات کا مزید اور وسیع مطالعہ کرنا بھی لازمی تھا۔ فطرت کے مختلف عناصر کو اپنا خادم بنانے کے لئے اس کا سمجھنا ہمارے لئے ضروری تھا اور ہمیں یہ جاننا بھی لازمی تھا۔ کہ کن طریقوں اور قوانین کے ماتحت وہ عناصر اپنے خواص ہمارے فائدہ کے لئے ظاہر کر دیں گے۔ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اشیاء کی ہیئت ترکیبی[۱] اور وضع کیا ہے اور ان کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور وہ تناسب کیا ہے۔ جس کے ماتحت وہ باہمی امتزاج سے دوسری اشیاء میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور وہ قوانین کیا ہیں جو ان پر حاوی ہوتے ہیں۔ ہماری توجہ مظاہر فطرت کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ ان کے فوائد سے ہمیں مطلع کیا گیا اور ان کی ساخت کا حکم دیا گیا۔ تا کہ بوقت ضرورت استعمال میں آ سکیں۔ مثلاً آج ہمیں پانی کے اجزائے ترکیبی کا علم ہے اور اس تناسب کا بھی جس کے ماتحت امتزاج کرنا پڑتا ہے تا کہ پانی بن سکے۔ لیکن قرآن شریف ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اس سے آگے ترقی کریں اور فطرت کا فرض بھی خود ہی بجا لائیں۔

جن آیات میں ہمیں ان باتوں کا علم دیا گیا ہے وہ ہم کو تفقہ، تدبّر تفکّر اور تعقّل کا حکم دیتی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ عربی کے ان الفاظ کا کسی دوسری زبان میں صحیح ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ ان کے معنی عام طور سے غور و فکر کرنے عقل و فہم سے کام لینے کے آتے ہیں ترجموں میں بھی قریب قریب یہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن دراصل یہ الفاظ اس علم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا حاصل کرنا ہمارے لئے ضروری ہے تا کہ ہم ترقی کر سکیں اور یہ علم دھیان یا وچار سے حاصل ہوتا ہے۔

تفقہ کے اصلی معنی ہیں کسی شے کے ان خصائص کا علم حاصل کرنا جو اسے دوسری اشیاء سے ممتاز کرتے ہیں۔ تدبّر کے معنے ہیں اس غرض و غایت کو معلوم کرنا جس کے لئے اشیاء مخلوق ہوتی ہیں۔ تفکّر کے معنی ہیں اس علم کے جس کی مدد سے ہم خود اشیاء مخلوقہ کو وجود میں لا سکتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں نے انہی احکام کے ماتحت معمل اور دارالتجارب قائم کئے تھے۔ جہاں وہ ہر قسم کی علمی اور سائنٹیفک تحقیقات سرانجام دیتے تھے۔ اور یہیں سے مختلف فنون کا اجرا عمل میں آیا۔

اس قسم کے علمی شغف پیدا کرنے کے لئے اور ہماری دلچسپی کو تیز کرنے کے لئے قرآن شریف نے مندرجہ ذیل اعلانات نافذ فرمائے ہیں:

(۱) کل کائنات مختلف استعدادوں سے معمور ہے۔

(۲) کائنات میں ہر شے کسی نہ کسی خاص مقصد کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

(۳) جملہ اشیائے کائنات ہمارے فائدہ استعمال اور خدمت کیلئے ہیں۔

(۴) کائنات میں کوئی شے خواہ وہ بظاہر کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو بیکار پیدا نہیں کی گئی ہے وہ ہماری خدمت کے لئے پیدا ہوئی ہے اور زندگی میں ہمیں جس قدر چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب مہیا کر دی گئی ہیں۔

(۵) کسی کی محنت اکارت نہیں جاتی۔

(۶) اعمال صالح پر جزائے وافر مرتب ہوگی۔

(۷) کاہلی سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۸) کائنات میں کسی شے کی سرشت نہیں بدل سکتی۔

(۹) تمام کائنات پر قانون کی حکومت ہے ہر شے کسی نہ کسی قانون کے مطیع ہے اور اگر ہم ان قوانین کو معلوم کر لیں تو وہ اشیاء ہماری خادم ہو سکتی ہیں۔ اور قوانین فطرت دراصل مشیت الٰہی کا دوسرا نام ہے۔

(۱۰) قوانین فطرت تبدیل نہیں ہو سکتے۔

(۱۱) علم اور حکمت جدیدہ کی بدولت ہم اشیائے کائنات کو اپنے استعمال میں لا سکیں گے۔

(۱۲) اشیائے کائنات میں تعاون اور تعامل پایا جاتا ہے۔

(۱۳) وہ مقررہ تناسب کے ماتحت امتزاج باہمی کی بدولت نئی اشیاء کی تخلیق کا باعث ہو سکتی ہیں۔

(۱۴) اللہ تعالےٰ کی مہربانیاں اور برکات ہر بشر کے لئے عام ہیں۔

(۱۵) مگر اس کے طریقے انہی لوگوں کو معلوم ہو سکتے ہیں جو ان کی جستجو کرتے ہیں۔

(۱۶) دنیا میں ہماری جستجو کے لئے مادی خزائن بکثرت موجود ہیں اور لفظ "رحمان" میں یہ مفہوم موجود ہے کہ اگر ہم جستجو کریں تو وہ ہمیں معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ وہ خزائن ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

(۱۷) ہر شے پہلے ہی سے مقدر اور منظم ہو چکی ہے اور اصولِ ارتقاء کے ماتحت تکمیل پذیر ہوتی ہے۔

(۱۸) انسان کو کسی شے کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر شے موجود تھی اُسے صرف کسب کی ضرورت ہے۔ اور ہر محنت کا ثمرہ ملے گا۔

(۱۹) ہر شے ہمارے فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے لیکن اس کا غلط استعمال انہیں بُرا بنا دیتا ہے۔

(۲۰) برائی یا بھلائی خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اس پر سزا یا جزا ضرور مرتب ہوتی ہے۔

(۲۱) کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔

(۲۲) تمام کائنات منظم اور معین صورت میں ہے اور اگر ہم اپنے آرام کے لئے مختلف چیزیں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اندازوں اور تعلقات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

(۲۳) ہر شے کے لئے حدود معین ہیں اور اگر حدود سے تجاوز کیا جائے گا تو نقصان ہوگا۔

(۲۴) انسانی طبیعت میں بہترین قسم کی استعدادات موجود ہیں لیکن ترقی کے لئے ہدایت ایزدی بھی لازمی ہے۔

(۲۵) ہمارے راستہ میں بعض رکاوٹیں بھی ہیں۔

---

[۱] متن کتاب ۳: ۱۹۳ میں جو لفظ خلق استعمال ہوا ہے اس کے لفظی معنی ہیں اشیاء کی تشکیل اور ساخت پر ان کا امتزاج باہمی اس نسبت کے ماتحت جو ان کے لئے لازمی ہے یہ آیت ان امور کے متعلق تفکر کرنے کو فرض قرار دیتی ہے یعنی ہمیں ان اشیاء کو معلوم کرنا اور ان سے مستفید ہونا چاہیئے۔

(۴۶) کامیابی اسی کو نصیب ہوتی ہے۔ جو دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

مذکورہ بالا تکاتِ جاں افروز کے ہوتے ہوئے کوئی تعجب کی بات نہ تھی اگر ابتدائی زمانہ کے مسلمان تحصیل علوم اور تحقیقاتِ علمیہ میں ہمہ تن غرق ہو گئے۔ ان کی بدولت انہیں فطرت کے خزانوں کی تلاش کی ترغیب ہوئی اور انہیں یہ یقین دلایا گیا کہ ان کی جستجو کا انہیں ثمرہ ملے گا۔ قدرتی طور پر اس سے علم و فن کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ اور مسلمانوں نے علم و فن میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ وہ ایک نئے تمدن کے بانی قرار پائے۔ ملکِ فطرت پر حکمرانی کرنے لگے۔ اور بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن تمول نے ان کے اندر کاہلی اور عیش پسندی پیدا کر دی۔ جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔ غلط کاری۔ طغیان اور نفسانی خواہشات نے ان کی طاقت کی بنیاد کو متزلزل کر دیا۔ اور اغیار کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو گئے۔

ان ابتدائی مسلمانوں نے اپنے مغربی جانشینوں کے لئے خاصہ ذخیرہ وراثت کی شکل میں چھوڑا۔ اور اس وراثت کو آج ہم لوگ سائنس کے جدید نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ علوم در اصل قرآن شریف ہی کا رکھا ہوا ہے۔ علم مشین۔ تہذیب جدید کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس فن کی طرف توجہ قرآن شریف نے ابتداء ہی سے مبذول کر دی تھی۔ کیونکہ انہوں نے پڑھا کہ یہ کائنات اس نہج پر بنی ہوئی ہے جس پر مشین بنتی ہے۔ اور علم مشین مشینوں کے بنانے ہی کو کہتے ہیں۔ کتاب مقدس کہتی ہے کہ تمام کائنات ایک مقررہ اندازہ پر بنائی گئی ہے۔ اور ہر شے اس قانون کے مطابق عمل کر رہی ہے جو رب اکبر کی طرف سے اس پر عاید کیا گیا ہے اور یہ قانون اٹل ہے۔ ہم کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ ہم اندازوں کے معاملہ میں غلطی نہ کریں۔ سورت ۵۵ کی پہلی نو آیات اس حقیقت کو ہم پر پورے طور پر ذہن نشین کر دیتی ہیں۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ان اندازوں کی وقعت کرنی چاہیئے۔ ہر شے میں کوئی نہ کوئی مادہ مضمر ہے۔ مختلف اندازوں میں وہ مختلف مخلوقات کے لئے مفید ہوتی ہے۔ اگر ایک نوع کے لئے ایک اندازہ میں تو دوسری نوع کے لئے ایک اندازہ میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً پانی کی جو مقدار اوقات کے لئے معمولی اور ضروری ہے۔ وہ ہمارے لئے مہلک ہے اور اصولِ مقادیر نہ صرف عالم طبیعات میں کار فرما ہے۔ بلکہ اخلاق اور روحانی عالم میں بھی ایک ہی چیز مختلف مقادیر میں جاکر اچھی یا بری ہو جاتی ہے۔ جو بات ایک خاص حالت میں برائی یا عیب ہوتی ہے وہ دوسرے حالات میں جاکر بھلائی ہو جاتی ہے۔ اس اصول کی وجہ سے مسلمانوں میں ریاضی کی مختلف شاخوں کی تحصیل کی رغبت پیدا ہوئی۔ کیونکہ بفحوائے الکتاب وہ کائنات کے مختلف حصوں میں کار فرما تھیں۔ جبر و مقابلہ۔ سکونیات۔ مخروطیات اور دائر کردہ ریاضی کی اور کئی شاخیں مسلمانوں ہی کے ایجاد کن دماغوں کا نتیجہ ہیں۔

ہمیں بکرات و مرات بتایا گیا تھا کہ پانی جو دنیا کو حیات تازہ بخشتا ہے ایک اندازہ کے ماتحت نازل ہوتا ہے۔ اس کی مقدار بھی معین ہے گویا یہ امر اکتساب علم توازنِ مائیات (ہائیڈرو سٹیٹکس) کی طرف صاف طور سے اشارہ کرتا ہے۔ در حقیقت الہام و وحی جو الکتاب میں استعمال ہوئے ہیں وہ لغت کے اعتبار سے اشارہ یا ترغیب کے معنی دیتے ہیں۔ یعنی خدا کی طرف سے جو علم آتا ہے وہ بطور اشارہ کے ہوتا ہے تاکہ انسانی دماغ اس پر کاربند ہو کر مزید جستجو کر سکے۔

آگے چل کر میں دوسرے اصولوں سے بحث کروں ... قرآن میں مذکور ہیں۔ لیکن جو مقدمات میں نے اس جگہ بیان کئے ... تا زمانہ کے مدعیان تہذیب و تمدن کے اس دعوے کی تردید ... کافی

ہیں۔ کہ مذہب نے تہذیب و تمدن کی کچھ خدمت نہیں کی۔ وہ ذرا یہ تو سوچیں کہ اس میں تو ذرا شک ہی نہیں کہ موجودہ تہذیب و تمدن کے بانی مسلمان ہیں۔

انہوں نے اپنی علمی تحقیقاتوں اور ایجادات کی بدولت دُنیا کے علوم و فنون میں بیش بہا اضافہ کر دیا۔ نیز یہ بھی ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ تمدن ماقبل اسلام میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو انہیں تحقیقاتِ علمیہ کی طرف مائل کر سکتی۔ قرآن شریف نے ہی سب سے پہلے علم کی حمایت میں علم بلند کیا۔ آنحضرت صلعم نے اپنے پیروؤں کو علم کی تلاش میں دُور دراز مُلکوں کے سفر کا حکم دیا۔ علاوہ بریں جو کچھ میں نے اس جگہ بیان کیا ہے۔ وہ بذاتِ خود تحقیقاتِ علمیہ کی طرف مائل کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ علوم نجوم کو مسلمانوں نے اپنی کوشش سے علم ہیئت جیسے مفید فن میں تبدیل کر دیا۔ قرآن نے سب سے پہلے لوگوں کو یہ بتایا کہ نظام شمسی ایک اندازہ کے ماتحت کام کر رہا ہے۔ اور جملہ اجرام سماوی اپنے اپنے محور پر خلا میں گردش کر رہے ہیں۔ ان کی گردش کا دائرہ بھی معین ہے۔ جو انہیں وقتِ معینہ کے اندر پورا کرنا پڑتا ہے وہ نہ ایک دوسرے کے مقابل آ سکتے ہیں اور نہ آپس میں متصادم ہو سکتے ہیں۔ ان کی تحقیق ہماری رہنمائی اور آسانی قطع سفر کے لیے ہوئی ہے۔

علاوہ بریں اگر ہمیں اس امر کا یقین ہو جائے کہ جملہ اشیائے کائنات بعض مقررہ قوانین کے ماتحت کام کرتی ہیں اور ان کی تخلیق معینہ اندازوں پر موقوف ہے اور اگرچہ وہ بظاہر متغائر ہیں۔ لیکن در اصل ان سب میں رنگِ تعاون و تعامل پایا جاتا ہے اور ایک سلک میں منسلک ہیں تو پھر ارباب حکمت کے لئے سیاروں کی گردش کا معلوم کرنا اتنا ہی آسان تھا جتنا خود ان کا شاہراہوں پر چلنا۔ وہ نقشے بنا کر بآسانی سیاروں کی گردش متعین کر سکتے ہیں۔ اور ان قوانین کی بدولت وہ اپنے طویل اور دشوار سفر بآسانی طے کر سکتے تھے۔ اسی طرح قرآن کا یہ فرمان کہ مجملہ مظاہر فطرت تابع قانون ہیں اور مقررہ اصولوں پر کاربند ہیں۔ لوگوں کے اندر اس ترغیب کا موجب ہو گیا۔ کہ ہواؤں کے پابندِ اوقات ہونے کے معتقد ہو جائیں اور اس طرح موسمیات یعنی میٹورالوجی (METERLOGY) کی ابتداء پڑ گئی۔ اور موسمی قوانین دریافت ہوئے اور فن جہاز رانی کے اصولوں سے منظم ہو کر تہذیب و تمدن میں معاون ہو گئے۔ کیونکہ جہاز رانوں کو باد مخالف کے مضر نتائج سے اپنے جہازوں کو محفوظ رکھنے میں آسانی ہو گئی۔ اس الہام سے کہ دریا اور سمندر سب انسانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔ آبپاشی کی بنیاد قائم ہوئی۔ اور جب اس حقیقت کو اس امر سے ملحق کیا گیا کہ زمین میں فلاں عرصہ تک پانی کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہے تو مسلمانوں نے تیسری صدی میں فلاحت اور زراعت کو اس معراج ترقی پر پہنچا دیا کہ مصر اور عراق کی وادیاں کثرت پیداوار سے تمام دنیا کو غلہ مہیا کرنے لگیں۔ آج مصر میں اس قدر کاشتکاری نہیں جس قدر اس زمانہ میں تھی۔

فی الجملہ جبکہ سینٹ پال قانون کو انسان کے لئے لعنت قرار دیتا ہے تو قرآن کریم اسے محترم قرار دے کر اس کی متابعت کو فریضۂ مذہبی قرار دیتا ہے۔ اور اسلام کے لفظی معنی بھی اتباع قانون ہی کے ہیں۔ اگر کلیسائی مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی تمام عمدہ چیزوں سے اجتناب کرو۔ کیونکہ وہ رُوح کو تباہ کرنے والی ہیں۔ تو قرآن فرماتا ہے کہ یہ اشیاء تمہارے لئے ممنوع نہیں ہیں۔

پولوس نے اگر شریعت یا قانون کی تنقیص کی ہے تو محض اس لئے کہ وہ غیر شرعی لوگوں کو مذہب میں داخل کرے۔ لیکن علاوہ طارسس کے "نیم حکیم" عقلا کو اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ اتباع قانون ہی پر تہذیب تمدن کی ترقی کا انحصار ہے!

یہ عقیدہ کہ انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہے (باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۲)

اپیل برائے دعا

(مکرّم چوہدری فضل داد صاحب گجرات)

میں خلوص نیت۔ دل سوزی سے احمدی احباب سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ انجمن کی موجودہ حالت کو نگاہ میں رکھ کر۔ نماز تہجد میں گڑگڑائیں کہ پروردگارِ عالم محض اپنے فضل وکرم سے جماعت کو تباہی سے بچانے کے سامان پیدا کرے۔

ان دِلوں کو تو بدل دے۔ اے میرے قادر خُدا
تُو تو ربّ العالمیں ہے اور سب کا شہر یار

ترقی جماعت تنظیم جماعت کی طرف کسی منصوبہ کے ماتحت توجّہ نہیں دی جارہی۔

میرے پیارے احمدی بھائیو! یہ صورت حال کس قدر دلخراش اندوہناک، رُوح فرسا۔ حوصلہ شکن ہے۔ ان حالات و واقعات کی روشنی میں کون احمدی ہے جو نہیں روتا۔ یاد رکھئے جس طرح انسان کی ذاتی برائیاں خدا کی ناراضگی کا موجب بنتی ہیں۔ اسی طرح جماعتی کمزوریاں اور گناہ انسان کو اللہ تعالےٰ سے دُور کرتے ہیں۔ وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو ذاتی کمزوریوں سے بچنے کے لئے تو کوشش کرتا ہے لیکن جماعتی کمزوریوں کی طرف کوئی توجّہ نہیں دیتا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرُم ہے — جب تک جماعت کے ایک ایک فرد کی تکلیف ساری قوم کی تکلیف نہ سمجھی جائے گی۔ اس وقت تک جماعت بن نہیں سکتی۔ جماعت کی وجہ سے مصائب بھی برداشت کرنے پڑیں۔ مُشکلات سے دوچار ہونا پڑے تب بھی صبر سے کام لے کر جماعت سے علیحدگی اختیار نہ کرنی چاہیئے جماعتی زندگی بڑی الٰہی نعمت ہے۔ اس سے ہرگز ہرگز ادھر ادھر نہ ہو چاہیئے۔ بلکہ ترقی تنظیم، استحکام جماعت کے لئے سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے۔ یاد رکھئے۔ جس قدر جماعت مضبوط ہوگی اور ترقی کرے گی، اسی قدر خدمت اسلام کا کام بھی ترقی کرے گا۔ اور جس قدر جماعت کے نظام میں نقص ہوگا اور ترقّی کی رفتار سُست ہوگی۔ اسی قدر خدمتِ اسلام کے عظیم الشّان کام کو نقصان پہنچے گا۔ اور ہم سب عنداللہ اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ جس کام کی تکمیل کے لئے ہم نے اللہ تعالےٰ کے مامور کے ہاتھ پر عہد کیا تھا۔ اس کام کی پرواہ نہ کی اور اس عہد کو توڑا۔ ایک احمدی کے لئے جو دنیا سے مومنانہ اعتقاد و عمل کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا ہے۔ اس کا اوّلین فرض ہے کہ ترقی و تنظیم و استحکام جماعت میں لگ جائے۔

میرے محترم بزرگو! دوستو!

اگر مغرب کو حلقہ بگوش اسلام بنانا چاہتے ہو

— قرآن مجید کی فتح کے متمنی ہو۔
— اگر دجّال کی عبرت ناک سزا کے خواہاں ہو
— اگر تمہاری آرزو ہے کہ آفتاب اسلام سے ظلمت کدہ عالم منوّر ہو جائے۔
— مسلماں را مسلماں باز کردند کا نظارہ دیکھنے کی تمنّا ہے۔
— اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولادیں کفر و ضلالت سے محفوظ رہیں۔ اور تم اسی حالت میں اللہ تعالےٰ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی فلاح چاہتے ہو۔

"تو آؤ بُنیانٌ مرصوص بن جاؤ"

جماعت کو اپنا شعار بناؤ۔ اجتماعی مفاد کی خاطر اپنے ذاتی اختلافات کو بھول جاؤ۔ جماعتی اتحاد کو ایک زندہ توانا حقیقت بنا دو۔ مخالفین کا مقابلہ ایک پھوٹ میں مُبتلا جماعت نہیں کر سکتی۔ ہرگز نہیں کر سکتی۔ بس بنیان مرصوص بن جاؤ۔ اتحاد۔ اتفاق یکجہتی کی نعمتوں سے سرفراز ہو کر آگے بڑھو۔ فتح یقیناً تمہاری ہوگی۔

حضرت مسیح موعودؑ:—

ہزار سر زنی و مشکلے نگردد حل
چوں پیش او بروی کارِ یک دُعا باشد
صادق آں باشد کہ ایّامِ بلا
مے گذارد با محبّت با وفا

ترجمہ: خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہوتا ہے جو تکلیفات مصائب کے دنوں میں محبت اور وفا سے گذارے

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اِتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

بارگاہ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کُشا کے سامنے

جلسہ سالانہ

باہم مل کر دُعا کرنے کا ایک نہایت قیمتی موقع ہے

دُعا میں بہت بڑی طاقت اور اثر ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خاص طور اس پر زور دیا ہے۔ اگر انفرادی طور پر دُعا کی جائے تو بھی اس میں بہت قوت ہوتی ہے۔ انسان کا دنیوی ساز و سامان سے مایوس ہو کر خدا کے سامنے عاجزانہ گرنا کامیابی کے بہت سے مخفی دروازے کھول دیتا ہے۔ لیکن اجتماع کی دُعا اور بندوں کا مل کر مالکِ حقیقی کے آگے گرنا مصائب و مخالفین کے مقابلے پر ایک ایسا حربہ ہے جس کا مقابلہ دُنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ جلسہ سالانہ باہم مل کر دُعا کرنے کا ایک نہایت قیمتی موقع ہے جس سے ہمیں پوری طرح فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

جلسہ سالانہ پر نمازوں کے متعلق ضروری ہدایات

از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

جلسہ سالانہ کے متعلق ایک اور ضروری بات اپنے احباب سے کہنا چاہتا ہوں۔ خدا تعالےٰ نے سورۃ المومنون میں انسان کا کمال روحانی بیان فرمایا ہے۔ قد افلح المومنون مومن یقیناً کامیاب ہیں۔ یوں نہیں فرمایا کہ مومن کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ مومنوں کی جو صفات اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی ہیں ان سے کامیابی یقینی ہے۔ مومنوں کی فلاح کے لئے اس سورت میں بعض صفات کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ مگر ان میں سے یہاں صرف دو باتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔ مومن وہ ہیں جو اپنی نمازیں عاجزی اور انکساری اختیار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی آخری صفت یہ بیان فرمائی والذین ھم علی صلوتھم یحافظون جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔

پہلی صفت ہے کہ نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں عاجزی پیدا ہو جائے۔ ہمارے سامنے جلسہ سالانہ کا موقع ہے۔ اس موقعہ پر بہت سے لوگ مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن میں اپنے جماعت کے دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان دو تین دنوں کے لئے اپنے نفسوں پر تھوڑا سا جبر کرو اور باقاعدگی کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرو۔ کچھ لوگوں کو انتظام جلسہ کا بہانہ ہوتا ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقفہ میں کچھ پھر پھرا آئیں۔ لیکن میں ان دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ پندرہ منٹ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ مگر اس کے لئے بھی سب لوگ جمع نہیں ہوتے۔ بعض تو شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم جلسہ کے انتظام میں شریک ہیں اس لئے ہم جماعت کے ساتھ مسجد میں نمازیں ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ صحابہ کرام رض کو تو جنگوں کے موقعہ پر یہ حکم تھا کہ آدھے نماز پڑھ لیں اور آدھے دشمن کا مقابلہ کریں۔ اور اس طرح وہ آدھے بھی بعد میں نماز پڑھ لیں۔ بلکہ یہاں تک ارشاد ہے کہ اگر تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھ لو۔ اور اگر لیٹ کر نہیں پڑھ سکتے تو اشارہ سے نماز ادا کرو۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے خدا کے حضور میں ضرور گرو۔

لیکن زمانہ کی زہریلی ہوا نے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ لوگ نماز کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ مگر اپنی جماعت کے دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ سب اس موقعہ پر نمازوں میں شریک ہوں، اور لاہور کے دوستوں کو بالخصوص کہنا چاہتا ہوں کہ وہ نمازوں میں ضرور شامل ہوں۔ خوب یاد رکھو کہ اگر فی الواقعہ تم وہ کام کرنا چاہتے ہو جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ تو سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دو۔ اکٹھے ہو کر خدا کے حضور گرنے کے لئے تمہیں آٹھ دس اوقات ملتے ہیں۔ ان اوقات میں ایک اہتمام کے ساتھ نمازوں کو ادا کرو جس طرح جماعت کے رنگ میں ہر کام کرنے میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی

لندن مشن — تبلیغی سرگرمیاں

(رپورٹ از ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب امام و جناب چوہدری مسعود اختر صاحب نائب امام)

—— امام مشن ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب پی ایچ ڈی تحریر فرماتے ہیں: —— صدر یو کے جماعت مسز جمیلہ خان صاحبہ اور ان کے خاوند جناب تیغ خان صاحب "انٹرفیتھ" کانفرنس میں متعارف کروانے لے گئے تھے وہاں پی این او پر لیکچر بھی سنا اور بعد میں منتظمین سے ہمارا تعارف کروایا گیا۔ وہاں ہر مذہب کا کوئی نہ کوئی نمائندہ موجود تھا۔ شیخ محمد طفیل صاحب اس جماعت کے پرانے ممبر ہیں۔

لیکچر کے بعد مہمانوں کی تواضع چائے سے کی جاتی ہے اور آپس میں مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات بھی ہوتا ہے اور کئی لوگوں کو اپنے ہاں مدعو بھی کیا جاتا ہے۔

مختلف مذہب کی اس کانفرنس کی ایک لائبریری بھی ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر سخت حیرت اور افسوس ہوا کہ مذاہب کے خانہ میں بہائی مذہب پر بیس کتابیں موجود تھیں اور جنرل اسلام پر صرف معمولی قسم کی آٹھ یا دس کتابیں اور ان میں شہزادی زیب النساء کا مترجم دیوان بھی شامل تھا۔ احمدیت پر جو دس گیارہ کتابیں تھیں ان میں سے ¾ ربوہ والوں کی تھیں۔ ہماری غالباً معمولی دو کتابیں تھیں۔

۴ نومبر اور گیارہ نومبر کے خطبات مجھے ہی دینے پڑے کیونکہ محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب، اور چوہدری مسعود اختر صاحب نائب امام ہالینڈ ایک کانفرنس میں شمولیت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ وہاں ایک مسجد اور مشن کا افتتاح ہونا ہے۔ ایک دو دن میں واپس آجائیں گے تو مفصل رپورٹ بھیجی جائے گی۔

عیدالاضحیٰ کے لئے مقامی جماعت نے بہت عمدہ قسم کے پمفلٹ تیار کئے ہیں اور عید منانے کا عمدہ پروگرام مرتب کیا گیا ہے احباب کو پنج وقتہ نماز کے اوقات لکھ کر بھجوائے گئے ہیں۔

بعض سفارت خانوں کو حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت امیر مرحوم کی کتب بھجوانے کا انتظام کیا گیا ہے

مسز جمیلہ خان صاحبہ صدر یو کے جماعت ان کے خاوند اور مسٹر جمید علی بہت اخلاص سے کام کرتے ہیں۔ گیانا کے مسٹر حسن کو خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے بے پناہ عقیدت ہے۔ ان کے بچے مسجد (احمدیہ ہاؤس) میں باقاعدگی سے پڑھنے آتے ہیں۔ وہ خود بھی باقاعدہ آتے رہتے ہیں۔ دعا فرمائیں اللہ تعالےٰ ہمیں خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے — آمین — رپورٹ محترم نائب امام: ——

خطبہ جمعہ خطبہ جمعہ جناب ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب امام لندن مشن نے دیا اور امامت نماز کے فرائض بھی ادا کئے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم .... اجراً عظیما۔ الخ کی آیات تلاوت فرمائیں اور ان آیات کا انگریزی ترجمہ کرنے کے بعد اس امر پر روشنی ڈالی کہ مسلمان ایک الگ ممتاز قوم ہے۔ اور اس کا کردار۔ اخلاق روزمرہ زندگی کے طور طریق باقی ادیان کے پیروؤں سے بالکل مختلف ہیں۔ ان آیات میں محمد رسول اللہ صلعم کے متبعین کے اوصاف اور کردار کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ گذشتہ الہامی صحیفوں میں بھی ان لوگوں کے اوصاف اور اخلاق کا ذکر ہے۔ اور قرآن پاک نے بھی نمایاں طور پر آپکی نشاندہی کی ہے۔ اب ہمیں خود نیک نیتی اور دیانت داری سے اپنا محاسبہ کرنا ہے کہ آیا یہ ذکر ہم مسلمانوں کا ہے یا کسی اور قوم کا۔ ہم جس قدر

جلد اپنا محاسبہ کریں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ تاکہ ہم خیر اُمّۃ کے مصداق بن سکیں اور دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ قائم کر سکیں۔ ورنہ کنتم شھداء علی النّاس کے مصداق ہم ثابت نہ ہوں گے۔

ان آیات میں ایک سبق ہے کہ کفار کے خلاف تو شدّت ہو لیکن آپس میں رحم و پیار کے تعلقات ہوں۔ یہ قوم سازی کا ایک گُر بتایا گیا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ جانا اور آپس میں باہم اتفاق و محبت اور باہم اخوت کا رشتہ قائم کرنا۔ باقی قومیں تو محض دنیاوی رشتوں میں منسلک ہیں۔ ان کے ہاں مذہب و عقیدہ کا ان کے معاشرہ پر کوئی اثر نہیں۔ اسلام اس کے بالمقابل ایک قوم، ایک کلچر، ایک طرزِ زندگی کا نام ہے۔

اشاعت لٹریچر } اس ہفتہ میں ہم نے ایک پروگرام کے تحت عیدالاضحیٰ پر اور قرآن شریف کی خوبیوں پر حضرت مسیح موعودؑ کی مختلف تحریروں کے اقتباسات کے انگریزی ترجمہ پر مشتمل پمفلٹ کوئی ۶۰ کے قریب انگریز گھروں میں دیئے۔ علاوہ ازیں جناب مجید علی صاحب اور ڈاکٹر اے کے سعید پاشا صاحب نے بھی اپنے حلقۂ احباب تک یہ پمفلٹ پہنچائے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ کے پیغام کو ہر انگریز گھر تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ ہمارا فرض پیغام پہنچانا ہے اور نتائج اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ کام اب ہم لوگ بڑے پیمانہ پر کرنے کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ جس کے تحت جماعت کا ہر ممبر اسلام پر لٹریچر اپنے علاقہ میں لوگوں کے گھروں تک پہنچائے گا۔ اس سلسلہ میں ہم حضرت مسیح موعودؑ۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی تحریروں سے مواد جمع کرکے اسلام کی ایک جامع شکل اختصار کے ساتھ لوگوں کے سامنے پہنچانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس کو AAII U.K شائع کرے گی اور دو چار صفحات میں اسلام کے متعلق موٹی موٹی باتوں کا علم لوگوں تک پہنچایا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

عید الاضحیٰ } ۲۲ر نومبر کو منائی گئی۔ اگرچہ اسلامک سنٹر نے شروع میں ۲۱ر تاریخ کا اعلان کیا تھا اور بعد میں ۲۰ر کا دن مقرر کیا۔ لیکن U.K کی کوئی ایک صد کے قریب مساجد میں ۲۲ر تاریخ بروز منگل عید کی نماز ادا کی گئی۔ U.K جماعت نے بھی ۲۲ر کے لئے ممبران کو اطلاع دی تھی۔ منگل کو چھٹی کا دن نہ تھا۔ اس لئے ویلز، بریڈفورڈ اور مانچسٹر کے احباب تو تشریف نہ لا سکے۔ لیکن لندن اور گرد و نواح سے لوگ آئے۔ ۱۱ بجے کے قریب نماز عید جناب ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب امام لندن مشن نے پڑھائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے تشہد کے بعد لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوٰی ــــ کی تلاوت کے بعد ان آیات کا انگریزی ترجمہ سنانے کے بعد بڑی تفصیل سے اس امر کی وضاحت کی کہ اسلام ایک الہامی مذہب ہے جس کے تمام تہوار عبادات کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ جب کبھی خوشی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ تو اس میں اللہ تعالےٰ کا شکر حمد اور ثنا کی جاتی ہے اور مسلمان کبھی اخلاقی و انسانی حدود سے باہر ہو کر کسی تہوار کو نہیں مناتا۔ بلکہ رسول کریم صلعم کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے دونوں عیدوں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور عیدالاضحیٰ کی جملہ تفصیل سے بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ خوشی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی ایک عظیم قربانی میں سرخرو ہونے کی خوشی میں شکرانہ اور یاد کے طور پر منائی جاتی ہے اور مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کے لئے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام قوموں کو وحدانیت کی تعلیم دینے آئے اُنہوں نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی کہ لوگ یہاں جمع ہو کر ایک اللہ کو کریں۔ اور اس راہ میں انہوں نے عظیم قربانیاں دیں۔ پہلی عظیم قربانی اپنی بیوی اور بچے کو حکمِ الٰہی کی فرمانبرداری میں ایک غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر حکمِ الٰہی سے چھوڑ کر واپس چلے جانا ہے۔ اور یہ قربانی ایک رنگ میں اس بیوی کی بھی ہے جس نے محض اللہ کے سہارے صحرا میں رہنا منظور کر لیا۔ جب اس نے اپنے خاوند سے سوال کیا کہ ہمیں یہاں کس کے لئے چھوڑے جاتے ہو، تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا، اللہ کے سپرد کرتا ہوں تو اس عظیم خاتون نے جواب دیا۔ تو پھر یقیناً وہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ اللہ کتنی عظیم خاتون ہے۔ اللہ پر کس قدر ایمان کا اظہار ہے۔

پھر اس خاتون کا امتحان ہوتا ہے، بچہ پیاس سے بلک رہا ہے۔ ماں پریشان ہو کر دونوں پہاڑیوں کے درمیان (صفا و مروہ) پانی کے لئے دوڑتی ہے۔ سات بار چکر لگاتی ہے اور آخر اللہ تعالےٰ کا رحم جوش میں آتا ہے اور بچے کے پاؤں میں سے پانی کا چشمہ جسے زمزم کہتے ہیں۔ یہ خاتون امتحان میں کامیاب رہی۔

پھر بیٹے کا امتحان ہوتا ہے۔ باپ کہتا ہے بیٹا میں نے دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے۔ اور یہ عظیم بیٹا کس عزم سے کہتا ہے ابا جان جو حکم ملا ہے کر گزریئے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ باپ بیٹا دونوں سرخرو ہو گئے۔ اللہ نے انسان کی قربانی کے بدل میں جانور کی قربانی کرنے کو کہا تھا کہ اس عظیم قربانی کی یاد تازہ رہے۔ کتنا عظیم خاندان ہے جس کی یاد میں ہم خوشی منا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تینوں کو نوازا۔ بیت اللہ پر کروڑوں انسانوں کو ابراہیمؑ کی طرح قربانیوں کا سبق ایک اللہ کے آگے سر جھکانے اور اپنی دنیاوی خواہشات سے بے نیاز ہو کر اُسی کے ہو کر تسلیم و رضا کے نعرے لگاتے ہوئے اسی کی طرف دوڑنا سکھایا حضرت ہاجرہؑ کی یاد صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑ کر تازہ کی جاتی ہے اور بکروں، جانوروں کی قربانی بیٹے کی قربانی کی یاد تازہ ہے۔ اس قربانی کا گوشت اور لہو تو اللہ تعالےٰ کو نہیں پہنچتا۔ اس کے ساتھ جو تقوےٰ ہے وہ پہنچتا ہے۔ اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے جان قربان کر دینے سے اور سرِ تسلیم خم کر دینے سے۔ خطبہ کے بعد حاضرین ایک دوسرے سے گلے مل مل کر عید مبارک کہتے رہے۔

نماز عید کے لئے کوئی ۸۰ خواتین و حضرات تشریف لائے اور احساس ہوا کہ موجودہ کمرے جن کو ملا کر مسجد بنایا گیا ہے بمشکل ۵۰ نمازیوں کے لئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ لوگ آجائیں تو پھر متبادل انتظام کرنا ہوگا۔ حاضرین کی تواضع آلو قیمہ نان اور ۲۴ کورش کا انتظام کیا تھا۔ اور جناب رضیہ فاروقی صاحبہ شیر خرمہ تیار کر کے لائی تھیں۔

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور شیخ محمد طفیل صاحب نے بھی ہمارے ساتھ ہی ادا کی۔ خطبۂ عید کے بعد جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے دعا کرائی جس میں اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وجعلنا منھم ...... بڑے درد کے ساتھ جماعت کی یکجہتی اور اتفاق کے لئے دعا فرمائی۔ اور حاضرین کے اصرار پر ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جناب مسعود احمد کی صاحبزادی ثمینہ عزیزہ نے عید قربان پر ایک مضمون پڑھا۔